أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(القرآن)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ

کے خاص بندے

عَبْدُہٗ

ترتیب:

ڈاکٹر محمد عمر خان

علم دین پبلشرز

اردو بازار لاہور، پاکستان

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
(القرآن)

اولیائی تحت قبائی لا یعلمھم غیری
(الحدیث القدسی)

اللہ جل شانہٗ کے خاص بندے

عَبْدُہٗ

ترتیب:

ڈاکٹر محمد عمر خان

علم دین پبلشرز

ماتھر سٹریٹ، ۷۔لوئر مال روڈ، اُردو بازار، لاہور۔پاکستان

فون: 042-7029415 موبائل: 0300-4043954

نام کتاب	● ----------------	اللہ جَلّ جَلالُہٗ کے خاص بندے عَبْدُہٗ
مُرتّب	● ----------------	کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر محمد عمر خان صاحب
مَوضُوع	● ----------------	تذکرۃُ الاولیاء
کمپوزنگ	● ----------------	سعید حسن شاہ صاحب
ڈیزائننگ	● ----------------	محمد فیض ربانی
تعداد	● ----------------	500
مطبع	● ----------------	ادارہ غوثیہ رضویہ
پرنٹرز	● ----------------	المدینہ پرنٹرز، لاہور
قیمت	● ----------------	

ملنے کا پتہ

علم دین پبلشرز

ماتھر سٹریٹ، ۷۔لوئر مال روڈ، اُردو بازار، لاہور۔پاکستان

فون: 042-7029415 موبائل: 0300-4043954

فہرست

فہرست

فہرست

انتساب

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، اصل الموجودات، فخرِ کائنات، انسانِ کامل، ہادیٔ ہر جہان، سرکارِ ہر عالم، سرورِ کائنات، نورِ ازل، حضورِ پُرنور، حضورِ انور، حضرت محمد رسول اللہ، رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے و طفیل، کی معرفت اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ و جل شانہٗ کی بارگاہِ عالی و پاک میں رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاص و عظیم صفتِ رحمۃ اللعالمینی کی سنت میں میری اس دُعا، خواہش یا گزارش کے ساتھ پیش ہے کہ اس کتاب میں جو خیر و خوبی، اَجر و ثواب ہو وہ اوّل تا آخر تمام اُمت مسلمہ کے لئے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد عمر خان

215۔ اے، فیز ا

ڈی ایچ اے

لاہور

عرضِ مصنف

میرا اولیاء اللہ، فقراء، درویش اور صوفیائے کرام یا اس طبقہ خاص کے متعلق لکھنے کا مقصد ان سے اظہارِ محبت و عقیدت ہے اور میں صدقِ دل سے یہ چاہتا ہوں کہ امت مسلمہ میں بھی سب کو ان کا وہ عزت و احترام ہونا چاہیے جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں مستحق بنایا ہے۔ نظامِ قدرت ہے کہ ان کی صحبت تو خال خال لوگوں کو نصیب ہوتی ہے لیکن جو اولیاء اللہ پردہ فرما گئے ہیں اور وہ اپنے کشف و کرامات اور دین اسلام کی گراں قدر خدمات کے لئے مشہور و معروف ہیں وہ تو ہر ایک کی دسترس میں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ عوام الناس انہیں سلام کرنے جائیں، حاضری دیں اور ان کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھائیں، فیض پائیں اور قرآن و سنت کا، اسوۂ حسنہ کا خلوص و شوق سے اتباع کریں۔ آل رسول، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اُمت مسلمہ کے یہی لوگ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کو پیارے ہیں۔

یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، حاصلِ کائنات، سرکار دو عالم، پیغمبر بحر و بر، ہادی انس و جاں، حضور انور، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضور پُر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم، رحمۃ اللعالمین ﷺ کی رحمتوں کا سایہ ہیں۔ ان کا جمال، رسولِ کریم ﷺ کے جمال کا سایہ ہے، عکس ہے اور ان کا جلال بھی آپ ﷺ کے جلال کا پَرتو ہے۔ ان کے ہر عمل میں آپ ﷺ کی مختلف شانوں کا عکس نظر آتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ یہ رجال الغیب، مردانِ حق اللہ اور اللہ کے رسولِ محبوب، رحیم و کریم و رؤف و رحیم ﷺ کی مختلف شانوں کا مظہر ہیں۔

میں ان کی تعریف یا مدح سرائی کیا کروں۔ ان کے فضائل، مناقب بے شمار ہیں اور ان سے محبت رکھنے کے لئے اشارے تو قرآن حکیم کی کئی آیات مبارکہ میں ہیں۔ اُن کے فضائل، اعلیٰ مقام و مناقب اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاں اُن کی قدر و منزلت و پسندیدگی کو کافی تفصیل و وضاحت سے بیان کرنے والی بہت سی احادیث مبارک ہیں۔ ان آیاتِ کریمہ اور احادیث مبارک کا میں یہاں اس لئے ذکر نہیں کر رہا ہوں کہ کچھ ہی دیر بعد آپ ان میں سے چیدہ چیدہ کو باب ''اولیاء اللہ'' میں تفصیل کے ساتھ پڑھیں گے اس لئے میں نے ان کا اس موقع پر بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ ہاں جس کسی کو اولیاء اللہ کے مناقب، فضائل اور ان کا اُمت محمدیہ کے بہترین، کامیاب ترین لوگ ہونے میں شک ہو وہ

بے شک پہلے اس باب کو پڑھ لیں تا کہ اولیاء اللہ سے میرے اظہارِ عقیدت ومحبت کو وہ بہ احسن وخوبی سمجھ سکیں ۔قصہ مختصر! ان کا اتباع کرنا ہی صحابہ کرام ؓ کا اتباع کرنا ہے اور صحابہ کرام ؓ کا اتباع پیغمبر اول وآخر واعظم ،حضور پُر نور، نبی کریم ،رؤف ورحیم ﷺ ہی خوبصورت ترین اور معیاری اتباع ہے۔

اس پوری کائنات میں ایک پتا بھی اس کے علم کے بغیر نہیں گرتا ،سورہ انعام آیت 59 ۔اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم ونگاہ میں ہے،سورہ یونس آیت 61۔اور بے شک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے،سورہ بقرہ آیت 20 ۔اور اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے "ہوجا" وہ فوراً ہوجاتی ہے،سورہ یٰسٓ آیت 82۔کائنات میں سب کچھ اسی کا ہے اور اس کے تابع فرمان ہے ۔اس کی خدائی میں شک کرنے والا کافر ہے اور دائمی خسارہ میں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۔وہ چاہے تو کن فرما کر مٹی کو سونا بنادے اور چاہے تو سونے کو مٹی بنادے ۔وہ چاہے تو موسیٰ کو فرعون کے گھر میں ہی پرورش کرے اور وہ چاہے تو دہکتی آگ وانگارے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مثل گلزار بنادے۔انہی صداقتوں کے پیش نظر میں یہاں اولیاء اللہ کی صداقت کے حق میں اپنی مثال دینا چاہتا ہوں ۔میری اس مثال سے یا میرے ان الفاظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں اپنی ذات کے حوالے سے "روحانیت" کے بارے میں بھی یہ بات کر رہا ہوں ۔یہ بات نہیں ہے ۔مجھے تو یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ پچپن (55) سال کی عمر تک مجھے دین اسلام اور بانی دین اسلام سے کوئی شغف نہ تھا،کوئی لگاؤ نہ تھا اور نہ علم تھا اور نہ اس سے متعلق علم کی جستجو تھی ،میں تو نام کا مسلمان تھا ۔میری شرارتوں ،فقرے بازی اور دیدہ دلیری سے میرے کلاس فیلو مجھے انتہائی شرارتی انسان کہتے تھے ۔میری عادات ،طور واطوار سب اسلامی طریقہ زندگی کے یا شرافت کے خلاف تھے ۔میں نے تو قرآن حکیم کو بھی رسماً پڑھا ہوا تھا یعنی کہ برائے نام مسلمان ہونے کی وجہ سے پڑھا تھا اور اس سے زیادہ میرا علم نہ تھا ،اور میرا عملی اسلام بھی اس سے زیادہ نہ تھا ۔بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ دین اسلام اور بانی دین اسلام سے متعلق میرا علم اور عملی زندگی میں اس کا اظہار صفر تھا تو یہ غلط نہ ہوگا ۔مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اب جو کام (اسلام سے متعلق پڑھنے لکھنے کا) میں شب وروز کر رہا ہوں اس کے لئے تو مجھ میں جراثیم ہی نہیں تھے ۔اور یہ بات میں نے برملا اللہ کے اس نیک بندے کو کہہ دی تھی جس نے مجھے 1995 میں جب کہ میں اپنی عمر کے 56 ویں سال میں تھا ،کہا تھا کہ "تم بھی عنقریب نیک کام کرو گے ۔" اور میں تو منہ پھٹ تھا ہی ،میں نے برملا اس بزرگ کو کہہ دیا! یہ آپ نے کس شیطان کے بارے میں کہہ دیا ہے ،مجھ میں تو نیکی کے جراثیم ہی نہیں ہیں ۔

اپنے ہی حوالے سے اور مجھے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ،خالق ومالک کائنات ،قادر مطلق جب چاہے اپنے حبیب ﷺ کے واسطے سے ،کی معرفت یا اپنے حبیب ﷺ کے پیاروں کی معرفت ،وہ زندہ ہوں یا پردہ فرما چکے ہوں ،ان کی معرفت کسی بھی گنوار ،اجڈ ،جاہل ،ان پڑھ کو علوم وخوبیوں سے نواز سکتے ہیں ،نوازتے ہیں اور میں بھی تو اب سے کچھ عرصہ پہلے تک دینی لحاظ سے ایک اجڈ ،گنوار ،جاہل اور دنیا میں مدہوش فرد ہی تھا ۔

میں اب درج ذیل میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ بچپن (55) سال کی عمر تک میں صرف نام کا مسلمان تھا اور میرے کام مسلمانوں والے نہ تھے، اسے پڑھتے وقت مندرجہ بالا پیراگراف کی آخری تین چار لائنوں میں، سطروں میں جو میں نے لکھا ہے اگر وہ آپ کے پیشِ نظر رہے یا ذہن میں رہے تو آپ میری بات کو بہت اچھی طرح سمجھ جائیں گے اور اس سے مستفید بھی ہوں گے اور محظوظ بھی ہوں گے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ

تیرِ جستہ باز گرداند زے راہ

یعنی کہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اولیاء کو (اولیاء اللہ کو) یہ طاقت وصلاحیت بھی عطا کی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ کمان سے داغے ہوئے، چھوڑے ہوئے تیر کو بھی راستے سے ہی پلٹا لاتے ہیں۔ یعنی وہ صادر شدہ تقدیر کو بھی بدل دیتے ہیں۔ وہ ایک نگاہ میں کسی کی بھی شخصیت بدل دیتے ہیں۔ وہ ایک ارادے سے کسی کی بھی حالت وطبیعت کو بدل دیتے ہیں۔ یعنی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا سے قضا وقدر کے درمیان آجاتے ہیں۔

کسی پر کب اور کیوں ان کی نگاہ کرم پڑ جاتی ہے یہ تکوینی نظام کا حصہ ہے۔ علم غیب کا حصہ ہے اسے وہ کسی کو نہیں بتاتے اور دیگر لوگ مخلوقِ خدا، عام لوگ اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

میں کیا تھا یہ ان درج ذیل دو واقعات سے بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ مجھ پر کسی رجال غیب، مرد مومن، اولیاء اللہ کی نگاہِ کرم پڑی، کب پڑی، کیوں پڑی یہ میں نہیں جانتا اور اگر مجھے اب تک اس سے متعلق کچھ اشارہ مل بھی گیا ہو گا تو میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا کیونکہ اس کی بنیاد تو بچپن میں ہی ڈال دی جاتی ہے اور پھر جنہیں اس راہ پر لایا جاتا ہے انہیں ہر کچھ پر مکمل ایمان بالغیب کی خاطر عین الیقین اور پھر حق الیقین کرایا جاتا ہے۔

یعنی کہ انہیں بچپن سے ہی ایسے واقعات، حالات، خواب وخیالات سے گزارا جاتا ہے اور ان کو یادداشت میں محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ جب وہ مقام آئے تو اُسے وہ بچپن کے، ماضی کے واقعات یاد آئیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین ہو اور وہ جان جائے کہ ہاں اس وقت یہ جو بات ہوئی تھی وہ تو اس لئے ہوئی تھی اور اس وقت جو یہ ہوا تھا وہ اس لئے ہوا تھا۔ اس طرح ان سب کی کڑیاں ملتی جاتی ہیں اور وہ ان کا یقین بالغیب پر یقین بالعین ہوتا ہے، اور پھر بعد میں وہی حق الیقین میں بدل دیا جاتا ہے۔

جب آدمی کی عمر بیس سال سے تیس سال کے درمیان ہوتی ہے تو عموماً اس دوران اس کی جو شخصیت بنتی ہے وہی اس کا حاصل زندگی ہوتا ہے۔ اس دوران وہ اپنی کارگزاریوں کے آزاد ہوتا ہے، نوجوان ہوتا ہے اور والدین کے سائے میں میدانِ عمل میں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے اور پھر تعلیم وغیرہ ختم کرنے کے بعد ملازمت، شادی خانہ آبادی، یعنی کہ زندگی کی مروّجہ ڈگر پر پڑ جاتا

ہے۔اس لئے آدمی کی اصل شخصیت کالج میں یا بیس پچیس سال کی عمر میں بنتی ہے اور ظاہر ہوتی ہے۔اور پھر میں نے تو میڈیکل کالج میں ایم۔بی۔بی۔ایس کی تعلیم حاصل کی ہے۔جس میں کلاس فیلو رہنے کا دورانیہ پانچ سال کا ہے اس لئے ہم ڈاکٹروں کو تو ایک دوسرے کو زیادہ عرصہ تک جاننے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔اتنے عرصہ میں ہر کسی کی شخصیت اُبھر کر کلاس فیلوز کے سامنے آجاتی ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے (شروع سن **2000** عیسوی) جب میں نے اپنی کتابیں:

❶ ——— نور قرآن کی روشنی میں

❷ ——— پیارے رسول ﷺ کا پیار

چھپ جانے کے بعد لوگوں میں تقسیم کیں یا بذریعہ ڈاک مستحق لوگوں کو ملک کے دور دراز علاقوں میں پہنچائیں۔اسی طرح میں نے یہ کتابیں اپنے چند گہرے دوست کلاس فیلوز کو بھی پہنچادیں۔ان ڈاکٹروں میں میرے ایک دوست ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا، جہلم والے بھی تھے۔اس نے شوق میں میری دونوں کتابیں بہت جلدی پڑھ لیں اور وہ بہت متاثر ہوا۔

حسن اتفاق سے جب وہ میری دونوں کتابیں پڑھ چکا تھا اور پھر اپنے شوق وخوشی میں چند اور دوست احباب کو بھی پڑھائی تھیں تو وہ کتابیں انہیں بھی بہت معیاری لگی تھیں۔ان ہی دنوں جہلم میں ایک سیمینار کے سلسلے میں پاک آرمی اور سول سے ڈاکٹروں کا اجتماع ہوا۔اس اجتماع میں نشتر میڈیکل کالج کے بہت سارے ڈاکٹر تھے۔ان میں سے کچھ ہمارے سینئر تھے اور کچھ جونیئر اور کچھ کلاس فیلو تھے اور ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا اس سیمینار کے منتظمین میں سے تھا۔

اس نے نشتر کے ڈاکٹروں کو اپنے گھر پر مدعو کیا، اکٹھا کیا اور انہیں کہا کہ یار ایک بہت بڑی اور حیران کن خبر ہے۔انہوں نے تجسس میں پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے کہا کہ یار تم میرے کلاس فیلو ڈاکٹر عمر (اس کے ساتھ ہی اس نے میرے دو نِک نیم یا عرف لئے) کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں بھئی خوب جانتے ہیں وہی عمر مچھ، عمر بانسری والا، بتائیں اس کے بارے میں کیا خبر ہے؟

ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے کہا:

یار وہ بہت ہی ناقابل یقین اور حیران کن بات ہے۔لیکن ہے سچی بات۔ڈاکٹروں نے پھر تجسس سے پوچھا یار بتاؤ بھی کیا بات ہے؟ ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے بڑے تحمل سے مگر ڈرامائی انداز میں کہا۔یار، وہ عمر مسلمان ہو گیا ہے۔

اس نے دین اسلام پر بہت عمدہ کامیاب کتابیں لکھی ہیں۔یار وہ تو بالکل مسلمان ہو گیا ہے۔پھر ڈاکٹر زمرد بیگ مرزا نے میری لکھی ہوئی وہ دونوں کتابیں انہیں دکھائیں۔اور ایک دو ساتھیوں کو وہ کتابیں نظر سے گزارنے کے لئے دیں۔

اسی سے متعلق ایک دوسرا واقعہ سنیئے: اس واقعہ میں بھی میرے ایک کلاس فیلو ڈاکٹر بابر (سرجن نشتر ہسپتال) کا تعلق ہے۔ سن 2002 عیسوی میں ایک زمانے کے بعد مجھے ملتان جانے کا اتفاق ہوا اور وہ اس طرح کہ میرا چھوٹا بیٹا فاروق عمر خان ڈسٹرکٹ مظفر گڑھ کے ایک پاور پلانٹ میں آئی ٹی کا مینیجر یا آفیسر انچارج تھا۔ ایک دن میں بغیر پیشگی اطلاع دیئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اپنے کلاس فیلو ڈاکٹر بابر سے ملنے چلا گیا۔ حسن اتفاق سے وہ گھر پر موجود تھے۔ ہم تقریباً 38 سال بعد ملے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں تمہارا کلاس فیلو ڈاکٹر ہوں، مجھے پہچانو۔ کچھ دیر بعد اس نے مجھے پہچان لیا۔ ہم گلے ملے اور میں نے اپنے بیٹے فاروق عمر خان کا جو میرے ساتھ تھا اس سے تعارف کرایا۔ پھر ہم حسب معمول کچھ دیر کے لئے چائے، پانی پینے بیٹھ گئے اور باتیں شروع کر دیں۔

ہم تینوں ابھی مشروب ہی پی رہے تھے کہ ڈاکٹر بابر نے مجھ سے پوچھا یار عمر آج کل کیا کر رہے ہو؟ اس وقت میرے ساتھ ہی ایک طرف میرا بیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ میں 1997 سے باقاعدگی سے لکھ رہا تھا اور اب تک میں ان دو مذکورہ کتابوں کے علاوہ واقعہ کربلا پر ''حق حقیقت اور حقائق'' کے نام سے ایک اور بہت اچھی کتاب لکھ چکا تھا۔ اور ان دنوں اپنے بیٹے کے پاس رہتے ہوئے ہی اب تک میں اپنی ایک نئی کتاب ''نور ام النور، نور رحمۃ اللعالمین'' کے اندازاً ڈھائی ہزار صفحات لکھ چکا تھا۔ اس مسلسل کارِ خیر میں، میں اپنے ماضی کو بھول چکا تھا اس لئے بے خیالی میں میں نے اسے کہہ دیا کہ یار آج کل میں دین اسلام پر لکھ رہا ہوں۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ ڈاکٹر بابر کو تعجب میں پانی، مشروب کا پھندا پڑ گیا اور باوجود اس کے کہ میرے ساتھ میرا بیٹا بیٹھا ہوا تھا وہ اپنے الفاظ کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔ اس نے کہا:

یار، ''ڈاکٹر عمر اور اسلام'' یہ تو نا قابل یقین بات ہے اور اسی لئے تو اس انہونی کا سن کر مجھے مشروب کا پھندا پڑ گیا ہے۔ شاید وہ اس سے آگے اور بھی بہت کچھ کہتا لیکن میرے بیٹے کی موجودگی میں وہ مجبوراً چپ رہا۔

میں اس کے خدشہ کو بھانپ گیا اور میں نے اسے اپنی دو کتابیں پیش کر دیں اور ہفتے بعد رابطہ کے لئے کہہ آیا۔ الحمد للہ! کہ ان کتابوں نے اس کے خدشات دور کر دیئے اور مجھے کہا، یار عمر! واقعی تم نے بہت اچھا لکھا ہے۔

اب بھی اگر کوئی میرے کلاس فیلوز یا قریبی کالج فیلوز کو یہ بات کہہ دے کہ ڈاکٹر عمر دین اسلام کے بارے میں لکھ رہا ہے (اور ان کو یہ تسلی نہ دی جائے کہ ڈاکٹر عمر معیاری لکھتا ہے) تو یہ سن کر انہیں اسلام کی محبت میں سر درد ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہنے سے نہیں چوکتے کہ نہ جانے وہ بے علم، دین اسلام کے متعلق کیا واہی تباہی لکھ رہا ہے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا دو واقعات سے آپ پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ میں کالج لائف میں کس طرح کا آدمی تھا۔ میں صحیح معنوں میں بہت ہی آزاد طبیعت و آزاد خیال قسم کا آدمی تھا۔ اسی لئے میرے ان دونوں کلاس فیلو ڈاکٹرز نے جو میرے بارے میں کہا وہ سچ کہا تھا۔ بس یہ شانِ ربّ العالمین، قادرِ مطلق ہے کہ اس کے کسی مردِ حق، مردِ مومن، رجالِ غیب، اولیاء اللہ کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اُس نے اللہ اور اس کے رسول مقبول و محبوب ﷺ کے حکم و اذن سے مجھے میرے ماضی سے 180 ڈگری گھما دیا۔

اور پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے کرم خصوصی کیا تو 56 سال کی عمر میں مجھے دین اسلام، اور بانی اسلام کی محبت وعظمت میرے دل میں ڈال دی۔ میں نے قرآنِ حکیم کو بمع ترجمہ بڑے دھیان سے پڑھا اور سیرت النبی ﷺ پر صرف ایک دو سو صفحوں والی کتاب ''سیّد کونین'' پڑھی اور پھر کیا تھا کہ عطائے الٰہی نے مجھے سیراب کردیا۔ میری سوچ اور اندازِ زندگی یکسر بدل گئے۔ اپنا پروفیشن چھوڑ دیا اور میں وارفتگی میں دین اسلام کے متعلق لکھنے لگ گیا۔ اس سے پہلے تو ایک دو صفحے کا خط لکھنا بھی میرے لئے بہت مشکل تھا لیکن اب لگن، محبت یا پڑھنے، سوچنے سمجھنے اور اسے لکھنے کی صلاحیت وخودرفتگی اس قدر نصیب ہوئی کہ دین اسلام، بانی دین اسلام کے بارے میں صفر علم رکھنے والے نے مسلسل ڈھائی سال لکھ کر واقعاتی سیرت النبی ﷺ پر ایک ضخیم اور بہت بڑی کتاب ''نور اُم النور، نور رحمۃ اللعالمین'' لکھ ڈالی۔

میرا یہاں یہ کچھ لکھ دینے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس پر بھی چاہے (اولیاً، فقراً، درویش، صلحاً) اس پر فضل خصوصی کرتا ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے سورۂ حدید آیت 21۔ اللہ ہی انہیں علم ودانش، صبر وہمت عزم واستقامت دیتا ہے اور دنیا کی گرم ترین بھٹی وکٹھالی میں ڈال کر انہیں کندن بناتا ہے۔ ان میں بولتا بھی خود ہے اور کرامات بھی وہی کراتا ہے۔ اصل میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان مقدس ہستیوں میں چھپ کر اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہوتا ہے تاکہ خوش نصیب، اہل بصیرت ان کی معرفت فلاح دارین حاصل کرلیں۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص نمائندے ہیں۔ ان کا پرشوق عزت واحترام اور اتباع امت مسلمہ کے لئے بہت ضروری ہے۔

اس میں مجھے یہ بھی عوام الناس کو بتانا مقصود ہے کہ پیدائشی ولیوں کے علاوہ ایسے نیک بخت لوگ جو ایک عمر دنیا داری میں گزار کر بروقت سچی توبہ کرلینے اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہنے کے سبب جنہیں اس پاک باز گروہ میں شامل کرلیا جاتا ہے ان کے ماضی کا ذکر ہمیں غلط انداز سے نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی سچی توبہ کرنے والوں کے سابقہ گناہ مکمل معاف فرمادیتا ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے ماضی کی خراب زندگی ہی دائمی توبہ واستغفار کا سبب بنتی ہے۔ آپ یقین کریں کہ ایسے اللہ کے نیک بندے ہر دم خوف خدا میں مبتلا اور توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ماضی سے مکمل کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم کی ﷺ شانِ کریمی، شانِ رؤف ورحیم، شانِ غفاری وستاری جتنی ان لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے اتنی کسی اور پر نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ شکر گزار ہوتے رہتے ہیں اور دائمی استغفار طلب کرتے رہتے ہیں۔

اس میں مجھے یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ ان کی ولادت مبارک پر یا اس سے پہلے یا بعد میں جو خرق العادات واقعات رونما ہوتے ہیں، وہ حقیقت ہیں اور مبالغہ آرائی قطعاً نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس طرح سے اُن کی بزرگی کا اظہار فرماتا ہے اور یہ انسان اور انسانیت کی بھلائی کے لئے ہے کہ ان کے وعظ ونصیحت کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں تاکہ فلاحِ دارین نصیب ہو۔ انسان سب لحاظ سے بہت اہم ہے۔

لیکن صد افسوس کہ

انسان کو اپنی اہمیت کا پتہ نہیں ہے۔ وہ اپنی تخلیق کا مقصد بھی نہیں جانتا اور اگر کوئی جان بھی گیا ہے تو اُسے بھول گیا ہے اور اب دُنیا پرستی، نفس پرستی اور خواہشات کی تکمیل کے پھندوں اور دبیز پردوں نے اُسے اس طرح پھانس لیا ہے اور ڈھانپ لیا ہے کہ وہ بالکل بے حس اور اندھا ہو گیا ہے۔ اب اُسے روشن آیات کا نور، روشنی، تعلیمات بھی راہِ ہدایت نہیں دکھا پا رہی ہیں۔ وہ عقلِ سلیم سے محروم ہو گیا ہے اور عقلِ سقیم کے سہارے اس قیمتی زندگی کو نفس پرستی اور دُنیا پرستی میں ضائع کر رہا ہے۔ سورۂ یونس آیت 6 کے مطابق "اور جو کچھ بھی اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، ان میں نشانیاں ہیں ڈروالوں کے لئے۔" اور اولیاء اللہ تو مقابلتاً بہت بہت بڑی نشانیاں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان ہیں پھر بھی اسی سبب، اسی طرح انہیں "اللہ کے خاص بندے" (عَبۡدُهٗ) یعنی کہ اولیاء اللہ بھی نظر نہیں آتے۔ اور اگر انہیں نظر بھی آجاتے ہیں تو انہیں مانتے نہیں، ان سے مستفید نہیں ہوتے، ان کا سا اتباع نہیں کرتے، اُن کی تقلید نہیں کرتے۔

انسان کی اہمیت وشرف:

درج ذیل سے ہم انسان اپنے شرف واہمیت کا اندازہ لگائیں اور احسان فراموش نہ بنیں کیونکہ ہمارا رب، پروردگار عالم، اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بہت زیادہ غفور ورحیم ومہربان ہے۔ انسان کو کل کائنات میں سب کچھ سے کہیں زیادہ اہمیت وشرف حاصل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قدم بہ قدم انسان کی تخلیق سے پہلے، تخلیق کے دوران اور تخلیق کے بعد اس کی اہمیت، عزت و شرف میں خوب اضافہ کیا ہے۔ یہی اہمیت، یہی شرف کیا کم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات انسان کے لئے بنائی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت 152 سے اپنے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شفقت، قربت، رحمت وکرم نوازی کا اندازہ لگائیں جس میں فرمایا گیا ہے:

""تم میری یاد، میرا ذکر کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا۔""

دیکھیں سب کچھ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے لئے بنایا ہے:

1. "اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اُتارا تو اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کو پیدا کئے اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لئے ندیاں مسخر کیں اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن مسخر کئے۔" (سورۂ ابراہیم آیات 32,33)
2. "کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے۔" (سورۂ حج، آیت 65)
3. "اللہ ہے جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا کہ اس میں اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور اس لئے کہ شکر گزار ہو۔ اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ بھی آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔" (سورۂ جاثیہ آیات 13,12)

اور مقصد تخلیق وطریق کار بھی بتلا دیا ہے۔

❶ ''اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے پیدا کئے کہ میری بندگی کریں۔'' (سورۂ ذٰریٰت آیت 56)

❷ ''اور سورہ رحمٰن میں بار بار نعمتوں کا ذکر فرما کر یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر کچھ کے لئے، عنایت نوازش و کرم کے لئے برابر میری شکر گزاری کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اور مزید فرمایا کہ:

❶ ''ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔''

❷ ''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔'' (سورۂ بنی اسرائیل، آیت 70)

❸ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔'' (سورہ تین آیت، 4)

اور انسان کو ابتدا میں ہی خاص شرف بخشا:

❶ ''اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کئے۔'' (سورۂ حدید آیت 4) اور سب کچھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلمہ ''کـن'' سے پیدا فرمایا یعنی صرف فرمایا کہ ہو جا اور وہ وجود میں آ گئی۔ جیسے چاند، سورج زمین وغیرہ کو فرمایا کہ بن جاؤ، وجود میں آ جاؤ اور وہ عدم سے وجود میں آ گئے۔''

❷ ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم کی مٹی کو اپنے دست قدرت سے چالیس روز تک خمیر کیا (حدیث) اور پھر کلمہ ''کـــــــن'' سے نہیں بلکہ اپنے دست قدرت سے اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا۔

(اللہ رے عظمت انسان)

اور انسانی شرف کو مزید دوبالا کیا۔

❶ ''اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔'' (سورہ بقرہ آیت 30)

❷ 'جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔''

(سورۂ حجر 29، صٓ 72)

انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی روح میں سے روح پھونک دی، اپنی جان میں سے جان پھونک دی، اپنے نور میں سے نور پھونک دیا اور ہماری غفلت سے وہ روح بلندی کی طرف، اپنی معراج کی طرف، نور اور بھلائی خیر وخوبی کی طرف پرواز نہ کرسکی۔ وہ نور ہم میں چمک نہ سکا۔ ہم نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کیا اور نفسانی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا اور یوں اندھیروں میں ڈوب گئے اور ریتیوں میں چلے گئے۔

❸ ''یہ نظامِ کائنات ''کائناتِ اکبر'' ہے اور انسان ''کائناتِ اصغر'' یا عالم صغریٰ ہے۔

اور شرف میں مزید اضافہ:

❶ ''اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔''(حدیث)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اس حدیث مبارک میں صورت صفت کے معنی میں ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ صورت کے معروف معنی سے بالکل پاک ہے اور کوئی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے مثل نہیں ہو سکتی۔انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کی ہر نشانی اس عالم صغیر میں موجود ہے۔

❷ عنقریب ہم دکھائیں گے اپنی آیتیں (نشانیاں) دُنیا بھر میں اور خود اُن کے وجود میں (آپ میں)۔'' سورۂ حم سجدہ آیت 53)

❸ ''اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''(سورہ ق آیت 16)

اور اللہ انسان کے ساتھ، انسان میں:

❶ ''اور وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔''(سورۂ حدید آیت 4)

❷ ''جہاں کہیں تین افراد کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ (اللہ) موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا وہ (اللہ) اور نہ اس تعداد سے کم اور نہ اس سے زیادہ، مگر یہ کہ وہ (اللہ) اُن کے ساتھ ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔''(سورۂ مجادلہ آیت 7)

❸ ''اور وہ (اللہ) خود تمہارے نفوس میں موجود ہے کیا تم اُسے دیکھتے نہیں۔''(سورہ ذٰریٰت آیت 21)

❹ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔''(حدیث پاک)

جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے اپنے رب (اللہ) کو پہچانا۔

حضرت بدیع الدین مدار رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اس حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا ہے؟ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے؟ اور اسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیوں پیدا کیا ہے؟ اس کے علاوہ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نیک بختی کیا ہے؟ اور بد بختی کیا ہے؟ پھر فرمانے لگے، اے عزیز یاد رکھو کہ تمہاری بعض صفات حیوانی ہیں اور بعض شیطانی اور بعض ملکوتی۔ مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری اصل صفات کیا ہیں؟ یاد رکھو کہ زیادہ کھانا، پینا، سونا، فربہ (موٹا) ہونا اور غصہ کرنا ساری حیوانی صفات ہیں۔ مکروفریب اور فتنہ پیدا کرنا شیطانی

صفات ہیں ۔اگر تم ان صفات کے تابع ہو جاؤ گے تو تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی ۔
لیکن اگر تم ملکوتی صفات حاصل کر لو گے تو معرفتِ اللہ تبارک وتعالیٰ سے تمہارا قلب بھر جائے گا ۔اس لئے
تمہیں کوشش کرنی چاہیے کہ تم حیوانی اور شیطانی صفات سے نکل کر صفاتِ ملکوتی کے حامل بن جاؤ ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ:

اے انسان !تو میرے دست قدرت کا شاہکار ہے ۔اشرف المخلوقات ہے اور اس کائنات عظیم کے مقابلے میں تو اپنی ذات میں ایک مکمل کائنات ہے جس کو میں نے اپنے دست قدرت سے کائنات اکبر کے مقابلے میں زیادہ دنوں میں بنایا ۔ یہ سب کچھ تیرے لئے ہے اور تو خود میری خالص بندگی کے لئے ہے ۔ مجھے ڈھونڈنا اتنا مشکل نہیں ہے ۔ مجھے باہر تلاش نہ کرو ۔ میں تو تمہارے ساتھ ہوں تمہارے اندر رہوں ۔اس لئے میری تلاش اپنے آپ میں کرو ۔قرآن وسنت کے مطابق اتباعِ پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ میں زندگی گزارو گے تو وہ ساری زندگی عبادت ہے اور کامیاب زندگی ہے ۔بصورت دیگر تو تم سراسر گھاٹے میں رہنے والے ہو ۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں:

اولیاء اللہ نے ،بزرگانِ دین نے ،علمائے حق وعقل سلیم رکھنے والوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ اور انسان کے باہمی تعلق کے بارے میں اشعار ارشاد فرمائے ہیں اور آفاقی حقیقت ،حقیقتوں کو بیان کیا ہے ۔ان سب کے اشعار کا لب لباب یہی ہے کہ اے غافل انسان ،اے نا سمجھ انسان میں (اللہ تبارک وتعالیٰ) صرف اس عرش پر ہی نہیں ہوں جسے تم اپنے خیال وتصور میں عرش عظیم کہتے ہیں بلکہ میں تو ہر مخلوق کے عرش میں موجود ہوں ۔ ذرّے کا بھی ایک عرش ہے ،لطیف ترین حصہ ہے اور اسی طرح ہر مخلوق کا ایک عرش ہے لطیف ترین حصہ ہے ۔انسان کا عرش یا لطیف ترین حصہ قلب ہے ۔(انسان جسم ،نفس اور روح کا مجموعہ ہے ۔یہ قلب مادی یا ظاہری قلب نہیں ہے جو ہمارے سینوں میں دھڑک رہا ہے بلکہ یہ قلب روحانی ہے ، نہ نظر آنے والا ہے اور اس کا مقام سینے کے وسط سے لے کر سر کی چوٹی تک ہے)۔تم مجھے اپناتے ہو ،پہچانتے ہو یا نہیں میں تو تمہارے قلب میں ہمیشہ موجود ہوں ۔ میں ہی تو سب کچھ سے زیادہ لطیف وخبیر ہوں (سورۂ ملک آیت 14) بالفاظ دیگر تم مجھے اپنے آپ میں تلاش کرو میں تو تم میں بھی موجود ہوں ۔اور جب تم مجھے اپنے آپ میں ہی ڈھونڈ نہیں پاتے ہو تو باہر مجھے کیسے ڈھونڈ پاؤ گے ؟جب تم اپنے آپ کو ہی نہیں پہچانتے ہو ،اپنی حقیقت و حکمت سے ہی آگاہ نہیں ہو تو پھر میری معرفت کیسے حاصل کر لو گے اور مجھے کیسے پہچان لو گے ۔اسی لئے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا ،اس نے اپنے رب کو پہچانا ۔

دل دریا سمندروں ڈونگے کون دِلاں دیاں جانے ھُو
وِچّے بیڑے وِچّے جھیڑے وِچّے ونجھ موہانے ھُو
چوداں طبق دِلے دے اندر تنبو وانگن تانے ھُو
جو دل دا محرم ہووے باھُو سویو رب پچھانے ھُو

(حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ)

اے تن رب سچے دا حجرہ وِچ پا فقیرا جھاتی ھُو
نہ کر منت خواج خضر دی، تیرے اندر آب حیاتی ھُو

(حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ)

مردانِ خدا ، خدا نہ باشد
لیکن زخدا ، جدا نہ باشد

(حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

آدم کو خدا مت کہو، آدم خدا نہیں
لیکن خدا کے نور سے، آدم جدا نہیں

ربّا میرے حال دا محرم توں
اندر توں باہر توں روں روں وچ توں
توں ہی تانا توں ہی بانا سب کچھ میرا توں
کہے حسین فقیر سائیں دا، میں نہیں سب توں

(شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ)

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
او نشیند در حضورِ اولیاء
پیر کامل صورتِ ظلِ الٰہ
یعنی دید پیر ، دید کبریا

(حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

گفتہ او ، گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

(حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا کارساز

(حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اب آدمی کچھ اور ہماری نظر میں ہے
جب سے سنا ہے یار لباسِ بشر میں ہے

(حضرت بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

مخلوق کی پیدائش کا مقصد اپنے خالق و مالک کی پہچان ہے۔ پہچان کے دو طریقے ہیں۔ اول، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتوں کے مشاہدے سے اور دوئم کسی مردِ مومن، مردِ خدا، مردِ حق کے وسیلے سے۔

حدیث مبارک ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''میں کہیں نہیں سما سکتا لیکن مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔''

ایک اور حدیث ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ: ''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا فرمایا۔

جہاں تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس زندگی میں دیکھنے کا تعلق ہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا تو موت کے بعد یوم حشر ہی میں ممکن ہے جب ہر ایک کو اکیلے اکیلے اس کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ (سورۂ مریم آیت 80)۔ اس دنیا میں تو صرف ایک صحیح اور مضبوط وسیلے کے ذریعے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت 35 میں ارشاد فرمایا ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد (جدوجہد) کرو تا کہ فلاح پاؤ۔'' اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں جدوجہد کو جہاد بھی کہا جاتا ہے۔ اس آیت مبارک میں وسیلہ تلاش کرنے کی تاکید کی گئی ہے، حکم فرمایا گیا ہے۔

روحانی تاریخ گواہ ہے کہ جس کسی کو بھی دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا ہے وہ مردِ مومن، مردِ حق مردانِ غیب کی شکل میں ہی ہوا ہے۔ اور وہ بھی تفریحاً نہیں ہوا ہے بلکہ ان کی شدید جدوجہد قرب و معرفت خواہش وطلب پر ہوا ہے۔ تمام اولیاء اللہ، فقراء، مردانِ حق اور عاشقانِ الٰہی اس وقت تک واصل بحق نہیں ہوئے، جب تک انہوں نے کوئی مرشدِ کامل نہیں پکڑا۔ مردِ مومن، مردِ حق، اولیاء اللہ کی حیثیت ایک ندی کی سی ہے اور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی حیثیت ایک دریا کی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی حیثیت ایک سمندر کی سی ہے اور سالک کی حیثیت محض ایک قطرے کی سی ہے۔

جس طرح ایک قطرہ ندی میں فنا ہو کر دریا میں مل جاتا ہے اور پھر سمندر میں پہنچ جاتا ہے بالکل اسی طرح سالک اپنے مرشد کامل کی ذات میں فنا ہو کر پہلے حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے واصل ہوتا ہے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ سے واصل ہوتا ہے اس بات کو تصوف کی اصطلاح میں ''فنا فی الشیخ''، ''فنا فی الرسول'' اور ''فنا فی اللہ'' کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی گزارش کی ہے اس طریقے کے علاوہ کوئی بھی دوسرا طریقہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس دنیا میں پانے کا نہیں ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایوان اس قدر بلند ہے کہ اس تک براہِ راست نہیں پہنچا جاسکتا۔ایک ملک کے بادشاہ کو ملنا محال ہوتا ہےتو اللہ تبارک وتعالیٰ خالق و مالک کائنات کو براہِ راست بغیر کسی واقفیت او روسیلے کے کیسے پایا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ آرزو کی تھی کہ اے رب کائنات ،میرے مالک کبھی انسانی صورت یعنی کہ لباسِ مجاز میں میرے سامنے آتو میں آپ کے قدموں میں ایک نہیں بلکہ ہزاروں سجدے کروں۔اپنی اس خواہش کو،بات کو،آرزو کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

میری حیثیت اس عالم میں،روحانی عالم کے مکتب میں پہلی جماعت کے طالب علم کی سی ہے۔جس نے ابھی الف بے تک کی تعلیم پائی ہے۔اس راہ پر لائے جانے یا آنے سے پہلے کے میرے کچھ مشاہدات ہیں اوراب جو کچھ بھی مشاہدات حاصل ہوئے ہیں انہوں نے مجھے اس قدر قوی،شاندار اور روشن حق الیقین دیا ہے کہ وہ میرے بیان سے باہر ہے۔مختصراً میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے خدا،اللہ تبارک وتعالیٰ ، رب دو جہاں،ہر کچھ میں ہمہ وقت نظر آتا ہے۔میں ہی سستی اور غفلت میں اُسے بھول جاتا ہوں وہ مجھے کبھی نہیں بھولتا۔وہ تو ہر جگہ اور ہمیشہ میرے ساتھ ہوتا ہے(سورہ حدید آیت 4)اب میری دعا ہےاور کوشش ہے کہ میں بھی دائم اس کے ساتھ ہو جاؤں۔

میں نے اس راہ میں جو دیکھا ہے،جو مشاہدات نصیب ہوئے ہیں وہ میں نے اپنی آنکھ،دل،بصر وبصیرت سے بہت کم دیکھا ہے۔اس کا 90فی صد میں نے اپنے مرشد پاک کی آنکھ،دل ،بصر وبصارت مبارک سے دیکھا ہےاور یوں دیکھا ہے کہ گویا میری آنکھیں،میری بصارت اور میری بصیرت اپنے بزرگ،مرشد پاک کی چشمانِ مبارک وبصیرت میں چلی گئی ہیں کہ وہ جو دیکھ رہے ہیں اُسے میں بھی ساتھ ساتھ دیکھے جارہا ہوں،مشاہدہ کئے جارہا ہوں۔

یا اس بات کو یوں کہہ لیں کہ میرے لئے ان کا فرمانا،ذکر کرنا،تعلیم دینا،اتنا سچا،بے لوث اور کھرا ہے کہ وہ سب کچھ میرے دل ودماغ وجسم پر وارد ہوتا جاتا ہے یعنی کہ اسے صرف میرا دماغ ہی حاصل نہیں کررہا ہوتا ہے بلکہ یوں لگتا ہے کہ اس بات کو میرا سارا جسم سن رہا ہےاور سمجھ رہا ہے یعنی کہ ان کا انداز وکلام ایسا بااثر ہوتا ہے کہ وہ میرے دل ودماغ اور جسم پر وارد ہوتا جاتا ہے۔

میں اس کیفیت کو،اس حصولِ علم کو،اس حصولِ حق الیقین کو اس سے اور آسان زبان میں بیان نہیں کرسکتا اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس سے کہیں کمزور ایمان والے قاری بھٹک ہی نہ جائیں۔

مجھے اس میدان میں میرے مرشد پاک نے اس طرح سے آگے بڑھایا ہے،تعلیم دی ہے کہ جیسے کیمسٹری کا استاد اپنے شاگردوں کو عملی طور پر یہ کر کے دکھاتا ہے کہ اگر تانبے کو سلفیورک ایسڈ سے ملایا جائے تو جو مرکب یا سالٹ بنے گا وہ کاپر سلفیٹ ہو

گا۔اس کی بواس طرح کی ہوگی، ساخت اس طرح کی ہوگی، رنگ اس طرح کا ہوگا۔ کیمیائی خاصیت یہ یہ ہوں گی اور جب اسے جلایا جائے گا تو اس سے اس طرح کی روشنی ظاہر ہوگی۔یا جب ہم سوڈیم کو ہائیڈ روکلورک ایسڈ سے ملائیں گے تو جو سالٹ یا مرکب بنے گا وہ سوڈیم کلورائیڈ (عام نمک) ہوگا۔اس کا رنگ یہ ہوگا، اس کا ذائقہ یہ ہوگا۔اس کی کیمیائی خصوصیات یہ ہوں گی اور جب اسے جلایا جائے گا تو اس سے اس طرح کی روشنی ظاہر ہوگی۔(قارئین کرام! آتش بازی کے مختلف خوشنما رنگ مختلف مرکبات، سالٹس اور دھاتوں کے جلنے سے ہوتے ہیں۔

مشہور و معروف اولیاء اللہ تو بے شمار ہیں لیکن ہر ایک کا ذکر ایک جلد یا ایک درمیانی ضخامت و سائز کی کتاب میں کر دینا ممکن نہیں ہے۔اس کتاب کے لکھنے میں میری کوشش یہ رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو میں اس میں چیدہ چیدہ اولیاء اللہ، اور کچھ برصغیر کے بزرگانِ دین کا ذکر مبارک، آئمہ صحابہ کرام اور ائمہ اہل بیت کے بعد زمانے کے لحاظ سے کروں۔جہاں سنِ ولادت اور سن وصال معلوم ہوں وہاں تو اس بارے میں بہت آسانی میسر ہے اور وہاں میں سنِ ولادت کے مطابق ترتیب دوں گا۔لیکن کافی بڑی تعداد ایسے اولیاء اللہ کی ہے جن کی سنِ ولادت یا سنِ وصال یا دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ایسے اولیاء اللہ یا بزرگانِ دین کے زمانے کا تعین یا ترتیب میں نے حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب ''کشف المحجوب'' کے مطابق رکھی ہے۔جہاں سنِ ولادت اور سنِ وصال معلوم نہیں ہیں اور ان اولیاء اللہ کے متعلق یہ مصدقہ معلوم ہے کہ ان کا مرشد کون تھا اور ان کا مرید کون تھا تو میں نے ایسے اولیاء اللہ کے زمانے کا تعین اس طرح کیا ہے کہ ان کا ذکر خیر ان کے مرشد کے بعد اور ان کے مرید سے پہلے کر دیا ہے۔میرے خیال میں تو یہی صحیح ترین طریقہ ہے اور امید ہے کہ قارئین کرام کو بھی پسند آئے گا۔

قارئین کرام کے لئے اس کتاب کو اور بھی زیادہ قابل فہم، مفید، مؤثر اور کارآمد بنانے کے لئے میں نے یہ ضروری جانا ہے، سمجھا ہے کہ اسی موقع پر یعنی کہ ابتدا میں ہی برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کے پھیلنے کا مختصراً بتا دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی کچھ اہم متعلقہ معلومات جو مجھے اس وقت میسر ہیں وہ بھی مختصراً بیان کر دی جائیں، لکھ دی جائیں تو یہ دلچسپی اور معلومات میں خاطر خواہ اضافے کا باعث ہوگا۔

یوں تو سر زمین ہند میں اسلام کی ضیا پاشیاں خلافت راشدہ کے زمانے سے ہی شروع ہو گئی تھیں۔چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جناب جبلہ العدوی رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دور میں جناب حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جناب مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان تشریف لائے۔ اس کے بعد ولید بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے ''دولہارائے'' راجہ اجمیر کے دربار میں روشن علی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔

سن 93 ہجری میں عبدالملک خلیفہ تھے اور حجاج بن یوسف بصرہ کے گورنر تھے۔محمد بن قاسم عماد الدین ثقفی رحمۃ اللہ علیہ 83 ہجری سے 92 ہجری تک ملک فارس (ایران) کے امیر رہ چکے تھے۔اس لئے 93 ہجری میں حجاج بن یوسف نے اسے 6 ہزار کا لشکر دے کر راجہ داہر سے مظلوم عورتوں اور بچوں کی رہائی و مدد کے لئے سالار لشکر بنا کر بھیجا۔یہ عورتیں اور بچے عرب مسلمان

تاجروں کے تھے جو کہ لنکا یا سراندیپ (موجودہ سری لنکا) سے واپس عرب (عرب ممالک میں) آرہے تھے، راستے میں راجہ داہر کے بحری قزاقوں نے جہاز لوٹ لیا۔ مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ محمد بن قاسم عماالدین ثقفی رحمۃ اللہ علیہ شیراز سے مکران ہوتا ہوا قزبور، پنج گور (موجودہ گوادر) پہنچا اور اسے فتح کیا، پھر لسبیلہ کو فتح کیا اور اس کے بعد دیبل یعنی (کراچی) کو فتح کیا۔ اس کے دو سال بعد یعنی کے 95 ہجری میں ملتان اور اردگرد کا علاقہ فتح کر لیا اور اس نے اس طرح کافی بڑے علاقے میں دین اسلام کو پھیلا دیا۔ اس کے بعد اولیاء اللہ، علمائے حق، صوفیاء کرام کا ہندوستان آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر اس کے بعد برصغیر میں دین اسلام اولیاء اللہ نے پھیلایا اور میرا اور آپ کا مسلمان ہونا انہی مردان غیب، مردانِ حق، اولیاء اللہ کا کارنامہ ہے

مؤرخین کی رائے میں ۳۹۵ ہجری میں حضرت محمد اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ۴۱۱ ہجری میں حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہندوستان میں آمد بیان کی جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت خواجہ زندنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ حضرت سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری اور ۴۶۵ ہجری میں ان کا وصال اور لاہور میں مزار مبارک تو سب ہی پر عیاں ہے، سب کو معلوم ہے۔ بدایوں میں بھی بہت سے جلیل القدر شہداء کے مزارات موجود ہیں، جو ۴۰۹ ہجری کے معرکوں میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد ۵۸۸ ہجری میں رسول مقبول ﷺ کے حکم (عالم خواب میں) کی تعمیل میں سلطان الہند، غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں قدم رنجہ فرمایا اور اس سرزمین کو باطل کی آلودگیوں سے پاک وصاف کر کے حق وایمان کی شمع روشن کی اور لاکھوں باطل پرستوں کو ضلالت کے عمیق غار سے نکال کر راہ مستقیم پر گامزن کر دیا۔

دوسری صدی ہجری اپنی نصف منزلیں طے کر چکی تھی۔ اموی اقتدار کا چراغ گل ہو چکا تھا اور عالم اسلام کے طول عرض میں عباسیوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ علوم وفنون، صنعت وحرفت، تہذیب وتمدن، معیشت ومعاشرت کی ترقی وعروج کی بدولت عوام وخواص کے طرز زندگی میں نمایاں فرق پیدا ہو چکا تھا۔ مذہب میں عقل وفلسفہ کی نئی نئی موشگافیوں کی وجہ سے افکار واعمال میں تبدیلی آرہی تھی۔

اس دور میں ہر فن نے الگ الگ حیثیت وجہت اختیار کر لی تھی۔ تفسیر قرآن میں سفیان ثوری، امام مالک، ابوعمرو بن العلاء، شعبہ بن حجاج، وکیع بن الجراح اور یونس بن حبیب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگ سامنے آئے۔ حدیث میں تحریری مجموعے منصۂ شہود پر آئے۔ امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریر متوفی ۱۵۰ نے یا بقول بعض ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ نے سب سے پہلے آثار واحادیث پر کتاب مرتب کی۔ بعض کا خیال ہے کہ سعید بن عروبہ متوفی ۱۵۶ھ نے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔ بعد ازاں محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ، امام اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ، امام معمر متوفی ۱۵۳ھ، عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ، اور لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ نے ضبط حدیث میں اہم کردار ادا کیا۔ علم حدیث میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے احسانات کا ذکر نہ کرنا تاریخ پر ظلم ہوگا۔ آپ نے بلند پایہ محدثین اور اعلیٰ مرتبت فقہا کی جماعت تیار کی۔ اہم

اصول حدیث کا ضابطۂ تحریر میں آنا بھی اسی دور کی خصوصیت ہے۔فقہی حوالے سے بھی یہ دور سنہری ہے۔

اس خیال سے کہ قارئین کرام کو کسی شخصیت، کسی واقعہ کے دور کا تعیّن کرنے میں آسانی رہے، میں نے درج ذیل میں چند خلفاء کے دور اور بہت ہی اہم مشہور و معروف صلحاءُ فقراءُ، اولیاء اللہ، علمائے دین کا سالِ وفات لکھ دیا ہے۔مثلاً بزرگانِ دین، صلحاءُ فقراءُ، اولیاء اللہ میں سے کسی کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کا سنِ ولادت اور سنِ وصال معلوم نہیں ہیں لیکن اس کا یہ پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید اُن سے ملے تھے تو آپ وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ مردِ حق 170ھ تا 193ھ میں حیات تھا۔

خلیفہ ولید بن عبد الملک کا دور، 86 تا 96 ہجری

سلیمان بن عبد الملک کا دور، 96 تا 99 ہجری

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور، 99 تا 101 ہجری، 2½ سال، متوفی رجب 101 ہجری

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 110 ہجری

خلیفہ منصور عباسی کا دور 136ھ تا 158ھ

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ متوفی 148ھ

عبد الملک ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ متوفی 150ھ

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ متوفی 161ھ

خلیفہ مہدی بن منصور کا دور 158ھ تا 169ھ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی 159ھ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 161ھ

خلیفہ ہارون الرشید کا دور 170ھ تا 193ھ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ متوفی 179ھ

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفی 181ھ

خلیفہ مامون الرشید 194ھ تا 218ھ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 204ھ

خلیفہ جعفر متوکل باللہ کا دور 232ھ تا 246ھ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفی 241ھ

الحمد للہ! مجھے ایک بزرگ کی صحبت حاصل ہے، حاصل رہی ہے۔میں نے جو دیکھا ہے اس کی روشنی میں میں یہ برملا اور بہ بانگ دُہل کہتا ہوں کہ آلِ رسول، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد اُمت مسلمہ میں یہ بزرگانِ دین ہر اُس شخص کو جو حیات

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو، جو اتباعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح جانتا ہو، اُسے یہ لوگ ان کا عکس، ان کا سایہ نظر آئیں گے۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے، کھرے، پُرخلوص متبعین ہیں جو پورے خلوص و رغبت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کا شاندار اتباع کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہی "صدیقین" ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء کی آیت مبارک 69 میں فرمایا گیا ہے۔

یہ لوگ جب اپنے مرشد کا نام لیتے ہیں، ذکر کرتے ہیں تو ان کی عقیدت، محبت اور انداز قابل دید ہوتا ہے۔ اور جب پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات فخر کائنات، انسانِ کامل، حضور پُرنور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لینا ہو یا ذکر مبارک کرنا ہو تو ادب و احترام و تشکر میں اُن کی آنکھوں سے محبت و عقیدت کے آنسو بے ساختہ رواں ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی استغراق یا غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

درج ذیل میں دو احادیث مبارک اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ پہلی حدیث مبارک میں آپ اُن کا مقام اور شان دیکھیں۔ اور دوسری حدیث مبارک میں نے اس لئے پیش کی ہے کہ میں یہ بتادوں کہ یہ اللہ کے خاص بندے تو اس حدیث مبارک پر سو فیصد عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کا سب کچھ اللہ کے لئے ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حوالے سے ہوتا ہے اور یہ بزرگانِ دین نفلی عبادات اور فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ تصویر ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام، آلِ رسول رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد امت مسلمہ کے یہی وہ پاکباز لوگ ہیں جن کا ذکر و اذکار حتی الامکان عقیدت، عزت و احترام کے ساتھ بہت اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے۔ ان کے ناموں سے پہلے "حضرت" اور ان کے ناموں کے بعد "رضی اللہ عنہ" اور "رحمۃ اللہ علیہ" کا اضافہ باقاعدگی سے کر دینا چاہیے۔

ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: قال اللّٰہ عزو جل المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں ان کے لئے قیامت میں نور کے منبر ہوں گے۔ ان کے درجہ پر انبیاء و شہداء بھی رشک کریں گے۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام مالک کی موطا میں سند صحیح سے مروی ہے۔

یقول اللّٰہ تبارک وتعالی وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی۔

"اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ان کے لئے میری محبت واجب ہو گئی جو میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی ہم نشینی اختیار کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میرے لیے باہم خرچ کرتے

ہیں۔

اور آخر میں قارئین سے دست بستہ گزارش ہے کہ:

انسان خطا کا پتلا ہے اور میں تو ہوں ہی پُرتقصیر۔ میں ہر اس شخص سے معافی کا طلبگار ہوں جس پر میری تحریر کسی طرح سے بھی گراں گزری ہو۔ میں آپ سب سے مدد و رہنمائی کا طالب ہوں۔ میری تحریر میں اگر کوئی خیال، انداز، رائے، لفظ و الفاظ آپ ﷺ، آلِ رسول، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحینِ اُمت کے شایانِ شان نہ ہو، غیر معیاری ہو اور آپ کے علم و نظر میں اس سے بہتر خیال، انداز، لفظ و الفاظ موجود ہوں تو آپ لکھ کر مجھے آگاہ کریں۔ میں یقیناً بُرے کو اچھے سے فوراً بدل دوں گا اور آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا۔

کچھ قارئین کرام نے میری عمر جاننا چاہی ہے اُن سے گزارش ہے کہ میری پیدائش یکم جنوری 1940ء بمطابق 20ر ذیقعد 1358ھ بروز سوموار صبح 5 بجے کی ہے۔

ڈاکٹر محمد عمر خان

215۔اے، فیز 1

ڈی ایچ اے، لاہور

15راگست 2008ء بروز سوموار

تصوّف

تصوف، فرائض وواجبات کےعلاوہ زائد عبادات وریاضات، یانفلی عبادات وریاضات کے ذریعے، پیغمبر اوّل وآخر و اعظم، اصل الموجودات، حاصلِ کائنات، سیدالمرسلین رسولِ بحروبر، پیغمبر کائنات، رحمۃ اللعالمین، سرکار دو عالم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں آپ ﷺ کے فقر و نفلی عبادات وریاضات پر عمل پیرا ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کا نام ہے۔ یہ نامِ تصوف، یہ طریق کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ لفظ تصوف کی اصطلاح تو شاید نا سمجھ لوگوں کو مقابلتاً نئی لگتی ہوگی (اس نکتہ کو بھی دوران بیان بہت خوبی سے واضح کر دیا جائے گا) لیکن تصوف کا وجود تو اسوۂ حسنہ کا بہت درخشاں اور ممتاز ترین حصہ ہے کیونکہ سرکار دو عالم، رحمۃ اللعالمین، حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے "**الفقر الفخری**" یعنی کہ فقر میرا فخر ہے۔ تصوف کا ذکر تو احادیث مبارکہ اور قرآنِ حکیم میں موجود ہے اور ان کے حوالے اس موضوع کے بیان کے دوران دے دیئے جائیں گے۔

درج ذیل میں آپ قرآن حکیم سے درجن سے زائد متعلقہ حوالہ جات، آیات مبارک پڑھیں گے اور کچھ احادیث بھی جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرائض وواجبات کے علاوہ زائد عبادات وریاضات یا اپنے شوق اور خود رفتگی سے نفلی عبادات و ریاضات میں مشغول ومصروف ہونا اور ان کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ، قادر مطلق، رحمٰن ورحیم کا قرب ومعرفت حاصل کرنے کو بہت پسند کیا ہے، اس کی تعریف کی ہے اور اُسے بہت سراہا ہے اور اُس کے حصول میں اپنی ذات پاک کے علاوہ سب سے کٹ جانے (سورۂ مزمل آیت 8) کا بھی فرمایا ہے۔ اور اس کو سراہا ہی نہیں بلکہ اس طریقہ عبادت کو، دوام ذکرِ الٰہی کو افضل ترین قرار دیا ہے۔ (سورۂ کہف آیت 45۔ اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے)

چنانچہ تصوف نام ہے اس زائد عبادات، ریاضات ومجاہدات کا جس کی تاکید قرآن وحدیث میں جا بجا وارد ہوئی ہے۔ یا اور بھی سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ اپنی خوشی وشوق سے فقر محمدی ﷺ اور نفلی عبادات، ریاضات، مجاہدات کو اپنانے اور اسی طرح کی زندگی پر عمل پیرا ہونے کا نام "تصوف" ہے۔

قادر مطلق، اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص دوستوں کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئیں، لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جاتی رہیں

گی ۔اولیاءاللہ،صوفیائے کرام،فقراءاور درویش اس زمرے میں آنے والے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست ہیں ۔قرآن پاک میں،حدیث مبارکہ میں،ان کی صفات اور علامات کا بہت سے مقامات پر ذکر ہے ۔صوفی،اولیاءاللہ، درویش،فقراءاپنے اخلاق، کرداراور معاملات کو پاکیزہ اورمہذب طریقے سے ادا کرتے ہیں ۔اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندے تو وہی ہیں جو زمین پر متوازن چال سے چلتے ہیں ۔خوشگوار،خوبصورت اور شریفانہ انداز سے چلنا نیک لوگوں کا شعار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ایک صفت یہ بھی فرمائی ہے کہ جب انہیں کم فہم، جاہل اور کم علم لوگ پکارتے ہیں،تو وہ انہیں سلام کرتے ہیں اور بس۔

پیغمبر اول وآخر واعظم ،اصل الموجودات،حضور انور نبی کریم ،رؤف ورحیم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ جو صوفیائے کرام کی آواز سنے اور اسے قبول نہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک وہ غافلوں میں شمار ہوگا ۔صوفی کے معنی صوف کے کپڑے پہننے والوں کے لیے جائیں،یا انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے صف اوّل کے بندوں میں شمار کیا جائے،یا انہیں اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کا قائم مقام کہا جائے،یا انہیں اہل صفاء کے معنی پہنائے جائیں ۔ہرصورت میں صوفی اولیاءاللہ، درویش،فقیر وہ ہے جو دنیاوی صفات (دُنیاوی خواہشات) سے آزاد ہو جائے اور جب کوئی اس درجے پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دل کو کدورتوں سے پاک فرما دیتا ہے ۔اس کے علاوہ تو بندہ ایک مٹی کا مجسمہ ہے، جو متحرک ہے ۔مگر اس کے خمیر میں کدورتیں بھری ہیں ۔

اولیاءاللہ،فقیر، درویش ،صوفی بشری کثافتوں اور مادی غلاظتوں سے پاک ہوتا ہے ۔صفا، عاشقانِ حق اور محبوبانِ حق کی صفت ہے ۔اس مقام پر بندہ اپنی تمام مادی صفات کو فنا کر چکا ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں گم ہو کر بقا کی منزل پر پہنچ جاتا ہے ۔ایسا انسان ایک ایسے آفتاب کی صورت ہو جاتا ہے جس پر غفلت، کدورت،نفرت ،حرص،ہوس اور لہو ولعب کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔

ولی اللہ ،درویش،فقیر،مرد حق ،صوفی تو وہ ہے جو اپنے آپ کو فنا کر کے حق کے ساتھ باقی ہو جائے ۔خواہشات کی دلدلوں سے نکل کر حقیقت کے سمندر میں غرق ہو جائے ۔صفا کا مطلب آبدار اور ایسے آئینے کے ہیں جس کے آر پار کوئی آلائش، کوئی سایہ یا کوئی رکاوٹ نہ ہو ۔اسے کائنات کی ہر شئے نظر آتی ہے ۔جس کی محبت کا یہ عالم ہوتا ہے تو اس کی محبت مصفا ہو جاتی ہے اور وہ صافی ہے ۔جو اپنے دوست کی محبت میں غرق ہو گیا، ہر غیر عنصر سے آزاد ہو گیا وہ صوفی ہے ۔فقیر، درویش، ولی اللہ صوفی کے معنی کے لئے کسی عبارت یا اشارے کی ممانعت ہے ۔عالم کی ہر شے اس کی تعبیرات میں ہے ۔خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو ۔صفا عدلایت کی ایک منزل ہے ۔اس مقام پر شکوہ اور شکایت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور تسلیم و رضا کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

ولی اللہ،فقیر، درویش،صوفی کبھی ایسی بات نہیں کہتا جو وہ خود نہیں کرتا ۔اس کا ہر فعل فقر ہوتا ہے اور بندہ، بندگی میں فنا ہو جاتا ہے ۔اس کا خاموش رہنا یا بات کرنا ،حق کوئی اور فقر ہوتا ہے ۔بظاہر خلق یا مجاز ہوتا ہے اور در پردہ حقیقت ہوتا ہے ۔ہر لذت سے بے نیاز اور کنارہ کش ہوتا ہے ۔نہ اس کے قبضے میں کچھ ہوتا ہے نہ وہ کسی کے قبضے میں ہوتا ہے ۔اس مقام پر بندہ دونوں جہان

میں ذاتِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لیے مخلوق کی صحبت برداشت کرتا ہے اور قضاء وقدر پر راضی رہتا ہے۔

یہ پاکباز لوگ خلق خدا کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر مخلوق کی نظروں میں گراوٹ عاشقانِ حق کے لیے یقین کی پختگی کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کے حوالے سے، دُنیا کی ملامت عاشقوں کے لیے بے پناہ لذت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ کاملین کا حصہ ہے ورنہ وہ تو دنیا کے منصب، عزت، شہرت اور توقیر سے بہت بلند ہوتے ہیں کیونکہ دنیا کا جاہ وجلال اور مرتبہ انسان کو تکبر اور ریا کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔

اسلامی تصوف کامل ترین ہے۔ اسلامی تصوف کا آغاز بھی کچھ اسی طرح ہوا۔ پیغمبر اوّل وآخر واعظم ﷺ اہل حق کے امام ہیں جب تک آپ ﷺ نبوت کے منصب پر سرفراز نہ ہوئے تھے لوگ آپ ﷺ کی عزت کرتے رہے۔ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے رہے۔ شرافت کا تاج پہناتے رہے۔ آپ ﷺ کو بزرگی کی شمع کہتے رہے اور جب نبوت کے تاج اور وحی الٰہی سے سرفراز ہوئے تو انہیں لوگوں نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا ملامت کی زبان دراز کرلی۔ کسی نے کاہن کہا، کسی نے کاذب کہا، کسی نے شاعر اور مجنون کہا، راستوں میں کانٹے پھینکے گئے۔ آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ اور غلاظتیں پھینکی جاتیں۔ شہر بدر کر دیا گیا۔ قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ کفار نے اس حد تک تنگ کر دیا کہ حضور پُرنور، نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور اسرار الٰہی تو ایسے بندوں میں لوگوں کی ملامت کے سبب پوشیدہ رہتے ہیں۔ اللہ عزوجل تو غیور ہیں وہ اپنے ایسے بندوں کے حسن کو دوسروں کے دیکھنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں درجات کی بلندی کے لیے بھی دُنیا کی ملامت ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوستوں کا جمال دوسروں کی نظر سے اوجھل رکھتا ہے۔ بلکہ خود عاشق حق اپنے جمال کو نہیں دیکھ پاتا۔ ایسی صورت میں غرور اور تکبر کا احتمال ہوتا ہے۔ مصلحتاً اللہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو مخلوق میں ناپسندیدہ بنا دیتا ہے۔

خالق ومالک کائنات، قادرِ مطلق اپنے کچھ دوستوں کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ آسانی سے درجات حاصل کر لیتے ہیں اور حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک دن لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھائے تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے عرض کیا یا امیر المومنین! ایسا کیوں؟ آپ کے سینکڑوں غلام ہیں۔ آپ کسی کو حکم دیتے۔ آپ نے فرمایا: یہ کام واقعی میرے غلام کر سکتے تھے۔ مگر میں نے اپنے نفس کی آزمائش کی ہے کہ کہیں وہ خلق میں رُتبے کے باعث سرکش تو نہیں ہو گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کشتی میں سوار ہوا، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ بال لمبے اور اُلجھے ہوئے تھے۔ کشتی میں سوار تمام لوگ میرا مذاق اُڑانے لگے۔ ان لوگوں میں ایک مسخرہ بھی تھا۔ وہ کبھی میرے سر پر ہاتھ پھیرتا کبھی میرے بال نوچتا۔ انتہا یہ ہوئی کہ اس مسخرے نے میرے سر پر پیشاب کر دیا۔ اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا اور وہ

مقصد حاصل ہوا جس کی مجھے خواہش تھی ۔دوسری مرتبہ میرے درجات اس وقت بلند ہوئے جب میں ایک گاؤں میں گیا ۔سردی کا موسم تھا۔بارش ہونے لگی ۔ہوا چلنے لگی اور میں نے جو گدڑی اوڑھ رکھی تھی وہ بھیگ گئی ۔سردی سے میں تکلیف میں تھا۔میں سردی سے بچنے کے لئے باری باری تین مسجدوں میں گیا ۔مجھے لوگوں نے وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا۔سردی میری قوت برداشت سے باہر ہوگئی۔آخر میں ایک حمام کی بھٹی کے آگے آگیا۔آگ جل رہی تھی ۔اس کے آگے بیٹھ گیا دھوئیں سے چہرہ اور کپڑے سیاہ ہوگئے ۔اس رات میں اپنی مراد کو پہنچا۔

حضرت سیّد علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مشکل پیش آئی ۔میں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی ۔میری وہ مشکل دور ہوگئی ۔ایک مرتبہ پھر میں ایک مشکل میں گرفتار ہوا۔ میں نے پھر حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی مگر وہ مصیبت نہ ٹل سکی ۔میں نے تین ماہ تک مزار شریف پر حاضری دی ۔چلہ کشی کی مگر مقصد حاصل نہ ہوا۔آخر میں وہاں سے اُٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا ۔وہاں ایک رات میں ایک گاؤں میں پہنچا۔وہاں ایک خانقاہ پر پہنچا جہاں صوفیوں کی ایک جماعت جمع تھی ۔میں ایک کھردری سی گدڑی اوڑھے ہوا تھا۔میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔صرف ایک لاٹھی اور ایک لوٹا تھا۔وہ لوگ میری حالت دیکھ کر ہنسے اور مجھ سے نفرت کا اظہار کیا اور کہا یہ تو ہم میں سے نہیں ہے ۔آخر انہوں نے مجھے تو ایک دریچہ میں بیٹھنے کو کہا اور خود اوپر کی چھت پر چلے گئے ۔انہوں نے مجھے ایک سوکھی روٹی کھانے کو دی اور خود اوپر بیٹھ کر بڑے پُر تکلف کھانے کھائے ۔مجھے ان کھانوں کی خوشبو آرہی تھی ۔کھانے سے فارغ ہوکر وہ خربوزے کھانے لگے اور مذاق کے طور پر اوپر سے چھلکے میرے سر پر مارتے ۔یہ ذلت میری برداشت سے باہر ہورہی تھی ،مگر میں نے برداشت سے کام لیا ۔میں نے دل کی جانب نگاہ ڈالی تو میرا دل مسرت سے لبریز ہو چکا تھا اور یہ ذلت اُٹھانے سے میری وہ مشکل آسان ہوگئی ۔جس کے لیے میں مارا مارا پھر رہا تھا۔اس دن مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ محبوبانِ حق ،خلق کی سختیاں کیوں برداشت کرتے ہیں ۔

اسلام بنیادی طور پر ایک روحانی دین اور پوری انسانیت کا مذہب ہے ۔حضور پُرنور ،نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی غارِ حرا والی حیاتِ مقدس تصوف کا بنیادی تصور پیش کرتی ہے ۔رہبانیت روح تصوف کے سراسر منافی ہے ۔تصوف براہِ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہے ،اسی تصوف کے سائے میں انسانی زندگی درجہ کمال تک پہنچتی ہے ۔

عشق الٰہی ،رضائے الٰہی ،عبادات ومجاہدات اور معرفت الٰہی تصوف کی روح ہیں ۔ان کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کی نفی کرنی پڑتی ہے ۔اپنی ذات کی نفی کرنے سے ذہن ودل کی وہ تمام غلاظتیں دھل جاتی ہیں جنھوں نے انسان کی بصیرت ، بصارت دل اور دماغ پر دُنیا کی محبت کے اندھے اور دبیز غلاف چڑھا رکھے ہوتے ہیں ۔اپنی ذات کی بڑائی کے غرور کے خانے میں بند زندگی کے بت کو پاش پاش کرنے میں اپنی ذات کی نفی کا پہلا وار اسی انا کی دبیز چادر میں لپٹے پیکر پر پڑتا ہے اور دل گناہ کی آلودگیوں سے پاک ہوجاتا ہے ۔پھر عبادت ،ریاضت ،ذکر وفکر ،چلنے پھرنے اور ہر عمل میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے ۔یہ تصوف

کی پہلی منزل ہے۔

پھر اگلا قدم اطاعت حق کی منزل میں رکھنا ہوتا ہے اور ہر کام اطاعت حق کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔تصوف کی کرامت کی طلب کا تصور نہیں بلکہ کرامتیں خود بخود صادر ہوتی چلی جاتی ہیں ۔یہ کام اللہ تبارک وتعالیٰ کے حوالے سے ہوتا ہے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کے انوار، تجلیات اور جلوے رگ رگ سے پھوٹنے لگتے ہیں ۔یہ تصوف میں وہی مقام ہے جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ بندے سے خود پوچھتا ہے کہ بتا تیری مرضی کیا ہے، تو کیا چاہتا ہے؟ بندہ جو کہتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ مان لیتے ہیں۔یہی رضا کی منزل ہے۔یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر خوشی بندے کی خوشی ہوتی ہے اور بندے کی ہر خوشی اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشی ہوتی ہے۔اس منزل پر ولی اللہ، فقیر، درویش، صوفی کے سامنے سے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں تحت الثریٰ سے لوحِ محفوظ تک ہر شے نظر آنے لگتی ہے اور ہر شے میں جلوہ الٰہی نظر آنے لگتا ہے۔پھر بندے کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، خاموشی اور بولنا سب اسی مالک حقیقی کا ہو جاتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے سوا اسے کوئی اور چیز نظر نہیں آتی اور وہ ہر کچھ میں اللہ کو ہی دیکھتا ہے۔

قارئین کرام! درج ذیل میں درجن بھر سے زائد آیات مبارکہ کو تسلی سے پڑھیئے اور دیکھیئے کہ فرائض وواجبات کے ساتھ زائد یا نفلی عبادات، ریاضات، مجاہدات کو، یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر دم اپنے ذکر پاک کو، اپنی یاد کو، اپنا نام لینے کو کس قدر سراہا ہے۔ذکر الٰہی میں راتوں کو جاگنے والوں کا، ذکر الٰہی کے لئے آرام کو چھوڑنے والوں کا، ہر دم اپنے شوق وخوشی سے مصروف ذکر و یاد رہنے والوں کا، اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالکِ کائنات نے بہت پسندیدگی سے ذکر فرمایا۔یہی آیات مبارک تصوف کی بنیاد ہیں اور یہ کیا ہی شاندار بنیاد وعمارت ہے۔

سورۂ آل عمران، آیت 41

ترجمہ: ''اور اپنے رب کی بہت یاد کر، اور کچھ دن رہے اور علی الصبح اس کی پاکی بول۔''

سورۂ آل عمران، آیت 191

ترجمہ: ''جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔'' (یعنی ہر حال میں ہر وقت)

سورۂ نسأ، آیت 103

ترجمہ: ''پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔'' (یعنی کہ ہر حالت وحال میں)

سورۂ طٰہٰ، آیت 33، 34

ترجمہ: ''کہ ہم با کثرت تیری پاکی بولیں، اور بکثرت تیری یاد کریں۔''

سورۂ نور، آیت 37

ترجمہ: ''وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے، اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے۔''

سورۂ فرقان، آیت 63،64

ترجمہ: ''اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔''

''اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں۔''

سورۂ عنکبوت، آیت 45

ترجمہ: ''اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا، اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

سورۂ سجدہ، آیت 16

ترجمہ: ''ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خوابگاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور اُمید کرتے اور ہمارے دیئے سے کچھ خیرات کرتے ہیں۔''

سورۂ احزاب، آیت 21

ترجمہ: ''تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے، اس کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو، اور اللہ کو بہت یاد کرے۔''

سورۂ زمر، آیت 9

ترجمہ: ''کیا وہ جس کی فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گزریں سجود اور قیام میں، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی آس لگائے، کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا۔''

سورۂ قٓ، آیت 40

ترجمہ: ''اور کچھ رات گئے اس کی تسبیح کرو، اور نمازوں کے بعد۔''

سورۂ ذٰریٰت، آیت 17،18

ترجمہ: ''وہ رات میں کم سویا کرتے، اور پچھلی رات استغفار کرتے۔''

سورۂ منافقون، آیت 9

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے۔''

سورۂ مزمل، آیت 8

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا نام یاد کرو، اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔''

سورۂ مزمل، آیت 20

ترجمہ: ''بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی۔''

لفظ ''تصوف'' قرآن حکیم اور احادیث مبارک میں موجود ہے۔ کچھ اعتراض کرنے والوں کا یہ کہنا کہ لفظ تصوف حیاتِ طیبہ کے بعد کی اصطلاح ہے یہ بالکل غلط ہے۔

قرآن حمید، فرقانِ مجید کی سورۂ جن کی آیت 16 میں ارشادِ رب العالمین ہے:

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًاۙ

ترجمہ: ''اور اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔''

اس آیت مبارک میں لفظ ''**الطَّرِيْقَةِ**'' طریقت ہے۔ اور طریقت ہی تصوف ہے۔ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت یہ سب تصوف کا حصہ ہیں، تصوف کے مختلف دور یا انداز ہیں۔ اور اس آیت مبارک کے باطنی معنی ہیں کہ اگر وہ راہ راست پر رہتے تو ضرور ہم انہیں روحانیت سے سیراب کرتے، ان پر روحانیت سے پُر پانی کی بارش کرتے۔

''لفظ تصوف حیاتِ طیبہ کے بعد کی اصطلاح نہیں ہے۔'' اس سچائی کو جاننے کے لئے درج ذیل کو ایک دو بار غور سے پڑھئے۔

ہماری زمین پر جب بھی پہلے شخص کو ''ڈاکٹر'' کا نام دیا گیا تھا یا اس کے لئے لفظ ڈاکٹر کی اصطلاح کا استعمال کیا گیا تھا تو وہ ایک ایسا شخص تھا جو تمام جسم کی، جسم کے تمام حصوں کی ہر بیماری کا علاج کیا کرتا تھا۔ اور یہ ڈاکٹری کا سلسلہ نہ جانے کتنے ہزار سالوں تک اسی ایک ڈاکٹر کے نام سے چلتا رہا۔ پھر وقت رفتہ کے ساتھ اس ایک ڈاکٹر کے دو ڈاکٹر بن گئے، ایک ڈاکٹر فزیشن اور دوسرا ڈاکٹر سرجن۔ اس کے ہزاروں سال بعد جیسے دیگر علوم نے ترقی کی اور وسعت پکڑی تو طب کے مختلف بنیادی مضامین کے رہنما لوگ ان مضامین کے ڈاکٹر بن کر میدان میں آگئے۔ اور اب تک تو سرجری اور میڈیسن نے اتنی ترقی کر لی ہے، اتنی وسعت حاصل کر لی ہے کہ جسم کے ہر حصے کا الگ الگ ڈاکٹر ہے، سرجن ہے فزیشن ہے بلا مبالغہ بیسیوں طرح کے سرجن ہیں اور بیسیوں قسم کے فزیشن۔

جوڑوں کا سرجن، نیورو سرجن، پٹھوں کا ڈاکٹر، ہاتھ کا سرجن، گردوں کا ڈاکٹر، ذیابیطس کا ڈاکٹر، چھاتی کا ڈاکٹر، پیٹ کا ڈاکٹر، جلد کا ڈاکٹر، بالوں کا ڈاکٹر، آنکھوں کا ڈاکٹر، کانوں کا ڈاکٹر، ناک کا ڈاکٹر وغیرہ۔ میرے محترم قاری! اب آپ میرے اس سوال کا جواب دیں کہ کیا ابتدائی دور کے انسانوں میں دانت، کان، آنکھ اور ناک وغیرہ نہیں تھے؟ آپ کا جواب یقیناً یہی ہوگا کہ شروع کے انسانوں میں بھی جسم کے یہ تمام حصے (اعضاً) موجود تھے۔ وہ بھی ہماری ہی طرح کے تھے لیکن اس وقت علمِ طب و جراحی شروع ہی ہوا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ علم ترقی پذیر رہا۔ اس میں وسعت آتی گئی اور پھر یہ مزید کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا اور آج اس کی وسعت اور ترقی کا یہ عالم ہے کہ جسم کے ہر حصہ، اعضاً کے سرجن اور فزیشن علیحدہ علیحدہ ہیں۔

بس یہ مذکورہ بالا مثال ''تصوف'' کی اصطلاح کے لئے بھی کافی ہے۔ یہ لفظ، یہ اصطلاح تو کسی نہ کسی قابلِ فہم شکل میں پہلے سے ہی موجود تھی لیکن ابتداً میں تصوف سے آگاہی اس قدر نہ تھی کہ جتنی اس طرح کے علوم کی بعد میں ہوئی اور اب ہے۔

اسی نکتہ کو،اس بات کو حضرت سیّد علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے یوں واضح کیا ہے،بیان فرمایا ہے ۔آپ فرماتے ہیں کہ "تصوف کا انکار ساری شریعت کا انکار ہے۔" اور آپ نے مزید فرمایا: "تصوف کے خلاف عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ لفظ تصوف رسول خدا ﷺ کے زمانے میں مروج نہیں تھا۔اگر تصوف اس وجہ سے غیر اسلامی ہے کہ یہ لفظ حضور پُرنور ﷺ کے زمانہ مبارک میں مروج نہیں تھا تو تمام اسلامی علوم مثل تفسیر،حدیث،فقہ،معانی، بیان اور صرف ونحو بھی غیر اسلامی ہوئے کیونکہ یہ الفاظ بھی رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں مروج نہیں تھے ۔کیونکہ صحابہ کرام ہر وقت جہاد میں مصروف تھے اور ان علوم کو باقاعدہ علم کی صورت میں مرتب کرنے کی اُن کو فرصت نہیں تھی ۔لیکن جب جہاد کا زمانہ ختم ہوا تو صحابہ کرام ،تابعین اور تبع تابعین ان علوم کی طرف متوجہ ہوئے ۔جن حضرات نے قرآن کے معانی ومطالب پر کام کیا وہ مفسرین کے نام سے موسوم ہوئے اور ان کے علم کا نام علم تفسیر ہوا۔جنہوں نے حدیث پر کام کیا وہ محدثین کہلائے اور ان کا علم ،علم حدیث کے نام سے موسوم ہوا۔جن حضرات نے اسلام کے قانون پر کام کیا وہ فقہاء کہلائے اور ان کے مرتب کردہ علم کا نام فقہ ہوا۔جن حضرات نے اصحابِ صفہ کی دیکھا دیکھی میں تزکیۂ نفس اور روحانیت میں کمال حاصل کیا وہ صوفی کہلائے اور ان کا علم تصوف کے نام سے موسوم ہوا۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحابہ کرام علم تفسیر،حدیث،فقہ اور تصوف سے بے بہرہ تھے بلکہ وہ سب سے بڑے مفسر، محدث،فقیہ اور صوفی تھے لیکن ان ناموں سے موسوم نہیں تھے بالفاظ دیگر ان کے ہاں حقیقت تھی نام نہیں تھا اور آج کل نام ہے حقیقت بہت کم پائی جاتی ہے۔

حدیث مبارک:

پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پرنور رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

من سمع صوت اهل التصوف فلايؤمن على دعائهم كتب عندالله من الغافلين

جو اہل تصوف کی دُعا کو سنے اور اس پر آمین نہ کہے تو عند اللہ وہ غافلین کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔

اس حدیث پاک میں تصوف اور اہل تصوف جیسے الفاظ موجود ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی رائج تھا۔

نیز اصل الموجودات فخر کائنات،انسانِ کامل،حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے: **الفقر فخری** "یعنی کہ فقر میرا فخر ہے۔"

فقر کیا ہے تصوف ہی تو ہے ۔نیز حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: **الفقر وطن غیب** "یعنی کہ فقر عالم غیب کا وطن ہے۔"

علاوہ ازیں یاد رہے کہ تصوف مشتمل ہے چار ارکان پر ۔شریعت،طریقت،حقیقت اور معرفت ۔جس کا مطلب ہے کہ شریعت ایک راستہ ہے ۔راستے پر چلنے کا نام شریعت ہے اور اس راہ پر چل کر جس منزل مقصود پر رسائی ہوتی ہے اس کا نام حقیقت ہے اور منزلِ مقصود پر جو اسرار ورموز بتائے جاتے ہیں ان کا نام معرفت ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث میں پیغمبر اول وآخر واعظم ،رسول اللہ ﷺ نے تصوف کے ان چاروں ارکان کا ذکر فرمایا ہے۔

الشریعة اقوالی،والطریقة افعالی،والحقیقت احوالی،والمعرفة سرّی ۔ترجمہ:’’شریعت میرے اقوال کا نام ہے،طریقت میرے اعمال کا نام ہے،حقیقت میرے باطنی احوال ہیں اور معرفت میرا راز ہے۔‘‘

یہ حدیث علمائے دیوبند جیسے سخت گیر حضرات نے شرح مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں نقل کی ہے جو ان کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ہے۔اگر یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو علمائے دیوبند ہرگز اس کو نقل نہ کرتے۔

نیز حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اور جو ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے ان کا مندرجہ ذیل قول بھی ظاہر کرتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ اور تابعین کے زمانے میں بھی لفظ تصوف مروج تھا۔آپ فرماتے ہیں کہ **من تصوف ولا تفقه تـزندق** من تفقه ولا تصوف تفسق من جمع بینهما تحقق ۔ترجمہ:’’جس نے تصوف سیکھا لیکن فقہ نہ سیکھا گمراہ ہوا۔جس نے فقہ سیکھا لیکن تصوف نہ سیکھا فاسق ہوا۔جس نے دونوں کو جمع کیا حقیقت کو پہنچا۔‘‘

فقرِ محمدی ﷺ

فقرِ محمدی ﷺ حیات طیبہ کا ایک بہت ہی درخشاں،اہم اور ممتاز ترین حصہ ہے۔یہ فقر آپ ﷺ کا اختیاری تھا اور وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ فقر و نفلی عبادات بڑھتے ہی جارہے تھے۔جیسے فقر محمدی ﷺ ایک عام یا معمولی بات یا چیز نہیں ہے،اسی طرح اس پر عمل پیرا ہونا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔اسے تو خال خال لوگ اور وہ بھی جو بہت باہمت ہوں،بہت عزم و استقلال کے مالک ہوں وہی اپنا سکتے ہیں۔اور پھر ظاہر ہے کہ ایسی مشکل اور صبر آزما سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے سے جو روحانی،باطنی فیوض و برکات،قرب و درجات حاصل ہوتے ہیں وہ بھی مقابلتاً بہت ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔بادی النظر میں اس کو اپنانے والے اولیاء اللہ،فقراء،درویش اور صوفیاء کرام ہی ہیں اور باشعور خلق خدا میں ان مقدس حضرات کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔یعنی کہ بہت ہی کم ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث پاک ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم،حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا!مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

❶———ایک ماہ کی مسافت کے رُعب سے میری مدد کی گئی۔

❷———تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کی گئی کہ جہاں میرے امتی کو نماز کا وقت ہو،نماز ادا کرے۔

❸———میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لئے حلال نہ تھیں۔

❹———مجھے مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا۔

❺———اور انبیاء خاص اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

اور مزید فرمایا!مجھے ان پر فخر نہیں ہے۔مجھے اگر فخر ہے تو اپنے فقر پر ہے۔

اور آپ ﷺ کا یہ فقر اختیاری تھا۔حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں تو آپ ﷺ صحیح معنوں میں ہفت اقلیم کے بادشاہ

تھے،سر براہ تھے۔

❶——بلکہ اسلامی مملکت کا رقبہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں کئی ہفت اقلیم سا سکتی تھیں۔

❷——مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور سارا علاقہ ہر طرح سے خود کفیل تھا۔

❸——اللہ کا کرم خاص، کہ ہر طرف سے سیم و زر، مال مویشی کی بھرپور آمد جاری تھی۔

❹——اجتماعی خوشحالی و فراخی سامان زیست کا دور دورہ تھا۔

❺——صحابہ کرام ﷺ جہاں ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے وہاں وہ یقینی طور پر ہادی دو جہاں ﷺ کے حکم واشارہ کے ہر وقت منتظر ہوتے تھے۔

❻——ہر کسی کی خواہش ہوتی تھی کہ اللہ کرے، حبیب خدا ﷺ خدمت کا موقع دیں۔

❼——صحابہ کرام ﷺ میں ایسے خوشحال لوگوں کی کمی نہ تھی جو تنہا ایک جیش کو تیار کر سکتے تھے۔

❽——یہ خوشحالی روز افزوں تھی اور اتنی روز افزوں کہ خلیفہ اوّل کے دور میں زکوٰۃ لینے والے ڈھونڈنے پڑتے تھے اور خلیفہ دوئم کے دور میں تو ''دریائے فرات کے کنارے بھی (مدینہ منورہ سے بہت دور، اسلامی مملکت میں کہیں بھی) ایک کتے کا بھوکے رہنا بھی'' گوارا نہ تھا۔

❾——ہر چھوٹا بڑا، ہر صحابی ہر وقت دل و جان سے آپ ﷺ پر قربان ہوا چاہتا تھا۔

❿——اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے، خالق و مالک و قادر مطلق نے بھی زمین کے تمام خزانے آپ ﷺ کے حوالے کر دیئے تھے۔

اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ کی دُنیا سے بے رغبتی کا، اللہ کی رضا میں خود اختیار کردہ فقر کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ایک درہم تک ملکیت میں نہ نکلا بلکہ گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن کھانا نہیں کھایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جو کی روٹی نہیں کھائی۔ حالانکہ اگر آپ ﷺ چاہتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا عطا فرماتا رہتا کہ وہ ہم وگمان بھی اس کا اندازہ نہ کر سکتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت وصال نہ تو ترکے میں درہم و دینار چھوڑے اور نہ اونٹ بکری وغیرہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ ﷺ کا بیان ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جدائی کے وقت میرے گھر میں صرف تھوڑے سے جو تھے جنہیں میں نے کھٹلیا میں ڈالا ہوا تھا، ان کے علاوہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم ایسے آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں کہ بعض اوقات سارا مہینہ گزر جاتا لیکن ہمارے گھر میں آگ روشن کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔صرف کھجوروں اور پانی پر ہی گزر اوقات ہوتی رہتی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تاجدار کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمانے تک کبھی سیر ہو کر جو کی روٹی بھی نہ کھائی اور یہی حالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی رہی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور انور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔جب بارگاہ رسالت میں گزارش کی گئی کہ حضور! آپ اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے اگلوں پچھلوں تک کی تمام لغزشوں کو معاف فرمادیا ہے،تو اس فخر انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب دیا،کیا میں اپنے اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ معمولات میں ہمیشگی ہوتی تھی۔دوسرا کون شخص ہے جو ایسی طاقت رکھتا ہو؟ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پُرنور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھنے شروع کر دیتے تو ہمیں گمان گزرتا تھا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے اور افطار کرتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب روزے نہیں رکھیں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھنے میں مصروف ہوئے اور ساری رات ایک آیت کی بار بار تلاوت ہی میں گزار دی۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر غمناک اور دائم الفکر رہتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام وراحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔سرورکون ومکاں پیغمبر اول وآخر واعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''میں روزانہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بخشش ومغفرت کی دعا کرتا ہوں۔دوسری روایت میں ستر مرتبہ کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل وعیال بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر اس لیے بھوکے گزار دیتے کہ گھر میں شام کے کھانے کے لئے کوئی بھی چیز نہ ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ امراء کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھاتے۔آپ کے لیے چپاتی کبھی نہیں پکائی گئی اور بکری کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمانا بھی ناپسند تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے،وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم،رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا جسے ہم دوہری کر کے بچھا دیا کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات ہم نے اس کی چار تہہ کر کے بچھادیا۔صبح ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میرے لیے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ اسی

چادر کی چار تہیں کردی تھیں ،فرمایا: اسے پہلی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج اس کی نرمی نے مجھے نماز سے روکنے کی کوشش کی تھی ۔جب کبھی چارپائی پر آپ ﷺ آرام فرماہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسی سے بنی ہوئی ہوتی تو اس سے آپ ﷺ کی کروٹوں میں نشان پڑ جایا کرتے تھے ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اس امر کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا ۔جب کبھی آپ رات کو بھوکے سوتے تو اگر چہ ساری رات بھوک کے مارے بے قرار رہتے لیکن یہ حالت بھی دن کو روزہ رکھنے کے ارادے میں حائل نہ ہوسکتی ۔ اگر آپ چاہتے اور اپنے ربّ کریم سے سوال کرتے تو وہ منعمِ حقیقی آپ کو بے بہا زمین کے خزانے اور وافر پھل وغیرہ مرحمت فرماتا رہتا، جن کے باعث آپ ﷺ آرام سے زندگی بسر فرماتے رہتے ۔لیکن آپ ﷺ نے کبھی یہ چاہا ہی نہیں ۔آپ مزید فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی فاقہ کشی کی حالت کو دیکھ کر بعض اوقات میں رو پڑتی تھی ۔

ادھر آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوتے اور ادھر آپ کے شکمِ اطہر پر ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں آپ ﷺ دُنیا سے کم از کم اتنا حصہ تو قبول فرمالیا کریں کہ جس سے فاقے کی اذیت نہ اُٹھانی پڑے تو آپ ﷺ زبان حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دُنیا سے کیا سروکار؟ میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا، حتیٰ کہ دُنیا سے تشریف لے گئے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ ،خالق و مالک کائنات، رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صبر و قناعت کے باعث وہ عز و شرف سے نوازے گئے اور اجرِ عظیم پایا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دُنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے ان سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے یقیناً ندامت کا باعث ہوگا ۔مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں ۔حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ صرف ایک ماہ اس دُنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ۔(صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم)

قارئین کرام !مندرجہ بالا تین چار صفحوں میں جو بیان کر دیا گیا ہے اس کے مطابق اس اختیاری فقر و عبادات کی سنت پر عمل پیرا ہونے کا نام ''تصوف'' ہے اور اس پر صدقِ دل اور مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہونے والے اللہ کے دوست اولیاء اللہ فقراءٔ، درویش اور صوفیاً کرام ہیں ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے بعد جن لوگوں نے دین کو ظاہری اور باطنی طور پر آگے بڑھایا ان کا لباس اکثر صحابہ کرام ؓ کی ہی طرح صوف یعنی موٹے کپڑے کا ہوتا تھا ۔یہ حضرات سادگی اور انکساری کا مکمل نمونہ ہوتے تھے اس لباس کی مناسبت سے ان کو صوفی کہا گیا اور ان سے متعلقہ طریق کار کو ''تصوف'' کا نام دیا گیا ۔قرآن حکیم میں اس کو تقویٰ ،تزکیہ اور خشیۃ اللّٰہ (خوفِ خدا) سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے ''احسان'' سے موسوم کیا گیا ہے ۔

تصوف کی حقیقت دراصل مرتبہ احسان ہے جس کی تشریح رسول اکرم ﷺ نے حدیث جبرائیل میں یوں فرمائی ہے کہ:

''اس طرح عبادت کرو کہ تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر دیکھ نہیں سکتے تو پھر یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

چنانچہ یہی مشاہدۂ حق صوفیائے کرام کا منتہائے نظر رہا ہے جس کے حصول کے لئے انہوں نے غلبۂ نفس کو کم کرنے کے لئے مجاہدات اور ریاضات سے کام لیا۔ لیکن بعض علمائے ظواہر جو''مولانا'' کے القاب سے آراستہ و پیراستہ ہیں ان کے ان کلمات کو جان کر ہنسی آتی ہے کہ اسلامی عبادات کا پروگرام تو بہت مختصر تھا، صوفیوں نے خواہ مخواہ مجاہدات و ریاضات کر کے اپنے آپ کو سزا دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان مولانا صاحبان نے قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات و آیت کو نہیں پڑھا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ان مخلص بندوں کی تعریف فرمائی ہے جن کے بدن رات کو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (سورۂ سجدہ، آیت 16)

معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے قرآن کی یہ آیت بھی نہیں پڑھی:

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔ ترجمہ: ''اللہ کے مخلص بندگان رات بھر اپنے رب کے حضور میں سجود و قیام میں بسر کرتے ہیں۔'' (سورۂ فرقان، آیت 64)

تصوف کسی نئے مذہب اختراع یا نئی روش کا نام نہیں ہے بلکہ قربِ حق کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل حدیث قدسی (بخاری) کے مطابق فرائض اور واجبات کے علاوہ زائد عبادات کا اصطلاحی نام تصوف پڑ گیا ہے۔ جس طرح قرآن کے مطالب پر غور کرنے کا نام علم تفسیر ہو گیا ہے۔

پیغمبر و آخر و اعظم حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کو حکم الٰہی ہوا کہ میرے بندوں کو بتا دیں کہ:

''اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا جو بندہ نوافل (زائد عبادات) کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں (یعنی وہ میرا محبوب بن جاتا ہے) اور اس سے اس قدر قریب ہو جاتا ہوں کہ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے (**بی یبصر**) میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے (**بی یسمع**) اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ میری طاقت سے کام کرتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے اور مجھ سے جو کچھ طلب کرتا ہے اس کو دیتا ہوں اور جب میری پناہ طلب کرتا ہے تو پناہ دیتا ہوں۔''

علم روحانیت کی اصطلاح میں اس قسم کے قریب کو فنا فی صفاتِ اللہ کہا جاتا ہے۔ اس سے اوپر کا درجہ فنا فی ذاتِ اللہ ہے اس کے بعد فناء الفناء ہے جہاں پر یہ شعور بھی مٹ جاتا ہے کہ وہ فانی فی اللہ ہے۔ اس کے بعد مقام بقاباللہ ہے کہ جب سالک نزول کر کے اپنی خودی میں واپس آجاتا ہے اور فرائض زندگی انجام دیتا ہے۔ یاد رہے کہ جہاں مقامِ فنا میں استغراق اور محویت ہے، مقامِ بقا میں ہوشیاری ہے۔

مقام فنا فی اللہ میں انسان مغلوب الحال ہوتا ہے اور مقام بقا باللہ میں غالب الحال ہوتا ہے۔ مقام فنا پر سالک کوئی کام نہیں کر سکتا اور مقامِ بقاء پر واپس آ کر وہ زندگی کے تمام فرائض ادا کرتا ہے۔ بلکہ سب سے بڑا فریضہ یعنی ہدایت خلق انجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ جہاں مقام فنا کی خصوصیت سکر، استغراق اور محویت ہے، مقام بقا باللہ کی خصوصیت صحو، ہوشیاری اور فرض شناسی ہے۔ جہاں باقی امتوں میں آخری مقام فنا تھا اور وہ بھی ادنیٰ درجہ کا، اس سے آگے بڑھ کر اسلام انسان کو بلند ترین مقام فنا کے حصول کے بعد نزول یعنی بقا باللہ تک لے جاتا ہے۔ جس سے سابق اُمتیں نا آشنا تھیں کیونکہ یہ مقام سرورِ انبیا ﷺ کی نیابت اور وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ مقامِ بقا باللہ میں مقام فنا فی اللہ سے محرومی یا عارضی تعطل نہیں بلکہ بیک وقت سالک فانی فی اللہ بھی ہوتا ہے اور باقی باللہ بھی۔ اس کا کمال یہ ہے کہ بیک وقت واصل بحق بھی ہوتا ہے اور مہجور بھی۔

سورۂ بقرہ آیت 30 میں حاکم الحاکمین کا ارشاد پاک ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔

ترجمہ: ''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

خلیفہ کا مطلب ہے نائب۔ نائب وہ ہوتا ہے جو بادشاہ کی طرف سے اختیارات لے کر حکومت کرتا ہے۔ چنانچہ انسانِ کامل جب مقامِ فنا فی اللہ پر مندرجہ بالا حدیث قدسی کے ساتھ صفاتِ اللہ سے متصف ہوتا ہے تو اس کے سر پر خلافتِ الٰہیہ کا تاج رکھ کر اسے دُنیا پر بطور ''خلیفۃ اللہ'' حکومت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خلافتِ الٰہی کے صرف اور صرف وہ بندگانِ خدا مستحق ہیں جنہوں نے بہت خوبی سے میدانِ تصوف سر کیا ہو یعنی کہ اولیاء اللہ، فقراء، درویش اور صوفیا کرام ہی وہ خاص بندے ہیں جو خلافتِ الٰہی کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ مقدس لوگ باطنی علوم کے جاننے والے ہوتے ہیں، معرفت وقربِ الٰہی انہیں حاصل ہو چکا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ صفات اللہ سے متصف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خلافتِ الٰہی کے یہی قابل ہوتے ہیں

مذکورہ بالا مقاماتِ قرب کو حاصل کرنے کے لئے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی یعنی کہ فرائض اور واجبات کی پابندی ضروری ہے۔ لیکن روحانی ترقی کی رفتار تیز کرنے کی خاطر قرآن حکیم اور حدیث نبوی میں جابجا نوافل یعنی نفلی نماز، نفلی روزے اور نفلی زکوٰۃ یعنی مقررہ زکوٰۃ سے زیادہ راہِ حق میں خیرات کرنے کی تاکید آئی ہے، جس کے کرنے سے نفس کا زور کم ہوتا ہے اور روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان قربِ حق کی منازل طے کرتا ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے اور یہی انسانی زندگی کا مدعا اور مقصد ہے۔ چنانچہ تصوف نام ہے فرائض وواجبات کے علاوہ اس زائد عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کا جس کی تاکید قرآن وحدیث میں جابجا وارد ہوئی ہے۔

تصوف پر اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جو اس کی حقیقت سے بالکل نابلد ہیں، بے بہرہ ہیں اور اس کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہیں۔ یعنی کہ تصوف کے متعلق جن لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں وہ ان کا تصوف سے باہر کھڑے ہو کر دیکھنے کا نتیجہ ہے۔ تصوف کے اندر آ کر دیکھنے سے یا کسی صاحب تصوف کی صحبت میں دو گھڑی رہنے سے، انہیں تصوف میں اسلام ہی اسلام نظر

آ ئے گااور اپنے معترض ہونے پر بھی شرمندہ ہوں گے۔

پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی سنت پر حقیقی معنوں میں صوفیائے کرام نے عمل کیا۔نہ کہ علمائے ظواہر نے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ **"لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ "** (ترجمہ:تم میں کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے)اور حضور انور،حضور پُر نور ﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔

سید المرسلین،سرکار دو عالم،شہنشاہِ کائنات،آپ ﷺ نان جویں پر اس لئے اکتفا فرماتے تھے کہ ہر شخص کو سفید روٹی نہیں مل سکتی۔چنانچہ صوفیائے کرام نے اس سنت پر عمل کیا۔آپ زمین پر سوتے تھے کیونکہ ہر شخص کو پلنگ حاصل نہ تھا۔صوفیاء کرام نے اس سنت پر بھی عمل کیا لیکن اس کے متضاد علمائے ظواہر نے عیش وعشرت میں زندگیاں گزاریں پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ راتوں کو جاگتے اور نمازیں پڑھتے تھے۔صوفیاء کرام نے بھی اس سنت پر اس سختی سے عمل کیا کہ بعض حضرات نے تو پچاس پچاس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔سرکار دو عالم،نبی کریم،رؤف ورحیم ﷺ کا گھر ایک کچی جھونپڑی تھی جس کی نہ چھت تھی نہ دَر ودروازہ۔صوفیاء کرام نے آپ کی اس سنت پر بھی شد ومد سے عمل کیا اور علمائے ظواہر محلات میں عیش کرتے رہے۔

پیغمبر اول وآخر واعظم،اصل الموجودات،فخر کائنات،انسانِ کامل،پیغمبر بحر وبر، رسول کائنات،سید المرسلین،رحمۃ اللعالمین،شفیع المذنبین،خاتم النبیین،حضور انور،ہادی انس وجاں،حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ شدید عبادات،ریاضات اور مجاہدات کے ذریعے قرب حق کی منازل طے کر کے آخر معراج کو پہنچے۔صوفیاء کرام نے بھی شدید مجاہدات کئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب ومعرفت سے مالا مال ہوئے۔ان حضرات کے مشاہدات اور کشف وکرامات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔لیکن علمائے ظواہر جنہوں نے صرف پانچ وقت نماز پر اکتفا کیا ان بلند مقامات کے قرب سے محروم رہے اور اس محرومی پر نادم ہونے کے بجائے اُلٹا صوفیاء کرام کی عبادات،ریاضات،اور مجاہدات کا مذاق اُڑاتے رہے حالانکہ صوفیاء کرام کے مجاہدات حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مجاہدات کے مطابق تھے،سنتِ نبوی تھے۔

امامِ اہل طریقت اور اقوالِ اولیاء اللہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفی (اولیاء اللہ،فقراء،درویش اور صوفیاء کرام) کو اس لئے صوفی کہا گیا ہے کہ وہ صف اول (یعنی اول درجہ) کے لوگ ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ ان کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے احوال اصحاب صفہ کے مطابق ہیں۔اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوف یعنی اون کا کھردرا،موٹا کپڑا،گدڑی زیب تن کرنے کی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا ہے۔بعض کے نزدیک یہ لفظ صفا سے مشتق ہے (صفا بمعنی پاکیزہ)۔غرض یہ کہ ہر شخص نے اپنی تحقیق کے مطابق اس لفظ کے متعلق لطیف باتیں بیان کی ہیں۔لغت کے اعتبار سے یہ تمام باتیں بعید از قیاس ہیں۔لیکن ان میں سے لفظ صفا سے **اشتقاق** زیادہ صحیح ہے۔صفا سے مراد صفائی قلب ہے جس کی ضد کدر ہے۔جیسا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: **ذھب صفو الدنیا وبقی**

کدرھا (دُنیا سے اچھائی اُٹھ گئی ہے اور گندگی باقی رہ گئی ہے) کسی چیز کی اچھائی کو اس کی صفوت کہتے ہیں۔ چنانچہ جب اربابِ تصوف نے اپنے اخلاق و اعمال کو پسندیدہ بنایا اور نفسانی خواہشات سے نجات پائی تو صوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حالانکہ یہ نام محض ایک ظاہری نشانی ہے جس کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ جہاں تک اس کی حقیقت کا تعلق ہے ان کے مراتب اس قدر بلند ہیں کہ ان سے ہرگز روگردانی نہیں کی جا سکتی۔

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ؎

ان الصفا صفت الصدیق

ان اردت صوفیا علی التحقیق

(تحقیق صفائے قلب صدیق اکبر یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے۔ اگر تم صوفی بننا چاہتے ہو تو ان کو دیکھو) یاد رہے کہ صفائے باطن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس کا ظاہر دُنیائے غدار کو دل سے نکالنا اور اس کا باطن اغیار یعنی غیر اللہ سے انقطاع ہے اور یہ دونوں صفات حضرت ابوبکر صدیق بن قحافہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں۔ کیونکہ آپ امامِ اہلِ طریقت ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فقر کی علامت یہ تھی کہ آپ نے دُنیائے غدار کو دل سے نکال دیا اور مال و متاع جو کچھ تھا راہِ خدا میں دے دیا اور گلیم (کمبل یا موٹا کھردرا کپڑا) پہن کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا کہ دو بے بہا خزانے گھر میں چھوڑ آیا ہوں اول اللہ کی محبت دوم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو زبانِ شعر و سخن میں یوں بیان کیا ہے ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیقؓ کے لئے ہے اللہ اور رسولؐ بس

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل دُنیا کی محبت سے پاک ہو گیا، آپ کا ہاتھ خود بخود اس کی آلائش سے صاف ہوا اور آپ نے سب کچھ اُٹھا کر راہِ حق میں دے دیا۔ یہ تمام صفات صوفی صادق کی ہیں اور ان کا انکار حق کا انکار ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

تصوف کی بنیاد آٹھ خصائل (جمع خصلت) پر ہے۔ ❶ سخا ❷ رضا ❸ صبر ❹ اشارہ ❺ غربت ❻ لباسِ صوف (موٹا کھردرا لباس) ❼ سیاحت ❽ فقر۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سی سخاوت (کہ بیٹے کو راہِ حق میں قربان کر دیا) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سی رضا، حضرت ایوب علیہ السلام کا سا صبر، حضرت زکریا علیہ السلام کی سی اشارت، حضرت یحیٰی علیہ السلام کی غربت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباسِ صوف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی سخاوت یا قربانی کا یہ حال تھا کہ بیٹا راہِ حق میں قربان کر دیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی رضا یہ ہے کہ چھری کے نیچے گردن رکھ دی اور جان عزیز قربان کر دی، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر یہ ہے کہ جسم میں کیڑے پڑ گئے لیکن راضی برضائے مولا رہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے اشارات کا کمال یہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے ان کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط

ترجمہ: ''تین دن تمام لوگوں سے بات نہ کی سوائے اشارات و رموز کے۔''

حق تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ بھی فرمایا ہے:

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا۔ ''حق تعالیٰ نے ان کو مخفی طور پر مخاطب فرمایا۔''

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی غربت کا یہ حال ہے کہ اپنے وطن میں بھی مسافر تھے اور اپنوں میں بیگانہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت یہ ہے کہ سفر میں سوائے کاسہ چوبیں (لکڑی کا پیالہ) اور شانہ (کنگھی) ان کے پاس کچھ نہ تھا اور جب ایک آدمی کو دیکھا کہ چلو میں پانی پی رہا ہے تو پیالہ بھی پھینک دیا۔ اور جب یہ دیکھا کہ ایک آدمی اپنی انگلیوں سے بال سیدھے کر رہا ہے تو کنگھی بھی پھینک دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لباسِ صوف کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ اسی لباس میں رہے اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے فقر کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ حق تعالیٰ نے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دی تھیں لیکن آپ ﷺ نے عرض کیا یا الٰہی مجھے ایک دن کھانا دے اور ایک دن بھوکا رکھ اور طریقت میں یہ بہت بڑا اصول ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے متعلق مزید فرماتے ہیں:

التصوف نعت اقیم العبدفیه قیل نعت للعبدام للحق فقال نعت الحق حقیقة ونعت العبد رسمه۔

تصوف ایک وصف ہے کہ جس پر بندہ قائم ہے۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آیا وہ وصف خلق ہے یا وصف حق تو آپ نے فرمایا کہ حقیقت میں وہ خالق کی صفت ہے اور مجاز میں بندہ کی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ تک رسائی صفات بشری کی نفی اور فنا سے حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بندہ کی صفت کا فنا ہونا حق کی صفت کا پالینا ہے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

التصوف ترک کل حظ النفس (تصوف لذاتِ نفسانی کا ترک کرنا ہے) اس کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک حقیقی ایک مجازی۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

الصوفیة هم الذین صفت ارواحهم فصاروافی الصف الاول بین یدی الحق۔

صوفیاء وہ لوگ ہیں جن کے ارواح کی صفات صف اول میں پہنچ کر حق تعالیٰ کے قرب میں پہنچ گئے ہیں۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ تزکیۂ نفس کے ذریعے وہ کدورتِ بشریت سے پاک، آفاتِ نفس سے آزاد اور حرص وہوا سے فارغ ہو کر صف اول اور عند اللہ درجہ اول پر فائز ہو چکے ہیں۔ اور غیر اللہ سے نجات حاصل کر لی ہے۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

الصوفی الذی لایملک ولایملک

صوفی وہ ہے جو کسی چیز کا مالک ہو نہ مملوک۔

یعنی وہ دنیا کی کسی چیز کو اپنی ملکیت قرار نہ دے اور نہ وہ خود سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور طالب (بندہ) رہے۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الصوفی لایری فی الدارین مع اللّٰہ غیر اللّٰہ

صوفی دونوں جہانوں میں سوائے حق تعالیٰ کے کچھ نہیں دیکھتا۔

اب چونکہ بندہ اپنی ہستی کے باوجود بھی غیر اللہ میں شامل ہے، اس لئے وہ اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا اور اپنے آپ سے کلی طور پر فارغ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مقامِ فنا میں ہے یا بقاء میں۔

حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الصوفی لایسبق ھمۃ خطوتہ البتہ

صوفی وہ ہے جس کی ہمت (یعنی قدم) اس کے خیال سے آگے نہ بڑھے۔

اس کا مطلب یہ ہے جو کام کرے حضورِ قلب کے ساتھ کرے۔ جہاں اس کا دل ہے وہاں اس کا جسم ہونا چاہیے اور جہاں اس کا جسم ہے دل بھی وہاں ہونا چاہیے اور قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

التصوف حسن الخلق (تصوف خوش خلقی کا نام ہے)۔

حسن خلق کی تین قسمیں ہیں۔

1. —— حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی خلوصِ دل سے نہ کہ ریا سے۔
2. —— بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت اور ہم عمروں کے ساتھ انصاف اور ان سے انصاف کا معاوضہ طلب نہ کرنا۔
3. —— نفسانی خواہشات اور شیطانی وساوس پر عمل نہ کرنا۔ پس جو شخص ان تینوں قسم کے اخلاق پر کاربند رہتا ہے اور خوش خلق لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت ابوحفص نیشاپوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

التصوف کلہ آداب لکل وقت ادب ولکل مقام ادب،ولکل حال ادب فمن لزم اداب الاوقات بلغ مبلغ الرجال ومن ضیع الاداب فھو بعیدمن حیث یظن القرب ومردودمن حیث یظن القبول۔

تصوف آداب کا نام ہے،ہر وقت کے آداب،ہر مقام کے آداب،اور ہر حال کے آداب۔پس جس نے ان آداب کو لازم پکڑا بلند مقام پر پہنچا اور جس نے آداب کی پابندی نہ کی وہ دور پھینکا جاتا ہے اور مردود کیا جاتا ہے اس فخر وغرور کی وجہ سے کہ اپنے آپ کو مقرب ومقبول سمجھتا ہے۔

اور یہ بات حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے اس قول کے مطابق ہے:

لیس التصوف رسوماولاعلوماولکنہ اخلاق۔

تصوف نہ کسی اسم کا نام ہے نہ علوم کا بلکہ یہ اخلاق ہے۔

اگر یہ علم ہوتا تو درس وتدریس سے حاصل ہو جاتا۔یہ حسن خلق ہے کہ جب تک تو اس کا ارادہ نہ کرے،اس پر عمل نہ کرے اور جب تک اس کا حق ادا نہ کرے حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت محمد بن علی (امام باقر) رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

التصوف خلق فمن زادعلیک فی الخلق زادعلیک فی التصوف

تصوف خوش خلقی کا نام ہے لہذا جو شخص سب سے زیادہ خلیق ہے سب سے بڑا صوفی ہے۔

نیک خوئی دو قسم کی ہوتی ہے ایک حق (اللہ تبارک وتعالیٰ) کے ساتھ،دوسرے خلق کے ساتھ۔حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی اس کی رضا پر راضی اور اس کی قضا پر خوش رہنے کا نام ہے اور خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ لوگوں کی بدتمیزی کو للہ برداشت کرتا رہے۔اور ان دونوں صورتوں میں طالب کا اپنا فائدہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ طالب کی رضا اور نافرمانی دونوں سے مستغنی ہے۔اور یہ دونوں صورتیں نظریہ وحدانیت کا نتیجہ ہیں۔

جب توحید یعنی وحدت الوجود حق ہے تو پھر خلق خدا کی رضا جوئی بھی حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہوگی کیونکہ یہ سب اسی ایک ہستی کا ظہور ہے۔حضرت امام باقرﷺ کے اس قول سے یہ بھی ثابت ہوا کہ لفظ تصوف ان کے زمانے میں بھی رائج تھا۔یاد رہے کہ آپ تابعی ہیں۔

تصوف کی دنیا کے افراد عام انسانوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔جہاں سوچ اور فکر کا انداز جُدا ہے۔جہاں کی قدریں انچی ہیں۔جہاں انسانی جدوجہد کی غایت ذاتِ الٰہی کے عرفان کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔جہاں یہ خاص اہل زمین،زمین پر رہتے ہوئے بھی اس کرۂ ارض کی مخلوق نہیں لگتے اور ان کے فکر وعمل کی جولان گاہ سات آسمانوں کی وسعت ہوتی ہیں۔یہ تصوف کی دنیا ہے جو ایک عام دنیادار انسان کو کیسی عجیب اور نا قابل یقین لگتی ہے جب کہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ہر انسان کی زندگی میں ایسے

لمحے ضرور آتے ہیں جب وہ اس دنیا کے تفکرات اور مادی زندگی کے جھمیلوں سے بیزار ہو کر ایک ایسی جائے امن طلب کرتا ہے جہاں اس کی تلملاتی روح کچھ وقت کے لئے راحت اور سکون سے ہمکنار ہو سکے اور وہ راحت و قلبی سکون اُسے اپنے ہم نوع انسانوں میں سوائے صوفیہ کرام کے اور کہیں نہیں ملتا۔

یہ علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے۔ یہی اہل تصوف، اولیاء کرام اور اہل فقر، اللہ کے مقربین ہوتے ہیں۔ عالم جب تک تصوف و سلوک سے بے بہرہ ہے نہ وہ وارث رسول ہے نہ نائب خدا و رسول ہے۔

دین میں تصوف بمنزلہ روح فی الجسد ہے۔ جس عمل میں اخلاص نہ ہو وہ بے کار ہے۔ خلوص ہی کا نام تصوف ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق علم تصوف کا حصول فرضِ عین ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
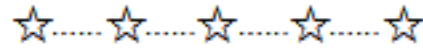
عشق رسول، عشق الٰہی

یہ موضوع بیان کرنے اور سمجھانے کے لحاظ سے بہت مشکل ہے اور خاص طور پر عشق الٰہی کے بارے میں تو عوام الناس کو یقین و سمجھ بالکل نہیں آتی۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چلو خیر! پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد رسول ﷺ تو انسان، انسانِ کامل تھے، ہماری نوع سے تھے اس لئے آپ ﷺ کے ساتھ دلی لگاؤ، عشق و محبت تو قابل فہم ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ، خالق و مالک کائنات کے ساتھ دلی لگاؤ، عشق و محبت کے کیا معنی؟ اور وہ کیسے ممکن ہے؟ اور جو عوام الناس میں کچھ سمجھ بوجھ کے مالک ہیں وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے عشق و محبت کرتے ہوئے جھجکتے ہیں، کچھ شاید جلالت و کبریائی رب کریم سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ بے ادبی تو نہیں۔

عوام الناس کے یہ خیالات تو جہالت کی وجہ سے ہیں۔ وہ صحیح قرآنی اور احادیث کی تعلیمات سے باخبر نہیں ہیں۔ اس بارے میں حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تو خود انسانوں، جنوں میں سے اچھی، نیک صفات والوں کو دوست رکھتا ہے۔ لفظ ولی کا مطلب بھی دوست، مددگار، مہربان وغیرہ کے ہیں۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے عشق و محبت تو پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات حاصل کائنات، پیغمبر بحر و بر، رسول کائنات، سید المرسلین خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، سرکار دو عالم حضور انور، حضور پُر نور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی سنت مبارک ہے۔ اور اولیاء اللہ نے اسی سنت مبارک کے اتباع میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت میں وہ مقام حاصل کئے ہیں جو ہماری سمجھ اور بیان کرنے کی دسترس سے باہر ہیں۔

میرا تو لکھنے کا واحد مقصد ہی عوام الناس کو سمجھانا ہے یا یوں کہہ لیں کہ میں تو لکھتا ہی عوام الناس کے لئے ہوں۔ اسی لئے میں مسئلے مسائل و حقائق کو آسان ترین زبان و انداز میں بیان کرتا ہوں اور ایسی تمثیل و مثال دینے کی کوشش کرتا ہوں اور دیتا ہوں کہ جس سے ہر کوئی سمجھ سکے یہاں تک کہ وہ بچہ جو ابھی اردو پڑھنا ہی جانتا ہے، اردو پڑھ سکتا ہے وہ میرے لکھے کو، میری بات کو اول تا آخر مکمل سمجھ سکتا ہے اور دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔ اور یہی بات مجھے سکون بخشتی ہے کہ دین الٰہی کو، دین متین کو، اچھی باتوں کو، بہت کم پڑھے لکھے لوگ (جو کہ ہماری بہت بڑی اکثریت ہے) بھی آسانی سے سمجھ سکیں اور پھر دوسروں کو بھی سمجھا سکیں اور اسی طرح سے معاشرے کی رہنمائی ہو۔

میں نے اس عنوان ''عشق رسول، عشق الٰہی'' میں عشق رسول ﷺ کو اس لئے پہلے لکھا ہے کہ میری دانست میں عموماً پہلے محبت دین اسلام سے، صلحا اور اولیاء اللہ سے، آلِ رسول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوتی ہے۔ پھر یہی محبت وقت رفتہ کے ساتھ کچھ پختگی پانے کے بعد ایک طبق اوپر جاتی ہے یعنی کہ محبت پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ سے ہو جاتی ہے، اور پھر اس میں کچھ مرتبہ یا کمال

پانے کے بعد یہی عشق ومحبت حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیمﷺ کی معرفت ایک طبق اوراوپر جاتی ہےاور پھر ''محبّ'' اللہ تبارک و تعالی سے عشق ومحبت کرنے لگ جاتا ہےاوراللہ تبارک وتعالیٰ کاعشق ومحبت ہی انسانی محبت کی معراج کا آخری طبق ہے۔

درج ذیل آیات مبارک میں دیکھیں کہ اگر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام وہدایات پر عمل کریں، نیکی کا راستہ اختیار کریں۔صبر وشکر کواپنا شعار بنائیں۔اس کا کثرت سے ذکر کریں تو وہ خود ہمیں دوست رکھے گا۔ہمارا نام بلند کرے گا۔ہمارا چرچا کرے گا۔ہم اس کے پیارے ہوں گے۔وہ ہمیں عزت دے گا۔بالفاظ دیگراللہ تبارک وتعالیٰ تو خود بھی دوست بناتا ہے، پیار کرتا ہے، پسند کرتا ہے۔اپنے دوست کوباعزت ناموری دیتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفات کو دیکھتے ہوئے اس سے بھی دوستی کی جاسکتی ہے، محبت کی جاسکتی ہے۔اس سے عشق کیا جاسکتا ہےاورایسا کرنے میں کچھ بھی تو مانع نہیں ہےاس لئے ہمیں بھی اس سے دوستی اور عشق کرنا چاہیے۔بس ایک بات ہے کہ یہ کہنا آسان ہےاوراس کا کرنا بہت بہت بہت زیادہ مشکل ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوستی اور عشق صرف وہی دل کرسکتا ہے جودنیا کی محبت سے خالی ہو۔یہ ممکن نہیں ہے کہ دل میں دنیا کی محبت بھی ہواوراس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت بھی آجائے۔دل سے دنیا کی محبت، خواہشات کی پیروی، نفس پرستی کونکالے بغیر اللہ کی محبت کے لئے دل میں جگہ پیدانہیں ہوسکتی۔ہمت کریں اور جوانی میں ہی اسے اپنے دل میں بسالیں اور یہ بہت بڑا کام ہے۔کسی شاعر نے اسی لئے کہا ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

سورۂ بقرہ آیت 152 میں خالق ومالک کائنات کاارشاد ہے:

ترجمہ: ''تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا۔''

سورۂ آل عمران، آیت 31 میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''فرمادو! کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

سورۂ آل عمران، آیت 146 میں حاکم الحاکمین کاارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔''

سورۂ آل عمران، آیت 148 میں فرمان مبارک ہے:

ترجمہ: ''اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔''

سورۂ آل عمران، آیت 159 میں ارشادِ ربّ العالمین ہے:

ترجمہ: ''بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔''

سورۂ توبہ آیت 4 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

سورۂ جاثیہ آیت 19 میں ارشادِ رب العالمین ہے:

ترجمہ: ''اور ڈر والوں کا دوست اللہ ہے۔''

سورۂ صف آیت 4 میں رب کائنات کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں۔''

سورۂ مزمل آیت 8 میں خالق و مالک، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور سب سے کٹ کر اسی (اللہ) کے ہو رہو۔''

اس آیت مبارک اور اس سے پہلی سورۂ مزمل کی آیات مبارک میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ احکام و ہدایت اپنے محبوب رسول کریم ﷺ کو فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے بڑھ چڑھ کر عمل کیا ہے اور یہ سب کچھ ہی ہمارے لئے پیاری پیاری سنت رسول کریم ﷺ ہے۔

ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی معیت میں محوِ سفر تھے کہ ایک صحابی ایک پرندے کے بچے کو پکڑے لا رہا تھا۔ حضور انور ﷺ اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس بچے کے ماں باپ اپنے بچے کے لئے جھپٹ رہے تھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے بچہ پکڑنے والے کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پرندے کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گئے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم اس پرندے کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو کہ تم نے اس کا بچہ پکڑا اور اس نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے ڈال دیا۔ بخدا، تمہارا رب اس پرندے سے بھی زیادہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔ (یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع، غزوہ اعاجیب سے واپسی کے دوران کا ہے اور یہ غزوہ ماہ ربیع الاوّل 7 ہجری میں پیش آیا تھا۔)

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ارشاد فرمایا:

''اگر میں اللہ کے سوا انسانوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔''

مندرجہ بالا آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھی خدا خوفی کرنے والوں، توکل کرنے والوں، صبر کرنے والوں، نیکی کرنے والوں کو اپنے دوست رکھتا ہے، انہیں پیار کرتا ہے، انہیں چاہتا ہے، ان کے ساتھ ہے، ان پر بہت رحم کرتا ہے اور آخری مذکورہ حدیث میں تو یہ کتنا صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے تو اللہ تبارک و تعالیٰ دوست ہیں۔ حضور پُرنور ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مکمل حکم برداری، اطاعت، عبادت، ریاضات، فقر و دنیا سے بے رغبتی کی شکل میں جو محبت و عشق کیا ہے وہ ہمارے لئے سنتِ نبی کریم ﷺ ہے۔ پھر بھلا ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت

وعشق میں سرگرمِ عمل کیوں نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ بہت مشکل اور محنت طلب ضرور ہے۔

قارئین کرام! یہاں میرا مندرجہ بالا لکھنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ میں آپ سب کو بتادوں کہ سنت رسول ﷺ پر آپ شوق سے عمل پیرا ہوں اس میں جھجکنے کی کوئی بات نہیں ہے اور آپ یہ عشق ومحبت نفلی عبادات کے ذریعے خوبصورتی سے کر سکتے ہیں۔ فقر اور دنیا سے بے رغبتی اپنانے والے محبِّ عشق الٰہی میں بہت کامیاب ہوتے ہیں۔ تمام اولیا اللہ نے بھی فقر ودنیا سے مکمل بے رغبتی کو شوق وصدقِ دل سے اپنایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اس عشق ومحبت سے بہت راضی ہے۔

دنیادار عوام الناس میں سے کوئی ایک فرد بھی اولیاء اللہ کے عشق ومحبت کی شدت، اس میں ان کی محنت اور ان کی مسلسل تڑپ کو کوئی نہیں جان سکتا ہے۔ اسے تو وہی جانتے ہیں یا جان سکتے ہیں جو خود اس عشق حقیقی (اللہ کا عشق، محبت الٰہی)، روحانی عشق یا نورانی عشق میں مبتلا ہوں اور جنہوں نے اسی عشق الٰہی کو حاصلِ زندگی بنالیا ہو۔

دنیا والوں کو، عوام الناس کو تو اسے (عشق رسول، عشق الٰہی) دنیاوی عشق ومحبت یعنی کہ عشق مجازی (انسانوں کا عشق، بناوٹ کا عشق) سے ہی سمجھایا جا سکتا ہے۔ عشق حقیقی، روحانی عشق یا نورانی عشق یعنی کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں مگن ہونا، کی مثال دنیاوی عشق یا عشق مجازی (محبت، شوق، چاہتِ دنیا وجنس ونفسانی خواہشات) سے سمجھانا ایک گھٹیا سی بات ہے لیکن کیا کروں کہ میرے خیال میں یہی ایک تمثیل ہے جس کے ذریعے عوام الناس کو اس کی کیفیت، شدتِ جذبات وگلن کو با آسانی سمجھایا جا سکتا ہے اور ذہن نشین کرایا جا سکتا ہے۔

فرق یہ ہے کہ عموماً دنیاوی عشق میں وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ ہوس، حرص، حسد، خودغرضی اور دیگر رذیل صفات بڑھتی جاتی ہیں اور وہ انسانوں کو ضلالت اور ظلمت کی طرف لے جاتی ہیں اور بالآخر بے سکونی، حق تلفی، خودکشی اور قتل وغارت گری اس کا انجام ہوتا ہے۔

جب کہ عشق حقیقی، نورانی یا روحانی عشق میں وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ صبر وتحمل، قناعت ورضا، رواداری، برداشت، اعلیٰ ظرفی، خاموشی اور اپنے رب جل جلالہ ورسول ﷺ کے ساتھ مصروف کار رہنے کے لئے گوشہ نشینی جیسی اعلیٰ ومعزز صفات بڑھتی ہیں۔ سالک روز بہ روز نور کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور وہ ہر ایک کے لئے بے ضرر اور مفید ومددگار بن جاتا ہے اور اس راہ حق پر گامزن رہتے ہوئے بالآخر واصل باللہ ہو جاتا ہے۔

سورۂ آل عمران، آیت 14 میں خالق ومالکِ کائنات کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، عورتیں اور بیٹے، اور اوپر تلے سونے چاندی کے ڈھیر، اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے، اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا۔''

میں نے ان خواہشات میں سے یہاں صرف دنیاوی عشق ومحبت کی مثال اس لئے دی ہے کہ مخالف جنس کی کشش، محبت وچاہت اور عشق ومحبت باقی تمام خواہشات سے زیادہ عام ہے اور اس دنیاوی عشق ومحبت سے ہر کسی کو کسی نہ کسی شکل میں اور زندگی

کے کسی نہ کسی دور میں ضرور بالضرور پالا پڑا ہوتا ہے۔چاہے وہ یک طرفہ ہی عشق و محبت کیوں نہ ہو اس سے ہر پڑھا لکھا، ان پڑھ، امیر و غریب زندگی کے کسی نہ کسی دور میں ضرور دو چار ہوا ہوتا ہے۔یعنی کہ اس مثال کے ذریعے عشق رسول ﷺ عشق الٰہی جل جلالہ کو سمجھانا اور اُسے ذہن نشین کرا دینا مقابلتاً بہت آسان اور صحیح ترین انداز ہے۔

دنیاوی عشق میں محبوب کے اوّلین وقت میں دیدار کے لئے سو سو جتن کئے جاتے ہیں۔کوشش ہوتی ہے کہ اس کی دید سے دن کی ابتدا کی جائے۔محبوب نظر نہ آئے تو دل اُچاٹ ہو جاتا ہے کسی کام میں دلجمعی اور دلچسپی نہیں رہتی۔صبح محبوب کا دیدار نہیں ہوا تو ناشتہ کرنے کو بھی دل نہ چاہا۔اور اگر محبوب کی دید ہو گئی، اس سے راز و نیاز کی باتیں بھی کرنے کا موقع ملا، ملاقات ہو گئی تو پہلے کی اُچاٹ طبیعت ایک دم اتنی بہتر ہو گئی کہ سارا ماحول ہی سہانا ہو گیا اور اب جو کھانا شروع کیا تو صبح کے ناشتے کی بھی کسر پوری کر دی۔ہر کام میں دلجمعی اور دلچسپی آ گئی اور طبیعت میں پژمردگی کی جگہ چہکنا اور ظرافت بھی آ گئی۔

پھر اگر ہفتہ دس دن کے لئے کسی سبب دوری آ گئی، محبوب اپنے عزیزوں سے ملنے کچھ دور چلا گیا تو پھر سارا سارا وقت ہی محبوب کے تصور میں گزرنا شروع ہو گیا۔پڑھائی ہو، لکھائی ہو، گھر کے کام کاج ہوں، سکول و کالج جانا ہو یا کہیں اور کسی کام سے جانا ہو، ان سب میں محبوب کا تصور و خیال ساتھ ساتھ ہوتا ہے بلکہ پیش پیش ہوتا ہے۔تصورات میں محبوب ہمہ وقت ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور اس کی خوبصورتی، ادائیں، باتیں، انداز و حسن، حواس پر چھائے رہتے ہیں کہ ضروری کام، بزرگوں کے، والدین کے حکم و ہدایت کو بھی بھول جاتا ہے۔سکول و کالج کے کام کو بھول جاتا ہے اور تصورِ جانِ جاناں میں ہی محو رہتا ہے، غرق رہتا ہے، ڈوبا رہتا ہے۔محبوب کے آ جانے والے دن و تاریخ کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا ہے اور جس راہ سے محبوب نے آنا ہے اس راہ پر نگاہیں لگی رہتی ہیں۔

محبوب کا ساتھ مل گیا تو پھر کسی اور کی طرف توجہ ہی نہیں۔نہ وقت گزرنے کا پتہ اور نہ کسی اور سے دلچسپی، نہ راز فاش ہونے کا ڈر۔بس محبوب کی دید میں، محبوب کی رفاقت میں اس قدر مگن کہ نہ سردی گرمی کا احساس اور نہ ہی بھوک پیاس کا احساس اور نہ ہی شب و روز کے جھپکے سے گزر جانے کا پتہ۔

ہر وقت محبوب کا تصور، اسی کے خیال، اسی کے خواب۔اسی کی پسند کے کپڑے جوتے، خوشبو اور اسی کی پسند کے طعام و مشروب۔محبوب کو لباس میں جو رنگ پسند ہیں وہی رنگ استعمال کرنا، پسند کرنا۔یعنی کہ مختصراً یوں کہہ لیں کہ ہر طرح سے محبوب کے رنگ میں رنگے گئے اور اپنی پسند کو، اپنی ذات کو محبوب کی پسند و ذات کے مطابق کر دیا اور اپنی خودی اور انفرادیت ختم کر دی۔

اور اگر تعلیم یا روزگار کی خاطر محبوب کو دو چار ماہ کے لئے کہیں جانا پڑا تو بس، جس دن، جس وقت یہ جدائی کی منحوس اطلاع ملی، اسی دن سے کھانا پینا بہت کم ہو گیا، بلکہ ایک دو دن تو کھانا پینا بالکل بند، طبیعت اُچاٹ، کہیں کسی کام میں بھی جی نہ لگے اور دُنیا اُجڑی اُجڑی سی نظر آئے۔جیسے جیسے محبوب سے عارضی جدائی کا دن قریب آ رہا ہے اسی تناسب سے طبیعت، صحت و حالت بگڑتی جا رہی ہے اور جب جدائی کا دن بالکل قریب آ گیا تو اس بگڑی ہوئی حالت میں چھپ چھپ کے رونا دھونا، آنسو بہانا بھی

شروع ہوگیا۔نیند ختم ہوگئی اور چہرے پر بھی پریشانی، محرومی، کمزوری اور پژمردگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔

اور پھر ایک وقت آیا کہ محبت کی ڈوری ٹوٹ گئی۔محبوب کسی اور کا ہوگیا اور راہ و رسم بھی ختم کر لئے۔بس پھر کیا ہے، دل کی دُنیا اُجڑ گئی۔ساری دُنیا سے نفرت ہوگئی، طبیعت ایک دم اُچاٹ ہوگئی۔نہ کھانے پینے کا ہوش اور نہ کسی عزیز و اقارب کا خیال اور نہ اپنا خیال۔ساری دُنیا بے وفا ہوگئی، پیار کی دشمن ہوگئی، بے مروت ہوگئی۔کائنات کی خوبصورتی، دلکشی ختم ہوگئی اور کسی میں بھی دلچسپی نہیں رہی۔اب ہمرازوں سے بھی بات چیت نہیں، یہاں تک کہ کھو جانے والے، بے وفا محبوب کا نام سننا بھی گوارا نہیں۔ان حالات میں اب بس ایک ہی آرزو ہے، ایک ہی کوشش ہے اور ایک ہی دُعا ہے کہ اب یہ بیکار زندگی ختم ہو جائے۔اب کس کے لئے زندہ رہنا ہے۔محبوب نے منہ موڑ لیا تو مینار یا چھت سے کود کر، یا ریل کے نیچے آ کر میں بھی اس بے وفا دنیا سے منہ موڑ لیتا ہوں۔

قارئین کرام! میں نے یہاں ایک عام فرد کے شدتِ جذبات کو بیان کیا ہے اور یہ بالکل حقیقت کے مطابق ہے۔اس میں لفاظی اور مبالغہ آرائی قطعاً نہیں ہے۔عمر کے کسی نہ کسی دور میں شاید اس طرح کے لمحات آپ پر بھی آئے ہوں۔بہر حال انسانی فطرت کے مطابق میرا مذکورہ بالا لکھا ہوا بالکل حقیقت ہے، سچ ہے اور تھوڑی، بہت حد تک اس سے ہماری بھاری اکثریت دوچار ہوتی ہے اس لئے اس میں لفاظی یا مبالغہ آرائی قطعاً نہیں ہے۔

اللہ اور رسول، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والوں، صرف اللہ کی راہ پر خلوص سے چلنے والوں یا سوجان سے صدقِ دل کے ساتھ قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے والوں، یا پُرخلوص پرشوق وارفتہ اتباعِ رسول کریم ﷺ کرنے والوں کے جذبات بھی اسی شدت کے ہوتے ہیں بلکہ اہل اللہ کے جذبات اور بھی زیادہ پرشدت اس لئے ہوتے ہیں کہ ان میں دُنیاداری، ریاکاری بالکل نہیں ہوتی۔ابتدا میں تو یہ محبت یک طرفہ معلوم دیتی ہے کیونکہ محبّ اپنی مکمل ذات کے ساتھ، ظاہری نظر سے اوجھل اعلیٰ، مقدس و متبرک ہستیوں (اللہ اور رسول) کے ساتھ محبت و عشق کر رہا ہوتا ہے۔

ہم مسلمان ہی اتباعِ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے ساتھ مقامِ باقی باللہ تک پہنچ سکتے ہیں اور پہنچتے ہیں۔یہاں میرا یہ کہنے کا مقصد ہے کہ راہِ سلوک کے راہی پہلے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں۔پھر سالک کی یہی محبت ایک مقام و وقت پر آپ ﷺ معرفت ایک طبق اوپر ہو جاتی ہے اور یوں سالک کی محبت و عشق اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔اور حضور پُر نور ﷺ کی معرفت و عنایت سے وہ عشق و محبت وقت رفتہ کے ساتھ ترقی کرتے کرتے عروج کو پہنچ جاتا ہے۔

اس دوران بندے کے اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے عشق و محبت میں وہی پُرشدت مگر مثبت اور تعمیری جذبات ہوتے ہیں جو اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں۔یعنی کہ ہر دم انہی کا زبان پر نام، ہر دم انہی کا ذکر و اذکار، ہر دم انہی کا خیال و تصور اور ہر دم انہی کے بارے میں سوچ بچار۔انہی کے بارے میں پڑھنا، سننا اور انہی کے حکم و رضا کے مطابق وقت گزارنا۔مثلاً حیاتِ طیبہ پر بار بار

تفصیل سے پڑھنا۔قرآنِ حکیم حفظ کرنا،یا قرآنِ حکیم کی بار بار تلاوت کرنا۔اس پر غور وخوض کرنا۔آیاتِ مبارک کے باطنی معنی جاننے کی کوشش کرنا،اللہ تبارک وتعالیٰ کے انبیاء کرام اور پیارے بندوں کے بارے میں پڑھنا،سننا۔اللہ اور رسول ﷺ کا مزید قرب حاصل کرنے کے لئے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نفلی عبادات میں مصروف ومشغول ہو جانا۔اللہ کے ذکر وعبادت میں شب بیداری کرنا۔روزانہ خود اپنا احتساب کرنا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے سب سے محبت کرنا،سب کا احترام واکرام کرنا۔اپنی نفسانی، جسمانی ضروریات کو کم سے کم پر لے آنا۔عزیز واقارب،دوست احباب،مجالس وگفت وشنید سے رفتہ رفتہ دور ہوتے جانا اور بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ کا اور زیادہ قرب ومعرفت حاصل کرنے کے لئے صحرا،جنگل یا اپنے ہی گھر وماحول میں گوشہ تنہائی اختیار کر لینا۔

اس موضوع کو اچھی طرح سے سمجھانے کے لئے میں ایک اور وضاحت کر دوں۔وہ یہ کہ ولایت،معرفت اور قرب کا حصول کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے یعنی کہ یہ کوشش سے نہیں بلکہ خصوصی فضل وعنایات الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔سورۂ حدید کی آیت 21 کے مطابق:"یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔"اور جس پر نظرِ عنایت ہوتی ہے وہ پیدائشی طور پر صلاحیت اور استعداد لے کر آتا ہے۔لیکن کیونکہ اپنی صلاحیت اور مقدر کا انسان کو پتہ نہیں ہوتا اس لئے کوشش ضرور کرنی چاہیے،کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے اندر استعداد ہو اور وہ بغیر استعمال رہ جائے۔اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر فرد کے دل میں اپنی محبت کسی نہ کسی مقدار میں ضرور رکھی ہے جس سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

دُنیاوی عشق ومحبت کے بالکل اُلٹ یہاں (یعنی عشقِ حقیقی میں،عشقِ الٰہی میں) تو جن سے محبت کی جا رہی ہے وہ تو ہر دم آپ کے ساتھ ہیں۔

سورۂ حدید آیت 4 میں ارشاد رب العالمین ہے:"اور وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔"

سورۂ نساءٔ آیت 64 میں قادرِ مطلق کا ارشاد ہے:"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

یعنی کہ آپ ﷺ نے بھی صرف پردہ فرمایا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔آپ ﷺ تو ظاہری حیات سے بھی زیادہ مصروفِ کار ہیں،کائنات میں تصرف فرما رہے ہیں کیونکہ آپ کی اُمت کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے اور دُنیاوی ودینی مسائل بھی اسی تناسب سے بڑھ گئے ہیں۔قصہ مختصر ماننے والوں کے لئے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ حاضر،ناظر وشاہد ہیں۔

یہاں تو محبّ کے محبوب عطا کرنے والے،کریم ورحیم ہیں جن کے ہر طرح کے خزانے ہمیشہ پُر ہیں۔(سورۂ حجر،آیت 21 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:"اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اُتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔")

یہاں بھی دُنیاوی عشق ومحبت کے بالکل اُلٹ ہے۔جیسے جیسے محبوب کی عنایات ونوازشیں شروع ہوتی ہیں عشق وفرزانگی سوا ہوتی جاتی ہیں۔یعنی کہ:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دنیاوی عشق ومحبت میں جسمانی یا نفسانی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ نفس کو ہی طاقتور کرتا ہے اس لئے اس میں رذیل حرکات وافعال سرزد ہوتے ہیں اور وہ مسلسل رذالت، ضلالت وظلمت کی طرف ہی گامزن رہتا ہے۔جب کہ اللہ اور رسول ﷺ کے عشق میں، عشق حقیقی میں نفس کو، خودی کو، انا کو اور دُنیا پرستی کو بالکل مٹانا پڑتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی روح پرورش پاتی ہے، اسے بالیدگی اور طاقت نصیب ہوتی ہے۔انسان کا اخلاق، طور واطوار، میل جول، انداز وانداز گفتگو یکسر بدل جاتے ہیں اور وہ ہر ایک کے لئے بے ضرر ہو جاتا ہے۔ہر ایک کی زیادتی کو صبر وتحمل سے برداشت کرتا ہے اور ہر نفس کو اپنے سے بہتر جانتے ہوئے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے۔صرف وہاں جاتا ہے جہاں سے اس کی روح کو خوراک مل سکے۔کیونکہ جیسے جسم کی بھوک پیاس ''فوڈ سٹریٹ'' میں آنے سے اور بڑھتی ہے اسی طرح روحانی ماحول میں آجانے سے روح کی بھوک اور پیاس بھی اور بڑھ جاتی ہے۔اور روح کی خوراک اور پانی تو اللہ اور اللہ کے رسول پاک ﷺ کا نور ہے اس لئے قرآن حکیم کی تلاوت، اسے پڑھنا سمجھنا اور اس پر غور وخوض کرنا اور ریاضات وعبادات میں مستغرق ہونا ان کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔اس کی آیات کے سہارے یہ کائنات عظیم میں نظر دوڑاتے ہیں اور ہر جگہ ہر سمت میں اللہ اور رسول کو ہی پاتے ہیں۔اللہ کے لئے خدمت خلق کرتے اور اسی کے واسطہ سے خلق خدا سے محبت کرتے ہیں۔نفسانی خواہشات کو تیاگ دینا، جسمانی ضروریات کو کم سے کم کر دینا اور اپنے آپ کو اس حد تک مٹا دینا کہ ہر ظلم وزیادتی کو صبر وہمت سے نیچی نگاہ رکھتے ہوئے برداشت کرتے جانا، لمحہ لمحہ شکر ادا کرتے رہنا اور قدم قدم پر صبر کے گھونٹ پینا اس گروہ کا پسندیدہ مشروب ہے۔

یہ گروہ (اولیاءاللہ کا گروہ) تو شروع سے ہی خوب جانتا ہے کہ ان کا محبوب تو ہمہ وقت ان کے ساتھ ساتھ ہے، انہیں دیکھ رہا ہے۔ان کی رہنمائی فرما رہا ہے۔ان میں ظرف پیدا کر رہا ہے۔یہ تو احتراماً، ادباً ولطفاً مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں مقدس دربار ومجالس کا تصور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حضوری میں وہاں پیش کرتے ہیں ورنہ تو اس شعر کے مطابق

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

ان کا محبوب تو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ بلکہ ان کے دل میں رہتا ہے۔

ابتدا میں جب محبوب کی طرف سے خصوصی نوازشات وعنایات ہونا شروع ہوتی ہیں تو اچھے خواب، بعض دفعہ سچے خواب اور بزرگوں سے ملاقاتیں اور ان کے ارشادات سننے کو ملتے ہیں۔رفتہ رفتہ علم الیقین، عین الیقین میں بدل جاتا ہے اور پھر اگر سالک صدق دلی سے راہِ سلوک پر گامزن رہے تو جلد ہی حق الیقین کی منزل آجاتی ہے۔اصل میں اس راہ میں سالک خوب انعامات

حاصل کرتا رہتا ہے اور درجات کی بلندی بھی ہو رہی ہوتی ہے۔ جب محبوب (اللہ تبارک وتعالیٰ) حق الیقین عطا فرماتا ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کو مختلف واقعات وحالات میں یہ بتا دیتا ہے کہ میرے بندے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری نیت واعمال سے باخبر ہوں۔ تم نے اس حالت، مصیبت، تکلیف ومشکل میں جس صبر وہمت، عالی ظرفی واستقامت اور توکل کا مظاہرہ کیا ہے وہ میں نے دیکھا ہے، سنا ہے۔ تمہاری نیت بھی پرخلوص اور سچی تھی اور دعا کرنے میں، میری مدد طلب کرنے میں برحق تھے۔ میں (اللہ) تو قادر مطلق ہوں، کلمہ کن کا مالک ہوں۔ میں تو تمہارے تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ میں نے تمہاری فریاد و دعا سن لی اور تمہاری تکلیف، مصیبت، مشکل فوری حل کر دی ہے۔ میرے لئے اپنی اس محبت، محنت، رغبت وچاہت کے صلہ میں ہسپتال کے بستر سے اُٹھو، اور چلو پھرو، اور پھر و بھی اس طرح کہ جیسے تمہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

قارئین کرام! سالک کو جو اس حق الیقین سے سرور حاصل ہوتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ دنیا ومافیہا کی تمام لذتوں اور نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ سالک اس کی خوشی میں دنیا کو ہی بھول جاتا ہے۔ ان خاص نعمتوں، نوازشوں کے پس پردہ سالک کو اپنا رب اور رسول ﷺ صاف صاف نظر آتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ میرا رب ورسول ﷺ تو بہت ہی مہربان رؤف ورحیم ہیں جو اپنے بندے کی قدم قدم پر حوصلہ افزائی ورہنمائی فرماتے ہیں اور بندے کی ہر نیت واعمال سے ہمہ وقت سو فی صد خبر دار ہیں۔

اس (عشق حقیقی اور عشق مجازی) میں ایک اور بہت ہی نمایاں فرق ہے۔ دنیاوی عشق ومحبت میں وصال کے فوراً بعد اعتدال، سکون وٹھہراؤ آ جاتا ہے اور پھر وہ وقت رفتہ کے ساتھ تنزل پذیر ہو جاتا ہے اور چند سالوں بعد تو یاد ماضی بن جاتا ہے۔ جب کہ روحانی عشق ومحبت میں، عشق حقیقی میں جب وصال کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو محبت ولگن فزوں سے فزوں تر ہوتی جاتی ہیں۔ عشق کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور وصال کی ابتدا میں ہی عشق ومحبت کا یہ حال ہوتا ہے کہ خوشی میں، راحت میں، اس کے حصول میں سالک روحانی دیوانگی، فرزانگی کی حدوں سے باہر چلا جاتا ہے اب وہ ظاہری دنیا کے لئے یا دنیا کے لئے بالکل دیوانہ ہے۔ دنیا والوں کے بقول اس کا کوئی وظیفہ اُلٹ گیا ہے کہ وہ اس حالت کو پہنچا ہے۔ جب کہ حقیقت میں وہ بندہ خدا، اب اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ ہو گیا ہے۔ مکمل روحانی عالم میں چلا گیا ہے۔ ان کے رنگ میں رنگا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک بھی لامحدود ہے اور صفات پاک بھی لامحدود ہیں۔ اب سالک اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں سیر کر رہا ہے اور اسی لئے اب وہ دنیا سے بہت حد تک لاتعلق ہو گیا ہے۔ اور اُس کا تعلق اللہ اور رسول ﷺ سے مستقل ہو گیا ہے۔

ان دونوں قسم کے عشق ومحبت کے انجام میں بھی بہت فرق ہے۔ دنیاوی عشق ومحبت کی مثال ایسے پانی کی سی ہے جو بارش کے بعد ایک گڑھے یا تالاب میں جمع ہو گیا ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کم ہوتا جاتا ہے اور دن بدن اُس کی تازگی اور خالص پن میں فرق آتا جاتا ہے اور کچھ عرصہ بعد وہ پانی کم ہوتے ہوتے کیچڑ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بالآخر مکمل خشک ہو جاتا ہے۔ جب کہ روحانی عشق ومحبت کی مثال ایک میٹھے چشمے کی سی ہے جو پوری آب وتاب سے جاری رہتا ہے۔ انسانوں، جانوروں، نباتات وغیرہ کو یکساں سیراب کرتا ہے یعنی کہ سب کے لئے مفید ہے۔ پھر وہ پانی بہتا بہتا ندی، نالوں، دریاؤں کے

ذریعے اپنی اصل، منزلِ مراد یعنی کہ سمندر میں جاملتا ہے اور امر ہو جاتا ہے۔ اور یہی انجام خیر اولیاء اللہ کا ہے۔ وہ بھی اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات میں ملا دیتے ہیں، گم کر دیتے ہیں اور امر ہو جاتے ہیں۔

سورۂ جن کی آیت 16 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے:

ترجمہ: ''اور اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔''

وافر پانی دینے سے مراد ہے کہ انہیں ہم خوب سیراب کرتے۔ ان پر روحانیت سے پُر پانی کی بارش کرتے۔ انہیں روحانیت سے سیراب کرتے۔ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے خوب نوازتے۔ صلحاً اور اولیاء اللہ کے لئے عشق رسول ﷺ، عشق الٰہی ہی روحانیت ہے۔ روحانیت کی فراوانی ہے۔ یعنی کہ ان کے لئے تو دنیا اور آخرت کی یہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مقدس گروہ تو زندگی بھر راہِ راست کو ہی اپنائے رکھتا ہے۔ اس لئے ان کو راہِ سلوک میں ہر مقام پر بہت سراہا جاتا ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی جاتی ہے ان کو اسناد و خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ عالی مرتبت پردہ فرما جانے والے اولیاء اللہ انہیں اپنی زیارت وارشاد، مدد و رہنمائی سے نوازتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے انہیں کچھ پیغمبر اللہ بھی زیارت کراتے ہیں اور اگر یہ ثابت قدمی سے راہِ سلوک میں آگے بڑھتے جائیں تو پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، حاصل کائنات، انسانِ کامل، سید المرسلین سرکار دو عالم ﷺ بھی اُنہیں اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔ غارِ حرا میں قہوہ سے نوازتے ہیں۔ ان سے اپنی خوشی یا راضی ہونے کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ پیٹھ پر شاباش والی تھپکی بھی دے دیتے ہیں۔

اور اگر سالک اسی شد و مد کے ساتھ راہِ سلوک میں آگے بڑھتے چلا جاتا ہے یعنی کہ وہ مکمل طور پر فقرِ محمدی ﷺ کو اپنا لیتا ہے، اپنی ہستی کو بالکل مٹا دیتا ہے اور اب وہ سب کام، خدمت خلق وغیرہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کرتا ہے، اسی کے حوالے سے کرتا ہے تو پھر یہ مندرجہ بالا نوازشات خواب کے بجائے جاگتے میں شروع ہو جاتی ہیں۔ باوقت ضرورت پردہ فرما جانے والوں میں سے کوئی برگزیدہ اولیاء اللہ یا مرشد پاک تشریف لے آتے ہیں اور شفقت ورحمت سے رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور کبھی کبھی تو خود سرکار دو عالم، آپ ﷺ تشریف لے آتے ہیں اور دیدار ورہنمائی سے نوازتے ہیں۔ اور اگر راہِ سلوک کا معاملہ خوش اسلوبی اور مستقل مزاجی سے آگے بڑھتا رہے تو پیغمبر اول و آخر و اعظم، رحمۃ اللعالمین ﷺ اپنے ایسے شہہ سواروں کو نور مجسم ہو کر بھی دیدار کرا دیتے ہیں لیکن بڑے بڑے اونچے مراتب والے اولیاء اللہ بھی اس نظارے کی تاب نہیں رکھتے اور چند سیکنڈوں میں تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

اولیاءاللہ

اب آپ ان میں سے کچھ کے حالات، حالات زندگی پڑھیں گے۔آپ دیکھیں گے کہ ان برگزیدہ ہستیوں نے پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، حاصل کائنات، فخر اولادآدم، انسانِ کامل، پیغمبر بحرو بر، رسولِ کائنات، ہادی انس و جان، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، سرکار دو عالم، حضور انور، حضور پرُنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ سے کس قدر محبت کی ہے۔انہوں نے کتنا پرُخلوص، خوبصورت اتباع کیا ہے۔کتنی شاندار تابعداری، فرمانبرداری اور اطاعت کی ہے اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق تمام تر صدقِ دل، خلوص، شوق و رغبت سے کیا ہے۔

ان سب نے آپ ﷺ کے فقر، دنیا سے بے رغبتی اور دین اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔کتنوں نے ہی تبلیغ دین متین کی خاطر، اتباعِ رسول کریم ﷺ میں اپنے گھر بار، عزیز و اقارب کو چھوڑا۔دور دراز کے سفر اختیار کئے اور اپنے آپ کو ظلمت کدہ کے بیچ میں، کفرستان کے بیچ میں لا ڈالا اور اپنے اخلاق و کردار سے شمع توحید کی روشنی کو پھیلایا۔اس مقصد کے حصول کے لئے، اس مقصدِ عظیم کے لئے ان مقدس ہستیوں نے دُنیا کو، ضروریات زندگی کو، خواہشات و تمناؤں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تیاگ دیا اور سب سے کٹ کر صرف اللہ اور رسول ﷺ کے ہو کر رہے۔

ان برگزیدہ ہستیوں کی ملکیت یا لوازماتِ زندگی کیا تھے؟ تن ڈھانپنے کے دو کپڑے، ایک پانی کا برتن اور ایک عصا (عام لکڑی کا ایک ڈنڈا) اور اسی سامان سے انہوں نے کائنات تسخیر کر لی۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہ خاص بندے (عَبۡدُہٗ) کہاں کہاں سے چل کر تن تنہا ظلمت کدہ ہند یا کفرستان میں آئے اور تمام مصائب، دشواریوں، رکاوٹوں، مشکلات کے باوجود شمع توحید کا نور ہر سو پھیلا دیا۔شاید کسی کم ظرف کو یہ اعتراف نہ ہو لیکن میں تو یہ ببانگ دُہل یعنی ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ میرے اجداد کا مسلمان ہونا، نعمت اسلام سے مشرف ہونا حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کا ہی مرہونِ منت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالک کائنات نے بھی ان مقدس ہستیوں کا قرآن مجید فرقانِ حمید میں خوب ذکر کیا ہے۔ان کی صفات حمیدہ اور کمالاتِ فقر و عبادت کو خوب پسند کیا ہے۔اور ان کو اپنے خاص بندے فرمایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں

دوست رکھتا ہے۔اللہ جل شانہٗ نے توان برگزیدہ ہستیوں کے لئے یہاں تک فرمایا ہے کہ ''جو میرے ولی سے عداوت کرے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں ۔''پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے بھی ان برگزیدہ ہستیوں کو خوب سراہا ہے اور ان کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی خوب خوب فضیلت بیان کی ہے۔

جو خوش قسمت نیک بخت انسان یا گروہ خالق و مالک کائنات، اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کو پسند ہوں، محبوب ہوں، دوست ہوں اور جن کی وہ تعریف کریں ان سے ہمیں بھی بے شمار عقیدت و محبت ہونی چاہیے۔ان کا ہمیں بہت احترام وعزت ہونا چاہیے۔دراصل یہ مقدس ہستیاں آپ ﷺ کا پرتو ہیں، آپ ﷺ کا سایۂ رحمت ہیں۔اگر کسی خوش نصیب کو ان کی صحبت نصیب ہو جائے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ حیات اور حمیدہ صفات سے بھی واقف ہو تو وہ انہیں دیکھ کر یہی کہے گا کہ یہ بزرگ ہستیاں تو ہر طرح سے ایک دم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عکس ہیں اور وہ یہ کہنے میں کبھی بھی نہ ہچکچائے گا کہ اولیاء اللہ تو پیغمبر اول و آخر و اعظم، رحمۃ اللعالمین ﷺ کا سایہ ہیں۔

لیجئے اب قرآن حکیم اور احادیث مبارک میں ان کے مناقب، مراتب و فضائل وغیرہ دیکھیں۔اوراصل میں تو اس عنوان ''اولیاء اللہ'' کے تحت جو بھی لکھا گیا ہے وہ سب کا سب ہی ان کے مناقب، فضائل، درجات توقیر، عزت و احترام کا ہی بیان ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ ہم ان کا جتنا بھی اتباع، اکرام و احترام، عزت و محبت کریں وہ کم ہے۔انہوں نے جس خلوص سے اتباعِ رسول کریم ﷺ کیا ہے اور جن حالات و حالت میں انہوں نے دینِ اسلام کی شاندار خدمت کی ہے وہ بہت بہت بہت زیادہ قابل ستائش ہے۔

دیکھئے درج ذیل قرآنی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں کیسے سراہتا ہے۔

قرآن حکیم، سورۂ یونس کی آیات 62 تا 64 میں خالق و مالک کائنات، قادر مطلق کا ارشادِ پاک ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (یونس:۶۲ تا ۶۴)

ترجمہ: ''خبردار! (سن لو) بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لیے بشارت ہے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

سورۂ نسآ آیات 69،70 میں ارشادِ رب العالمین ہے:

ترجمہ: ''تو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ جاننے والا۔(صدیقین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اکابر صحابہ، اولیاء اللہ ہیں)

سورۂ حم سجدہ کی آیات 30 تا 32 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:''بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا ربّ اللہ ہے، پھر وہ (اس پر مضبوطی سے) قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے مددگار ہیں دُنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں اور تمہارے لیے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو، مہمانی، بہت بخشش والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے۔

سورۂ عنکبوت کی آیت مبارک 69 میں یوں ارشادِ حاکم الحاکمین ہے:

ترجمہ:''اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ضرور ہم انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

سورۂ بنی اسرائیل آیت مبارک 65 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

ترجمہ:''بے شک جو میرے خاص بندے ہیں، ان پر تجھے کچھ غلبہ نہیں۔''

سورۂ مائدہ آیت 54 میں رحمٰن الرحیم کا فرمان مبارک ہے:

ترجمہ:''اور اللہ انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔''

سورۂ کہف آیت مبارک 28 میں خالق و مالک کائنات ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ:''اور روکے رکھئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو عبادت کرتے ہیں اپنے ربّ کی صبح اور شام اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں، اس حال میں کہ آپ حیات دنیا کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس کا کہا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔''

سورۂ بقرہ آیت 273 میں رب کائنات یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ:''(یہ خیرات) ان محتاجوں کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے، وہ نہیں طاقت رکھتے زمین میں چلنے کی، ناواقف انہیں غنی سمجھتا ہے (ان کے) سوال سے بچنے کے سبب (اے سننے والے) تو ان کی صورت سے انہیں پہچان لے گا وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔

احادیث مبارک:

دیکھئے احادیث مبارک میں ان کی نرالی شان کو کس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو میرے ولی سے عداوت کرے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور جن اعمال کے ذریعہ میرا بندہ میرا قرب چاہتا ہے ان میں سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ عبادتیں محبوب ہیں جو میں نے اس پر فرض کیں اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا

ہوں۔اور جب محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے،اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں دیتا ہوں اور اگر پناہ مانگتا ہے تو پناہ بخشتا ہوں۔

بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات ایسے اشخاص ہیں جنہیں اللہ تبارک و تعالی اس روز اپنے سائے میں جگہ عنایت فرمائے گا جس روز اس کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ❶ عادل بادشاہ۔ ❷ وہ جوان جس نے اپنی تمام عمر اللہ کی عبادت میں گزاردی۔ ❸ وہ شخص جس کا دل مسجد سے وابستہ ہو۔ ❹ وہ دو شخص جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہوں،خدا ہی کے لئے ملیں اور خدا ہی کے لئے جدا ہوں۔ ❺ وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بلائے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ❻ وہ شخص جو خیرات کرے کہ اس طرح چھپائے کہ اس کے دائیں ہاتھ کی نیکی کو بایاں ہاتھ بھی نہ جانے۔ ❼ جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،بہت سے پراگندہ سر،غبار آلود،دروازوں پہ دھکے دیئے جانے والے جنہیں کوئی حیثیت نہ دی جائے،ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر اعتماد کرکے کسی بات کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور سچ کردے۔

بخاری و مسلم میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو حضور ﷺ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟اس نے کہا،یہ معزز لوگوں میں سے ہے اور بخدا یہ اس لائق ہے کہ اگر کسی کو پیغام بھیجے تو فوراً نکاح کردیا جائے،کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔رسول اللہ ﷺ سن کر خاموش رہے اس کے بعد ایک اور شخص وہاں سے گزرا آپ ﷺ نے پوچھا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ غریب فقراء مسلمین میں سے ہے اور یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں پیغام نکاح بھیجے تو قبول نہ کیا جائے،سفارش کرے تو کوئی شنوائی نہ ہو اور اگر گفتگو کرے تو کوئی کان نہ دھرے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(یہ نہ صرف یہ کہ اس پہلے شخص سے بہتر ہے بلکہ)اس جیسے لوگوں سے بھری ہوئی پوری دنیا سے بھی بہتر ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالی کے کچھ خاص بندے ہیں جنہیں وہ جنتوں میں بلند مقام پر رکھے گا اور وہ لوگ سب سے زیادہ عقل مند ہیں۔راوی کہتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ سب سے عقل مند کس طرح ہوئے؟ فرمایا:ان کی تمام سعی و ہمت اللہ کی طرف مسابقت اور اسے خوش کرنے والے کام میں تیزی و سرعت ہوتی ہے۔دنیا،اس کی

فضولیات، اس کی ریاست وعیش سے انہیں بالکل بے رغبتی ہے جس کے باعث دنیا ان کے نزدیک حقیر ٹھہری تو انہوں نے اس دنیا میں مختصر عرصہ صبر کیا مگر اس کے بعد طویل راحت سے سرفراز ہوئے۔

روایت ہے: **عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال اللھھم احینی مسکیناً وامتنی واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔**

نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اُٹھا اور مسکینوں کے زمرے میں میرا حشر فرما۔"

مساکین کی فضیلت کے لئے یہ حدیث شریف ہی کافی ہے۔ سرکار دو عالمﷺ اگر یہ ارشاد فرماتے کہ مساکین کا میرے زمرے میں حشر فرما تو ان کے لئے یہ فضیلت بھی بہت تھی، مگر جب خود سرکار دو عالمﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرا حشر زمرہ مساکین میں فرما، پھر مساکین کے فضائل ومراتب کا کیا کہنا؟ ان کے مراتب وفضائل کا کوئی شمار نہیں، ان کی کوئی انتہا نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا:

رسول اللہﷺ نے فرمایا: "ہر شے کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی مسکینوں، سچے فقیروں اور صادقین وصابرین کی محبت ہے وہ روز قیامت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔"

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی دولت منداپنے مال میں سے ایک لاکھ درہم نکال کر صدقہ دے اور کوئی فقیر شخص صرف ایک درہم صدقہ دے جبکہ اس کے پاس محض دو ہی درہم ہوں اور اس میں سے وہ خوشی خوشی دے تو ایک درم دینے والا فقیر لاکھ درہم صدقہ کرنے والے سے افضل ہے۔

اور اس کی تائید سرکار دو عالمﷺ کے اس فرمان اور درج ذیل سے بھی ہو رہی ہے جسے امام عبدالرحمٰن نسائی نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔

سبق درھم ماۃ الف درھم۔ "ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ گیا۔"

اور فقیر کے صدقہ کی فضیلت اس آیت سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد ربّ العالمین ہے:

وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ۔ (توبہ:۷۹)

اور جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔

رسول اللہﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **افضل الصدقۃ جھد المقل** ۔ افضل ترین صدقہ وہ ہے جو تنگ دست اپنی مشقت سے کرے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

انہوں نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ فقراء سے جان پہچان زیادہ رکھو، ان سے اچھا سلوک کرو کیونکہ اُن کا بھی

ایک دور آئے گا۔صحابہ ﷺ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! ان کا دور کیا ہے؟ فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ان سے کہا جائے گا کہ جس نے تمہیں روٹی کا ایک ٹکڑا کھلایا ہو یا تمہیں ایک کپڑا پہنایا ہو یا کچھ پلا کر سیراب کیا ہو، اسے تلاش کرو اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔

قرآن حکیم، سورۂ یونس کی آیات 62 تا 64 میں قادر مطلق، ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ ٱلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۗ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o (یونس:۶۲ تا ۶۴)

ترجمہ: ''سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ انہیں خوشخبری ہے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولیاء اللہ، مردانِ غیب، مردانِ حق اور ان کی صفات و مقام کے بارے میں ان آیاتِ مبارک میں جو فرما دیا ہے اس باب کو پڑھنے کے دوران اگر آپ اس کو مدنظر رکھیں گے تو آپ کا اس سے محظوظ و مستفید ہونا دوبالا ہو جائے گا۔

یہ دنیا اسرارِ الٰہی کا محل ہے اور یہ کائنات لطائف و اسرار کی رہائش گاہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست ان کو خوب جانتے ہیں۔ وہ دنیا کی ناپائیداری سے آگاہ ہیں۔ اسی لئے دُنیا کی محبت کے غلبے سے بچتے رہتے ہیں۔ دُنیا کی محبت، دُنیا کی لذتیں، اسباب دُنیا کی کشش، اس کے حصول میں سرگرداں رہنا، یہ سب کچھ اسرارِ الٰہی کے آگے حجاب ہیں، پردہ ہیں، ایک دیواریں ہیں، اور یہ بھی ہے کہ روحیں اس دنیا میں وجود کا سانچہ میسر ہونے سے مغرور ہو جاتی ہیں اور مقامِ اخلاص سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح روحیں قربِ الٰہی کے لطف وعنایات سے محروم ہو جاتی ہیں۔ انسان اپنی ذات کے اندر غفلت کی تاریکی میں مستور یعنی پوشیدہ رکھا گیا ہے اس لئے بلند مقام حاصل کرنے میں ان حجابات کے باعث ناقص ہے۔

میری اس بات کو آپ درج ذیل مماثلت سے بخوبی سمجھ سکیں گے بس اس میں اتنی توجہ ومحنت کی ضرورت ہے کہ آپ بیان کردہ صورت حال یا مثال کو اپنے تصور میں لے آئیں۔ اس تمثیل کو بیان کرنے سے پہلے میں اس نکتہ کو روزمرہ کی زندگی کے معمولات سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

آپ کا گھر ہے جس میں تہہ خانہ بھی ہے اور اوپر تین چار منزلیں ہیں اور گھر کے گرد چاردیواری بھی چھ سات فٹ اونچی ہے۔ جب آپ تہہ خانہ میں ہوتے ہیں تو آپ کی نظر و علم میں صرف وہی کچھ آتا ہے جو تہہ خانے میں موجود ہے۔ جب آپ گراؤنڈ فلور پر آ گئے تو اب آپ کو وہ کچھ نظر آنے لگا جو اس لیول سے آپ کو نظر آنا چاہیے لیکن اونچی چاردیواری کی وجہ سے آپ کو گھر سے باہر صرف اونچے درخت یا گھروں کی دوسری منزل نظر آ رہی ہیں اور زمین کی سطح آپ کو نظر نہیں آ رہی ہے کہ باہر سڑک پر، گراؤنڈ میں کون ہے؟ کیا ہے؟

اب آپ اپنے اس گھر کی پہلی منزل پر چلے گئے تو آپ کو چاردیواری کے باہر جو کچھ بھی نظر کی حد میں ہے وہ نظر آنے لگا۔ اسی طرح آپ تیسری منزل کی چھت پر چلے گئے تو بہت دور دور تک درخت، مکانات، سڑکیں اور ان پر چالو ٹریفک بھی نظر آنے لگی اور اردگرد کے گھر جو نیچے ہیں یا صرف دو منزلہ ہیں ان کی چھتوں پر بھی جو کچھ موجود ہے وہ آپ کو نظر آنے لگا۔

اب آپ اس کو یوں سمجھ لیں کہ یہ دنیا، یہ کائنات ایک عمارت ہے جس کی سات منزلیں ہیں۔ اس کی سب سے نچلی منزل یا گراؤنڈ فلور پر سب کچھ ہمارے زمینی معیار کا ہے۔ شکل وصورت، رنگ، بناوٹ، زیبائش، خوشبو، نکھار و دلکشی سب ہی زمینی معیار کی ہے اور مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔

اب جیسے جیسے منزل اوپر جاتی ہیں ان سب چیزوں کی کوالٹی ہر لحاظ سے بہتر ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ آخری منزل پر روشنی، خوبصورتی، بناوٹ، رنگ وروپ، نکھار، صفائی، ستھرائی ترتیب، خوشبو و دلکشی کا عجیب ہی عالم ہے۔ سب کچھ ہی اعلیٰ خوشبوؤں، رنگوں روشنیوں میں نہایا ہوا ہے اور زمرد، یاقوت، لعل و جواہر سے بنا ہوا ہے۔

بنانے والے نے اس عمارت کی مختلف منزلوں کا نظارہ کرانے کے لئے، سیر کرانے کے لئے، عمارت کے عین وسط میں ایک بہت ہی صاف اور شفاف شیشے کی لفٹ لگا رکھی ہے۔ اس عمارت میں سیڑھیاں اور ظاہر دروازے نہیں ہیں کہ ہر کوئی اس میں گھس سکے اور مختلف منزلوں پر جا سکے۔ اس عمارت میں تو مخصوص حضرات کو چھپے ہوئے مخصوص راستوں سے لفٹ میں لایا جاتا ہے اور پھر انہیں طبق در طبق منزل بہ منزل کرکے اوپر لے جایا جاتا ہے اور انہیں مختلف منزلوں پر موجود کمالات دکھائے جاتے ہیں۔

یہ عمارت کائنات ہے۔ بنانے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور عمارت میں موجود لفٹ اولیاء اللہ کی روحانی پرواز ہے۔ اس لفٹ کا واحد راستہ پرخلوص اور پرشوق اتباع اسوۂ حسنہ ہے جس سے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس جہاد اکبر میں، دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے مکمل بے رغبتی اور خالق و مالک کائنات سے لو لگائے رکھنا ہے۔ اولیاء اللہ ہی ان نفسانی پردوں کو، حجابات کو دور کر پاتے ہیں اور پھر وہ ساتوں آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ انہیں ہی باطنی علوم حاصل ہوتے ہیں اور وہی قدرت کے رازدان ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قسم ہے زمانے کی بلاشبہ انسان گھاٹے میں ہے اور یہ بھی فرمان ہے کہ بلاشبہ انسان ظالم اور نادان ہے۔ انسان کے لئے یہ سب کچھ اس لئے گھاٹے کا باعث بن گیا کہ اس نے اپنی مرضی اور عقل کے تابع ہو کر سب کچھ کیا۔ جہالت اور نادانی کو پسند کیا۔ وہ ان اندھیرے پردوں کو تہہ در تہہ حق وصداقت کے مقاصد پر ڈالتا چلا گیا اور یوں اسرار ربانی اور جمال کشف سے بے خبر ہو گیا، محروم ہو گیا۔ اپنی لاپرواہی اور نادانیوں کے باعث حق کی جستجو سے دور ہو گیا۔ انسان اپنی ستائش کی مسرت میں ڈوب گیا۔ مقام فلاح سے دور ہو گیا۔ توحید باری اور اس کی وحدانیت سے بے بہرہ ہو گیا اور توحید کی لذت سے محروم ہو گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام اور ارادوں سے بچتا رہا اور یوں مشاہدے سے محروم ہو گیا۔ اس کی تمام خواہشات و اعمال نفس حیوانی کے تابع ہو کر جڑ پکڑ گئیں۔ اس کی زندگی کھانے، سونے، نفسانی خواہشات کی پیروی اور شہوانی لذتوں کی اسیر ہو کر رہ گئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو ان تمام سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہمیشہ اپنی خواہشات کے غلام بنے رہنا، بندے اور خدا کے درمیان یہی سب سے بڑا حجاب ہے۔ تمام برائیوں کا سرچشمہ یہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ:

''بلاشبہ نفس سب سے زبردست برائی کا حکم دینے والا ہے۔'' (سورۂ یوسف، آیت 53)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیقات سے لطف اُٹھانا، ان سے محبت کرنا، ان کی فلاح و بہبود و بھلائی کا سوچنا، کرنا اور ان کو بربادی سے بچانا ایک بڑا درجہ ہے اجر و ثواب ہے مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کیا جائے تب۔ ان فنا ہونے والی چیزوں کے عشق میں غرق ہو جانا اور اپنی موت کو بھول جانا، اپنی مٹ جانے والی ہستی کو بھول جانا یہ کوئی عظمت اور بلندی نہیں، ان سے محبت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حوالے سے کی جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کی جائے اور جنت کا لالچ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کی خواہش میں ہو، تو تب بات بنتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ایسے دوستوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے لئے یہ ہے کہ ان کے علم صبر و ہمت کے لئے سینے کھول دیتا ہے۔ ان پر اسرار کھول دیتا ہے۔ خواہشات اور شیطان کے غلبے سے بچاتا ہے اور احکامِ الٰہی پر گامزن ہونے کی توفیق فرماتا ہے۔ اپنی محبت میں مخصوص فرما کر دشمنی کے مقامات سے بچالیتا ہے یعنی بھٹکنے نہیں دیتا۔ حضور پُر نور ﷺ نے انہیں لوگوں کے لئے فرمایا ہے کہ جو اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں محبوب رکھتا ہے۔ خدا کی اطاعت میں پختگی عطا ہوتی ہے تاکہ وہ مخالفتوں سے بچیں اور شیطان ان سے دور بھاگے اور ولایت عطا فرما کر ان کے عقدے حل کر دیتا ہے اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں دریائے نیل کا پانی خشک ہو گیا اور مدتوں سے ہر سال نیل کا پانی خشک ہو جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ہر سال جب پانی خشک ہوتا تو ایک خوبصورت لڑکی کو زیورات سے آراستہ کر کے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے، پھر دریائے نیل معمول کے مطابق بہنے لگتا۔ اس مرتبہ جب نیل کا پانی خشک ہوا تو مصر کے گورنر نے یہ تمام حالات اور روایات لکھ کر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر بھیج دیا اور فرمایا یہ تحریر پڑھ کر رقعہ دریائے نیل میں ڈال دو تحریر تھی کہ اے پانی اگر تو خدا کے حکم سے رُکا ہے تو جاری نہ ہونا اور اگر اپنی مرضی سے رُکا ہے تو عمر (رضی اللہ عنہ) کہتا ہے جاری ہو جا۔ جب یہ رُقعہ پانی میں ڈالا گیا تو پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا کناروں تک بھر گیا اور پھر آج تک وہ خشک نہیں ہوا کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی امارت اور فرمانروائی حقیقی تھی، سچی خلافت تھی۔

ولی علم و حکمت کا سمندر رہتا ہے۔ اس کی سوچ پر، اس کی صدا پر، اس کی خاموشی پر، اس کے سفر و حضر پر، کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ صرف اللہ کی رحمت کی مہر لگی ہوتی ہے۔ نبی اور رسول، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں گم ہوتے ہیں اور ولی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں گم ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کے بعد اگر کوئی گروہ سند کے ساتھ بات کرسکتا ہے تو یہ مشیت کے مخفی کارکنوں کا گروہ ہے یعنی کہ ''اولیاء اللہ'' اور اس گروہ کو ''رجال غیب'' کے عنوان سے بھی جانتے ہیں۔ یہ گروہ عام لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتا ہے اور غیبی نوعیت کے کام انجام دیتا ہے اور خدمت خلق کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اس میں زندہ لوگوں کے علاوہ پاک روحیں فرشتے اور بعض اوقات اہل ایمان جن بھی شامل ہوتے ہیں۔ جو خدمات انجام دیتے ہیں وہ ابدال ہوتے ہیں۔ ان سے اگلی سطح پر غوث قطب، اخیار، اوتاد، نجباء اور نقباء اور دوسرے ولی بھی ہوتے ہیں۔ ان میں خواتین بھی ہوتی ہیں مگر مقابلتاً بہت کم۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں تو ہر چیز کا اندازہ پہلے سے مقرر ہے۔ تقرر ایک راز ہے۔ اس راز سے عارفوں یا روحانی احکام کے تحت کام کرنے والے کارکنوں کو ہی مطلع کیا جاتا ہے۔

باطن میں ہر سالک اور ہر ولی کا قدم کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے۔ یعنی اس کا طریقہ اس نبی کے طریقے پر ہوتا ہے چنانچہ بعض اولیاء داؤدی مشرب ہوتے ہیں اور وہ سرور وسماع سنتے ہیں اور بعض اولیاء حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں لہٰذا وہ صاحب روضہ وخانقاہ، اہلِ تسخیر جن وانس ہوتے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں لہٰذا وہ شادی نہیں کرتے، نہ ہی گھر بساتے ہیں اور زیادہ تر سفر میں رہتے ہیں اور ان سے کرامات کا ظہور بہت زیادہ ہوتا ہے ان کی زبان اور ہاتھوں میں شفا ہوتی ہے اور وہ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزارتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام چونکہ حضور پُر نور ﷺ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے بالواسطہ تمام انبیاء آپ ﷺ ہی کی کسی صفت کے مظہر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء اور فقراء چاہے کسی بھی مشرب پر ہوں وہ حضور پُر نور ﷺ کے عاشق ہوتے ہیں اور ان کو تمام انبیاء کرام کے امام اور سردار سمجھتے ہیں۔ (مخزن الاسرار، صفحہ 110)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

وہ فرماتے ہیں اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں ''ابدال'' کہتے ہیں وہ حضرات اپنے اس مرتبہ پر روزہ ونماز، خشوع و عاجزی کی کثرت اور حسن اخلاق کی وجہ سے نہیں پہنچے ہیں بلکہ اپنے ورع وتقویٰ کی سچائی، نیکی بہتری، سینے کی سلامتی اور تمام مسلمانوں سے مہر و ہمدردی کی وجہ سے انہیں یہ مقام ملا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے علم کے لئے انہیں منتخب کرلیا اپنی ذات پاک کے لئے خاص کرلیا ہے۔ وہ چالیس حضرات ہیں ان کے قلب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کی طرح ہیں۔ ان میں سے کوئی اسی وقت فوت ہوتا ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جانشینی کے لئے کسی کو پروان دے چکا ہوتا ہے۔ یہ جان لو! کہ وہ کسی چیز کو نہ گالی سے یاد کرتے ہیں، نہ ہی اس پر لعنت کرتے ہیں، نہ برا کہتے ہیں، نہ اپنے ماتحتوں کو ایذا دیتے ہیں، نہ انہیں حقیر سمجھتے ہیں، نہ اپنے اوپر والوں سے حسد کرتے ہیں، بھلائی میں سب سے بہتر ہیں، طبیعت میں سب سے نرم، مزاج کے اعتبار سے سب سے سخی ہیں، تیز رفتار گھوڑے، تند وتیز ہوائیں، اپنی تیزی کے باوجود اُن کے رُتبہ کو نہیں پاسکتیں۔ ان کے دل خدا کی خوشنودی کے لئے اور اس کی جانب اشتیاق کے باعث نیکیوں کی مسابقت میں اونچی اونچی چھتوں کو زیر کردیتے ہیں یہی اللہ کا گروہ ہے۔

باخبر رہو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح وکامیابی پانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا:

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تین سو بندے روئے زمین پر ایسے ہیں کہ ان کے دل آدم علیہ السلام کے دل کی مثل ہیں اور سات ایسے ہیں کہ ان کے قلب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے مثل ہیں اور پانچ ایسے ہیں کہ ان کے دل حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دل کی طرح ہیں اور تین ایسے ہیں کہ ان کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل کی طرح ہیں اور ایک مردِ خدا اُن میں کا ایسا ہے جس کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل جیسا ہے۔جب ان میں کا کوئی ایک وفات پاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جگہ تین میں سے ایک کو مقرر فرماتا ہے۔اور اگر پانچ میں سے کوئی ایک وفات پاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جگہ سات میں سے ایک کو مقرر فرماتا۔اور اگر ان ساتوں میں سے کوئی ایک وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پانچ میں سے ایک کو مقرر فرماتا ہے۔اور اگر ان چالیس حضرات میں سے کوئی ایک وفات پاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جگہ تین سو میں سے ایک کو مقرر فرماتا ہے اور اگر ان تین سو میں سے کوئی ایک وفات پاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جگہ عام لوگوں میں سے کسی کو مقرر فرماتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کی برکت سے اُمت کی بلاء اور مصائب دور فرماتا ہے۔

اور بعض روایتوں میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں ہوا بلکہ ان کی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی جگہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا،حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جگہ حضرت میکائیل علیہ السلام کا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی جگہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔

حدیث مذکور میں رسول ﷺ اللہ نے جس ایک بندہ خدا کا ذکر فرمایا ہے اس سے "قطب" کی ذات مراد ہے اور وہ غوث ہوتے ہیں،اولیاء میں ان کا مقام ومرتبہ مرکز دائرہ کے نقطہ کی حیثیت رکھتا ہے،تمام عالم کا نظم ونسق ان سے متعلق ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:میری اُمت کے چالیس ابدال ہیں ان میں کے بائیس شام میں،اٹھارہ عراق میں ہیں جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو قائم مقام کر دیتا ہے جب قیامت قریب آئے گی تو سب اُٹھا لئے جائیں گے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے،انہوں نے فرمایا:

ابدال شام میں،نجباء مصر میں،عصائب عراق میں،نقباء خراسان میں،اوتاد تمام روئے زمین میں ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام سب کے سردار ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

اولیاء تین سو ہیں، نجباء ستر ہیں اور روئے زمین میں اوتاد چالیس ہیں، نقباء دس ہیں، عرفاء سات ہیں، مختار تین ہیں اور ایک ان میں سے غوث ہے۔

ان میں زیادہ تو پیدائشی ابدال ہوتے ہیں ۔اللہ نے انہیں اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہوتا ہے ۔یہ بلاامتیاز کسی بھی گھر میں پیدا ہو سکتے ہیں ۔پیدائشی ابدال بچپن سے ہی خدمت خلق میں مصروف ہوتے ہیں اور لوگوں کو کشف و کرامات کے ذریعے مصائب سے نجات دلانے میں رہنمائی کرتے ہیں ۔اس گروہ میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں ۔یہ لوگ ہر وقت جذب و مستی کی سی حالت میں رہتے ہیں مگر ہوش مند ہوتے ہیں۔

ابدال دُنیا کے ہر خطے میں رہتے ہیں ۔آبادیوں میں، جنگلوں میں، صحراؤں میں، ویرانوں میں لیکن اُن کے ذمے جو کام ہوتے ہیں وہ کرتے ہیں اور انہیں پوشیدہ رکھتے ہیں اور یہ ہماری ہی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ جسم خاکی کی ہر حالت پوری کرتے ہیں ۔ابدال ہمیشہ مستقل ٹھکانے پر نہیں رہتا ۔البتہ قطب اپنے ٹھکانے پر رہتا ہے ۔یہ لوگ معاشرے میں لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے کام انجام دیتے ہیں ۔مگر اپنے آپ کو باطنی طور پر پوشیدہ رکھتے ہیں۔

یہ کام کس طرح کرتے ہیں؟ اس بارے میں حضرت غوث علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر کے دوران ایک آدمی ملا اُس نے بتایا کہ میں ایک ریاست کے راجہ کے ہاں ملازم ہو گیا ۔کسی دشمن کے ساتھ اس کی جنگ چھڑ گئی ۔بے حد قتل و غارت ہوا ۔بہت سے لوگ زخمی ہوئے ۔میں بھی زخمیوں میں تھا ۔میں نے دیکھا کہ کچھ برہمن زخمیوں کو پانی پلا رہے ہیں ۔جب وہ میرے پاس پانی لائے تو میں نے پانی پینے سے انکار کر دیا ۔اور میں نے کہا تم ہندو ہو میں تمہارے ہاتھ سے پانی نہیں پیوں گا ۔جو مجھے پانی پلا رہا تھا اس نے میرے کان میں کہا، پانی پی لو میں خضر ہوں اور میرے ساتھ والے سب ابدال ہیں ۔میں نے کہا یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، تو انہوں نے کہا اگر ہم دوسری حالت میں ہوتے تو ہندو ہمارے ہاتھ سے پانی نہ پیتے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ بندگانِ خدا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن پر انبیاءؑ اور شہداءؓ رشک کرتے ہیں ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ، وہ کون لوگ ہیں؟ ہمیں بتائیں تا کہ ہم بھی ان کی عزت کریں، ان سے محبت کریں ۔فرمایا! یہ وہ لوگ ہیں جو دُنیا کو چھوڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے ہیں ۔ان کے چہرے نور کے میناروں پر سورج کی طرح چمک رہے ہیں ۔جب لوگوں پر خوف طاری ہوتا ہے وہ بے خوف ہوتے ہیں ۔جب لوگوں پر غم طاری ہوتا ہے انہیں کوئی غم نہیں ہوتا ۔ان لوگوں کا حال ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی دوستی اور ولایت کے لئے مخصوص کر دیا ہوتا ہے ۔ان کو آفتوں سے بچا لیا ہوتا ہے اور حرص و ہوس کی پیروی سے پاک ہوتے ہیں ۔ان کا ہر ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے ۔یہ ایسے لوگ ہیں جو ماضی میں بھی تھے اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے ۔نبوت تو حضور اکرم ﷺ پر ختم ہو گئی مگر اس نبوت کی صداقت کے لئے اولیاء اللہ دلائل حق کے ساتھ اس جہان کے والی بنا دیئے گئے ۔اور فرض کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے نفس کی پیروی کے راستوں کو چھوڑ دیا۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ آسمان سے رحمت کی بارش ان کے قدموں (وجود) کی برکت سے برستی ہے۔زمین سے جو کچھ اُگتا ہے،ان کے احوال کی صفائی کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔کافروں پر فتح یابی اور کامرانی انہیں کے ارادے سے ہوتی ہے۔ان اولیاءاللہ میں سے چار ہزار ہر وقت دنیا میں موجود رہتے ہیں،وہ دنیا کی نظروں سے چھپے رہتے ہیں۔وہ خود ایک دوسرے کو نہیں جانتے نہ پہچانتے ہیں وہ اپنی ولایت کو بھی نہیں جانتے۔ان سب کی اپنی ہر حالت اپنے آپ سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

ان اولیاء میں مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے بارگاہِ حق کے لشکری ہیں۔یہ تین سو افراد ہوتے ہیں۔ان کو اخیار کہتے ہیں۔چالیس اور ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔سات اور ہیں جن کو ابرار کہتے ہیں۔چار اور ہیں ان کو اوتاد کہتے ہیں اور تین اور ہوتے ہیں جن کو نقباء کہتے ہیں پھر ان کے بعد ایک وہ ہستی ہے جس کو قطب اور غوث بھی کہتے ہیں۔یہ تمام مقدس ہستیاں ایک دوسرے کو جانتی اور پہچانتی ہیں۔معاملات اور امور میں ایک دوسرے سے اجازت لیتے ہیں مشاورت بھی ہوتی ہے مگر حکم غوث اور قطب کا چلتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہ مردانِ حق،ولی اللہ یعنی اللہ کے دوست اور آپ ﷺ کے غلاموں کے غلام ہم سب کی طرح اس دنیا میں رہتے ہیں۔دنیا کے معاملات میں حصہ بھی لیتے ہیں اور دنیا کے فرائض وحقوق ادا کرتے ہیں۔ان کی بیوی،بچے،بہن،بھائی،والدین سب ہوتے ہیں۔ان کے حق ادا کرتے ہیں۔دین کی خدمت کرتے ہیں۔خدمت خلق بھی کرتے ہیں۔وہ عالم بھی ہوتے ہیں مگر عالم باعلم ہوتے ہیں۔صرف ہوتا یہ ہے کہ وہ یہ دل کی گہرائی سے جان لیتے ہیں کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے۔وہ دل کو اس دنیا کی محبت سے خالی کر لیتے ہیں۔دنیا میں رہ کر دنیا سے میل ملاپ اور معاملات میں بقدر ضرورت حصہ لیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے دوست بن جاتے ہیں۔

ولی اللہ کے بارے میں یہ خوش فہمی یا گمان نہیں ہونا چاہیے کہ کیونکہ وہ اللہ کی محبت،دوستی،قرب،معرفت نبی اکرم ﷺ حاصل کر چکا ہوتا ہے اس لئے اس کے اپنے یا اپنے گھر کے لئے تو وارے نیارے ہو گئے۔دنیاوی لحاظ سے یہ سوچ غلط ہے جبکہ اگلے جہاں کے لئے،آخرت کے لئے یہ بالکل صحیح ہے۔اس دنیا میں جو اللہ کی دوستی پالیتا ہے یہ دُنیا اس کے لئے اور مشکل بنا دی جاتی ہے۔اپنے لئے اُن کی کسی طرح کی کوئی طلب نہیں ہوتی اور ان کے اہل خانہ کے کام بھی ہو جاتے ہیں لیکن اکثر نہ ہونے والی آخری حدوں کو چھونے کے بعد،پھر ایک دم اور آسانی سے ہو جاتے ہیں۔کیونکہ وہ خود دنیا کے پیچھے نہیں بھاگتا وہ دنیا پرستی سے دور ہوتا ہے اس لئے یہ دنیا کی پریشانیاں،دکھ درد،مصائب وآرام،مفلسی،تنگدستی اُسے اس طرح متاثر نہیں کرتے جیسے کہ وہ ہر عام و خاص کو کرتے ہیں بلکہ ولی اللہ اُن مصائب کے سبب اللہ کے،اللہ کے حبیب نبی کریم ﷺ کے اور قریب ہوتا جاتا ہے۔

ولی اللہ کا مطلب ہے اللہ کا دوست۔اللہ کی اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی محبت،قربت پانے والا،بالفاظ دیگر وہ شخص جس نے اپنے آپ کو شفاعت کا حقدار بنالیا،ابدی رحمتوں کا حق دار ہو گیا اور اونچا مقام حاصل کر لیا،اعلیٰ درجات حاصل کر لئے،جنت پالینے والے کے لئے،اعلیٰ درجات پا جانے والے کے لئے،راہِ حق اختیار کر لینے والے کے لئے یہ دُنیا بہت حد تک

(مسلسل آزمائش کی خاطر) جہنم بنادی جاتی ہے۔

ولی اللہ دوسروں کے لئے تو سب کچھ ہی مانگ لیتے ہیں۔اللہ نے انہیں رزق حلال، رزق مصفادینا ہوتا ہے اس لئے ان سے اِکّا دُکّا ایسا مریض بھی ٹھیک کرا دیتا ہے جس کو ماہر ڈاکٹر جواب دے چکے ہوتے ہیں۔کبھی کبھی کسی حاجت مند کے بارے میں ان کی دعا مکمل اور فوری قبول فرمالیتا ہے کہ حاجت مند کے،سائل کے گھر واپس پہنچنے سے پہلے ہی حالات ایک دم بدل چکے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی (غیب کے) بہت دور کے حالات، حالت و واقعات اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے ایسے بیان کروادیتا ہے کہ جیسے وہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے اور بعد میں معلوم کرنے پر وہ سوفی صد سچ ہوتا ہے اس طرح سے اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں رزق حلال، رزق مصفا عطا کرتا ہے اور یوں ان کے توکل اللہ میں اضافہ کرتا ہے۔لیکن اپنے لئے یہ اپنے رب سے سوائے اس کی رضاو خوشی کے اور کچھ نہیں مانگتے یعنی کہ یہ اُس پر جواُن کے ساتھ ہورہا ہے ہمیشہ صابر وشا کر رہتے ہیں۔

ولی اللہ کیونکہ مسلسل اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی محبت وشفقت پار ہے ہوتے ہیں۔اس لئے یہ لوگ عموماً ہروقت مصائب ومشکلات کرب وابتلا میں گھرے رہتے ہیں۔ان کے درجات (روحانی درجات) آخر دم تک بلند ہوتے رہتے ہیں۔اس لئے مصائب ومشکلات، پریشانیاں، دکھ درد، تکلیف، مفلسی، تنگدستی، بیماریاں بھی انہیں آخری دم تک چمٹی رہتی ہیں۔کیونکہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہوتے اور اللہ پر مکمل توکل ہوتا ہے اس لئے یہ تمام تکالیف وپریشانیاں آسانی سے سہہ جاتے ہیں اور وہ بھی اس خوبی سے کہ کسی قریبی دوست احباب کو بھی مطلق خبر نہیں ہونے دیتے۔وہ اپنی اس حالت اور حالات سے بہت خوش ہوتے ہیں اور ان کے لئے یہ حالات وحالت اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ہے۔

وہ آنے والوں سے، ملنے والوں سے اس کشادہ دلی سے ملتے ہیں کہ گویا ساری خوشحالی، خوشیاں انہیں ہی نصیب ہیں۔
حاجت مندوں کی اس طرح مدد کرتے کہ گویا یہ بہت مالدار ہیں اور مسکینوں، غریبوں، اپاہجوں کے دکھ درد جی بھر کے بانٹتے ہیں۔
اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی سے اپنی مجبوری وحاجت کا نہیں کہتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اپنے حبیب کے صدقے غیب سے ان کی ہر حاجت روائی کر دیتا ہے۔یہ ہروقت ہر آن ہر جگہ آپ ﷺ کی حضوری میں رہتے ہیں۔

ولی اللہ اس دنیا میں بیک وقت دو زندگیاں گزار رہے ہوتے ہیں ایک وہ جو ظاہری ہے اور دوسری باطنی۔ظاہری میں تو یہ لوگوں کی طرح اپنے روزمرہ کے کام، ذمہ داریاں خود کرتے ہیں، نبھاتے ہیں اور باطنی میں، باطنی طور پر دُنیا کے ان جھمیلوں کے دوران یعنی کام کاج، مصروفیت کے دوران بھی سوتے جاگتے، خیال میں، بے خیالی میں، ہروقت کسی نہ کسی شکل میں، کسی بھی طریقے سے آپ ﷺ کے حضور اپنے طور پر حاضر رہتے ہیں۔چاہے تصور میں، چاہے سوچ میں، چاہے پڑھنے میں، چاہے لکھنے میں، چاہے عبادت میں، ان کا محور ہر وقت حضور پاک ﷺ کی ذات پاک ہوتی ہے، اور آپ ﷺ کی معرفت ہی انہیں معرفت، قرب ومحبت رب العالمین ملتی ہے۔

اس راہ پر گامزن ہونے کی بنیادی ضرورت:

آپ ﷺ نے جس سے محبت کی ہے ہمیں بھی ان سے دلی پرخلوص محبت کرنی ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنے کو کہا ہے وہ ہمیں اپنی بساط کے مطابق شوق وخوشی سے کرنا ہے۔ جس کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے، برا بتایا ہے وہ ہمیں بھی ناپسند ہوگا وہ ہمارے لئے بھی برا ہے۔ جس سے آپ ﷺ نے ہمیں دور رہنے، نہ کرنے، باز رہنے کا فرمایا ہے۔ اس سے ہمیں دور رہنا ہے، باز رہنا ہے، نہیں کرنا ہے۔ اس کے ساتھ اسوۂ حسنہ پر پُرخلوص عمل، قرآن وسنت اور آپ ﷺ کے تمام اسمائے مبارک (کم ازکم جو 99 قرآنِ حکیم میں مذکور ہیں) اور ان سے متعلقہ تمام صفات حمیدہ پر کامل ایمان بس یہی کچھ اللہ کا ولی ہونے کے لئے بنیادی ضرورت ہے اور مسلسل اس پر گامزن رہنے سے ان کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں اور کامل ولی بن جاتے ہیں۔

اور جو لوگ مندرجہ بالا کے معترف نہیں یا کسی ایک بھی صفت، حکم، ہدایت کے منکر ہیں تو وہ چاہے اپنے آپ کو امام کہلوائے، چاہے ولی بنالے اور چاہے اور بڑے بڑے القاب اپنے نام کے ساتھ لگالے، یہ سب جھوٹ ہے، بے معنی ہے، بے وقعت ہے۔ اس طرح کے لوگ خودساختہ ولی ہیں جو کہ حقیقت میں زیاں کار ہیں اور دھوکہ میں رہتے ہیں۔

اس کی مثال کچھ اس طرح دی جاسکتی ہے کہ جیسے ایک وقت گزرنے کے بعد ہی کسی بھی پرندے کے بچے کے اُڑنے کے لئے، پرواز کے لئے، پر اور طاقت ملتی ہے۔ اُسی طرح سے مندرجہ بالا کا سو فی صد احترام و عمل کرنے سے ہی ولی اللہ بنتے ہیں اور اسی سے اُنہیں پرواز کے لئے پر اور انتہاء کی برق رفتاری سے پرواز کے لئے، اُڑنے کے لئے طاقت وصلاحیت نصیب ہوتی ہے۔

جو لوگ مندرجہ بالا کے معترف نہیں یا آپ ﷺ کی کسی ایک بھی صفت، حکم، حدیث، فرمان وہدایت کے منکر ہیں انہیں یہ پر نصیب نہیں ہوتے اور عام لوگوں کی طرح ساری عمر گدیلے (پرندوں کے بغیر پروں کے بالکل چھوٹے بچے) ہی رہتے ہیں۔ چاہے وہ اپنے آپ کو کچھ بھی کہلوائیں، بڑے بڑے القاب لکھوائیں، حکومت واہل اقتدار، اپنی تنظیم وانجمن سے مختلف القاب لے لیں، ان کی خوب تشہیر کرلیں، چاہے ڈھیروں کتابیں پڑھ ڈالیں، لکھ ڈالیں لیکن وہ تمام عمر گدیلے ہی رہتے ہیں انہیں پرواز کے لئے کبھی بھی پر اور طاقت وصلاحیت نصیب نہیں ہوتے۔

اولیاء اللہ کی راہِ سلوک، یہ راستہ بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ یوں تو سب کچھ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی خصوصی نوازش، عنایت وکرم نوازیوں سے ہوتا ہے اور ہے (سورۂ حدید، آیت 21۔ ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے) لیکن پھر بھی یہ باطنی اور روحانی نوازشات، عنایات وکرم نوازیاں ان ہی پر زیادہ ہوتی ہیں جو خلوصِ دل سے ان کا طلبگار رہتے۔ جیسے کہ ایک گنہگار شخص بھرپور جوانی میں یا اس وقت تک جب کہ وہ مختلف گناہ کرنے کی صحت صلاحیت وپوزیشن میں ہے اور وہ سچی توبہ کرلیتا ہے اور پھر وہ اپنی بساط کے مطابق صدق دل سے یہ جان کر کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ اُسے ہر وقت دیکھ رہے ہیں اور وہ یوں نیکی کی راہ پر گامزن ہوجاتا ہے۔ یعنی کہ مذکورہ بالا شخص نیکی کی راہ، اللہ کی راہ، قرآن وسنت کی راہ یا فلاح دارین کی راہ پر چل پڑا ہے۔

نظامِ قدرت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اتنے ہی عمل سے خوش ہو جائے، مطمئن ہو جائے اور اس پر مزید کریم نوازیوں کی برسات کر دے۔ نہیں! اگر اسے راہِ سلوک پر چلانا مقصود ہے تو اسے اس کے عزم، خلوص و ہمت، صبر و برداشت کے لئے خوب خوب آزمایا جائے گا۔ ایک طرف تو قدرت اسے بہت ہی سخت، جان لیوا، صبر آزما اور تو بہ شکن حالات سے دوچار کر دیتی ہے تو دوسری طرف شیطان بھی اسے ورغلانے کے لئے کمربستہ ہو کر اس کے پیچھے سائے کی طرح لگ جاتا ہے کہ کوئی موقع ملے تو راہِ سلوک پر گامزن شخص کو، پھر ضلالت و گمراہی کی راہ پر ڈال دے۔

ایسا کرنے سے جہاں ایک طرف اللہ تبارک وتعالیٰ اسے آزما رہا ہے تو ثابت قدمی کی صورت میں یعنی کہ اگر آزمائشوں، تحریصوں، ترغیبوں میں گھرا ہوا شخص ثابت قدم رہتا ہے تو دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے صبر قوت برداشت، دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ کرتا ہے یعنی کہ اس کا ظرف بڑھاتا ہے۔

اولیاءاللہ کی آزمائش ہر وقت جاری رہتی ہے کیونکہ یہ ہر وقت اللہ کی راہ میں، اللہ کی راہ پر، قرآن وسنت پر، اسوۂ حسنہ پر گامزن ہوتے ہیں، پر چل رہے ہوتے ہیں، اس لئے شیطان بھی قدم قدم پر ان کے راہ میں روڑے اٹکاتا رہتا ہے۔ یہ نظامِ کائنات ہے، ازل سے دستورِ رب العالمین ہے کہ وہ اپنی ہر ذی شعور مخلوق کو آزماتا ہے کہ یہ میرے قرب کے حصول میں کس قدر خلوص، ہمت، حوصلہ، اور استقلال رکھتا ہے۔ وہ آزماتا ہے کہ یہ دودھ پینے والا مجنوں ہے یا خون دینے والا۔

جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت 214 میں ارشادِ قادرِ مطلق ہے۔

ترجمہ: ''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ تم پر ابھی تک اگلوں کی سی روداد (آزمائش، حالت و حالات) نہ آئی۔''

اور سورۂ عنکبوت، آیت 2 میں قادرِ مطلق کا ارشادِ پاک یوں ہے:

ترجمہ: ''کیا لوگ اس گمان میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔'' (سورۂ عنکبوت، آیت 2)

یہ آزمانا تو ہر ایک کے ساتھ ہے۔ اور اس کے انداز، شدت، تواتر وغیرہ بھی ہر فرد کی استطاعت کے مطابق ہیں۔ اور اولیاءاللہ کے ساتھ تو یہ آزمانا، ابتداء میں، بہت شدید و زیادہ اور تواتر سے ہے۔

ہاں اولیاءاللہ کے لئے ان کی پُرخلوص محبت، عبادت، اطاعت، استقامت، صبر و تحمل اور نفس کشی کے سبب اللہ تبارک و تعالیٰ کے انداز بھی بدل جاتے ہیں۔ ان کو اسی پسندیدہ راہ پر اور سختی و محبت سے گامزن رکھنے کے لئے وہ اپنے دوست کے ساتھ یعنی ان کے ساتھ ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتا ہے۔

کبھی کچھ جسمانی درد مسلط کر دیا تو کبھی بے سبب بخار کی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ کبھی بے سبب پیٹ خراب کر دیا تو کبھی تھکان مسلط کر دی۔ کبھی نقاہت و سستی نے آلیا تو کبھی ہاضمہ خراب کر دیا۔

دراصل یہ محبت اور باہمی روابط کے خوبصورت انداز ہیں کیونکہ اولیاء اللہ ان حالات میں متفکر نہیں ہوتے۔ وہ اس دوران اپنی عبادات، ریاضات، ذکروفکر میں کمی نہیں آنے دیتے بلکہ ان حالات میں وہ اللہ اور رسول ﷺ کو اور بھی زیادہ یاد کرتے ہیں اور بھی زیادہ اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس دوران اور بھی زیادہ ان کی شانیں، عظمتیں اور رفعتیں دیکھتے ہیں۔ اور جب کوئی تکلیف برداشت سے باہر ہوتی معلوم دے تو وہ ربِّ کائنات سے اس سے نجات دینے کی دست بستہ گزارش کرتے ہیں اور پھر یوں ہوتا ہے کہ وہ تکلیف جو بگولے کی طرح ایک دم آئی تھی وہ کچھ دن جسم پر مسلط رہ کر بگولے کی طرح جسم سے مکمل نکل گئی کہ وہ پھر ایک دم ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں میں سے کچھ کو اتنی عقل، سمجھ، دلچسپی، لگن، جذبہ، مستقل مزاجی دی ہے کہ وہ اپنی سوچ کو، خواہش کو، شوق کو، لگن کو، ضرورت کو ایک مشین کی شکل دے دیتے ہیں جو کہ سراسر دنیاوی چیز ہے، نفسانی چیز ہے اسی طرح سے کچھ خوش نصیب انسانوں کو وہ عقل، سمجھ، لگن، شوق، جذبہ، مستقل مزاجی، صبر وتحمل اور قوت برداشت دی ہے، جس سے وہ صالحین امت، آل رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی معرفت وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ اور یہ حیاتِ انسانی کا روحانی، نوری، اُخروی پہلو ہے جو کہ اولیاء اللہ کو نصیب ہے۔

خالق و مالک کائنات کی شان کہ ہر روح کے لئے جداگانہ حکم ہے۔ جداگانہ شکل ہے کہ کروڑوں میں بھی ہر کوئی پہچانا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ میں بھی بہت درجے ہیں اور کئی لحاظ سے ان میں بھی بہت ورائٹی ہے۔ کوئی پیدائشی ولی ہے تو کسی کو یہ ادھیڑ عمر میں نصیب ہو جاتی ہے۔ کچھ بالکل اُمّی ہوتے ہیں تو کئی ایک اُن میں بہت پڑھے لکھے بھی ہوتے ہیں۔ کئی ایک نمایاں طویل عمر پاتے ہیں تو کچھ جوانی میں ہی (حضرت امام غزالی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ) مالک حقیقی سے جا ملتے ہیں۔ کسی کا عشق شروع ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ پاک سے ہوتا ہے تو کوئی طبق در طبق اوپر جاتا ہے، یعنی پہلے وہ صالحین وصدیقین سے پُرخلوص احترام ومحبت کرتا ہے، پھر عشق رسول ﷺ میں مبتلا ہوتا ہے اور بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ سے لگن لگ جاتی ہے۔ ان میں کوئی نمایاں جلالی ہوتا ہے (حضرت احمد صابری، حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہما) اور اُن کی اکثریت میں جمالی صفت نمایاں ہوتی ہے۔

کہیں کوئی اس گروہ میں شاہانِ وقت (حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ) میں سے بھی ہوتا ہے اور اس گروہ میں غربا اور مفلوک الحال بھی بہت نظر آتے ہیں۔ اس گروہ میں اعلیٰ حکومتی عہدے دار بھی ہوتے ہیں تو چپڑاسی اور ریڑی بان بھی نظر آتے ہیں۔ ان میں کوئی ایک ہی جست میں (حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہما) کمال کو پہنچا ہے تو کسی نے عمر بھر عبادات وریاضات کر کے طبق در طبق منازل طے کئے ہیں۔ کسی نے درِ میخانہ پر مدہوشی میں (حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسم مبارک کی عزت کی تو اسے سچی توبہ کی توفیق دی اور پھر ولایت میں خاص مقام دے دیا اور کسی کو راہ زنی کے ارادے (حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ) کے وقت ہی راہِ ہدایت دے دی اور اس گروہ میں خاص نام پیدا کیا۔

کسی نے دونوں اوقات مناسب کھانا کھایا اور کتنوں نے ہی ساری عمر نفلی روزوں اور فاقہ کشی میں گزار دی۔ کسی کو اللہ

تبارک وتعالیٰ نے سوتے میں ہی نواز دیا اور کتنوں نے عمر بھر جاگتے، عبادت گزاری میں گزار دیں۔ کتنے ہی اس پاک باز گروہ میں ایسے ہیں جو ہر دکھ، درد، تکلیف، بیماری کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا جان کر کبھی بھی علاج معالجے کے لئے نہیں جاتے اور ان میں ایسے بھی ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں ہر بیماری سے بچا اور تندرستی کی حالت میں اپنے پاس بلا لے۔ ان میں صاحب جائیداد (حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہما) بھی ہوتے ہیں تو اکثریت ان میں (دُنیاوی لحاظ سے) ناداروں کی ہوتی ہے۔ ان میں ننگے بھی ہوتے ہیں تو اکثریت ان کی خوش پوشاک بھی ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ ہی ایک نہایت قوی، فوری اور دور رس نظام کے تحت ہو رہا ہوتا ہے کہ جس نظام میں ہمارے دنیاوی یا ظاہری نظام کی طرح خامیاں نہیں ہوتیں۔ یہ سب ہی رحمۃ اللعالمین ﷺ کا سایہ ہوتے ہیں۔ سب ہی کائنات میں رحمتیں بانٹتے ہیں۔ ان کے رُتبے ان کے انعامات، ان کی اسناد و دیگر عنایات ربانی ان کے تقویٰ، راضی بہ رضائے الٰہی، خدمت خلق خدا، صرف خدا کے لئے دوسروں سے محبت، شفقت اور خوش دلی سے ہر پہلو میں خدمتِ خلق کے تناسب سے ہوتے ہیں۔

کچھ دلچسپ راز:

ولی اللہ جب تنہا ہوتا ہے، اکیلا ہوتا ہے تو حقیقت میں وہ تنہا نہیں ہوتا بلکہ اس کی بڑی مزیدار، سرور انگیز محفل سجی ہوتی ہے اور وہ وقت کما رہا ہوتا ہے اور اس کے برعکس جب وہ کسی دنیاوی محفل میں ہوتا ہے تو وہ اس ہجوم میں بھی تنہا ہوتا ہے اور مجبوراً (کیونکہ اسے دنیا بھی نبھانی ہوتی ہے) وہ کچھ نہ کچھ وقت ضائع کر رہا ہوتا ہے۔

ایک اور بات بتاتا چلوں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا "سبحانی ما اعظم شانی" اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا "انا الحق" فرمانا، ایسی باتیں تو اولیاء اللہ میں باکثرت ہیں لیکن ان کا اظہار وہ ایک دوسرے سے ہی کرتے ہیں یا پھر کسی اپنے جاننے والے اہل نور یعنی کہ نور والے سے کرتے ہیں کیونکہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ خاصوں کی بات عام لوگوں کے سامنے نہیں کرتے۔ ان کی بات اتنی مدلل، پُراثر اور سچی ہوتی ہے کہ کوئی بھی باشعور آدمی اسے من وعن قبول کر لیتا ہے اور اس بارے میں ان سے کوئی سوال پوچھنے کی آرزو ہی نہیں رہ جاتی۔

ان بندگانِ خدا، اولیاء اللہ کی پرواز بہت بلند ہوتی ہے اور یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات اور پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کی صفات مبارک میں بہت سیر کرتے ہیں، علوم واسرار سے مستفید ہوتے ہیں۔ ان کی زبان، الفاظ اور انداز بیان بھی بلندی کے تناسب سے اتنے ہی بلیغ و جامع ہوتے جاتے ہیں۔ سننے والا دم بخود ہو کر بڑے دھیان وشوق سے سارا سن لے گا اور اس دوران اسے ایسا لگے گا کہ وہ جو سن رہا ہے وہ پورے کا پورا دماغ میں اُتر رہا ہے وہ سب قرآن وسنت کے مطابق ہے اور سچ ہے اور اب وہ خود بھی اُسے اسی طرح بیان کر سکتا ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ مجلس سے اُٹھتے ہی اکثریت کو اس بیان کا دس فیصد بھی یاد نہیں رہے گا یا وہ اس کا دس فی صد بھی بیان نہیں کر پائے گا۔

بعض اوقات، باوقت ضرورت (روحانی نظام کے تحت) پردہ فرما جانے والے اولیاء اللہ ان موجود اولیاء اللہ سے اس

طرح ملتے ہیں کہ جیسے ہم حقیقی زندگی میں اپنے کسی جانے پہچانے بزرگ، استاد، یا مہربان دوست سے ملتے ہیں۔ان کی ملاقات دنیاوی انداز کی نہیں ہوتی بلکہ اس میں رُشد وہدایت ،صبر و ہمت اور صحیح اقدام کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔وہ اولیاء اللہ جو اپنی قبروں میں زندہ ہیں، وہ انہیں بعض دفعہ حاضری و ملاقات کے لئے بھی بلا لیتے ہیں اور کبھی کبھی آسمانی خوردونوش سے بھی نوازتے ہیں۔ جس کے بعد دو تین دنوں تک انہیں بھوک پیاس نہیں لگتی۔

روحانی نظام ان کی کارکردگی کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔غفلت و کوتاہی (جو کہ ان میں بہت ہی کم ہوتی ہیں) پر انہیں تنبیہہ مل جاتی ہے اور ترقی روک دی جاتی ہے۔جب کہ نمایاں کارکردگی پر انہیں بلندی درجات، سند، اسناد و خطابات سے نوازا جاتا ہے۔اور یہ باقاعدگی سے نورانی مجلس میں یا دربار رسول کریم ﷺ میں ہوتا ہے۔

آخر میں:

دینِ متین میں تارک الدنیا ہونا ناپسند ہے بلکہ باتقویٰ معیاری زندگی گزارنے کا معیار یہ ہے کہ آدمی ان سب رشتوں، جھمیلوں، دنیا کے کاروبار، اپنے گھر اہل وعیال ہر ایک کو حسب ضرورت وقت دے اور اپنے رب کو بھی نہ بھولے اور اپنے آپ کو تمام آلودگیوں سے پاک صاف رکھے۔تقویٰ کے بارے میں حدیث مبارک بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس دنیا کا سفر زندگی اس طرح کرو جیسے کہ ایک راہ گیر ایک جنگل سے گزرتا ہے تو وہ اپنے کپڑے پھٹنے سے بچانے کے لئے، اپنے آپ کو کانٹوں، رگڑ، زخموں سے بچانے کے لئے بہت محتاط طریقے سے گزرتا ہے تب صحیح حالت میں اس جنگل سے گزر جاتا ہے۔دنیا وہ جنگل ہے اور اس سے صحیح سالم گزر جانے کے لئے جو تیز انداز وطریقہ درکار ہے وہ تقویٰ ہے اس لئے یہ بندگانِ خدا دنیاوی زندگی بھی بھرپور طریقے سے گزارتے ہیں۔اولاد صدقہ جاریہ ہے انہیں وہ بہترین توجہ دیتے ہیں کہ وہ مثبت یا سودمند صدقہ جاریہ بنیں۔ حقوق العباد بھی عبادت کا درجہ رکھتے ہیں، نا قابل معافی ہیں اس لئے یہ ان سے بھی غافل نہیں ہوتے۔یہ ہر حال میں خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں یہ ہر حال میں صابر وشاکر ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم سورۂ یونس آیت 62-63 کے مطابق:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: ”سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

دراصل ان کی دنیاوی زندگی پر روحانی زندگی مکمل حاوی ہو چکی ہوتی ہے اور وہاں غم وخوف کا گزر نہیں ہے اُن کا تعلق تو دنیاداری سے ہے، دنیاوی زندگی سے ہے۔

اللہ تو ہمارا پیدا کرنے والا ہے۔اس کا نورانی رابطہ یا اس کے نور اور اس کے محبوب خاص ﷺ کے نور کا رابطہ انسان کے ظاہر سے نہیں ہوتا۔یہ رابطہ تو صرف پاک صاف دل سے ہوتا ہے اس دل سے ہوتا ہے جس دل سے دنیا کو نکال دیا گیا ہو اور اس

میں اللہ اور اللہ کے رسول مقبول ﷺ کو جگہ دے دی گئی ہو۔ اگر مستقل جگہ دے دی گئی ہو تو پھر نورانی رابطہ بھی مستقل ہوتا ہے اور دلوں کی اس کیفیت کو، دلوں کے حال کو اور دلوں کی اس پاکیزگی کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، کوئی نہیں جان سکتا۔

دل کا صاف ہونا، دل میں اللہ اور رسول مقبول ﷺ کو مستقل جگہ دے دینا یا شہوات دنیا سے دل کو پاک کر دینا معمولی بات نہیں ہے، یہ خال خال لوگوں کی قسمت میں ہوتا ہے اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم خاص سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے اللہ کی محبت اور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا نوری رابطہ بھی بہت کم انسانوں کو نصیب ہوتا ہے۔

عظمتِ اولیاءکرام:

اولیاءکرام کی موجودگی اور عظمت کے موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ان کا مطالعہ دین وایمان کے لٹیروں سے ایمان بچانے کا باعث بن سکے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس گمراہی کے علمبردار کو بھی راہ راست پر آنے کی توفیق دے۔ (آمین)

☆ ”پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں حق تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے نفس کے لئے۔“ (قرآن کریم)

☆ حضور سرور کائنات ﷺ کفار پر فتح کے لئے فقراء اور مہاجرین کے طفیل حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

☆ حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”بہت سے پراگندہ بال اور گرد آلود بندے ایسے ہیں جنہیں دروازوں سے دھکیل دیا جاتا ہے اگر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر کسی قسم کی قسم ڈال دیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔ (مسلم شریف)

ان بزرگوں کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔ نجات اور فلاح کا طریقہ صرف یہی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بدبخت نہیں اور ان سے اُنس رکھنے والا محروم نہیں۔ یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہمنشین ہیں۔ ان کو دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے۔ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے خدا کو پالیا۔ جس نے ان کے ظاہر ہی کو دیکھا خسارے میں رہا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا وہ نجات اور فلاح پا گیا۔

عارف کامل (فقیر) کی ظاہر صورت اس کے باطن کے اعتبار سے بالکل اس طرح ہے جس طرح کپڑا پہننے والے کے ساتھ کپڑے کی نسبت۔ پس عام لوگ اس کی حقیقت کو کیا پا سکتے ہیں ایسے عارف کامل کی پہچان خدا تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

☆ ان ہی لوگوں کے طفیل (اولیاء فقرا) بارش ہوتی ہے اور ان ہی کے وسیلہ سے مخلوق کو رزق ملتا ہے۔ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر امراضِ باطنہ کے لئے شفا ہے۔ یہی لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہمنشین ہیں۔ (حدیث شریف)

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خاص مقبول بندے کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد ہوگا کہ مسلمان فقیر جو میری عطا پر راضی تھے۔ ان سب کو جنت

میں لے جاؤ۔وہ سب جنت میں چلے جائیں گے جبکہ ابھی تمام مخلوق حساب میں مشغول ہوگی۔

حضور پر نورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فقراء سب بندوں سے زیادہ اللہ کے دوست ہیں۔نیز فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہے۔صابر فقراء کی محبت جنت کی کنجی ہے اس لئے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہمنشین ہوں گے اور فرمایا کہ روزِ قیامت کوئی امیر یا فقیر ایسا نہ ہوگا جو یہ آرزو نہ کرتا ہو کہ کاش دنیا میں ہم ضرورت سے زیادہ مال نہ پاتے۔

- ☆ وہ شخص جس سے خدا ناخوش ہوگا۔اس کی زبان اولیاءِ کرام کی شان میں گستاخ اور تنقید پر اُتری رہے گی۔(حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ)
- ☆ دنیا میں دو چیزیں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں فقراء کی ہم نشینی اور عقیدتِ اولیاءِ کرام۔(حضرت ابراہیم قصار رحمۃ اللہ علیہ)
- ☆ نیک اعمال کرنے سے زیادہ بہتر نیک لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست ہے اور بُرے لوگوں کے پاس بیٹھنا گناہ کرنے سے بدتر ہے۔(خواجہ اجمیری)
- ☆ اولیاءِ کرام دُنیا و عقبیٰ کے تاجدار ہیں۔(سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)
- ☆ جس کی رات اور دن اس حالت میں بسر ہو کہ اس نے نہ ہی کسی کا دل دکھایا ہو اور نہ ہی کسی کو دُکھ پہنچایا ہو تو گویا اس نے وہ رات رسول کریمﷺ کے حضور میں بسر کی۔جو کسی مومن کو ستاتا ہے اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔سب سے بہتر وہ دل ہے جو بدی اور شر سے پاک ہو۔مردانِ حق اور ولیوں کی صحبت میں بیٹھنا گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی صحبت میں بیٹھنا ہے۔(حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اولیاءاللہ کی شان میں فرماتے ہیں:

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
او نشیند در حضور اولیاء
پیر کامل صورتِ ظلِ الٰہ
یعنی دید پیر دیدِ کبریاء
یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

اس کا ترجمہ،اس کی تشریح یوں ہے:

اولیاءاللہ کی صحبت اللہ کی صحبت ہے اور جو چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرے تو اسے چاہیے کہ وہ کسی ولی اللہ

یا درویش کامل کے پاس بیٹھ کر باتیں کرے تو یہ بالکل اسی طرح ہوگا کہ وہ اللہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کر رہا ہے۔

اسی طرح کسی ولی اللہ اور درویش کامل اور فقیر کامل کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ باز گرداند ز راہ

ترجمہ: ''اولیاء کرام میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ ایسی طاقت ہوتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی واپس لا سکتے ہیں۔'' یعنی کہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو جبریل اس بات کا اعلان آسمانوں پر کرتا ہے اور اہلِ آسمان کو کہتا ہے کہ تم بھی اسے دوست رکھو بعد ازاں اُسے زمین میں مقبولیت دی جاتی ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''بہت سے فقر اُپراگندہ بال، غبار آلودہ دھکیلے گئے دروازوں سے اور وہ ایسے ہیں کہ اگر قسم کھالیں اللہ کی تو البتہ سچ کر دے اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی قسم کو۔'' پس ظاہر خستہ حال فقیر کو حقارت سے ردّ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر مردانِ خدا اور قطب الاقطاب ایسے ہیں جو اسی حالت میں گھومتے ہیں۔

سورۃ زخرف، آیت 67 اور حدیث رسول مشکوٰۃ شریف، ص 494 کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز جب کوئی رشتہ دار اور یار دوست کسی کے کام نہ آسکے گا تو اولیاء کرام اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت سے گنہگاروں کی شفاعت کریں گے جو کہ قبول کی جائے گی۔

روزِ محشر! وہ دن نہایت ہولناک ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دن نہایت جلال میں ہوں گے لہذا کسی کی جرأت نہیں ہوگی کہ براہِ راست اللہ سے بخشش کی درخواست کر سکے۔ پھر وہ دیکھے گا کہ کچھ گنہگار اور جہنمی لوگ اولیاء کرام کے پاس سفارش کے لئے جارہے ہیں اور وہ ان کی سفارش اللہ تعالیٰ کے ہاں کر رہے ہیں اور وہ قبول کی جارہی ہے تو یہ لوگ بھی اولیاء کرام کی طرف رجوع کریں گے لیکن رجوع وہی کریں گے جو دنیا میں ان کی ولایت کو قبول کرتے ہوں گے اور جو بد بخت دنیا میں اُن کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ چاہنے کے باوجود ان کے نزدیک نہیں پہنچ سکیں گے اور ان کو جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

حدیث پاک مشکوٰۃ شریف: ''یہ لوگ خدا کے نزدیک اس رُتبہ وعزت کے مالک ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا اُن کے فیض و برکت سے محروم نہیں رہتا۔

اللہ کے فقیروں کی صدا اپنے لئے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی محتاج مخلوق کے لئے ہوتی ہے۔ صدا تو ایک طرف ان کا کوئی کام

بھی اپنے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لئے ہوتا ہے حتیٰ کہ جینا اور مرنا بھی۔

اولیاء کرام کی محبت و شان

اگر فقراُ ربانی سے شرع شریعت کے خلاف کوئی قول یا فعل نظر آئے تو بھی اس کا انکار مناسب نہیں کیونکہ وہ لوگ آتش عشق میں جلے ہوئے ہیں۔عاشق غلبہ شوق میں ادب کا پابند نہیں ہوتا۔

اے عزیز! خدا اور رسول ﷺ کے دوستوں سے محبت کرنا اور اُن کی خدمت میں حاضر ہونا، اُن کی صحبت کو خدا اور رسول ﷺ کی صحبت سمجھنا، خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہوتا ہے۔

☆ یہ کس قدر سعادت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست کسی کو قبول فرمائیں۔ چہ جائیکہ اس سے محبت کریں اور اپنے قرب سے سرفراز فرمائیں۔

☆ اولیاء اللہ اور فقراُ سے بغض رکھنا زہرِ قاتل ہے اور ان کی عیب جوئی ابدی محرومی کا باعث ہے۔

☆ اے مولا کریم تو جسے برباد کرنا چاہتا ہے اسے ان سے ٹکرا دیتا ہے۔

☆ فقراُ کے آستانے کی جاروب کشی (جھاڑو دینا، صفائی کرنا) دولت مندوں کے ہاں صدر نشینی سے بہتر ہے۔

☆ جو لوگ اولیاء کی عیب جوئی کرتے ہیں ان کی مذمّت اور زجر شرعاً جائز بلکہ مستحسن ہے۔

☆ اپنے پیرو مرشد کی طرف پوری توجہ رکھنی چاہیے کیونکہ اس دولت (معرفت) کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ یہی ہے۔ پیرو مرشد کی حاضری کے وقت اور غیر حاضری کے وقت ہر حال میں اس سے تعلق رکھنے والی اشیاء کے آداب کی رعایت اچھی طرح کرنی چاہیے اور ان بزرگوں کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ اور وسیلہ تصور کرنا چاہیے۔ فلاح اور نجات کا راستہ یہی ہے۔

☆ اگر سارے جہان کی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں موجود ہوں مگر اولیاء کرام کی محبت کا رشتہ قائم رہے تو کچھ غم نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیے۔

☆ حضور پُرنور، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو پیار ہوتا ہے لہٰذا ان اولیاء اللہ کا دوست ان کے ساتھ ہے اور حریمِ قرب میں ان کے طفیل پہنچ کر رہے گا۔

شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے صوفیاء کو انبیاء کے بعد سب سے مقرب بنایا۔ اپنے تمام بندوں پر انہیں فضیلت عطا کی۔ امت محمدیہ میں ان کے قلوب کو اسرار و معارف کا مرکز قرار دیا، انہیں برکات وانوار کے ساتھ خصوصیت بخشی۔ بشری کدورتوں سے پاک اور منزہ کر کے انہیں مشاہدات کے بلند میناروں پر بٹھایا۔ انہیں ہر وقت لطف حضوری سے نوازا، انہیں آداب عبودیت کی توفیق مرحمت فرمائی۔

حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''فتوح الغیب'' میں بحوالہ کتب سابقہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’اللہ تبارک و

تعالیٰ فرماتا ہے اے بنی آدم! میں قادر ہوں۔ جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو ''کُن'' کہتا ہوں تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اگر تو بھی میری رضا کے مطابق عمل کرے گا اور میری خوشنودی کو چاہے گا تو تجھے بھی یہ قدرت عطا کر دوں گا اور تو بھی جب کسی چیز کا ارادہ کرے گا اور کہے گا کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جائے گی۔'' اولیاء کرام کے اس تصرف کا دوسرا نام کرامت ہے۔

اور شیخ عارف ابو الفوارس شاہ بن شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اولیاء اللہ کی محبت سے افضل کوئی ریاضت نہیں، کیونکہ ان کی محبت حُبِ خدا کی نشانی ہے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہم لوگوں کو جو علم عطا ہوا ہے اس کی تصدیق کرنا ولایت (صغریٰ) ہے۔''

حضرت ابو علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فنا ہے اور اس کی ہستی مشاہدہ الٰہی میں فنا ہے۔ ولی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے حال کی خبر غیر کو دے۔ وہ غیر اللہ سے سکون وقرار نہیں پاتا۔ اس کی تسکین اس کے اپنے حال میں ہے، اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی سے سکون نہیں ملتا۔ وہ اپنے محبوب کے اسرار کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ وہ غیبی احوال کا انکشاف کبھی نہیں کرتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ولی کو خوف نہیں ہوتا۔ ولی کی امید نہیں ہوتی۔ ولی کو کوئی غم نہیں ہوتا۔ جن کو اللہ اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت سے نواز دے پھر کشش دنیا، ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ چیزیں ان کے لئے ہیں جو ابھی تک اپنے آپ کو نہیں پہچان پائے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے اللہ کو پہچانا۔ ولی ان حدود کی اصل سے آگاہ ہو کر بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے۔ مشاہدہ میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور کائنات کے معنی مقاصد واسرار باطن پر ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ولی لوگوں میں مشہور ہو سکتا ہے مگر فتنہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا کیونکہ فتنہ جھوٹی شہرت سے ہوتا ہے مگر ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے اور اس کی شہرت بھی سچی ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دُنیا کی ہر شے سے رغبت چھوڑ دو اور اپنے آپ کو اللہ کی دوستی کے لئے فارغ کر لو۔ دنیا سے بالکل بے نیاز ہو جاؤ اور صرف خدا کے دوست بن جاؤ تو تم ولی ہو جاؤ گے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اپنا دوست بنا لے گا۔

علامہ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی اللہ جب ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے اور روحانیت میں کمال حاصل کر لے تو اس کو اتنی طاقت دی جاتی ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف جگہوں پر ایک ہی وقت میں مختلف شکلوں میں مختلف کام کر سکتا ہے غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک روز ستر (70) آدمیوں نے روزہ افطار کرنے کی دعوت دی اور پھر انہوں نے ہر ایک

کے گھر روزہ افطار کیا، اور اسی دن اپنے گھر بھی روزہ افطار کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کامل لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا اور ان کے ہاں نشست و برخاست نیک اعمال انجام دینے سے بہتر ہے۔

حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مردِ کامل وہ ہے جو مقدر کو بدل دے ورنہ مقدر کا صرف بتا دینا تو نجومیوں اور جوتشیوں کا کام ہے پھر مردانِ خدا کی دعا، ہمت اور توجہ کے کیا معنی ہیں۔(مخزن الاسرار ص 102)

پیغمبرِ اول و آخر واعظم، حضور پرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کے دربار گوہر بار مندرجہ ذیل نو (9) مقامات پر منعقد ہوتے ہیں اور عموماً ان درباروں میں اولیاء اللہ اپنے مراتب و درجات کے حساب سے حاضر ہوتے ہیں۔ عاشقوں اور فقراء فنافی اللہ بقاباللہ، کی خاص کچہری نور کے دریائے ژرف توحید بالامکان میں منعقد ہوتی ہے۔ وہ نو مقام جہاں نو کچہریاں منعقد ہوتی ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) مقامِ دنیا: اس کچہری میں عام اولیاء اللہ جسم و نفس کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

(۲) مقامِ عقبیٰ

(۳) مقامِ ازل

(۴) مقامِ ابد

(۵) روضۂ نبوی ﷺ

(۶) خانۂ کعبہ

(۷) عرشِ اعظم

(۸) دریائے ژرف یعنی بحرِ توحید

(۹) لاہوت لامکان

(مخزن الاسرار ص 251)

اللہ اور انسان؟

ڈھونڈ تھی جس کی جہاں میں وہ ملا انسان میں
اب ہوئی ہستی بارونق پہلے تو ویران تھی

(حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
حق سے ناحق میں جدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
باوجود یکہ تیرا مژدۂ نَحۡنُ اَقۡرَبُ
گرچہ قرآن میں لکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا

(نیاز احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

اب آدمی کچھ اور ہماری نظر میں ہے
سنا ہے جب سے یار لباس بشر میں ہے

(بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں کیا ہوں؟ یہ راز آج تک مجھ پر آشکار نہ ہوا، اچھا اگر اللہ کی یہی رضا ہے کہ میں نہ صرف دوسروں کی بلکہ اپنی نظروں سے بھی پوشیدہ رہوں تو سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ جہاں تک مشاہدے کا تعلق ہے تو یہ اللہ کی رضا سے ہوتا ہے۔ بندے کا کام صرف تسلیم و رضا ہونا چاہیے۔ (صفحہ 245)

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حقائق پر مبنی اشعار:

نبوت ختم حضرت محمد پر ہوئی باقی ولائت ہے۔ اس سلسلے میں کسی نے درج ذیل چند اشعار کہے ہیں۔ ؎

نبوت ختم حضرت ﷺ پر ہوئی باقی ولایت ہے
ولایت کی ضیا سے ہی زمانے کو ہدایت ہے
جہاں میں روشنی تھی پہلے نبیوں کی ہدایت سے
مگر اَب ہے ضیا تم دیکھو ولیوں کی ولایت سے

ہوئے اُمت میں حضرت ﷺ کی ہزاروں اولیاء ایسے
ہوئے اقوام سابق میں رسول انبیاء جیسے

سورۂ فتح، آیت 10 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے:

''اے میرے نبی! جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ عین اللہ کی بیعت کرتے ہیں اور اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''

اس بات کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے درج ذیل شعر میں بیان کرتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کار کشا کارساز

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مضمون کو درج ذیل شعر میں باندھا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مخلوق کی پیدائش کا مقصد اپنے خالق کی پہچان ہے۔

پہچان کے دو طریقے ہیں اول، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتوں کے مشاہدے سے اور دوم، مردِ مومن کے وسیلے سے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں کہیں نہیں سماتا لیکن مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔''

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔''

علمائے ظواہر اور باطنی معانی:

اکثر لوگ جو قرآن وحدیث سے ناواقف ہیں اور علم معرفت سے بھی نابلد ہیں، تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کون سا علم ہے جو حضور پر نور ﷺ نے مخفی رکھا اور اعلانیہ بیان نہیں کیا بلکہ خاص کو تعلیم فرمایا ہے۔ اس بات کا شافی جواب اس حدیث شریف میں مل جاتا ہے۔ ترجمہ حدیث: ''قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنسو اور بہت روؤ۔ (تعلیم غوثیہ، ص 65)

فقر اسرار الٰہی میں سے ایک اسرار ہے اس کی تعلیم خاص ہے عام نہیں۔ (تعلیم غوثیہ، ص 66)

حضور پُر نور، سرکار دو عالم سرور کائنات ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ اسرار تعلیم فرمائے۔ ان سے فرقہ صوفیہ کرام میں پہنچے اور قیامت تک ان سے یہ فیض جاری رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں ''اللّٰہ الذی خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن ینزل الامر بینھن۔'' فرماتے ہیں کہ ''اگر میں اس آیت کی تفسیر پوری طرح کروں تو تم لوگ مجھے کافر بتاؤ اور سنگسار کرو۔'' پس اس

صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے ظاہری معانی کے علاوہ اور بھی معنی ہیں کہ جن کے بیان کرنے سے ناواقف لوگ سنگسار کریں اور کافر کہیں۔فرماتے ہیں" قرآن پاک کی آیات کے باطنی معنی کی اہل ظاہر کو ہوا بھی نہیں لگی۔یہ صرف اولیاء اللہ کا حصہ ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اولیاء اللہ کو اپنی قدرت ورحمت علم ظاہر اور علم باطن دونوں عطا فرماتے ہیں۔"(تعلیم غوثیہ،ص 64)

اس فرمانِ مبارک میں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں،اس سے رجالِ غیب،مردانِ حق،اولیاءکرام ہی مراد ہیں جو انبیاء کے علوم ظاہری وباطنی دونوں کے جامع ہوتے ہیں۔"(تعلیم غوثیہ،ص 67)

عارفوں کا ایک سِرّ ہے اگر وہ افشا کردیں تو احکام شرع بیکار ہو جائیں۔(تعلیم غوثیہ،ص 81)

علم تین طرح کے ہیں:

اول: علم ظاہری یعنی شریعت۔

دوم: علم باطن یعنی علم طریقت،اور

سوم: علم معرفت اور اس سے اعلیٰ کوئی اور مرتبہ نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ(سورۂ کہف میں ذکر مبارک) قابل غور ہے اگر اس علم کو عام کیا جاتا تو احکام شرع درہم برہم ہو جاتے اور عام لوگ تباہ وبرباد ہو جاتے۔اسی واسطے فقر کی تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی ہے اور یہ امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے حصول کی قابلیت(ظرف) عطا فرمائی ہو۔(تعلیم غوثیہ، ص 81)

علمائے ظاہر حلال وحرام بیان کرسکتے ہیں مگر حلال وحرام میں تمیز نہیں کرسکتے کیونکہ اس(تمیز) کا انحصار نورِ بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے سمجھنے کے لئے انسان کو تین قوتیں عطا کی ہیں یعنی وہم،عقل اور نورِ بصیرت۔عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نورِ بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں۔عالم ظاہر بین نورِ بصیرت سے محروم ہے۔یہ دولت انبیاء کرام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثا یعنی علمائے ربانی اور صوفیائے کرام کو ملی ہے اور ملتی ہے۔نیز یہ دولت کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القا اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔(تعلیم غوثیہ،ص 64)

پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں۔حضرت علی بن عثمان(داتا گنج بخش) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف"کشف المحجوب"میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد عالم باعمل ہیں اور وہ ہم ہیں۔یعنی اولیاءکرام اور صوفیاء کرام جو ظاہری اور باطنی علوم کے حامل و ماہر ہوتے ہیں۔

ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے کہ"علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں۔"اس سے مراد بھی اولیاءکرام ہیں جو کہ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر ہوتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ علمائے ظاہر اس سے مراد قطعاً نہیں کیونکہ مکمل دین دو صورتوں میں پایا جاتا

ہے ۔ایک ظاہری صورت اور دوم باطنی صورت ۔علمائے ظاہر صرف دین کی ایک صورت کے ماہر ہوتے ہیں ۔اس لئے وہ انبیاء کے وارث نہیں ہیں ۔انبیاء کرام علمائے ظاہر بھی تھے اور علمائے باطن بھی لہٰذا ان کے وارث بھی وہی ہوسکتے ہیں جو دین کے دونوں پہلوؤں سے واقف ہیں ۔اور وہ ہیں اولیاء اللہ ،صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔

☆......☆......☆......☆......☆
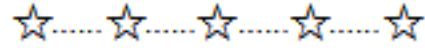
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

پیغمبر اول و آخر و اعظم، ہادیِ انس و جان، رہبر کائنات، رسولِ بحر و بر فخر اولادِ آدم، انسانِ کامل، حاصلِ کائنات، اصل الموجودات، رحمۃ اللہ العالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، سرکار دو عالم، حضور انور، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کی شانوں، رفعتوں، عظمتوں اور خصوصی امتیازات کے کیا کہنے۔

- ــــــ آپ ﷺ اصل الموجودات ہیں،
- ــــــ آپ ﷺ سب کے ہیں، سب میں ہیں،
- ــــــ آپ ﷺ ہی نظامِ کائنات کی روحِ رواں ہیں،
- ــــــ آپ ﷺ کائنات کی جان ہیں،
- ــــــ سب کچھ آپ ﷺ کے تصرف میں ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ سب کچھ کے کرتا دھرتا ہیں۔

آپ ﷺ کی عظمت و شان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ نجم کی آیات 3 اور 4 میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو (اور کچھ) نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔''

مگر یہ اٹل اور ازلی حقیقتیں ہر ایک کو سمجھ نہیں آتیں۔ دراصل ان کا تعلق سمجھ سے ہوتا بھی نہیں ہے ان کا تعلق تو ایمان بالغیب سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم کی ابتدائی سورۃ کے ابتدا میں ہی فرما دیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی 1 تا 4 آیات مبارک میں ارشاد رب العالمین ہے:

ترجمہ: ''وہ بلند رتبہ کتاب (جس میں) کوئی شک کی جگہ نہیں، اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو، وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور رہماری دی ہوئی روزی ہماری راہ میں خرچ کریں اور وہ کہ ایمان لائیں۔ اس پر جو تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا اور آخرت پر یقین رکھیں۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمتوں کو، کارسازی کو سمجھنا اور ایمانِ بالغیب تو دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ ہاں پہلے اگر ایمان بالغیب حاصل ہو تو پھر کچھ باتیں، حکمتیں، کارسازیاں سمجھ آنے لگ جاتی ہیں۔ لیکن ایمان بالغیب ہی حاصل نہ ہو تو کچھ بھی سمجھ نہیں

آ سکتا۔

اس معاملہ میں اگر میں یہ کہوں کہ پہلے دو اور جمع دو کا پانچ ہونا ضروری ہے تو وہ بالکل صحیح ہوگا یعنی کہ دو اور جمع دو تو گنتی کے حساب سے چار ہوئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر وقت، ہر جگہ، ہر کچھ میں موجود ہے یعنی وہ پانچواں اس گنتی میں بھی موجود ہے اور ہر کچھ میں، ہر جگہ، ہر وقت موجود ہے۔ جب یہ کیفیت حاصل ہو(کہ اللہ کو ہر معاملہ میں ساتھ سمجھے، موجود جانے)تو اس کے بعد اگر صاحب عقل دو اور دو کو چار کر دے تو پھر وہ راہ راست پر گامزن رہ کر آگے بڑھتا ہے۔ عقل بھی اس کا ساتھ دیتی ہے اور نصیب بھی۔ بصورت دیگر یہ عقل دھوکا کھا جاتی ہے، دھوکا دے دیتی ہے اور آدمی بھٹک جاتا ہے۔

یہ نور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک نے اس وقت پیدا کیا جب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تمام پیغمبرانہ انوار، تمام نبوتوں کی تجلیات، اسی نور کی کرنیں ہیں۔ نور محمدی ﷺ کا ظہور اقدس کائنات کے حسن کی ابتداء وانتہا ہے۔ جسد خاکی میں آپ ﷺ کی جلوہ آرائیاں انسانیت کے اصل روپ سے پردہ کشائیوں کے لئے تھیں ورنہ اس نور کا جمال سرمدی تو فنائیت کی حدود سے ماورا تھا۔

تمام کائنات ہی اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے حبیب خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان عظمت و رفعت کا مظہر ہے اور کائنات کی ہر شے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی شانیں و عظمتیں، رفعتیں طرح طرح سے بیان کر رہی ہے لیکن یہ ان ہی کو صاف صاف نظر آتی ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یا پھر وہ جو انہیں دیکھنا چاہیں، سمجھنا چاہیں اور قادر مطلق، رب العالمین کا شکر گزار ہونا چاہیں۔

قارئین کرام! درج ذیل احادیث کو پڑھنے سے پہلے سورۂ نجم کی آیات 3 اور 4 کا ترجمہ ایک دفعہ اور پڑھ لیں اور اُسے ذہن میں رکھیں اور سچ مانیں۔ اور مسلمان تو وہی ہے جو قرآن حکیم کو سچ مانتا ہے۔

- —— حضرت محمد مصطفیٰ، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا:

❶ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

❷ اے جابر (رضی اللہ عنہ) بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور مطلق سے ہی پیدا کیا۔

❸ میں اللہ کے نور سے ہوں اور کائنات کی تمام چیزیں میرے نور سے ہی پیدا کی گئی ہیں۔

- —— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔

خالق و مالک کائنات، قادر مطلق، اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے اور ان کے علاوہ بہت سی

دنیائیں پیدا کیں، ان میں قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ جب کچھ بھی نہ تھا، خداوند کریم وعظیم نے چاہا کہ یہ سب کچھ ہی پیدا ہو جائے۔ ہو گیا۔ کن اور فیکون کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا۔ مگر ''کیوں'' کا سوال اپنی جگہ ہے اور بہت اہم ہے۔ یہ ہنگامہ عالم کس سبب سے ہوا؟ اس تخلیق کا باعث کیا تھا؟ یہ سب کیوں بنایا گیا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بھی راز نہیں رکھا۔ ہر عالم کی تخلیق کا سبب اور زمین و آسمان کی تشکیل کا باعث بھی اس نے بتادیا۔ مشہور حدیث قدسی ہے: ''**لولاک لما خلقت الافلاک**۔'' اس نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ سے کہا کہ یہ سب کچھ آپ کے لیے پیدا کیا گیا۔

(راجا رشید محمود ''میرے سرکار ﷺ'' اختر کتاب گھر، لاہور 1978ء، ص 135)

حدیث لولاک کو بعض نے موضوع کہا ہے مگر ساتھ ہی محققین نے وضاحت کردی ہے کہ وضع کا تعلق الفاظ سے ہے، مفہوم اور معنی بالکل صحیح ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارک سے ثابت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے بالواسطہ اپنے حبیب محمد ﷺ کا نور پیدا کیا۔ پھر اسی نور کو خلق عالم کا واسطہ ٹھہرایا۔ (مصنف عبدالرزاق، متوفی 211ھ بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ)

اور عالم ارواح ہی میں اس روح سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔ (ترمذی شریف)

''تفسیر روح البیان'' کی پہلی جلد کے صفحہ 139 پر ایک حدیث تحریر ہے جسے پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نور محمدی کے ظہور اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان کتنا عرصہ گزرا ہے۔ یہ حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس کی رُو سے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ''اے جبرائیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟'' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ''حضور! مجھے خبر نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار (۷۰۰۰۰) سال کے بعد چمکا کرتا تھا اور اب تک میں نے اسے بہتر ہزار (۷۲۰۰۰) بار چمکتے دیکھا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''**وعزۃ ربی انا ذالک الکوکب**'' یعنی ''مجھے میرے رب کی قسم میں وہی تارا ہوں۔'' علمائے کرام نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ اس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کی عمر پانچ ارب، چار کروڑ سال بنتی ہے، جو کہ خود حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے نور میں سے پیدا ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے بارگاہ پیغمبر اوّل و آخر واعظم تاجدار کائنات سرور دو عالم ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو جنت پیدا نہ کی جاتی، آپ نہ ہوتے تو ''نار'' پیدا نہ کی جاتی۔ ابن عساکر کی روایت میں بھی **لولاک لما خلقت الدنیا** کے الفاظ ملتے ہیں۔

حضرت علی ﷺ کی روایت میں زمین و آسمان اور دوسری چیزوں کے پیدا کرنے کی روایت ہے۔حضرت عمر ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو پیدا نہ کرتا تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خلقت کی وجہ سے ہے۔(موضوعات کبیر از ملاعلی قاری،ص 59،انسان العیون از علامہ برہان الدین حلبی ، جلد اوّل ،ص 357،مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات از علامہ برہان الدین حلبی، جلداوّل،ص 357، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات از علامہ مہدی فاسی، نزہتہ المجالس از علامہ عبدالرحمٰن سفوری شافعی، جلد دوم،ص 119 ،بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور جون 1973 (مضمون ''حدیث لولاک'' از مولانا غلام رسول سعیدی/ تابش قصوری، محمد منشاء محمد نور س ن،ص 41(مضمون ''حدیث لولاک'' از ابوالضیا محمد باقر ضیا نوری)مضمون محولہ بالا ازعلامہ غلام رسول سعیدی،ص 49 تا 52)

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصنیف ''مدارج النبوۃ ،جلد دوم'' میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اوّل مخلوقات اور ساری کائنات کی پیدائش کا ذریعہ اور تخلیق آدم علیہ السلام کا واسطہ، نورمحمدی ﷺ ہے،جس طرح صحیح حدیث میں آیا ہے:'' اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔''یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری مخلوقات سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔اسی طرح آپ کی نبوت بھی اس وقت سے ثابت ہے جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور انور پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا:''میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں۔'' جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو نورمحمدی ﷺ کی چمک اُن کی پیشانی میں تھی،اس وقت ان کو بتایا گیا کہ یہ نور تیری نسل میں پیدا ہونے والے نبیوں اور رسولوں کے سردار کا نور ہے۔

حضرت سلمان ﷺ کی حدیث ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کیا کہ یا محمد (ﷺ) آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا تو آپ کو حبیب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور میں نے دنیا و جہان کو اسی لیے یہ فرمایا ہے کہ دنیا کو خبر ہوجائے کہ میرے نزدیک آپ کی کتنی قدر و منزلت اور مرتبت ہے۔اگر آپ نہ ہوتے میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

اس موضوع کو سمجھانے کے لئے میں ایک مثال دے رہا ہوں اور ایک چارٹ پیش خدمت کر رہا ہوں۔امید ہے قارئین کرام کو یہ دونوں ہی پسند آئیں گے اور آپ ﷺ کی شانوں،عظمتوں،رفعتوں کو سمجھنے،جاننے ،دیکھنے میں یہ بہت،بہت مدد و معاون ثابت ہوں گے۔

میں نے مثال دینے سے پہلے بہت سوچا ہے لیکن جو بات میں واضح کرنا چاہتا ہوں،اسے واضح کرنے کا اور بہتر طریقہ سمجھ نہیں آتا۔میں نے باربار یہ سوچا ہے کہ یہ بات جو میں اپنے پڑھنے والے کے دماغ میں ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں،کیا اس کے کرنے ،کہنے کا کوئی اور بھی بہتر طریقہ ہے؟ مجھے تو یہی مثال اپنے ماحول کے قریب تر لگی اور یہی چارٹ والا طریقہ ایسا لگا جو کم پڑھے لکھے حضرات کی سمجھ میں زیادہ آسانی سے آسکتا ہے اور اس سے پڑھنے والے کے دماغ میں نبی اکرم ﷺ کی

عظمت ورفعت اُجاگر ہوگی، آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، کائنات میں منفرد مقام کا حامل ہونا، حبیب خدا ہونا افضل الانبیاء یعنی کہ سید المرسلین ہونا وغیرہ آسانی سے سمجھ آجائے گا اور یادداشت میں محفوظ بھی ہو جائے گا یعنی کہ اس مثال و چارٹ سے عرصہ دراز کے لیے پڑھنے والے کے ذہن میں میرا یہ لکھا، کہا، سمجھایا ہوا نقش ہو جائے گا اور اسے پڑھنے والے کو (قاری کو) اچھی طرح سمجھنا اور سمجھ جانے کے بعد آگے بیان کرنا بھی بہت آسان ہو جائے گا۔

تمام انبیاء کرام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے عمل سے خوش کیا ہے۔ دیگر انبیاء کرام نے بھی اپنے دیئے گئے مشن کو اللہ ہی کی مدد کے ساتھ، اس کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق پورا کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دین کے معاملہ میں جتنی تکالیف مجھے دی گئی ہیں، جتنا میں ستایا گیا ہوں اتنا کوئی نبی نہیں ستایا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو صفاتِ حمیدہ اُن کے مشن کے مطابق دیں اور ان سب کی، تمام صفاتِ حمیدہ اپنی حبیب خاص نبی آخر الزمان ﷺ میں جمع فرما دیں۔

پیغمبر آخر و اعظم، ہادی دو جہاں ﷺ کو اور بھی بہت ساری زائد صفات عطا فرمائیں جو کہ آپ ﷺ کے بہت زیادہ مشکل، تکلیف دہ، کٹھن اور طویل جدوجہد برائے کامیابی مشن، آپ کے مشن و دین کا عالمگیر ہونا اور رہتی دُنیا تک کے لیے ہونے کے مطابق تھیں۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا مشن سب سے مشکل، طویل و عالمگیر تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے بعد نبوت کا سلسلہ مکمل کرنا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین نبی اکرم ﷺ یعنی کہ دین اسلام کو قیامت تک کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

"اور دین برحق اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔" (آل عمران، آیت 19)

اس لیے نبی اکرم ﷺ کو مشن کے مطابق زائد صفات بھی دیں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں مختصراً چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

❶ پہلے انبیاء کرام پشت در پشت بھی آئے۔	❶ نبی کریم رؤف ورحیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 500 سال بعد مبعوث ہوئے۔
❷ پہلے انبیاء کرام کے ساتھ کوئی معاون، نبی ساتھ رہا۔	❷ نبی کریم رؤف ورحیم اکیلے تھے۔
❸ پہلے انبیاء کرام کا مذہب علاقائی تھا۔	❸ نبی کریم رؤف ورحیم کا مذہب عالمگیر تھا۔
❹ پہلے انبیاء کرام صرف انسانوں کے لئے تھے۔	❹ نبی کریم رؤف ورحیم انس و جاں کے لئے ہیں۔
❺ پہلے انبیاء کرام اس دنیا کے لیے تھے۔	❺ نبی کریم رؤف ورحیم تمام جہانوں کے لئے ہیں۔
❻ پہلے انبیاء کرام کی شریعت وقتی تھی۔	❻ نبی کریم رؤف ورحیم کی شریعت قیامت تک کیلئے ہے۔

❼ پہلے انبیاء کرام کی زندگی میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے۔

❼ نبی کریم رؤف ورحیم کی 23 سال کی محنت کے سبب کروڑوں مسلمان ہو گئے۔

❽ پہلے انبیاء کرام صرف اس جہان کے لئے رحمت تھے۔

❽ نبی کریم رؤف ورحیم رحمۃ اللعالمین ہیں۔

❾ پہلے انبیاء کرام میں ایک کے بعد دوسرا نبی آتا رہا۔

❾ نبی اکرم خاتم النبیین ہیں۔

اس حقیقت کو کہ انبیاء کرام میں بھی درجات ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۂ بنی اسرائیل آیت 55 میں یوں بیان کیا ہے:

''اور ہم نے افضل کیا ہے بعض پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔''

یعنی کہ کسی پر صرف وحی نازل فرمائی، کسی کو ساتھ کتاب (توریت) لکھ کر دی، کسی کو پیدا ہوتے ہی نبوت سے نوازا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی بنایا اور قرآن حکیم آپ کے دل مبارک پر، سینہ مبارک پر نازل کیا اور محفوظ فرمایا۔

تمثیل یوں ہے۔ایک سب سے زیادہ علم وحکمت وذرائع وغیرہ کا مالک ہے۔ایسا مالک ہے جس کی ہر صفت وخوبی لامحدود ہے اور وہ بے شمار صفات کا واحد مالک ہے۔سمجھ لیں کہ وہ آپ کے استادوں کی طرح استاد بھی ہے۔اس کے شاگرد بھی بے شمار ہیں۔اس نے سب کا امتحان بھی ایک ہی لینا ہے یعنی کہ ایک ہی دفعہ کے امتحان میں وہ اپنے شاگردوں کو جانچ لے گا اور یہی امتحان آخری ہوگا اور حتمی بھی کیونکہ وہ مالک یا استاد تو بہت ہی کامل ہے۔وہ اپنے علم وحکمت میں قوت وذرائع میں ہر طرح سے مکمل ہے، کامل ہے اور ہر طرح سے قادر ہے یعنی کہ اپنے تمام شاگردوں کا بیک وقت معیاری امتحان لینے پر بھی قادر ہے۔

اس نے اپنے شاگردوں کو، غلاموں کو، بندوں کو پرچہ حل کرنے کے لیے دیا۔اس امتحان اور پرچہ کے لیے مضامین رکھے۔توحید، پرچار توحید، معاشرے کی اجتماعی بھلائی، صبر وشکر، انصاف وعدل، حق وحق پرستی، مالک کی حکم برداری، ہر حال میں تابعداری، مالک کا کام اس کی مرضی اور پسند کے مطابق کرنا۔مالک کا پیغام مالک کی تسلی ومرضی کے مطابق پورا پورا پہنچانا، اسی ایک کا کہا ماننا۔اسی ایک کے آگے جھکنا، دنیاوی نمود ونمائش سے بچنا، خوشحالی کے مقابلے میں فقر کو پسند کرنا، سربلندی وسرفرازی کی بجائے عجز وانکساری کو اپنانا، آخرت کو اس دنیا پر ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ۔

جس روح پاک نے اپنی تمام اضافی ذمہ داریوں، سخت مخالفت اور کٹھن حالات کے باوجود اپنے امتحان لینے والے ربّ العالمین کو سب سے زیادہ خوش کیا، ربّ العالمین نے اسے عالم ارواح میں ہی سید المرسلین (افضل الانبیاء) خاتم النبیین، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، وقار دو جہاں، سرور کون ومکاں، ہدایت کے نور مبین، رحمۃ اللعالمین، اکرم الاوّلین والآخرین، شفیع المذنبین، فخر کائنات، فخر اولاد آدم، اصل الموجودات، خلق اوّل، پیغمبر بحر و بر، رسول کائنات، ہادی دو جہاں، شافع محشر، رہنماء انس وجاں، حبیب خاص، انسان کامل، پیغمبر اوّل وآخر واعظم، سرکار کائنات، تاجدار دو عالم اور سب سے اعلیٰ وافضل کو سب کچھ ہی بنا دیا۔اپنے صفات وناموں کی طرح اسے بھی 99 ناموں اور صفات سے نواز دیا اور بھی بہت کچھ انعام واکرام کیا جیسے کہ عرش پر معراج النبی

ﷺ اور زمین پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عطا فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس روح پاک کو مکہ معظّمہ میں بطور انسانِ کامل مجسم کیا تو دو انوکھے، نہایت خوبصورت وجامع نام محمد واحمد (ﷺ) آپ کے لیے عطا فرمائے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنے رب کے حکم ورضا کے مطابق، قرآن حکیم کی تعلیمات، احکام وہدایت کی روشنی میں اُمت کو، ساری دُنیا کو بہترین نمونہ دیا۔

آپ ﷺ کی پاک، صاف خوش کن صفات کے اہل مکہ بعثت سے پہلے بھی معترف تھے۔ وہ آپ کو تمام ترخوبیوں کا حامل جانتے اور مانتے تھے۔ اعلانِ نبوت کے بعد حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے سخت مخالفت اور انتہائی مشکل حالات کے باوجود ذاتی نمونہ، تعلیم وتربیت سے پاک صاف، خوشحال وخوش کن معاشرہ کی داغ بیل ڈالی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ کی تعلیم احکامات وہدایات کے مطابق انتہا کے خلوص، محنت ولگن سے معاشرہ کی، انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کیا اور اپنے پیارے نبی ﷺ کو خوش کر کے اپنے رب کو راضی کرلیا۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خوش ہونے، راضی ہونے کی خوش خبری یوں فرمائی ہے:

''اور اللہ خوش ہوا مومنین سے جب وہ بیعت کرنے لگے آپ سے درخت کے نیچے۔'' (سورۂ فتح، آیت 18)

اتباع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، نبی اکرم ﷺ کا ہی اتباع ہے اور اس اتباع کی بدولت آپ ﷺ کی امت بھی ممتاز ہوگئی۔ اس بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد رب العالمین ہے:

''اور تم سب اُمتوں سے بہتر اُمت ہو، ان میں سے جو بھیجی گئی ہیں۔ اس دنیا میں کہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہو، اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (سورۂ آل عمران، آیت 110)

پھر وہ مالک جس کا ہم ذکر کررہے ہیں وہ رب العزت ہے، رب کائنات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، وہ مالک ہے جس کے سب خزانے پُر ہیں جس کی صفات، حکمت وذرائع لامحدود ہیں۔ جو ہر کچھ کرنے پر قادر ہے جو مہربان ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے۔ سب کچھ کا بلاشرکت غیر مالک ہے، خالق کائنات ہے۔

قرآن حکیم کی سورۂ حجر آیت 21 میں رب العالمین نے یوں ارشاد فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝

''اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور اُتارے ہیں ہم نے مقرر کیے ہوئے انداز ے کے مطابق''

قارئین کرام! اس آیت کریمہ میں خالق ومالک کائنات نے فرمایا ہے کہ ''اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں۔''

ہم دُنیا والوں، دنیا داروں کا خیال وتصور تو لفظ خزانے کا سنتے ہی صرف دُنیاوی مال ودولت، سونا چاندی، اجناس ومعدنیات کے خزانوں تک جا کر محدود ہوجاتا ہے۔ جب کہ آیت مبارک میں ''ہر چیز'' کے الفاظ میں بہت بہت زیادہ وسعت ہے۔ یعنی کہ علم وحکمت، ظاہری وباطنی علوم، عقل ودانش، فہم وشعور، حافظہ یادداشت، محبت وچاہت، عزت وتکریم، اخلاق وکردار، باطنی دنیا و

روحانیت، عنایات ونوازشات وغیرہم کے خزانے بھی اس میں شامل ہیں۔

یعنی کہ ہم نے اپنی حکمت سے زمین کے لیے جتنی ضرورت محسوس کی وہ زمین پر نازل فرمادی۔ ہمارے تو خزانے ہر کچھ کے لامحدود ہیں۔ ہم جب چاہیں تو اور بھی نازل فرمادیں۔ اور ہم نازل فرماتے ہیں۔ اور نازل فرمانے سے ہمارے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی، وہ حسب سابق پُر ہی رہتے ہیں، بھرے ہی رہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سب سے زیادہ تابعدار کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں سب سے زیادہ مصائب جھیلنے والے، خوشی غمی میں، خوشحالی، بدحالی، بچپن میں، جوانی میں، مبعوث ہونے سے پہلے بھی، غرضیکہ ہر وقت، ہر حال میں، ہر عمر میں اپنے مالک حقیقی کو پکارنے والے اور اسی کی رضا چاہنے والے کو، اس مالکِ حقیقی نے خوش ہو کر کیا کیا نہ دے دیا ہوگا۔ اس نے اپنے بندے کو بہت کچھ دے دیا بلکہ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ اسے سب کچھ دے دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضور انور ﷺ سے قرآن شریف کی تشریح کرائی اور افضل الانبیاء حبیب خدا ﷺ نے اس کا عملی نمونہ دیا جو کہ اُسوۂ حسنہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے والے، اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے مومنین ہیں۔ ان کی پُر خلوص اطاعت ومحبتِ رسول اکرم ﷺ کے سبب اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ جنت میں جانے والے ہیں۔ اپنی رضا اور کرم خصوصی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو مختار کل بنایا ہے۔

قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اور اسی مفہوم کی اور بہت ساری آیات غور طلب ہیں۔ کتنے واضح الفاظ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ فتح آیت 10 میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا○

ترجمہ: ''اور جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اور (بیعت کے لیے جو آپ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ کے اوپر ہے وہ دراصل) اللہ کا ہاتھ ہے اوپر اُن کے ہاتھ کے۔''

سورۂ فتح آیت 18 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان مبارک یوں ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا○

ترجمہ: ''اور اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے (مومنین سے) جب وہ بیعت کرنے لگے آپ سے اس درخت کے نیچے۔''

سورۂ فتح آیت 17 میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان مبارک یوں ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْہُ عَذَابًا اَلِیْمًا○

ترجمہ: ''اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اس کو داخل کرے گا اللہ باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

(جنت الفردوس میں)۔"

سورۂ نساء آیت 80 میں فرمان رب العالمین ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَا عَ اللّٰہَ۔

ترجمہ: "جس نے رسول کی اطاعت کی، حکم مانا، اس نے میری اطاعت کی۔"

سورۂ آل عمران آیت 31 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد یوں ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ للّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہَ۔

ترجمہ: "آپ فرمائیں لوگوں سے اگر تمہیں خواہش ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی تو تم میری راہ پر چلو، میرا اتباع کرو، پھر خود اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

آپ بھی ان آیات مبارکہ پر غور کریں اور عظمت مصطفیٰ، شان خاتم الانبیاء اور مقامِ حبیب خدا ﷺ کو پہچانیں۔ یہ بھی عبادت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہی دو جہان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کرائی ہے۔ اس لیے اگر ہم عظمت حبیب خدا ﷺ کو پہچانیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی پہچان جائیں گے اور وہ دو عالم میں ہم پر مہربان ہوگا، رحم و کرم کرے گا۔

اچھے موثر مختصر ترین انداز میں یعنی کہ دو تین صفحوں میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے سب سے اعلیٰ وارفع مقام، آپ ﷺ کی شانیں، رفعتیں، عظمتیں اور امتیازِ خصوصی کے بارے میں اپنے نکتہ نظر کو آسانی سے سمجھانے کے لیے اور قارئین کرام کے دلوں میں نقش کر دینے کے لیے میں نے یہ چارٹ بنایا ہے۔ امید ہے میرے نقطہ نظر کو یہ خوب سے خوب تر واضح کر دے گا۔

میں نے لامحدود ذات کو اس شعر کے تحت:

ہے اگرچہ وہ منزہ از مکان
دیکھ اس کا اپنے قلب میں نشان

اور اس فرمان مبارک کے تحت کہ اللہ مومن کے دل میں سما جاتا ہے ایک دائرہ مرکز سے ظاہر کیا ہے۔ میری نظر میں تو یہ مرکز بھی لامحدود ہے لیکن جن کو یہ سمجھ نہ آسکے میں ان سے معافی کا طلبگار ہوں کہ میں نے لامحدود ذات پاک کو دائرے سے ظاہر کر دیا۔ اصل میں مجھے اس سے بہتر کوئی اور طریقہ یا اشارہ نظر نہیں آیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان کرانے میں، خود اللہ کی پہچان ہونے میں، اللہ کی عطا کردہ خدائی 99 صفات کا مظہر ہونے میں، ان صفات کا حامل ہونے میں، عقل، سمجھ، دانش، کامیاب حکمت عملی میں، علم، علم غیب، اللہ کی قربت، محبوبیت، عبادات، لگاؤ، عبدیت غرضیکہ ہر خوبی اور ہر عطا میں (عطا پانے میں اور عطا کرنے میں، رحمتیں، برکتیں، نوازشیں، مدد، لطف و کرم پانے میں اور انہیں مخلوق خدا کو عنایت کرنے میں) ہر طرف سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ترین صرف اور صرف حضور انور نبی کریم رؤف و

رحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

ہر دائرے کا ایک دوسرے سے فاصلہ ہے۔ بڑھتے فاصلے کے تناسب سے مندرجہ بالا صفات وخوبیاں دور کے دائروں میں کم ہوتی جاتی ہیں۔ یہ جو ایک دائرے سے دوسرے دائرے کا فاصلہ ہے، میری نزدیک حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا خلاء ہے جس کے فاصلے کو لائٹ ایرز (نوری سال) یعنی کہ روشنی کی رفتار کے سالوں میں ہی ماپا جاسکتا ہے لیکن آپ اسے اپنی سمجھ کے مطابق سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں کلومیٹر یا میلوں کی دوری بھی سمجھ سکتے ہیں۔

آپ اس چارٹ سے اندازہ لگائیں کہ ہمیں عقل و دانش، سمجھ وخوبی سے کیا حصہ ملا ہے؟ ہمارے پاس تو ان کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن ہائے رے انسان کی ناسمجھی کہ ہم اس نہ ہونے کے برابر حصہ عقل و سمجھ کو بھی بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے محبوب رسول کریم، سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں غلط خیالات کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

اللہ

باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

صالحین اُمت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

باقی تمام بنی نوع انس و جان
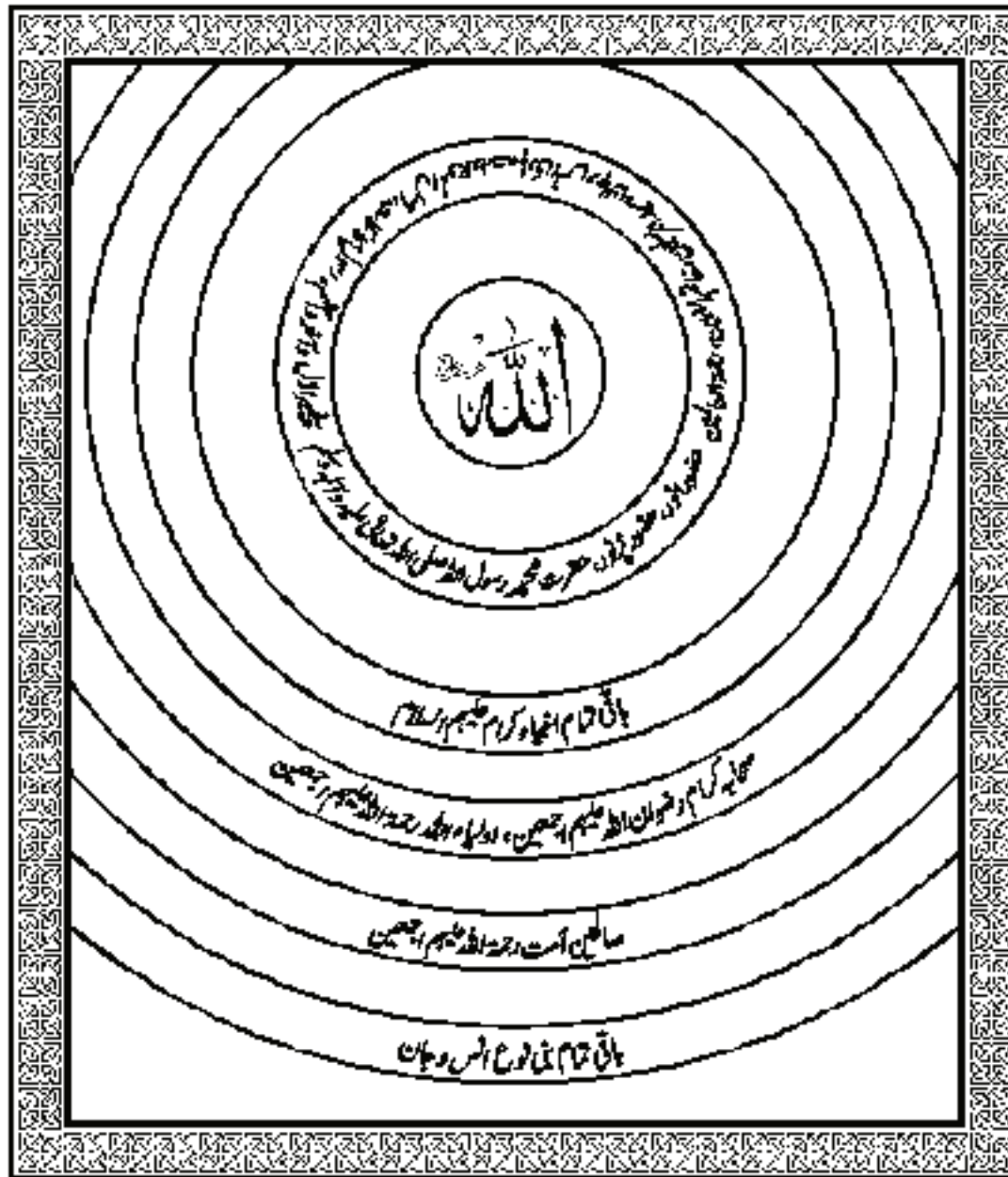
یعنی کہ آپ ﷺ ہر خوبی میں، ہر صفت میں، ہر کمال میں، ہر علم و فضل میں، کائنات کے لئے قاسم ورحمۃ اللعالمین ہونے میں، دو جہانوں میں تصرف میں، غرضیکہ ہر کچھ میں، ہر جہت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ترین ہیں یا اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد اللہ کے حکم و اِذن سے آپ ﷺ ہی کرنا دھرتا ہیں۔

بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر واعظم ﷺ نے فرمایا "مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

❶ ایک ماہ کی مسافت تک کے رُعب سے میری مدد کی گئی۔

❷ تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کی گئی کہ جہاں میرے اُمتی کو نماز کا وقت ہو، نماز ادا کرے۔

❸ میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

❹ مجھے مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا۔

❺ اور انبیاء خاص اپنی اپنی قوم کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا، مندرجہ بالا میں سے مجھے کسی پر بھی فخر نہیں ہے۔ اگر مجھے فخر ہے تو وہ اپنے فقر (دنیا سے بے رغبتی) پر ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن کھانا نہیں کھایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جو کی روٹی نہیں کھائی۔ حالانکہ اگر آپ ﷺ چاہتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا عطا فرماتا رہتا کہ وہم وگمان اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر واعظم ﷺ نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت وصال نہ تو ترکے میں درہم و دینار چھوڑے اور نہ اونٹ بکری وغیرہ۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور انور نبی کریم سرورکون و مکاں تاجدار کائنات ﷺ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔ وصال کے وقت آپ ﷺ کے جنگی ہتھیار تھے، ایک خچر تھا اور کچھ زمین تھی لیکن یہ تمام چیزیں صدقے کے طور پر لوگوں کو عنایت فرما دی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جدائی کے وقت میرے گھر میں صرف تھوڑے سے جو تھے جنہیں میں نے کٹھلیا میں ڈالا ہوا تھا، ان کے علاوہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابوامامہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی

مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر اس لیے بھوکے گزار دیتے کہ گھر میں شام کے کھانے کے لیے کوئی بھی چیز نہ ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ اُمراء کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھاتے۔ آپ کے لیے چپاتی کبھی نہیں پکائی گئی اور بکری کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمانا بھی ناپسند تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ ﷺ آرام فرمایا کرتے تھے، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ سرکارِ دو عالم رسول معظم ﷺ کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا جسے ہم دوہری کرکے بچھادیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک رات ہم نے اس کی چار تہہ کرکے بچھادیا۔ صبح ہوتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہ آج رات میرے لیے کیا بچھایا تھا؟'' ہم نے عرض کیا کہ اسی چادر کی چار تہیں کردی تھیں۔ فرمایا: ''اسے پہلی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج اس کی نرمی نے مجھے نماز سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ جب کبھی چارپائی پر آپ ﷺ آرام فرما ہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسی سے بنی ہوئی ہوتی تو اس سے آپ ﷺ کی کروٹوں میں نشان پڑجایا کرتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اس امر کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا۔ جب کبھی آپ ﷺ رات کو بھوکے سوتے تو اگرچہ ساری رات بھوک کے مارے بےقرار رہتے لیکن یہ حالت بھی دن کو روزہ رکھنے کے ارادے میں حائل نہ ہوسکتی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''آپ ﷺ کی فاقہ کشی کی حالت دیکھ کر بعض اوقات میں رو پڑتی تھی۔''

ادھر آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوتے اور ادھر آپ ﷺ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں، آپ ﷺ دُنیا سے کم از کم اتنا حصہ تو قبول فرمالیا کریں کہ جس سے فاقے کی اذیت نہ اُٹھانی پڑے، تو آپ ﷺ زبان حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دُنیا سے کیا سروکار؟ میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا، حتیٰ کہ دُنیا سے تشریف لے گئے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالک کائنات، رب العزت جل جلالہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صبر وقناعت کے باعث وہ عزوشرف سے نوازے گئے اور اجر عظیم پایا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے اُن سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے یقیناً باعث ندامت ہوگا۔ مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ صرف ایک ماہ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور انور، نبی کریم ، سرکار دو عالم ﷺ اس کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ جب بارگاہِ رسالت میں گزارش کی گئی کہ حضور! آپ اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے اگلوں پچھلوں تک کی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے تو اس فخر انسانیت نے جواب دیا، کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جملہ معمولات میں ہمیشگی ہوتی تھی۔ دوسرا کون شخص ہے جو ایسی طاقت رکھتا ہو؟ آپ فرماتی ہیں کہ حضور پُر نور، سرورِ کون و مکاں ﷺ روزے رکھنے شروع کر دیتے تو ہمیں گمان گزرتا تھا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے اور افطار کرتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب روزے نہیں رکھیں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز پڑھنے میں مصروف ہوئے اور ساری رات ایک آیت کی بار بار تلاوت ہی میں گزار دی۔

حضرت ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور، نبی کریم ، رؤف و رحیم ﷺ اکثر غمناک اور دائم الفکر رہتے تھے۔ آپ ﷺ کو آرام و راحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سرورِ کون و مکاں پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا، میں روزانہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بخشش و مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ دوسری روایت میں ستر مرتبہ کا ذکر ہے۔

سورۂ سبا آیت 28 میں ارشادِ خالق و مالک کائنات ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: ''اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی حالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔''

اس آیت مبارک سے یہ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ:

آپ ﷺ کی رسالت عامہ ہے۔ تمام انسان اس کے احاطہ میں ہیں۔ سب انسان چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہو، بے دین ہو، ملحد ہو، اس زمین پر کہیں بھی ہو، گورا ہو، کالا ہو، بچہ ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، غرضیکہ ہر انسان آپ ﷺ کا اُمتی ہے۔ حضور انور، نبی کریم ، رؤف و رحیم ﷺ ہم سب کے رسول ہیں اور قیامت تک سب کے رسول رہیں گے۔ آپ ﷺ کی رسالتِ مآب سے کوئی بھی انسان و جن و دیگر مخلوقات باہر نہیں ہیں۔

میرے محبوب میں نے تمہیں ایسی رسالت عطا کر کے بھیجا ہے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ تم نے میرا پیغام بہت احسن و کامل طریقے سے میری مخلوق (انس و جاں) تک پہنچا دیا ہے۔ جیسا کہ میں نے اسی آیت میں فرما دیا ہے تمہاری عظمت،

شان ورفعت ومرتبہ کواس دنیا میں بہت لوگ نہیں جانتے، لیکن جب میدانِ حشر سجے گااور تم مقامِ محمود پر فائز ہوگے اور شفاعت عظمیٰ کروگے تو سب انس و جاں "گھیرنے والی رسالت" کا مطلب جان جائیں گے، سب مان جائیں گے اور اے میرے محبوب میں نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تمہیں خوش کروں گا، راضی کردوں گا، یہ اعزاز تم نے اپنی محنت ومحبت سے اس دنیا پر ہی کمالیا ہے۔لیکن یہ تمہارا اعزاز، عظمت، شان ورفعت اس وقت بہت کم لوگوں کو سمجھ آتی ہے، معلوم دیتی ہے۔یہ تو سب کو اُس وقت معلوم دے گی جب تم مقامِ محمود پر کھڑے ہوگے اور شفاعت عظمیٰ کروگے۔اس دن آدم سے لے کر آخری پیدا ہونے والی انسانی روح، انسان تک، سب کی نگاہیں تم پر ہی ہوں گی۔اس دن سب کو یوں لگے گا معلوم دے گا کہ میں نے اپنی خدائی، رحمتیں تمہیں ہی دے دی ہیں اور تم ہی نے اب سب کو انجام تک پہنچانا ہے۔

اس دن تم جو چاہو گے وہ ہوگا، جس طرح چاہو گے اسی طرح ہوگا۔جو مانگو گے میں دوں گا اور یوں میرا وعدہ پورا ہو جائے گا۔اس دن سب ذی شعور تمہاری عظمت، شان و رفعت آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کانوں سے سن لیں گے اور تمہاری عظمت وشان ورفعت سب پر عیاں ہو جائے گی اور اس دن کا قیام بھی اسی مقصد سے ہے، یعنی کہ سب پر تمہاری عظمت شان و رفعت عیاں کرنا مقصود ہے۔

ان معیاروں میں سے، صفات حمیدہ میں سے سمجھانے کی خاطر درج ذیل صرف ایک بطور مثال پیش کر رہا ہوں۔آپ اسے غور سے پڑھیے، بار بار پڑھیے اور اپنے دل میں اندازہ کیجئے کہ کیا یہ ممکن ہے اس معیار کی، اس صفت پاک کی گرد کو بھی کوئی چھو سکے گا؟

اگر آپ کا جواب "نہیں" میں ہے تو یہ سچ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن جیسا کہ اسی آیت پاک کے آخر میں ہے "بہت انسان اس حقیقت کو نہیں جانتے نہیں سمجھ سکتے۔"

تمام صفات حمیدہ میں سے میں جس صفت، خوبی کی مثال دے رہا ہوں۔اس کے پڑھنے سے پہلے یہ جان لیں کہ:

1۔ آپ ﷺ کا یہ فقر اختیاری تھا۔
2۔ آپ ﷺ صحیح معنوں میں ہفت اقلیم کے سربراہ تھے۔
3۔ بلکہ مملکت اسلام کا رقبہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں کئی ہفت اقلیم سما سکتی تھیں۔
4۔ مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ اور سارا علاقہ ہر طرح سے خود کفیل تھا۔
5۔ اللہ کا کرم خاص کہ ہر طرف سے سیم وزر، مال مویشی کی بھرپور آمد جاری تھی۔
6۔ اجتماعی خوشحالی وفراخی سامان زیست کا دور دورہ تھا۔
7۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاں ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے وہاں وہ یقینی طور پر ہادیٔ دو جہاں ﷺ کے حکم واشارہ کے ہر وقت منتظر رہتے تھے۔

8۔ ہر کسی کی خواہش ہوتی تھی کہ اللہ کرے حبیب خدا ﷺ خدمت کا موقع دیں۔

9۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایسے خوشحال لوگوں کی کمی نہ تھی جو تنہا ایک جیش کو تیار کر سکتے تھے۔

10۔ یہ خوشحالی روزافزوں تھی اور اتنی روزافزوں کہ خلیفہ اوّل کے دور میں زکوۃ لینے والے ڈھونڈنے پڑتے تھے اور خلیفہ دوئم کے دور میں تو ''دریائے فرات کے کنارے بھی (مدینہ منورہ سے بہت دور، اسلامی مملکت میں کہیں بھی) ایک کتے کا بھوکے رہنا بھی'' گوارا نہ تھا۔

11۔ ہر چھوٹا بڑا، ہر صحابی ہر وقت دل وجان سے قربان ہوا چاہتا تھا۔

12۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق ومالک وقادر مطلق نے بھی زمین کے تمام خزانے آپ ﷺ کے حوالے کر دیئے تھے۔

اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی کا، اللہ کی رضا میں خود اختیار کردہ ''فقر'' کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ایک درہم تک ملکیت میں نہ نکلا بلکہ گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

قارئین کرام! حضور پرُنور پیغمبر اول وآخر واعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب خاص اور آخری (خاتم النبیین) نبی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت، عبدیت، محبت وقربت میں بھی آپ ﷺ تمام مخلوق سے کہیں زیادہ ہیں، کہیں آگے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی طرح آپ ﷺ کو اپنی صفات کے ننانوے نام عطا فرمائے ہیں اور آپ ﷺ تمام صفات میں کامل ہیں اور تمام جہانوں کے لیے خوبصورت دلکش نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ انسان کامل ہیں، پیغمبر اول وآخر واعظم ہیں۔ اور یہ مرتبۂ خاص صرف اور صرف آپ ﷺ کا ہے اور جو قرآن حکیم کی آیات پاک اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ اصل الموجودات، انسان کامل، حاصل کائنات، سرکار دوعالم، تاجدار کائنات، فخر اولادِ آدم، محبوب رب العالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین یعنی کہ پیغمبر اول وآخر واعظم ہیں۔ آپ ﷺ ہی علم وفضل میں، ہر خوبی میں، ہر کمال میں غرضیکہ ہر کچھ میں ہر جہت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ترین ہیں اور آپ ﷺ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد اس کے حکم، حکمت واذن سے 99 صفات والے، سب کچھ ہیں۔

''فقر'' کا دوسرا نام ''دنیا سے بے رغبتی'' ہے۔ آپ ﷺ کا فقر اختیاری تھا یعنی کہ فقر کو آپ ﷺ نے مالک وخالق کائنات کی خوشنودی کے لئے اپنے شوق وچاہت سے اپنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ بہت بڑی (اپنے مرکز سے ہر اطراف ہزاروں میل پھیلی ہوئی) اسلامی مملکت کے سربراہ تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے زندگی میں بہت زیادہ سادگی اپنائی۔ کم سے کم پر گزارہ کیا۔ فرش پر آرام کرنا، سوجانا، جو کی روٹی کے چند نوالے کھالینا، ایک ہی چادر سے اوڑھنا بچھونا کرلینا، چند مٹی کے برتن اور ایک معمولی گدڑی نما بچھونے کے علاوہ حجرہ میں اور کسی سامان کا نہ ہونا، اور فقر کی اس حالت میں بھی بڑے ذوق وشوق وانہماک سے ساری ساری رات اللہ کے حضور عبادت میں کھڑے کھڑے گزار دینا، لگاتار روزے رکھنا اور پانی اور کھجور سے مہینوں گزار دینا، یہ

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ ہی کی شان ہے، یہ آپ ﷺ کے فقر کی شان ہے۔

آپ ﷺ کو اپنا یہ فقر، دنیا سے بے رغبتی اور اس میں ریاضات وعبادات الٰہی فخر کی حد تک پسند تھے، محبوب تھے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے زہد و فقر کے بارے میں طالب حقیقت کے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ دنیا کے مال ومتاع، آرام و آسائش و آرائشوں سے آپ ﷺ نے ایسے حالات وحالت میں اجتناب فرمایا جب وہ آپ ﷺ کے قدموں میں بکھری پڑی تھیں اور پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں اور آپ ﷺ حقیقت میں ایک بہت بڑی بادشاہت، سلطنت کے بادشاہ تھے۔ پھر بھی آپ ﷺ نے اس بے رغبتی کی حالت میں دُنیا کو خیر باد کہا کہ اس وقت خانگی اخراجات کے باعث آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ تو اپنی آل پاک کے لئے بھی یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! آل محمد ﷺ کو توا تنا رزق دے کہ وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔

دنیا کے لحاظ سے اس بہت مشکل مگر محبوب ترین سنت کو خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے شوق سے اپنایا اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر مالدار بھی تھے تو وہ مال و دولت انہوں نے اشاعت دین متین، صدقہ، خیر وخیرات میں بے دریغ لٹایا اور کسی صورت کروفر کو نہیں اپنایا۔

پھر اس مشکل اور محبوب ترین سنت پر ہر زمانے میں مردانِ حق صلحاً، اولیاء اللہ عمل پیرا ہوتے رہے۔ اس زمانے میں بھی اولیاء اللہ اس سنت محبوب کو دل وجان سے اپنائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے محبوب ﷺ کے صدقے یہ خصوصی نظامِ ولایت قیامت تک اسی شدومد اور شانِ فقر سے چلتا رہے گا۔ یہ نظام اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لئے بنایا ہے کہ اللہ کے یہ مخصوص بندے دین متین میں ستھرائی اور تازگی رکھنے کی خاطر، معیاری اور پُر خلوص اتباعِ رسولِ کریم ﷺ کی جھلک دنیا والوں کو دکھاتے رہیں تا کہ خلق خدا کا ہدایت کی طرف رجحان رہے اور ان کی رہنمائی ہو۔

یہ کتاب بھی بنیادی طور پر فقر، تصوف وروحانیت پر لکھی جارہی ہے اور اولیاء اللہ ان صفات کے حامل ہیں یا انہوں نے اپنی اپنی ہمت وحالات کے مطابق ان صفات کو اپنایا ہے۔ اس لئے اس کتاب میں اب انہی کا ذکرِ خیر ہوگا۔

اولیاء اللہ کے بارے میں مختصر ترین الفاظ میں یہ گزارش ہے:

❶ یہ دین، شریعت وقرآن قیامت تک کے لیے ہیں، اس لیے حکمت رب العالمین کے تحت پوری دنیا میں ہر معاشرہ اور ہر دور میں اولیاء اللہ کا صفحۂ ہستی پر موجود ہونا اللہ کی رضا اور اللہ کا امر ہے۔

❷ ان کا وجود اتنا ہی ٹھوس حقیقت ہے جتنی کہ یہ حقیقت کہ میں اور آپ اپنے ماں باپ کے ملاپ کے بعد اپنی ماں کے بطن سے اس دنیا میں آئے ہیں۔

❸ ان کی پہنچ میں جیسے ساری زمین ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ آسمانوں میں بھی پرواز کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اپنے محبوب ﷺ کے صدقے کے، حقائق ورازوں سے آگاہ کرتا ہے۔

❹ اور یہ بھی ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ روحانیت کے عملدار (پنجتن پاک صحابہ کرام اولیاء اللہ) جس کو علم سے نوازنا چاہیں اسے وہ چند سیکنڈوں کے دورانیہ کے مبہم سے خواب میں کئی سالوں کے حاصل کردہ علم سے کہیں زیادہ علم دے جاتے ہیں بلکہ لب ہلائے بغیر ایک نظر کرم سے علم عطا فرما دیتے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، آرِنی بِجَمَالِکَ

☆......☆......☆......☆......☆
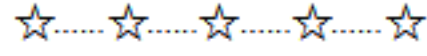
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اسم مبارک

آپ کا آبائی اسم گرامی عبداللہ ہے۔ آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔ صدیق اور عتیق آپ کے معز زلقب و القاب ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عثمان تھا، اور ان کی کنیت ابو قحافہ تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی سلمٰی تھا، اور اُن کی کنیت اُمّ الخیر تھی۔ آپ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں "مرہ" پر پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، اصل الموجودات، سرکار دو عالم، رہبر کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں، رہبر کائنات فخر اولاد آدم، اصل الموجودات، عالم خفا و غیوب، سرکار دو عالم، ہادی انس و جان، پیغمبر بحر و بر، سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، حاصل کائنات، انسانِ کامل، حضور انور، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا:

1. پیغمبروں کے سوا سورج ابوبکر سے بہتر کسی انسان پر طلوع و غروب نہیں ہوا۔
2. جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا، میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا۔
3. اگر میں اللہ کے سوا انسانوں میں سے کسی کو دوست بناتا، تو ابوبکر کو بناتا۔
4. میری اُمت میں سے ابوبکر سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔
5. میں نے سب کے احسانوں کا بدلہ چکا دیا ہے لیکن ابوبکر کے احسانات مجھ پر باقی ہیں۔

اور یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت مبارک 40 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے۔

ترجمہ: "اگر تم میرے حبیب کی امداد نہیں کرو گے تو اللہ نے ان کی مدد کی جب کافروں نے انہیں نکالا صرف دو میں سے دوسرے تھے، جب دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے، غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اسی طرح سورۂ زمر کی آیات 33 اور 34 میں ارشاد رب العالمین ہے:

ترجمہ: "یہ سچ لے کر تشریف لائے اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی، وہی ڈرو الے ہیں۔"

آپ کی عظمت وفضیلت کے اظہار میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

سرکارِ دو عالم پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا:

"کسی شخص کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا فائدہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔"

آقائے کائنات، سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"غارِ ثور میں تم میرے ساتھ رہو اور حوضِ کوثر پر بھی تم میرے ساتھ رہو گے۔"

حضورِ پُرنور، رحمۃ اللعالمین ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تجھے اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔"

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی دن سے میرے والد محترم کا نام عتیق پڑ گیا۔"

زمانہ، ہم عصر:

آپ ﷺ کی عمر اعلان نبوت کے وقت تقریباً اڑتیس (38) سال تھی یعنی کہ آپ حضورِ پُرنور، نبی کریم ﷺ سے عمر میں تقریباً دو سال چھوٹے ہیں۔ یعنی کہ آپ سن 52 قبل ہجری بمطابق 572 عیسوی میں مکہ میں پیدا ہوئے۔

آپ اسلام سے قبل ایک خوشحال تاجر تھے اور آپ کی دیانتداری، راست بازی اور شرافت کا خاص شہرہ تھا۔ جاہلی رسم و رواج سے سخت نفرت تھی۔ حضورِ انور ﷺ کے ساتھ بچپن ہی سے خاص اُنس و خلوص تھا اور آپ ﷺ کے حلقۂ احباب میں داخل تھے۔

جب حضورِ پُرنور ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوئی تو مردوں میں سے آپ نے سب سے پہلے بیعت کی، اسلام قبول کیا۔ پھر تبلیغ، نشر و اشاعتِ دینِ متین میں آگے آگے رہے۔ حضورِ پُرنور ﷺ کے دفاع میں بھی آگے آگے رہے۔ آپ نے درجنوں مسلمان غلاموں، لونڈیوں کو ان کے ظالم مالکوں سے خرید کر آزاد کیا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضورِ پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے آپ کو ہجرت کے وقت ہمراہی کا شرف بخشا اور یوں آپ ہر لحہ ہر ساعت دورانِ ہجرت بھی ہادیٔ دو جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ رہے۔ تمام غزوات و مہمات میں آپ نے شرکت فرمائی اور حضورِ انور ﷺ کا دستِ راست بن کر رہے۔

12 ربیع الاوّل سن 11 ہجری کو پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد اُمتِ مسلمہ کو خلفشار سے بچایا اور پھر مؤمنین نے آپ کو بطور امیر المؤمنین اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لئے چن لیا۔ آپ خلفائے راشدین میں سے پہلے خلیفۃ الرسول ہیں۔ آپ نے ہو بہو حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے نقشِ قدم پر اُمت کی رہنمائی کی۔ سلطنتِ اسلام کو استحکام اور وسعت دی۔ آپ نے سوا دو سال خلافت کی۔ آخری ایام میں بخار کے مرض میں مبتلا ہوئے اور وہی جان لیوا ثابت ہوا۔

پہلے خلیفۃ الرسول، امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سوموار کے دن ترسیٹھ (63) سال کی عمر میں اواخر ماہ

جمادی الاوّل 13 ہجری بمطابق ماہ اگست 634ء کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون آپ کو پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آپ حُب و احترام اہلِ بیت، آلِ رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ ان کی خدمت آپ کی اولین ترجیح تھی۔

حالات، مناقب، ارشادات:

قارئین کرام! حالات، واقعات اور مناقب وغیرہ کا ضرورت کے مطابق میں نے مندرجہ بالا میں بیان کردیا ہے۔ کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اب درج ذیل میں آپ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے فقر، درویشی، تصوف اور روحانیت کا ذکر مبارک ہوگا۔

تصوف کے متعلق بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے کہ تصوف سراپا اخلاق ہے۔ سراپا ادب ہے۔ تصوف نیک خصلتوں کا نام ہے۔ تصوف بلندی کردار کا نام ہے۔ تصوف میں لغویت نہیں۔ صوفی اپنے ظاہر اور باطن کو نہیں دیکھتا بلکہ سراسر اپنے رب کو دیکھتا ہے۔ ایک حدیث مبارک ہے:۔ ''اُون کے موٹے کپڑے پہنو۔ اس سے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے۔'' حضور پُر نور ﷺ خود اُون کے موٹے کپڑے پہنتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسی گدڑی تھی جس میں تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پیوند لگی گدڑی اوڑھتے تھے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ بھی پیوند لگا لباس پہنتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی آغاز میں گدڑی پہنتے تھے۔ بعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ خواب میں ملے اور انہیں خلوت نشینی سے روک دیا کیونکہ مستقبل میں وہ دینِ حق اور امت مسلمہ کے لیے علم و حکمت کے حوالے سے بہت بلند کردار ادا کرنے والے تھے۔

شیخ الاسلام، خیر الانام بعد از انبیاء علیہم السلام، امام و سید اہل درویش، و شہنشاہِ ارباب فقر، امیر المومنین حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ حقائق و معارف میں آپ کی کرامات مشہور اور علامات و شواہد ظاہر ہیں۔ آپ کی صوفیانہ زندگی کے کچھ حالات یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ کی طرف سے روایات کے کم ہونے کی وجہ سے مشائخ عظام آپ کو اربابِ مشاہدہ کا سردار قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اربابِ مجاہدہ کا پیشوا سمجھتے ہیں۔

مشاہدہ سے مراد ذاتِ حق کا قرب و وصال ہے اور مجاہدہ سے مراد حصولِ قرب کی جدوجہد ہے۔ لیکن یہ مشاہدہ روحانی یا باطنی آنکھوں سے ہوتا ہے نہ کہ جسمانی بصارت سے۔ عرفاء کا قول ہے: مَنْ جَھدَ وَجَدَ (جس نے جدوجہد کی اس نے پایا)۔ لہٰذا مجاہدہ ذریعہ ہے اور مشاہدہ مقصود بالذات ہے۔

احادیث میں آیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کے وقت نماز میں قرآن پڑھتے تو دھیمی آواز (پست آواز) سے تلاوت کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقابلتاً قدرے بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔ جب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ دھیمی، پست آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہو؟ تو انہوں نے

جواب دیا کہ ''اسمع من اناجیہ (جسے میں پکارتا ہوں وہ سنتا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ''**اوقظ الوسنان ای النائم واطرد الشیطان**'' (سوتوں کو جگانے کے لئے اور شیطان کو بھگانے کے لئے)۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول مشاہدہ پر مبنی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مجاہدہ پر اور مقام مشاہدہ کے مقابلہ میں مقامِ مجاہدہ ایسے ہے جیسے سمندر میں قطرہ۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''**ھل انت الا حسنة من حسنات ابوبکر**'' (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کا ایک حصہ ہے) حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلندیٔ مقام کا یہ حال ہے کہ آپ کے دم سے عزت اسلام قائم ہے۔ اس سے باقی لوگوں کے مقامات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کیا تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''**دارنا فانیة واحوالنا عاریة وانفسنا معدودة وکسلنا موجودة**'' (ہماری دنیا فانی ہے، ہماری زندگی عاریۃً (اُدھار) ہے، ہماری سانس گنے ہوئے ہیں اور ہماری غفلت ظاہر ہے)۔ لہٰذا سرائے فانی میں مقام کرنا جہالت ہے، اور عاریتی زندگی کا بھروسہ بے سود، اور گنتی کے چند سانسوں پر اعتماد کرنا غفلت ہے۔ کیونکہ ہر چیز عاریۃً ملی ہے وہ جلدی واپس لے لی جائے گی اور جو چیز فانی ہے باقی نہیں رہتی۔ اور جو چیز گنتی میں آ سکتی ہے ختم ہو جاتی ہے اور غفلت کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے ہمیں متنبہ فرمایا ہے کہ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں، کہ جس کے ساتھ آدمی دل لگا کر بیٹھ جائے۔ کیونکہ جب تو فانی میں مشغول ہو جاتا ہے تو باقی (اللہ تبارک وتعالیٰ) سے محجوب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نفس اور دنیا دونوں طالب کے لئے حجاب بن جاتے ہیں اللہ اور اس (طالب) کے درمیان۔ اس لئے عاشقانِ الٰہی ان دونوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز عاریۃً ملتی ہے وہ کسی اور کی ملکیت ہوتی ہے اور دوسروں کی ملکیت میں دست درازی کرنا عقلمندی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آپ نے یوں دعا کی: ''**اللّٰھمّ البسط لی الدنیا و زھدنی عنھا**'' (اے اللہ! میرے لئے دنیا فراخ کر اور پھر مجھے اس کی آفت سے محفوظ رکھ)۔ پہلے آپ نے دنیا کی فراخی کی دعا مانگی اور پھر اس سے پناہ مانگی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مجھے دنیا عطا کر تا کہ اس کا شکر ادا کروں اور پھر اس کو صرف کر کے نیکی کماؤں۔ اور دنیا کے ہونے اور نہ ہونے میں شکر اور صبر دونوں نعمتوں سے سرفراز ہو سکوں۔ اور مفلسی کی حالت میں اضطرار سے بچ سکوں۔ اور فقر کو مضبوطی سے پکڑوں۔

حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فقر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''میں سمجھتا ہوں کہ فقر اس وقت افضل ہوگا جب دولت کی حالت میں فقیری کی خواہش دل پر غالب آ جائے اور انسان محبوبِ دنیا سے دل کو ہٹا دے نہ کہ اس وقت جب آدمی مفلس ہے اور دولت کی تمنا اسے امراء اور سلاطین کے درباروں میں جانے پر مجبور کرے۔ لہٰذا بہتر فقر وہ ہے جو غنا کو ترک کر کے اختیار کیا جائے نہ کہ مفلسی میں غنا طلب کرے۔

چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیا علیہم السلام کے بعد بہترین خلائق ہیں اس لئے کسی کا مشرب آپ کے مشرب سے

زیادہ بلند نہیں ہوسکتا۔لہذا فقر اضطراری سے فقر اختیاری افضل ہے اور تقریباً تمام مشائخ طریقت کا یہی مسلک ہے۔

فقر اختیاری یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر مال خرچ کر دے اور نادار بن جائے اور فقر اضطراری یہ ہے کہ مجبوراً فقر اختیار کرنا پڑے۔پہلی صورت میں فقیر اپنے فقر کا پیدا کرنے والا ہے اور اس پر غالب ہے۔جب کہ دوسری صورت میں فقر غالب اور فقیر مغلوب۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ خلافت کے بعد پہلا خطبہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیا یہ تھا: "**واللّٰہ ما کنت حریصا علی الامارۃ یوما ولا لیلۃ قط ولا کنت فیھا راغبا ولا سألتھا اللّٰہ قط فی سر و علانیۃ و مالی فی الامارۃ من راحۃ**۔" (خدا کی قسم مجھے خلافت کا ہرگز حرص نہ تھا اور نہ کسی دن یا رات کو میرے دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور نہ مجھے اس کی کوئی رغبت تھی۔اور نہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ظاہر یا باطن میں اس کی تمنا کی اور نہ مجھے اس سے کوئی خوشی ہوئی ہے۔)

جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے غلاموں کی یعنی عام اولیاء اللہ کی یہ حالت تھی اور ہے کہ بادشاہی کو ٹھکرا کر فقیری اختیار کرتے رہے تو آغوش نبوت کے پروردہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں کس طرح حصولِ دُنیا کی خواہش داخل ہوسکتی تھی۔اگر ان کو خلافت کی تمنا ہوتی تو خلیفہ بن کر اپنی دُنیا سنوارتے،اور امراء و سلاطین کی طرح زندگیاں بسر کرتے۔لیکن خلفاء راشدین کے فقر اور ناداری کا یہ حال تھا کہ جو کی روٹی کے سوا نہ کھاتے تھے اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر خلافت،بادشاہی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی بندہ کو کمال صدق کے مقام پر فائز کرتا ہے اور اسے مقام تمکین پر متمکن رہتا ہے تو وہ بندہ پھر فرمانِ الٰہی کا منتظر رہتا ہے کہ آیا اسے فقیری کا حکم ملتا ہے یا امیری کا۔اگر فقیری کا حکم صادر ہوتا ہے تو وہ بندہ فقر اختیار کرتا ہے اور اگر امیری کا حکم ہوتا ہے تو وہ امارت اختیار کرتا ہے۔اور وہ اس میں اپنے تصرف یا (صوابدید) کو دخل نہیں دینے دیتا۔جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابتداء سے انتہا تک فقر اور تسلیم و رضا کو پسند کیا۔اس لئے اولیاء کرام کا جن کے امام اور مقتدا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں،بھی یہی فقر و تسلیم و رضا مسلک ہے اور وہ امارت و ریاست کی تمنا نہیں کرتے۔

شیخ الاسلام،خیر الانام بعد از انبیاء علیہم السلام،مقتدائے فقر و درویش،امامِ اولیاءِ کرام، خلیفۃ الرسول،امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تریسٹھ(63) سال کی عمر میں اواخر ماہ جمادی الاوّل سن 13ھ بمطابق اگست 634ء کو بروز پیر مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو حضور پُرنور، نبی کریم،رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن کیا گیا۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عمر ہے۔اور آپ کی کنیت ابوحفص ہے۔آپ کا معزز لقب فاروق، فاروقِ اعظم ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی خطاب تھا اس لئے آپ کو عمر ابن خطاب کے اسم گرامی سے بھی پکارا، لکھا جاتا ہے۔آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک خلتمہ، ختمہ یا خنثمہ بنت ہشام تھا۔آپ کی والدہ ماجدہ ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی صاحبزادی تھیں۔آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور، نبی کریم، روؤف و رحیم، حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، حاصل کائنات، انسان کامل، پیغمبر بحر و بر، رسول کائنات، عالمِ خفا و غیوب، سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین، سرکار دو عالم، محبوب ربّ العالمین، ہادی انس و جان، شفیع المذنبین، حضور انور، حضور پُرنور، نبی کریم، روؤف و رحیم حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا:

❶ ــــ اگر بالفرض میرے بعد نبی ہوتا، تو عمر بن خطاب ہوتے۔

❷ ــــ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عمر کے دل اور زبان پر حق رکھ دیا ہے۔

❸ ــــ عمر! تحقیق شیطان تم سے ڈرتا ہے۔

❹ ــــ عمر، تمہارے اور فتنوں کے درمیان مضبوطی سے بند ہونے والا دروازہ ہے۔

❺ ــــ عمر بن خطاب اہل جنت کے سراج ہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو جبریل امین علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہوئے۔

ترجمہ:۔"اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔"

غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کا مشورہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بہتر تھا۔سورۂ انفال کی آیت مبارک 67 میں اس سے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

ترجمہ:۔"کسی نبی کے لئے مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خون ریزی نہ کر لے۔"

ابن مردویہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو رائے دیتے تھے قرآن حکیم اسی کے موافق نازل ہوتا تھا۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناتے ۔اس کے بعد ہی یہ آیت قرآن نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔"اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔"(سورۂ بقرہ آیت 125)

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اے رب العالمین، بہتر ہے کہ مسلمانوں پر شراب حرام ہو جائے ورنہ ایسی چیز کے ہوتے ہوئے مسلمان تجھ سے غافل ہو جائیں گے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا۔

ترجمہ:۔"تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔"(سورۂ بقرہ، آیت 219)

ابتداءِ اسلام میں ماہِ رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ہم بستری (صحبت) کرنے کی ممانعت تھی ۔آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں سے پورے ماہ کی پابندی نہ ہو سکے گی، کیا ہی اچھا ہو کہ رمضان کی راتوں میں مسلمانوں کے لئے اپنی زوجہ سے صحبت کرنے کی اجازت ہو جائے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس کی اجازت دے دی۔

ترجمہ:۔"روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا، وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔"(سورۂ بقرہ، آیت 187)

مستند تفاسیر میں حدیث ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھانے کے موقع پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:"یا رسول اللہ ﷺ! یہ منافق تو ساری عمر آپ کی توہین کرتا رہا پھر آپ ایسے منافق (عبداللہ بن ابی) کی نماز جنازہ کیوں پڑھاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں ان کی بخشش کی دعا کروں یا نہ کروں۔چنانچہ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور پُر نور ﷺ پر قرآنِ حکیم کی یہ آیت نازل فرما کر ہمیشہ کے لئے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے اور ان کی قبر پر کھڑا ہونے کی ممانعت فرما دی۔

ترجمہ:۔"اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔"(سورۂ توبہ آیت 84)

اسی طرح سورۂ نور کی آیت 16، اور 27 اور سورۂ احزاب کی آیت 53 اور سورۂ تحریم کی آیت مبارک 5 کا نزول بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے، سوچ اور دُعا کے موافق ہوا۔

آپ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

سرکاردو عالم نے ارشاد فرمایا: "اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔" اس حدیث مبارک میں آپ کی فضیلت کا عظیم الشان بیان ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا "میں بلاشبہ نگاہِ نبوت سے دیکھ رہا ہوں کہ "جن" کے شیطان بھی اور "انسان" کے شیطان بھی دونوں میرے عمر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔" ماشاء اللہ کیا شان ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔

مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 426 میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا "عمر مجھ سے ہیں اور میں عمر سے ہوں اور عمر جس جگہ بھی ہوتے ہیں حق اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ سرکاردو عالم ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے اُمتوں میں محدث ہوئے ہیں، اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔"

پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چار وزیروں سے تقویت دی ہے۔ دو آسمان والے جبرائیل اور میکائیل اور دو زمین والے ابوبکر اور عمر۔"

سید المرسلین حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا:

"میری اُمت میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں۔"

زمانہ، ہم عصر:

اعلانِ نبوت کے وقت آپ اپنی عمر کے ستائیسویں (27) سال میں تھے۔ یعنی کہ آپ رحمۃ اللعالمین ﷺ سے تقریباً 13 سال چھوٹے ہیں۔ یعنی کہ آپ 40 ق ھ بمطابق 583ء میں پیدا ہوئے۔

آپ اسلام لانے سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ کیونکہ آپ کے خاندان میں تعلیم تھی اس لئے زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا خاندان سفارت کاری میں ممتاز تھا۔ آپ نے جوانی میں نسب دانی، پہلوانی خطابت و شہ سواری میں کمال حاصل کیا۔

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل (عمرو) اور عمر بن خطاب دونوں ہی دینِ اسلام اور بانیٔ دین اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اعلانِ نبوت کے پانچ سال بعد یعنی سن 6 نبوی میں ایک روز پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں دست مبارک اُٹھا کر یہ التجا کی۔

ترجمہ:۔ "اے اللہ! ان دو آدمیوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے جو تجھے پسند ہے اس سے دین کو عزت عطا فرما۔"

یہ دعا قبول ہوئی۔ دوسرے ہی دن اس دعا نے عمر بن خطاب پر کمند ڈالی اور اس نے حضور پُر نور ﷺ کے قتل کے ارادے

سے گھر سے باہر قدم نکالے ۔دعا کی کمندا سے اپنے بہنوئی اور سگی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئی ۔وہیں دین اسلام کی حقانیت آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور پھر حاضر خدمت اقدس ہو کر دین اسلام قبول کرلیا ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ پر نگاہِ پُر جمال وجلال ڈال دی ۔اس نگاہ کرم کے پڑتے ہی اس کی طلب وتوانائیاں بہت بڑھ گئیں ۔اسی دن حرم مکہ میں مسلمانوں نے مشرکین کی موجودگی میں اطمینان سے عبادت کی اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشرکین کی محفلوں جاجا کر بتادیا کہ اب پیغمبر اول وآخر واعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں اب کوئی مشرک مسلمانوں کو تنگ کرنے کی اور حرم میں عبادت سے روکنے کی جرأت نہ کرے ۔

جس دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایمان لائے اسی دن دین اسلام بھی پردے سے نکل کر سب کے سامنے آ گیا ۔حرم مکہ میں مشرکین کے سامنے مسلمانوں نے اطمینان سے عبادت کی ،نماز ادا کی اور اسی دن آپ رضی اللہ عنہ کو پیغمبر اول وآخر واعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فاروق''''فاروق اعظم'' کے معزز ومعطر القاب سے نواز دیا ۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام کھل کر سامنے آ گیا اور اس کی دعوت اعلانیہ دی جانے لگی ۔

جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو مشرکوں نے کہا ،آج یہ لوگ ہمارے برابر ہو گئے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت مبارک نازل فرمائی ۔

ترجمہ:۔''اے نبی ،تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں ۔''

جب سن 13 نبوی میں آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کیا تو مشرکین کو پہلے بتادیا کہ میں ہجرت کر رہا ہوں جس میں دم خم ہو وہ میرا راستہ روک کے دیکھے ۔اور کسی مشرک کو آپ کے آڑے آنے کی ہمت نہ ہوئی ۔

آپ نے تمام غزوات ومہمات میں شرکت فرمائی اور ہر مشکل گھڑی میں حضور پُر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے ۔آپ اپنے عزم واستقلال ،دینی ہیبت ،انتظامی قابلیت اور اصابت (مفید وکارآمد) رائے کی وجہ سے پیغمبر اول وآخر واعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر اور بارگاہِ رسالت مآب میں معتبر ہوتے چلے گئے ۔یہ اسی قربت ،تربیت ،نگاہِ کرم ،دست شفقت اور دعاؤں کا عظیم اثر تھا جس نے آپ کے نام کو عہد نبوی ،عہد صدیقی اور اسلام کی زندگی میں قوت ،انصاف ،رحمت واحسان کا مجموعی نشانِ عظمت ورفعت اور آپ کے اپنے دورِ خلافت کو اسلامی سلطنت کا ہی نہیں بلکہ انسانی تہذیب کی تاریخ کا ہر پہلو میں سب اعلیٰ ،ممتاز ،بے داغ ،مثالی ،زریں ترین دور بنادیا ۔

آپ اُمت مسلمہ کے اور خاص طور پر اہل بیت اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر خلوص خادم تھے ۔آپ رضی اللہ عنہ کو ان کا بہت ادب واحترام تھا ۔جب خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اواخر جمادی الاول 13 ھ کو وصال ہوا تو اس کے بعد آپ (حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) مسند آرا خلافت ہوئے یعنی کہ آپ خلیفۃ الرسول ،امیر المومنین ہوئے ۔

آپ کے زمانہ خلافت میں بہت فتوحات ہوئیں، اسلامی سلطنت کو بہت وسعت ملی۔ اسلام ایران اور شام میں بھی، ان کی حدوں سے باہر بھی دور دور تک پھیل گیا۔ عوام خوشحال و پرسکون ہو گئے۔ بیت المقدس فتح ہو گیا۔ جس فقر، درویشی اور سادگی کی حالت میں آپ وہاں تشریف لے گئے وہ دین اسلام کا امتیاز ہے۔ تصوف، فقر و درویشی کی سربلندی ہے، اس کی تبلیغ ہے، پرچار ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام جس کا نام فیروز تھا اور جس کی کنیت ابولؤلؤ تھی نے نماز فجر میں آپ پر اچانک خنجر سے چھوار کئے۔ تین دن ان زخموں کی وجہ سے تین دن بیمار رہ کر یکم محرم 24ھ بمطابق 7 نومبر 644ء کو بروز ہفتہ آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

قارئین کرام! حالات، واقعات اور مناقب وغیرہ کا ضرورت کے مطابق میں نے مندرجہ بالا میں ذکر کر دیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب تصوف و روحانیت پر لکھی جا رہی ہے۔ اس لئے اس میں اس سے زیادہ مفصل تاریخی واقعات کا لکھا جانا غیر ضروری ہے۔ اب درج ذیل میں (حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کے فقر، درویشی، تصوف و روحانیت کا ذکر مبارک ہو گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ کہا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ارباب مجاہدہ کہا ہے۔ نماز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلاوت دھیمے لہجے میں فرماتے۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز میں قرآن پاک کی تلاوت مقابلتاً بلند آواز سے فرماتے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور انور، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ نرم لہجے میں جو تلاوت کرتے ہو اس کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ (اللہ) خوب سنتا ہے اور خوب جانتا ہے۔ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے غائب نہیں ہے۔ بلند یا نرم لہجہ وہ خوب سنتا ہے۔ اس لیے دونوں لہجے برابر ہیں۔ سرکار دو عالم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا۔ تم بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: سوئے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول مشاہدہ پر مبنی ہے اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول مجاہدہ پر مبنی ہے۔ مشاہدہ سے مراد ذات حق کا قرب و وصال ہے اور مجاہدہ سے مراد حصولِ قربِ حق کی جدوجہد ہے۔ مقامِ مشاہدہ کے مقابلے میں مقامِ مجاہدہ ایسے ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کا ایک حصہ ہے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلندی مقام کا یہ حال ہے کہ آپ کے دم سے عزت اسلام قائم ہے۔

اس فرمان پاک کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منزل کو دیکھا جائے کہ جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور بلند پایہ ہستی والے سمندر میں ایک قطرے کی حیثیت میں ہیں تو اور لوگ کس شمار میں ہیں۔

آپ اتنی بڑی سلطنت کے سربراہ ہوتے ہوئے راتوں کو پہرہ دیتے تھے اور حاجتمندوں کی حاجت پوری کرتے تھے۔

ان کے لئے مطلوبہ سامان خود اپنی پیٹھ پر اُٹھا لاتے تھے اور انہیں یہ خبر نہ ہونے دیتے تھے کہ آپ ؓ امیر المومنین اور خلیفۃ الرسول ہیں۔

آرام کرنے کی خاطر کہیں بھی زمین پر لیٹ جاتے تھے اور سر کے نیچے سرہانے کے طور پر پتھر یا اینٹ لگا لیتے تھے اور اتنی بڑی سلطنت کے سربراہ ہوتے ہوئے بَو کی خشک روٹی کھاتے تھے۔

جب بیت المقدس فتح ہوا تو آپ ؓ وہاں تشریف لے گئے۔ سفر بہت سادگی سے کیا، جب وہاں پہنچے تو اس وقت اونٹ پر سواری کی باری خادم کی تھی اس لئے آپ نکیل پکڑے پیدل آگے جارہے تھے۔ کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے اور آپ اپنے اس فقر و درویشی پر بہت مطمئن تھے اور ان ہی کپڑوں میں آپ کی جلالت کی وہ شان تھی کہ سب مرعوب تھے، دم بخود تھے اور آپ کی عزت و تکریم میں جھکے ہوئے تھے۔

آپ ؓ کی فہم و فراست پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ خلیفہ دوئم فرماتے تھے کہ بدوں کی ہم نشینی سے گوشۂ تنہائی میں راحت ہے۔ کیونکہ خلقت سے علیحدگی اختیار کرنے کا تعلق دل سے ہے، ظاہریت سے نہیں۔ جس کا دل خلقت سے الگ ہو گیا اسے مخلوق سے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ ایسا انسان خلقت میں رہتے ہوئے، ان کے حقوق و فرائض ادا کرتے ہوئے، دلی طور پر ان سے الگ رہتا ہے۔ خلقت سے اس کے ارادے اور راستے جدا ہوتے ہیں۔ یہ درجہ بہت بلند ہے اور بعید از قیاس ہے۔ اور اہل طریقت کے لیے یہی روش سازگار ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ اسی مقام پر فائز تھے۔ آپ بظاہر خلقت کے درمیان رہتے حکومت اور خلافت کے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے کہ تاریخ انسانی میں آج تک ان کا جواب نہیں ملتا، مگر آپ کا دل تنہائی میں راحت پاتا تھا۔ اہل باطن بظاہر خلق خدا میں رچے بسے ہوتے ہیں مگر دل اپنے رب کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ ان کا خلق (دنیا) میں رہنا سہنا، ملنا جلنا بھی عبادت اور حق کی قربت میں شمار ہوتا ہے۔

آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے پر حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''سرکار دو عالم ﷺ! آسمان والے آج حضرت عمر ؓ کے اسلام پر آپ ﷺ کو مبارک اور خوشی کا پیغام دیتے ہیں۔ صوفیائے کرام گدڑی پہنے، یعنی موٹا اور پیوند لگا لباس پہننے اور دین میں سختی اختیار کرنے میں آپ ؓ کی پیروی کرتے ہیں۔ اس قسم کے صوفیانہ امور میں آپ ؓ سارے جہان کے امام ہیں۔

سپہ سالارِ ایمان و سردارِ اہلِ احسان، امام اہل تحقیق، واندر بحر محبت غریق، حضرت ابو حفص عمر ابن الخطاب ؓ کرامات میں مشہور، فراست اور اصابت میں معروف ہیں۔

تصوف و طریقت میں آپ ؓ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''**الحق ینطق علٰی لسان عمر** '' (عمر کی زبان پر حق تعالیٰ بولتا ہے۔) نیز فرمایا: ''**قد کان فی الامم محدثون فان یک منھم فی امتی فعمر** '' (اگلی اُمتوں میں محدث ہوئے ہیں اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو عمر ؓ ہے)

اور ''محدث'' سے مراد وہ بزرگ ہے جو باطنی بصیرت کی بناء پر فیصلہ دے اور آنے والے واقعات کی بھی خبر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال طریقت بہت لطیف ہیں جو پوری طرح اس کتاب میں بیان نہیں کئے جا سکے۔آپ فرماتے ہیں: **العزلة راحة من خلطاء السوء**۔''بُری صحبت سے عزلت (گوشہ نشینی) بہتر ہے۔''

عزلت (گوشہ نشینی) کی دو اقسام ہیں اول خلقت سے اعراض دوم خلقت سے قطع تعلق۔

اعراض از خلق کا یہ مطلب ہے کہ خلق کی صحبت چھوڑ کر تنہائی میں بیٹھ جائے اور خلق خدا کے عیوب پر نظر کرنے کی بجائے اپنے عیوب کو دیکھے۔لوگوں کے شر سے محفوظ رہے اور اپنے شر سے لوگوں کو بچائے۔لیکن خلقت سے قطع تعلق یا انقطاع از خلق کا مطلب یہ ہے کہ خلق کے درمیان رہے لیکن دل خلق خدا سے نہ لگائے اور دنیا کی کوئی چیز اسے نہ لبھا سکے۔اور ہر وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کا خیال اس پر غالب رہے۔اس وقت اگر چہ وہ خلق خدا کے درمیان ہوتا ہے لیکن وہ خلق خدا سے بالکل بیگانہ ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی چیز اسے فریفتہ نہیں کر سکتی۔یہ مقام بہت بلند اور محنت طلب ہے۔اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام ہے کہ بظاہر خلق کے درمیان رہ کر خلافت اور امارت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور بباطن اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ پیوست تھے۔اور اہل باطن کے مقام کا یہی خاصہ ہے کہ بظاہر خلق کے ساتھ رہتے ہیں اور بباطن اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں اور ہر حال میں اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

اس دائمی توجہ کو قرآن عظیم میں صلواۃِ دوام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: '' **اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ** ''۔لیکن علمائے ظواہر (جن کا علم اور سوچ ظاہری اور سطحی ہوتے ہیں) اس آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ پنجگانہ نماز پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے اس مفہوم سے دوام کا مفہوم ختم ہو جاتا ہے جو آیت مذکور کی روحِ رواں ہے۔دائمی کا مطلب ہے بلا تعطل۔ ہر وقت ،ہر حال میں ہر جگہ بغیر کسی وقفے کے۔مشائخ عظام اس حال کو مراقبۂ ذات کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتے۔

خلق کے ساتھ جتنی دیر اُن کو رہنا پڑتا ہے اسے یہ حضرات آفت و بلا تصور کرتے ہیں اور اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔کیونکہ دنیا اہل اللہ کو راس نہیں آتی۔جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ''**دار اسست علی البلای بلابلوی محال**۔'' (دنیا کی بنیاد بلا ہے اور بلا میں سکون محال ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار خواص صحابہ کرام میں ہوتا ہے اور آپ کے تمام تر افعال بارگاہِ اللہ تبارک وتعالیٰ میں مقبول تھے۔ حتیٰ کہ ابتدائے اسلام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ: **یا محمد قد استبشر اهل السماء اليوم باسلام عمر** ۔(یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! آج تمام فرشتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔) اور صوفیا کا مرقعہ (گدڑی) کا لباس اختیار کرنا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ہر حال میں خلق خدا کے امام ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد خلیفۃ الرسول ،امیر المومنین یا وسعت پذیر اسلامی سلطنت

کے سربراہ مقرر ہوئے۔آپ نے ساڑھے دس سال خلافت کی۔اس فقر پسند، گدڑی پوش، باکردار، بااصول، حق پرست، انصاف پسند، پیوند لگے لباس پہننے والے خلیفۃ الرسول کی جلالت، ہیبت، خوف و دبدبہ کی یہ شان تھی کہ ہزاروں میل دور بیٹھے حکومتی عمال، کارندے بھی تھرتھر کانپتے رہتے تھے اور کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ کہیں ناانصافی اور بے ایمانی کرے۔

نتیجتاً آپ ﷺ کے دورِ خلافت میں انسانیت کو امن، عدل، مساوات، اخوت، عزتِ نفس، سکون، خوشحالی اور انصاف کی شکل میں وہ عروج ملا کہ جو اس کرۂ ارض پر نہ اس سے پہلے کبھی تھا اور نہ ہی کبھی آئندہ قیامت تک اس معیار کا اخلاقی و روحانی عروج انسانیت کو حاصل ہو سکے گا۔

آسمانِ رسالت مآب کا یہ درخشندہ بدرِ منیر یکم محرم 24ھ بمطابق 7 نومبر 644ء کو بروز ہفتہ، اتباعِ رسول کریم ﷺ میں ایک شاندار، لاجواب اسلامی مملکت قائم کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنے محبوب آقا پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ کے پہلوئے مبارک میں دفن ہوئے، آرام فرما ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆
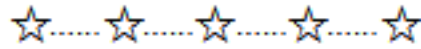
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عثمان ہے۔آپ کی کنیت ابوعبداللہ او رابوعمر ہےاورآپ کالقب ذوالنورین ہے۔آپ کےوالد ماجد کا اسم گرامی عفّان تھااوروالدہ ماجدہ کااسم مبارک اروٰی تھا۔(اروٰی بنت قریز تھا)۔آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبدمناف پر پیغمبر اول و آخر واعظم ،حضورپرُنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ سے مل جاتا ہے۔آپ کی نانی بیضاً ام الحکیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔آپ کوذوالنورین (دونوروں والا) اس لئے کہاجاتا ہے کہ پیغمبراول وآخرواعظم ﷺ کی دوسگی صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔

پیغمبراول وآخرواعظم،اصل الموجودات فخر اولادِ آدم،حاصل کائنات،ہادی انس و جان،رہبر کائنات،پیغمبر بحروبر، رسول کائنات،سیدالمرسلین ،خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، عالم خفاوغیوب،شہنشاہِ عرب وعجم،سرکاردو عالم،تاجدارِ مدینہ،حضورپرُنور،حضورانور، نبی کریم،رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے آپ کے متعلق فرمایا:

❶ ـــــ ہر نبی کا جنت میں ایک رفیق ہے، جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں۔

❷ ـــــ اے اللہ! عثمان غنی سے راضی ہو کہ میں اس سے راضی ہوں۔

❸ ـــــ اے اللہ! عثمان بن عفان دُنیاو آخرت میں میرے دوست ہیں۔

❹ ـــــ عثمان غنی اتنے حیاوالے ہیں کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔

تفسیر خازن اورتفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ آپ نے جیش عسرہ کی تیاری میں سازوسامان کے ساتھ ایک ہزاراونٹ دیئے تھے۔پھرایک ہزاردینار اپنے ایک کرتے کی آستیوں میں بھر کر لائے اوران دیناروں کو حضورپرُنور ﷺ کی گودمبارک میں ڈال دیا۔اس حدیث کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضورانوران دیناروں کواپنی گود میں الٹ پلٹ کردیکھتے جاتے تھےاورفرماتے جاتے تھے۔

''آج کے بعد عثمان کوان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' سرکاردو عالم ﷺ نے یہ جملہ دوبار فرمایا۔

تفسیر خازن اورتفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش عسرہ کی اس طرح مدد فرمائی کہ ایک

ہزار اونٹ بمع سازو سامان کے مہیا کئے اور ایک ہزار دینار بھی دیئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے چار ہزار درہم بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کئے تو ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ترجمہ: ''جولوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر دینے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں تو ان کا اجروثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (سورۂ بقرہ آیت 262)

حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت مبارک حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر تھے کہ یکایک اُحد پہاڑ ہلنے لگا تو پیغمبر اول وآخر واعظم، عالم خفاوغیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''احد تو ٹھہر جا کہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

(تفسیر معالم التنزیل جلد 6 صفحہ 216)

حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک منافق رہتا تھا اس کا درخت ایک انصاری پڑوسی کے مکان پر جھکا ہوا تھا جس کا پھل ان کے مکان میں گرتا تھا۔ انصاری نے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ اس وقت تک منافق کا نفاق لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم درخت انصاری کے ہاتھ بیچ ڈالو اس کے بدلے تمہیں جنت کا درخت ملے گا مگر منافق نے انصاری کو دینے سے انکار کردیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہوئی کہ منافق نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو منظور نہیں کیا تو آپ نے پورا ایک باغ دے کر درخت کو اس سے خریدلیا اور انصاری کو دے دیا۔ اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تعریف اور منافق کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

سَیَذَّکَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰیo وَیَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَیo الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡکُبۡرٰیo

''عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔'' (سورۂ اعلیٰ: 10 تا 12)

اس آیت مبارک میں مَنۡ یَّخۡشٰی سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور الۡاَشۡقٰی سے مراد اس درخت کا مالک منافق ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد 10، صفحہ 408)

آپ کی عظمت وفضیلت کے اظہار میں بہت حدیثیں ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران یا پنڈلی مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے

حاضری کی اجازت چاہی ۔حضورﷺ نے ان کو بلالیا اور وہ اندر آ گئے مگر حضورﷺ اسی طرح لیٹے رہے اور گفتگو فرماتے رہے ۔اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے ،انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی حضورﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئے لیکن حضورﷺ پھر بھی بدستور اسی طرح لیٹے رہے یعنی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا رہا۔پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آ گئے اور آپ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا ،اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔(مسلم شریف)

راوی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے تو میں نے حضورﷺ سے دریافت کیا ،یا رسول اللہﷺ ! کیا وجہ کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق آئے تو آپﷺ بدستور لیٹے رہے ،پھر حضرت فاروق اعظم آئے مگر آپﷺ بدستور لیٹے رہے اور جنبش نہیں فرمائی ،لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کے جواب میں سرکار اقدسﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔"

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہﷺ نے مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان کا حکم فرمایا اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضورﷺ کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے ۔لوگوں نے حضورﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ،جب سب لوگ بیعت کر چکے تو رسول مقبولﷺ نے فرمایا کہ عثمان خدا اور رسولِ خدا کے کام سے گئے ہوئے ہیں ،پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت فرمائی ،لہذا رسول اللہ ﷺ کا مبارک ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے ان ہاتھوں سے بہتر ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے بیعت کی ۔ (ترمذی شریف)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ سرکار اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا ،یہ وہ فضیلت ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے یعنی اس فضیلت سے ان کے سوا اور کوئی دوسرا صحابی کبھی مشرف نہیں ہوا۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبولﷺ نے مستقبل میں ہونے والے فتنہ کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس فتنہ میں ظلم سے قتل کیا جائے گا ۔یہ کہتے ہوئے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا ۔(ترمذی شریف)

زمانہ ،ہم عصر:

آپ کی عمر اعلان نبوت کے وقت تقریباً چونتیس (34) سال تھی ۔یعنی کہ آپ پیغمبر اول و آخر و اعظمﷺ سے تقریباً چھ سال چھوٹے ہیں ۔یعنی کہ آپ 48 قبل ہجری بمطابق 576ء میں مکہ میں پیدا ہوئے ۔

آپ مکہ کے ان چند افراد میں سے تھے جو ظہورِ اسلام سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ صالح، خوش خلق، منکسر المزاج، بزم خو، دیانتدار اور خوش معاملہ نوجواں کی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں تھے۔ مکی معاشرہ میں رائج برائیوں سے آپ نے اپنے دامن کو کبھی آلودہ ہونے نہیں دیا۔ آپ تجارت کرتے تھے اور تجارت کے سلسلہ میں روم اور ایران کے بھی سفر کئے۔

آپ کا میل جول حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے تھا۔ آپ دونوں کا قبل از اعلانِ نبوت ایک دوسرے سے کاروباری اور ایک جیسی عادت، و نفاست کے سبب ملنا جلنا تھا۔ آپ کا دعوت اسلام قبول کرنا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ آپ جلد ہی ایمان لے آئے۔ قبولِ اسلام کے وقت آپ کی عمر 34 سال تھی۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور، نبی کریم ﷺ آپ کی پختگی ایمان، حسن اخلاق تقویٰ اور حیاداری سے بہت متاثر تھے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضور انور ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ ؓ کا عقد آپ سے کر دیا۔ آپ کے لئے یہ عظیم شرف تھا۔ مکہ میں یہ جوڑا مثالی خیال کیا جاتا تھا۔

آپ نے حضرت رقیہ ؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت فرمائی۔ یہ آپ دونوں کی پہلی ہجرت حبشہ تھی اس کے بعد ایک دفعہ پھر آپ دونوں کو دوسری بار حبشہ کے لئے ہجرت کرنا پڑی۔ پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم عام ہوا اور اجازت ملی تو آپ اپنی شریک حیات حضرت رقیہ ؓ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ کا تجارت کا کاروبار خوب چمکا اور آپ نے بھی ترقی و اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر بے دریغ خرچ کیا۔ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور مشوروں و غزوات میں شامل رہے۔ حضرت رقیہ ؓ غزوہ بدر کے دنوں میں سخت بیمار تھیں اس لئے آپ غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ اور جب غزوہ بدر میں فتح کی خوشخبری پہنچی تو مدینہ میں اس وقت حضرت رقیہ ؓ کو دفن کیا جا رہا تھا۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ آپ کی عزمیت ایمانی، حسن اخلاق اور دینی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ حضرت رقیہ ؓ کے انتقال کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم ؓ کا عقد آپ سے کر دیا۔ اور آپ دو نوروں والے بن گئے اور ذوالنورین کا عظیم شرف، اعزاز و القاب ملا۔

حضرت فاروق اعظم ؓ کے وصال کے بعد آپ خلیفۃ الرسول، امیر المومنین یا سربراہ مملکت اسلامی مقرر ہوئے۔ آپ نے بھی مملکت اسلامیہ کو فتوحات کے ذریعے بہت وسعت دی۔ آپ نے 12 سال خلافت کی۔ آپ کی خلافت کے آخری سال میں خاص کر باہر کے نو مسلمانوں کو شکوہ شکایت ہو گئیں۔ حج کی وجہ سے مدینہ منورہ کے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے باہر تھے جس کی وجہ سے بلوائیوں کو موقع مل گیا اور پھر آپ نے بھی رضائے الٰہی میں مسلمانوں کا خون بہائے بغیر اپنی شہادت کو ترجیح دی اور یوں 18 ذوالحجہ 35ھ بمطابق 17 جون 656ء کو بروز جمعہ عصر کے وقت بلوائیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ کے خون سے قرآن حکیم کے وہ صفحات بھی رنگین ہو گئے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

قارئین کرام! حالات،واقعات ومناقب وغیرہ کاضرورت کے مطابق میں نے مندرجہ بالاصفحات میں ذکرخیر کردیااور یہ طریقہ میں نے بحالت مجبوری ومصلحت صرف اورصرف خلفائے راشدین کے بیان میں اپنایاہے تاکہ انہیں باقی اُمت کے مقابلے میں یہ امتیاز حاصل رہے اورپھر خلفائے راشدین کےتصوف وروحانیت کےمدارج اورانداز بھی بہت جامع اورلطیف تر ہیں۔اوراُن کے متعلق کچھ واقعات وحالات مختصرترین انداز میں بتانا بھی ضروری ہیں تاکہ قارئین کرام اُن کی روحانیت،فقر، درویشی اورتصوف کوسمجھ سکیں اوراس سے مستفید ہوسکیں۔

آپ امام شرم وحیاہیں،آپ رضائے الٰہی کوچاہنے والے ہیں،آپ اہل اللہ میں مقامِ عبدیت کےقریب تر ہیں،آپ تسلیم ورضا کاپیکر ہیں۔آپ اہل طریقت،حقیقت وشریعت کےامام ہیں۔

ترمذی اورابن ماجہ میں حضرت مُرۃ بن کعب ﷜ سے روایت ہے،وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ زمانہ آئندہ میں ہونے والے فتنوں کاذکرفرمارہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب سرپرکپڑا ڈالے ہوئے ادھرسے گزرے توحضورﷺ نے فرمایاکہ یہ شخص اس روزہدایت پرہوگا۔حضرت مُرۃ﷜فرماتے ہیں کہ حضورﷺ سے یہ الفاظ سن کرمیں اُٹھااوراس شخص کی طرف گیاتودیکھاکہ وہ حضرت عثمان﷜ ہیں،پھرمیں نے حضورﷺ کی طرف اُن کارُخ کیااورپوچھایہ شخص ان فتنوں میں ہدایت پر ہوں گے؟توحضورنے ارشادفرمایا:''ہاں یہی۔''(ترمذی،ابن ماجہ)

حضرت سہل بن سعد﷜ سے روایت ہے کہ ایک روزنبی کریمﷺ حضرت ابوبکرصدیق،حضرت عمرفاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُحدپہاڑپرتھے کہ یکایک وہ ہلنےلگاتورسول اللہﷺ نےفرمایا:

''اےاُحد!توٹھہرجاکہ تیرےاوپرایک نبی ایک صدیق اوردوشہید ہیں۔''

(تفسیرمعالم التنزیل،جلد6صفحہ216)

حضرت عثمان غنی﷜ خوب جانتے تھے کہ ندی کابہتاہوادھارارُک سکتاہے،درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتاہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتاہے مگراللہ کےمحبوب،عالمِ خفاوغیوب،پیغمبراول وآخرواعظم،حضورپُرنورﷺ کافرمان نہیں ٹل سکتا۔اس لئے آپ اپنی شہادت کاانتظارفرمارہے تھے۔آپ اورآپ کےعلاوہ دوسرےلوگ جواپنی شہادت کےمنتظرتھےوہ سب ایسےمنتظر تھے جیسے کہ دولہادلہن اپنی شادی کی تاریخ کےمنتظرہوتےہیں توان کےحق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''توان میں سےکوئی وہ ہے جواپنی منت پوری کرچکا(جیسےحضرت حمزہ ومصعب رضی اللہ عنہماکہ یہ لوگ جہادپرثابت رہےیہاں تک کہ جنگ اُحدمیں شہیدہوگئے)اوران میں سےکوئی وہ ہے جو(اپنی شہادت کا)انتظارکررہاہے(جیسےحضرت عثمان اورحضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔''

حضرت عبداللہ بن رباح اورحضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ اپنے گھرمیں محصورہو

چکے تھےتو ہم دونوں آپ کے ساتھ تھے۔جب بلوائی آپ کے گھر کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئےتو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اُٹھا لئے ۔آپ نے فرمایا:"جو بھی ہتھیار نہیں اُٹھائے گا اس کو میں آزاد کردوں گا"یعنی آپ نے غلاموں کو ہتھیار اُٹھانے سے منع فرمایا اور اُنہیں آزاد کردیا۔راوی(حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)بیان کرتے ہیں کہ ہم خطرے کے پیش نظر باہر نکل آئے۔راستے میں ہمیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ ملے۔ہم اُن کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس آئے تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کس کام کے لئے آئے ہیں۔امام حسن رضی اللہ عنہ نے اندر آکر سلام کیا اور ان کی اس مصیبت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:اے امیرالمومنین میں آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار نہیں اُٹھاتا۔آپ امامِ برحق ہیں آپ حکم کریں تاکہ میں باغیوں کی گردنیں اُڑا دوں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"**یاابن اخی ارجع واجلس فی بیتک حتی یاتی اللّٰہ بامرہ فلاحاجة لنافی احراق الدماء**۔"(اے میرے برادرزادے واپس جایئے اور اپنے گھر میں بیٹھ جایئے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی تقدیر معلوم ہوجائے کیونکہ میں مسلمانوں کا خون بہانا نہیں چاہتا)اور یہ علامت ہے تسلیم ورضا کی مصیبت وبلا کے وقت۔اور یہ درجۂ خلّت ہے(یعنی مقام دوستی یا ولایت حق ہے)۔

مقام عشق میں دوستی اور مصیبت کے درمیان تسلیم ورضا کی یہ بھی ایک علامت ہے۔نمرود نے جب آگ جلائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب منجنیق میں رکھا گیا تو اس وقت جب موت اور زندگی میں چند ساعتوں کا وقفہ تھا۔اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی مجھے حکم دیں میں آپ کی کیامدد کرسکتا ہوں؟ کوئی حاجت ہوتو میں حاضر ہوں۔خلیل اللہ نے جواب میں فرمایا:"بندہ تو سراپا محتاج ہے۔مگر تم سے میری کوئی حاجت نہیں۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا پھر اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کیجئے۔خلیل اللہ نے فرمایا:"میرا مالک میرے سوال سے بے نیاز ہے۔وہ میری حالت کو جانتا ہے۔وہ وقت ایسا تھا کہ آگ میں پھینکے جانے میں چند سیکنڈ باقی تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس وقت جب کہ بلوائی ننگی تلواروں کے ساتھ دروازے پر دستک دے رہے تھے وہ وقت ایسا ہی تھا۔قاتلوں کا اجتماع بمطابق آتش نمرود تھا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا تشریف لانا، بمطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تھا۔فرق یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات دی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہادت عطا ہوئی کیونکہ نجات کا تعلق بقا سے ہے اور ہلاکت کا تعلق فنا سے ہے۔

اس لیے صوفیائے کرام جو مال وجان خرچ کرتے ہیں اور مصیبتوں میں تسلیم ورضا اور عبادات میں اخلاص رکھتے ہیں یہ سب کچھ انہیں کی پیروی میں ہے۔کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اہل طریقت وحقیقت اور شریعت کے امام ہیں۔آپ مخزن حیا بھی تھے اور اہل صفا میں بلند مرتبے والے تھے۔تسلیم ورضا کے پیکر بھی تھے۔جامع قرآن بھی ہیں۔آپ کو تلاوت کلام اللہ سے گویا عشق تھا۔جب حملہ آور اندر داخل ہوئے تو آپ قرآنِ حکیم کی تلاوت فرمارہے تھے۔اسی حالت میں شہادت فرمائی اور خون مبارک کے چھینٹے صفحات کلامِ پاک پر پڑے۔اس ہلاکت اور اس فنائیت میں بھی سراسر بقا کی صورت ہے۔

آپ حالات کی نزاکت کو جانتے تھے اور یقین تھا کہ یہ وقتِ شہادت ہے۔ رضائے الٰہی میں مستغرق آپ بڑے انہماک، خلوص وشوق سے تلاوت قرآن حکیم کررہے تھے۔یہ جمعہ کا دن تھا، 18 ذوالحجہ 35ھ بمطابق 17 جون 656ء عصر کے وقت بلوائی مکان کے اندر گھس آئے اور آپ کو شہید کردیا۔قرآن حکیم کے جو اوراق کھلے تھے وہ آپ کے خونِ ناحق سے رنگین ہو گئے۔سورۂ بقرہ کی آیت مبارک 15 پر آپ کا خون پڑا۔اس آیت مبارک کا ترجمہ ہے: ''اللہ تمہارے لئے کافی ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔'' انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

☆......☆......☆......☆......☆
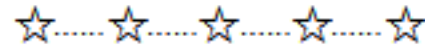
حضرت علی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی علی ہے۔آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے اور آپ کا لقب حیدر یعنی شیر ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ابوطالب تھا اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ تھا۔آپ کے والد ماجد نے آپ کا اسم گرامی زید رکھا تھا اور والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا تھا۔پیغمبر اول و آخر و اعظم ،حضور پُرنور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنی جناب سے آپ کا اسم مبارک علی رکھا اور پھر آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔آپ حضور انور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور آپ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔

''ابوتراب'' کی کنیت آپ کو حضور پُرنور ﷺ سے عنایت ہوئی تھی۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ مسجد میں آکر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے جسم پر کچھ مٹی لگ گئی تھی کہ اتنے میں رسول کریم، رؤف و رحیم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے بدن کی مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا: اے مٹی والے (ابوتراب!) اُٹھو اس روز سے آپ کی کنیت ابوتراب ہوگئی۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، حاصل کائنات فخر اولاد آدم، انسانِ کامل، عالم خفاوغیوب، سرکار دو عالم، ہادی انس و جاں، رہبر کائنات پیغمبر بحروبر، رسول کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین، حضور انور، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

❶ ــــــ علی دُنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔

❷ ــــــ جس کا میں مولیٰ (دوست و مددگار) ہوں علی بھی اس کے مولیٰ (دوست و مددگار) ہیں۔

❸ ــــــ جس نے علی کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔

❹ ــــــ میرے بہترین بھائی علی اور بہترین چچا حمزہ ہیں۔

❺ ــــــ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

''اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ۝

ترجمہ: ''تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو بے حکم ہے (بے ایمان ہے) یہ برابر نہیں۔'' (سورۂ سجدہ، آیت 18)

یہ آیت مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل فرمائی گئی۔

شان نزول یہ ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کسی بات پر جھگڑ رہا تھا۔ دوران گفتگو ولید بن عقبہ کہنے لگا خاموش ہو جاؤ تم آ گئے ہو، میں بوڑھا، میں بہت زبان دراز ہوں، میرے نوک سناں تم سے زیادہ تیز ہے، میں تم سے زیادہ بہادر ہوں، میں بڑا جتھے دار ہوں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: چپ رہو تو فاسق ہے۔ مراد یہ تھی کہ جن باتوں پر تو ناز کرتا ہے، انسان کے لئے ان میں سے کوئی قابل مدح نہیں۔ انسان کا فضل و کرم (بڑا پن، فضیلت) ایمان و تقویٰ میں ہے۔ جسے یہ دولت نصیب نہیں وہ انتہا کا رذیل ہے، کافر مومن کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔

سورۂ حجر آیت 47 میں ارشاد حاکم الحاکمین ہے:

وَنَزَعْنَامَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًاعَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَo

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب نکال باہر کئے۔ یہ سب آپس میں بھائی ہیں اور اگلے جہان میں بھی تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔''

اس کی تشریح و تفسیر یہ ہے کہ ہم نے دُنیا میں اور آخرت میں ان مقدس، پاکباز، ہستیوں کو، نفوس کو، حسد و عناد و عداوت وغیرہ جیسی مذموم خصلتوں سے پاک کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان ہی میں سے ہیں۔ یعنی ہمارے سینوں سے عناد و عداوت اور بغض و حسد نکال دیا گیا ہے۔ ہم تمام صحابہ آپس میں خالص محبت رکھنے والے ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اللہ تبارک و تعالیٰ کے نہایت عبادت گزار بندے تھے۔ عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے۔ قرآن حکیم سورۂ فتح آیت 29 میں ارشاد رب العالمین ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۬ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

ترجمہ: ''محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحم دل ہیں تو ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کرتے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو کرتے ہیں ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔''

اس کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ '' وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ '' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ '' اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ '' سے

عمر بن خطاب ﷺ، ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ '' سے عثمان بن عفان ﷺ، ''رُكَّعًا سُجَّدًا ''حضرت علی ابن ابی طالب ﷺ، اور'' يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًامِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا'' سے بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

سورۂ مجادلہ آیت 22

لَاتَجِدُ قَوْمًايُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْo

ترجمہ: ''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور یوم آخرت پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اگر چہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ والے ہی ہوں۔''

اس آیت مبارکہ کی تفسیر یہ ہے کہ مومنین سے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور اُن کی یہ شان ہی نہیں اور اُن کا ایمان اس کو گوارا ہی نہیں کرتا کہ خدا اور رسول کے دشمن سے دوستی کریں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ نے جنگ اُحد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے روز بدر اپنے بیٹے عبداللہ کو مبارزت کے لئے طلب کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کی اجازت نہ دی اور حضرت مصعب بن عمیر ﷺ نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا اور حضرت علی بن ابی طالب وحضرت حمزہ وحضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو اُن کے رشتہ دار تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنی حدیثیں آپ کی فضیلت میں ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں اتنی حدیثیں نہیں ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن وقاص ﷺ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو مدینہ طیبہ میں رہنے کا حکم فرمایا اور اپنے ساتھ نہیں لیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے جاتے ہیں۔ تو سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا کہ، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علی سے بغض وعداوت نہیں رکھتا۔ (ترمذی)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علی کو بُرا بھلا کہا تو تحقیق اس نے مجھے بُرا بھلا کہا۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حضرت علی ﷺ کو حضور ﷺ سے اتنی قربت اور نزدیکی حاصل ہے کہ جس نے ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی تو گویا کہ اس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی توہین کرنا حضور ﷺ کی توہین کرنا ہے۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کھلے ہوئے میدان میں بہت سے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقامِ غدیرِ خُم (موجودہ رابغ) میں میرے متعلق کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تو اس مجمع سے تیس (30) آدمی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ حضور ﷺ نے اس روز فرمایا تھا یعنی کہ ''میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ اے اللہ! جو شخص علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو شخص علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔'' (تاریخ الخلفاء)

اس حدیث میں آگے آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ اے علی (رضی اللہ عنہ) آج کے بعد آپ ہر مومن مرد و مومنہ عورت کے محبوب ہو گئے ہیں۔

طبرانی و بزار حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی و حاکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (طبرانی، حاکم، ترمذی)

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور جنہوں نے اس کو موضوع کہا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص 116)

حدیث مبارک ہے کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں'' یہ مکمل حدیث مبارک حسب ذیل ہے:

ترجمہ: ''میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد، عمر اس کی دیواریں ہیں، عثمان اس کی چھت ہے اور علی اس کے دروازے ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کے بارے میں خیر کے سوا کبھی کچھ مت کہنا۔ (الصواعق المحرقۃ، ص 34) دیلمی نے فردوس میں اس حدیث کو یوں بیان کیا ہے:

ترجمہ: ''رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکر اس کی بنیادیں ہیں اور عمر اس کی دیواریں اور عثمان اس کی چھت اور علی اس کے دروازے ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ (دیلمی فردوس)

بزار، ابویعلی اور حاکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہاری حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے اُن سے یہاں تک دشمنی کی کہ اُن کی والدہ حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے اُن سے محبت کی تو اس قدر حد سے بڑھ گئے کہ اُن کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ اس حدیث پاک کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کان کھول کر سن لو۔ میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے، ایک وہ جو میری محبت میں حد سے تجاوز کرے گا اور میری ذات سے اُن باتوں کو منسوب کرے گا جو مجھ میں نہیں ہیں اور دوسرا وہ گروہ جو اس قدر بغض و عداوت رکھے گا کہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

اس حدیث شریف کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو فرقے گمراہ ہو کر ہلاک ہوئے۔ ایک رافضی اور دوسرے خارجی۔ رافضی اس لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حد سے بڑھایا۔

یہاں تک کہ ان کو خدا کہہ دیا (دیکھئے تحفہ اثنا عشریہ باب اول) اور خارجیوں نے ان سے اس قدر بغض و عداوت رکھا کہ ان کو کافر کہہ دیا۔ (معاذ اللہ رب العالمین)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی یعنی جس نے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی۔“ (تاریخ الخلفاء بحوالہ طبرانی)

زمانہ، ہم عصر:

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر اعلانِ نبوت کے وقت تقریباً دس (10) سال تھی اور آپ اس وقت پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے گھر میں آپ ﷺ کے ہی زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ یعنی آپ حضور پُر نور ﷺ سے عمر میں تیس (30) سال چھوٹے ہیں۔ یعنی کہ آپ کی پیدائش تقریباً 24 قبل ہجری (ق ھ) بمطابق 599ء کی ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور پُر نور ﷺ پیر کو مبعوث ہوئے اور میں منگل کو ایمان لایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ دوسرے مسلمان تھے (قارئین کرام! یہاں یہ خیال بار بار آتا ہے کہ جب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کے فرمانے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائی ہوں گی تو آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادیاں بھی اسی دن ایمان لے آئی ہوں گی اور ایسا ہونا تو ایک لازمی سا امر لگتا ہے)۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں (لڑکوں) میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور آپ اُن چھ، سات خوش قسمت ترین میں سے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ 22، 23 سال کی عمر تک مکہ ہی میں حضور انور ﷺ کی تربیت و رفاقت میں رہے۔ پڑھنا لکھنا سیکھا اور مروجہ جنگی فنون میں مہارت حاصل کی۔ حضور پُر نور ﷺ سے بہترین دینی، اخلاقی، روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ نبی کریم ﷺ کی خلوت و جلوت کی مجلسوں اور دعوت و تبلیغ دین متین کی سرگرمیوں میں ساتھ ساتھ رہے۔ کاتب وحی بھی رہے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ سے براہِ راست اور زیادہ سے زیادہ حصولِ علوم و تربیت کے جو مواقع آپ کو میسر آئے وہ اور کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہ ہوئے۔

ہجرت کی رات پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے آپ کو حکم دیا کہ اے علی! آج کی رات تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر بے خطر سو جانا اور پھر لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ چلے آنا۔ وہ پُر خطر رات آپ رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ کے بستر، چارپائی مبارک پر پُر سکون گزاری۔ کچھ دنوں میں لوگوں کی امانتیں اُن کے سپرد کیں اور پھر تنہا پا پیادہ مدینہ منورہ چلے گئے۔

تمام غزوات میں حضور انور ﷺ کے ساتھ رہے اور ہدایت و رہنمائی کے مطابق بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاریخ اسلام کے پہلے غزوہ، غزوۂ بدر میں آپ نے شجاعت و شمشیر زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ ہمیشہ کے لئے دشمن پر آپ کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس کے بعد بھی آپ نے بڑے بڑے سورماؤں کو تہ تیغ کیا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنی محبوب ترین صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آپ سے شادی کردی۔

محرم 7ھ میں پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے جاں نثاروں نے غزوۂ خیبر کے دوران پانچ قلعے فتح کر لئے لیکن چھٹا قلعہ قموص فتح ہونے میں نہ آیا۔ فتح میں تاخیر دیکھ کر ایک شام سرکار دو عالم، عالم خفا و غیوب ﷺ نے فرمایا:

''کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا اور جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے اور اللہ جل جلالہ اور رسول ﷺ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔''

سن 9ھ کے حج میں سورۂ توبہ کی ابتدائی چالیس آیات کے احکام، حج کے مجمع میں سنانے کے لئے پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مناسک حج کی تعلیم دی اور آپ رضی اللہ عنہ نے حج کے مجمع میں وہ احکام پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔

آپ نے اپنے سے پہلے تینوں خلیفۃ الرسول کے ساتھ خوب تعاون کیا۔ اپنی خدمات اور مشوروں سے انہیں نوازا۔ ان کی ہدایات پر عمل کیا اور جو ذمہ داری انہوں نے آپ کو دی آپ نے اسے خوشی، شوق و خوش اسلوبی سے پورا کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد آپ چوتھے خلیفۃ الرسول مقرر ہوئے۔ آپ کو تفسیر اور علوم قرآن، علم حدیث، فقہ و اجتہاد، قضا اور فیصلے، علم اسرار و حکمت، تصوف اور علم نحو میں خاص علم و ملکہ حاصل تھا۔ ان میں آپ بہت بلند مقام رکھتے تھے اور ان میں آپ نے مسلمانوں کی خوب رہنمائی فرمائی۔ آپ کی خلافت چار (4) سال اور نو (9) ماہ رہی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت و شان کہ آپ کا دور خلافت انتہائی پُرسکون نہ تھا۔ اُمت مسلمہ خلفشار کا شکار تھی۔ اور یہ بگاڑ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شروع ہو چکا تھا۔ زُہد و تقویٰ، علم و حکمت، تدبر و بصیرت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ نے اپنی صفات حمیدہ، کردار، علم و بصیرت، تدبر و ذہانت، تجربہ و حکمت سے خلفشار کو کافی کم کیا اور اُمت مسلمہ کی رہنمائی فرماتے رہے۔

ایک خارجی گروپ نے اس وقت کے تینوں ممتاز صحابہ کرام، حضرت علی، حضرت امیر معاویہ، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام بنایا اور 17 تا 19 رمضان کو انہوں نے ایک دن اس پر عمل درآمد کیا۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اتفاقیہ طور پر بچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ فجر کی نماز سے پہلے نفلی عبادت کے لئے مسجد کوفہ میں تشریف لائے اور عبدالرحمٰن ابن ملجم کو جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا، جگایا۔ آپ نے نماز شروع کر دی اور جب سجدہ میں گئے تو عبدالرحمٰن ابن ملجم نے اپنی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ پر وار کر دیا۔ سر پر کاری زخم آیا اور 20 رمضان 40ھ بمطابق 27 جنوری 661ء جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال، رُشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

قارئین کرام! اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ضرورت کے مطابق میں نے آپ کے حالات و واقعات کا ذکر خیر

مندرجہ بالا صفحات میں کردیا ہے۔اب درج ذیل میں آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فقر، درویشی، تصوف و روحانیت کے متعلق بہت ہی لطیف نکات پڑھیں گے۔

خلفائے راشدین کی مناقبت وفضیلت میں جوآیات قرآن حکیم اور احادیث مبارک بیان کی گئی ہیں وہ بھی دراصل ان کے زُہد وتقویٰ، عبادات وریاضات، علوم میں دسترس وگہرائی اور روحانیت میں انتہائی بلند درجات کا ہی ذکرِ خیر ہے۔اسی طرح آپ سے متعلق جن آیات قرآنی اور احادیث مبارک کا ذکرِ خیر کیا گیا ہے ان سب میں آپ کے صبر وشکر، تسلیم ورضا، زُہد وتقویٰ، عبادات وریاضات، علوم پر مکمل دسترس اور روحانیت میں انتہائی بلند درجات کا بیان ہے۔

برادر مصطفیٰ ﷺ و غریقِ بحرِ بلا، و حریقِ نارِ ولا و مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیاء حضرت ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا طریقت میں مقام بے حد بلند اور درجہ نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔اور آپ کے اقوال حقائق و معارف کی جان ہیں۔یہاں تک حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

شیخنافی الأصول والبلاء علی المرتضٰی کرم اللّٰہ وجھہ

اصولِ طریقت اور بلا کی برداشت میں حضرت علی المرتضٰی ہمارے امام ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علم طریقت کو اہل طریقت علم اصول کہتے ہیں۔اور طریقت کیا ہے۔مجاہدات اور مصائب برداشت کرنے کا نام ہے۔

روایت ہے کہ کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا امیر المومنین! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔آپ نے فرمایا:''اپنی بیوی اور اولاد کی محبت میں زیادہ مشغول نہ رہنا۔اگر وہ اللہ کے دوست ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوستوں کو برباد نہیں کرتا۔ضائع نہیں کرتا، اگر وہ اللہ کے دشمن ہیں تو ان سے تیری محبت، اللہ کے دشمنوں سے محبت کے مترادف ہوگی۔اس لیے ہر حالت میں اُن سے حد درجہ محبت اہل طریقت کے حق میں نہیں ہوگی۔کیونکہ اللہ اپنے بندوں کو جیسا چاہتا ہے ویسا رکھتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو درد زِہ کی حالت میں چھوڑ کر پہاڑ پر چلے گئے انتہائی نازل صورت حال تھی وہاں وہ تسلیم رضائے الٰہی ہوگئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بی بی ہاجرہ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ کر چلے گئے اور رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم رکھا۔انہوں نے بیوی اور اولاد کو محبت کا سب سے بڑا مرکز نہ جانا اور اپنی محبت کا مرکز رضائے الٰہی کو جانا اور دل کو حق سے واصل کرلیا۔سرفرازیاں اور بلندیاں آپ کا مقدر بن گئیں۔

ان حضرات کو عین نامرادی میں دو جہان کی مراد مل گئی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے ساتھ راضی رہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی اسی حقیقت پر مبنی ہے۔کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ پاکیزہ ترین کسب کیا ہے۔آپ نے فرمایا:''**غنا القلب باللّٰہ**'' (اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ دل کا غنی ہونا)۔جو دل حق تعالیٰ کے ساتھ غنی ہے مال و دولت کا نہ ہونا اسے مفلس نہیں کر سکتا۔اور نہ ہی مال و دولت کے ہونے سے اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس قول کی حقیقت مضمون فقر وصفوت سے تعلق رکھتی

ہے۔

آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ دل کو مکمل توکل سے جوڑلو۔جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ دل کو غنی کرلیا وہ دنیاوی پریشانیوں سے بچ گیا اور دنیا سے بے نیاز ہو گیا۔اسے دنیا کی خوشیاں مرعوب نہیں کرسکتیں۔یہی مسلک فقر اور صوفیاء کا ہے۔اہل طریقت کو ان رموز سے آگاہ ہونا چاہیے اور ان کی باریکیوں کو سمجھنا چاہیے۔کیونکہ اللہ کے خاص دوست عام دنیا داروں سے الگ ہوتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کا ایسا سمندر تھے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔آپ کے علم کی باریکیاں اہل طریقت کے لئے مشعل راہ ہیں۔علم کے حوالے سے آپ تمام مسالک طریقت کے امام ہیں۔

آپ نے 4 سال 9 ماہ خلافت کی اور تریسٹھ (63) سال کی عمر میں مسجد کوفہ میں آپ پر سجدہ میں نفلی نماز کے دوران ایک خارجی جس کا نام عبدالرحمٰن ابن ملجم تھا، نے زہر آلودہ تلوار سے وار کیا۔وار کاری تھا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور 20 رمضان 40ھ بمطابق 27 جنوری 661ء کو آپ نے وصال فرمایا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی حَسن ہے۔ آپ کا یہ خوبصورت نام پیغمبر اول و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں، رہبر کائنات، پیغمبر بحروبر، اصل الموجودات، حاصل کائنات، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، عالم خفا و غیوب، انسانِ کامل، حضورِ انور، حضورِ پُرنور، نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رکھا۔ آپ کا دوسرا نام شبّر بھی ہے۔ شبّر حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام تھا۔ شبر سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے ہم معانی لفظ عربی میں حَسن ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے اور آپ ریحانِ گلشنِ رسالت مآب ہیں۔ آپ کا اسم مبارک جنت کے اسمائے مبارک میں سے ہے۔

پیدا ہوتے ہی آپ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضورِ پُرنور، نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں آئے۔ سرکارِ دو عالم، سید المرسلین، رہبر کائنات، ہادی انس و جان، رحمۃ اللعالمین، پیغمبر بحروبر، خاتم النبیین، حضورِ پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے آپ کو لعابِ دہن کے ساتھ گھٹی دی اور ان ہی مبارک ہاتھوں میں آپ سات سال کی عمر تک پلے، کھیلے اور پروان چڑھے۔ آپ والدین کریمین کی ہی شفقت، محبت، اور توجہ کا مرکز نہ تھے بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں کا بھی نور تھے۔ آپ حقیقت میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ سب کے راج دُلارے تھے۔ جس عالی مقام، خوش بخت کے نانا جان پیغمبر اول و آخر و اعظم محبوب رب العالمین سرکارِ دو عالم ﷺ ہوں، جس کے والد ماجد حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ ہوں اور جس کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ہوں، اس کی تعلیم و تربیت، اس کے علومِ ظاہری و باطنی، فقر و عجز و انکساری، اخلاق و کردار، غریب پروری اور سخاوت، اندازِ شریعت و طریقت، درویشی و روحانیت اور ان میں اعلیٰ ترین مراتب و مدارج کو کوئی کس طرح سمجھ سکتا ہے، کس طرح بیان کرسکتا ہے۔ آپ کے کمالات، علوم و روحانیت اور مراتب و درجات کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا وہ حقیقت سے ہزاروں گنا کم ہوگا کیونکہ میرے جیسے لکھنے والے کی صلاحیت اور پہنچ اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی۔

آپ تمام ظاہری و باطنی علوم اور روحانیت کے بحرِ بے کراں تھے۔ آپ پیغمبر اول و آخر و اعظم رہبر کائنات، سرکارِ دو عالم ﷺ سے شکل و صورت میں ہی مشابہ نہ تھے بلکہ آپ کا اندازِ رہن سہن، اخلاق، کردار و گفتار اور اندازِ تخاطب، طور و اطوار سب ہی

میں آپ ﷺ کی جھلک ومشابہت پائی جاتی تھی۔ایک دن حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ ؓ کو دیکھ کرفرمایا: ''حضور پُرنور ﷺ کی شبیہ پر میرے والدفدا ہوں، یہ (حضرت)علی کے مشابہ نہیں ہیں اور حضرت علی یہ سن کرہنس رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسن کو کھیلاتے ہوئے اس طرح کہا کرتی تھیں ۔آپ کا مقام سخاوت، ہیبت وسیادت میں اعلیٰ ترین ہے۔آپ اپنے وقت میں روحانیت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔فقر وفاقہ،عبادات وریاضات میں بھی آپ لاثانی تھے۔ درس وتدریس،تبلیغ دینِ متین اورلوگوں کی رہنمائی کرنا آپ کو بہت پسند تھا۔آپ بہت صابروشاکر،زاہدوعابد تھے اور یہ تمام تر صفات حمیدہ،طبیعت مجیدہ آپ کوگھٹی میں ملی تھیں۔عفوودرگزر،قناعت،صبروشکر،عجزوانکساری،دوسروں کی عزت واحترام وخیر خواہی کی صفات آپ میں کوٹ کوٹ کربھری تھیں۔آپ جگر گوشہ مصطفیٰ ﷺ ، ریحان گلشن مرتضیٰ ؓ اورقرۃ العین فاطمۃ الزہرا ؓ ہیں۔شریعت وطریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا اوران کا آپ اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔حقائق ومعارف یعنی حقیقت و معرفت میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔آپ کی سیادت وسخاوت لاجواب ہیں۔مختصراً یہ کہ جودوشِ پیغمبراول وآخرواعظم، خاتم النبیین،سیدالمرسلین،حضورپُرنور، نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا سوارہواس کی عظمتوں،خوبیوں،ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور تمام صفات حمیدہ کا کیا کہنا۔اس کی تو جتنی تعریف وتوصیف کی جائے وہ حق ہے اور وہ کم ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 15رمضان 3ھ بمطابق یکم فروری 625ء کوبروزجمعۃ المبارک ہوئی۔آپ سات سال کی عمر تک پیغمبراول وآخرواعظم،حضورپرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں پلے،کھیلےاورپروان چڑھے۔آپ والدین کریمین،اہل بیت کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توجہ،پیاروشفقت کا مرکز تھے۔آپ کے ہر طرف انوارالٰہی کی بارش ہورہی تھی۔پیغمبراول وآخرواعظم،سرکاردوعالم ﷺ ،والدین کریمین،اہل بیت اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ نے خوب خوب فیض پایا اورتعلیم وتربیت حاصل کی۔اورشریعت وطریقت،حقیقت ومعرفت کے یکتائے زمانہ عَلَم دار ہو گئے۔اچھی سواریوں کی موجودگی میں آپ نے پاپیادہ پچیس(25)حج ادافرمائے کیونکہ حج کے لئے،اللہ کی راہ میں آپ کوپیدل چل کرپہنچنا محبوب تھا۔شہادتِ حضرت علی ؓ کے بعد 19رمضان 40ھ بمطابق 20فروری 661ء کوآپ کوخلافت ملی۔ پانچ ماہ بعد ربیع الاوّل 41ھ کومصلحتاً آپ نے تختِ خلافت حضرت امیر معاویہ ؓ کے لئے خالی کردیا۔خلافت چھوڑدینے کے بعد آپ 8 سال حیات رہے اور 5ربیع الاوّل 49ھ بمطابق 12اپریل 669ء میں زہرخورانی کے سبب شہادت سے مشرف ہوئے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

میں نے مندرجہ بالا پیراگراف میں موضوع کے لحاظ سے حالات وواقعات مختصراً بیان کردیئے ہیں۔یہ کتاب جن خطوط پرلکھی جارہی ہے ان کے مطابق اس میں تاریخ،ہسٹری کے بجائے تصوف اور روحانیت کوزیادہ اُجاگر کرنا ہے۔اس میں پُرخلوص

اتباعِ رسول کریم ﷺ، درس وتدریس اور تبلیغ دین متین، فقر ودرویشی کا ذکر مقصود ہے جو ارتقاع روح وروحانیت کی مختلف منزلیں ہیں۔ یہ تو علوم باطنی، تصوف وروحانیت پر لکھی جارہی ہے۔ اور آپ تو بحر علوم، بحر تصوف، بحر روحانیت اور بحر نور کے مصدر ومنبع میں سے ہیں۔ بھلا آپ کے علوم، مراتب، روحانیت، فقر و درویشی کے بارے میں میرے جیسا کم عقل انسان کیا لکھ سکتا ہے۔

سورۂ احزاب کی آیت مبارک 33 کے مطابق پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اہل بیت کی پاکیزگی ازلی ہے۔ اہل بیت میں ہر فرد منازل طریقت میں مکمل ہے۔ یہ عام اور خاص لوگوں کے علاوہ اولیاء اور صوفیاء کے امام ہیں۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ طریقت کے حقائق میں مکمل تھے اور اسی طرح حضرت امام حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اپنے اپنے وقت پر کامل تھے۔

ایک دفعہ آپ کے پاس ایک بدو آیا۔ اس نے آپ کو اور آپ کے والدین کو بہت سخت بُرا بھلا کہا۔ ساتھیوں نے اُسے سختی سے روکنا چاہا مگر آپ نے منع فرما دیا، اور فرمایا: ''ایک طشت چاندی کا بھر کر لاؤ اور اس کو وہ طشت دے کر کہا۔ اے بھائی! ہمیں معذور سمجھنا۔ ہمارے گھر اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔'' اس وقت آپ دارالخلافہ کوفہ میں اپنے گھر کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ یہ سن کر وہ دیہاتی آبدیدہ ہو گیا اور عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ فرزند رسول ﷺ ہیں۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صرف آپ کے حلم، علم اور بردباری کی آزمائش کے لیے حاضر ہوا تھا۔ آپ مجھے معاف فرما دیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم حلم اور بردباری کے پہاڑ ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں ہلا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صفت تمام اولیاء اللہ کی ہے۔ ان کے لیے لوگوں کا برا بھلا کہنا سب برابر ہے اور وہ اس کا کوئی اثر نہیں لیتے۔

حضرت ابو محمد حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا طریقت میں مقام بہت بلند تھا اور حقائق و معارف میں آپ کے کلمات بہت لطیف ہیں یہاں تک کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ: **علیکم بحفظ السرائر فان اللّٰہ مطلع علی الضمائر**۔ (تمہارے لئے اسرار قلب کی حفاظت لازمی ہے کیونکہ حق تعالیٰ قلوب کا جاننے والا ہے۔) اسرار قلب کی حفاظت سے مراد غیر اللہ سے قلب کو خالی رکھنا ہے اور حفظِ ضمائر سے مراد احکام خداوندی کی مخالفت سے باز رہنا ہے۔

اس کی مزید تشریح یوں ہے کہ حفظ السرائر کیا ہے؟ سِرّ کے معنی ہیں راز اور سرائر اس کی جمع ہے۔ مطلب یہ کہ اپنے روحانی حال اور مقام کو بحال رکھو اور دنیا کی کوئی چیز یا کوئی کام اس حال میں خلل انداز نہ ہونے پائے۔ حال سے مراد عارضی کیفیت قلب ہے اور جب وہ کیفیت دوام پکڑ لیتی ہے (مستقل ہو جاتی ہے) تو مقام کہلاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جب سالک پر شروع میں فنا فی اللہ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں تو اسے ''حال'' کہتے ہیں اور جب فنا میں دوام اور پختگی حاصل ہو جاتی ہے تو اسے ''مقام'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حفظِ سرائر کا مطلب یہ ہے کہ خواہ تم پر حال طاری ہو یا مقام اس پر مضبوطی سے جمے رہو۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تمہارے احوال (جمع حال) اور مقامات پر دنیاوی امور کیا اثر ڈال رہے ہیں۔

جب فرقہ قدریہ کا غلبہ ہوا اور معتزلہ عقائد عام ہوئے تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے امیر المؤمنین حضرت امام

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھا:

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔اے رسول اللہ ﷺ! کے بیٹے اور اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک، رحمۃ اللہ و برکاتہ۔آپ تمام اصحاب بنو ہاشم بحر مواج (طوفانی سمندر) میں اُمت مسلمہ کے لیے جہاز کی مانند ہیں اور اندھیروں میں مینارِ نور اور ہدایت کے جھنڈے ہیں اور ایسے ھادی اور رہنما ہیں جو آپ کی پیروی کرے منزلِ مقصود کو پہنچتا ہے۔آپ کا خاندان حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے کہ جس کا سہارا لے کر اُمت کے لوگ نجات پاتے ہیں۔اے ابن رسول اللہ ﷺ! مسئلہ جبر و قدر کے متعلق آپ کا کیا فرمان ہے؟ کیونکہ اس وقت ساری خلقت حیران و پریشان ہے۔آپ انبیا علیہم السلام کی اولاد ہیں اور علمِ الٰہی سے بخوبی آگاہ ہیں اور وہی آپ کا محافظ و نگہبان ہے اور آپ حضرات اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اُمت کے محافظ ہیں۔

قارئین کرام! یادرہے کہ تقدیر سے انکار قدریوں کا عقیدہ ہے اور نافرمانیاں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذمے لگانا، یہ عقیدہ جبریوں کا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم السلام علیکم! آپ کا خط ملا جس میں آپ نے اپنی اور ہماری اُمت کی پریشانی و حیرانی کے متعلق لکھا ہے میری رائے اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ ہر خیر و شر (نیک و بد) منجانب اللہ ہے وہ کافر ہے اور جس نے معاصی یعنی گناہ کے کاموں کا اللہ تبارک و تعالیٰ کو ذمہ دار ٹھہرایا وہ فاسق و فاجر ہے۔نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو جبراً نیکی کراتا ہے نہ جبراً گناہ کراتا ہے اور نہ ہی اس کی حکومت سے کسی کو چون و چرا کی مجال ہے۔جن چیزوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو مالک بنایا ہے ان کا اصلی مالک وہ خود ہے اور جن چیزوں پر اس نے بندوں کو قادر بنایا ہے ان کا اصلی قادر بھی وہ آپ ہے۔لہٰذا اگر کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ارادہ کرے تو وہ اس کو منع نہیں کرتا اور نافرمانی کا قصد کرے تو وہ اس کو روکتا نہیں۔ہاں اگر وہ ازراہِ کرم و احسان انسان کو برائی سے روک دے تو روک سکتا ہے اور اگر وہ ان کو برائی سے نہ روکے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اس کو برائی پر مجبور کیا اور ان پر جبر لازم آتا ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو نیک یا بد کام کرنے کی قوت عطا فرما کر اپنی حجت قائم کر دی کہ نیک و بد کی ذمہ داری انسان پر ہے، خدا پر نہیں اور حجت اللہ غالب ہے۔والسلام۔

اس مسئلہ یا معاملہ کا سبب یا پس منظر یوں ہے کہ اس زمانے میں فلسفۂ یونان سے متاثر ہو کر بعض کمزور ایمان والے مسلمانوں کے دلوں میں دین اسلام کے چند مشکل (آسانی سے نہ سمجھ آنے والے) مسائل پر شکوک و شبہات پیدا ہو گئے جس کے سبب "قدریہ" اور "جبریہ" دو گروہ پیدا ہو گئے اور یہ دونوں فرقے قرآن و حدیث سے اپنے اپنے عقائد صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

فرقۂ قدریہ کا موقف یہ تھا کہ فعل نیک و بد پر انسان قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور وہ تقدیر کو نہیں مانتے، اس کے انکاری ہیں اور فرقۂ جبریہ کا یہ عقیدہ تھا کہ نیک و بد کام کرانے کی طاقت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے نیکی کا حکم دے جسے چاہے بدی کا

حکم دے۔لیکن ان دونوں فرقوں کے عقائد اسلامی عقائد کے خلاف ہیں۔کیونکہ انسان نہ مطلقاً خودمختار ہے اور نہ وہ مطلقاً مجبور ہے۔چنانچہ حضرت امام حسن ﷺ کا فتوٰی بھی یہی ہے کہ حقیقت حال قدر اور جبر کے مابین ہے۔

حضرت امام حسن ﷺ کی یہ بات نہایت ہی پُرعلم اور حق پر مبنی ہے کہ جن چیزوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو حاکم یعنی مختار بنایا ہے دراصل ان کا حاکم اور مختار بھی اللہ عزوجل ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ہر کام کرنے کی جو طاقت، قدرت اور ذہانت ملی ہوئی ہے وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔اس لئے اگر انسان ہر نیک و بد کام کرنے کی طاقت اور عقل رکھتا ہے تو ایک حد تک وہ اپنی طاقت وعقل استعمال کر کے وہ فعل کرتا ہے اور اس کا فاعل خود کہلا سکتا ہے لیکن چونکہ اس کی طاقت کا اصلی منبع ومصدر اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اس لئے اس فعل میں ایک لحاظ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا بھی ہاتھ ہے۔لہذا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے جو حضرت امام حسن ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمرانی برحق ہے اور نیکی و بدی کی جو طاقت انسان کو ملی ہے وہ دراصل اللہ کی طاقت ہے لہذا ایک لحاظ سے انسان فعل مختار ہے اور ایک لحاظ سے مجبور ہے۔

حضرت امام جعفر صادق ﷺ سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے بھی حضرت امام حسن ﷺ جیسا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: الامر بین الامرین (حقیقت دونوں کے درمیان ہے) مثلاً جب ایک آدمی کھیتی باڑی کر کے روزی کماتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے رزق دینے والا میں ہوں۔حالانکہ سب کام اس آدمی نے خود کئے ہیں۔ہل بھی اسی نے چلائے ہیں، بیج بھی اسی نے ڈالا ہے اور آب پاشی بھی اُسی نے کی ہے لیکن چونکہ ہل چلانے کی قوت کا دینے والا اللہ عزوجل ہے، نیز زمین میں روئیدگی کی طاقت اور بیج سے پھل پیدا کرنے کی قدرت اور پانی میں نشوونما کی طاقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھی ہے۔اس لئے ایک لحاظ سے حصولِ رزق کسان کے ہاتھ میں ہے اور ایک حد تک (اور بڑی حد تک) اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے بزرگوں کا قول ہے کہ **مختار فی فعله و مجبور فی اختیاره** (یعنی انسان جو چاہے کرسکتا ہے لیکن جو چاہے اسے پا نہیں سکتا) اور یہی عقیدہ صحیح ہے کہ ایمان قدر و جبر کے درمیان ہے۔

اور حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ بندہ مختار است اندر کسب خود بمقدار استطاعش از خدائے عزوجل و دین ما میان قدر و جبر است۔یعنی کہ ''بندہ اپنے فعل میں اس قدر مختار ہے جس قدر اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے طاقت ملی ہے اور ہمارا مذہب (عقیدہ) قدر و جبر کے درمیان ہے۔''

ابن سعد حضرت عمران بن عبداللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن ﷺ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**'' لکھا ہوا ہے۔جب یہ خواب حضرت سعید ابن مسیّب ﷺ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، اگر آپ کا خواب سچا ہے تو آپ کی زندگی کے صرف چند دن اور باقی رہ گئے ہیں۔یہ تعبیر صحیح ثابت ہوئی۔ آپ کو زہر دیا جا رہا تھا اور اس زہر خورانی کے سبب اس خواب کے چند دن بعد ہی 45 سال 6 ماہ اور چند روز کی عمر میں 5 ربیع الاول 49 ہجری بمطابق 12 اپریل 669ھ کو شہادت کے رُتبہ سے سرفراز ہو گئے۔**انا للّٰه و انا الیه راجعون۔**

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی حسین ہے۔آپ کا نام پیغمبر اول وآخر واعظم ،ہادی دو جہاں ،سرکار دو عالم ،اصل الموجودات، حاصل کائنات ،سید المرسلین، خاتم النبیین ،رحمۃ اللعالمین ،حضور پُرنور ،حضور انور، نبی کریم رؤف ورحیم ،عالم خفا وغیوب ،انسانِ کامل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رکھا۔یہ اسم مبارک حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹے شبیر کے نام پر رکھا گیا تھا۔آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور آپ کا لقب مبارک سبط رسول اور ریحانۃ الرسول ہے۔شبیر سریانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں اس کا ہم معانی حسین ہے اور یہ نام جنتی ناموں میں سے ہے۔

آپ پیغمبر اول وآخر واعظم ،ہادی دو جہاں ،رہنمائے کائنات ،خاتم النبیین ،سید المرسلین ،اصل الموجودات، حاصل کائنات ،پیغمبر انس وجاں ،سرکار دو عالم ،رحمۃ اللعالمین ،حبیب رب العالمین ،حضور پُرنور، نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں پلے بڑھے۔آپ کی گھٹی میں رسول کائنات کا لعابِ دہن شامل تھا۔جس کے والد ماجد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا ہوں ،جس کی والدہ ماجدہ بنت رسول حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہوں اور جس کے نانا جان پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ ہوں ،اس کے کمالات ،روحانیت ،مدارج حسنِ اخلاق اور دیگر صفاتِ حمیدہ کو کوئی کس طرح بیان کرسکتا ہے۔باطنی اور ظاہری علوم کا آپ ایک بحر بے کنار تھے۔بڑے بھائی کے وصال کے بعد آپ ہی روحانیت کے سب سے اونچے درجے پر فائز تھے۔آپ شکل و صورت میں ہی اپنے نانا جان سے مشابہ نہ تھے بلکہ اخلاق ،کردار و گفتار میں بھی بہت مشابہت پائی جاتی تھی۔آپ بہت دریا دل اور سخی تھے اور آپ کی جرأت وہمت بھی بے مثال تھی۔آپ عزم واستقلال ،ہمت وشجاعت واستقامت کا کوہ گراں تھے۔ عبادات ،تلاوتِ قرآن مجید فرقانِ حمید ،درس وتدریس ،تبلیغ دینِ متین آپ کو بہت پسند تھیں۔عفوودرگزر ،صبر وشکر اور عاجزی و انکساری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔شریعت وطریقت کا آپ اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔آپ شمع آلِ محمد ﷺ ،سید ورہنمائے زمانہ ،قبلۂ اہل بلا اور شہیدِ کربلا ہیں۔جو دوشِ پیغمبر ﷺ کا سوار ہو اس کی عظمتوں ،خوبیوں اور صفاتِ حمیدہ کے کیا کہنے۔اس کی تو جتنی بھی تعریف وتوصیف کی جائے وہ کم ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 5شعبان 4ھ بمطابق 19جنوری 626ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی ۔پیغمبر اول و آخر واعظم ، حضور پرنور، نبی کریم ،رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں پلے بڑھے۔آپ اہل بیت اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نورنظر تھے۔آپ نے سب سے پیار وفیض پایا۔مدینہ منورہ میں ہی تعلیم وتربیت حاصل کی۔والدین کریمین اور کبار صحابہ کرام کی شفقت ونظر کرم سے تمام ظاہری وباطنی علوم پر عبور حاصل کیا۔اور پھر خود امت مسلمہ اور انسانیت کے لئے شفیق رہنما ہوگئے۔حق کی سربلندی کے لئے اپنے اہل خانہ اور قریبی عزیزوں کے ہمراہ 4شعبان 60ھ بمطابق 10 مئی 680ھ کو مدینہ منورہ چھوڑا اور مکہ معظمہ چلے گئے۔اور وہاں سے بیاسی (82) نفوس پر مشتمل یہ قافلہ 3 ذوالحجہ 60ھ کو عراق کے لئے روانہ ہوا۔یہ مقدس قافلہ جس میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی 2 محرم الحرام 61ھ کو میدانِ کربلا میں پہنچا۔10محرم الحرام 61ھ بروز جمعہ حق وباطل میں ٹکراؤ ہوا۔شہسوارانِ حق نے اپنے آپ کو حق کی سربلندی کے لئے حق پر قربان کردیا اور واصل بحق ہوگئے۔ (سانحہ کربلا کی تمام تر تفصیلات میری تصنیف "حق حقیقت اور حقائق" میں موجود ہیں)۔56 سال 5ماہ 5دن کی عمر میں بروز جمعہ 10 محرم الحرام 61ھ بمطابق 10/اکتوبر 680ء کو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اس دارِفانی سے رحلت فرمائی۔

حالات،مناقب،ارشادات:

میں نے مندرجہ بالا میں حالات وواقعات مختصراً موضوع کے لحاظ سے بیان کردیئے ہیں۔اس کتاب میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اور نہ یہ کتاب ان خطوط پر لکھی جارہی ہے کہ حالات وواقعات زندگی کی تفصیل بیان ہو۔یہ تو علوم باطنی،تصوف اور روحانیت پر لکھی جارہی ہے۔اور پھر آپ تو بحر علوم،تصوف وروحانیت کے مصدر ومنبع میں سے ہیں بھلا آپ کے علوم، مراتب،روحانیت،اخلاق وکردار کے بارے میں میرے جیسا کم علم،ناسمجھ نادان وکم عقل کیا لکھ سکتا ہے۔آپ کا اخلاق وکردار، صفاتِ حمیدہ،تصوف،روحانیت وعلوم ظاہری وباطنی میں درجات اس قدر بلند وپرعظمت ہیں کہ اُن کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔اور اپنی اسی کم مائیگی کی وجہ سے میں یہاں حضرت سید علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے کا سہارا لے رہا ہوں۔

شمع آلِ محمد،ازجملۂ علائقِ مجرد،سیدزمانہ خود حضرت امام ابوعبداللہ حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔آپ قبلۂ اہل بلا اور شہید کربلا ہیں اور یہ بات آپ کی بلندئ حال پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک حق کی متابعت ہوتی رہی۔آپ تابع حق رہے اور جب حق تعالیٰ کی نافرمانی شروع ہوئی تو آپ نے تلوار اُٹھالی اور جب تک حق پر جانِ عزیز قربان نہ کی سکون سے نہ بیٹھے اور رسول خدا ﷺ کی بہت صفات حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اندر تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو (حالت طفل میں) حضور پُرنور ﷺ نے اپنی پشت پر بٹھایا ہوا ہے۔آپ ﷺ نے ایک رسی منہ میں ڈالی ہوئی ہے جس کا ایک سرا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایک ہاتھ میں ہے اور اس کا دوسرا سرا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دوسرے ہاتھ میں ہے اور پیغمبر اول و

آخرو اعظم، حضور انورﷺ گھٹنوں کے بل چل رہے ہیں۔یہ ماجرا دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ **"نعم الجمل جملک یا ابو عبداللہ۔"** اے ابوعبداللہ! آپ کا اونٹ کیسا اچھا ہے؟ یہ سن کر رسول خداﷺ نے فرمایا: **"نعم الراکب ھو یا عمر "** اے عمر! کیا ہی اچھا سوار ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقوالِ طریقت او رحقائق و معارف بہت لطیف اور اسرار و رموز سے لبریز ہیں۔آپ فرماتے ہیں: **"اشفق الاخوان علیک دینک۔"** "تمہارا سب سے زیادہ مشفق دوست تمہارا دین ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی نجات دین میں اور اس کی ہلاکت دین کی مخالفت میں ہے۔پس عقلمند انسان وہ ہے جو اپنے مشفق دوست کے فرمان پر چلتا ہے اور اس کی متابعت کے بغیر کوئی کام بھی نہیں کرتا اور بھائی وہ ہے جو نصیحت کرے اور شفقت کا دروازہ بند نہ کرے۔

روایت ہے کہ ایک دن ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے رسول اللہﷺ کے بیٹے میں ایک غریب عیالدار آدمی ہوں اور آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ رات کا کھانا عطا ہو۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا سی دیر بیٹھ جاؤ کیونکہ میرا رزق آرہا ہے، زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک آدمی نے آکر دینار کے پانچ تھیلے آپ کے سامنے رکھ دیئے اور ہر تھیلے میں ایک ہزار دینار تھے۔قاصد نے کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معذرت کررہے تھے فی الحال یہ رقم خرچ کیجئے اس کے بعد اور ارسال کروں گا۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تھیلے اس آدمی کو دے دو، نیز آپ نے اس سے کہا کہ معاف کرنا آپ کو اس ذرا سی رقم کے لئے بہت انتظار کرنا پڑا۔اگر معلوم ہوتا کہ اتنی تھوڑی رقم آرہی ہے تو آپ کو انتظار کی زحمت نہ دیتا۔ہم لوگ اہل بلا ہیں ہم نے دُنیا کی راحتوں سے کنارہ کشی کررکھی ہے اور دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم سمجھتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا ہی بلند مقام ہے حضرت امام رضی اللہ عنہ کا کہ ایک غریب آدمی رات کا کھانا طلب کرتا ہے اور اس کو پانچ ہزار دینار عطا فرما کر معذرت فرمارہے ہیں کہ انتظار زیادہ کرائی اور دیا کم ہے۔یہ معیار سخاوت اور دُنیا سے اس قدر بے اعتنائی ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔یہ شانِ فقر و سخاوت تو صرف اور صرف آلِ رسول، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہی خاصہ ہے اور پیغمبر اول و آخرو اعظم حضور انور، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیمﷺ اور آپﷺ کی آلِ پاک کے طفیل سے ہی یہ صفات حمیدہ، عاداتِ مجیدہ اولیاء اللہ نے اپنائی ہیں، ان میں ظاہر ہوئی ہیں۔

شہادت:

آپ نے 56 سال 5 ماہ اور پانچ (5) دن کی عمر پائی۔10 محرم الحرام 61ھ بمطابق 10 اکتوبر 680ء کو بروز جمعہ اپنے اہل خانہ، خاندان کے نوجوانوں اور کچھ پروانوں کے ساتھ، اس شمعِ آلِ محمدﷺ نے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا۔

اناللہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

اسمِ مبارک:

آپ کا اسمِ گرامی علی ہے۔آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔بہت زیادہ عبادت گزار ہونے کے سبب آپ کو "زین العابدین" (یعنی کہ عبادت گزاروں کی زینت، اعلیٰ ترین نمونہ) کہا جانے لگا اور پھر آپ اسی پُراحترام و معزز نام سے مشہور ہو گئے۔آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کو علی اصغر بھی کہا کرتے تھے۔آپ جگر گوشہ حضرت امام حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ولایت و روحانیت میں آپ کا مقام اپنے زمانے میں سب سے زیادہ بلند تھا اور بلند کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ بحرِ علوم و روحانیت کے مصدر و منبع کا حصہ ہیں۔آپ کو ظاہری اور باطنی علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی۔آپ انتہا کے صابر، شاکر اور راضی برضائے الٰہی تھے۔کسی بھی طرح سے آپ کے کمالات، مدارج، اخلاق و صفاتِ حمیدہ کا بیان ممکن نہیں ہے۔آپ بے حد مہربان اور شفیق تھے۔آپ نے درس و تدریس، اخلاق و کردار کی ذاتی مثال سے اُمتِ مسلمہ کی بہت خدمت کی ہے اور انسانیت کی رہنمائی کے لئے اپنے اخلاق و کردار کی روشن مثال چھوڑی ہے۔آپ صحیح معنوں میں عبادت گزاروں کی زینت ہیں، وارثِ علم نبوت اور چراغِ اُمت ہیں۔آپ شمعِ اوتاد ہیں، آپ سیدِ مظلوم و امامِ محروم اور کرب و بلا کو سہنے والے ہیں۔آپ اپنے زمانے کا سب سے بڑا اور عمیق بحرِ علوم و روحانیت تھے۔آپ سیف زبان تھے یعنی کہ مستجاب الدعوات تھے۔آپ نے بہت حوصلہ، بہت صبر و شکر اور خاموشی کے ساتھ بڑے بڑے صدمات کو سہا، اور آپ نے کبھی بھی کسی کا بُرا نہ چاہا بلکہ دشمنوں کو بھی دعائیں دی ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ سن 41ھ بمطابق 661ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔والد ماجد اور بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیرِ نگاہ تربیت و تعلیم حاصل کی۔آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے وقت کے روحانی بادشاہ تھے یعنی کہ روحانیت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے۔آپ نے اپنے والد ماجد سے تمام باطنی و ظاہری علوم، روحانی فیوض و برکات حاصل کئے۔کربلا میں 10 محرم 61ھ بمطابق 10 اکتوبر 680ء کو سانحہ عظیم پیش آیا، اس وقت آپ میدانِ کربلا میں

موجود تھے۔آپ کی عمر اس وقت بیس، اِکیس سال تھی مگر آپ اس قدر شدید بیمار اور کمزور تھے کہ بغیر سہارے کے آپ سے اُٹھا بیٹھا نہ جاتا تھا۔سانحہ کربلا کے بعد آپ کو بمع خواتین و بچوں کے پابہ جولاں ملک شام کے شہر دمشق پہنچایا گیا۔اور پھر وہاں سے آپ آزاد ہو کر بمع قافلہ کے دیگر افراد کے مدینہ منورہ پہنچے۔آپ نے عمر عزیز کے بقیہ ایام مدینہ منورہ میں ہی درس و تدریس، ہدایت و رہنمائی فرماتے ہوئے اور عبادت الٰہی میں گزارے۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 53 سال کی عمر پائی اور سن 94ھ بمطابق 713ء میں آپ نے وصال فرمایا۔

آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے ولی اللہ تھے اور آپ کا رُتبہ کشف حقائق و بیان دقائق میں بہت بلند ہے۔آپ سے کسی نے پوچھا کہ سعید ترین انسان کون ہے۔فرمایا:"**من اذا رضی لم یحمله رضاه علی الباطل و اذا سخط لم یخرجه سخطه من الحق**۔" (وہ شخص کہ جب راضی ہو تو باطل پر راضی نہ ہو اور جب غصہ کرے تو اس کا غصہ اس کو حق سے خارج نہ کرے۔) اور یہ حق پرستوں کا کمال ہے، کیونکہ باطل کی پیروی بھی باطل ہے اور غصہ میں آ کر حق سے دستبردار رہنا بھی باطل ہے اور مومن باطل کو پسند نہیں کرتا۔

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا گیا۔رضوان اللہ علیہم اجمعین۔تو آپ کے سوا کوئی زندہ نہ بچ سکا کیونکہ اس وقت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سخت علیل تھے۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کو علی اصغر کہا کرتے تھے،جب اہل بیت کو ننگے اونٹوں پر (بغیر کجاوہ و پالان) سوار کر کے یزید بن معاویہ (خدا اس کو رسوا کرے نہ کہ اس کے والد کو) کے پاس لے گئے تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ یا اہل بیت آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ:**اصبحت من قومنا بمنزلت قوم موسٰی من اٰل فرعون یذبحون ابناء هم ویستحیون نساء هم فلاندری صباحنا من مساء نامن حقیقة بلاء نا** (ہمارے ساتھ وہی سلوک ہوا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ فرعون نے کیا تھا یعنی اُن کے بیٹوں کو ذبح کر دیا اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھا اور ہم اس قدر بلا و مصیبت میں مبتلا ہیں کہ نہ دن کا پتہ ہے نہ رات کا)۔اور ہم اس کی نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں اور اسکی مصیبت پر صبر اختیار کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک بن مروان حج کو گیا تو طواف کے دوران اس نے حجر اسود کو بوسہ دینے کی کوشش کی لیکن ہجوم اس قدر تھا کہ وہاں تک پہنچ نہ سکا۔اس کے بعد اس نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ شروع کیا۔اس وقت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی طواف کر رہے تھے۔جب انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا قصد کیا تو ساری خلقت ایک طرف ہٹ گئی اور آپ نے اطمینان سے بوسہ دیا۔یہ دیکھ کر بادشاہ کے ایک مصاحب نے کہا کہ اے ہشام! تجھے تو کسی نے حجر اسود تک پہنچنے نہ دیا،بادشاہ تو ہے یا وہ خوبصورت نوجوان جس کے سامنے سے ساری خلقت ہٹ گئی ہے؟ ہشام نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کون ہے اس وقت فرزدق شاعر بھی حرم کعبہ میں موجود تھا۔اس نے کھڑا ہو کر بآواز بلند کہا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ نوجوان کون ہے۔لوگوں نے کہا ہاں ابو فراش! (یہ فرزدق شاعر کی کنیت تھی) بتاؤ وہ کون ہے؟ اس نے کہا ذرا کان کھول کر سنو میں بتاتا ہوں کہ وہ کون ہے۔

اس کے بعد اس نے یہ قصیدہ شروع کر دیا۔شاعر (حضرت فرزدق ؓ) کے عربی کلام کو مترجم نے اردو شاعری میں یوں بیان کیا ہے: ۔

یہ جوان وہ ہے کہ چومنے کو جس کے قدم
ہے ترستی سرزمین عرب و عجم

تو کیا جانے کہ یہ فاطمہ کا لال ہے
اور جس کے نانا پہ ہوئی نبوت ختم

بہترین و مہترین لوگوں کی یہ اولاد ہے
ہے تقی و نقی و طاہر و صاحب قلم

چہرہ اس کا چاند ہے اور چودھویں کا چاند ہے
یا آفتاب جہاں دور ہوں جس سے ظلم

شرم وحیاء جس کی صفت اور رُعب بھی
خوب روئی ، خوبصورتی ہو جس پر ختم

ہے قریشی ہاشمی اعلیٰ نسب
صاحب اخلاق بھی ہے اور اہل کرم

جن مراتب پہ ہے رسائی شاہ کی
ان تلک پہنچا نہیں کوئی عرب نہ عجم

جن کے نانا ہیں فضیلت میں بلند
سب نبیوں سے اور امتش خیرالامم

کون ہے جو اس کے آگے آ سکے
جب وہ چاہے چومنا بیت الحرم

اس کی زلفوں میں ہے خوشبوئیں کھلتی
مانند ہیں جن سے جہاں کی سب شمم

وہ شاخ ہے ایسے شجر کی جس کا
نام ہے خیرالبشر خیرالامم

وہ کون ہے تو جانے نہیں
وہ بادشاہ ہے بادشاہِ عرب و عجم

ہاتھ میں خیر ہے اس کے اور لطف بھی
وہ لطف و کرم جو ہو کبھی نہ کم

اس کی آمد سے اُجالا ہو گیا ہے جا بجا
اور دور بھاگے ہیں سبھی جور و ستم

کوئی نہیں اس جیسا سخی اندر جہاں
نہ ہی دیکھا ہے کسی نے آپ جیسا محترم

قحط سالی میں ہے وہ بارانِ کرم
اور جنگ میں بھی جما دیتا ہے قدم

خلق کا پتلا ہے وہ اور سیرت کا دھنی
حسن ہی سب حسن ہے از سرتا قدم

ہے محبت دین کی اس پر سوار
کس قدر اس پہ ہے اللہ کا کرم

اہل تقویٰ ، اہل علم و اہل ذوق
اہل حسن و اہل خوبی ، اہل کرم

ہو کوئی گر مفلس و نادار و غنی
سب پہ ہوتا ہے شہا تیرا کرم

دی شرافت وبزاکت اس کو اللہ نے
ہیں ثناء خواں جس کے سب لوح وقلم

ہر شرافت ہر فضیلت ہر کرم
ہوتا ہے آخر آن کر اس پر ختم

حق پہ قائم، حق پہ دائم ہے وہی
اس کے گھرانے سے ملا ہے دینِ محترم

کون ہے دُنیا میں یارو جہاں میں سچ کہو
اس کے سامنے گردن ہو جس کی نہ خم

پھر بھی تو نے کہا میں نہ جانوں کون ہے
یہ سراسر جھوٹ ہے اے مبتلائے رنج وغم

جب اس شاعر نے اہل بیت رسول اللہﷺ کی مدحت میں اس قسم کے اور شعر بھی پڑھے تو خلیفہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کو سخت غصہ لگا اور حکم دے دیا کہ اسے قلعہ عسفان میں قید کر دیا جائے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔جب اس بات کا پتہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو لگا تو آپ نے فرزوق کے پاس بارہ ہزار درہم ارسال فرمائے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ ہمیں معذور رکھنا اس وقت ہمارے پاس اس رقم کے سوا کچھ نہیں تھا۔فرزوق نے وہ رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اے رسول اللہﷺ! کے بیٹے میں نے سلاطین کی مدحت کر کے بہت دروغ گوئی کی ہے اور بہت کمایا ہے اب اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے میں نے رسول اللہﷺ کے اہل بیت کی مدحت سرائی کی ہے اس لئے آپ یہ رقم واپس لے لیجئے تو نوازش ہوگی۔جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام ملا تو آپ نے کہلا بھیجا کہ اگر تمہیں ہمارے ساتھ محبت ہے تو یہ رقم قبول کر لو کیونکہ ہم جو کچھ اپنی ملکیت سے خارج کرتے ہیں اس کو واپس نہیں لیتے۔اس پر اس نے رقم قبول کر لی۔

آپ نے سنِ ہجری کے لحاظ سے 53 سال کی عمر پائی۔آپ کا وصال 94 ہجری بمطابق 713 عیسوی میں مدینہ منورہ میں ہوا۔اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔
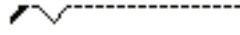
حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی محمد ہے۔اور آپ کی کنیت ابو جعفر اور ابو عبداللہ بھی ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی علی (زین العابدین) بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھا۔آپ کا لقب باقر تھا۔

آپ کے کمالات، مقام و مدارج ،علوم دنیاوی اور علوم دینی یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم کے بارے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ یکتائے زمانہ تھے۔آپ کے محاسن و مدارج بہت بلند، نمایاں اور روشن ہیں کہ انسانیت ان سے ہمیشہ روشنی اخذ کر کے اپنی راہوں کو نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے منور رکھے اور حبِ رسول اللہ اور معرفت الٰہی حاصل کرے۔آپ کے کمالات، مقام و مدارج کا بیان ممکن نہیں ہے۔آپ کو حجتِ اصحاب معاملت، برہانِ اربابِ مشاہدات، امام اولادِ نبی علیہ ﷺ و برگزیدہ نسل علی کے جیسے معزز خطابات سے یاد کرنے کے باوجود یہ کمی محسوس ہوتی رہتی ہے کہ میں امامِ عالی مقام کی معیاری تعریف و توصیف نہ کر سکا ہوں۔اصل میں آپ تو بحر علوم و روحانیت کے مصدر و منبع کے اتنا زیادہ قریب ہیں کہ آپ کو اس سے کچھ دور تصور نہیں کیا جا سکتا۔اور اتنی قربت والی عظیم و معزز ہستیوں کے کمالات و محاسن بیان کرنا آسان کام نہیں ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک سن 57 ہجری بمطابق 677 عیسوی میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔آپ سانحہ کربلا میں اپنے والد ماجد حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور اس وقت آپ کی عمر 4 سال تھی۔آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ ہی مدینہ منورہ آئے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 57 سال کی عمر پائی اور آپ کا وصال 114 ہجری بمطابق 732 عیسوی میں ہوا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔محرم 61 ہجری میں سانحہ کربلا کے دوران آپ بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ مدینہ منورہ ہی واپس آ گئے اور مدینہ منورہ میں ہی اپنے والد ماجد سے باطنی و ظاہری تعلیم حاصل کی اور درجات طے کئے۔قرآنِ حکیم کے

حقائق ومعارف بیان کرنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا اور آپ کی بہت شہرت تھی۔ آپ کے تصرفات وکرامات بہت ظاہر تھے۔ آپ پہلے بزرگ تھے جو حسنی اور حسینی شرف انتساب سے مالا مال تھے یعنی آپ والد کی طرف سے حُسینی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسنی تھے۔

شانِ رب العالمین، حکمت خداوندی اور انسانیت کی بدقسمتی کہ شاہانِ وقت ان گوشہ نشین، تارک الدنیا بزرگوں سے نہ جانے کیوں خائف رہتے تھے۔ ان فقیروں کو، درویشوں کو، دنیا کو مکمل طور پر ٹھکرا دینے والوں کو کیوں اپنا دشمن تصور کرتے تھے، کیوں اپنی حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ جانتے تھے کہ بے بہانہ، بے سبب ان کی جان کے درپے ہو جاتے تھے۔

آپ قرآنِ حکیم کے بیان میں بہت علم رکھتے تھے۔ بیان فرماتے وقت انتہائی باریکیاں اور علم وحکمت کے نکات کھول کھول کر بیان فرماتے۔ آپ کی بہت سی کرامتیں بھی مشہور ہیں۔ وقت کا بادشاہ آپ کی شہرت، عظمت، اور عوام میں آپ کی مقبولیت سے خائف تھا۔ ایک دن اس نے آپ کو قتل کرنے کے لیے بلا بھیجا۔ آپ بے دھڑک تشریف لے گئے۔ جب آپ اُس کے سامنے گئے تو بادشاہ کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے آپ سے معافی مانگی اور بہت سے تحفے تحائف دے کر آپ کو واپس بھیجا۔ جب آپ دربار سے آ گئے تو بادشاہ کے مصاحبین نے پوچھا، بادشاہ سلامت یہ کیا ماجرا ہو گیا؟ آپ نے انہیں قتل کرنے کے لیے بلایا تھا؟ بادشاہ نے کہا جب وہ میرے سامنے تشریف لائے تو دو شیر اُن کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تو نے انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تو ہم تجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔

بیان تفسیر میں آپ کی شان نرالی ہے۔

آیت مبارکہ: **فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ** ۔ (جس نے شیطان کا کہا نہ مانا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا) کی تفسیر میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو چیز تجھے حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے باز رکھے وہ تیرے لئے طاغوت ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت 256 کے مندرجہ بالا حصے کی آپ نے کتنی خوبصورت جامع اور دلنشین ہو جانے والی تفسیر کی ہے اہم اور باریک نکتہ کس خوبی اور خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے انسان جو بھی دنیا کی چیز تجھے مشاہدہ رب العالمین سے روکے، جو بھی شے تجھے اس کے ذکر پاک سے روکے، اس کی یاد سے غافل کرے وہی تیرے لئے طاغوت ہے، وہی تیرا طاغوت ہے۔ لہٰذا تو اپنا مطالعہ کر، اپنے آپ کو سمجھ، اپنے اندر، اپنے اردگرد کے ان محرکات واعمال ومعمولات کو غور سے دیکھ جو قربِ الٰہی میں، یادِ الٰہی میں، حبِ الٰہی میں، معرفتِ الٰہی میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ یہی حجابات ہیں، ان تمام رکاوٹوں کو حجابات کو دور کر دے، معمولاتِ زندگی اور دنیاوی خواہشات کو ترک کر دے تاکہ تجھے کشف الٰہی حاصل ہو اور کوئی حجاب درمیان میں نہ رہے۔

فلاح دارین کے لئے اس بیان کی مزید تشریح پیش خدمت ہے۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ہماری زندگی میں کون سی چیزیں ایسی ہیں جو ہمیں قرب ووصال اور مشاہدہ حق سے مانع ہیں،

جو ہمیں مشاہدہ حق سے روکتی ہیں۔یعنی کس وجہ سے ہم عبادت اور ریاضت اور مجاہدہ نہیں کرتے کیونکہ جو چیزیں ہمیں مشاہدہ اور قرب حق جیسی بلند ترین اور اعلیٰ وارفع نعمتوں سے باز رکھ رہی ہیں اُن سے پیچھا چھڑانا ہمارے لئے بے حد ضروری ہے۔غور سے دیکھا جائے تو سب سے بڑی رکاوٹ جو ہمارے راستے میں حائل ہے ہماری نفسانی خواہشات ہیں یعنی دُنیا کی محبت، دولت کمانے کا شوق، عزت وشہرت اور نام و ناموس کا عشق، تکبر او رخود پسندی، غرور اور حرص وہوس وغیرہ اور یہ تمام چیزیں مشاہدۂ حق، قرب حق، اور وصالِ حق اور معرفتِ حق کے مقابلہ میں نہایت ہی ہیچ، ادنیٰ، بے قیمت اور بے وقعت ہیں کیونکہ دولت، شہرت اور جاہ و جلال سب عارضی اور فانی چیزیں ہیں۔ عارضی اور فانی چیزوں سے دل لگا کر قرب و وصالِ حق تعالیٰ جیسی نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہ جانا عقل مندی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ نہایت ہی حماقت اور بدنصیبی اور محرومی ہے۔

روایت ہے کہ جب کچھ رات گزر جاتی اور آپ اوراد وغیرہ سے فارغ ہو جاتے تو آپ یہ مناجات با آواز بلند کہتے:

"یا الٰہی ویا سیدی!اب رات ہوگئی ہے، بادشاہوں کی بادشاہی ختم ہو چکی ہے، آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں، خلقِ خدا نیند میں مشغول ہے، اور گم سم ہوگئی ہے، لوگوں کی آوازیں ختم اور ان کی آنکھیں بند ہوگئی ہیں۔امیروں کے دروازوں پر لوگوں کے مجمعے باقی نہیں رہے، سلاطینِ بنوامیہ آرام میں ہیں۔ان کے دروازے بند ہو گئے ہیں اوران پر پہرہ دار کھڑے پہرہ دے رہے ہیں اور تمام حاجت مند لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔لیکن اے رب کائنات تو زندہ و پائندہ اور دانندہ ہے۔تو غنودگی اور نیند سے پاک ہے۔جو شخص تیری ان صفات کو نہیں پہچانتا وہ تیری نعمتوں کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے۔یا الٰہی تو وہ ہستی ہے کہ کوئی چیز تیری ان صفات عالیہ کو نہیں روک سکتی اور نہ تیرے کاموں میں دن رات کو یعنی کہ کبھی بھی کوئی خلل واقع ہو سکتا ہے۔تیری رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔جو شخص تیری بارگاہِ معلّی میں سوالی بن کر آتا ہے خالی نہیں جاتا۔تو وہ مالک الملک ہے۔تو وہ دانا ہے کہ کسی سائل کو محروم کرنا روا نہیں رکھتا، اے خالق و مالکِ کائنات، زمین و آسمان میں جو بھی تیرے در پر آتا ہے تو اسے خالی نہیں جانے دیتا۔جب میں موت، قبر اور حساب و کتاب کو یاد کرتا ہوں تو دُنیا کی ہر چیز کو بھول جاتا ہوں۔بس میں تجھے چاہتا ہوں، تجھے ایک جانتا ہوں اور سب کچھ تجھ سے مانگتا ہوں۔یا اللہ! مجھے مرگ بے عذاب، حال بے حساب اور حیات بے عتاب عطا کر۔"

آپ یہ مناجات کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔راوی کہتا ہے کہ ایک دن میں نے آپ سے دریافت کیا کہ یا سیدی و یا سید آبائی! آپ اس قدر کیوں روتے ہیں اور آہ و بکا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ "حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف گم ہو گیا تھا اور اس قدر روئے کہ بینائی جاتی رہی اور آنکھیں سفید ہو گئیں اور میں اپنے والد ماجد سمیت اٹھارہ عزیزانِ گرامی کو کھو بیٹھا ہوں، کیا میرے لئے گریہ کرنے اور آہ و فغاں میں مشغول ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے؟ قادرِ مطلق، رب العالمین کے حضور آپ کی دعائیں، التجائیں، گریہ وزاری عربی زبان میں مناجات، فصاحت و بلاغت کا بہترین سرمایہ ہیں۔

سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 57 سال کی عمر پائی۔آپ نے 114 ہجری بمطابق 732ء میں وصال فرمایا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی جعفر صادق ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد باقر رضی اللہ عنہ تھا جو بعد میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے نام نامی سے مشہور زمانہ ہوئے۔ آپ کے دادا جان کا اسم گرامی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھا اور وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ 61 ہجری کے محرم میں، 10 محرم آپ کی شہادت کے دن تک آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شادی ہو چکی تھی اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت (سانحہ کربلا کے وقت) 4 سال کے قریب تھی اور یہ دونوں صحیح سلامت بالآخر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور پھر تمام عمر مدینہ منورہ میں ہی رہے۔

آپ کے مقام و مدارج، علوم ظاہری و باطنی، علم شریعت، راہِ طریقت، حقیقت اور معرفت یعنی کہ روحانیت کے بارے میں کیا لکھوں۔ میرا لکھنا ایسے ہی ہے جیسے سورج کے سامنے چراغ روشن کرنا آپ تو بحر علوم و روحانیت کے مصدر و منبع کے اتنا زیادہ قریب ہیں کہ آپ کو اس سے کچھ دور تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور میں زمانے کے ایک عظیم المرتبت ولی اللہ کے دستِ شفقت کے سبب انہی کے الفاظ میں آپ کی صفاتِ حمیدہ کے بارے میں، آپ کی شان میں یوں رقمطراز ہوں۔ آپ سنت نبوی کے بے حد حسین نمونہ تھے یعنی کہ یوسف سنت تھے۔ آپ تصوف کا خوبصورت مجسمہ تھے یعنی کہ جمالِ طریقت تھے۔ آپ بہترین معرفتِ حق بیان کرنے والے تھے یعنی کہ آپ معبر معرفت تھے، رہبر و رہنمائے معرفت تھے۔ آپ درویشی اور ولایت کی زینت تھے یعنی کہ مزین صفوت تھے۔

آپ کے مناقب اور کرامتوں کے متعلق جو کچھ بھی تحریر کیا جائے بہت کم ہے۔ آپ امت محمدی کے لئے صرف شاہِ روحانیت کامل رہنما اور حجت نبوی کے لئے روشن دلیل ہی نہیں بلکہ صدق و تحقیق پر عمل پیرا۔ اولیاء کرام کے سردار اور آلِ رسول کے باغ کے پھل، آلِ علی اور نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ اور صحیح معنوں میں وارث نبی بھی ہیں اور آپ کی عظمت و شان کے اعتبار سے ان خطابات کو کسی طرح بھی نامناسب نہیں کہا جا سکتا۔

آپ کے فقر کا یہ عالم تھا کہ وقت کے مطلوب و مقصود اور بادشاہِ روحانیت ہوتے ہوئے آپ نے دُنیا کو ترک کر دیا۔

رات دن عبادات، ریاضات، ومجاہدات میں گزارتے۔گوشہ نشینی میں رہتے اور حق کے طالبوں کی رہنمائی فرماتے۔درس وتدریس کا سلسلہ خوب زوروں سے جاری رکھا۔آپ نے طریقت وشریعت پر بہت کتابیں تصنیف فرمائیں۔آپ جیسا شریعت وسنت کا اتباع اور کون کرسکتا تھا لیکن اس حقیقت کے باوجود آپ بہت ہی عاجزی والے تھے اور ہر وقت خوف خدا میں مبتلا رہتے تھے۔آپ بہت ہی صابروشاکر تھے۔غصہ اور سختی یا بدلہ آپ کی طبیعت میں تھا ہی نہیں۔آپ بہت منکسر المزاج اور نیچی نگاہیں رکھنے والے تھے۔آپ تمام ظاہری وباطنی علوم وفنون پر پوری دسترس رکھتے تھے۔آپ تمام مشائخ کے امام مانے جاتے ہیں۔تمام مسالک کے لوگ آپ سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔اہل سنت والجماعت میں آپ کی بے حد مقبولیت ہے۔

آپ خدا پرستوں اور پیروی رسول مقبول ﷺ کرنے والوں کے پیشوا ہیں۔آپ زاہدوں کے سرتاج ہیں اور سب عابدوں سے بڑھ کر عابد ہیں۔آپ حقائق کے علمبردار اور اعلیٰ مصنف، لطائف وتفسیر اور تنزیل میں لاثانی تھے۔فقہ جعفریہ آپ سے منسوب ہے۔آپ اماموں کے امام ہیں۔

آپ تمام ظاہری وباطنی کمالات کے جامع تھے۔مشائخ عظام میں سے آپ کے اشارات یعنی باطنی نکات تمام علوم میں نہایت ہی لطیف وجمیل اور آپ کے حقائق ومعارف بے حد بلند ہیں۔طریقت میں آپ کی تصانیف معروف ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت 80 ہجری بمطابق 699 عیسوی ہے۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 68 سال کی عمر پائی اور آپ نے 22 رجب 148ھ بمطابق 13 ستمبر 765ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی، وصال فرمایا۔

آپ کے ہم عصروں میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، حضرت سفیان ثوری، حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی، حضرت امام مالک، حضرت حسن بصری، حضرت رابعہ بصری، حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اجمعین، اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ علیہ آپ کے ہونہار شاگرد تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ ؓ 80ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی اور بعد کے تمام ظاہری وباطنی علوم اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقر ؓ سے حاصل کئے۔آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور روحانی پیشوا تھے اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت اعلیٰ ترین معیار کی ہوئی۔اور پھر آپ نے اپنے زمانے میں اپنے حسن اخلاق، فقر واعلیٰ کردار، اپنے بحر علوم ظاہری وباطنی سے انسانیت کو راہِ ہدایت دکھائی، رہنمائی کی اور تشنہ دلوں کو خوب سیراب کیا۔

آپ ؓ بارہ اماموں کے سلسلے میں سے ہیں۔مگر آپ کی حیاتِ مبارکہ اور علم وفضل کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں بارہ اماموں کے علم وفیض، زہد وعبادات، تعلیمات، روحانی فیوض وبرکات کی خوشبو اور نور دکھائی دے گا۔اہل تشیع کے علاوہ اہل سنت والجماعت آپ سے زیادہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔اہل سنت والجماعت میں آپ کی بے حد مقبولیت ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ اہل بیت سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ لوگ آپ کو رافضی کہنے لگے۔ اسی بناء پر خلیفہ وقت نے انہیں جیل میں ڈال دیا۔ جیل میں امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ایک شعر کہا جس کا مفہوم تھا: "اگر آلِ رسول ﷺ سے محبت اور دوستی رفض ہے تو تمام جنوں اور انسانوں کو چاہیے کہ میرے رفض کی گواہی دیں اور یہ بھی فرمایا کہ جب تم رسول کریم ﷺ کو بادشاہِ دو جہاں مانتے ہو تو آپ کے وزراء اور صحابہ کرام کو درجہ بدرجہ ماننا، جاننا اور اُن کا احترام کرنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے اور حضور اکرم ﷺ کی آل و اولاد کا رُتبہ جاننا بھی اُسی طرح لازم ہے کیونکہ وہ روحانی بادشاہت کے مسند نشیں ہیں۔

صحیح معنوں میں اسی کو سُنّی کہا جاتا ہے جو حضور اکرم ﷺ سے رشتہ رکھنے والوں میں سے کسی کی فضیلت کا بھی منکر نہ ہو۔ ایک روایت ہے کہ کسی نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ کے متعلقین میں سب سے زیادہ افضل کون ہے؟ فرمایا کہ بیٹیوں میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ساتھیوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور جوانوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ و ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

آپ پر خوفِ خدا اس قدر حاوی تھا کہ ایک دفعہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے ابن رسول ﷺ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے کیونکہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو سلیمان! تو اپنے زمانے کا شیخ ہے تجھے میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول آپ خلقت میں سب سے زیادہ افضل ہیں اور آپ کی نصیحت ہمارے لئے واجب ہے، آپ نے فرمایا: "اے ابو سلیمان! (یہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے) میں اس بات سے بے حد خائف ہوں کہ کل قیامت کے دن میرے دادا جان (حضرت محمد رسول ﷺ) مجھ سے سوال کریں گے کہ تو نے میری مطابعت کا حق کیوں ادا نہیں کیا، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر چیز حسب و نسب نہیں، بلکہ حسن عمل ہے۔"

یہ سن کر حضرت شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے کہ اے رب العالمین! جس شخص کا خمیر خاندانِ نبوت ہے، جس کے دادا رسول اللہ ﷺ ہیں اور والدہ ماجدہ کا اسم مبارک حضرت فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ جب وہ عاقبت کے معاملہ میں اس قدر حیران و پریشان ہے تو داؤد کون ہوتا ہے کہ وہ پریشان نہ ہو۔

ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا کہ مجھ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار کروا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ "**لن ترانی**" تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے عرض کیا یہ تو مجھے بھی علم ہے لیکن یہ تو اُمت محمدی ہے، جس میں ایک تو یہ کہتا ہے کہ "**رانی قلبی**" میرے قلب نے اپنے پروردگار کو دیکھا اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ "**لم اعبد ربالم اراہ**" یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جو مجھ کو نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے دجلہ میں ڈال دو۔ آپ کنارے پر کھڑے تھے۔ جب اس کو دجلہ میں ڈال دیا گیا تو آپ نے دجلہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے دجلہ! اس شخص کو اوپر نیچے خوب غوطے دو۔ دریا کی موجوں نے اسے خوب غوطے دیئے۔ وہ دہائی دے رہا تھا اے

ابن رسول ﷺ! مجھے بچایئے۔ بار بار پانی سے اوپر آتا تو آپ کو پکارتا، پھر پانی کے نیچے چلا جاتا۔ جب وہ بالکل نڈھال ہو گیا اور اُسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے دل کی گہرائیوں سے خدا کو پکارا اور دُہائی دے کر کہا اے پروردگار عالم جل جلالہٗ مجھے بچا لیجئے۔ خدا کا نام دل کی گہرائی سے نکلا تو وہ بے قراری، وہ اضطراب، وہ موت کا خوف دل سے نکل گیا اور وہ پُرسکون انداز میں خاموش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اُسے باہر نکال دو، اسے فوراً دریا سے باہر نکال لیا گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا اے شخص! تو نے پروردگار عالم کو دیکھا؟ اس نے عرض کی ہاں میں نے دیکھا۔ اے وارث نبی مکرم و معظم ﷺ۔ اے عارف عشق حق، میں تو آپ کے علم و فضل، آپ کے روحانی فیوض، اور آپ کے زہد و تقویٰ کا چرچا سن کر، آزمائش کے لئے آیا تھا۔ اے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وارث، اے نور جگر گوشہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ میں جب تک غیر سے مدد طلب کرتا رہا تو مجھے دل کے آگے ایک حجاب سا محسوس ہوتا رہا۔ جب غیر کو چھوڑ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کو پکارا تو دل سے حجاب اُٹھ گیا۔ ایک سیاہ رنگ کا سوراخ نظر آیا جس سے ایک روشنی سی پھوٹنے لگی جس نے مجھے ایسا سکون بخشا کہ خدا کے سوا سب کچھ بھول گیا اور میں نے بچانے والے کی ہستی کو پا لیا۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک تو صادق (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) کو پکارتا رہا تو تو کاذب تھا اور جب تو نے مدد کے لیے اس رب ذوالجلال کو پکارا، تو تو صادق ہو گیا۔ اب تو جا اور دل کے اندر سے پھوٹنے والی روشنی کی حفاظت کر۔

ایک دن آپ رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا کہ'' آؤ آج تم سب مجھ سے ایک عہد کرو کہ ہم میں سے جس کو بھی قیامت کے دن نجات مل جائے۔ وہ اس دن میری شفاعت کرے۔ غلام عرض کرنے لگے، آپ تو ابن رسول ﷺ ہیں آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے؟ آپ تو ساری مخلوق کے شفیع ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ''تم نہیں جانتے میں اپنے افعال سے شرمندہ ہوں اور قیامت کے دن اپنے جد کریم ﷺ کے روبرو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

آپ کی یہ کیفیت اپنے نفس کی عیب گیری کے لیے تھی۔ یہ صفت اوصاف کمال سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ صفت مقبولانِ حق سے وابستہ ہے۔ اس میں انبیاء، رُسل، پیغمبر، اولیاء، صوفیاء سب شامل ہیں۔ حدیث پاک ہے: ''جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی پر کرم فرماتا ہے تو اسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔''

کسی شخص نے آپ سے عرض کی: اے امام عالی مقام! آپ میں ظاہری اور باطنی کمالات اور بلندی درجات و مقامات کے باوجود آپ میں تکبر پایا جاتا ہے۔ فرمایا: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں متکبر نہیں ہوں۔ یہ ضرور ہے جب میں نے کبر کو ترک کر دیا تو میرے رب کی کبریائی نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اے شخص میں اپنے کبر پر ناز نہیں کرتا بلکہ میں تو اپنے رب کی کبریائی پر فخر کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے قیمتی لباس زیب تن کر رکھا تھا کسی نے کہا اتنا قیمتی لباس اہل بیت کی شان کے شایاں نہیں، اتنی بڑی

ہستیوں کے لیے ایسا لباس پہننا مناسب نہیں۔ آپ مسکرا دیئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آستین کے اندر پھیر دیا اندر کا لباس ٹاٹ سے بھی زیادہ کھردرا تھا۔ وہ شخص بہت شرمسار ہوا اور معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا: ظاہری لباس مخلوق کے لیے اور اندر کا لباس باطن کا عکس ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ دانش مند کی کیا تعریف ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو بھلائی اور برائی میں امتیاز کر سکے۔ آپ نے کہا امتیاز تو جانور بھی کر لیتے ہیں کیونکہ جو اُن کی خدمت کرتا ہے اُن کو ایذا نہیں پہنچاتے اور جو تکلیف دیتا ہے اس کو کاٹ کھاتے ہیں۔ اس سے ڈرتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ پھر آپ کے نزدیک دانشمندی کی کیا علامت ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی کو اختیار کرے، اور دو برائیوں میں سے مصلحتاً کم برائی پر عمل کرے۔

ایک مرتبہ آپ تنہا اللہ جل شانہٗ کا ورد کرتے ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک اور شخص بھی اللہ جل شانہٗ کا ورد کرتا ہوا آپ کے ساتھ ہو گیا۔ اس وقت آپ کی زبان سے نکلا کہ اے اللہ اس وقت میرے پاس کوئی بہتر لباس نہیں ہے چنانچہ یہ کہتے ہی غیب سے ایک بہت اچھا لباس نمودار ہوا اور آپ نے زیب تن کر لیا لیکن اس شخص نے جو آپ کے ساتھ لگا ہوا تھا عرض کیا کہ میں بھی تو اللہ جل شانہٗ کا ورد کرنے میں آپ کا شریک ہوں لہذا اپنا پرانا لباس مجھے عنایت فرما دیں آپ نے اپنا لباس اُتار کر اس کے حوالے کر دیا۔

ایک مرتبہ کسی اجنبی شخص کی تھیلی گم ہو گئی۔ وہ شخص آپ کو جانتا نہیں تھا اس نے کہا میری تھیلی آپ نے لی ہے۔ آپ خاموش رہے اور فرمایا، تھیلی میں کیا تھا؟ اس شخص نے کہا دو ہزار دینار تھے۔ آپ اسے خاموشی سے گھر لے گئے اور دو ہزار دینار دے دیئے۔ جب وہ شخص واپس گیا تو اس کی تھیلی مل گئی۔ وہ شخص بہت نادم ہوا اور بھاگتا ہوا واپس آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی اور دینار واپس دینے لگا۔ آپ نے کہا، یہ لے جاؤ، ہم جو شے دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔ اس نے بہت التجائیں کیں مگر آپ نے وہ دینار واپس نہیں لیے۔ جب وہ باہر نکلا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ امام جعفر صادق ؓ ہیں تو وہ شخص واپس جا کر بہت گڑگڑایا۔ بہت رویا اور التجائیں کرتا تھا کہ مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے اسے معاف کر دیا اس نے پھر دینار واپس کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا: اے شخص ہم جو چیز دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔

جب آپ تارک الدنیا ہو گئے تو حضرت ابوسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حاضر خدمت ہو کر فرمایا کہ مخلوق آپ کے تارک الدنیا ہونے سے آپ کے فیضِ عالیہ سے محروم ہو گئی ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل شعر پڑھے:

ذهب الوفاذهاب انس الذاهب — والناس بين تحفائل ومارب

يهشون بينهم الموده واولفا — وقلوبهم محشوره بعقارب

وفا اب جانے والے کی طرح چلی گئی، لوگ اپنے خیالات اور اُمیدوں میں محو ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں باہم دوستی اور

وفاداری کا دم بھرتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں دغا فریب اور کھوٹ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

خلیفہ منصور نے ایک شب اپنے عمالوں (حکومتی کارندوں) کو حکم دیا کہ امام جعفر صادق (ﷺ) کو میرے روبرو پیش کرو تا کہ میں ان کو قتل کر دوں۔ وزیر نے عرض کیا کہ دُنیا کو خیر باد کہ کر جو شخص گوشہ نشین ہو گیا ہو اس کو قتل کرنا قرین مصلحت نہیں۔ لیکن خلیفہ نے غضبناک ہو کر کہا کہ میرے حکم کی تعمیل تم پر ضروری ہے۔ چنانچہ مجبوراً جب وزیر حضرت امام جعفر صادق ﷺ کو لینے چلا گیا تو منصور نے عمالوں کو ہدایت کر دی کہ جس وقت میں اپنے سر سے تاج اُتاروں تو تم فی الفور امام جعفر صادق (ﷺ) کو قتل کر دینا۔ لیکن جب آپ تشریف لائے تو آپ کی عظمت، جلال و جمال نے خلیفہ کو اس درجہ متاثر کیا وہ بے قرار ہو کر آپ کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا اور نہ صرف آپ کو صدر مقام پر بٹھایا بلکہ خود بھی مؤدبانہ آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کی حاجات وضروریات کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری سب سے اہم حاجت وضرورت یہ ہے کہ آئندہ پھر کبھی مجھے دربار میں طلب نہ کیا جائے تا کہ میرے درس وتدریس، عبادت وریاضت میں خلل واقع نہ ہو۔ چنانچہ منصور نے وعدہ کر کے عزت واحترام کے ساتھ آپ کو رُخصت کیا۔ لیکن آپ کی عظمت، جلال و جمال کے دبدبے کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ لرزہ بَراندام ہو کر مکمل تین شب وروز بے ہوش رہا۔ (لیکن بعض روایات میں ہے کہ تین نمازوں کے قضا ہونے کی حد تک غشی طاری رہی)۔ بہر حال خلیفہ کی یہ حالت دیکھ کر وزیر اور غلام حیران ہو گئے اور جب خلیفہ سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ جس وقت حضرت امام جعفر صادق ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو اُن کے ساتھ اتنا بڑا اژدھا تھا جو اپنے جبڑوں کے درمیان پورے چبوترے کو گھیرے میں لے سکتا تھا۔ اور وہ اپنی زبان میں مجھ سے کہہ رہا تھا اگر تو نے ذرا سی بھی گستاخی کی تو تجھ کو چبوترے سمیت نگل جاؤں گا۔ چنانچہ اس کی دہشت مجھ پر طاری ہو گئی اور میں نے آپ سے معافی طلب کر لی۔

آپ فرماتے ہیں کہ **من عرف اللّٰہ اعرض عما سواہ** (جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچان لیا اس نے غیر سے منہ موڑ لیا۔) یعنی عارف غیر کو اور ظاہری اسباب کو نہیں دیکھتا اس کی معرفت غیر کی عین نفی ہے کیونکہ غیر اللہ کی نفی عین معرفت ہے اور غیر کی معرفت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نفی ہے۔ پس عارف خلق کو دل سے نکال کر خالق کے ساتھ پیوست ہو جاتا ہے اس کے دل میں غیر اللہ کی اس قدر وقعت نہیں ہوتی کہ اسے اللہ سے باز رکھ سکے اور نہ اتنی قدر ومنزلت ہوتی ہے کہ اس کو اپنی طرف لبھا سکے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ: **لاتصح العبادۃ الابالتوبۃ لان اللّٰہ تعالیٰ قدم التوبۃ علی العبادۃ قال اللّٰہ تعالیٰ اَلتَّـآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ** ۔ (یعنی عبادت توبہ کے بغیر راست نہیں آتی کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ''اَلتَّـآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ'' یعنی قرآنِ حکیم میں توبہ کو عبادت پر مقدم رکھا ہے کیونکہ توبہ مقامات طریقت کی ابتدا اور عبادت اُن کی انتہا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں عاصیوں کا ذکر فرمایا ہے تو ان کے لئے توبہ کو لازم قرار دیا ہے۔

آپ نے فرمایا ''ذکر الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ جس میں مشغول ہونے کے بعد دُنیا کی ہر شے کو بھول جائے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہر شے کا نعم البدل ہے۔ کلام پاک کی ایک آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو

چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرلیتا ہے۔فرمایا: مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ ہروقت اپنے مالک کی اطاعت میں مشغول رہتا ہے۔صاحب کرامت وہ ہے جو اپنی ذات کے لیے نفس کی سرکشی سے برسرپیکار رہے کیونکہ نفس سے جنگ کرنا اللہ تعالیٰ تک رسائی کا موجب بن جاتا ہے۔

فرمایا: اوصاف مقبولیت میں ایک وصف الہام بھی ہے۔جو لوگ دلائل سے الہام کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں، وہ بددین ہیں۔فرمایا حد سے زیادہ اعتقاد بربادی ہے اور نکتہ چینی بدنصیبی ہے۔فضیلت اگرچہ جماعت میں ہے، مگر سلامتی گوشہ نشینی میں ہے۔زیادہ کھانا اور فاقہ کشی دونوں عبادت میں خلل ڈالتے ہیں۔شکایت ترک کرنا بھی صبر ہے۔غذا سے جسم کو اور قناعت سے روح کو راحت پہنچتی ہے۔دوسروں کے مال کا طمع نہ کرنا بھی سخاوت ہے۔

آپ نے فرمایا: وہ شخص جو یہ کہے کہ خدا کس چیز پر ہے اور کس چیز سے ہے تو وہ کافر ہے اور فرمایا جس گناہ کا آغاز خوف اور انجام عذر پر ہو، اس گناہ کی توبہ سے انسان اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔لیکن جس عبادت کا آغاز امن سے ہو اور انجام خود پسندی پر ہو تو بندہ ایسی اطاعت کی بدولت خدا سے دور ہوجاتا ہے۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ صبر کرنے والے درویش اور شکر کرنے والے مالدار میں سے آپ کے نزدیک کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صبر کرنے والے درویش کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ مالدار کو ہمہ اوقات اپنے مال کا تصور رہتا ہے۔اور درویش کو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا خیال۔جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول ہے کہ توبہ کرنے والے ہی عبادت گزار ہیں۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے میں اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جتنا کہ رات کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر چیونٹی رینگتی ہے۔(اپنے بندے کے رگ وپے میں سمایا ہوا ہے۔وہ اپنے بندے میں ہے مگر بصارت سے دیکھا نہیں جاسکتا۔) فرمایا کہ عشق الٰہی نہ تو اچھا ہے نہ بُرا۔فرمایا کہ مجھ پر رموز حقیقت اس وقت منکشف ہوئے جب میں خود دیوانہ ہوگیا۔فرمایا نیک بختی کی علامت یہ بھی ہے کہ عقلمند دشمن سے واسطہ پڑ جائے۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دُنیا ہی میں فردوس وجہنم کا نمونہ پیش کردیا ہے کیونکہ آسائش وراحت جنت ہے اور تکلیف جہنم۔اور جنت کا صرف وہی حقدار ہے جو اپنے تمام امور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سپرد کردے اور دوزخ اس کا مقدر ہے جو اپنے امور نفس سرکش کے حوالے کردے۔فرمایا کہ اگر دشمنوں کی صحبت سے اولیاءکرام کو ضرر پہنچ سکتا تو فرعون سے حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچتا اور اگر اولیاء کی صحبت دشمن (اللہ کے دشمن) کے لئے فائدہ مند ہوتی تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی ازواج کو فائدہ پہنچتا۔

فرمایا کہ پانچ لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔اوّل جھوٹے سے کیونکہ اس کی صحبت فریب میں مبتلا کردیتی ہے۔دوم بےوقوف سے کیونکہ جس قدر وہ تمہاری منفعت چاہے گا اسی قدر نقصان پہنچے گا۔سوم کنجوس سے کیونکہ اس کی صحبت سے بہترین وقت رائیگاں ہوجاتا ہے۔چہارم بزدل سے کیونکہ وقت پڑنے پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔پنجم فاسق سے کیونکہ ایک نوالے کی

طمع میں کنارہ کش ہوکر لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے سن ہجری کے مطابق اڑسٹھ (68) سال کی عمر میں 22/رجب 148ھ بمطابق 13/ستمبر 765ء کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی عبداللہ ہے۔ اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عامر تھا۔ اس لئے آپ کا پورا نام مبارک عبداللہ بن عامر ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کو "ابن عبداللہ" کے اسم مبارک سے بھی بلایا جاتا تھا۔ آپ قرن کے ایک قبیلہ "مراد" کے فرد تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا اسم مبارک "اویس" رکھا اور شانِ رب العالمین کہ آپ اسی نام سے مشہور زمانہ ہوئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے اسم مبارک ("اویس") کو دوام بخشا اور رہتی دُنیا تک آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا رہے گا۔

آپ کو "قرنی" کیوں کہا جاتا ہے اس کی درج ذیل چند وجوہات ہیں۔ کہتے ہیں کہ "قرن" یمن کے نواح میں ایک گاؤں تھا۔ جب اس جگہ گاؤں بسانے کے سلسلے میں کھدائی کی گئی تو اس دوران زمین سے ایک سینگ نکلا۔ عربی زبان میں چونکہ سینگ کو "قرن" کہتے ہیں اس لئے اس نوآباد گاؤں کا نام "قرن" پڑ گیا اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ یمن کے لوگ بہت نرم دل اور حق شناس ہوتے ہیں۔ غالباً اس خوبی کی بنا پر بھی اور گاؤں کے نام سے نسبت کی بنا پر حضرت اویس رضی اللہ عنہ "قرنی" کہلاتے ہیں۔ ایک وجہ اس کی یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ آپ کے جسم مبارک پر بال بہت زیادہ تھے اس لئے آپ کو "قرنی" کہا گیا۔ قرن قبیلہ مراد کا گاؤں تھا۔ آپ اسی گاؤں میں پیدا ہوئے، پروان چڑھے۔ اس لئے اس گاؤں کے نام "قرن" کی نسبت سے آپ "قرنی" کہلائے۔

آپ آفتابِ اُمت، شمع دین وملت اور رہنمائے مشائخ تصوف ہیں۔ زہد وقناعت، عبادت وریاضت میں آپ کا مقام بہت بہت بلند ہے۔ آپ کا ایمان والہانہ عشق رسول کریم ﷺ کی صورت اختیار کر گیا اور اسی عشق نے آپ کو فنافی الرسول کر دیا۔ آپ ہر وقت حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے احوال کی جستجو کرتے رہے اور سنت نبوی ﷺ پر ہر حال میں گامزن رہنے کی کوشش کرتے رہتے۔ پیغمبر اول وآخر واعظم، ہادی دو جہان، رہبر کائنات، رحمۃ اللعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، حاصل کائنات، اصل الموجودات، حضور پُر نور، حضور انور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ سے بے پناہ محبت، عقیدت اور پُر خلوص اتباع، اتباع فقر کے روحانی توسل سے نہ صرف آپ سرکار دو عالم ﷺ سے روحانی تربیت یافتہ تھے بلکہ پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں آپ کو مرتبہ محبوبیت بھی حاصل تھا۔

آپ نے قادرِ مطلق، اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے رسول مقبول ﷺ کی رضا اور خوشنودی چاہنے کے لئے اپنے حال و احوال و قال کو دُنیا سے اس قدر چھپایا کہ حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات سے پہلے آپ کے اعلیٰ مراتب و رفیع مدارج سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے آپ کی کئی حوالوں سے بہت تعریف کی ہے۔ آپ جلیل القدر تابعین اور چالیس پیشواؤں میں سے ہوئے ہیں۔ حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اویس احسان و مہربانی کے اعتبار سے بہترین تابعین میں سے ہے۔ جس کی تعریف پیغمبر اول و آخر و اعظم سرکار دو عالم، اصل الموجودات، خاتم النبیین ﷺ فرما دیں اس کی تعریف دوسرا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ میں اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید حمیدہ صفات و احادیث کا بیان اب آگے آئے گا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کا سنِ پیدائش معلوم نہیں ہے۔ آپ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے زمانہ مبارک میں تھے یعنی کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہم عصر ہیں۔ صحابہ کبار میں سے حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت علی المرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ عنہما نے آپ سے ملاقات بھی کی ہے۔ ملاقات کی روایت کو پڑھنے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ملاقاتیوں کے تقریباً ہم عمر ہی تھے یا کم از کم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تو تقریباً ہم عمر تھے۔ آپ کی سن پیدائش معلوم نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے کتنی عمر پائی۔ آپ کی تاریخ و سنِ وصال کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں لیکن میں یہاں وہ لکھوں گا جو قرین قیاس ہے۔ آپ نے 13 رجب 37ھ بمطابق عیسوی میں وصال فرمایا۔ آپ نے اپنے حالات و حال کے مطابق دیدارِ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن شان و حکمتِ رب العالمین کہ آپ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور اسی وجہ سے آپ کا کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہم عمر، ہم عصر ہوتے ہوئے بھی آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والدین کریمین یمن کے نواح میں ایک گاؤں بنام قرن کے رہنے والے تھے۔ وہ قبیلہ مراد سے تھے اور مؤرخین کا خیال ہے کہ قبیلہ مراد نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا تھا اور وہ لوگ اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیرو کار بن گئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ایک مسلمان گھرانے، خاندان و قبیلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد آپ کی کم سنی ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ضعیف اور نابینا تھیں۔ آپ نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ اپنی ضعیف و نابینا والدہ ماجدہ کی خدمت میں گزارا اور انہیں ہر طرح سے خوش رکھا۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ کے پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ اس لیے کچھ کہنا مشکل ہے مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی رسالت اور فیوض و برکات کی جب تمام عرب میں شہرت ہوئی تو دوسرے علاقوں کی طرح یمن کے لوگ بھی حضور انور ﷺ کے اسم مبارک اور ذات گرامی سے آگاہ ہو گئے تھے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فطرت صالح عطا کی تھی ۔انہوں نے جب ذکر پاک خاتم النبیین، سیدالمرسلین، رحمۃ اللعالمین ﷺ سنا تو دل نے سرکاردو عالم ﷺ کے سچے رسول ہونے کی گواہی دے دی۔گویا آپ کو غائبانہ تصدیق قلبی حاصل ہوگئی اور پھر یہ ایمان والہانہ عشق کی صورت اختیار کرگیا ۔اسی عشق نے آپ رضی اللہ عنہ کو فنافی الرسول کردیا۔آپ رضی اللہ عنہ ہروقت سرکاردو عالم ﷺ کے احوال کی جستجو کرتے رہتے اور ہروقت سنت نبوی ﷺ پر چلنے کی کوشش کرتے رہتے ۔

زہدوقناعت،عبادت وریاضت اور اتباع رسول ﷺ کی آپ رضی اللہ عنہ نے ایسی مثال قائم کی کہ آج تک صلحائے اُمت کے لیے باعث رشک ہے ۔اگر چہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے ظاہری، دنیاوی تعلیم حاصل نہیں کی مگر نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ سے محبت وعقیدت کے روحانی توسل سے نہ صرف آپ رضی اللہ عنہ سرکاردو عالم ﷺ سے روحانی تربیت یافتہ تھے بلکہ سرورکائنات ﷺ کی جناب میں آپ رضی اللہ عنہ کو مرتبہ محبوبیت بھی حاصل تھا جیسا کہ حضرت علامہ عبدالقادر اربلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''تفریح الخاطر'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کامل انسانوں کی ارواح کا فیض کئی طرح سے ہوتا ہے ۔عالم ظاہر میں بالمشافہ تربیت ۔اورتربیت کبھی مربی اپنی زندگی میں کرتا ہے اور کبھی مرنے کے بعد ۔اوّل جیسے سرکاردو عالم نورِمجسم ﷺ نے اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت فرمائی۔

آپ نے دُنیا کو اپنے اوپر اس قدر تنگ فرمالیا تھا کہ لوگ آپ کو دیوانہ سمجھتے تھے ۔آپ رضی اللہ عنہ کے لباس،خوراک،گفتار غرض یہ کہ ہر ہر ادا میں سادگی جھلکتی تھی ۔آپ رضی اللہ عنہ نے نہ دُنیا کی کوئی چیز اکٹھی کی نہ دُنیا سے کچھ چاہا۔سادگی ہی کی وجہ سے لڑکے آپ رضی اللہ عنہ کو دیوانہ سمجھ کر چھیڑتے اور ڈھیلے مارتے تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: ''بچو! چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارو تاکہ میرا خون نہ بہے اور میں نماز روزہ سے عاجز نہ ہوجاؤں ۔''

آپ رضی اللہ عنہ کا لباس نہایت سادہ تھا ۔بیشتر روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کوڑیوں سے چیتھڑے اُٹھالاتے اور اُنہیں دھو کر جوڑ لگا کر خرقہ سی لیا کرتے بس یہی آپ کا لباس ہوتا ۔آپ کا ذریعہ معاش شتربانی تھا۔یعنی آپ اُجرت پر لوگوں کے اونٹ چرایا کرتے تھے جس سے آپ اپنی اور اپنی والدہ ماجدہ کی خوراک ورہنے سہنے کا بندوبست کرتے تھے ۔اسکے علاوہ آپ کھجور کی گٹھلیاں چن کر انہیں فروخت کرتے تھے اور یہی دو شغل آپ کا ذریعہ معاش تھے ۔ان مشاغل سے فارغ ہوکر آپ شب و روز اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ۔دن میں اکثر روزہ رکھتے ۔چند کھجوروں سے روزہ کھولتے اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے ۔اگر کبھی نیند کا غلبہ ہوتا تو قادر مطلق،رب العالمین سے یوں عرض کرتے ۔اے اللہ میں سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں ۔

آپ کس قدر عالی ہمت اور عبادات میں شوق،لگن،محویت والے تھے اس کا درج ذیل سے اندازہ لگائیں ۔آپ کا معمول تھا کہ رات ہونے سے پہلے فرماتے کہ آج کی رات ''رکوع'' کی رات ہے اور پوری رات رکوع کی حالت میں گزار

دیتے ۔دوسری شب کے لئے فرماتے یہ رات ''سجدہ'' کی رات ہے اور پوری رات سجدے میں گزار دیتے ۔جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ اتنی طاقت، برداشت و ہمت رکھتے ہیں کہ ساری رات ایک حالت میں گزار دیں، رات تو بہت طویل و دراز ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا، راتیں طویل و دراز کہاں ہوتی ہیں؟ کاش ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی (اللہ اکبر) کہ دل کی حسرتیں پوری ہوتیں ۔افسوس کہ راتیں اتنی چھوٹی ہیں کہ صرف ایک دفعہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی '' کہنے پاتا ہوں کہ دن ہو جاتا ہے ۔(سبحان اللہ!)

آپ کا عبادتِ الٰہی میں انہماک کا درج ذیل سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔قارئین کرام! مجھے (اس کتاب کے مصنف کو) یہ روایت آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد کی لگتی ہے کیونکہ والدہ ماجدہ کی موجودگی میں آپ تین شب و روز تک ان سے دور نہیں رہ سکتے تھے ۔

کیمیائے سعادت او رتذکرۃ الاولیا ٔ کے مطابق حضرت ربیع بن خیثم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملنے گیا ۔دیکھا کہ فجر کی نماز میں مشغول ہیں ۔نماز کے بعد تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو گئے ۔میں منتظر رہا کہ فارغ ہو جائیں تو ملاقات کروں مگر وہ تا ظہر فارغ نہ ہوئے ۔میں نے ظہر کی نماز کے بعد ملنا چاہا لیکن وہ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے ۔اسی طرح تین شب و روز میں انتظار میں رہا ۔اس دوران میں نے آپ کو نہ کھاتے پیتے اور نہ آرام فرماتے دیکھا ۔میں نے چوتھی رات بغور دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں کچھ غنودگی نظر آئی ۔اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً دعا کی کہ اے اللہ عزوجل میں پناہ مانگتا ہوں بہت سونے والی آنکھ اور بہت ذلیل و خوار پیٹ سے ۔میں نے یہ حال دیکھ کر دل میں سوچا کہ آپ کی اتنی ہی زیارت غنیمت ہے ۔آپ رضی اللہ عنہ کو مل کر پریشان نہ کروں ۔لہٰذا میں ملاقات کیے بغیر واپس چلا آیا ۔

آپ کی بہت شان ہے ۔آپ جلیل القدر تابعین اور چالیس پیشواؤں میں سے ہیں ۔آپ کی تعریف پیغمبر اول و آخر و اعظم ،حضور پُرنور، نبی کریم ،رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور آپ کو خوب سراہا ہے ۔درج ذیل احادیث پاک میں آپ کا مقام و شان ملاحظہ فرمائیں ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایسے برگزیدہ بندوں کو دوست رکھتا ہے جو دنیاداروں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں ۔ان کے چہروں کا رنگ سیاہ، پیٹ لگے ہوئے، کمریں پتلی ہوتی ہیں اور وہ ایسے لاپرواہ ہوتے ہیں کہ اگر بادشاہ بھی ملے اور وہ ان سے ملاقات کی اجازت طلب کرے تو وہ اجازت نہ دیں اور اگر مالدار عورتیں نکاح کرنا چاہیں تو نکاح نہ کریں ۔وہ اگر گم ہو جائیں تو کوئی ان کی جستجو نہ کرے ۔اگر مر جائیں تو ان کے جنازے پر لوگ شریک نہ ہوں اور اگر ظاہر ہوں تو ان کو دیکھ کر کوئی خوش نہ ہو ۔اگر بیمار ہوں تو کوئی مزاج پرسی نہ کریں ۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا: ''یارسول اللہ فرمائیے وہ کون ہے؟ فرمایا: ''وہ اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) ہے ۔'' (اللہ اکبر)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا حلیہ یہ ہے۔اس کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی۔قد درمیانہ ہوگا۔رنگ خوب گندمی ہوگا۔ ٹھوڑی سینے کی طرف جھکی ہوگی۔آنکھیں سجدہ گاہ پر لگی ہوں گی۔سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ہوگا۔وہ اپنے اوپر روتا ہوگا۔وہ صرف دو پرانے کپڑوں میں ملبوس ہوگا۔دنیا میں کوئی بھی اسے نہیں جانتا (کوئی بھی اس کی حقیقت نہیں جانتا) مگر آسمانوں پر اس کی خوب شہرت ہے اور اگر وہ قسم کھائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی قسم کو سچ کردے۔(مستجاب الدعوات ہے)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ سرکاردو عالم، نور مجسم ﷺ کی احادیث میں بھی ملتا ہے۔چند احادیث کو حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''جمع الجوامع'' میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ کے آخری باب تذکرۂ یمن وشام کے تحت اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ معدن العدنی میں تحریر فرمایا ہے۔ان احادیث کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:۔

۱۔ سرکاردو عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص ہے اس کا نام اویس (رضی اللہ عنہ) ہے۔وہ تمہارے پاس یمن کے وفود میں آئے گا۔اس کے جسم پر برص کے داغ تھے جو سب مٹ چکے ہیں صرف ایک داغ جو درہم کے برابر ہے باقی ہے۔وہ اپنی والدہ ماجدہ کی بہت خدمت کرتا ہے جب وہ اللہ عزوجل کی قسم کھاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پوری کرتا ہے۔اگر تم اس کی دعائے مغفرت لے سکو تو لے لینا۔(مسلم)

۲۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا: ''تابعین میں میرا بہترین دوست اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) ہے۔'' (حاکم ابن سعد)

۳۔ حضور پُر نور، سرکاردو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''تابعین میں میرا دوست اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) ہے۔اس کی ماں ہوگی جس کی وہ خدمت کرتا ہوگا اگر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم کھا کر بات کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی قسم پوری کرتا ہے۔اس کے جسم پر ایک سفید داغ ہوگا۔اے صحابہ! (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) تم اگر ملو تو اس سے دعا کروانا۔(مسلم)

۴۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا ''میری اُمت میں میرا دوست اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) ہے۔'' (ابن سعد)

۵۔ سرکار مدینہ، سرورِ قلب وسینہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت میں بعض ایسے بھی ہیں جو برہنہ رہنے کے سبب مسجد میں نہیں آسکتے، ان کا ایمان لوگوں سے سوال کرنے نہیں دیتا۔انہی میں سے اویس (رضی اللہ عنہ) ہے اور رہرم بن حیان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (ابن نعیم)

۶۔ حضور انور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت میں ایک اویس (رضی اللہ عنہ) نامی شخص ہوگا۔ربیع ومضر (قبیلے) کے آدمیوں کے برابر میری اُمت کی شفاعت کرے گا۔(ابن عدی)

۷۔ سرکاردو عالم، نور مجسم ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت میں سے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ مضر اور قبیلہ ربیع کے آدمیوں سے زیادہ لوگ بہشت میں جائیں گے اور اس شخص کا نام اویس (رضی اللہ عنہ) ہوگا۔(ابن شیبہ، مستدرک از ابن عباس)

۸۔ ہادیِ دو جہاں، رہبر کائنات ﷺ نے فرمایا: "میری اُمت میں ایک شخص ہوگا جس کو لوگ اویس بن عبداللہ قرنی (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں، تحقیق اس کی دُعائے مغفرت سے میری اُمت قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑ بکریوں کے بالوں کے برابر تعداد میں بخش دی جائے گی۔ (ابن عباس)

۹۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور انور ﷺ یمن کی رُخ فرماتے، سینہ مبارک سے کپڑا اُٹھاتے اور فرماتے "میں یمن کی طرف سے نسیم رحمت پاتا ہوں۔" (حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہاں اشارہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔)

۱۰۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "تابعین میں سب سے بہتر ایک شخص ہے جس کا نام اویس (رضی اللہ عنہ) ہے۔ اس کی والدہ ضعیف ہے۔ اویس (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر برص کا نشان ہے۔ پس جب تم اس سے ملو تو اُسے کہنا کہ اُمت کے حق میں مغفرت کی دُعا کرے۔ (مسلم، ابونعیم)

اللہ عزوجل کے برگزیدہ بندوں میں بعض مستور (پوشیدہ) ہوتے ہیں۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ مستور بندوں کے سلطان ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جس طرح زندگی پوشیدہ رہ کر گزاری، اسی طرح وصال کے بعد بھی مستور رہے۔ کوئی بھی صاحب قلم آپ رضی اللہ عنہ کے مزار پرانوار کے بارے میں کوئی واضح مقام متعین نہ کر سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ دُنیا میں چھپ کر زندگی گزارتے رہے۔ اللہ عزوجل قیامت کے دن بھی انہیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھے گا اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہم شکل ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں جنت کی طرف تشریف لے جائیں گے۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور پُرنور، نبی کریم ﷺ کی زیارت کو آئے لیکن حضور ﷺ خانہ اقدس میں تشریف فرما نہیں تھے۔ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے انہیں کہا تھا کہ اگر حضور ﷺ گھر پر تشریف فرما نہ ہوئے تو انتظار نہ کرنا واپس آ جانا۔ والدہ ضعیف تھیں نابینا تھیں، چلنے پھرنے سے معذور تھیں۔ آپ ہر وقت اُن کی خدمت کے لیے حاضر رہتے۔ کبھی کسی دور دراز سفر پر نہ جاتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقیقت محمدیہ ﷺ کا آپ کو نظر بہ باطن مشاہدہ کرا دیا تھا اس لیے ہر وقت سردار انبیا ﷺ کے احوال سننے کے لیے بے تاب رہتے ہر وقت جستجوئے محمد ﷺ میں غرق رہتے اور اتباع رسول اکرم ﷺ کی ایسی مثالیں پیدا کیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ حضور پُرنور، اشرف الانبیا ﷺ نے نفس کے خلاف جنگ کرنے کو جہادِ اکبر قرار دیا۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی یہ جہادِ اکبر کیا۔

کچھ کتابوں میں اس واقعہ کی روایت کچھ اس طرح درج ہے کہ ایک مرتبہ دیدارِ رسول اللہ ﷺ کا اشتیاق حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ پر اس قدر غالب آ گیا کہ آپ نے مدینہ طیبہ کا ارادہ کیا۔ ادھر آپ نے ارادہ کیا ادھر سرکار دو عالم ﷺ کو کسی غزوہ کے سبب مدینہ منورہ سے باہر جانا پڑا۔ لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے محبوب ہم سب کے غم خوار آقا ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے جانے کے بعد کوئی مہمان آئے گا۔ اگر وہ یہاں آئے تو اس کی خوب مہمان نوازی کی جائے

اور ہر طرح سے خیال رکھا جائے کیونکہ وہ بڑا ہی پارسا شخص ہے اور میری واپسی تک اُسے روکنے کی کوشش کی جائے اور اگر وہ نہ رُکنا چاہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے مگر اس کی شکل وصورت یاد رکھ لی جائے۔ یہ حکم فرما کر نبی آخر الزماں ﷺ غزوہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ مدینہ شریف پہنچے مگر جب معلوم ہوا کہ حضور پُر نور، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات ﷺ اس وقت مدینہ شریف میں موجود نہیں ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت واپسی کا قصد کیا۔ انہیں روکنے کی بہت کوشش کی گئی مگر وہ نہ رُکے اور نہ ہی کسی قسم کی خاطر کروائی اور واپس لوٹ گئے۔ جب مدنی تاجدار اُمت کے غمخوار ﷺ مدینہ شریف واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فوراً پوچھا: ''کیا کوئی مہمان آیا تھا؟''

اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک شخص جو کہ یمن سے آیا تھا، اس کی شکل وصورت چرواہوں جیسی تھی۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ معلوم ہونے کے بعد کہ آپ ﷺ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ ایک لمحہ بھی یہاں نہ ٹھہرا اور چلا گیا۔''

سرکار ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ (رضی اللہ عنہا)! تمہیں معلوم ہے وہ کون تھا؟'' عرض کی: نہیں حضور ﷺ میں تو بالکل نہیں جانتی۔'' فرمایا: ''وہ اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) تھا جو میرے دیدار کے لیے یہاں آیا تھا اور دیدار کی حسرت دل میں ہی لے کر واپس چلا گیا اور وہ ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کی والدہ جو کہ بوڑھی اور نابینا ہے اس کی نگہداشت کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کا سچا چاہنے والا ہے۔ جس کو صرف ذکر الٰہی سے غرض ہے اور وہ کسی چیز سے متاثر نہیں ہے۔ اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) میرا عاشق ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُس سے محبت کرتا ہے۔'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرکار ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے تو آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے مقام پر رشک آنے لگا اور فرمانے لگیں: ''اے حبیبِ خدا ﷺ! وہ شخص واقعی کس قدر عظیم ہوگا، جس کی عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کی تعریف اللہ عزوجل اور اس کا حبیب ﷺ کریں۔''

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور، عالمِ خفا و غیوب، سرکارِ دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ کیا وہ کبھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی نہیں لیکن چشمِ ظاہری کے بجائے چشمِ باطنی سے اس کو میرے دیدار کی سعادت حاصل ہے اور مجھ تک نہ پہنچنے کی دو وجوہ ہیں، اوّل غلبہ حال اور دوم تعظیمِ شریعت کیونکہ اس کی والدہ ماجدہ مومنہ بھی ہیں اور ضعیف و نابینا بھی۔ اور اویس شتربانی کے ذریعہ اُن کے لئے معاش حاصل کرتا ہے۔ پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ کیا ہم اُن سے شرفِ نیاز حاصل کر سکتے ہیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں البتہ عمر و علی (رضی اللہ تعالیٰ علیہما) سے اُن کی ملاقات ہوگی اور اس کی شناخت یہ ہے کہ پورے جسم پر بال ہیں اور ہتھیلی کے بائیں پہلو پر ایک درہم کے برابر سفید رنگ کا داغ ہے لیکن وہ برص کا داغ نہیں۔ لہٰذا جب اُن سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچانے کے بعد میری اُمت کے لئے دُعا کرنے کا پیغام بھی دینا۔ پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا آپ کے پیراہن کا حق دار کون ہے؟

تو فرمایا: اویس قرنی (رضی اللہ عنہ)۔

دورِ خلافتِ راشدہ میں جب حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کوفہ پہنچے اور اہلِ یمن سے اُن کا پتہ معلوم کیا تو کسی نے کہا میں اُن سے پوری طرح واقف نہیں البتہ ایک دیوانہ آبادی سے دور عرفہ کی وادی میں اونٹ چرایا کرتا ہے اور خشک روٹی اس کی غذا ہے۔ لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر خود روتا ہے اور روتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر خود ہنستا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول ہیں اور اُن کے اونٹ چر رہے ہیں۔ فراغتِ نماز کے بعد جب اُن کا نام دریافت کیا تو جواب دیا کہ عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا اصلی نام بتائیے۔ آپ نے جواب دیا کہ اویس ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ دکھائیے۔ انہوں نے جب اپنا ہاتھ دکھایا تو حضور پُر نور، عالم خفاو غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ نشانی کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دست بوسی کی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک پیش کرتے ہوئے سلام پہنچا کر اُمتِ محمدی کے حق میں دعا کرنے کا پیغام بھی دیا۔

یہ سن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ خوب اچھی طرح دیکھ بھال فرمالیں شاید وہ کوئی دوسرا فرد ہو جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نشانی کی نشاندہی فرمائی ہے وہ آپ میں موجود ہے۔ یہ سن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہاری دعا مجھ سے زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں تو دعا کرتا ہی رہتا ہوں البتہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پوری کرنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک کچھ فاصلے پر لے جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ یارب جب تک تو میری سفارش پر اُمتِ محمدی کی مغفرت نہ کردے گا میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس ہرگز نہیں پہنوں گا کیونکہ تیرے نبی نے اپنی اُمت کو میرے حوالے کیا ہے۔ چنانچہ غیب کی آواز آئی کہ ہم نے تیری سفارش پر کچھ افراد کی مغفرت کردی۔ اسی طرح آپ مشغولِ دعا تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے پہنچ گئے۔ آپ نے اس وقت سوال کیا کہ آپ دونوں حضرات کیوں آگئے؟ میں تو مصروفِ دُعا تھا جب تک پوری اُمت کی مغفرت نہ کروالیتا اس وقت تک یہ لباس کبھی نہ پہنتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایسے کمبل کے لباس میں دیکھا جس کے نیچے عالمِ روحانی مخزنِ روحانیت کے ہزاروں عالم پوشیدہ تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کے قلب میں خلافت سے دستبرداری کی خواہش پیدا ہوئی اور فرمایا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو روٹی کے ٹکڑے کے بدلے میں مجھ سے خلافت خرید لے۔ یہ سن کر حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوئی بے وقوف شخص ہی خرید سکتا ہے۔ آپ کو تو فروخت کرنے کے بجائے اُٹھا کر پھینک دینا چاہیے پس جس کا جی چاہے اُٹھالے گا۔ یہ کہہ کر پیغمبر اول و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لباس پہن لیا اور فرمایا کہ میری سفارش پر بنو ربیعہ بنو مضر کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی مغفرت فرمادی۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر آپ دیدارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے ہیں تو بتائیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو کشادہ تھے یا گھنے؟

لیکن دونوں صحابہ جواب سے معذور رہے۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ رسول کریم ﷺ کے دوستوں میں سے ہیں تو یہ بتایئے کہ جنگ اُحد میں حضور ﷺ کا کون سا دانت مبارک شہید ہوا تھا اور آپ نے اتباعِ نبوی ﷺ میں اپنے تمام دانت کیوں نہ توڑ ڈالے؟ یہ کہہ کر آپ نے اپنے تمام ٹوٹے ہوئے دانت دکھا کر کہا کہ جب حضور پُرنور، حضور انور ﷺ کا دانت شہید ہوا تو میں نے اپنا ایک دانت توڑ ڈالا۔ پھر خیال آتا کہ شاید کوئی دوسرا دانت شہید ہوا ہو۔ اسی طرح ایک ایک کر کے جب تمام دانت توڑ ڈالے پھر کہیں مجھے سکون نصیب ہوا۔ یہ دیکھ کر دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر رقت طاری ہوگئی اور یہ اندازہ ہوگیا کہ پاسِ ادب کا حق یہی ہوتا ہے۔ کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ دیدارِ نبوی ﷺ سے مشرف نہ ہوسکے لیکن رسالت مآب ﷺ کا مکمل حق ادا کر کے فقرِ محمدی کا شاندار اتباع کر کے دُنیا کو درسِ ادب دیتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ نے کہا کہ نماز میں التحیات کے بعد میں یہ دعا کیا کرتا ہوں۔ **اللھم اغفر للمومنین والمومنات** ۔ اے اللہ تمام مومن مردوں عورتوں کو بخش دے اور اگر تم ایمان کے ساتھ دُنیا سے رُخصت ہوئے تو تمہیں سرخروئی حاصل ہوگی ورنہ میری دعا بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب وصیت کرنے کے لئے فرمایا تو آپ نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! اگر تم خدا شناس ہو تو اس سے زیادہ افضل اور کوئی وصیت نہیں کہ تم خدا کے سوا کسی دوسرے کو نہ پہچانو۔ پھر پوچھا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو پہچانتا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بس خدا کے علاوہ تمہیں کوئی نہ پہچانے یہی تمہارے لئے افضل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ آپ کچھ دیر اسی جگہ قیام فرمائیں میں آپ کے لئے کچھ لے کر آتا ہوں تو آپ نے جیب سے دو درہم نکال کر دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ اونٹ چرانے کا معاوضہ ہے اگر آپ یہ ضمانت دیں کہ یہ درہم خرچ ہونے سے پہلے میری موت نہیں آئے گی تو یقیناً آپ کا جو جی چاہے عنایت فرمادیں ورنہ یہ دو درہم میرے لئے بہت کافی ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہاں تک پہنچنے میں آپ حضرات کو جو تکلیف ہوئی اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں اور اب آپ دونوں صحابہ واپس ہوجائیں کیونکہ قیامت کا دن قریب ہے اور میں زادِ آخرت کی فکر میں لگا ہوا ہوں۔ پھر ان دونوں صحابہ کی واپسی کے بعد جب لوگوں کے قلوب میں حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی عظمت اُجاگر ہوئی اور مجمع لگنے لگا تو آپ گھبرا کر کوفہ میں سکونت پذیر ہوگئے اور وہاں پہنچنے کے بعد بھی صرف حضرت حرم بن حبان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے آپ کو نہیں دیکھا۔ جب حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ نے آپ کی شفاعت کا واقعہ سنا تھا اشتیاقِ زیارت میں تلاش کرتے ہوئے کوفہ پہنچے اور ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

منبع صفا، معدن وفا، حضرت حرم بن حبان رضی اللہ عنہ اکابر مشائخ طریقت میں سے تھے اور روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ نے بیشتر صحابہ کرام کی صحبت پائی ہے اس لئے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کے دل میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور قرن تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ کوفہ چلے گئے ہیں، چنانچہ آپ کوفہ

تشریف لے گئے۔لیکن وہاں بھی ملاقات نہ ہوسکی اس لئے واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔وہاں معلوم ہوا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کوفہ میں آ گئے ہیں۔جب آپ دوبارہ کوفہ پہنچے تو پھر بھی ملاقات نہ ہوسکی۔اور کافی عرصہ کوفہ میں رہنے کے بعد جب آپ بصرہ تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ دریائے فرات کے کنارے بیٹھے وضو کررہے ہیں اور مرقعہ (گدڑی) زیب تن ہے۔وضو سے فارغ ہو کر انہوں نے داڑھی میں کنگھی کی۔اس کے بعد حضرت حرم بن حبان رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو آپ نے جواب دیا کہ وعلیکم السلام یا حرم بن حیان۔حضرت حرم بن حبان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟تو آپ نے جواب دیا کہ **عرفت روحی روحک** ''میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا۔''حضرت حرم بن حیان رضی اللہ عنہ کچھ دیر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے اور پھر ان کو واپس جانے کے لئے کہا۔حضرت حرم بن حیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ملاقات کے دوران انہوں نے میرے ساتھ زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔اس وقت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی بیان کردہ یہ حدیث بھی بیان کی کہ **انما الاعمال بالنیات**......الی آخرہ۔''اعمال کی بنیاد نیت پر ہے۔''یعنی جو شخص جس نیت سے کام کرتا ہے وہی اس کو ملتا ہے (جو شخص ہجرت کے وقت خدا اور اس کے رسول کے احکام پر پابندی کی خاطر نیت کرتا ہے تو وہ درحقیقت خدا اور رسول کی خاطر ہجرت ہے اور جو شخص دنیا کی خاطر ہجرت کرتا ہے تو اس کو دنیا ملتی ہے اور اگر کوئی شخص عورت کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت عورت کے لئے ہوگی۔)اس کے بعد حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **علیک بقلبک** ''دل کی غیر اللہ سے حفاظت کر۔''اس قول کے دو معنی ہیں۔اول یہ کہ دل کو تابع احکام الٰہی کر دے۔دوم یہ کہ خود تابع احکام دل ہو جائے۔دل کو تابع احکام الٰہی کرنا مریدوں کا کام ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات سے باز رہے اور دنیا کو دل میں جگہ نہ دے۔بلکہ جدوجہد کر کے دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ لگائے تا کہ دوستی حق سے مشرف ہو سکے۔اور اپنے آپ کو دل کے تابع کرنا کاملین کا کام ہے۔(جن کے قلب کو اللہ تبارک وتعالیٰ نور جمال سے منور کر دیتا ہے اور تمام علائق واسباب دنیا سے بچا کر اپنے قرب کے بلند مراتب عطا فرماتا ہے اور تجلیات ومشاہدات سے ان کو نوازتا ہے۔یہ ہے مطلب خود کو تابع کرنے کا۔)

پھر آپ کچھ عرصہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس رہے،فیض حاصل کیا،برکات حاصل کیں،روحانی نوازشات کی بارش آپ کے قلب وذہن پر ہوئی۔

حضرت حرم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقاتیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی وجہ سے ہوئیں ان پاکیزہ ہستیوں کے علاوہ بیشتر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مجالس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔فیوض وبرکات کی بارشیں میرے قلب وذہن اور بصارت وبصیرت پر ہوئیں۔تمام متبرک ہستیوں نے جو ہدایات کیں سب آقائے دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحادیث کے حوالے سے کیں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ روحانیت کے جس مقام پر تھے وہاں کشف وکرامات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔میں اختصار کی خاطر اُن میں سے صرف دو کا بیان کروں گا۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حضرت حرم بن حیان رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر دی۔اور جب حضرت حرم بن حیان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ جا کر معلوم کیا تو اسی وقت پر شہادت کی تصدیق ہوگئی۔

وصال مبارک کے وقت آپ کے لئے پتھر میں کھدی ہوئی ایک قبر پہلے سے تیار تھی۔کفن کے لئے دو جنتی کپڑے (جو کہ دُنیا کے کپڑوں سے بالکل نہ ملتے تھے) اور خوشبو تک موجود تھی۔دفن کرنے والے اسلامی لشکر کے مجاہدین جب واپسی پر اسی جگہ سے گزرے تو وہ قبر مبارک غائب تھی۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

- ——میں تو یہ جانتا ہوں کہ میں نماز شروع کروں اور ایک سجدہ میں ہی ساری رات گزار دوں اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھ پڑھ کر بے خود ہو جاؤں۔
- ——اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اسے کوئی دوسرا شخص نیزہ مار دے اور اس کو خبر تک نہ ہو تو یہ نماز کا خشوع ہوگا۔
- ——اگر آدمی آسمانوں اور زمینوں کے برابر خدا کی عبادت کرے تو خدا اس عبادت کو اس وقت تک قبول نہ کرے گا جب تک وہ بندہ خدا پر کامل یقین نہ کرے گا۔
- ——جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر اپنے خاص انعامات بھیجتا ہے اور فرشتے بھی اس کی سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔
- ——جس نے خدا کو پہچان لیا کوئی چیز اس پر پوشیدہ نہیں رہتی۔
- ——وحدت کی تعریف یہ ہے کہ غیر اللہ کا خیال بھی دل کی طرف سے نہ گزرے۔
- ——میں نے رفعت و بلندی کی طلب کی اور اس کو پا لیا اور یہ سب کچھ مجھے سخاوت عاجزی اور تواضع کرنے سے حاصل ہوا ہے اور صدق و راستی کے ذریعے دوام اور مروت حاصل کی۔
- ——فقر و محتاجی کے ذریعے فخر و بندگی حاصل ہوتی ہے۔
- ——زُہد میں راحت اور قناعت میں شرف ہے۔
- ——توکل کے ذریعے بے پرواہی اور استغناء حاصل ہوتے ہیں۔
- ——سوتے وقت موت کو سرہانے سمجھو اور جب بیدار ہو تو اسے (موت کو) سامنے سمجھو۔
- ——گناہ کو معمولی مت جانو بلکہ بڑا سمجھو کیونکہ اسی کے باعث تم گناہ کا ارتکاب کرتے ہو۔اگر گناہ کو حقیر سمجھو گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھی حقیر سمجھو گے۔
- ——ان دلوں پر افسوس ہے جو شک میں پڑے ہوئے ہیں اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔
- ——جس نے اللہ عزوجل کو اللہ عزوجل جانا وہ ہر چیز کو جان گیا اور اس پر کچھ مخفی نہ رہا۔

- ــــــ میرا کام یہ ہے کہ سفر طویل ہے زادِراہ قلیل۔اسی لیے ہمہ وقت آہ وزاری کرتا ہوں۔
- ــــــ اپنے دل کی حفاظت کرو۔
- ــــــ سلامتی تنہائی میں ہے۔

۱۔حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف معدن العدنی میں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں ابن عساکر کی روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے جنگ صفین میں لڑ کر شہید ہوئے۔شہادت کے بعد دیکھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر چالیس سے زائد زخم تھے۔

۲۔شرح صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

۳۔تذکرۃ الاولیاء اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ جمل میں تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے آکر بیعت کی تھی اور پھر جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کی طرف سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۴۔مجالس المؤمنین میں ہے کہ ایک روز حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ دریائے فرات پر بیٹھے وضو فرما رہے تھے کہ طبل جنگ کی آواز سن کر کسی سے دریافت فرمانے لگے اور جب معلوم ہوا کہ شہنشاہِ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سپاہ کے طبل کی آواز ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے جا رہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اتباع سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اور یہ کہتے ہوئے دوڑ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کی صف میں کھڑے ہو گئے اور صفین کے کسی معرکہ میں لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۵۔تحفۃ الاخیار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو دیکھا کہ کوفہ اور اطراف و جوانب کے لشکر آپ کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آکر جمع ہو رہے ہیں۔ایک روز شیرِ خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آج میرے پاس بیس لشکر جمع ہو گئے ہیں اور ہر لشکر میں ایک ایک ہزار مرد ہوں گے۔ یہ بات مجھے حیرت انگیز محسوس ہوئی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میرا خطرہ اپنی فراست باطنی سے معلوم کر لیا اور اسی وقت حکم دیا کہ دو نیزے اس جنگل میں گاڑ دیئے جائیں تاکہ ہر شخص جو ہمارے لشکر میں شامل ہونا چاہے وہ ان نیزوں کے بیچ میں سے گزرے اور پھر احتیاط کے ساتھ لشکریوں کو شمار کرتے رہیں۔جب مغرب کا وقت قریب آیا تو اس وقت تک صرف ایک شخص کی کمی رہ گئی تھی۔ جب کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ ایک شخص ابھی کم ہے تو آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اب جو شخص آئے گا وہ مردِ کامل ہو گا اور تعداد پوری کر دے گا۔زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ مجاہدین نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص پیدل چلا آ رہا ہے اور زادِ راہ کمر سے بندھا ہوا ہے۔پانی کا مشکیزہ گلے میں لٹکا ہوا ہے وہ شخص نہایت دبلا پتلا اور کمزور ہے جبکہ چہرہ زرد اور گرد آلود ہے۔

مجاہدین آپ ﷺ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت اقدس میں لائے ۔آپ ﷺ نے سلام کیا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے اپنا نام اویس قرنی بتایا اور فرمایا: ''آپ کرم اللہ وجہہ' اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایئے تا کہ آپ کرم اللہ وجہہ کے دست حق شناس پر بیعت کرسکوں ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جنگ میں آپ کرم اللہ وجہہ کی مدد کرنے اور آپ کرم اللہ وجہہ پر اپنا سرفدا کرنے کے لئے بیعت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جب ایک دن مرنا ضروری ہے تو پھر آپ کرم اللہ وجہہ پر ہی کیوں نہ اپنی جان نثار کروں۔''

۶۔حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں کہ ابن عسا کر نے حضرت عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرمائی ہے کہ ''بتحقیق حضرت اویس قرنی ﷺ مرض اسہال (دستوں کی بیماری) میں بحالت سفر فوت ہوئے اور اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر صرف دو کپڑے تھے جو دُنیاوی کپڑوں میں سے نہ تھے۔

۷۔ایک روایت کے مطابق جن کپڑوں میں حضرت اویس ﷺ کو کفن دیا گیا وہ ایسے کپڑے نہ تھے جن کو آدمی بنتے ہیں پھر دو آدمی ان کی قبر کھودنے گئے تو وہاں پہلے سے کھدی ہوئی قبر پائی۔لوگ آپ کو قبر میں دفن کر کے وہاں سے چلے گئے ۔پھر جب واپسی پر اس جگہ سے گزرے تو قبر کا نشان تک نہ ملا۔

۸۔عاشق رسول (ﷺ) حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ شواہد النبوۃ میں حضرت حرم بن حیان ﷺ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی ﷺ آذر بائیجان میں غزا کو گئے تھے اور وہیں انہوں نے انتقال فرمایا تھا۔آپ ﷺ کے ہم سفر احباب نے چاہا کہ قبر کھودیں مگر ایک قبر پتھر میں کھدی ہوئی پائی گئی اسی قبر میں دفنا دیا۔

حضرت اویس قرنی ﷺ نے ایک روایت کے مطابق ۳ /رجب المرجب ۲۲ھ میں وفات پائی جبکہ کشف المحجوب کے مطابق ۱۳/رجب المرجب ۳۷ھ بمطابق 25/دسمبر 657ء میں وصال مبارک ہوا۔اور یہی سنِ وصال صحیح معلوم دیتی ہے۔ (مصنف) **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

تحقیقات کے مطابق حضرت اویس قرنی کے چار مزارات پائے جاتے ہیں۔

۱۔بندرگاہ زبید میں،

۲۔غزنی میں،

۳۔بغداد شریف میں،

۴۔نواح سندھ،حدود ٹھٹھہ پاکستان میں۔

جبکہ کچھ محققین کے مطابق حضرت اویس قرنی ﷺ کے سات مزارات ہیں جن میں سے چار وہ ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا اور تین کے مقامات کا صحیح علم نہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی حُسن ہے۔اور آپ کی کنیت ابوعلی ہے۔بعض نے آپ کی کنیت ابومحمد بیان کی ہے اور بعض نے ابوسعید کہا ہے۔آپ کا اسم گرامی حُسن رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب ولادت کے بعد آپ کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا نام حُسن رکھو کیونکہ یہ بچہ بہت ہی خوبرو ہے۔شہر بصرہ میں آپ مقیم رہے اور وہیں آپ کو ہر طرح کا عروج حاصل ہوا اور وہیں تبلیغ،وعظ و تدریس میں عمر گزاری اس لئے آپ کے اسم مبارک کے ساتھ بصری بولا اور لکھا جانے لگا۔

آپ امام مشائخ،نادرۂ زمین و زمان،سردار متوکلان و برگزیدہ اہل زمان،امام طریقت بہت بلند ہمت اور عالی مقام بزرگ،سیدالاولیاء اور اپنے زمانے کے مقتدائے قوم تھے۔آپ بحر شریعت و طریقت کے ماہر پیراک تھے۔زہد و تقویٰ اور منکسر المزاجی میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔علم،صبر،تسلیم و رضا آپ کو گھٹی میں ملے تھے۔خوفِ خدا،خوفِ آخرت اس قدر زیادہ تھا کہ ہر وقت غمزدہ رہتے تھے اور اکثر آنسو بھی خوفِ خدا میں رواں رہتے تھے۔آپ اپنے زمانے میں بے نظیر عالم تھے۔آپ بہت بے باک اور خوش اخلاق تھے۔پند،وعظ،نصائح و علم کے سبب آپ بہت مشہور و معروف تھے اور عوام الناس،علماء و صلحاء میں یکساں مقبول و ہر دلعزیز تھے۔اہل طریقت کے نزدیک آپ بہت بڑے،عالی مقام و لی اللہ ہوئے ہیں اور آپ کے اقوال بہت بلند ہیں۔آپ باعمل عالم تھے اور سنت نبوی ﷺ پر سختی سے عمل کرتے تھے اور ہمیشہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔کشف و کرامات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کا سن پیدائش 21 ہجری بمطابق 642ء ہے۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 89 سال کی عمر پائی۔آپ کا وصال سن 110 ہجری بمطابق 728ء میں ہوا۔آپ کے ہم عصر اور شاگردوں میں بہت بڑے بڑے اسمائے مبارک ہیں۔
حضرت مالک بن دینارؒ،حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عبداللہؒ،حضرت رابعہ بصریؒ،حضرت ابراہیم بن ادہمؒ،حضرت شقیق بلخیؒ،

حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت حارث بن اسعد المحاسبیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت جعفر صادقؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت محمد واسعؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت بشر حافیؒ، آپ کے زمانے میں حجاج بن یوسف بصرہ کا گورنر یا حکمران تھا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کی والدہ ماجدہ، ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں اور جب بچپن میں آپ کی والدہ کسی کام میں مصروف ہوتیں اور آپ رونے لگتے تو ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کو گود میں اُٹھا کر اپنی چھاتیاں آپ کے منہ میں دے دیتیں اور وفورِ شوق میں آپ کے پستان سے دودھ بھی نکلنے لگتا۔ اندازہ فرمایئے کہ جس نے اُم المومنین کا دودھ پیا ہو اس کے مراتب کا کون انکار کرسکتا ہے، اور کون اندازہ کرسکتا ہے۔ الحمدللہ! اُسے تو تمام ظاہری و باطنی علوم، زہد و تقویٰ، خشیت الٰہی اور فقر و فاقہ اسی گھٹی میں مل گئے۔

ولادت کے بعد جب آپ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا نام حَسن رکھو کیونکہ یہ بہت ہی خوبرو ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی تربیت فرمائی اور ہمیشہ یہی دعا کیا کرتی تھیں کہ اے اللہ حَسن کو مخلوق کا رہنما بنا دے۔ چنانچہ آپ یکتائے زمانہ بزرگوں میں سے ہوئے ہیں اور آپ کو ایک سو بیس صحابہ کرام سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ ان میں ستر شرکائے بدر بھی شامل ہیں۔ آپ کو حضرت حَسن بن علی سے شرف بیعت حاصل تھا اور اُن سے تعلیم بھی پائی لیکن تحفہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت تھے اور انہیں کے خلفاء میں سے ہوئے۔ ابتدائی دور میں آپ جواہرات کی تجارت کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کا نام حسن موتی بیچنے والا پڑ گیا۔

ایک مرتبہ تجارت کی نیت سے روم گئے اور جب وہاں کے وزیر کے پاس بغرض ملاقات پہنچے تو وہ کہیں جانے کی تیاری کررہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ کیا آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے فرمایا کہ ہاں۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل میں جا پہنچے۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ رومی ریشم کا ایک بہت شاندار خیمہ نصب ہے اور اس کے چاروں طرف مسلح فوجی طواف کرکے واپس جا رہے ہیں۔ پھر علماء اور باحشمت لوگ وہاں پہنچے اور خیمہ کے قریب کچھ کہہ کر رُخصت ہوگئے۔ پھر حکماء و میر منشی وغیرہ پہنچے اور کچھ کہہ کر چل دیئے۔ پھر خوبرو کنیزیں زر و جواہر کے تھال سر پر رکھے ہوئے آئیں اور وہ بھی اسی طرح کچھ کہہ کر چلی گئیں۔ پھر بادشاہ اور وزیر بھی کچھ کہہ کر واپس ہوگئے۔ آپ نے حیرت زدہ ہو کر جب وزیر سے واقعہ معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ بادشاہ کا ایک خوبصورت بہادر جوان بیٹا مر گیا تھا وہ اسی خیمہ میں دفن ہے۔ چنانچہ آج کی طرح ہر سال یہاں تمام لوگ آتے ہیں۔ سب سے پہلے فوج آکر کہتی اگر جنگ کے ذریعے تیری موت ٹل سکتی تو ہم جنگ کرکے تجھے بچا لیتے۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ سے جنگ کرنا ممکن نہیں۔ اس کے بعد حکماً آکر کہتے ہیں کہ اگر عقل و حکمت سے موت کو روکا جاسکتا تو ہم یقیناً روک دیتے۔ پھر علماء و مشائخ آکر کہتے ہیں کہ اگر دعاؤں سے موت کو دفع کیا جاسکتا تو ہم کردیتے۔ پھر حسین کنیزیں آکر کہتیں ہیں کہ اگر حسن و جمال سے موت کو ٹالا جا سکتا تو ہم ٹال دیتیں۔ پھر بادشاہ وزیر کے ساتھ آکر کہتا ہے اے میرے بیٹے ہم نے حکماء اطباء کے ذریعے بہت کوشش کی لیکن

تقدیرِالٰہی کوکون مٹا سکتا ہےاوراب آئندہ سال تک کے لئے تجھ پر ہمارا سلام ہو۔یہ کہہ کر واپس ہوجاتا ہے۔اس کا آپ پر بہت شدیداثر ہوا اور حضرت حسن بصری نے یہ واقعہ سن کر قسم کھائی کہ زندگی بھرکبھی نہیں ہنسوں گا۔اور دنیا سے بیزار ہوکر فکر آخرت میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بصرہ آئے تو تمام واعظین کو وعظ گوئی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام منبروں کو توڑ کر پھینک دو۔لیکن جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں پہنچے تو ان سے پوچھا کہ تم عالم ہو یا طالب علم؟ آپ نے جواب دیا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔البتہ جو کچھ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیتا ہوں۔یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو وعظ گوئی کی اجازت ہےاور جب حسن بصری کو یہ علم ہوا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے تو ان کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے اور ایک جگہ جب ان سے ملاقات ہوگئی تو عرض کیا کہ مجھے وضو کا طریقہ سکھا دیجئے۔چنانچہ ایک طشت میں پانی منگوا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو وضو کا طریقہ سکھایا اوراسی وجہ سے اس مقام کا نام بالطشت پڑ گیا۔

ہفتہ میں ایک مرتبہ آپ وعظ کہا کرتے تھے مگر جب تک حضرت رابعہ بصریؒ شریک نہ ہوتیں تو وعظ نہیں کہتے۔لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے وعظ میں تو بڑے بڑے بزرگ حاضر ہوتے ہیں پھر آپ صرف ایک بوڑھی خاتون کے نہ ہونے سے وعظ کیوں ترک کردیتے ہیں؟فرمایا کہ ہاتھی کے برتن کا شربت چیونٹیوں کے برتن میں کیسے سما سکتا ہے؟اور جب آپ کو دوران وعظ جوش آجاتا تو حضرت رابعہ بصریؒ سے فرماتے کہ یہ تمہارے جوش و گرمی کا اثر ہے۔

ایک مرتبہ دورانِ وعظ حجاج بن یوسف برہنہ شمشیر اپنی فوج کے ہمراہ وہاں پہنچا۔اس محفل میں ایک بزرگ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان ہے کہ وہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں یا وعظ میں مشغول رہتے ہیں۔آپ نے حجاج کی آمد پر کوئی توجہ نہیں کی اور اپنے وعظ میں مشغول رہے۔یہ دیکھ کر اس بزرگ نے یہ تسلیم کرلیا کہ واقعی آپ اپنی خصلتوں کے اعتبار سے اسم بامسمّی ہیں کیونکہ احکام خداوندی بیان کرتے وقت آپ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔اختتام وعظ کے بعد حجاج نے دست بوسی کرتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ اگر تم مرد خدا سے ملنا چاہتے ہو تو حسن کو دیکھ لو۔

لوگ کہتے ہیں کہ وقت مرگ حجاج کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ اللہ تو غفار ہے تجھ سے برتر کوئی دوسرا نہیں لہٰذا اپنی غفاری ایک کم حوصلہ مشت خاک پر بھی ظاہر کرکے اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دے۔کیونکہ پورا عالم یہی کہتا ہے اس کی بخشش ہرگز نہیں ہوسکتی اور یہ عذاب میں گرفتار رہے گا۔لیکن اگر تو نے مجھے بخش دیا تو سب کو معلوم ہوجائے گا کہ یقیناً تیری شان **فعال لما یرید** اللہ تبارک وتعالیٰ جس کا ارادہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں۔جب حسن بصری نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ یہ بدخصلت حصولِ آخرت بھی اپنی مرضی سے کرنا چاہتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آپ کو مکتوب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے جو میرے تمام امور میں معاون ہوسکے۔جواب میں آپ نے لکھا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارا معاون نہیں ہے تو پھر کسی سے بھی امداد

کی توقع ہرگز نہ رکھو۔ پھر دوسرے مکتوب کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ اس دن کو بہت ہی نزدیک سمجھتے رہو جس دن دنیا فنا ہو جائے گی اور صرف آخرت باقی رہے گی۔

شمعون نامی ایک آتش پرست آپ کا پڑوسی تھا۔ اور جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آپ نے اس کے یہاں جا کر دیکھا کہ اس کا جسم آگ کے دھوئیں سے سیاہ پڑ گیا ہے۔ آپ نے تلقین فرمائی کہ آتش پرستی ترک کر کے اسلام میں داخل ہو جا۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے گا۔ اس نے عرض کیا کہ میں تین چیزوں کی وجہ سے اسلام سے برگشتہ ہوں۔ اول یہ کہ جب تم لوگوں کے عقائد میں حُبِّ دُنیا بُری شے ہے تو پھر تم اس کی جستجو کیوں کرتے ہو؟ دوم یہ کہ موت کو یقینی تصور کرتے ہوئے بھی اس کا سامان کیوں نہیں کرتے؟ سوم یہ کہ جب تم اپنے قول کے مطابق جلوہ خداوندی کے دیدار کو بہت عمدہ شے تصور کرتے ہو تو پھر دنیا میں رضائے الٰہی کے خلاف کام کیوں کرتے ہو؟

آپ نے فرمایا کہ یہ تو مسلمانوں کے افعال و کردار ہیں لیکن آتش پرستی میں وقت ضائع کر کے تمہیں کیا حاصل ہوا۔ مومن خواہ کچھ بھی ہو کم از کم وحدانیت کو تو تسلیم کرتا ہے مگر تو نے ستر سال آگ کو پوجا ہے اور اگر ہم دونوں آگ میں پڑیں گے تو وہ ہم دونوں کو برابر جلائے گی یا تیری پرستش کا لحاظ رکھے گی؟ لیکن میرے مولا میں یہ طاقت ہے اگر وہ چاہے تو مجھ کو آگ ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور یہ فرما کر ہاتھ میں آگ اُٹھالی۔ اور کوئی اثر دست مبارک پر نہ ہوا۔ شمعون نے اس کیفیت سے متاثر ہو کر عرض کیا کہ میں ستر سال سے آتش پرستی میں مبتلا ہوں اب آخری وقت کیا مسلمان ہوں گا؟ لیکن جب آپ نے اسلام لانے کے لئے دوبارہ اصرار فرمایا تو اس نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر ایمان لا سکتا ہوں کہ آپ مجھے یہ عہد نامہ تحریر کر دیں کہ میرے مسلمان ہو جانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے تمام گناہوں سے نجات دے کر مغفرت فرما دے گا۔ چنانچہ آپ نے اسی مضمون کا اس کو ایک عہد نامہ تحریر کر دیا۔ لیکن اس نے کہا کہ اس پر بصرہ کے صاحب عدل لوگوں کی شہادت بھی تحریر کروایئے۔ آپ نے شہادتیں بھی درج کرا دیں۔

اس کے بعد شمعون صدق دلی کے ساتھ مشرف با اسلام ہو گیا اور خواہش کی کہ میرے مرنے کے بعد آپ اپنے ہی ہاتھ سے غسل دے کر قبر میں اُتاریں اور یہ عہد نامہ میرے ہاتھ میں رکھ دیں تا کہ روزِ محشر میرے مومن ہونے کا ثبوت میرے پاس رہے۔ یہ وصیت کر کے کلمہ شہادت پڑھتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا اور آپ نے اس کی پوری وصیت پر عمل کیا۔ اور اسی شب خواب میں دیکھا کہ شمعون بہت قیمتی لباس اور زریں تاج پہنے ہوئے جنت کی سیر میں مصروف ہے اور جب آپ نے سوال کیا کہ کیا گزری؟ تو اس نے عرض کیا کہ خدا نے اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دی اور جو انعامات مجھ پر کئے وہ ناقابل بیان ہیں۔ لہٰذا اب آپ کے اوپر کوئی بار نہیں۔ اب آپ اپنا عہد نامہ مجھ سے واپس لے لیں کیونکہ مجھے اب اس کی حاجت نہیں۔ اور جب صبح کو آپ بیدار ہوئے تو وہ عہد نامہ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ تیرا فضل کسی سبب کا محتاج نہیں جب ایک آتش پرست کی ستر (70) سال آگ کی پرستش کے بعد صرف ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے سے تو نے اُس کی مغفرت

فرمادی تو جس نے ستر سال تیری عبادت وریاضت میں گزارے ہوں وہ کیسے تیرے فضل سے محروم رہ سکتا ہے۔؟

روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک اعرابی (دیہاتی) آپ کے پاس آیا اور صبر کے متعلق دریافت کیا۔آپ نے فرمایا صبر دو طرح کا ہوتا ہے ایک صبر وہ ہے جو مصیبت اور بلا کے وقت کیا جاتا ہے اور دوسرا ان چیزوں سے اپنے آپ کو باز رکھنے کا نام ہے جن سے حق تعالٰی نے ہمیں باز رہنے کا حکم دیا ہے۔اوران کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔اعرابی نے کہا کہ **انت زاھدما رایت ازھد منک** (آپ ایسے زاہد ہیں کہ میں نے آپ سے بڑا زاہد نہیں دیکھا)۔حضرت امام حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اے اعرابی میرا زُہد رغبت (حرص) ہے اور میرا صبر جزع (مجبوری) ہے۔اعرابی نے کہا ذرا اس کی تشریح کیجئے ورنہ میرا اعتقاد خراب ہو چلا ہے۔آپؒ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت یا عبادت میں میرا صبر اس وجہ سے ہے کہ مجھے دوزخ کا ڈر ہے اور یہ جزع ہے (مجبوراً اختیار کیا ہے) اور دُنیا میں میرا زُہد دراصل جنت کی خواہش کی وجہ سے ہے۔اور یہ رغبت ہے۔لہٰذا خوش نصیب ہے وہ شخص جو خود کو درمیان سے اُٹھادے یعنی نہ تمنائے جنت سے عبادت کرے نہ خوف دوزخ سے اور صدق یہی ہے۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان صحبة الاشرار تورث سوء الظن فی الاخیار (''جو شخص بھی بُروں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بزرگوں سے بدظن ہو جاتا ہے۔'') اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام الناس کے علاوہ جو صوفی بھی بُرے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ اکابر صوفیاء سے بدظن ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ درج ذیل واقعات بہت سبق آموز ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جب میں چار افراد کے متعلق سوچتا ہوں تو حیرت زدہ رہ جاتا ہوں۔اول مخنث (یعنی ہیجڑا) دوم ایک مست شخص۔سوم ایک لڑکا۔چہارم ایک عورت۔لوگوں نے جب وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں نے ایک ہیجڑے سے جب گریز کرنا چاہا تو اس نے کہا میری حالت کا اب تک کسی کو علم نہیں آپ مجھ سے گریزاں نہ ہوں ویسے عاقبت کی خبر خدا کو ہے۔پھر فرمایا کہ ایک شخص مستی کے عالم میں کیچڑ کے اندر لڑکھڑاتا ہوا جا رہا تھا تو میں نے کہا کہ سنبھال کر قدم رکھو کہیں گر نہ پڑنا۔اس نے جواب دیا کہ آپ اپنے قدم مضبوط رکھیں اگر میں گر گیا تو تنہا گروں گا لیکن آپ کے ہمراہ پوری قوم گر پڑے گی۔چنانچہ میں اس قول سے آج تک متاثر ہوں۔پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک لڑکا چراغ لئے ہوئے چل رہا تھا تو میں نے پوچھا کہ روشنی کہاں سے لے کر آیا ہے؟ اس نے چراغ گل کرتے ہوئے کہا کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ روشنی کہاں سے معدوم ہوگئی۔اس کے بعد میں آپ کے سوال کا جواب دوں گا کہ روشنی کہاں سے آئی۔پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک خوبصورت عورت منہ کھولے ہوئے ننگے سر غصہ کی حالت میں میرے پاس آئی اور اپنے شوہر کا شکوہ کرنے لگی۔میں نے کہا کہ پہلے تم اپنے ہاتھوں سے منہ تو ڈھانپ لو۔لیکن اس نے جواب دیا کہ شوہر کے عشق میں میری عقل کھوگئی اور اگر آپ آگاہ نہ کرتے تو میں اسی طرح بازار چلی جاتی اور مجھے بالکل بھی محسوس نہ ہوتا۔لیکن عجیب بات ہے کہ آپ کو عشق الٰہی کا دعوٰی بھی ہے اور اس کی روشنی میں آپ سب کو دیکھتے ہیں اس کے باوجود بھی آپ اپنے

ہوش وحواس پر قائم ہیں۔

آپ حقیقت کو بڑی خوبصورتی سے بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی طرح ہو۔ یہ سن کر سب لوگ بہت مسرور ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ تم اپنے کردار عادات میں ان جیسے ہو، بلکہ تمہارے اندر ان کی کچھ شباہت پائی جاتی ہے کیونکہ صحابہ کی تو یہ کیفیت تھی کہ تم ان کو دیکھ کر دیوانہ تصور کرنے لگتے اور اگر وہ تمہاری حالت دیکھتے تو تمہیں ہرگز مسلمان تصور نہ کرتے وہ تو برق رفتار گھوڑوں پر آگے چلے گئے اور ہم ایسے زخم خوردہ خچروں پر پیچھے رہ گئے جو زخمی کمر کی وجہ سے چلنے پر قادر نہیں۔

آپ کے ایک ارادت مند کی یہ کیفیت تھی کہ آیاتِ قرآنی سن کر بیہوش ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے فعل میں اس امر کلحوظ رکھا کرو کہ آواز نہ نکلنے پائے۔ کیونکہ آواز نکلنے سے ریا کاری محسوس ہونے لگتی ہے جو انسان کے لئے باعث ہلاکت ہے اور فرمایا اگر کسی پر حال طاری نہ ہو بلکہ وہ قصداً طاری کرلے اور کوئی نصیحت بھی اس پر کارگر نہ ہو تو وہ گنہگار ہے اور جو شخص قصداً روتا ہے اس کا رونا شیطان کا رونا ہے۔

آپ اس قدر منکسر المزاج تھے کہ ہر فرد کو اپنے سے بہتر تصور کرتے۔ ایک دن دریائے دجلہ پر آپ نے کسی حبشی کو عورت کے ساتھ مے نوشی میں مبتلا دیکھا کہ شراب کی بوتل اس کے سامنے تھی۔ اس وقت آپ کو یہ تصور ہوا کہ کیا یہ بھی مجھ سے بہتر ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ تو شرابی ہے۔ اسی دوران ایک کشتی سامنے آئی جس میں سات افراد تھے اور وہ غرق ہوگئی یہ دیکھ کر حبشی پانی میں کود گیا اور چھ افراد کو ایک ایک کرکے باہر نکالا۔ پھر آپ سے عرض کیا کہ آپ صرف ایک ہی کی جان بچالیں، میں تو امتحان لے رہا تھا کہ آپ کی چشم باطن کھلی ہوئی ہے یا نہیں اور یہ عورت جو میرے پاس ہے یہ میری والدہ ہیں اور اس بوتل میں سادہ پانی ہے۔ یہ سنتے ہی آپ اس یقین کے ساتھ کہ یہ کوئی غیبی شخص ہے اس کے قدموں پر گر پڑے اور حبشی سے کہا جس طرح تو نے ان چھ افراد کی جان بچائی اس طرح تکبر سے میری جان بھی بچادے۔ اس نے دعا کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو نور بصیرت عطا فرمائے۔ یعنی تکبر کو دور کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد سے اپنے آپ کو کبھی کسی سے بہتر تصور نہیں کیا اور یہ کیفیت ہوگئی کہ ایک کتے کو بھی دیکھ کر فرماتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے کتے ہی کے صدقہ میں قبولیت عطا فرمادے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ کتے سے آپ بہتر ہیں یا کتا آپ سے؟ فرمایا کہ اگر عذاب سے چھٹکارا حاصل ہوگیا تو میں بہتر ہوں ورنہ کتا مجھ جیسے صدہا گنہگاروں سے افضل ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کی غیبت کر رہا ہے تو آپ نے بطور تحفہ اس کو تازہ کھجوریں بھیجتے ہوئے پیغام دیا کہ سنا ہے تو نے اپنی نیکیاں میرے اعمال نامہ میں درج کروادی ہیں میں اس کا اس تحفہ کے علاوہ کوئی اور معاوضہ ادا نہیں کرسکتا۔

ایک مرتبہ لوگوں کے ہمراہ قبرستان میں پہنچ کر فرمایا کہ اس میں ایسے ایسے افراد مدفون ہیں جن کا سر آٹھ جنتوں کے مساوی پانے پر بھی نہ جھک سکا اور ان کے قلوب میں ان نعمتوں کا کبھی تصور تک بھی نہ آیا۔ لیکن مٹی میں اتنی آرزوئیں لے کر چلے گئے کہ اگر ان میں سے ایک کو بھی آسمانوں کے مقابلے میں رکھا جائے تو وہ خوف زدہ ہوکر پاش پاش ہو جائیں۔

آپ کسی مردے کی تدفین کے لیے قبرستان تشریف لے گئے اور فراغت تدفین کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اس قدر روئے کہ قبر کی خاک تک نم ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ جب آخری منزل ہی آخرت ہے تو پھر ایسی دنیا کے خواہشمند کیوں ہو جس کا انجام قبر ہے اور اس عالم سے خوفزدہ کیوں نہیں جس کی ابتدائی منزل بھی قبر ہی ہے گویا تمہاری پہلی اور آخری منزل قبر ہی ہے۔ آپ کی نصیحت سے لوگ اس درجہ متاثر ہوئے کہ شدت گریہ سے بے حال ہو گئے۔

ایک مرتبہ قحط پڑا لوگ دعا کے لئے آپ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا مجھے شہر سے باہر نکال دو۔ ایسا ہی کیا گیا وہاں آپ پر رقت طاری ہوئی۔ آپ روتے رہے اس دعا میں دو لاکھ افراد شریک تھے۔ اسی وقت ٹھنڈی ہوا چلی، بادل آ گئے، کھل کے بارش ہوئی اور قحط سالی ختم ہو گئی۔

آپ نے سعید بن جبیر کو تین نصیحتیں کیں۔ اول صحبت سلطان سے اجتناب کرو۔ دوم کسی عورت کے ساتھ تنہا نہ رہو، خواہ وہ رابعہ بصری ہی کیوں نہ ہوں؟ سوم راگ رنگ میں کبھی شرکت نہ کرو کیونکہ یہ چیزیں برائی کی طرف لے جانے کا پیش خیمہ ہیں۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ جب میں نے آپ سے پوچھا کہ لوگوں کی تباہی کس چیز میں پوشیدہ ہے؟ فرمایا کہ مردہ دلی میں۔ میں نے پوچھا کہ مردہ دلی کا کیا مفہوم ہے؟ فرمایا کہ دنیا کی جانب راغب ہو جانا۔

جب بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ علم ہوا کہ حضرت حسن بصری ؒ سفر حج کا قصد کر رہے ہیں تو انہوں نے تحریر کیا کہ میری خواہش ہے کہ آپ کے ہمراہ حج کروں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں معافی چاہتا ہوں کیونکہ میری خواہش یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ستاری کے پردے میں زندگی گزار دوں اور اگر ہم دونوں ہمراہ ہوں گے تو ایک دوسرے کے عیوب یقیناً سامنے آئیں گے اور ہم میں سے ایک دوسرے کو معیوب تصور کرنے لگے گا۔

حضرت عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز فجر کے لئے حضرت حسن بصری ؒ کی مسجد میں تشریف لے گیا۔ میں نے اندر داخل ہونا چاہا تو اندر سے دروازہ بند تھا اور آپ مشغول دعا تھے اور کچھ لوگوں کے آمین کہنے کی صدائیں آ رہی تھیں۔ چنانچہ میں یہ خیال کر کے کہ شاید آپ کے ارادت مند ہوں گے باہر ٹھہر گیا۔ اور جب صبح کو دروازہ کھلا اور میں نے اندر جا کر دیکھا تو آپ تنہا تھے۔ چنانچہ فراغت نماز کے بعد جب صورت حال دریافت کی تو فرمایا کہ پہلے تو کسی سے نہ بتانے کا وعدہ کرو، پھر فرمایا کہ یہاں جنات وغیرہ آتے ہیں اور میں ان کے سامنے وعظ کہہ کر دعا مانگتا ہوں، جس پر وہ سب آمین آمین کہتے رہتے ہیں۔

کچھ بزرگ آپ کے ہمراہ بغرض حج روانہ ہوئے اور ان میں سے بعض لوگوں کو شدت سے پیاس لگی۔ راستہ میں ایک کنوئیں پر نظر پڑی لیکن اس پر رسی ڈول کچھ نہ تھا اور جب حضرت حسن بصری ؒ سے صورت حال بیان کی گئی تو فرمایا کہ جب میں نماز میں مشغول ہو جاؤں تو تم پانی پی لینا۔ چنانچہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اچانک کنوئیں میں سے پانی خود بخود ابل پڑا اور سب لوگوں نے اچھی طرح پیاس بجھائی۔ لیکن ایک شخص نے احتیاطاً کچھ پانی کوزے میں رکھ لیا۔ اس حرکت سے کنوئیں کا جوش ایک دم ختم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے خدا پر اعتماد نہیں کیا، یہ اُسی کا نتیجہ ہے؟ پھر آگے روانہ ہوئے تو راستہ میں سے آپ

نے کچھ کھجوریں اُٹھائیں اور اپنے لوگوں کو دیں جن کی گٹھلیاں سونے کی تھیں اور جن کو فروخت کر کے لوگوں نے سامان خورونوش لیا اور صدقہ بھی کیا۔

مشہور ہے حضرت ابوعمرو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ ایک نوعمر حسین لڑکا تعلیم کے لئے پہنچا اور آپ نے اس کو بُری نیت سے دیکھا جس کے نتیجہ میں اسی وقت قرآن بھول گئے اور گھبرائے ہوئے حضرت حسن بصری ؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ من وعن بیان کر دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ایام حج قریب ہیں پہلے حج ادا کرو اور حج ادا کر کے مسجد خیف میں پہنچ جاؤ۔ وہاں تمہیں محراب مسجد میں ایک صاحب مصروف عبادت ملیں گے۔ جب وہ عبادت سے فراغت پالیں تو ان سے دعا کی درخواست کرنا۔ حضرت ابوعمرو کہتے ہیں کہ جب میں مسجد میں پہنچا تو وہاں ایک کثیر مجمع تھا اور کچھ دیر کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے تو سب تعظیماً کھڑے ہو گئے اور جب سب لوگوں کے جانے کے بعد وہ بزرگ تنہا رہ گئے تو میں نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا۔ چنانچہ ان بزرگ کے تصرف سے مجھ کو دوبارہ قرآن یاد ہو گیا اور جب فرط مسرت سے میں قدم بوس ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ میرا پتہ تمہیں کس نے بتایا؟ میں نے حضرت حسن بصری ؒ کا نام لے دیا۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا حسن بصری نے مجھ کو رُسوا کر دیا۔ میں بھی اُن کا راز فاش کر کے رہوں گا۔ فرمایا کہ جو صاحب ظہر کی نماز کے وقت یہاں تھے وہ حسن بصری ہی تھے جو اسی طرح روزانہ یہاں آتے ہیں اور ہم سے باتیں کر کے عصر کے وقت تک بصرہ پہنچ جاتے ہیں۔ اور حسن بصری جس کے راہنما ہوں اس کو کسی غیر کی حاجت نہیں۔

آپ دین و دُنیا کے بارے میں سوالات کرنے والوں کو بہت ہی خوبصورت، مختصر اور جامع جواب دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا کہ آپ اپنے وعظ میں کثیر لوگوں کے اجتماع سے خوش ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ میں تو اس وقت مسرور ہوتا ہوں جب کوئی عشق الٰہی میں دل جلا آجاتا ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا اسلام کتاب میں ہے، اور مسلمان، کتاب الٰہی پر گامزن ہونے والے کو کہتے ہیں۔ جب آپ سے دین کی اساس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ تقویٰ دین کی اساس ہے اور لالچ تقویٰ کو ضائع کر دیتا ہے۔ پوچھا گیا کہ جنت عدن کا کیا مفہوم ہے اس میں کون داخل ہو گا؟ فرمایا کہ اس میں سونے کے محلات ہیں، سوائے نبی کریم ﷺ، صدیقین وشہداء عادل بادشاہ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ سوال کیا گیا کہ کیا روحانی طبیب کسی دوسرے کا علاج کر سکتا ہے؟ فرمایا اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ اپنا علاج نہ کر لے کیونکہ جو خود ہی راستہ بھولے ہوئے ہو وہ دوسرے کی راہبری کیسے کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ میرا وعظ سنتے رہو تمہیں فائدہ پہنچے گا لیکن میری بے عملی تمہارے لیے ضرر رساں نہیں۔

لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے قلوب تو سوئے ہوئے ہیں ان پر آپ کا وعظ کیا اثر انداز ہو گا؟ فرمایا کہ خوابیدہ قلوب کو تو بیدار کیا جا سکتا ہے البتہ مردہ دلوں کی بیداری ممکن نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا بعض جماعتوں کے اقوال ہمارے قلوب میں خوف و خشیت پیدا کر دیتے ہیں۔ فرمایا کہ تم دنیا میں ڈرانے والوں ہی کی صحبت اختیار کرو تا کہ روز حشر رحمت خداوندی تم سے قریب تر ہو۔

لوگوں نے عرض کیا کہ بعض حضرات آپ کا وعظ محض اس لئے یاد کرتے ہیں تا کہ اعتراض کر سکیں۔فرمایا کہ میں صرف قرب الٰہی اور جنت کا خواہش مند رہتا ہوں، اور نکتہ چینیوں سے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بھی مبرا نہیں اسی لئے میں لوگوں سے ہرگز یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ مجھے برا بھلا نہ کہیں گے۔

عرض کیا گیا کہ بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ دوسروں کو نصیحت اسی وقت کرنی چاہیے جب خود بھی تمام برائیوں سے پاک ہو جائے۔فرمایا کہ ابلیس تو یہی چاہتا ہے کہ امر ونواہی کا سدّ باب ہو جائے۔لوگوں نے پوچھا کہ کیا مسلمان کو بغض وحسد کرنا جائز ہے؟فرمایا کہ برادرانِ یوسف کا واقعہ کیا تمہارے علم میں نہیں کہ بغض وحسد کی وجہ سے ہی انہیں کیا کیا نقصان پہنچا۔البتہ اگر حسد میں رنج وغم کا پہلو ہو تو کوئی حرج نہیں۔

کسی شخص نے جب آپ سے خشوع کا مفہوم پوچھا تو فرمایا کہ انسان کے قلبی خوف کا نام خشوع ہے۔کسی نے آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص بیس سال سے نہ تو عورت کے قریب گیا ہے اور نہ کسی سے ملاقات کرتا ہے اور نماز با جماعت پڑھتا ہے۔ چنانچہ جب آپ اس سے ملاقات کی غرض سے پہنچے تو اس نے معافی چاہتے ہوئے اپنی مشغولیت کا ذکر کیا۔آپ نے پوچھا کہ آخر کس چیز میں مشغول رہتے ہو۔اس نے کہا کہ میرا کوئی سانس ایسا نہیں جس میں مجھ کو کوئی نعمت حاصل نہ ہوتی ہو اور مجھ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا ہو۔آپ نے فرمایا کہ تیری مشغولیت مجھ سے بہتر ہے۔

کسی نے دریافت کیا کہ کیا کبھی آپ کو کوئی خوشی حاصل ہوئی ہے؟فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے عبادت خانہ کی چھت پر کھڑا تھا اور ہمسایہ کی بیوی اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی کہ شادی کے بعد سے پچاس سال میں نے صبر وسکون کے ساتھ تیرے ساتھ نباہ کیا اور تجھ سے کبھی کوئی ایسی شے طلب نہیں کی جس کا تو متحمل نہیں ہو سکتا ہو، نہ کبھی غربت کا شکوہ کیا اور نہ کبھی تیری شکایت کی۔مگر یہ سب کچھ محض اس لئے برداشت کیا کہ تو دوسری شادی نہ کرلے لیکن اگر تو دوسری شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر میں امام وقت سے تیری شکایت کروں گی۔مجھے یہ بات سن کر بہت مسرت ہوئی کیونکہ یہ قول قرآن کے قطعاً مطابق تھا۔کسی نے جب آپ کا حال دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کا کیا حال پوچھتے ہو جو دریا میں ہوں اور شکستہ کشتی کے تختہ پر پانی میں تیر رہے ہوں۔اس نے کہا یہ تو بہت سنگین صورت ہے۔بس میرا تو یہی حال ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نافع علم، اکمل علم، اخلاص وقناعت اور صبر جمیل حاصل کرتا رہے اور جب یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو اس کے اُخروی مراتب کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔بھیڑ بکریاں انسانوں سے زیادہ باخبر ہوتی ہیں کیونکہ چرواہے کی ایک آواز پر چرنا چھوڑ دیتی ہیں اور انسان اپنی خواہشات کی خاطر احکامِ الٰہی کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور صحبت بد انسان کو نیک لوگوں سے دور کر دیتی ہے۔

۳۔اگر مجھے کوئی شراب نوشی کے لئے طلب کرے تو میں طلب دنیا سے وہاں جانے کو بہتر سمجھتا ہوں۔

۴۔معرفت حسد،نفرت،عداوت و دشمنی کو ترک کر دینے کا نام ہے کیونکہ جنت محض عمل سے نہیں بلکہ خلوص نیت سے حاصل ہوئی ہے اور جب اہل جنت جنت کا مشاہدہ کریں گے تو سات سو سال تک محویت کا عالم طاری رہے گا کیونکہ جمالِ الٰہی کا مشاہدہ کر کے وحدت میں غرق ہو جائیں گے اور جلالِ الٰہی سے ہیبت طاری ہو جائے گی۔

۵۔فکر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں نیک و بد کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

۶۔جو قول مصلحت آمیز نہ ہو اس میں شر پنہاں ہوتا ہے اور جو خاموشی خالی از فکر ہو اس کو لہو و لعب اور غفلت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۷۔تورات میں ہے کہ قانع شخص مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے جس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی وہ سلامت رہا۔اور جس نے نفسانی خواہشات کو ترک کر دیا وہ آزاد ہو گیا۔جس نے حسد سے اجتناب کیا اس نے محبت حاصل کر لی اور جس نے صبر و سکون کے ساتھ زندگی گزاری وہ سر بلند ہو گیا۔

۸۔تقویٰ کے تین مدارج ہیں:اوّل غیظ و غضب کے عالم میں سچی بات کہنا۔دوم ان اشیاء سے احتراز کرنا جن سے اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے۔سوم احکامِ الٰہی پر راضی بر ضا ہونا اور قلیل تقویٰ بھی ایک ہزار برس کے صوم و صلوٰۃ سے افضل ہے کیونکہ اعمال میں سب سے بہتر عمل فکر و تقویٰ ہے۔

۹۔اگر میرے اندر نفاق نہ ہوتا تو میں دُنیا کی ہر شے سے اجتناب کرتا اور نفاق نام ہے ظاہر و باطن میں خلوص نیت کے نہ ہونے کا۔کیونکہ جس قدر مومن گزر چکے ہیں ان میں سے ہر فرد کو اپنے اندر نفاق کا خطرہ رہتا ہے اور مومن کی تعریف یہ ہے کہ حلیم ہو اور تنہائی میں عبادت کرتا رہے۔

۱۰۔تین افراد کی غیبت درست ہے۔اول لالچی کی۔دوم فاسق کی۔سوم بادشاہ ظالم کی۔اور غیبت کا کفارہ اگر چہ صرف استغفار ہی ہے لیکن جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی طلب کر لے۔

۱۱۔انسان کو ایسے مکان میں بھیجا گیا ہے جہاں کے تمام حلال و حرام کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۱۲۔(صالحین،اولیاءاللہ کے علاوہ)ہر فرد دنیا سے تین تمنائیں لئے ہوئے چلا جاتا ہے۔اوّل جمع کرنے کی حرص۔دوم جو کچھ کرنا چاہا وہ حاصل نہ ہو سکا۔سوم توشہ آخرت جمع نہ کر سکا۔

۱۳۔جو نعمتِ دنیا پر نازاں نہیں ہوتے مغفرت اُنہیں کا حصہ ہے کیونکہ دانشمند وہی ہے جو دنیا کو خیر باد کہہ کر فکر آخرت میں لگا رہے۔

۱۴۔خدا شناس لوگ دنیا کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں،جب کہ دنیا شناس خدا کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

۱۵۔نفس سے زیادہ دنیا میں کوئی شے سرکش نہیں۔

۱۶۔کس قدر تعجب کی بات ہے کہ محض دنیا کی محبت میں بتوں تک کو پوجا جاتا ہے۔

۱۷۔تم سے قبل آسمانی کتابوں کی ایسی وقعت تھی کہ لوگ اپنی راتیں ان کے معانی پر غور وفکر کرنے میں گزار دیتے تھے اور دن میں اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے لیکن تم نے اپنی کتاب پر زیر وزبر تو لگا لئے مگر عمل ترک کر کے آسائش دنیا میں گرفتار ہو گئے۔

۱۸۔جو شخص سیم وزر سے محبت کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو رسوائی عطا کرتا ہے۔اور جس چیز کی تم دوسروں کو نصیحت کرتے ہو پہلے خود اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

۱۹۔جو شخص تم سے دوسروں کے عیوب بیان کرتا ہے وہ یقیناً دوسروں سے تمہاری برائی بھی کرتا ہو گا۔

۲۰۔دینی بھائی ہمیں اپنے اہل وعیال سے بھی زیادہ عزیز ہیں کیونکہ وہ دینی معاملات میں ہمارے معاون ہوتے ہیں۔

۲۱۔دوستوں اور مہمانوں پر اخراجات کا حساب اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں لیتا لیکن جو اپنے ماں باپ پر خرچ کیا جائے گا اس کا حساب ہو گا اور جس نماز میں دل جمعی نہ ہو وہ عذاب بن جاتی ہے۔

مشہور ہے کہ ستر سال تک آپ ہمہ وقت باوضو رہے اور ہم عصر بزرگوں میں ممتاز ہوئے۔کسی شخص نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ حسن بصری ہم سے زیادہ افضل کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حسن کے علم کی ہر فرد کو ضرورت ہے اور اس کو سوائے خدا کے کسی کی حاجت نہیں۔

منقول ہے کہ کسی شخص سے جب آپ نے گریہ وزاری کا سبب دریافت کیا تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے محمد بن عبداللہ (حضور پُر نورﷺ) سے سنا ہے کہ روز محشر ایک صاحب ایمان اپنی گنہگاری کی وجہ سے برسوں جہنم میں پڑا رہے گا۔آپ نے فرمایا کہ کاش اس کے بدلے میں مجھے پھینک دیا جائے گا اور وہ محفوظ رہ جائے کیونکہ مجھے اپنے متعلق یہ توقع نہیں ہے کہ ایک ہزار سال تک بھی چھٹکارا حاصل کر سکوں گا۔

ایک مرتبہ آپ پوری رات مصروف گریہ رہے اور جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا شمار تو صاحب تقویٰ لوگوں میں ہوتا ہے پھر آپ اس قدر گریہ وزاری کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ میں تو اس دن کے لئے روتا ہوں جس دن مجھ سے کوئی ایسی خطا ہو گئی ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ باز پُرس کر کے یہ فرمادے کہ اے حسن ہماری بارگاہ میں تمہاری کوئی وقعت نہیں۔اور ہم تمہاری پوری عبادت کو ردّ کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مناجات کر رہے تھے کہ اے اللہ تیری نعمتوں کا شکر نہ بجالا سکا اور ابتلا کی حالت میں صبر کا دامن چھوڑ دیا لیکن عدم شکر کے باوجود بھی تو نے مجھے اپنی نعمتوں سے محروم نہ رکھا اور صبر نہ کرنے پر بھی میری مصیبتوں کا ازالہ کرتا رہا۔

دم مرگ میں آپ مسکراتے ہوئے فرمارہے تھے کہ کون سا گناہ! کون سا گناہ! اور یہی کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔آپ کا وصال 110 ہجری بمطابق 728ء میں ہوا۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ انسان پیدائش سے موت تک عالم نزع میں ہی ہوتا ہے۔آپ عالم نزع میں مسکرارہے تھے اور

فرمارہے تھے۔کون سا گناہ! کون سا گناہ؟

وصال کے بعد کسی بزرگ نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ عالم نزع میں آپ مسکرا کیوں رہے تھے اور کون سا گناہ کون سا گناہ، باربار کیوں کہہ رہے تھے؟ فرمایا کہ دم نزع مجھے یہ ندا سنائی دی کہ اے ملک الموت سختی سے کام لے کیونکہ ایک گناہ باقی رہ گیا ہے چنانچہ اسی خوشی میں مسرور ہو کر باربار کون سا گناہ، کون سا گناہ کہہ رہا تھا۔

وفات کی شب میں کسی بزرگ نے خواب دیکھا کہ آسمان کے دریچے کھلے ہوئے ہیں اور ندا کی جارہی ہے کہ حسن بصری اپنے مولیٰ کے پاس حاضر ہو گئے اور اللہ اُن سے راضی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عمر ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی عبدالعزیز تھا،اس لئے آپ کا پورا نام عمر بن عبدالعزیز ہے۔آپ کے دادا مروان تھے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی کنیت ابوحفص تھی۔

آپ اپنے وقت کے بہت ہی متقی، پرہیزگار اور منصف انسان تھے۔خلافت سے پہلے بھی آپ کئی کلیدی اور اہم عہدوں پر فائز رہے اور ہر جگہ آپ نے اپنی لاجواب انمول سیرت و کردار کا گہرا اثر چھوڑا۔آپ علم و فضل کے پیکر، صاحب فہم و شعور اور ماہر فقہ تھے۔آپ بہت علم دوست اور غریب پرور تھے۔زہد و تقویٰ کے عظیم و منور مینار تھے۔آپ خوف خدا کی دولت سے مالا مال تھے۔تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے فقر کو اپنا لیا اور حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کا قالب اختیار کر لیا۔آپ زبردست وقوی استقامت اور عزم صمیم کے مالک تھے۔آپ نے رعایا،عوام الناس کے لئے اصلاح احوال اور نفاذ شریعت کے انقلابی قدم اُٹھائے اور عدل و انصاف کے اعتبار سے بھی آپ کا دور ازحد سنہری اور مثالی دور تھا۔ان تمام خوبیوں کی بناپر حضرت امام شافعیؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ آپ کو خلیفہ راشد کہتے تھے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے عالی مرتبہ علمائے کرام نے آپ کو پہلی صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔حضرت سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے۔خلفائے راشدین پانچ ہوئے ہیں۔حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم۔(رواہ ابوداؤد فی سنن)

زمانہ، ہم عصر:

آپ سن 61ہجری یا 63ہجری میں مصر کے شہر حلوان میں پیدا ہوئے۔آپ کے زمانے کے چند بزرگ ہستیوں کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت حسن بصریؒ۔آپ نے اڑھائی (2½) سال خلافت کی۔خلافت کے آخری دنوں میں بیس دن بیمار رہ کر ماہ رجب 101ہجری بمطابق جنوری 720عیسوی میں وصال فرما گئے۔وصال کے وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

حالات، مناقب، ارشادات:

امیرالمومنین ،مجدد اسلام حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز ﷺ 61ھ یا 63ھ کو مصر کے شہر حلوان میں پیدا ہوئے۔آپ اموی حکمران مروان بن حکم کے پوتے تھے۔آپ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے چنانچہ آپ کی پرورش بڑے ناز و نعم اور عیش و تنعم کے گہوارہ میں ہوئی جس کے اثرات سریرآرائے خلافت ہونے تک قائم رہے(تاریخ اسلام از عبداللہ ملک،صفحہ 581) والدہ کا نام اُمِ عاصم بنت عاصم بن عمر تھا جو حضرت عمر فاروق اعظم ﷺ کی پوتی تھیں۔یقیناً یہ والدہ ماجدہ کے حسن تربیت اور پاکیزہ دودھ کا فیضان تھا کہ آپ بنو مروان کے خارستان میں خوش رنگ پھول کی طرح جلوہ نما ہوئے۔

بچپن میں آپ کے چہرے پر چوٹ لگی جس سے خون بہنے لگا۔آپ کے والدین کریمین خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اگر تو بنی اُمیہ کا داغدار ہے تو سعادت مند ہے،اس چوٹ کا آپ کے چہرے پر داغ پڑ گیا تھا۔(رواہ ابن عساکر)

حضرت عمر بن خطاب ﷺ فرمایا کرتے تھے۔میری اولاد سے ایک شخص ہوگا جس کے چہرے پر داغ ہوگا۔وہ زمین کو عدل سے پُر کردے گا۔(رواہ ترمذی فی تاریخ)

ابن عمر ﷺ سے مروی ہے۔ہم کہا کرتے تھے دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک آلِ عمر سے ایک شخص حضرت عمر بن خطاب ﷺ جیسے عمل کرنے والا پیدا نہ ہولے۔بلال بن عبداللہ بن عمر کے چہرے پر بھی نشان تھا اس لئے لوگ خیال کیا کرتے تھے کہ شاید حضرت عمر ﷺ کی بشارت کے مصداق یہی ہوں گے،حتی کہ عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔

آپ نے قرآن حکیم بچپن میں ہی حفظ کرلیا تھا۔پھر آگے پڑھنے کے لئے آپ کے والد نے آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہاں آپ عبیداللہ بن عبداللہ سے پڑھتے رہے۔ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔

بالغ ہوئے تو آپ اپنے والد ماجد کے پاس چلے گئے،لیکن پھر مدینہ منورہ آگئے،والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے چچا عبدالملک نے آپ کو دمشق میں بلالیا اور اپنی بیٹی سے آپ کی شادی کردی۔آپ شاہی خاندان کے اہم فرد تھے۔اس لئے آپ کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔آپ نے ہر جگہ اپنی انمول سیرت و کردار کا گہرا اثر چھوڑا۔ولید بن عبدالملک (86 تا 96ھ) نے آپ کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا تو آپ نے اس شرط پر عہدہ قبول کرلیا کہ وہ دوسرے عمال کی طرح لوگوں پر ظلم وستم نہیں کریں گے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز از علامہ ابن جوزی،صفحہ 32)

آپ 87 سے 93ھ تک اس عہدے پر مامور رہے،آپ نے ریاست مدینہ میں بہت سی اصلاحات نافذ فرمائیں،مثلاً مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر،تالابوں کی تعمیر،سڑکوں کی تعمیر،غرض لوگوں کی خوشحالی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔مدینہ منورہ کے عوام کو سکھ کا سانس نصیب ہوا تو عراق کے لوگ (جو حجاج بن یوسف کے ظلم سے تنگ آگئے تھے) بھی ادھر کا رُخ کرنے لگے،نتیجتاً ولید بن عبدالملک نے حجاج کے مجبور کرنے پر آپ کو معزول کردیا۔

آپ سلیمان بن عبدالملک کے عہد (96ھ تا 99ھ) میں اس کے مشیر خاص رہے۔سلیمان آپ کی سیرت و کردار سے

ازحد متاثر ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے بعد خلافت کے لئے آپ کو نامزد کیا۔ آپ کو مسند خلافت پر فائز ہونا بہت ناپسند تھا۔ آپ نے اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے، میں اسے خود اُتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو۔" (تاریخ اسلام ص 583)

یہ سن کر حاضرین بیک زبان کہنے لگے، "ہم نے آپ کو امیر چن لیا اور آپ سے راضی ہو گئے۔" چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے اصرار اور اسلام کی بقاء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ منصب قبول کرلیا۔ ذیل میں اُن کی سیرت و کردار کے تابناک گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز علم و فضل کے اعتبار سے امامِ وقت تھے۔ آپ نے انس بن مالک، سائب بن یزید، صالح بن کیسان کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی، آپ قرآن حکیم کے حافظ تھے۔ آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ازحد متاثر تھے، اکثر اپنی والدہ ماجدہ سے کہا کرتے تھے کہ "میں ان کی مانند ہونا چاہتا ہوں۔"

"تاریخِ اسلام" میں جناب عبداللہ ملک صاحب لکھتے ہیں:

"آپ علم و فضل کے پیکر، صاحب فہم و شعور اور ماہر فقہ تھے، بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے شاگرد نظر آتے تھے۔ آپ کے فتوے آج بھی اسلامی فقہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔" (تاریخ اسلام ص 594)

آپ کے دور خلافت میں علماء و طلباء کے وظائف مقرر تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اہل علم سے بہت پیار تھا اور یہ بدیہی امر ہے کہ اہل علم سے وہی پیار کرتا ہے کہ جو خود صاحب علم ہو، اس لئے امام نووی کا بیان ہے: "ان کی جلالت شان، فضیلت علمی، وفور علم، صلاح آثار نبوی کے اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے۔" (تہذیب الاسماء، جلد اوّل) اور حافظ ذہبی کا قول ہے: "کان فقیھا مجتھدا عارفا" یعنی وہ فقیہ و مجتہد عارف تھے۔" (تذکرۃ الحلفاء، جلد اول)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بہت علم دوست تھے۔ آپ سے پہلے اموی حکمرانوں کے دربار شعراء سے بھرے رہتے، آپ نے ان کو نکال کر علماء و فضلاء کو جمع فرمایا۔ آپ نے قرآن و حدیث و فقہ کی ترویج و اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ حدیث نبوی کی اشاعت کے لئے قاضی ابوبکر بن حزم والی مدینہ کو لکھا کہ تمام محدثین کے مجموعے جمع کئے جائیں اور ان کی نقلیں مملکت اسلامیہ کے اہم مراکز میں رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ کے عظیم مینار تھے۔ یہ واقعی کمال نہیں تو اور کیا ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہو کر بھی دُنیا کی رنگینیوں سے دست کش رہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں:

"لوگ مجھے زاہد کہتے ہیں، فی الحقیقت زاہد تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے پاس دُنیا آئی اور

انہوں نے ترک کردی، ٹھکرادی۔"(روض الریاحین، حکایت 561)

حضرت اسماعیل بن عیاش عمرو بن مہاجر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اہل کا نفقہ ہر روز دو درہم تھا۔(ایضاً)

تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے، آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کے چھوٹے بچے نے ایک سیب اُٹھا کر کھانا شروع کر دیا، آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا، بچے نے ماں سے شکایت کی، ماں نے اسے بازار سے سیب منگوا دیا، بعدازاں آپ گھر تشریف لائے تو فرمایا: "خدا کی قسم! میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا، اپنے دل سے چھینا تھا، اس لئے کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصے کے سیب کے بدلہ میں اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں برباد کرلوں۔"(سیرت عمر بن عبدالعزیز، صفحہ 161، از ابن جوزی)

آپ کا زُہد وتقویٰ زندگی کے ہر شعبے پہ غالب تھا۔ آپ کے وصال پہ شاہ روم نے آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

"اگر عیسیٰ مسیح کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کرسکتا، تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہوتے۔
میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دُنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے، میں
اس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ
زندگی بسر کرتا تھا۔"(تاریخ اسلام، صفحہ 581، بحوالہ)

یہ الفاظ آپ کے زہد وتقویٰ پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور **الفضل ماشهدت به الاعدا** کے تحت بہترین سند ہیں۔

انسان کے اعمال صالحہ کا دارومدار خشیت الٰہی پر مبنی ہے، جس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف نہیں وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس دولت سے مالامال تھے۔ حضرت مغیرہ بن کلیم علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ مجھ سے فاطمہ بنت عبدالملک (زوجہ بن عبدالعزیز) نے بیان کیا:

"حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ وضو نماز والے لوگ اور بھی ہوں گے لیکن اپنے رب
سے ڈرنے والا ان سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب عشاء کی نماز پڑھ چکتے تو مسجد میں
بیٹھ جاتے۔ پھر دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھاتے اور روتے رہتے، حتیٰ کہ نیند کا غلبہ ہو جاتا۔ پھر بیدار
ہوتے اور اسی طرح دعا کرتے رہتے، یہاں تک کہ پھر آنکھ لگ جاتی، ہر رات یہی کیا کرتے
تھے۔"(روض الریاحین حکایت، 563)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ جلالت میں حاضری کے تصور سے ہمیشہ لرزہ براندام رہتے، آپ کا یہ قول بہت مشہور ہے:

''تم لوگ میرے رونے پر ملامت وتعجب نہ کیا کرو، کیونکہ اگر فرات کے کنارے پر
بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو میں اس کے بارے میں جواب دہ ہوں۔''

(سیرت عمر بن عبدالعزیز)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب مسند خلافت پر فائز نہیں تھے تو آپ کی زندگی بہت مسرفانہ تھی، شاہی خاندان کے فرد تھے، دولت کی ریل پیل تھی، جب مدینہ منورہ کی گورنری پر گئے تو تمیں اونٹوں پر اُن کا ذاتی سامان تھا۔(سیرت عمر بن عبدالعزیز)

رجا بن حیواۃ کا بیان ہے کہ ''وہ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس تھے۔(سیرت عمر بن عبدالعزیز)

لیکن خلافت کی ذمہ داری اُٹھاتے ہی زندگی بالکل بدل گئی۔طبقات ابن سعد میں ہے کہ ''تخت خلافت پہ قدم رکھتے ہی انہوں نے ابو ذر غفاری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قالب اختیار کرلیا۔سلیمان کی تجہیز وتکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا ''میرے لئے میرا خچر ہی کافی ہے۔''
(تاریخ اسلام، از معین الدین ندوی، جلد 2، صفحہ 213)

جناب مہاجر بن یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرنے پر مقرر رہتے۔ایک ہی سال میں یہ حال ہو گیا کہ ایک سال پہلے جو لوگ صدقہ لیتے تھے، وہ دوسرے سال دوسروں کو صدقہ دینے کے قابل ہو گئے۔' ایضاً، صفحہ 224، بحوالہ سیرۃ)

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے رعایا کو اس قدر خوشحال کر دیا کہ کوئی آدمی ضرورت مند نہ رہا۔''(فتح الباری، جلد 6)

آپ ذمیوں کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آتے تھے، عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ''ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو، ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے اس کی کفالت کا انتظام کرو۔''(ابن سعد، جلد 5)

اپنی بیوی فاطمہ کا جو بقول ایک شاعر کے، ایک شہنشاہ کی بیٹی، کئی شہنشاہوں کی بہن اور ایک شہنشاہ کی بیوی تھی، ایک ایک چھلا اُتروا کر بیت المال میں جمع کروا دیا۔فاطمہ کو اُن کے باپ نے ایک بیش قیمت ہیرا دیا تھا جو انہیں عزیز تھا، آپ نے اسے بھی نہ چھوڑا اور صاف کہہ دیا: ''ہیرا بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''(تاریخ ملت، جلد 1، ص 665)

آپ نے اپنا تمام سامان امارت، لونڈی، غلام، فرش، فروش، لباس، عطریات وغیرہ بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔(تہذیب الاسماء، جلد اول) اسی طرح تواضع آپ کی ہر ادا سے نمایاں، ظاہر تھی۔

آپ نے پہلی تقریر میں فرمایا: ''میں تم میں کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں، البتہ تمہارے مقابلہ میں خدا نے مجھے زیادہ گرانبار کیا ہے۔''(سیرت عمر بن عبدالعزیز) غرض آپ کی سادگی تو اضع اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ انہیں عام مجمع میں پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔(ادب العرب، صفحہ 128)

حضرت لیثؒ کہتے ہیں۔جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ نے اپنے عزیز و اقارب (اموی خاندان، بنواُمیہ) کے پاس جو جاگیریں تھیں وہ تمام ضبط کر لیں، اور انہیں مالِ ظلم قرار دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں جس قسم کی اصلاحات نافذ کیں ان کے لئے عزم صمیم اور زبردست استقامت کی ضرورت تھی۔ بنواُمیہ کے امراء نے لوگوں کا مال و جائیداد غصب کر رکھی تھی، اور سینکڑوں من سونا اور چاندی ناجائز ذرائع سے جمع کر لی تھی۔ آپ نے یہ مال اُن سے چھین کر عوام میں تقسیم کرنا چاہا۔ آپ کے خاندان کے لوگوں نے کہا کہ ہم یہ مال واپس نہیں کر سکتے اگر چہ ہمارے سرتن سے جدا ہو جائیں، خدا کی قسم! نہ ہم اپنے آباؤاجداد کو غاصب بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے، آپ نے عزم سے کہا: ''اگر تم نے اس مسئلہ میں میری مدد نہ کی تو میں تم کو ذلیل و رُسوا کروں گا۔'' اور مسجد میں جا کر عوام کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا اور وہیں اپنی جاگیروں کی اسناد منگوائیں اور انہیں ضائع کر کے ساری جاگیریں اصلی مالکوں کو لوٹا دیں، حتیٰ کہ اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ (تاریخ اسلام ص 586، از عبداللہ ملک)

آپ سے پہلے اسلامی معاشرہ مختلف اخلاقی برائیوں کا گہوارہ بن گیا تھا، ایرانی رسوم و رواجات عام ہو گئے تھے۔ شراب نوشی اور فیشن پرستی قوم کو خراب کر رہی تھی۔ آپ نے ان برائیوں کو مکمل جڑ سے اکھیڑ دیا کہ ایک بار پھر خلافت راشدہ کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت عدل و انصاف کے اعتبار سے ازحد سنہری اور مثالی دور ہے، آپ نے اپنے عہد سے پہلے عمال و امراء کے متعلق شکایات کا بھی منصفانہ تدارک کیا، اور جن لوگوں کے حقوق ظالمانہ طور پر چھین لئے گئے تھے ان کو واپس دلائے، اس میں مسلم و ذمی کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ (تاریخ ملت، صفحہ 656)

مروان بن حکم نے باغ فدک پر قبضہ کر لیا اور بنواُمیہ کے خلفاء اس سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

''میں اسے انہیں مصارف کے لئے مخصوص کرتا ہوں جن میں وہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں صرف ہوتا رہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابوداؤد) آپ نے یہ بھی فرمایا: ''جو چیز رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دی، اس پر میرا کوئی حق نہیں۔'' (ابوداؤد، کتاب الخراج)

ابن سعد نے لکھا ہے: ''غرض، مال و جائیداد اور نقد و جنس کی قسم سے جو بھی ناجائز طور پر کسی کے قبضہ میں تھا۔ ایک ایک کر کے ان کے اصل وارثوں کو واپس کر دیا گیا۔'' (طبقات جلد 5)

آپ کا اعلان تھا کہ: ''جو شخص ہمیں کسی ظلم کی اطلاع دے گا یا ایسی بات کی جس کی رُو سے خاص و عام کو فائدہ پہنچے اس کو تین سو دینار تک انعام ملے گا۔'' (ابن الحکم، صفحہ 141)

آپ کے دورِ خلافت میں انسان تو انسان جانوروں میں بھی مساوات و یگانگت کا رویہ پایا جاتا تھا۔ حضرت مالک بن دینارؒ کہتے ہیں: ''جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو چرواہے نہایت تعجب سے کہنے لگے، لوگوں پر کون خلیفہ مقرر ہوا ہے جو ہماری بھیڑ بکریوں کو بھیڑیے کچھ نہیں کہتے؟'' (تاریخ الخلفاء، صفحہ 296) گویا بکری اور بھیڑیے میں کوئی امتیاز

نہیں تھا۔سب برابر تھے۔

حسن قصابؒ کہتے ہیں۔میں نے عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں دیکھا کہ بھیڑیے بکریوں کے ساتھ جنگل میں پھر رہے ہیں۔میں نے کہا سبحان اللہ! یہ عجیب بات ہے کہ بھیڑیا بکریوں کو ضرر نہیں پہنچا رہا۔ چرواہے نے میری یہ بات سن کر کہا جب سر کی اصلاح ہو جائے تو بدن بھی تندرست ہو جاتا ہے۔

موسیٰ بن اعینؒ کہتے ہیں۔ہم عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں شہر کرمان کے پاس بکریاں چرایا کرتے تھے اور وہیں بھیڑیے بھی پھرا کرتے تھے۔ایک رات بھیڑیا بکری اُٹھا کر لے گیا۔میں نے خیال کیا شاید خلیفہ صالح وفات پا گیا ہو۔تحقیق کے بعد معلوم ہوا واقعی اسی رات عمر بن عبدالعزیزؓ کا انتقال ہوا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بہت غریب نواز اور رعایا پرور تھے۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تمام غیر ضروری مصارف بند کر کے اس کو مسلمانوں کے مفاد کے لئے مخصوص کر دیا، گزشتہ خلفاء خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کو صحیح مصرف میں لگایا، ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے، سب کے نام رجسٹر میں درج کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا۔اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو سخت تنبیہہ کرتے تھے۔" (تاریخ اسلام، صفحہ 223، بحوالہ اُصابہ، جلد 5)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے نزدیک اللہ، رسول اور خلفائے راشدین کی اتباع کرنا ہی معیارِ حق ہے۔آپ فرماتے ہیں: "میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔میں اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض پیروی کرنے والا ہوں۔کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے۔" (**لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**) (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا قول ہے: "اپنے سے پہلے لوگوں کی رائے کے مطابق عمل کرو اور ان کے خلاف مت کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم اور دین دار تھے۔" (ایضاً، صفحہ 303) آپ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے تعامل پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔آپ نے حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے پوتے حضرت سالمؓ کو لکھا کہ:

> "میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا مجھے استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن عبدالخطاب کی روش اختیار کروں، اس لئے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کئے ہیں بھیجو۔اگر خدا کو منظور ہے تو میں اُن کے نقش قدم پر چلوں گا۔" (ابن سعد جلد 5)

گویا حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیاء تھا اور آپ اس مقصد وحید میں کامیاب ہوئے۔

آپ گستاخ رسول سے بہت نفرت کرتے ، یہ آپ کی عظیم محبت کا تقاضا تھا،علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:''خلید سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دیں،اس پر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے'' گالی دینے کی بناء پر کسی کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔اِلّا یہ کہ کوئی رسول اللہ ﷺ کو گالی دے،اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔البتہ میں اس کے سر پر کوڑے ماروں گا،اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ بات اس کے لئے مفید نہیں ہے تو میں ایسا نہ کرتا۔'اس کو حرب نے روایت کیا ہے۔امام احمد نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ یہ روایت عمر بن عبدالعزیز سے مشہور ہے۔''(الصارم المسلول لشاتم الرسول،صفحہ 276)

آپ صحابہ کرام واہل بیت اطہار کا ادب کرتے اوران کی توہین کرنے والے کو برا جانتے تھے۔تمام مورخین کا اجماع ہے کہ آپ نے اموی دور کی بدترین عادت سبِّ علی کو ختم کیا۔آپ سے پہلے تمام عمال خطبہ میں حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) برا کہا کرتے تھے۔آپ نے اس کی جگہ آیت مقدمہ پڑھنے کو کہا:''**ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان**......الخ۔''

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کو دُرّے لگوائے۔(تاریخ الخلفاء،صفحہ 301)

آپ کسی کی نصیحت کو دل کے کانوں سے سنتے تھے،اس پر خوش ہوتے اور عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔آپ علماءِ کرام اور صوفیائے عظام سے نصیحت آموز باتیں پوچھتے،مثلاً حضرت سالم بن عبداللہ، جابر بن حیاۃ ،او رمحمد بن کعب رضی اللہ عنہم کو بلا کر پوچھا کہ کوئی تدبیر کیجئے،امارات مصیبت ہے اور میں مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ان میں سے ایک نے کہا اگر عذاب خداوندی سے نجات درکار ہے تو بوڑھوں کو باپ، جوانوں کو بھائی اور چھوٹوں کو فرزند تصور کرو اوران سے وہ سلوک روا رکھو جو گھر میں باپ بھائی اور بیٹے سے روا رکھا جاتا ہے۔(کشف **المحجوب**،صفحہ 176)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صبر وتحمل کی دولت سے مالا مال تھے۔ایک مرتبہ کسی قریشی شخص نے ان کے ساتھ سخت کلامی کی،انہوں نے بڑی دیر تک سر نیچا کرلیا،اور پھر فرمایا کہ ''تمہاری مرضی تھی کہ حکومت کے جوش میں شیطان کے ہاتھوں خفیف ہوکر آج تمہارے ساتھ وہ بات کروں جس کو کل تم میرے ساتھ کرو (یعنی روز محشر اس کا جوابدہ ہوں)۔''(روض الریاحین حکایت، 660)

ایک مرتبہ آپ کے بیٹے نے آپ کو نصیحت کی تو آپ نے خوش ہوکر فرمایا:''اے اللہ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے ایسی اولاد دی جو دینی کاموں میں میری مددگار ہے۔''(الکامل از ابن اثیر،جلد 5 صفحہ 24)

آپ میں قرآن وسنت،صاحب قرآن،آل پاک،صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کا احترام کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔آپ اپنی زندگی، خلق خدا، امت مسلمہ اور خلافت کے امور ومعاملات میں ان ہی بزرگانِ دین، خلفائے راشدین کے تابع تھے،ان ہی سے رہنمائی، رشد وہدایت لیتے تھے۔آپ کا زہد وتقوی قابل تعریف وتقلید تھا۔آپ بہت عالی ہمت اور عزم واستقامت واستقلال کے کوہِ گراں تھے۔شرافت، دوراندیشی،صداقت، جوانمردی،خوف خدا اور سادگی،غریب پروری، دوسروں کا احترام،عدل وانصاف حب دین اور حب رسول ﷺ آپ کی گھٹی میں پڑا تھا۔

الغرض آپ کی انہی پاکیزہ عادات وصفات نے اسلامی تاریخ میں انقلاب پیدا کیا اور ایک بار صدق صدیقی، عدل فاروقی، حلم عثمانی اور زور حیدری کی یاد تازہ کردی۔ آپ کا دور خلافت بھی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے برابر تھا۔ دو سال پانچ ماہ کی خلافت کے بعد بیس روز بیمار رہ کر دنیائے اسلام کے یہ عظیم سپوت ماہ رجب المرجب 101ھ/ بمطابق جنوری 720ء میں وصال فرما گئے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک روایت ہے کہ آپ کی اصلاحات پر بنوامیہ کے دنیا پرست لوگ بہت برہم تھے، چنانچہ انہوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کردیا۔ آپ کو اس سازش کا علم تھا مگر آپ نے کسی سے انتقام لینے کی وصیت نہ فرمائی۔ گویا اس اعتبار سے خلیفہ راشد سیدنا امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے عفو درگزر کی بھی تجدید فرمادی۔ امام شافعی اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہما آپ کو خلیفہ راشد کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے عالی مرتبہ علمائے کرام نے آپ کو پہلی صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
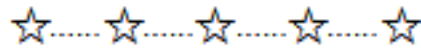
حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی نام حبیب ہے۔آپ چونکہ غیر عرب یعنی کہ عجمی تھے اور عربی زبان نہیں بول سکتے تھے۔اس لئے آپ کو ''عجمی''یا حبیب عجمی کہنے لگ گئے۔آپ طریقت اور شریعت کے شہسوار، بہت بلند ہمت اور عظیم الشان ولی اللہ تھے اور آپ کا شمار اکابرین مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ صدق وصفا پر عمل پیرا، صاحب یقین اور گوشہ نشین بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور پردہ فرما جانے کا سن، دونوں ہی نامعلوم ہیں،بہرحال آپ کا تعلق طبقہ تبع تابعین کے اولین گروہ سے ہے۔آپ کا زمانہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ والا زمانہ ہے۔آپ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔اللہ تبارک وتعالٰی نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ نے قادر مطلق رب العالمین کی طرف رجوع کر کے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے علم وہدایت حاصل کی۔حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ آپ کے اُستاد تھے اور آپ اُن کے ہونہار شاگرد تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

ابتدائی دور میں آپ بہت امیر تھے اور اہل بصرہ کو سود پر قرض دیا کرتے تھے اور ہر قسم کے فسق وفجور میں مبتلا تھے۔آپ تو سب سے پہلے بڑے ظالم قسم کے سود خور تھے۔اتنے ظالم تھے کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔اگر کوئی سود نہ دیتا تو صبح و شام تک اس کے گھر پر بیٹھے رہتے۔مجبوراً کوئی سود نہ دے سکتا تو سارے دن کا حرجانہ سود پر ڈال کر واپس آجاتے۔

ایک دن کسی کے ہاں سود وصول کرنے گئے تو وہ گھر پر نہ تھا۔اس کی بیوی نے کہا ہمارے گھر میں دینے کے لئے کچھ نہیں صبح ایک بھیڑ ذبح کی تھی، گوشت تو ختم ہو گیا ہے صرف اس کی سری پڑی ہے۔اگر چاہو تو وہ لے جاؤ۔وہ سری لے کر گھر آگئے اور بیوی سے کہا سود میں ملی ہے اسے خوب نمک مرچ مصالحے ڈال کر پکاؤ۔حسن اتفاق سے اس دن آپ کے گھر میں بالن (خشک لکڑی وغیرہ) اور آٹا دونوں ہی ختم ہو چکے تھے۔اس لئے بیوی نے کہا کہ گھر میں نہ لکڑی ہے نہ آٹا، بھلا میں کھانا کس طرح تیار کروں؟ ایندھن اور آٹے کے بغیر تو کھانا تیار نہیں کر سکتی۔آپ نے فوراً کہا کہ میں ان دونوں چیزوں کا بھی انتظام مقروض لوگوں سے سود

لے کر کرتا ہوں اور سود ہی سے یہ دونوں چیزیں خرید کر لائے۔لیکن جب کھانا تیار ہو چکا تو ایک سائل نے آ کر سوال کیا۔آپ نے کہا تیرے دینے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور تجھے کچھ دے بھی دیں تو اس سے تو دولت مند نہ ہو جائے گا۔لیکن ہم مفلس ہو جائیں گے۔سائل جب مایوس ہو کر واپس چلا گیا تو بیوی نے سالن نکالنا چاہا لیکن وہ ہنڈیا سالن کی بجائے خون سے لبریز تھی اس نے شوہر کو آواز دے کر کہا کہ دیکھو تمہاری کنجوسی اور بدبختی سے یہ کیا ہو گیا ہے؟ آپ کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہوئی اور بیوی کو شاہد بنا کر کہا کہ آج میں ہر بُرے کام سے تائب ہوتا ہوں۔اور آپ نے اپنے طور پر سچی توبہ کر لی۔

شان رب العالمین، کائنات کے اسرار و رموز، قادر مطلق کے کام کہ آپ یہ کہہ کر اس ارادے سے اپنے گھر سے باہر نکلے کہ مقروض لوگوں کو یہ بتا دیں کہ اب میں نے سود قطعاً نہیں لینا ہے ہاں اپنی اصل رقم لے لوں گا اور ساتھ ہی دل میں یہ پختہ ارادہ لے کر چلے کہ آج کسی بزرگ کے حضور حاضر ہو کر سچی توبہ کر لوں گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو راہِ ہدایت نصیب کرنی تھی اسی لئے جاتے وقت راستے میں جو بچے ملے ان سے اس طرح کے الفاظ فقرے کہلوا دیئے کہ دوستوں حبیب سود خور آ رہا ہے اس سے بچو، دور رہو کہ کہیں ہم بھی اس جیسے نہ ہو جائیں۔بچوں کے اس فقرے کو سن کر آپ بہت رنجیدہ خاطر ہو گئے۔اس جملے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔لوگوں کے قرض معاف کر کے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور اُن کے قدموں میں گر گئے۔آپ نے آنے والے کو شفقت و پیار سے اُٹھایا، اپنے سینے سے لگایا اور ایک نظر کامل سے آنے والے کے دل و نفس کی سب کدورتیں، کثافتیں دور فرما دیں۔اور آپ کو ایسی نصیحت فرمائی کہ بے چین ہو کر آپ نے دوبارہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

جب واپسی میں ایک مقروض شخص آپ کو دیکھ کر بھاگنے لگا تو فرمایا کہ تم مجھ سے مت بھاگو، اب تو مجھ کو تم سے بھاگنا چاہیے تاکہ ایک عاصی کا سایہ تمہارے اوپر نہ پڑ جائے پھر جب آپ آگے بڑھے تو اُنہی لڑکوں نے کہنا شروع کر دیا کہ راستے دے دو۔اب حبیب تائب ہو کر آ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیروں کی گرد اس پر پڑ جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا نام گنہگاروں میں درج کر لے۔آپ نے بچوں کا یہ قول سن کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کی کہ تیری قدرت بھی عجیب ہے کہ آج ہی میں نے توبہ کی اور آج ہی تو نے لوگوں کی زبان سے میری نیک نامی کا اعلان کرا دیا۔صبح جب گیا تو لوگ مجھ سے بچتے تھے اور اب تائب ہو کر واپس آیا ہوں تو لوگ مجھے پسند کر رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے منادی کروا دی کہ جو شخص میرا مقروض ہو وہ اپنی تحریر اور مال واپس لے جائے، اس کے علاوہ آپ نے اپنی تمام دولت راہِ مولا میں لٹا دی اور جب کچھ باقی نہ رہا تو آخر میں ایک سائل کے سوال پر اپنا کرتہ تک اُتار کر دے دیا۔اور دوسرے سائل کے سوال پر آپ نے اپنی بیوی کی چادر بھی دے دی۔پھر ساحل فرات پر ایک جگہ عبادت کے لئے بنا کر عبادت میں مشغول رہے اور یہ معمول بنا لیا تھا کہ دن میں تحصیل علم کے لئے حضرت حسن بصری کی خدمت میں پہنچ جاتے اور رات بھر مشغول عبادت رہتے۔کیونکہ آپ قرآن کریم کا تلفظ اپنے صحیح مخرج کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے اس لئے آپ کو عجمی کا خطاب دے دیا گیا۔

توبہ کے بعد آپ بھی دل وجان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہو کر رہ گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی قدم قدم پر آپ کی مدد و رہنمائی فرمائی ۔مرشد کا ساتھ شب و روز حاصل تھا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کے صدقے آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور کروایا۔

ایک دن بیوی نے کہا: حبیب تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا راستہ اختیار تو کرلیا۔مگر پیٹ پالنے کے لیے کچھ محنت مزدوری بھی کرلیا کرو۔دوسرے دن اُٹھ کر مزدوری کے لیے گھر سے نکلے مگر سارا دن عبادت میں گزار دیا۔شام خالی ہاتھ گھر آئے تو بیوی نے پوچھا: کیا لائے ہو؟بولے سارا دن محنت کی مالک اتنا جاہ وجلال والا تھا کہ مزدوری مانگنے کی جرأت نہیں ہوئی اس نے کہا ہے دس دن بعد مزدوری دوں گا۔اسی طرح دس دن گھر سے چلے جاتے اور سارا دن عبادت میں گزار کر واپس آجاتے۔دسویں دن جب گھر لوٹ رہے تھے تو کچھ پریشان تھے کہ آج کیا کہوں گا۔اسی سوچ میں گھر پہنچ گئے تو دیکھا گھر کا نقشہ بدلا ہوا ہے۔کسی نے ایک بوری آٹا، پوری ذبح شدہ بکری کا گوشت، گھی، شہد اور تین سو درہم ان کے گھر پہنچادیئے تھے اور یہ پیغام بھی دیا تھا کہ حبیب سے کہنا اپنا کام زیادہ محنت اور جانفشانی سے کرے ہم مزدوری اور بڑھادیں گے۔یہ تمام چیزیں جو دے گیا وہ کون تھا۔کسی کو معلوم نہیں۔یہ غیبی امداد اسی کا کرم تھا جس کی سارا دن وہ مزدوری کرتے تھے۔پھر اسی دن سے عبادت کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گئے۔

روایت ہے کہ جب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حجاج بن یوسف کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں پناہ لی تو حجاج کے آدمی نے حبیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آیا تم نے کہیں حسن بصری رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دیکھا ہے۔انہوں نے پوچھا کہاں ہے؟۔آپ نے جواب دیا کہ میرے حجرے میں ہیں۔جب انہوں نے اندر جاکر دیکھا تو کچھ بھی نہیں تھا اور دل میں کہنے لگے کہ شاید حبیب نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے اس لئے انہوں نے ناراض ہو کر کہا کہ آپ جھوٹ کیوں بولتے ہیں۔آپ نے کہا جھوٹ نہیں سچ کہتا ہوں وہ میرے اس حجرہ کے اندر ہیں۔لیکن جب انہوں نے دوبارہ، سہ بارہ اندر جاکر دیکھا تو کچھ نہ پایا اور واپس چلے گئے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے باہر آکر کہا: اے حبیب!یہ تو مجھے معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے ان ظالموں سے نجات دلائی ہے لیکن یہ بتائیں کہ آپ نے یہ کیوں کہا کہ وہ حجرے کے اندر ہیں؟انہوں نے جواب دیا: اے استاد محترم!یہ میری برکت نہیں ہے بلکہ سچ کہنے کی برکت ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔اگر میں جھوٹ بولتا تو وہ آپ کو اور مجھے بھی رُسوا کرتے اس قسم کی کرامات بہت ہیں جو اُن سے رونما ہوئیں۔

ایک عورت روتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور التجا کی میرا لڑکا گم ہوگیا ہے۔میں سخت پریشانی میں ہوں۔آپ نے فرمایا: تیرے پاس کچھ ہے۔اس نے کہا میرے پاس دو درہم ہیں۔آپ نے وہ دو درہم لے کر خیرات کردیئے اور دعا کے بعد فرمایا: جا تیرا بچہ گھر آگیا ہے۔جب وہ عورت گھر گئی تو وہ لڑکا گھر میں تھا۔ماں بیٹا روتے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔جب رونے دھونے سے فرصت ہوئی تو ماں نے پوچھا بیٹا تو کہاں چلا گیا تھا۔لڑکے نے کہا ماں میں ایک قافلے کے ساتھ کرمان چلا گیا تھا۔

وہاں میرے مالک نے مجھے گوشت لینے کے لئے بھیجا۔اچانک ایسی آندھی چلی جو مجھے اُڑا کر یہاں لے آئی ۔میں نے آندھی میں ایک آواز سنی تھی کہ اے آندھی تو اسے گھر پہنچادے۔

ایک شخص سولی پر چڑھادیا گیا۔مرنے کے بعد لوگوں نے اُسے خواب میں دیکھا۔وہ جنت میں ٹہل رہا تھا۔کسی نے پوچھا تو تو قاتل تھا پھر یہ کیسے ہوا؟اس نے کہاجب میں سولی پر چڑھ رہا تھا حبیب عجمی کی نظر مجھ پر پڑی اُن کی دُعا سے یہ مرتبہ ملا۔

ایک مرتبہ حسن بصری رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے وقت آپ کے یہاں پہنچے لیکن آپ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے اور حسن بصری رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ آپ الحمدللہ کے بجائے الحمد چھوٹی ھ قرأت کررہے ہیں تو یہ خیال کر کے کہ آپ چونکہ قرآن کا تلفظ صحیح ادا نہیں کرسکتے اس لئے آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔چنانچہ انہوں نے علیحدہ نماز پڑھی ۔لیکن اسی رات کوخواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کادیدار نصیب ہواتو آپ نے عرض کیا کہ یااللہ!تیری رضا کا ذریعہ کیا ہے؟ارشاد ہوا کہ تو نے ہماری رضا پائی لیکن اس کا مقام نہیں سمجھا۔آپ نے پوچھا وہ کون سی رضا تھی؟ارشاد ہوا کہ اگر تو نماز میں حبیب عجمی کی اقتداء کرلیتا تو تیرے لئے تمام عمر کی نمازوں سے بہتر تھا کیونکہ تو نے اس کی ظاہری عبادت کوسنا اور دیکھا لیکن اس کی نیت نہیں دیکھی ۔جب کہ دلی نیت سے تلفظ کی صحت کم درجہ رکھتی ہے۔اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تو میری رضا اسی وقت پالیتے۔

آپ کا خالق و مالکِ کائنات کے ساتھ وارفتگی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ایک کنیز بیس سال تک آپ کی خدمت میں رہی، پر آپ نے اس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ایک دن اسی کنیز کوفرمایا ذرا میری کنیز کوآواز دینا۔کنیز نے کہایا حضرت!میں ہی آپ کی کنیز ہوں۔آپ نے کہا بیس سال میں میرا دھیان اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی طرف نہیں گیا اسی لیے میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔

جب کلام پاک پڑھا جاتا تو آپ پر رقت طاری ہوجاتی ۔زاروقطار آنسو بہنے لگتے ۔کسی نے پوچھا آپ تو عجمی ہیں قرآن کا مفہوم کیسے سمجھ لیتے ہیں؟فرمایا:میری زبان عجمی ہے مگر دل عربی ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہیں تشریف لے جارہے تھے۔راستے میں انہیں حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ مل گئے۔امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ان کوسوال کرنا چاہا مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا اور کہا یہ واصل باللہ لوگ ہیں۔ان سے بحث یا سوال ٹھیک نہیں ۔مگر امام احمد بن حنبل نے سوال کردیا کہ اگر کسی شخص کی پانچ نمازوں میں ایک نماز قضا ہوجائے اور وہ بھول جائے کہ کون سی نماز قضا ہوئی تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟۔حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:سب نمازوں کی قضا پڑھے اس لیے کہ وہ خدا سے غافل ہوا اور ایسی بے ادبی کا مرتکب کیوں ہوا؟امام احمد بن حنبل یہ سن کر چپ ہوگئے۔امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اسی لیے منع کیا تھا کہ ان لوگوں سے سوال کرنا ٹھیک نہیں۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ رضائے خدا کس چیز میں ہے؟فرمایا کہ: **فی قلب لیس فیه غبار النفاق۔** (اس قلب میں جو غبارِ نفاق یعنی منافقت سے پاک ہے)اس کی وجہ یہ ہے کہ نفاق خلاف وفاق (دوستی) ہے اور رضا عین وفاق ہے اور دوستی ومحبت کا نفاق سے کوئی تعلق نہیں۔دوستی کا خاصہ رضا ہے پس رضا صفت دوستان ہے اور نفاق صفت دشمنان اور یہ بات (نقطہ) بہت اہم ہے۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی نام مالک بن دینار ہے۔ آپ کے نام کے ساتھ ''دینار'' کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ آپ کے والد ماجد کا نام دینار تھا اور دوسری وجہ آپ کی ایک کرامت ہے جس میں دینار کا ذکر خاص ہے۔ اس کرامت کا ایک دو صفحے بعد ذکر کر دیا جائے گا۔ اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ صحیح معنوں میں سردار اہل اُنس اور رزینت جن وانس ہیں۔ اور آپ اکابرین طریقت میں سے ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ آپ کا تعلق طبقہ تبع تابعین کے اولین گروہ سے ہے۔ آپ کا زمانہ بھی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے زمانہ والا ہے۔ آپ نے بھی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سچی توبہ کی، مرید ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت عروج بخشا۔ آپ کا شمار بھی دینی پیشواؤں اور رہبر سالکانِ طریقت میں ہوتا ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والد ماجد کا نام دینار تھا جو ایک غلام تھے۔ آپ کی پیدائش بھی اُن کے عہد غلامی میں ہوئی۔ آپ کی توبہ جوانی کے ایام میں اس طرح ہوئی کہ ایک رات آپ اپنے ہم عمر اور ہم مذاق لوگوں کے ساتھ گانے بجانے میں مصروف تھے۔ جب گانا بجانا ختم ہوا اور سب لوگ سو گئے تو مالک کے کانوں میں آواز پڑی جو بڑی واضح تھی اور باجے میں سے آئی تھی۔ اس باجے نے کہا:

''اے مالک! تو توبہ کیوں نہیں کرتا۔''

یہ سنتے ہی آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اُن کے ہاتھ پر سچی توبہ کی۔ آپ کی صحبت میں رہے اور دُنیاوی و روحانی تعلیم حاصل کی اور آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے بہت بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کی کرامات اور ریاضات بہت مشہور ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے آپ کے والد جب غلام تھے تو آپ کی ولادت مبارک اسی دور میں ہوئی۔ بعد میں آپ

کے والد آزاد ہو کر بڑے امیر بن گئے اور والد کی وفات کے بعد آپ اس کی ساری دولت کے مالک ہوئے۔

آپ بے حد خوبصورت انسان تھے اور توبہ کے بعد دن رات یادِ الٰہی میں لگے رہتے تھے آپ نے بہت ریاضت کی۔ مرشد محترم کے زیر سایہ روحانی منازل بہت جلد طے کر لئے۔ اللہ کی محبت میں سب کچھ غرباء و مساکین کو دے دیا اور اللہ کی یاد میں اتنے مگن ہو گئے کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے۔ آپ کا مرتبہ اس قدر بلند ہوا کہ ان ہی دنوں ایک دن آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ کسی کا موتی گم ہو گیا۔ چونکہ کشتی میں آپ کو کوئی نہیں جانتا تھا سب نے ان ہی کو چور سمجھا۔ آپ نے آسمان کی طرف منہ کیا تو فوراً دریا کی تمام مچھلیاں ایک ایک موتی منہ میں لئے سطح آب پر آ گئیں۔ آپ نے ایک مچھلی سے موتی لیا اور اس کے مالک کو دے کر پانی کی سطح پر قدم رکھا اور چلتے چلتے ساحل پر پہنچ گئے۔

اسی روایت کو بعض راویوں نے یوں بیان کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ درج ذیل روایت مندرجہ بالا روایت سے مختلف ہو یا مختلف کرامت ہو۔

ایک مرتبہ آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے اور منجدھار میں پہنچ کر جب ملاح نے کرایہ طلب کیا تو فرمایا میرے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سن کر اس نے بدکلامی کرتے ہوئے آپ کو اتنا زدوکوب کیا کہ آپ کو غش آ گیا اور جب غشی دور ہوئی تو ملاح نے دوبارہ کرایہ طلب کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے کرایہ ادا نہ کیا تو دریا میں پھینک دوں گا۔ اسی وقت اچانک کچھ مچھلیاں منہ میں ایک ایک دینار دبائے ہوئے پانی کے اوپر کشتی کے پاس لائیں اور آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے دینار لے کر کرایہ ادا کیا۔ ملاح یہ حال دیکھ کر قدموں میں گر پڑا اور آپ کشتی میں سے دریا میں اُتر گئے اور پانی پر چلتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اسی وجہ سے لفظ دینار آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔

آپ نے خودغرضی والی اور پُراخلاص والی عبادت کے فرق کو اپنے ہی حالات سے یا اپنی ہی مثال سے یوں واضح کیا ہے۔

آپ نہایت خوبصورت اور بہت دولت مند تھے اور دمشق میں سکونت پذیر تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تیار کردہ مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خیال آیا کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ مجھ کو اس مسجد کا متولی بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض سے آپ نے اعتکاف پر اعتکاف اور اتنی کثرت سے نمازیں پڑھیں کہ ہر شخص آپ کو ہمہ وقت نماز میں مشغول دیکھتا لیکن کسی نے بھی آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔ پھر ایک سال کے بعد جب آپ مسجد سے برآمد ہوئے تو ندائے غیبی آئی کہ اے مالک! تجھے اب توبہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ کو ایک سال تک اپنی خودغرضانہ دُنیاپرستی پر مبنی عبادت پر شدید رنج و شرمندگی ہوئی۔

آپ نے اپنے قلب کو ریا سے خالی کر کے خلوص نیت کے ساتھ ایک شب عبادت کی تو صبح کے وقت دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک مجمع ہے جو آپس میں کہہ رہا ہے کہ مسجد کا انتظام ٹھیک نہیں ہے لہٰذا اسی شخص کو متولی مسجد بنا دیا جائے اور تمام انتظامی امور اس کے سپرد کر دیئے جائیں، اس کے بعد متفق ہو کر پورا مجمع آپ کے پاس پہنچا اور جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو عرض

کیا کہ ہم باہمی متفقہ فیصلے سے آپ کو مسجد کا متولی بنانا چاہتے ہیں۔آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! میں ایک سال تک ریا کارانہ عبادت میں اس لئے مشغول رہا کہ مجھے مسجد کی تولیت (مجموعی ذمہ داری) حاصل ہوجائے مگر ایسا نہ ہوا۔اب جب کہ میں صدق دل سے تیری عبادت میں مشغول ہوا تو تیرے حکم سے تمام لوگ مجھے متولی بنانے آپہنچے اور میرے اوپر یہ بار ڈالنا چاہتے ہیں۔لیکن میں تیری عظمت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نہ تو اب تولیت قبول کروں گا اور نہ ہی مسجد سے باہر نکلوں گا۔یہ کہہ کر پھر عبادت میں مشغول ہوگئے۔

آپ اس فانی دنیا کی حقیقت کو بہت اچھی جانتے تھے۔آپ کی نگاہ میں ساری دنیا کی وقعت گھاس کے ایک تنکے سے زیادہ نہ تھی۔اس سے متعلق درج ملاحظہ فرمائیں۔

بصرہ میں کوئی امیر آدمی فوت ہوگیا اور اس کی پوری جائیداد اس کی اکلوتی بیٹی کو ملی جو بہت خوبصورت تھی۔ایک دن اس نے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نکاح کرنا چاہتی ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ نکاح مالک بن دینار کے ساتھ ہو، تاکہ ذکر الٰہی اور دُنیاوی کاموں میں وہ میری مدد کرسکیں۔چنانچہ ثابت بنانی نے اس کا پیغام حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا دیا۔لیکن آپ نے فرمایا کہ میں تو دُنیا کو طلاق دے چکا ہوں اور چونکہ عورت کا شمار بھی دنیا ہی میں ہوتا ہے اس لئے طلاق شدہ عورت سے نکاح جائز نہیں۔ایک مرتبہ آپ کسی درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے اور چشم دید گواہوں نے بتایا کہ ایک سانپ نرگس کی شاخ سے آپ کو پنکھا جھل رہا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسرار ورموز، اس کے بھید اور اس کے انداز کہ جب وہ ہدایت دینا چاہے تو کیسے ہدایت دے دیتا ہے، کیسے روحانی مدارج بلند کرتا ہے۔اے قادر مطلق یہ تیری کتنی عیاں سبق آموز شان ہے جسے دنیا پرست پہچاننے سے قاصر ہیں۔

ایک نوجوان بدمعاش آپ کا ہمسایہ تھا اور لوگ اس سے بہت پریشان رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے اس کے مظالم کی شکایت کی تو آپ نے اس کے پاس جا کر نصیحت فرمائی۔اس نے گستاخی سے پیش آتے ہوئے کہا کہ میں حکومت کا آدمی ہوں اور کسی کو میرے کاموں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔آپ نے جب اس سے فرمایا کہ میں بادشاہ سے تیری شکایت کروں گا تو اس نے جواب دیا کہ وہ بہت ہی کریم ہے اور میرے خلاف کسی کی بات نہیں سنے گا۔آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نہیں سنے گا تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کروں گا۔اس نے کہا کہ وہ تو بادشاہ سے بھی بہت زیادہ کریم ہے۔یہ سن کر آپ واپس آ گئے۔

کچھ دنوں کے بعد جب اس کے ظالمانہ افعال بد حد سے زیادہ ہوگئے تو لوگوں نے پھر آپ سے شکایت کی۔اور آپ پھر نصیحت کرنے جا پہنچے لیکن غیب سے آواز آئی کہ میرے دوست کو مت پریشان کرو۔آپ کو یہ آواز سن کر بہت حیرانی ہوئی اور اس نوجوان سے کہا میں اس غیبی آواز کے متعلق تجھ سے پوچھنے آیا ہوں جو میں نے راستہ میں سنی ہے۔اس نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اپنی تمام دولت راہِ خدا میں خیرات کرتا ہوں۔اور پورا سامان خیرات کر کے نامعلوم سمت کی طرف چلا گیا، جس کے بعد سوائے

مالک بن دینار کے کسی نے اس کو نہیں دیکھا اور آپ نے بھی مکہ معظمہ میں اس حالت میں دیکھا کہ بہت ہی کمزور مرنے کے قریب تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدا نے مجھ کو اپنا دوست فرمایا ہے اس پر اور اس کے احکام پر جان و دل سے نثار ہوں اور مجھے علم ہے کہ اس کی رضا صرف عبادت ہی سے حاصل ہوتی ہے اور میں اس کی رضا کے خلاف کام کرنے سے تائب ہوں ۔یہ کہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا، یعنی کہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، واصلِ بحق ہو گیا۔

آپ کے ضبط نفس کا یہ عالم تھا کہ بصرہ کا باشندہ ہوتے ہوئے آپ نے چالیس سال تک بصرہ کی لذیذ کھجوریں نہیں کھائیں ۔فقیری اختیار کرنے سے پہلے جو کھالیں سو کھالیں ۔راہِ ہدایت پر آنے کے بعد جی کے شدید چاہنے کے باوجود انہیں کبھی نہیں چکھا۔(یاد رہے کہ بصرہ کی کھجوریں مقابلتاً لمبی ،بڑی اور بہت لذیذ ہوتی ہیں ۔)

آپ برسوں تک ترش یا میٹھی چیزیں نہیں کھاتے تھے اور رات کو روکھی روٹی خرید کر افطار کر لیا کرتے ایک مرتبہ بیماری میں گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تو بازار سے گوشت کے تین پارچے خرید کر چلے لیکن قصائی نے ایک شخص کو آپ کے پیچھے اس غرض سے بھیجا کہ یہ دیکھو کہ آپ گوشت کا کیا کریں گے ۔آپ نے کچھ دور چل کر گوشت کو سونگھ کر فرمایا کہ اے نفس! سونگھنے سے زیادہ تیرا حصہ نہیں اور یہ کہہ کر وہ گوشت ایک فقیر کو دے دیا ۔پھر فرمایا کہ اے نفس! میں تجھے کسی دشمنی کی وجہ سے اذیت نہیں دیتا بلکہ تجھ کو صبر کا مرتبہ حاصل کرانے کے لئے ایسا کرتا ہوں تا کہ اس کے بدلے تجھے لازوال نعمت حاصل ہو جائے ۔

چالیس سال کے بعد ایک مرتبہ کھجور کھانے کی خواہش ہوئی تو فرمایا کہ اے نفس! میں تیری خواہش کی کبھی تکمیل نہ ہونے دوں گا اور جب خواب میں آپ کو کھجور کھانے کا اشارہ ملا اور یہ فرمایا گیا کہ نفس پر سے پابندی ختم کر دے تو آپ نے بیداری کے بعد نفس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس شرط کے ساتھ تیری تمنا پوری کر سکتا ہوں کہ تو ایک ہفتہ تک مسلسل روزے رکھے ۔چنانچہ نفس کشی کے لئے ہفتہ بھر کے روزے رکھے ۔اس کے بعد کھجوریں خرید کر مسجد میں لے گئے مگر وہاں کھانے سے قبل ایک لڑکے نے اپنے باپ کو آواز دے کر کہا کہ مسجد میں کوئی یہودی آ گیا ہے ۔

لڑکے کا باپ یہودی کا سنتے ہی ڈنڈا لے کر دوڑا ۔لیکن آپ کو شناخت کر کے معافی کا خواستگار ہوتے ہوئے کہا کہ ہمارے محلّہ میں دن میں یہودیوں کے سوا کوئی نہیں کھاتا اور سب لوگ روزہ رکھتے ہیں اسی لئے بچہ کو آپ کے یہودی ہونے کا شبہ ہوا ۔آپ اس کی خطا معاف فرما دیں ۔یہ سنتے ہی آپ نے جوش میں آ کر فرمایا کہ بچوں کی زبان غیبی زبان ہوتی ہے ۔پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ بغیر کھجور کھائے تو آپ نے مجھے یہودیوں میں شامل کر دیا اور اگر کہیں کھا لیتا تو نہ معلوم کفار سے بھی زیادہ میرا بُرا انجام ہوتا ۔لہٰذا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب کبھی کھجور کا نام بھی نہیں لوں گا ۔

ایک عورت نے آپ کو ریاکار کے نام سے پکارا ۔آپ نے فرمایا: بیس سال سے کسی نے مجھے اس نام سے نہیں پکارا تھا۔ اے خاتون! تو نے مجھے پہچان لیا بہت بہت شکریہ ۔آپ نے فرمایا جب میں نے مخلوق کو پہچان لیا تو اب مجھے کوئی نیک کہے یا بد۔ میرے لیے سب برابر ہے ۔اس سلسلے میں روزِ حشر کسی سے اس کا بدلا نہیں لوں گا۔

فرمایا کہ جس سے قیامت کے دن کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اس کی صحبت سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اہل دنیا تو فالودہ کی طرح ہیں جو ظاہر میں خوش رنگ اور باطن میں بدمزہ ہوتا ہے اور اس دنیا سے اسی لئے اجتناب بہتر ہے کہ اس نے علماء کو بھی اپنا تابع بنالیا ہے۔ فرمایا کہ جو لغو باتیں زیادہ کرتا ہے اور عبادت کم اس کا علم قلیل، قلب اندھا، اور عمر رائیگاں ہے کیونکہ میرے نزدیک اخلاص سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے آسمانی کتابوں میں دیکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے حضور انور، نبی کریم ﷺ کی اُمت کو دو ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ جو جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام کو بھی عطا نہیں ہوئیں۔ اول نعمت یہ ہے: "**فاذکرونی اذکرکم**۔" "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔" اور دوسری نعمت یہ ہے: "**ادعونی استجب لکم**۔" "تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" فرمایا کہ توراۃ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول میں نے پڑھا ہے کہ اے صدیقین میرے ذکر سے دُنیا میں آرام کے ساتھ زندگی گزارو کیونکہ دُنیا میں میرا ذکر بہت بڑی نعمت ہے اور آخرت میں اس سے اجر عظیم حاصل ہوگا۔

فرمایا کہ بعض آسمانی کتابوں میں ہے کہ جو دُنیا کو محبوب تصور کرتا ہے میرا ادنیٰ برتاؤ اس کے ساتھ یہ ہے کہ میں ذکر و مناجات کی لذت سے اس کو خالی کر دیتا ہوں اور جو شخص خواہشات دُنیا کی طرف دوڑتا ہے، شیطان اس کو فریب دینے کی اس لئے فکر نہیں کرتا کہ وہ تو خود ہی گمراہ ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ "**احب الاعمال علی الاخلاص فی الاعمال** (میرے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جو خلوصِ دل سے کیا گیا ہو۔) اس وجہ سے کہ عمل اخلاص ہی سے عمل بنتا ہے۔ اخلاص عمل کے لئے ایسے ہے جیسے جسم کے لئے روح۔ جس طرح جسم بلا روح ایک پتھر سے زیادہ نہیں اسی طرح عمل بلا اخلاص بیکار ہے۔ اخلاص ایک باطنی چیز ہے اور عبادات و طاعات ظاہری اعمال کا نام ہے۔ اور عمل اس وقت تکمیل پاتا ہے جب باطن اس کے ساتھ شامل ہو اور باطن اس وقت وقعت پاتا ہے جب اس کا ظہور ظاہری اعمال سے ہو۔ اگر کوئی شخص ہزار سال تک دل میں مخلص رہے جب تک اخلاص کے ساتھ عمل کو شامل نہیں کرے گا مخلص نہیں ہوسکتا ہے اور اگر کوئی شخص ہزار سال تک عمل کرتا رہے جب تک اخلاص شامل نہیں کرے گا اس کا عمل عبادت نہیں ہوسکتا۔

آپ رات میں قطعاً آرام نہیں کرتے تھے ایک دن آپ کی صاحبزادی نے کہا کہ آپ اگر تھوڑی دیر آرام فرمالیا کریں تو بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے بیٹی! ایک طرف تو میں قہر الٰہی سے ڈرتا ہوں اور دوسری جانب یہ اندیشہ رہتا ہے کہ دولت سعادت کہیں مجھے سوتا دیکھ کر واپس نہ ہو جائے۔ لوگوں نے جب اس جملہ کا مفہوم پوچھا تو فرمایا کہ میں نعمت تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کھاتا ہوں اور اطاعت شیطان کی کرتا ہوں پھر فرمایا کہ اگر مسجد کے دروازے پر کوئی یہ صدا لگائے کہ سب لوگوں میں بدتر کون ہے؟ تو اسے میرے سوا کوئی نہیں ملے گا۔ حضرت عبداللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ مالک بن دینار کی عظمت کا اندازہ ان کے صرف اسی قول سے لگایا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام! درج ذیل کواس خواہش کےساتھ بیان کررہاہوں کہ ہم ان سے سبق سیکھیں، ان کی روش کو اپنائیں ۔اللہ کی محبت میں (عام آدمی کے لئے آخرت میں کامیابی کے لیے) اللہ کے وصال کے لئے ،اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات وذات میں گم ہو جانے کے لئے ،مدغم ہو جانے کے لئے ،اللہ کے بندوں نے صرف ایک ایک جوڑے میں عمریں گزاردی ہیں ۔اور مزے کی بات یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی انہیں روحانیت سے خوب خوب نوازا ہے انہیں اپنا دوست بنایا ہے۔

کسی نے وصال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا تو حال دریافت کیا تو فرمایا، کو میں بہت گنہگار تھا ،صرف مجھے اس حسن خیال کے باعث نجات مل گئی جو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندہ پروری پر تھا۔

وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد واسعؒ اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو فرشتے جنت کی جانب لے جارہے تھے ۔اس شخص نے خیال کیا کہ دیکھیں پہلے کون داخل ہوتا ہے تو پہلے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ داخل ہوئے ،حالانکہ حضرت واسعؒ بہت بڑے بزرگ تھے ۔آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ’’میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا اور حضرت واسعؒ کے پاس دو جوڑے تھے۔‘‘

☆......☆......☆......☆......☆
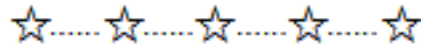
حضرت حبیب بن اسلم الراعی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک حبیب ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی اسلم تھا۔ آپ کی کنیت ابو حلیم ہے اور الراعی آپ کا لقب ہے جس کا مطلب ہے نگہبان یا چرواہا۔

آپ کا پورا نام ابو حلیم حبیب بن اسلم الراعی ہے۔ اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کو اولیاء اللہ کے درمیان بڑی قدر و منزلت حاصل ہے۔ آپ کا مشرب گوشہ نشینی تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی بھی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مرید ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ تبع تابعین کے اولین گروہ سے ہیں۔ آپ کے تصرفات اور کرامات بے شمار ہیں، آپ فقیری کے رہبر اور گوشہ نشینی کے سردار ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ اس حدیث نبوی ﷺ کے راوی ہیں:۔ ''**نیة المومن خیر من عمله**'' مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

حضرت حبیب راعی رضی اللہ عنہ بکریاں پالتے تھے۔ بکریاں وادی فرات میں چرتی رہتی تھیں اور آپ دریائے فرات کے کنارے بیٹھ کر عبادتِ الٰہی کیا کرتے تھے۔ وہاں آپ یادِ الٰہی میں اتنے مگن ہو جاتے کہ کسی آنے جانے والے کا احساس بھی نہ ہوتا۔ وہیں آپ پوری دلجمعی کے ساتھ لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے۔

ایک دن ایک مسافر نے اتفاقیہ یہ منظر دیکھا کہ: ''دریائے فرات کے کنارے بھیڑ بکریاں بڑے اطمینان اور سکون سے گھاس چر رہی تھیں۔ قریب ہی ایک بھیڑیا بیٹھا تھا۔ نہ وہ بکریوں پر جھپٹ رہا تھا نہ غرا رہا تھا۔ مگر جب کوئی بکری یا بھیڑ گلے کو چھوڑ کر ادھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کرتی تو بڑے پیار اور نرم طریقے سے اُسے گھیر کر پھر گلے میں لے آتا۔ بھیڑ بکریاں نہ اُس سے خائف تھیں نہ ڈرتی تھیں۔

پہلے تو وہ مسافر بزرگ یہ منظر دیکھ کر کچھ حیران اور خوفزدہ ہوئے پھر جب بھیڑیئے کو بھیڑ بکریوں کی نگہبانی کرتے دیکھا

تو حیرت میں ڈوب گئے کیونکہ یہ ایک چونکا دینے والا منظر تھا اس لیے وہاں رُک گئے ۔دریا کے کنارے کی طرف نگاہ دوڑائی تو ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا۔نماز بھی اتنے انہماک سے ادا کی جارہی تھی کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی ۔وہ بزرگ بیٹھ گئے اور نماز ادا کرنے والے سے ملاقات کے لیے دل میں ایک بیتابی کی کیفیت پیدا ہوگئی ۔چرواہے نے بڑے اطمینان بڑے سکون اور محبت کی ایک تڑپ کے ساتھ نماز ادا کی ۔

جب وہ فارغ ہوئے تو یہ بزرگ ان کے پاس گئے اور کہا اے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندے السلام علیکم !انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام! آپ نے فرمایا بھائی میرے پاس کسی کام کے لیے آئے ہو؟ بیٹھو، سانس لے لو۔اس نے کہا میں صرف آپ کی زیارت کی تمنا سے یہاں رُکا ہوا ہوں ۔چرواہے نے جواب دیا اللہ عزت دے، برکت دے، نیکیاں کرنے کی توفیق دے اور جزائے خیر دے۔مہمان بزرگ نے عرض کی: یہ بکریوں اور بھیڑوں کی نگہبانی پر بھیڑیا دیکھ کر حیرت ہوئی ۔یہ بلند مرتبہ آپ نے کیسے پایا؟ فرمایا: ’’میرے بھائی اس غریب چرواہے کی اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوستی ہے۔یہ کہہ کر اپنا لکڑی کا پیالہ پتھر کے نیچے رکھ دیا۔اس سے دو چشمے پھوٹے ایک چشمہ شہد کا تھا اور ایک چشمہ دودھ کا تھا اور فرمایا اے مہمان عزیز سیر ہو کر پیو۔اس نے جی بھر کے دودھ اور شہد پیا اور پھر پوچھا: اے صاحب کرامت بزرگ اتنے بلند مرتبے کیونکر حاصل ہوئے ؟فرمایا: ’’سردار انبیا ﷺ کی پورے اخلاص کے ساتھ تابعداری سے یہ مقامات جلیلہ حاصل ہوئے ۔کوئی بھی دل سے ہر شے نکال کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوستی کرلے اور رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کرے تو ہر چیز اس کی تابعداری پر معمور ہو جائے گی۔

اے بھائی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نافرمان تھی ۔مگر پتھر سے ان کے لیے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے، اس کے باوجود کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کے درجے پر نہ تھے ۔جب میں اس سردار انبیا ﷺ کا غلام ہوں، فرمانبردار ہوں تو پتھر مجھے دودھ اور شہد کیوں نہ دے ۔تابعداری میں اخلاص اور عشق کی رمق ضروری ہے ۔لوگ دنیا کی محبت میں غرق ہو کر اپنی عاقبت کی کشتی ڈبو لیتے ہیں ۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ کوئی نصیحت کریں ۔فرمایا: ’’**لاتجعل قلبک صندوق الحرص وبطنک وعاء الحرام** ۔‘‘ دل کو حرص کی صندوق اور باطن کو حرام کا خزینہ نہ بنا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خلقت کی ہلاکت ان ہی دو چیزوں سے ہوتی ہے اور نجات ان دو چیزوں سے پرہیز میں ہے ۔

آپ کا پورا نام ابو حلیم حبیب بن اسلم الراعی رضی اللہ عنہ تھا۔آپ تبع تابعین میں سے تھے ۔آپ فقیر کبیر اور ولیوں کے امیر تھے ۔مشائخ عظام میں آپ بڑی قدر و منزلت والے ہیں ۔آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مصاحبوں (شاگردوں، مریدوں) میں سے تھے ۔

حضرت عثمان علی المعروف داتا گنج بخشؒ نے حضرت حلیم بن اسلم الراعی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ’’**کشف المحجوب**‘‘ میں فرمایا ہے اور لکھتے ہیں ان کے لکھے ہوئے حالات تو بہت زیادہ تھے ۔مگر میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں اور پھر ملتان کے قریب مقام بھمبھور میں بھی میں دشمنوں کے محاصرے میں رہا، بہت کتابیں وہاں ضائع ہو گئیں اس لیے اب حالات مختصر لکھے گئے ۔

حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی محمد ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک واسع تھا۔اس طرح آپ کا مکمل اسم مبارک محمد بن واسع ہے۔آپ اپنے دور کے بہت بڑے اور نمایاں عالم تھے۔آپ امام طریقت،اہل مجاہدہ راہ المشاہدہ کے رہبر عظیم تھے۔ریاضات، عبادات و مجاہدات میں آپ بہت آگے تھے۔آپ ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ و پیراستہ تھے۔زہد و تقویٰ اور قناعت پسندی میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ کے اقوال بہت لطیف اور پند و نصائح بہت عمیق ہیں۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی بھی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کا تعلق طبقہ تبع تابعین کے اولین گروہ سے ہے۔ آپ نے بہت سے تابعین حضرات کی صحبت سے فیض اُٹھایا،فیض پایا اور آپ کا زمانہ بھی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ والا زمانہ ہے۔ حضرت حبیب بن اسلم الراعی،حضرت مالک بن دینار،حضرت حبیب عجمی،حضرت سفیان ثوری،حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہم آپ کے ہم عصر تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے ابتدائی حالات بھی معلوم نہیں ہیں۔آپ نے روحانیت میں بہت اونچا مقام حاصل کیا۔حقائق طریقت میں آپ کے اقوال و ارشادات بہت لطیف ہیں۔آپ نے بہت سارے مشائخ عظام کی صحبت پائی اور ان سے فیض حاصل کیا۔آپ طریقت میں کامل بزرگ تھے،اور علوم ظاہری اور باطنی میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔آپ فرماتے ہیں کہ ''**مارأیت شیئاً الا و رأیت اللّٰہ فیہ۔**''میں نے کوئی ایسی چیز نہ دیکھی کہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو نہ دیکھا۔

آپ کی اپنے وقت کے بڑے بڑے مشائخ اور کامل مرشدوں سے ملاقات ہوئی لیکن آپ کے بارے میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے،کہیں نہیں لکھا ہے کہ آپ کے مرشد کون تھے یا آپ کس کے مرید تھے۔قناعت پسندی میں آپ کا بہت ہی اونچا مقام ہے آپ اس قدر قناعت پذیر تھے کہ خشک روٹی پانی میں گھول کر کھالیا کرتے اور فرماتے کہ خشک روٹی پر قانع ہونے والا کبھی مخلوق کا

محتاج نہیں ہوسکتا۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کرتے کہ تو اپنے محبوب کی مانند مجھ کو بھی مسکین رکھتا ہے لیکن مجھے علم نہیں کہ یہ مرتبہ کیوں عطا کیا گیا ہے اور جب آپ بہت بھوکے ہوتے تو حضرت حسن بصری ﷫ کے یہاں پہنچ جاتے اور جو میسر آتا کھا لیتے اور حضرت حسن بصری ﷫ کو بھی اس بے تکلفی پر بہت مسرت ہوتی۔آپ کا مقولہ ہے کہ شب و روز بھوکا رہنے والا، بھوک کی حالت میں بھی کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہ رہے۔

آپ نے فرمایا اس دنیا میں رہتے ہوئے زہد وتقویٰ اختیار کرو۔طمع، لالچ وحرص کو مکمل چھوڑ دو، ترک کردو اور پوری مخلوق کو محتاج تصور کر کے محتاج جان کے اپنی محتاجی کا کسی سے ذکر نہ کرو۔اگر تم ان نصیحتوں پر عمل کرو گے اور اُن کے پابند رہو گے تو دُنیا سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔اور اس بے نیازی سے ہی تمہیں دو جہاں کی نعمتیں، دو جہاں کی سلطنت حاصل ہو جائے گی۔

آپ نے ایک دن حضرت مالک بن دینار ﷫ سے فرمایا کہ دینار و درہم پر نظر ڈالنے سے یہ زیادہ دشوار ہے کہ انسان اپنی زبان پر نگاہ رکھے اور کبھی کسی کو بُرا نہ کہے۔ایک دن آپ قتیبہ بن مسلم کے ہاں ادنیٰ لباس میں تشریف لے گئے اور جب انہوں نے پوچھا کہ آپ نے ادنیٰ کپڑا کیوں پہنا ہے تو پہلی مرتبہ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔پھر دوسری مرتبہ سوال کرنے پر فرمایا کہ میں زُہد کا مفہوم بتانا چاہتا ہوں لیکن اس لئے خاموش ہوں کہ کہیں اس میں اپنی تعریف اور حالت فقر کے بیان کرنے سے کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے شکوے کا پہلو نہ نکل آئے۔

ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے کو بہت مسرور دیکھ کر فرمایا کہ بیٹے تم کس شے پر نازاں ہو کہ اس قدر خوش ہو کیونکہ تمہاری ماں تو وہ عورت ہے، جس کو میں نے دو سو درہم میں خریدا ہے اور تمہارا باپ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر ہے۔پھر بھلا تم کس چیز پر ناز کر رہے ہو؟

آپ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ خدا شناس ہیں، آپ نے کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ خدا شناس تو حیران اور گم صم ہو کر رہ جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اگر چاہے تو اس کو عزت عطا کر دیتا ہے جو کبھی غیر اللہ کی جانب توجہ نہیں کرتا۔لیکن خدا پر کسی کو اختیار نہیں ہے اور سچے کو اس وقت تک سچا نہیں کہا جا سکتا جب تک بیم و رجا کا پلہ مساوی نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”**خیر الامور اوسطھا**، اور اس طرح ہر شے کا درمیانہ درجہ اچھا ہوتا ہے۔

”**ما رأیت شیئاً الا و رأیت اللّٰهُ فیه۔**“ میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی کہ جس میں اللہ کو نہ دیکھا۔اور یہ مقامِ مشاہدہ ہے کہ جب بندہ فاعل حقیقی (اللہ تبارک وتعالیٰ) کی دوستی میں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کے فعل کو نہیں بلکہ فاعل کو دیکھتا ہے جیسا کہ جب کوئی شخص ایک تصویر کو دیکھتا ہے تو اس میں اس کو مصور نظر آتا ہے اور اس قول کی حقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کے مطابق ہے کہ سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: ”**ھذا ربی۔**“ یہ میرا رب ہے۔اور یہ کلمات غلبۂ شوق میں آپ کی زبان مبارک سے سرزد ہوئے کہ جو کچھ نظر آیا اس میں جلوۂ محبوب نظر آیا، جلوہ محبوب دیکھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اولیاء اللہ کائنات پر نظر کرتے ہیں تو سارے جہان کو قہر اور غلبۂ حق میں مقہور اور مغلوب پاتے ہیں اور موجودات عالم کو حق تعالیٰ

کی قدرت کے مقابلے میں بالکل لاشے اور معدوم اور ناچیز سمجھتے ہیں اور ہر چیز کو حق تعالیٰ کی قدرت میں مغلوب و مقہور دیکھتے ہیں بلکہ خود قاہر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مقہور کو نہیں دیکھتے۔ یعنی مفعول کو نہیں بلکہ فاعل کو دیکھتے ہیں اور مخلوق کو نہیں بلکہ خالق کو دیکھتے ہیں۔

قارئین کرام! مستشرقین، علمائے ظواہر، علمائے سوا اور دیگر نا سمجھ لوگوں نے اس معمولی سے نقطہ کا، بات کا "کہ میں ہر کچھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھتا ہوں" بتنگڑ بنالیا ہے۔ اس بات کی، اس نقطہ کی اولیاء اللہ اور علمائے کرام نے بعد میں خوب خوب وضاحت کی اس کے بعد اس کا مختصراً ذکر کروں گا۔ لیکن درج ذیل میں میں (اس کتاب کا مصنف) اس زیر بحث بات کو ایک اور سہل و زود فہم انداز سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اولیاء اللہ اور علماء کرام کے سامنے میری کوئی وقعت نہیں ہے (بلکہ میں تو ان کا غلام ہوں) کہ میں ان کے طرز استدلال سے انحراف کروں۔ میں صرف اصطلاحات اور مشکل الفاظ سے بچتے ہوئے اس بات کو ایسے سہل انداز و الفاظ سے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جو عام قاری کو مکمل سمجھ آجائے، وہ خود بھی ذہنی خلفشار سے بچ سکے اور دوست احباب کو بھی بچا سکے۔

قارئین کرام! میں آپ لوگوں سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔ جب آپ کسی بہت ہی خوبصورت خوش رنگ پھول کو دیکھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ جب آپ ایک چھوٹے خوبصورت بچے کو دیکھتے ہیں تب کیا کہتے ہیں؟ جب آپ کوئی بہت ہی حیرت انگیز کارنامہ ہوتے دیکھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ جب آپ کو بہت ہی اچھی فضا میں بکھری ہوئی مسحور کن خوشبو (جیسے مروا کی، ہارسنگھار کی، رات کی رانی کی) آتی ہے تو بے ساختہ کیا کہتے ہیں؟ ہر نسل، ہر مذہب کے عام مہذب انسان کے منہ سے تو یہی بے ساختہ الفاظ نکلتے ہیں۔ بالترتیب جواب یہ ہیں:

اللہ، میرے اللہ کتنا خوبصورت پھول ہے۔

ماشاءاللہ، چشم بد دور کتنا پیارا بچہ ہے۔

اللہ تیری شان، کیا کمال کر دیا ہے۔

میرے مولا، کیا مسحور کن خوشبو ہے۔

آپ نے مندرجہ بالا میں کسی نہ کسی شکل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیا ہے، اس کی تعریف کی ہے، اُسے سراہا ہے حمد کی ہے۔ کیوں؟

کیونکہ ان میں آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان، خلاقی وصناعی وغیرہ نظر آئی ہیں یا با الفاظ دیگر ان صفات کے پس پشت ان کا خالق و مالک آپ کو نظر آیا ہے۔

اس سے متعلق اس موقع پر میں ایک ننھے منے بہت ہی چھوٹے کیڑے کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جسے میں بہت دیر دیکھتا رہا اور اس میں مجھے اللہ کی بے شمار شانیں نظر آئیں۔ میں ایک دن روشنی میں باہر بیٹھ کر سفید کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا کہ اُس کاغذ پر

مجھے ایک بہت ہی باریک نقطہ سا حرکت کرتا نظر آیا۔ وہ چیونٹی تھی یا کوئی کیڑا میں بہت کوشش کے باوجود اس کی ٹانگیں یا پر نہیں دیکھ سکا۔ بس اس کے اِدھر اُدھر کاغذ پر چلنے سے مجھے یہ معلوم دے رہا تھا کہ یہ کوئی جاندار ہے۔ پھر اس کا ایک اور ہم جنس کاغذ پر آ گیا۔ (شاید اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں کاغذوں میں ہی پیدا فرماتا ہے۔) بہر حال میں اس میں اللہ کی خلاقی، صناعی، رزاقی وغیرہ کی شانیں دیکھتا رہا اور پھر سوچتے سوچتے میں نے اس ننھے منے کیڑے میں بھاری بھرکم ہاتھی کی مماثلت دیکھی۔ وہ اس طرح کہ یہ بھی کھاتا پیتا ہے، اس میں ہماری طرح کے سارے جسمانی نظام ہیں، افزائش نسل کرتا ہے۔ بچوں کو پالتا ہے اور ہماری ہی طرح یا دوسرے جانداروں کی طرح زندگی اور موت اور ان کے درمیان کے ادوار سے گزرتا ہے۔ اب آپ کو بھی اس ننھے منے جاندار میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خلاقی، صناعی اور رزاقی نظر آئی کہ نہیں۔ اور ان صفات حمیدہ و مجیدہ کے پیچھے اصل میں آپ کو (تصور میں، خیالات میں) قادر مطلق نظر آ رہا ہے۔

درج ذیل میں صرف اتنا بتا دینا مقصود ہے کہ یہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ کے قول **ھٰذا ربّی** (یہ میرا رب ہے) سے مراد یہ ہے کہ غلبہ حال میں ان کو تصویر کے اندر مصور نظر آیا۔ یعنی مخلوق کے اندر انہوں نے خالق کو دیکھا۔ یہ اس زمانے کے محتاط الفاظ ہیں۔ جو ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کا زمانہ ہے اور زمانہ مابعد میں جو مباحث اور اصطلاحات وجود میں آئیں اور کھل کر اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو اب ہم اس حقیقت کو یعنی مصور کو تصویر کے اندر دیکھنے والی بات کو ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ وحدت الوجود سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کے اندر اس طرح موجود ہے جیسے برتن میں پانی۔

بلکہ اس کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے، سمجھایا جا سکتا ہے کہ جیسے مٹی کے برتنوں میں مٹی کو اصلیت حاصل ہے۔ اگرچہ برتنوں کی صورت وشکل طول وعرض مختلف ہیں لیکن ان کی اصل مٹی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے ذات حق نے ہر چیز کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور مختلف صورتیں عطا فرمائیں۔ لیکن نور تو وہ ایک ہے جیسے مٹی کے تمام برتنوں میں مٹی ایک ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص برتنوں کی شکل وصورت سے قطع نظر کر کے غلبہ شوق کی وجہ سے ہر چیز کی اصل مٹی کہہ دے تو اس سے کون سا کفر لازم آتا ہے۔

ہاں جو چیز غلط اور کفر ہے یہ ہے کہ ہر چیز کو خدا کہا جائے کیونکہ خدا لامحدود ہے اور محدود چیز میں نہیں سما سکتا۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر چیز نہ خدا ہے، نہ خدا سے جدا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا سچ نہیں ہے کہ ہر قطرہ سمندر ہے، لیکن یہ کہنا صحیح ہے کہ قطرہ سمندر سے جدا نہیں ہے۔ مکان اور مکین یا حلول کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مکان کا مکین سے علیحدہ وجود تسلیم کیا جائے۔ جب ہر برتن مٹی سے بنا ہوا ہے تو اس میں مکان اور مکین اور حلول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ سارا سمندر قطرہ کے اندر آ گیا ہے جیسے ہندو اور عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے پیغمبروں میں اُتر آیا ہے۔ ہم فقط یہ کہتے ہیں کہ قطرہ اگرچہ سمندر نہیں ہے لیکن سمندر سے جدا بھی نہیں ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ابو حازم مدنی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک ابو حازم مدنی ہے۔آپ فقر وغنا،تقویٰ،ضبط نفس کرامات وریاضات میں بہت عالی مقام تھے۔آپ کا شمار مقتدائے مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ کا کلام بے حد مقبول تھا اور اکثر کتب تصوف میں پایا جاتا ہے۔مجاہدات ومشاہدات میں اپنی نظیر آپ تھے۔آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔آپ کا کلام بہت لطیف اور تصوف واسرار ربانی سے لبریز ہے۔آپ اہل تقویٰ اور فقر وغنا کے سردار و رہبر تھے۔آپ کا صدق واخلاص بہت معیاری تھا۔آپ ہر لحاظ سے مقتدائے قوم تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کا سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ہاں آپ کے بارے میں اتنا لکھا ہوا ضرور موجود ہے کہ آپ نے بہت طویل عمر پائی۔آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجالس میں بیٹھنے کا شرف بھی حاصل ہے۔آپ کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی شرف نیاز حاصل رہا۔حضرت عمر بن عثمان مکیؒ آپ کے بڑے جوشیلے متبع، مرید تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

حضرت عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ:"**ما حالک**""آپ کا حال کیا ہے"انہوں نے جواب دیا کہ"**الرضاء عن اللّٰہ والغناء عن الناس**۔""اللہ تبارک وتعالیٰ سے راضی ہونا اور خلق خدا سے استغنیٰ۔لامحالہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے راضی ہوتا ہے وہ مخلوق سے مستغنی ہوتا ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ سے راضی ہونا بہت بڑا خزانہ ہے۔اور یہی مقام غنا ہے بخدا عزوجل۔لہٰذا جو شخص حق کے ساتھ غنی ہے خلق سے مستغنی ہوتا ہے اور غیر اللہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور خلوت وجلوت میں اسی کو چاہتا ہے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جس کے ذریعہ نجات حاصل ہو سکے؟فرمایا کہ حلال جگہ سے جو دام حاصل ہو اس کو حلال جگہ ہی خرچ کرو۔اس نے کہا کہ اتنا دشوار کام کون کرسکتا ہے؟فرمایا کہ وہ کرسکتا ہے جس

کو جنت کی خواہش ہواور جہنم کا خوف رکھتے ہوئے رضائے الٰہی کی طلب ہوگی ۔آپ فرمایا کرتے کہ دنیا سے اجتناب کرو، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جو عبادت گزار دنیا کو محبوب تصور کرتا ہے اس کو روز محشر کھڑا کر کے ملائکہ یہ منادی کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناپسندیدہ شے کو پسند کیا۔

آپ نے فرمایا کہ تمام چیزوں کا دارومدار صرف دو چیزوں پر منحصر ہے۔ایک تو وہ جو میرے لئے اور دوسری وہ جو میرے لئے نہیں ہے۔خواہ میں اس شے سے کتنا ہی دور نہ بھاگوں پھر بھی وہ مجھ تک پہنچے گی اور جو دوسروں کے لئے ہے خواہ میں اس کے حصول میں کتنی ہی سعی کیوں نہ کرلوں وہ مجھے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

آپ نے فرمایا اگر میں دعا کرنے سے محروم ہوجاؤں تو اس کی عدم قبولیت (عدمِ دُعا) سے مجھ پر شدید مشکلات آ پڑیں۔فرمایا کہ اے لوگو! تم ایسے دور کی پیداوار ہو جو فعل کو چھوڑ کر قول پر راضی ہوجاتے ہیں اور عمل کو ترک کر کے علم پر مسرور ہونے کا دور ہے۔اس لئے تم بدترین لوگوں میں اور بہترین دور میں ہو۔

آپ نے فرمایا کہ دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جس کا انجام غم واندوہ نہ ہو۔کیونکہ دنیا میں ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی جس کا انجام حزن وملال نہ ہو اور دنیا کی حقیر سے حقیر شے بھی انسان کو اپنی جانب اس درجہ مائل کرلیتی ہے کہ جنت کی بڑی چیز بھی توجہ کا باعث نہیں بنتی۔

ایک شخص نے جب حال دریافت کیا تو فرمایا کہ میرا حال اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور مخلوق سے بے نیاز رہنا ہے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور مخلوق سے بے نیاز رہتا ہے، وہ صحیح معنوں میں بہت خوش قسمت اور عزت والا ہوتا ہے۔رُتبے والا ہے (اللہ کے ہاں)۔آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ ایک قصاب کی دکان کی جانب سے جس کے پاس بہت عمدہ گوشت تھا، گزر ہوا اور آپ کی نگاہ گوشت کی طرف اُٹھ گئی تو قصاب نے عرض کیا کہ بہت نفیس گوشت ہے خرید لیجئے۔فرمایا کہ میرے پاس رقم نہیں ہے، اس نے عرض کیا کہ قرض لے جایئے۔فرمایا کہ پہلے میں اپنے نفس کو قرض کی مہلت پر تو راضی کرلوں۔اس قصاب نے کہا بس اس غم میں آپ سوکھ گئے اور ہڈیاں نکل آئیں۔فرمایا کہ اس کے باوجود کیا میرا جسم قبر کے کیڑوں کے لئے بہت کافی نہیں؟۔

ایک شخص حج کا قصد کر کے بغداد میں حضرت ابوحازمؒ سے ملاقات کے لئے پہنچے تو آپ آرام فرما رہے تھے چنانچہ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب آپ بیدار ہوئے تو اس شخص سے آپ نے فرمایا کہ میں خواب میں حضور پُرنور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور حضور انور ﷺ نے آپ تک ایک پیغام پہنچانے کا حکم دیا ہے کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے حقوق کو نظرانداز نہ کریں، کیونکہ یہ حج کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔لہٰذا واپس جایئے اور اپنی والدہ کی خوشی کا خیال رکھیے۔چنانچہ وہ حج کا قصد ترک کر کے واپس ہوگئے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت امام نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی نعمان ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام ثابت تھا اور آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ اور آپ کی قوم یا قبیلہ کا نام خزار تھا۔ آپ کے علم وعمل کی بناء پر آپ کو بہت ہی بڑے اور بہت اعلیٰ ومعزز القابات سے نوازا گیا ہے۔ آپ امام اعظم ہیں، آپ امام المسلمین ہیں آپ امامِ اماماں ہیں، سردارِ سُنّیاں ہیں۔ آپ شرف فقہاء اور عزعلماً ہیں۔ اور آپ کا پورا اسم گرامی ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز ہے۔

اولیاء اللہ میں، مشائخ میں، صلحاء میں، عالموں میں، فقر وزہد وتقویٰ میں آپ کا مقام ونام بہت بہت بلند ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ بہت بڑے زاہد وعابد اور عالم دین تھے۔ آپ فقہ حنفی کے بانی ہیں۔ اور یہ کتنا عجیب اور خوشگوار اتفاق ہے کہ آپ کی کنیت بھی ابوحنیفہ ہے۔ ریاضات، مجاہدات اور عبادات میں بھی آپ لا ثانی ہیں۔ آپ کے مجاہدات، ریاضات، عبادات، کم کھانا، کم سونا اس امر حقیقت سے واضح ہے کہ آپ نے مکمل بیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی اور سجدوں کی وجہ سے آپ کے گھٹنوں میں بڑے بڑے اور سخت گھٹے پڑ گئے تھے۔ آپ بہت زود ومعاملہ فہم تھے اور مسئلہ مسائل کی تمام باریکیوں کو جانتے تھے۔ آپ بہت اونچے اخلاق کے مالک تھے، بہت ملنسار، صاف گو اور عاجزی و انکساری والے تھے۔ طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ ابتداء میں آپ نے گوشۂ تنہائی اختیار کیا اور اس خیال سے بالکل تارک الدنیا ہو گئے تھے، تا کہ خلق خدا سے علیحدہ رہ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو سکیں۔ آپ علم شریعت کے مہر و ماہ بن کر آسمانِ طریقت پر روشن ہوئے اور آپ نہ صرف رموز حقیقت سے آگاہ تھے بلکہ دقیق سے دقیق مسائل وعلوم کے معانی ومطالب واضح کر دینے میں مکمل ادراک رکھتے تھے۔ آپ کی عظمت وجلالت کی یہ دلیل ہے کہ غیر مسلم بھی آپ کی تعریف واحترام کرتے تھے اور آپ کی عبادت وریاضت کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے۔ لیکن بلا شک وشبہ بہت بڑے عابد وزاہد تھے۔ آپ کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ سے شرف نیاز حاصل رہا اور حضرت فضیل، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہم جیسی ہستیاں آپ کے تلامذہ (شاگردوں) میں شامل رہیں۔

آپ کی کنیت کا عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ عورتوں نے آپ سے سوال کیا کہ جب مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے تو پھر عورت کو کم از کم دو شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں؟ آپ نے کہا کہ اس کا جواب کسی اور وقت دوں گا اور اسی الجھن میں گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ جب آپ کی صاحبزادی حنیفہ نے الجھن کی وجہ دریافت کی تو آپ نے عورتوں کا سوال پیش کر کے فرمایا کہ اس کا جواب دینے سے فی الحال قاصر ہوں اور میری الجھن کا یہی سبب ہے۔ یہ سن کر صاحبزادی نے عرض کیا کہ اگر آپ اپنے نام کے ساتھ میرے نام کو بھی شہرت دینے کا وعدہ کریں تو میں ان عورتوں کے سوال کا جواب دے سکتی ہوں۔ جب آپ نے وعدہ کر لیا تو صاحبزادی نے عرض کیا کہ ان عورتوں کو میرے پاس بھجوا دیجئے۔ چنانچہ جب وہ عورتیں آ گئیں تو صاحبزادی نے ایک پیالی ہر عورت کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اپنی اپنی پیالی میں تم سب تھوڑا تھوڑا سا اپنا دودھ ڈال دو۔ اس کے بعد ایک بڑا پیالہ اُن کو دے کر کہا اب سب پیالوں کا دودھ اپنے اپنے ہاتھ سے اس میں ڈال دو۔ جب عورتوں نے یہ عمل کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تم سب اس میں سے اپنا اپنا دودھ نکال لو۔ عورتوں نے عرض کیا کہ یہ تو ناممکن ہے۔ صاحبزادی نے عرض کیا کہ جب تم اس میں سے اپنا دودھ نہیں نکال سکتیں تو اسی طرح دو شوہروں کی شرکت میں تمہاری اولاد ہو گی تو تم یہ کیوں کر بتا سکو گی کہ یہ اولاد کس شوہر کی ہے؟ اس جواب سے وہ عورتیں ششدر رہ گئیں اور امام صاحب نے اسی دن سے ابوحنیفہ کی کنیت اختیار کر لی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی نام سے زیادہ کنیت کو شہرت عطا کی۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش 80 ہجری بمطابق 699ء ہے اور سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 80 سال کی عمر پائی۔ آپ نے ماہِ رجب سن 159 ہجری بمطابق 776ء میں وصال فرمایا۔ آپ کو کئی بڑے بڑے عالی مقام وعالی قدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے شرف نیاز حاصل رہا۔ آپ کے ہم عصروں اور شاگردوں میں بہت بڑے بڑے اسمائے مبارک شامل ہیں۔ آپ خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانے میں تھے۔ حضرت داؤد طائی، حضرت امام جعفر صادق، حضرت رابعہ بصری، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہم آپ کے ہم عصر اولیاء اللہ وعلماء کرام ہیں اور حضرت فضیل بن عیاض، حضرت بشر حافی، حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی، حضرت امام مالک، حضرت ابو یوسف، بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہم آپ کے عالی قدر شاگردوں میں شامل ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے دادا جان ایران کے رہنے والے تھے۔ مورخین کے مطابق وہ ''زط'' قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ نہاوند کی جنگ میں عربوں نے انہیں اس علاقے کے اور لوگوں کے ساتھ غلام بنا لیا اور وہاں (نہاوند) سے اپنے ساتھ لے آئے اور عراق میں آباد کر دیا۔ آپ اپنے والدین کریمین کے زیر سایہ کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔ پیشے کے اعتبار سے آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ کوفہ کی جامع مسجد کے قریب ہی آپ کی کپڑے کی دکان تھی اور ساتھ ہی کپڑا بننے کا کارخانہ تھا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وہی امام اعظم ہیں جن کے اہل سنت والجماعت ''سوادِ اعظم'' پیروکار ہیں۔ بہت سے مشائخ کرام

آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔حضرت ابراہیم بن ادھم،حضرت داؤد طائی ،حضرت بشر حافی،حضرت فضیل بن عیاض، رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم سب آپ کے شاگرد تھے۔آپ عبادات ومجاہدات میں بے مثل تھے۔اصول طریقت میں آپ کی عظمت کے چراغ ہمیشہ روشن رہیں گے۔آپ بچپن سے ہی بڑے ذہین تھے۔بغداد میں جہاں علم وفضل کا سنہری دور تھا وہاں دہریوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ آپ بچپن ہی سے دہریوں کے سوالوں کو جواب دے کر اُن کے منہ بند کر دیتے تھے۔جب تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو دُنیا سے نفرت سی ہوگئی۔آپ گدڑی پہن کر گدڑی پوش مشائخ میں شامل ہو گئے یعنی کہ تارک الدنیا ہوگئے۔

مگر ایک رات پیغمبر اول وآخر واعظم،ہادی دو جہاں، رہبر کائنات سرور انبیا ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے نعمان! تم کو گوشہ نشینی کے لیے پیدا نہیں کیا گیا تم نے میری سنت کو زندہ کرنا ہے، یہ گدڑی اُتارو اور دین کی خدمت کرو۔

فقہ، اسلامی قوانین:

عباسی دور میں قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف آئمہ کرام نے فقہ، یعنی اسلامی قوانین کی تدوین کی، جمع کیا، مرتب کیا۔ اہل تشیع کی فقہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اور اہلسنّت کی فقہ کے چار سکول ہیں۔ان میں سب سے اہم فقہ حنفی ہے جس کی حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تدوین کی، جمع کیا، مرتب کیا۔آپ نے اپنے خیالات کی تعلیم اپنے تلامذہ کو زبانی دی لیکن آپ کے خیالات وافکار کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کیا۔مسلمانوں کی اکثریت فقہی امور میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی پیرو ہے۔جرمن مورخ ''فان کریمر'' نے آپ کے تدوینِ نظامِ فقہ کو اسلام کا عظیم ترین کارنامہ قرار دیا ہے۔

آپ بہت بڑے عالم دین اور فقہ حنفی کے بانی ہیں۔''قلائد عقود العقیان'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جس قدر مسائل ترتیب دیئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔آپ نے فقہی مسائل کو ترتیب دینے کے لیے چالیس نامور ہستیوں کی ایک مجلس بنائی تھی۔ان میں امام ابو یوسف اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما نمایاں شخصیتیں تھیں۔اس مجلس نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں 30 برس تک کام کیا۔اصول تحقیق حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خود لکھے۔آپ لکھتے ہیں کہ میں کتاب اللہ سے استفادہ کرتا ہوں اگر وہاں کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے روشنی لیتا ہوں۔اور جب وہاں بھی نہ ملے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کسی کا قول مان لیتا ہوں اور پھر مسائل پر اپنے خیالات وافکار پر اپنے شاگردوں سے بھی بحث کرتا ہوں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یا قاعدہ یک رنگ ہے ان کا فقہی تفکر اپنے بزرگ معاصرین کے مقابلے میں زیادہ وسیع تر بنیادوں پر استوار ہے۔اعتقادی اعتبار سے بھی ایک وسیع تر طبقہ آپ کا پیروکار ہے۔

خلافت عباسیہ میں اگرچہ خلفاء خود اجتہاد کے مدعی تھے تاہم خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں فتاویٰ ابوحنیفہ ساری عباسی سلطنت میں قانون سلطنت کی حیثیت سے نافذ تھے۔برصغیر میں مغلوں کے سیلاب کے جو خاندان برسر اقتدار آئے ان میں سے

بیشتر حنفی العقیدہ تھے ان میں سلجوقی، محمود غزنوی، نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہم مصر کے چرکسی، ہندوستان میں آل تیمور سب حنفی مذہب کے ہی حلقہ بگوش تھے۔فتاویٰ عالمگیری جسے اورنگ زیب عالمگیر نے مرتب کرایا تھافقہ حنفی کی نمائندہ کتاب ہے۔سب سے آخر میں ترکی کے خلفاء جن کی خلافت سوا چھ سو برس قائم رہی ان میں بیشتر خلفاء حنفی العقیدہ تھے۔افغانستان برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں کی اکثریت حنفیوں کی ہے۔

جب آپ دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کی ہڈیوں کو مزار مقدس سے نکال کر علیحدہ علیحدہ کر رہا ہوں اور جب وحشت زدہ ہو کر آپ خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت محمد ابن سیرینؒ سے خواب کی تعبیر دریافت کی۔انہوں نے کہا کہ بہت مبارک خواب ہے اور آپ کو سنت نبوی ﷺ کے پرکھنے میں وہ مرتبہ عطا کیا جائے گا کہ احادیث صحیحہ کو موضوع حدیث سے جدا کرنے کی شناخت ہو جائے گی۔اس کے بعد جب دوبارہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوحنیفہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیری تخلیق میری سنت کے اظہار کے لئے فرمائی ہے لہٰذا دُنیا سے کنارہ کش مت ہو۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ نفول بن حیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے۔اور سب لوگوں کا حساب کتاب ہو رہا ہے۔میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حوض کوثر کے کنارے پر کھڑے ہیں اور آپ کے دائیں بائیں مشائخ کھڑے ہیں اور ایک بزرگ کو دیکھا کہ نہایت خوبصورت ہیں سفید بال آپ کے کندھوں پر پڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے رُخسار مبارک پر رُخسار رکھے ہوئے ہیں۔اس وقت میں نے نوفل بن حیان رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا کہ ان کے پاس کھڑے ہیں۔جب وہ میری طرف آئے تو میں نے ان سے پانی طلب کیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی منظوری لے کر دوں گا۔یہ سن کر حضور پُر نور ﷺ نے انگلی سے اشارہ فرمایا کہ دے دو۔چنانچہ میں نے پانی پیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا لیکن برتن اسی طرح بھرا رہا اس کے بعد میں نے نوفل بن حیان سے پوچھا کہ حضور انور ﷺ کے دائیں طرف وہ کون بزرگ ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔پھر میں نے پوچھا کہ بائیں طرف کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔اسی طرح میں پوچھتا رہا اور انگلیوں پر گنتا رہا کہ انہوں نے مجھے سترہ (17) بزرگوں کے نام بتائے۔جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری انگلی سترہ (17) پر تھی۔

آپ تین سو نفل ہر شب میں پڑھا کرتے تھے ایک دن راستہ میں سے ایک عورت نے دوسری عورت کو اشارہ سے بتایا کہ یہ شخص رات میں پانچ سو نفل پڑھتا ہے اور آپ نے ان کی گفتگو سن لی۔پھر اسی رات سے پانچ سو نفل پڑھنا شروع کر دیئے۔پھر ایک دن راستہ میں کسی نے کہہ دیا کہ یہ ایک ہزار نفل رات میں پڑھتے ہیں۔چنانچہ اسی رات سے آپ نے ایک ہزار نفلوں کو معمول بنالیا۔پھر آپ کے کسی شاگرد نے عرض کیا کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ رات بھر بیدار رہتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ آج سے یقیناً پوری رات بیدار رہا کروں گا۔جب شاگرد نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ بندے اپنی

اس خوبی کے لئے تعریف کو پسند کرتے ہیں جو اُن میں نہیں ہے اور میں ایسے گروہ میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔ اس دن سے آپ نے مکمل بیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی اور طویل سجدوں کی وجہ سے آپ کے گھٹنوں میں اونٹ کے گھٹنوں جیسے یعنی کہ بہت بڑے بڑے گٹے پڑ گئے تھے۔

روایت ہے کہ جب داؤد طائیؒ نے علم حاصل کرلیا اور مرکز اور مقتدائے خلائق ہوئے تو امام ابوحنیفہ ؓ کے پاس جا کر پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "**علیک بالعمل فان العلم بلاعمل کالجسد بلاروح**۔" تم پر عمل واجب ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم ایسے ہے جیسے روح کے بغیر جسم۔ جب تک علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو، کام صحیح نہیں ہوتا ہے۔ جو شخص صرف علم پر اکتفا کرتا ہے وہ عالم نہیں ہوتا جیسے راہِ ہدایت کے حصول کے لئے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی علم کے لئے عمل ضروری ہے یا جس طرح مجاہدات کے بغیر مشاہدہ ممکن نہیں۔ عمل کے بغیر علم بے معنی ہے اور عمل کے بغیر کشائش اور فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے علم کو عمل سے ہرگز جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے نورِ آفتاب کو آفتاب سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت داؤد طائی کہتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک کبھی آپ کو تنہائی یا مجمع میں ننگے سر اور ٹانگیں پھیلائے نہیں دیکھا اور جب عرض کیا کہ تنہائی میں کبھی تو ٹانگیں سیدھی کرلیا کیجئے تو فرمایا کہ مجمع میں تو بندوں کا احترام کروں اور تنہائی میں خدا کا احترام ختم کردوں۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں۔

جس وقت مدینہ منورہ میں حضور پُرنور، نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس پر یہ کہہ کر سلام پیش کیا کہ السلام علیکم یا سید المرسلین تو جواب ملا وعلیکم السلام یا امام المسلمین۔ بتایئے یہ شرف آپ جیسے خوش بختوں کے سوا کس کو نصیب ہوسکتا ہے۔

ایک رئیس حضرت عثمان غنی ؓ کے ساتھ قلبی عناد رکھتا تھا اور نعوذ باللہ ان کو یہودی کہا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں ایک یہودی کے ساتھ تیری لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اس نے غصہ سے کہا کہ آپ امیر المومنین ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں؟ میں تو ایسی شادی کو قطعاً حرام تصور کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے حرام کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے جب کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں ایک یہودی کے نکاح میں دے دیں۔ وہ آپ کا اشارہ سمجھ گیا اور توبہ کرکے اپنے بُرے خیالات سے باز آ گیا۔

ایک شخص آپ کا قرض دار تھا اور اسی قرضدار کے علاقہ میں ایک موت واقع ہوگئی اور جب ابوحنیفہ نماز جنازہ کے لئے وہاں پہنچے تو ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور موسم بھی بہت گرم تھا لیکن آپ کے مقروض کی دیوار کے پاس کچھ سایہ تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے کہا، آپ یہاں تشریف لے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ صاحب خانہ میرا مقروض ہے اس لئے اس کے مکان کے سایہ سے استفادہ کرنا میرے لیے جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ قرض کی وجہ سے جو نفع بھی حاصل ہو، وہ سود ہے۔

علماءِ کرام کے تذکروں میں لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے ارادہ کیا کہ چار علماء میں سے ایک کو قاضی کے عہدہ کے لئے منتخب کیا جائے وہ علماء یہ تھے۔ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، مسعر بن کدام اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہم۔ یہ چاروں اکابر علماء

تھے۔جب خلیفہ کی طرف سے بلاوہ آیا تو ان حضرات نے راستے میں مشورہ کیا کہ کسی نہ کسی بہانے اس بلا کو دفع کیا جائے۔امام ابوحنیفہ نے کہا میری تجویز یہ ہے کہ میں کوئی بہانہ بنا کر بچ جاؤں گا۔مسعر بن کرام دیوانہ بن جائے،سفیان بھاگ جائے اور شریح قضا قبول کرلے۔چنانچہ سفیان ثوریؒ تو راستے سے بھاگ گئے اور ایک کشتی میں بیٹھ کر کہا کہ مجھے پناہ دے دو۔بادشاہ کے لوگ میرا سر کاٹنے کو آرہے ہیں۔انہوں نے یہ بیان رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی بنا پر دیا کہ:"**من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین**۔"(جو قاضی بنایا گیا گویا وہ ذبح کیا گیا بغیر چھری کے)چنانچہ ملاحوں نے ان کو کشتی میں چھپا دیا۔اور باقی تین حضرات خلیفہ منصور کے دربار میں پہنچ گئے۔سب سے پہلے خلیفہ نے امام ابوحنیفہ ؒ سے کہا کہ آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا چاہیے۔امام صاحب نے فرمایا کہ **یاایھا الامیر**اے خلیفہ محترم،میں عربی نہیں ہوں بلکہ عربوں کے موالی(غلام)میں سے ہوں۔عرب سادات میرے فیصلے کو کیسے قبول کریں گے؟منصور نے جواب دیا کہ اس کام میں نسبت یعنی قومیت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اس کام کے لئے علم شرط ہے اور آپ بہترین عالم ہیں۔آپ نے جواب دیا کہ میں قضا کے قابل نہیں ہوں۔منصور نے کہا نہیں مجھے یقین ہے کہ آپ اس قابل ہیں۔اس پر آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں،لہٰذا اگر سچ کہتا ہوں تب بھی میں قضا کے قابل نہیں ہوں،اگر جھوٹ بولتا ہوں تب بھی میں قابل نہیں ہوں کیونکہ ایک جھوٹا شخص قاضی نہیں بن سکتا یہ کہہ کر انہوں نے جان چھڑالی۔

بعض روایات میں ہے کہ امام موصوف کے اس جواب سے بادشاہ کو غصہ آگیا اور آپ کو قید کر دیا اور قید خانہ میں وصال فرمایا۔اس پر مولانائے روم نے یہ شعر کہا ہے:

ابوحنیفہ قضا نکرد و بمرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

اس شعر کا ترجمہ ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ نے موت قبول کی لیکن قضا قبول نہ کی۔لیکن اے مخاطب!تیرا یہ حال ہے کہ اگر تجھے قضا نہ ملے تو مرنے لگتا ہے اور خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

کتنا بڑا فرق ہے اکابرین علماء اور آجکل کے لوگوں میں۔دراصل امام موصوف نے ایک بہت بڑے اصول کی بنا پر قضا سے انکار کیا۔وہ یہ کہ آپ کا تعلق اسلامی مقننہ سے تھا لیکن آپ کو انتظامیہ کا سربراہ مقرر کیا جارہا تھا جو اصولاً غلط تھا کیونکہ اگر مقننہ اور انتظامیہ ایک ہی شخص میں جمع ہوں تو دھاندلی مچ جاتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کو جو خلیفہ منصور نے جیل میں بھیجا،اس کے پس منظر میں ایک سیاسی چپقلش بھی تھی۔آپ عباسی خلیفہ منصور کے مخالفین کے حامی تھے۔مخالفین میں امام محمد المہدی نفس الزکیہ بھی تھے۔آپ منصور کو ظالم غاصب اور اسلامی شعائر کے خلاف حکمران تصور کرتے تھے۔امام محمد ؒ جو نہایت نیک،پرہیزگار اور ہاشمی خاندان سے تھے(بلکہ اہل بیت رسول کریم ﷺ میں سے تھے)اس دور کے صالح ترین مسلمان تھے۔مدینہ کے ارباب اتقاء(اہل علم وتقویٰ)اتفاق رائے سے انہیں خلیفہ

مان چکے تھے ۔انہیں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی تائید بھی حاصل تھی ۔ امام محمد رضی اللہ عنہ کے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور اہواز میں اقتدار کی زمام سنبھال لی تو ان کے امداد کے لیے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم بصرہ میں بھیجے تھے ان وجوہات وعوامل کی روشنی میں خلیفہ منصور آپ کے خلاف تھا۔

خلیفہ وقت نے ملک الموت کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اب میری زندگی کتنی رہ گئی ہے؟ تو حضرت عزرائیل علیہ السلام نے پانچوں انگلیاں اُٹھا دیں اور جب تمام لوگ اس کی تعبیر بتانے سے قاصر رہے تو خلیفہ نے امام صاحب سے تعبیر پوچھی۔آپ نے فرمایا کہ پانچ انگلیوں سے ان پانچ چیزوں کی جانب اشارہ ہے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ۔اوّل قیامت کب آئے گی؟ دوم بارش کب ہوگی؟ سوم حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ چہارم کل انسان کیا کرے گا؟ پنجم موت کب آئے گی؟

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے نزدیک سویا ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور حضور اکرم ﷺ باب بنی شیبہ سے ایک معمر شخص کو آغوش مبارک میں لئے تشریف لائے اور مجھے حیرت زدہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا امام اور تمہارے ملک کا باشندہ ابوحنیفہ ہے۔

نوفل بن حبانؒ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور لوگ حساب کتاب میں مشغول ہیں اور حوضِ کوثر پر حضور انور، نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کے اطراف میں بہت سے بزرگ کھڑے ہیں اور امام ابوحنیفہ لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی کو پانی نہیں دے سکتا۔پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی دے دو۔چنانچہ امام صاحب نے مجھ کو ایک گلاس پانی دے دیا اور سیراب ہوکر پینے کے باوجود بھی پانی میں ذرا سی کمی نہیں آئی۔پھر میں نے امام صاحب سے تمام بزرگوں کے نام دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ دائیں جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ۔اس طرح آپ نے سترہ افراد کے نام بتائے جن کو میں انگلیوں کی پوروں پر شمار کرتا رہا اور بیداری کے بعد انگلیوں کے سترہ پورے بندھے ہوئے تھے۔

حضرت شیخ یحیٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک رات خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، میں نے عرض کیا حضور ﷺ میں آپ ﷺ کو کہاں طلب کروں؟ فرمایا: عند علم ابو حنیفہ (ابوحنیفہ کے علم میں)۔

امام موصوف کے زہد وتقویٰ کے واقعات بے شمار ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

ماہ رجب 159 ہجری بمطابق 776 عیسوی میں، اسیری کی حالت میں یعنی کہ قید کے دوران بغداد میں وفات پائی اور بغداد میں ہی جزران کے مقبرے (قبرستان) کے قریب دفن ہوئے۔آپ کے مزار پر 1066ء میں ایک گنبد تعمیر کیا گیا۔جس محلے میں آپ کا مزار مبارک ہے وہ علاقہ امام اعظم کے نام پر آج بھی اعظمیہ کہلاتا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک عبداللہ ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مبارک تھا، آپ کا قبیلہ یا قوم کا نام مروز تھا اس لئے آپ کا پورا اسم گرامی عبداللہ بن مبارک المروزی ہے۔سید زہدوتقویٰ ،قائدِاوتاد،امامِ وقت حضرت عبداللہ بن مبارک المروزی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابرین مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ نے بہت سارے مشائخ کی صحبت پائی اور فیض حاصل کیا۔آپ تمام علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔تمام علوم پر آپ کی تصانیف ہیں اور آپ کی کرامات بھی بہت ہیں اور مشہور ہیں۔آپ نے سیر و سیاحت بہت کی اور جہاد میں شمولیت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔آپ کے اقوال لطیف اور روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ غریب پرور اور بہت بلند کردار تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کا سنِ پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں(آپ کی سن وصال 181ھ ہے۔مجددینِ اسلام،ص35) آپ کا زمانہ حضرت جنید بغدادیؒ،حضرت سری سقطیؒ،حضرت ابراہیم بن ادھمؒ،حضرت سفیان ثوریؒ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ والا زمانہ ہے یعنی کہ آپ ان مشائخ کرام کے ہم عصر ہیں۔ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہما نے آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو سفیان ثوریؒ نے کہا کہ اے مردِ مشرق تشریف لایئے اور حضرت فضیلؒ نے کہا اے مردِ مغرب اور جو مغرب و مشرق کے درمیان ہے تشریف لایئے۔

قارئین کرام! جس کی تعریف میں حضرت فضیل جیسے بزرگ رطب اللسان ہوں ان کے اوصاف بھلا میں حقیرِ پُر تقصیر اس کتاب کا مصنف کیا بیان کرسکتا ہوں۔اہل بصیرت کے لئے درج ذیل میں بہت اشارے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب ہدایت دینا چاہے تو وہ کیسے کیسے واقعات،حالات،انداز سے راہ ہدایت نصیب فرما دیتا ہے۔دیکھیں آپؒ کیسے دنیاوی عشق سے عشق الٰہی میں آگئے۔یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی فضل ہے وہ جسے چاہے نواز دے۔جیسا کہ سورہ حدید کی آیت مبارک 21 میں رب العالمین کا ارشاد ہے:۔"یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے ۔آپ ایک عورت پر عاشق تھے ۔ایک رات اپنے شراب و کباب میں مست ساتھیوں سے اُٹھ کر آپ معشوقہ کے گھر پر گئے اور ساری رات اس کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر باتیں کرتے رہے ۔جب صبح کی اذان ہوئی تو انہوں نے سمجھا کہ یہ عشاء کی اذان ہے لیکن جب تھوڑی دیر بعد صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو حیران ہوئے کہ ساری رات محبوبہ کے مشاہدۂ جمال میں گزاردی ہے ۔اس سے ان کے دل میں شرم محسوس ہوئی اور اپنے آپ سے کہا اے مبارک کے بیٹے! آج تم نے ساری رات معشوقہ کے ساتھ گزاردی ہے لیکن اگر امام نماز میں لمبی سورۃ پڑھے تو تم غصے سے پاگل ہوجاتے ہو کہ وہ ہماری نیند خراب کرتا ہے ۔کیا یہ مسلمانی ہے کہ جس کے تم دعویدار ہو؟ اسی روز آپ نے توبہ کی اور طلبِ علم میں مشغول ہو گئے اور زہد و عبادت کر کے بلند درجات پر پہنچے ۔

بزرگانِ دین کے حالات لکھنے والے لکھتے ہیں کہ آپ ایک سال حج کرتے اور ایک سال جہاد کرتے اور ایک سال تجارت میں گزارتے تھے ۔تجارت سے جو منافع ملتا، دوستوں،غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے ۔آپ کی بلند کرداری تقویٰ اور دیانت کا جواب نہیں تھا ۔

ایک انسان ایک سایہ دار درخت کے نیچے اطمینان سے سو رہا تھا صرف دل کی دھڑکن کے ساتھ دل سے ہو،ہو کی آواز ہر سانس کے ساتھ نکل رہی تھی ۔اُس کے سرہانے ایک بڑا خوفناک سانپ تھا وہ ایک خطرناک کالا ناگ تھا جو سانس روکے ہوئے تھا کہیں پھنکار سے ڈراؤنی آواز پیدا ہو اور سونے والا بیدار نہ ہوجائے ۔کالے ناگ کے منہ میں ایک خوشبودار پھول کی ٹہنی تھی وہ اس ٹہنی سے سونے والے کے چہرے پر بیٹھنے والی مکھیاں اُڑا رہا تھا ۔یہ عجیب و غریب منظر ایک ضعیفہ دیکھ رہی تھی ۔سونے والے بزرگ حضرت عبداللہ بن مبارک تھے اور منظر دیکھنے والی ضعیفہ آپ کی والدہ تھیں ۔

آپ مرو کے باشندے تھے اور سیر و سیاحت کے بے حد دلدادہ اور مدتوں بغداد میں مقیم رہ کر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس ہو کر اپنے وطن اصلی مرو میں سکونت پذیر ہو گئے ۔اور اس دور میں مرو میں ایک جماعت فقہاء کی اور دوسری محدثین کی تھی لیکن آپ کے بہترین طرزِ عمل کی وجہ سے دونوں جماعتیں آپ کو قابلِ احترام تصور کرتی تھیں ۔اور اسی طرح کی مناسبت سے آپ کو رضی الفریقین کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا ۔اور جب بھی کوئی اختلاف ان دونوں جماعتوں میں رونما ہوتا تو آپ کو ثالث بنا کر آپ کے فیصلوں کی پابندی کرتیں ۔اس کے علاوہ آپ نے مرو میں دو سرائیں بھی تعمیر کرائیں ۔ایک فقہاء کے قیام کے لئے اور دوسری محدثین کے لئے اور اس کے بعد آپ مستقل طور پر مکہ معظّمہ میں قیام پذیر ہو گئے ۔

اس کے بعد آپ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں حرمین شریفین میں مجاور رہے ۔آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ کوئی عجوبہ بھی دیکھا ہے ۔آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے ایک راہب کو دیکھا کہ مجاہدات کی وجہ سے نیم جان ہو چکا تھا اور خوفِ خدا کی وجہ سے کبڑا ہو گیا تھا، جھک گیا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ: **یا راھب کیف الطریق الی اللہ** ۔''اے راہب اللہ تک

جانے کا راستہ کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا: **لو عرفت اللّٰہ لعرفت الطریق** ۔" اگر خدا کی پہچان ہوئی تو راستہ بھی پہچان لو گے۔" اس کے بعد اس راہب نے کہا: **اعبد من لا اعرفہ وتعصمی من تعرفہ** ۔" میں اس کو نہیں پہچانتا اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ آپ اس کو پہچانتے ہیں اور عبادت نہیں کرتے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ معرفت حق اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تو خوف کھائے لیکن میں تجھے بے خوف دیکھ رہا ہوں اور کفر کا تقاضا جہل ہے لیکن میں کافر ہوں اور خوف بھی کھا رہا ہوں۔

حضرت عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مجھے نصیحت ہوئی اور میں اس نصیحت کے سبب بہت سے ناپسندیدہ امور سے باز رہا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ بغرض حج روانہ ہوا لیکن راستے میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ صرف چار یوم حج میں باقی رہ گئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب میں حج سے محروم رہ جاؤں گا یعنی کہ یوم حج، یوم عرفہ سے پہلے وہاں نہیں پہنچ پاؤں گا لہذا کیا شکل اختیار کرنی چاہیے۔ اسی سوچ و بچار کے دوران میں ایک بڑھیا نے آکر مجھ سے کہا کہ میرے ہمراہ چل میں تجھے عرفات تک پہنچائے دیتی ہوں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑا اور جب راہ میں کوئی دریا آجاتا تو وہ کہتی کہ آنکھیں بند کرلو اور جب میں اس پر عمل کرتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ میں صرف کمر کمر تک پانی میں چل رہا ہوں اور جب دریا عبور کرلیتا تو وہ کہتی کہ آنکھیں کھول دو غرض یہ کہ اسی طرح اس نے مجھے یوم عرفہ سے پہلے عرفات تک پہنچا دیا۔

فراغت حج کے بعد بڑھیا نے کہا چلو میں اپنے بیٹے سے تمہاری ملاقات کرواؤں۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بہت ہی کمزور سا نوجوان نورانی صورت کا بیٹھا ہوا ہے اور ماں کو دیکھتے ہی قدموں میں گر کر کہنے لگا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری تجہیز و تکفین کے لئے بھیجا ہے کیونکہ میری موت کا وقت بہت ہی قریب ہے۔ یہ کہتے ہی وہ فوت ہوگیا اور میں نے غسل دے کر اس کو قبر میں اُتار دیا لیکن بڑھیا نے مجھ سے کہا کہ اب تم رُخصت ہو جاؤ کیونکہ میں اپنی زندگی بیٹے کی قبر پر گزارنا چاہتی ہوں اور آئندہ سال جب تم آؤ گے تو میں تمہیں نہ مل سکوں گی۔ لیکن تم میرے لئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہنا۔

آپ فرماتے ہیں کہ: **السکون حرام علی قلوب اولیائہ** ۔" اللہ کے دوستوں کے قلوب پر سکون حرام ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قوم (گروہ) پر سکون حرام ہے دنیا میں وہ مجبوری از حق کی وجہ سے مضطرب رہتے ہیں اور آخرت میں حضوریِ حق اور برقِ تجلیات سے بے قرار ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے دنیا اور عقبیٰ یکساں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سکونِ دل دو وجوہات سے ملتا ہے یا حصولِ مقصد کی وجہ سے یا مقصد سے غفلت کی وجہ سے۔ لیکن یافت (وصال حق) نہ دنیا میں حاصل ہے نہ عقبیٰ میں۔ اس لئے عاشقانِ الٰہی کے قلوب ہر وقت مضطرب رہتے ہیں اور اس قول کا تعلق حقیقت سے ہے۔

اس کی مزید تشریح یوں ہے:" عاشقوں کے لئے نہ دنیا میں وصال ہے نہ عقبیٰ میں۔" اس قول کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں، مراتبِ قرب کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ عاشق الٰہی قرب کے جس مرتبہ یا منزل پر ہو وہ اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے۔

کچھ عرصہ ایک نہایت بدطینت شخص آپ کی صحبت میں رہا اور جب وہ رُخصت ہوگیا تو آپ نے روتے ہوئے فرمایا کہ

صد حیف وہ تو مجھ سے رُخصت ہوگیا لیکن اس کی بری خصلتیں اس سے رُخصت نہ ہوسکیں۔

ایک مرتبہ آپ فراغت حج کے بعد بیت اللہ میں سوگئے اور خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے باہم باتیں کر رہے ہیں اور ایک نے دوسرے سے سوال کیا کہ اس سال کتنے لوگ حج میں شریک ہوئے اور کتنے افراد کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ لوگوں نے فریضہ حج ادا کیا لیکن ایک فرد کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ مگر دمشق کا ایک موچی علی بن موفق ہے جو حج میں تو شریک نہیں ہوا لیکن خدا نے اس کا حج قبول فرما کر اس کے طفیل میں سب کا حج قبول کرلیا۔

اس خواب کے بعد آپ پہلی فرصت میں علی بن موفق موچی سے ملاقات کرنے کے لئے دمشق پہنچے اور ملاقات کے بعد آپ کا نام ونسب دریافت کر کے حج کا واقعہ دریافت کیا تو اس نے اپنا نام اور پیشہ بیان کرنے کے بعد آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتادیا کہ میں عبداللہ بن مبارک ہوں یہ سنتے ہی وہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا اور ہوش میں آنے کے بعد اس طرح اپنا واقعہ بیان کیا کہ بہت عرصہ سے میرے دل میں حج کی تمنا تھی اور میں نے اس نیت سے تین سو درہم بھی جمع کر لئے تھے لیکن ایک دن میرے پڑوس کے یہاں سے کھانا پکنے کی خوشبو آئی تو میری بیوی نے کہا اس کے یہاں سے تم بھی مانگ لاؤ تا کہ ہم بھی کھالیں۔

چنانچہ میں نے اس سے جا کر کہا کہ آج آپ نے جو کچھ پکایا ہے ہمیں بھی عنایت کریں لیکن اس نے کہا کہ وہ کھانا آپ کے کھانے کا نہیں ہے کیونکہ سات یوم سے میں اور میرے اہل وعیال فاقہ کشی میں مبتلا تھے تو میں نے مردہ گدھے کا گوشت پکالیا ہے یہ سن کر میں خوف خداوندی سے لرز گیا اور اپنی تمام جمع شدہ رقم اس کے حوالے کر کے یہ تصور کرلیا کہ ایک مسلمان کی امداد میرے حج کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ فرشتوں نے خواب میں واقعی سچی بات کہی تھی اور اللہ تبارک و تعالیٰ حقیقتاً قضا وقدر کا مالک ہے۔

آپ ایک مرتبہ جہاد میں ایک کافر سے لڑ رہے تھے اسی اثناء میں کافر کی نماز کا یا پوجا کا وقت ہوگیا اس نے آپ سے عبادت کی مہلت مانگی آپ نے اجازت دے دی۔ جب وہ اپنے بت کی عبادت میں مشغول ہوگیا تو آپ کے دل میں خیال آیا کہ موقع بہت اچھا ہے فوراً تلوار سونت کر اُٹھے اور وار کرنے ہی والے تھے کہ غیب سے آواز آئی کلام پاک کی آیت تھی۔ ترجمہ: ''اقرار کو پورا کرو۔ بے شک وعدہ خلافی کی باز پُرس ہوگی۔ یہ آواز سن کر آپ رو پڑے، کافر بت کی پوجا سے فارغ ہوا تو آپ رو رہے تھے کافر نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: ''تم کو پوجا میں مشغول دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ موقع اچھا ہے چنانچہ تلوار سونت کر تم پر وار کرنے ہی والا تھا کہ بارگاہِ الٰہی سے آواز آئی اور مجھے وعدہ خلافی سے روکا گیا۔ یہ سنا تو اس کافر نے جوش میں آکر نعرہ مارا اور کہا ایسے خدا کا نافرمان ہونا جو دشمن کی خاطر دوست کو منع کرتا ہے جوان مردی کے خلاف ہے کہ اس کی عظمت کا اعتراف نہ کیا جائے اور اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

آپ کے پاس ایک ایسا غلام تھا جس سے آپ نے یہ شرط کر رکھی تھی کہ اگر تم محنت مزدوری کر کے اتنی رقم مجھے دے دو تو میں تم کو آزاد کردوں گا ایک دن کسی نے آپ سے کہہ دیا کہ آپ کا غلام تو سرقہ کرتے ہوئے کفن چرا کر فروخت کرنے کے بعد آپ

کی رقم ادا کرتا ہے۔یہ سن کر آپ کو بے حد ملال ہوا اور رات کو چھپ کر اس کے پیچھے پیچھے قبرستان پہنچ گئے۔قبرستان میں جا کر غلام نے ایک قبر کھولی اور نماز میں مشغول ہو گیا اور جب آپ نے قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ٹاٹ کے کپڑے پہنے اپنے گلے میں طوق پہنے ہوئے گریہ وزاری کر رہا ہے یہ دیکھ کر آپ رو پڑے اور پوری رات آپ نے باہر اور غلام نے قبر میں عبادت کرنے میں گزار دی۔

پھر صبح کو غلام نے قبر کو بند کیا اور فجر کی نماز مسجد میں جا کر ادا کی اور یہ دعا کرتا رہا کہ اے اللہ! اب رات گزر چکی اور میرا آقا اب رقم طلب کرے گا لہذا اپنے کرم سے تو ہی کچھ انتظام فرما دے۔اس دعا کے بعد ایک نور نمودار ہوا اور اس نے درہم کی شکل اختیار کر لی۔چنانچہ آپ یہ واقعہ دیکھ کر غلام کے قدموں میں گر پڑے اور فرمایا کہ کاش تو آقا اور میں غلام ہوتا یہ جملہ سن کر غلام نے پھر دعا کی کہ اے اللہ! اب میرا راز فاش ہو گیا اس لئے مجھے دُنیا سے اُٹھا لے اور پھر اُس نے آپ ہی کی آغوش میں دم توڑ دیا۔پھر آپ نے غسل دے کر ٹاٹ ہی کے لباس میں دفن کر دیا لیکن رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دو براقوں پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عبد اللہ! تو نے ہمارے دوست کو ٹاٹ کے لباس میں کیوں دفن کیا ہے؟

موسم سرما میں نیشا پور کے بازار میں آپ نے ایک غلام کو دیکھا جو سردی میں سکڑا ہوا تھا۔آپ نے پوچھا کہ تم اپنے مالک سے پوستین کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کو نظر نہیں آتا جو میرے کہنے کی ضرورت پیش آئے۔اس جملہ سے آپ کو ایسی عبرت ہوئی کہ آپ نے فرمایا کہ طریقت تو اس غلام سے حاصل کرنی چاہیے۔

ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں بعض لوگوں نے ایک نابینا سے کہا کہ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا رہے ہیں جو کچھ طلب کرنا چاہے طلب کر لے۔چنانچہ اس نے آپ کو ٹھہرا کر یہ دعا کرنے کی درخواست کی کہ میری بصارت واپس آ جائے اور جب آپ نے دعا فرمائی تو فوراً ہی اس کی بصارت واپس ہو گئی۔

آپ کے یہاں کوئی مہمان آ گیا اور اس وقت آپ کے یہاں کچھ بھی موجود نہ تھا لیکن آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ مہمان خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے لہذا مہمانداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔مگر اس نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی چنانچہ اس حکم شرعی کے مطابق کہ جو عورت شوہر کا حکم نہ مانے اس کو طلاق دے دینی چاہیے۔آپ نے بھی مہر ادا کر کے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

ایک دن آپ کی مجلس وعظ میں کوئی امیر زادی شریک ہوئی اور وعظ سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ اپنے والدین سے کہہ دیا کہ میرا نکاح عبد اللہ بن مبارک سے کر دو اور والدین نے بھی خوش ہو کر نکاح کر کے لڑکی آپ کے ہمراہ کر دی۔اس کے علاوہ پچاس ہزار دینار بھی لڑکی کو دے دیئے۔پھر نکاح کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو نے ہماری خوشنودی میں بیوی کو طلاق دے دی تھی لہذا ہم نے اس سے بہتر تجھ کو دوسری بیوی عطا کر دی تا کہ تو بخوبی اندازہ کر سکے کہ خدا کو خوش کرنے والے کبھی نقصان میں نہیں رہتے۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بیشتر آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے ایک مرتبہ چلتے ہوئے کہنے لگے کہ اب میں کبھی بھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔اس لئے کہ آج چھت پر سے آپ کی کنیزیں مجھے اے سہیل اے سہیل کہہ کر آواز دے رہی تھیں اور یہ بات میرے لئے بار خاطر ہوگئی۔یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا کہ آؤ سہیل کی نماز جنازہ ادا کریں،چنانچہ اسی وقت ان کا انتقال ہوگیا اور تجہیز وتکفین کے بعد جب لوگوں نے سوال کیا کہ موت سے پہلے ہی آپ کو اُن کی موت کا کیسے علم ہوگیا تھا۔فرمایا کہ انہوں نے یہ کہا کہ تیری چھت پر سے کنیزیں اے سہیل کہہ کر آواز دے رہی تھیں حالانکہ میرے یہاں کوئی لونڈی نہیں ہے اور وہ یقیناً حوریں تھیں اور آواز دے رہی تھیں اسی وجہ سے میں نے ان کی موت کا یقین کرلیا۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ کون سی عادتیں سودمند ہوسکتی ہیں؟فرمایا کہ عقل کامل ہونا۔لوگوں نے کہا کہ اگر عقل کامل نہ ہو،فرمایا کہ حسن ادب ہو۔لوگوں نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو فرمایا کہ اتنا شفیق بھائی بن جائے کہ لوگ اس سے مشورہ کریں۔لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بھی ممکن نہ ہوسکے فرمایا سکوت اختیار کرو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر مرگ ناگہاں بہت سودمند ہے۔
ایک مرتبہ فرمایا کہ جو ادب کی اہمیت سے واقف نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے سنت میں خلل پڑنے کی وجہ سے فرائض سے بھی محرومی ہوجاتی ہے اور ایسا شخص خدا کی معرفت سے کبھی بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

جب لوگوں نے یہ سوال کیا کہ خدا کے راستے میں چلنے والوں کی کیا کیفیت ہوئی؟فرمایا کہ وہ ہمہ اوقات خدا کی طلب میں مشغول رہتے ہیں۔فرمایا کہ ہمیں کثیر علم کے بجائے قلیل ادب کی زیادہ احتیاج (ضرورت) ہے اور لوگ اس وقت ادب کی تلاش کرتے ہیں جب اہل ادب دنیا سے رُخصت ہوچکے۔گو مشائخ نے ادب کی بہت سی تعریفیں کی ہیں لیکن میرے نزدیک ادب نام ہے نفس شناسی کا۔فرمایا کہ ایک درہم قرضہ حسنہ دینا ایک ہزار درہم خیرات کردینے سے زیادہ موجب ثواب ہے۔

اور فرمایا ناجائز مال کا حصہ لینے والا بھی توکل سے محروم رہتا ہے اور توکل وہ ہے جس کو تمہارا نفس ہی نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی توکل خیال کرے اور توکل کسب کے لئے مانع نہیں ہے بلکہ کسب وتوکل دونوں ہی داخل عبادت ہیں اور اہل توکل کو اتنا پسماندہ کرلینا کہ جو اُن کے مرض وموت میں کام آسکے معیوب نہیں۔

فرمایا کہ اگر عیالدار شخص بچوں کی نگرانی اور پرورش کے ساتھ علم دین بھی سکھاتا ہے تو اس کا اجر جہاد سے بھی زیادہ ہے۔
فرمایا کہ جس کو دنیا والے عزت وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں تو اس کو چاہیے کہ وہ خود کو بے وقعت تصور کرتے ہوئے خود فریبی میں مبتلا نہ ہو۔

جب لوگوں نے سوال کیا کہ قلب کا علاج معالجہ کس طرح کیا جائے۔فرمایا کہ قرب الٰہی اور لوگوں سے کنارہ کشی کرنے سے۔فرمایا کہ تواضع کا مفہوم یہ ہے کہ انسان امراء سے غرور اور فقراء سے عجز کے ساتھ پیش آئے اور جو دُنیاوی مراتب کے اعتبار سے تم سے برتر ہو اس کے ساتھ تکبر سے پیش آؤ اور جو تم سے کمتر ہو اس سے عاجزی اختیار کرو۔فرمایا کہ جس کی رجاء میں خوف کا عنصر نہ ہو وہ بہت جلد ختم ہوجائے گا۔

موت سے قبل آپ نے اپنا تمام گھر کا سامان فقراء میں تقسیم کردیا اور جب ایک ارادت مند نے سوال کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ہیں اُن کے لئے کیا چھوڑا؟ فرمایا کہ اُن کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ جس کا کفیل خدا ہو اس کو عبداللہ کی کیا حاجت ہے؟ موت سے پہلے آپ نے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ عمل کرنے والوں کو ایسے ہی عمل کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کا وصال 181ھ بمطابق 797ء میں ہوا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

کسی نے حضرت سفیان ثوری کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آپ کے ساتھ کیسا معاملہ رہا؟ فرمایا کہ اس نے میری مغفرت فرمادی۔ پھر اس نے سوال کیا عبداللہ بن مبارک کس حال میں ہیں؟ فرمایا کہ ان کا شمار تو اس جماعت میں ہے جو دن میں دو مرتبہ حضور انورﷺ کے دربار گوہر بار، میں حاضری کا شرف حاصل کرتی ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
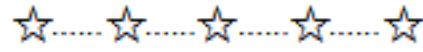
حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسمِ گرامی فضیل ہے اور آپ کی کنیت ابو علی ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی عیاض تھا اور اس طرح آپ کا پورا نام ابو علی فضیل بن عیاض ہے۔ شاہِ اہلِ معرفت اور بادشاہِ درگاہِ وصلت حضرت ابو علی فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابرینِ مشائخِ طریقت و عمائد اہلِ حقیقت میں ہوتا ہے۔ آپ کو علوم ظاہری و باطنی پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ حقائق و معارف میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں اور آپ کے کشف و کرامات مشہور ہیں۔ آپ بڑے متقی و پرہیزگار تھے اور آپ کا صدق و اخلاص ضرب المثل تھا۔ آپ بہت ہر دلعزیز تھے اور روحانیت میں آپ کو بہت اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ آپ کا شمار نہ صرف اہل تقویٰ اور اہل ورع میں ہوتا ہے بلکہ آپ مشائخین کے پیشوا، راہِ طریقت کے ہادی، ولایت و ہدایت کے مہر منور اور کرامت و ریاضت کے اعتبار سے اپنے دور کے شیخ کامل تھے۔ آپ کے ہم عصر آپ کو صادق و متقد تصور کرتے تھے، مانتے تھے۔ فنِ حدیث اور حقائقِ تصوف میں آپ کے اقوال بہت بلند ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کا سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ آپ کے ہم عصروں میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت عبدالرزاق صنعانیؒ اور خلیفہ وقت ہارون الرشید ہیں۔ یعنی کہ آپ ان کے زمانے میں تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

قارئین کرام! درج ذیل میں بھی شانِ رب العالمین دیکھیں، قادر مطلق کے طریقے دیکھیں، خالق و مالک کائنات کی حکمتیں دیکھیں کہ جب وہ کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے، کسی کی بری روش کو اچھی روش میں بدلنا چاہتا ہے، کسی پر اپنا فضل عظیم کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ کتنے برے حالات و حالت میں بھی کس خوبی و آسانی سے کر دیتا ہے۔

آپ ابتدائی دور میں ٹاٹ کا لباس، اونی ٹوپی اور گلے میں تسبیح ڈالے صحرا بہ صحرا لوٹ مار کیا کرتے تھے اور رڈاکوؤں کے

سرغنہ تھے۔غارت گری کا پورا مال تقسیم کر کے اپنے لئے اپنی پسندیدہ شے رکھ لیا کرتے تھے۔اس کے باوجود نہ صرف خود پنج گانہ نماز کے عادی تھے بلکہ خدام اور ساتھیوں میں جو نماز نہ پڑھتا اس کو خارج از جماعت کر دیتے۔

ایک قافلہ اطمینان سے جا رہا تھا اچانک درختوں کے جھنڈ سے نکل کر قافلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔قتل و غارت کے باعث چیخوں کا ایک شور برپا تھا۔ڈاکو لوٹ مار کر رہے تھے اور قافلے والے جانیں بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اس قافلے میں ایک امیر آدمی تھا۔اس کے پاس اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کی ایک تھیلی تھی۔وہ افراتفری سے فائدہ اُٹھا کر درختوں میں چھپ گیا اور کوئی جگہ تلاش کرنے لگا کہ یہ دولت وہاں دفن کر دی جائے، چھپا دی جائے اور خطرہ ٹل جانے کے بعد نکال کر لے جاؤں گا۔کچھ دور اسے ایک جھونپڑی نظر آئی یہ شخص وہاں چلا گیا۔دیکھا کہ ایک نیک انسان نماز پڑھ رہا ہے۔اس نے سوچا کیوں نہ اس نیک آدمی کے پاس یہ تھیلی امانت کے طور پر رکھ دوں۔

اس شخص نے دولت مند سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں یہ امانت آپ کے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔نماز پڑھنے والے نے کہا اس کونے میں رکھ دو۔وہ تھیلی وہاں رکھ کر چلا گیا۔جب لوٹ مار بند ہوئی، قافلے والے واپس آ کر گرا پڑا اور بچا کچھا سامان اکٹھا کرنے لگے تو وہ امیر آدمی اپنی تھیلی لینے اس جھونپڑی کی طرف گیا۔وہاں جا کر دیکھا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے کہ وہ نماز ادا کرنے والا شخص ڈاکوؤں کے درمیان بیٹھا لوٹا ہوا مال تقسیم کر رہا ہے۔وہ ڈاکوؤں کا سردار تھا وہ شخص ڈر کر کانپنے لگا۔سردار نے کہا کیا بات ہے؟ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا میں اپنی امانت لینے آیا ہوں۔ڈاکوؤں کے سردار نے کہا ڈرو نہیں آگے بڑھو اور جہاں تھیلی رکھ گئے تھے وہاں سے اُٹھا لو۔وہ آگے بڑھا، کونے سے اپنی تھیلی اُٹھائی اور دعا سلام کر کے چلا گیا۔ڈاکوؤں نے کہا سردار اتنا مال آپ نے اُسے واپس کر دیا۔سردار نے کہا اس نے مجھ پر نیک گمان کیا اور میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔کیونکہ میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ پر نیک گمان رکھتا ہوں۔

یہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ تھے۔جو ابتدائی عمر میں ڈاکے ڈالتے اور باقاعدہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ تھا جس کے آپ سردار تھے۔اس کے باوجود نماز با جماعت ادا کرتے، روزے رکھتے، عبادت کرتے جو قافلہ لوٹتے اس کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو کچھ نہ کہتے بلکہ اُن کی مدد کرتے۔ابتداء میں آپ ایک عورت پر عاشق تھے۔ڈاکے سے اپنا حصہ اس عورت کو بھیج دیتے آپ ابتداء ہی سے نیکی کی جانب مائل تھے۔ٹاٹ کا لباس پہنتے، اونی ٹوپی پہنتے، گلے میں تسبیح ڈالے رکھتے۔آپ کے گروہ میں سے جو نماز نہ پڑھتا اسے اپنے گروہ سے نکال دیتے۔

ایک مرتبہ ڈاکوؤں نے ایک قافلہ لوٹا تو قافلے میں سے ایک شخص نے پوچھا تمہارا کوئی سردار نہیں ہے؟ انہوں نے کہا، ہے اور وہ اس وقت دریا کنارے نماز پڑھ رہا ہے۔اس شخص نے کہا نماز کا وقت تو نہیں ہے۔انہوں نے کہا نفل ادا کرتے ہیں۔ جب وہ ڈاکو کھانے پر بیٹھے تو اس شخص نے کہا: سردار تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا؟ انہوں نے کہا وہ روزے سے ہوتے ہیں۔اس شخص نے کہا رمضان شریف تو نہیں ہے۔انہوں نے کہا نفلی روزے رکھتے ہیں۔اس ڈاکو نے مزید کہا کہ کھانے کا وقت

ہوتا تو ڈاکو قافلے والوں کو کھانا بھی کھلاتے ۔ یہ اُن کے سردار کا حکم تھا ۔ یہ شخص یہ باتیں سن کر دریا پر گیا اور آپ سے ملاقات کی اور کہا: سردار یہ ڈاکے، رہزنی اور عبادت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ سردار نے ایک آیت تلاوت کی جس کا مفہوم تھا میں اور دوسروں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور نیک اعمال کو ان میں ملا دیا (اس امید پر کہ شاید اللہ کرم کر دے گا) وہ شخص آپ کی علمیت پر حیران ہوا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اوائل عمر میں آپ کا پیشہ راہزنی تھا اور آپ مرو اور ماورد کے درمیان قافلوں کو لوٹا کرتے تھے ۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا میلانِ طبع نیکی کی طرف تھا اور راہزنی میں بھی آپ جواں مردی اور سخاوت کا مظاہرہ کرتے تھے ۔ مثلاً آپ قافلے کی عورتوں کے قریب نہیں پھٹکتے تھے اور جس شخص کے پاس مال کم ہوتا تھا آپ اس سے درگزر کرتے تھے اور مال لوٹتے وقت بھی آپ اہل قافلہ کی ضروریات کے لئے اُن کے پاس مناسب مال چھوڑ دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک تاجر کا قافلہ شہر بارزگان سے مرو جا رہا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ خبردار فضیل راستے میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں ۔ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے وہ خدا ترس انسان ہے ۔ اس لئے اس نے ایک قاری کو کچھ رقم دے کر اپنے ساتھ لے لیا اور اونٹ پر سوار کر کے اُس سے کہا کہ شب و روز قرآن پڑھتے جاؤ ۔ جب قافلہ فضیل کی کمین گاہ کے قریب پہنچا تو اتفاق سے قاری یہ آیت پڑھ رہا تھا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

ترجمہ: کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر سے ڈر جائیں۔

یہ سن کر اُن کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر عنایت کے غلبے سے اُن کا دل کانپ اُٹھا اور فوراً توبہ کر لی ۔

اس آیت کا فضیل کے قلب پر ایسا اثر ہوا جیسے کسی نے تیر مار دیا ہو، اور آپ نے اظہار تاسف کرتے ہوئے اپنے آپ سے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ غارت گری کا کھیل کب تک جاری رہے گا ۔ اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں چل پڑیں، یہ کہہ کر زار و قطار روتے ہوئے ایک جنگل میں جا کر مشغول ریاضت ہو گئے ۔ ایک دن آپ ایک صحرا میں جا نکلے جہاں کوئی قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا ۔ وہاں اہل قافلہ میں سے کوئی کہہ رہا تھا کہ اس راستے میں فضیل ڈاکے مارتا ہے ۔ لہذا ہمیں راستہ تبدیل کر دینا چاہیے ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اب قطعاً بے خوف ہو جاؤ اس لئے کہ میں نے رہزنی سے توبہ کر لی ہے ۔

پھر آپ نے اُن لوگوں سے، جن کو آپ سے اذیتیں پہنچی تھیں، معافی طلب کر لی لیکن ایک یہودی نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شرط پیش کی کہ اگر سامنے والی پہاڑی (مٹی کے تو دے) کو یہاں سے ہٹا دو تو میں معاف کر دوں گا ۔ چنانچہ آپ نے اس کی مٹی اُٹھانی شروع کر دی اور اتفاق سے ایک دن ایسی آندھی آئی کہ وہ پوری پہاڑی اپنی جگہ سے ختم ہو گئی اور یہودی نے یہ دیکھ کر اپنے قلب سے آپ کی دشمنی ختم کر دی ۔ اور عرض کیا کہ میں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک تم میرا مال واپس نہ کرو گے میں

معاف نہیں کروں گا۔لہٰذا اس وقت تکیہ کے نیچے اشرفیوں کی تھیلی رکھی ہوئی ہے وہ آپ اُٹھا کر مجھے دے دیں تا کہ میری قسم کا کفارہ ہو جائے،چنانچہ وہ تھیلی اُٹھا کر آپ نے اس کو دے دی،اس کے بعد اس نے یہ شرط پیش کی کہ پہلے مجھے مسلمان کرلو پھر معاف کروں گا اور آپ نے کلمہ پڑھا کر اُس کو مسلمان کرلیا۔اسلام لانے کے بعد اس نے بتایا کہ میرے مسلمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے توراۃ میں پڑھا تھا کہ اگر صدق دلی سے تائب ہونے والا خاک کو ہاتھ لگا دیتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے لیکن مجھے اس پر یقین نہیں تھا اور آج جب کہ میری تھیلی میں مٹی بھری ہوئی تھی اور آپ نے جب مجھ کو دی تو واقعی اس میں سونا نکلا،تب مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ آپ کا مذہب سچا ہے۔

اس سچی توبہ کے بعد آپ نے زُہد و ورع میں وہ مقام پیدا کیا کہ آپ مشائخین کے پیشوا اور اہل طریقت کے ہادی کہلائے،ولایت وہدایت کے آفتاب بن گئے۔

کچھ عرصہ بعد آپ مکہ مکرمہ چلے گئے اور کئی برس وہاں خانہ کعبہ کی مجاورت میں گزار دیئے جہاں آپ کو بہت سے مشائخ عظام کی صحبت ملی۔اس کے بعد آپ کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔فن حدیث اور حقائق تصوف میں آپ کے اقوال بہت بلند ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے کسی سے استدعا کی کہ میں نے بے حد جرم کیے ہیں۔مجھے حاکم وقت کے پاس لے چلو تا کہ وہ مجھے شرعی حدود کے مطابق سزا دے۔جب آپ کو امیر وقت کے سامنے پیش کیا تو اس نے اُٹھ کر آپ کا استقبال کیا اور آپ کو عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔واپسی پر جب آپ نے اپنے گھر کے دروازے پر جا کر آواز دی تو بیوی نے آپ کی ضعف سے بھری آواز سن کر یہ تصور کیا کہ شاید آپ زخمی ہو گئے ہیں اور جب بیوی نے پوچھا کہ زخم کہاں آیا ہے؟ تو فرمایا کہ آج میرے قلب پر زخم لگا ہے،پھر بیوی سے کہا کہ میں سفرِ حج پر جانا چاہتا ہوں۔لہٰذا اگر تم چاہو تو میں تم کو طلاق دے دوں کیونکہ اس راستے میں تمہیں میرے ہمراہ بڑی بڑی اذیتیں جھیلنی پڑیں گی،لیکن بیوی نے کہا کہ میں خادمہ بن کر تمہارے ہمراہ رہوں گی کیونکہ میرے لئے تمہاری دوری،جدائی نا قابل برداشت ہے۔چنانچہ آپ نے انہیں بھی شریک سفر کرلیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے راستے کی تمام مشکلات دور فرما دیں۔آپ نے مکہ معظمہ پہنچ کر کعبۃ اللہ کی مجاورت اختیار کرلی۔

درج ذیل میں اولیاءاللہ کی دُنیا سے بے رغبتی اور شانِ بے نیازی دیکھئے اور اس سے اپنے ایمان کو بڑھائیں،اور مضبوط و پختہ کریں۔اس کو دھیان سے پڑھیں اور دیکھیں کہ خلیفہ وقت ہارون الرشید کیسے ایک کامل ولی اللہ سے ملاقات کے بعد شوق و وارفتگی میں کہتا ہے کہ حقیقت میں تو بادشاہ فضیل بن عیاضؒ ،اولیاءاللہ ہیں۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کا وزیر فضل (برمکی) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ حج کو گیا۔حج کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کسی مردِ خدا کی زیارت کروں۔میں نے کہا جی ہاں عبدالرزاق صنعانی یہاں موجود ہیں۔آپ کو ان کے پاس لے چلتا ہوں۔جب ہم وہاں پہنچے تو کچھ دیر گفتگو کے بعد واپس آ گئے۔اٹھنے سے پہلے ہارون الرشید

نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے پوچھوں کہ آیا آپ نے کسی کا قرض ادا کرنا ہے۔جب اُن سے پوچھا گیا تو جواب ملا ہاں۔بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کا قرض ادا کر دیا جائے۔

وہاں سے واپسی پر خلیفہ نے کہا میرا جی ابھی نہیں بھرا۔جی چاہتا ہے اس سے بھی بڑے ولی اللہ کو ملوں۔میں نے کہا کہ سفیان بن عینیہ بھی یہاں ہیں۔خلیفہ نے کہا ان کے پاس چلیں۔ہم اُن کے پاس گئے کچھ دیر بات چیت کی اور خلیفہ نے اشارہ کیا کہ ان سے پوچھوں کہ آپ کے ذمہ کسی کا قرض ہے۔جب میں نے اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہے۔ خلیفہ نے کہا ان کا قرض ادا کر دیا جائے۔اس کے بعد خلیفہ نے کہا میرا جی ابھی تک نہیں بھرا۔

مجھے یاد آیا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں ہیں چنانچہ میں خلیفہ کو اُن کے پاس لے گیا۔آپ چوبارہ میں بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔جب دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں (وزیر فضل برمکی) نے کہا کہ امیر المومنین آپ سے ملنے آئے ہیں۔آپ نے فرمایا: میرا امیر المومنین سے کیا کام؟ میں نے کہا سبحان اللہ! حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ''بندہ اپنے آپ کو خدا کی بندگی میں ذلیل نہیں کرتا۔'' آپ نے جواب دیا کہ ہاں لیکن میری عزت رضائے الٰہی ہے، میں تو رضائے الٰہی میں مسرور ہوں، یہ کہہ کر آپ نیچے آئے اور دروازہ کھولا لیکن چراغ بجھا دیا اور ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔خلیفہ وقت ہارون الرشید نے اندھیرے میں آپ سے مصافحہ کیا۔آپ نے فرمایا کہ کیسے نرم ہاتھ ہیں اگر دوزخ سے بچ جائیں تو۔یہ سن کر ہارون الرشید پر گریہ طاری ہو گیا اور وہ اس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔جب ہوش میں آیا تو عرض کیا یا شیخ! مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین تیرے باپ (جد امجد) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کسی علاقے کا حاکم مقرر فرمایا جائے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے چچا جان! میں نے ایک لحظہ کے لئے آپ کو آپ کے نفس پر حاکم بنایا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ طاعت حق تعالیٰ میں ایک لحظہ اس سے بہتر ہے کہ ہزار سال خلق پر حکومت کی جائے۔

ہارون الرشید نے کہا کچھ اور نصیحت فرمائی جائے۔آپ نے فرمایا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کے لئے منتخب کیا گیا تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، رجا بن حیات اور محمد بن کعب القرظی کو طلب کر کے کہا کہ میں اس مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔اب میرے لئے کیا تدبیر ہے کہ اس بلا سے بچ جاؤں، اگرچہ لوگوں کے نزدیک یہ نعمت ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے عذاب سے نجات ملے تو اپنے سے بڑے مسلمانوں کو باپ کی طرح سمجھو، ہم عمر لوگوں کو بھائی اور چھوٹوں کو اولاد کے برابر سمجھو اور اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جس طرح گھر میں باپ، بھائی اور بیٹے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔اے خلیفہ وقت، اسلام کا یہ تمام جہان تمہارا گھر ہے اور خلق خدا تمہارے اہل و عیال ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ (آپ) نے فرمایا کہ یا امیر المومنین مجھے ترس آتا ہے کہ تمہارا یہ حسین چہرہ کہیں آتش دوزخ میں مبتلا نہ ہو جائے، خدا سے ڈرو اور اس کا حق پہلے سے زیادہ اچھی طرح ادا کرو۔آخر میں ہارون الرشید نے پوچھا کیا آپ کے ذمہ کسی

کا قرض ہے ۔انہوں نے جواب دیا ہاں ۔خداوند عالم کا قرض میری گردن کا بوجھ ہے ۔ہارون الرشید نے کہا میرا مطلب یہ ہے کہ آیا آپ نے کسی شخص کا قرض ادا کرنا ہے ۔آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا ہے اور مجھے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے بندوں سے طلب کروں ۔پھر بھی ہارون الرشید نے ایک ہزار دینار کا تھیلا نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا اور عرض کیا کہ آپ جس طرح چاہیں اسے خرچ فرما دیں ۔یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ہارون میری تمام نصیحتوں کا آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ابھی سے ظلم شروع کر دیا ہے ۔اس نے پوچھا میں نے کیا ظلم کیا ہے؟ فرمایا کہ میں تمہاری نجات چاہتا ہوں اور تو مجھے ہلاکت کی طرف کھینچ رہا ہے ۔یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے ۔یہ سن کر ہارون الرشید اور اس کا وزیر روتے ہوئے باہر چلے گئے ۔باہر جا کر ہارون الرشید نے کہا کہ حقیقت میں تو بادشاہ فضیل بن عیاض ہیں ۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو طلب دنیا سے کس قدر نفرت تھی اور مال و دولت کو آپ کس حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور دنیاداروں کے آگے دنیا کی وجہ سے سرِ تسلیم خم کرنا آپ کا شیوہ نہ تھا ۔آپ کے مناقب اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کتاب میں ان کی گنجائش نہیں ہے ۔

ایک مرتبہ آپ کے بچے کا پیشاب بند ہو گیا تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! تجھے میری دوستی کی قسم اس کا مرض دفع فرما دے، چنانچہ بچہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا اور اپنی دعاؤں میں اکثر یہ فرمایا کرتے کہ اللہ تیرا دستور تو یہ ہے کہ اپنے محبوب بندوں اور ان کے بیوی بچوں کو بھوکا ننگا رکھتا ہے اور ان کو ایسی غربت دیتا ہے کہ گھروں میں روشنی تک کا انتظام نہیں ہوتا، پھر بھلا تو نے مجھے دولت کیوں عطا فرمائی؟ کیا میں تیرے محبوب بندوں سے مرتبہ کافر د نہیں ہوں اور کبھی یہ دعا کرتے کہ مجھے عذاب سے نجات دے کر میرے حال پر کرم فرما کیونکہ تو علیم و ستار ہے ۔مشہور ہے کہ آپ کو تیس برس سے کسی نے بھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو مسکراتے رہے اور جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مرنے سے خوش ہوا لہٰذا میں بھی اس کی رضا میں خوش ہوں ۔

آپ کے اقوال وارشادات بہت لطیف ہیں ۔درج ذیل میں دیکھیں کہ اولیاء اللہ کو، آپ کو تنہائی میں اللہ کا ذکر کتنا پسند ہے کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ دُنیا کی کوئی چیز بھی ذکر الٰہی میں حائل ہو ۔

آپ فرماتے ہیں کہ **من عرف اللّٰہ حق معرفة عبدہ بکل طاقة** ۔''جس نے کماحقہٗ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کی وہ اپنی پوری طاقت سے اس کی عبادت میں منہمک ہوا ۔'' کیونکہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اس کی نعمتوں رحمتوں اور احسان کی بدولت معرفت حاصل کرتا ہے اور جب اس کی معرفت حاصل ہو گئی تو پھر اس سے محبت کرتا ہے اور محبت کی وجہ سے طاعت اس پر آسان ہو جاتی ہے ۔پس جس شخص کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت زیادہ ہو گی عبادت پر وہ اتنا ہی حریص ہو گا ۔اس سے ظاہر ہے کہ محبت کا دارومدار معرفت پر ہے ۔

جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات اُٹھ کر باہر چلے گئے ۔میرے دل میں

خیال آیا کہ شاید وہ کسی دوسرے حجرہ میں تشریف لے گئے ہیں چنانچہ میں اُٹھی اور آپ کی حس کے اثر کے پیچھے چلتی رہی حتیٰ کہ مسجد میں پہنچ گئی اور کیا دیکھتی ہوں کہ آپ نماز میں کھڑے ہیں اور آپ ﷺ پر گریہ طاری ہے۔حتی کہ صبح ہوگئی اور بلال نے آکر اذان دی۔نماز کے بعد آپ گھر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاؤں مبارک سوجے ہوئے ہیں اور پاؤں کی دو انگلیاں پھٹ چکی ہیں اور ان میں سے زرد رنگ کا پانی بہہ رہا تھا۔آپ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے رونا آگیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے تمام اولین وآخرین گناہ معاف کردیئے ہیں تو آپ اس قدر مشقت کیوں برداشت کررہے ہیں؟ یہ سختی تو اس شخص کو جھیلنا مناسب ہے جو مامون العاقبت نہ ہو۔

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا مجھ پر اس قدر لطف وکرم ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔جب مجھ پر اس کی اس قدر رحمت ہے کہ میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے ہیں تو میرا فرض ہے کہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کی بندگی کا حق ادا کروں۔نیز جب شب معراج حضور انور نبی کریم ﷺ کو پچاس نمازوں کا حکم ہوا تو آپ نے حق تعالیٰ کا فرمان قبول کرلیا اور اسے گراں (بوجھ) نہ سمجھا۔لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر واپس جاکر پانچ نمازیں منظور کرائیں۔کیونکہ آپ کی طبع مبارک میں فرمان الٰہی سے چون وچرا کا مادہ ہی نہیں تھا۔**لان المحبة هي الموافقة** (کیونکہ محبت سراسر موافقت ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ **الدنیا دار المرضٰی والناس فیها کالمجانین وللمجانین فی دار المرضٰی الغل والقید**۔"دنیا ایک پاگل خانہ ہے جس کے اندر مجنون جمع ہیں اور مجنون بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں مقید ہیں۔" نفسانی خواہشات ہماری بیڑیاں ہیں اور گناہ ہماری ہتھکڑیاں ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے کانوں سے حضرت فضیلؒ کو یہ کہتے سنا ہے کہ طالب دنیا رُسوا اور ذلیل ہوتا ہے اور جب میں نے اپنے لئے کچھ نصیحت کرنے کے متعلق عرض کیا تو فرمایا کہ خادم بنو مخدوم نہ بنو، کیونکہ خادم بننا ہی وجہ سعادت ہے۔ایک مرتبہ حضرت بشر حافیؒ نے پوچھا کہ زُہد ورضا میں افضل کون ہے؟ فرمایا کہ رضا کو فضیلت اس لئے حاصل ہے کہ جو راضی برضا رہتا ہے وہ اپنی بساط سے زیادہ طلب نہیں کرتا۔

آپ سے کسی نے سوال پوچھا کہ خدا کی محبت معراج کمال تک کس وقت پہنچی تو فرمایا کہ جب حب دُنیا اور دین بندے کے لئے مساوی ہوجائے۔پھر کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی فرد اس خوف سے لبیک نہ کہتا ہو کہ جواب نفی میں نہ مل جائے تو اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ اس سے زیادہ بلند مرتبت کوئی نہیں۔پھر اس دین کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ عقل دین کی بنیاد ہے اور عقل کی بنیاد علم اور علم کی بنیاد صبر ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرآن وحدیث کے بیان کے بعد میں نے عرض کیا آج کی نشست اور رات دونوں مبارک ہیں۔خلوت سے کہیں زیادہ افضل۔فرمایا: کہ یہ نہ کہو

آج کی شب تمام راتوں سے قبیح ہے کیونکہ آج کی شب ہم دونوں اسی تصور میں غرق رہے کہ گفتگو کا موضوع ایسا ہونا چاہیے، جو ہم دونوں کا پسندیدہ ہو، جب کہ اس تصور سے خلوت نشینی اور ذکر الٰہی میں مشغولیت کہیں زیادہ بہتر ہے۔

آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی لوٹ جاؤ ورنہ میں لوٹ جاؤں گا۔ تمہاری آمد کی غرض و غایت صرف یہ ہوتی ہے کہ ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کریں، ایک مرتبہ آپ نے کسی سے حاضر خدمت ہونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے عرض کیا کہ میری آمد کا مقصد آپ کی شیریں بیانی سے محظوظ ہونا ہے۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ بات میرے لئے بہت ہی وحشت انگیز ہے کیونکہ تمہاری آمد کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہم دونوں جھوٹ فریب میں مبتلا ہیں لہٰذا یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔

فرمایا کہ اگر مجھے اپنی دعا کی مقبولیت کا ایقان ہوتا تو میں اپنے بجائے سلطان وقت کے لئے دعا کرتا، تا کہ مخلوق کو زیادہ سکون حاصل ہوتا کیونکہ اپنے لئے دعا کرنے میں اپنا ہی مفاد پوشیدہ ہے۔ پھر فرمایا: کہ کھانے سونے کی زیادتی باعث ہلاکت ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ دو خصلتیں حماقت پر مبنی ہیں اوّل بلا وجہ ہنسنا۔ دوم دن رات کی بیداری سے گریز کرنا اور خود عمل نہ کرتے ہوئے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسے یاد کرتا ہوں اور جو مجھے بھلاتا ہے میں اس کو بھلا دیتا ہوں۔

فرمایا کہ میں جب حوائج ضروریہ کی وجہ سے ذکر الٰہی سے محروم ہو جاتا ہوں تو بے حد ملامت ہوتی ہے حالانکہ تین یوم کے بعد حاجت کے لئے جاتا ہوں، پھر فرمایا کہ بہت سے لوگ غسل کے بعد پاک ہو جاتے ہیں لیکن بہت سے بد باطن حج و زیارت کعبہ کے بعد بھی نجس ہی لوٹتے ہیں۔ فرمایا کہ زاہد و اہل معرفت وہی ہے جو مقدرات پر شاکر و قانع رہے اور مکمل خدا شناس عبادت بھی مکمل کرتا ہے اور جو کسی سے اعانت کا طالب نہ ہو وہ جوان مرد ہے۔ پھر فرمایا: متوکل وہی ہے جو خدا کے سوا نہ تو کسی سے خائف ہو اور نہ کسی سے امیدیں وابستہ کرے، کیونکہ توکل خدا پر شکر و قانع رہنے کا نام ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر لوگ تم سے سوال کریں کہ تم خدا کے محبوب ہو؟ تو کوئی جواب نہ دو اور نہ اپنی محبوبیت کا انکار کرو ورنہ تمہیں حلقۂ اسلام سے خارج رکھا جائے گا اور اگر محبوبیت کا دعویٰ کرو گے تو دروغ گوئی ہوگی کیونکہ تمہارا کوئی عمل خدا کے محبوبوں جیسا نہیں ہے۔

فرمایا کہ دنیا میں جب کسی کو نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تو آخرت میں اس کے سوحصے کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہاں تو صرف وہی ملے گا جو دنیا سے کمایا ہے۔ لہٰذا یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ حصہ آخرت میں کمی کر لے یا زیادتی، پھر فرمایا کہ دنیا میں عمدہ لباس اور اچھا کھانے کی عادت نہ ڈالو کیونکہ محشر میں ان چیزوں سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میری خواہش صرف اس غرض سے علیل ہو جانے کی ہے کہ باجماعت نماز ادا نہ کرنی پڑے اور کسی کی شکل تک نظر نہ آئے کیونکہ بندگی ایک ایسی خلوت نشینی کا نام ہے، جس میں کسی کی صورت نظر نہ آئے اور میں ایسے شخص کا بہت ممنون ہوتا ہوں جو نہ مجھے سلام کرے اور نہ مزاج پرسی کو آئے۔ کیونکہ لوگوں سے میل ملاپ اور عدم تنہائی نیکی سے بہت دور کر

دیتے ہیں۔اور جو شخص محض اعمال پر گفتگو کرتا ہے اس کی گفتگو لغو اور بے سود ہوتی ہے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے خوف رکھتا ہے اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ دوست کو غم اور دشمن کو عیش عطا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح، جنت میں رونا عجیب سی بات ہے اسی طرح دنیا میں ہنسنا بھی تعجب انگیز ہے، کیونکہ نہ جنت رونے کی جگہ ہے اور نہ دُنیا ہنسنے کی جگہ، اور جس کا قلب خشیت الٰہی سے لبریز ہوتا ہے اس سے ہر شے خوفزدہ رہتی ہے۔پھر فرمایا کہ بندے میں زُہد کی مقدار اسی قدر رہوتی ہے جتنا اسے آخرت سے لگاؤ ہوتا ہے۔فرمایا کہ اگر دنیا کی ہر لذت میرے لئے جائز کر دی جاتی، جب بھی میں دُنیا سے اتنا دم رہتا جتنا لوگ حرام اور مردہ شے سے نادم ہوتے ہیں۔پھر فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے برائیوں کے مجموعہ کو دنیا کا نام دے دیا ہے۔اور دنیا سے بری الذمہ ہو کر لوٹنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا دنیا میں آنا آسان ہے۔پھر فرمایا کہ لوگ دارالامراض میں پاگلوں کی مانند تنگ جگہ میں زندگی گزار دیتے ہیں۔

کسی قاری نے بہت خوش الہانی کے ساتھ آپ کے سامنے آیت تلاوت کی تو آپ نے فرمایا کہ میرے بچے کے نزدیک جا کر تلاوت کرو، سورۃ القارعہ ہرگز مت تلاوت کرنا کہ خشیت الٰہی کی وجہ سے وہ ذکر قیامت سننے کی استطاعت نہیں رکھتا مگر قاری نے وہاں پہنچ کر یہی سورت قراءت کی اور آپ کے صاحبزادے ایک چیخ مار کر دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

زندگی کے آخری لمحات میں آپ نے فرمایا کہ مجھے پیغمبروں پر اس لئے رشک نہیں آتا کہ ان کے لئے بھی قبر و قیامت اور جہنم و پل صراط کا مرحلہ ہے اور وہ بھی نفسی نفسی کی منزل سے گزریں گے اور ملائکہ پر اس لئے رشک نہیں کہ وہ انسانوں سے زیادہ خوفزدہ رہتے ہیں البتہ ان پر ضرور رشک آتا ہے جنہوں نے شکم مادر سے جنم ہی نہیں لیا ہے۔

آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا میں حج پر جانا چاہتا ہوں اگر ساتھ چلنا چاہتی ہو تو بسم اللہ اگر نہ جانا چاہو تو طلاق لے کر آزاد ہو جاؤ۔بیوی نے رُو کر کہا میں ساری عمر آپ کی خادمہ بن کر گزارنا چاہتی ہوں۔پھر آپ اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔وہاں پہنچ کر کعبۃ اللہ کی مجاورت اختیار کی۔مدتوں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا۔اہل مکہ آپ کے گرد جمع رہتے۔آپ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ مکہ معظّمہ میں ہی تھے۔آپ نے بیوی کو فرمایا: میرا اب آخری سفر قریب ہے۔میری دونوں بیٹیوں کو کوہِ قبیس پر لے جانا اور اللہ تبارک وتعالیٰ جو غفور الرحیم ہے اُس سے گڑگڑا کر سجدے میں گر کر کہنا۔اے پروردگار عالم فضیل نے زندگی بھر ان کی پرورش کی اب وہ قبر میں ہمیشہ کی نیند سو رہا ہے۔یہ دونوں بچیاں اب تیرے سپرد ہیں۔حسب فرمان بیوی ان دونوں بیٹیوں کو لے کر کوہِ قبیس پر گئیں اور سجدے میں سر رکھ کر رو رو کر وہی دعا رب العزت کے حضور کی جو فضیل نے کہی تھی۔ابھی بیوی نے سجدے سے سر نہیں اُٹھایا تھا کہ سلطان یمن ادھر آ نکلا۔بی بی سے پوچھا تو اس نے سارا حال سلطان یمن کو بتا دیا۔سلطان نے کہا آج سے یہ میری بیٹیاں ہیں۔ان کو شاہی محل میں لے گیا اور اپنے دونوں بیٹوں سے ان کی شادیاں کر دیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی ثعبان تھا آپ کی کنیت ابوالفیض تھی اور آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی ابراہیم تھا اور آپ ثوبی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ایک کرامت کے بعد آپ کا خطاب ذوالنون پڑ گیا اور پھر لوگ آپ کو اسی خطاب یا نام سے پکارنے لگے اور وقت رفتہ کے ساتھ اسی عرف نے بہت حد تک نام کی جگہ لے لی۔آپ کا پورا نام ابوالفیض بن ابراہیم المصری ہے۔

آپ سلطان معرفت اور بحر توحید کے شناور تھے اور روحانیت میں بہت ہی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔آپ عبادات و ریاضات میں بہت نمایاں تھے جن کی وجہ سے مشہور زمانہ ہوئے۔آپ اکابر صوفیا اور کبار مشائخ طریقت میں سے تھے۔طریقت اور حقیقت میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔فقر و توکل کے آپ سردار ہیں۔آپ کا مسلک بلا اور مشرب ملامت تھا۔اہل مصر آپ کے حال سے متحیر اور آپ کی شان سمجھنے سے عاجز تھے۔اس لئے ہمیشہ مخالفت ہی کرتے رہے اور ساری عمر آپ کے جمالِ حال سے بے خبر رہے۔آپ نے بھی کبھی کسی پر اپنی حقیقت (روحانی عروج) کو ظاہر نہ فرمایا، یا اپنے اوصاف و عشق الٰہی کے اظہار کی زحمت نہ فرمائی جس کی وجہ سے تاحیات لوگ آپ کو زندیق ہی سمجھتے رہے اور اصلیت و حالات پر پردہ پڑا رہا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے حالاتِ زندگی میں بہت کم لوگوں کے نام آئے ہیں۔جو نام آئے ہیں، وہ نام یہ ہیں: حضرت یوسف بن حسینؒ (آپ کے مرید) حضرت بشر حافیؒ (کی ہمشیرہ) عباسی خلیفۂ وقت متوکل۔

حالات، مناقب، ارشادات:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ کے حالات اور خاص کر ابتدائی حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔روایت میں درج واقعہ آپ کے تائب ہونے کا سبب بتایا جاتا ہے۔

آپ کے تائب ہونے کا واقعہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص نے آپ کو اطلاع پہنچائی کہ فلاں مقام پر ایک

نوجوان عابد ہےاور جب آپ اسے نیاز حاصل کرنے پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک درخت پر اُلٹا لٹکا ہوا اپنے نفس سے مسلسل یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک تو عباداتِ الٰہی میں میری ہم نوائی نہیں کرے گا میں تجھے یوں ہی اذیت دیتا رہوں گا حتیٰ کہ تیری موت واقع ہو جائے۔یہ واقعہ دیکھ کر آپ کو اس پر ایسا ترس آیا کہ رونے لگے اور جب نوجوان عابد نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو ایک گنہگار پر ترس کھا کر رو رہا ہے۔یہ سن کر آپ نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا اور مزاج پرسی کی اس نے بتایا کہ چونکہ یہ بدن عبادتِ الٰہی پر آمادہ نہیں اس لیے یہ سزا دے رہا ہوں۔آپ نے کہا مجھے تو یہ گمان ہوا کہ شاید تم نے کسی کا قتل کردیا ہے یا کوئی گناہِ عظیم سرزد ہوگیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمام گناہ مخلوق سے اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے مخلوق سے رسم وراہ کو بہت بڑا گناہ تصور کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ تم تو واقعۃً بہت بڑے زاہد ہو،اس نے جواب دیا کہ اگر تم کسی بڑے زاہد کو دیکھنا چاہتے ہو تو سامنے پہاڑ پر جا کر دیکھو۔

جب آپ وہاں پہنچے تو ایک نوجوان کو دیکھا کہ جس کا ایک پیر کٹا ہوا باہر پڑا تھا اور اس کا جسم کیڑوں کی خوراک بنا تھا۔ جب آپ نے یہ صورتِ حال معلوم کی تو اس نے بتایا کہ ایک دن میں اسی جگہ مصروف عبادت تھا کہ ایک خوبصورت عورت سامنے سے گزری جس کو دیکھ کر میں فریبِ شیطان میں مبتلا ہوا اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔اس وقت ندا آئی کہ اے بے غیرت! تمیں سال خدا کی عبادت واطاعت میں گزار کر آج شیطان کی عبادت کرنے چلا ہے۔لہٰذا میں نے اسی وقت اپنا ایک پاؤں کاٹ دیا کہ گناہ کے لئے پہلا قدم اسی پاؤں سے بڑھایا تھا،پھر بتایئے کہ آپ مجھ گنہگار کے پاس کیوں آئے ہو؟ اور اگر واقعی آپ کسی بڑے زاہد کی جستجو میں ہیں تو اس پہاڑ کی چوٹی پر چلے جایئے ۔لیکن جب بلندی کی وجہ سے آپ کا پہنچنا ناممکن ہوگیا تو اس نوجوان نے خود ہی ان بزرگ کا قصہ شروع کردیا۔

اس بزرگ نے کہا سنو! چوٹی پر جو بزرگ ہیں ان سے کسی نے کہا روزی محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔اس نے اسی دن عہد کرلیا کہ جس روزی میں مخلوق کا ہاتھ ہوگا میں وہ نہیں کھاؤں گا۔وہ بزرگ جیسے بھی ہو سکا پہاڑی کی سنگلاخ راہوں سے چوٹی پر چلے گئے کچھ دن بغیر کھائے پیئے گزار دیئے ۔عبادت میں مشغول رہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ جاؤ اس کے گرد جمع رہو اور اسے خوراک کے لیے شہد مہیا کرتی رہو۔اب ان کی خوراک صرف اور صرف شہد ہے۔

یہ سن کر حضرت ذوالنون مصری نے درسِ عبرت حاصل کیا اور اسی وقت سے عبادت وریاضت کی طرف متوجہ ہوگئے اور آپ جس وقت پہاڑ سے اُتر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک اندھا پرندہ درخت سے نیچے آکر بیٹھ گیا اسی وقت آپ کو خیال آیا کہ نہ جانے اس کو رزق کہاں سے مہیا ہوتا ہوگا؟ لیکن آپ نے دیکھا کہ اس پرندے نے اپنی چونچ سے زمین کریدی جس میں سے ایک سونے کی پیالی برآمد ہوئی اور اس میں تل بھرے ہوئے تھے اور دوسری چاندی کی پیالی گلاب کے عرق سے لبریز تھی۔چنانچہ وہ پرندہ اسے کھا کر اور گلاب پی کر درخت پر جا بیٹھا اور پیالیاں غائب ہوگئیں،یہ دیکھ کر آپ نے بھی اسی دن سے توکل پر کمر باندھ لی اور یقین کرلیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے کو کبھی تکلیف نہیں ہوتی ۔آپ یہ دیکھ کر تائب ہوگئے ۔دنیا سے تعلق کم کردیا۔

عبادت و ریاضت میں مشغول ہو کر توکل پر زندگی گزارنی شروع کر دی۔

آپ جنگل سے واپس ہوئے تو چند پرانے دوست مل گئے۔ سب جا رہے تھے کہ ایک آدمی کو ٹھوکر لگی۔ دیکھا تو وہ خزانہ تھا وہ بہت خوش ہوئے، سب نے بیٹھ کر دولت بانٹی۔ خزانے میں سے ایک تختی برآمد ہوئی جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام مبارک کندہ تھا۔ آپ نے کہا مجھے یہ تختی دے دو۔ بس باقی دولت تم بانٹ لو۔

ایک رات خواب میں دیکھا کوئی کہہ رہا ہے اے ذوالنون! سب نے دولت پسند کی اور تم نے ہمارا نام پسند کیا۔ ہم نے اس محبت کے صدقے میں تم پر علم و حکمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ کشتی پر سفر کر رہے تھے کہ کسی بیوپاری کا موتی کھو گیا اور سب نے آپ کو مشکوک تصور کر کے زدوکوب کرنا شروع کر دیا، آپ نے آسمان کی جانب نظر اُٹھا کر کہا کہ اے اللہ! تو علیم ہے کہ میں نے کبھی چوری نہیں کی۔ یہ کہتے ہی دریا میں صدہا مچھلیاں منہ میں ایک ایک موتی دبائے نمودار ہوئیں اور آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی نکال کر اس بیوپاری کو دے دیا۔ اس کرامت کے مشاہدے کے بعد تمام مسافروں نے معافی طلب کی۔ اسی وجہ سے آپ کا خطاب ذوالنون پڑ گیا۔

طریقت اور حقیقت میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ: **العارف كل يوم اخشع لانه في كل ساعة من الرب اقرب** ۔"عارف ہر وقت خدا سے ڈرتا رہتا ہے کیونکہ وہ ہر ساعت اپنے رب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر حق تعالیٰ کا قرب زیادہ ہوتا ہے، بندہ کا خوف اور تحیر بڑھتا جاتا ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی عظمت سے زیادہ آگاہ ہوتا جاتا ہے اور حق کا جلال اس پر مسلط ہو جاتا ہے۔ جتنا قریب جاتا ہے اتنا ہی اپنے کو بعید سمجھتا ہے اور اس کی حیرت پر حیرت کا اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک دفعہ دوران مکالمت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ: **یارب این اطلبک قال عند المنکسرة قلوبهم** ۔"یا رب میں تجھے کہاں تلاش کروں، فرمایا کہ شکستہ دلوں کے اندر۔" اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الٰہی! مجھ سے زیادہ شکستہ کس کا دل ہے۔ فرمان ہوا کہ پس میں تمہارے ساتھ ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایسا مدعی معرفت جس کے دل میں خوف خدا نہیں جاہل ہے نہ کہ عارف۔ اور معرفت کی علامت صدقِ ارادت ہے۔ اور صدقِ ارادت کی علامت ہے حسب و نسب و کسب سے قطعِ تعلق یعنی دنیا اور دنیا والوں کو طلاق۔ اور حق تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنا۔ جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **الصدق سيف اللّٰه في ارضه ما وضع على شيئ الاقطعه** ۔"صدق اللہ تبارک وتعالیٰ کی تلوار ہے جس چیز پر پڑتی ہے کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔" اور صدق یہ ہے کہ مسبب (خالق) کی طرف التفات کیا جائے یعنی کہ کرنے والا صرف اللہ ہے نہ کہ اسباب یعنی مخلوق کی طرف۔ جونہی مخلوق پر نظر ڈالی جاتی ہے صدق ختم ہو جاتا ہے۔

آپ کس قدر رحمۃ اللعالمین ﷺ کی رحمتوں، مہربانیوں کا سایہ تھے، عکس تھے وہ درج ذیل نرالی دعا سے خوب آشکار ہے۔

ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری ﷺ اپنے احباب (مریدین) کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور دریائے نیل میں سیرو سیاحت کر رہے تھے جیسا کہ اہل مصر کی عادت ہے۔ان کے نزدیک ایک اور کشتی آئی جس میں لوگ گانے بجانے اور نا روا حرکات میں مشغول تھے۔یہ دیکھ کر آپ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ خدا ان سب کو غرق کرے۔آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی یاالٰہی! جس طرح یہ لوگ اس دنیا میں عیش وخوشی میں ہیں آخرت میں بھی ان کو یہی عیش وخوشی نصیب کر۔یہ سن کر مریدوں کو تعجب ہوا۔لیکن جب وہ کشتی نزدیک آئی اور ان لوگوں کی نظر حضرت شیخ (آپ) پر پڑی تو گریہ طاری ہوگیا،اپنے کئے پر نادم ہوئے،باجے توڑ دیئے اور راہِ راست پر آگئے۔اس کے بعد آپ نے مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آخرت کے عیش وخوشی سے مراد اس جہاں کی توبہ ہے۔تم نے دیکھ لیا کہ دعا قبول ہوئی اور ان کو توبہ کی توفیق حاصل ہوئی۔اس سے تمہاری خواہش بھی پوری ہوگئی اور نقصان کسی کو نہ پہنچا۔اس سے ظاہر ہے کہ آپ مسلمانوں پر کس قدر مہربان تھے اور یہ عین سنت رسول اللہ ﷺ ہے کیونکہ حضور پُرنور، نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بھی کافروں کے جوروستم سے متنفر نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ دعا کرتے تھے: **اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون**۔"یااللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ بے خبر ہیں۔"

ایک نوجوان بہت جلدی میں جارہا تھا اس کی مٹھی میں ایک انگوٹھی تھی۔وہ نانبائی کی دکان پر گیا اور رُک گیا جو انگشتری اس کی مٹھی میں تھی وہ نانبائی کو دی اور کہا یہ انگوٹھی لے لو اور چار آدمیوں کے لیے کھانا دے دو۔نانبائی نے انگوٹھی دیکھی اور کہا بیکار سی انگوٹھی ہے، میں اس کے عوض صرف ایک درہم کا کھانا دے سکتا ہوں جس سے ایک دو آدمیوں کا پیٹ بھر جائے گا۔نوجوان واپس آیا اور انگشتری کے مالک سے کہا جناب نانبائی نے اس کی قیمت ایک درہم لگائی ہے،وہ اس سے زیادہ دینے پر رضامند نہیں ہوگا۔انگشتری کے مالک نے کہا اب یہ انگوٹھی کسی صراف کے پاس لے جاؤ کسی اچھے جوہری کے پاس جاؤ اور کہنا اسے کتنے میں خرید سکتے ہو؟

نوجوان پھر بازار گیا اور ایک جوہری کو انگوٹھی دکھائی جوہری نے پہلے انگشتری دیکھی پھر اس کے اندر جڑے ہوئے نگینے کو دیکھا پھر نوجوان کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا میں اس انگشتری کے عوض ایک ہزار دینار دے سکتا ہوں نوجوان کا رنگ اُڑ گیا اور وہ کبھی انگشتری کی طرف اور کبھی صراف کے چہرے کی طرف دیکھتا۔صراف نے کہا نوجوان دیکھتا کیا ہے، دے دوں؟ ایک ہزار دینار نوجوان نے سہمی ہوئی آواز میں کہا، اے اچھے جوہری میں اس کے مالک سے پوچھ لوں۔

انگشتری کے مالک حضرت ذوالنون مصریؒ پیشوائے اہل ہدایت تھے۔درویش کامل تھے مگر اہل مصر آپ کو زندیق کے لقب سے پکارتے تھے وہ نوجوان جو انگشتری لے کر بازار گیا تھا اور انگشتری کی قیمت کے تضاد پر حیرت زدہ تھا۔صوفیائے کرام کا منکر تھا۔حضرت ذوالنون مصریؒ نے اس نوجوان کو مسکرا کر دیکھا اور فرمایا: اے نوجوان! اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے صوفیائے کرام کے متعلق تیرا علم صرف اس نانبائی جتنا ہے۔آپ محبت سے اسے یہ بات بتا رہے تھے اور وہ خاموش تھا اس پر ایک کیفیت طاری تھی،وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں بیت المقدس سے مصر کی طرف جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ راستے میں ایک شخص آرہا ہے۔میرے دل میں خیال آیا کہ اس سے کوئی بات کروں۔قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ ایک بوڑھی عورت تھی جس کے ہاتھ میں عصا تھا اور اونی جبہ پہنے ہوئے تھی۔میں نے پوچھا کہ کہاں سے آرہی ہو؟اس نے جواب دیا کہ اللہ سے۔میں نے کہا، کہاں جارہی ہو اس نے کہا اللہ کی طرف۔اس کے بعد میں جیب سے ایک دینار نکال کر اس کے ہاتھ میں دینے لگا تو اس نے زور سے میرا ہاتھ جھٹک کر کہا اے ذوالنون!میرے متعلق جو تو نے خیال کیا ہے یہ تیری کم عقلی کی دلیل ہے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کام کرتی ہوں اور اس کے سوا کسی سے کوئی چیز نہیں لیتی،نہ کسی دوسرے کی عبادت کرتی ہوں اور نہ اس سے کوئی چیز کی اُمید رکھتی ہوں۔یہ کہا اور روانہ ہوگئی۔اس حکایت میں یہ رمز ہے کہ یہ جو کہا کہ میں خدا کے لئے ہر کام کرتی ہوں یہ اس کے صدق ومحبت کی علامت ہے۔معاملات میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں بعض لوگ ایسے ہیں جو کام کرتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم خدا کے لئے کام کررہے ہیں لیکن کرتے وہ اپنے لئے ہیں یعنی اگر چہ وہ نفسانی خواہشات سے پاک ہوتے ہیں تاہم وہ ہر کام ثواب اور آخرت کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ثواب اور آخرت کی بھلائی کا خیال نہیں ہوتا بلکہ ہر کام فرمانِ حق کی تعظیم اور تقاضائے محبت سے کرتے ہیں نہ کہ اپنے فائدے کے لئے۔اور جو لوگ آخرت کے ثواب کے لئے نیکی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آخرت کی راحت دائمی ہے اور راحتِ گناہ عارضی ہے۔پس اس لئے جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے لئے کرتے ہیں خدا کے لئے نہیں کرتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے نہ ان کی نیکی سے کوئی فرق پڑتا ہے نہ بدی ہے۔اگر سارا جہان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صدق پر آجائے تو بھی خدا تعالیٰ کو فائدہ نہیں پہنچتا اور اگر سارا جہاں فرعون بن جائے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔(اگر تم نیکی کروگے تو اپنے لئے اور اگر برائی کروگے تو اپنے لئے کروگے)۔نیز فرمایا:وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔(اور جس شخص نے جہاد کیا بے شک اپنے نفس کے لئے کیا،تحقیق حق تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے)۔لوگ ملکِ ابدی(جنت)اپنے لئے طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام جو جنت کے حصول کے لئے کررہے ہیں وہ یہ کام خدا کے لئے کررہے ہیں۔لیکن طریق دوستی اور ہے۔دوستانِ خدا ہر کام دوست(اللہ)کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے لئے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے تیس سال لوگوں کو دعوت حق دی صرف ایک مردِ حق ملا،وہ ایک شہزادہ تھا۔فرماتے ہیں میں مسجد کے اندر وعظ میں مصروف تھا اور شہزادہ مسجد کے سامنے سے پوری شان وشوکت کے ساتھ گزرا۔جب وہ پورے جاہ وجلال سے گردن اونچی کیے ہوئے گزر رہا تھا تو میری زبان پر اس وقت یہ الفاظ تھے کہ اس کمزور انسان سے بڑھ کر اور کون احمق ہوگا جو ایک طاقتور سے مقابلہ کرتا ہے۔یہ بات سن کر شہزادہ رک گیا اس کا رنگ اُڑ گیا۔سواری کی لگام خدام کے حوالے کی اور خود مسجد کے اندر داخل ہوا اور مجھ سے پوچھا یہ الفاظ جو آپ نے فرمائے ہیں ان کا مطلب کیا ہے؟

میں نے کہا انسان ایک نحیف اور کمزور مخلوق ہے اور اس زبردست مالک حقیقی، بادشاہ حقیقی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اس پر شہزادہ اور متحیر ہوا رنگ زرد پڑ گیا وہ اسی حالت میں مسجد سے باہر نکل گیا۔ دوسرے دن وہ پھر آیا اور مجھ سے اللہ تبارک وتعالی کا راستہ پوچھا میں نے بتایا کہ دو راستے ہیں ایک ذرا طویل اور دوسرا کم طویل ہے۔ اگر طویل راستہ اختیار کرنا ہے تو سوائے ذات باری تعالی کے سب کچھ کو ترک کردو۔ چھوٹا راستہ یہ ہے کہ دنیا ترک کردو، گناہ چھوڑ دو نفسیاتی خواہشات کو ترک کردو۔ شہزادے نے کہا میں طویل راستہ اختیار کروں گا۔ دوسرے دن بھی آیا شاہی لباس پہن رکھا تھا اسی دن اُسے ٹاٹ کے لباس سے بدلا اور زُہد و ریاضت میں مشغول ہو گیا اور آخر ابدال کے مرتبے تک پہنچا۔

آپ فرمایا کرتے کہ ایک دن میں برلب دریا وضو کر رہا تھا کہ سامنے کے محل پر ایک خوبصورت عورت نظر آئی۔ جب میں نے اس سے گفتگو کرنے کے لئے کہا تو اس نے کہا دور سے میں تم کو دیوانہ تصور کئے ہوئے تھی اور جب کچھ قریب آ گئے تو میں نے عالم سمجھا اور جب بالکل قریب آ گئے تو اہل معرفت تصور کیا لیکن اب معلوم ہوا کہ تم ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہو۔ جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ عالم نامحرم پر نظر نہیں ڈالتے اور دیوانے وضو نہیں کرتے اور اہل معرفت خدا کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے، یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئی اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ غیب کی جانب سے ایک تنبیہ ہے۔

آپ کی بہن پر آپ کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ ایک دن یہ آیت تلاوت کر رہی تھی کہ: **وظللنا علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلوی** تو اس (بہن) نے اللہ تبارک وتعالی سے عرض کیا کہ جب تو نے بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل فرمایا تو مومنین اس سے محروم کیوں ہیں۔ چنانچہ اسی وقت من وسلویٰ کا نزول ہوا۔ اس کرم نوازی پر آپ صحرا کی جانب ایسی جگہ چلی گئیں کہ پھر کچھ پتہ نہ چلا۔

کسی بچے نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے بطور ورثا ایک لاکھ دینار حاصل ہوئے ہیں اور میری تمنا ہے کہ یہ سب آپ ہی کی ذات گرامی پر صرف کردوں، آپ نے فرمایا کہ حد بلوغ تک پہنچنے سے قبل تمہارے لئے اس کا خرچ کرنا ناجائز ہے اور جب وہ بچہ شباب پر پہنچا تو پوری جائیداد فقراء میں تقسیم کر کے آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا، پھر یہی نوجوان ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُسے معلوم ہوا کہ آپ آج کل ضرورت مند ہیں۔ اس نے اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا کہ کاش میرے پاس اگر آج دولت ہوتی تو میں بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ آپ نے اس کی نیت کو بھانپ کر یقین کر لیا کہ یہ ابھی مفہوم فقر سے آشنا نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے فرمایا کہ فلاں دواخانہ سے یہ دوا لا کر گھس لو اور روغن میں ملا کر تین قرص (گولیاں ٹکیاں) تیار کر کے ان میں سوئی سے سوراخ کر کے میرے پاس لے آؤ۔ وہ لے آیا تو آپ نے ان تینوں گولیوں پر کچھ دم کیا تو وہ یاقوت میں تبدیل ہو گئیں اور آپ نے اُسے فرمایا کہ کسی جوہری کے پاس لے جا کر قیمت معلوم کرو۔ چنانچہ جوہری نے ایک ہزار دینار قیمت لگائی، پھر اس نوجوان نے پورا واقعہ بیان کیا تو فرمایا کہ اس کو پانی میں گھول دو، اور یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو، کہ فقراء کو مال وزر کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ سن کر وہ ہمیشہ کے لئے دُنیا سے علیحدہ ہو گیا، بے رغبت ہو گیا۔

حضرت ابو جعفر اعور نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں آپ کی مجلس میں موجود تھا اور آپ جمادات کی فرمانبرداری کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ جمادات اہل اللہ کے اس درجہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ اگر میں اس سامنے والے تخت سے یہ کہہ دوں کہ پورے مکان کا چکر لگا لے تو وہ ہرگز دریغ نہیں کر سکتا، یہ کہتے ہی سامنے والا تخت پورے مکان کا چکر لگا کر اپنی جگہ قائم ہو گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ایک نوجوان نے روتے روتے جان دے دی اور آپ نے اسی تخت پر غسل دے کر دفن کر دیا۔ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میں مقروض ہو گیا ہوں، تو آپ نے ایک پتھر اُٹھایا جو زمرد میں تبدیل ہو گیا اور وہی پتھر اس شخص کو دے دیا۔ چنانچہ اس نے چار سو درہم میں فروخت کر کے اپنے قرض کی ادائیگی کر دی۔

مسلسل دس سال تک آپ کو لذیذ کھانوں کی خواہش رہی لیکن کھایا نہیں۔ ایک مرتبہ جب عید کی شب میں نفس نے تقاضا کیا کہ آج تو کوئی لذیذ غذا ملنی ہی چاہیے تو فرمایا کہ اگر تو دو رکعت میں مکمل قرآن ختم کر لے تو میں تیری خواہش پوری کر دوں گا۔ نفس نے آپ کی یہ خواہش منظور کر لی اور ختم قرآن کے بعد جب آپ لذیذ غذائیں لے کر آئے تو پہلا ہی لقمہ اُٹھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ پہلے لقمہ پر نفس نے خوش ہو کر کہا کہ آج دس برس کے بعد تیری خواہش پوری ہو رہی ہے۔ چنانچہ میں نے لقمہ رکھ کر کہا کہ اے نفس میں ہرگز تیری خواہش پوری نہیں کروں گا۔

لیکن اس وقت ایک شخص عمدہ کھانے کی دیگ لئے ہوئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مفلس اور بال بچوں والا ہوں، مگر آج میں نے صبح عید کی وجہ سے لذیذ کھانا پکوایا اور سو گیا، چنانچہ خواب میں حضور پُر نور، حضور انور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر محشر میں مجھ سے ملنے کا خواہش مند ہے تو یہ کھانا ذوالنون کو دے آ اور میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ وقتی طور پر اپنے نفس سے صلح کر کے ایک دو لقمہ یہ کھانا چکھ لے، حضور ﷺ کا یہ پیغام سن کر کہا کہ فرمانبردار کو اس میں کیا دریغ ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے تھوڑا سا کھانا چکھ لیا۔

اپنے احباب میں سے آپ نے کسی کو تحریر کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم دونوں کو نادانی کی چادر سے ڈھانپ کر تمام دُنیاوی چیزوں سے اس طرح بے خبر کر دے کہ ہم اس کی مرضی کے مطابق کام کریں اور وہ ہم سے خوش رہے۔ آپ نے فرمایا کرتے تھے کہ میں دورانِ سفر ایک برف پوش صحرا میں گزرا تو دیکھا کہ ایک آتش پرست ہر سمت دانہ بکھیر رہا ہے اور جب آپ نے وجہ دریافت کی تو اس نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں چونکہ پرندوں کو کہیں سے بھی دانہ حاصل نہیں ہو سکتا ہو اس لئے میں ثواب کی نیت سے دانہ بکھیر رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ اس (اللہ) کے یہاں غیر کی روزی ناپسندیدہ ہے، لیکن اس نے عرض کیا کہ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ میری نیت کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس آتش پرست کو ایامِ حج میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ طواف کعبہ میں مصروف پایا اور طواف کے بعد اس نے مجھ سے کہا آپ نے دیکھا کہ میں نے جو دانہ بکھیرا تھا اس کا ثمر کتنی بہتر شکل میں ملا ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے پُر جوش لہجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے چالیس برس آتش پرستی کرنے والے کو چند دانوں کے عوض اتنی عظیم نعمت کیوں عطا کر دی؟ ندا آئی کہ ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں۔ ہمارے امور میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں۔

آپ پر ایک کیفیت طاری رہتی تھی جذب مستی کی حالت رہتی تھی ایسی حالت میں کچھ باتیں ایسی کر جاتے کہ لوگ متحیر ہو جاتے جب ظاہری اور باطنی کیفیات اس حد تک حیران کن ہوگئیں کہ مصر کے لوگ آپ کو زندیق اور کافر کہنے لگے تب بڑے بڑے عالم اور دینی علوم میں دسترس رکھنے والوں نے دربار خلافت میں آپ کی اس کیفیت پر شکایت کی۔اس وقت مسند خلافت پر عباسی خلیفہ متوکل متمکن تھا اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو پابہ زنجیر دربار خلافت میں حاضر کیا جائے۔وقت کے حاکم کا حکم تھا جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں پہنادی گئیں اور مصر کے بازار میں آپ کو اسی حالت میں لیے جا رہے تھے اہل بازار دیکھتے تھے ہنستے تھے قہقہے لگاتے تھے۔یہ لوگ دل کے اندھے تھے اور آنکھوں کی بینائی پر دُنیاداری کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

مگر اہل دل آپ کی یہ حالت دیکھ کر اس طرح کے آنسو برسا رہے تھے جن میں جگر کا خون بھی شامل تھا۔اسی اژدھام میں ایک صدا اُٹھی جس میں ایک جوش تھا ایک ولولہ تھا وقار تھا تحمل کے ساتھ نا شکیبائی بھی تھی یہ ایک نسوانی آواز تھی ایک صاحب دل خاتون اسرار و رموز عارف سے بہرہ مند تھی یہ آواز مصر کے بازار سے گونجتی ہوئی نکل گئی۔خاتون نے کہا اے ذوالنون! اے مرد خدا! اس خلیفہ سے ہرگز نہ ڈرنا وہ بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہے جب تک حکم خداوندی نہ ہو کوئی انسان کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔پھر آپ کو لے جا کر دربار خلافت میں حاضر کیا گیا۔

خلیفہ نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو زنداں میں بھیج دیا آپ چالیس دن تک زندان میں رہے۔جیل خانے میں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ محترمہ آپ کو ہر روز ایک روٹی پہنچا دیتیں۔چالیس دن کے بعد آپ کو زنداں سے رہائی ملی تو دیکھا کہ وہ چالیس روٹیاں بدستور اسی طرح پڑی ہیں۔ہمشیرہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ کو معلوم تھا کہ یہ روٹیاں حلال کمائی کی ہیں پھر آپ نے کیوں نہیں کھائیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے مگر روٹیوں کو داروغہ جیل کا ہاتھ لگ جاتا تھا اس لیے ان کی پاکیزگی مشکوک ہو جاتی تھی۔

آپ بھوک کی شدت سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔زندان سے باہر لایا گیا تو نقاہت سے گر پڑے۔پیشانی میں سخت چوٹ آئی،خون بہنے لگا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خون کی ایک بوند بھی آپ کے لباس پر نہیں پڑی،اور جو خون زمین پر گرا تھا وہ بھی غائب ہو گیا اور جب خلیفہ کے روبرو پیش ہوئے تو اس کے سوالات کا دندان شکن جواب دے کر اہل دربار کو حیرت میں ڈال دیا، چنانچہ خلیفہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو مصر بھیج دیا۔

فرمایا کہ عارفین اس لئے زیادہ خائف رہتے ہیں کہ لمحہ بہ لمحہ قرب الٰہی میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور عارف کی شناخت یہ ہے کہ مخلوق میں رہ کر بھی بیگانہ خلائق رہے اور خدا سے ڈرنے والے کو بھی عارف کہا جاتا ہے اور عارف کے اندر لگاتار تغیر ہوتا رہتا ہے اور عارف اپنی معرفت کی بناء پر ہمیشہ مؤدب رہتا ہے۔فرمایا کہ معرفت کی تین اقسام ہیں۔اول معرفت توحید جو تقریباً ہر مومن کو حاصل رہتی ہے۔دوم معرفت حجت وبیان یہ حکماء و علماء کو ملتی ہے۔سوم صفات وحدانیت کی معرفت۔یہ صرف اولیاء کرام

کے لئے مخصوص ہے جو نہ دوسروں کو حاصل ہوتی ہے اور نہ کوئی اُن کے مراتب سے واقف ہوسکتا ہے۔

فرمایا کہ معرفت کا دعویدار کاذب ہوتا ہے۔اس لئے کہ عارف و معروف کی معرفت ایک ہو جانے کی وجہ سے معرفت کا مدعی دونوں حالتوں سے خالی نہیں کیونکہ یا تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا جھوٹا۔اگر سچا ہے تو وہ اپنی تعریف کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور سچے لوگ کبھی اپنی تعریف خود نہیں کرتے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ "میں تم سے افضل نہیں ہوں۔" مختصر یہ کہ عارف کو اپنی زبان سے عارف کہنا مناسب نہیں۔فرمایا کہ عارف کو جس قدر قربت حاصل ہو گی اسی قدر سرگرداں رہے گا جس طرح آفتاب سے قریب ذرّے اس سے متاثر بھی زیادہ ہوتی ہے۔

فرمایا کہ عارف کی شناخت یہ ہے کہ بغیر علم کے خدا کو جانے۔بغیر آنکھ کے دیکھے۔بغیر سماعت کے سنے اور اس سے واقف ہو،بغیر مشاہدے کے اس کو سمجھے،بغیر صفت کے پہچانے اور بغیر کشفِ حجابات کے اس کا مشاہدہ کر سکے،یعنی ذات باری میں فنائیت کی یہ علامتیں ہیں،جیسا کہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس کو دوست بناتا ہوں اس کا کان بن جاتا ہوں تا کہ وہ مجھ سے سنے،آنکھ بن جاتا ہوں تا کہ مجھ سے دیکھے،زبان بن جاتا ہوں تا کہ مجھ سے بات کرے اور ہاتھ بن جاتا ہوں تا کہ مجھ سے پکڑے۔(حدیث قدسی) آپ نے فرمایا کہ زاہد لوگ سلطان آخرت ہوا کرتے ہیں اور ان کے دوست عارفین ہوتے ہیں۔

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے کہ پاکیزہ ہے وہ ذات جو عارفین کو دُنیاوی وسائل سے بے نیاز کر دیتی ہے۔فرمایا کہ حجاب چشم ہی سب سے بڑا حجاب ہے جس کی وجہ سے غیر شرعی چیزوں پر نظر نہیں پڑتی۔فرمایا کہ شکم سیر کو حکمت حاصل نہیں ہوتی۔فرمایا کہ معصیت سے تائب ہو کر دوبارہ ارتکاب معصیت دروغ گوئی ہے۔فرمایا کہ سب سے بڑا دولت مند وہ ہے جو تقویٰ کی دولت سے مالامال ہو۔فرمایا قلیل کھانا جسمانی طاقت کا ذریعہ اور قلیل گناہ روحانی توانائی کا ذریعہ ہے۔فرمایا کہ مصائب میں صبر کرنا تعجب خیز نہیں بلکہ مصائب میں خوش رہنا تعجب کی بات ہے۔

فرمایا کہ انسان پر چھ چیزوں کی وجہ سے تباہی آتی ہے ❶ اعمال صالحہ سے کوتاہی کرنا ❷ ابلیس کا فرمانبردار رہنا۔ ❸ موت کو قریب نہ سمجھنا، ❹ رضائے الٰہی کو چھوڑ کر مخلوق کی رضامندی حاصل کرنا ❺ تقاضائے نفس پرسنت کو ترک کر دینا۔ ❻ اکابرین کی غلطی کو سند بنا کر اُن کے فضائل پر نظر نہ کرنا اور اپنی غلطی کو اُن کے سر تھوپنا۔

فرمایا کہ اگر تم حصول معرفت کے خواہش مند ہو تو خدا سے ایسی دوستی کی مثال پیش کرو جیسی حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور پُر نور ﷺ کے ساتھ کی اور کبھی ذرہ برابر مخالفت نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں صدیق کے خطاب سے نوازا اور رب العزت کی منشا بھی یہی ہے کہ کبھی اس کے حبیب ﷺ کی مخالفت نہ کی جائے۔فرمایا کہ اس طبیب سے نااہل کوئی نہیں جو عالم مدہوشی میں مدہوشوں کا علاج کرے یعنی جس پر نشۂ دُنیا سوار ہو اس کو نصیحت کرنا بے سود ہے۔لیکن جب ہوش ٹھکانے آجائے تو پھر اس سے توبہ کروانی چاہیے۔فرمایا کہ میں نے راہِ اخلاص کی جانب لے جانے والی خلوت سے زائد کسی شے کو افضل نہیں پایا۔ فرمایا کہ پہلے قدم پر خدا کو کوئی نہیں پاسکتا یعنی خدا کو ملنے تک خود کو طالب تصور کرتا ہے۔

فرمایا کہ جس پر شمشیر صدق چل جاتی ہے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔فرمایا کہ مراقبہ کا مفہوم یہ ہے کہ بہترین اوقات کو اللہ تبارک وتعالیٰ پر قربان کردے اور اس کو عظیم جانے جس کو خدا نے عظمت عطا کی ہو، اور اس کی جانب رُخ بھی نہ کرے جس کو اس نے ذلیل ورُسوا کر دیا ہو۔فرمایا کہ حالت وجد بھی ایک راز ہے اور سماع علاج نفس ہے اور جو حقانیت سے شریک سماع ہوتا ہے وہ اہل حق میں سے ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ توکل نام ہے خدا پر اعتماد رکھتے ہوئے کسی سے کچھ طلب نہ کرنے اور بندہ بن کر مالک کی اطاعت کرنے اور تدابیر وتکبر ترک کر دینے کا۔اور اُنس نام ہے خدا کے محبوبوں سے محبت کرنے اور ان کی محبت حاصل کرنے کا اور جس وقت اولیائے کرام پر غلبہ اُنس ہوتا ہے تو ایسا محسوس کرتے ہیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ زبان نور میں ان سے ہم کلام ہے اور جب غلبہ ہیبت ہوتا ہے تو پھر نور کی بجائے زبان نار سے باتیں ہوتی ہیں۔اور خدا کے مونس کی شناخت یہ ہوتی ہے کہ آگ میں ڈال دینے کے بعد حوصلہ میں کمی نہ آئے۔اور اُنس خداوندی کی نشانی یہ ہے کہ مخلوق سے کنارہ کش ہو جائے۔فرمایا کہ تدبر وتفکر عبادت کی چابی ہے اور خواہشات کی مخالفت خدا سے ملاقات کی آئینہ دار ہے۔

اور جو بندہ دل کے ذریعہ فکر کرتا ہے وہ عالم غیب میں روح کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔فرمایا کہ آنکھوں سے مشاہدہ کرنے والے کی مثال علم جیسی ہے اور قلب سے دیکھنے والے کی مثال یقین جیسی ہے اور یقین کا ثمر صبر ہے اور یقین کی بھی تین علامتیں ہیں۔اول ہر شے میں خدا کو دیکھنا۔دوم اپنے تمام امور میں اُسی سے رجوع کرنا۔سوم ہر حال میں اس کی اعانت طلب کرنا، یقین آرزوؤں میں کمی کر دیتا ہے اور آرزوؤں کی قلت زہد کی تلقین کرتی ہے اور زہد وحکمت کا علمبردار ہے اور حکمت شجر انجام کو پھل دار کرتی ہے اور تھوڑا سا یقین بھی پوری دُنیا سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ترقی آخرت کی جانب لے جاتا ہے اور اس سے عالم ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔اہل یقین کی شناخت یہ ہے کہ مخلوق کی مخالفت کرتے ہوئے نہ تو اس کی تعریف کرے اور نہ اس کی سخاوت سے فائدہ اُٹھائے اور اگر مخلوق درپے آزار ہو جائے تو اپنی ذات سے کسی کو اذیت نہ پہنچائے کیونکہ جس کو خالق کی قربت حاصل ہو وہ مخلوق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے خدا کو کیسے شناخت کیا؟ تو فرمایا کہ میں نے اس کی ذات وصفات سے شناخت کیا اور مخلوق کو اس کے رسول کی وجہ سے پہچانا، کیونکہ خدا کو تو خالق ہونے کی وجہ سے شناخت کیا جا سکتا ہے اور رسول چونکہ مخلوق ہے اس لئے مخلوق کو اس کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔پھر لوگوں نے سوال کیا کہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کس وقت اعانت طلب کرتا ہے۔فرمایا نفس وتدابیر سے عاجز آ کر۔حضرت یوسف بن حسینؒ نے آپ سے پوچھا کہ کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا کہ جس میں ''میں اور تو'' کا خطرہ نہ ہو، اور نفس کی مخالفت میں خدا کے موافق بن جاؤ۔اور کسی کو کمتر تصور مت کرو خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو؟ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی تائب ہو کر مقبول بارگاہ ہو جائے۔

کسی نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ظاہر کو خلق کے اور باطن کو خالق کے حوالے کر دو اور خدا سے ایسا تعلق قائم کرو جس کی وجہ سے وہ تمہیں مخلوق سے بے نیاز کر دے۔اور یقین پر کبھی شک کو ترجیح نہ دو، اور

جس وقت تک نفس اطاعت پر آمادہ نہ ہو مسلسل اس کی مخالفت کرتے رہو۔ اور مصائب میں صبر کرتے ہوئے زندگی خدا کی یاد میں گزار دو، پھر فرمایا کہ جس کو حدود معرفت معلوم ہو جاتی ہیں وہ خود گم ہو جاتا ہے۔ کسی نے دریافت کیا کہ عارف کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا کہ جس میں پہلے تحیر اور بعد میں اتصال حق ہو جائے اسی وقت عارف کو حیات دائمی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو ہمہ اوقات یادِ الٰہی اور وصال حاصل رہتا ہے۔ اور نفس کی معرفت یہ ہے کہ ہمیشہ نفس سے بدظن رہے، کبھی اس سے حسن ظن نہ رکھے۔ فرمایا کہ مجھ سے زیادہ خدا سے کوئی بھی دور نہیں ہے کیونکہ ستر سال بحر وحدانیت میں غوطہ زن رہنے کے بعد بھی گمان کے سوا کچھ نہ حاصل ہوا۔

منقول ہے کہ موت کے قریب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کی کسی چیز کو طبیعت چاہتی ہے؟ فرمایا میری خواہش صرف یہ ہے کہ موت سے قبل مجھے آگاہی حاصل ہو جائے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

الخوف امرضی والشوق احلقنی

الحب اضافی واللّٰہ احیانی

خوف نے مجھے بیمار کر دیا اور شوق نے مجھے جلا ڈالا، محبت نے مجھے فنا کر دیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے زندہ کر دیا۔

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہو گئی اور کچھ ہوش آنے کے بعد حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے مرید) نے وصیت کرنے کے لئے عرض کیا۔ فرمایا کہ اس وقت میں خدا کے احسانات میں گم ہوں۔ اس وقت کوئی بات نہ کرو۔ اس کے بعد انتقال ہو گیا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جس رات آپ کا وصال ہوا ستر آدمیوں (اولیاء اللہ) کو خواب میں حضور انور، حضور پُر نور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ فرما رہے ہیں کہ آج خدا کے دوست ذوالنون نے وفات پائی ہے اور میں اس کے استقبال کے لئے آیا ہوں۔ لوگوں نے آپ کی پیشانی پر یہ لکھا ہو دیکھا کہ **ھذا حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ قتیل اللّٰہ** ۔ ''یہ اللہ کا حبیب ہے جو اللہ کی محبت میں جان دے کر شہید ہوا ہے۔'' جب آپ کا جنازہ اُٹھا تو گرمی کا موسم تھا۔ دھوپ کی شدت کی وجہ سے (شدت کم کرنے کے لئے) آپ کے جنازے پر پرندے سایہ فگن ہو گئے تھے جس طرف سے آپ کا جنازہ گزر رہا ہاں مسجد میں مؤذن اذان دے رہا تھا جس وقت وہ **اشھدان الاالہ اللّٰہ واشھدان محمدرسول اللّٰہ** پر پہنچا تو آپ نے شہادت کی انگلی اُٹھا دی جس کی وجہ سے لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید آپ حیات ہیں لیکن جب جنازہ رکھ کر دیکھا تو آپ مردہ تھے اور انگشت شہادت اٹھی ہوئی تھی اور بہت کوشش کے باوجود بھی سیدھی نہیں ہوئی۔ چنانچہ اسی طرح آپ کو دفن کر دیا گیا اور آپ کی یہ کرامت دیکھ کر اہل مصر آپ کو مسلسل اذیت پہنچانے پر بے حد نادم ہوئے اور انہوں نے اپنی غلطیوں سے توبہ کی۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی ابراہیم ہے۔آپ کی کنیت ابواسحاق ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی ادھم تھا۔اس طرح آپ کا مکمل اسم گرامی ابواسحاق ابراہیم بن ادھم ہے۔اور آپ کو سلطنت بلخ کے جاننے والے ابواسحاق ابراہیم بن ادھم منصور کے پورے نام سے بھی پکارتے تھے،بلاتے تھے۔آپ کیونکہ بلخ کے بادشاہ اور بلخ کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ اکثر ''بلخی'' بھی لکھا جاتا ہے۔

امیر الامراء،سید الاتقا،سالکِ یگانہ وسالکِ طریقِ لقا،ابواسحاق ابراہیم بن ادہم منصور رحمۃ اللہ علیہ یگانہ طریق اور یگانہ روزگار اور اپنے وقت کے سیّد الاولیاء تھے۔آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے بھی شرف ارادت تھا۔آپ نے مشائخ متقدمین میں سے بہت سے مشائخ کی صحبت پائی اور آپ کی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے خاص ملاقات تھی اور ان سے علم حاصل کیا۔اوائل عمر میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تمام علوم کی چابی ابراہیم بن ادھم بلخی ہیں۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش معلوم نہیں ہے البتہ سِنِ وصال کے بارے میں یہ تین 161،162،166 سن ہجری مرقوم ہیں کہ ان میں سے کسی ایک میں آپ کا وصال ہوا۔وصال کی تاریخ کے متعلق ایک کتاب میں 26 جمادی الاول بھی لکھا ہوا ہے۔آپ کے ہم عصروں میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہ،حضرت فضیل بن عیاض،حضرت شقیق بلخی،حضرت رابعہ بصری، حضرت جنید بغدادی،حضرت سہیل بن عبداللہ تستری،حضرت احمد خضرویہ،حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم اور خلیفۂ وقت معتصم باللہ تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ اوائل عمر میں سلطنت بلخ کے سلطان اور مہربان وشفیق عظیم المرتبت حکمران تھے۔شادی شدہ تھے۔اولاد بھی تھی اور بہت ہی خوش اسلوبی سے امور سلطنت چلاتے تھے۔آپ رعایا میں بہت ہر دلعزیز تھے۔آپ فطری طور پر خوش خلق وخوش طبع تھے۔

آپ عبادت گزار تھے اور خوفِ خدا اور ذکرِ الٰہی آپ کو شروع سے ہی محبوب تھے۔ آپ کی طبیعت میں عدل و انصاف اور فکر آخرت نمایاں تھے۔ آپ کے نائب ہونے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ابتداء میں بلخ کے تخت و تاج کے مالک تھے۔ بڑی شان و شوکت اور کروفر سے زندگی گزارتے تھے۔ لیکن دل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی جستجو کا چراغ روشن تھا۔ اس لیے اکثر غور و فکر میں رہتے۔ ایک رات عجیب واقعہ پیش آیا۔ سخت سردی تھی آپ اطلس و کم خواب کا لحاف اوڑھے سو رہے تھے کہ اچانک محل کی چھت پر کسی کے چلنے کی آواز محسوس ہوئی۔ آپ یہ آہٹ پا کر اُٹھے، محل کے اوپر گئے تو دیکھا ایک آدمی چھت پر ادھر اُدھر ٹہل رہا ہے۔ آپ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اور آدھی رات کے وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا میں آپ کا دوست ہوں اور چھت پر اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: شاہی محل کی چھت پر اونٹ کیسے آسکتا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا اگر شاہی محل کی چھت پر اونٹ نہیں آسکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جامہ اطلس پہننے والے کم خواب و مخمل کے لحافوں میں سونے والے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے کو خدا مل جائے۔ اجنبی کا یہ جواب سن کر آپ پر خوف طاری ہو گیا۔ وہ اجنبی تو یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔ مگر آپ تڑپ اُٹھے باقی رات سو نہ سکے بے چینی میں رات گزاری۔

مگر صبح ہوتے ہی پھر شاہی معمولات کے مطابق کام شروع کر دیا۔ جب آپ بڑی شان و شوکت کے ساتھ تاج پہن کر تخت پر بیٹھے تو ایک بارُعب انسان شاہی دربار میں داخل ہوا اور بے دھڑک آگے بڑھتا ہوا شاہی تخت تک پہنچ گیا۔ اس شخص کا محافظ دستوں پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ اُسے روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔ امیر، وزیر اور درباری بھی دم بخود تھے۔ آپ نے تعجب سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیسے آئے ہیں؟ اس شخص نے کہا: میں اس سرائے میں کچھ دیر ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے شخص یہ سرائے نہیں شاہی محل ہے اور یہ شاہی دربار ہے۔ اجنبی نے پوچھا: آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟ آپ نے جواب دیا۔ میرا باپ۔ اجنبی نے کہا اس سے پہلے یہاں کون تھا؟ آپ نے جواب دیا میرے دادا، اس طرح کئی پشتوں تک گن کر اس شخص نے کہا۔ آپ کے بعد یہاں کون رہے گا؟ آپ نے جواب دیا میری اولاد.......... یہ سن کر اجنبی بولے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی جلدی جلدی لوگ یہاں آتے جاتے ہیں تو آپ پھر بھی اسے سرائے نہیں سمجھتے یہ کہہ کر وہ شخص باہر نکل گیا۔ آپ تخت سے اُترے اور تنہا اس کے پیچھے دوڑے اور جا کر پوچھا، اے اللہ کے بندے! آپ یہ تو بتائیں آپ کون ہیں؟ اجنبی نے جواب دیا میں خضر ہوں۔

اسی اُدھیڑ بُن میں آپ لشکر سمیت شکار کے لئے روانہ ہوئے لیکن لشکر سے بچھڑ کر جب تنہا رہ گئے تو غیب سے ندا آئی کہ اے ابراہیم! موت سے قبل بیدار ہو جاؤ اور یہ آواز مسلسل آتی رہی جس سے آپ کی قلبی کیفیت دگرگوں ہوتی چلی گئی، پھر اچانک سامنے ایک ہرن نظر آ گیا اور جب آپ نے شکار کرنا چاہا تو وہ بول پڑا کہ اگر آپ میرا شکار کریں گے تو آپ خود ہی شکار ہو جائیں گے اور کیا آپ کی تخلیق کا یہی مقصد ہے کہ آپ سیر و شکار کرتے پھریں، پھر آپ کی سواری کے زین سے بھی یہی صدا آنے لگی، اور آپ گھبرا کر اس طرح متوجہ الی اللہ ہوئے۔ یہ سنتے ہی آپ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ دل پر گہرا اثر ہوا۔ گھر آ کر لیٹ گئے مگر

چین نہ آیا گھوڑے پر سوار ہوئے اور سیر کو نکل گئے ۔مگر سکون نہ ملا البتہ ایک آواز سنائی دی ۔ابراہیم! اس وقت سے پہلے بیدار ہو جا کہ موت آ کر تجھے جگائے ۔

اسی وقت واپس آئے اور شاہی لباس اُتار دیا ۔تخت و تاج چھوڑ دیا ۔اہل وعیال، محلات، خزانوں اور نوکروں چاکروں کو خیر باد کہا اور جنگلوں کی طرف نکل گئے ۔آپ فقیرانہ لباس پہنے، جنگلوں اور وادیوں سے گزرتے جاتے تھے ۔روتے جاتے تھے ۔گناہوں پر افسوس کر رہے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور استغفار پڑھتے ہوئے جا رہے تھے ۔

صحرانوردی کرتے کرتے ، نیشاپور پہنچ گئے نیشاپور کی پہاڑیوں میں قیام کیا ۔وہاں ایک غار نظر آئی ۔بڑی بھیانک اور خوفناک تھی ۔اسے صاف کیا، پتھر ہٹائے اور (9) نو سال اسی غار میں گزار دیئے ۔عبادت و ریاضت میں دن رات مشغول رہتے ۔ ہر جمعہ کو غار سے باہر نکلتے جنگل سے لکڑیاں کاٹتے اور شہر میں جا کر فروخت کر دیتے جو کچھ ملتا آدھے کی خوراک وغیرہ خرید لیتے اور آدھا راہِ خدا میں بانٹ دیتے ۔جمعہ کی نماز شہر کی بڑی مسجد میں ادا کرتے اور آ کر غار میں عباداتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ۔

موسم سرما میں یخ بستہ پانی کو جس نے برف کی شکل اختیار کر لی تھی تو ڑ کر نہائے اور پوری شب مشغول عبادت رہے اور صبح کو جب ہلاکت آمیز سردی محسوس ہونے لگی تو آپ کو آگ کا خیال آیا اور ابھی اسی خیال میں تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے پشت پر گرم پوستین ڈال دی ہو، جس کی وجہ سے پرسکون نیند آ گئی اور جب بیداری کے بعد دیکھا تو ایک بڑا اژدھا تھا جس کی گرمی نے آپ کو سکون بخشا تھا یہ دیکھ کر آپ خوفزدہ ہو گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے اس کو میرے لئے وجہ سکون بنایا لیکن اب یہ قہر کے روپ میں میرے سامنے ہے یہ کہنا تھا کہ اژدھا پھن زمین پر مارتا ہوا غائب ہو گیا ۔اسی حالت میں جنگلوں، پہاڑوں، وادیوں اور نگری نگری پھرتے پھراتے چالیس سال گزار دیئے ۔

کوہِ قبیس میں حرکت پیدا ہوئی ، وہ لرزنے لگا ۔اس حرکت میں آئے ہوئے پہاڑ کے اوپر نمدے اور ٹاٹ کا لباس پہنے ہوئے ایک درویش جا رہا تھا ۔اس بزرگ کے ساتھ اُس کے چند ساتھی تھے ۔جیسے ہی پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی تو درویش نے کہا قبیس! میں نے تو مثال دی تھی رُک جاؤ ۔کوہِ قبیس رُک گیا ۔اور اس بزرگ کے ساتھی جو پہاڑ کی جنبش کے ساتھ لرز اُٹھے تھے ، جن کے چہرے زرد پڑ گئے تھے ان کی جان میں جان آئی ۔یہ بزرگ ، یہ درویش ، حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ تھے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کوہِ قبیس کے اوپر سے گزر رہے تھے اور اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو! اگر کوئی ولی اللہ پہاڑ کو چلنے کا حکم دے تو پہاڑ چلنے لگتے ہیں ابھی آپ یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ پہاڑ حرکت میں آ گیا تو آپ نے اُسے رُکنے کا حکم دیا اور فرمایا قبیس! میں نے تو مثال دی تھی اور پہاڑ رُک گیا ۔

تو اولیاء اللہ کو پروردگارِ عالم نے اتنی قدرت دے رکھی ہے کہ وہ حکم دیں تو پہاڑ چلنے لگیں ۔اکثر ایسا ہوا ہے کہ سالکین ، اور مقربینِ ربِ کائنات اپنی پاکیزہ زندگی ، اور منزہ سیرت کے باعث خلائق میں ہی نہیں بلکہ خالقِ حقیقی کے دربار میں بھی عظمت و توقیر حاصل کرتے ہیں ۔سلطان المشائخ ، حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ بھی ایسی ہی برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے ۔

آپ نے بہت سے مشائخ عظام کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔مگر خرقہ ارادت حضرت فضیل ابن عیاضؒ سے حاصل کیا۔سلطنت،حکمرانی،خزانے،لشکر،اہل وعیال اور شاہی جاہ وجلال چھوڑ کر عجز وانکساری کا لبادہ اوڑھ لیا۔اور آپ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے آستانے کے ہو کر رہ گئے۔

آپ فاصلے طے کرتے کرتے اور گریہ وزاری فرماتے فرماتے مکمل چالیس برس میں مکہ معظمہ پہنچے،اور جب بزرگانِ اہلِ حرم کو آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ برائے استقبال نکل کھڑے ہوئے۔اس وقت آپ نے محض اس خوف سے کہ کوئی شناخت نہ کرسکے خود کو قافلے سے جدا کرلیا اور جب خادمانِ اہل حرم نے جو آگے آگے تھے دریافت کیا کہ ابراہیم بن ادہمؒ کتنی دور ہیں؟ اس لیے کہ اہل حرم اُن سے نیاز حاصل کرنے آرہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ ایک ملحد و دہریہ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ یہ سنتے ہی خدام حرم نے آپ کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا کہ ملحد و دہریہ تو خود ہے۔آپ نے فرمایا کہ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں اور جب وہ لوگ آگے نکل گئے تو آپ نے اپنے نفس سے فرمایا کہ اپنے کرتوت کی سزا بھگت لی،کیونکہ خدا کا شکر ہے کہ اہل حرم کے استقبال کرنے کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔اس کے بعد جب لوگوں نے آپ کو شناخت کرلیا تو اس قدر عقیدت مند ہو گئے کہ آپ نے بھی وہیں سکونت اختیار کرلی اور بے شمار افراد آپ کے ہاتھوں بیعت ہوئے اور آپ کی یہ حالت تھی کہ حصولِ رزق کے لئے بڑی مشقت کے ساتھ کبھی جنگل سے لکڑیاں لاکر فروخت کرتے اور کبھی کسی کے کھیت پر رکھوالی کا کام کرتے۔

آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی کچھ مدت رہے اور علم کے فیض سے بہرہ ور ہوئے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو سیدنا ابراہیم کہا کرتے تھے۔ایک دن مصاحبین نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔اے امام عالی مرتبہ! ابراہیم سید کیسے بن گئے۔حضرت امام نے فرمایا: دیکھئے ہم دنیا کے کاموں میں زیادہ وقت دیتے ہیں اور سیدنا ابراہیم دن رات اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں مشغول رہتے ہیں۔سرداری ہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں بلند مرتبہ ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابراہیم بن ادہم،تمام علوم کی کلید ہیں۔حضرت ابراہیم بن ادہم سے کسی نے پوچھا۔تصوف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمام مخلوق کو بزرگی کے مقام پر سمجھنا،اور خود کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سپرد کردینا۔ہر لحہ ہر لحظہ خدائے پاک کی طرف نظر رکھنا،اور بندوں کے ساتھ رحم وکرم کا سلوک کرنا۔آپ فرمایا کرتے تھے باطل چیزوں کی طرف کثرت سے دیکھنا اور ان میں زیادہ دلچسپی لینا دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت چھین لیتا ہے۔حرص وطمع کی کمی،راست بازی اور پرہیز گاری پیدا کرتی ہے اور کھانے کی تلاش اس لیے کرنی چاہیے کہ اس کے باعث رات کا قیام،اور بدن کا روزہ رکھا جاسکے۔

آپ نے توبہ کرکے زُہد وتقویٰ اختیار کیا۔حضرت فضیل ابن عیاض اور سفیان ثوریؒ سے بھی فیض صحبت حاصل کیا اور توبہ کے بعد آپ ساری عمر اپنی روزی خود کماتے تھے۔آپ کا مقام بہت بلند اور کرامات بہت مشہور ہیں اور حقائقِ تصوف میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفاتیح العلوم ابراهیم۔علوم کی چابی ابراہیم ہیں۔

اس سے پہلے آپ جنگلوں میں دور تک جب نکل گئے تو ایک بزرگ آپ کو ملے انہوں نے آپ کو اسم اعظم سکھا دیا۔اسم

اعظم کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی کو آپ نے ذکر الٰہی بنالیا۔اس عرصہ میں آپ کی ملاقات پھر حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی انہوں نے آپ کو بتایا جنہوں نے آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی تھی وہ میرے بھائی مہتر الیاس تھے۔ان کا تسلط پانیوں پر ہے۔اس کے بعد وہیں آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے بیعت کی۔بہت سے مشائخین کی صحبت میں رہ کر روحانی استفادہ حاصل کیا۔مگر زیادہ عرصہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔

جب آپ پر واردات غیبی کا نزول ہوتا تو آپ فرماتے کہ دُنیا کے بادشاہ اور شہنشاہ اس واردات کو دیکھیں تو اپنی سلطنت اور شان وشوکت پر شرمندہ ہوں۔فرمایا کرتے تھے جسے تین حالتوں میں سکون حاصل نہ ہو۔اس پر رحمت کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ایک تلاوت کلام پاک کے وقت، دوسرے نماز میں اور تیسرے ذکر الٰہی میں۔فرمایا عارف کی شناخت یہ ہے کہ وہ ہر شے میں جلوہ خداوندی دیکھتا ہے اور ہر شے میں عبرت کے لئے غور کرتا ہے۔

جس وقت آپ نے سلطنت بلخ کو چھوڑا اس وقت آپ کا ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔وزراء امراء نے اس کی تاج پوشی کی اور اس کی جگہ سلطنت کا کام چلانے لگے۔جب رعایا کو معلوم ہوا تو لوگوں کو سخت صدمہ ہوا۔کیونکہ آپ سلطان عادل تھے رعایا کے خیر خواہ تھے۔رعایا کی خوشحالی کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیتے تھے۔وہ آپ کے پیچھے گئے اور دور دراز جنگل میں آپ سے جا ملے۔آپ کو واپس لانے اور تخت سنبھالنے کے لئے بڑی منت سماجت کی۔پاؤں پڑے، گریہ زاری کی، جب انتہا ہوگئی تو آپ نے فرمایا ایک شرط پر واپس چلتا ہوں۔لوگوں نے کہا ہم آپ کے لیے جانیں قربان کر دیں گے۔آپ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔اس وقت آپ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے تھے آپ نے ایک سوئی لی اور گہرے پانی میں پھینک دی۔دریا بھی اس وقت پورے جوش پر تھا۔آپ نے فرمایا اگر یہ ڈھونڈ لاؤ تو میں واپس تمہارے ساتھ چلا جاؤں گا۔

لوگوں نے غوطہ خوروں اور پیراکوں کو بلایا۔وہ شام تک سوئی ڈھونڈنے میں مصروف رہے۔مگر کامیاب نہ ہوئے۔آپ نے سب کو حکم دیا بیٹھ جاؤ اور مچھلیوں کو حکم دیا کہ سوئی تلاش کر کے لاؤ۔سینکڑوں چھوٹی بڑی مچھلیاں منہ میں سوئیاں لیے حاضر ہو گئیں۔مگر وہ سوئی کسی کے منہ میں نہیں تھی۔آپ نے پھر حکم دیا وہی سوئی لاؤ جو میں نے پھینکی تھی۔پھر سینکڑوں مچھلیاں سوئیاں لے کر آئیں۔ایک ننھی سی مچھلی کے منہ میں وہ سوئی تھی۔آپ نے اس کے منہ سے وہ سوئی لے کر سب کو دکھائی اور فرمایا: اب تم انصاف کرو، وہ دُنیا کی بادشاہی اچھی ہے یا یہ بادشاہی بہتر ہے۔سب واپس آگئے۔کہتے ہیں پرانے درزیوں کی سوئی گم ہوتی تھی تو وہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو یاد کرتے تھے، سوئی جلدی مل جاتی تھی۔

آپ سے حضرت شفیق بلخیؒ نے پوچھا آپ نے دُنیا کیوں چھوڑ دی۔آپ نے فرمایا اپنے دین کو لے کر صحراؤں اور جنگلوں میں اس لیے سر چھپائے پھرتا ہوں کہ دیکھنے والے مجھے دیوانہ، مزدور یا کوئی بہت معمولی آدمی تصور کریں اور میں دین کو سلامت لے کر موت کے دروازے سے نکل جاؤں۔

ایک مرتبہ آپ بیت المقدس میں مقیم تھے۔مسجد کے محافظوں اور پہرہ داروں کے خوف سے رات اپنے اوپر چٹائی لپیٹ

لیتے ۔ایک رات ابھی ایک تہائی رات گزری تھی کہ دروازہ خود بخو د کھل گیا ۔ایک بزرگ چالیس درویشوں کے ساتھ داخل ہوئے ۔ وہاں نماز ادا کی ،نماز سے فارغ ہو کر دُعا کے لیے بیٹھے تو لوگوں نے کہا آج یہاں کوئی اجنبی آدمی ہے ۔اس امامت کرانے والے بزرگ نے فرمایا ابراہیم بن ادہم ہے ۔چالیس روز سے یہاں عبادت کر رہا ہے مگر اس کو عبادت میں لذت محسوس نہیں ہوتی ۔وہ سب لوگ ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے یہ سن کر آپ چٹائی سے باہر نکلے اور ان لوگوں میں شامل ہو گئے ۔

آپ فرماتے ہیں کہ اتخذاللّٰہ صاحبا و ذرالناس جانبا ۔''اللہ سے دوستی لگاؤ اور خلقت کو ایک طرف پھینک دو ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو جاتا ہے اور دوستیِ حق میں اخلاص پیدا ہوتا ہے تو خلقت کی صحبت خود بخود چھوٹ جاتی ہے ۔کیونکہ صحبت حق کے مقابلہ میں صحبت خلق کوئی چیز نہیں ہے اور صحبت حق کا تقاضا عبادت میں خلوص ہے اور خلوص کا تقاضا محبت ہے ،مخلوق (خدا) کے ساتھ ۔اور حق تعالیٰ سے محبت و خلوص نتیجہ ہے نفسانی خواہشات کی مخالفت کا ۔کیونکہ جو شخص ہوائے نفس سے آشنا ہوتا ہے خدا سے جدا ہوتا ہے اور جو کوئی ہوائے نفس سے جدا ہوتا ہے واصلِ خدا ہوتا ہے ۔اس سے ظاہر ہے دراصل خلقت سے مراد تیرا اپنا نفس ہے ۔جب تو اپنے نفس سے علیحدہ ہو گیا تو گویا تو ساری خلق سے علیحدہ ہو گیا اور جو شخص خلق سے کنارہ کشی کرتا ہے لیکن اپنے نفس کا کہا مانتا ہے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے ۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب میں بیابان میں سفر کر رہا تھا تو ایک پیر مرد نے سامنے آ کر کہا اے ابراہیم! تجھے معلوم ہے کہ یہ کیسی جگہ ہے اور تو زادِراہ کے بغیر یہاں سفر کر رہا ہے ۔لیکن مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ شیطان ہے ۔اس وقت میری جیب میں چار درہم تھے جو مجھے کوفہ میں ایک زنبیل فروخت کرنے سے ملے تھے میں نے انہیں نکال کر باہر پھینک دیا اور ارادہ کر لیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نفل ادا کرتا جاؤں گا ۔

(یہ مخالفت نفس ہے تا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نماز پڑھنے سے بیابان میں زیادہ وقت بسر ہو حالانکہ نفس چاہتا تھا کہ یہاں سے جلدی نکل جاؤں ۔مخلص بندگانِ خدا اپنے نفس کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ۔)

آپ فرماتے ہیں کہ چار سال تک بیابان میں سفر کرتا رہا اور اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے بلا تکلیف وقت پر کھانا دیتا تھا ۔اس سفر میں حضرت خضر علیہ السلام بھی میرے ساتھ تھے اور انہوں نے مجھے اسم اعظم بتایا جس کی وجہ سے میرا دل غیر اللہ سے بالکل فارغ ہو گیا ۔

اسم اعظم کے متعلق معلوم کرنے لئے ساری دُنیا کوشاں ہے لیکن اپنے پیارے بندوں کو حق تعالیٰ اپنے اسم اعظم سے آگاہ فرما دیتا ہے ۔اسم اعظم کے متعلق بزرگانِ دین میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض اسم مبارک (اللہ) کو اسم اعظم قرار دیتے ہیں ۔بعض اسم مبارک (رحمٰن) کو ۔یہ اختلاف شاید اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کی مناسبت سے اسم اعظم مختلف ہو سکتا ہے ۔بعض کہتے ہیں کہ اسم اعظم ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں اور جملہ ہم معنی اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم اعظم ہوتا ہے ۔مثلاً کریم ،رحیم ،رحمٰن ،رؤف میں سے ایک اسم اعظم ہو گا اس طرح جبار ،قوی ،قاہر ،قہار میں سے ایک اور اسم اعظم ہو گا ۔ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ

اللہ علیہ سے کسی نے اسم اعظم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔

اسم اعظم ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔حق فرمایا ہے اور جس بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں اسم اعظم ہوں، انہوں نے بھی حق فرمایا ہے۔حضرت ابو بکر شبلیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا حرف با ہوں اور حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو فرمایا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہوں۔لہٰذا اسم اعظم کے متعلق دوسرا اشارہ یہ ہے کہ جو شخص حضرت ابو بکر شبلی اور حضرت بایزید بسطامیؒ کے قول کے مطلب سمجھ لے گا وہ اسم اعظم بھی سمجھ لے گا اس سے زیادہ نہیں بتایا جا سکتا اور اسم اعظم کی برکت یہ ہے کہ یہ نام لے کر جو کام کیا جائے ہو جاتا ہے۔**و اللہ اعلم بالصواب۔**

آپ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں اور جوان لڑکوں سے بچو۔جب آپ کا لڑکا جوان ہوا تو باپ کی محبت نے جوش مارا اور وہ آپ کو تلاش کرتے کرتے مکہ مکرمہ جا پہنچا۔لڑکے نے نہ پہچانا مگر آپ نے پہچان لیا۔آپ نے اسے گلے لگایا اور بہت پیار کیا۔مرید اس پر خوش نہ ہوئے کہ ہمیں تلقین فرماتے ہیں بے ریش لونڈوں سے بچو۔آپ سمجھ گئے اور فرمایا یہ میرا بیٹا ہے جسے میں ماں کی گود میں چھوڑ کر دُنیا سے فرار اختیار کر گیا تھا۔پھر لڑکے سے دین کے متعلق کئی سوال کیے جن کے جوابات اس نے بہترین طریقے سے دیئے۔پھر آپ نے اسے پیار کر کے رُخصت کر دیا۔

آپ نے ایک درویش کو دیکھا جو مفلسی کی شکایت کر رہا تھا آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے تجھے درویشی مفت میں ملی ہے۔اس درویش نے جواب دیا کیا درویشی خریدی بھی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا بھائی میں نے بلخ کا تخت و تاج دے کر درویشی خریدی ہے اور پھر بھی سمجھتا ہوں کہ یہ مجھے ارزاں (سستی) ملی ہے۔

ایک دن ایک آدمی آپ کو ایک ہزار درہم دینے آیا اور التجا کی کہ اس حقیر سے نذرانے کو قبول فرمائیں۔آپ نے فرمایا میں محتاجوں سے کچھ نہیں لیا کرتا۔اس شخص نے کہا اے محترم بزرگ! میں محتاج نہیں ہوں، امیر آدمی ہوں۔دولت مند ہوں۔آپ نے فرمایا: کیا تیرے دل میں یہ خواہش نہیں ہے کہ تیری دولت اور زیادہ ہو جائے۔اس نے جواب دیا۔ہاں میرے محترم بزرگ یہ خواہش تو میرے دل میں ہے۔آپ نے فرمایا تو یہ اپنا روپیہ اُٹھا لے۔کیونکہ میرے خیال میں تو محتاجوں کا سردار ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک کتاب لیے ہوئے تھے۔آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوستوں کے نام ہیں۔پوچھا دیکھو میرا نام بھی ان میں ہے؟ انہوں نے فرمایا آپ کا نام اس میں نہیں۔دیکھو شاید اس کے دوستوں اور بندوں سے محبت کرنے والوں میں میرا نام ہو؟ یہ سن کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کا نام سب سے اوپر لکھ لو۔

فرمایا جس کا دل تین حالتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف مائل نہ ہو تو یہ اس امر کی نشانی ہے کہ اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ایک تلاوت کلام پاک کے وقت، دوسرے نماز کے وقت، تیسرے ذکر الٰہی کے وقت۔فرمایا عارف کی نشانی یہ ہے کہ فکر کرے، ہر شے سے عبرت حاصل کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت و ثناء کرتا رہے۔

ایک مرتبہ آپ سفر کر رہے تھے اور راستے میں ایک سپاہی مل گیا اور اس نے جب آپ کا نام پوچھا تو آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر سپاہی کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگا کہ مجھ سے دل لگی کرتے ہو؟ وہ آپ کی گردن میں رسی ڈال کر زدوکوب کرتا ہوا آبادی میں لے آیا اور جب اہل قریہ (گاؤں ۔ آبادی) نے سپاہی سے کہا کہ تم نے یہ کیا ستم کیا ؟ یہ تو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ سن کر جب اس نے معافی طلب کی تو فرمایا کہ تم نے ظلم کر کے مجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔ اس لئے میں تجھے دعا دیتا ہوں کہ تو بھی جنت میں جائے ، اس کے بعد کسی بزرگ نے اہل بہشت کو خواب میں دیکھا کہ ان کے دامن موتیوں سے لبریز ہیں اور جب اس بزرگ نے اہل بہشت سے سوال کیا تو بتایا گیا کہ ایک ناواقف نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا سر پھوڑ دیا تھا اور ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ جب وہ داخل بہشت ہوں تو ان پر موتی نچھاور کئے جائیں۔

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے کہ پندرہ سال کی مکمل اذیتوں کے بعد مجھے یہ ندا سنائی دی کہ عیش و راحت کو ترک کر۔ اس کی بندگی اور احکام کی تعمیل کے لئے مستعد ہو جا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے سلطنت کو کیوں خیر باد کہا! فرمایا کہ ایک دن آئینہ لئے ہوئے میں تخت شاہی پر متمکن تھا تو اس وقت مجھے خیال آیا کہ نہ تو میرے پاس طویل سفر کے لئے زادِ راہ ہے اور نہ کوئی حجت و دلیل ، جب کہ میری آخری منزل قبر ہے اور حاکم بھی عادل و منصف ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی میرا دل بجھ سا گیا اور مجھے سلطنت سے نفرت ہو گئی۔ پھر لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے خراساں کو خیر باد کیوں کہا؟ فرمایا کہ روزانہ لوگ مزاج پرسی کو آنے لگے تھے۔ پھر سوال کیا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ فرمایا کہ کیا کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر ننگی بھوکی رہنے کے لئے نکاح پر تیار ہو سکتی ہے؟ اور اگر میرا بس چلے تو میں اپنے آپ ہی کو طلاق دے دوں ، پھر بھلا ان حالات میں کس طرح کسی عورت کو اپنی وابستگی سے فریب دے سکتا ہوں۔ کسی نے ایک درویش سے سوال کیا کہ کیا آپ کی بیوی ہے؟ تو درویش نے نفی میں جواب دیا جس کے بعد سائل نے جواب میں کہا کہ آپ بہت اچھے رہے، کیونکہ جس نے نکاح کیا وہ گویا کشتی پر سوار ہو گیا اور جب اولاد کا سلسلہ شروع ہوا تو سمجھ لو کہ کشتی غرق ہو گئی۔

حضرت محمد مبارک صوفی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے ہمراہ بیت المقدس کے سفر میں دوپہر کے وقت ایک انار کے درخت کے نیچے نماز ادا کی ، اس وقت درخت میں سے ندا آئی کہ میرا پھل کھا کر عزت افزائی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے دو انار توڑ کر ایک مجھے دیا اور ایک خود کھایا، لیکن اس وقت وہ درخت بھی چھوٹا تھا اور انار بھی ترش تھے مگر جب ہم بیت المقدس سے واپس ہوئے تو وہ بہت قد آور ہو گیا تھا اور انار بھی بہت شیریں تھے اور سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ اسی کرامت کی بناء پر اس درخت کو "رمان العابدین" کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

کسی بزرگ کے ہمراہ کشتی میں شریک سفر تھے کہ اچانک شدید طوفان آیا اور لوگ خوف سے لرز گئے اسی وقت غیب سے ندا آئی کہ غرقابی کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ تمہارے ہمراہ ابراہیم بن ادہم بھی ہیں، آواز کے بعد طوفان تھم گیا ، اور ایک مرتبہ آپ کشتی پر سفر کر رہے تھے تو شدید طوفان آ گیا اور آپ نے قرآن کریم ہاتھ میں لے کر کہنا شروع کیا کہ یا اللہ ہمارے ہمراہ تیری مقدس

کتاب بھی ہے اور ہماری غرقابی سے یہ بھی غرق ہو سکتی ہے،ندا آئی کہ ایسا نہیں ہوگا۔ایک مرتبہ آپ نے کشتی پر سفر کا قصد فرمایا تو ملاح نے کرایہ طلب کیا اور اس وقت آپ کے پاس کچھ نہیں تھا اور آپ نے نماز پڑھ کر دعا کی یا اللہ یہ ملاح کرایہ طلب کرتا ہے چنانچہ اس وقت پورا ریگ زار سونا بن گیا اور آپ نے ایک مٹھی بھر کر ملاح کو دے دی۔

اگر کوئی آپ کی معیت اختیار کرنا چاہتا تو آپ اس کے سامنے تین شرطیں پیش فرماتے۔اوّل یہ کہ میں سب کا خادم بن کر رہوں گا۔دوم اذان بھی میں خود دیا کروں گا۔سوم جو شے میسر ہوگی وہ سب کو مساوی تقسیم کروں گا۔جب ایک شخص نے کہا میں ان شرائط کی پابندی نہیں کر سکتا تو فرمایا کہ مجھے تیری صداقت پر حیرت ہے۔

سفر حج کے دوران آپ کو کھانا میسر نہ آیا تو ابلیس نے سامنے آکر کہا،سلطنت چھوڑ کر سوائے فاقہ کشی کے اور کیا ملا؟اس وقت آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ غنیم (دشمن) کو دوست کے پیچھے کیوں لگادیا؟ندا آئی کہ تمہاری جیب میں جو چیز ہے اسے پھینک دو تا کہ تمہیں اس کا راز معلوم ہو جائے،چنانچہ آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو تھوڑی سی چاندی برآمد ہوئی وہ پھینکتے ہی ابلیس رفو چکر ہو گیا۔

ایک یوم آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا تو شکرانے کی چار سو رکعتیں ادا کیں اور جب اسی طرح مکمل سات یوم گزر گئے اور آپ کے ضعف و کمزوری میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے بھوک کا اظہار کیا۔چنانچہ اسی وقت ایک نوجوان آپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور آپ کو پہچان کر عرض کیا میں آپ کا دیرینہ غلام ہوں اور میری تمام املاک آپ ہی کی ملکیت ہے۔یہ سن کر آپ نے اسے آزاد کر کے تمام جائیداد اسی کے حوالہ کر دی اور یہ عہد کر لیا کہ اب کبھی کسی سے کچھ طلب نہ کروں گا،کیونکہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی طلب پر پوری دنیا پیش کر دی گئی۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ آپ کے ہمراہ دورانِ سفر بیمار ہو گیا اور آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب میری بیماری پر خرچ کر دیا اور جب سب چیزیں ختم ہو گئیں تو اپنا خچر فروخت کر کے خرچ کیا اور صحت یاب ہونے کے بعد جب میں نے خچر کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ تو میں نے فروخت کر دیا۔پھر جب میں نے عرض کیا کہ میں سفر کس طرح کر سکوں گا تو فرمایا کہ میرے کاندھوں پر اور آپ یقین کریں کہ مجھے اپنے کاندھوں پر بٹھا کر تین منزل تک سفر طے کیا۔

کسی نے آپ سے نصیحت کرنے کی خواہش کی تو فرمایا کہ خالق کو محبوب رکھتے ہوئے مخلوق سے کنارہ کش ہو جاؤ اور بند کو کھول دو،اور کھلے ہوئے کو بند کر لو،اور جب اس نے اس جملے کا مفہوم پوچھا تو فرمایا کہ سیم و زر کی محبت چھوڑ کر تھیلی کا منہ کشادہ کر دو اور لغویات سے احتراز کرو۔حضرت احمد خضرویہؒ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے حالت طواف میں کسی سے فرمایا کہ جب تک اپنے اوپر عظمت و عزت اور خواب و امارت کا دروازہ بند کر کے فقر و ذلت اور بیداری کا دروازہ کشادہ نہ کرو گے اس وقت تک تمہیں صالحین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک غلام خرید کر جب اس کا نام دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ چاہے جس نام سے پکاریں۔ پھر میں نے جب یہ سوال کیا کہ تم کیا کھاتے ہو تو اس نے کہا جو آپ کھلا دیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جو آپ کی خواہش ہو، غلام کو ان چیزوں سے بحث نہیں ہوا کرتی۔ یہ سن کر میں نے سوچا کہ کاش میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یونہی اطاعت گزار ہوتا تو کتنا بہتر تھا۔

خلیفہ معتصم باللہ نے جب آپ سے آپ کی مصروفیات کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ میں نے دُنیا و آخرت ان کے طلب گاروں کے لئے وقف کر کے اپنے لئے آخرت میں صرف دیدارِ الٰہی کو منتخب کر لیا ہے، پھر جب کسی اور نے آپ سے یہی سوال کیا تو فرمایا کہ اللہ کے کارندوں کو کسی بھی کام کی حاجت نہیں رہتی۔

ایک مرتبہ حجام آپ کا خط بنا رہا تھا کہ کسی نے عرض کیا، اس کو کچھ معاوضہ دے دیجئے گا، چنانچہ آپ نے ایک تھیلی اُٹھا کر اس کو دے دی، لیکن اسی وقت اتفاق سے ایک سائل آ گیا اور حجام نے وہ تھیلی اسے دے دی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اس میں تو سونا اور اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے کہا کہ اس کا علم تو مجھ کو بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ انسان دل سے غنی ہوتا ہے نہ کہ دولت سے۔ لیکن میں جس کی راہ لٹاتا ہوں اس سے آپ ناواقف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ جملہ سن کر مجھے بے حد ندامت ہوئی اور میں نے نفس سے کہا جیسا تو نے کیا ویسی ہی سزا مل گئی۔

لوگوں نے جب آپ سے یہ سوال کیا کہ کیا حالتِ فقر میں آپ کو کبھی مسرت بھی حاصل ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا کہ بہت مرتبہ اور ایک مرتبہ میں کثیف کپڑوں اور بڑھے ہوئے بالوں کی حالت میں کشتی پر سوار ہو گیا اور اہل کشتی میرا مذاق اُڑانے لگے حتیٰ کہ ایک مسخرہ بار بار میرے بال نوچتا اور سر پر چپت لگاتا، چنانچہ اس وقت مجھے اپنے نفس کی رسوائی پر بے حد مسرت ہوئی۔ پھر اسی دوران دریا میں طوفان آ گیا اور ملاح نے کہا اس دیوانے کو دریا میں پھینک دو اور جب لوگوں نے میرا کان پکڑ کر پھینکنا چاہا تو طوفان ٹھہر گیا اور مجھے اپنی ذلت پر بے حد خوشی ہوئی۔

آپ فرمایا کرتے کہ میں توکل کر کے ایک جنگل میں پہنچ گیا اور جب وہاں کئی یوم کچھ نہ کھانے کے بعد یہ خیال آیا کہ قریب میں میرے ایک دوست رہتے ہیں ان کے ہاں چل کر کچھ کھا لیا جائے لیکن اس وقت یہ تصور بھی آیا کہ اس طرح تو میرا توکل ہی کالعدم ہو جائے گا۔ ایک مسجد میں پہنچ کر یہ کلمہ ورد کرنا شروع کر دیا کہ **توکلت علی الحی الذی لایموت**۔ یعنی میرا توکل اس پر ہے جو زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔ اس کے بعد ندائے غیبی آئی کہ اس کو کسی طور پر بھی متوکل تصور نہیں کیا جا سکتا جو دوستوں کے یہاں کھانے کا ارادہ کرتا ہو۔ آپ اکثر یہ بھی فرمایا کرتے کہ میں نے ایک متوکل سے جب یہ دریافت کیا کہ تمہارے پاس کھانا کہاں سے آتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ سوال تو آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کریں، میرے پاس تو ایسی بیہودہ بات کا جواب نہیں ہے۔

فرمایا کہ تین حجابات رفع ہو جانے کے بعد قلب سالک پر سارے خزانے کشادہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ کبھی دُنیا

کی سلطنت قبول نہ کرے۔دوم اگر کوئی شے سلب کر لی جائے تو غمزدہ نہ ہو کیونکہ کسی شے کے حصول پر اظہار مسرت کرنا حریص ہونے کی علامت ہے اور غم کرنا غصہ کی نشانی ہے۔سوم یہ کہ کسی طرح کی تعریف و بخشش پر کبھی اظہار مسرت نہ کرے۔کیونکہ اظہار مسرت کرنا کمتری کی علامت ہے اور احساس کمتری والا ہمیشہ ندامت کا شکار ہوتا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے دعاؤں کی عدم قبولیت کی شکایت کی تو فرمایا، کہ تم خدا کو پہچانتے ہوئے بھی اس کی اطاعت سے گریزاں ہو اور اس کے قرآن و رسول سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتے، اور اس کا رزق کھا کر بھی اس کا شکر نہیں کرتے، جنت میں جانے اور جہنم سے نجات پانے کا انتظام نہیں کرتے، ماں باپ کو دفن کر کے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ابلیس کو غنیم جانتے ہوئے بھی اس سے معاندت نہیں کرتے، موت کی آمد کا یقین رکھتے ہوئے اس سے بے خبر ہو اور اپنے عیوب سے واقف ہوتے ہوئے بھی دوسروں کی عیب جوئی کرتے رہتے ہو، پھر بھلا خود سوچو کہ ایسے لوگوں کی دعائیں کیسے قبولیت حاصل کر سکتی ہیں۔

کسی نے آپ سے نصیحت کرنے کی خواہش کی فرمایا، کہ چھ عادتیں اختیار کر لو: اول جب تم ارتکاب معصیت کرتے ہو تو خدا کا رزق مت استعمال کرو۔دوم اگر معصیت کا قصد ہو تو خدا کی مملکت سے نکل جاؤ۔سوم ایسی جگہ جا کر گناہ کرو جہاں وہ دیکھ نہ سکے۔اور اس پر جب لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ کون سی جگہ ہے جہاں وہ نہیں دیکھ سکتا۔جب کہ وہ اسرار قلوب تک سے واقف ہے تو فرمایا کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ اس کا رزق استعمال کرو، اور اس کے ملک میں رہو اور اس کے سامنے گناہ بھی کرو، چہارم فرشتہ اجل سے توبہ کا وقت طلب کرو، پنجم منکر نکیر کو قبر میں مت آنے دو، ششم جب جہنم میں جانے کا حکم ملے تو انکار کر دو۔یہ باتیں سن کر سائل نے عرض کیا کہ یہ تمام چیزیں تو ناممکنات میں سے ہیں کوئی بھی ان کی تکمیل نہیں کر سکتا۔آپ نے فرمایا کہ جب یہ تمام چیزیں ناممکن العمل ہیں تو پھر گناہ نہ کرو۔یہ سن کر وہ شخص تمام گناہوں سے تائب ہو کر اسی وقت آپ کے سامنے فوت ہو گیا۔

آپ نے کنوئیں سے ڈول نکالا تو ڈول سونے سے لبریز نکلا۔آپ نے اسے پھینک کر پھر ڈول ڈالا تو چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔اور تیسری مرتبہ موتیوں سے، اس وقت آپ نے کہا یا اللہ میں تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے پانی کا خواستگار ہوں میری نگاہوں میں سیم و زر کی کوئی وقعت نہیں۔سفر حج کے دوران آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس خورونوش کا کوئی انتظام نہیں۔فرمایا کہ خدا پر بھروسہ رکھو اور اس درخت کی جانب دیکھو جو اس وقت پورا سونے کا بن چکا ہے۔

آپ کچھ بزرگوں کے ہمراہ ایک قلعہ کے نزدیک پڑاؤ ڈال کر آگ روشن کرنے لگے تو کسی نے کہا کہ اس جگہ آگ اور پانی دونوں کا انتظام ہے لہٰذا اگر کہیں سے جائز قسم کا گوشت مل جائے تو بھون کر کھائیں۔آپ یہ فرما کر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو سب قدرت ہے مشغول نماز ہو گئے۔اس وقت کہیں سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی اور تمام بزرگوں نے کہنا شروع کیا کہ شیر ایک گورخر کو ہماری جانب گھیر کر لا رہا ہے۔چنانچہ سب نے گورخر پکڑ کر ذبح کیا اور جب تک سارے لوگ کھانا کھاتے رہے وہ شیر نگرانی کرتا رہا۔

آپ کا وصال 26 جمادی الاوّل سن ہجری 161 بمطابق 778ء، 162 یا 166 بمطابق 779ء، 783ء میں ہوا۔ **واللہ اعلم۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ کے انتقال کے بعد پورے عالم نے یہ ندا سنی کہ آج دُنیا کا امن فوت ہوگیا۔ اس کے بعد آپ کے انتقال کی اطلاع ملی، لیکن آپ کی گمشدگی کی وجہ سے نہ تو یہ معلوم ہو سکا کہ آپ کا مزار کہاں ہے اور نہ یہ پتہ چلا کہ انتقال کس جگہ ہوا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مزار بغداد میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ حضرت لوط علیہ السلام کی قبر کے نزدیک شام میں مدفون ہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی مالک ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا نام انس تھا اور آپ کے دادا کا اسم گرامی اصبحی تھا۔ایک موقع پر جب آپ نے اپنا تعارف عوام الناس یا لوگوں سے کروایا تو یہی فرمایا، میں امام مالک بن انس بن اصبحی ہوں۔

آپ دینی علوم کے بہت بڑے عالم تھے۔آپ جنون کی حد تک حصول علم میں غرق رہتے تھے۔آپ شریعت وطریقت کے پیشوا ہیں، رہنما ہیں۔آپ تقویٰ اور پرہیز گاری میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔آپ عالِم باعمل تھے اور پاکیزہ خیالات کے حامل تھے۔آپ کی تصانیف بہت ہیں اوران تصانیف میں ''موطا'' کو بہت بلند درجہ حاصل ہے۔یہ کتاب مجموعہِ احادیث ہے۔ آپ کے وقت میں مدینہ منورہ علوم کا مرکز تھا۔عبدالرحمٰن بن مہدی، عروہ بن زبیر، ربیعہ رائی، ابن شہاب محمد بن عجلان اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہم جیسے بڑے بڑے جید علماً سے آپ نے فیض حاصل کیا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش 93 ہجری بمطابق 712ء ہے اوراس پرتمام مورخین کا اتفاق ہے۔آپ نے حضرت امام جعفر صادق، اور حضرت امام ابو حنیفہ، عروہ بن زبیر، ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہم سے فیض پایا اور حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت رابعہ بصریؒ سے بھی شرف ملاقات وتبادلہ خیالات ہوتا رہا۔حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے آپ سے فیض پایا ہے، آپ کے شاگرد رہے ہیں۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 86 سال کی عمر پائی۔آپ نے 9، 11 یا 14 ربیع الاوّل 179 ہجری بمطابق 795ء کو وصال پایا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

ایک دن مدینہ منورہ کے باہر ایک شخص گھوڑے سے اُترا۔دراز قد، گورا رنگ، چہرے پر نورانی داڑھی، مونچھیں ترشی، صاف ستھرا اور بہترین سفید لباس۔لباس سے بھینی بھینی خوشبو کے ہلکے ہلکے جھونکے لہروں کی صورت اُٹھ رہے تھے۔وہ گھوڑے سے اُترا اور بڑے دھیمے لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا لگام تھام لو اور کچھ باتیں کیں۔اس کی باتوں سے محبت کی خوشبو آرہی تھی۔وہ

خود مدینے میں پیادہ داخل ہوا۔ وہ مدینہ پاک کی گلیوں میں بڑے اَدب سے گزر رہا تھا۔ راستے میں ایک شخص نے دیکھا تو احتراماً ایک طرف کھڑا ہو گیا اور پوچھا: آپ مدینے منورہ کی گلیوں میں ہمیشہ پیدل ہی چلتے ہیں۔ سواری پیچھے پیچھے کوئی ساتھی لیے چلا آرہا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ شہرِ نبی ﷺ ہے۔ وہ شاہِ دو جہاں ہیں اور میں آپ ﷺ کا غلام ہوں۔ میں اس لیے گھوڑے سے اُتر جاتا ہوں کہ شاید حضور ﷺ یہاں سے پیدل گزرے ہوں اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر گزروں تو یہ بہت بڑی گستاخی ہوگی۔''

یہ امام مالکؒ تھے۔ جن کے دینی علوم کی شہرت آج تک دُنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے۔ تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت 93 ہجری میں ہوئی۔

آپ جس دور میں پروان چڑھے اس دور میں ہر طرف علم کا چرچا تھا۔ حصولِ علم میں لوگ دور دراز علاقوں سے یہاں آتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ جنون کی حد تک حصولِ علم میں غرق رہتے۔ ایک مرتبہ آپ نے کچھ کتابیں خریدنی تھیں پیسے نہیں تھے۔ آپ نے اپنے مکان کے چھت کی کڑیاں بیچ کر کتابیں خریدیں۔ شوق کا یہ عالم انتہا ہے۔ اس وقت مدینۃ النبی ﷺ علم کا مرکز تھا۔ آپ نے بڑے بڑے جید علماء سے فیض حاصل کیا۔

حضور پُر نور، پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ علم کی تلاش میں اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے مگر مدینہ سے بہتر عالم نہیں ملیں گے۔ مورخ کہتے ہیں کہ یہ حضرت امام مالکؒ کے دور کی طرف اشارہ تھا۔

آپ کے جدِ امجد حضرت ابو عامر بن عمرو جلیل القدر صحابہ کرام میں سے تھے۔ سوائے غزوہ بدر کے انہوں نے نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ بن مالک بن ابی الحارث الاصبحی آپ کے پردادا تھے۔ حضرت امام مالکؒ کو امام دار الہجرت بھی کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے سرورِ انبیا ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضور پاک ﷺ نے کاغذ کا ایک سفید ٹکڑا آپ کے مصلے کے نیچے رکھ دیا اور فرمایا میں نے تمہارے لیے منبر کے نیچے علم چھپا دیا ہے۔ حضور ﷺ کی جانب سے اس بشارت نے انہیں پُر امید بنا دیا۔ آپ نے سینکڑوں علماء سے علم کا فیض حاصل کیا۔ تمام عمر مدینہ پاک میں گزار دی اس شہر میں آپ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ ان شہرت یافتہ شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اسی شہرِ نبی ﷺ میں جب مسندِ درس پر بیٹھتے تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں جوق در جوق کھنچے چلے آتے۔ آپ بڑے استغراق اور انہماک سے درس دیتے۔ درس دیتے وقت محویت کا یہ عالم ہوتا کہ ایک مرتبہ ایک بچھو بار بار آپ کو کاٹتا رہا مگر آپ نے ذرّہ بھر بھی جنبش نہ کی اور نہ پہلو بدلا، بلکہ مسلسل درس دیتے رہے۔ جب درس دینے کے لیے جاتے تو بڑا اہتمام کرتے۔ خوب نہا دھو کر پاکیزہ اور صاف ستھرے کپڑے پہنتے اور خوشبو لگا کر درس دینے کے لیے جاتے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو ان دنوں میرے ایک عمِ محترم نے مجھے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک بن انسؒ کے پاس جانے کے لئے کہا۔ حضرت امام مالک بن انسؒ کی خدمتِ اقدس میں رہ کر میں نے خوب علمِ حدیث حاصل کیا۔

اس دوران حضرت امام مالک بن انسؒ نے مجھے اس بشارت سے بھی نوازا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنا، معاصی سے اجتناب کرنا، ''**فانه سيكون لك شان من الشان**۔''عنقریب تمہاری بہت اونچی شان ہوگی۔

یہ حضرت مالک بن انسؒ کی کرامت وفراست کی دلیل ہے کہ ان کے الفاظ کی حرمت وعظمت پوری طرح قائم رہی۔آپ نے حضرت امام مالک بن انسؒ سے آٹھ ماہ تک استفادہ کیا۔

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اس دور کے بہت بڑے عالم تھے۔آپ نے اُن سے فیض حاصل کیا۔انہوں نے حضرت امام مالکؒ کے متعلق فرمایا کہ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی صاحب دانش نہیں دیکھا۔ان کے علاوہ ابن شہاب زیدیؒ سے بھی کسب فیض حاصل کیا۔آپ اُن کے ذہین ترین شاگرد تھے۔امام مالکؒ نے تمام عمر مفلسی میں گزاری۔عشق رسول ﷺ کا نور دل سے شعاعوں کی طرح پھوٹتا تھا۔اسی لیے مدینہ منورہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔مدینہ کی گلیوں اور بازاروں سے کبھی سواری پر نہ گزرتے۔مدینہ کی ہر شے سے بے حد پیار تھا۔اس شہر عشق ومحبت کو چھوڑنا ان پر گراں گزرتا تھا۔آپ علم حدیث کا ایک سمندر تھے۔علم حدیث آپ کے دل ودماغ اور باتوں سے نور کی صورت پھوٹتا تھا۔

حضرت امام مالکؒ کی تصنیفات میں موطا کو بہت بلند درجہ حاصل ہے۔یہ مجموعہ احادیث ہے، جس کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہماری کتب کے بعد اس کتاب سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں۔خلیفہ منصور عباسی کے دور میں یہ کتاب مرتب ہوئی اور خلیفہ کی فرمائش پر مرتب کی گئی۔حضرت امام مالکؒ نے ایک لاکھ احادیث جمع کیں۔پھر ان میں سے دس ہزار رکھ لیں۔پھر ایک مرتبہ آپ نے نظر ثانی کی اور اُن دس ہزار میں سے پانچ ہزار رکھ لیں۔

انہیں پانچ ہزار احادیث کا یہ مجموعہ ہے جو موطا امام مالک کے نام سے مشور ہے۔اس مجموعے کو شہر کے علماء کے سامنے پیش کیا گیا۔سب نے متفقہ طور پر اس مجموعہ کو درست قرار دیا اور تسلیم کیا کہ یہ احادیث بالکل سچی اور درست ہیں۔پھر بھی حضرت امام مالک مطمئن نہ ہوئے۔آپ نے انہیں یہ کہہ کر پانی میں ڈال دیا کہ ان میں اگر کوئی حدیث درست نہیں ہوگی تو وہ پانی میں ڈوب جائے گی۔اس مجموعہ کا ایک ورق بھی نہ بھیگا۔اس پر انہیں ان احادیث کی صحت کا مکمل یقین ہوگیا۔

آپ بہت ہی فصیح وبلیغ تھے۔اپنے زمانے میں آپ کی فصاحت وبلاغت کی چاروں طرف دھوم تھی اور پھر یہی فصاحت وبلاغت آپ نے اپنے ہونہار شاگرد حضرت امام شافعیؒ کو عنایت فرمادی۔اس بارے میں حضرت امام ابوداؤدؒ کا فرمانا ہے کہ ''**كان الشافعي من افصح الناس وكان مالك تعجه قراته لان كان فصيحاً**۔''شافعی لوگوں سے زیادہ فصیح تھے، کہ امام مالک جیسا فصیح بھی جس پر حیران ہوا۔

امام مالکؒ کی جمع کی ہوئی احادیث کا یہ پہلا مجموعہ تھا۔جس کو کتابی شکل دی گئی۔اس پر تمام مورخ متفق ہیں کہ آج تک ہزاروں بزرگوں، علماء اور فاضلان نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔موطا احادیث کا ایک معتبر مجموعہ ہے۔موطا کے لفظی معنی روندنے چھانٹنے، کھنگالنے کے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ بڑے باکرداراور پاکیزہ خیالات کے مالک تھے،حاکم وقت نے ایک مرتبہ آپ سے کسی مسئلہ پراتفاق نہ کیا،آپ نے فرمایا:''طلاق مکرہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔حاکم کہتا تھا طلاق واقع ہوجاتی ہے۔آپ نے اپنے موقف سے سرِ موانحراف نہ کیااوراپنے موقف پرڈٹے رہے۔''حاکم نے اپنی طاقت کے زعم میں بڑی ناراضگی کا اظہارکیا اور آخر میں انتہائی ظالمانہ رویہ اختیارکیا۔آپ کوسر عام پٹوایا گیااور پھر ننگے اونٹ پر بٹھا کرآپ کوجلوس کی صورت میں سارے شہر میں پھروایا۔آپ اونٹ پر بیٹھے ہوئے بہ آوازبلند فرمارہے تھے،اے لوگو میں کون ہوں؟اگرنہیں جانتے تو سنو!میں امام مالک بن انس بن الاصبحی ہوں۔میرامسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔جب جعفر بن سلیمان تک یہ خبرپہنچی تو اس نے حکم دیا کہ امام کوفوراًاونٹ سے نیچےاُتاراجائے۔

آپ نے 86 سال کی عمر پائی مگر بال سیاہ تھے کبھی خضاب لگانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔زیادہ ترسفید لباس پہنتے اورسر پرعمامہ رکھتے۔چاندی کی انگشتری پہنتے جس میں سیاہ نگ جڑاہوتا اوراس پرکندہ ہوتا تھا:''**حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل**۔''فرمایا کرتے یہ نگ میرے سامنے رہتا ہےتو اس نقش کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نوازشات کااحساس رہتاہے،دل اورذہن پر ایک طمانیت سی چھائی رہتی ہے۔

امام مالکؒ کامسلک زیادہ ترمغربی ممالک کے مسلمانوں میں رائج ہے۔خاص طورسے اندلس میں امام عالی مقام کے پیروکارزیادہ ہیں۔یہی امام مالکؒ کی تبلیغ کابطورخاص مرکز رہاہے۔آخری وقت میں آپ بیمارہوئے تو دوردور سے لوگ دیداراورعیادت کے لیے آتے رہے۔آخری وقت میں 130 علماءآپ کے پاس تھے۔انہوں نے آپ سے باطن کا حال پوچھا۔ فرمایااس وقت میں اولیاءاللہ کی محفل میں بیٹھاہوں اوریہ تمام اولیاءعالم ہیں۔

آخرآپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 86 سال کی عمر میں ربیع الاوّل 179 ہجری بمطابق 795ء میں وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔جوکہ 9، 11یا14 ربیع الاوّل بتائی جاتی ہے۔**اناللّٰہ واناالیہ راجعون**۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

اسمِ مبارک:

آپ کا اسم گرامی رابعہ ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی اسماعیل تھا۔اس لحاظ سے آپ کا آبائی اسم گرامی رابعہ بنت اسماعیل ہے۔آپ کے والدین کی کل چار لڑکیاں تھیں۔ایک آپ اور تین لڑکیاں اور۔آپ سب سے چھوٹی تھیں۔اس لحاظ سے آپ ''عدویہ'' بھی کہلائیں۔آپ کے اسم مبارک کے ساتھ ''بصری'' اس لئے لکھا بولا جاتا ہے کہ آپ شہر بصرہ میں پیدا ہوئیں اور وہیں زندگی گزاری اور شہر بصرہ ان دنوں ظاہری اور باطنی علوم و درس و تدریس کا ایک اہم مرکز تھا۔

خواتین اولیاء اللہ میں آپ کا نام اور مقام سب سے بلند نظر آتا ہے۔آپ تسلیم و رضا کی پیکر تھیں۔عشق رسول ﷺ کی منزل سے آگے نکل کر حب اللہ میں اس قدر غرق ہوئیں کہ پھر مخلوق خدا سے بالکل بے نیاز ہو گئیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا۔ظاہری اور باطنی علوم سے آپ اس طرح آراستہ و پیراستہ تھیں کہ اپنے ہم عصر مشائخ کی رہنمائی فرماتی تھیں اور ان سب میں ہر دلعزیز و قابل صد عزت و احترام تھیں۔تمام عالی قدر اولیاء اللہ کی طرح آپ کو بھی کشف و کرامات میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔لیکن آپ کشف و کرامات کو اس لئے پسند نہیں کرتی تھیں کہ کہیں یہ کشف و کرامات اللہ کی محبت میں کمی کا سبب نہ بن جائے۔فقر،زہد و تقویٰ میں بھی آپ کو ایک خاص عالی مقام حاصل تھا۔آپ رہنمائے تسلیم و رضا،صبر و قناعت،مجاہدات و ریاضات،فقر و فقیری اور زہد و تقویٰ ہیں۔آپ کو ہر اسرار ربانی،مظہر تجلیات یزدانی اور پیکر نورانی ہیں۔آپ کا سرمایہ حیات یادِ الٰہی تھا۔آپ کا عشق الٰہی لاثانی اور زہد و تقویٰ مثالی تھا۔آپ کو عشق و محبت الٰہی سے بھرا ہوا ایسا دل نصیب ہوا جس نے تسلیم و رضا کی آخری حدوں کو چھولیا۔اولیاء اللہ کی خصوصی،امتیازی صفات میں آپ نے صنف نازک ہوتے ہوئے کتنے ہی مردوں کو مات کیا ہے۔بلاشک و شبہہ اولیاء اللہ میں آپ کا رتبہ و مقام بہت بلند ہے توکل آپ کا شعار تھا اور قناعت آپ کی دولت۔آپ کسی صورت بھی کسی سے سوال کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں آپ کو حزن والم اور رنج و غم عزیز تھے۔نفس کشی کا یہ عالم تھا کہ آپ نفس کی کوئی بھی خواہش یا آرزو پوری نہیں کرتی تھیں۔آپ نے شادی اس لئے نہیں کی کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں رکاوٹ بن جائے گی۔آپ انتہا کی صابرو شاکر تھیں۔

زمانہ، ہم عصر:

محققین کی اکثریت کے مطابق آپ کا سن ولادت 97 ہجری بمطابق 708 عیسوی ہے۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 88 سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال 185 ہجری بمطابق 796 عیسوی میں ہوا۔

آپ کے ہم عصروں میں بہت بڑے بڑے نام شامل ہیں۔ حضرت حسن بصری، حضرت سفیان ثوری، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت حارث بن اسد المحاسبی، حضرت شفیق بن ابراہیم بلخی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت مالک بن دینار، حضرت محمد واسع، حضرت حبیب عجمی، حضرت معروف کرخی، حضرت ابوسلیمان داؤد طائی، حضرت عتبہ بن غلام، حضرت محمد سماک، حضرت مریم بصیریہ، حضرت معاذہ عدویہ، حضرت رباح بن عمرو قیسی، حضرت عبدالواحد بن زید، امام اعظم حضرت ابوحنیفہ، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ مذکورہ بالا تمام مشائخ و امام وقت آپ کے ہم عصر تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والدین کریمین بصرہ میں آباد تھے۔ والدین بہت قناعت پسند اور خوددار تھے۔ گھر میں عسرت نے عرصہ سے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے پھر بھی سفید پوشی قائم تھی۔ وہ تسلیم و رضا کے اس قدر عادی و خوگر تھے کہ ہر حال میں خوش رہتے تھے۔ صبر و شکر اُن کا شعار تھا۔ فاقہ ہوتا تو خاموشی سے برداشت کرتے تھے۔ وہ خالق و مالک کائنات کے پرستار تھے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں جانتے تھے۔

اسی عُسرت کے ماحول میں 97 ہجری کی ایک رات آپ کی ولادت مبارک ہوئی۔ اس وقت چراغ روشن کرنے کے لئے گھر میں تیل بھی نہ تھا اور نہ ہی نوزائیدہ بچی کے لپیٹ لینے کے لئے کوئی کپڑا ہی تھا۔ یہ تین بچیوں کے بعد چوتھی لڑکی تھی۔ آپ کے والد ماجد اسماعیل نے اسی مناسبت سے آپ کا اسم مبارک ''رابعہ'' رکھا۔

ضرورت کے پیش نظر بچی کی ماں اور بہنوں نے اصرار کیا کہ والد ماجد پڑوس میں جا کر کسی سے تیل قرض لے آئیں۔ با دلِ نخواستہ وہ اس اشد ضرورت کے لئے گھر سے نکلے۔

ابھی وہ پڑوسی کے گھر پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے سوچا کہ آج تک یہ ہاتھ کسی کے سامنے نہیں پھیلا ہے۔ قادرِ مطلق عالم الغیب ہماری حالت سے بخوبی واقف ہے۔ کیا وہ بچی کو خوشگوار موسم اور دن کے اُجالے میں ہمارے پاس نہیں بھیج سکتا تھا؟ کہیں ہم آزمائش میں تو مبتلا نہیں ہیں۔

وہ اُلٹے قدموں گھر واپس آ گئے، اُن کے قدموں کی آہٹ سن کر ان کی بڑی لڑکی نے دل گداز آواز میں اُن سے پوچھا:

''بابا تیل ملا؟ تیل لائے ہو؟

''نہیں بیٹی!'' باپ نے کچھ تامل سے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''میں نے بہت دستک دی لیکن کوئی جواب ہی نہیں آیا۔'' باپ کا یہ جواب سن کر بیٹی نے بڑی بے چینی سے کہا۔

"آپ کسی اور دروازے پر چلے جاتے۔ تیل مل جاتا تو روشنی ہوتی۔ روشنی میں ہم اس معصوم کو ٹھنڈی ہوا سے بچانے کے لئے کوئی کپڑا ہی ڈھونڈ لیتے۔"

"دوسرا دروازہ۔" باپ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں بابا دوسرا دروازہ۔" لڑکی نے جھنجلا کر کہا۔ آپ نے دستک دے کر دیکھا تو ہوتا، دوسرا دروازہ تو بیٹی ہمیشہ کھلا ہی رہتا ہے۔ باپ نے نرمی سے جواب دیا۔

"مگر اس پر دستک دینے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ رات تاریک اور سرد سہی مگر ہمیں شاید تیل کی ضرورت نہیں ہے۔"

انہوں نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی اور ایک خاص اُمید و بیم کے لہجے میں کہا: "ہماری ضروریات وہ ہم سے بہتر جانتا ہے۔ اسے تو ان باتوں کا بھی علم ہے جو ہم نہیں جانتے۔

اُن کے الفاظ میں بے پناہ اعتماد و توکل اور طاقت تھی۔ اہل خانہ کو حوصلہ ہوا اور وہ رات اُنہوں نے بغیر روشنی کے ہی گزار لی۔ آپ کے والد بھی بالآخر اللہ توکل سو گئے۔

اسی رات وہ خواب میں پیغمبر اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی زیارتِ پاک سے مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُسے فرمایا:

"رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آج جو لڑکی تمہارے گھر پیدا ہوگی وہ بڑے نصیبوں والی ہے۔ وہ سیدہ ہوگی اور اپنے وقت کی بڑی برگزیدہ اور محترم ہستی ہوگی۔ وہ ایک بلند پایہ عابدہ اور زاہدہ ہوگی اور اس سے فیوض و برکات کا چشمہ جاری ہوگا۔

حضور پُر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے اُسے خواب میں یہ ہدایت بھی فرمائی:

"اور تم امیر بصرہ کے پاس جاؤ۔ اس کا نام عیسیٰ ہے۔ اس کے پاس جا کر کہو کہ تم جو رات کو سوبار اور ہر جمعہ کی رات کو چار سو مرتبہ درود پڑھا کرتے تھے، اس مرتبہ جمعہ کی رات کو کیوں نہیں پڑھا۔ اس سے کہو کہ اس کے کفارہ میں چار سو دینار میرے اس پیامبر کے حوالے کر دیجئے۔"

وہ (حضرت کے والد) جب بیدار ہوئے تو اُن پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ اپنی قسمت پر نازاں تھے کہ حضور پُر نور ﷺ نے اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اور اپنا پیامبر بنا کر امیر بصرہ کے پاس جانے کی تاکید اور ہدایت فرمائی۔ چنانچہ وہ امیر بصرہ کے پاس پہنچے۔ امیر بصرہ نے اُن کو اندر بلایا اور اُن سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے علیحدہ میں حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا پیغام اس کو (امیر بصرہ کو) پہنچایا۔

پیغام کے سنتے ہی اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ از خود رفتہ ہوگیا وہ سوچنے لگا، پیغام کس کا۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور ﷺ کا۔

اور کس کے نام۔

مجھ عاصی و گنہگار کے نام

اور کس بات کے متعلق۔

جس کا کسی کو علم نہیں، سوائے میرے۔

وہ اُٹھا اور چار سو دینار اُن کو (حضرت کے والد) لا کر پیش کئے اور پھر اُس نے اُن سے یہ درخواست کی کہ جب کبھی اُن کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ بلا تکلف تشریف لائیں اور جو کچھ درکار ہو لے جائیں۔ کبھی اس میں کسی قسم کا پس و پیش نہ کریں۔

چار سو دینار، بہت بڑی رقم تھی۔ وہ چار سو دینار گھر لے کر آئے تو اس رقم میں سے تمام ضروری سامان خریدا اور گھر کی کایا پلٹ گئی۔ آپ کا بچپن والدین کے سایۂ کرم میں گزرا۔ جب تک آپ کے والد ماجد زندہ رہے گھر اچھی طرح چلتا رہا، گھر میں برکت ہی برکت تھی۔ والدین خوش تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکرگزار تھے کہ رابعہ کی پیدائش نے ان کی عسرت کو خوشحالی میں بدل دیا اور اس ننھے چراغ سے گھر کا اندھیرا دور ہوگیا۔

آپ کے بچپن کا زمانہ ختم ہو رہا تھا اور اب آپ سنِ شعور میں قدم رکھنے والی تھیں کہ یکے بعد دیگرے والدین کریمین کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی آزمائش و ابتلاء کا دور شروع ہوگیا۔

دوسری صدی ہجری میں شہر بصرہ علم و ادب، تہذیب وثقافت کے لحاظ سے شباب پر تھا۔ فاتحین عرب یہاں سکونت پذیر تھے۔ یہ صرف سیاسی وتجارتی مرکز ہی نہ تھا بلکہ تہذیب وتمدن اور ظاہری، باطنی علوم اور تقویٰ کا بھی گہوارہ تھا۔ بصرہ میں مساجد اور درسگاہیں کثرت سے تھیں۔

جب آپ یتیم و بے سہارا ہوگئیں اور ابھی آپ نے سنِ شعور میں قدم ہی رکھا تھا تو اس زمانے میں بصرہ اور اس کا گرد و نواح بہت شدید قحط کی زد میں آگیا۔ بصرہ میں ایسا قحط پڑا کہ عوام الناس بصرہ کو چھوڑ کر اچھے علاقوں، ملکوں کی طرف بھاگنے لگے۔ اس مصیبت سے آپ کا یتیم گھرانہ بھی بُری طرح متاثر ہوا۔ اس دورِ قحط میں مٹھی بھر اناج کے لئے لوگ انسان کی جان لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ آدمی آدمی کا دشمن تھا۔ قحط کے اثرات سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ مروت، رواداری، اخوت ومحبت کے جوہر طاقِ نسیاں کی زینت بن کر رہ گئے۔ افراتفری کا دور تھا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ انسانیت کا احترام بالکل جاتا رہا۔ اخلاقی قدریں پامال ہوگئیں۔ قحط دو سال رہا، اس دو سال کی مدت میں بصرہ خالی ہونے لگا۔ جہاں جس کا منہ اُٹھا بصرہ کو چھوڑ کر چلا جاتا۔ کچھ لوگ دمشق روانہ ہوئے۔ کچھ لوگ بغداد پہنچے اور کچھ لوگوں نے سمرقند اور بخارا پہنچ کر سکون واطمینان کا سانس لیا۔

اس نفسا نفسی کے عالم میں آپ کی تینوں بہنوں نے آپ کو ساتھ لے کر بصرہ کے بام و در کو خدا حافظ کہا اور سلامتی و عافیت کی تلاش میں افتاں وخیزاں گھر سے روانہ ہوئیں۔ راستے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپ اپنی بہنوں سے بچھڑ گئیں۔ آپ کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ آپ اپنی بہنوں کے ساتھ تھیں۔ کسی مرد نے آپ کو پکڑ کر فروخت کر دیا۔

آپ کو خریدنے والا یا آپ کا مالک، بہت بے رحم اور ظالم آدمی تھا۔ وہ کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ ناروا سلوک کرتا تھا۔ مشقت کا پورا پورا کام لیتا تھا۔ آپ سے بھی وہ دن رات کام کرواتا تھا۔ آپ بھی کبھی کام کاج میں کوتاہی نہ کرتیں۔ اور جب موقع

مل جاتا عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتیں۔ آپ دن بھر مالک کا کام کرتیں اور فرصت میں جو کہ آپ کو رات کو ہی نصیب ہوتی تھی یادِ الٰہی میں مصروف رہتیں۔ آپ مصیبت کے اس دور میں بھی ساری ساری رات عبادت کیا کرتیں۔

غلامی کے اسی عالم میں کئی سال گزر گئے۔ ایک دن کسی کام سے آپ گھر کے باہر گئیں راستے میں ایک شخص نے آپ کو گھور کر دیکھا اور وہ بد بخت آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ نے یہ دیکھ کر کہ وہ پیچھا کر رہا ہے دوڑنا شروع کیا۔ آپ کے ٹھوکر لگی اور آپ گر پڑیں۔ آپ کے چوٹ آئی اور آپ کا بازو ٹوٹ گیا۔ باوجود شدید تکلیف کے آپ نے چوٹ لگنے کا ذکر اپنے آقا سے نہیں کیا اور آپ اس تکلیف کی حالت میں بھی گھر کا کام کاج انجام دیتی رہیں۔

آپ جب ٹھوکر کھا کر گریں اور آپ کا بازو ٹوٹا تو اس کرب و تکلیف کی حالت میں آپ کا دل بھر آیا۔ خطرہ سے دور ہوتے ہی آپ نے سجدہ کیا اور بارگاہِ رب العزت میں اس طرح عرض کیا کہ:

"یا اللہ! میں بے یار و مددگار پہلے ہی سے تھی اور اب ہاتھ بھی ٹوٹ چکا ہے۔ اس کے باوجود میں تیری رضا چاہتی ہوں۔" (تذکرۃ الاولیاء، ص43)

آپ بہت دیر تک گڑگڑاتی رہیں اور اپنے شکستہ دل کی آواز خدائے بالا و برتر کو سناتی رہیں۔

"اے میرے پروردگار! مجھ غریب، نادار بے کس و مجبور، دست شکستہ پر رحم فرما۔ میرے ماں باپ نہیں ہیں تو ہی میرا سب کچھ ہے۔ تیری رضا میں میں راضی ہوں۔ کیا تو بھی مجھ سے راضی ہے؟

غیب سے آواز آئی: "اے رابعہ! غمگین نہ ہو، کل (عنقریب) تجھے وہ مرتبہ حاصل ہوگا کہ مقرب ملائکہ بھی تجھ پر رشک کریں گے۔"

آپ (حضرت) نے جو یہ آواز سنی تو جسمِ ناتواں میں جان آگئی۔ حضرت کو یہ محسوس ہوا کہ زخم پر کسی نے پھاہا رکھ دیا ہے ساری تکلیف بھول گئیں۔ ہنسی خوشی گھر واپس آئیں اور حسب معمول کام کاج میں لگ گئیں۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص43)

آپ کا معمول تھا کہ دن کو اپنے فرائض نہایت تندہی سے انجام دیتیں۔ دن میں روزہ رکھتیں اور رات یادِ الٰہی میں گزارتیں۔ دن کو مالک کا کام کرتیں اور رات کو جب سب سو جاتے تو اپنے آقائے حقیقی کے کام میں ہمہ تن مصروف ہوتیں۔ اس بات کا دنیاوی مالک اور ساتھیوں (نوکر اور گھر کے دیگر افراد) میں سے کسی کو علم نہ تھا۔

ایک رات ایسا ہوا کہ آپ کے مالک کی آنکھ کھلی تو اس نے چاروں طرف جو نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ آپ ایک کونہ میں سر بسجود ہیں۔ اور ایک معلق نور آپ کے سر پر فروزاں ہے۔ مالک کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا، لیکن وہ خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس نے جو کان لگائے تو آپ کو یہ عرض و دعائیں کرتے سنا:۔

"اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ہمہ وقت تیری عبادت میں گزار دیتی۔ لیکن چونکہ تو نے مجھے غیر کا محکوم بنا دیا ہے اس لئے تیری بارگاہ میں دیر سے اور صرف رات کے لئے حاضری ہوتی ہے۔"

آپ نے اپنی دلی آرزو کا اس طرح اظہار کیا۔

''اے میرے آقائے حقیقی!......میری یہ دلی آرزو ہے کہ میں اپنی ساری زندگی اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ تیری یاد میں تیرے کام میں اور تیری عبادت میں گزار دوں، لیکن مجبور ہوں کیا کروں؟ تیرے ایک بندے کی خدمت مجھے کرنا پڑتی ہے۔اس لئے میں سارا وقت تیری عبادت میں صرف نہیں کر سکتی۔''

حضرت کے آقا کو جب آپ کے اس حال کا جو اَب تک اُس سے چھپا ہوا تھا، علم ہوا تو وہ دل میں نادم ہوا اور سوچنے لگا کہ واقعی اس نے ایسی عابدہ اور زاہدہ عورت کے ساتھ ناروا برتاؤ جاری رکھا۔وہ اپنے اس فعل پر بہت نادم ہوا۔

صبح ہوئی تو مالک کا لب و لہجہ کچھ اور ہی تھا۔وہ آپ کی بزرگی کا معترف ہوا اور آپ سے معافی کا خواستگار رہوا۔اس نے نہایت عاجزی اور انکساری کے لہجے میں کہا:

''مجھے آپ کے مقام اور درجے کا علم نہ تھا، میں تاریکی میں تھا۔اب خدا نے مجھے روشنی دکھلائی تو میں نے آپ کا درجہ پہچانا۔آپ برگزیدہ ہستی ہیں۔آپ کا مرتبہ بلند و بالا ہے۔مجھ سے کوئی قصور ہوا ہو تو اللہ کے واسطے معاف کیجئے۔اب آپ جہاں دل چاہے رہئے۔جہاں دل چاہے جائیے۔میں نے آپ کو آزاد کیا۔''(تذکرۃ الاولیاء،ص 43)

کئی مصنفین نے لکھا ہے کہ جب آپ کو آزادی ملی تو آپ کچھ عرصہ کے لئے غیر معیاری، غیر اخلاقی عورتوں کے گروپ میں شامل ہوگئیں۔جیسا کہ صاحب ''اڑھائی قلندر'' صفحہ 156 پر رقمطراز ہیں۔

''ہوسکتا ہے کیونکہ میرے پاس کے متعلق دلائل ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کسی نحوست و نکبت میں مبتلا رہی ہوں، یا زندگی کے کسی میدان میں ناکام رہی ہوں یا اسے کوئی خاص حادثہ پیش آیا ہو، مگر ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا تھا۔''

اسی طرح صاحب 'صوفیائے کرام'' صفحہ 181 پر لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں جب انتہائی افلاس کے دن تھے اور کوئی پرسانِ حال بھی نہیں تھا تو آپ گانے بجانے والی عورتوں کی ٹولی میں شریک رہیں مگر جلد ہی توبہ کر لی اور عبادت میں مشغول رہتیں۔''

قارئین کرام! میں اس کتاب کا مصنف مندرجہ بالا کے خلاف نہیں ہوں لیکن میں اُن کے خلاف ضرور ہوں جو اپنے آپ کو متقی پرہیز گار ظاہر کرنے کے لئے یا اپنے زورِ قلم میں ایسی باتوں کو نفرت آمیز غلط انداز سے پیش کرتے ہیں۔میں اس بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ انبیاء کرام علیہ السلام کے علاوہ دُنیا میں کون ہے جو بے گناہ ہو، معصوم ہو؟ کوئی ایک فرد بھی نہیں۔پھر ہم مسلمانوں پر تو ''سچی توبہ'' کی شکل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک دائمی رحمت موجود ہے۔سچی توبہ تمام گناہوں کو ایک دم مٹا دیتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کچھ برگزیدہ بندوں کو کچھ مصلحتوں کے تحت بھی ایسے دُنیاوی حالات سے گزارتا ہے۔اس کا فائدہ

یہ ہوتا ہے کہ انہیں دنیا کو، معاشرے کو، لوگوں کو، لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ اور اس سے بھی بڑا فائدہ اس کا یہ ہے کہ اولیاء اللہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ "سچی توبہ" کے ساتھ ہی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اس حقیقت کے باوجود انہیں راہِ سلوک پر آنے سے پہلے کے گناہ، کوتاہیاں، زیادتیاں انہیں زندگی بھر یاد آتے رہتے ہیں اور وہ خدا خوفی میں زندگی بھر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور توبہ، استغفار ہی کرتے رہتے ہیں۔

میرے محترم قاری! جو میں لکھ رہا ہوں نہ اس میں مبالغہ ہے اور نہ جھوٹ، اور میں جو بات کر رہا ہوں وہ اولیاء اللہ کی 99.9 فی صد اکثریت کی بات کر رہا ہوں۔ ان میں بہت ہی کم ایسے بدنصیب ہوتے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خاص فضل سے (سورہ حدید آیت 21) راہِ سلوک پر لایا ہو اور پھر وہ کوئی فاش غلطی کے سبب اسے اس کے اس اعلیٰ مقام سے گرا کر تحت الثریٰ میں پہنچا دیا گیا ہو۔ مجھے آپ ﷺ کی اُمت کے اولیاء اللہ میں سے ابھی تک ایک بھی ایسا بدنصیب معلوم نہیں دیا ہے۔ ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پیروکار ایک مستجاب الدعوات ولی اللہ "بلعم باعور" کے متعلق کنزالایمان یا تفسیر قرآن میں ضرور پڑھا ہے کہ اتنا بڑا روحانی عالم ہوتے ہوئے وہ پھر دُنیا، دنیاوی جاہ و حشمت کی طرف راغب ہوگیا۔ اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اس کے اس اعلیٰ مقام سے گرا کر تحت الثریٰ میں پھینک دیا اور اس کی تمثیل بھی لالچی کتے سے دی گئی ہے۔

اولیاء اللہ کے راہِ سلوک میں قدم تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف ہی اُٹھتے ہیں۔ احکامِ الٰہی کے مطابق انہیں اپنی آل و اولاد کی کفالت بھی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ جوجدوجہد کرتے ہیں، وہ حدود اللہ میں رہ کر ہی کرتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا داری میں خوش نہیں ہوتے لیکن ذمہ داری کے سبب مجبوری میں اُسے نبھا رہے ہوتے ہیں۔ میں اس کتاب کا مصنف اہل بصیرت، عقلمند لوگوں سے یہ بات اکثر کہہ دیتا ہوں کہ مستقل مزاجی سے اللہ کے راستے پر پڑ جانے والوں کو تو شیطان بھی اپنے وسوسوں کی آڑ میں راہِ راست ہی دکھاتا ہے۔ وہ یوں کہ جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے تو اللہ کے یہ راہِ مستقیم پر گامزن بندے فوراً اس سے اپنے رب کی پناہ مانگتے ہیں اور پھر "وَلَنْ اَجِدَمِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا" (سورہ جن آیت 22۔ اور ہرگز اس (اللہ) کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا۔) کی چھتری کے نیچے (اللہ کی) پناہ میں پہنچ جاتے ہیں۔

اپنے سابقہ گناہوں، خباثتوں، کوتاہیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو پھر یہ توبہ، استغفار، عبادات و ریاضات میں جٹ جاتے ہیں اور سچ بات یہ ہے کہ گزشتہ بداعمالیوں کے مقابلے میں انہیں اپنی عبادات، ریاضات، توبہ، استغفار اور گریہ زاری بہت کم نظر آتے ہیں۔ اس لئے ان میں زہد و تقویٰ کا تکبر پیدا نہیں ہو پاتا اور یوں یہ ساری عمر رغبت و شوق سے یادِ الٰہی میں گزار دیتے ہیں۔ میرے اس نکتے کو، میرا ایسا کہنے کو، میری اس دلیل کو "مناقب رومی" کا درج ذیل پیراگراف آپ کو بہت خوبی اور دلنشین انداز سے سمجھا دے گا۔ یہ یاد رہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا شمار چوٹی کے اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور آپ کو تفصیلی معراج کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مولانا رومؒ نے حکایت بیان کی کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک شخص مرید ہونے کے لئے آیا۔ آپ نے

اُس سے پوچھا کہ دُنیا میں جو مشہور یعنی کہ بڑے بڑے گناہ ہیں اُن میں سے کوئی گناہ تم نے کیا ہے یا نہیں؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ آپ نے اُسے فرمایا، جاؤ پہلے کوئی گناہ کرو اور پھر توبہ کر کے میرے پاس آؤ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایسا نہ کرنے کے سبب تم میں اپنی پاکبازی کا تکبر پیدا ہو جائے اور اس سبب تو اللہ کو پانے سے محروم رہے۔ اس لئے کہ عبادت کے دیکھنے سے تکبر بڑھتا ہے اور گناہوں کے دیکھنے سے عجز و انکساری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکبر نہیں بلکہ عجز و انکساری پسند ہے۔ (مناقب رومی، ص 457)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اولیاء کو ایک خاص وقت پر گناہوں سے محفوظ فرماتا ہے۔ میں نے اس کتاب میں جن اولیاء اللہ کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک راہِ حق پر آنے سے پہلے ڈاکوؤں کا سردار تھا، ایک پرانا شرابی تھا، ایک چور تھا، ایک چوری کرنے آیا تھا، ایک معشوقہ سے ملنے آیا تھا۔ بس جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہدایت دے دی تو اپنے بُرے کاموں سے صدقِ دل سے تائب ہو گئے اور اولیاء اللہ میں بڑے اونچے مراتب پر پہنچے۔

آپ کے بارے میں آپ کے حالات کو مدنظر رکھیں تو چھپنے والی اور نفرت سے اُچھالنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ غلامی کے گھر سے نکلیں۔ تنہا، بے سہارا عورت ذات جسے معاشرے کی اونچ نیچ کا پتہ نہیں اور دُنیاداری سے ایک دم ناواقف۔ اگر آپ کچھ عرصہ کے لئے بُری عورتوں میں چلی بھی گئیں تو اس میں آپ کا کیا قصور ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کی حفاظت فرمانا چاہتا ہے اُسے آگ میں بھی محفوظ رکھتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے اور سب کا خالق و مالک ہے۔ کون اچھا ہے، کون بُرا ہے یہ صرف اور صرف وہی جانتا ہے۔ میری گزارش یہی ہے کہ ہم اولیاء اللہ، بزرگانِ دین کے متعلق کم ظرفی، کم عقلی اور جھوٹی برتری کا ثبوت نہ دیں اور اُن کا حد درجہ ادب، عزت، احترام و اتباع کریں کہ اسی میں فلاحِ دارین ہے۔

آزادی کی نعمت حاصل ہوئی۔ آپ نے مالک حقیقی کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے آپ کو دنیا کے کام کاج سے نجات دلائی وہ خوش تھیں کہ اب آپ کو عبادت و ریاضت انہماک اور یکسوئی کے ساتھ ذکر کرنے کا موقع ملا۔

تنہائی اور یکسوئی کے لئے آپ نے ویرانوں اور جنگلوں کا رُخ کیا۔ آپ آبادی سے بھاگتی تھیں، جنگلوں اور ویرانوں میں خدائے بزرگ و برتر کی قدرت کا تماشا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتی تھیں۔ جنگلوں اور ویرانوں کی فضا نے آپ کے دل و دماغ کو سکون اور روح کو سرور بخشا۔

ویرانوں اور جنگلوں میں کچھ عرصہ گھومنے پھرنے کے بعد آپ بصرے واپس تشریف لائیں، اور ایک جھونپڑی ڈال کر اس میں رہنے لگیں۔

آپ دن رات عبادت و ریاضت میں گزارتی تھیں۔ دنیا اور دُنیاوی معاملات سے کچھ سروکار نہ رکھتی تھیں۔ دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو جاگتی تھیں۔ اولیائے کرام نے شب بیداری پر بھی زور دیا ہے۔ شب بیداری سے روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ شب بیداری کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ:

”شب بیداری کارِ مرداں“

آپ پانچوں وقت نماز پابندی سے پڑھتی تھیں۔دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھنا آپ کا معمول تھا۔(سفینۃ الاولیاء،صفحہ 207)قرآن شریف کی تلاوت روز کا معمول تھا۔

کئی کئی دن گزر جاتے گھر میں کچھ نہ ہوتا کہ جس سے روزہ کھولیں۔اکثر پانی کے ایک گھونٹ سے افطار کرتیں۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر بجالاتیں۔ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے سات سات روز کچھ نہیں کھایا۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کچھ کھانا چاہتی تھیں کہ اتنے میں سائل آیا۔آپ نے خود نہیں کھایا اور کھانا سائل کو اُٹھا کر دے دیا۔

آپ کے زُہد وتقویٰ،عبادت وریاضت کو دیکھ کر لوگ بہت متاثر ہوتے تھے۔آپ کا یہ جوشِ عبادت دیکھ کر ایک شخص نے آپ سے پوچھا:”آپ جس کی عبادت کرتی ہیں اُسے دیکھتی بھی ہو یا نہیں؟۔“آپ نے جواب دیا:”اگر اُسے نہ دیکھتی تو عبادت ہرگز نہ کرتی۔

تاریخ میں کسی ایسی تارک الدنیا عورت کا حال نہیں ملتا جس نے بلاسبب یا شوق سے ترکِ دنیا کیا ہو۔خصوصاً جب وہ حسن و جمال اور حریت کی مالکہ ہو۔آپ نے تو حاکمِ بصرہ محمد بن سلیمان ہاشمی کا رشتہ بھی ٹھکرا دیا تھا۔حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہابڑی ذہین،ہوشیار اور گہری عقل والی تھیں۔آپ نے چند دنوں میں بڑی خوبی سے امورِ دینیہ کو علما سے سیکھ لیا اور مردوں کی طرح تحصیلِ علم کرنے لگیں بلکہ اُن سے فوقیت لے گئیں۔آپ اسرار فقہ وحدیث وتفسیر کو خوب سمجھتی تھیں۔ہر چھوٹے بڑے مسئلے سے بخوبی آگاہ تھیں۔آپ نے بہت سی حدیثیں یاد کر لیں۔

آپ عبادت وزُہد میں اپنے کئی ہم عصروں سے آگے تھیں۔آپ نے اپنی عمر کی بیشتر راتیں عبادات ودعاؤں میں گزار دیں۔جب کبھی سوجاتیں تو پشیمان ہوتیں،روتی ہوئی اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے اُٹھتیں کہ وہ اتنی دیر اپنے اللہ سے کیوں غافل رہیں۔جب عشاءٔ کی نماز سے فارغ ہوتیں تو چھت پر جا کر رب العالمین سے یوں عرض کرتیں:

> ”پروردگار!ستارے روشن ہو گئے،لوگ سو گئے۔بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے،ہر حبیب اپنے حبیب سے محوِ خلوت ہے اور میں یہاں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔“

پھر ساری رات نماز پڑھتی رہتیں حتیٰ کہ فجر ہو جانے پر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو جاتیں اور جب روشنی پھیل جاتی تو اس طرح مناجات کرتیں:

> ”اے اللہ تبارک وتعالیٰ!رات گزر گئی،دن آ گیا۔کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تو نے میری نماز قبول کر لی یا رَد کر دی؟تیری عزت کی قسم!میرا یہی طریقہ رہے گا جب تک تو مجھے جواب نہ دے گا یا میری مدد نہ کرے گا۔قسم ہے تیری عزت کی!اگر تو مجھے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو میں نہ ٹلوں گی میرے دل میں تیری محبت گھر کر گئی ہے.............“

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر جب بھی نیند غالب آجاتی اور وہ ذرا سو جاتی تو فوراً جاگ اُٹھتی، ڈری ہوئی، گھبرائی ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعائیں مانگتی ہوئی اور اس طرح فریاد کرتیں:

''لوگ سو گئے۔ غافل مدہوش ہو گئے اور (حضرت) رابعہ بصری بے چاری تیرے سامنے کھڑی ہے۔ تیری نگاہ اسے سونے نہیں دیتی، قسم ہے تیری عزت وحرمت کی! میں نہ دن میں سوؤں گی نہ رات میں مگر یہ کہ نیند غالب آجائے حتیٰ کہ تجھ سے آملوں............''

وہ مدتوں نیند سے مجاہدہ اور سختی سے نفس کا محاسبہ کرتی رہیں۔ جب کبھی مصلے پر سو جاتیں تو ان الفاظ میں اپنے آپ کو ملامت کرتیں:

''اے نفس تو کب تک سوئے گا اور کب تک خراٹے لیتا رہے گا؟ وہ دن قریب ہے کہ تو ایسی نیند سو جائے گا کہ پھر یوم حشر کی چیخ و پکار ہی تجھے جگا سکے گی۔''

حضرت رابعہ بصریؒ نفس کو برابر ملامت کرتی رہتی تھیں۔ کیونکہ وہ چاہتی تھیں کہ ہمیشہ بیدار رہے اور برابر اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرتی رہیں۔ ایک گھڑی کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو، شب بیداری میں ذرا سی بھی سستی نہ کرے۔

جب محمد بن سلیمان ہاشمی حاکم بصرہ نے شادی کا ارادہ کیا تو دوستوں سے پوچھا کون سی عورت اس کے شایانِ شان ہو سکتی ہے؟ سب نے بالاتفاق حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا نام لیا۔ محمد بن سلیمان نے پیام دیتے ہوئے لکھا کہ دس ہزار روپیہ ماہانہ میری آمدنی ہے وہ ساری تجھے دے دیا کروں گا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جواب میں لکھا:

''بے رغبتی وزُہد دنیا میں باعث راحت ہے اور رغبت حزن وملال پیدا کرتی ہے تو اپنا توشہ تیار کر اور آخرت کے لئے آگے بھیج۔ تو خود اپنا وارث بن، دوسروں کو اپنا وارث نہ بنا، ورنہ تیرا ترکہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ ہمیشہ روزہ رکھا کر ہمیشہ یہ خیال رکھ کہ تو مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ رہی میں، سو اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اس سے زیادہ دے دے جو تجھے دیا گیا ہے۔ تو میرا دل خوش نہ ہوگا کیونکہ میں تو ایک گھڑی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے غافل رہنا نہیں چاہتی۔''

ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہا نے آپ سے زور دیتے ہوئے کہا: ''شادی کیوں نہیں کرتیں؟''

آپ نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہا کے سوال کا جواب اس طرح دیا۔ ''عقد نکاح اس کے لئے ہے جس کا وجود ہو۔ یہاں تو وجود ہی نہیں اور میں تو اپنے آپ کی مالک ہی نہیں، حق تعالیٰ کی مملوکہ ہوں، اور اسی کے حکم کے سایہ میں ہوں۔ اس بارے میں خطاب اس کو کرنا چاہیے جو خود کی مالک ہو۔''

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کسی نے دریافت کیا تو شادی کیوں نہیں کرتی؟۔ اس نے کہا: ''میرے لئے صرف تین چیزیں اہم ہیں۔ اگر مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو اِن تین باتوں کے غم سے چھڑا دے تو میں اس سے شادی کرلوں گی۔''

دریافت کرنے والے نے کہا: ''وہ چیزیں کیا ہیں؟'' کہنے لگیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر میں مرگئی تو کیا میں ایمان

سلامت لے جاؤں گی؟ دوسری بات یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن مجھے میرا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا؟ تیسری بات یہ ہے کہ جب روزِ حشر ہوگا اور داہنے بازو والے جنت کی طرف اور بائیں بازو والے دوزخ کی طرف جائیں گے تو میں کس میں شامل ہوں گی؟ پوچھنے والا اس کے سوا کچھ جواب نہ دے سکا کہ جو کچھ آپ نے دریافت کیا ہے میں اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں؟ اس کا علم تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے۔ اس پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے اور مجھے ان باتوں کی فکر ہے تو میں شوہر کے لیے کیسے وقت نکال سکتی ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ اپنے دور میں زاہدوں کے امام تھے۔ آپ نے ان مقتدر عالی مقام عالم و زاہد، ان تابعین کے حلقہ درس و ذکر میں شرکت کی اور ان سے باطنی، ظاہری علوم حاصل کرنے میں پیش پیش رہیں حتیٰ کہ تمام علوم میں ماہر ہوگئیں۔ اور آپ اپنے کئی ہم عصروں سے زہد وتقویٰ، فقر وفقیری اور دنیا سے بے رغبتی میں سبقت لے گئیں۔

حضرت حسن بصریؒ ہفتہ میں ایک بار مجمع میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے وعظ میں ہر معیار کے لوگ شرکت کرتے تھے۔ علماً بھی ہوتے تھے اور اہل فکر اور اہل نظر بھی ہوتے تھے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ آپ (حضرت رابعہ) کے اعلیٰ مقام اور رُتبے سے واقف تھے۔ وہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ اُن کے (حضرت خواجہ حسن بصریؒ) وعظ میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ وعظ شروع کرنے سے قبل اِدھر اُدھر ایک نگاہ ڈالتے اگر آپ کو بیٹھا دیکھتے تو وعظ شروع کرتے اور اگر دیکھتے کہ آپ حاضرین میں نہیں ہیں تو خاموش ہو جاتے۔" لوگوں کو یہ بات کچھ ناگوار ہوئی۔ انہوں نے شکایت کی کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے جواب دیا:

"جو شربت ہاتھیوں کے حوصلہ کے مطابق تیار کیا گیا ہو وہ بھلا چیونٹیوں کے سینہ میں کیوں کر آ سکتا ہے۔"

حضرت سفیان ثوریؒ آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ وہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ سے وعظ اور نصیحت کی درخواست کرتے تھے اور آپ سے دعا کے طالب ہوتے تھے۔ (نفحات الانس (فارسی) صفحہ 552)

حضرت شیخ زین الدین عطار نے حضرت کی بزرگی اور جوشِ عشقِ الٰہی سے متاثر ہو کر کہا: "جب جو عورت راہِ خدا میں مرد ہو تو اس کو عورت نہیں کہنا چاہیے۔"

ایک بزرگ نے اعتراف حقیقت کے جذبے سے معمور ہو کر آپ کے متعلق فرمایا: اس ضعیف عورت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی ہمت عطا کی ہے۔ اس کی ہمت تو دیکھو۔ کیسا بلند مرتبہ اس کو دیا گیا ہے۔ اسے افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنا قیمتی وقت سوال میں ضائع کرے۔ پس وہ سوال نہیں کرتی۔ (سفینۃ الاولیاء (فارسی) صفحہ 208)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اسلام میں پہلی زاہدہ ہے، جس کے دل سے معرفت الٰہی کے چشمے ابلے اس نے زندگی

کے متعدد ووررِ زُہد پر کاربند رہتے گزارے حتیٰ کہ وہ اس بات سے بھی بے رغبت ہوگئی کہ اس کا شمار اہل کرامات سے ہو۔

حدیث مبارک ہے کہ: ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جب مجاہدات، ریاضات وعبادات میں اپنے نفس کو دیکھا تو اس پر پوشیدہ اسرار ظاہر ہو گئے اور ایسے انوار دکھائی دینے لگے جو ظاہری نگاہوں سے دکھائی نہیں دیتے بلکہ صرف ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کی نگاہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھول دی ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی چند مخصوص دعائیں ہیں جن سے ذوق وشوق ٹپکتا ہے۔ کتنی ہی بار آپ نے دل کی گہرائیوں سے یہ الفاظ کہے: ''پروردگار! اگر میں تیری عبادت آگ کے ڈر سے کروں تو مجھے جہنم میں جھونک دے اور اگر جنت کے لالچ سے کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے۔ ہاں اگر میں تیری عبادت صرف تیرے ہی لیے کروں تو اے اللہ تبارک وتعالیٰ! مجھے اپنی ذات کریم سے محروم نہ کرنا۔''

آپ کو حج کرنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ آپ نے ایک گدھے کا انتظام کیا اور اپنا مختصر سا سامان گدھے پر لاد کر قافلے کے ساتھ ہو لیں۔ گدھا نحیف اور کمزور تھا۔ راستے میں وہ گدھا مر گیا۔ قافلے والوں نے آپ سے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اپنا سامان ہمیں دے دیجئے ہم لے چلیں گے۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ آپ نے قافلے والوں سے کہا: ''تم لوگ اپنا راستہ لو۔ میں تمہارے بھروسہ پر گھر سے نہیں نکلی ہوں۔'' یہ سن کر قافلے والے خاموش ہو گئے اور آپ کو تن تنہا جنگل میں چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ اب آپ جنگل میں اکیلی تھیں۔ یادِ الٰہی میں آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک دریا رواں تھا۔ بظاہر کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ لیکن آپ کو کارسازِ حقیقی پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے بارگاہِ ایزدی میں یوں عرض کیا:

''اے پروردگار! کیا ایک غریب، عاجز اور نادار عورت کے ساتھ بادشاہ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔
مجھے اپنے گھر بلایا اور راستے میں میرے گدھے کو مار ڈالا۔ اور مجھے جنگل میں اکیلا اور تنہا چھوڑ دیا۔''

ابھی آپ راز و نیاز کی باتوں میں مصروف ہی تھیں کہ آپ کا گدھا زندہ ہو گیا اور ایک دم کھڑا ہو گیا۔ جن لوگوں کو آپ کے گدھے کا دوبارہ زندہ اور تندرست وتوانا ہو جانے پر شک ہے، تعجب ہے، اعتراض ہے ان سے میری گزارش ہے کہ وہ سورہ بقرہ کی آیت مبارک 259 کا بغور مطالعہ کریں اور قادرِ مطلق کلمہ ''کن'' کے مالک کی شان دیکھیں۔ آپ نے خوشی خوشی اس پر اپنا سامان لادا اور مکہ معظمہ کی راہ لی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ نے ایک ویران جگہ میں کچھ دن قیام کیا، دورانِ قیام آپ نے ایک دن اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس طرح التجا کی:

''میں اس لئے دل گرفتہ ہوں کہ میری تخلیق تو خاک سے ہوئی ہے اور کعبہ پتھر سے تعمیر کیا گیا۔
لہٰذا میں تجھ سے بلاواسطہ ملاقات کی متمنی ہوں۔''

دوست کا دوست سے اس طرح خطاب ہوا:

''اے رابعہ! کیا نظامِ عالم درہم برہم کر کے تمام اہلِ عالم کا خون اپنی گردن پر لینا چاہتی ہے

اور کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی خواہش کی اور ہم نے اپنی تجلیات

میں سے ایک چھوٹی سی تجلی کوہِ طور پر ڈالی تو وہ پاش پاش ہو گیا۔''

ایک مرتبہ آپ مکہ معظّمہ جا رہی تھیں۔ مکہ معظّمہ سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل میں آپ فروکش ہوئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ خانہ کعبہ استقبال کے لئے وہاں آ گیا ہے۔ آپ نے اُسے دیکھ کر یہ فرمایا: (سفینۃ الاولیاء، (فارسی) صفحہ 208)

''مجھ کو صاحب خانہ درکار ہے۔ خانہ کعبہ کا کیا کروں گی۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''مجھے مکان کی حاجت نہیں بلکہ مکین کی ضرورت ہے، کیونکہ مجھے حسن کعبہ

سے زیادہ جمالِ خداوندی کے دیدار کی تمنا ہے۔'' (تذکرۃ الاولیاء، صفحہ 44)

آپ بہت اچھی شاعرہ بھی تھیں۔ حضرت امام غزالی آپ کی شاعری کے متعلق ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں:

''رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے ان اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے۔ اس سے

مراد ہے اللہ کا احسان اور انعام ہے جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے، اور جس حب ذات یعنی

خالص حب الٰہی کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ہے دیدار الٰہی اور جمالِ خداوندی کی محبت، جس کا نظارہ

اُن کے دل کی آنکھوں نے کیا ہے۔ اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے۔''

جمالِ ربوبیت کی لذت بجائے خود سب سے بڑی چیز ہے۔ اس کے بارے میں حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اپنے نیک اور صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے نہ (عام) آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ (عام) کان سن سکتے ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں اُن کا خیال گزر سکتا ہے۔''

آپ ایک شعر میں فرماتی ہیں کہ:

''اے نفس! تو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ حالانکہ تو اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔''

اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہے تو اپنے اللہ کی فرمانبرداری کر۔''

کیونکہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی ضرور کرتا ہے۔ (احیاء العلوم)

ایک مرتبہ دو مشائخ آپ کے یہاں آئے اور آپ کے مہمان ہوئے، وہ بھوکے تھے۔ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ جو کچھ کھانے کو وہ (حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا) لائیں گی ہم کھا لیں گے، کیونکہ ان کا (آپ کا) کھانا حلال ہو گا۔

وہ دونوں مشائخ کھانے کو بیٹھے۔ آپ کے یہاں اس وقت صرف دو روٹیاں تھیں۔ آپ نے وہ دو روٹیاں اپنے مہمانوں کے سامنے رکھیں۔ وہ کھانا شروع ہی کرنے والے تھے کہ اتنے میں ایک سائل نے آواز دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا نے وہ دونوں روٹیاں مہمانوں کے سامنے سے اُٹھا کر اس سائل کو دے دیں۔ مہمانوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔

کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا کی کنیز نے آپ رحمۃ اللہ علیہا کے سامنے کھانے سے بھرا دستر خوان لاکر رکھا اور کہا: ''یہ حضور کے مخدومین نے بھیجا ہے۔''

آپ نے روٹیاں شمار کیں تو وہ اٹھارہ نکلیں۔

آپ نے خادمہ سے فرمایا کہ روٹیوں کا شمار غلط ہے، ان کو لے جاؤ۔ خادمہ نے روٹیاں اُٹھا کر اس خاتون کو جو لائی تھی واپس کر دیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہا نے جو فرمایا تھا اس سے اُسے آگاہ کر دیا۔

وہ عورت جب روٹیاں لے کر واپس گئی تو ایک دوسری عورت نے ان روٹیوں میں دو روٹیاں اور رکھ دیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں بھیجیں۔

خادمہ نے جب وہ روٹیاں پھر آپ کی خدمت میں پیش کیں تو آپ رحمہا اللہ تعالیٰ نے ان روٹیوں کو پھر گنا۔ گننے پر معلوم ہوا کہ بیس روٹیاں ہیں۔ تب آپ نے قبول فرمائیں اور مہمانوں کے سامنے رکھ دیں۔

مہمانوں سے نہیں رہا گیا، وہ پوچھنے لگے کہ اس میں کیا راز تھا: ''آپ نے فرمایا: ''آپ دونوں جب آئے تو میں جانتی تھی کہ آپ دونوں بھوکے ہیں۔ میں نے دو روٹیاں آپ دونوں کے سامنے لاکر رکھیں کہ اتنے میں سائل نے آواز دی۔ میں نے وہ دونوں روٹیاں سائل کو دے دیں پھر میں نے اس طرح مناجات کی: ''اے اللہ تبارک وتعالیٰ! تو نے فرمایا ہے کہ تو ایک کے بدلے میں دس دے گا۔ اب میں نے تیری رضا کے مطابق دو روٹیاں سائل کو دے دی ہیں تا کہ تو ایک کے بدلے میں دس دے دے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور دو روٹیوں کے بدلے میں بیس روٹیاں دے دیں۔ (سفینۃ الاولیاء (فارسی) صفحہ 209، 210)

ایک دفعہ لوگوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں پانی کی بالٹی ہے اور دوسرے ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی لکڑی۔ آپ سے جب پوچھا کہ حضرت رابعہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پانی سے تو میں جہنم کو ٹھنڈا کر دوں گی اور اس آگ سے جنت کو جلا دوں گی تا کہ لوگ جہنم کے خوف اور جنت کی طلب میں عبادت الٰہی نہ کریں اور ان کی عبادت بے غرض ہو جائے۔ اور اصل عبادت ومحبت وہی ہے جو بے غرض کی جائے۔

حضرت حسن بصری، مالک بن دینار اور شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہا ایک مرتبہ حضرت رابعہ کے مکان پر صدق وصفا کے موضوع پر تبادلہ خیال کر رہے تھے تو حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا کی ضرب کو نا قابل برداشت تصور کرے وہ اپنے دعویٰ صدق میں کاذب ہے۔ یہ سن کر رابعہ بصری نے کہا کہ یہ قول خود پسندی کا آئینہ دار ہے۔ پھر شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا کی ضرب پر شکر ادا نہ کرے وہ اپنے دعویٰ صدق میں جھوٹا ہے۔ اس پر رابعہ بصری نے فرمایا کہ صادق ہونے کی تعریف کچھ اس سے اور زیادہ بلند ہونی چاہیے۔ پھر حضرت مالک بن دینارؒ نے صدق کی تعریف میں فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا کی ضرب میں لذت محسوس نہ کرے اس کا دعویٰ صدق باطل ہے۔ لیکن رابعہ بصری نے دوبارہ یہی فرمایا کہ اس سے بھی افضل و

اعلیٰ کوئی اور تعریف ہونی چاہیے۔ یہ کہہ کر آپ نے صدق کی یہ تعریف بیان کی جو مالک کے دیدار پر اپنے زخموں کی اذیت فراموش نہ کر سکے۔ وہ اپنے دعویٰ صدق میں جھوٹا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ دیدار خداوندی میں شدت تکلیف کو فراموش کر دینا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جب کہ حسن یوسف کو دیکھ کر مصری عورتوں نے اپنی انگلیاں تراش ڈالیں اور تمنائے دیدار میں تکلیف کا قطعاً احساس نہ ہوسکا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ آزمائش کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ نہ عورت نبی ہوسکتی ہے اور نہ پیغمبر اور نہ مردوں پر عورت کو خدا نے فضیلت دی ہے، اس کے باوجود آپ کو اپنے مرتبے پر اتنا فخر کیوں ہے؟ فرمایا: آپ نے ٹھیک کہا، لیکن کیا کبھی کسی عورت نے بھی خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ اور پھر سینکڑوں مرد ہیجڑے بن کر پھرتے ہیں، کبھی کوئی عورت بھی ہیجڑا بنتے دیکھی ہے؟ اسی سوال کے جواب میں ایک اور مقام پر فرمایا یہ تو ٹھیک ہے کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی ہے مگر نبی کو جنم تو دیتی ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ جہنم کے خوف سے اور جنت کے لالچ میں عبادت کرتے ہیں وہ بہت بُرے ہیں۔

لوگوں نے پوچھا آپ کو کوئی مرض بھی نہیں اور کوئی بیماری بھی نہیں پھر بھی آپ ہر وقت کیوں آہیں بھرتی رہتی ہیں۔ ہائے ہائے کرتی رہتی ہیں ہر وقت آنسوؤں کی جھڑی لگی رہتی ہے؟ فرمایا: میں بیمار ہوں مگر میری بیماری ایسی ہے، جس کو تم نہ دیکھ سکتے ہو نہ جان سکتے ہو اور اس کا کوئی علاج بھی تمہارے پاس نہیں ہے۔ اس کا علاج صرف وصال رب العالمین ہے۔

ایک دن حضرت خواجہ حسن بصریؒ آپ کے پاس گئے اور جا کر کہا:

"آج میں آپ سے وہ باتیں پوچھنے آیا ہوں جو آپ نے نہ تو علم سے حاصل کیں نہ تعلیم سے اور نہ وہ باتیں آپ نے کسی سے سنیں، بلکہ مخلوق سے بلاواسطہ آپ کو پہنچی ہیں۔"

آپ نے ان کو بتایا:

"میں نے چند رسیاں بٹی تھیں تا کہ انہیں فروخت کر کے اپنی ضروریات کی چیزیں خرید لوں۔ میں نے ان چند رسیوں کو دو درہم میں فروخت کیا ایک درہم ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرا درہم دوسرے ہاتھ میں لیا۔ ایسا میں نے اس لئے کیا کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں ایک ہاتھ میں دونوں درہم لینے سے گمراہ نہ ہو جاؤں۔"

اس خیال میں غرق ہوگئی کہ اگر میں نے دونوں کو ایک ہاتھ میں لے لیا تو یہ جوڑا بن جائے گا اور یہ بات وحدانیت کے منافی اور میری گمراہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ پس اس کے بعد سے میری تمام راہیں کشادہ ہوتی چلی گئیں۔ (اللہ اکبر)

ایک دفعہ حضرت مالک بن دینارؒ آئے، آپ ریاضات میں مصروف تھیں دیکھا کہ ٹوٹے پیالے سے پانی پی رہی ہے پھٹا پرانا بوریا بچھا ہے اور تکیے کی جگہ اینٹیں رکھی ہیں تو وہ بڑے کبیدہ خاطر ہو کر کہنے لگے:

"رابعہ! میرے چند دوست امیر ہیں اگر تو اجازت دے تو تیرے لیے اُن سے کچھ مانگ لوں......"

حضرت رابعہ نے جواب دیا:

"مالک بڑی بُری بات ہے مجھے اور انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ رزق دیتا ہے۔ کیا جو امیروں کو رزق دے سکتا ہے غریبوں کو نہیں دے سکتا؟ جب اُس کی مشیت ہی یہی ہے تو ہم راضی برضا ہیں۔"

بہار کا موسم تھا۔ دل کش نظارہ تھا۔ آپ اپنے حجرے میں تشریف رکھتی تھیں۔ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ آپ کو اندر بیٹھا دیکھ کر اس نے آپ سے کہا: "ذرا باہر نکل کر تو دیکھئے، کیسا اچھا دل کش نظارہ ہے۔ کیا اچھا موسم ہے۔ جدھر دیکھو بہار ہی بہار ہے۔" آپ نے اس شخص کو جواب دیا: "میرا کام کاری گر (خدا) کو دیکھنا ہے نہ کہ اس کی کاری گری (خدائی) کو۔"

حضرت صالح قزوینیؒ ایک دن آپ کے پاس آئے اور بات چیت کے دوران کہنے لگے:

"جو شخص اللہ رب العزت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو دروازہ اُس کے لئے ضرور کھلتا ہے۔"

آپ نے یہ سنا تو صالح قزوینی سے فرمایا:

"دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا اور دروازہ کون کھولے گا۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ دروازہ بند کس نے کیا، جو اُس کے کھٹکھٹانے اور کھولنے کی ضرورت پیش آئے؟"

یہ عارفانہ کلمات سن کر حضرت صالح قزوینیؒ حیرت میں رہ گئے اور کہنے لگے:

"آج مجھے مرد ہو کر اپنی جہالت اور عورت کی دانائی و عقل مندی پر بہت تعجب اور بڑی حیرت ہوئی۔"

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی فضیلت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ اس نے صلحاء و مخلصین کے لئے ایک بلند مثال قائم کرنے میں سبقت کی۔ وہ بصیرت، معرفت اور ایمان پر زندگی بسر کر کے عورتوں کے لئے عزت و مدحت کا ایک ایسا باب کشادہ کر گئیں جو کبھی بند نہ کیا جا سکے گا۔ آخر وہ بھی ایک عورت ہی تھیں جو متقیوں کی صفوں میں سب سے پیش پیش اور عبادت و دیانت میں عورتوں کے لئے واضح دلیل ہے۔

وفات کے وقت بہت سے مشائخ، درویش اور اہل اللہ آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اُن کی طرف دیکھا اور اُن سے فرمایا: "اب آپ لوگ باہر جائیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے قاصدوں کے لئے جگہ خالی کر دیجئے۔"

چنانچہ وہ لوگ اُٹھے اور باہر چلے گئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر باتوں کی آواز آتی رہی، پھر آواز سنائی دی۔

يَاۤاَيَّتُهَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔

"اے نفس مطمئن اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو، راضی رہا تکلیف میں، مصروف رہا عبادت میں اور داخل ہوا جنت میں۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

"اے نفس! تو نے آرام حاصل کیا میرے ذکر سے کہ تو شاکر تھا زحمت میں، اور تو نے صبر کیا زحمت

میں۔دُنیا سے واپس ہوا اپنے پروردگار کی طرف ایسی حالت میں کہ پسند کرنے والا ہے اس کا جو کچھ تجھے دیا گیا ہے۔وہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔پس میرے شائستہ بندوں کے زُمرے میں ہے اور مقربان کے ہمراہ جنت میں آ۔"(سفینۃ الاولیاء(فارسی)صفحہ 208)

لوگ باہر سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔اتنے میں آواز بند ہوگئی۔دروازہ کھولا گیا لوگ اندر داخل ہوئے۔دیکھا کہ آپ رحمت حق میں پیوست ہو چکی تھیں۔اہل دل اور دردجو اس وقت وہاں موجود تھے،کہنے لگے:

"رابعہ رحمۃ اللہ علیہا دُنیا میں آئیں اور آخرت کو گئیں۔انہوں نے سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے سروکار نہ رکھا اور کبھی انہوں نے حق تعالیٰ سے گستاخی نہ کی،اور سوائے اس کے کسی کو نہ چاہا اور کبھی کوئی شکایت نہ کی کہ ایسے رکھا،ویسے رکھا،چہ جائیکہ مخلوق سے کچھ طلب کرتیں۔"

وصال کے وقت آپ کی عمر سن ہجری کے لحاظ سے اٹھاسی (88) سال تھی۔ابن خلکان،ابن شاکر اور ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق آپ نے سن 185 ہجری بمطابق 796ء میں وصال فرمایا۔**اناللّٰه وانااليه راجعون۔**

آپ کا مزار مبارک بصرہ میں مرجع خلائق ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆
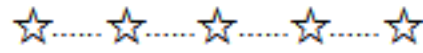
حضرت بشر حافیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک بشر ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی الحافی تھا۔اس لئے آپ کا مکمل اسم مبارک بشر بن حافی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب راہِ ہدایت عطا فرمائی تو آپ کو شدت سے یہ احساس ہوگیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کائنات کے بادشاہ، خالق و مالک کائنات نے کیونکہ زمین کو فرش فرمایا ہے اس لئے اس شاہی فرش پر جوتے پہن کر چلنا آداب کے منافی ہے اور پھر آپ نے تمام عمر پاؤں میں جوتے نہیں پہنے۔اس وجہ سے بھی آپ کو ''حافی'' (جوتے نہ پہننے والا) کہا جانے لگا اور پھر آپ کا نام بشر سے بشر حافی ہوگیا۔

اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بلت بلند اور منفرد ہے۔آپ شریعت،طریقت اور معرفت کے سردار رہنما ہیں۔مجاہدات، مشاہدات وکرامات میں آپ شانِ عظیم اور برہانِ کبیر رکھتے ہیں۔آپ کو کشف ومجاہدات میں مکمل دسترس حاصل تھی اور آپ اصول شرع کے بہت بڑے عالم تھے۔طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے صحبت یافتہ ہیں اور اپنے ماموں حضرت بوعلی بن حشرمؒ کے مرید ہیں۔اور علومِ اصول وفروع میں ماہرفن کا درجہ رکھتے تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے ہم عصروں میں سے چند کے اسمائے مبارک یہ ہیں آپ اپنے ماموں حضرت بوعلی حشرمؒ کے مرید ہیں۔آپ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی صحبت میں بھی رہے۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔حضرت علی جرجانی ،حضرت عبداللہ بن مبارک،حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی ملاقات وفیض کا شرف حاصل تھا یعنی کہ مذکورہ بالا محترم ہستیوں کا زمانہ ہی آپ کا زمانہ ہے۔آپ کی ولادت مرو میں ہوئی اور بغداد میں مقیم رہے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ ایام جوانی میں شراب کے رسیا تھے۔ہر طرح کے فسق وفجور کے ساتھ زیادہ وقت میکدے میں گزرتا تھا۔دوسرے

شرابیوں کی طرح پی کے مست ہو جاتے اور میکدے کے گندے فرش پر ہی لیٹ جاتے ، سو جاتے اور صفائی وطہارت وغیرہ سے بالکل بے نیاز ہوتے ۔ اکثر اوقات آپ کو اپنی بھی سدھ بدھ نہ ہوتی تھی راستوں میں لڑکھڑاتے گرتے پڑتے بے وقت گھر چلے جاتے تھے ۔

قارئین کرام ! درج ذیل میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ، قادرِ مطلق کی شانیں دیکھیں کہ جب وہ کسی کو راہِ ہدایت نصیب فرماتا ہے ، کسی پر اپنا فضل عظیم کرتا ہے (سورۂ حدید ، آیت 21 ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'') تو کیسے انوکھے انداز اپناتا ہے ۔ اس واقعہ میں حضرت بشرؒ کو اپنی سدھ بدھ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے کو جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی ہے ، اسے پہچان لیتے ہیں ، اُٹھاتے ہیں ، ادب سے صاف کرتے ہیں ، چومتے ہیں اور پھر اسے معطر کر کے پاک جگہ پر رکھ دیتے ہیں ۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس خوبی و نیکی کے بدلے انہیں دو جہان کی رحمتوں سے نواز دیتا ہے ۔ اہل بصیرت تو ایسے واقعات سے محوِ حیرت رہتے ہی ہیں اور وہ تو ہر کچھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہی دیکھ رہے ہوتے ہیں ۔ ایسے واقعات عوام الناس کو ، ذی شعور مخلوق یہ سبق دیتے ہیں ، بار بار یاددہانی کراتے ہیں کہ اللہ تو قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے ، وہ جو چاہے کرتا ہے اور اس کی مصلحتیں صرف وہی جانتا ہے ۔

آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ شراب سے مست ہو کر جارہے تھے کہ راستے میں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا ۔ آپ نے اُسے عزت سے اُٹھا لیا اور عطر لگا کر پاک جگہ پر رکھ دیا ۔ اسی رات خواب میں حق تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور فرمان ہوا کہ : **یابشر طیبت بسمی فبعزتی طیبن اسمک فی الدنیا والآخرۃ** ۔ ''اے بشر ! تو نے میرے نام کو معطر کیا ، میری عزت کی قسم ، میں نے بھی تیرے نام کو دُنیا اور آخرت میں معطر کیا ۔'' جو کوئی بھی تیرا نام سنے گا اس کا دماغ معطر ہو جائے گا ۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو فوراً توبہ کی اور طریقت کا راستہ اختیار کیا ۔ آپ پر مشاہداتِ حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ ساری عمر جوتا نہ پہنا ۔ جب کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ زمین خداوند عالم کا فرش ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس پر جوتا پہن کر چلوں اور میرے اور فرشِ حق کے درمیان کوئی اور چیز حائل ہو ۔ یہ اُن کے راز و رموز کی بات ہے کہ ان کے لئے جوتا حجاب بن گیا تھا ۔

ایک اور روایت میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حالت دیوانگی میں کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں ایک کاغذ پڑا ہوا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا ۔ آپ نے اس کاغذ کو عطر سے معطر کر کے کسی بلند مقام پر رکھ دیا اور اسی شب خواب میں دیکھا کہ کسی درویش کو منجاب اللہ یہ حکم ملا کہ بشر حافی کو یہ خوشخبری سنادو کہ ہمارے نام کو معطر کر کے جو تم نے تعظیماً ایک بلند مقام پر رکھا ہے اس کی وجہ سے ہم تمہیں بھی پاکیزہ مراتب عطا کریں گے ۔ اور بیداری کے بعد جب اُن درویش کو یہ تصور آیا کہ بشر حافی تو فسق و فجور میں مبتلا ہیں ۔ اس لئے شاید میرا خواب صحیح نہیں ہے ۔ لیکن دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ بھی جب یہی خواب دیکھا تو وہ آپ کے گھر پہنچے ، وہاں معلوم ہوا کہ میکدے میں ہیں ۔ جب وہ بزرگ میکدے میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ بشر حافی نشہ میں چور اور

بدمست پڑے ہوئے ہیں۔انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ سے جا کر کہہ دو کہ میں تمہارے لئے ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ چنانچہ جب لوگوں نے آپ سے کہا تو فرمایا کہ نامعلوم عتاب الٰہی کا پیغام ہے کا سزا کا۔پیغام سن کر میکدہ سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر کے نکلے جس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ عظیم مراتب عطا فرمائے کہ آپ کا ذکر بھی قلوب کے لئے باعث سکون بن گیا۔چونکہ آپ اس احساس کی وجہ سے ننگے پاؤں رہا کرتے تھے کہ زمین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرش فرمایا ہے اس لئے شاہی فرش پر جوتے پہن کر چلنا آداب کے منافی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو "حافی" کہا جاتا ہے۔

آپ ایک ایسی جماعت سے منسلک تھے جو نہ زمین پر تھوکتے تھے، نہ مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کرتے تھے۔انہیں ہر جگہ انوارِ الٰہی نظر آتے تھے۔حضرت بشر حافیؒ جوتا نہیں پہنتے تھے۔فرماتے زمین اللہ تعالیٰ کا فرش ہے۔اس لیے شاہی فرش پر جوتے پہن کر چلنا آداب کے خلاف ہے اسی لیے آپ کو حافی کہتے تھے، حافی ننگے پاؤں چلنے والوں کو کہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپ کے عقیدت مند تھے اور زیادہ دیر آپ کے پاس گزارتے تھے۔حضرت امام احمد حنبلؒ کے شاگردوں نے پوچھا: آپ اتنے بڑے فقیہہ اور محدث ہیں۔آپ دیوانے (حضرت بشر حافی) کے پاس کیوں ہر وقت بیٹھے رہتے ہیں۔آپ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے مجھے کچھ علوم پر عبور حاصل ہے مگر وہ دیوانہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔امام احمد بن حنبلؒ آپ کے پاس بیٹھتے تو کہتے: آپ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی باتیں سنائیں۔

ایک مرتبہ میدان بنو اسرائیل میں حضرت بلال خواصؒ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوگئی تو بلال نے پوچھا کہ امام شافعی کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اوتار میں سے ہیں اور جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ اُن کا شمار صدیقین میں ہوتا ہے اور جب حضرت بشر حافیؒ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ منفرد زمانہ ہیں۔

حضرت عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ذوالنون مصریؒ کو عبادت سے متصف پایا اور حضرت سہیل کو اشاروں پر چلنے والا دیکھا اور بشر حافی کو تقویٰ میں ممتاز پایا۔لوگوں نے پوچھا کہ پھر آپ کا رُجحان کس کی طرف ہے۔فرمایا کہ بشر حافی کی طرف ہے کیونکہ وہ میرے استاد بھی ہیں۔

ایک مرتبہ آپ اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ایک پاؤں اندر ایک باہر تھا۔جانے کہاں ڈوب گئے ساری رات اسی حالت میں کھڑے رہے۔ایک مرتبہ چھت پر جاتے جاتے درمیان میں رُک گئے۔ساری رات سیڑھیوں میں کھڑے رہے۔صبح آپ کی بہن نے آکر جھنجھوڑا اور کہا یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟فرمایا: میں اس تصور میں ڈوبا ہوا تھا کہ بغداد میں دو غیر مسلموں کے نام بھی بشر ہیں۔رات بھر یہی سوچتا رہا کہ میرا نام بھی بشر ہے۔جانے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیوں مجھے دولت اسلام سے نوازا اور انہیں کیوں محروم رکھا؟

حضرت بشر حافیؒ نے محدث ہونے کے بعد باقی تمام علوم کی کتابوں کو زیر زمین دفن کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی

حدیث کبھی بیان نہیں کی اور یہ فرماتے تھے کہ میں اس وجہ سے حدیث بیان نہیں کرتا کہ میرے اندر حصولِ شہرت کا جذبہ ہے اور اگر یہ خامی نہ ہوتی تو میں ضرور حدیث بیان کرتا۔

مشہور روایت ہے کہ آپ نے چالیس برس تک خواہش کے باوجود کبھی بکری کی سری نہیں کھائی۔اور ہمیشہ باقلہ کی ترکاری کھانے کا جی چاہتا رہا لیکن کھائی کبھی نہیں،اور کبھی حکومت کی جاری کردہ نہر سے پانی نہیں پیا۔پھر ایک مرتبہ جب لوگوں نے یہ سوال کیا کہ آپ کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے؟تو فرمایا کہ خدا کے علاوہ میں نے کبھی کسی پر اظہار حال نہیں کیا اور میں وعظ و نصیحت سے یہ بہتر تصور کرتا ہوں کہ لوگوں کے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتا رہوں۔

کسی نے آپ کو موسم سرما میں برہنہ اور کپکپاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ آپ اتنی اذیتیں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس وجہ سے کہ اس سردی میں جو فقراء صاحب حاجت ہوں گے اُن کا کیا حال ہوگا؟اور میرے پاس اتنا دینے کو نہیں کہ ان کی احتیاج ختم کرسکوں،ضرورت پوری کرسکوں،اس لئے جسمانی طور پر اُن کا شریک رہتا ہوں۔

ایک قافلہ حج کی نیت سے روانہ ہونے لگا تو اہل قافلہ نے آپ سے بھی ہمراہ چلنے کی استدعا کی۔لیکن آپ نے تین شرطیں پیش کر دیں۔اول یہ کہ کوئی شخص اپنے ہمراہ توشہ نہ لے،دوم کسی سے کبھی کچھ طلب نہ کرے،سوم اگر کوئی پیش بھی کرے جب بھی قبول نہ کرے۔یہ سن کر اہل قافلہ نے عرض کیا کہ پہلی دو شرطیں تو ہمیں منظور ہیں لیکن تیسری شرط قابل قبول نہیں۔آپ نے فرمایا کہ توکل حاجیوں کا توشۂ سفر ہے اور اگر تم یہ قصد کر لیتے کہ کسی سے کچھ نہ مانگیں گے تو خدا پر توکل بھی ہو جاتا اور درجہ ولایت بھی حاصل ہو جاتا۔

کسی اجتماع میں آپ رضائے الٰہی کے اوصاف بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ تو ہم بخوبی جانتے ہیں کہ آپ بہت ہی باصفا،باکمال اور مخلوق سے بے نیاز ہیں لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ اگر پوشیدہ طور پر دوسروں سے کچھ لے کر فقراء میں تقسیم کر دیا کریں؟ گو یہ بات آپ کو بار خاطر ہوئی پھر بھی مسکرا کر فرمایا کہ فقراء کی بھی تین قسمیں ہیں۔اول وہ جو نہ تو مخلوق سے طلب کرتے ہیں اور نہ کسی کے کچھ دینے کے باوجود اُن سے کچھ لیتے ہیں۔ان کا شمار تو ایسے روحانی بندوں میں ہوتا ہے کہ جو کچھ خدا سے مانگتے ہیں اُنہیں مل جاتا ہے۔دوم وہ جو خود تو کسی سے طلب نہیں کرتے لیکن اگر کوئی دے دے تو قبول کر لیتے ہیں یہ متوسط قسم کے متوکل ہوتے ہیں،اور انہیں جنت کی تمام نعمتیں حاصل ہوں گی۔سوم وہ جو نفس کشی کرتے ہوئے صبر وضبط سے کام لے کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ہزار درہم ہیں اور میں حج کا خواہش مند ہوں۔آپ نے فرمایا یہ کہ رقم کسی مقروض کو قرض میں دے دو،یا یتیموں اور مفلس عیال داروں میں تقسیم کر دو تو تمہیں حج سے بھی زیادہ ثواب ملے گا لیکن اس نے کہا کہ مجھے حج کی بہت خواہش ہے۔فرمایا کہ تو نے ناجائز طریقے سے یہ رقم حاصل کی ہے اس لئے تو زیادہ ثواب کا خواہش مند بننا چاہتا ہے۔

حضرت احمد بن ابراہیم المطلب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بشر حافیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت معروف کرخی کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ میں نماز فجر کے بعد آپ کے پاس آؤں گا۔لیکن آپ عشاء کے وقت بھی تشریف نہیں لائے چنانچہ میں چشم براہ تھا تو دیکھا کہ آپ اپنا مصلا اُٹھا کر دریائے دجلہ پر پہنچے اور پانی کے اوپر چل کر صبح تک حضرت معروف کرخی سے مصروف گفتگو رہے اور صبح کو پھر پانی پر چلتے ہوئے واپس آ گئے،اس وقت میں نے قدم پکڑ کر اپنے لئے دعا کی درخواست کی تو دعا دے کر فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کو میری حیات میں کسی سے بیان نہ کرنا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک صاحب مکان میں میرے منتظر ہیں۔میرے اس سوال پر کہ بلا اجازت مکان میں تم کیوں داخل ہوئے؟اُس نے فرمایا کہ میں خضر ہوں۔چنانچہ میں نے عرض کیا پھر میرے لئے دعا فرمادیں تو آپ نے کہا کہ اللہ تیرے لئے عبادت کو آسان کردے اور تیری عبادت کو تجھ سے بھی پوشیدہ رکھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ خواب میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ اے بشر! کیا تجھے علم ہے کہ تیرے دور کے بزرگوں سے تیرا درجہ کیوں بلند کیا گیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مجھے تو معلوم نہیں۔فرمایا کہ تو نے سنت کا اتباع کرتے ہوئے بزرگوں کی تعظیم کی اور مسلمانوں کو راہ حق دکھاتا رہا اور میرے اصحاب اور اہل بیت کو تو نے ہمیشہ محبوب رکھا۔اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجھے یہ مرتبہ عطا فرمایا۔پھر دوبارہ جب حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمادیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ امراء حصول ثواب کے لئے فقراء کی جو خدمت کرتے ہیں وہ تو پسندیدہ ہیں لیکن اس سے زیادہ افضل یہ ہے کہ فقراء کبھی امراء کے آگے دست طلب دراز نہ کریں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھیں۔

اولیاء اللہ میں تقویٰ میں آپ کا خاص مقام اس سے ظاہر ہے کہ کسی عورت نے امام احمد بن حنبلؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ میں اپنی چھت پر سوت کات رہی تھی کہ راستہ میں شاہی روشنی کا گزر ہوا اور اسی روشنی میں تھوڑا سا سوت کات لیا،اب فرمایئے کہ وہ سوت جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ تم کون ہو؟اور اس قسم کا مسئلہ کیوں دریافت کرتی ہو؟اس عورت نے جواب دیا کہ میں بشر حافیؒ کی ہمشیرہ ہوں۔امام صاحب نے فرمایا کہ تمہارے لئے وہ سوت جائز نہیں،کیونکہ تم اہل تقویٰ کے خاندان سے ہو اور تمہیں اپنے بھائی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جو مشتبہ کھانے پر اگر ہاتھ بڑھاتے تو ہاتھ بھی اُن کی پیروی نہیں کرتا تھا۔

فرمایا کہ تقویٰ نام ہے شکوک وشبہات سے پاک ہونے اور قلب کی ہمہ وقت گرفت کرنے کا۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کو صبر ومعرفت سے زیادہ عظیم شے اور کوئی نہیں عطا کرتا اور اہل معرفت ہی خدا کے مخصوص بندے ہیں۔اور جو بندہ اللہ کے ساتھ قلب کو صاف رکھتا ہے اس کو صوفی کہتے ہیں۔اور اہل معرفت وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے نہ کوئی جانتا ہے نہ عزت کرتا ہے اور جو شخص حلاوت آزادی کے ساتھ ہمکنار ہونا چاہے اُس کو اپنے خیالات پاکیزہ بنانے چاہئیں۔اور جو صدق دلی کے ساتھ عبادت

کرتا ہے وہ لوگوں سے وحشت زدہ رہتا ہے۔فرمایا کہ نہ تو مجھے کبھی اہل دنیا میں بیٹھنا گوارا ہوا اور نہ کبھی انہیں میری صحبت اچھی لگی۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ پانی جب تک رواں رہتا ہے صاف رہتا ہے اور جب رُک جاتا ہے گدلا اور کیچڑ جیسا ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ جو دُنیاوی عزت چاہتا ہے اسے تین چیزوں سے کنارہ کش رہنا چاہیے۔اول مخلوق سے اظہار حاجت کرنا۔دوم دوسروں کے عیب نکالنا۔سوم کسی مہمان کے ہمراہ جانا۔فرمایا کہ دُنیاوی نمود کا خواہش مند لذت آخرت سے محروم رہتا ہے۔فرمایا کہ قانع رہنے سے دُنیا ہی میں عزت مل جاتی ہے۔پھر فرمایا کہ یہ تصور کرنا کہ لوگ ہمیں بہتر سمجھیں محض حُب دُنیا کا مظہر ہے اور جب تک بندہ نفس کے سامنے فولادی دیوار کی طرح قائم نہیں ہو جاتا اس وقت عبادت میں لذت و حلاوت حاصل نہیں کر سکتا۔فرمایا کہ یہ تین کام بہت مشکل ہیں۔اوّل مفلسی میں سخاوت۔دوم خوف میں صداقت۔سوم خلوت میں تقویٰ۔

انتقال کے وقت جب آپ شدید مضطرب ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا ترک دنیا کا غم ہے۔فرمایا نہیں بلکہ بارگاہِ خداوندی میں جانے کا خوف ہے۔کسی شخص نے آپ کی موت کے وقت جب آپ سے اپنی مفلسی کا رونا رویا تو آپ نے اپنا پیراہن اُتار کر اُس کو دے دیا اور خود دوسرے کا مانگ کر پہن لیا۔

انتقال کے بعد کسی نے خواب میں آپ سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ سے اس لئے ناراض ہوا کہ تو دُنیا میں اس سے اتنا زیادہ کیوں خائف رہتا تھا اور کیا تجھے میری کریمی پر یقین نہیں تھا؟ پھر اسی شخص نے اگلے دن خواب میں دیکھ کر جب حال پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ خوب اچھی طرح کھا اور پی، اس لئے کہ دُنیا میں تو نے ہماری یاد کی وجہ سے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔

پھر کسی اور شخص نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا تو فرمایا میری بخشش بھی ہو گئی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے لئے نصف بہشت جائز قرار دے دی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر تو آگ پر سجدہ ریزی کرتا رہتا جب بھی اس چیز کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتا تھا کہ ہم نے لوگوں کے قلوب میں تجھے جگہ عطا کر دی۔پھر ایک اور شخص نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری مغفرت کر کے یہ فرمایا کہ جب ہم نے تجھے دُنیا سے اُٹھایا تو تجھ سے افضل اور کوئی نہیں تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ابویزید بسطامیؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم مبارک طیفور ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عیسیٰ تھا۔ آپ کی کنیت ابو یزید ہے۔ اس طرح آپ کا مکمل نام ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی ہے۔ بسطامی آپ کے نام کے ساتھ اس لئے ہے کہ آپ کا تعلق بسطام سے تھا یا یہ کہ آپ بسطام کے رہنے والے تھے۔ وقتِ رفتہ کے ساتھ آپ کا آبائی نام تو بھلا دیا گیا اور آپ ابو یزید بسطامی کے نام سے شہرت پا گئے۔ پھر نہ جانے کیوں وقت رفتہ کے ساتھ آپ کا نام ''بایزید بسطامی'' لکھا، بولا جانے لگا۔

آپ معرفت کے آسمان اور محبت کے سمندر ہیں۔ آپ کا شمار بہت ہی عالی مقام اولیاءاللہ اور اکابرین مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ نے ریاضات وعبادات کے ذریعے کمال حاصل کیا۔ آپ بحرِتوحید کے ماہر پیراک ہیں۔ ریاضات، عبادات، کشف و کرامات میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل تھا۔ احادیث بیان کرنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ شریعت وطریقت میں بھی آپ مثالی تھے۔ آپ نے حقیقت سے گزر کر معرفت کو اس انداز سے بیان کیا کہ سمجھ دار لوگ اس سے خوب رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور قربِ الٰہی کے لئے راستہ طے کرتے ہیں اور کمزور ایمان والے اُلجھ جاتے ہیں۔ آپ کا مقام بہت بلند اور حال بے حد قوی تھا، اسی لئے آپ کے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ: **ابایزیدمنا بمنزلة جبرائیل من الملائکة** ۔ ''ہمارے درمیان ابو یزید اس طرح ہیں جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام ملائک میں۔'' اور توحید میں تمام بزرگوں کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔ آپ بہت ہی اولوالعزم اور عالی ہمت تھے۔ آپ تصوف کے دس اماموں سے ایک ہیں اور جس قدر حقائق و معارف آپ نے بیان فرمائے ہیں اس سے پہلے کسی نے بیان نہیں کئے تھے اور آپ ہر حال میں علم اور شریعت کا بہت احترام کرتے تھے۔

زمانہ ہم عصر:

آپ کا سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی معلوم نہیں ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے اس قول کے مطابق کہ ''میرے وصال کے 49 سال بعد سرزمین خرقان میں ایک بہت بڑا اللہ والا پیدا ہوگا اور اس کا نام ابوالحسن ہوگا'' تو اس قول کے مطابق آپ کا سنِ وصال 261 ہجری بنتا ہے کیونکہ قطب زمان حضرت ابوالحسن خرقانیؒ 310 ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے ہم عصروں میں بہت سارے نام ہیں۔ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی رہے، اُن سے فیض یاب ہوتے رہے

ہیں اور حضرت امام جعفر صادق ﷺ کی پیدائش 80 ہجری کی ہے اور اُن کا وصال 148 ہجری میں ہوا۔ اس سے میں (اِس کتاب کا مصنف) نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ آپ کی پیدائش 110 ہجری بمطابق 729ء کے قریب کی ہے اور آپ نے عمر بھی مقابلتاً طویل پائی تھی اس لئے میرا اندازہ ہے کہ آپ کا وصال 261 ہجری بمطابق 875ء کے لگ بھگ ہی ہوا ہے۔ مثنوی مولانا روم کے مطابق آپ کا وصال 261 ہجری میں ہوا۔

آپ کی عمر طویل ہونے کا اندازہ آپ کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے کہ میں چالیس (40) سال مسجد میں مقیم رہا اور اس دوران احتراماً مسجد کی دیوار کے علاوہ مسجد میں اور کسی چیز سے ٹیک نہ لگائی۔ میں نے چالیس (40) سال تک عام انسانوں کی غذا چکھی تک نہیں۔ پھر تیس (30) سال اللہ کی جستجو میں گزارے اور اب گزشتہ تیس (30) سال سے یہ کیفیت ہے کہ جب اللہ پاک کا نام لیتا ہوں تو اس سے پہلے تین بار اپنی زبان دھولیتا ہوں۔ (اگر قارئین کرام میں سے کسی کو آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال معلوم ہو تو مجھے بھی آگاہ کرے تا کہ اس کتاب میں میں اس کا اندراج کردوں۔)

آپ کے ہم عصروں میں سے کچھ حضرات کے نام یہ ہیں (یا ان حضرات سے عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں آپ کی ملاقات ہوئی ہے، واسطہ رہا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق ﷺ، حضرت ذوالنون مصری، حضرت شفیق بلخی، حضرت احمد خضرویہ، حضرت ابوتراب بخشی، حضرت عیسیٰ بسطامی، حضرت یحییٰ بن معاذ، حضرت حاتم اصم، حضرت ابونصر قشیری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے دادا آتش پرست تھے اور والد بزرگوار کا بسطام کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کی کرامات کا ظہور شکمِ مادر میں ہونے لگا تھا۔ کیونکہ آپ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جس وقت بایزید میرے شکم میں تھے تو اگر کوئی مشتبہ غذا میرے شکم میں چلی جاتی تو اس قدر بے کلی اور بے چینی ہوتی کہ مجھے حلق میں انگلی ڈال کر نکالنا پڑتی۔ حضرت بایزید کا قول ہے کہ راہِ طریقت میں سب سے بڑی دولت وہ ہے جو مادرزاد ہو، اس کے بعد چشمِ بینا اور اس کے بعد گوش۔ لیکن اگر یہ تینوں چیزیں حاصل نہ ہوں تو پھر اچانک مرجانا بہتر ہے۔

ایک نیک بڑھیا سو رہی تھی، سرہانے ایک شخص ہاتھ میں پانی کا کوزہ لیے تھا۔ سردی کے سبب ہاتھ سن ہو رہے تھے کوزے میں پانی جم چکا تھا بلا کی سردی تھی برف کے گالے گر رہے تھے۔ سنسان پہاڑوں کی چٹانیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں مگر وہ انسان اتنی سخت سردی میں جانے پانی کہاں سے لایا تھا ماں سو رہی تھی۔ بیٹا سرہانے پانی لیے کھڑا تھا۔ ماں نے پانی مانگا تھا بیٹے نے گھر کا ایک ایک برتن دیکھا پانی نہ ملا۔ اس بلا کی سردی میں صراحی لے کر باہر نکلا۔ برف پڑ رہی تھی اور وہ ندی کی طرف جا رہا تھا۔ ندی کا پانی جم چکا تھا ہاتھ سے برف ہٹا کر پانی بھرا۔ واپس آنے میں دیر ہوگئی ماں سو چکی تھی۔ سعادت مند بیٹا پانی کا کوزہ لے کر ساری رات ماں کے سرہانے کھڑا رہا۔ کوزے کا پانی بھی اس بلا کی سردی میں جم گیا ہاتھ بھی سن ہو رہے تھے۔ شاید ماں بیدار ہو اور پانی

مانگے اور میں اس کی آواز سن نہ سکوں۔ ساری رات پانی لیے بیٹا ماں کے سرہانے کھڑا رہا۔

صبح ہوئی ماں بیدار ہوئی تو بیٹے کو سرہانے کھڑا دیکھا تو تڑپ گئی۔ بیٹے تم ایسے کیوں کھڑے ہو اور کب سے کھڑے ہو؟ بیٹے نے کہا محترم ماں سونے سے پہلے آپ نے پانی مانگا تھا۔ پانی گھر میں نہیں تھا میں ندی پر پانی لینے چلا گیا واپس آیا تو آپ سو چکی تھیں۔ میں اس لیے کھڑا رہا کہ رات کو کسی وقت بیدار ہو کر آپ پانی مانگیں اور میں پھر اس سعادت سے محروم رہ جاؤں اس لیے رات بھر پانی لیے کھڑا رہا۔ ماں نے آبدیدہ ہو کر پانی پی لیا اور گڑ گڑا کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے دعا کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا سن لی اور اس سعادت مند بیٹے کی عظمتوں کا چراغ رہتی دنیا تک جلا دیا۔

بیٹا! حضرت بایزید بسطامیؒ تھے وہ اُن کی نیک ماں تھیں۔

جب آپ مکتب میں داخل ہوئے اور آپ نے سورۂ لقمان کی یہ آیت پڑھی کہ **ان اشکرلی ولوالدیک** یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا۔ اس وقت اپنی والدہ سے آکر عرض کیا کہ مجھ سے دو ہستیوں کا شکر ادا نہیں ہو سکتا لہٰذا آپ مجھے خدا سے طلب کر لیں تا کہ میں آپ کا شکر ادا کرتا رہوں یا پھر خدا کے سپرد کر دیں تا کہ اس کے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ والدہ نے فرمایا کہ میں اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں۔

چنانچہ اس کے بعد آپ ملک شام کی جانب نکل گئے اور وہیں ذکر واذکار کو جزو حیات بنا لیا اور مکمل تین سال شام کے میدانوں اور صحراؤں میں زندگی گزار دی۔ اس عرصہ میں یادِ الٰہی کی وجہ سے کھانا پینا سب ترک کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک سو ستر مشائخ سے بھی نیاز حاصل کر کے اُن کے فیوض سے سیراب ہوئے۔ انہیں مشائخ میں حضرت امام جعفر صادق ؓ بھی شامل ہیں۔

جب سفر سے واپسی پر گھر آئے تو دروازے پر کھڑے ہوئے۔ اندر سے آواز آ رہی تھی۔ والدہ فرما رہی تھیں یا اللہ! میرے مسافر کی خیر، اِسے راحت سے رکھنا۔ آپ ماں کی دعائیں سن رہے تھے اور رو رہے تھے۔ پھر دروازے پر دستک دی۔ ماں نے آواز دی کون؟ فرمایا: ماں، آپ کا مسافر، ماں نے دروازہ کھولا اور گلے لگایا۔ فرمایا: میرے بیٹے! تو نے اتنا طویل سفر اختیار کر لیا۔ روتے روتے میری بینائی ختم ہو گئی، کمر جھک گئی۔ آپ نے فرمایا جس کام کو میں نے بعد کے لیے چھوڑا تھا۔ وہ پہلے ہی ہو گیا اور وہ میری والدہ کی خوشنودی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس مقام کے لیے میں نے برسوں ریاضت کی جنگلوں اور صحراؤں میں مارا مارا پھرا مگر وہ مقام مجھے ماں کی ایک رات کی خدمت میں حاصل ہو گیا۔ جو پردے بڑوں کی ریاضت سے نہ اُٹھ سکے وہ ماں کی ایک رات کی فرمانبرداری سے اُٹھ گئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنے بھی مراتب حاصل ہوئے سب والدہ کی اطاعت سے حاصل ہوئے۔ ایک رات والدہ نے فرمایا کہ دروازے کا ایک پٹ کھول دو۔ لیکن میں رات بھر اسی پریشانی میں کھڑا رہا کہ نہ معلوم دایاں پٹ کھولوں یا بایاں، کیونکہ اگر ان کی مرضی کے خلاف پٹ کھل گیا تو حکم عدولی میں شمار ہو گا۔ چنانچہ انہیں خدمتوں کی برکت سے یہ مراتب مجھ کو حاصل ہوئے۔

آپ کا طریق ابتدائے حال سے مجاہدات اور طریقت پر عمل پیرائی تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے تیس سال مجاہدہ کیا اور سب سے زیادہ شدید مشکل چیز میرے لئے سوائے شریعت اور پابندیِ شریعت کے اور کوئی نہیں تھی۔ اور اگر اختلافِ امت نہ ہوتا تو میں محروم رہتا۔ اسی لئے اختلافِ علماء کو رحمت کہا گیا ہے سوائے تجرید و توحید کے۔

آپ فرمایا کرتے کہ میں نے بارہ سال تک نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدے کی آگ سے تپایا اور ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا جس کے بعد میرا نفس آئینہ بن گیا۔ پھر پانچ سال مختلف قسم کی عادات سے اس پر قلعی چڑھاتا رہا۔ پھر ایک سال تک جب میں نے خود اعتمادی کی نظر سے اس کا مشاہدہ کیا تو اس میں تکبر و خود پسندی کا مادہ موجود پایا چنانچہ پھر پانچ سال تک سعی بسیار کے بعد اس کو مسلمان بنایا۔ اور جب اس میں خلائق (نفس، خواہشات، ضروریات) کا نظارہ کیا تو سب کو مردہ دیکھا اور نماز جنازہ پڑھ کر اُن سے اس طرح کنارہ کش ہو گیا جس طرح لوگ نماز جنازہ پڑھ کر قیامت تک کے لئے مردے سے جدا ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔

ایک مرتبہ آپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اے بایزید فلاں طاق میں جو کتاب رکھی ہے وہ اُٹھا لاؤ۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ طاق کس جگہ ہے۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اتنے عرصہ رہنے کے بعد بھی تم نے طاق نہیں دیکھا؟ آپ نے عرض کیا کہ طاق تو کجا میں نے آپ کے روبرو کبھی سر بھی نہیں اُٹھایا۔ اس وقت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تم مکمل ہو چکے ہو لہذا بسطام واپس چلے جاؤ۔

فرماتے ہیں سچا عابد وہ ہے جو کوشش کی تلوار سے تمام آرزوؤں کو قتل کر دے تمام خواہشات تمام مرادوں اور تمناؤں کو خدا کی محبت میں تباہ کر دے اور خداوند کریم کی رضا پر جیتا رہے۔ فرمایا: جس کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا دوست بناتا ہے اس کو اپنی تین خاصیتیں عطا کر دیتا ہے۔ دریا جیسی سخاوت، زمین جیسی عاجزی، آفتاب کی مانند مخلوق خدا پر شفقت۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام نے آپ سے پوچھا آپ نہ کوئی کام کرتے ہیں نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں تو پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا ایسے شخص کی اقتداء میں نماز جائز نہیں جو روزی دینے والے کو نہ جانتا ہو۔

ایک مرتبہ آپ کو عبادت میں لطف نہ آیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا: دیکھ گھر میں کیا ہے؟ خادم واپس آیا اور عرض کی یا شیخ! گھر میں ایک انگور کا گچھا ہے۔ فرمایا جا یہ کسی کو دے آ، ہمارا گھر بنیے کی دُکان نہیں ہے۔ خادم وہ خوشہ کسی کو دے آیا پھر آپ عبادت میں مشغول ہو گئے عبادت میں سرور و لطافت لوٹ آئے۔

آپ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ مسجد جاتے وقت راستے میں بھی نہ تھوکتے، سفر حج میں چند قدموں کے بعد آپ نماز ادا کرتے ہوئے فرماتے کہ بیت اللہ دُنیاوی بادشاہوں کا دربار نہیں جہاں انسان ایک دم پہنچ جائے۔ اس طرح آپ پورے بارہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے لیکن حج کے بعد مدینہ تشریف نہیں لے گئے اور فرمایا کہ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ حج کے طفیل میں مدینہ منورہ

جاؤں،اس کی زیارت کے لئے انشاءاللہ پھر کسی دوسرے موقع پر حاضر ہوں گا۔چنانچہ جب دوسرے سال مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو صدہا افراد آپ کے ہمراہ ہوگئے ۔لیکن آپ نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی اور ایک دن نماز فجر کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا کہ میں تو خدا ہوں ۔اس کے باوجود بھی لوگ میری پرستش نہیں کرتے ۔یہ سنتے ہی لوگ آپ کو پاگل سمجھ کر کنارہ کش ہوگئے لیکن درحقیقت یہ الفاظ آپ نے لسان غیب (زبانِ خدا) سے فرمائے تھے ۔

ایک مرتبہ راہ میں آپ کو ایسی کھوپڑی پڑی ہوئی مل گئی جس پر یہ تحریر تھا۔**صم بکم عمی فھم لایعقلون** ۔''یعنی وہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں اس لئے کہ وہ عقل نہیں رکھتے ۔''یہ پڑھتے ہی آپ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے اور ہوش آنے کے بعد اس کھوپڑی کو بوسہ دے کر فرمایا کہ یہ ایسے صوفی کی ہے جو ذکر الٰہی میں اس درجہ سرگرداں ہوگیا کہ نہ تو کان رہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بات سنے، نہ زبان جس سے اس کا ذکر کرسکے اور نہ آنکھ جس سے اس کا جمال دیکھ سکے۔

مدینہ منورہ سے سفر میں آپ نے اپنے اونٹ پر بے حد بوجھ لادلیا اور جب لوگوں نے کہا کہ جانور پر اس قدر بوجھ لادنا شانِ بزرگی کے خلاف ہے ۔تو فرمایا کہ پہلے آپ لوگ غور سے دیکھ لیں کہ بوجھ اونٹ کے اوپر ہے بھی یا نہیں، چنانچہ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ پورا بار اونٹ کی کمر سے اوپر تھا۔یہ دیکھ کر سب حیرت زدہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنا حال پوشیدہ رکھتا ہوں تو دوسروں کو خبر نہیں ہوتی اور اگر یہ ظاہر کردیتا ہوں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں ان حالات میں بھلا تمہارے ہمراہ کیسے رہ سکتا ہوں۔

جب زیارت مدینہ سے فارغ ہوئے اور والدہ کی خدمت کا تصور آیا تو بسطام کے لئے روانہ ہوگئے اور جب اہل شہر کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو کافی فاصلہ طے کرکے آپ کے استقبال کے لئے پہنچ گئے ۔اس وقت آپ کو یہ پریشانی ہوئی کہ اگر لوگوں سے ملاقات کرتا رہوں تو یادِ الٰہی میں غفلت ہوگی، لہٰذا آپ نے ان لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ رمضان کے باوجود دُکان سے نان خرید کر کھانا شروع کردیا۔یہ دیکھتے ہی تمام عقیدت مند واپس ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ کو میں نے اجازت شرعی (سفر میں روزہ نہ رکھنا اور بعد میں رکھ لینا) پر عمل کیا لیکن لوگ مجھے برا سمجھ کر منحرف ہوگئے ۔

ایک مرتبہ سفر حج پر جارہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا۔اس نے آپ سے پوچھا حج پر جارہے ہو کچھ پیسے بھی پاس ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے پاس سو دینار ہیں ۔اس شخص نے کہا میں غریب آدمی ہوں اور عیالدار ہوں ۔اگر آپ مجھے یہ سو دینار دے دیں اور میرے گرد سات چکر کاٹ لیں تو آپ کا حج ہوجائے گا۔آپ نے ایسا ہی کیا اور واپس آگئے ۔

عبادت کے اوقات میں آپ کو یہ خوف لاحق رہتا کہ کہیں کسی کی آواز سے میری عبادت میں خلل واقع نہ ہوجائے اس لئے مکان کے تمام سوراخ بند کردیتے تھے ۔عیسیٰ بسطامی کا قول ہے کہ میں تیس سال آپ کے ساتھ رہا لیکن کبھی آپ کو بات کرتے نہیں دیکھا۔اور آپ کی یہ عادت تھی کہ زانو میں سر دیئے رہتے اور جب سر اُٹھاتے تو پھر فوراً ہی سرد آہ کھینچ کر زانو پر رکھ لیتے ۔حضرت سہلکیؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بسطامی نے جیسا بیان کیا وہ قبض کی کیفیت ہوگی ۔ویسے آپ حالت بسط میں لوگوں سے باتیں

کرتے اور فیض بھی پہنچاتے تھے۔

آپ مسجد میں چالیس برس مقیم رہے لیکن اس درجہ محتاط تھے کہ مسجد کا اور مسجد سے باہر کا لباس جدا جدا ہوتا تھا اور اس میں سوائے مسجد کی دیوار کے آپ نے کسی چیز سے ٹیک نہیں لگائی۔ مسجد کے احترام میں بہت احتیاط فرمایا کرتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس برس تک عام انسانوں کی غذا چکھی تک نہیں، کیونکہ میرا رزق کہیں اور سے آتا تھا اور میں اس دوران اپنے قلب کی نگرانی میں مصروف رہا۔ اس کے بعد جب غور کیا تو ہر سمت بندگی اور خدائی نظر آئی۔ پھر تیس سال خدا کی جستجو میں گزارے اس کے بعد خدا کو طالب اور خود کو مطلوب پایا اور اب تیس سال سے یہ کیفیت ہے کہ جب خدا کا نام لینا چاہتا ہوں تو پہلے تین مرتبہ اپنی زبان کو دھو لیتا ہوں۔

ایک آتش پرست آپ کا ہمسایہ تھا، وہ پردیس گیا ہوا تھا۔ پیچھے اس کی بیوی تھی اور ایک شیر خوار بچہ تھا گھر میں تنگدستی تھی۔ ایک رات وہ بچہ رات بھر روتا رہا صبح آپ نے پوچھا بی بی رات بچہ کیوں روتا رہا؟ تو اس نے کہا گھر بے چراغ تھا بچہ تاریکی کے باعث روتا رہا۔ پھر آپ ہر روز چراغ جلا کر اس کے گھر رکھ آتے اور بچہ پھر رات بھر آرام سے سوتا۔ وہ آتش پرست پردیس سے واپس آیا تو بچے کی ماں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی اس شفقت کا سارا حال خاوند کو بتایا۔ آتش پرست نے بیوی کی بات غور سے سنی سن کر بیوی سے کہا نیک خاتون جب شیخ نے ہمارے گھر روشنی پہنچا ہی دی ہے تو ہم کیوں غفلت کی تاریکی میں بھٹکتے رہیں۔ میاں بیوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے ایک آتش پرست سے کہا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے جواب دیا اگر مسلمانی یہی ہے جو بایزید اختیار کئے ہوئے ہیں تو مجھ میں مسلمان ہونے کی طاقت نہیں ہے اور اگر مسلمانی وہ ہے جو تم سب لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے تو افسوس میں اس کا یقین نہیں کرتا میں آتش پرست ہی اچھا ہوں۔

ایک مرتبہ ایک قبرستان گئے تو ایک نوجوان بربط بجا رہا تھا۔ آپ نے لاحول پڑھی تو نوجوان کو غصہ آ گیا۔ اس نے بربط آپ کے سر پر ماردی۔ آپ کا سر پھٹ گیا اور اس کی بربط ٹوٹ گئی۔ آپ نے گھر واپس آ کر اس نوجوان کو بربط کی قیمت بھیجی اور گرما گرم حلوہ بنا کر بھیجا اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا، نئی بربط خرید لو۔ حلوہ کھاؤ تا کہ تمہارا غم غلط ہو۔ وہ نوجوان اسی وقت آ کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور تائب ہو کر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا۔

جامع مسجد کے ایک کونے میں آپ نے اپنا عصا کھڑا کر دیا۔ اتفاق سے وہ گر گیا ایک بوڑھے نے اُٹھا کر پھر اُسے کونے میں رکھ دیا۔ جب آپ کو علم ہوا تو آپ اس بوڑھے کے گھر گئے اور عصا اُٹھا کر رکھنے کی زحمت پر معافی مانگی۔

حضرت ابوتراب بخشیؒ کا ایک مرید ریاضت و عبادت میں بہت بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ حضرت ابوترابؒ نے اس سے کہا کہ حضرت بایزید کی صحبت اختیار کرو تمہیں فائدہ ہوگا۔ مرید نے کہا حضرت! میں تو بایزیدؒ کے خدا کو دن میں سو مرتبہ دیکھتا ہوں ان کی ملاقات سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ حضرت ابوترابؒ نے فرمایا تو نے اپنی نظر کی پرواز کے مطابق، استطاعت کے مطابق اور اپنے

ظرف کے مطابق دیدارِ الٰہی کیا ہے۔ مگر ان کی توجہ کے بعد تم دیدارِ خداوندی اس انداز سے کرو گے جیسے دیدار کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار و مشاہدہ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ اسی لئے قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ ایک خاص تجلی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ڈالے گا اور ایک تجلی پوری مخلوق پر۔

اس مرید کا اس بات پر حضرت بایزیدؒ سے ملاقات کا شوق بڑھ گیا۔ مرشد اور مرید حضرت بایزیدؒ سے ملنے گئے اس وقت آپ گھر پر نہیں تھے۔ پانی بھرنے گئے ہوئے تھے جب آپ کی تلاش میں دونوں نکلے تو دیکھا آپ تشریف لا رہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں پانی کا گھڑا ہے اور دوسرے ہاتھ میں پوستین لٹکائے آ رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر مرید پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ لرز گیا۔ اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ زمین پر گر پڑا اور وہیں دم توڑ دیا۔

حضرت ابوترابؒ نے آپ سے کہا: یا حضرت! ایک نظر میں ہی آپ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ فرمایا اس کے اندر کشف کا ایک خاص مقام باقی رہ گیا تھا۔ جو اسے حاصل تو ہو گیا مگر وہ اس کی تاب نہیں لا سکا۔ برداشت نہیں کر سکا۔ بالکل اسی طرح جس طرح حسن یوسف علیہ السلام کی تاب نہ لا کر مصر کی خواتین نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔

جب آپ کو یہ خیال آیا کہ میں بہت بڑا بزرگ اور شیخ وقت ہو گیا ہوں اس کے فوراً بعد یہ خیال آیا کہ یہ تو تکبر ہے، غرور ہے۔ فوراً وہاں سے خراسان روانہ ہو گئے منزل پر پہنچ کر یہ دعا کی: اے خداوند عالم! جب تک تو ایسا کامل انسان نہیں بھیجے گا جو مجھے میری حقیقت سے روشناس کرائے میں یہیں پڑا رہوں گا۔ تین راتیں اور تین دن گزر گئے چوتھے دن ایک اونٹنی سوار، اونٹنی دوڑاتا ہوا آیا۔ آپ نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اشارے کے ساتھ ہی اونٹنی کے پاؤں زمین میں دھنسنے لگے۔ اس پر جو سوار تھا اس نے برہم ہو کر کہا، تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی کھلی ہوئی آنکھ بند کر لوں اور بند آنکھ کھول دوں۔ اور بایزید سمیت سارے بسطام کو غرق کر دوں۔ یہ سن کر حضرت بایزیدؒ لرز گئے، آپ کے ہوش اُڑ گئے اور پوچھا آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: جس وقت تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے عہد کر رہے تھے اس وقت میں یہاں سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ اب سیدھا وہاں سے آ رہا ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں کہ اپنے دل کی نگرانی کرو یہ کہہ کر وہ شخص غائب ہو گیا۔

ایک مرتبہ حال وجد میں آپ نے کہہ دیا کہ "سبحانی ما اعظم شانی" یعنی میں پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے اور جب اختتام وجد کے بعد ارادت مندوں نے سوال کیا کہ یہ جملہ آپ نے کیوں کہا؟ فرمایا کہ مجھے تو علم نہیں کہ میں نے ایسا کوئی جملہ کہا ہو۔ لیکن آئندہ اس قسم کا جملہ میری زبان سے نکل جائے تو مجھے قتل کر ڈالنا۔ اس کے بعد دوبارہ حالت وجد میں پھر آپ نے یہی جملہ کہا جس پر آپ کے مریدین قتل کر دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن پورے مکان میں انہیں ہر سمت بایزید ہی بایزید نظر آئے اور جب انہوں نے چھریاں چلانی شروع کیں تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پانی میں چھریاں چل رہی ہوں اور آپ کے اوپر اس کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر جب کچھ وقفہ کے بعد وہ صورت رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی گئی تو ان مریدوں نے دیکھا کہ آپ محراب میں کھڑے ہیں۔ جب مریدین نے واقعہ آپ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اصل بایزید تو میں ہوں اور جن کو تم نے دیکھا وہ بایزید نہیں تھے۔

حضرت مولانا رومؒ اپنی مثنوی شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو یزید بسطامیؒ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ شہر رَے (ایران کا شہر تہران) کے علاقہ میں آپ کو علاقہ خرقان یا قصبہ خرقان کی طرف سے خاص خوشبو کا ایک جھونکا آیا۔ اس خوشبو سے آپ اس قدر مست ہوئے کہ چہرے کا رنگ کبھی سرخ ہوتا تھا اور کبھی سفید۔ ایک ساتھی مرید نے عرض کیا کہ حضور کیا معاملہ ہے؟ کہ آپ کا چہرے کا رنگ خوشی و مستی میں بدلتا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ فرمایا کہ خرقان کی طرف سے ایک دوست کی خوشبو آرہی ہے جہاں عنقریب ایک بہت بڑا ''اللہ والا'' تشریف لانے والا ہے۔ وہ اللہ والا میرے وصال کے 49 سال بعد فلاں تاریخ کو پیدا ہوگا۔ وہ بہت اعلیٰ مقام پائے گا۔ اس کا نام ابوالحسن ہوگا۔ پھر الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے 261 ہجری میں وصال فرمایا کیونکہ 310 ہجری میں قطب زماں حضرت ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے اور انہوں نے 426ھ میں وصال فرمایا۔

لوگوں نے جب آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ کا مرشد کون ہے؟ فرمایا کہ ایک بوڑھی عورت، اس لئے کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں تھا کہ ایک بڑھیا سر پر آٹا رکھے ہوئے ملی اور مجھے کہنے لگی کہ یہ آٹا میرے مکان تک پہنچادو۔ اسی دوران مجھے ایک شیر نظر آ گیا اور میں نے آٹا اس کی کمر پر رکھ کر بڑھیا سے کہا کہ جاؤ، یہ تمہارے گھر پہنچادے گا۔ لیکن تم یہ بتاتی جاؤ کہ شہر میں جا کر لوگوں سے کیا کہو گی؟ بڑھیا نے کہا کہ میں یہ کہوں گی کہ آج جنگل میں میرے ملاقات ایک خودنما ظالم سے ہوگئی، آپ نے پوچھا مجھے خودنما ظالم کا خطاب کیوں دیا؟ بڑھیا نے کہا کہ شریعت نے شیر کو مکلّف نہیں بنایا اور تم ایک غیر مکلّف کی پشت پر اپنا بوجھ لا د رہے ہو اور یہ ظلم نہیں تو پھر کیا ہے اور دوسرا عیب تمہارے اندر یہ ہے کہ تم خود کو لوگوں پر صاحب کرامت ظاہر کرنا چاہتے ہو اور اسی کا نام خودنمائی ہے، چنانچہ میں نے بڑھیا کی بات سے ایسی نصیحت و عبرت حاصل کی کہ ہمیشہ کے لئے ایسی چیزوں کے اظہار سے توبہ کرلی۔ بس اس وجہ سے اس بڑھیا کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہوں اور اب میری یہ حالت ہے کہ ہر کرامت پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی تصدیق کا طالب ہوں اور اس تصدیق کے لئے اس دن سے ایک نور ظاہر ہوتا ہے۔ جس پر سبز حروف میں یہ کلمات تحریر ہوتے ہیں۔ **لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ نوح نجی اللہ ابراھیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، علیھم الصلوٰۃ والسلام** جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ پانچ شہادتیں میری کرامت کی شاہد ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مکہ مکرمہ گیا اور صرف خانہ کعبہ دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ حج مقبول نہیں۔ اس قسم کے پتھر تو میں نے بہت دیکھے ہیں۔ دوسری بار گیا تو خانہ کعبہ کو بھی دیکھا اور صاحب خانہ (حق تعالیٰ) کو بھی دیکھا۔ میں نے دل میں کہا کہ ابھی حقیقت توحید حاصل نہیں ہوئی۔ تیسری مرتبہ گیا تو صاحب خانہ کو تو دیکھا لیکن خانہ کعبہ کو نہ دیکھا اس کے بعد میں نے یہ آواز دل میں سنی کہ ''اے بایزید! اگر تو اپنے آپ کو نہ دیکھتا اور سارے جہاں کو دیکھتا تو مشرک نہ ہوتا۔ جب تو سارے جہاں کو نہیں دیکھتا اور خود کو دیکھتا ہے تو تو مشرک ہے۔'' اس وقت میں نے خودی سے توبہ کی بلکہ اس توبہ سے بھی توبہ کی۔ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقام کس قدر ارفع و اعلیٰ تھا۔

جب آپ کے مراتب میں اضافہ ہونے لگا اور آپ کا کلام عوام کے ذہنوں سے بالاتر ہو گیا تو آپ کو سات مرتبہ بسطام سے نکالا گیا اور جب آپ نے نکالنے کی وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ تم نہایت بُرے انسان ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جس شہر کا سب سے بُرا انسان بایزید ہو وہ شہر سب سے اچھا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے پہلی مرتبہ حج کیا تو کعبہ کی زیارت کی اور دوسری مرتبہ کعبہ اور صاحب کعبہ دونوں کی زیارت سے مشرف ہوا اور تیسری مرتبہ کچھ بھی نظر نہیں آیا کیونکہ یادِ الٰہی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی نے دروازے پر آواز دی تو آپ نے پوچھا کس کی تلاش ہے؟ جواب ملا کہ بایزید۔ فرمایا کہ میں خود تیس سال سے اس کی تلاش میں ہوں لیکن آج تک نہیں ملا۔ جس وقت یہ واقعہ حضرت ذوالنون مصریؒ کے سامنے بیان کیا گیا تو فرمایا کہ وہ خاصانِ خدا کی طرح خدا سے پیوستہ ہو گئے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے بذریعہ الہام اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت وخدمت تو بہت ہے لیکن اگر تو ہماری ملاقات کا متمنی ہے تو ہماری بارگاہ میں وہ شے شفاعت کے لئے بھیج جو ہمارے خزانے میں نہ ہو۔ آپ نے سوال کیا کہ وہ کون سی شے ہے؟ فرمایا گیا عجز وانکساری اور ذلت وغم حاصل کر کیونکہ ہمارا خزانہ ان چیزوں سے خالی ہے اور ان کو حاصل کرنے والے ہمارا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے نماز کے ذریعہ استقامت اور روزے کے ذریعے سوائے بھوکا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں کیا اور جو کچھ بھی ملا وہ سب فضل خداوندی سے (سورہ حدید آیت 21 ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'') حاصل ہوا اور اپنی سعی سے کچھ نہیں مل سکا۔ فرمایا کہ دو عالم کی دولت سے یہ بات بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ انسان خدا کے فضل سے ہٹ کر اپنی ذاتی سعی سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا، پھر بھی انسان کو سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے سعی بہت ضروری ہے۔ لیکن سعی کے بعد جو کچھ حاصل ہو اس کو محض خدا کا فضل تصور کرنا چاہیے۔

فرمایا کہ مغرور اس کو کہتے ہیں جو دوسروں کو کمتر تصور کرے اور مغرور کو کبھی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ آپ کا پانی کے اوپر چلنا بہت بڑی کرامت ہے، فرمایا کہ اس میں کوئی کرامت نہیں کیونکہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پانی پر بہتے رہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہوا میں پرواز کر کے مکہ معظّمہ صرف ایک شب میں پہنچ جاتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بھی کوئی کرامت نہیں کیونکہ معمولی پرندے بھی ہوا میں پرواز کرتے ہیں اور جادوگر لوگ تو ایک شب میں تمام دُنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔ لوگوں نے مجاہدے کے متعلق غور کیا تو فرمایا کہ میں نے سو سال کی گوشہ نشینی کے بعد بھی خود کو ایک غار میں رہنے والی عورت کی طرح پایا اور جس وقت میں نے دُنیا کو خیرباد کہہ دیا تو میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مل گیا اور خدا سے کہا کہ میرا تیرے سوا کوئی نہیں اور جب تک تو میرا ہے سب کچھ میرا ہے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے صدق کا مشاہدہ کر لیا تو میرے نفس کے عیوب دور فرما دیئے۔

ایک شخص جو آپ کی عظمت وکرامت سے منکر تھا اس نے عرض کیا کہ مجھے رموز خداوندی سے آگاہ فرمائیں۔ آپ نے

اس کی بد باطنی کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ فلاں پہاڑ پر میرا ایک دوست مقیم ہے اس سے جا کر اپنی خواہش کا اظہار کرو، چنانچہ جب وہ شخص وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا مہیب قسم کا اژدھا وہاں بیٹھا ہوا ہے اور یہ اس کو دیکھتے ہی مارے خوف کے بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش آیا تو حضرت بایزید کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ عجیب بات ہے تم مخلوق سے اس قدر خائف ہو گئے اور خالق کی ہیبت نے تمہارے قلب میں قطعاً اثر نہیں کیا، اس بنیاد پر تم مجھ سے رموز خداوندی معلوم کرنے آئے تھے؟۔

حضرت شیخ ابو سعید مخوارانیؒ آپ کی خدمت میں بغرض امتحان حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کی نیت بھانپ کر فرمایا کہ تم ابو سعید راعی کے پاس چلے جاؤ، وہ میرا مرید بھی ہے میں نے اپنی تمام ولایت اسی کے حوالے کر دی ہے چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ مشغول عبادت ہیں۔ لہذا یہ انتظار میں کھڑے رہے اور فراغت عبادت کے بعد جب انہوں نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا کہ تازہ انگور۔ چنانچہ ابو سعید راعی نے ایک چھڑی کے دو ٹکڑے کر کے اپنے اور ایک اُن کے قریب زمین میں دفن کر دیئے اور تھوڑے ہی وقفہ میں دونوں مقامات سے انگور کے سرسبز درخت نمودار ہونے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں پودوں میں انگور بھی لگ گئے۔

فرق صرف یہ رہا کہ ابو سعید مخوارانی کے قریب کے پودے میں سیاہ اور ابو سعید راعی کے پودے میں نہایت نفیس سفید قسم کے انگور تھے۔ اور جب ابو سعید مخوارانی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ مجھے تو صدق و یقین کا درجہ حاصل ہے اور تمہیں امتحان منظور تھا، اس لئے اللہ نے دونوں درختوں سے دونوں کی قلبی کیفیت ظاہر فرما دی۔ اس کے بعد آپ نے ایک کمبل دے کر یہ ہدایت کر دی کہ اس کو بحفاظت رکھنا اور کہیں گم نہ کر دینا۔ چنانچہ وہ کمبل لے کر حج کرنے چلے گئے لیکن کمبل انتہائی احتیاط کے باوجود بھی عرفات میں گم ہو گیا اور جب ابو سعید مخورانی بسطام واپس آئے تو دیکھا کہ وہی کمبل ابو سعید راعی کے پاس موجود ہے۔

کسی بزرگ نے مراقبہ کے بعد سوال کیا کہ اس وقت آپ کہاں تھے؟ فرمایا کہ بارگاہِ خداوندی میں، اس وقت انہوں نے کہا کہ میں بھی تو وہیں تھا، لیکن میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مابین ایک حجاب تھا اور میں ذات باری کے بالکل سامنے تھا اسی وجہ سے آپ مجھے نہ دیکھ سکے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اتباع سنت کے بغیر خود کو صاحب طرز کہتا ہے وہ کاذب ہے کیونکہ اتباع شریعت کے بغیر طریقت کا حصول ممکن نہیں۔

آپ نے کسی دیوانے کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میری جانب نظر فرما۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے ایسے کون سے اعمال نیک کئے ہیں جو اس کی نظر تیری طرف اُٹھے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑ جائے گی تو اعمال خود بخود اچھے ہو جائیں گے آپ نے فرمایا تو سچا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ خدا تک رسائی کس طرح ممکن ہے۔ فرمایا کہ نہ تو دنیا کی جانب نظر اُٹھاؤ نہ اس کی باتیں سنو، اور اہل دنیا سے کوئی بھی بات کرنا چھوڑ دو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم رات کو سکون اور چین کے ساتھ نیند لے کر اہل قافلہ سے پیچھے

رہ جاتے ہو۔آپ نے جواب دیا کہ پوری رات سکون کی نیند لینے کے بعد اہل قافلہ سے بچھڑ کر جو پہلے منزل پر پہنچ جائے وہی کامل ہوتا ہے۔یہ سن کر حضرت ذوالنونؒ نے کہا کہ یہ مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو مبارک فرمائے۔

حضرت ذوالنونؒ نے آپ کی خدمت میں ایک جائے نماز ارسال کی تو آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ مجھے اس کی حاجت نہیں البتہ ایک مسند کی ضرورت ہے یعنی اب ایسا بے نیاز ہو چکا ہوں کہ مجھے نماز معاف ہو چکی ہے اور جب انہوں نے نفیس قسم کی مسند بھجوائی تو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ جس کے پاس الطاف خداوندی کی مسند موجود ہو اس کو دنیاوی مسند کی ضرورت نہیں، حالانکہ یہ وہ دور تھا جب کہ آپ نہایت ضعیف و پریشان حال تھے اور اگر مسند قبول کر لیتے تو جائز تھا لیکن از روئے تقویٰ دونوں چیزیں واپس کر دیں۔

حضرت احمد خضرویہؒ کہتے ہیں میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا اللہ جل شانہٗ فرما رہا تھا سب لوگ مجھ سے کچھ طلب کرتے ہیں اور بایزیدؒ مجھ سے مجھ ہی کو مانگتا ہے۔کوئی شخص آپ کی خدمت میں آ کر دعا کا سوال کرتا تو آپ فرماتے اے خداوند عالم! تو ان کا خالق ہے اور یہ تیری مخلوق ہے میں کون ہوں جو تیرے اور تیری خلقت کے درمیان واسطہ بنوں۔پھر اپنے آپ سے فرماتے وہ واقف اسرار ہے، مجھ کو ان فضول باتوں سے کیا کام۔

حضرت ابو موسیٰؒ نے جب آپ سے سوال کیا کہ خدا کی جستجو میں سب سے زیادہ دشوار مقام آپ کو کیا نظر آیا؟ فرمایا کہ خدا کی اعانت (مدد و فضل) کے بغیر قلب کو اس کی طرف متوجہ کرنا دشوار ہے۔اور جب اس کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو پھر سعی کے بغیر بھی قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

عرش کی حقیقت کے متعلق کسی نے آپ سے سوال کیا تو فرمایا کہ عرش تو میں خود ہوں۔پھر کرسی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کرسی بھی میں خود اور پھر قلم کے متعلق بھی یہی فرمایا۔اس کے بعد سائل نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تو اور بھی بہت سے مقرب بندے ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضور نبی کریم رؤف و رحیم محمد ﷺ اس پر بھی آپ نے یہی فرمایا کہ وہ بھی میں ہی ہوں۔پھر سائل نے ملائکہ کے لئے پوچھا تو جواب میں بھی یہی فرمایا کہ وہ بھی میں ہی ہوں، یہ جواب سن کر جب وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ میں فنائیت کے بعد تمام چیزوں کو اپنی ہی ہستی میں ضم پاتا ہوں اس لئے کہ حق تعالیٰ میں سب چیزیں موجود ہیں۔

آپ عشاء کی چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے ہوئے فرماتے کہ یہ نماز قابل قبول نہیں، یہ کہہ کر پھر چار رکعت نماز ادا کرتے اور پھر یہی فرماتے کہ یہ بھی قابل نہیں حتیٰ کہ اسی طرح رات ختم ہو جاتی۔اور صبح کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرتے کہ میں نے تیری بارگاہ کے لائق نماز کی بہت سعی کی لیکن محروم رہا۔کیونکہ جیسا میں خود ہوں ویسی ہی میری نماز ہے، لہٰذا مجھے اپنے بے نماز بندوں میں شمار کر لے۔

فرمایا کہ تیس سال تک تو اللہ تعالیٰ میرا آئینہ بنا رہا لیکن اب میں خود آئینہ بن گیا ہوں اس لئے کہ میں نے اس کی یاد میں

خود کو بھی اس طرح فراموش کر دیا کہ اب اللہ تعالیٰ میری زبان بن چکا ہے یعنی میری زبان سے نکلنے والے کلمات گویا زبانِ خداوندی سے ادا ہوتے ہیں اور میرا وجود درمیان سے ختم ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ مجھے خدا کی بارگاہ سے حیرت و ہیبت کے علاوہ کچھ نہ مل سکا۔فرمایا کہ ایک رات صبح تک اپنے قلب کی جستجو کرتا رہا لیکن نہیں ملا اور صبح کو یہ ندائے غیبی آئی کہ تجھے دل سے کیا غرض تو ہمارے سوا کسی کو تلاش نہ کر۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو وہ مقام عطا کیا کہ کل کائنات کو اپنی انگلیوں کے درمیان دیکھتا ہوں۔فرمایا عارف کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ صفاتِ خداوندی کا مظہر ہو۔فرمایا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ کو جہنم میں جھونک دے اور میں صبر بھی کر لوں جب بھی اس کی محبت کا حق ادا نہیں ہوتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ کو پوری کائنات بخش دے جب بھی اس کی رحمت کے مقابلہ میں قلیل ہے۔فرمایا کہ عارف کامل وہی ہے جو آتش محبت میں جلتا رہے۔فرمایا کہ جب ترک دنیا کے بعد حب الٰہی اختیار کی تو اپنی ذات کو بھی دشمن تصور کرنے لگا اور جب میں نے ان حجابات کو اُٹھا دیا جو میرے اور خدا کے مابین تھے تو اس نے مجھے اپنے کرم سے نواز دیا۔

آپ بہت بڑے اولیاء اور مشائخ میں سے ہوئے ہیں اور آپ نے ریاضات، عبادات ومجاہدات کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کیا۔احادیث مبارک بیان کرنے میں آپ کو ادراک وملکہ حاصل تھا۔حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ حضرت بایزید کو اولیاء اللہ میں وہی مقام حاصل ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ملائکہ میں اور مقام توحید میں تمام بزرگوں کی انتہا آپ کی ابتداء ہے۔کیونکہ ابتدائی مقام میں ہی لوگ سرگردان ہو کر رہ جاتے ہیں جیسا کہ حضرت بایزیدؒ کا قول ہے کہ اگر لوگ دو سو سال تک بھی مسلسل گلشن معرفت میں سرگشتہ رہیں جب کہیں جا کر اس کا ایک پھول مل سکتا ہے جو مجموعی طور پر ابتدا ہی میں مجھے مل گیا۔شیخ ابوسعید راعیؒ کا قول ہے کہ میں پورے عالم کو آپ کے اوصاف سے پُر دیکھتا ہوں۔لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے مراتب کو کوئی نہیں جانتا۔

فرمایا کہ خدا نے جن کے قلوب کو بار محبت اُٹھانے کے قابل تصور نہیں کیا ان کو عبادت کی طرف لگا دیا کیونکہ معرفت الٰہی کا بار سوائے عارف کے اور کوئی برداشت نہیں کر سکتا اور اگر مخلوق اپنی ہستی کو پہچان لے تو خدا کی معرفت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔پھر فرمایا کہ بندے کو ایسا وقت ضرور نکالنا چاہیے جس میں اپنے مالک کے سوا کسی پر نظر نہ اُٹھے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو تین چیزیں عطا فرماتا ہے۔اوّل دریا کی طرح سخاوت۔دوم، آفتاب کی طرح روشنی۔سوم زمین کی سی عاجزی۔فرمایا علوم میں ایک ایسا علم بھی ہے جس سے عالم واقف نہیں اور زُہد میں ایک ایسا زُہد ہے جس کو زاہد بھی نہیں جانتے۔

فرمایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو مقبولیت عطا فرماتا ہے اس پر ایک ایسا فرعون مقرر کر دیتا ہے جو ہمہ وقت اذیت پہنچاتا رہے۔فرمایا کہ گفتگو اور آواز وحرکت سب پردے کے باہر کی چیزیں ہیں لیکن پردے میں سوائے ہیبت ورُعب اور خاموشی کے کچھ بھی نہیں۔اور بندے کو جس وقت تک قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا اسی وقت تک باتیں بناتا ہے لیکن جب حضوری حاصل ہوتی ہے تو سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! درج ذیل میں آپ کے معراج کی کیفیت کی تھوڑی سی جھلکی پیش کی جاتی ہے۔اس کے بیان سے پہلے میں اس کتاب کا مصنف اولیائے کرام کے علم، کلام، ارشادو بیان اور بیان کرنے کے الفاظ، انداز و طرز بیان سے متعلق کچھ گزارش کردوں۔یہ اللہ کے بندے جیسے جیسے مراتب میں، اللہ اور اس کے رسولِ محبوب کی محبت میں، اللہ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں اوپر پرواز کرتے جاتے ہیں۔اسی تناسب سے ان پر علم و حقائق کے نئے نئے جہان ظہور ہوتے ہیں۔ان کے بیان میں کچھ مشکل الفاظ و فقرے آجاتے ہیں اُن کی زبان یا بیان بہت حد تک اس مقام کے تناسب سے بدل جاتا ہے۔مختصر الفاظ میں بڑی جامع بات کر جاتے ہیں اور کیونکہ انسانیت کی بلندیوں پر پہنچ کر یہ مقدس لوگ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کو بہت وسعت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو اُس لاحد و د ذات پاک میں مدغم کر دیتے ہیں۔اس لئے اب ان کی زبان پر، اُن کے کلام میں صرف نور ہی نور، بھلائی ہی بھلائی اور روحانیت ہی روحانیت (معرفت) رہ جاتی ہے۔یہ برگزیدہ لوگ کسی بھی نکتہ یا چیز کو جامع انداز و الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں جو کہ عوام الناس کی فہم سے کچھ بالا ہوتا ہے لیکن ان ہی عوام الناس میں جو راہِ ہدایت کے متلاشی ہوتے ہیں وہ ان اقوال و ارشادات کو سمجھ جاتے ہیں اور پھر دوسروں کو سمجھانے کے قابل بھی ہو جاتے ہیں۔

نا سمجھ لوگوں کو ان کے قول و ارشادات اس لئے سمجھ نہیں آتے کہ ان میں خلوص و ایمان کی کمی ہوتی ہے ورنہ تو یہ مقدس و قابل صد احترام لوگ شریعت و طریقت، اتباعِ رسول کریم ﷺ آپ ﷺ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں اور ان کی زندگی، ان کی راہیں، اُن کا کلام، ان کا بیان تو سب ہی اسی نور سے منور ہوتے ہیں، منور رہتے ہیں۔

اس نا سمجھی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم قرآن حکیم میں اس کی آیات مبارک میں غور نہیں کرتے۔اس کے معنوں کی، فرمان کی گہرائیوں میں نہیں جاتے۔اسے ہم صرف سرسری طور پر اور وہ بھی اکثر عربی زبان میں پڑھ لیتے ہیں جو ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ کیا فرمایا جا رہا ہے؟ اصل میں اس سے ہمارا مقصد صرف ثواب حاصل کرنا ہے اُسے سمجھنا نہیں۔اور ایسے ثواب کی معرفت و حقیقت میں کوئی اہمیت نہیں، کوئی وقعت نہیں ہے۔کیونکہ یہ حصولِ معرفت یا اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے لئے نہیں کیا جا رہا ہوتا بلکہ حصولِ جنت کے لئے کیا جاتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت، قرب و معرفت کے لئے تو صرف وہ اعمال کام آتے ہیں جو شوق و وارفتگی میں کسی طرح کے لالچ، معاوضہ یا طلب کے بغیر کئے جائیں اور وہ سارے فرائض و واجبات کے علاوہ ہیں یعنی کہ نفلی عبادات اور غور و فکر۔

اولیاء اللہ ان حقائق، حالات، کیفیات، مشاہدات و نوازشات کا بیان اچھے اور جامع الفاظ میں کرتے ہیں جن سے وہ گزر چکے ہوتے ہیں، جنہیں وہ دیکھ چکے ہوتے ہیں، سمجھ چکے ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ حالات، واقعات، مشاہدات عالم بالا کے ہوتے ہیں، اس لئے عوام الناس میں سے وہ تو ان باتوں کو سمجھ جاتے ہیں جنہوں نے قرآنی آیات کو سمجھ کر پڑھا ہو اور غور و خوض کیا ہو، اس کے مختلف مطالب یا مختلف معنوں پر سوچا ہو۔جب کہ دوسروں کے لئے وہ سمجھ سے بالاتر ہی رہتی ہیں۔

اللہ کے یہ برگزیدہ بندے تو ہر حال، ہر صورت قرآن، سنت و احادیث یعنی کہ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق ہی زندگی

گزارتے ہیں،اسی کے مطابق لکھتے ہیں اوراسی کے تحت یا مطابق بیان کرتے ہیں بس اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں انہیں سمجھنے کی توفیق دے۔آمین!

آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے تمام موجودات سے بے نیاز کر کے خدا نے اپنے آپ سے منور فرمایا اور تمام اسرارو رموز سے آگاہی عطا کی تو میں نے چشم یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میرا نور اس کے نور کے سامنے تاریک ہے،اور میری عظمت اس کی برتری کے سامنے قطعاً بے حقیقت ہے۔کیونکہ وہ مصفا تھا اور میرے وجود میں کثافت تھی اور جب میں نے اپنے نور وعظمت کے اندر اس کے نور وعظمت کو محسوس کیا تو یہ اندازہ ہو گیا کہ میری تمام عبادت وریاضت میں اسی کا حکم نافذ ہے اور جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا گیا کہ جب تک ہم کام کرنے کی قوت عطا نہیں کرتے اس وقت تک تو کچھ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ فاعل حقیقی تو ہم ہیں اور ہمارے ہی ارادے سے تمام چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

اور جب خدا نے میری ہستی کو فنا کر کے بقا کا مقام عطا کیا تو اپنی خودی کا میں نے بے حجابانہ مشاہدہ کیا۔گویا میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعہ دیکھا اور اس کی حقیقت میں گم ہو کر گونگا،بہرہ،اندھا اور جاہل بن گیا اور نفس کی بربریت کو درمیان سے فنا کر کے ایک عرصہ وہاں قیام کیا۔پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو علوم ازلی سے آگاہ فرما کر زبان کو اپنے کرم سے گویائی اور آنکھوں کو اپنے نور سے نور عطا کیا جس کے ذریعہ میں نے ہر شے میں اسی کی ذات کو جلوہ گر پایا اور اس کے علم سے علم حاصل کیا۔پھر فرمایا گیا کہ میرا وجود سب کے ساتھ بھی ہے اور سب سے جدا بھی۔

فرمایا کہ شریعت کو چھوڑ کر حد اعتدال سے نکل جانا کہ تیری کوشش ہمارے لئے پسندیدہ ہو،میں نے عرض کیا کہ میری تمنا تو یہی ہے اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ میری ذات نقص وعیب سے پاک ہے۔فرمایا گیا کہ یہ بھید تجھے کیسے معلوم ہوا،میں نے عرض کیا کہ میرے علم کا سبب تو بخوبی جانتا ہے کیونکہ تو ہی مجیب ومجاب ہے،پھر اس نے اپنی رضا سے مجھے مخاطب فرما کر شرف عطا کیا اور اپنی خوشنودی پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور قلب کی تاریکی اور نفس کی کثافت کو دور کر دیا اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میری حیات کا تعلق ذات خداوندی سے ہے اور میں اس کے فضل وکرم سے ملبوس ہوں۔

پوچھا گیا اور کیا چاہتا ہے میں نے عرض کیا کہ تو سب سے زائد علیم وکریم ہے اس لئے تجھ کو ہی تجھ سے طلب کرتا ہوں،صرف اپنا قرب عطا کر کے ماسوا سے نجات عطا کر دے،اسی طرح کے کلام کے بعد مجھے تاج کرامت عطا کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تو نے حق کو دیکھ لیا اور پا لیا۔میں نے عرض کیا کہ میں نے حق کو حق کے توسل سے پایا اور دیکھا۔پھر میری حمد وثنا کے صلہ میں ایسے پر عطا کئے گئے جن کے ذریعہ میدانِ عزت میں پرواز کرتے ہوئے میں نے قدرت کے صنائع کا مشاہدہ کیا۔خدا نے اپنی قوت وزینت سے مجھے قوت وزینت بخشی اور تاج کرامت سر پر رکھ کر درِ توحید دیا اور فرمایا کہ اب تیری رضا ہماری رضا ہو گی اور تیرا کلام کثافتوں سے پاک ہو گا اور تیرا ہمارے اوصاف سے وابستہ ہونے کا کسی کو علم بھی نہ ہو سکے گا۔

اس کے بعد مجھے از سر نو زندگی عطا کی گئی اور مکمل آزمائش کے بعد دریافت کیا گیا کہ ملک کس کا ہے اور حکم کس کا ہے اور

صاحب اختیار کون ہے؟ میں نے کہا کہ تیرے سوا کسی میں یہ اوصاف نہیں ہو سکتے ۔ پھر جس وقت مجھے نظر قہر سے دیکھا گیا تو میری ہستی فنا ہو گئی اور میں نے صبر و سکون کا پیراہن پہن لیا جس کی بناء پر مجھے یہ مراتب تفویض کئے گئے، کہ میرے قلب تاریک میں مسرتوں کا ایک ایسا دریچہ کھولا گیا اور لسان توحید عطا کر کے میرے قلب کو اپنے نور سے منور کر دیا اور اپنی صنعتوں سے آنکھوں کو خیرہ بنادیا اور اب میں اس کی اعانت سے بات کرتا اور چلتا پھرتا ہوں اور اسی کے کرم سے وہ حیات ملی جس میں موت کا وجود ہی نہیں ۔

پھر فرمایا گیا کہ مخلوق تیرے دیدار کی متمنی ہے ۔ میں نے کہا کہ میں تو تیرے سوا کسی کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا لیکن اگر تیری یہی خواہش ہے کہ مخلوق میرا نظارہ کرے تو پھر میں راضی برضا ہوں لیکن پہلے مجھے وحدانیت سے آراستہ فرما دے تاکہ مخلوق میرے اندر تیری وحدت وحقیقت کا مشاہدہ کر سکے اور میرا وجود درمیان سے منقطع ہو جائے ۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری خواہشات کی تکمیل کے بعد مجھے تمام عالم کے سامنے پیش کر دیا ۔ اور جیسے ہی میں نے اس کی بارگاہ سے باہر قدم رکھا تو لغزش سے گر پڑا ۔ اور فوراً یہ ندا آئی کہ ہمارے دوست کو واپس لے آؤ کیونکہ وہ ہمارے بغیر نہ رہ سکتا ہے، نہ چل پھر سکتا ہے ۔

پھر حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ میں تیس سال تک وحدانیت کی فضا میں پرواز کرتا رہا اور تیس سال فضائی الوہیت میں اُڑتا رہا تیس سال تک فضائے یکتائیت میں پرواز کی اور جب نوے سال مکمل ہو گئے اس وقت میں نے بایزید کو دیکھا اور محسوس کیا کہ جو عالم نظروں سے گزر رہا ہے وہ بایزید ہی نے دیکھا ۔ پھر چار ہزار مراتب طے کرنے کے بعد کمال اولیاء کے درجہ تک پہنچا اور جب خود کو نبوت کے ابتدائی درجہ میں دیکھا تو یہ تصور کر لیا کہ شاید اتنا عظیم مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہوا ۔ لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ میرا سر ایک نبی کے قدموں کے نیچے ہے اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہوا کرتی ہے لیکن نبوت کی کوئی انتہا نہیں ۔

اس مقام سے جب میری روح فردوس وجہنم اور ملائکہ کے مشاہدے کے لئے روانہ ہوئی تو وہاں انبیاء کرام سے شرف نیاز حاصل ہوا اور میں نے سلام کیا لیکن جس وقت میری روح حضور اکرم ﷺ کے رُوبرو پہنچی تو دیکھا کہ آگ کے دریا میں ایک راستہ ہے اور نور کے ہزاروں حجابات درمیان میں حائل ہیں جس کی وجہ سے میری روح دیدار سرکار دو عالم ﷺ سے محروم رہ گئی اور مجھ پر ہیبت کی وجہ سے غشی طاری ہو گئی اور جب ہوش میں آیا تو میں نے دور ہی سے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور اس طرح مجھے قرب خداوندی تو حاصل ہوا لیکن اس کے محبوب کے قرب تک رسائی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تو ہر بندے کے ہمراہ اور قریب ہے اور ہر بندہ اپنے معیار کے مطابق اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے ۔ لیکن حضور ﷺ کی زیارت اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب **لا الہ الا اللّٰہ** کی منزل سے گزر جائے ۔

اور ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ اور اس کے محبوب کی راہیں گو ایک ہیں لیکن زیارت محبوب کے لئے تاب نظارہ کی ضرورت ہے جس طرح حضرت ابوترابؒ کے ایک ارادت مند نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھ لیا لیکن بایزید کا حوصلہ نہ ہو سکا ۔ پھر حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا اس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ جب تک خودی کا ازالہ نہ ہو جائے خدا کا راستہ

ملنا محال ہے اور جب میں نے سوال کیا کہ میں اپنی خودی کا ازالہ کس طرح کروں؟ تو جواب ملا کہ یہ مقام صرف اتباع نبوی ﷺ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام! میں، اس کتاب کا مصنف اس سب کو مختصراً ایک شعر کی شکل میں یوں پیش کرتا ہوں:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

آپ اپنی مناجات میں یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ! میرے اور اپنے درمیان سے دوری کا حجاب ختم فرما دے تا کہ میں تیری ذات میں فنا ہو جاؤں، اے اللہ! جب تک میں خودی میں مبتلا رہا سب سے ادنیٰ رہا لیکن جب تیری معیت نصیب ہوئی اس وقت میں سب سے اعلیٰ و برتر ہو گیا۔ اے اللہ! میں علم و زُہد نہیں چاہتا اپنے رموز مجھ پر آشکار فرما دے۔ اے اللہ! تیرے ہی فضل نے مجھے تجھ سے روشناس کیا اور اس لئے میں تجھ پر ناز کرتا ہوں۔ اے اللہ! قلب کے لئے بہترین شے تیرا الہام اور غیب کی راہوں میں سب سے افضل تیرا نور ہے۔ کیونکہ تو مختار کل اور صاحبِ قوت ہے اور میں ایک کمزور محتاج بندہ ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے خوفزدہ رہتا تھا لیکن تو نے اپنے کرم سے میرا خوف دور کر دیا جس کی وجہ سے میں ہمہ اوقات مسرور شادماں رہتا ہوں اور تو نے مجھے اپنی بارگاہ میں باریاب فرمایا جس کا میں کسی طرح بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! میں اپنی عبادت و ریاضت پر نازاں نہیں ہوں بلکہ یہ بات قابل فخر ہے کہ تو نے اپنے احکامات کی بجا آوری کے لئے قوت و طاقت عطا کر کے خلعت بزرگی سے سرفراز فرمایا۔ اے اللہ! میرا شمار ان آتش پرستوں میں کر لے جو ستر سال آتش پرستی میں مبتلا رہے اور آخری عمر میں صحرائے گمراہی سے نکل کر وادی ہدایت میں پہنچے اور اسلام میں داخل ہو کر ان میں تیرا نام لینے کا ذوق پیدا ہو گیا۔ اے اللہ! نہ تجھے کسی سبب کی حاجت ہے اور نہ قبولیت کے لئے کسی عبادت کی اور نہ تیرے یہاں کی یہ رسم ہے کہ کثرت گناہ کی بنا پر گنہگاروں کو کسی طرح معاف ہی نہ کرے، بلکہ تجھے کلی اختیار ہے کہ جس کو چاہے معاف کر کے اپنے قرب سے نوازدے۔ اے اللہ! گو میں نے اپنے نزدیک بہت ہی نیک کام انجام دیئے لیکن وہ تیری بارگاہ میں قبولیت کے ہرگز قابل نہیں لہٰذا ان کو نظر انداز فرما کر صرف اپنے رحم و کرم سے میری مغفرت فرما دے۔

آپ ہمہ اوقات اللہ اللہ کا ورد جاری رکھتے اور عالم نزع میں بھی آپ کی زبان پر اللہ ہی کا نام تھا اور موت سے قبل آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں دُنیا میں بر بنائے غفلت تیری عبادت سے محروم رہا اور اب آخری وقت میں بھی تیری عبادت سے غافل ہوں اس کے باوجود بھی تیری رحمت کا متمنی ہوں۔ یہ کلمات زبان پر جاری تھے کہ روح مبارک اعلیٰ علیین کی جانب پرواز کر گئی۔ مثنوی مولانا رومؒ کے مطابق آپ کا وصال 261 ہجری بمطابق 875ء میں ہوا۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

حضرت حارث محاسبیؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی نام حارث ہے۔ابوعبداللہ آپ کی کنیت ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی اسد تھا۔کیونکہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے اور قابل فخر حساب دان تھے اس لیے عوام الناس نے محبت، اعتراف واحترام میں آپ کو محاسبی کا خطاب دے دیا اور آپ کو حارث محاسبی کہہ کر بلانے لگے اور یوں "محاسبی" آپ کے نام کا مستقل حصہ بن گیا۔اس طرح آپ کا پورا اسم مبارک ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی ہے۔

آپ علوم وفنون کے امام اور بہت اونچے مقام کے صاحب کشف وکرامات ہیں۔تقویٰ، ریاضات، عبادات ومجاہدات میں بھی آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔آپ ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ وپیراستہ تھے۔آپ تمام علوم اسلامیہ کے عالم اور اصول وفروع کے ماہر تھے۔آپ میں اخلاق ومروت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔آپ اپنے زمانے میں اہل علم کے مرجع تھے۔ آپ نے اصول تصوف پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "رغائب" ہے۔اس کے علاوہ آپ کی تصانیف اور بھی بہت ہیں۔آپ کا حال بہت قوی اور ہمت بہت بلند تھی۔آپ اپنے زمانے میں بغداد کے شیخ المشائخ تھے۔روحانیت میں آپ کو بہت اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔بہر حال آپ کے زمانے کا تعین کرنا مشکل نہیں ہے کیونکہ آپ حضرت حسن بصریؒ کے ہم عصر ہیں۔(حضرت حسن بصریؒ کا سن پیدائش 21ھ ہے اور سن وصال 110 ہجری ہے)۔حضرت جنید بغدادیؒ بھی آپ کے ہم عصر ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والد کا تعلق مسلکِ قدریہ سے تھا اور وہ امیر کبیر صاحب جائیداد آدمی تھے۔والد کی وفات کے بعد آپ کو انتیس ہزار (29000) درہم نقد ملے اور اس کے علاوہ کافی غیر منقولہ جائیداد بھی ملی۔

قدریہ مسلک کے لئے پیغمبر اول وآخر واعظم، حضور پُرنور، نبی کریم رؤف ورحیم، ہادی دوجہاں رہنمائے کائناتﷺ کا

فرمان ہے: ''قدریہ مسلک کے لوگ میری اُمت کے مجوسی ہیں، مسلمانوں کو ان کا ترکہ نہیں لینا چاہیے۔ آپ کو ورثہ میں جو انتیس ہزار درہم اور غیر منقولہ جائیداد ملی تھی انہیں آپ نے بیت المال میں جمع کرادیا، بیت المال میں داخل کرادیا، یا بیت المال کے حوالے کردیا اور فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ قدریہ مسلک کے لوگ میری اُمت کے مجوسی ہیں اور مسلمانوں کو اُن کا ترکہ نہیں لینا چاہیے۔ اور چونکہ میرے والد قدریہ مسلک کے حامل تھے اس لئے بحیثیت مسلمان میں اُن کا ترکہ نہیں لے سکتا۔

حضرت ابوعبداللہ خفیفؒ فرمایا کرتے تھے کہ مشائخین طریقت میں پانچ حضرات سب سے زیادہ پیروی کے لائق ہیں۔ اول حضرت حارث محاسبی۔ دوم حضرت جنید بغدادی۔ سوم حضرت رویم۔ چہارم حضرت ابن عطاء۔ پنجم حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہم۔ لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ نعوذ باللہ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ دوسرے مشائخ اتباع کے قابل ہی نہیں بلکہ خود حضرت عبداللہ خفیف بھی مندرجہ بالا پانچ بزرگوں سے مراتب میں کسی طرح سے کم نہیں لیکن کسر نفسی کی وجہ سے اپنا نام نہیں لیا۔

آپ کو تقوی، کشف و کرامات میں بھی ایک منفرد مقام حاصل تھا اور اس لحاظ سے آپ پر شروع سے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کا خصوصی کرم تھا۔ یہ آپ کی ابتدائی کرامت بھی تھی اور تقوی کو مزید تقویت پہنچانے کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایک خصوصی انعام بھی تھا۔ ہوتا یوں کہ جب آپ کسی مشتبہ کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاتے تو انگلیاں شل ہوجاتی تھیں، جس کی وجہ سے آپ کو کھانے کے اشتباہ کا پتہ چل جاتا تھا۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ بھوک کی حالت میں جنید بغدادیؒ کے یہاں پہنچ گئے اور وہاں اتفاق سے کسی شادی میں سے کھانا آیا ہوا تھا۔ لہٰذا جب وہ کھانا حضرت حارث محاسبیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو ہاتھ بڑھاتے ہی انگلیاں شل ہوگئیں لیکن بطور تواضع ایک لقمہ آپ نے منہ میں رکھ ہی لیا اور جب وہ حلق سے نیچے نہ اُترا تو باہر جاکر اُگل دیا اور وہیں سے رُخصت ہوگئے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت جنیدؒ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے گزشتہ واقعہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر یہ خدا کا کرم ہے کہ جب میرے سامنے مشتبہ کھانا آتا ہے تو ہاتھ بڑھاتے ہی انگلیاں شل ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ اس روز بھی یہی ہوا لیکن دل شکنی کے سبب میں نے ایک لقمہ منہ میں رکھ لیا مگر وہ حلق سے نیچے نہ اُتر سکا اور مجھ کو باہر جاکر اُگل دینا پڑا۔ لہٰذا آپ بتایئے کہ وہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ پڑوسی کے یہاں سے شادی کی تقریب سے آیا تھا۔ پھر حضرت جنیدؒ نے اصرار فرمایا کہ آج میرے ہمراہ تشریف لے چلیے۔ پھر آپ کو گھر لے جاکر جو کی خشک روٹی آپ کے سامنے رکھ دی اور آپ نے شکم سیر ہوکر تناول فرمایا کہ فقراء کی تواضع اسی طرح کی جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ **العلم بحرکات القلوب فی مطالعة الغیوب لشرف من العمل بحرکات الجوارح۔** ''وہ عالم جس کا قلب مطالعۂ غیب میں جاری ہو، افضل ہے اس عامل سے جو صرف جوارح یعنی اعضاء سے عمل پیرا ہو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ علم محلِ کمال ہے اور جہل محلِ طلب ہے۔ اور حق تعالیٰ کے ساتھ حضوری بہتر ہے حق تعالیٰ کے در پر حاضری سے، بحالتِ جہل۔ کیونکہ علم درجۂ کمال تک پہنچاتا ہے اور جہل دروازے کے اندر نہیں جانے دیتا۔ درحقیقت علم افضل ہے عمل

سے ۔ کیونکہ حق تعالٰی کی معرفت علم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور عمل سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ۔ اگر صرف عمل سے اللہ تبارک و تعالٰی تک رسائی ممکن ہوتی تو نصاریٰ اور راہب لوگ بھی شدید مجاہدات کی بدولت مقامِ مشاہدہ پر پہنچ جاتے ۔

نیز آپ نے فرمایا کہ ایک درویش نے فرمایا کہ **کن للّٰہ و الا فلاتکن** ۔ ''خدا کا ہو کر رہ ورنہ خود نہ رہ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مقامِ بقاء باللہ حاصل کر اگر وہ حاصل نہ ہو سکے تو مقام فنا فی اللہ حاصل کر یعنی یا تو صفوت (ولایت) کی بدولت فانی فی اللہ ہو جا یا فقر کی بدولت ہجر و فراق میں رہ۔ مطلب وہی ہے کہ یا مقام بقاء باللہ حاصل کرو اگر وہ حاصل نہیں ہو سکتا تو مقام فنا فی اللہ حاصل کرو ۔ جہاں پہلی اُمتوں میں آخری مقام فنا تھا اور وہ بھی مقابلتًا ادنیٰ درجہ کا، اسلام انسان کو بلند ترین مقام فنا کے حصول کے بعد نزول یعنی بقا باللہ تک لے جاتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتداء میں جب کسی کو نماز پڑھنے پر فخر کرتے دیکھا تو یہ شبہ ہوتا کہ نہ جانے اس کی نماز قبول بھی ہوئی یا نہیں لیکن اب یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے شخص کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوتی ۔ آپ کو محاسبی کا خطاب اس لئے دیا گیا ہے کہ آپ حساب میں بہت ممتاز تھے ۔

فرمایا کہ قرب الٰہی کی منزل میں قلب علم کا رقیب بن جاتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری کا نام صبر ہے ۔ مصائب پر شاکر رہنے اور ان کو منجانب اللہ تصور کرنے کا نام تسلیم ہے ۔ خدا کے دشمنوں سے انقطاع تعلق کا نام حیا ہے ۔ ترک دُنیا کا نام حب الٰہی ہے ۔ محاسبہ کے ڈر سے گناہ نہ کرنے کا نام خوف ہے ۔ مخلوق سے فرار کا نام اُنس خالق ہے اور جو مخلوق کے برا سمجھنے کہنے پر بھی اظہار مسرت کرے اس کو صادق کہا جاتا ہے ۔

فرمایا خدا کا بن جا یا خودی ترک کردے ۔ فرمایا کہ بذریعہ ریاضت نفس کو پاکیزہ بنانے سے راہِ راست مل جاتی ہے اور جو شخص دنیا ہی میں جنتوں کی نعمتوں کا طلب گار ہو اس کو صالح اور قانع لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے ۔ فرمایا کہ عارفین خندق رضا میں اُتر کر اور بحر صفا میں غوطہ زنی کر کے وفا کی موت حاصل کر لیتے ہیں اور پھر حجاب خفا میں واصل باللہ ہو جاتے ہیں ۔

آپ کوئی کتاب لکھ رہے تھے کہ کسی درویش نے عرض کیا کہ ''معرفت الٰہی کا حق بندے پر ہے یا بندے کا حق اللہ پر؟ اگر معرفت الٰہی بندہ خود حاصل کرتا ہے تو اس طرح بندے کا حق خدا پر ثابت ہو گا اور بندے کا حق خدا پر ثابت کرنا حرام ہے، اور اگر بندے کی معرفت پر اللہ کا حق ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ۔ کیونکہ ایسی شکل میں بندے کو اللہ کے حق کا حق ادا کرنا چاہیے۔''

اس منطقی تقریر کا مفہوم سمجھ کر آپ نے کتاب لکھنا بند کر دی اس کے علاوہ یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ جب معرفت اللہ ہی کا حق ہے تو پھر معرفت کے بارے میں کوئی کتاب تصنیف کرنا لغو ہے اور اللہ تعالٰی کا بھی یہی قول ہے کہ **انک لا تھدی من احببت و لکن اللّٰہ یھدی من یشاء** ۔ ''یعنی اے نبی! آپ اپنے کسی محبوب شخص کو ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تبارک وتعالٰی جس کو چاہتا ہے۔'' پھر دوسرا خیال آپ کو یہ بھی پیدا ہوا کہ اللہ کی معرفت کا حق بندے پر ہی ہے اس لیے کہ اسی نے بندے کو معرفت کی توفیق دی لہذا بندے کو اس کا حق ادا کرنا چاہیے ۔ اس خیال کے ساتھ ہی آپ نے پھر دوبارہ اپنی تصنیف شروع کر دی ۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مراتب عالیہ یا بلند مرتبے حاصل کرنے کے لئے کچھ خصلتوں کو اپنانا بہت ضروری ہے، اور ان کے بغیر مراتب عالیہ کا حصول مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور وہ خصلتیں یہ ہیں:

کبھی قسم نہ کھائے۔ کبھی جھوٹ نہ بولے۔ وعدہ وفا کرے۔ کبھی کسی ظالم پر بھی لعنت نہ کرے، نہ بھیجے۔ بدلہ نہ لے۔ کسی کے لئے بھی بددُعا نہ کرے۔ کسی پر بھی کسی طرح کا بوجھ نہ بنے۔ کسی کے کفر و نفاق پر گواہ نہ بنے۔ گناہ سے کنارہ کش ہو کر ظاہری و باطنی کسی طرح بھی قصداً گناہ نہ کرے۔ دوسروں کا غم بانٹنے اور ان کی مدد کرے۔ لالچ کو ختم کر کے لوگوں سے نا اُمید رہے۔ سب کو اپنے سے بہتر جانے۔ کسی جاہ و مرتبت کا خواہاں نہ ہو اور دُنیا سے بے رغبتی اختیار کرے۔ ساری اُمیدیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے وابستہ رکھے۔ دُنیا کے جھمیلوں سے نیچی نظر رکھ کر خاموشی سے گزر جائے۔

اگر کوئی ان تمام نصیحتوں یا مفید رائے پر صدق دل سے عمل پیرا ہو تو اس کے یقیناً مرتبے بلند ہوں گے اور قرب اللہ تبارک وتعالیٰ بھی حاصل ہوگا۔

انتقال کے وقت آپ کے پاس ایک درہم تک نہیں تھا جب کہ بہت سی زمین اور جائیداد آپ کو بطور ترکہ حاصل ہوئی تھی لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی پیروی کی وجہ سے تمام ترکہ بیت المال میں جمع کر کے خود ایک حبہ بھی نہیں لیا اور فقر و فاقہ کے عالم میں آپ دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ آپ کا وصال بغداد شریف ہی میں ہوا اور وہیں آپ کا روضہ مبارک بھی ہے۔ **اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

☆......☆......☆......☆......☆
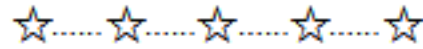
حضرت داؤد طائیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک داؤد ہے اور آپ کی کنیت ابو سلیمان ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی طائی تھا۔اس طرح آپ کا پورا نام ابو سلیمان بن داؤد ابن الطائی ہے۔

آپ گوشہ نشینوں اور تارک الدینا کے سردار ہیں،امام ہیں۔آپ کا شمار اکابر مشائخ اور مقتدائے اہل تصوف میں ہوتا ہے۔آپ اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔آپ ظاہری اور باطنی علوم وحقائق معرفت کے شناسا،راہ طریقت کے عالم اور سالکین و عارفین کے رہنما تھے۔طریقت میں آپ حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے۔حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔آپ مسلسل بیس سال حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے علم وفیض حاصل کرتے رہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ بیس سال تک حضرت امام ابو حنیفہؒ سے علم حاصل کرتے رہے(اور امام ابو حنیفہ کی سن پیدائش 80 ہجری اور سن وصال 159 ہجری ہے)۔آپ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ ہیں اور آپ کی حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ اور حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات رہی ہے یعنی آپ ان مقتدر ہستیوں کے زمانہ میں تھے۔خلیفۂ وقت ہارون الرشید تھا۔

حالات،مناقب،ارشادات:

یوں تو تمام علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی لیکن علم فقہ پر آپ کو کمال حاصل تھا۔فقہ میں اپنی مثال آپ تھے اور فقیہ الفقہاء ہونے کے باوجود گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔دُنیا کی جاہ ومنزلت سے بالکل کنارہ کش تھے اور زُہد وتقویٰ کی رسی کو آپ نے بہت مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور شہرت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

آپ کے تائب ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ کسی گویئے نے آپ کے سامنے مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

باای خدیک تبدی البلا

وبای عینک ماذاسالا

ترجمہ:

کون سا چہرہ خاک میں نہیں ملا
اور کون سی آنکھ زمین پر نہیں بہی

گانے والا اپنی دھن میں یہ گاتا ہوا جا رہا تھا کہ وہ کون سا چہرہ ہے جو خاک میں نہیں ملا۔ وہ کون سی آنکھ ہے جو زمین میں دفن نہیں ہوئی زمیں پر روئی نہیں۔ یہ سن کر آپ کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ سب کچھ چھوڑ دیا۔ آپ کے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا اور اضطراب غالب آ گیا۔ ہر وقت ایک اضطراری کیفیت طاری رہنے لگی اور ایک دن اسی کیفیت میں، اسی عالم بے خودی میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنا پورا واقعہ بیان کر کے کہا کہ میری طبیعت دُنیا سے اُچاٹ ہو چکی ہے اور ایک نامعلوم سی شے قلب کو مضطرب کیے ہوئے ہے۔ یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ گوشہ نشینی اختیار کر لو۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد امام صاحب نے فرمایا کہ اب یہ بہتر ہے کہ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے اُن کی باتوں پر صبر وضبط سے کام لو۔ چنانچہ ایک برس تک تعمیل حکم میں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اُن کے اقوال سے بہرہ ور ہوئے لیکن خود ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت حبیب راعیؒ سے بیعت ہو کر فیوض باطنی سے سیراب ہوتے رہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہ کر عظیم مراتب سے ہمکنار ہوئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ **ان اردت السلامة سلم على الدنيا وان اردت الكرامة كبر على الآخرة۔**
''اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو خیر باد کہہ دے اور کرامت چاہتا ہے تو آخرت کو تکبیر ذبح دے دے۔'' یعنی یہ دونوں (دُنیا وعقبیٰ) حجاب ہیں تیرے اور خدا کے درمیان۔ اور فراغت (آزادی) کا راز ان دونوں کے ترک میں ہے۔ جو شخص فراغتِ تن کا طلبگار ہے وہ دنیا سے کنارہ کشی کر لے، اور جو فراغت دل کا طلبگار ہے اسے چاہیے کہ آخرت کو ترک کر دے۔

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ہمیشہ امام محمد بن حسنؒ کی صحبت اختیار کرتے تھے لیکن قاضی ابو یوسفؒ کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے۔ امام محمد اور قاضی ابو یوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ امام محمد علم میں ثابت قدم رہے لیکن قاضی ابو یوسف نے بادشاہ کے ہاں ملازمت قبول کر لی تھی اور اسلامی دُنیا کے قاضی القضاۃ تھے۔ چونکہ وہ دُنیا دار تھے۔ اس لئے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ اس التفات اور اس بے رُخی کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے علم دُنیا کی نعمتیں اور مال وزر خرچ کر کے علم پڑھا ہے۔ ان کا علم دین کی عزت اور دُنیا کی ذلت کا باعث ہے۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے درویشی اور مسکینی بیچ کر علم حاصل کیا ہے اور اپنے علم کو دنیا کی عزت ومنزلت کا ذریعہ بنایا ہے۔ وہ محمد بن حسن جیسے نہیں ہو سکتے۔ اگر ان دونوں میں کوئی مسئلہ اختلافی ہوتا تو دونوں فیصلے کے لئے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے۔ آپ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منہ کرتے اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب پشت رکھتے۔ اگر محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ حق پر ہوتے تو ان کا نام

لے کر اُن کے حق میں فیصلہ سنا دیتے اگر ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حق پر ہوتے تو فرماتے اس کا موقف ٹھیک ہے نام نہ لیتے ۔اور پوچھنے پر کہتے جو شخص اپنے استاد کے خلاف رویہ اختیار کرتا ہے ہم اس سے بات نہیں کرتے ۔اس کا پس منظر یوں ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے ۔استاد نے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کیا اور سزا برداشت کر لی مگر شاگرد نے وہ عہدہ قبول کر لیا تھا۔

آپ کی دُنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کہا یا حضرت چھت ٹوٹ گئی ہے، گر جائے گی ۔فرمایا: تیس سال ہو گئے میں نے کبھی چھت کی طرف دیکھا ہی نہیں ۔کسی نے پوچھا خلقت سے کیوں نہیں ملتے؟ فرمایا: اپنے آپ سے فرصت ملے تو لوگوں سے ملوں ۔ایک مرتبہ دھوپ میں بیٹھے تھے، سخت گرمی تھی، پسینے چھوٹ رہے تھے، ماں نے یہ حال دیکھا تو کہا: بیٹے! تم روزے سے ہو، سائے میں آ جاؤ ۔فرمایا: مجھ کو خدا سے شرم آتی ہے کہ اپنے نفس کی خاطر آرام اُٹھاؤں ۔اور راحت طلب کروں ۔

آپ کا گھر بہت بڑا تھا ایک کمرہ خراب ہو جاتا تو دوسرے میں چلے جاتے ۔وہ خراب ہوتا تو تیسرے میں چلے جاتے ۔ ساری عمر اسی طرح گزر گئی سارا مکان گر گیا ۔وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ مکان تھوڑا تھوڑا کر کے گرتا گیا حتیٰ کہ صرف دہلیز باقی رہ گئی اور آپ کی وفات کے بعد وہ دہلیز بھی گر گئی ۔اس دوران کسی نے مکان کی خستہ حالی کی طرف توجہ دلائی، آپ اس کی بات کو سمجھ گئے اور فوراً ہی نہایت، ادب، عاجزی اور پیار سے اس مہربان سے گزارش کی کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے کہ میں دُنیا کو نہیں بناؤں گا ۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ دُنیا کو حقیر سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا ۔آپ کے نزدیک تمام دُنیا اور دُنیا داروں کی ذرا بھر وقعت نہیں تھی ۔لیکن اس کے برعکس آپ فقراء بے نوا سے بہت محبت کرتے تھے ۔آپ کے مناقب بہت ہیں ۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حجام سے حجامت بنوائی اور اسے ایک دینار دے دیا جو بہت زیادہ تھا ۔دینار سونے کا ہوتا ہے ۔کسی نے کہا حضرت یہ اصراف ہے ۔آپ نے فرمایا: جس میں احسان اور مروت نہیں اس کی عبادت بھی ٹھیک نہیں ۔حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فخر سے فرمایا کرتے تھے ۔میں نے حضرت داؤد طائی کو دیکھا ہے ۔

حضرت داؤد طائی فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا سے روزہ رکھو اور آخرت سے افطار کرو ۔موت کو عید تصور کرو اور لوگوں سے اس طرح بھاگو جیسے کوئی درندوں سے بھاگتا ہے ۔

آپ سدا غمزدہ رہتے تھے اور فرمایا کرتے کہ جس کو ہر لحہ مصائب کا سامنا ہو اس کو مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے لیکن ایک مرتبہ کسی درویش نے آپ کو مسکراتے دیکھ کر وجہ پوچھی تو فرمایا کہ خدا نے مجھے شراب محبت پلا دی ہے اس کے خمار سے مسرور

ہوں۔ جب کہیں آپ مجمع میں پہنچ جاتے تو یہ کہہ کر کہ لشکر آ رہا ہے بھاگ پڑتے اور جب لوگوں نے پوچھا کہ کس کا لشکر؟ فرمایا کہ قبرستان کے مردوں کا لشکر ہے۔

ایک مرتبہ چاندنی سے لطف اندوز ہونے کے لئے چھت پر پہنچ گئے لیکن مناظر قدرت کی حیرت انگیزیوں سے متاثر ہو کر عالم بے خودی میں ہمسایہ کی چھت پر گر پڑے اور ہمسایہ یہ سمجھا کہ چھت پر چور آ گیا ہے چنانچہ وہ شمشیر برہنہ لئے ہوئے چھت پر چڑھا لیکن آپ کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟ فرمایا کہ عالم بے خودی میں نہ جانے کس نے مجھ کو یہاں پھینک دیا۔

روایت ہے کہ آپ ہمیشہ لگاتار مداوت کے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور ایک مرتبہ موسم گرما کی دھوپ میں بیٹھے ہوئے مشغول عبادت تھے کہ آپ کی والدہ نے فرمایا یہاں سایہ میں آ جاؤ لیکن آپ نے کہا کہ مجھ کو اس چیز کی ندامت ہوتی ہے کہ خواہش نفس کے لئے کوئی اقدام کروں۔ پھر فرمایا کہ جب بغداد میں لوگوں نے مجھ کو پریشان کرنا شروع کیا تو میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ میری چادر لے لے (ظاہری دیوانہ بنا دے) تا کہ باجماعت نماز سے نجات ہو جائے اور مخلوق سے کوئی واسطہ نہ رہے۔ چنانچہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری چادر لے لی اس وقت سے ذکر الٰہی اور گوشہ نشینی کے سوا مجھ کو کچھ اچھا نہیں لگتا۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ صحبت مخلوق سے کنارہ کش کیوں رہتے ہو؟ فرمایا کہ اگر کم عمر کے لوگوں میں بیٹھوں تو وہ ادب کی وجہ سے دینی علم نہیں سکھائیں گے اور اگر معمر بزرگوں میں بیٹھوں تو وہ مجھے میرے عیوب سے آگاہ نہیں کریں گے۔ پھر میرے لئے مخلوق کی صحبت کیسے سودمند ہو سکتی ہے؟ پھر کسی نے پوچھا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ نکاح کے بعد بیوی کے روٹی کپڑے کی کفالت لینی پڑتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی کسی کا کفیل نہیں ہوتا، اس لئے میں کسی کو دھوکہ دینا نہیں چاہتا۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپ داڑھی میں کنگھا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: کہ ذکر الٰہی سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ آپ چونکہ مخلوق سے کنارہ کش رہ کر عبادت میں مصروف رہتے تھے اسی وجہ سے آپ کو عظیم مراتب عطا کئے گئے۔

آپ کا مکان بہت وسیع تھا لیکن جب اس کا ایک حصہ منہدم ہو گیا تو آپ دوسرے میں منتقل ہو گئے اور جب وہ بھی منہدم ہو گیا تو دروازے میں منتقل ہو گئے لیکن اس کی چھت بھی بہت بوسیدہ تھی اور جب لوگوں نے چھت ٹھیک کرانے کے لئے کہا تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر چکا ہوں کہ دنیا میں تعمیر کا کام نہیں کراؤں گا اور آپ کے انتقال کے بعد وہ چھت بھی منہدم ہو گئی۔

ورثہ میں آپ کو بیس دینار ملے تھے اور بیس سال سے اپنے اخراجات کی تکمیل کرتے رہے اور جب بعض بزرگوں نے کہا کہ دینار جمع کر کے رکھنا ایثار کے منافی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہی دینار زندگی بھر کے لئے باعث طمانیت ہیں لیکن قناعت کا یہ عالم ہے کہ روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے اور فرمایا کرتے کہ جتنا وقت لقمہ بنانے میں صرف ہوتا ہے اتنی دیر میں پچاس آیتیں قرآن پاک کی پڑھ سکتا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر عیاش آپ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لیے رو رہے ہیں اور جب حضرت ابو بکر عیاش نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھا لوں لیکن یہ پتہ نہیں کہ رزق حلال بھی ہے یا نہیں۔

ایک شخص نے آپ کے یہاں پانی کا گھڑا دھوپ میں رکھا ہوا دیکھ کر عرض کیا کہ اس کو سایہ میں کیوں نہیں رکھا؟ فرمایا کہ جس وقت میں نے یہاں رکھا تھا اس وقت سایہ تھا لیکن اب دھوپ میں سے اُٹھاتے ہوئے ندامت ہوتی ہے کہ محض اپنی راحت کے لئے اس کے اُٹھانے رکھنے میں وقت ضائع کروں اور ذکر الٰہی سے غافل رہوں۔

جب ہارون الرشید امام ابو یوسفؒ کے ہمراہ آپ کے پاس بغرض ملاقات حاضر ہوا تو آپ نے ملاقات سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دُنیا دار ظالموں سے نہیں ملتا لیکن جب ہارون الرشید کی والدہ نے بے حد اصرار کیا تو آپ نے اجازت دے دی اور جب ہارون الرشید رُخصت ہونے لگا تو ایک اشرفی پیش کرنی چاہی مگر آپ نے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنا مکان جائز دولت کے عوض فروخت کیا ہے اس لئے میرے پاس اخراجات کے لئے رقم موجود ہے۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے دُنیا سے اُٹھا لے۔

ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے آپ کے خادم سے دریافت کیا کہ اب اخراجات کے لئے کتنی رقم باقی رہ گئی تو اس نے بتایا کہ دس درہم چاندی باقی ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے اخراجات کا حساب لگا کر یہ اندازہ کرلیا کہ بس آپ اتنے دن اور تک اپنے پاس سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بالکل محتاج ہو جائیں گے۔

جب حضرت ابو ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے وصیت ونصیحت کی درخواست کی تو فرمایا کہ دُنیا سے روزہ رکھو اور آخرت سے افطار کرو۔ پھر کسی اور نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا کہ بدگوئی سے احتراز کرو مخلوق سے کنارہ کش رہو دین کو دنیا پر ترجیح دو اور اگر ممکن ہو تو مخلوق کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ پھر کسی اور نے نصیحت کے لئے عرض کیا تو فرمایا کہ مردے تمہارے انتظار میں ہیں یعنی تمہیں بھی مرنا ہے اس لئے وہاں کا سامان کرلو۔ پھر فرمایا کہ ترک دنیا سے بندہ خدا تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دو مرتبہ آپ سے شرف نیاز حاصل کیا اور وہ فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی ملاقات میں تو میں نے آپ کو شکستہ چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ اس جگہ سے ہٹ جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ چھت گر پڑے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک چھت کی طرف نظر ہی نہیں ڈالی اور دوسری ملاقات میں یہ نصیحت فرمائی کہ لوگوں سے تعلق منقطع کرلو۔ کسی بزرگ نے آپ کو دھوپ میں قرآن خوانی کرتے ہوئے دیکھ کر سایہ میں آنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مجھے اتباع نفس ناپسند ہے اور اسی رات آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دیوار کے نیچے دفن کرنا چنانچہ آپ کی وصیت پوری کردی گئی۔ اس سلسلہ میں وہاں کے لوگ فرماتے ہیں کہ آج تک آپ کی قبر محفوظ ہے۔

آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ وفات کی رات داؤد ساری شب عبادت میں مشغول رہا۔ آخر شب ایک مرتبہ سجدے میں سر رکھا اور دیر تک سر نہ اُٹھایا اتنے میں صبح کی اذان ہوگئی۔ میں نے کہا بیٹا نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اب سجدے سے سر اُٹھالو۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے پاس جاکر دیکھا تو مالک حقیقی سے جاملا تھا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے بعد ایک شخص کو خواب میں ملے تو فرمایا: میں زنداں سے رہائی حاصل کر چکا ہوں۔ آپ کی وفات کے بعد غیب سے آواز آئی، داؤد طائی اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے راضی ہوئے۔

حضرت معروف کرخیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی معروف ہے ۔آپ کے والد ماجد کا نام فیروز تھا۔اور آپ علاقہ کرخ کے رہنے والے تھے۔علاقہ کی نسبت سے آپ کی قوم کرخی کہلاتی تھی ۔اس طرح آپ کا پورا اسم گرامی معروف بن فیروز کرخی ہے۔

آپ کا شمار بہت ہی عالی قدر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے ۔آپ مشائخ طریقت کے پیشوا تھے،امام تھے ۔آپ نہایت ہی بلند ہمت اور متقی و پرہیز گار بزرگ تھے ۔آپ راضی برضائے حق رہنے والے وہ منفرد بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت علی بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا،آپ سے ہی تعلیم و تربیت حاصل کی اور آپ ہی کے زیر شفقت ،زیر نگاہ روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کئے ۔حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ہیں ،پیر ہیں ،رہنما ہیں ۔اپنے وقت میں آپ طریقت و حقیقت کے پیشوا تھے ۔آپ تمام علومِ ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ تھے ۔زہد و تقویٰ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا ۔آپ بہت حلیم الطبع اور صبر و تحمل والے تھے ۔آپ صاحب کشف و کرامات تھے ۔آپ کے اقوال بہت لطیف اور احوال بہت قوی تھے ۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں لیکن ان حقائق سے آپ کے زمانے کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ ہی کے فیض و صحبت سے بلند درجات حاصل کئے ۔اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہیں آپ کے ارادت مند ہیں ۔آپ نے بہت عرصہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر فیوض باطنی حاصل کئے ہیں ۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے والد نصرانی تھے اور جب آپ کو داخل مکتب کیا گیا تو معلم نے یہ درس دینا چاہا کہ ثالث ثلاثہ یعنی خدا تین ہیں آپ نے کہا ھو اللہ احد وہ خدا تو ایک ہے آپ کو زدو کوب کرنے کے باوجود بھی آپ نے خدا کو تین نہیں کہا اور وہاں سے فرار ہو کر حضرت علی بن موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہیں سے بیعت حاصل کی ۔آپ کے فرار ہونے کے

بعد والدین کوخیال آیا کہ وہ کسی مذہب پر رہتا لیکن کاش ہمارے پاس رہتا۔کچھ عرصہ کے بعد آپ گھر لوٹے تو آپ کے احوال سے متاثر ہوکر والدین بھی مسلمان ہو گئے اور بہت عرصہ حضرت داؤدطائیؒ کی خدمت میں رہ کر فیوض باطنی سے سیراب ہوتے رہے۔

آپ کچھ لوگوں کے ہمراہ جارہے تھے کہ راستہ میں ایک مجمع رقص وسرود و مے نوشی میں مصروف مل گیا اور جب آپ کے ہمراہیوں نے اُن کے حق میں بد دعا کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ اے اللہ! جس طرح آج تو نے ان کو بہتر عیش دے رکھا ہے آئندہ اس سے بھی بہتر عیش ان کو عطا کرتا رہ۔اس دعا کے ساتھ ہی وہ مجمع شراب ورباب پھینک کر آپ کے سامنے آیا اور بیعت حاصل کر کے بُرے افعال سے تائب ہو گیا اور اس کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو شیرینی سے مرسکتا ہو اس کو زہر دینے سے کیا حاصل۔

آپ فرماتے ہیں کہ **للفتوۃ ثلث علامات،وفاء بلاخلاف و مدح بلاجود وعطاء بلاسوال**۔''جواں مردوں کی تین علامات ہیں اول وفا بلاخوف، دوم کسی کا نیک سلوک دیکھے بغیر اس کی تعریف کرنا،سوم سوال سے پہلے عطا کرنا۔'' ''وفا بلاخوف'' کا مطلب یہ ہے کہ حق عبودیت ادا کرنے میں انسان مخالفت حق اور معصیت کو اپنے لئے حرام قرار دے دے۔ ''مدحت بلا جود'' کا مطلب ہے کہ کسی سے نیک سلوک دیکھے بغیر اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔اور ''عطاء بلاسوال'' سے یہ مراد ہے کہ جب دینے کی طاقت ہو تو بلاتمیز عطا کرے یعنی جب کسی کا حال معلوم ہو جائے کہ وہ دیئے جانے کا مستحق ہے تو اس کو سوال کی ذلت سے بچائے اور سوال کرنے سے پہلے عطا کردے اور یہ تینوں صفات جو انسان کی طرف سے انسان کے ساتھ بَرتی جاتی ہیں دراصل یہ حق تعالیٰ کی صفات ہیں جو انسان کو عاریۃً مرحمت ہوئی ہیں۔حق تعالیٰ کی یہ صفات حقیقی اور انسان کی مجازی ہیں۔

ایک مرتبہ قرآن و مصلی مسجد میں چھوڑ کر آپ دریا پر پاکیزگی کی نیت سے تشریف لے گئے،دریں اثنا ایک بڑھیا آپ کا قرآن اور مصلی مسجد سے اُٹھا کر چلتی بنی اور جب راستہ میں آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے گردن جھکائے ہوئے بڑھیا سے فرمایا کہ تمہارا کوئی بچہ قرآن پڑھتا ہے اور بڑھیا نے جب نفی میں جواب دیا تو فرمایا کہ میرا قرآن واپس کر دو،البتہ مصلی میں نے تمہیں ہبہ کر دیا۔چنانچہ وہ بڑھیا آپ کے حلم سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ دونوں چیزیں آپ کو واپس کر دیں۔

قبلہ کا صحیح رُخ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے آپ کے ایک مہمان نے غلط سمت کی جانب منہ کر کے نماز ادا کر لی اور نماز کے بعد جب اس کو صحیح سمت معلوم ہوئی تو اس نے آپ سے عرض کیا کہ جب میں نے نیت باندھی تھی اس وقت آپ نے آگاہ کیوں نہ کیا؟ فرمایا کہ فقراء کو دوسروں کے امور میں اس وقت مداخلت کی حاجت ہوتی ہے جب انہیں اپنے امور سے مہلت مل جائے۔

حضرت محمد بن طوسیؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک نشان دیکھ کر پوچھا کہ کل تک تو یہ نشان آپ کو نہیں تھا پھر آج کیسے ہو گیا؟ فرمایا کہ رات کو حالت نماز میں مجھے مکہ معظمہ پہنچنے کا تصور آ گیا اور وہاں پہنچ کر طواف کعبہ کے بعد جب چاہ زمزم پر پہنچا تو میرا پاؤں پھسل گیا اور یہ اسی کا نشان ہے۔

آپ کے ماموں کتو ال شہر تھے۔انہوں نے آپ کو جنگل میں ایسی حالت میں دیکھا کہ ایک کتا آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ایک لقمہ خود کھاتے ہیں اور ایک اس کو کھلاتے ہیں۔یہ کیفیت دیکھ کر ماموں نے کہا تم کو حیا نہیں آتی کہ کتے کو کھانا کھلا رہے ہو؟ آپ نے کہا کہ حیا کی وجہ سے ہی تو میں اس کو کھلا رہا ہوں اور یہ کہہ کر جب آپ نے آسمان کی جانب دیکھا تو ایک پرندہ اپنی آنکھ اور چہروں کو پَروں سے ڈھانپے ہوئے آپ کے دست مبارک پر آ بیٹھا اور آپ نے ماموں سے فرمایا کہ خدا سے حیا کرنے والے سے ہر شے حیا کرتی ہے۔

فرمایا کہ نفس کا اتباع خدا کی گرفت ہے اور جو خدا کو یاد کرتا ہے وہ اس کا محبوب ہے اور وہ جس کو محبوب بنالے اس پر خیر کے دروازے کھول کر شر کے دروازے بند کر دیتا ہے۔فرمایا کہ لغو باتیں گمراہی کی دلیل ہیں اور غافل نہ ہونا حقیقت وفا کی نشانی ہے اور فرمایا اعمال صالحہ کے بغیر جنت کی طلب اور اتباع سنت کے بغیر شفاعت کی اُمید اور نا فرمانی کے بعد رحمت کی تمنا حماقت ہے اور حقائق کو معتبر تصور کرتے ہوئے دقیق مسائل بیان کرنا اور مخلوق سے اُمید وابستہ نہ کرنا خالص تصوف ہے۔لہٰذا مخلوق سے آس توڑ کر خدا سے طلب کرنا چاہیے۔فرمایا کہ عارفین خود سراپا دولت ہیں انہیں کسی دولت کی حاجت نہیں۔

آپ ایک مرتبہ بڑی خوش دلی کے ساتھ کوئی چیز تناول فرما رہے تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ ایسی کیا شے ہے جو آپ اس قدر مسرت کے ساتھ کھا رہے ہیں؟ فرمایا کہ میری مسرت کی یہ وجہ ہے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا مہمان ہوں اور جو وہ عطا کرتا ہے کھالیتا ہوں۔اور اکثر آپ نفس سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چھوڑ دے تاکہ تجھے بھی چھٹکارا مل جائے۔فرمایا کہ خدا پر توکل کرنے والا مخلوق کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔فرمایا کہ اس چیز سے ڈرتے رہو کہ خدا کی نظریں تم پر ہیں۔

حضرت سری سقطیؒ سے روایت ہے کہ عید کے دن بھی میں نے آپ کو کھجوریں چنتے دیکھ کر وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ سامنے والا یتیم بچہ اس لئے اُداس ہے کہ تمام بچے نئے لباس میں ملبوس ہیں اور اس کے پاس کپڑے تک نہیں۔اس لئے میں کھجوریں چن کر فروخت کرنا چاہتا ہوں۔تاکہ اس کے لئے کپڑے فراہم کرسکوں،لیکن میں نے عرض کیا کہ یہ کام تو میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں چنانچہ میں بچے کو ہمراہ لے کر آیا اور اس کو نیا لباس پہنادیا اور اس کے صلہ میں جو نور عطا ہوا اس سے میری حالت بدل گئی۔

حضرت سری سقطیؒ سے روایت ہے کہ آپ نے مجھے یہ ہدایت فرمائی کہ جب تمہیں کچھ طلب کرنا ہو تو اس طرح طلب کیا کرو کہ اے خدا! بحق معروف کرخی مجھ کو فلاں شے عطا کردے تو وہ شے یقیناً تم کو مل جائے گی،پھر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دم مرگ آپ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو بالکل برہنہ دفن کرنا کیونکہ میں دنیا میں بالکل ہی برہنہ آیا تھا۔اس کے بعد آپ انتقال فرما گئے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

بغداد شریف میں آپ کا مزار مبارک آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے اور لوگوں کی تمام مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

وفات کے بعد ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مسلک کے مطابق آپ کی میت اُٹھانے پر آمادہ پیکار تھے۔یہ دیکھ کر آپ

کے ایک خادم نے بتایا کہ آپ کی یہ وصیت تھی کہ جس مذہب کے لوگ زمین سے مرا جنازہ اُٹھالیں وہی دفن کریں۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ کسی سے بھی آپ کا جنازہ نہ اُٹھ سکا اور اسلامی احکام کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی۔

ایک مرتبہ آپ بازار سے گزرے تو دیکھا کہ ایک بہشتی یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! جو میرا پانی پی لے اس کی مغفرت فرما دے چنانچہ نفلی روزے کے باوجود آپ نے پانی پی لیا، اور جب لوگوں نے کہا کہ آپ کا روزہ تھا تو فرمایا کہ میں نے بہشتی کی دعا پر پانی پی لیا، پھر انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ فرمایا کہ بہشتی کی دعا سے مغفرت فرما دی۔

حضرت محمد حسینؒ نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ میری مغفرت فرما دی، پھر انہوں نے سوال کیا کہ کیا عبادت وزُہد کی وجہ سے مغفرت ہوئی؟ تو فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے ابن سماک کی اس نصیحت پر عمل کیا تھا کہ جو دنیا سے انقطاع کر کے رجوع الی اللہ کر لیتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی جانب رجوع فرماتا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں آپ کو تحت العرش اس طرح دیکھا کہ آپ پر غشی طاری ہے اور پوچھا جا رہا ہے کہ یہ کون ہے؟ اس سوال پر فرشتے کہہ رہے ہیں کہ تو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ پھر آواز آئی کہ یہ معروف کرخی ہے جس کو ہماری محبوبیت نے بے خود بنا دیا ہے اور اب ہمارے دیدار کے بغیر اس کو ہوش نہیں آ سکتا۔

☆......☆......☆......☆......☆
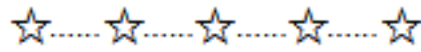
حضرت شفیق بلخیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی شفیق ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی ابراہیم تھا۔آپ کی کنیت ابو علی ہے، کیونکہ آپ بلخ کے باشندے تھے اس لئے آپ کے نام کے ساتھ بلخی کا اضافہ ہوگیا۔اور آپ ازدقوم قبیلہ سے تھے اس لئے آپ کا پورا نام ابو علی شفیق بن ابراہیم الازدی بلخی ہے۔

آپ کا شمار اکابرین اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔آپ سردار اہل بلاد و مایۂ زہد و تقویٰ اور مقتدائے صوفیا تھے۔آپ ممتاز زمانہ مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔آپ تمام علومِ شریعت، طریقت اور حقیقت سے آشنا تھے۔حقائق تصوف پر آپ کی تصانیف بہت ہیں۔آپ جید عالم و مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی کمال رکھتے تھے۔حضرت حاتم اصمؒ آپ کے شاگرد تھے اور آپ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے صحبت یافتہ تھے بلکہ بہت سے مشائخ کبار کی بھی آپ کو صحبت ملی ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کا سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے ہم عصروں میں دو نام بہت نمایاں ہیں۔آپ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے صحبت یافتہ ہیں۔اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی سن وصال ان (161، 162، 166 ہجری) میں سے ایک ہے۔اس سے آپ کے زمانے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اور حضرت حاتم اصمؒ آپ کے شاگرد تھے۔اور خلیفۂ وقت ہارون الرشید تھا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ پیشہ کے اعتبار سے تاجر تھے اور خوشحال تاجر تھے۔تجارت کے سلسلہ میں آپ کا دور دراز تک آنا جانا تھا۔

آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بلخ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ مردہ جانوروں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے اور خلقِ خدا بے حد پریشان تھی۔اس قحط زدہ ماحول و حالات میں آپ نے ایک غلام کو دیکھا کہ بازار میں نہایت ہی خوش و خرم پھر رہا ہے۔لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ لوگ مر رہے ہیں تو اس قدر خوش و خرم ہے اس نے کہا مجھے کوئی غم نہیں ہے کیونکہ میں ایسے آقا کا غلام ہوں جو پورے گاؤں کا مالک ہے۔

یہ سن کر حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یا الٰہی جب ایک غلام اس بناء پر بے فکر ہے کہ اس کا آقا ایک گاؤں کا مالک ہے تو ہمیں کیا غم ہے کیونکہ ہمارا آقا تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔اس کے بعد آپ نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا اور حق تعالیٰ سے پیوستہ ہو گئے اور پھر کبھی روزی کا فکر نہ کیا۔آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں تو فلاں غلام کا شاگرد ہوں اور جو کچھ میں نے پایا ہے اسی سے پایا ہے اور یہ آپ نے ازراہِ انکساری نہیں کہا بلکہ ایک حقیقت کو بیان کر کے عجز و انکساری حاصل کی ہے۔غرض یہ کہ آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔

مندرجہ بالا سے پہلے آپ ایک اور واقعہ سے متاثر ہوئے۔اس کتاب کے مصنف کے نزدیک قدرت آپ کی سچی توبہ کے لئے راہ ہموار کر رہی تھی۔ہوا یوں کہ ایک دفعہ جب آپ بغرض تجارت ترکی پہنچے تو وہاں ایک مشہور بت کدہ دیکھنے پہنچ گئے اور وہاں ایک پجاری سے فرمایا کہ تجھے قادر و زندہ خدا کو نظر انداز کر کے ایک بے جان بت کی پوجا کرتے ہوئے ندامت نہیں ہوتی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ جو حصولِ رزق کے لئے دُنیا بھر میں تجارت کرتے پھرتے ہیں اس سے آپ کو ندامت نہیں ہوتی اور کیا آپ کا خالق گھر بیٹھے رزق پہنچانے پر قادر نہیں ہے؟ یہ سن کر اسی وقت وطن واپس لوٹے تو راستہ میں کسی نے پیشہ دریافت کیا۔آپ نے فرمایا کہ میں تجارت کرتا ہوں۔اس نے طعنہ دیا کہ آپ کے مقدر کا جو کچھ ہے وہ تو گھر بیٹھے بھی میسر آ سکتا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید آپ خدا پر شاکر نہیں ہیں اس واقعہ سے آپ اور زیادہ متاثر ہوئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ **جعل اللّٰہ اھل طاعۃ احیاءً فی مماتھم و اھل المعاصی امواتاً فی حیٰوتھم۔**
''اللہ تعالیٰ اہل طاعت کو موت کی حالت میں زندہ رکھتا ہے اور اہل معاصی (گنہگاروں) کو زندگی کی حالت میں مردہ رکھتا ہے۔''
اس کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبردار اگرچہ مردہ ہے زندہ ہے، اور ملائکہ اس کی فرمانبرداری پر قیامت تک آفرین کہتے ہیں اور ثواب پہنچاتے ہیں پس وہ فنا کی حالت میں زندہ ہے یعنی باقی باللہ ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک ہزار سات سو اساتذہ سے شریعت و طریقت کے علوم سے استفادہ کیا لیکن نتیجہ میں یہ پتہ چلا کہ خدا کی رضا صرف چار چیزوں پر منحصر ہے۔اوّل روزی کی جانب سے سکون حاصل رہنا۔دوم خلوص سے پیش آنا۔ سوم ابلیس کو دشمن تصور کرنا۔چہارم توشہ آخرت جمع کرنا اور انہی چار چیزوں کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت حاتم اصمؒ بیان کیا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں آپ کے ہمراہ شریک جہاد تھا اور جنگ پوری قوت سے جاری تھی لیکن آپ گدڑی اوڑھ کر دونوں فوجوں کے درمیان سو گئے مگر آپ کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا۔

آپ ایک مرتبہ اپنی مجلس میں پھولوں کی خوشبو سے محظوظ ہو رہے تھے کہ یکا یک شور بلند ہوا کہ کفار کی فوج آ پہنچی لیکن آپ نے قوت باطنی کے ذریعہ انہیں شکست دے دی۔اس وقت کسی احمق نے یہ کہہ دیا کہ حیرت انگیز ہے یہ بات کہ کفار کی فوج اتنی قریب پہنچ گئی اور مسلمانوں کا امیر پھول سونگھتا رہا۔آپ نے فرمایا کہ معترض نے پھول سونگھنا تو دیکھ لیا لیکن کفار کو جو شکست غیبی ہوئی وہ نظر نہیں آئی۔

کسی نے آپ سے اپنے عزم حج کا تذکرہ کیا تو آپ نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ زادِ سفر کے طور پر کیا چیز ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرے ہمراہ چار چیزیں ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنی روزی کو دوسروں کی نسبت زیادہ قریب پاتا ہوں۔ دوم اس کا یقین رکھتا ہوں کہ میرے رزق میں کوئی حصہ دار نہیں بن سکتا۔ سوم یہ کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ چہارم یہ کہ اللہ میری نیک و بد حالت سے بخوبی واقف ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بہتر اور کوئی زادِ سفر نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ تیرا حج قبول فرمائے۔

کسی رئیس نے عرض کیا کہ محنت ومزدوری کرنے کی وجہ سے لوگ آپ کو کمتر تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنے اخراجات کے لئے کچھ رقم مجھ سے لے لیا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر پانچ چیزوں کا خوف نہ ہوتا تو شاید میں تیری درخواست پر غور کرتا۔ اول یہ کہ مجھے دینے سے تیری دولت میں کمی واقع ہوگی۔ دوم میرے پاس سے رقم چوری ہو جانے کا بھی خطرہ ہے۔ سوم یہ کہ ممکن ہے تجھے میرے اوپر رقم خرچ کرنے کا غم پیدا ہو جائے۔ چہارم یہ کہ ممکن ہے میرے اندر کوئی عیب پیدا ہو جانے کی وجہ سے تو اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے۔ پنجم یہ کہ تیری موت کے بعد میں پھر بھکاری رہ جاؤں گا۔

سفر حج کے دوران جب آپ بغداد پہنچے تو خلیفہ ہارون الرشید آپ کو مدعو کرکے بہت احترام کے ساتھ پیش آیا اور آپ سے نصیحتیں کرنے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تم خلفائے راشدین کے نائب ہو۔ اور خدا تعالیٰ تم سے علم و حیا اور صدق وعدل کی بازپرس کرے گا اور خدا نے تمہیں شمشیر وتازیانہ (کوڑا، چابک، قانون سزا) اور دولت اس لئے عطا کئے کہ اہل حاجت میں دولت تقسیم کرو اور تازیانے سے شریعت پر عمل پیرا نہ ہونے والوں کو سزا دو اور شمشیر سے خون کرنے والوں کا خون بہاؤ اور اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو روز محشر تمہیں اہل جہنم کا سردار بنا دیا جائے گا۔ اور تمہاری مثال دریا جیسی ہے اور اعمال وحکام اس سے نکلنے والی نہریں ہیں لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اس طرح عادلانہ حکومت کرو کہ اس کا پرتو عمال وحکام پر بھی پڑے کیونکہ نہریں دریا کے تابع ہوا کرتی ہیں۔ پھر آپ نے خلیفہ سے پوچھا کہ اگر ریگستان میں تم پیاس سے تڑپ رہے ہو اور کوئی شخص نصف حکومت کے معاوضہ میں تمہیں ایک گلاس پانی دینا چاہے تو کیا تم اس کو قبول کرلو گے۔ ہارون الرشید نے جواب دیا کہ یقیناً قبول کرلوں گا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر اس پانی کے استعمال سے تمہارا پیشاب بند ہو جائے اور شدت تکلیف میں کوئی طبیب علاج کے معاوضہ میں بقیہ نصف سلطنت طلب کرے تب تم کیا کرو گے؟ ہارون الرشید نے جواب دیا کہ نصف سلطنت اس کے حوالے کردوں گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ وہ سلطنت باعث افتخار نہیں ہو سکتی جو صرف ایک پانی کے گھونٹ پر فروخت ہو سکے یا پیشاب کے بدلے دی جاسکے۔ اس جواب کے بعد ہارون الرشید بہت دیر تک روتا رہا اور بصد احترام آپ کو رخصت کیا۔

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خانہ خدا میں تلاش رزق مناسب نہیں اور جب وہاں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے ملاقات ہوئی تو ان سے سوال کیا کہ آپ نے حصول رزق کے لئے کیا ذریعہ اختیار کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہوں اور نہیں ملتا تو صبر سے کام لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حال تو کتوں کا بھی ہے اور جب حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے آپ سے حصول معاش کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ اگر کچھ مل جاتا ہے تو خیرات کر دیتا ہوں اور نہیں ملتا تو

صبر و شکر سے کام لیتا ہوں یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے کہا کہ واقعی آپ عظیم بزرگ ہیں۔

پھر حج کے بعد بغداد ہی واپس آ گئے اور وہیں وعظ گوئی کو مشغلہ بنالیا۔ ایک مرتبہ دوران وعظ آپ نے فرمایا کہ جس وقت میں نے سفر شروع کیا تو چار دانگ (تولہ) میرے پاس چاندی تھی اور آج تک اسی طرح میری جیب میں پڑی ہے۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ جس وقت آپ نے چاندی جیب میں رکھی تو کیا اس وقت خدا پر اعتماد نہیں تھا یا اس کا وجود نہیں تھا؟ یہ سن کر آپ خاموشی کے ساتھ منبر سے نیچے آ گئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں کسی کو یہ کہتے سنا کہ متوکلین کے رزق و خوش خلقی میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور وہ فراخ دل ہوتے ہیں اور عبادت کے وقت ان کے قلوب وسوسوں سے پاک رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ عبادت کی بنیاد بیم و رجا اور حب الٰہی پر قائم ہے اور خوف کی نشانی محرمات کو ترک کر دینا ہے اور امید کی نشانی عبادت پر ندامت اختیار کرنا ہے اور زور محبت کی نشانی شوق و توبہ اور رجوع الی اللہ ہو جانا ہے اور جس کے اندر خوف و اضطرار نہ ہو وہ جہنمی ہے۔

پھر فرمایا کہ تین چیزیں انسان کے لئے مہلک ہیں۔ اول توبہ کی امید پر معصیت کا ارتکاب۔ دوم زندگی کی اُمید پر توبہ نہ کرنا۔ سوم رحمت سے مایوس ہونا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عابدین و اہل ریاضت کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور معصیت کاروں کو زندگی ہی میں مردہ بنا دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ فقر سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں جسمانی غم، مشغلہ قلب، اور دشواری حساب، پھر فرمایا کہ موت آ کر واپس نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر لمحہ اس کے لئے کمربستہ رہو۔

پھر فرمایا کہ میرے نزدیک مہمان ہر شے سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ مہمان نوازی کا صلہ خدا ہی جانتا ہے، پھر فرمایا کہ جو شخص نعمت کے لئے دشواری اختیار کر کے دشواری کو فراخی تصور نہ کرے وہ ہمیشہ غمِ دو جہاں میں مبتلا رہتا ہے اور جس نے اس کو فراخی سمجھ لیا وہ دونوں جہان میں خوش رہتا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ اللہ پر کامل اعتماد کرنے والا کون ہوتا ہے؟ فرمایا جو دُنیاوی شے کے فوت ہو جانے کو غنیمت تصور کرے اور جو خدا کے وعدوں کو انسانوں کے وعدوں سے زیادہ اطمینان بخش سمجھے۔ پھر فرمایا کہ تین چیزیں تقویٰ کی پہچان ہیں۔ فرستادن، منع کردن، سخن گفتن، فرستادن کا مفہوم یہ ہے کہ تم خدا کے فرستادہ ہو، لہٰذا اسی قسم کے امور انجام دو۔ اور منع کردن کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سے کچھ طلب نہ کرو۔ اور سخن گفتن سے مراد یہ ہے کہ ایسی بات کہو جو دین و دنیا میں سودمند ہو اور دوسرا مفہوم اس جملہ کا یہ ہے کہ تم نے جس قدر نیک کام انجام دیئے وہ دین کی بھلائی کے لئے ہیں اور جن کاموں سے کنارہ کشی اختیار کی وہ دنیاوی بھلائی کے لئے ہیں کیونکہ ایک انسان اپنی زبان سے دین و دنیا دونوں کی باتیں کر سکتا ہے۔

فرمایا کہ میں نے متعدد علماء سے سوال کیا کہ دانشور، دولت مند، بخیل، دانا اور درویش کا کیا مفہوم ہے؟ اور سب نے یہی جواب دیا کہ دانشور وہ ہے جو محبِّ دنیا سے احتراز کرے۔ دولت مند وہ ہے جو قضاء قدر پر مطمئن رہے۔ دانا وہ ہے جو فریب دنیا میں مبتلا نہ ہو سکے۔ درویش وہ ہے جو زیادہ طلب نہ کرے اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مخلوق سے زیادہ عزیز تصور کرتے ہوئے کسی

کو ایک دانہ نہ دے۔

حضرت حاتم اصمؒ نے آپ سے نفع بخش نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ عام وصیت تو یہ ہے کہ اپنے قول کا معقول جواب سوچے بغیر کوئی بات منہ سے نہ نکالی جائے اور خاص وصیت یہ ہے کہ جب تک تمہارے اندر بات نہ کہنے کی طاقت موجود ہے، خاموشی اختیار کرو۔

☆......☆......☆......☆......☆
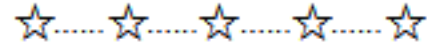
حضرت سری سقطیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک سری ہے اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی مغلس تھا۔ آپ کے نام کے ساتھ سقطی کا اضافہ کیوں ہے یہ معلوم نہیں ہے لیکن آپ ابتدا میں سقط فروشی کرتے تھے اور سقط فروش اسے کہتے ہیں جو گرے پڑے پھل فروخت کرتا ہے۔ بہرحال آپ کا پورا نام ابوالحسن سری بن مغلس سقطی ہے۔

آپ اہل کمال میں پہلے فرد ہیں جنہوں نے بغداد میں حقائق و توحید کی بنیاد ڈالی۔ آپ علوم تصوف وطریقت میں رفیع الشان تھے اور جس نے سب سے پہلے مقامات تصوف کو کھول کر بیان کیا وہ آپ ہی ہیں۔ عراق کے اکثر مشائخ آپ کے مرید ہیں۔ آپ حضرت حبیب راعیؒ کے فیض یافتہ ہیں لیکن آپ مرید حضرت معروف کرخیؒ کے تھے۔ آپ کو باطنی اور ظاہری علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ آپ کے اقوال بہت لطیف اور احوال وحال بہت قوی تھا۔ روحانیت میں آپ کو کمال درجہ حاصل تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کا سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں لیکن آپ کے زمانے کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ حضرت معروف کرخیؒ سے بیعت تھے یا اُن کے مرید تھے اور آپ حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں تھے اور آپ نے حضرت حبیب راعیؒ سے فیض پایا تھا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

ابتداء میں آپ بغداد کے بازار میں پرانا مال فروخت کیا کرتے تھے۔ پھر اس میں پھل اور خشک میواجات بھی بیچنا شروع کر دیئے۔ آپ اپنے کاروبار میں، تجارت میں بے جا منافع کے قائل نہ تھے اور کسی مال پر بھی کسی صورت میں پانچ فی صد سے زیادہ منافع نہیں لیتے تھے۔ لیجئے درج ذیل آپ ہی کی دیانتداری اور اصول پرستی سے متعلق ہے جو آپ شروع سے اپنائے ہوئے تھے۔

بادام کے نرخ بڑھ گئے ہیں۔ آپ کے پاس جتنے بادام ہیں وہ مجھے دیں۔ جو دام مانگیں گے میں دینے کو تیار ہوں۔ ایک ہوشیار دوکاندار ایک دیانتدار دوکاندار کے پاس کھڑا تھا اور کاروبار کی باتیں ہو رہی تھیں۔

پہلا دکاندار......دیکھو میاں، بادام کا بھاؤ آسمان تک پہنچ گیا ہے۔چار پیسے کمالو موقع ہے۔ایسے مواقع کاروبار میں روز روز نہیں آتے۔

دوسرا دکاندار......محترم آپ کو زیادہ منافع لینا مبارک ہو۔مگر میں ایسا نہیں کرسکتا۔میں نے تو جس دام بادام خریدا ہے پانچ فی صد منافع پر فروخت کروں گا۔میں نے ساری زندگی پانچ فی صد سے زیادہ منافع نہیں لیا۔میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

پہلا......آپ کو سات فی صد منافع دیتا ہوں جتنے بادام ہیں ابھی اُٹھالیتا ہوں، قیمت نقد ادا کروں گا۔

دوسرا......محترم میں نے کہہ دیا ہے کہ میں نے پانچ فی صد سے زیادہ منافع نہیں لینا۔نہ میں آپ کو سارا مال دوں گا اس لیے کہ آپ غریب خریداروں سے زیادہ دام وصول کریں گے۔

پہلا دکاندار......بضد تھا کہ زیادہ منافع پر مال بیچ دو، تجارت میں اُتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔تاجر کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔مگر دوسرا دکاندار بڑی محبت سے انکار کررہا تھا کہ تجارت میں میرے اصول اٹل ہیں۔میں نے عہد کررکھا ہے کہ پانچ فی صد سے زیادہ منافع لے کر خلق خدا کو دھوکا نہ دوں گا۔نہ انہیں پریشان کروں گا جب کسی مال کی کمی ہوتی ہے تو لالچی اور بددیانت تاجر خلق خدا کو لوٹتے ہیں اور اپنے گھر میں دوزخ کا ایندھن بھرتے جاتے ہیں۔یہ وہی وقت ہوتا ہے جب نیک تاجر خدا کو خوش کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کی دعائیں لیتے ہیں اور پروردگار کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔

منافع خور ایک روایتی تاجر تھا۔لالچی تھا دوسرے تاجر حضرت سری سقطیؒ تھے۔آپ کی دکان بغداد کے ایک بارونق بازار میں تھی۔خشک میوے فروخت کرتے تھے۔منافع پانچ فی صد سے زیادہ نہ لیتے تھے۔دکان کے ایک طرف پردہ ڈال رکھا تھا، کاروبار سے جب بھی فرصت ملتی یادِ الٰہی میں مشغول ہوجاتے۔

جب کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے اس کوچہ فقر میں کیسے قدم رکھا تو فرمایا کہ ایک دن ایک درویش (حبیب راعیؒ) کا میری دکان پر گزر ہوا تو میں نے ان کو آدھی روٹی دے کر کہا کہ درویشوں کو دینا۔روٹی لے کر اس درویش نے دعا دی کہ خدا تیرا بھلا کرے۔جب سے میرے کان میں یہ دعا پہنچی ہے میرا دل دنیا سے بیزار ہوگیا ہے۔اور میں نے اس دُنیا سے چھٹکارا پالیا۔

پھر جلتی پر تیل کا کام اس حیرت ناک واقعہ نے کیا کہ انہی دنوں اس بازار میں آگ لگ گئی ایک طرف کی تمام دکانیں جل گئیں انہی دکانوں میں حضرت سری سقطیؒ کی بھی دکان تھی مگر آپ کی دکان کو آگ نے چھوا تک بھی نہیں۔تمام لوگ حیران تھے آپ نے فرمایا جو لوگ رزق حلال کماتے ہیں خلق خدا کو اذیت نہیں دیتے۔ان کی جیبوں پر ڈاکہ نہیں ڈالتے۔ان پر قہر خداوندی نازل نہیں ہوتا۔دکان کے نہ جلنے کی کرامت نے دل پر ایسا اثر کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں سب کچھ چھوڑ دیا۔کہا جب میرا مالک، میرا پروردگار مجھ پر اتنا مہربان ہے اور میں دنیا کا مال کمانے کے پیچھے بھاگ رہا ہوں اسی وقت ایک نعرہ مارا۔وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور دوکان کا سارا مال اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں بانٹ دیا اور راہِ فقر تصوف کا راستہ اختیار کرلیا۔

ایک دن آپ صبر پر وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک ایک بچھو آپ کے کپڑوں پر کہیں سے آ گیا اس نے کئی بار آپ کو ڈنک مارا مگر آپ نے صبر کیا۔ وعظ ختم ہوا تو لوگوں نے کہا حضرت آپ نے بچھو کو جسم سے جھاڑ کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وعظ تو صبر پر کروں اور اس طرح بے صبری کا مظاہرہ کروں۔

حضرت سری سقطیؒ حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ چاہتے تھے کہ میری وفات بغداد میں نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بغداد کی زمین میرے جسد خاکی کو قبول نہ کرے اور میں رُسوا ہو جاؤں اور لوگ جو نیک گمان میرے متعلق رکھتے ہیں وہ باطل ہو جائے۔

آپ نے مجاہدات، عبادات و ریاضات میں اتنی مشقت اُٹھائی کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ میں نے سری سقطیؒ کے برابر کسی کو عبادت میں کامل نہیں پایا۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ میرے نفس نے شہد مانگا، چالیس سال وہ شہد مانگتا رہا اور میں ٹالتا رہا۔ مگر اس نفسانی خواہش کا خوف مسلسل طاری رہا۔ دن میں کئی کئی بار اپنا منہ آئینے میں دیکھتا کہ اس شامت اعمال سے کہیں کالا تو نہیں ہو گیا۔

آپ بہت منہ بنا کر سلام کا جواب دیا کرتے تھے اور جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی کو سلام کرتا ہے اس پر خدا کی طرف سے سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں جس میں نوے رحمتیں اس کو ملتی ہیں جو دونوں میں سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے۔ لہٰذا میں منہ بنا کر اس لئے جواب دیتا ہوں کہ مجھ سے زائد رحمتیں سلام کرنے والے کو حاصل ہو جائیں۔ فرمایا کہ کاش پورے عالم کے آلام مجھے مل جاتے تا کہ لوگوں کو غموں سے رہائی حاصل ہو جاتی۔ فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے سامنے داڑھی میں خلال کرتا ہوں تو یہ ڈرتا ہوں کہ کہیں منافقین میں میرا شمار نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ دوران وعظ حاکم کا نائب احمد بن یزید بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مجلس وعظ میں آ پہنچا اور اس وقت آپ کے وعظ کا یہ موضوع تھا کہ مخلوقات میں کوئی مخلوق بھی انسان سے کمزور نہیں لیکن اس کے باوجود بھی انسان بڑے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ اس تقریر کا احمد بن یزید پر ایسا اثر ہوا کہ وہ گھر پہنچ کر بلا کھائے پیئے پوری رات عبادت میں مشغول رہا اور صبح کو مضطربانہ طور پر فقیرانہ لباس میں ملبوس آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ آپ کے بیان سے کل جو میرے اوپر تاثر قائم ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے اور مجھ میں حُبّ دُنیا سے نجات حاصل کر کے گوشہ نشینی کا رُجحان پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ مجھے راہِ طریقت کی تعلیم سے آراستہ فرما دیں۔

آپ نے فرمایا کہ عام تعلیم تو یہ ہے کہ پنج گانہ نماز ادا کرتے ہوئے احکام شرعیہ کی پابندی کرو اور سلوک کی خاص تعلیم یہ ہے کہ دنیا کو خیر باد کہہ کر اس طرح مصروف عبادت ہو جاؤ کہ خدا کے سوا کسی سے کچھ طلب نہ کرو اور اگر کوئی شے دینا بھی چاہے جب بھی مت لو۔ یہ سن کر احمد بن یزید نحیف و نزار نامعلوم سمت کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد ان کی والدہ روتی پیٹتی آپ کے پاس پہنچیں اور عرض کیا کہ میرا تو ایک ہی بچہ تھا اور وہ بھی آپ کی صحبت میں دیوانہ ہو کر نہ جانے کہاں چلا گیا؟ آپ نے

تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ آجائے گا تو میں تمہیں مطلع کردوں گا۔

ایک دن احمد بن یزید نحیف وزار حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے خواب غفلت سے بیدار کر کے جو کرم مجھ پر فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔ دریں اثنا احمد بن یزید کی والدہ اور بیوی بچے بھی آگئے اور ان کی زبوں حالی دیکھ کر لپٹ کر رونے لگے اور ان کے ساتھ ساتھ اہل مجلس پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔ پھر والدہ اور بیوی نے جب گھر چلنے پر اصرار کیا تو اس نے انکار کر دیا جس پر بیوی نے کہا کہ اپنے بچے کو بھی ہمراہ رکھو۔ چنانچہ آپ نے اس کا لباس اُتار کر کمبل اوڑھایا اور ہاتھ میں زنبیل دے کر ساتھ لے کر چلنے لگے تو ماں سے بچے کا یہ حال نہیں دیکھا گیا اور اس کو ساتھ نہیں جانے دیا۔

پھر برسوں کے بعد حضرت سریؒ سے کسی نے آکر عرض کیا کہ مجھ کو احمد بن یزید نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میری موت کا وقت قریب ہے اگر آپ قدم رنجہ فرمائیں تو بہتر ہوگا اور جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ قبرستان میں مٹی کے ڈھیر پر پڑے آہستہ آہستہ یہ کہہ رہے ہیں: **لمثل ہذا فلیعمل العاملون** ۔ چنانچہ جس وقت ان کا سر آپ نے اپنی آغوش میں رکھا تو انہوں نے آنکھیں کھول کر کہا کہ آپ بالکل خاتمہ کے وقت پہنچے ہیں یہ کہہ کر آپ کی آغوش ہی میں دنیا سے رُخصت ہوگئے۔ جب آپ اُن کی تجہیز وتکفین کے سامان کی خاطر شہر کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک جم غفیر ملا اور لوگوں نے کہا کہ ہم نے یہ ندائے آسمانی سنی ہے کہ جو ہمارے مخصوص ولی کی نماز ادا کرنا چاہے وہ شونیزیہ کے قبرستان میں پہنچ جائے چنانچہ ہم سب وہاں جارہے ہیں۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں تصوف تین باتوں کا نام ہے۔ پہلی معرفت الٰہی میں نور ورع، نور تقویٰ، نور پرہیزگاری کو نہ بجھنے دے۔ دوسرے علم باطن کے سلسلے میں کوئی ایسی بات نہ کہنا جو شریعت کے خلاف ہو۔ تیسرے اگر کرامت کو ظاہر کرنا ہو تو صرف اس لیے کہ لوگ سیدھے راستے پر آجائیں۔ فرماتے ہیں دنیا میں سب سے طاقتور وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پا لے۔

اپنی جوانی کے دور میں فرمایا کرتے تھے کہ عبادت تو عہد شباب ہی میں کرنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ مالدار ہمسایہ بازاری قاری اور امیر علماء سے دور رہنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ سلامتی دین اور سکون جسم وجان صرف گوشہ نشینی میں ہے۔ فرمایا کہ پانچ چیزیں چھوڑ کر تمام عالم بے سود ہے۔ اول کھانا لیکن بقائے زندگی کی حد تک۔ دوم پانی پینا صرف رفع تشنگی کے لئے۔ سوم لباس صرف ستر پوشی کی حد تک۔ چہارم ماکن (جگہ، جھونپڑی) صرف سکونت کے لئے۔ پنجم علم عمل کی حد تک۔

فرمایا کہ خواہشات کی حد تک گناہ قابل معافی ہے لیکن کبر ونخوت کی بنیاد پر گناہ ناقابل معافی ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش خواہش کی بنیاد پر تھی اور ابلیس کی خواہش کبر ونخوت کی وجہ سے تھی۔ فرمایا کہ جو خود اپنے نفس کو آراستہ نہ کرسکے وہ دوسرے کے نفس کو کیسے سنوار سکتا ہے؟ فرمایا کہ ایسے افراد بہت قلیل ہیں جن کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔ فرمایا، جو نعمت کی قدر نہیں کرتا نعمت اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔

آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: **اللّٰھم مھما عذبتنی بہ من شیٔ فلا تعذبنی بذل الحجاب** ۔''یا الٰہی اگر تو مجھے کسی چیز سے عذاب دینا چاہے تو حجاب سے عذاب نہ دے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک میں تجھ سے محجوب نہیں ہوں گا ہر قسم کا عذاب آسانی سے برداشت کرلوں گا لیکن اگر حجاب درمیان میں حائل ہو جائے تو ساری دنیا کی نعمتوں کے باوجود ذلیل وخوار رہوں گا۔ کیونکہ مشاہدۂ حق کے ہوتے ہوئے کوئی آفت آفت نہیں رہتی لیکن حجاب کی حالت میں نعمت بھی آفت بن جاتی ہے۔

پس سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ ہر حال میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے دیدار سے خوش رکھتا ہے جس کی بدولت وہ دنیا کے تمام رنج والم، آفات ومصائب کو برداشت کرتے ہیں لہٰذا اُن کے دل سے ہمیشہ یہی دعا نکلتی ہے کہ اے رب العالمین ہمیں ہر مصیبت اور رودرد والم قبول ہے بشرطیکہ تو ہم سے محجوب نہ ہو۔ اگر تیرا دیدار ہمیں نصیب ہے تو ہمارے لئے کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ راحت ہے۔

آپ نے فرمایا مخلوق سے کٹ کر عبادت کرنا مردوں کا کام ہے۔ زندہ وہ لوگ ہیں جو مخلوق سے وابستہ رہ کر یادالٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ جب آپ کو طریقت کی تجلیات نظر آنے لگیں تو ساری دکان کا مال غریبوں میں تقسیم کردیا اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہوکر رہ گئے۔ کسی نے پوچھا یہ بلند مقام آپ کو کیسے ملا؟ فرمایا: ایک مرتبہ حضرت حبیب راعیؒ تشریف لائے ان کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ انہوں نے فرمایا: سری سقطی اس بچے کو کپڑے دلوادو۔ فرماتے ہیں میں نے حکم کی تعمیل کی تو انہوں نے دعا دی اے پروردگار اس کو بلند درجے عطا فرما اور یہ دنیا کو ہیچ تصور کرے۔ اسی دن سے میرے حجابات اُٹھ گئے۔ فرمایا میں ہر روز آئینہ دیکھتا ہوں کہ کہیں گناہوں سے رنگ سیاہ تو نہیں ہوگیا۔

آپ کو خواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام ملے تو پوچھا: جب آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اس قدر محویت کا کیا راز تھا؟ ندا آئی اے سری! ادب کو ملحوظ رکھو۔ پھر جب خواب میں دیدارِ حسنِ یوسف علیہ السلام ہوا تو چیخ مار کر گر پڑے اور تیرہ دن غشی کی حالت میں رہے۔ جب ہوش آیا تو ندا آئی جو ہمارے محبوبوں سے گستاخانہ لہجہ اختیار کرتا ہے اس کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا: حیا اور اُنس دل کی جانب آتے ہیں۔ اگر وہ دل میں زُہد وورع تقویٰ وپرہیز گاری دیکھتے ہیں تو ٹھہر جاتے ہیں، ورنہ واپس چلے جاتے ہیں۔ فرمایا: عارف آفتاب کی مانند ہے کہ وہ سب پر اپنی روشنی ڈالتا ہے اور زمین کی مانند ہے کہ تمام موجودات کا بوجھ اُٹھاتی ہے اور پانی کی طرح ہے کہ اس سے دلوں کو تازگی اور زندگی ملتی ہے۔

جب آپ کو یہ علم ہوجاتا کہ لوگ میرے پاس حصول تعلیم کی غرض سے آرہے ہیں تو آپ دعا کرتے کہ اللہ ان کو وہ تعلیم عطا کردے جس میں میری احتیاج ہی باقی نہ رہے اور مجھے یہ لوگ تیری عبادت سے غافل نہ کرسکیں۔ ایک شخص مکمل تیس سال سے عبادات ومجاہدات میں سرگرم عمل تھا اور لوگوں نے جب اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ درجہ کیسے ملا؟ تو جواب دیا کہ میں نے ایک روز

حضرت سری سقطیؒ کے دروازے پر جب انہیں آواز دی تو پوچھا کہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا ایک شناسا۔ یہ سن کر آپ نے یہ دعا دی کہ اے اللہ! اس کو ایسا بنا دے کہ تیرے سوا کسی سے شناسائی نہ رہے۔ چنانچہ اسی دن سے مجھے مراتب حاصل ہونا شروع ہو گئے اور میں آج اس درجہ تک پہنچ گیا ہوں۔

کسی خدا رسیدہ سے آپ نے ان کا نام پوچھا تو فرمایا کہ "ھــو" پھر سوال کیا کہ کھاتے پیتے کیا ہیں؟ انہوں نے پھر جواب میں "ھو" کہا غرض یہ کہ جب ہر سوال کے جواب میں وہ یہی کہتے رہے تو آپ نے پوچھا کہ "ھو" سے مراد کیا اللہ ہے؟ یہ سنتے ہی وہ بزرگ چیخ مار کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سری سقطیؒ نے مجھ سے محبت کا مفہوم دریافت کیا میں نے کہا کہ بعض حضرات موافقت کو اور بعض اشارات کو محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے ہاتھ کی کھال کھینچ کر اوپر اُٹھانا چاہا تو وہ جگہ پر چمٹی رہی اور نہ اُٹھی۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اگر میں دعویٰ کروں کہ صرف محبت ہی کی وجہ سے میری کھال خشک ہو گئی تو میں اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہوں گا اور یہ فرماتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ لیکن آپ کا روئے مبارک مہر درخشاں کی طرح دمک رہا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ محبت بندے کو ایسا کر دیتی ہے کہ شمشیر و سناں کی اذیت بھی اس کو محسوس نہیں ہوتی اور اس سے پہلے میں بھی محبت کی حقیقت سے نا آشنا تھا لیکن خدا نے جب آگاہ فرما دیا تب مجھے محبت کا صحیح مفہوم معلوم ہوا ہے۔

فرمایا کہ محشر میں اُمتوں کو انبیاء کرام کی جانب سے ندا دی جائے گی لیکن اولیائے کرام کو خدا کی جانب سے پکارا جائے گا

فرمایا کہ عارفین کا بلند مقام شوق ہے اور عارف وہ ہے جو کم کھائے، کم سوئے اور کم آرام کرے اور عارف مہر تاباں (روشن سورج، چاند) کی مانند سب کو منور کر دیتا ہے اور زمین کی طرح ہر شے کا بار سنبھالے رکھتا ہے۔ آگ (روشنی) کی طرح سب کو راستہ دکھاتا ہے اور پانی کی طرح قلوب کو حیاتِ تازہ دے کر سیراب کرتا رہتا ہے۔

فرمایا کہ گناہ سے احتراز کرنا صرف تین وجوہ سے ہوتا ہے۔ اول خواہش بہشت۔ دوم خوف جہنم سے۔ سوم خدا کی شرم سے۔ فرمایا کہ عبادات کو خواہشات پر ترجیح دینے سے بندہ عروج و کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ صبر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے آپ کو کئی مرتبہ بچھو نے کاٹا لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔ اپنی مناجات میں آپ یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! تیری عظمت نے مناجات سے روکا اور تیری معرفت نے اُنس عطا کیا اور اگر زبان سے ذکر کرنے کو منع فرما دیتا تو میں زبان سے کبھی تجھے یاد نہ کرتا کیونکہ زبان میں تیری صفات بیان کرنے کی قدرت ہی نہیں ہے۔

فرمایا کہ جو خدا کا اطاعت گزار ہوتا ہے پورا عالم اس کے زیر نگیں رہتا ہے۔ فرمایا کہ زبان و رُخ سے قلبی کیفیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن قلب کی بھی تین قسمیں ہیں۔ اول وہ قلب جو کوہ گراں کی طرح اپنی جگہ اٹل رہے۔ دوم وہ قلب جو مستحکم درخت کی طرح ہو کہ باد تند کے جھونکے بھی اس کو ہلا بھی دیتے ہوں۔ سوم وہ قلب جو پرندوں کی مانند ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔

فرمایا کہ اُنس و حیا قلب کے دروازے پر پہنچتے ہیں لیکن اگر قلب میں زُہد و ورع، تقویٰ، پرہیز گاری کا وجود ہوتا ہے تو

مقیم ہو جاتے ہیں ورنہ وہیں سے لوٹ آتے ہیں ۔فرمایا کہ جس قلب میں کوئی اور شے (حبِّ دُنیا) مقیم ہوتی ہے وہاں یہ پانچ چیزیں داخل نہیں ہوتیں اور خوف ،رجا، اُنس، محبت اور ہر مقرب بارگاہ کو اس کے قرب کے مطابق ہی فہم عطا کی جاتی ہے ۔فرمایا کہ رموز قرآن کی تفہیم کے لئے غور وفکر کرنے والا ہی سب سے زیادہ دانش مند ہے۔

فرمایا کہ مخلوق سے کچھ نہ طلب کرتے ہوئے دنیا سے متنفر رہنے کا نام زُہد ہے ۔فرمایا کہ خود کو فنا کر دینے کے بعد عارف کو سکون ملتا ہے ۔فرمایا کہ میں نے زُہد کے تمام وسائل اختیار کئے لیکن حقیقی زُہد سے محروم رہا ۔فرمایا کہ ریا کاری سے ملنا خدا سے دور کر دیتا ہے اور کثرت سے میل ملاپ رکھنے والے کو صدق حاصل نہیں ہو سکتا ۔فرمایا کہ اخلاق یہ ہے کہ لوگوں کو اذیت دینے کے بجائے ان کی اذیت رسانی پر صبر سے کام لے اور غصہ پر قابو پانا بھی داخل اخلاق ہے۔

حضرت جنید بغدادی ﷫ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں بغداد میں مرنے کو اس لئے ناپسندیدہ سمجھتا ہوں کہ یہاں کی زمین مجھ کو قبول نہیں کرے گی اور مجھ سے حسن ظن رکھنے والے بدظنی میں مبتلا ہو جائیں گے ۔حضرت جنید بغدادی ﷫ کہتے ہیں کہ جب میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تو گرمی کی وجہ سے میں نے آپ کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا مگر آپ نے روکتے ہوئے فرمایا کہ آگ اور بھڑکنے لگتی ہے ۔اور میری مزاج پرسی پر فرمایا کہ بندہ تو مملوک ہے اور اس کو کسی شے پر قدرت حاصل نہیں ۔پھر جب میں نے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مخلوق میں رہتے ہوئے خالق سے غافل نہ ہونا ۔یہ کہہ کر ابدی نیند سو گئے ۔**اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

☆......☆......☆......☆......☆
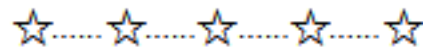
حضرت ابوسلیمان عبدالرحمٰن دارانیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ہے۔اور آپ کی کنیت ابوسلیمان ہے۔آپ ملک شام میں دارالملک کے مقام پر رہتے تھے اس لئے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ دارانی یا دارائی بھی بولا جاتا ہے۔اس طرح آپ کا پورا نام ابوسلیمان عبدالرحمٰن الدارانی ہے۔

آپ شیخ وقت اور طریق حق میں یکتا تھے۔آپ شریعت وطریقت کے بحر بیکراں تھے۔مزاج میں نمایاں لطف وکرم ہونے کی وجہ سے آپ عزیز قوم تھے اور آپ کو ریحان القلوب جیسے خوبصورت ومعطر خطابات عطا کئے گئے تھے۔یہ کوئی سرکاری خطابات نہ تھے بلکہ علماء،صلحاء اور عوام الناس اپنے شوق وخوشی میں ایسے خطابات سے بلاتے تھے۔آپ سخت ریاضات ومجاہدات کی وجہ سے مشہور تھے۔آپ ظاہری علوم کے عالم اور آفاتِ نفس سے آشنا تھے۔معاملات طریقت اور حفظ قلوب کے بارے میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔حضرت احمد بن حواریؒ آپ کے ارادت مند تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے ہم عصروں میں حضرت احمد بن حواریؒ ہیں جو آپ کے مرید یا ارادت مند بھی تھے۔حضرت معروف کرخی،حضرت شفیق بلخی،حضرت سری سقطی،حضرت جنید بغدادی اور حضرت معاذ بن جبل رحمۃ اللہ علیہم بھی آپ کے ہم عصر ہیں۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ فرماتے ہیں کہ **اذاغلب الرجاء علی الخوف فسدالوقت**۔"جب خوف پر اُمید غالب آجائے تو فتنہ وفساد برپا ہوجاتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:**الایمان بین الخوف والرجا**۔"ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔"یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے انسان ڈرتا بھی رہے اور بخشش کی اُمید بھی رکھے لیکن جب اُمید کا غلبہ ہوجائے اور خوف خدا جاتا رہے تو پھر گناہوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اور دنیا میں فتنہ وفساد بڑھ جاتا ہے۔کیونکہ جب تک بندہ خوف خدا دل میں رکھتا ہے اس کا حال درست رہتا ہے۔جونہی خوف خدا دل سے نکل جاتا ہے گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔اس کے برعکس اگر خوف کا دل پر غلبہ ہواور انسان نا اُمید ہوجائے تو اس کا ایمان خطرہ میں پڑجاتا ہے کیونکہ رحمت حق سے مایوسی شرک ہے۔

حضرت احمد ابن حواریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں خلوت میں نماز پڑھ رہا تھا جس سے میرے قلب کو بہت راحت نصیب ہوئی۔ جب میں نے دوسرے روز اس بات کا ذکر حضرت ابوسلیمان دارانیؒ سے کیا تو فرمایا کہ تم بھی عجب کمزور آدمی ہو کہ خلوت (تنہائی) میں تمہارا حال اور ہوتا ہے اور جلوت یعنی لوگوں کے سامنے اور کیونکہ دونوں جہانوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بندۂ حق کو حق تعالیٰ سے باز رکھ سکے۔

رضا کا مفہوم یہ ہے کہ نہ رغبت بہشت رہے اور نہ خوف عذاب ۔فرمایا کہ رضا کی تو مجھے ایسی لت پڑ گئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر فرد کو جہنم میں بھیجنا چاہے تو وہ مجبوراً چلے جائیں گے لیکن میں اس کو بخوشی قبول کرلوں گا۔

فرمایا کہ ترک خود بینی کا نام تواضع ہے، اور نفس شناس نہ ہونے والا کبھی متواضع نہیں ہوسکتا اسی طرح دُنیا کو تحقیر سے دیکھنے والا کبھی بُرا نہیں ہوسکتا۔

فرمایا کہ احتلام بھی ایک قہر ہے جو شکم سیری کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شکم سیری چھ اور خرابیوں کو بھی جنم دیتی ہے۔ اول عبادت میں دل نہ لگنا۔ دوم حکمت کی باتیں یاد نہ رہنا۔ سوم شفقت کرنے سے محروم ہوجانا۔ چہارم عبادت کا بار خاطر بن جانا۔ پنجم خواہشات نفسانی میں اضافہ ہوجانا۔ ششم پاخانہ سے اتنی مہلت نہ ملنا جو مسجد میں جا کر عبادت کرسکے۔

فرمایا کہ تمام دن کی عبادت سے رات کو رزق حلال کا ایک لقمہ زیادہ بہتر ہے ۔فرمایا کہ منزل سے پلٹ آنے والا مقصد اصلی سے محروم رہ جاتا ہے اور زندگی میں جس کو قلیل سا اخلاص بھی میسر آگیا وہ مسرور رہتا ہے اور اہل اخلاص وسوسوں سے احتراز کرتے رہتے ہیں۔

فرمایا کہ اہل صدق جب کیفیت قلبی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو زبان ساتھ نہیں دیتی ۔فرمایا کہ بعض بندگانِ خدا ایسے بھی ہیں جو حالت رضا میں صبر کو بھی باعث ندامت تصور کرتے ہیں کیونکہ صبر کی صورت میں تو گویا بندہ صبر کا دعویدار ہوجاتا ہے لیکن رضا کا تعلق صرف خدا کی مرضی سے ہے اور اس اعتبار سے صبر کا تعلق بندے کے ساتھ اور رضا کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوجاتا ہے۔

یہ بھی ایک بدیہی امر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے علاوہ کسی کو بھی بھوک کی طاقت عطا نہیں کرتا کیونکہ بھوک آخرت کی شکم سیری اور دنیا کی کنجی ہے اور بھوکے شخص کی تمام دینی و دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں، اور نفس میں عاجزی اور قلب میں نرمی پیدا ہوجاتی ہے اور اس پر علوم سماوی کا انکشاف ہونے لگتا ہے ۔فرمایا کہ پورے دن کی عبادت سے رات کو حلال روزی کا ایک لقمہ زیادہ افضل ہے ۔فرمایا کہ خواہشات دنیا پر وہی شخص غضبناک ہوتا ہے قابو پاتا ہے، حاوی ہوتا ہے، جس کا قلب منور ہو کیونکہ وہی نور دُنیا سے جدا کر کے آخرت کی جانب متوجہ کردیتا ہے۔

خدا سے دور کردینے والی اشیاء کو پس پشت ڈال دینے والے کو زاہد کہا جاتا ہے اور زاہد کی علامت یہ ہے کہ کم قیمتی اشیاء کے مقابلہ میں قیمتی اشیاء کی تمنا نہ کرے اور صرف زبانی زُہد بھی مال و زر سے کہیں بہتر ہے ۔فرمایا کہ حبِّ دنیا ہی تمام معصیتوں کو جنم دیتی ہے ۔فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ بندہ مصائب کو من جانب اللہ تصور کرتے ہوئے خدا کے سوا سب کو چھوڑ دے ۔فرمایا کہ بھوک عبادت کے لئے ضروری ہے ۔فرمایا کہ دُنیاوی امور میں غور و فکر کرنا آخرت کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔

فرمایا کہ علم میں اضافہ کر کے عبرت حاصل کرنا ضروری ہے اور غور وفکر خوف میں اضافہ کرتے ہیں۔فرمایا کہ آنکھ سے اشک ریزی اور قلب سے فکر عقبیٰ کی ضرورت ہے۔فرمایا کہ عمر رائیگاں گزرنے کا غم اتنا اہم ہے کہ اگر انسان اس پر تمام عمر بھی روتا رہے جب بھی کم ہے۔فرمایا کہ مومن وہ ہے جو قلب کو غمِ دُنیا سے تہی کر کے عبادت الٰہی میں روتا رہے۔فرمایا کہ جب تک بندہ مشغول عبادت رہتا ہے اس وقت تک ملائکہ بہشت کے سبزہ زاروں میں ہر ہر عبادت کے مقابلے میں ایک ایک درخت لگاتے ہیں اور جب بندہ عبادت سے گریزاں ہوتا ہے تو وہ بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں۔

فرمایا کہ جس کا قلب ذکر الٰہی سے منور ہو جاتا ہے اس کو کسی شے کی احتیاج (ضرورت محتاجی) باقی نہیں رہتی اور جس عبادت میں اذیتیں اُٹھاتا ہے وہی ذریعہ نجات بن جاتی ہیں۔فرمایا کہ صبر سے افضل کوئی شے نہیں لیکن صبر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول اس چیز پر صبر کرنا جس کی طلب ہی نہ ہو۔دوم اس شے پر صبر کرنا جس کی طلب بھی موجود ہو۔فرمایا کہ جو نفس کشی کر کے قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو بندے مجھ سے اظہار ندامت کرتے ہیں میں اُن کی پردہ داری کرتا ہوں۔

فرمایا کہ صدق دلی کے ساتھ نفسانی خواہشات کو ترک کر دینے والا اللہ تعالیٰ کے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ جس عبادت میں دنیا ہی میں لذت حاصل نہ ہوئی آخرت میں بھی اس کا اجر نہیں ملتا کیونکہ حصول لذت ہی قبولیت کی دلیل ہے۔فرمایا کہ زاہدوں کا آخری درجہ متوکلین کے ابتدائی درجہ کے برابر ہے۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عارفین کو خواب میں بھی وہ مدارج عطا فرماتا ہے جو غیر عارفین کو نماز میں بھی نصیب نہیں ہوتے۔اور جب عارفین کی چشم باطن وا ہو جاتی ہے تو چشم ظاہری معطل کر دی جاتی ہے اور اس کو اللہ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا اور قرب الٰہی کا حصول بھی اسی وقت ممکن ہے جب دین و دنیا دونوں کو خدا پر چھوڑ دے۔فرمایا کہ معرفت خاموشی سے قریب تر ہے۔

کچھ لوگوں نے حضرت صالح بن عبدالکریمؒ سے سوال کیا کہ بیم و رجا (خوف اور امید) میں کون سی شے بہتر ہے۔ فرمایا کہ بہتر تو یہ ہے کہ دونوں ہی ہوں لیکن رجا سے بیم کا پلہ بھاری ہے اور جب اس قول کو حضرت ابو سلیمان دارانیؒ کے سامنے نقل کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تو تمام عبادت کا دارومدار بیم پر ہے کیونکہ رجا عبادت سے بے نیاز کر دیتی ہے اور دین و دنیا کی بنیاد ہی خوف پر قائم ہے اور جب خوف پر رجا کا غلبہ ہو جاتا ہے تو قلب کی شامت آجاتی ہے اور خوف کی زیادتی سے عبادت میں بھی زیادتی رونما ہو جاتی ہے۔فرمایا لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی کہ خدا سے اتنا ہی ڈرو کہ رحمت سے مایوس نہ ہو۔اور نہ اتنی امید وابستہ کرو کہ عذاب سے بے خوفی ہو جائے۔

فرمایا کہ میں اپنی ضروریات زندگی کے لئے اپنے ایک دوست سے اعانت کے طور پر کچھ طلب کر لیتا تھا لیکن ایک دن جب میری طلب پر اس نے یہ کہہ دیا کہ تمہاری طلب آخر کب ختم ہو گی تو اسی دن سے میں نے مخلوق سے کچھ طلب نہیں کیا۔فرمایا کہ میں خلیفہ وقت کو بُرا سمجھتے ہوئے بھی کبھی لوگوں کے سامنے اس کی برائی اس ڈر سے نہیں کرتا تھا کہ کہیں لوگ مجھے مخلص وحق گو نہ سمجھ بیٹھیں اور میں عدم اخلاص کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔

فرمایا کہ مکہ معظّمہ میں ایک شخص زمزم کے علاوہ دوسرا پانی نہیں پیتا تھا اور جب میں نے سوال کیا کہ اگر چاہِ زمزم خشک ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس نصیحت کا اجر عطا فرمائے کیونکہ میں تو برسوں سے پرستش کی حد تک زمزم سے عقیدت رکھتا تھا اور آج سے اس عقیدت کو ختم کرتا ہوں۔ فرمایا کہ میں ہمیشہ روٹی پر نمک چھڑک کر کھالیتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن نمک میں تل مل گیا اور میں نے بغیر دیکھے وہ تل بھی کھالیا مگر اس کی سزا یہ ملی کہ ایک سال تک عبادت وریاضت میں لذت ہی حاصل نہیں ہوئی۔

فرمایا کہ ایک رات مجھ پر ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ میرے وظائف کا وقت ختم ہونے لگا اور خوابِ غفلت میں دیکھا کہ ایک حور مجھ سے کہہ رہی ہے کہ مکمل پانچ سو سال سے مجھے تمہارے لئے ہی بنایا سنوارا جارہا ہے اور تم خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہو؟ اس آواز کے ساتھ ہی میں نے بیدار ہو کر اپنا وظیفہ پورا کیا۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ خواب میں ایسی ایک حور کا نظارہ کیا کہ اس کی پیشانی روشن ومنور ہے اور جب میں سوال کیا کہ یہ نور روشنی کیسی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک شب تم خوفِ الٰہی میں گریہ کررہے تھے تو تمہارے اشکوں کو میرے چہرے پر بطورا یک اُبٹن کے مل دیا گیا تھا۔ بس اسی دن سے یہ نور روشنی میری پیشانی پر نمودار ہو گیا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ رات میں نماز پڑھنے کے بعد جب میں نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھانے چاہے تو سردی کی وجہ سے ایک ہاتھ بغل میں دبالیا اور اسی شب خواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ فرماتے سنا کہ اے سلیمان! تجھے اس ہاتھ کا رُتبہ عطا کردیا گیا جو تو نے دعا کے لئے دراز کیا تھا اور اگر دوسرا ہاتھ بھی اُٹھالیتا تو ہم اس کا اجر بھی عطا کردیتے چنانچہ اسی دن سے آپ نے موسم سرما میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا معمول بنالیا تھا۔

حضرت جنید بغدادی ؒ سے روایت ہے کہ آپ بہت زیادہ محتاط رہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو صوفیائے کرام کے جس قدر اقوال بھی معلوم ہوتے ہیں میں ان پر اس وقت تک عمل پیرا نہیں ہوتا جب تک قرآن وحدیث سے کم ازکم اس کے متعلق دو شہادتیں نہیں مل جاتیں۔

آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی کچھ علم حاصل کیا تھا اور اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! جو تیرے احکام پر عمل پیرا نہ ہو وہ تیری خدمت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے۔

انتقال کے وقت لوگوں نے عرض کیا کہ اب آپ اس خدا کے یہاں جارہے ہیں وہ غفور ورحیم ہے لہٰذا ہمیں کوئی بشارت دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اس خدا کے پاس جارہا ہوں جو گناہ صغیرہ پر محاسبہ کرتا ہے اور گناہ کبیرہ پر سزا دیتا ہے۔ یہ کہتے کہتے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

کسی نے خواب میں آپ سے دریافت کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ رحمت وعنایت سے کام لیا لیکن مخلوق میں شہرت میرے لئے مضر ثابت ہوئی۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت سفیان ثوریؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی نام سفیان ہے۔نوعمری میں ایک دفعہ آپ مسجد میں داخل ہونے لگےتو پہلے بایاں پاؤں مسجد میں رکھا۔اسی وقت ایک غیبی ندا آئی کہ اے "ثوری" مسجد کے حق میں،مسجد کے ساتھ یہ گستاخی اچھی نہیں۔اسی دن سے آپ کا نام (سفیان) ثوری پڑ گیا۔

آپ متقین کے امام،صالحین کے پیشوا،شریعت وطریقت میں کامل اور علوم رسالت کے وارث تھے جس کی وجہ سے آپ کو عوام الناس نے امیر المومنین کا خطاب دے دیا تھا۔آپ سے بہت کشف وکرامات صادر ہوئے ہیں۔آپ میں مصلحت اندازی قطعاً نہ تھی بلکہ آپ بہت ہی نڈر حق گو تھے۔ظاہری اور باطنی علوم پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔تفسیر قرآن اور ضبط حدیث میں آپ کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔آپ صحیح معنوں میں علومِ رسالت کے وارث تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش نامعلوم ہے اور صاحب "مجدد دین اسلام" صفحہ 35 کے مطابق آپ نے 161 ہجری میں وصال فرمایا۔آپ کے ہم عصروں میں چند کے اسم مبارک یہ ہیں۔حضرت ابراہیم بن ادہم،حضرت رابعہ بصری،حضرت حاتم اصم، حضرت سفیان بن عینیہ،حضرت عبداللہ بن مہندی رحمۃ اللہ علیہم۔آپ نے 161ھ میں وصال فرمایا۔(مجدد دین اسلام،صفحہ 35)

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ پیدائشی متقی،ولی اللہ تھے۔ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے بمصداق آپ جب ابھی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں ہی تھے کہ ایک دن آپ کی والدہ ماجدہ نے ہمسائے کے گھر سے کچھ کھا پی لیا۔اسی سبب آپ ماں کے شکم میں بہت مضطرب ہوئے۔ماں کو آپ کی تڑپ،بے چینی کی رحم مادر میں حرکات سے بہت تکلیف ہوئی۔آپ بھی متقی خاتون تھیں معاملے کی نزاکت و نوعیت کو فوراً سمجھ گئیں۔ہمسائے کے گھر گئیں اور احسن سلوک کے ساتھ ان سے معذرت کی۔تب آپ شکمِ مادر میں پہلے کی طرح پُرسکون ہو گئے۔

مزید رہنمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں فرمائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے رہنمائی وہدایت عطا کرنے کے بے شمار انداز وطریقے ہیں۔دراصل جو کچھ بھی زمین وآسمان اوراُن کے درمیان ہے،ان میں ہے،اُن پر ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جنود ہیں،لشکر ہیں،کارندے ہیں(سورہ فتح آیات 4،اور 7)۔قارئین کرام! آپ نے کچھ اولیاء اللہ کے بارے میں پڑھ لیا ہے اور کچھ کے بارے میں آپ ابھی پڑھیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ہدایت ونور رہنمائی سے کیسے نوازا۔اس ضمن میں حضرت سفیان ثوریؒ کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے اُلٹا پاؤں مسجد میں رکھ دیا جس کے بعد ہی یہ ندا آئی کہ اے ثوری! مسجد کے حق میں یہ گستاخی اچھی نہیں،بس اسی دن سے آپ کا نام ثوری پڑ گیا۔بہرحال !یہ ندا سن کر خوف کا ایسا غلبہ ہوا کہ غش کھا کر گر پڑے اور ہوش میں آنے کے بعد منہ پر طمانچے لگاتے ہوئے کہنے لگے کہ بے ادبی کی ایسی سزا ملی کہ میرا نام ہی دفتر انسانیت سے خارج کر دیا گیا۔ لہذا اے نفس! اب ایسی بے ادبی کی جرات کبھی نہ کرنا۔

خوف الٰہی سے آپ عہد شباب ہی میں کبڑے ہو گئے تھے،آپ کی کمر جھک گئی تھی اور لوگوں کو بے حد اصرار پر بتایا کہ مرتے دم میرے استاد نے فرمایا کہ میں نے ہدایت وعبادت میں پچاس سال صرف کئے لیکن مجھے یہ حکم ملا کہ تم ہماری بارگاہ کے قابل نہیں ہو اور بعض نے اسی واقعہ کو اس طرح تحریر کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میرے تین اساتذہ جو بہت زیادہ عابد وزاہد تھے، موت سے قبل تینوں یہودی نصرانی اور آتش پرست ہو گئے اور اس واقعہ سے متاثر ہو کر مجھ پر خوف کا ایسا غلبہ ہوا کہ میری کمر جھک گئی اور میں ہمہ وقت خدا سے سلامتی ایمان کی دعا کرتا رہتا ہوں۔

ایک مرتبہ کسی کے کھیت میں آپ کا قدم پڑ گیا تو فوراً ندا آئی کہ اے ثوری! دیکھ بھال کر قدم رکھ۔اندازہ کیجئے کہ جس پر خدا کا اتنا بڑا کرم ہو کہ صرف ایک قدم غلط پڑنے پر تنبیہ فرمائی گئی تو اس کی باطنی کیفیت کیا ہوگی؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُر نور ﷺ کے جس قدر بھی اقوال سنے ان پر عمل پیرا رہا۔اور آپ کا یہ مقولہ تھا کہ محدثین کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے یعنی دو سو احادیث میں سے کم از کم پانچ احادیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

آپ بیان حق میں اس قدر بیباک تھے کہ ایک مرتبہ حالت نماز میں خلیفہ وقت نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر لیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی نماز قطعی بے حقیقت ہے اور قیامت میں تیری نماز گیند کی طرح تیرے منہ پر ماردی جائے گی۔خلیفہ وقت نے جھڑک کر کہا کہ خاموش رہو۔آپ نے فرمایا کہا کہ حق گوئی میں خاموشی کیسی۔یہ سنتے ہی خلیفہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو پھانسی دے دو۔اور دوسرے دن ٹھیک پھانسی کے وقت آپ ایک بزرگ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے زانو پر سر رکھے ہوئے پیر پھیلا کر آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے تھے اور لوگوں نے کہا کہ پھانسی کا وقت قریب ہے تو فرمایا کہ مجھے اس کا ذرہ برابر خوف نہیں لیکن حق گوئی سے کبھی باز نہ آؤں گا۔

آپ نے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ اللہ! خلیفہ مجھے بے قصور سزا دینا چاہتا ہے اس لئے اس کو بدلہ ملنا چاہیے۔اس دعا کے ساتھ ہی ایک دھماکے کے ساتھ ہی زمین شق ہوئی اور خلیفہ اپنے مصاحبوں سمیت اس میں دھنستا چلا گیا۔اور

جب لوگوں نے عرض کیا کہ اتنی زود اثر دعا ہم نے کبھی نہیں دیکھی تو فرمایا کہ میرے اظہار حق کی وجہ سے دعا زود اثر بن گئی۔ پھر جب دوسرا خلیفہ پہلے خلیفہ کا قائم مقام ہوا تو آپ کے عقیدت مندوں میں رہا۔ چنانچہ جب آپ بیمار ہوئے تو بغرض علاج اس نے ایک طبیب حاذق کو معالجہ کے لئے بھیجا۔

آپ اپنے ایک ہمسایہ کے جنازے میں شریک ہوئے تو اس وقت تمام لوگ مرحوم کی تعریفیں کر رہے تھے لیکن آپ نے فرمایا کہ وہ تو منافق تھا اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا تو میں جنازے میں کبھی شریک نہ ہوتا اور اس کی منافقت کی دلیل یہ ہے کہ اہل دنیا اس کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل دنیا سے بہت گہرا تعلق تھا اور یہی چیز اس کی منافقت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے الٹا کرتہ پہن لیا اور جب لوگوں نے سیدھا کرنے کے لئے کہا تو فرمایا کہ میں نے خدا کے لئے پہنا ہے پھر مخلوق کے کہنے سے سیدھا کیوں کروں۔؟

آپ کے استغناء اور حق بیانی کا یہ عالم تھا کہ کسی نے اشرفیوں کی دو تھیلیاں ارسال کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ آپ میرے والد کے دوست ہیں اور اب وہ فوت ہو چکے ہیں لیکن ان کی پاکیزہ کمائی میں سے یہ تھیلیاں ارسال خدمت ہیں۔ آپ ان کو اپنے اخراجات کے لئے قبول فرمالیں۔ لیکن آپ نے وہ تھیلیاں واپس کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ تمہارے والد سے میرے تعلقات صرف دین کے لئے تھے نہ کہ دنیا کے لئے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب آپ کے صاحبزادے کو ہوئی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نادار اور عیال دار ہوں اگر تم یہ رقم مجھے دے دیتے تو میرے بہت کام نکل سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دینی تعلقات کو دنیاوی معاوضہ میں فروخت نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر وہ شخص خود تم کو دے دے تو تم خرچ کر سکتے ہو۔

آپ کسی صورت بھی کسی سے بھی کچھ نہیں لیتے تھے اور ایک شخص نے جب آپ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کیا تو آپ نے قبول نہیں فرمایا اور جب اس شخص نے عرض کیا کہ آپ نے تو کبھی مجھ کو کوئی نصیحت تک نہیں کی جو یہ سمجھ لیا جائے کہ میں اس کا معاوضہ دے رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے دوسرے مسلمان بھائیوں کو تو راستہ دکھایا ہے اور اگر میں تمہارا تحفہ قبول کر لوں تو ہو سکتا ہے کہ میرے قلب میں تمہاری رغبت پیدا ہو جائے اور اسی کا نام دنیا ہے۔ لہٰذا میں خدا کے سوا کسی اور جانب نہیں ہونا چاہتا۔

آپ ایک شخص کے ہمراہ کسی رئیس کے محل کے نزدیک سے گزرے تو آپ کے ساتھ والے شخص نے محل کو غور سے دیکھا آپ نے اس کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ دولت مند تعمیر مکان میں بہت فضول خرچی سے کام لیتے ہیں اس لئے اس کا دیکھنے والا بھی گنہگار ہو جاتا ہے۔

آپ ایک حمام میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک نوعمر حسین لڑکا وہاں موجود ہے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کو فوراً یہاں سے نکال دو کیونکہ عورت کے ہمراہ تو صرف ایک شیطان رہتا ہے لیکن نوخیز و حسین لڑکے کے ہمراہ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں تاکہ دیکھنے والے کے سامنے لڑکے کو آراستہ کر کے پیش کریں۔

کھانے کے وقت ایک کتا آ کھڑا ہوا اور آپ نے اس کو روٹی دی۔ جب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ بیوی بچوں کے ہمراہ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا کہ وہ سب خدا کی عبادت میں حارج ہوتے ہیں لیکن یہ کتا میری حفاظت کرتا ہے جس کی وجہ سے میں پرسکون ہو کر یادالٰہی میں مشغول رہتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ گریہ وزاری کرتے ہوئے حج کے سفر پر روانہ ہوئے اس وقت لوگوں نے سمجھا کہ شاید خوف معصیت سے یہ حالت ہے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ نہ جانے میرے ایمان میں کچھ صداقت بھی ہے یا نہیں اور گناہوں کی فکر تو اس لئے نہیں کہ رحمت خداوندی کے مقابلہ میں گناہ ایک بے حقیقت شے ہے۔

ایک نوجوان نے حج سے محروم رہ جانے پر سرد آہ کھینچی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے چار حج کئے ہیں اور ان کا اجر میں اس شرط پر تجھے دینے کے لئے تیار ہوں کہ تو اپنی آہ کا اجر مجھے دے دے۔ چنانچہ جب اس نے شرط منظور کر لی تو آپ نے خندہ پیشانی سے اپنے تمام حجوں کا ثواب اس کو منتقل کر دیا پھر آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے ایک آہ خرید کر وہ نفع (اللہ کی خوشنودی، ثواب رحمت) حاصل کر لیا ہے اگر اس نفع کو اہل عرفات پر تقسیم کیا جائے تو سب مالا مال ہو جائیں۔

بخارا میں ایک ایسا شخص فوت ہو گیا جس کا ورثہ شرعی اعتبار سے آپ کو پہنچتا تھا۔ چنانچہ قاضی نے مالِ وراثت کو امانتاً جمع کر کے آپ کو اطلاع بھجوادی۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ جب آپ بخارا پہنچے تو بستی کے قریب لوگوں نے استقبال کر کے امانت آپ کے سپرد کر دی اور وہی رقم آپ کے پاس جمع تھی جس کو مرتے وقت صدقہ کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے آپ کو سماعت حدیث کی دعوت دی اور جب آپ وہاں پہنچ گئے تو فرمایا کہ مجھ کو تو صرف آپ کے اخلاق کا امتحان مقصود تھا ورنہ درحقیقت کسی کام کی غرض سے نہیں بلایا۔

فرمایا کہ سلاطین و امراء سے منسلک رہنے والا عابد بھی ریاکار ہوتا ہے۔ زاہد کی شناخت یہ ہے کہ نیک کام انجام دے کر نہ تو ان پر فکر کرے اور نہ اپنے زہد کا ڈھنڈورا پیٹے۔ اور زہد کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ موٹا اناج اور بوسیدہ لباس استعمال کرتا رہے اور دنیا سے نہ تو دل لگائے اور نہ امیدوں میں اضافہ کرے۔ پھر فرمایا کہ گوشہ نشین کو آخرت میں نجات مل جاتی ہے۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ گوشہ نشینی کر کے گزر اوقات کیسے کرے؟ فرمایا کہ خدا سے خوفزدہ رہنے والوں کو گزر بسر کا غم نہیں رہتا۔ پھر فرمایا کہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے والا اس لئے بہتر ہوتا ہے کہ اسلاف کا طریقہ یہی تھا کہ عظمت کے بجائے ذلت پسند کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اہل دنیا کا سونا بیداری سے اس لئے افضل ہے کہ وہ نیند کی حالت میں دنیا سے دور رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ زاہدوں کی صحبت اختیار کرنے والا بادشاہ اس زاہد سے بہتر ہے جس کو بادشاہ کا قرب حاصل ہو۔ (یعنی کہ جو امرأ کے پاس جا کر بیٹھتا ہو، برائے حصول زر و خوشامد)

کسی نے یقین کا مفہوم پوچھا تو فرمایا قلبی آواز کا نام یقین ہے اور اہل یقین معرفت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور یقین کا یہ مفہوم بھی ہے کہ ہر مصیبت کو منجانب اللہ تصور کیا جائے۔ لوگوں نے آپ سے سوال کیا حضور اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ

زیادہ گوشت خوروں کواللہ تبارک وتعالیٰ دشمن تصور کرتا ہے آخراس میں کیا بھید ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہاں گوشت سے مراد غیبت ہے کیونکہ مسلمان کی غیبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے مردار کا گوشت کھالیا اور اہل غیبت کواللہ تبارک وتعالیٰ دشمن تصور کرتا ہے۔

جب آپ کا کوئی ارادت مند سفر کا قصد کرتا تو آپ فرماتے کہ اگر کہیں راہ میں موت پر نظر پڑے تو میرے لئے لیتے آنا اور مرتے دم رو کرفرمایا کہ میں موت کا بہت خواہش مند رہتا تھا لیکن آج معلوم ہوا کہ موت لاٹھی ٹیک کر دنیا میں سفر کرنے سے کہیں زیادہ دشوار ہے یعنی خدا کے روبرو پیش ہونا آسان کام نہیں اور موت کا ذکر سن کرخوف کے مارے بے ہوش ہوجایا کرتے تھے اور لوگوں کونصیحت فرماتے کہ موت سے پہلے اس کا سامان مہیا کرلو۔اور جب موت کے وقت لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کو جنت مبارک ہوتو فرمایا کہ اہل جنت تو دوسرے لوگ ہیں ہماری وہاں تک رسائی کہاں ہوسکتی ہے۔

فرمایا کہ مخلوق میں پانچ قسم کے لوگ ہردلعزیز ہوتے ہیں۔اول زاہد عالم ۔دوم فقیہ صوفی۔سوم متواضع تونگر۔چہارم شاکر درویش۔پنجم شریف سنی۔پھر فرمایا کہ اہل یقین تکالیف کو بجاتسلیم کرتے ہوئے کبھی ناشکری نہیں کرتے۔پھر فرمایا کہ ہم ان ہی کو محبوب تصور کرتے ہیں جو زخم پہنچاتے ہیں اور ہماری دولت پر قابض ہوجاتے ہیں۔پھر فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی اچھا کہے تو اس کو ناگواری کے ساتھ ٹھکرادو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ عارفین کو معرفت عابدین کو قربت اور حکماء کو حکمت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔پھر فرمایا کہ گریہ وزاری کی بھی دس قسمیں ہیں جن میں نو (9) حصے ریا سے بھرپور ہوتے ہیں اور ایک حصہ خشیت سے لبریز ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعمال نیک کرنے والوں کے اعمال کو ملائکہ عمل نیک کے دفتر میں درج کرلیتے ہیں اور جب کوئی ان اعمال پر فخر کرنے لگتا ہے تو پھر انہی اعمال کو ریا کے دفتر میں منتقل ،درج کرلیتے ہیں۔پھر فرمایا کہ اگر خدا کے ڈر سے ایک آنسو بھی نکل پڑے تو عمر بھر کے اس رونے سے بہتر ہے جس میں خوف الٰہی شامل نہ ہو۔

آپ نے حضرت حاتم اصمؒ سے فرمایا کہ میں تمہیں ان تین چیزوں سے آگاہ کرتا ہوں جن کو عوام نے بربنائے غفلت فراموش کردیا ہے۔اول یہ کہ لوگوں پر تہمت لگا کر ان کو برا بھلا کہنا احکام خداوندی سے غافل بنادیتا ہے۔دوم کسی مومن کے عروج پر حسد کرنا، ناشکری کا پیش خیمہ ہے۔سوم ناجائز دولت جمع کرنے کی وعید پر خوف زدہ نہ ہونے اور یہ سب چیزیں نہایت بری ہیں۔

جس وقت بصرہ میں آپ بیمار پڑے تو حاکم بصرہ نے آپ کو تلاش کرنے کا حکم دیا اور جب لوگ تلاش کرتے ہوئے پہنچے تو آپ کو مویشیوں کے باندھنے کی جگہ پایا اور اس وقت آپ درد شکم اور پیچش کی وجہ سے سخت اضطراب میں تھے لیکن ایسی حالت میں ذکرالٰہی سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے اور اسی شب لوگوں نے دیکھا کہ آپ رات بھر میں ساٹھ مرتبہ پاخانہ کرنے گئے اور ہر مرتبہ وضو کر کے نماز میں مشغول ہوجاتے اور جب لوگوں نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں آپ بار بار وضو نہ کریں تو فرمایا کہ میں اس لئے باوضو مرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے نجس حالت میں نہ پہنچوں۔

حضرت عبداللہ مہندیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں موت کے وقت آپ کے پاس ہی تھا اور آپ نے فرمایا کہ میرا چہرہ زمین پر رکھ دو کیونکہ اب وقت بالکل قریب ہے۔ چنانچہ میں حکم کی تعمیل کر کے لوگوں کو اطلاع دینے کی غرض سے باہر نکلا اور باہر نکل کر دیکھا کہ ایک جم غفیر ہے اور جب میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم کو آپ کی نازک حالت کا علم کیسے ہوا؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں خواب میں یہ حکم دیا گیا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی میت پر پہنچ جاؤ۔ جس وقت لوگ اندر داخل ہوئے تو آپ کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی اور آپ نے تکیہ کے نیچے سے ایک ہزار دینار کی تھیلی نکال کر فرمایا کہ اس کو فقراء میں تقسیم کر دو۔ (یہ وہی رقم تھی جو بخارا کے کسی قریبی عزیز کے ورثہ میں سے ملی تھی)۔

اس وقت لوگوں کے قلب میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ آپ دوسروں کو تو دولت جمع کرنے سے منع کرتے رہے اور خود ایک ہزار دینار جمع کر لئے۔ لیکن آپ نے لوگوں کی نیت کا اندازہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان دیناروں سے میں نے ایمان کا تحفظ کیا ہے کیونکہ جب ابلیس مجھ سے یہ پوچھتا تھا کہ اب تم کہاں سے کھاؤ گے؟ تو میں جواب دیتا کہ میرے پاس یہ دینار موجود ہیں اور جب یہ سوال کرتا کہ تمہیں کفن کہاں سے نصیب ہوگا اس وقت بھی میں یہی جواب دیتا کہ حالانکہ مجھے ان دیناروں کی قطعی ضرورت نہ تھی مگر وسوسہ شیطانی کے لئے جمع کر لئے تھے یہ فرما کر کلمہ پڑھا اور دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ آپ کا وصال 161 ہجری بمطابق 778ء میں ہوا۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

یہ بھی مشہور ہے کہ جس رات آپ فوت ہوئے تو لوگوں نے غیب سے ندا سنی کہ آج تقویٰ مر گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھ کر آپ سے پوچھا کہ قبر کی وحشت و تنہائی میں آپ نے صبر کیسے کیا؟ فرمایا کہ میرے مزار کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت کے باغوں میں منتقل کر دیا۔ پھر کسی اور نے خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر پرواز کر رہے ہیں اور جب اس نے پوچھا کہ یہ مرتبہ آپ کو کیسے حاصل ہوا۔ فرمایا کہ زہد و تقویٰ سے۔

اور یہ بھی بہت مشہور ہے کہ آپ عوام الناس کے ساتھ ساتھ دیگر مخلوقِ خدا سے بھی بہت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک پرندہ پھندے میں مضطرب تھا تو آپ نے اس کو آزاد کر دیا وہی پرندہ آپ کے یہاں پہنچ کر آپ کی عبادت کو دیکھتا رہتا تھا اور آپ کی وفات کے بعد جنازے پر کبھی روتا ہوا گزر جاتا اور کبھی جنازے پر لوٹتا اور تڑپتا تھا اور جب آپ دفن ہو چکے تو وہ پرندہ اکثر آپ کے مزار پر روتا رہتا غمگین بیٹھا رہتا حتیٰ کہ ایک دن قبر میں سے آواز آئی کہ مخلوقِ خدا سے شفقت کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت حاتم اصمؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی حاتم ہے۔آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اور آپ کے والد بزرگوار کا نام عنوان تھا۔آپ نے ایک مومنہ کی پردہ داری کی خاطر اپنے آپ کو بہرا بنالیا۔اصم کا مطلب ہے بہرا اور پھر اصم کے الفاظ آپ کے اسم گرامی کا ایک مستقل حصہ بن گئے۔آپ کا پورا نام ابوعبدالرحمٰن حاتم بن عنوان الاصم ہے۔

آپ بلخ کے سرداروں میں سے ایک ہردلعزیز سردار تھے۔آپ عابدین کی زینت اور اوتادوں کا جمال تھے۔آپ زہد و عبادت میں یکتائے روزگار تھے۔آپ کا شمار عالی قدر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔صبر و ہمت کا آپ نمونہ تھے۔جہاد میں شرکت کرنا آپ کو بہت مرغوب تھا اور سن بلوغ کے بعد سے کبھی یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔پوری زندگی صدق و اخلاص میں گزاردی اور روحانیت میں بہت اونچے درجات پائے۔آپ شریعت،طریقت،حقیقت کے بہت بڑے عالم تھے اور آپ کے وعظ میں بے حد تاثیر تھی۔آفاتِ نفس اور رعونت طبیعت انسانی کے متعلق آپ کے کلمات بہت لطیف ہیں اور معاملات طریقت میں آپ کی تصانیف بہت ہیں۔حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **صدیق زماننا حاتم الاصم** "ہمارے زمانے کا صدیق حاتم اصم ہے۔"

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد یا پیر تھے۔آپ کے ہم عصروں میں حضرت جنید بغدادی،حضرت امام احمد بن حنبل،حضرت محمد رازی رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید تھے۔جب ہوش سنبھالا تو عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔آپ بہت بڑے عالم تھے وعظ میں بے حد تاثیر تھی۔لوگوں سے فرماتے جو شے قبضے میں ہے۔اس پر قناعت کرو اور جو چیز قبضے میں نہیں اس کی تمنا نہ کرو۔

کسی تونگر(خوشحال،امیر) نے آپ کو کچھ رقم دینے کی پیش کش کی تو آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس ڈر

سے نہیں لیتا کہ تیری موت کے بعد مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ زمین کا رزاق تو مر گیا لہٰذا اب تو میری ضروریات کی تکمیل فرما، کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کو رزق کہاں سے ملتا ہے؟ فرمایا کہ خدا کے خزانے سے ۔اس نے کہا آپ تو لوگوں کو فریب دے کر رزق حاصل کرتے ہیں ۔آپ نے سوال کیا کہ میں نے تجھ سے کوئی رقم لی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ کاش تو مسلمان ہو جاتا اس نے کہا کہ آپ ہمیشہ کج بحثی کرتے رہتے ہیں ۔آپ نے فرمایا میں تو اس لئے حجت پیش کر رہا ہوں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بندوں سے حجت طلب کرے گا ۔اس نے کہا یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں ۔آپ نے فرمایا کہ ان احکامات کو تو باتوں سے تعبیر کرتا ہے جن احکامات کی وجہ سے تیری ماں تیرے باپ کے لئے حلال ہوئی ۔

پھر اس نے پوچھا کہ کیا آپ کو آسمان سے رزق ملتا ہے؟ فرمایا کہ مجھے کیا تمام عالم کے لئے ہی آسمان سے رزق نازل ہوتا ہے ۔اس نے کہا اگر ایسا ہے تو آپ ایک جگہ پر بیٹھ جائیں پھر میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو رزق کیسے ملتا ہے؟ یہ سن کر آپ پورے دو برس ایک غار میں پڑے رہے اور من جانب اللہ آپ کو رزق ملتا رہا ۔پھر اس شخص نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ آپ نے کسی کو بغیر بیج ڈالے فصل کاٹتے ہوئے دیکھا ہے ۔فرمایا کہ ہاں تم خود بغیر بوئے ہوئے بال کاٹتے رہتے ہو ۔یہ سن کر وہ مکمل تائب ہو گیا اور آپ نے اس کو نصیحت فرمائی کہ مخلوق سے قطع تعلق کر کے اس طرح مشغول عبادت رہو کہ اس (اللہ) کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو سکے اور ہمیشہ مخلوق کی خدمت کرتے رہنا کہ وہ (اللہ) تمہاری خدمت کرے ۔

ایک مرتبہ آپ کو کسی رئیس نے دعوت پر مدعو کیا ۔آپ نے انکار کر دیا ۔اس نے جب زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا میری تین شرطیں ہیں وہ مان لو تو میں آپ کی دعوت میں شریک ہو سکتا ہوں ۔رئیس نے منظور کر لیا ۔آپ نے فرمایا ۔ایک تو میں جس جگہ چاہوں بیٹھوں مجھے روکنا نہیں ۔دوسرے جو میں چاہوں گا وہی کھاؤں گا ۔تیسرے میرے کہنے پر پورا عمل کرنا اور مداخلت کی کوشش نہ کرنا ۔آپ دعوت میں گئے اور جوتوں میں بیٹھ گئے ۔اور اپنے پاس سے دو روٹیاں نکالیں اور کھالیں ۔پھر فرمایا ایک توا گرم کر کے لاؤ ۔میزبان نے تعمیل کی اور توا گرم کر کے لے آیا ۔آپ گرم توے پر کھڑے ہو گئے ۔لوگ حیرت زدہ ہو گئے ۔فرمایا: اے اہل مجلس! اگر قیامت پر تمہارا یقین ہے تو اس جلتے توے پر کھڑے ہو جاؤ ۔سب نے ڈر کر کہا یا حضرت! ہمارے لیے ایسا ممکن نہیں فرمایا پھر روز محشر لوہے کی طرح تپتی زمین پر کھڑے ہو کر عمر بھر کے گناہوں کا حساب کیسے دو گے؟ تم مسلمان ہو ذرا غور و فکر کرو ۔پھر آپ نے اس آیت کی تشریح فرمائی: **ثم لتسئلن یو مئذ عن النعیم** ۔"یعنی قیامت کے دن تم سے تمام نعمتوں کی باز پرس ہوگی آپ کی تشریح کا انداز بیان کچھ ایسا تھا کہ جیسے میدانِ حشر نگاہوں کے سامنے ہے اور تمام اہل مجلس مضطرب ہو کر گریہ وزاری کرنے لگے ۔

فرمایا پھلوں پھولوں سے ان لدے ہوئے باغوں پر تکبر نہ کرو ۔یہ جنت کے باغات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ۔ عبادت پر نخوت نہ کرو ۔کیونکہ ابلیس کثرت عبادت کے باوجود راندۂ درگاہ ہوا ۔اپنی کرامتوں پر ناز نہ کرو، بنو اسرائیل کا بلعم باعور بہت زیادہ عابد و زاہد اور صاحب کرامت تھا مگر تکبر کے باعث خدا نے اس کی مثال کتے سے دی ہے ۔

بلخ میں آپ وعظ فرما رہے تھے ۔آپ کی زبان میں بڑی تاثیر تھی لوگوں پر جادو سا ہو جاتا تھا۔آپ نے دعا فرمائی:اے اللہ!اس محفل میں جو سب سے زیادہ گنہگار ہے اس کے گناہ بخش دے۔مجلس برخاست ہوئی ۔لوگ گھروں کو چلے۔اس محفل میں ایک کفن چور بھی تھا وہ رات کو پھر قبرستان گیا اور قبر کھولی تو اس قبر سے آواز آئی اے بے وقوف! آج ہی تو حاتم اصمؒ کے صدقے میں تیرے گناہ بخشے گئے اور آج ہی تو پھر اپنا ناپاک دھندا شروع کر رہا ہے ۔یہ آواز سن کر وہ ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔

ایک مرتبہ ایک مؤمنہ حصولِ علم و دینی مسائل پوچھنے آئی،اس کی بوجہ بیماری ریح خارج ہو گئی۔وہ بہت شرمندہ ہوئی،آپ اس کو شرمندگی سے بچانے کے لئے بہرے بن گئے اور کہا بی بی اونچی بولو۔مجھے سنائی نہیں دیتا۔تمام عمر اس عورت کے سامنے بہرے بنے رہے اور اپنے نام کے ساتھ اصم لگالیا۔اصم کے معنی بہرے کے ہوتے ہیں۔اور اسی مناسبت سے آپ کو اصم کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ جہاد پر جانے کا ارادہ کیا۔بیوی سے پوچھا میں جہاد پر جارہا ہوں۔تمہیں چار ماہ کا خرچ کتنا چاہیے؟بیوی نے جواب دیا جتنی میری زندگی ہے اتنی رقم دے دو۔آپ نے فرمایا زندگی تو میرے قبضہ میں نہیں تو بیوی نے جواب دیا۔پھر رزق آپ کے قبضہ میں کیسے آگیا۔جہاد میں گئے تو ایک کافر نے آپ پر تلوار سونت لی مگر غیب سے ایک تیر ایسا آ کر کافر کی گردن میں لگا کہ وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔آپ نے فرمایا تو نے مجھ کو قتل کیا یا میں نے تجھے؟

آپ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آپ رزق کی جستجو کرتے ہیں یا نہیں؟امام صاحب نے جواب دیا کہ یقیناً تلاش کرتا رہتا ہوں۔آپ نے پوچھا کہ قبل از وقت یا بعد از وقت،بروقت تلاش کرتے ہو؟۔یہ سن کر امام صاحب سکتہ میں آگئے اس لئے کہ اگر یہ کہیں کہ قبل از وقت تلاش کرتا ہوں تو فرمائیں گے کہ تم تضیع اوقات کرتے ہو اور اگر بعد از وقت کہہ دوں تو کہیں گے کہ گزشتہ شے کی جستجو لاحاصل ہے اور اگر یہ کہوں کہ بروقت تلاش کرتا ہوں تو فرمائیں گے کہ موجودہ شے کی جستجو سے کیا فائدہ؟۔لیکن ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ تلاش رزق نہ سنت ہے اور نہ فرض ہے۔اس لئے اس کی جستجو ہی بے سود ہے کیونکہ رزق تو ہم کو خود تلاش کرتا پھرتا ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے:رزق تو خود تمہارے پاس پہنچتا ہے تمہیں جستجو کی کیا ضرورت ہے۔"

حضرت محمد رازی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ کو کبھی غضبناک ہوتے نہیں دیکھا البتہ ایک بار آپ بازار میں سے گزر رہے تھے تو آپ کے کسی شاگرد سے دکاندار اپنا قرض طلب کر رہا تھا اس وقت آپ نے غضبناک ہو کر اپنی چادر زمین پر پھینک دی اور پورے بازار میں سونا ہی سونا پھیل گیا پھر آپ نے غصہ میں دکاندار سے فرمایا کہ اپنے قرض کے مطابق سونا اُٹھالے لیکن اگر ایک حبہ بھی زیادہ اُٹھایا تو تیرے ہاتھ شل ہو جائیں لیکن اس نے لالچ میں کچھ زیادہ سونا اُٹھالیا چنانچہ اسی وقت دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شہوت کی تین اقسام ہیں۔شہوت فی الاکل۔شہوت فی الکلام۔شہوت فی النظر(کھانے کی شہوت،

بات کرنے کی شہوت اور دیکھنے کی شہوت۔) لہذا کھانے کی شہوت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ حق تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کے ساتھ، اور زبان کی شہوت سے اپنے آپ کو بچاؤ سچ بول کر، اور آنکھ کی شہوت سے بچاؤ اس طرح کہ ہر چیز کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ پس جو شخص توکل کرتا ہے کھانے کی شہوت سے نجات پاتا ہے۔ جو سچ بولتا ہے وہ زبان کی شہوت سے چھٹکارا پاتا ہے اور جو شخص چشم راست سے دیکھتا ہے آنکھ کی شہوت سے نجات پاتا ہے۔

بعض لوگوں نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص نے بہت دولت جمع کر لی ہے، آپ نے پوچھا کہ کیا زندگی کا بھی ذخیرہ کرلیا ہے؟ کیونکہ مردوں کا دولت جمع کرنا قطعاً بے سود ہے۔ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کو کسی شے کی ضرورت ہو تو فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری سب سے بڑی ضرورت تو یہ ہے کہ نہ میں کبھی تجھ کو دیکھوں اور نہ تو مجھے دیکھے۔ پھر کسی نے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ پہلے ظاہری وضو کرتا ہوں پھر باطنی یعنی توبہ کر کے داخل مسجد ہوتا ہوں، پھر مسجد حرام اور مقام ابراہیم نظروں کے سامنے دائیں بائیں فردوس و جہنم اور قدموں کے نیچے پل صراط ہوتی ہے پھر خدا کو سامنے اور موت کو پیچھے تصور کرتے ہوئے قلب کو رجوع الی اللہ کر لیتا ہوں، پھر تعظیم کے ساتھ تکبیر کہہ کر احترام کے ساتھ قیام اور ہیبت لیے ہوئے قرأت قرآن کرتا ہوں اور عجز کے ساتھ رکوع و سجود کر کے حلم کے ساتھ قعدہ کرتا ہوں اور شکر ادا کرتے ہوئے سلام پھیر لیتا ہوں۔

کسی نے آپ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ اگر دوست کی خواہش ہے تو خدا کافی ہے اگر ساتھیوں کی تمنا ہے تو نکیرین بہت ہیں اگر عبرت حاصل کرنا چاہیں تو دنیا کافی ہے اگر مونس کی تلاش ہے تو قرآن بہت کافی ہے اگر مشغلہ چاہتے ہو تو عبادت بہت بڑا مشغلہ ہے اور اگر میرے اقوال ناگزیر (ناپسند) ہوں تو جہنم کافی ہے۔

آپ نے علماء کی جماعت کی جانب سے گزرتے ہوئے فرمایا کہ اگر روز گزشتہ پر تاسف اور موجودہ دن کو غنیمت تصور کرتے ہوئے آئندہ دن سے خوف زدہ ہو تب تو بہتر ہے ورنہ جہنم تمہارے لئے تیار ہے۔ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین چیزوں کا باہمی ربط قائم فرمایا ہے، فراغت کا عبادت سے، اخلاص کا مخلوق سے، اور مایوسی کا نجات میں احکامات کے بجالانے سے، فرمایا کہ پُر بہار باغات پر تکبر نہ کرو کیونکہ بہشت کے باغات سے زیادہ یہ پُر بہار نہیں ہو سکتے اور عبادت پر نخوت سے اس لئے احتراز کرو کہ ابلیس کثرت عبادت کے باوجود مردود بارگاہ ہوا۔

فرمایا کہ عابدین و صلحاء کی صحبت پر بھی فخر نہ کرو کیونکہ ثعلبہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر بھی کورا رہا۔ فرمایا کہ قلب کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اول قلب مردہ جو کفار کا ہے۔ دوم مریض قلب جو گنہگاروں کا ہے۔ سوم غافل قلب جو پیٹ کے گدھوں کا ہے۔ چہارم قلب وارژگوں (جس پر غلاف پڑا ہو) جس کو قرآن نے قلوبنا غلف سے تعبیر کیا ہے۔ یہ یہودیوں کا ہے اور صحیح قلب اہل دل حضرات کا ہوتا ہے۔

بغداد میں آپ نے خلیفہ سے ملاقات کے وقت فرمایا کہ السلام علیکم یا زاہد۔ خلیفہ نے کہا میں تو زاہد نہیں ہوں، بلکہ آپ زاہد ہیں۔ آپ نے کہا کہ خدا کا یہ فرمان ہے: **قل متاع الدنیا قلیل** ۔ "یعنی اے نبی فرما دیجئے! کہ دنیا کی متاع بہت تھوڑی ہے

اور چونکہ تو قلیل شے پر تابع ہو گیا۔ اس لئے زاہد ہے اور میں جو کہ دنیا و آخرت پر بھی قانع نہ ہو سکا تو پھر میں کیسے زاہد ہوں؟۔

آپ کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے اور جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ لینے میں میری رُسوائی اور دینے والے کی عزت ہوتی ہے اور نہ لینے میں اس کے برعکس ہوتا ہے لیکن ایک مرتبہ جب آپ نے کسی سے کوئی شے لے لی تو لوگوں نے اظہار حیرت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دینا چاہتا ہوں۔

فرمایا کہ دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور اعمال صالحہ کو ریا سے دور رکھو، گفتگو میں حرص کو خیرباد کہہ دو، سخاوت اور احسان کر کے کبھی نہ جتاؤ۔ جو شے تمہارے پاس موجود ہے اس میں بخل نہ کرو۔ فرمایا کہ جہاد کی بھی تین قسمیں ہیں۔ اول ابلیس سے ایسا جہاد جس سے وہ زچ ہو جائے۔ دوم اعلانیہ جہاد یعنی فرض کی ادائیگی کے لیے۔ سوم کفار سے اس طرح جہاد کرو کہ یا خود ختم ہو جاؤ یا انہیں ختم کر دو۔ فرمایا کہ زہد کا پہلا درجہ توکل ہے۔ دوسرا اور میانی درجہ صبر ہے اور تیسرا آخری درجہ اخلاص ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

ولا تخافوا ولا تحزنوا ۔ ''نہ خوف زدہ ہو اور نہ غمگین ۔ پھر فرمایا کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے لیکن مہمان کے سامنے کھانا رکھنے، مردے کو دفنانے، بالغ لڑکی کا نکاح کرنے اور توبہ کرنے میں عجلت سے کام لینا افضل ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے دور کے صدیقین میں شمار ہوتا ہے اور آپ کے اقوال نفس شناسی اور فریبِ نفس سے بچنے کے لئے بہت سودمند ہیں۔ آپ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر اہل دنیا تم سے پوچھیں کہ تم نے حاتم اصم سے کیا حاصل کیا؟ تو یہ کبھی نہ کہنا کہ ہم نے اس سے علم و حکمت حاصل کیا بلکہ یہ کہنا کہ ہم نے صرف دو باتیں سیکھی ہیں۔ اول یہ کہ جو شے اپنے قبضہ میں ہو اس پر خوش رہو۔ دوم اس چیز کی توقع کبھی نہ رکھو جو اپنے قبضہ میں نہ ہو۔

☆......☆......☆......☆......☆
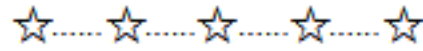
حضرت امام شافعیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی محمد ہے۔آپ کے والد محترم کا نام ادریس ہے۔آپ حضرت ابو مطلب یعنی کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے کے خاندان سے ہیں۔آپ کو امام مطلبی بھی کہا جاتا ہے اور آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔جد اعلیٰ شافع کی وجہ سے شافعی کہلائے۔سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب آپ کا پورا اسم گرامی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی ہے۔اور آپ کا لقب ناصر الحدیث ہے۔آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے چند روز قبل فوت ہو گئے تھے۔

آپ کا شمار اپنے زمانے کے اکابرین میں ہوتا ہے۔آپ تمام علوم میں امام تھے، پیشوا تھے، رہنما تھے۔جواں مردی اور نیکی میں آپ کے مناقب بے شمار اور ارشادات و کلمات بہت بلند ہیں۔آپ ہر حالت میں نیک خصلت تھے۔آپ بحر شریعت، طریقت و حقیقت کے تیراک، معرفت کے شناسا، فہم و فراست و ذکاوت میں ممتاز اور تفقہ فی الدین میں منفرد، یکتائے روزگار تھے۔پورا عالم آپ کے محاسن، اوصاف، علم و حکمت کا معترف ہے۔آپ کے مشاہدات، ریاضات و کرامات اس قدر ہیں کہ انہیں احاطہ تحریر میں لایا جائے تو ایک بہت ضخیم کتاب وجود میں آجائے گی۔لیکن بحالت مجبوری یہاں صرف مختصراً چیدہ چیدہ واقعات، ارشادات و مناقب کا ذکر کیا جائے گا۔مختصراً یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی تاریخ، ماہ و سنِ پیدائش رجب 150 ہجری بمطابق اگست 767ء ہے۔سنِ ہجری کے لحاظ سے آپ نے 54 سال کی عمر پائی اور آپ کا وصال 30/رجب 204 ہجری بمطابق 20/جنوری 820ء کو ہوا۔جب تک آپ مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے آپ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رہے۔جب عراق تشریف لے گئے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہوئے اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔جب آپ کو حضرت سلیمان راعی رحمۃ اللہ کی صحبت ملی تو آپ کے دل میں حقیقت کی طلب پیدا ہوئی۔آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔آپ کی اوائل عمر میں خلیفۂ وقت ہارون الرشید تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

قادرِ مطلق، رب العالمین کی شان اور اس کی قدرت کرشمے کہ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ کسی بات پر آپس میں جھگڑ رہے تھے تکرار کر رہے تھے۔جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ آوازیں بلند ہوگئیں۔ملکہ زبیدہ نے طیش میں آ کر کہہ دیا کہ آپ جہنمی ہیں۔خلیفہ بھی غصے میں تھا اس نے بھی کہہ دیا کہ اگر میں جہنمی ہوں تو میری طرف سے ملکہ پر طلاق ہے۔یہ کہہ کر ملکہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔مگر دونوں میں عشق کی حد تک محبت تھی۔جب غصے ٹھنڈے ہوئے تو محبت کے جذبے کی شدت نے دونوں کو تڑپا کر رکھ دیا اور ایوانِ خلافت میں ایک سوگ کا سا سماں بندھ گیا۔اسی بات پر تمام علماء کو جمع کیا گیا۔

خلیفہ اور ملکہ دونوں مفاہمت کے لئے بے چین تھے لیکن کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔اسی سلسلہ میں، اسی مشکل کے حل کے لئے خلیفہ نے خصوصی طور پر دربار لگوایا اور اب خلیفہ ہارون الرشید کا دربار تھا۔تمام علماء دربار میں بیٹھے تھے۔خلیفہ مسند خلافت پر بیٹھا تھا مگر کچھ پریشان تھا۔علماء ایک مسئلے پر کچھ بحث کر رہے تھے، مگر مسئلہ کا حل کسی کے پاس نہیں تھا۔خلیفہ علمائے کرام سے پوچھ رہا تھا کہ بتاؤ میں جنتی ہوں کہ جہنمی؟ اس پر سب حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے پریشان تھے۔خلیفہ خود بے حد پریشان تھا۔وہ مسند پر کروٹیں بدل رہا تھا مگر کسی کل چین نہیں پا رہا تھا۔اس مسئلے پر سب خاموش تھے اور حیران تھے۔

علماء کرام میں ایک کم عمر بچہ بیٹھا ہوا تھا۔علماء میں سے وہ لڑکا اُٹھا اور خلیفہ سے کہا اگر اجازت ہو تو میں اس کا جواب دوں، خلیفہ نے پریشانی کے عالم میں کہا اجازت ہے۔لڑکے نے بڑے ادب سے پوچھا: امیر المومنین کو میری ضرورت ہے یا مجھے امیر المومنین کی ضرورت ہے؟ خلیفہ نے کہا لڑکے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔لڑکے نے کہا: اگر امیر المومنین کو میری ضرورت ہے تو خلیفۃ المسلمین مسند سے نیچے تشریف لے آئیں۔کیونکہ علماء کا درجہ آپ سے بلند ہے۔چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید تخت سے نیچے آ کر بیٹھ گیا اور لڑکے کو مسند خلافت پر بٹھا دیا۔

لڑکے نے پوچھا کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا موقع آیا ہے کہ آپ گناہ پر قدرت رکھتے ہوں اور خوف رب ذوالجلال سے آپ نے وہ گناہ نہ کیا ہو؟ خلیفہ نے کہا قسم ہے اس وحدہٗ لاشریک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں کہ میں نے اس گناہ پر قدرت رکھتے ہوئے، خوف خدا سے وہ گناہ چھوڑ دیا۔لڑکے نے کہا آپ جنتی ہیں۔علماء نے کہا اس کی دلیل کیا ہے؟ لڑکے نے کہا ارشاد الٰہی ہے:۔(ترجمہ) گناہ کا ارادہ کرنے کے بعد جو میرے خوف سے گناہ سے رُک گیا وہ جنت میں جائے گا۔

یہ کہہ کر لڑکا مسند خلافت سے نیچے اُتر آیا۔علماء نے اسے گلے لگا کر پیار کیا اور بے حد داد دی۔انہوں نے کہا جو لڑکا کمسنی میں اتنا عالم، دانشمند اور ذہین ہے نہ جانے بڑا ہو کر یہ کیسے کیسے مرتبے حاصل کرے گا۔تو یہ فیصلہ سنانے والے بچے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی ذہانت کے چرچے بچپن میں ایسی بلندیوں پر تھے۔

آپ نے تیرہ سال کی عمر میں ہی بیت اللہ میں فرما دیا تھا کہ جو کچھ پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو اور پندرہ سال کے سن میں

فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بہت احترام اور خدمت کیا کرتے تھے اور جب کسی نے یہ اعتراض کیا کہ آپ جیسے اہل علم کے لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی کم عمری (یاد رہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے 14 سال چھوٹے ہیں۔ یہاں کم عمری کی بات ہو رہی اور کم عمر کی نہیں) اتنی مدارات کرنا مناسب نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس جس قدر علم ہے اس کے معانی و مطالب سے وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہے اور اسی کی خدمت سے مجھے احادیث کے حقائق معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو ہم علم کے دروازے پر ہی کھڑے رہ جاتے اور فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند رہ جاتا۔ اور اس دور میں وہ اسلام کا سب سے بڑا محسن ہے وہ فقہ معانی اور علوم لغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق کہ ہر صدی کی ابتدا میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ اہل علم اس سے علم دین حاصل کریں گے اور صدی کی ابتدا امام شافعی سے ہوئی ہے۔

آپ بہت ذہین تھے آپ کی والدہ ضعیفہ تھیں لوگ انہیں بزرگ خیال کرتے ہوئے اپنی امانتیں اُن کے پاس رکھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ دو شخص آئے اور کپڑوں سے بھرا ہوا ایک صندوق اس محترم بزرگ خاتون کے پاس رکھ گئے۔ آپ نے وہ صندوق رکھ لیا۔ کچھ دنوں بعد ایک شخص ان میں سے آیا اور کہا اے محترم خاتون! وہ کپڑوں کا صندوق جو ہم رکھ گئے تھے وہ دے دیں۔ آپ نے اسے وہ صندوق دے دیا۔ کچھ دنوں بعد دوسرا شخص آیا اور کہا محترمہ وہ کپڑوں کا صندوق جو ہم رکھ گئے تھے وہ دے دیں۔ آپ نے فرمایا وہ تو تمہارا ساتھی لے گیا ہے۔ وہ شخص بولا۔ جب ہم دو شخص آپ کے پاس صندوق رکھنے کے لیے آئے تھے تو آپ کو وہ صندوق دونوں کو ہی دینا چاہیے تھا، آپ نے یہ کیا کیا؟ وہ تکرار کرنے لگا۔ اس وقت امام شافعیؒ بچے تھے۔ وہ یہ سب کچھ سن رہے تھے آپ فوراً آگے بڑھے اور کہا آپ کا صندوق ہمارے پاس ہے۔ آپ دوسرے آدمی کو لے آئیں اور صندوق لے جائیں۔ وہ شخص لاجواب ہو گیا اور شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔

آپ نے پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینا شروع کر دیا۔ ابتداء میں آپ شادیوں اور دعوتوں میں شریک نہ ہوتے مخلوق سے کنارہ کش رہتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ حضرت سلیمان راعی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے باطنی فیض حاصل کیا اور اس راستے میں اتنی مشقت کی، اتنی ریاضت کی کہ اس دور کے تمام شیوخ سے سبقت لے گئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور انور نبی کریم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکے تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی کی اُمت کا ایک فرد ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے اپنے نزدیک بلا کر اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جا اللہ تجھے برکت عطا کرے۔ پھر اسی شب خواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگلی میں سے اپنی انگشتری نکال کر میری اُنگلی میں ڈال دی۔

آپ ایک حسینہ پر فریفتہ ہو گئے اور اس سے نکاح کرنے کے بعد صرف صورت دیکھ کر مہر ادا کر کے طلاق دے دی۔

جب امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک عمداً نماز ترک کر دینے والا کافر ہو جاتا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی کیا شکل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز ادا کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ کافر کی تو نماز ہی درست نہیں۔ یہ سن کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ ساکت رہ گئے۔

کسی رئیس نے کچھ رقم اہل تقویٰ لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے مکہ معظّمہ ارسال کی اور اس میں سے کچھ رقم لوگوں نے آپ کو پیش کی۔ لیکن آپ نے سوال کیا کہ یہ رقم کس کی ہے اور کن لوگوں میں تقسیم کرنے کو بھیجی گئی ہے؟ جواب ملا کہ اہل تقویٰ درویشوں میں تقسیم ہونے کے لئے آئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اہل تقویٰ نہیں ہوں۔ اس لئے مجھ پر حرام ہے۔

ابتدائی دور میں آپ کسی کی شادی یا دعوت میں شریک نہ ہوتے اور مخلوق سے کنارہ کش ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور حضرت سلیم راعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض باطنی سے فیض یاب ہوتے اور آہستہ آہستہ ایسے عروج وکمال تک رسائی حاصل کر لی کہ اپنے دور کے تمام مشائخ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ عبداللہ انصاری کا قول ہے کہ گو میں شافعی مسلک سے متعلق نہیں لیکن امام صاحب کے بلند مراتب کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں میں ہوں۔

جس وقت آپ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو ان کی عمر ستر (70) سال تھی، اور آپ کی عمر اس وقت 13، 14 سال تھی۔ آپ ان کے دروازے پر اس نیت سے کھڑے رہتے کہ جو شخص امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ پر دستخط لے کر نکلتا آپ بغور اس کا مطالعہ کرتے اور اگر جواب صحیح ہوتا تو اس شخص کو رخصت کر دیتے اور اگر کوئی خامی نظر آتی تو واپس دوبارہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیتے اور وہ غور کرنے کے بعد نہ صرف اس خامی کو دور کر دیتے بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے بہت مسرور ہوتے۔

ایک شخص نے آپ سے نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا کہ دوسروں کے برابر دولت جمع کرنے کی سعی مت کرو بلکہ عبادت میں برابری کی کوشش کرتے رہو کیونکہ دولت تو دنیا میں رہ جاتی ہے اور عبادت قبر کی ساتھی ہے اور کبھی کسی مردے سے حسد نہ کرو۔ کیونکہ دنیا میں سب مرنے کے لئے آئے ہیں اس لئے سب مردے ہیں۔ لہٰذا کسی سے بھی حسد نہ کرو۔

روم کا حاکم خلیفہ ہارون الرشید کو ہر سال ایک مقررہ رقم بھیجتا تھا۔ ایک سال اس نے چند راہبوں کو یہ رقم دے کر بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آپ کے عالم ان راہبوں سے مناظرہ کریں۔ اگر آپ کے عالم ان راہبوں کو لاجواب کر دیں تو میں آپ کو جزیہ بھیجتا رہوں گا۔ ورنہ بند کر دوں گا۔ خلیفہ نے علماء کو جمع کیا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ تمام علماء نے باتفاق رائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور راہبوں سے مناظرہ قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا یہ مناظرہ یہاں نہیں دریا پر جا کر ہوگا۔ راہب بھی دریا پر پہنچ گئے۔ خلیفہ اور بہت سے لوگ مناظرہ سننے کے لیے دریا کے کنارے جمع ہو گئے۔ اتنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور آتے ہی مصلّٰی بہتے دریا کے اوپر بچھا دیا اور اوپر کھڑے ہو کر فرمایا: اے راہبو! آؤ یہاں آ کر مناظرہ کرو۔ راہب سکتے میں آ گئے اور اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ روم کے حاکم کو اس سارے واقعہ

کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا یہ بہت اچھا ہوا اگر امام صاحب روم آجاتے تو سارا روم مسلمان ہو جاتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سادات کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ایک موقع پر ایسا ہوا کہ سیّدوں کے کچھ بچے دروازے کے باہر کھیل رہے تھے۔دروازہ کھلا تھا جب بچے کھیلتے کھیلتے دروازے کے سامنے آجاتے تو آپ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔یہ عمل انہیں کئی مرتبہ کرنا پڑا۔آپ خانوادہ رسول مقبول ﷺ سے بے حد محبت رکھتے تھے اور سادات کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔

مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے رسول خدا ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ ﷺ کی ایک حدیث سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دُنیا میں اوتاد، اولیاء اور ابرار مقرر فرمائے ہیں۔حضورپُرنور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے یہ صحیح خبر ملی ہے۔میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے کسی کی زیارت کروں۔فرمایا محمد بن ادریسؒ اُن میں سے ہیں۔اس کے علاوہ امام موصوف کے مناقب بے شمار ہیں۔

آپ نے ایک رات خواب میں پیغمبر اول و آخر واعظم ﷺ کو دیکھا۔دیدار سے مشرف ہوئے اور روحانی تسکین پائی۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا اے لڑکے تم کون ہو؟ عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی اُمت میں ہوں۔ پھر سرورِ انبیا ﷺ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور اپنا لعاب دہن مبارک آپ کے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا: اے لڑکے! جا اللہ تجھے برکت دے گا اور تیرے درجات بلند کرے گا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی خواب میں تشریف لائے اور اپنی انگلی مبارک سے انگوٹھی اُتار کر میری اُنگلی میں پہنادی۔یہ علم وفضل کا تحفہ تھا۔

محبت کا قانون ہے کہ وہ محبوب سے شروع ہوتی ہے۔حدیث پاک ہے:

احب علیہ من ولدہ ووالدہ والناس ۔"جب تک میں محبوب نہ ہو جاؤں اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے۔"

آپ ﷺ کا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بشارت دینا اور خواب میں تشریف لا کر آپ کو دولت لعاب سے نوازنا پھر دوسرے اہل نظر کو آپ کا مقام بتانا یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضورپُرنور ﷺ کو آپ سے محبت ہے۔اس محبت کے فیضِ اتم نے حضرت امام شافعی کو آپ ﷺ، صحابہ کرام اور اہلِ بیت کی محبت کا دیوانہ بنا دیا۔چنانچہ آپ نے خلفائے راشدین اور آلِ اطہار کی محبت کا علم بلند کیا۔آپ نے برملا فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد افضل الناس، ابوبکر پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

آلِ اطہار سے آپ کی محبت شہرہ آفاق ہے۔اس سلسلہ میں خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو 184ھ میں قید میں ڈال دیا تھا۔محبت آلِ اطہار کی وجہ سے آپ پر رفض کا بھی الزام لگا جس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشہور اشعار کہے۔

ترجمہ اشعار:"اے اہل بیت رسول تمہاری محبت خدا نے قرآن میں فرض قرار دی ہے۔یہ تمہارا عظیم فخر ہے کہ جب تک تم پر درود نہ پڑھا جائے کسی کی نماز نہیں ہوتی۔اگر آل رسول کی محبت کا نام رفض ہے تو دو جہاں گواہ رہیں میں رافضی ہوں۔"

آپ قرآن کے حافظ نہیں تھے۔کچھ حاسدوں نے خلیفہ سے کہا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حافظ نہیں ہیں۔اس نے

آزمائش کےطور پر ماہِ رمضان میں تراویح کی امامت کے لیے آپ سے کہہ دیا۔آپ نے یہ امامت قبول فرمائی ۔ایک دن میں ایک پارہ حفظ کرتے اور رات کو تراویح میں سنا دیتے ۔اسی طرح تیس دن میں پورا قرآن سنا دیا۔

آپ بیت اللہ کے اندر چاند کی روشنی میں مطالعہ کر رہے تھے ۔لوگوں نے کہا آپ شمع کی روشنی میں اندر جا کر مطالعہ کریں۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا وہ روشنی بیت اللہ کے لیے مخصوص ہے ۔اس روشنی میں میرے لیے مطالعہ کرنا جائز نہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا بیان ہے کہ شافعی کی عقل نصف مخلوق کی عقل سے بھی زیادہ ہے۔(سفینۃ الاولیاء،ص 48)
حمیدی کا قول ہے کہ ہم اصحاب رائے کارڈ اچھے طریقے سے کر لیتے جب شافعی آجاتے تو وہ ہم پر فتح حاصل کر لیتے ۔زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ امام شافعی طلب شعر ونحو غریب میں سب سے ماہر واعلیٰ تھے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ امام شافعی کے دور میں اُن سے زیادہ دانشور اور کوئی نہیں اور حضرت بلال خواص رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟فرمایا کہ ان کا شمار اوتاد میں ہوتا ہے۔

وفات سے پہلے آپ نے وصیت کی کہ فلاں شخص مجھ کو غسل دے مگر وہ شخص مصر میں تھا۔آپ کی وفات کے بہت عرصہ بعد وہ شخص مصر سے واپس آیا تو بند وصیت نامہ اسے دے دیا گیا ۔اس نے وصیت نامہ کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا میں ستر ہزار کا مقروض ہوں ۔اس نے وہ قرض ادا کر دیا اور لوگوں سے کہا غسل سے یہی مراد تھی ۔آپ کی وفات 30 رجب 204ھ بمطابق 20رجنوری 820ء میں ہوئی ۔اناللّٰہ وانااليه راجعون۔

ربیع بن سلیمان نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آپ کے ساتھ کیسا معاملہ رہا؟فرمایا کہ سونے کی کرسی پر بٹھا کر موتی نچھاور کیے گئے اور اپنی رحمت بے کراں سے مجھے نواز دیا۔

☆......☆......☆......☆......☆
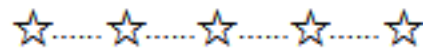
حضرت احمد حربؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔آپ تقویٰ و پرہیز گاری میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ریاضات و مجاہدات، کشف و کرامات میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔آپ بہت حق گو اور عبادت الٰہی میں مصروف رہنے والے بزرگ تھے اور آپ اپنے ہم عمر و ہم عصر علماءؒ و صوفیاء کرام میں ہر دلعزیز تھے۔آپ نے اپنے ارادت مندوں کی ایک بہت بڑی جماعت چھوڑی یعنی کہ آپ سے فیض پانے والے بہت زیادہ تھے۔آپ وہی بزرگ، اولیاء اللہ، درویش ہیں جس کے بارے میں حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ جیسے معصوم پاکباز نیک سیرت اولیاء اللہ نے یہ بات فرمائی تھی کہ میری موت کے بعد میرا سر حضرت احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر رکھ دینا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے حالات میں بھی صرف ایک بہت بڑے ولی اللہ کا نام ملتا ہے اور نام ہے یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا جنہوں نے یہ فرمایا تھا کہ میری موت کے بعد میرا سر حضرت احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر رکھ دینا۔اس عبارت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے آپ (حضرت احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں موجود تھے اور آپ کا مقام روحانیت میں اس قدر بلند تھا کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ نے یہ ہدایت فرمائی کہ موت کے بعد ان کا سر آپ کے قدموں پر رکھا جائے۔اس فقرہ ہدایت سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد مجھے آپ کے قدموں میں دفن کیا جائے۔کیونکہ ان بزرگوں کے بارے میں بہت ہی کم معلومات دستیاب ہیں اس لئے میں اب یہی کہہ سکتا ہوں۔واللہ اعلم بالصواب

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے تقویٰ و پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے پالتو مرغ پکا کر آپ سے کھانے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس مرغ نے ایک ہمسایہ کی چھت پر جا کر چند دانے کھا لئے تھے اس لئے میں اس مرغ کا گوشت نہیں کھا سکتا۔

آپ نے اپنے صاحبزادے کو توکل کی اس طرح تعلیم دی کہ ایک دیوار میں سوراخ کر کے ان سے کہہ دیا تھا کہ جس

شے کی خواہش ہوا کرے اس سوراخ سے طلب کرلیا کرو اور بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تم سوراخ کی دوسری جانب سے وہ چیز رکھ دیا کرو۔ چنانچہ مدتوں ایسا ہی ہوتا رہا لیکن اتفاق سے ایک دن بیوی کہیں چلی گئی اور صاحبزادے نے سوراخ میں جا کر کھانا طلب کیا اور اللہ تعالیٰ نے کھانا مہیا فرما دیا۔ اور جب آپ مصروف طعام تھے تو والدہ آگئیں اور پوچھا کہ تمہیں کھانا کہاں سے ملا؟ انہوں نے کہا جہاں سے روزانہ ملتا تھا۔ اس وقت احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ نے بیوی سے فرمایا کہ آئندہ تو کوئی چیز سوراخ میں نہ رکھنا کیونکہ میرا مقصد حاصل ہو چکا ہے اور اب اللہ تبارک و تعالیٰ بلا واسطہ پہنچاتا رہے گا۔

ایک بزرگ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ آپ کا ایک قول سنا جس کے بعد سے آج چالیس سال گزر چکے اور میرے قلب میں روز بروز نور کا اضافہ ہی ہوتا رہا اور اس قول کی لذت آج بھی اسی طرح قائم ہے۔

ایک مرتبہ کچھ سید حضرات بغرض ملاقات آپ کے پاس پہنچے تو آپ ان کے ساتھ بے حد احترام و تعظیم کے ساتھ پیش آئے لیکن آپ کا ایک شریر بچہ گستاخانہ طور پر رُباب بجاتا ہوا باہر نکلا اور اس کی یہ حرکت سادات کو بہت ناگوار ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو نظر انداز فرما دیں کیونکہ اس بچے کا نطفہ اس رات قائم ہوا تھا جب میرے ہمسایہ کے یہاں بادشاہ کے پاس سے کھانا آیا تھا اور اس نے مجھ کو بھی کھلایا تھا۔ اسی وجہ سے یہ بچہ گستاخ پیدا ہوا۔

ایک مرتبہ حجام آپ کا خط بنا رہا تھا اور آپ ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔ چنانچہ اس نے عرض کی کہ کچھ دیر کے لئے ذکر الٰہی سے ٹھہر جائیے آپ نے فرمایا کہ تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کر رہا ہوں اور اس حالت میں کئی جگہ سے آپ کا لب کٹ گیا مگر آپ یادِ الٰہی میں مصروف رہے۔

کسی دوست نے آپ کو مکتوب تحریر کیا تو آپ ذکر الٰہی کی مشغولیت کی وجہ سے جواب نہ دے سے اور کچھ دنوں کے بعد اپنے مرید سے یہ جواب لکھوایا کہ مجھے جواب دینے کی فرصت نہیں ملتی اور تمہیں ذکر الٰہی سے کسی وقت غافل نہ رہنا چاہیے۔

آپ کا ہمسایہ آتش پرست تھا اور اس کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا چنانچہ آپ دل جوئی کی غرض سے اس کے یہاں تشریف لے گئے تھے اور وہ بھی آپ کے ساتھ بہت احترام کے ساتھ پیش آیا مگر وہ زمانہ قحط سالی کا تھا اس لئے آتش پرست کو خیال ہوا کہ شاید آپ کھانا کھانے آئے ہوں۔ چنانچہ اس نے جب کھانے کا انتظام کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ ہم کھانے کی غرض سے نہیں بلکہ دل جوئی کے لئے آئے ہیں۔ پھر اس نے عرض کیا کہ گو میرا مال لٹ گیا لیکن تین چیزیں لائق شکر ہیں۔ اول یہ کہ دوسروں نے میرا مال لوٹا لیکن میں نے کبھی کسی کا مال غصب نہیں کیا۔ دوم یہ کہ اب بھی میرے پاس نصف دولت باقی ہے۔ سوم یہ کہ میرا مذہب محفوظ رہ گیا۔ یہ سن کر آپ نے پوچھا کہ تم آگ کیوں پوجتے ہو؟ اس نے کہا کہ روز محشر جہنم کی آگ سے بھی محفوظ رہوں اور خدا کا قرب بھی حاصل ہو جائے۔

آپ نے فرمایا کہ آگ کی حقیقت تو اتنی سی ہے کہ ایک بچہ اس پر پانی ڈال دے تو بجھ جائے گی اس کے علاوہ تم ستر (70) سال سے آگ کو پوجتے ہو لیکن آج تک اس نے تمہارے ساتھ کیا حسن سلوک کیا جس کی بناء پر تم قیامت میں بہتری کی

توقع رکھتے ہو۔آپ کے قول سے متاثر ہوکر اس نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے چار سوالوں کا جواب دے دیں تو میں ایمان لاسکتا ہوں۔اول خدا نے مخلوق کو کیوں تخلیق کیا؟ دوم تخلیق کے بعد رزق کیوں دیا؟ سوئم رزق دینے کے بعد موت سے کیوں دوچار کیا؟ چہارم مارنے کے بعد زندہ کرنے کی ضرورت کیوں ہوئی؟ آپ نے جواب دیا کہ تخلیق مخلوق کا مقصد یہ ہے کہ خالق کی شناخت ہو سکے۔رزق عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رزاقی کا اندازہ کیا جا سکے۔اور موت کا مقصد اس کی جباری وقہاری کا اندازہ کرنا اور موت کے بعد زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے قادر ہونے کو تسلیم کیا جا سکے۔یہ کہہ کر آپ بہت دیر تک آگ میں ہاتھ ڈالے بیٹھے رہے لیکن آپ کا ہاتھ آگ سے متاثر نہیں ہوا۔یہ دیکھ کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا اور آپ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے اور ہوش میں آنے کے بعد جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں نے یہ غیبی ندا سنی کہ بہرام تو ستر (70) سال کے بعد مسلمان ہو گیا۔لیکن تو جو ہمیشہ سے مسلمان ہے کیا لے کر آیا ہے۔

آپ عمر بھر شب بیدار رہے اور کبھی لوگ آرام کرنے کے لئے اصرار کرتے تو فرماتے کہ جس کے لئے جہنم دہکائی جا رہی ہو اور بہشت کو آراستہ کیا جا رہا ہو لیکن اس کا علم نہ ہو کہ ان دونوں میں اس کا ٹھکانہ کہاں ہے اس کو بھلا نیند کیسے آسکتی ہے؟ فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ علم ہو جائے کہ فلاں شخص میری غیبت کرتا ہے تو میں اس کو سیم وزر سے مالا کر دیتا کیونکہ جس کی غیبت کی جاتی ہے اس کو بے حد ثواب ملتا ہے۔فرمایا کہ خدا سے خائف رہتے ہوئے عبادت کرتے رہو اور دنیا کے دام فریب سے بچتے رہو۔کیونکہ اس میں پھنس کر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
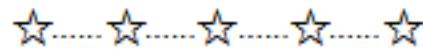
حضرت امام احمد بن حنبلؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حنبل ہےاور آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔اس طرح آپ کا کامل اسم مبارک ہےابومحمد احمد بن حنبل ہے۔

آپ شیخ سنت اور قاہر اہل بدعت اور بہت ہی متقی و پرہیز گار تھے۔آپ حافظ حدیث رسول ﷺ بھی تھے۔آپ ظاہر الکرامات اور صاحب فراست بزرگ تھے۔ریاضت وتقویٰ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ ذہین، ذکی ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات بھی تھے۔شریعت، طریقت اور سلوک میں آپ کو ایک منفرد اور خاص مقام حاصل تھا۔آپ اپنے دور کے عالم باعمل تھے۔آپ اہل ظاہر اور اہل باطن دونوں میں یکساں مقبول تھے اور کئی مشائخ شریعت وطریقت سے آپ نے فیض حاصل کیا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی پیدائش ماہِ ربیع الاوّل 164 ہجری بمطابق دسمبر 780ء کی ہے۔سنِ ہجری کے لحاظ سے آپ نے 77 سال کی عمر پائی۔آپ کا وصال 241ھ بمطابق 855ء میں ہوا۔آپ نے کئی مشائخ طریقت مثلاً حضرت سفیان ثوری، حضرت ذوالنون مصری، حضرت بشر حافی، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت سری سقطی اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔اور آپ پر یہ جو"عقیدہ تجسیم" کی تہمت لگائی جاتی ہے وہ بالکل جھوٹ، بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔عقیدہ تجسیم یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جسم تسلیم کیا جائے۔آپ اہل حدیث کے شیخ ہیں۔آپ تجسیم کے قائل نہ تھے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی لامحدودیت کے قائل تھے جس کا دوسرا نام"وحدت الوجود" ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے حدیث بیان کرر ہے تھے۔جس کا ترجمہ تھا کہ خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر اپنے ہاتھ سے گوندھا تھا۔حدیث بیان کرتے ہوئے اس نے بازو دراز کر دیا اور ہاتھ پھیلا کر مفہوم سمجھار ہے تھے۔حضرت امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ٹوک دیا اور فرمایا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر آئے تو اپنا ہاتھ دراز نہ کیا کرو۔

امام صاحب نے بہت سے مشہور جلیل القدر بزرگوں سے شرف نیاز حاصل کیا ہےاور بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو یہ

ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے بدرجہا افضل ہیں کیونکہ میں تو صرف اپنے ہی واسطے اکل حلال کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ اپنے اہل وعیال کے لئے بھی حلال رزق حاصل کرتے ہیں اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معتزلہ نے آپ کے اوپر جتنی طعنہ زنی کی ہے، آپ ان تمام چیزوں سے پاک تھے۔

کیونکہ طریقت اور سلوک میں آپ کے درجات بہت بلند تھے۔ آپ سے لوگ مسائل پوچھنے آتے اگر مسئلہ سلوک اور طریقت کا ہوتا تو خود بتا دیتے اگر سوال حقائق اور معرفت کا ہوتا تو سوال پوچھنے والے کو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھیج دیتے۔ کسی نے آپ سے آکر پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا: اعمال بد کی آفتوں سے بچنے کا نام اخلاص ہے۔ تیرا ہر عمل بے طمع ہو۔ ریا سے پاک ہو، تیرے عمل سے کسی کو نقصان اور رنج نہ پہنچے۔ کسی نے سوال کیا، یا حضرت! توکل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا روزی کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ پر مکمل اور ریختہ بھروسہ رکھے۔ یہ توکل ہے۔ پھر کسی نے سوال کیا، رضا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: رضا یہ ہے کہ تمام معاملات اللہ تبارک وتعالیٰ پر چھوڑ دے۔ پھر اس نے سوال کیا اے امام عالی مقام! محبت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جاؤ یہ حضرت بشر حافیؒ سے پوچھو۔ جب تک وہ زندہ ہیں میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔ پھر پوچھا گیا کہ یا حضرت! زہد کیا ہے؟ فرمایا: عوام کا زہد حرام چیزوں کو ترک کرنا ہے اور خواص کا زُہد حلال چیزوں میں زیادہ کی طمع نہ کرنا ہے اور عارفین کے زہد کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

کسی نے سوال کیا کہ جو کم علم صوفی بن کر مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور متوکل بنتے ہیں ان کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ ان کا اشارہ طالب علموں کی طرف تھا۔ فرمایا: وہ لوگ بھی غنیمت ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لیے انہوں نے توکل اختیار کیا۔ سوال کرنے والوں نے کہا ان کا مدعا تو صرف مفت کی روٹیاں لینا ہی ہوتا ہے۔ جواب میں آپ نے فرمایا: دنیا میں کون ہے جس کو روٹی کی حاجت نہیں۔ روٹی تو سب کی ضرورت ہے۔

شرعی مسائل تو آپ خود بتا دیا کرتے تھے لیکن مسائل طریقت کے سلسلہ میں لوگوں کو بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیتے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خدا سے خوف طلب کیا تو اس نے اتنا خوف عطا کر دیا کہ مجھے زوال عقل کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھے میرا اقرب صرف قرآن سے حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعمال کی مشقتوں سے چھٹکارے کا نام اخلاص ہے اور خدا پر اعتماد توکل ہے اور تمام امور کو خدا کے سپرد کر دینے کا نام رضا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنا طباق بنیے کے یہاں رکھوا دیا اور جب چھڑانے پہنچے تو بنیے نے دو طباق آپ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ ان میں سے جو آپ کا ہو لے لیجئے کیونکہ میرے ذہن میں نہیں رہا کہ آپ کا طباق ان میں سے کون سا ہے؟ یہ سن کر آپ خاموشی سے بغیر طباق لئے وطن آ گئے اور یہ صرف تقویٰ کی وجہ یہ تھی کہ بنیے کو یہ کیوں یاد نہ رہا کہ ان میں سے کون سا طباق میرا ہے۔

آپ دریا کے کنارے وضو فرما رہے تھے اور ایک شخص بلندی پر بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر تعظیماً نیچے آ گیا۔

پھراس کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کس حال میں ہو؟ اس نے کہا خدا تعالیٰ نے محض اس تعظیم کی وجہ سے جو میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وضو کرتے وقت کی تھی، مغفرت فرما دی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں جنگل میں راستہ بھول گیا اور جب ایک اعرابی سے راستہ معلوم کرنا چاہا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ شاید فاقہ سے ہے اور جب میں نے کھانا دینا چاہا تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا کہ اے امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ! کیا تجھے اللہ پر اعتماد نہیں جو اللہ کی طرح مجھے کھانا دینا چاہتا ہے جب کہ تو خود گم کردہ راہ ہے۔ مجھے خیال آیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو کہاں کہاں پوشیدہ کر رکھا ہے وہ میری نیت کو بھانپ کر بولا کہ خدا کے بندے تو ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ تمام سرزمین سونا بن جانے کے لئے کہہ دیں تو پورا عالم سونے کا بن جائے۔ اور میں نے جب نگاہ اُٹھائی تو پورا صحرا سونے کا نظر آیا اور غیب سے ندا آئی کہ یہ ہمارا محبوب بندہ ہے اور اگر یہ کہہ دے تو ہم پورے عالم کو زیر وزبر کر دیں۔ لہٰذا تجھے اس بات کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تیری ملاقات ایسے بندے سے ہوگئی لیکن آج کے بعد اس کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت صالح اصفہان کے قاضی تھے اور ایک مرتبہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے خادم نے حضرت صالح کے مطبخ میں سے خمیر لے کر روٹی تیار کی اور جب روٹی امام صاحب کے سامنے پہنچی تو آپ نے پوچھا کہ یہ اس قدر گداز کیوں ہے؟ خادم نے پوری کیفیت بتادی تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اصفہان کا قاضی رہا ہو اس کے یہاں سے خمیر کیوں لیا۔ لہٰذا یہ روٹی میرے کھانے کے لائق نہیں رہی اور یہ کسی فقیر کے سامنے پیش کر کے اس سے پوچھ لینا کہ اس روٹی میں خمیر تو صالح کا ہے اور آٹا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اگر تمہاری طبیعت گوارا کرلے تو لے لو لیکن چالیس یوم تک کوئی سائل ہی نہیں آیا۔ اور جب روٹیوں میں بو پیدا ہوگئی تو خادم نے دریائے دجلہ میں پھینک دیں لیکن امام صاحب کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اس دن سے دریائے دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی اور آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس چاندی کی سرمہ دانی ہو اس کے پاس بھی مت بیٹھو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے درس حدیث سننے کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ روزانہ آپ کے درس میں حاضری دیتے۔ ایک دن آپ درس میں شریک نہ ہوئے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے خادم کو بھیج کر خیریت دریافت کی۔ جب خادم ان کے ہاں پہنچا تو دیکھا آپ اپنے کمرے کے اندر برہنہ بیٹھے ہیں۔ خادم نے دریافت کیا کہ یہ کیا صورت حال ہے؟ آپ نے فرمایا ایک ہی جوڑا تھا۔ وہ دھوبی کو دیا تھا وہ ابھی تک نہیں لایا۔ خادم نے کہا آپ مجھ سے پیسے لے کر ایک جوڑا اور بنوالیں۔ آپ نے کہا یہ تو نہیں ہوسکتا۔ البتہ میری تحریر کردہ ایک کتاب پڑی ہے اسے بازار میں بیچ کر دس گز موٹا کپڑا لا دو تا کہ میں کرتہ اور تہہ بند تیار کرالوں۔ خادم نے کہا میں ذرا اچھا کپڑا لے آؤں تو یہ ٹھیک نہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، قیمتی اور نفیس لباس نہیں پہنتا۔ صرف موٹا ٹاٹ خرید کر لانا۔

آپ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نیاز حاصل کرنے کے بے حد متمنی رہتے تھے اور اتفاق سے ایک

دن وہ آپ کے یہاں خود ہی تشریف لے آئے اور جب صاحبزادے نے ان کی آمد کی اطلاع دی تو امام صاحب خاموش ہو گئے اور ملاقات کے لئے باہر نہیں نکلے اور صاحبزادے نے پوچھا کہ آپ کو تو ملاقات کی بے حد تمنا تھی پھر کیوں نہیں ملاقات کی۔ فرمایا: کہ مجھے یہ تصور پیدا ہو گیا کہ ملاقات کے بعد آپ کی خوش خلقی کی وجہ سے کہیں آپ کی جدائی میرے لئے شاق نہ ہو جائے۔ اس لئے یہ طے کر لیا کہ آپ سے ایسی جگہ (مقام آخرت) ملاقات کروں گا جہاں سے جدائی کا امکان باقی نہ رہے۔

منقول ہے کہ کسی نوجوان کی ماں کے ہاتھ پیر شل ہو گئے تھے اور جب اس نے بیٹے کو دعا کے لئے آپ کے پاس بھیجا تو آپ نے حال سن کر وضو کر کے نماز شروع کر دی اور جب وہ نوجوان گھر پہنچا تو ماں صحت یاب ہو چکی تھی اور اس نے خود آ کر دروازہ کھولا۔

امام موصوف عقیدۂ تشبیہ (تجسیم) سے بری تھے اور آپ کے عقائد دین، تمام علمائے اسلام نے قبول کئے ہیں۔ جب بغداد میں فرقۂ معتزلہ کا غلبہ ہوا تو انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو زدوکوب کر کے قرآن کو مخلوق کہلانے کا عقیدہ منوانا چاہا۔ انہوں نے آپ کے بازو پیچھے باندھ کر ہزار کوڑے لگائے کہ قرآن کو مخلوق کہو۔ اس اثناء میں آپ کا ازار بند کھل گیا۔ چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ غیب سے دو ہاتھ ظاہر ہوئے اور ازار بند باندھ دیا۔ جب ان لوگوں نے یہ کرامت دیکھی تو چھوڑ دیا۔ لیکن ہوا یہ کہ اسی زدوکوب کی وجہ سے آپ جاں بحق ہو گئے۔ انتقال سے پہلے کسی نے آپ سے پوچھا کہ جن لوگوں نے آپ کو اس قدر عذاب دیا ان کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے رضائے حق کے لئے مجھ سے یہ سلوک روا رکھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ میں باطل پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ اس لئے قیامت میں میں ان کے خلاف کوئی دادرسی نہیں چاہتا۔

انتقال کے وقت جب صاحبزادے نے طبیعت پوچھی تو فرمایا کہ جواب کا وقت نہیں ہے۔ بس دعا کرو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایمان پر خاتمہ کر دے کیونکہ ابلیس لعین مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تیرا ایمان سلامت لے جانا میرے لئے باعث ملال ہے۔ اس لئے دم نکلنے سے قبل مجھے سلامتی ایمان کے ساتھ مرنے کی توقع نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا فضل فرما دے یہ کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔ آپ کا وصال 241 ہجری بمطابق 855ء میں ہوا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون!**

محمد بن خزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انتقال کے بعد میں نے خواب میں امام صاحب کو دیکھا کہ وہ لنگڑا کر چل رہے ہیں اور جب میں نے دریافت کیا کہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ دارالسلام میں۔ اور جب میں نے یہ سوال کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بظاہر میں نے دُنیاوی زندگی میں بہت اذیتیں جھیلیں لیکن قرآن کو مخلوق کبھی نہیں کہا پس اسی کے صلہ میں میری مغفرت بھی ہو گئی اور مجھے بہت بڑے بڑے مراتب بھی عطا ہوئے۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ جو دعا تم کو سفیان ثوری نے بتائی تھی وہ سناؤ۔ چنانچہ میں نے یہ دعا سنادی: **یارب کل شیئ بقدرتک وانت قدر علی کل شیئ ولا تسئلنی عن شیئ۔** "یعنی اے اللہ! ہر چیز تیرے قبضۂ قدرت میں ہے اور تو ہر شے پر قادر ہے (اور وہ مجھ کو عطا فرما دے) اور مجھ سے مت پوچھ کہ کیا طلب کرتا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے احمد! یہ بہشت ہے اس میں داخل ہو جا اور میں اس میں داخل ہو گیا۔

آپ کا مزار اقدس فسطاط مصر میں مرجع خاص وعام ہے۔ رفیع بن سلیمان نے حضرت امام کے وصال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ آپ نے فرمایا، سونے کی کرسی پر بٹھا کر موتی نچھاور کئے اور اپنی رحمت بیکراں سے مجھے نوازا۔

حضرت احمد بن حواریؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسمِ گرامی احمد ہے اور آپ کے والد محترم کا نام حواری تھا اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔اس طرح آپ کا پورا اسمِ گرامی ابوالحسن احمد بن حواری ہے۔

روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے۔کشف و کرامات میں آپ کا مقام بہت اعلیٰ تھا۔آپ سراجِ وقت اور عقوبت الٰہی کی آفات سے آگاہی رکھنے والے تھے۔آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے اور آپ اپنے وقت کے تمام علمأ و مشائخ میں یکساں مقبول تھے آپ بحرِ شریعت و طریقت کے پیراک تھے۔طریقت میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔آپ نے بہت علم حاصل کیا اور واصل بالحق ہو جانے کے بعد سب کتابوں کو دریا میں پھینک دیا کہ وصال کے بعد دلیل سے چمٹے رہنا اچھی بات نہیں۔آپ تمام مشائخ میں مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔اس لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ شام کے پھول ہیں (ملک شام) آپ کا کلام بہت با اثر ہوتا تھا۔اور آپ نے اپنے کلام و تصانیف میں کثرت سے احادیث نبوی ﷺ روایت کی ہیں۔آپ نے بہت سیاحت کی اور صحیح معنوں میں بہت جہاندیدہ تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی معلوم نہیں ہیں۔آپ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں، اور حضرت سفیان بن عینیہ اور مروان بن معاویہ قاریؒ کے صحبت یافتہ تھے۔اور حضرت جنید بغدادیؒ بھی آپ کے ہم عصر تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ نے سیاحت بہت کی اور کافی مشائخ سے فیضِ صحبت حاصل کیا۔آپ فرماتے ہیں کہ دُنیا گندگی کا ڈھیر ہے، جس پر کتے جمع ہو جاتے ہیں۔لیکن کتوں سے بدتر وہ ہے جو گندگی کے ڈھیر پر قیام کرلے کیونکہ کتے تو اپنا پیٹ بھر کر چلے جاتے ہیں لیکن طالب دنیا اسے نہیں چھوڑتا۔آپ کے نزدیک جواں مردوہ ہے جو دنیا کو گندگی کا ڈھیر سمجھ کر اس کی طرف رجوع نہ کرے اور کتوں سے بدتر نہ بنے۔کیونکہ کتے تو حاجت روائی کر کے چلے جاتے ہیں اور دُنیادار کو دنیا کی محبت اس قدر لاحق ہے کہ اس سے اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔یہ علامت ہے آپ کے ترک دنیا کی اور دنیاداروں سے اجتناب کی۔اہل طریقت کے نزدیک دنیا سے قطع تعلق کرنا بہت بڑی کامیابی اور خوشی ہے۔

آپ نے پہلے علم حاصل کیااوراس میں کمال حاصل کر کے دریاپر گئے اور ساری کتابیں دریامیں پھینک کرفرمایا کہ تم میرے لئے اچھی دلیل تھیں لیکن وصال کے بعد دلیل کے ساتھ چمٹے رہنااچھی بات نہیں ہے۔کیونکہ دلیل اس وقت کام دیتی ہے جب تک سالک راستے میں ہے۔(بعض نسخوں میں یہ آیا ہے کہ حضرت شیخ نے یہ کلمات حالت سکراو راستغراق میں کہے،کیونکہ یہ بات اکابرمشائخ کےمسلک کےمطابق نہیں ہے۔)

قارئین کرام! کیونکہ یہ بات بہت لطیف ہےاورا کابرمشائخ کے مسلک کے مطابق نہیں ہےاس لئے درج ذیل میں اس کی کچھ تشریح لکھ دی ہےاوراس میں حضرت علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کافرمانا ہے کہ چونکہ ذات حق کی کوئی انتہانہیں اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے مکمل وصال حق نصیب ہوگیا ہےتو یہ دعویٰ باطل ہوگا۔جس کی کوئی انتہانہ ہواس کا وصال کیسے مکمل ہوسکتا ہے۔اس لئے بزرگوں نے قرب کی لاانتہامنازل اورمراتب کہے ہیں اورآخری منزل تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ اس راستے کی کوئی آخری منزل ہی نہیں ہے۔چنانچہ جب یہ کہاجاتا ہے کہ فلاں کی تکمیل ہوگئی تولفظ تکمیل بھی اضافی یا اعتباری معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کی ذاتی استعداد کے مطابق اسے قرب حاصل ہوا ہے جہاں تک کماھۂ قرب کاتعلق ہے وہ کسی کونصیب نہیں ہوتا کیونکہ ذات حق لامحدود ہےاورلاانتہا ہے۔

وصل میں بندہ کی کرامت(عظمت)ہےاورفصل میں اس کی محرومی ہے۔اس اصول میں کوئی تبدل وتغیرنہیں ہوتااور میں علی بن عثمان ہجویری یہ کہتاہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت احمد حواری رحمۃ اللہ علیہ کالفظ''وصال''(پالینا)سے مطلب راہِ حق کاپالینا ہو۔کیونکہ اکثر مشائخ نے یہی کہاہے کہ جب راہِ حق واضح ہوجاتا ہےتو عبارات وتشریحات کی ضرورت نہیں رہتی۔کیونکہ راہ حق بیان کرنے سے راستہ سامنے نہیں آجاتا بلکہ ایک گونہ راہنمائی ہوتی ہےاور جب راہ حق پر بندہ چل پڑتا ہےاورپھر کتابوں سے اس کی راہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی۔جب معرفت حق حاصل ہوتی ہےتو زبانیں اس کے بیان سے گونگی ہوجاتی ہیں لہٰذا ایک کاغذ کےٹکڑے(کتاب)کی کیاہستی ہے کہ وصال کےبعداس کی ضرورت باقی رہے۔

اپنے مرشدحضرت سلیمان دارانیؒ سے آپ کا یہ معاہدہ تھا کہ ہم دونوں کسی بات میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کریں گے۔چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت سلیمان دارانیؒ عالم وجد میں تھے کہ آپ نے عرض کیاتنورگرم ہے جیساحکم ہوکیا جائے۔انہوں نے اسی وجدانی کیفیت میں کہہ دیا کہ تم خودتنور میں جا کر بیٹھ جاؤاور یہ معاہدہ کےمطابق فوراًتنور میں جابیٹھے۔اور پھرکچھ دیر کےبعد جب حضرت سلیمان کویادآیا کہ میں نےتو حالت وجد میں ان سے کہہ دیاتھا۔چنانچہ تلاش کرنے پر دیکھا کہ آپ تنور میں بیٹھے ہیں اورجب حضرت سلیمان کےکہنے پرباہر نکلےتو آگ نے آپ کےاوپر کوئی اثرنہیں کیاتھا۔

فرمایاکرتے تھے کہ جب تک بندہ صدق دل سے اظہارندامت نہ کرے،زبانی توبہ بےسود ہےاور جب تک عبادت و ریاضت میں جدوجہد شامل نہ ہوتو اس وقت تک گناہ سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔اوراس عمل کےبعدہی انس اوردیدارالٰہی نصیب ہوتا ہے۔فرمایاکہ معرفت کی زیادتی عقل کی زیادتی پرموقف ہےاورخائف رہنے والے کاسہارارَجا ہے۔فرمایاکہ تضیع اوقات پر رونامفید ہےاورحُبِّ دُنیافقر کی دشمن ہےاورجونفس شناس نہ ہووہ مغرور ہے۔اورغفلت وسنگدلی سے زیادہ بڑا کوئی عذاب نہیں۔

فرمایا کہ انبیاء کرام نے موت کو اس لئے برا تصور کیا کہ وہ یاد الٰہی سے منقطع کر دیتی ہے۔ فرمایا کہ عبادت کو مرغوب سمجھنے والا خدا کا محبوب ہوتا ہے اور جو اللہ کو اس لئے محبوب سمجھتا ہے کہ اس سے حصول نعمت کرے تو وہ مشرک ہے بلکہ خدا کو بلا کسی طمع کے محبوب تصور کرنے والا ہی اس کا محبوب ہوتا ہے۔

حضرت احمد خضرویہؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔آپ کے والد محترم کا نام خضرویہ تھا،آپ کی کنیت ابو حامد ہے اور آپ بلخ کے رہنے والے تھے۔آپ کا پورا نام ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی ہے۔

آپ جواں مردوں کے سردار اور خراسان کے آفتاب تھے۔آپ بہت ہی عالی مقام اور بڑے بلند ہمت بزرگ تھے۔آپ بہت ہر دلعزیز تھے اور آپ کا مسلک ملامتیہ تھا۔آپ کے اقوال بہت بلند اور نکات بہت لطیف ہیں۔آپ نے ہر فن پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کے اندر آپ نے کائنات کے بڑے اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں۔آپ نے بہت سے مشائخ سے فیض پایا اور بے شمار لوگوں کو فیض بخشا ہے۔آپ کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔آپ اکثر فوجی لباس زیب تن کرتے تھے۔آپ کی اہلیہ صاحبہ کا نام فاطمہ تھا اور ان کو بھی طریقت میں بلند مقام حاصل تھا۔آپ کے کشف و کرامات بے شمار ہیں۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وفات دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے ہم عصروں میں سے چند ایک کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔آپ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور عرصہ دراز تک حضرت ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض حاصل کرتے رہے۔حضرت ابو یزید بسطامی،حضرت یحییٰ بن معاذ رازی،حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کی اہلیہ فاطمہ جن کو طریقت میں بلند مقام حاصل تھا۔بلخ کے بادشاہ کی بیٹی تھیں۔جب بی بی فاطمہ کو توبہ کی توفیق ہوئی اور راہِ حق اختیار کیا تو انہوں نے حضرت احمد خضرویہؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے باپ سے میرا رشتہ طلب کرو لیکن آپ نے دعوت قبول نہ کی۔بی بی صاحبہ نے دوبارہ پیغام بھیج کر کہلا بھیجا کہ اے احمد!میں نے تو آپ کو اس لئے شادی کا پیغام بھیجا کہ آپ ایک عورت کو راہِ حق دکھائیں گے نہ کہ راہزنی کریں گے۔اس کے بعد آپ نے بلخ کے بادشاہ کے پاس قاصد بھیج کر رشتہ طلب کیا تو اس نے تبرک کے طور پر اپنی بیٹی کا ان کے ساتھ بیاہ کر دیا۔شادی کے بعد بی بی فاطمہ دنیا سے قطع تعلق کر کے آپ کے ساتھ یادِ حق میں مشغول ہو گئیں۔

ایک دفعہ حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو گئے تو فاطمہ بھی ساتھ تھیں۔ جب میاں بیوی حضرت شیخ کے پاس پہنچے تو بی بی فاطمہ نے منہ سے نقاب اُٹھالیا اور بے تکلفی سے کلام کرنے لگیں جس سے حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کو سخت تعجب ہوا اور ان سے کہا کہ فاطمہ یہ تم کیسے گستاخی سے باتیں کر رہی ہو۔انہوں نے جواب دیا کہ آپ میرے شوہر ہیں اور یہ میرے شیخ طریقت ہیں۔آپ سے مجھے ہوا (نفسانی خواہش) اور اُن سے خدا ملتا ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ بایزید تو میری صحبت سے بے نیاز ہیں اور آپ میری صحبت کے محتاج ہیں۔یہ کہہ کر وہ بدستور حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اسی انداز میں باتیں کرتی رہیں۔

ایک دن حضرت بایزید بسطامیؒ کی نظر بی بی فاطمہ کے ہاتھ پر پڑی جس پر مہندی لگی ہوئی تھی۔یہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا کہ آپ نے ہاتھ پر مہندی کیوں لگائی ہوئی ہے۔بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا اے بایزید! جب تک آپ نے میرے ہاتھ کی طرف نظر نہ کی تھی تو مجھے آپ کے ساتھ بیٹھ کر خوشی محسوس ہوتی تھی۔اب جب کہ آپ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں ہمارا ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا حرام ہو گیا ہے۔اس کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہو کر نیشاپور چلے گئے۔اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔آپ دونوں کی آمد سے وہاں کے لوگ اور مشائخ طریقت خوش ہوئے۔جب شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور آئے اور بلخ جانے کا قصد کیا تو شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دعوت دینے کا ارادہ کیا اور اس بارے میں بی بی فاطمہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اتنی گائے بکریاں اور فلاں فلاں چیزوں کی اور فلاں قسم کے عطریات کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ بیس گدھوں کی ضرورت ہے ان کو بھی ذبح کیا جائے گا۔شیخ نے پوچھا کہ گدھوں کو ذبح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے جواب دیا جب ایک کریم دوسرے کریم کے گھر مہمان ہوتا ہے تو شہر کے کتوں کا بھی حق ہے ان کو کھلایا پلایا جائے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو عورتوں کے لباس میں چھپا ہوا جواں مرد دیکھنے کی ضرورت ہو تو وہ فاطمہ بی بی کو دیکھے۔حضرت ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ اگر احمد خضرویہؒ نہ ہوتے تو دنیا میں جواں مردی ظاہر نہ ہوتی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سفر حج کے دوران میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا اور میں نے اس تصور سے نہیں نکالا کہ اس سے توکل متاثر ہو جائے گا۔چنانچہ مواد پڑنے سے میرا پاؤں متورم ہو گیا جس کی وجہ سے میں لنگڑاتے ہوئے داخل مکہ ہوا اور اسی حالت میں حج کر کے واپس ہو گیا لیکن راہ میں لوگوں نے اصرار کر کے وہ کانٹا نکال دیا اور جب میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مسکرا کر پوچھا کہ جو اذیت تم کو دی گئی تھی وہ کہاں گئی؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے اختیار کو اس کے تابع کر دیا تھا اس پر حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود کو صاحب اختیار تصور کرنا کیا شرک میں داخل نہیں؟

آپ اپنے نفس پر بے حد جبر سے کام لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ عوام جہاد پر روانہ ہوئے تو آپ کے نفس نے بھی جہاد کا تقاضا کیا، لیکن آپ کو یہ خیال ہو گیا کہ نفس کا کام چونکہ ترغیب عبادت نہیں اس لئے مجھے کسی مکر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور شاید اس کی ترغیب کا یہ مقصد ہو کہ دوران سفر روزے نہیں رکھنے پڑیں گے۔رات کو عبادت سے چھٹی مل جائے گی اور لوگوں سے ربط وضبط کا

موقع مل جائے گا۔ مگر نفس نے ان چیزوں سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہے پھر جب آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھ کو فریب نفس سے محفوظ رکھ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفس کا فریب ظاہر فرمادیا کہ نفس کا یہ فریب تھا کہ چونکہ آج تک میری خواہش پوری نہیں ہوئی لہذا میں جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو جاؤں اور تمام تکلفات زندگی سے چھٹکارا مل جائے۔ یہ سن کر آپ نے اس دن سے نفس کشی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ رمضان مبارک کے مہینے میں کسی درویش نے ایک دولت مند کو دعوت دی اور آپ کے گھر میں سوائے ایک خشک روٹی کے کچھ نہیں تھا۔ جب مہمان دعوت کے بعد گھر واپس گیا تو اس نے درویش کے پاس سونے سے بھرا ہوا تھیلا ارسال کیا۔ درویش نے تھیلا واپس کر کے کہلا بھیجا کہ یہ سزا ہے اس شخص کی کہ جو اپنا راز تجھ پر ظاہر کرے یا غنی لوگوں کو عزت فقر کا اہل سمجھے، اور یہ معیار و علامت ہے آپ کے صدق اور فقر کی۔ واللہ اعلم

رات میں آپ کے یہاں چور آ گیا لیکن جب خالی ہاتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ رات بھر عبادت کرو اور اس کا جو کچھ صلہ مجھ کو ملے گا وہ میں تمہیں عطا کر دوں گا، چنانچہ وہ رات بھر آپ کے ہمراہ مشغول عبادت رہا اور صبح کو جب کسی دولت مند نے بطور نذرانہ سو دینار بھیجے تو آپ نے اس چور کو دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو صرف ایک شب کی عبادت کا معاوضہ ہے۔ یہ سن کر چور نے کہا صد حیف! میں نے آج تک اس خدا کو فراموش کئے رکھا جس کی ایک رات عبادت کرنے کا یہ صلہ ملتا ہے۔ پھر توبہ کر کے آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا اور بہت بلند مراتب حاصل کئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ **استر عز فقرک عن الخلق**۔ "اپنے فقر کی عزت کو لوگوں سے چھپاؤ۔" یعنی خلق پر مت ظاہر کرو کہ تم درویش ہو تا کہ تمہارا راز ظاہر نہ ہو۔ کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم کرامت، انعام و نعمت ہے۔

آپ فرماتے ہیں **الطریق واضح والحق لائح، والراعی قداسمع فما التحیر بعدھا الا من العمی**۔ "راستہ واضح ہے، حق ظاہر ہے اور نگہبان سننے والا ہے۔ پس پھر بھی اگر کوئی غفلت کرے تو نابینا ہونے کی علامت ہے۔" کیونکہ راستہ سورج کی طرح روشن ہے۔ پس تو اپنے آپ کو دیکھ کہ تو کہاں پھر رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے زیادہ ظاہر ہے کہ اس کو تلاش کرنے کی ضرورت پڑے۔

فرمایا کہ زندگی میں ایسی میانہ روی ہونی چاہیے جو دین و دنیا دونوں سے مطابقت رکھتی ہو، فرمایا کہ خدا کے سوا ہر شے سے کنارہ کشی سب سے بڑی عبادت ہے۔ کسی نے آپ کے روبرو جب یہ آیت پڑھی کہ **ففروا الی اللہ** تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت تو اس کے سامنے قرأت کرو جو اس کا نہ بن چکا ہو۔ پھر نصیحت فرمائی کہ نفس کو مار ڈالو تا کہ تمہیں حیات مل جائے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے انسانوں کو جانوروں کی مانند چارہ کھاتے دیکھا ہے، یہ سن کر لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ انسانوں میں شامل نہیں تھے۔ فرمایا کہ شامل تو میں بھی تھا لیکن فرق یہ تھا کہ وہ کھاتے ہوئے خوش ہو کر اُچھل کود رہے تھے اور میں کھاتے ہوئے رو رہا تھا۔ فرمایا کہ فقر تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اول سخاوت۔ دوم تواضع۔ سوم ادب۔ پھر فرمایا کہ شا کی

لوگ صابر نہیں ہوسکتے لیکن مضطرب لوگوں کا زادِراہ صبر ہے۔فرمایا معرفت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کو قلب سے محبوب رکھتے ہوئے زبان سے بھی یاد کرتا رہے اور خدا کے علاوہ ہر شے کو ترک کردے۔فرمایا کہ اہل اخلاق خدا کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں اور خدا کی محبت یہ ہے کہ تمام اسباب و وسائل کو خیر باد کہہ کر صدق دلی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔فرمایا کہ جب قلب نور سے پُر ہو جاتا ہے تو اس کا نور اعضا سے بھی ظاہر ہونے لگتا ہے اور اگر باطل سے لبریز ہوتا ہے تو اس کی تاریکی بھی اعضا سے ظاہر ہوتی ہے۔ فرمایا کہ خواب غفلت سے خراب کوئی خواب نہیں۔

ایک دفعہ آپ کسی بزرگ کی خانقاہ میں بوسیدہ لباس پہنے ہوئے پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو حقارت سے دیکھا لیکن آپ خاموش رہے۔پھر ایک مرتبہ کنوئیں میں ڈول گر گیا تو آپ نے انہیں بزرگ کے یہاں جا کر کہا کہ دعا فرما دیجئے کہ ڈول کنوئیں سے باہر آجائے۔یہ سن کر وہ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں خود دعا کردوں۔چنانچہ اجازت کے بعد جب آپ نے دعا فرمائی تو ڈول خود بخود باہر نکل آیا۔یہ دیکھ کر جب ان تمام لوگوں نے آپ کی تعظیم کی تو فرمایا کہ اپنے مریدین کو ہدایت فرما دیجئے کہ مسافر کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا کریں۔

کسی نے آپ سے اپنے افلاس کا رونا رویا تو فرمایا کہ جتنے بھی پیشے ہوسکتے ہیں ان کا نام علیحدہ علیحدہ پرچیوں پر لکھ کر ایک لوٹے میں ڈال کر میرے پاس لے آؤ اور جب وہ تعمیل حکم کر چکا تو آپ نے لوٹے میں ہاتھ ڈال کر جب ایک پرچی نکالی تو اس پر چوری کا پیشہ درج تھا۔آپ نے اس کو حکم کیا کہ تمہیں یہی پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔یہ سن کر پہلے تو وہ پریشان ہوا،لیکن شیخ کے حکم کی وجہ سے چوروں کے گروہ میں شامل ہوگیا لیکن ان چوروں نے اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ جس طرح ہم کہیں گے تمہیں کرنا ہوگا۔چنانچہ ایک دن اس گروہ نے کسی قافلہ کو لوٹ کر ایک دولت مند کو قیدی بنالیا اور جب اس نئے چور سے اس دولت مند کو قتل کرنے کے لئے کہا تو اس چور کو یہ خیال آیا کہ اس طرح تو یہ لوگ (چوروں کا گروہ) صدہا انسانوں کو قتل کر چکے ہوں گے لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ ان کے سردار ہی کو ختم کردیا جائے اور اس خیال کے ساتھ ہی اس نے سردار کا خاتمہ کردیا۔یہ کیفیت دیکھ کر تمام چور ڈر کے مارے فرار ہوگئے اور جس دولت مند کو قید کیا گیا تھا نئے چور نے اس کو رہا کردیا۔جس کے صلہ میں اس دولت مند نے اس کو اتنی دولت دے دی کہ یہ خود امیر کبیر بن گیا اور باقی تمام عمر عبادت میں گزار دی۔

ایک مرتبہ کوئی بزرگ آپ کے یہاں تشریف لائے تو آپ نے از راہِ مہمان نوازی اس دن سات شمعیں روشن کیں۔یہ دیکھ کر ان بزرگ نے اعتراض کیا کہ یہ تکلفات تو تصوف کے منافی ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہ تمام شمعیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے واسطے روشن کی ہیں اور اگر آپ غلط سمجھیں تو پھر ان میں سے جو شمع خدا کے لئے روشن نہ ہو،اس کو بجھا دیں۔یہ سن کر وہ بزرگ تمام شمعوں کو بجھانے میں مشغول رہے لیکن ایک بھی نہ بجھ سکی،پھر صبح کو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو میں تمہیں قدرت کے عجائبات کا نظارہ کرانا چاہتا ہوں۔چنانچہ جب ایک گرجا کے دروازے پر پہنچے تو وہاں ایک کافر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے آپ کو دیکھتے ہی بہت تعظیم کے ساتھ دسترخوان بچھوایا اور کھانا چن کر عرض کیا کہ آیئے ہم دونوں کھانا کھائیں۔آپ نے فرمایا کہ

خدا کے دوست خدا کے غنیم کے ساتھ کیسے کھا سکتے ہیں؟ یہ سن کر وہ ایمان لے آیا اور اس کے ہمراہ مزید انہتر (69) افراد مسلمان ہو گئے اور اسی شب آپ نے خواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ فرماتے دیکھا کہ اے احمد! تو نے ہمارے لئے سات شمعیں روشن کیں اور اس کے صلہ میں ہم نے تیرے ہی وسیلے سے ستر قلوب کو نور ایمانی سے منور کر دیا۔

وفات سے پہلے آپ ستر ہزار دینار کے مقروض تھے اور یہ تمام قرضہ خیرات وصدقات کرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ چنانچہ آخری وقت جب قرض خواہوں نے تقاضا کیا تو آپ نے دعا کی کہ یا اللہ! میں تو اسی وقت تیرے پاس حاضر ہو سکتا ہوں جب ان کے قرض سے سبکدوش ہو جاؤں کیونکہ میری حیات تو ان کے پاس گروی ہے۔ ابھی یہ دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دروزے پر سے آواز آئی کہ تمام لوگ اپنا قرض لے لیں، اور جب سب لے چکے تو آپ کا انتقال ہو گیا۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

☆......☆......☆......☆......☆
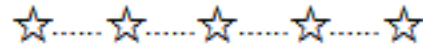
حضرت ابوتراب نخشبیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عسکر ہے۔اور آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک حسین تھا۔آپ کی کنیت ابوتراب ہے اور آپ اپنی کنیت سے ہی جانے پہچانے جاتے ہیں۔آپ کا پورا نام ابوتراب عسکر بن حسین نخشبی ہے۔

آپ متوکلوں کے سردار اور برگزیدہ اہل زمان ہیں۔روحانیت میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا اور آپ تمام ظاہری و باطنی علوم سے خوب آراستہ تھے۔آپ کا شمار خراسان کے اکابر مشائخ اور سادات میں ہوتا ہے۔آپ بلندی ہمت اور زہد و تقویٰ میں بہت اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور ان صفات حمیدہ کے لئے مشہور تھے۔آپ نے عرصہ دراز تک آرام نہیں کیا اور سوتے بھی بہت کم تھے۔آپ کے کشف و کرامات بے شمار ہیں۔آپ اکثر و بیشتر سیر و سیاحت میں رہتے اور تن تنہا لق و دق بیابانوں میں بسر کرتے۔آپ خراسان کے عظیم المرتبت اولیأ اللہ میں سے ہوئے ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ ولادت اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے ہم عصروں میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔حضرت ابن جلاأ ،حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ خراسان کے عظیم المرتبت بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔نہ صرف یہ بلکہ چالیس حج کرنے کے ساتھ ساتھ عرصہ دراز تک کبھی آرام نہیں کیا۔لیکن ایک مرتبہ سجدے کی حالت میں بیت اللہ کے اندر ہی نیند آ گئی اور خواب میں دیکھا کہ بہت سی حوریں آپ کی جانب متوجہ ہیں لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے تو ذکر الٰہی سے ہی فرصت نہیں میں تمہاری طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہوں؟ لیکن حوروں نے کہا جب آپ کی عدم توجہ کا علم دوسری حوروں کو ہو گا تو وہ ہمارا نداق اُڑائیں گی۔یہ سن کر داروغہ جنت نے جواب دیا کہ یہ اس وقت قطعی متوجہ نہیں ہوں گے،ان سے تو بس روز محشر جنت میں ہی ملاقات ہو سکے گی۔

ابن جلاء کا قول ہے کہ میں نے بے شمار بزرگوں سے شرف نیاز حاصل کیا ہے لیکن میری نظر میں چار بزرگوں سے زیادہ عظیم المرتبت کوئی بزرگ نہیں گزرے اور ان میں پہلا درجہ حضرت ابوترابؒ کا ہے۔پھر جس وقت آپ مکہ معظمہ پہنچے تو بہت ہی

خوش وخرم تھے اور جب میں نے پوچھا کہ کھانے کا کیا انتظام ہے تو فرمایا کہ کبھی بصرہ کبھی بغداد اور کبھی یہیں کھالیتا ہوں۔

آپ اپنے دوستوں میں کوئی عیب دیکھتے تو خود توبہ کرتے ہوئے مجاہدات میں اضافہ کر دیتے اور فرمایا کرتے کہ میری ہی نحوست کی وجہ سے اس میں یہ عیب پیدا ہوا۔ اور مریدین سے فرمایا کرتے کہ ریا کا کوئی کام نہ کرنا۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید پر ایک ماہ کا فاقہ گزر گیا اور اس نے اضطراری حالت میں خربوزے کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں تجھے تصوف حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ میرا ہاتھ حرام شے کی جانب نہ بڑھے گا۔

آپ نے حضرت ابوالعباس سے پوچھا کہ آپ کے مریدین کی کشف وکرامات کے متعلق کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا بہت کم افراد اس پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں کو صحیح نہ سمجھنے والا کافر ہے۔

ایک مرتبہ آپ ارادت مندوں کے ہمراہ جنگل میں سفر کر رہے تھے کہ سب کو پینے اور وضو کے لئے پانی کی ضرورت پیش آئی اور سب نے آپ سے عرض کیا۔ چنانچہ آپ نے زمین پر ایک لکیر کھینچ دی جہاں سے اسی وقت ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔

فرمایا کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ جنگل میں مجھے انڈہ روٹی کھانے کی خواہش ہوئی اور میں راستہ بھول کر ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں کچھ اہل قافلہ شور وغل مچا رہے تھے اور مجھے دیکھتے ہی پکڑ کر کہنے لگے کہ اسی نے ہمارا سامان چرایا ہے اور یہ کہہ کر میرے اوپر مسلسل چھڑیوں سے وار کرتے رہے لیکن ایک بوڑھے نے مجھے شناخت کر کے لوگوں سے کہا کہ یہ چوری نہیں کر سکتے۔ یہ تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔ یہ سن کر سب معافی کے خواستگار ہوئے تو میں نے کہا کہ مجھے تکلیف کا شکوہ اس لئے نہیں کہ آج میرے نفس کو خوب ذلت کا سامنا ہوا۔ پھر اس بوڑھے نے اپنے گھر لے جا کر میرے سامنے انڈہ روٹی پیش کیا اور مجھے کھانے میں کچھ تامل ہوا تو ندائے غیبی آئی کہ تجھے خواہش کی سزا مل گئی، اب کھانا کھالے۔ اور تیرے نفس کی خواہش سزا پائے بغیر کبھی پوری نہیں ہوگی۔

حضرت ابوالعباس سے منقول ہے کہ میں ایک صحرا میں ساتھ تھا تو آپ کے ایک مرید نے پیاس کی شکایت کی۔ چنانچہ جیسے ہی آپ نے زمین پر پاؤں مارا ایک چشمہ نمودار ہو گیا۔ پھر دوسرے مرید نے عرض کیا کہ میں تو آبخورے میں پانی پینے کا خواہش مند ہوں۔ آپ نے اس کی فرمائش پر جب زمین پر ہاتھ مارا تو بہت خوبصورت سفید رنگ کا پیالہ نکل آیا اور بیت اللہ تک وہ پیالہ ہمارے ساتھ رہا۔

کسی نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو فرما دیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے بھی حاجت نہیں اس لئے کہ میں تو اس کی رضا پر خوش ہوں وہ جس حال میں چاہے رکھے۔ فرمایا کہ درویش کو جو مل جائے وہی اس کا کھانا ہے اور جس سے جسم ڈھانپا جا سکے وہی لباس ہے اور جس جگہ مقیم ہو وہی مکان ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے تاریک رات کے اندر ایک بہت ہی خوفناک قد آور حبشی کو دیکھ کر پوچھا کہ تم جن ہو یا انسان؟ اس نے الٹا مجھ سے یہ سوال کیا کہ تم کافر ہو یا مسلمان؟ اور جب میں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے یہ کہا

کہ مسلمان تو خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔اس وقت یقین ہو گیا کہ یہ غیبی تنبیہہ ہے۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو بلا سواری اور زادِ راہ کے جنگل میں سفر کرتے دیکھ کر خیال کیا کہ اس سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر کسی کو اعتماد نہیں ہو سکتا اور جب میں نے اس کی بے سرو سامانی کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ خدا کو ساتھ رکھنے والے کے لئے کسی شے کی ضرورت نہیں ہوتی۔آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سال تک نہ کسی سے کچھ لیا اور نہ دیا۔لوگوں نے عرض کیا کہ اس کی وضاحت فرمادیجئے۔تو آپ نے فرمایا کہ کہ ایک شخص نے مجھے دعوت دی لیکن میں نے قبول نہیں کی اور اس جرم میں مسلسل چودہ یوم تک فاقہ کشی کرتا رہا۔

آپ فرماتے ہیں کہ **الفقیر قوته ماو جدو لباسه ماستر و مسكنه حيث نزل**۔"فقیر کی خوراک وہ ہے جو مل جائے ،اس کا لباس وہ ہونا چاہیے جس سے ننگا پن ڈھانپ سکے اور اس کا مسکن وہ ہے کہ جہاں رات بسر کرے۔"یعنی خوراک میں اپنی پسند کو دخل نہ دے،لباس میں بے جا خرچ نہ کرے اور اپنے لئے مکان نہ بنائے بلکہ جہاں رات آجائے سو جائے۔ان تینوں چیزوں میں تصرف کرنا (بے جا خرچ کرنا) غیر اللہ میں مشغول ہونا ہے اور سارا جہان ان تین چیزوں کی آفت میں مبتلا ہے۔

فرمایا کہ بندہ صادق وہی ہے جو عمل سے قبل ہی لذت عمل کو محسوس کرلے اور اخلاص ایک ایسا عمل ہے جس میں لذتِ عبادت مضمر ہے۔فرمایا کہ تین چیزوں سے انس ضرر رساں ہے۔اول نفس سے۔دوم زندگی سے۔اور سوم دولت سے۔فرمایا کہ سکون و راحت تو صرف جنت ہی میں مل سکتے ہیں۔فرمایا کہ واصل باللہ ہونے کے سترہ مدارج ہیں اور ان میں سب سے اعلیٰ درجہ توکل ہے اور ادنیٰ درجہ اجابت اور توکل کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے دینے پر شکر ادا کرے اور نہ دینے پر صبر کرے۔لیکن ہمہ وقت اس کی یاد میں گم رہے۔فرمایا کہ خدا نے علماء کو صرف ہدایت کے لئے تخلیق کیا ہے۔فرمایا کہ غنا کا مفہوم ہر شے سے مستغنی ہونا ہے اور فقراء کا مفہوم ضرورت مند ہونا ہے۔

آپ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے تھے اور تن تنہا لق ودق بیابان میں بسر کرتے تھے۔بلکہ آپ کی وفات بھی بصرہ کے صحرا میں ہوئی۔آپ کے وصال کے کئی سال بعد جب لوگ وہاں پہنچے تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے عصا ہاتھ میں ہے اور سر پہاڑ پر رکھے ہوئے (ماتھے کی ٹیک سے) کھڑے ہیں۔آپ کا جسم سوکھ کر لکڑی ہو چکا تھا لیکن کسی جانور کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے جسدِ خاکی کے پاس پھٹکتا۔**اناللہ و انا الیہ راجعون**۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت یحییٰ بن معاذؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک یحییٰ ہے۔آپ کے والدگرامی کا اسم مبارک معاذ تھا۔آپ کی کنیت ابوذکریا ہے۔آپ کا پورا اسم گرامی ابوذکریا یحییٰ بن معاذ الرازی ہے۔

لسانِ محبت و وفا، زینت طریقت و ولایت حضرت ابوذکریا یحییٰ بن معاذ الرازیؒ بڑے بلند مرتبہ و نیک سیرت بزرگ تھے۔آپ جہاں بھی رہے ہر دلعزیز رہے۔آپ اہل معرفت کے چراغ تھے۔آپ کو شریعت، طریقت و حقیقت کے بے انتہا اسرار و رموز پتہ تھے۔آپ کی تصانیف بہت ہیں اور نکات و اشارات بہت ہی لطیف ہیں۔آپ کو حقائق و دقائق پر مکمل دسترس حاصل تھی۔آپ کے کلام میں بے پناہ تاثیر تھی جس کی وجہ سے آپ کو "واعظ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔بعض دفعہ آپ کے کلمات بہت مشکل ہیں یا وہ بہت لطیف ہیں کہ کہیں کہیں وہ عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔خلفائے راشدین کے بعد پہلا شخص جس نے منبر پر چڑھ کر ہدایت دی وہ آپ ہیں۔آپ کے کشف و کرامات بے شمار ہیں۔آپ کا مسلک یہ تھا کہ آپ غنا کو فقر پر ترجیح دیتے تھے۔آپ نوعمری سے ہی معارف و حقائق سے اس طرح آشنا رہے کہ کبھی گناہ کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوئے اور آپ عبادت و ریاضت کی بنا پر ممتاز زمانہ رہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کے ہم عصروں میں سے کچھ کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔حضرت شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے زمانے کا اس فقرہ حقیقت سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد پہلا شخص جس نے منبر پر چڑھ کر ہدایت دی وہ آپ ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

حضرت شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دو یحییٰ پیدا فرمائے، ایک نبی تھے اور دوسرے ولی اللہ۔آپ نے طریق خوف کو اس قدر اپنایا کہ تمام اہل اللہ خوفِ خدا میں ڈوب گئے اور طریق رجا کو، طریق اُمید کو اس قدر اختیار کیا

کہ رجا کے تمام دعویداروں سے سبقت لے گئے۔کسی نے حضرت شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حال تو ہمیں معلوم ہے،ہمیں بتایئے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا حال کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی جاہلیت میں نہیں رہے اوران سے کوئی گناہِ کبیرہ سرزد نہ ہوا۔اوراُن کے معاملات اس قدر پکے تھے جس کی مثال نہیں ملتی۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ یا حضرت! آپ کا مقام تو مقامِ رجا(اُمید) ہے لیکن آپ کا معاملہ مقامِ خوف ظاہر کرتا ہے۔اس کے کیا معنی ہیں؟فرمایا بیٹے یادرکھو کہ بندہ کے لئے عبودیت شرط ایمان ہے اور خوف ورجا ایمان کے دوستون ہیں۔اس لئے جب تک آدمی خوف ورجا پر عمل کرتا ہے اس کے لئے گمراہ ہونا محال ہے۔خائف محرومی، کے خوف سے عبادت کرتا ہے اور رجاوالا اُمیدِ وصل پر عبادت کرتا ہے۔اس لئے خوف اور رجا دونوں کی غرض وغایت عبادت ہے۔اور جب عبادت نصیب ہوگئی تو خوف بھی عبادت بن جاتا ہے اور رجا بھی۔اور عبادت کے مقابلہ میں عبارت(زبانی جمع خرچ) کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

خلفائے راشدین کے بعد آپ ہی کو برسرِ منبر وعظ گوئی کی اولیت حاصل ہوئی ہے۔آپ کے ایک بھائی بحیثیت مجاورِ مکہ معظّمہ میں بھی مقیم تھے اورانہوں نے وہاں سے آپ کو تحریر کیا کہ مجھے تین چیزوں کی تمنا تھی۔اول یہ کہ کسی متبرک مقام پر سکونت کا موقع مل جائے۔دوم یہ کہ میری خدمت کے لئے ایک خادم بھی ہو۔لہٰذا یہ دونوں خواہشیں پوری ہوگئیں۔اب تیسری خواہش صرف یہ ہے کہ مرنے سے قبل ایک مرتبہ آپ سے ملاقات ہوجائے۔خدا سے دعا کیجئے کہ یہ تمنا بھی پوری کردے۔

آپ نے جواب میں لکھا کہ انسان کو تو بذات خود متبرک ہونا چاہیے تا کہ اس کی برکت سے قیام بھی متبرک ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ آپ کو تو خادم بننا چاہیے تھا نہ کہ مخدوم۔سوم یہ کہ اگر آپ خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تو میں آپ کو ہرگز یاد نہ آتا۔ لہٰذا یادِالٰہی میں بہن بھائی بیوی بچے سب کو فراموش کردینا چاہیے کیونکہ وصال خداوندی کے بعد بندہ خودبخود سب کو بھول جاتا ہے اوراگر آپ خدا ہی کو نہ پاسکے تو پھر مجھ سے ملاقات بھی بے سود ہے۔

آپ نے کسی دوست کو تحریر کیا کہ دُنیا وآخرت کی مثال خواب وبیداری جیسی ہے اگر انسان خواب میں روتا ہے تو بیداری میں ہنستا ہے۔لہٰذا تم خوفِ الٰہی میں رونے کو اپنا مسلک بنالوتا کہ قیامت میں ہنسنے کا موقع مل سکے۔منقول ہے کہ آپ اپنے بھائی کے ہمراہ ایک دیہات میں پہنچے تو بھائی نے کہا کہ یہ جگہ بہت ہی اچھی ہے۔آپ نے فرمایا کہ اس سے اچھا وہ قلب ہے جو یادِالٰہی میں مشغول رہ کراس دیہات کی خوبصورتی پر نظر نہ ڈالے۔یعنی کہ سب خوبصورتی ،بھلائی اللہ کی یاد میں ہی ہے۔

فرمایا کہ روزِ محشر جب اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا کہ تیری کیا تمنا ہے تو عرض کروں گا کہ وہ مجھے جہنم میں بھیج کر دوسروں کے لئے جہنم سرد کردے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول ہے کہ"مومن کا نورآگ کے شعلوں کو سرد کردیتا ہے۔"شاہد ہے۔فرمایا کہ اگر جہنم میری ملکیت میں دے دی جائے تو میں کسی عاشق کو بھی اس میں نہ جلنے دوں کیونکہ عاشق تو روزانہ خود کو سو مرتبہ جلاتا ہے۔لوگوں نے پوچھا کہ اگر کسی عاشق کے گناہ کثرت سے ہوں پھر کیا کریں گے؟فرمایا کہ جب بھی نہیں جلنے دوں گا کیونکہ اس کے گناہ اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہوتے ہیں۔

فرمایا کہ سب سے زیادہ خسارے میں وہ ہے جو افعالِ بد میں زندگی گزارتا ہے۔فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے احتراز کرو۔اول غافل علماء سے۔دوم کاہل قاریوں سے۔سوم جاہل صوفیوں سے۔فرمایا کہ اولیاء کرام کو تین باتوں سے پہچانو۔اول وہ خالق پر بھروسہ رکھتے ہوں۔دوم مخلوق سے بے نیاز ہوں۔سوم خدا کو یاد کرتے ہوں۔

فرمایا کہ جو غم خدا سے دور کردے اس سے وہ گناہ بہتر ہے جو خدا کا محتاج بنادے۔فرمایا کہ خدا دوست (ولی اللہ) ریا و نفاق سے دور رہتا ہے اور مخلوق سے بھی اس کی دوستی بہت کم ہوتی ہے۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ بندے کا دوست اور کوئی نہیں۔فرمایا کہ مسلمان پر مسلمان کے تین حقوق ہیں۔اول یہ کہ اگر کسی کو نفع نہ پہنچا سکے تو ضرر بھی نہ پہنچائے۔دوم یہ کہ اگر کسی کو اچھا نہ کہے تو برا بھی نہ کہے۔سوم یہ کہ اگر کسی کو خوش نہ کرسکے تو غمزدہ بھی نہ کرے۔

فرمایا کہ احمق ہیں وہ لوگ جو افعال جہنم کے بعد جنت طلب کرتے ہیں۔فرمایا کہ توبہ کے بعد ایک گناہ بھی ان ستر گناہوں سے بدتر ہے جن کے بعد توبہ کی گئی ہو۔پھر فرمایا مومن بیم و رجا کے مابین رہ کر گناہ کرتا ہے۔فرمایا کہ حیرت ہے ان لوگوں پر جو بیماری کے خوف سے کھانے کو ترک کردیتے ہیں لیکن خوف آخرت سے معصیت نہیں چھوڑتے۔پھر فرمایا کہ تین قسم کے لوگ دانشمند ہوتے ہیں۔اول تارک الدنیا۔دوم طالب عقبیٰ۔سوم خدا کے عاشق۔

فرمایا کہ توکل اور زہد پر طعنہ زنی کرنا ایمان پر طعنہ زنی کرنا ہے۔فرمایا کہ فاقہ کشی مریدوں کے لئے ریاضت، توبہ کرنے والوں کے لئے تجربہ، زاہدوں کے لئے سیاحت اور عارفین کے لئے مغفرت ہے۔فرمایا کہ اہل تقویٰ عمل کی جانب، ابدالین آیات کی جانب، طالبین حق احسان کی جانب اور عارفین ذکر کی جانب راغب کراتے ہیں۔

فرمایا کہ خدا سے خوش رہنے والے سے ہر شے خوش رہتی ہے اور جس کی آنکھیں جمالِ خداوندی سے منور ہو جاتی ہیں اس کے نور سے تمام دنیا کی آنکھیں منور رہتی ہیں۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ روز محشر عارفین کو اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے گا۔فرمایا کہ جس قدر بندہ خدا کو محبوب رکھتا ہے اسی قدر وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے۔اور جتنا خدا سے خائف رہتا ہے اتنا ہی مخلوق بھی اس سے خوفزدہ رہتی ہے۔اور جس قدر رجوع الی اللہ ہوتا ہے اسی قدر مخلوق بھی اس کی جانب رجوع کرتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ دنیا مشغولیت کی جگہ ہے اور آخرت خوف و خطر کا مقام ہے لہٰذا دونوں جہانوں میں انسان کو اشغال اور خطرات کے سوا چارہ نہیں، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جائے یا دوزخ میں۔خوش قسمت ہے وہ آدمی جو اشغالِ دُنیا اور خطرات عقبیٰ سے پیچھا چھڑا کر حق تعالیٰ سے پیوست ہو جائے۔

فرمایا کہ نزول بلیات کے وقت صبر کی حقیقت اور مکاشفہ کے وقت حقیقت رضا ظاہر ہوتی ہے۔فرمایا کہ صدق دلی سے قلیل عبادت بھی اس ستر سال کی عبادت سے بدرجہا بہتر ہے جو بے دلی کے ساتھ کی گئی ہو۔فرمایا کہ طالب کی اعلیٰ منزل خوف اور واصل کی حیا یا رجاء ہے۔

فرمایا کہ تین خواہشات سے کنارہ کشی شوق الٰہی ہے۔زہد میں ز ہ د تین حروف ہیں۔ز سے مراد زینت کو ترک کردینا

ہے۔ **ہ** سے مرادھوا (ھوائے نفس)۔یعنی خواہشات کو خیر باد کہہ دینا اور **د** سے مراد دُنیا کو چھوڑ دینا ہے۔فرمایا کہ زاہد وہ ہے جو طلب دنیا سے زیادہ ترک دُنیا کی خواہش رکھتا ہو۔فرمایا کہ اطاعت خدا کا خزانہ ہے اور دعا اس کی کنجی ہے۔فرمایا کہ توحید نور ہے اور شرک نار اور توحید کا نور گناہوں کو اور شرک کی نار نیکیوں کو جلا دیتے ہیں۔فرمایا کہ ذکر الٰہی گناہوں کو محو کر دیتا ہے اور اس کی رضا آرزوؤں کو فنا کر دیتی ہے اور بندہ اس کی محبت میں سرگرداں رہتا ہے۔فرمایا کہ اگر تم اللہ سے راضی ہو تو وہ بھی تم سے راضی ہے۔

فرمایا کہ خدا پر اعتماد کر کے مخلوق سے بے نیاز ہونے کا نام درویشی ہے اور قیامت میں صرف درویشی ہی کی قدر ہو گی اور تونگری کی ناقدری۔فرمایا کہ جفائے محبوب پر صبر اور وفا پر شکر کا نام محبت ہے۔کسی نے کہا کہ بعض لوگ آپ کی غیبت کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر میرے اندر عیوب ہیں تو میں واقعی اس کا سزاوار ہوں اور اگر اچھائیاں ہیں تو غیبت سے مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔سوال کیا گیا کہ آپ اپنے مواعظ میں ہمیشہ خوف و رجاہی کا ذکر کیوں نہیں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ قوی اور بندہ کمزور اس لئے بندے کو اس سے خوف و امید ہی رکھنا مناسب ہے۔

آپ خالق و مالک کائنات، رب العالمین سے یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔اور آپ اپنی مناجات اس طرح شروع کرتے کہ اے اللہ! گو میں بہت ہی معصیت کار ہوں پھر بھی تجھ سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں کہ میں سرتاپا معصیت اور تو مجسم عفو ہے۔اے اللہ! تو نے فرعون کو خدائی کے دعویٰ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو نرمی کا حکم دیا ہے۔لہٰذا جب تو **انا ربکم الاعلی** کہنے والے پر کرم فرما سکتا ہے تو جو بندے **سبحان ربی الاعلی** کہتے ہیں ان پر تیرے لطف و کرم کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔اے اللہ! میری ملکیت میں ایک کمبل کے سوا کچھ نہیں لیکن اگر یہ بھی کوئی طلب کرے تو میں دینے پر تیار ہوں۔اے اللہ! تیرا ارشاد ہے کہ نیکی کرنے والوں کو نیکی کی وجہ سے بہتر صلہ دیا جاتا ہے۔اور میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں جس سے افضل دنیا میں کوئی نیکی نہیں ہے۔لہٰذا اس کے صلہ میں اپنے دیدار سے نواز دے۔

اے اللہ! جس طرح تو کسی سے مشابہ نہیں اسی طرح تیرے امور بھی دوسروں سے غیر مشابہ ہیں۔اور جب یہ دستور ہے کہ طالب اپنے مطلوب کو راحتیں پہنچاتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تو اپنے بندوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔اس لئے کہ تجھ سے زیادہ محبوب رکھنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔اے اللہ! میرا دنیاوی حصہ کفار کو دے دے اور اُخروی حصہ اہل ایمان کو عطا کر دے کیونکہ میرے لئے تو دنیا میں تیری یاد اور آخرت میں تیرا دیدار بہت کافی ہے۔اے اللہ! چونکہ تو گناہ بخشنے والا ہے اور میں گنہگار ہوں اسی لئے تجھ سے طالب مغفرت ہوں۔اے اللہ! تیری غفاری اور اپنی کمزوری کی بناء پر ارتکاب معصیت کرتا ہوں۔اس لئے اپنی غفاری یا میری کمزوری کے پیش نظر مجھے بخش دے۔اے اللہ! روز محشر جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ دنیا سے کیا لایا تو میرے پاس اس کا کوئی بھی جواب نہ ہو گا۔

آپ شہر رَے (موجودہ تہران) کے رہنے والے تھے۔وہاں آپ ایک لاکھ کے محض اس لئے مقروض ہو گئے کہ نمازیوں، حاجیوں، فقراء، صوفیاء اور علماء کو قرض لے لے کر دے دیا کرتے تھے۔جب قرضہ دینے والوں نے تقاضا شروع کیا تو

آپ نے جمعہ کی شب میں پیغمبر اول و آخر واعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ اے یحییٰ! رنجیدہ نہ ہو کیونکہ تیرا غم مجھ کو غمگین کر دیتا ہے۔ اب تیرے لئے یہ حکم ہے کہ ہر شہر میں جا کر وعظ کہہ اور میں ایک شخص کو حکم دوں گا کہ تجھے تین لاکھ درہم دے دے۔

چنانچہ سب سے پہلے نیشا پور پہنچ کر آپ نے وعظ میں فرمایا کہ اے لوگو! میں خدا جل جلالہ کے نبی ﷺ کے حکم پر شہر در شہر وعظ گوئی کے لئے نکلا ہوں کیونکہ میں ایک لاکھ درہم کا مقروض ہو چکا ہوں اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تیرا قرض ادا کر دے گا۔ یہ سن کر ایک شخص پچاس ہزار درہم اور دوسرے نے چالیس ہزار درہم اور تیسرے نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ مختلف لوگوں سے لے کر مجھے قرض کی ادائیگی منظور نہیں کیونکہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ صرف ایک شخص قرض ادا کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے ایسے متاثر انداز میں وعظ فرمایا کہ اسی مجلس میں سات افراد کا انتقال ہو گیا۔

پھر وہاں سے بلخ پہنچے تو تونگری کے فضائل کچھ اس انداز میں بیان فرمائے کہ ایک شخص نے ایک لاکھ درہم کا نذرانہ پیش کر دیا لیکن ایک بزرگ نے فرمایا کہ درویشی کے مقابلہ میں تونگری کی فضیلت بیان کرنا آپ کی شان کے منافی ہے۔ چنانچہ بلخ سے روانگی کے بعد راستہ میں ڈاکوؤں نے آپ کی ساری رقم لوٹ لی اس وقت آپ کو خیال آیا کہ یہ حادثہ انہیں بزرگ کے قول کی وجہ سے پیش آیا ہے۔

پھر جب آخر میں آپ ملک ہری (یا ریاست ہری) میں پہنچے تو اپنا خواب بیان کیا۔ چنانچہ دوران وعظ حاکم ہری کی لڑکی نے بیان کیا کہ اسی دن مجھے بھی حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے آپ کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا تھا اور جب میں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو خود وہاں جا کر ان کا قرض ادا کر دوں تو حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ خود یہاں آئے گا۔ لہذا میری آپ سے اتنی استدعا ہے کہ صرف چار یوم تک یہاں وعظ فرما دیں۔ چنانچہ آپ کے مواعظ کا ایسا اثر ہوا کہ چار یوم کے اندر 145، افراد آپ کی مجلس وعظ میں انتقال کر گئے اور جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو امیر کی لڑکی نے ساٹھ اونٹ دینار و درہم سے بھر کر آپ کے ہمراہ کئے۔ جب آپ وطن پہنچے تو صاحبزادے کو ہدایت کی تمام قرض کی ادائیگی کے بعد جو رقم بچ جائے اس کو فقراء میں تقسیم کر دو، کیونکہ میرے لئے خدا کی ذات بہت کافی ہے۔ اس کے بعد آپ کسی وجہ سے (غالباً وعظ و تبلیغ دین متین کے لئے) نیشا پور تشریف لے گئے۔ نیشا پور میں ہی آپ کا وصال ہو گیا اور آپ کے جسد خاکی کو وہیں قبرستانِ معمر میں دفن کیا گیا۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ابو حفص حدادؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عمر ہے۔آپ کے والد محترم کا نام سالم تھا۔آپ نیشا پور کے رہنے والے تھے اور حداد یعنی لوہار کا کام کرتے تھے۔آپ کی کنیت ابوحفص ہے۔آپ کا پورا نام ابوحفص عمر بن سالم نیشا پوری حدادی ہے۔

شیخ المشائخ خراسان و نادرہ زمین و زمان حضرت شیخ ابوحفص عمر بن سالم نیشا پوری حدادی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے اور تمام مشائخ آپ کے مداح ہیں۔آپ کا شمار اقطاب عالم میں ہوتا ہے۔آپ کو کسی واسطے کے بغیر کشف اور مرتبے حاصل ہوئے۔آپ اہل فارس سے ہیں اور آپ کی زبان بھی فارسی تھی ایک وقت تک آپ عربی زبان میں گفتگو نہیں فرما سکتے تھے۔آپ شریعت،طریقت،حقیقت کے بحرِ بے کنار کے ماہر پیراک تھے۔آپ کے اقوال بہت لطیف اور احوال بہت قوی تھے۔روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ہاں یہ وثوق کے ساتھ معلوم ہے کہ آپ بیورد تشریف لے گئے اور حضرت ابوعبداللہ بیوردی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ارادت مند تھے،مرید تھے اور حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی دوستی تھی،اور وہ آپ سے ملنے بغداد شریف بھی تشریف لاتے تھے۔آپ کے ہم عصروں میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔حضرت جنید بغدادی،حضرت ابوتراب نخشبی،حضرت ابوبکر شبلی،حضرت عبداللہ سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حالات،مناقب،ارشادات:

قارئین کرام! درج ذیل میں بھی شانِ رب العالمین دیکھئے کہ جب وہ دیتا ہے تو کیسے چھپت پھاڑ کر دیتا ہے اور اپنے بندوں کو اقطاب عالم کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ عہد شباب میں آپ ایک کنیز پر عاشق ہو گئے۔لوگوں نے آپ سے کہا کہ نیشا پور میں ایک یہودی جادوگر رہتا ہے جو جادو کے زور سے آپ کی محبوبہ کو آپ کے قدموں میں ڈال سکتا ہے۔آپ وہاں پہنچ گئے اور اپنے حال وطلب یا مقصد سے اُس یہودی جادوگر کو آگاہ کر دیا۔یہودی نے بات سن کر کہا کہ آپ

کو چالیس روز نماز ترک کرنا ہوگی اور ذکر حق اور نیک اعمال سب کو چھوڑنا ہوگا۔اس کے بعد میں آپ کے لئے عمل کروں گا (جادو کا عمل) اور آپ کی مراد پوری ہوجائے گی۔

چنانچہ چالیس روز تک آپ نے یہودی کے کہنے پر عمل کیا اور پھر یہودی جادوگر نے بھی پوری محنت وزور سے جادو کیا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔یہودی نے تھک ہار کر آپ سے کہا کہ آپ نے ضرور کوئی نیکی کا کام کیا ہے اچھی طرح یاد کریں اور مجھے بتائیں آپ نے اسے بتایا کہ میں نے تو کوئی نیکی کا کام نہیں کیا البتہ ایک دفعہ راستے میں ایک پتھر کو پڑے دیکھا تو اسے میں نے پاؤں سے ایک طرف کردیا تھا تاکہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔

یہ سن کر یہودی نے کہا آپ جائیں اور اُس رحیم وکریم اللہ تبارک وتعالیٰ کو رنجیدہ نہ کریں جس نے آپ کی ذرا سی نیکی بھی ضائع نہیں حالانکہ آپ نے متواتر چالیس روز تک اس کی نافرمانی کی ہے۔اس پر آپ نے سچی توبہ کی اور وہ یہودی بھی مسلمان ہوگیا۔اس کے بعد آپ بیورد تشریف لے گئے اور حضرت ابوعبداللہ بیوردی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرلی۔

آپ لوہار کا کام کرتے تھے۔ایک دن دوکان پر اپنا کام کررہے تھے کہ بازار میں ایک نابینا قرآن حکیم کی تلاوت کررہا تھا۔تلاوت قرآن پاک کا آپ پر اس قدر غلبہ ہوا کہ اس میں محو ہوگئے۔حسب معمول آپ نے گرم لوہا نکالنے کے لئے چمٹے کے بغیر بھٹی میں ہاتھ ڈال دیا اور سرخ لوہے کا ٹکڑا نکال لیا اسے ہاتھ پر رکھ لیا اور عالم بے خودی میں ہی شاگرد کو فرمایا کہ اس ٹکڑے پر اب ہتھوڑا لگاؤ۔شاگرد یہ دیکھ کر ہی بے ہوش ہوگیا اور گر پڑا۔اس واقعہ کے بعد ہی آپ نے آہن گری (لوہار) کا کام چھوڑ دیا اور پردہ پوشی کے لئے وہ دوکان بھی اور علاقہ بھی چھوڑ دیا۔

آپ ایک دینار روزانہ کما کر رات کو فقراء میں تقسیم کردیتے اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں چپکے سے پھینک دیتے تھے تاکہ کسی کو علم نہ ہوسکے اور خود عشاء کے وقت بھیک مانگ کر یا گرا پڑا ساگ پات (یعنی کوڑے میں پھینکی ہوئی سبزی) لاکر پکالیا کرتے تھے اور برسوں اسی طرح زندگی گزارتے رہے۔

منقول ہے کہ ایک محلّہ میں کوئی محدث حدیث بیان کیا کرتے تھے اور جب اہل محلّہ نے حدیث سننے کے لئے آپ کو چلنے کو کہا تو فرمایا کہ تیس برس قبل ایک حدیث سنی تھی اور آج تک اس پر مکمل عمل نہ کرسکا۔پھر مزید حدیث سن کر کیا کروں گا؟ اور جب لوگوں نے وہ حدیث پوچھی تو آپ نے سنا دی کہ "بہترین مرد وہی ہے جو ایسی چیزوں کو چھوڑ دے جن میں کوئی اسلامی مفاد مضمر نہ ہو۔

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ کے سامنے منقّیٰ کے دانے رکھے ہوئے تھے چنانچہ میں نے ان میں سے ایک اُٹھا کر کھالیا۔لیکن آپ نے میرا رخسار دباتے ہوئے پوچھا تم نے بلا اجازت منقّیٰ کیوں کھایا۔میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی فراخ دلی کا علم ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے آپ فقراء میں تقسیم کردیتے ہیں اس لئے میں نے منقّیٰ کھالیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ جب مجھے خود اپنے دل کا حال معلوم نہیں تو پھر تجھ کو کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ میں وعظ گوئی کا ارادہ رکھتا ہوں کیونکہ مجھے مخلوق سے اس قدر محبت ہے کہ میں اُن کے بدلے میں جہنم میں جانا پسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر لو پھر مخلوق کو نصیحت کرنا اور جب تمہارے وعظ میں عظیم اجتماع ہونے لگے تو غرور ہرگز نہ کرنا کیونکہ مخلوق ظاہر کو اور اللہ تبارک وتعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ جس وقت میں نے برسرمنبر وعظ کہنا شروع کیا تو آپ بھی چھپ کر ایک کونے میں بیٹھ گئے اور وعظ کے اختتام پر جب ایک شخص نے لباس کا سوال کیا تو میں نے اپنا لباس اُتار کر دے دیا۔ اس وقت آپ نے سامنے آ کر فرمایا کہ اے جھوٹے! منبر پر سے اُتر جا کیونکہ تو تو مخلوق کی محبت کا دعویدار ہے اور سائل کے سوال پر سب سے پہلے تو نے اپنا لباس اُتار کر دے دیا حالانکہ محبت کا تقاضا یہ تھا کہ دوسروں کو سبقت کا موقع دیتا تا کہ وہ تجھ سے ثواب حاصل کر سکتے۔

آپ سر بازار ایک یہودی کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے اور ہوش میں آنے کے بعد جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے ایک شخص کو عدل کے لباس میں خود کو فضل کے لباس میں دیکھ کر یہ خدشہ ہو گیا کہ کہیں اس کا لباس مجھ کو اور میرا لباس اس کو نہ عطا کر دیا جائے۔ جب سفر حج کے دوران بغداد پہنچے تو مسجد شونیزیہ میں ایسی فصاحت کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کی کہ اہل زبان بھی دنگ رہ گئے۔ حالانکہ آپ فارس کے باشندے تھے اور عربی زبان سے قطعاً ناواقف تھے اور اس مجلس میں حضرت جنید بغدادی اور دیگر علماء و صلحاء رحمۃ اللہ علیہم بھی موجود تھے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آپ چار ماہ مہمان رہے اور ہر یوم مختلف طریقوں سے آپ کی ضیافت کا اہتمام کیا جاتا تھا لیکن رخصت ہوتے وقت آپ نے ان سے کہا کہ جب آپ کبھی نیشا پور آئیں گے اس وقت میں آپ کو آداب میزبانی سے آگاہ کروں گا کیونکہ مہمان کے لئے تکلف بہتر نہیں بلکہ ایسا سلوک کرنا چاہیے کہ مہمان کی آمد سے غم اور جانے سے مسرت نہ ہو۔ چنانچہ جس وقت حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نیشا پور پہنچے تو اکتالیس افراد آپ کے ساتھ تھے۔ اس دن حضرت ابوحفص حدادؒ نے اپنی یہاں چالیس اکتالیس شمعیں جلائیں اور جب حضرت شبلیؒ نے کہا کہ یہ تکلف بے جا کیوں کر رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک یہ تکلفات میں داخل ہے تو تمام شمعوں کو بجھا دو۔ چنانچہ سعی بسیار کے باوجود ایک کے علاوہ کوئی شمع بھی نہ بجھ سکی اس وقت آپ نے فرمایا کہ چونکہ مہمان خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے اس لیے میں نے خدا کی رضا کے لیے ہر مہمان کے نام پر ایک شمع روشن کی اور ایک شمع اپنے نام پر جلائی۔ چنانچہ میرے نام کی شمع اس لئے بجھ گئی کہ وہ خدا کی رضا کے لئے نہیں تھی باقی چالیس شمعیں جو اس کے نام پر روشن کی گئی تھیں وہ نہیں بجھ سکیں۔ اور بغداد میں جو کچھ تکلفات تم نے کئے وہ صرف میرے لئے تھے اس لیے اس کو تکلف کا نام دیا جائے گا اور میں نے جو کچھ کیا وہ صرف رضائے الٰہی کے لئے کیا اس لئے اس کو تکلف نہیں کہا جا سکتا۔

ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ہمراہ جنگل میں جا کر ذکر الٰہی میں مستغرق ہو گئے تو وہاں ایک ہرن آ کر آپ کی آغوش میں لوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ رونے لگے اور وہ ہرن بھاگ گیا۔ پھر جب ساتھیوں نے ہرن کے آغوش میں لوٹنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ مجھے یہ خیال آ گیا تھا کہ اگر اس وقت کہیں سے بکری مل جاتی تو میں ساتھیوں کی دعوت کرتا۔ لہذا بکری کی بجائے وہ ہرن میری

آغوش میں آ گیا پھر لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ہرن کی آمد مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے دور کرنے کے لئے تھی کیونکہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ فرعون کی بھلائی چاہتا تو خود اس کی خواہش پر دریائے نیل جاری نہ کرتا۔

بغداد سے سفر کرنے کے دوران جب آپ کو ایک جنگل میں پانی کہیں دستیاب نہ ہو سکا تو آپ ایک شہر کے کنارے خاموش بیٹھ گئے۔ دریں اثناء حضرت ابوتراب نخشبیؒ نے وہاں پہنچ کر پریشانی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آج سولہ یوم کے بعد پانی میسر آیا ہے اور اس علم و یقین میں مناظرہ ہو رہا ہے۔ اگر علم کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پانی پی لوں گا اور اگر یقین غالب آ گیا تو پانی پیئے بغیر آگے روانہ ہو جاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مراتب تو آپ ہی جیسے لوگوں کے ہو سکتے ہیں۔

مکہ معظّمہ میں فقراء کو زبوں حالی میں دیکھ کر آپ کو ان کی اعانت کا خیال آیا لیکن پاس ایک کوڑی نہیں تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک پتھر اُٹھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر آج تو نے مجھے کچھ عنایت نہ کیا تو کعبہ کی تمام قندیلیں اس پتھر سے توڑ دوں گا۔ اسی وقت کسی نے روپوں سے بھری ہوئی تھیلی پیش کی اور تمام رقم آپ نے فقراء میں تقسیم کر دی۔ فراغت حج کے بعد آپ جب بغداد پہنچے تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ حضرت ہمارے لئے کیا نصیحت ہے؟ فرمایا کہ نصیحت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارا قصوروار ہو تو اس کو اپنا ہی قصور تصور کرو اور اگر نفس اس پر مطمئن نہ ہو تو اس کو متنبہ کر دو کہ اگر تو اپنے بھائی کا قصور معاف نہ کرے گا تو میں تجھے چھوڑ دوں گا اور بالجبر نفس سے اس کے قصور کو معاف کراؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ مراتب تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ہی کو عطا کئے ہیں۔

آپ کے روحانی جلال کی وجہ سے کوئی شخص، مرید، ارادت مند بات نہیں کر سکتا تھا اور اس وقت تک مؤدبانہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے جب تک آپ بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ تو مریدین کو آداب شاہی سے روشناس کراتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا تا کہ سرنامہ دیکھ کر ہی خط کا مضمون ظاہر ہو جائے۔

جب آپ نے مسجد شونیزیہ میں عربی زبان نہ جانتے ہوئے بھی بہت روانگی کے ساتھ فصیح عربی میں بغداد کے مشائخ کے سامنے بات کی تو سب حیران رہ گئے۔ اس دوران مشائخِ بغداد نے آپ سے سوال کیا کہ ''فتوت'' کیا ہے؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے فتوت کا مفہوم پوچھا تو فرمایا کہ اچھے کام کو نہ کسی پر ظاہر کرو اور نہ اپنی جانب اس کو منسوب کرو۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایک تو فتوت کا مفہوم یہ ہے کہ خود انصاف کر کے دوسرے سے انصاف کے طالب نہ بنو، یہ سن کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مجلس سے فرمایا کہ آج سے اسی پر عمل کرو۔ آپ نے فرمایا کہ تم خود بھی اس پر عمل کرو۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی بڑائی (بڑاپن) اور بھلائی اسی کا نام ہے۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ زیربا اور حلوہ تیار کراؤ۔ (زیربا ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) چنانچہ جب دونوں اشیاء تیار ہو گئیں تو حکم دیا کہ یہ کھانا ایک مزدور کے سر پر رکھ کر اسے ہدایت کر دو کہ جب تک تھک نہ جائے چلتا رہے اور جب آگے چلنے کی ہمت نہ رہے تو قریبی مکان کے دروازے پر آواز دے کر وہاں یہ دونوں چیزیں دے آئے، چنانچہ آپ کی

ہدایت پرعمل کرتے ہوئے ایک مرید کومزدور کے ہمراہ کردیا اور جب مزدور قطعی تھک گیا تو ایک دروازے پر دستک دی اندر سے آواز آئی کہ اگر زیربا اور حلوہ دونوں چیزیں ہوں تو میں باہر آؤں اور پھر اندر سے ایک ضعیف آدمی باہر آئے اور دونوں چیزیں لے لیں اور جو مرید مزدور کے ہمراہ تھے اس نے حیرت زدہ ہوکران بزرگ سے واقعہ کی نوعیت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ کافی دنوں سے میرے بچے ان دونوں کھانوں کی فرمائش کررہے تھے لیکن میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس لئے طلب نہیں کیا کہ وہ خود ہی بھیج دے گا۔

حضرت ابوعلی ثقفیؒ سے روایت ہے کہ آپ کا یہ قول تھا کہ اتباع سنت نہ کرنے والا اور خود کو برا تصور نہ کرنے والا مرد نہیں ہوتا۔ کسی نے سوال کیا کہ ولی کا خاموش رہنا بہتر ہے یا گفتگو کرنا؟ فرمایا کہ گفتگو کرنا باعث تباہی ہے اور خاموشی کے لئے عمر نوح درکار ہے۔ فرمایا کہ درویش وہ ہے جو کثرت عبادت کے باوجود بھی عجز کا اظہار کرتا رہے۔ فرمایا کہ بہترین ہیں وہ لوگ جو لوگوں پر نوازش کرتے رہیں اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم کے طلبگار رہیں اور اتباع سنت کے بعد حلال رزق کی جستجو کریں۔ فرمایا کہ وہ ایک لمحہ بہت بہتر ہے جو خدا تک پہنچادے۔ فرمایا کہ وہ شخص اندھا ہے جو صنعت کو دیکھ کر مصنوع کو پہچانتا ہے اور مصنوع سے صنعت کو نہیں پہچانتا ہے۔ فرمایا کہ خدا کا ڈر پکڑنے والوں پر تمام در کھل جاتے ہیں اور پیغمبر اول وآخر و اعظم، رہبر کائنات، سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع سے تمام سردار فرمانبردار ہوجاتے ہیں۔

حضرت محمشؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے 22 سال آپ کے ہمراہ رہ کر یہ اندازہ کیا کہ آپ کبھی غفلت و مسرت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد نہیں کرتے بلکہ نہایت احترام و عظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور خوف الٰہی سے آپ کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے نزع کی کیفیت طاری ہو۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ خدا کی جانب کس طرح متوجہ ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ جس طرح محتاج دولت مند کی جانب رجوع کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ سلمیؒ نے لوگوں سے ہدایت کی تھی کہ بوقتِ وصال میرا سر حضرت ابوحفص حدادؒ کے قدموں میں رکھ دینا۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت حمدون قصارؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی حمدون ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا نام احمد بن عمارۃ القصار تھا اور آپ کی کنیت ابو صالح ہے۔یوں آپ کا پورا اسم گرامی ابو صالح حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہے۔

آپ کا شمار رہنمائے مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ زہد وتقویٰ میں مانے ہوئے تھے اور تمام علومِ ظاہری وباطنی بہت معیاری مہارت رکھتے تھے۔آپ بہت بڑے فقیہہ اور محدث ہوئے ہیں۔آپ باکمال اہل طریقت میں سے تھے۔آپ حضرت ابوتراب نخشبیؒ کے مرید تھے اور ان کی وجہ سے حضرت علی نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک تھے۔آپ کے مریدوں میں بڑے بڑے اولیا ءاللہ ہوئے ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی شامل ہیں۔مجاہدات کے بارے میں آپ کے رموز لطیف اور کلمات دقیق ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ حضرت ابوتراب نخشبیؒ کے مرید تھے اور حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دونوں آپ کے مرید تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

جب علم میں آپ کا درجہ بلند ہوا تو نیشاپور کے اکابرین نے آ کر آپ سے درخواست کی کہ منبر پر آ کر ہدایت خلق کریں۔آپ نے فرمایا کہ میرا وعظ مخلوق کے لئے اس وجہ سے مفید نہیں ہوسکتا کہ میں دنیا سے محبت رکھتا ہوں اور وعظ کوئی کا حق صرف اسی کو ہے جس کے وعظ میں اتنا اثر ہو کہ لوگ اس سے ہدایت پاسکیں۔اور وعظ اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کے بیان میں تسلسل ہو اور امدادِ غیبی اس کے شامل حال رہے۔لوگوں نے سوال کیا کہ گزشتہ اسلاف کا اندازِ بیان مؤثر کیوں ہوتا تھا؟ فرمایا کہ وہ اسلام کی برتری اور نفس سے نجات پانے کی بات کہا کرتے تھے۔اور ہم لوگ عزتِ نفس، طلبِ دُنیا اور مقبولیت فی خلق کے لئے بات کرتے ہیں۔پس جو شخص حق کی خاطر بات کرتا ہے وہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے اور اس سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔فرمایا کہ مخلوق کی چاہت سے خالق کی چاہت بہت بہتر ہے اور چھپانے والی بات کو کسی پر ظاہر نہ کرو اور ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھو،

جاہل کی صحبت سے کنارہ کش رہ کر عالم کی صحبت اختیار کرو۔

نیشا پور میں آپ کی ایک نوجوان صالح سے ملاقات ہوئی تو آپ نے سوال کیا کہ شجاعت و جوانمردی کا کیا تقاضا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میری شجاعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ صوفیاء کا لباس پہن کر ان کے مسلک پر گامزن ہو جاؤں اور آپ کی شجاعت یہ ہے کہ صوفیاء کا لبادہ اُتار پھینکیں اور اس طرح ذکر الٰہی سے اپنے مراتب میں اضافہ کریں کہ دنیا آپ کے اوپر فریفتہ نہ ہو۔

فرمایا کہ زیادتی کی طلب باعثِ تکلیف، مصیبت وندامت ہوا کرتی ہے اور نفس کو اچھا سمجھنا اس لئے تکبر پیدا کر دیتا ہے کہ اتباع نفس بندے کو اندھا کر دیتی ہے۔ فرمایا کہ خود کو سب سے بدتر تصور کرتے ہوئے کبھی کسی بدمست و بدحال کی جانب کمتری کی نظر نہ ڈالو کہ کہیں تم خود بھی بدمستی کا شکار نہ ہو جاؤ اور ہمیشہ بیم ورجا کو اپنا مسلک بنائے رکھو۔ فرمایا کہ تواضع سے فقر حاصل ہوتا ہے اور تواضع کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اپنے سے زیادہ ذلیل تصور نہ کرے۔ فرمایا کہ زیادہ کھانا امراض کی جڑ اور دین کے لئے آفت ہے۔ فرمایا کہ خود کو اس لئے کمتر تصور کرو کہ دنیا تمہاری عزت کرے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ کی میرے لئے یہ نصیحت تھی کہ کبھی دنیا کے واسطے کسی پر ناراض وغضب ناک مت ہونا۔ کسی نے سوال کیا کہ بندے کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کی عبادت کو محبوب تصور کرے اور زہد کا مفہوم یہ ہے کہ عطا کردہ شے پر قانع رہ کر کبھی زیادہ کا طلب گار نہ ہو۔

توکل کی تعریف یہ ہے کہ مقروض ہونے کی صورت میں بجائے بندے کے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی ادائیگی کی امید رکھو۔ اور اپنے امور خدا کے سپرد کرنے سے قبل ضروری ہے کہ حیلہ و تدبیر بھی اختیار کی جائے۔ فرمایا کہ تین چیزیں ابلیس کے لئے وجہ خوشی وانبساط ہیں۔ اول کسی دین دار کا قتل۔ دوم کسی شخص کا حالت کفر پر مرنا۔ سوم درویشی سے فرار۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حالت مرض میں جب میں نے آپ سے عرض کیا کہ اپنے بچوں کو کوئی نصیحت فرما دیجئے۔ تو فرمایا کہ میں ان کی امارت سے زیادہ ان کی درویشی کے ضیاع سے خائف ہوں۔

دمِ وصال، دمِ مرگ بھی آپ کے عجز وانکساری اور کسر نفسی کا یہ حال تھا کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دمِ مرگ میں یہ وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد مجھ کو عورتوں میں دفن کرنا اور یہ کہہ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت منصور بن عمارؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی منصور ہے۔آپ کے والدگرامی کا نام عمار تھا۔آپ کی کنیت ابواسری ہے۔اس طرح آپ کا پورا نام ابواسری منصور بن عمار ہے۔آپ عراق کے باشندے تھے۔مشائخ عراق کے مسلک پر تھے اور خراسان میں بہت مقبول تھے۔

آپ بہت عالی مقام بزرگ تھے آپ کو شیخ باوقار اور مشرف خواطر واسرار بھی کہا گیا ہے یعنی کہ دلوں کی بات اور بھیدوں کا جاننے والا بھی کہا گیا ہے۔آپ اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے تھے۔پند ونصیحت کے موضوع پر آپ کا کلام بہترین کلام تھا اور آپ کا بیان لطیف ترین بیان تھا۔آپ علم کی تمام اصناف،صفات واقسام یعنی روایت،درایت،احکام ومعاملات وغیرہ میں ماہر فن کا درجہ رکھتے تھے۔آپ صاحب کشف بزرگ تھے۔بہت بڑے واعظ تھے اور جس مجلس میں وعظ فرماتے لوگوں پر وجد طاری ہو جاتا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں اور آپ کے ہم عصروں میں حضرت ابوالحسن شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔آپ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھے اور ہارون الرشید کا دور خلافت کا زمانہ 170 ہجری تا 193 ہجری کا ہے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان بھی بہت عجیب وغریب اور نرالی ہے۔وہ جب کسی پر بھی رحمتوں عنایتوں،کرم نوازیوں کی بارش کرنا چاہتا ہے،بلند مرتبہ عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے ایسا عمل کرنے کی توفیق فرماتا ہے کہ بصیرت،بصارت اور محبت کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔حضرت منصور عمار رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں ایک کاغذ کا ٹکڑا پڑا تھا۔اُٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا،بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔کوئی جگہ ایسی نہ ملی کہ جہاں رکھ دینے سے اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہو۔آپ نے وہ پرچی خود ہی کھا لی اسی رات خواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں فرمایا:اے منصور عمار! ہم نے تجھ پر دانائی اور حکمت کے دروازے کشادہ کردیئے۔کیونکہ تو نے ہمارے نام کی تعظیم کی۔

اس کے بعد آپ حصولِ علم،ریاضات وعبادات میں جُت گئے اور شب وروز حب رسول اللہ ﷺ اور حب وقرب اللہ

تبارک وتعالیٰ جل جلالہ میں گزرنے لگے۔شریعت، طریقت میں وہ منازل طے کئے کہ بہت جلد آپ کا شمار مشائخ کبار میں ہونے لگا آپ علوم اور فن کلام میں ماہر ہوگئے اور روحانی درجات بلند ہوتے گئے۔آپ عرصہ دراز تک وعظ وتبلیغ میں مشغول رہے۔

آپ اپنے دور کے عدیم المثال صاحب کشف اور بے نظیر واعظ ہوئے ہیں۔جس مجلس میں بھی وعظ فرماتے لوگوں پر وجد طاری ہوجاتا۔لوگ سننے میں اس قدر محو ہوجاتے کہ ایک دوسرے کا بھی ہوش نہ رہتا۔ایک دفعہ ایک دن کسی دولت مند نے اپنے غلام کو بازار سے کچھ خریدنے کے لئے بھیجا تو وہ غلام راستے میں آپ کا وعظ سننے لگا۔وہیں ایک نادار درویش بھی کھڑا تھا جس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو اس کو چار درہم دے کر مجھ سے چار دعائیں لے۔یہ سن کر اس غلام نے جو چار درہم کا سامان خریدنے آیا تھا اس درویش کو چاروں درہم عطا کردیئے۔اور جب آپ نے غلام سے پوچھا کہ اپنے حق میں کیا دعائیں چاہتا ہے۔اس نے عرض کیا کہ اول میں آزاد ہوجاؤں۔دوم اللہ تبارک وتعالیٰ میرے مالک کو توبہ کی توفیق دے۔سوم ان چار درہم کے معاوضہ میں مجھے چار درہم مزید مل جائیں۔چہارم اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ پر اور تمام حاضرین مجلس پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔ چنانچہ آپ نے اسی کے مطابق دعائیں فرمادیں۔اور وہ غلام جب اپنے آقا کے پاس پہنچا تو اس نے خفگی کے ساتھ تاخیر کا سبب دریافت کیا اور جب غلام نے پورا واقعہ بیان کردیا تو اس کو آزاد کرکے مزید چار سو درہم آقا نے اس کو اور عطا کئے اور خود تائب ہوگیا اور اسی شب خواب میں دیکھا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تیری بدخصلتی کے باوجود تجھ پر اور تیرے غلام پر نیز منصور عمار اور اہل مجلس پر رحمتوں کا نزول کردیا۔

ایک شب آپ گھوم پھر رہے تھے کہ کسی مکان سے اس قسم کی مناجات کی آواز آئی کہ اے اللہ! میں نے نافرمان بن کر گناہ نہیں کیا بلکہ ابلیس اور نفس کے فریب میں آکر گناہ کیا۔لہٰذا اپنی رحمت سے مجھے معاف فرمادے۔یہ سن کر آپ نے اضطراری کیفیت میں یہ آیت تلاوت کی کہ اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، پھر جب صبح کے وقت آپ اس مکان کے قریب سے گزر رہے تھے تو اندر سے رونے کی آواز آئی۔آپ نے جب وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ رات کو کسی شخص نے دروازے پر ایک آیت تلاوت کی جس کو سن کر ایک لڑکا خوف الٰہی سے جاں بحق ہوگیا۔یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس کا قاتل میں ہی ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے عارفین کے قلوب کو ذکر الٰہی کا مقام بنایا۔زاہدین کے قلوب کو توکل کا۔توکل کرنے والے قلوب کو رضا کا،فقراء کے قلوب کو قناعت کا اور اہل دنیا کے قلوب کو حرص کا مقام بنایا۔قارئین کرام! غور طلب بات یہ ہے کہ جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے باقی اعضاً کے تمام افعال میں یکسانیت رکھی ہے یعنی سب لوگ ہاتھ سے پکڑنے کا کام لیتے ہیں، پاؤں سے چلنے کا، آنکھوں سے دیکھنے کا، کانوں سے سننے کا، زبان سے بولنے کا لیکن ہر انسان کے قلب میں اللہ نے مختلف خواص، ارادے و خواہشات رکھی ہیں۔جہاں ایک قلب کو محلِ معرفت بنایا ہے دوسرے دل کو قلب کو محلِ ضلالت و گمراہی بنایا ہے۔ایک دل میں قناعت رکھی ہے تو دوسرے دل میں حرص رکھا۔غرض یہ کہ قلبِ انسانی کے سوا کسی اور اعضاً

میں قدرتِ خداوندی کے زیادہ کرشمے نظر نہیں آتے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے پوچھا کہ مخلوق میں سب سے زیادہ عالم کون ہے اور سب سے زیادہ جاہل کون ہے؟ فرمایا کہ سب سے زیادہ عالم تو وہ ہے جو فرمانبردار رہا اور خوف رکھنے والا ہو اور سب سے زیادہ جاہل وہ ہے جو نڈر اور گنہگار ہو۔

آپ نے فرمایا کہ متقین بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلا گروہ وہ جو ہر حاجت اللہ تبارک وتعالیٰ سے طلب کرتا ہے اور بلند مقام حاصل کرتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ جو طلب کرنے سے فارغ ہے یعنی کہ توکل پر قائم ہے اور جانتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزِ ازل سے جو کچھ روزی، رزق، اجل، حیات، سعادت، شقاوت وغیرہ لکھ دی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ پہلا گروہ فقیر کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا اغنا (استغنا) کے ساتھ۔ پہلا گروہ نعمت کی طلب میں مشغول ہے اور دوسرا نعمت دینے والے (منعم) میں مشغول ہے۔ پہلے گروہ والا فقیر ہے اور دوسرے گروہ والا بھی اگر چہ فقیر ہے، دراصل غنی ہے۔

فرمایا کہ قلب انسانی مجسم نور ہوتا ہے اور جب اس میں دنیا آباد ہو جاتی ہے تو نور سلب ہو جاتا ہے اور تاریکیاں مسلط ہو جاتی ہیں۔ فرمایا کہ اطاعتِ نفس انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اور مصیبتوں پر صابر نہ رہنے والے آخرت کی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ تارک الدنیا کو کسی قسم کا غم باقی نہیں رہتا اور سکوت اختیار کرنے والا معذرت خواہی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ جو جس مصیبت سے بچ سکتا ہو اور وہ نہ بچے تو وہ بہت بڑا معصیت کار ہے۔

آپ نے فرمایا کہ خدا خوفی کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جو اپنے نفس کے عارف ہیں۔ دوم وہ جن کو معرفت حق (اللہ تبارک وتعالیٰ) حاصل ہے۔ اپنے نفس کو جاننے والوں کی خصوصیات ہیں مجاہدہ و ریاضت اور عارفانِ حق کی خصوصیات ہیں عبادت، ریاست یعنی کہ بادشاہی۔ پہلی قسم کے لوگ اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ بلند مقام حاصل کریں اور دوسری قسم کے لوگ اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ ان کو بلند مقام حاصل ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلا گروہ اہل مجاہدہ ہے اور دوسرا اہل مشاہدہ۔

فرمایا کہ عارفین کا قلب ذکر الٰہی کا مرکز ہوتا ہے اور دنیا والوں کا قلب حرص وطمع کا مخزن۔ پھر عارف کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو خود بخود مجاہدات و ریاضت کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو صرف رضائے الٰہی کے لئے واصل الٰہی اللہ ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حکمت قلب عارفین میں لسانِ تصدیق سے، قلب زہاد (زاہدوں) میں لسانِ تفصیل سے، قلب مریدین میں لسانِ تفکر سے اور قلب علماء میں لسانِ ذکر سے بات کرتی ہے۔ اور افضل ترین وہ بندہ ہے جس کا پیشہ عبادت، جس کی خواہش و تمنا درویشی و گوشہ نشینی، جس کے سامنے آخرت و موت ہو، اور توبہ کا ہمہ وقت اس کو تصور رہے۔

انتقال کے بعد جب ابو الحسن شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں آپ سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ بخشش کے بعد مجھ سے فرمایا کہ جس نوعیت سے اہل دنیا کے سامنے تو ہماری حمد و ثنا کرتا تھا اسی طرح اب ملائکہ کے سامنے بھی حمد و ثناء کر۔

حضرت احمد بن عاصم انطا کیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی احمد ہے اور آپ کے والد گرامی کا نام عاصم انطا کی تھا۔آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔اور یوں آپ کا پورا اسم گرامی ابوعبداللہ احمد بن عاصم انطا کی ہے۔(آپ کے والد گرامی انطا کیہ کے رہنے والے تھے)

آپ کو اولیاء اللہ میں بہت اونچا مقام حاصل تھا۔آپ صوفیاؑ کرام کے سردار اور اہل رضا کے مقتداؑ تھے۔آپ کا شمار اپنے زمانے کے کبار مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ تمام علومِ ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔آپ نے بہت دراز عمر پائی تھی جس کی وجہ سے آپ نے مشائخ متقدمین کی صحبت پائی اور تبع تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ کی دانائی، ذہانت اور قیافہ شناسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمان دارائی جیسے عظیم المرتبت بزرگ آپ کو جاسوس القلب کے خطاب سے یاد کرتے تھے اس کے علاوہ آپ کے اقوال وارشادات بھی لاتعداد ہیں۔

جملہ اولیاء کرام نے آپ کی تعریف کی ہے۔آپ کے اقوال بہت بلند اور نکات بہت لطیف ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے اور آپ نے بہت طویل عمر پائی تھی۔آپ حضرت ابوعبداللہ حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔حضرت بشر حافی، اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ کے ہم عصر ہیں۔آپ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض حاصل کیا اور حضرت ابوسلیمان عبدالرحمٰن دارائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی تعریف فرمائی ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

مریدین کے لئے آپ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ ایک شب اچانک اُنتیس مریدین آگئے آپ نے دسترخوان بچھوا کر روٹی کی قلت کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب کے سامنے رکھ کر چراغ اُٹھالیا۔سب مریدوں نے اپنی بھوک کے مطابق سیر ہو کر کھایا اور جب کچھ دیر کے بعد آپ چراغ لائے تو تمام ٹکڑے اسی طرح ہر شخص کے سامنے موجود تھے۔

فرماتے ہیں کہ **انفع الفقر ما کنت به متجملا وبه راضیاً** ۔''سب سے زیادہ فائدہ مند فقر وہ ہے کہ جس سے

تیرا حسن ظاہر ہوا ور تو اس سے خوش رہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ساری خلقت کا جمال اور خوشی مال و دولت میں ہے۔فقیر کا جمال،نعمت کی بجائے منعم حقیقی کے ساتھ رجوع اور اس کے احکام پر رضا میں ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فقر مال و دولت کے عدم کا نام ہے اور غناء مال و دولت کے وجود کا نام ہے۔فقر بلا مال حق تعالیٰ سے تعلق کا نام ہے اور غناء با مال و دولت تعلق بانفس خود سے ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ مال و دولت حجاب ہے۔اور ترکِ مال (فقر) مشاہدہ ہے۔اور دونوں جہانوں کا جمال (کامرانی) کشف (مشاہدہ) اور رضا میں ہے اور دونوں جہانوں کی بدنصیبی اور محرومی اللہ تبارک وتعالیٰ سے محجوب ہونا ہے۔

کسی نے آپ سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ کو اللہ کا اشتیاق ہے؟ فرمایا کہ اشتیاق تو غائب کا ہوا کرتا ہے اور خدا تو ہر لمحہ حاضر ہے۔پھر فرمایا کہ معرفت کے تین مدارج ہیں۔اول: وحدانیت کو ثابت کرنا۔دوم: خدا کے علاوہ ہر شے کو چھوڑ دینا۔سوم: یہ تصور قائم رکھنا کہ کسی سے بھی خدا کی عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔کیونکہ جس کو باری تعالیٰ نور معرفت عطا نہیں کرتا وہ نور ہی سے محروم رہتا ہے۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی یہ علامت ہے کہ انسان عبادت کو کم کرے لیکن غور و فکر زیادہ اور گوشہ نشین ہو کر سکوت اختیار کر لے۔مسرت سے خوش نہ ہو اور غم سے دل برداشتہ نہ ہو۔فرمایا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کو یہ خیال ہو گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے اوپر غضب ناک نہ ہو گا تو کسی مصیبت میں گرفتار کیا گیا۔فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت عقیدت مندی سے اختیار کرو۔

فرمایا کہ عدل استقامت کا نام ہے لیکن ایک عدل وہ ہے جو مخلوق کے ساتھ کیا جاتا ہے۔دوسرا وہ عدل ہے جو خدا کے ساتھ کیا جائے (یعنی اس کے احکامات کو استقامت کے ساتھ ادا کرنا۔)فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں حالانکہ ہم مال و اولاد سے زیادہ خود فتنہ ہیں۔

فرمایا کہ زہد کی چار قسمیں ہیں۔اول: توکل علی اللہ۔دوم: مخلوق سے بیزاری۔سوم: اخلاص کا اظہار کرنا۔چہارم: خدا کی راہ میں مصائب برداشت کرنا۔پھر فرمایا کہ مقدور معرفت کے مطابق ہی بندہ خوف و حیا کرتا ہے۔فرمایا کہ قلب کی پاکیزگی سکوت ہے۔فرمایا کہ دانشمند وہ ہے جو نعمتوں پر شکر ادا کرے۔فرمایا کہ یقین اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایسا عطا کردہ نور ہے جس سے بندہ اس طرح امور آخرت کا مشاہدہ کرتا ہے کہ درمیان سے تمام حجابات رفع ہو جاتے ہیں۔فرمایا کہ مخلوق سے کنارہ کش ہو کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر عبادت کرو۔فرمایا کہ صفائی قلب کے لئے یہ پانچ چیزیں ضروری ہیں۔اول: اہل خیر (اولیاء اللہ، اہل خیر) کی صحبت۔دوم: تلاوت قرآن۔سوم: فاقہ کشی۔چہارم: رات کی نماز، پنجم سحر کی وقت گریہ زاری۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت عبداللہ بن خفیفؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک عبداللہ ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا نام خفیف تھا اور آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔اس طرح آپ کا پورا اسم گرامی ابومحمد عبداللہ محمد بن خفیف ہے۔آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم عابدوزاہد تھے اور آپ نے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں۔آپ اعلیٰ پائے کے مصنف تھے۔طریقت کے اسرار و رموز پر آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں۔آپ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے اور ان ہی کے اصحاب سے فیض صحبت حاصل کیا۔

تصوف میں آپ اپنے وقت کے امام تھے،پیشوا تھے،رہنما تھے اور صرف تصوف میں ہی نہیں بلکہ آپ تمام علوم اسلامیہ میں بھی اپنے وقت کے امام تھے۔مجاہدات وریاضات میں آپ کا مقام بہت بلند تھا اور حقائق بیانی میں آپ بہت شہرت رکھتے تھے آپ کی تصانیف بہت پسند کی جاتی تھیں۔آپ بہت ہی اعلیٰ پائے کے درویش تھے۔آپ کے کلمات بہت بلند اور کرامات مشہور ہیں۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ حضرت ابن عطاء،حضرت ابوبکر شبلی،اور حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے صحبت یافتہ ہیں اور مکہ معظّمہ میں آپ کو حضرت یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ کا فیض صحبت بھی حاصل ہوا۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ ایک دولت مند خاندان کے فرد تھے۔آپ نے دنیاوی زندگی کو چھوڑ کر درویشی اختیار کی اور کافی عرصہ سفر و سیاحت کی اور تنہائی میں زندگی بسر کی۔آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص زندہ جاوید ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ حرص،دنیا کو دل سے نکال دے آپ فرماتے ہیں کہ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا دل غیرِ حق سے مردہ اور حق کے ساتھ زندہ ہو جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ توحید نام ہے نفسانی خواہشات سے بچنے کا،اجتناب کا۔کیونکہ جہاں نفس کا غلبہ ہوا،اللہ تبارک و تعالیٰ سے دور ہوا اور دنیا کی نعمتوں نے اسے حق کے پہچاننے سے،دیکھنے سے اندھا کیا۔لہذا اب جب تک نفس کی نافرمانی نہیں کی

جاتی،اللہ کی فرمانبرداری نہیں ہوتی ۔نفس کے بندے حق سے محجوب رہتے ہیں ۔جس نے نفس سے نجات پائی وہ حق،اللہ سے واصل ہوا۔آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلب کے لئے عزت اور ذلت دونوں کا سامان کیا ہے۔ذکرِالٰہی دل کی عزت ہے اور طمع ولالچ،دنیاپرستی قلوب کی ذلت ہے ۔آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلوب کو مسکنِ ذکر بنایا لیکن وہ شہوات کا مسکن بن گئے ۔اور شہوات کو مٹانے کے لئے ضروری ہیں اول بے قرار کرنے والا خوف اور دوم تڑپا دینے والا شوق ۔پس خوف اور شوق،بیم ورجاایمان کے دوستون ہیں۔جب دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے تو اس سے ذکر اور قناعت پیدا ہوتے ہیں۔اس لئے مومن کا دل حرص وہوا کے تابع نہیں ہوسکتا۔ایمان کا تقاضا اللہ تبارک وتعالیٰ کے اُنس قرب ومحبت ہے اور غیراللہ سے وحشت و نفرت ودوری ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ

اسمِ مبارک:

آپ کا اسم گرامی جنید ہے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی محمد بن جنید بغدادی تھا۔ آپ کی کنیت ابو قاسم ہے۔ اس بنا پر آپ کا پورا یا مکمل اسم گرامی ابو قاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی ہے۔

آپ طریقت میں وقت کے شیخ المشائخ تھے اور شریعت میں اپنے وقت کے تمام اماموں سے بڑے امام تھے۔ آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ اہل ظاہر (دنیا والوں) اور اہل باطن (اللہ والوں) میں یکساں مقبول تھے۔ آپ تمام اسلامی علوم وفنون میں کمال درجہ رکھتے تھے اور اصول وفرع میں مفتی وقت تھے۔

آپ بحر شریعت وطریقت کے شناور، انوار الٰہی کا مخزن ومنبع اور تمام علوم پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے اہل زمانہ نے آپ کو شیخ الشیوخ، زاہد کامل اور علم وعمل کا سرچشمہ تسلیم کر لیا تھا اور آپ کو سید الطائفہ لسان القوم، طاؤس العلماء اور سلطان المحققین کے خطابات سے نوازا تھا اور اکثر صوفیائے کرام نے آپ کا راستہ اختیار کیا۔ آپ کے اقوال اس قدر بلند اور احوال اس قدر کامل تھے کہ آپ کی امامت پر تمام اہل طریقت متفق ہیں اور کسی کو آپ سے اعتراض نہیں لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود بغض وعناد رکھنے والوں نے آپ کو زندیق و کافر تک بھی کہہ ڈالا۔

زمانہ، ہم عصر:

صد افسوس کہ آپ جیسے مشہور زمانہ بزرگ کی بھی مجھے (اس کتاب کے مصنف کو) سنِ پیدائش اور سنِ وصال کہیں سے معلوم نہیں ہو سکیں۔ بہر حال آپ کے حالات وواقعات کے بیان میں اتنے بزرگوں کے اسمائے مبارک موجود ہیں کہ آپ کے زمانے کا اندازہ کرنا ہر ایک کے لئے آسان ہو جائے گا۔ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور مرید ہیں۔ آپ نے حضرت ابو عبداللہ حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے بھی فیض پایا ہے۔ آپ کے ہم عصروں میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری، حضرت ابوبکر کسائی، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت حسین بن منصور حلاج، حضرت محمد رویم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حالات،مناقب،ارشادات:

بچپن ہی سے آپ کوبلند مدارج حاصل ہوتے رہے۔ایک مرتبہ مکتب سے واپسی پر دیکھا کہ آپ کے والد بزرگوار رو رہے ہیں۔آپ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ آج میں نے تمہارے ماموں کو زکوٰۃ میں سے کچھ درہم بھیجے تھےلیکن انہوں نے لینے سے انکار کردیااور آج مجھے یہ احساس ہورہا ہے کہ میں نے اپنی زندگی ایسے مال کے حصول میں صرف کردی کہ جس کو خدا کے دوست بھی پسند نہیں کرتے۔چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے وہ درہم لے کر اپنے ماموں کے یہاں پہنچ کر آواز دی اور جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون ہے؟تو آپ نے عرض کیا کہ جنید آپ کے لئے زکوٰۃ کی رقم لے کر آیا ہے لیکن انہوں نے پھر انکار کردیا،جس پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کے اوپر فضل اور میرے والد کے ساتھ عدل کیا۔اب آپ کا اختیار ہے کہ یہ رقم لیں یا نہ لیں کیونکہ میرے والد کے لئے جو حکم تھا کہ حقدار کو زکوٰۃ پیش کرو،وہ انہوں نے پورا کردیا۔یہ بات سن کر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے دروازہ کھول کر فرمایا کہ رقم سے پہلے میں تجھے قبول کرتا ہوں۔

چنانچہ اسی دن سے آپ ان کی خدمت میں رہنے لگےاور سات سال کی عمر میں انہیں کے ہمراہ آپ مکہ معظّمہ پہنچے۔وہاں چار سوصوفیائے کرام میں شکر کے مسئلہ پر بحث چھڑی ہوئی تھی اور جب وہ سب شکر کی تعریف بیان کرچکےتو آپ کے ماموں نے آپ کوشکر کی تعریف بیان کرنے کا حکم دیا۔چنانچہ آپ نے کچھ دیر سر جھکائے رکھنے کے بعد فرمایا کہ شکر کی تعریف یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نعمت عطا کرےتو اس نعمت کی وجہ سے منعم کی نافرمانی کبھی نہ کرے۔یہ سن کر سب لوگوں نے کہا واقعی شکر اسی کا نام ہے۔

پھر آپ نے بغداد واپس آکر آئینہ سازی کی دکان قائم کرلی اور ایک پردہ ڈال کر چار سو رکعت نماز یومیہ اسی دکان میں ادا کرتے رہے۔اور کچھ عرصہ کے بعد دکان کو خیرباد کہہ کر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے ایک حجرے میں گوشہ نشین ہو گئے اور تیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہےاور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

چالیس سال کے بعد خیال ہوگیا کہ اب میں معراج کمال تک پہنچ گیا ہوں۔چنانچہ غیب سے ندا آئی کہ اے جنید!اب وہ وقت آپہنچا ہے کہ تیرے گلے میں زنار(وہ ڈوری جو ہندو گلے میں ڈالتے ہیں)ڈال دی جائے۔آپ نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ!مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے؟جواب ملا کہ تیرا وجود ابھی تک باقی ہے۔یہ سن کر آپ نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا جو بندہ وصال کا اہل ثابت نہ ہوسکا اس کی تمام نیکیاں داخل معصیت ہوگئیں۔

گوکہ آپ گوشہ نشین،زہد وریاضت میں ہمہ وقت مصروف،بہت متقی اور پرہیز گار تھے۔اس کے باوجود آپ کو فتنہ پردازوں نے سخت سست بھی کہا اور خلیفہ وقت سے بھی آپ کی شکایتیں کیں۔لیکن خلیفہ نے کہا جب تک ان کے خلاف یہ جرم ثابت نہ ہوجائے کہ ان کی وجہ سے لوگ فتنہ وفساد میں مبتلا ہوتے ہیں سزا دینا قرین قیاس نہیں۔پھر ایک مرتبہ خلیفہ نے بغرض امتحان ایک

حسین وجمیل کنیز کولباس وزیورات سے مرصع کر کے یہ ہدایت کردی کہ اُن کے سامنے پہنچ کرنقاب اُلٹ کر یہ کہنا کہ میں ایک امیر زادی ہوں اگر آپ میرے ساتھ ہم بستر ہوجائیں تو میں آپ کو دولتِ دُنیا سے نوازدوں گی اور واقعہ کی نوعیت معلوم کرنے کے لئے اس کنیز کے ہمراہ ایک غلام کو بھی بھیج دیا۔

قارئین کرام! لیجئے اب اس دنیا داری کی واردات کو دنیاداری کے انداز سے پڑھیے۔اس میں بھی آپ قارئین کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان اور اس کے محبوب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شانیں، رفعتیں، عظمتیں اور شانِ کریمی نظر آئے گی۔دیکھیں قادر مطلق اپنے محبوب کی شان میں اپنے محبوب کے صادق پیروکاروں سے برسرِ عام کیا کیا کروادیتا ہے۔

ایک حسین دوشیزہ، شہزادیوں والے انتہائی قیمتی لباس زیب تن کئے ہوئے، ہیرے جواہرات سے مرصع زیورات سے آراستہ، شاہی سواری سے اُتری۔اس کے پیچھے اسلحہ سے لیس ایک محافظ تھا۔وہ اپنی فتنہ پرور چال سے قیامت برپا کرتی ہوئی آ رہی تھی۔ایک حسن وجمال کی فتنہ پروری اور دوسرے مستانہ چال کی عشوہ گری کی حشر سامانیاں جیسے گردوپیش کا ماحول جوانی کے نشے میں چور ڈگمگا رہا ہے۔آنکھوں سے نشیلے جھونکوں کے دل ڈول رہے تھے۔وہ دوشیزہ اپنی ساری حشر سامانیاں لیے ایک خرقہ پوش درویش کے سامنے آ کر رُک گئی۔چہرے سے نقاب کا بند کھولا تو جیسے ایک بجلی سی کوندگئی۔درویش سر جھکائے بیٹھا تھا۔حسینہ نے بڑے جاہ وجلال کے سے انداز میں کہا اے درویش! میری طرف دیکھ اور دیکھ حسن کا دریا کس طرح مستانہ وار تڑپتی ہوئی موجوں کے ساتھ بہہ رہا ہے۔میں ایک امیرزادی ہوں۔تجھے آج کی رات میرے ساتھ گزارنی ہوگی۔اے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں سے محروم درویش دیکھ میرے حسن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کیسی کیسی کرم فرمائیاں ہیں۔درویش نے آنکھ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور ایک آہ سرد کھینچی وہ رئیس زادی درویش کے قدموں میں گر کر ہلاک ہوگئی۔

یہ درویش حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور دوشیزہ خلیفہ وقت کی منظورِ نظر وہ کنیز تھی جسے خلیفہ وقت نے خاص مقصد کے لیے سمجھا بجھا کر اور سنوار کر ایک چوکس اور چوکنا خادم کے ہمراہ بھیجا تھا۔

جب غلام نے واپس آ کر خلیفہ سے واقعہ کی نوعیت بیان کی تو خلیفہ کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ وہ خود اس سے بہت محبت کرتا تھا اور اس نے کہا کہ جو فعل آزمائش میں نے کنیز اور درویش کے ساتھ کیا وہ نہ کرنا چاہیے تھا۔میری بُری سوچ اور بُری تدبیر تھی۔جس کی وجہ سے مجھے یہ روزِ بد (محبوبہ کی موت) دیکھنا نصیب ہوا۔پھر خلیفہ وقت نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ یہ بات آپ نے کیسے گوارا کی کہ ایسی محبوب ہستی کو دُنیا سے رخصت کردیا؟ آپ نے جواب دیا کہ امیر المومنین کی حیثیت سے تمہارا فرض تو مومنین کے ساتھ مہربانی کرنا ہے لیکن مہربانی کی بجائے تم نے میری چالیس سالہ عبادت کو ملیامیٹ کرنا کیسے گوارا کرلیا۔؟

منقول ہے کہ جب آپ کے مراتب میں اضافہ ہوتا گیا تو آپ نے وعظ وتبلیغ کو اپنا شیوہ بنالیا اور ایک مجمع میں فرمایا کہ وعظ گوئی میں نے اپنے اختیار سے شروع نہیں کی بلکہ تیس ابدالین کے اصرار پر یہ سلسلہ شروع کیا اور میں نے تقریباً دو سو بزرگوں کے جوتے سیدھے کئے ہیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی خواہش تھی کہ آپ پند و نصیحت دیا کریں تا کہ اُن کے قلوب کو راحت نصیب ہو لیکن انہوں نے فرمایا کہ جب تک میرے شیخ موجود ہیں یہ کام نہیں کروں گا۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے جنید! وعظ کیا کرو کیونکہ تیرے کلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلق کی نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔" جب آپ بیدار ہوئے تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید میرا مرتبہ میرے شیخ سے زیادہ بلند ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے براہِ راست مجھے حکم دیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرید بھیج کر کہلا بھیجا کہ تم نے مریدوں کی بات نہیں مانی، اور نہ مشائخ بغداد کی اور نہ میری بات مانی کہ پند و نصیحت کیا کرو۔ اب جب کہ تجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ملا ہے تو ان کے حکم کی تعمیل کر۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پیغام سن کر میرے دل سے وہ وہم دور ہو گیا کہ (میرا مرتبہ میرے شیخ سے زیادہ بلند ہے) مجھے معلوم ہو گیا کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو میرے تمام ظاہری و باطنی حالات کا علم ہے اور ان کا درجہ میرے درجے سے بہت اونچا ہے۔ اس وجہ سے کہ ان کو میرے اسرار و رموز کا علم ہے اور مجھے ان کے اسرار و رموز کا علم نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر معافی مانگی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے یہ حکم ملا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خواب میں زیارت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جنید کے پاس جا کر وعظ کا حکم کریں۔ تا کہ اہل بغداد کی مراد پوری ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ پیروں کو ہر حال میں مریدوں کے حالات کا علم ہوتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اخلاص کی تعلیم میں نے ایک حجام سے حاصل کی ہے اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران ایک حجام کسی دولت مند کی حجامت بنا رہا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ خدا کے لئے میری حجامت بنا دے۔ اس نے فوراً اس دولت مند کی حجامت چھوڑ کر میرے بال کاٹنے شروع کر دیئے اور حجامت بنانے کے بعد ایک کاغذ کی پڑیا میرے ہاتھ میں دے دی جس میں کچھ ریزگاری لپٹی ہوئی تھی اور مجھ سے کہا کہ آپ اس کو اپنے خرچ میں لائیں۔ وہ پڑیا لے کر میں نے نیت کر لی کہ اب پہلے مجھے جو کچھ دستیاب ہو گا وہ حجام کی نذر کروں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص نے اشرفیوں سے لبریز تھیلی مجھ کو پیش کی۔ وہ لے کر میں جب حجام کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں نے تو تمہاری خدمت صرف خدا کے لئے کی تھی اور تم بے حیا بن کر مجھے تھیلی پیش کرنے آئے ہو؟ کیا تمہیں اس کا علم نہیں کہ خدا کے واسطے کام کرنے والا کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے دل میں ابلیس کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایک دن میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا تھا کہ دور سے ایک بوڑھے کو آتے دیکھا جب وہ قریب آیا تو میرے دل میں وحشت ہونے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون

ہو کہ میری آنکھ وحشت کی وجہ سے تجھے نہیں دیکھ سکتی اور میرا دل تیری ہیبت برداشت نہیں کر سکتا؟ اس نے کہا میں وہی ہوں جسے دیکھنے کی آپ کو خواہش ہوئی۔ میں نے کہا اے ملعون! تجھے کس چیز نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے باز رکھا اس نے جواب دیا کہ جنید کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں غیر خدا کو سجدہ کرتا۔ یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی لیکن اوپر سے آواز آئی اے جنید! اس کو کہو کہ تو جھوٹ بولتا ہے اگر تو بندہ ہوتا تو حکم خداوندی سے انکار نہ کرتا اور حکم عدولی میں تقرب الٰہی نہ تلاش کرتا۔ جب اس نے میرے دل سے یہ آواز سنی تو کہنے لگا اے جنید! تو نے مجھے جلا دیا۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔ یہ دلیل ہے حضرت جنیدؒ کی حفاظتِ عصمت کی کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اولیاء کی ہر حال میں شیطان کے فریب سے حفاظت کرتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک مرید کے دل میں آپ کے متعلق شکایت پیدا ہوئی اور اس نے سمجھا کہ میں بلند مقام پر پہنچ گیا ہوں۔ وہ مرید ایک دن آپ کی آزمائش کی خاطر آیا اور ایک سوال کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کے دل کا حال معلوم ہو گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم اپنے سوال کا جواب زبانی چاہتے ہو یا معنوی۔ اس نے کہا مجھے دونوں جواب درکار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زبانی جواب یہ ہے کہ پہلے تم اپنا امتحان کر لیتے تو میرے امتحان لینے کی تجھے ضرورت نہ ہوتی اور تم یہاں نہ آتے اور معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے ولایت سے معزول کیا۔ یہ سنتے ہی فوراً اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس نے چلا کر کہا حضور میرا سکون دل برباد ہو گیا میں معافی کا خواستگار ہوں۔ اس کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اولیاء اللہ کے قلوب خزینۂ اسرار ہوتے ہیں۔ تم ان کے زخم کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے اسے معاف کیا اور اس پر ایک پھونک ماری جس سے کھوئی ہوئی نعمت واپس مل گئی اور آئندہ کے لئے مشائخ کی آزمائش سے تائب ہوا۔

ایک مرید بصرہ میں گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھے اور اسی دوران اس کو اپنے کسی گناہ کا خیال آیا جس کی وجہ سے تین یوم تک اس کا چہرہ سیاہ رہا اور تین یوم کے بعد جب وہ سیاہی دور ہو گئی تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب پہنچا کہ بارگاہِ الٰہی میں مؤدبانہ قدم رکھنا چاہیے۔ کیونکہ تیرے چہرے کی سیاہی دھونے میں مجھے تین یوم تک دھوبی کا کام کرنا پڑا ہے۔

کسی نے آپ سے عرض کیا کہ موجودہ دور میں دینی بھائیوں کی قلت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے خیال میں دینی بھائی صرف وہ ہیں جو تمہاری مشکلات کو حل کر سکیں تب تو یقیناً وہ نایاب ہیں اور اگر تم حقیقی دینی بھائیوں کا فقدان تصور کرتے ہو تو کاذب ہو اس لیے کہ برادر دینی کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جن کی دشواریوں کا حل تمہارے پاس ہو اور ان کے تمام امور میں تمہاری اعانت شامل ہو اور ایسے برادر دینی کا فقدان نہیں ہے۔

آپ نے حالت درد میں ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اپنے پاؤں پر دم کر لی تو ندا آئی کہ تجھے نادم ہونا چاہیے کہ اپنے نفس کی خاطر ہمارے کلام کو استعمال کرتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ آشوب چشم میں مبتلا ہوئے تو ایک آتش پرست طبیب نے آنکھوں پر پانی نہ لگنے کی ہدایت کی، لیکن آپ نے فرمایا کہ وضو کرنا تو میرے لئے ضروری ہے اور طبیب کے جانے کے بعد وضو کر کے نماز عشاء ادا فرما کر سو گئے اور صبح کو بیدار

ہوئے تو دردِ چشم ختم ہو چکا تھا اور یہ ندا آئی کہ چونکہ تم نے ہماری عبادت کی وجہ سے آنکھوں کی پرواہ نہیں کی اس لئے ہم نے تمہاری تکلیف ختم کردی۔ اور طبیب نے جب سوال کیا کہ ایک ہی شب میں آپ کی آنکھیں کس طرح اچھی ہوگئیں تو فرمایا کہ وضو کرنے سے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ درحقیقت میں مریض تھا اور آپ طبیب یہ کہہ کر مسلمان ہوگیا۔

حضرت جعفر بن نصرؒ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک درہم دے کر انجیر و روغن زیتون خرید لانے کا حکم دیا اور افطار کے وقت انجیر منہ میں رکھ کر فوراً نکال کر پھینک دیا اور جب میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے یہ ندا آئی کہ اے بے حیا! جس شے کو تو نے ہماری یاد میں چھوڑ دیا تھا پھر اسی کی جانب متوجہ ہوگیا۔

کسی سائل نے آپ سے سوال کیا تو آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جب یہ شخص مزدوری کرسکتا ہے تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں لیکن اسی شب خواب دیکھا کہ سرپوش سے ڈھکا ہوا ایک برتن آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے اور حکم دیا جارہا ہے کہ اس کو کھالو چنانچہ جس وقت آپ نے کھول کر دیکھا تو وہی سائل مردہ پڑا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو مردار خور نہیں ہوں۔ حکم ہوا کہ پھر دن میں اس کو کیوں کھایا تھا آپ کو خیال آیا کہ میں نے غیبت کی تھی اور یہ اسی جرم کی سزا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ تا حیات میں مصیبت و بلا کی جستجو میں رہا کہ اگر وہ اژدھا بن کر سامنے آجائے تو میں سب سے پہلے اس کا لقمہ بن جاؤں لیکن آج تک یہی حکم ملتا رہا کہ ابھی تیری ریاضت بلا کے مقابلہ میں نہیں جم سکتی۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت ابوسعید خرازؒ کے انتقال کے وقت اُن کے ذوق و شوق میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں ان کی موت باعث تعجب ہے کیونکہ جب بندے کو ذوق و شوق کا یہ انتہائی مقام حاصل ہوجاتا ہے تو وہ سب کچھ فراموش کردیتا ہے اور ایسے ہی اہل مراتب کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا دوست رکھتا ہے اور ایسے ہی بندے خدا پر فخر کرتے ہیں۔ اور اللہ کی دوستی میں ایسے گم ہوجاتے ہیں کہ ان سے ایسے اقوال صادر ہونے لگتے ہیں جو عوام کے ذہن و فکر سے بعید ہوتے ہیں۔ عوام ان اقوال کو معیوب تصور کرنے لگتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تحریر کیا کہ خوابِ غفلت سے بچو کیونکہ سونے والا اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکتا جیسا کہ باری تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بذریعہ وحی آگاہ فرمایا کہ جو ہماری محبت کا دعویدار ہو کر رات کو سوتا ہے وہ کاذب ہے۔ آپ نے جواب میں تحریر کیا کہ خدا کی راہ میں بیدار رہنا ہماری ذاتی فعل ہے لیکن ہمارے سونے کا تعلق خدا کے فعل سے ہے جو ہمارے فعل سے بدرجہا بہتر ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: **النوم موهبة من الله على المحبين** ۔ یعنی نیند ایک بخشش ہے خدا کی جانب سے اپنے دوستوں پر۔

ایک رات آپ کا عبادت سے دل اُچاٹ ہوگیا۔ چنانچہ آپ باہر نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر ایک آدمی کمبل لپیٹے بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ عبادت سے دل اُچاٹ ہونے کی وجہ شاید تمہارا انتظار کرنا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نفس کا کیا علاج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نفس کی مخالفت اس کا واحد علاج ہے۔ یہ سن کر وہ جدھر سے آیا تھا چلا گیا لیکن یہ معلوم نہ ہو

سکا کہ وہ کون تھا اس کے بعد جب آپ نے عبادت شروع کی تو دلجمعی پیدا ہو چکی تھی۔

کسی نے حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ہمراہ حضرت جنید کو بھی خواب میں دیکھا اور ایک شخص نے کوئی فتویٰ حضور انور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کر دیا، اس نے کہا کہ جب حضور ﷺ خود تشریف فرما ہیں تو دوسرے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو اپنی اُمت کے صلحاءَ پر فخر ہے لیکن مجھے اپنی اُمت میں جنید پر اس سے بھی زیادہ فخر ہے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کو جنگل میں ایک بڑھیا نے یہ پیغام دیا کہ بغداد پہنچ کر جنید سے کہنا کہ تمہیں عوام کے سامنے ذکر الٰہی کرتے ہوئے ندامت نہیں ہوتی؟ یہ پیغام سن کر آپ نے فرمایا کہ میں عوام کے سامنے اس لیے اس کا ذکر کرتا ہوں کہ کسی سے بھی اس کا حق ذکر ادا نہیں ہو سکتا۔

کسی نے آپ کے سامنے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ کو فردوس وجہنم کا اختیار دے دے تو میں جہنم کو اس لیے اختیار کروں گا کہ جنت تو میری پسندیدہ شے ہے اور جہنم خدا کی لہٰذا دوست کی پسندیدہ شے کو نہ پسند کرنے والا دوست نہیں، لیکن آپ نے پھر فرمایا کہ میں تو بندہ ہونے کی حیثیت سے صاحب اختیار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اس لئے وہ مجھے جہاں بھی بھیج دے گا شکر بجالاؤں گا۔

ایک مرتبہ حضرت حسین منصور حلاجؒ غلبہ حال کی کیفیت میں حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے دل برداشتہ ہو کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے عرض کیا۔ میری دل برداشتگی کا سبب یہ ہے کہ بندہ اپنی ہوشیاری ومستی کی وجہ سے ہمہ وقت صفاتِ الٰہی میں فنا نہیں رہ سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہوشیاری ومستی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

کسی ارادت مند نے اپنا تمام اثاثہ راہِ خدا میں خرچ کر دیا اور صرف ایک مکان باقی رہ گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ مکان فروخت کر کے تمام رقم دریا میں پھینک دو۔ اس نے تعمیل حکم کر کے آپ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ اور باوجود آپ کے دھتکارنے کے بھی ایک لمحہ کے لئے آپ سے جدا نہ ہوتا۔ آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر بلند مرتبہ پر پہنچا۔

ایک مرتبہ چور نے آپ کا کرتہ چرا لیا اور دوسرے دن جب بازار میں آپ نے اس کو فروخت کرتے دیکھا تو خریدنے والا چور سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی یہ گواہی دے دے کہ یہ مال تیرا ہی ہے تو میں خرید سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں واقف ہوں۔ یہ سن کر خریدار نے کرتہ خرید لیا۔ کسی نے آپ سے ننگا بھوکا رہنے کی شکایت کی تو فرمایا کہ خدا تجھے ہمیشہ ننگا بھوکا رکھے کیونکہ یہ نعمت تو وہ اپنے مخصوص بندوں ہی کو عطا کرتا ہے اور وہ کبھی اس کے شاکی نہیں ہوتے۔

ایک مرید سے مؤدب ہونے کی وجہ سے آپ کو بہت اُنس تھا جس کی وجہ سے دوسرے مریدین کو رشک پیدا ہو گیا چنانچہ آپ نے ہر مرید کو ایک مرغ اور ایک چاقو دے کر یہ حکم دیا کہ ایسی جگہ جا کر ذبح کرو کہ کوئی دیکھ نہ سکے، کچھ وقفہ کے بعد تمام مریدین تو ذبح شدہ مرغ لے کر حاضر ہو گئے لیکن وہ مرید زندہ مرغ لئے ہوئے آیا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں

اللہ تبارک وتعالیٰ موجود نہ ہو۔ یہ کیفیت دیکھ کر تمام مریدین اپنے رشک سے تائب ہو گئے۔

آپ کے آٹھ مخصوص مریدین نے جب جہاد کا قصد کیا تو آپ بھی اُن کے ساتھ کفار سے مقابلہ کے لئے روم تشریف لے گئے وہاں ایک کافر کے ہاتھوں مریدین نے جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت آپ نے دیکھا کہ نو ہودے ہوا میں معلق ہیں اور آٹھوں مریدین کی ارواح کو آٹھ ہودوں میں رکھا جا رہا ہے۔ آپ کو خیال ہوا کہ شاید نواں ہودہ میرے لئے ہے۔ یہ خیال کر کے آپ پھر مصروف جہاد ہو گئے لیکن جس کافر نے آٹھو مریدوں کو شہید کیا تھا اس نے عرض کیا کہ مجھے مسلمان کر کے بغداد پہنچ کر لوگوں کو ہدایت فرما دیں کہ وہ نواں ہودہ میرے لئے ہے یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کے آٹھ کافروں کو قتل کرنے کے بعد وہ خود بھی شہید ہو گیا اور اس نویں ہودے میں اس کی روح کو داخل کر دیا گیا۔

ایک مرتبہ وعظ گوئی کے دوران ایک آتش پرست مسلمان کے بھیس میں حاضر ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ مومن کی فراست سے بچتے رہو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ قول سن کر آپ نے فرمایا کہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ تجھے مسلمان ہونا چاہیے۔ اس کرامت سے گرویدہ ہو کر وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے لئے آپ نے یہ کہہ کر وعظ گوئی ترک کر دی کہ میں خود کو ہلاکت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا، لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر سلسلہ وعظ شروع کر دیا اور جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ایک حدیث میں یہ دیکھا کہ مخلوق میں سے بدترین فرد مخلوق کا کفیل بن کر وعظ گوئی کے ذریعے ہدایت کا راستہ دکھائے گا۔ چنانچہ میں نے خود کو بدترین مخلوق تصور کیا اس لئے پھر وعظ گوئی شروع کر دی۔

کسی عورت نے اپنے گم شدہ لڑکے کے مل جانے کی دعا کے لئے آپ سے عرض کیا تو فرمایا کہ صبر سے کام لو۔ یہ سن کر وہ چلی گئی اور کچھ روز صبر کرنے کے بعد پھر خدمت میں حاضر ہوئی۔ لیکن پھر آپ نے صبر کی تلقین فرمائی وہ عورت پھر واپس ہو گئی اور جب طاقت صبر بالکل نہ رہی تو پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب تاب صبر بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرا قول صحیح ہے تو جا تیرا بیٹا تجھے مل گیا۔ چنانچہ وہ گھر پہنچی تو بیٹا موجود تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تمام مدارج صرف فاقہ کشی، ترکِ دُنیا اور شب بیداری سے حاصل ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ صوفی وہ ہے جو خدا اور رسول کی اس طرح اطاعت کرے کہ ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے میں حدیث۔

قارئین کرام! درج ذیل میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد پاک کے حوالے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چند مناقب کے بارے میں فرما رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ذات مبارک ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسولِ محبوبِ اول و آخر و اعظم ﷺ کے بعد شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت یعنی کہ مکمل روحانیت کے مصدر و منبع ہیں۔ اس لئے اس کو بار بار پڑھیے اور رب العالمین کی شانیں دیکھیے۔

فرمایا کہ میرے مرشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متبعین میں سے تھے اور جب ان کی صفات کا تذکرہ کرتے تو لوگوں میں سماعت کی سکت باقی نہ رہتی۔ فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو اپنی معرفت عطا کی اور وہ خدا ایسا

یکتا ہے کہ نہ کوئی اس کے مشابہ ہوسکتا ہے اور نہ اس کا تعلق کسی جنس سے ہے اور نہ اس کو مخلوقات پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وہ دور رہتے ہوئے بھی نزدیک ہے اور نزدیک ہوتے ہوئے بھی دور ہے اور وہ ایسا برتر ہے کہ اس سے بلند شے کوئی نہیں اور وہ کسی شے پر قائم نہیں اس کی ذات ایسی ہے کہ کسی میں اس جیسے اوصاف نہیں اور جو اس کے کلام کی تشریح یا تاویل کرتا ہے وہ ملحد ہے اور سب سے زیادہ فہیم وہ ہے جو اس کی ذات کو سمجھ لے۔ پھر حضرت علی ﷜ نے فرمایا کہ دس ہزار سچے مریدین کے ہمراہ مجھ کو بحر معرفت میں غرق کیا اور دوبارہ اُبھار کر فلک ارادت کا مہر درخشاں بنایا اور اگر مجھے ایک ہزار سال کی عمر بھی عطا کر دی جائے جب بھی اس کی عبادت میں لمحہ بھر کے لئے ذرہ برابر بھی کمی نہ کروں گا۔

ارشاد فرمایا کہ مخلوق کی معصیت کاری میرے لئے یوں وجہ اذیت ہے کہ میں مخلوق کو اپنا عصا تصور کرتا ہوں کیونکہ مومنین ذات واحد کی طرح ہیں اسی لئے حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا کہ جتنی اذیت مجھے ہوئی اتنی کسی نبی کو نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ میں عرصہ دراز تک ان معصیت کاروں کی حالت پر نوحہ کناں رہا لیکن اب مجھے نہ اپنی خبر ہے نہ ارض و سماء کی۔ فرمایا کہ دس سال تک قلب نے میرا تحفظ کیا اور دس سال تک میں نے اس کی حفاظت کی لیکن اب یہ کیفیت ہے کہ نہ مجھے دل کا حال معلوم ہے نہ دل کو میرا۔ فرمایا کہ مخلوق اس بات سے بے خبر ہے کہ بیس سال سے اللہ تبارک وتعالیٰ میری زبان سے کلام کرتا ہے اور میرا وجود درمیان سے ختم ہو چکا ہے۔ فرمایا کہ بیس سال سے صرف ظاہری تصوف بیان کرتا ہوں کیونکہ اس کے نکات بیان کرنے کی مجھے اجازت نہیں۔ فرمایا کہ اگر محشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے دیدار کا حکم دے گا میں عرض کروں گا چونکہ آنکھ غیر ہے اور میں غیر کے ذریعے دوست کا مشاہدہ نہیں کرنا چاہتا۔ فرمایا کہ جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوا کہ کلام وہ ہے جو قلب سے ہو تو میں نے تیس سال کی نمازوں کا اعادہ کیا اس کے بعد تیس سال تک یہ التزام کیا (اپنے اوپر لازم ٹھہرایا) کہ جس وقت نماز کے اندر دنیا کا خیال آجاتا تو دوبارہ نماز ادا کرتا۔ اور اگر آخرت کا تصور آجاتا تو سجدہ سہو کرتا۔

فرمایا کہ چار ہزار خدا رسیدہ بزرگوں کا یہ قول ہے کہ عبادت الٰہی اس طرح کرنی چاہیے کہ خدا کے سوا کسی کا خیال تک نہ آئے۔ فرمایا کہ تصوف کا ماخذ اصطفا ہے اس لئے صرف برگزیدہ ہستی ہی کو صوفی کہا جاتا ہے۔ اور صوفی وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خلیل اللہ ہونے کا درس اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تسلیم کا درس اور حضرت داؤد علیہ السلام سے غم کا درس اور حضرت ایوب علیہ السلام سے صبر کا درس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شوق کا درس اور حضور پُر نور ﷺ سے اخلاص کا درس حاصل کرے۔ فرمایا کہ خدا کے علاوہ ہر شے کو چھوڑ کر خود کو فنا کر لینے کا نام تصوف ہے اور آپ کے ایک ارادت مند کا قول ہے کہ صوفی اس کو کہتے ہیں جو اپنے تمام اوصاف کو ختم کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پالے۔

فرمایا کہ زمین کو صوفیائے کرام سے ایسی ہی آراستگی حاصل ہے جیسی آسمان کو ستاروں سے۔ فرمایا کہ خطرے کی چار قسمیں ہیں۔ اول: خطرہ حق جس سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ دوم: خطرہ ملائکہ جس سے عبادت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ سوم: خطرہ نفس جس سے دنیا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چہارم: خطرہ ابلیس جس سے بغض و عناد جنم لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اہل ہمت اپنی ہمت کی

وجہ سے سب پر فوقیت حاصل کر لیتے ہیں۔

جس وقت حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے ماہیت تصوف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ ماہیت تصوف کی جستجو کی بجائے اپنی ذات میں تصوف تلاش کرو، کیونکہ صوفی وہی ہے جس کو خدا کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔ پھر فرمایا کہ توحید نام ہے خود کو فنا کر کے اللہ میں ضم ہو جانے اور عجز کے ساتھ حصول نعمت کا۔ اور محبت کا مفہوم یہ ہے کہ محبوب کے تمام اوصاف محبّ میں موجود ہوں جیسا کہ حضور انورﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میں اس کو محبوب بناؤں گا اس کی سماعت و بصارت بن جاؤں گا۔ فرمایا کہ جاہ و حشم معدوم کر دینے کا نام اُنس ہے۔ فرمایا کہ ذکر کی کئی قسمیں ہیں۔ اول: حصول معرفت کے لئے آیات قرآنی میں فکر کرنا۔ دوم: حصول محبت کے لئے نفس پر خدا کے احسانات کے متعلق فکر کرنا۔ سوم: حصول ماہیت کے لئے خدا کے مواعید پر فکر کرنا۔ چہارم: حصول حیا کی خاطر خدا کے انعامات پر غور کرنا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ شام فتوت کا، عراق فصاحت کا، خراسان صدق کا مرکز ہے۔ لیکن ان راہوں میں قزاقوں نے اپنے جال بچھا رکھے ہیں۔ فرمایا کہ قدرت کا مشاہدہ کرنے والا سانس تک نہیں لے سکتا اور عظمت کا مشاہدہ کرنے والا حیرت زدہ رہتا ہے اور ہیبت کا مشاہدہ کرنے والا سانس لینے کو کفر تصور کرتا ہے۔ فرمایا کہ بہت افضل ہے وہ بندہ جس کو ایک لمحہ کے لئے بھی قرب الٰہی حاصل ہوا ہو۔ فرمایا کہ بندے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول: حق کا بندہ۔ دوم: حقیقت کا بندہ۔ لیکن حق کا بندہ اس لیے افضل ہوا ہے کہ اس کو **اعوذ برضاک من سخطک** کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا کہ رضا نام ہے اپنے اختیارات کو معدوم کر کے مصائب کو نعمت تصور کرنے کا۔ فرمایا کہ توبہ نام ہے عزم راسخ کے ساتھ ظلم و گناہ اور خصومت (نفرت و دشمنی) ترک کر دینے کا۔ فرمایا کہ اپنی تعظیم کرانے کے لئے کرامات کا ظہور فریب ہے۔ فرمایا کہ مرید کا گناہ کبیرہ سے بے خوف ہو جانا داخل فریب ہے اور کفر سے خائف نہ ہونا واصل کا مکر ہے۔ فرمایا کہ روز ازل اللہ نے **الست بربکم** فرما کر ارواح کو ایسا مست بنا دیا کہ دنیا میں بھی حالت سماع کے وقت اس کیفیت کے احساس سے مست ہو جاتی ہیں۔ فرمایا کہ تصوف نام ہے مخلوق سے خالق کی جانب رجوع ہونے، قرآن و سنت کی اتباع کرنے اور مشغول عبادت رہنے کا۔

فرمایا کہ اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بہترین اعمال کو قابل قبول تصور نہ کرتے ہوئے نفس کو فنا کر ڈالے اور شفقت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی پسندیدہ شے دوسرے کے حوالے کر کے احسان نہ جتائے۔ فرمایا کہ جو درویش خدا کی رضا پر راضی ہے وہ سب سے برتر ہے اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو احسان کر کے بھول جاتے ہیں اور تمام لغزشوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ فرمایا کہ بندہ وہی ہے جو خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ مرید وہ ہے جو اپنے علم کا نگران رہے اور مراد وہ ہے جس کو اعانت الٰہی حاصل ہو۔

فرمایا کہ ترک دنیا سے عقبیٰ مل جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ تواضع نام ہے سر جھکا کر رکھنے اور زمین پر سونے کا۔ فرمایا کہ حجابات کی چھ قسمیں ہیں تین عام بندوں کے لئے۔ اول نفس۔ دوم مخلوق۔ سوم دنیا اور تین خاص بندوں کے لئے۔ اول عبادت۔ دوم اجر،

سوم کرامات پر اظہار فخر۔

فرمایا کہ قرآن وحدیث کی اتباع کرتے رہو اور جوان کا متبع نہ ہو اس کی پیروی ہرگز نہ کرو۔فرمایا کہ وسواس شیطانی سے نفس کے وسواس اس لئے شدید ترین ہوتے ہیں کہ وسواس شیطانی تو لاحول سے دور ہو جاتے ہیں لیکن نفس کے وسواس کا دور کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔فرمایا کہ ابلیس کو عبادت کے بعد بھی مشاہدہ حاصل نہ ہو سکا لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے ذلت (جنت سے نزول) کے باوجود مشاہدے کو قائم رکھا۔فرمایا کہ انسان سیرت سے انسان ہوتا ہے نہ کہ صورت سے۔فرمایا کہ خدا کے بھید خدا کے دوستوں کے قلب میں محفوظ رہتے ہیں۔

فرمایا کہ تکلیف پر شکایت نہ کرتے ہوئے صبر کرنا بندگی کی بہترین علامت ہے۔فرمایا کہ مہمان نوازی نوافل سے بہتر ہے۔فرمایا کہ بندہ جتنا خدا سے قریب ہوتا ہے خدا بھی اتنا ہی اس کے قریب رہتا ہے۔فرمایا کہ جس کی حیات روح پر موقف ہو وہ روح نکلتے ہی مر جاتا ہے اور جس کی حیات کا دارومدار اللہ تبارک وتعالیٰ پر ہو وہ کبھی نہیں مرتا۔بلکہ طبعی زندگی سے حقیقی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

وصال کے وقت آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ مجھ کو وضو کروا دو۔چنانچہ دوران وضو انگلیوں میں خلال کرنا بھول گئے تو آپ کی یاددہانی پر خلال کر دیا گیا۔اس کے بعد آپ نے سجدے میں گریہ وزاری شروع کر دی اور جب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ اس قدر عابد ہو کر روتے کیوں ہیں؟فرمایا کہ اس وقت سے زیادہ میں کبھی محتاج نہیں تھا۔پھر تلاوت قرآن میں مشغول ہو کر فرمایا کہ اس وقت قرآن سے زیادہ میرا کوئی مونس وہمدم نہیں اور اس وقت میں اپنی عمر بھر کی عبادت کو اس طرح ہوا میں معلق دیکھ رہا ہوں کہ جس کو تیز وتند ہوا کے جھونکے ہلا رہے ہیں اور مجھے یہ علم نہیں کہ ہوا فراق کی ہے یا وصال کی اور دوسری طرف فرشتہ اجل اور پل صراط ہے اور میں عادل قاضی پر نظریں لگائے ہوئے اس کا منتظر ہوں کہ نہ جانے مجھ کو کدھر جانے کا حکم دیا جائے۔

اسی طرح آپ نے سورت بقرہ کی ستر آیات تلاوت فرمائیں۔اور عالم سکرات میں جب لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اللہ کیجئے تو فرمایا کہ میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوں پھر انگلیوں پر وظیفہ خوانی شروع کر دی اور جب داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت پر پہنچے تو انگلی اوپر اُٹھا کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور آنکھیں بند کرتے ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔**اناللہ و انا الیہ راجعون۔**

غسل دیتے وقت جب لوگوں نے آنکھ میں پانی پہنچانا چاہا تو غیب سے آواز آئی کہ ہمارے محبوب کی آنکھوں سے پانی دور رکھو کیونکہ اس کی آنکھیں ہمارے ذکر کی لذت میں بند ہوئی ہیں اور اب ہمارے دیدار کے بغیر نہیں کھل سکتیں اور جب انگلیاں سیدھی کرنے کا قصد کیا تو ندا آئی کہ یہ ہاتھ ہمارے ذکر میں بند ہوا ہے اور ہمارے حکم کے بغیر نہیں کھلے گا۔پھر جنازے کی روانگی کے وقت ایک کبوتر پلنگ کے ایک کونے پر آ کر بیٹھ گیا اور جب اس کو اڑانے کی سعی کی گئی تو اس نے کہا کہ میرے پنجے محبت کی میخ سے کونے پر گڑے ہوئے ہیں اور آج حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قالب ملائکہ کا نصیب بن گیا ہے۔اگر تم لوگ جنازے

کے ساتھ نہ ہوتے تو میت سفید براق کی طرح ہوا کے دوش پر پرواز کرتی۔

کسی بزرگ نے خواب میں آپ سے پوچھا کہ منکر نکیر کو آپ نے کیا جواب دیا؟ فرمایا کہ جب انہوں نے پوچھا کہ **من ربک** تو میں نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں ازل ہی میں **الست بربکم** کا جواب **بلٰی** کہہ کر دے چکا ہوں۔ اور جو سلطان کو جواب دے چکا ہو اس کے لئے غلاموں کو جواب دینا کیا دشوار ہے۔ چنانچہ نکیرین یہ جواب سن کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ ابھی تک اس پر خمار محبت کا اثر موجود ہے۔

کسی بزرگ نے خواب میں آپ سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسا معاملہ کیا؟ فرمایا محض اپنے کرم سے بخش دیا اور ان دو رکعت نماز کے علاوہ جو میں رات کو پڑھا کرتا تھا اور کوئی عبادت کام نہ آسکی۔

آپ کے مزار مبارک پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ خدا رسیدہ لوگوں کی حیات و ممات دونوں مساوی ہوتی ہیں۔ اس لیے میں اس مزار پر کسی مسئلہ کا جواب دینے میں ندامت محسوس کرتا ہوں کیونکہ میں حضرت کے مرنے کے بعد بھی آپ سے اتنی حیا رکھتا ہوں جتنی حیات میں رکھتا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت یوسف بن حسین رازیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی یوسف ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا نام حسین تھا اور آپ کی کنیت ابو یعقوب ہے۔آپ کا پورا نام ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی ہے۔آپ حقیقتاً مردانہ وجاہت وخوبصورتی میں بھی یوسف ثانی تھے۔اور عصمت و پاکدامنی میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے مشرب پر تھے۔

آپ بہت ہی باکمال،باہمت،باحوصلہ،باصبر واستقامت اور عظیم بزرگوں میں سے تھے۔آپ نے اکثر مشائخ عظام سے فیض حاصل کیا اور آپ نے طویل عمر پائی تھی اور آپ کا شمار اپنے وقت کے اکابر مشائخ میں ہوتا تھا۔طویل عمر پانے کے باوجود عمر کے آخری سالوں میں بھی ریاضات وعبادات کثرت سے کیا کرتے تھے۔آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ عشاً کے بعد سے صبح تک حالت قیام میں گزار دیتے تھے اور جب لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس قسم کی عبادت ہے؟ تو فرماتے کہ عشاً کے بعد رکوع و سجود کی طاقت باقی نہیں رہتی اس لئے قیام کئے رہتا ہوں۔عبادات،ریاضات،مجاہدات،زہد وتقوئی اور پرہیز گاری میں آپ لاثانی تھے۔کشف وکرامات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ آپ کے ہم عصروں میں کچھ کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ارادت مند تھے۔حضرت جنید بغدادی،حضرت عبدالواحد زید،حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہم اور آپ کے مرید حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ۔

حالات،مناقب،ارشادات:

کیونکہ آپ کے بارے میں بیان کی ابتداء یک طرفہ دُنیاوی عشق ومحبت کی داستان سے ہوتی ہے اس لئے میں اس کتاب کا مصنف یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ احتراماً آپ کے بارے میں بیان کی ابتداء آپ کے ایک اس دُنیاوی عشق ومحبت سے بہت حد تک متعلقہ قول وفرمان سے کی جائے۔آپ فرماتے ہیں کہ:الذل الناس الفقیر الطماع واعزھم المحب لمحبوبالصدیق۔یعنی کہ "ذلیل ترین وہ فقیر ہے جو طماع یعنی لالچی ہے اور معزز ترین وہ عاشق ہے جس نے محبوبِ حقیقی کے لئے اپنی محبت مخصوص کردی

ہے۔"

طمع ایسی بلا ہے جو درویش کو دونوں جہانوں میں ذلیل کرتی ہے۔ طمع درویش کو خلاف شرع کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ اور طماع یعنی دنیا سے محبت کرنے والا دنیا کا غلام ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کا حقیر غلام بن جاتا ہے۔ اور اس کی پرستش کرتا ہے۔ یہ سب طمع کی وجہ سے ہے۔ جب طمع دل سے نکل جاتا ہے تو انسان معزز بن جاتا ہے۔ جیسا کہ بی بی زلیخا جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت کی طمع میں مبتلا رہیں ذلیل رہیں۔ جب طمع ترک کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ، قادر مطلق نے اسے جمال اور جوانی واپس دے دی۔

اس کی تشریح حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے کہ لذتِ وصل کی خاطر دوست سے محبت کرنا بھی نفسانیت میں شامل ہے اور للّٰہیت سے بعید ہے۔ کیونکہ عرفاء نے حجابات کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ اول: حجاباتِ ظلمانی جو معصیت یا گناہوں کی وجہ سے بندہ اور حق کے مابین حائل ہو جاتے ہیں۔ دوم: حجاباتِ نورانی جو کشف و کرامات کی وجہ سے حائل ہو جاتے ہیں۔ سوم: حجاباتِ کیفی جو لذتِ قرب کی وجہ سے محبّ اور محبوب کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ قربِ حق میں بے حد لذت ہے اس لئے جو سالک لذت کی خاطر حق تعالیٰ کی قرب تلاش کرتا ہے وہ بھی نادانستہ طور پر نفس پرست ہوتا ہے اور در اصل اپنے نفس کا طواف کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن جب لذت کی خاطر نہیں بلکہ محبوب کی خاطر اس کی طرف جدوجہد کی جاتی ہے تو یہ محبت خالص ہو جاتی ہے۔ اس لئے اولیائے کرام بہشت اور اس کی لذات کو بھی نظر انداز کر کے محض حق تعالیٰ کی خاطر عبادت کو شعار بناتے ہیں۔ جب حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ کا وصال قریب آیا تو آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے سات بہشت دکھائے گئے کہ یہ تیرا مقام ہے لیکن آپ نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا:

ان کان منزلتی فی الحب عندکم
ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی

"اگر میری محبت کی یہی قدر و منزلت ہے جو میرے سامنے ہے یعنی ہشت بہشت تو افسوس ہے کہ میں نے ساری عمر برباد کی۔"

اس کے بعد آپ پر تجلی ذاتی ہوئی اور اسی میں آپ کا وصال ہو گیا۔ یہ ہے خالص و اخلص محبت جس میں نہ جنت کو دخل ہے، نہ دوزخ کو، نہ نفس کو نہ لذت کو۔ (شرح ختم)

ایک حسین و جمیل لڑکی ہیرے جواہرات جڑے زیورات سے آراستہ۔ اطلس و کمخواب کا لباس زیب تن کئے۔ بڑے طمطراق، کروفر اور غرورِ حسن کے خوبصورت انداز میں کھڑی تھی۔ ایسا بارعب حسن کہ انسان تو انسان فرشتے بھی نظارہ حسن کریں تو ڈگمگا جائیں۔ اتنے میں ایک خوبصورت وجیہہ اور خوش پوش نوجوان گزرا جس کی آنکھوں میں سوز و گداز اور روحِ ازل کی پاکیزگی بھری تھی۔ وہ جس طرف آنکھیں اُٹھائے بغیر پلکوں کے جھروکے سے جھانکتا حیا کے نور کی پاکیزہ کرنیں اس طرف بکھرتی چلی

جاتیں ۔سردار کی حسین وجمیل لڑکی نے اُسے دیکھا تو اپنے غرورِ حسن کو بھول گئی اور اس نوجوان کی پاکیزہ حرکات میں اس کا رُعب و جلال ڈوب کر رہ گیا ۔آنکھیں بند کرلیں اور سینے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی ۔اور اپنے سانسوں کی گرم گرم لہروں میں محبت کے زخمی پرندے کو پھڑ پھڑاتے پایا جو دل کی دھڑکنوں کے طوفان کی ڈوبتی کشتی اور تیرتی موجوں کے سہارے جارہا تھا ۔وہ اسی عالم میں اُٹھی اور کنیزوں کو آواز دی کہ وہ جو جارہا ہے اُسے خدا کے لیے روک لو ۔ایک کنیز بھاگ کر گئی اور اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے مسکرا کر کہا: کنیز مالکہ سے کہہ دو کہ یہ بے لگام طوفان روکے نہیں رُکتے ۔

کئی دن گزر گئے سردار کی بیٹی محبت میں فنا ہو چکی تھی ،اُس نے اُمید و نا اُمیدی کے دوران اپنے دل کو سمجھایا کہ شاید وہ یوسف ثانی اس منزل کا راہی نہیں تھا ۔پھر ایک دن ایسا آیا کہ اتفاق سے وہ نوجوان اس دوشیزہ کو تنہائی میں مل گیا ۔نوجوان کو حیرت بھی ہوئی اور وہ گھبرا بھی گیا کہ اس نے مجھے کیسے تلاش کرلیا ۔دوشیزہ کے تیر نظر کا ہر وار اس نے دل پر روکا ۔مگر جس دل میں خدا کا خوف ہو اس پر کوئی وار اثر نہیں کرتا ۔دوشیزہ نے ہر چند اُسے اپنی خواہش کے جال میں پھنسانا چاہا مگر وہ نوجوان کسی خواہش سے مغلوب نہ ہوا ۔وہ لڑکی دستِ آرزو پھیلائے ،دونوں بازو پھیلائے آگے بڑھی تو وہ نوجوان وحشت زدہ ہو کر بھاگ گیا ۔یہ خوبصورت اور خوش پوش نوجوان حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ تھے اور وہ ابھی جوانی کے آغاز میں تھے ۔

اسی رات کو آپ نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک تخت پر اس طرح جلوہ فرما دیکھا کہ ملائکہ صف بستہ آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام بہر استقبال کھڑے ہوئے اور اپنے پہلو میں بٹھا کر فرمایا ۔کہ جس وقت تمہارے اوپر لڑکی کی خواہشِ وصل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہوا تھا اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اے یوسف !تم نے زلیخا کے شر سے بچنے کی دُعا کی تھی لیکن یہ وہ یوسف ہے جس نے ہمارے خوف سے سردار کی لڑکی کو ٹھکرا دیا اور آج اسی وجہ سے تم سے ملاقات کے لئے مجھے حکم دیا گیا ہے ۔پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم کو یہ بشارت دیتا ہوں کہ آئندہ چل کر تمہارا شمار عظیم بزرگوں میں ہوگا لہٰذا تم اسم اعظم کی تعلیم وحصول کے لئے جستجو کرتے رہنا ۔

اس کے بعد جب روحانیت کے غلبے کا آغاز ہوا تو آپ حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس گئے مگر پاس ادب کی خاطر مدعا ظاہر نہ کر سکے ۔حضرت ذوالنون مصریؒ نے آنے کا سبب پوچھا تو عرض کی نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا تھا اور آپ کی خدمت کی دل میں خواہش تھی ۔ایک سال ان کی خدمت میں گزر گیا ۔پھر ایک سال مزید خاموش رہ کر مرشد کی خدمت میں رہے ۔ دو سال گزر جانے کے بعد حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا آخر میرے عزیز تم چاہتے کیا ہو؟ حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے دھیمے لہجے میں کہا: پیرو مرشد اسم اعظم سیکھنا چاہتا ہوں ۔یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور انہیں کوئی جواب نہ دیا ۔پھر تین سال گزر جانے کے بعد حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک دن آپ کو ایک پیالہ دیا جو ڈھکا ہوا تھا اور فرمایا کہ یوسف اِسے لے جاؤ ۔دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر تمہیں ایک شخص ملے گا یہ پیالہ اسے اسی طرح دے دینا وہی تمہیں اسم اعظم سکھا دے گا ۔

جب وہ پیالہ لے کر آپ چلے تو اس کے اندر دیکھے بنا رہ نہ سکے اور ڈھکنا اُٹھا دیا۔ اس میں سے ایک چوہا کود کر باہر آیا اور بھاگ گیا۔ یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سخت نادم ہوئے اور افسوس بھی ہوا کہ مجھے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ خالی پیالہ آپ دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر لے گئے اس شخص کو ملے اور وہ پیالہ دیا۔ وہ بزرگ مسکرائے اور کہا کہ میرے عزیز تم سے تو ایک چوہے کی ہی حفاظت نہیں ہو سکی تم اسم اعظم کی حفاظت کیسے کرو گے؟ انہیں بہت افسوس ہوا اور ناکام و نامراد مرشد کے پاس آئے تو پشیمان تھے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے سات مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے تمہیں اسم اعظم سکھانے کی اجازت طلب کی۔ مگر ہر بار یہی جواب ملا کہ ابھی نہیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسم اعظم کا ادراک کسی نہایت پختہ کار کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اب تم وطن واپس جاؤ۔ انتظار کرو اگر مقدر میں ہو گا اور تم میں اہلیت پیدا ہو گئی تو ضرور کامیابی ہو گی اور انہیں نصیحت کی جو کچھ لکھا پڑھا ہے اس کو یکسر بھول جاؤ۔ حتیٰ کہ مجھے بھی فراموش کر دو اور کسی پر ظاہر بھی نہ کرنا کہ تم ذوالنون کے مرید ہو۔ البتہ مخلوق خدا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے کی طرف بلاؤ۔

چنانچہ روانگی سے قبل جب آپ نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ لکھا پڑھا ہے اس کو یکسر فراموش کر دو تا کہ درمیان سے حجاب اُٹھ جائے اور مجھ کو بھی اس طرح بھلا دو کہ کسی کے سامنے مجھے اپنا مرشد مت کہو لیکن آپ نے عرض کیا کہ یہ دونوں شرطیں میرے لئے ناقابل قبول ہیں البتہ تیسری شرط کہ مخلوق کو خدا کی جانب مدعو کرو اس پر انشاء اللہ ضرور عمل پیرا رہوں گا۔ چنانچہ وطن واپس آنے کے بعد آپ نے تبلیغ و وعظ کا سلسلہ شروع کر دیا لیکن علماء نے آپ کی اس درجہ مخالفت کی کہ عوام آپ سے بدظن ہو گئے اور ایک دن جب آپ وعظ کہنے پہنچے تو وہاں ایک فرد بھی موجود نہیں تھا۔ اس پر آپ نے وعظ گوئی ترک کر دینے کا قصد ہی کیا تھا کہ ایک بڑھیا نے کہا: آپ نے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے مخلوق کو پند و نصائح کرتے رہنے کا وعدہ کیا تھا پھر یہ عہد شکنی کیسی؟

یہ سن کر آپ نے ارادہ تبدیل کر لیا اور پچاس سال تک وعظ کرتے رہے۔ لوگ آئیں نہ آئیں۔ وعظ جاری رہتا اسی عرصہ میں آپ کے وعظ کے اثر سے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فیض حاصل کیا اور مشائخ میں بلند مرتبہ پایا۔ حضرت خواصؒ بغیر سواری اور بغیر زادِ راہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں سفر کرتے اور عبادات، ریاضات و مجاہدات میں مصروف و مشغول رہتے اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی فرماتے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عالم رویا میں یہ ندا سنی کہ یوسف بن حسین سے کہہ دو کہ تم راندۂ درگاہ ہو چکے ہو لیکن بیداری کے بعد یہ خواب بیان کرتے ہوئے ان سے مجھے ندامت ہوئی لیکن دوسری شب پھر یہی خواب دیکھا اور تیسری شب مجھے تنبیہ کی گئی کہ اگر تو نے یہ خواب ان سے بیان نہ کیا تو تمہیں زندگی بھر کے لئے سزا میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جب خواب بیان کرنے کی نیت سے آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے حکم دیا کہ کوئی عمدہ سا شعر سناؤ اور جب

میں نے ایک شعر سنایا تو آپ اس قدر روئے کہ پہروں آنکھوں کے آنسو نہ تھمے۔ پھر فرمایا شاید اسی لئے مجھے زندیق کہتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں مردود بارگاہ ہوں قطعاً درست ہے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور اسی ادھیڑ بن میں جنگل کی طرف نکل گیا اور وہاں جب حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ یوسف بن حسین عشق الٰہی کی شمشیر کے گھائل ہیں اور ان کا مقام اعلیٰ علیین میں ہے اور خدا کی راہ میں ایسا ہی مقام حاصل بھی کرنا چاہیے کہ تنزلی کے بعد بھی علیین میں رہیں اور واصل باللہ ہونے کے بعد اگر بادشاہت نہیں تو وزارت تو مل جاتی ہے۔

عہد شباب میں حضرت عبدالواحد زید نہایت ہی شوخ وبڈر رہتے تھے اور اکثر والدین سے لڑ جھگڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ وہ اتفاق سے ایک دن آپ کی مجلس وعظ میں جا پہنچے اور آپ اپنے وعظ میں یہ فرما رہے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کو اس طرح اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے جس طرح کوئی محتاج ہو کر سامنے کسی کے جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی عبدالواحد زید پر اثر ہوا کہ چیخ ماری اور کپڑے پھاڑ کر قبرستان کی طرف چل دیئے اور تین شب وروز عالم بے خودی میں وہیں پڑے رہے۔ جس دن ان کے اوپر یہ کیفیت طاری ہو رہی تھی اسی دن یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں یہ ندا سنی کہ تائب ہونے والے نوجوان کو تلاش کرو۔ چنانچہ جس وقت آپ تلاش کرتے ہوئے قبرستان پہنچے تو تین ہی یوم میں حضرت عبدالواحد زید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ مدارج طے کر لئے تھے کہ آپ کو دیکھتے ہی کہا کہ آپ کو تو تین یوم قبل حکم مل گیا تھا لیکن آپ آج پہنچے ہیں۔

نیشاپور کے ایک تاجر کا کسی پر قرض تھا اور وہ شخص کہیں باہر چلا گیا تھا اور اسی دوران میں اس تاجر نے ایک حسین کنیز خریدی تھی لہٰذا قرض وصول کئے جانے سے قبل وہ اس فکر میں سرگرداں تھا کہ کنیز کو کس کے حوالے کر کے جائے۔ آخر کار حضرت عثمان حیریؒ سے درخواست کی کہ اگر آپ کی بیوی کنیز کو اپنے پاس رکھ لیں تو میں فلاں جگہ جا کر اپنا قرض وصول کر لاؤں۔ اور جب وہ کنیز کو چھوڑ کر چلا گیا تو ایک دن حضرت عثمان حیریؒ کی اس پر نظر پڑ گئی اور شہوانی جذبات بیدار ہو گئے لیکن آپ فوراً اپنے مرشد حضرت ابو حفص حدادؒ کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے حکم دیا کہ حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رے فوراً چلے جاؤ۔ چنانچہ رے (موجودہ نام تہران) پہنچ کر جب لوگوں سے اُن کا پتہ پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو لوگوں نے کہا کہ وہ تو زندیق ہے اور تم بھی اس کے پاس جا کر برباد ہو جاؤ گے جب کہ تم خود صاحب کمال معلوم ہوتے ہو۔

یہ سن کر حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ پھر نیشاپور واپس آ گئے اور اپنے مرشد سے پورا واقعہ بیان کر دیا لیکن انہوں نے پھر یہی حکم دیا کہ تم واپس رے جا کر کسی طرح اُن سے ملاقات کرو اور جب وہ دوبارہ رے جا کر اُن سے ملے تو دیکھا کہ ایک کمسن لڑکا اُن کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور جام وصراحی سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے سلام کیا تو حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دینے کے بعد ایسے موثر انداز میں گفتگو کی کہ یہ دنگ رہ گئے۔ پھر حضرت عثمان حیریؒ نے اُن سے سوال کیا کہ صاحب معرفت ہونے کے باوجود بھی آپ نے ظاہری حالت ایسی کیوں بنا رکھی ہے کہ لوگ آپ سے متنفر ہو گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ لڑکا میرا بچہ ہے اور صراحی میں پانی ہے لیکن ظاہری حالت میں نے اس لئے خراب کر رکھی ہے کہیں کوئی غیر شخص مجھ

کو دینداار سمجھ کر تری کنیز میرے حوالے نہ کردے۔ یہ سن کر حضرت عثمان حیریؒ سمجھ گئے کہ خدا کا دوست کبھی مخلوق سے دوستی نہیں رکھ سکتا اور اس کے ساتھ ہی حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ پر ندامت سے ایک اور ہی کیفیت طاری ہوگئی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے تحریر کیا کہ اگر خدا نے تمہیں نفس کی شدت سے آشنا کردیا تو کوئی مرتبہ بھی حاصل نہ کرسکو گے اور اللہ نے ہر اُمت میں کچھ امین مقرر کئے ہیں لیکن اُمت محمدی کے امین اولیاء کرام ہیں اور عورتوں اور لڑکوں کی صحبت صوفیاء کے لئے تباہ کن ہوتی ہے اور جو قلبی لگاؤ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کے قلب سے خود بخود ماسوا اللہ کی یاد نکل جاتی ہے اور صادق وہی ہے جو گوشہ تنہائی میں خدا کو یاد کرتا ہے۔ اور موحد وہ ہے جو خدا کی بارگاہ میں رہ کر اوامر ونواہی کی پابندی کرتا رہے، اور بحر توحید میں غرق ہونے والے کی تشنگی کبھی رفع نہیں ہوتی اور زاہد وہی ہے جو خود کو کھو کر خدا کو تلاش کرتا رہے۔ اور بندے کو بندہ ہی کی طرح رہنا سزاوار ہے۔ اور جو غور وفکر کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ عبادت بھی بہت زیادہ کرتا ہے۔

انتقال کے وقت آپ نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں قول سے مخلوق کو فعل سے نفس کو نصیحت کرتا رہتا ہوں۔ لہٰذا مخلوق کی نصیحت کے معاوضہ میں میرے نفس کی خیانت کو معاف کردے۔ اتنا کہہ کر جان، جانِ آفریں کے حوالے کردی۔ **انا للّٰہ و انا الیه راجعون۔**

وفات کے بعد کسی بزرگ نے آپ کو اعلیٰ مراتب پر فائز دیکھ کر سوال کیا کہ یہ مرتبہ آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا کہ میں نے دنیا میں برائی کو بھلائی کے ساتھ کبھی مخلوط نہیں ہونے دیا۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

حضرت رویمؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک رویم (رویمؒ) ہے، اور آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی احمد تھا۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ اس لئے آپ کا پورا نام ابو محمد رویم بن احمد ہے۔

آپ یگانہ روزگار اور امامِ وقت تھے۔ آپ کا شمار اکابرین مشائخ و سادات صوفیائے کرام میں ہوتا ہے۔ علم تفسیر اور تجوید میں بھی آپ ماہر فن تھے۔ آپ صاحب اسرار مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے اور اپنے وقت میں فقیہ الفقہاء کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ علوم و فنون میں بے نظیر اور بلندیٔ حال میں بے مثال تھے۔ سیر و سیاحت اور زہد و عبادت کی کثرت سے آپ مقام تجرید و تفرید پر پہنچ گئے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ آپ کی ایک کتاب جو سماع کے موضوع پر ہے اس کا نام "غلط الواجدین" ہے۔ آپ ظاہری اور باطنی یعنی کہ دنیاوی اور روحانی علوم میں بہت اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپ کے اقوال بہت لطیف اور احوال بہت قوی تھے۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دوست اور محرم راز تھے۔ آپ نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا۔ آپ کے ہم عصروں میں حضرت عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ صاحب اسرار مشائخ میں سے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ گزشتہ بیس سالوں سے میری یہ کیفیت ہے کہ جس قسم کے کھانے کا تصور کیا وہ فوراً مل گیا۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ دوپہر میں مجھے شدت کی پیاس محسوس ہوئی تو میں نے ایک مکان سے پانی طلب کیا اور جب اندر سے ایک لڑکا پانی لے کر آیا تو میں نے پی لیا۔ لیکن اس لڑکے نے کہا کہ یہ کس قسم کا صوفی ہے جو دن میں پانی پیتا ہے، چنانچہ اسی دن سے آج تک میں نے کبھی دن میں پانی نہیں پیا۔

زُہد وعبادت کی کثرت سے آپ مقام تجرید وتفرید پر پہنچ گئے تھے۔تجرید سے مراد خلق سے قطع تعلق اور فراغت ہے اور تفرید سے مراد اپنے آپ سے فارغ ہونا ہے اور یہ مقام فنافی اللہ کی غایت ہے۔تفرید یعنی ذات حق کے ساتھ فرد ہوجانا بلند ترین مقام سمجھا جاتا ہے۔اس وقت سالک جو کچھ کرتا ہے قوت حق سے اور ارادہ حق سے کرتا ہے۔مقام تفرید کو کسی نے یوں بیان کیا ہے:

تفرد باللّٰہ فرید فرید

فظلّ وحید والمشوق وحید

''مقام تفرید پر پہنچ کر سالک فرد بن جاتا ہے اور محبّ ومحبوب دونوں ایک ہوجاتے ہیں۔''

یہ شعر حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر لکھا ہوا ہے۔آخر عمر میں آپ نے اپنے آپ کو دنیا داری اختیار کرکے چھپانے کی کوشش کی اور عہدۂ قضا قبول کرلیا لیکن آپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ وہاں بھی نہ چھپ سکے۔اس وجہ سے خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:**مافارغان مشغولیم ورویمؒ مشغول فارغ است** ۔''ہم ترک دنیا ہونے کے باوجود دنیا میں غرق ہیں اور رویم رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں مشغول رہ کر بھی تارک دُنیا ہے۔''

روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آکر کہا کہ **کیف حالک** ''آپ کا کیا حال ہے؟'' آپ نے جواب دیا کہ **کیف حال من دینه هواه وهمة دنیاه لیس هوبصالح تقي ولابعارف نقي**۔''اس شخص کا کیا حال ہوسکتا ہے۔جس کا دین حرص وہوا ہو اور جس کی ہمت دنیا ہو، جو نہ نیک مرد صالح ہے نہ متقی عارف ہے۔''یعنی نہ دنیا ترک کر کے نیکی اختیار کرسکتا ہے اور نہ عارف بحق ہوسکتا ہے۔

لفظ''تقی'' سے مراد تارک الدنیا اور''نقی'' سے مراد واصل باللہ ہے اور یہ اشارات آپ نے انسانی نفس کے عیوب کی طرف کیے ہیں۔

فرمایا کہ جن کو حضوری حاصل ہوتی ہے وہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔اول: شاہد وعید جن پر ہر لمحہ ہیبت طاری رہتی ہے۔دوم: شاہد وعدہ جو ہمیشہ عالم غیبویت میں گم رہتے ہیں۔سوم: شاہد حق جو ہر وقت مسرور ومگن رہتے ہیں۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول وفعل عطا کرنا بھی داخل سعادت ہے کیونکہ اگر قول کو سلب کرکے صرف فعل کو باقی رکھے تو نعمت ہے اور اگر فعل سلب کرکے صرف قول باقی رکھے تو مصیبت ہے اور اگر قول وفعل دونوں کو سلب کرلے تو ہلاکت ہے۔

فرمایا کہ قلب عارف ایک ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں ہر لمحہ تجلیات کا انعکاس ہوتا رہتا ہے۔فرمایا کہ قرب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا ہر شے سے وحشت ہوتی رہے۔پھر فرمایا کہ صوفی کا مخلوق سے کنارہ کش ہونا ہی افضل ہے۔پھر فرمایا کہ فقر اس کا نام ہے کہ نفس کی مخالفت کرتا رہے۔رموز خداوندی کو آشکار نہ ہونے دے۔اور ترک شکایت کا نام صبر ہے اور خدا کے سامنے خود کو ذلیل تصور کرنا تواضع ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ کس حال میں ہو؟ فرمایا کہ جس کا مذہب خواہشات اور ہمت دینار ہو اس کا حال کیا پوچھتے

ہو۔حال تو اُن کا دریافت کرو جو عارف ومتقی اور عبادت گزار ہوں۔فرمایا کہ سب سے پہلے خدا نے بندے پر معرفت کو فرض کیا، جیسا کہ قرآن میں ہے:"نہیں پیدا کیا ہم نے جن وانس کو مگر عبادت کے لئے۔"فرمایا کہ خدا نے اپنی ذات کے علاوہ ہر شے کو دوسری شے میں پوشیدہ کر دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ جماعت صوفیاء کے علاوہ ہر جماعت کو پل صراط پر سے گزرنا اس لئے دشوار نہیں کہ دوسری جماعتوں سے ظاہری شریعت کے مطابق اور جماعتِ صوفیاء سے باطن کے مطابق بازپرس ہوگی۔پھر کسی نے سوال کیا کہ آداب سفر کیا ہیں؟فرمایا کہ کسی قسم کا خطرہ بھی مسافر کے لئے سدراہ نہ ہو اور نہ کہیں آرام کی غرض سے قیام کرے کیونکہ جس جگہ بھی قلب نے آرام کر لیا بس وہی اس کی منزل ہے۔پھر فرمایا کہ تصوف کی اساس یہ ہے کہ فقراء سے تعلق رکھے عجز کے ساتھ ثابت قدم رہے اور بخشش وعطا پر معترض نہ ہو اور اعمال صالحہ پر ثابت قدمی کا نام تصوف ہے اور خدا کی محبت میں فنائیت کا نام توحید ہے۔

فرمایا کہ ترک دنیا کا نام زُہد ہے۔فرمایا کہ خائف اسی کو کہا جاتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی سے خوفزدہ نہ ہو۔ فرمایا کہ خندہ پیشانی کے ساتھ احکام الٰہی کے استقبال کرنے کا نام رضا ہے۔اور اخلاص عمل یہ ہے کہ دونوں جہاں میں اس کے صلے کی اُمید نہ رکھے۔

حضرت عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ سے نصیحت کرنے کی استدعا کی تو فرمایا کہ خدا کی راہ میں جان قربان کر دو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر اقوال صوفیاء پر عمل نہ کرنا۔

عمر کے آخری حصہ میں آپ نے قضا کا عہدہ اختیار کر کے اہل دنیا کا لباس اختیار کر لیا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے لئے سپر بن جائیں۔حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم سب تو فارغ مشغول ہیں اور حضرت رویمؒ مشغول فارغ ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
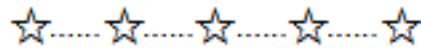
حضرت سمنون بن عبداللہ خواصؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی سمنون ہے۔آپ کے والد بزرگوار عبداللہ خواص تھے اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔اس طرح آپ کا مکمل نام ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواص ہے۔

آپ اپنے وقت میں اہل محبت کے لئے مانند آفتاب تھے اور پیار محبت دوستی کے صحیح معنوں میں رہنمائے اعظم تھے۔ آپ اپنے زمانے میں بے نظیر تھے اور محبت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ بہت عظیم المرتبت بزرگ تھے۔آپ کا کلام بہت بالا اور اسی نسبت سے مشکل تھا یعنی کہ عوام الناس کے لئے زود فہم نہ تھا۔تمام مشائخ وقت آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو سمنون المحب کہتے تھے لیکن آپ اپنے آپ کو از راہِ کسر نفسی سمنون الکذاب (جھوٹا) کہتے تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سنِ ولادت اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں اور آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ فرماتے ہیں کہ درحقیقت محبت ہی راہِ خدا پر گامزن ہونے کا آئین ہے اور احوال و مقامات اور نسبتیں سب محبت کے مقابلے میں بے حقیقت ہیں اور کمال ذاتی کے اعتبار سے اکثر صوفیائے کرام نے آپ کی معرفت کو محبت پر فوقیت دی ہے۔

سفر حج سے واپسی پر اہل فید کے اصرار پر آپ نے وہاں وعظ فرمایا لیکن عوام کے اوپر آپ کا وعظ اثر انداز نہ ہوسکا جس کی بنیاد پر (جس سبب) آپ نے قندیلوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب میں تمہیں محبت کا مفہوم سمجھاتا ہوں اور جب آپ نے مفہوم بیان کرنا شروع کیا تو قندیلوں پر ایسا وجد طاری ہوا کہ باہم ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔

ایک مرتبہ آپ نے اس مفہوم کا شعر پڑھا کہ نہ تو مجھے تیرے سوا کسی سے راحت ملتی ہے نہ کسی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور اگر تو چاہے تو میرا امتحان لے سکتا ہے۔یہ شعر پڑھتے ہی آپ کا پیشاب بند ہو گیا اور اس وقت آپ مکتب جارہے تھے چنانچہ راستہ میں جتنے لڑکے ملے ان سے کہا کہ دعا کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک کاذب کو شفا دے دے۔

اسی طرح ایک اور جگہ مفہوم محبت بیان فرمارہے تھے تو ایک کبوتر نیچے اُتر کر آپ کے سر پر، پھر آغوش میں، پھر ہاتھ پر بیٹھ کر زمین پر اُتر گیا اور اضطرابی کیفیت سے اپنی چونچ سے زمین کھودنے لگا حتی کہ چونچ لہولہان ہوگئی اور وہیں دم توڑ گیا۔

سنت کی خاطر آپ نے نکاح کر لیا اور جب لڑکی تولد ہوئی تو آپ کو اس سے بے حد لگاؤ ہو گیا چنانچہ خواب میں دیکھا کہ میدانِ حشر میں محبین کے لئے ایک جھنڈا نصب ہے اور جب آپ اس کے نیچے پہنچے تو ملائکہ نے وہاں سے ہٹانا چاہا لیکن آپ نے فرمایا کہ میں شمعون محبؒ ہوں اور جب خدا نے مجھے اسی نام سے شہرت عطا کی ہے تو پھر مجھ کو یہاں سے کیوں ہٹاتے ہو، ملائکہ نے جواب دیا کہ لڑکی کی محبت سے قبل تم واقعی محبؒ تھے لیکن اب وہ مرتبہ سلب کر لیا گیا ہے، یہ سن کر آپ نے خدا سے دعا کی کہ اگر بچی کی محبت تجھ سے بعد (دوری) کا باعث ہے تو اس کو اسی وقت موت دے دے۔ ابھی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ گھر میں شور اُٹھا کہ بچی چھت سے گر کر ہلاک ہوگئی، یہ سنتے ہی آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

آپ کو ایک شخص بنام ''غلام خلیل'' کی طرف سے بہت تکلیف پہنچی۔ غلام خلیل نے آپ کے خلاف بادشاہ کے سامنے غلط شہادتیں دیں جس کی وجہ سے تمام مشائخ کو سخت افسوس ہوا۔ یہ غلام خلیل ایک ریاکار آدمی تھا جو پارسائی اور درویشی کا دعویدار تھا اور جس نے چرب زبانی سے سلاطین و امراء کے ہاں شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس نے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر دیا تھا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے اور ہر دور میں ہوتا ہے۔ اس کا دستور یہ تھا کہ مشائخ اور درویشوں کا بادشاہوں اور امیروں کے دربار میں شکوہ کر کے اُن کو بدنام کرتا تھا تا کہ اُن سے بدظن ہو کر سب لوگ اس کی عزت کریں۔

دراصل حضرت سمنون اور دیگر مشائخ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ غلام خلیل جیسا صرف ایک آدمی اُن کے خلاف تھا۔ حالانکہ آج کل تو ہر حق پرست کے لئے ہزاروں غلام خلیل پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن مشائخ عظام اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ کیونکہ مردار گدھوں کی غذا ہے۔ جب حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کی بغداد میں شہرت ہوئی اور ہر شخص ان کے پاس آنے جانے لگا تو غلام خلیل کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور اس نے ان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں چنانچہ اس نے ایک عورت کو حضرت حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا۔ جب عورت نے آپ کو دیکھا تو شادی کے لئے آمادہ ہوگئی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

اس کے بعد وہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی۔ اور عرض کیا کہ سمنون کو کہیں میرے ساتھ شادی کر لیں۔ اس سے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ لگا اور عورت کو تنبیہہ کی کہ یہ کام مت کرو۔ اس کے بعد وہ عورت غلام خلیل کے پاس گئی اور حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تہمت لگائی۔ غلام خلیل تو ایسی باتوں کی تلاش میں تھا۔ اس نے فوراً بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ اس (حضرت سمنون) کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب جلاد کو لایا گیا اور اس نے بادشاہ سے قتل کا حکم صادر کرنے کی درخواست کی تو بادشاہ کی زبان بند ہوگئی اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اس رات اس کو خواب میں دکھایا گیا کہ تمہاری بادشاہت کا زوال حضرت سمنونؒ کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسرے روز بادشاہ نے آپ سے معافی مانگی اور اچھی طرح رُخصت کیا۔

روایت ہے کہ بادشاہ کے اس رویے سے غلام خلیل بے حد رنجیدہ ہوا اور اس بدنیتی کی وجہ سے کوڑھی ہوگیا اور جس وقت

کسی بزرگ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا کہ غلام خلیل کوڑھی ہوگیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یقیناً یہ کسی صوفی بزرگ، اولیاء اللہ کے ساتھ گستاخی کا نتیجہ ہے۔ پھر اس شخص نے غلام خلیل سے کہا کہ تیرا یہ مرض صوفیاء کرام کی اذیت رسانی کا نتیجہ ہے۔ یہ سن کر اس نے صدق دلی کے ساتھ اپنے برے خیالات سے توبہ کر لی۔

فرمایا کہ فقیر کو فقر سے ایسی محبت ہونی چاہیے جیسی امراء کو دولت سے ہوتی ہے۔ اسی طرح فقیر کو دولت سے ایسی نفرت ہونا چاہیے کہ جیسا امراء کو فقر سے ہوتی ہے۔ فرمایا کہ تصوف کا مفہوم حقیقی یہ ہے کہ نہ تو کوئی شے تمہاری ملکیت میں ہو اور نہ تم کسی کی ملکیت میں ہو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر الٰہی پر مداومت (ہمیشگی، ہر وقت) ہی کا نام محبت ہے جیسا کہ قرآن میں ہے **اذکروا اللہ ذکراً کثیراً** یعنی بکثرت خدا کا ذکر کرتے رہو۔ فرمایا کہ خدا کے محبین ہی سے دُنیا کو شرف حاصل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص جس شے کو محبوب سمجھتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ محشر میں خدا کے محبین ہی اس کے ہمراہ ہوں گے۔ فرمایا کہ محبت کی تعریف لفظ و بیان سے باہر ہے۔ فرمایا کہ خدا محبین کو اس لئے ہدف مصائب بناتا ہے کہ ہر کس و ناکس اس کی محبت میں قدم نہ رکھ سکے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب ایک ادق (مشکل) چیز کو بیان کیا جاتا ہے تو اس سے بھی زیادہ مشکل الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں اور چونکہ محبت سب چیزوں سے زیادہ مشکل ہے معلوم نہیں اسے کن الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ محبت الفاظ میں نہیں آسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے الفاظ متکلم کی صفت ہیں (فانی ہیں) اور محبت حق تعالیٰ کی صفت ہے (جو باقی ہے) پس محبت الفاظ سے کیسے بیان ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی شجاع ہے۔آپ کے نام سے پہلے شاہ احتراماً لکھا جاتا ہے کیونکہ آپ شہزادے تھے۔آپ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔اور کرمانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کرمان کے رہنے والے تھے۔آپ کے آباءو اجداد کرمان کے بادشاہ تھے۔آپ کی کنیت ابوالفوارس ہے۔اس طرح سے آپ کا پورا نام ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانی ہے۔

آپ شاہ شیوخ وتغیر از روزگارش منسوخ کے معزز القاب وخطاب سے یاد کئے جاتے ہیں یعنی کہ مشائخ کے ایسے شہنشاہ جس کی حالت میں (روحانی حالت میں) زمانہ منفی تبدیلی نہ لاسکتا ہو۔آپ کے اقوال بہت بلند اور حال بہت قوی تھا۔ریاضات، مشاہدات وکرامات میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ریاضات میں آپ بہت ہی عالی ہمت بزرگ ہوئے ہیں۔آپ کا سارا گھرانہ بہت ہی متقی وپرہیزگار تھا۔آپ نے دنیا کو اس طرح ٹھکرایا کہ بادشاہت کے بدلے فقیری یا فقر کو شوق سے اپنایا۔آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود بہت ہی عظیم المرتبت بزرگ ہوئے ہیں۔آپ کی تصانیف بہت ہیں جن میں ایک کتاب یا تصنیف بنام ''مراۃ الحکماً'' بہت مشہور ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔البتہ آپ کے ہم عصروں میں ایسے نام آتے ہیں جو اپنے وقت کے مانے ہوئے کبار مشائخ میں سے تھے اس لئے آپ کے زمانے کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔آپ حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دوستوں میں سے تھے۔حضرت ابوحفص حدادی رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور آنے پر آپ کا استقبال کیا۔حضرت ابوعثمان سعید بن اسماعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک آپ کی صحبت میں رہے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ مکمل چالیس سال تک نہیں سوئے اور جب آپ کی آنکھیں نیند سے بھاری ہونے لگتیں تو اُن میں نمک بھر لیتے۔ چالیس سال کے بعد جب آپ ایک مرتبہ سوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے تجھے بیداری

میں تلاش کیا لیکن خواب میں پایا ندا آئی کہ یہ اس بیداری کا معاوضہ ہے ۔اس کے بعد سے آپ نے سونے کو اس لئے اپنا معمول بنالیا کہ شاید پھر جلوہ باری تعالیٰ نظر آجائے۔اور آپ اپنے اس خواب پر اس قدر نازاں تھے کہ یہ فرمایا کرتے کہ اگر خواب کے معاوضے میں مجھے دونوں عالم بھی عطا کئے جائیں جب بھی قبول نہیں کروں گا۔

جب آپ کے یہاں لڑکا تولد ہوا تو اس کے سینے پر سبز حروف میں اللہ جل شانہٗ تحریر تھا لیکن جب وہ شعوری عمر کو پہنچا تو لہو ولعب میں مشغول رہ کر بربط پر گانا گایا کرتا تھا۔چنانچہ رات کے وقت جب ایک محلّہ میں سے گاتا ہوا گزرا تو ایک نئی دلہن جو اپنے شوہر کے پاس سوئی ہوئی تھی مضطربانہ طور پر اُٹھ کر باہر جھانکنے لگی ۔دریں اثناء جب شوہر کی آنکھ کھلی تو بیوی کو اپنے پاس نہ پا کر اُٹھا اور بیوی کے پاس پہنچ کر اس لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا کہ شاید ابھی تیری توبہ کا وقت نہیں آیا۔یہ سن کر لڑکے نے تاثیر آمیز انداز میں کہا کہ یقیناً وقت آچکا ہے اور یہ کہہ کر بربط توڑ دیا اور اسی دن سے ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا اور اس درجہ کمال تک پہنچا کہ اس کے والد فرمایا کرتے تھے کہ جو مقام مجھے چالیس سال میں حاصل نہ ہوا وہ صاحبزادے کو چالیس یوم میں مل گیا۔

کرمان کے بادشاہ جو آپ کے ہی خاندان کے فرد تھے نے آپ کی صاحبزادی کا رشتہ مانگا۔آپ نے تین دن کی مہلت مانگی ۔آپ تین دن ایک مسجد کے گرد چکر کاٹتے رہے کہ شاید کوئی درویش مل جائے تو میں بیٹی اس کے نکاح میں دے دوں۔تیسرے دن مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے ایک درویش مل گیا جو نماز میں اس قدر گم تھا کہ اسے جان وتن کی ہوش نہ تھی ۔وہ درویش جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس سے پوچھا کہ شادی ہو چکی ہے؟اس نے کہا نہیں ۔آپ نے پوچھا نکاح کی خواہش رکھتے ہو؟اس نے مسکرا کر کہا حضرت!مجھ جیسے ناکارہ آدمی کو جس کے گھر میں نہ آٹا نہ دا، نہ لکڑی نہ چولہا۔اس بے چراغ گھر میں کون اپنی لخت جگر کو قربان کرے گا۔آپ نے کہا اطمینان رکھو، میں تیرے نکاح میں اپنی لڑکی دیتا ہوں یہ کہہ کر اسے لے گئے اور اپنی لڑکی اس درویش کے نکاح میں دے دی۔

جب آپ کی صاحبزادی اس درویش کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ ایک کوزے میں پانی پڑا ہے اور پاس ایک سوکھی روٹی کا ٹکڑا پڑا ہے ۔صاحبزادی نے پوچھا یہ کیا ہے؟خاوند نے کہا آدھا پانی اور روٹی کا آدھا ٹکڑا کل کھالیا تھا۔آدھا آج کے لیے رکھا ہے۔لڑکی نے کہا میں تو ابھی اپنے والدین کے گھر جاؤں گی۔درویش نے کہا میں نے تو پہلے ہی آپ کے والد صاحب سے سب کچھ کہہ دیا تھا کہ شاہی خاندان کی لڑکی فقیر کے گھر کیسے گزارا کرے گی؟لڑکی نے کہا یہ بات نہیں بلکہ میں تو اپنے والد سے یہ شکایت کروں گی کہ آپ نے مجھے کیسے آدمی کے نکاح میں دے دیا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ نہیں ہے۔جو آج روٹی کھا کر کل کے لیے بچا کر رکھتا ہے۔یہ کیسا متقی ہے؟اہل توکل کے سلیقہ سے یہ شخص واقف نہیں ۔اس گھر میں یا روٹی رہے گی یا میں رہوں گی۔

وہ درویش یہ سن رہا تھا اور روحانی خوشی میں شکرانے کے طور پر رو رہا تھا اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہہ رہا تھا اے رب دو جہاں!تو نے میرے گھر میں کیسی رحمت بھیج دی۔جس نے میرے بے چراغ دل اور میرے بے چراغ گھر کو منور کر دیا۔اس درویش نے کہا آئندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا مجھے معاف کر دو۔

جب آپ نیشا پور پہنچے تو حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظمت و برتری کے باوجود آپ کا احترام کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کو میں عباء میں تلاش کرتا تھا اس کو میں نے قبا میں پایا۔(عباء ایک ایسے جبہ کو کہتے ہیں جو پاؤں تک لمبا ہوتا ہے جیسے سعودی ثوب اور قبا ایک قسم کا آگے سے کھلا ہوا کوٹ یا اچکن کی طرح کا لباس ہے۔)

حضرت ابوحفص حدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تحریر کیا کہ جب میں نے اپنے عمل و نفس اور معصیتوں پر نگاہ ڈالی تو مایوسیوں کے سوا کچھ نہ ملا۔ آپ نے جواب میں تحریر کیا کہ میں نے آپ کے مکتوب کو اپنے قلب کے لئے آئینہ بنالیا ہے کیونکہ اگر نفس سے مخلصانہ مایوسی ہوگئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے آس ہوگی اور جب اللہ سے آس ہوگی تو خوف پیدا ہوگا اور جب خوف پیدا ہوگا تو نفس کی جانب مایوسی ہوگی اور جب نفس سے مایوسی ہو جائے گی تو خدا کی یاد بھی ہو سکے گی، اور جب اللہ کی یاد مکمل ہوگی تو استغناء پیدا ہوگا اور مستغنی ہونے کے بعد ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کا وصال ہوسکتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دوست تھے۔ ایک شہر میں اتفاق سے دونوں اکٹھے ہو گئے۔ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے واعظ تھے۔ آپ کا وعظ سن کر لوگ دل پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔ آپ نے حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ کو وعظ میں شرکت کی دعوت دی مگر آپ نہ گئے۔ ایک دن اتفاق سے ایسا ہوا کہ ایک مسجد کے ایک کونے میں آپ بیٹھے تھے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسجد میں وعظ شروع کر دیا کچھ دیر وعظ کرتے رہے۔ آخر آپ کی زبان وعظ کے لئے بند ہوگئی۔ آپ نے ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی اہل بصیرت نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا یقیناً یہاں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو مجھ سے بلند مرتبہ واعظ ہے حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے کونے سے نکل کر سامنے آگئے اور فرمایا: یحییٰ میں نے اسی لیے تیری مجلسِ وعظ میں آنے سے گریز کیا تھا۔

آپ کے اقوال بہت بلند ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ اپنے کمال کو کمال نہیں سمجھتا اور جب کمال سمجھنے لگتا ہے تو کمال ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اہل ولایت اپنی ولایت کو ولایت نہیں سمجھتے اور جب وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ولی ہیں تو ولایت نہیں رہتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے اندر حقیقی معنوں میں کمال اور ولایت ہے تو وہ اسے کچھ بھی نہیں سمجھتے، لیکن جب وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتے ہیں تو وہ خالی ہو جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جو شخص اپنے کمال یا اپنی ولایت پر ناز کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ صاحب کمال نہیں ہے یعنی جو شخص اپنے آپ کے متعلق یہ سمجھے کہ میں صاحب کمال ہوں یا ولی ہوں تو نہ وہ صاحب کمال ہوتا ہے اور نہ ہی ولی۔

فرمایا کہ صبر کی تین علامتیں ہیں۔ ترک شکایت، صدق رضا اور قبولیت رضا۔ فرمایا کہ میری مثال اس زندہ مرغ کی سی ہے جس کو سیخ پر لگا کر آگ میں رکھ دیا جائے اور چاروں طرف سے آگ دھکائی جائے۔ فرمایا کہ صدق کی تین علامتیں ہیں۔ اول: دنیا سے نفرت کا اظہار۔ دوم: مخلوق سے دوری۔ سوم: خواہشات پر غلبہ حاصل کرنا۔ فرمایا کہ خوف الٰہی کا مفہوم ہمیشہ خائف رہنا ہے اور سب سے بڑا خائف وہ ہے جو دکھاوے کے لئے حقوق اللہ کی تکمیل نہ کرتا ہو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہل فضل کا فضل اور اہل ولایت کی ولایت اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک وہ اپنے فضل و ولایت کو فضل وولایت تصور نہیں کرتے۔ فرمایا کہ فقر خدا کا ایک راز ہے اور جب تک فقراء اس کو پوشیدہ رکھتے ہیں امین ہوتے ہیں اور افشائے راز کے بعد ان سے فقر سلب کر لیا جاتا ہے۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت علی سیر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر فقراء میں کھانا تقسیم کیا کرتے تھے۔ ایک دن اللہ پاک سے دعا کی کہ اے اللہ! کوئی ایسا مہمان بھیج جس کے ساتھ بیٹھ کر میں کھانا کھاؤں۔ اتنے میں ایک کتا آ گیا۔ آپ نے اسے دھتکار دیا۔ وہ چلا گیا اس وقت غیب سے آواز آئی کہ خود ہی مہمان مانگا اور خود ہی اسے دھتکار دیا۔ یہ سن کر آپ مضطرب ہو گئے اس کتے کی تلاش میں گئے۔ بڑی تلاش کے بعد وہ کتا جنگل میں مل گیا۔ آپ نے اس کے سامنے کھانا رکھا مگر اس نے نہ کھایا۔ آپ نے گڑگڑا کر دعا مانگی اے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھ سے بھول ہو گئی اور میں نے توبہ کی۔ کتے نے کہا آپ نے اچھا کیا اگر شاہ شجاع کرمانی کے مزار سے ہٹ کر یہ حرکت کرتے تو ایسی سزا ملتی کہ عمر بھر یاد رکھتے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی سہل ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔آپ تستر کے رہنے والے تھے اور آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔اور اس طرح آپ کا پورا نام ہے ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری ہے۔قارئین کرام! اس کتاب میں میں نے اپنی لاعلمی کے سبب کئی جگہ آپ کا اسم ''سہل'' کے بجائے ''سہیل'' بن عبداللہ تستری لکھا ہے۔اس غلطی کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔امید ہے کہ اس وضاحت سے غلط فہمی نہیں ہوگی۔

آپ کو صوفیاء کرام نے مالک القلوب (دلوں کا مالک) اور ماحی العیوب (عیبوں سے پاک کرنے والا) کے جیسے معزز القاب وخطابات سے نوازا ہے یا ایسے خطابات سے آپ کی روحانی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔آپ اپنے زمانے کے امام طریقت تھے اور ہر دلعزیز تھے۔آپ بڑے عبادت گزار اور مجاہد تھے۔آپ کے معاملات نیک تھے اور اخلاص اور نفس کے نقائص بیان کرنے میں آپ کے اقوال وکلمات پسندیدہ ہیں۔آپ پیدائشی ولی تھے۔اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا اور اگر آپ کو اپنے وقت کا صوفیاء کرام کا پیشوا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اس کے علاوہ آپ ہمیشہ فاقہ کشی کے عالم میں شب بیداری کرتے رہے اور یہ تمام چیزیں عہد طفولیت ہی سے آپ کے حصہ میں آئی تھیں،حتیٰ کہ آپ کا یہ قول ہے کہ جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ **الست بربکم** یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو مجھے اپنا جواب **بلیٰ** اب بھی یاد ہے یعنی کیوں نہیں! تو ہی ہمارا رب ہے۔

آپ بہت ہی عالی ہمت تھے اور زہد،ریاضت وتقویٰ میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش اور سنِ وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں۔آپ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ آپ کے ہم عصروں میں کچھ کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔حضرت ابوطلحہ مالک،حضرت بوعلی وقاق،حضرت حبیب حمزہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور حضرت محمد بن سوارؒ آپ کے ماموں تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ تین سال کی عمر ہی سے اپنے ماموں محمد بن سوار کے ہمراہ مشغول عبادت رہتے تھے اور ایک دن آپ نے ماموں

سے عرض کیا کہ میں ازل سے لے کر آج تک عرش کے سامنے سجدہ ریز ہوں لیکن ماموں نے ہدایت کی کہ آئندہ یہ بات کسی سے نہ کہنا اور ہر شب میں ایک مرتبہ یہ دعا ضرور پڑھ لیا کرو۔ **اللّٰہ معی اللّٰہ ناظری اللّٰہ شاھدی** اور جب آپ نے اس کو معمول بنالیا تو آپ کے ماموں نے حکم دیا کہ اب اس دعا کو یومیہ سات مرتبہ پڑھا کرو پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کی تعداد پندرہ کروا دی اور تا حیات آپ اس پر عمل پیرا رہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے تعلیم قرآن حاصل کی اور سات سال کی عمر سے روزے رکھنے کی مداومت (ہمیشگی) اختیار کر لی اور ہمیشہ جو کی روٹی سے روزہ افطار کرتا تھا۔ پھر بارہ سال کی عمر میں جب مجھے ایک مسئلہ میں اشکال پیش آیا (مشکل پیش آئی) تو میں حضرت حبیب حمزہ جو اپنے دور کے بہت بڑے عابد و زاہد تھے، کے پاس بصرہ پہنچا۔ انہوں نے میرا اشکال (میری مشکل کو) دور فرما دیا اور کچھ دن میں اُن کی خدمت سے فیض یاب ہو کر پھر واپس تستر لوٹ آیا اور یہ معمول بنالیا کہ دن میں روزہ رکھتا اور رات کو ساڑھے چار تولہ چاندی کے وزن کے برابر جو کی دوٹکیاں بنا کر کھالیتا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد تین شبانہ روز کا روزہ شروع کیا، پھر سات اور پھر پچیس یوم کے روزے کو اپنا معمول بنالیا۔

روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ستر شبانہ روز کے بعد افطار کیا اور کبھی چالیس شبانہ روز کے بعد صرف اک بادام کھالیا آپ فرماتے ہیں کہ میں نے فاقہ کشی اور کھانے دونوں چیزوں کا تجربہ کر کے دیکھا تو ابتداء میں بھوک سے نقاہت اور کھانے سے قوت محسوس ہوتی تھی لیکن رفتہ رفتہ بالکل اس کے برعکس محسوس ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت کی وجہ سے آپ ماہِ شعبان میں بکثرت روزہ رکھتے تھے، اور پورے رمضان میں صرف ایک مرتبہ کھا پی لیتے تھے۔

قیام و سفر کرتے ہوئے کوفہ پہنچے تو نفس نے تقاضا کیا کہ اگر آپ مجھے مچھلی اور روٹی کھلا دیں تو مکہ معظّمہ تک کچھ نہیں مانگوں گا، چنانچہ آپ نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک اونٹ چکی سے بندھا ہوا چکی چلا رہا ہے۔ آپ نے چکی کے مالک سے پوچھا کہ دن بھر کی محنت کے بعد تم اونٹ والے کو کیا دیتے ہو؟ اس نے کہا دو دینار دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کھول کر مجھے باندھ دو اور دن بھر کے بعد بجائے دو دینار کے ایک دینار دے دینا۔ جب شام کو ایک دینار مل گیا تو آپ نے مچھلی روٹی کھا کر نفس سے کہا کہ جس وقت بھی تو مجھ سے بھوک کی شکایت کرے گا اسی طرح محنت کرنا پڑے گی۔ پھر مکہ معظّمہ پہنچ کر حج کیا اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو کر تستر واپس آ گئے۔

آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بہشت میں ہوں اور وہاں تین بزرگوں سے ملاقات کر کے یہ سوال کر رہا ہوں کہ دنیا میں سب سے زیادہ ڈراؤنی شے آپ کو کیا پیش آئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ خاتمہ کا ڈر سب سے زیادہ تھا۔ پھر فرمایا کہ میں نے خواب میں ابلیس سے کہا کہ تیرے نزدیک سب سے زیادہ پریشان کن کون سی شے ہے؟ اس نے کہا "بندے کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہمراہ راز و نیاز کا ہونا" ایک مرتبہ میں نے ابلیس کو پکڑ کر پوچھا کہ جب تک تو اللہ کی وحدانیت کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا میں نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ اس نے اس قدر تشریح کے ساتھ معارف وحدانیت بیان کئے کہ اس انداز

میں کوئی عارف بھی بیان نہیں کر سکتا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک ایسے خدا رسیدہ سے شرف نیاز حاصل ہوا ہے جو شب و روز دریا کے اندر مقیم رہتے تھے اور صرف پانچ وقت کی نمازوں کے لئے باہر نکلتے تھے لیکن ان کے اوپر پانی کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک پرندہ پکڑ پکڑ کر لوگوں کو بہشت میں لے جاتا ہے اور جب مجھے حیرت ہوئی تو ندا آئی کہ یہ پرندہ دنیاوی تقویٰ ہے اور آج اہل تقویٰ اس کے طفیل میں داخل جنت ہو رہے ہیں۔

ایک مرتبہ بیابان میں آپ کو ایک بہت ہی بد حال بڑھیا ملی چنانچہ جب آپ نے اس کی اعانت کرنی چاہی تو اس نے ہاتھ اُٹھا کر مٹھی بند کر لی اور جب مٹھی کھولی تو اس میں سونا تھا پھر اس نے آپ سے کہا کہ تم جیب سے رقم نکالتے ہو لیکن مجھے غیب سے ملی ہے اور یہ کہہ کر اچانک غائب ہو گئی اور جب آپ نے بیت اللہ پہنچ کر طواف کرنا شروع کیا تو دوران طواف دیکھا کہ کعبہ خود اس بڑھیا کا طواف کر رہا ہے اور جب آپ اس کے نزدیک ہوئے تو اس بڑھیا نے کہا کہ جو اختیاری طور پر یہاں پہنچتا ہے اس کے لئے طواف کعبہ ضروری ہے لیکن جو اضطراری عالم میں آتے ہیں کعبہ خود اُن کا طواف کرتا ہے۔

جب آپ سطح آب پر چلتے تو قدم کبھی تر نہیں ہوتے تھے اور جب لوگوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کشتی کے بغیر پانی کے اوپر چلتے ہیں؟ فرمایا کہ مسجد کے مؤذن سے پوچھ لو یہ جھوٹ نہیں بولتا اور جب اس مؤذن سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اس کا تو مجھے علم نہیں البتہ ایک مرتبہ آپ نہاتے ہوئے حوض پر پھسل کر گرنے کے قریب ہوئے تو میں نے تھام لیا۔ لیکن حضرت ابو علی وقاقؒ کہتے ہیں کہ آپ بہت صاحب کرامت ہونے کے باوجود خود کو زمانہ کی نظروں سے چھپائے رکھتے تھے۔

ایک بزرگ نماز جمعہ سے قبل آپ سے ملاقات کے لئے آئے تو دیکھا کہ آپ کے نزدیک ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہوا ہے اور جب وہ بزرگ اجازت لے کر قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ جو حقیقت آسمان سے ناواقف ہوتا ہے وہی زمین کی چیزوں سے خوف کھاتا ہے پھر آپ نے بزرگ سے پوچھا کہ نماز جمعہ کے لئے کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا مسجد جامع تو یہاں سے چوبیس گھنٹوں کی مسافت کے فاصلے پر ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور چشم زدن میں مسجد کے اندر داخل ہو گئے اور نماز کے بعد لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مخلص صاحب ایمان تو بہت قلیل ہیں البتہ کلمہ گو بہت زیادہ ہیں۔

عمرو لیث ایک مرتبہ ایسا علیل ہوا کہ اطباء نے جواب دے دیا۔ چنانچہ اس نے عالم یاس میں آپ کو بلا کر دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ دعا اسی کے حق میں اثر انداز ہوتی ہے جو تائب ہو چکا ہو، لہذا پہلے تم توبہ کر کے قیدیوں کو رہا کر دو۔ اور جب اس نے حکم کی تعمیل کر دی تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! جس طرح تو نے اپنی نافرمانی کی ذلت اس کو عطا کی اسی طرح میری عبادت کی عظمت بھی اس کو دکھا دے۔ یہ کہتے ہی وہ تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا اور بہت سی دولت بطور نذرانہ پیش کرنی چاہی، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ پھر کسی مرید نے راستہ میں عرض کی کہ اگر آپ نذرانہ قبول کر لیتے تو میں قرض سے سبکدوش ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے زر (سونا، سیم وزر) دیکھنا ہے تو سامنے دیکھ اور جب اس نے نظر اُٹھائی تو ہر سمت سونا ہی سونا نظر آیا

اس پر آپ نے فرمایا کہ خدا نے جس کو یہ مرتبہ عطا کیا ہو اس کو دولت کی تمنا کیسے ہو سکتی ہے۔

نہ تو آپ کبھی دیوار سے ٹیک لگاتے نہ پاؤں پھیلاتے اور نہ کبھی کسی کے سوال کا جواب دیتے یعنی کہ بے معنی گفتگو نہ کرتے بلکہ خاموش رہتے۔ایک مرتبہ مسلسل چار ماہ تک آپ کے پیر کی انگلیوں میں شدید درد رہا، اور آپ نے انگلیوں کو باندھے رکھا۔اور جب کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔پھر جب اس شخص نے مصر پہنچ کر حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو اُس نے دیکھا کہ ان کے پاؤں کی انگلیاں بندھی ہوئی تھیں۔اور حضرت ذوالنون نے فرمایا کہ میں چار ماہ سے درد میں مبتلا تھا۔پھر جب اس شخص نے حضرت ذوالنون سے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا تو حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سوائے سہل کے میرے درد سے باخبر ہو کر کوئی اس طرح سے میری پیروی کرے۔

اچانک آپ نے ایک مرتبہ دیوار سے پشت لگا کر پاؤں پھیلاتے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ آج جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو، اور جب لوگوں نے عرض کیا کہ آج یہ کیا عجیب ماجرا ہے تو فرمایا کہ جب تک استاد حیات تھے ان کا ادب لازمی تھا، یہ سن کر لوگوں نے تاریخ وقت نوٹ کر لئے اور معلومات کے بعد پتہ چلا کہ ٹھیک اسی وقت حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ "روئے زمین پر جو لوگ بستے ہیں وہ اللہ تبارک وتعالی سے جاہل ہیں سوائے ان لوگوں کے جو حق تعالی کو اپنی جان اور روح اور دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔وہ اللہ تبارک وتعالی کی معرفت سے محروم رہتا ہے۔کیونکہ معرفت ترک خواہشات سے اور تسلیم رضا سے حاصل ہوتی ہے اور خواہشات نفس پورا کرنے سے جہل وغفلت لازم آتی ہے۔

علماء کی بھی تین قسمیں ہیں اول: وہ عالم جو اپنے علوم ظاہر کو لوگوں کے سامنے پیش کر دے۔دوم: وہ عالم جو علوم باطنی کو اہل باطن کے روبرو بیان کر دے۔سوم: وہ عالم جس کے علم کو اس کے اور اللہ تبارک وتعالی کے سوا کوئی نہ جانتا ہو اور سب سے بڑی معصیت جہالت ہے۔پھر فرمایا کہ اسلام کے تین زریں اصول ہیں۔اول: اخلاص واعمال میں حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی اتباع۔دوم: رزق حلال استعمال کرنا۔سوم: افعال میں اخلاص پیدا کرنا۔فرمایا کہ ابتداء میں توبہ ضروری ہے لیکن خاموشی اختیار کیے بغیر توبہ کا حصول ممکن نہیں اور ادائیگی حقوق کے بغیر رزق حلال کا حصول ناممکن ہے۔اور جب تک اپنے تمام اعضاء کی نگہداشت نہ کرے حقوق خداوندی ادا نہیں ہو سکتے۔اور ہماری تمام بیان کردہ باتیں توفیق الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

فرمایا کہ افضل انسان وہی ہے جو بد خصلتی کو ترک کر کے نیک خصلت اختیار کرے۔فرمایا کہ فقراء کو نظر تحقیر سے مت دیکھو کیونکہ ان میں اکثر نائب اور وارث انبیاء ہوتے ہیں۔پھر فرمایا کہ عبودیت کا ابتدائی مقام اپنے اختیار وقوت سے خالی اور بیزار ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ جس کے ظاہر و باطن میں یگانگت نہ ہو اس کو صدق کی ہوا تک نہیں لگ سکتی۔فرمایا کہ اہل بدعت سے تعلق قائم کرنے والے سے اللہ تبارک وتعالی اتباع سنت سلب کر لیتا ہے اور جو بدعتی کے افعال پر اظہار مسرت کرتا ہے اس سے نور ایمانی سلب کر لیا جاتا ہے۔اور دنیا میں سنت ایک ایسی شے ہے جیسے آخر میں جنت اور جس کو جنت حاصل ہو گئی اس سے غم واندوہ کا

خاتمہ ہو گیا جو متبع سنت ہو گیا اس سے بدعت دور ہو گئی۔

فرمایا کہ صدیقین اور شہداء کے سوا کسی کو فراخ دلی حاصل نہیں ہوتی۔فرمایا کہ اہلِ اخلاص کو مصائب کا شکار بنا کر اللہ تبارک وتعالیٰ آزماتا ہے اور اگر وہ ثابت قدم رہتے ہیں تو قرب عطا کرتا ہے ورنہ آتش فراق میں ڈال دیتا ہے۔فرمایا کہ خدا کے علاوہ کسی شے سے بھی طمانیت کا حصول حرام ہے اور جو اوامر و نواہی کی پابندی نہیں کرتا وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔

پیٹ بھر کر کھانے سے خواہشات نفسانی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے اور نفس اپنی مرادیں طلب کرنے لگتا ہے۔فرمایا کہ حلال رزق سے محرومی خلوت نشینی کے لئے سودمند نہیں ہو سکتی اور حلال رزق اسی کو ملتا ہے جس کو خدا چاہے۔فرمایا کہ دعا بدون (بغیر) فاقہ کشی قبولیت سے محروم رہتی ہے اور جو بھوک ذلت وقناعت کو اپنا لیتا ہے اسی کو لذت عبادت بھی حاصل ہوتی ہے اور فاقہ کش کو ابلیس بھی فریب نہیں دے سکتا اور رزق حلال سے مکمل اعضاء رجوع عبادت رہتے ہیں اور حرام رزق سے رغبت اور معصیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

فرمایا کہ زہد کے تین مدارج ہیں۔پہلا درجہ تو یہ ہے کہ لباس وطعام میں زہد اختیار کرے کیونکہ طعام کا انجام غلاظت اور لباس کا انجام پھٹنا ہے۔اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ میل ملاپ کا انجام فراق ہے۔اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کو فانی تصور کرتا رہے۔فرمایا کہ نفس کو پس پشت ڈال دینے کا نام پرہیز گاری ہے۔اور اتباع نفس کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دشمن کو دوست رکھے۔پھر فرمایا کہ تجلی کی بھی تین قسمیں ہیں۔اول: تجلی ذات جس کو مکاشفہ اور اسرار خداوندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔دوم: تجلی صفات جو مرکز نور ہوتی ہے۔فرمایا کہ پرہیز گاری کا ابتدائی درجہ زہد ہے اور زہد کا پہلا درجہ معرفت اور معرفت کا پہلا درجہ تو کل ہے اور توکل کا پہلا درجہ رضائے الٰہی اور رضائے الٰہی کا پہلا درجہ موافقت ہے۔

فرمایا کہ دوستی کا مفہوم یہ ہے کہ فرمانبرداری پر آمادہ رہتے ہوئے مخالف چیزوں سے فرار اختیار کرے اور تمام راحتیں بھی اسی کا مقدر ہیں جو خدا کو دوست رکھتا ہے۔فرمایا حیا کا پہلو خوف سے بلند ہے کیونکہ عبادت اہل اللہ کے لیے مخصوص ہے اور خوف تمام عالم کے لئے۔او ردین و دنیا سے خائف نہ ہونے کا نام مراقبہ ہے اور ایمان صرف بیم ورجا کے مابین ہی ملتا ہے اور متکبر کو بیم ورجا حاصل ہی نہیں ہوتے اور سب سے بڑا خائف وہی ہے جس کو یہ خوف رہے کہ نہ جانے تو شہ تقدیر کیا ہے۔

فرمایا کہ شب وروز میں صرف ایک مرتبہ کھانا صدیقین کا شیوہ ہے اور دو مرتبہ کھانا مومنین کی عادت ہے اور تین مرتبہ کھانا چرنے والوں (جانوروں) کا کام ہے۔فرمایا کہ اخلاق حسنہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ لوگوں کے قصور معاف کرتے ہوئے برائی کا بدلہ نہ لے۔فرمایا کہ مرض وبلا اور بھوک پر قابو پانے اور الا ماشاء اللہ کہنے سے بندہ خدا کے کرم کا مستحق ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ نجات خاموشی،تنہائی اور کم کھانے میں ہے۔کسی نے عرض کیا کہ میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔آپ نے پوچھا کہ میرے بعد کس کی صحبت اختیار کرو گے؟اس نے کہا کہ خدا کی صحبت۔آپ نے فرمایا کہ ابھی سے اس کی صحبت اختیار کر لو۔

فرمایا کہ خدا کی سب سے بڑی دین یہ ہے کہ قلب کو اپنے ذکر سے سرفراز فرما دے۔اور سب سے عظیم معصیت خدا کو

فراموش کردیتا ہے۔اورحرام شے سے کنارہ کش رہنے والا ماموں ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ زیادہ متبرک قلب عارف کا ہے جیسا کہ معرفت جیسی بابرکت شے قلب عارف میں مقیم ہو جاتی ہیں اور اگر قلب سے زیادہ کوئی دوسرے شے متبرک ہوتی تو اسی کو معرفت عطا کی جاتی اور عارف کی پہچان یہ ہے کہ اس کے قلب میں ذکر الٰہی کا اضافہ ہوتا رہے۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑا کوئی معین ومعاون نہیں اور حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے زیادہ بڑا ہادی و رہنما نہیں۔تقویٰ سے افضل کوئی زادراہ نہیں اور صبر کا کوئی نعم البدل نہیں۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پکار پکار کر فرماتا ہے کہ اے بندو! میں تمہیں یاد کرتا ہوں،لیکن تم مجھے یاد نہیں کرتے۔میں تمہیں اپنی جانب بلاتا ہوں اور تم مخالف سمت اختیار کرتے ہو۔بھلا اس سے زیادہ ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے اور محشر میں تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا۔فرمایا کہ جس نے نفس پر قبضہ (نفس قابو میں) کرلیا وہ پورے عالم پر قابض ہو گیا۔فرمایا کہ موافقت نفس صدیقین کا پہلا گناہ ہے۔کیونکہ مخالف نفس سے بہتر کوئی عبادت نہیں اور جس نے نفس کو شناخت کرلیا،اس نے خدا کو پہچان لیا۔اس نے ہر شے حاصل کر لی۔

فرمایا کہ صدیقین پر خدا ایک فرشتہ مقرر کردیتا ہے جو اس کو اوقات نماز سے مطلع کرتا رہتا ہے اور اگر وہ سو جاتا ہے تو بیدار کردیتا ہے۔فرمایا کہ صوفیاء وہ ہیں جو کدورت سے پاک غور وفکر کے عادی،خالق سے نزدیک اور مخلوق سے دور ہوتے ہیں اور خاک وسونے میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہوتا۔اور کم کھانا مخلوق سے فرار اختیار کرنا،خالق کی عبادت کرنا،عین تصوف ہے۔

فرمایا کہ توکل انبیاء کی پسندیدہ شے ہے،اسی لئے متبعین کے لئے اتباع سنت ضروری ہے۔توکل کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سامنے اس طرح رہے جیسے غسال کے سامنے میت پڑی رہتی ہے۔اور متوکل کی شناخت یہ ہے کہ نہ تو کسی سے طلب کرے اور نہ بغیر طلب کسی سے کچھ لے،بلکہ اگر کوئی کچھ دے بھی تو اس کو صدقہ کردے،اور مواعید خداوندی پر صدق دلی سے ایمان رکھے اور خواہ کچھ پاس ہو یا نہ ہو،ہر حال میں مسرور رہے۔توکل بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جو دنیا کو چھوڑ کر عبادت وریاضت میں مشغول ہو جائے اور توکل ہی ایک ایسی شے ہے جس میں سوائے اچھائی کے برائی کا کوئی پہلو ہی نہیں ہوتا۔

آپ اس طرح مناجات کرتے تھے کہ اے اللہ! میں کسی لائق بھی نہیں پھر بھی تو مجھے یاد کرتا ہے اور میرے لئے یہی خوشی بہت ہے،اور وفات کے قریب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے مرنے کے بعد خلیفہ کون ہوگا اور بر سر منبر وعظ کون کہے گا؟ فرمایا کہ ''شاد دل گیر'' آتش پرست میرا خلیفہ ہوگا۔چنانچہ آپ نے اس کو بلوا کر فرمایا کہ میری موت سے تین یوم بعد نماز ظہر کے وقت سے وعظ شروع کردینا۔جب تیسرے دن تمام لوگ جمع ہوئے اور وہ اپنے مذہبی لباس میں منبر پر پہنچا تو لوگوں سے کہا کہ تمہارے سردار نے مجھے راہنما بنایا ہے اور مجھ سے یہ بھی فرمایا ہے کہ تیری آتش پرستی ترک کردینے کا وقت آپہنچا ہے۔یہ کہتے ہی اس نے اپنا لبادہ اُتار کر کلمہ پڑھا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔اس کے بعد لوگوں کو نصیحت کی کہ میں تو ظاہری لبادہ اُتار کر مسلمان ہو گیا ہوں لیکن اگر روز محشر اپنے مرشد سے ملنا چاہتے ہو تو باطنی زنار کاٹ کر پھینک دو۔اس جملہ سے اہل مجلس اس درجہ متاثر ہوئے کہ مضطربانہ طور پر رونے لگے۔

آپ کے جنازے میں کثیر مجمع کے ساتھ آتش پرست بھی شامل تھااوراس نے لوگوں کوبتایا کہ ملائکہ کے گروہ درگروہ آپ کاجنازہ اُٹھارہے ہیں۔**اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

حضرت ابوطلحہ مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ حالتِ صوم میں دُنیا کےاندر تشریف لائے اورروزے ہی کی حالت میں رُخصت ہو گئے۔ایک شخص آپ کے سامنے سے گزراتوفرمایا کہ یہ اہل باطن ہےاورآپ کی وفات کے بعداسی شخص کو آپ کےمزارپردیکھ کرکسی نے کہاکہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ تو آپ کواہل باطن کہا کرتے تھے لہٰذا کوئی کرامت ہمیں بھی دکھا دیجئے۔چنانچہ اس نےقبر سے مخاطب ہوکرکہا،اے سہل! کچھ تو فرمایئے اوراندرسےآوازآئی کہ خدا کےسوانہ کوئی معبود ہےاورنہ اس کا کوئی شریک ہے،اس شخص نے کہاکہ اے سہل! یہ کہنے والے کی قبرمنورہو جاتی ہے۔آوازآئی کہ میری قبر بھی خدا نے منورکردی۔
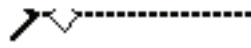
حضرت حسین بن منصور حلّاج

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی حسین ہے اور آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک منصور تھا۔آپ کی کنیت ابو مغیث ہے اور حلّاج آپ کو آپ کی ایک کرامت کے سبب کہا جانے لگا۔حلّاج کے معنی روئی دھنکنے والے کے ہیں۔اس طرح سے آپ کا پورا نام ابو مغیث حسین بن منصور حلاج ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حلّاج آپ کا لقب تھا۔آپ کی تصانیف بہت ہیں اور آپ اشعار بھی کہہ دیتے تھے یعنی کہ آپ شاعر بھی تھے۔آپ کی شاعری و تصانیف تصوف، طریقت و معرفت کے متعلق تھے۔

آپ کا شمار اُن اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے ایسے اولیاء اللہ جو حقیقت میں غرق ہوں اور مشتاقان و مستانِ طریقت ہوں۔آپ کا حال بہت قوی اور ہمت بہت بلند تھی۔آپ صبر و ہمت کا کوہِ گراں تھے۔آپ کی تصانیف بہت ہیں اور اصول و فروع میں آپ کا کلام اسرار و رموز سے لبریز ہے۔حضرت علی بن عثمان الجلابی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سے زائد آپ کی کتب دیکھی ہیں۔

آپ تمام علوم ظاہری اور باطنی پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔آپ نے تصوف اور طریق تصوف میں اپنے نظریئے اور عقائد کی شرح و توضیح میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ابن ندیم (مخالفین) نے آپ کے رسائل اور کتب کی تعداد 47 تک گنوائی ہے۔

کتاب الاخراب المحد شۃ والازلیہ والاسماء بالکیہ ہ کتاب العدل والتوحید۔کتاب علم الفناء والقضاء۔کتاب مدح النبی والمثل الاعلیٰ کتاب ہو۔یہ کتابیں منصور حلاج کی اہم ترین تصنیفات میں شمار ہوتی ہیں۔حلاج اس دور کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔

آپ بہت ہی نرالی شان کے بزرگ اور اپنی طرز کے یگانہ روزگار تھے۔کشف و کرامات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش 244 ہجری بمطابق 858ء ہے، سنِ ہجری کے لحاظ سے آپ نے 65 سال کی عمر پائی۔اور آپ کو شرعی فتویٰ کی رُو سے 18 ذی قعد 309 ہجری کو بغداد میں پھانسی کے پھندے تک لے جایا گیا (آپ شوق سے وہاں پہنچے)

کچھ دیر بعد لوگوں نے سنگسار کرنا شروع کر دیا۔ پھر ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے۔ پھر آنکھیں نکالی گئیں۔ جس وقت آپ کی زبان کاٹی گئی تو خلیفہ کا حکم پہنچا کہ سر بھی قلم کر دیا جائے اور آپ یوں 18 ذی قعدہ 309 ہجری بمطابق 19 مارچ 922 عیسوی کو انتقال فرما گئے۔

آپ نے تقریباً بیس (20) سال کی عمر میں حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی ان کی صحبت میں رہے۔ حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی تربیت کی۔ حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دوست وہمراز تھے۔ حضرت یعقوب نہر جوری او رحضرت رشید خرو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہم بھی آپ کے ہم عصر تھے۔

وضاحتِ شخصیت:

قارئین کرام! میں (اس کتاب کا مصنف) حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے آپ کی شخصیت کو واضح کرنا چاہتا ہوں اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے میں حضرت علی بن عثمان الھجویری اور حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے خیالات ورائے سے آگاہ کروں گا اور اس باب کے اختتام پر میں دوبارہ اپنے خیالات و سوچ کا بھی مختصراً اظہار کر دوں گا۔ ان دو مقتدر ہستیوں کے بعد میرا اظہار خیال کرنا بالکل اسی طرح سے ہے کہ جیسے سورج کے سامنے چراغ دکھانا، لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں حسن ظن ہی رکھا جائے تو سب کے لئے اس میں فلاحِ دارین ہے۔ ان کے احترام، عزت ومحبت میں ہماری اپنی سرفرازی ہے۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کئی اور کتابوں میں بھی ضرور ہوگا لیکن جو دو کتابیں سب سے زیادہ مصدقہ ومعتبر ہیں اور میری نظر سے گزری ہیں وہ دونوں ہی اولیاء اللہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ اوران دونوں میں بھی کشف المحجوب اس لئے افضل ہے کہ یہ حضرت حسین بن منصور حلاج پر لکھنے والوں میں اس کے زمانے کے قریب تر ہے اور اس کے مصنف گرامی قدر نے اس کے متعلق پچاس (50) سے زیادہ آپ کی کتابوں کو پڑھا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اولیاء اللہ پر، اپنے خاص بندوں پر، صدیقین پر ان کی تعلیم وتربیت کے دوران (اور یہ ساری عمر جاری رہتی ہے) مختلف کیفیات وارد کرتا ہے اور وہ کیفیات بندے کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ جب عروج کر رہے ہیں یا ''مقامِ فنا'' میں تو سراسر سکر محویت، استغراق اور لاشعور ہی ہے اور جب نزول کر کے ''مقامِ بقا'' میں ہوتے ہیں تو اول الذکر کے بالکل مختلف صحو، ہوشیاری اور شعور ہے۔ آپ ان تمام مدارج سے بخوبی گزرے ہیں۔ پھر آپ کا مقام اولیاء اللہ میں بہت بلند ہے اور اولیاء اللہ کے، روحانیت کے، اس کی کیفیات کے، شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت یا قرآن ودین اسلام کے باریک نکتوں کو اچھی طرح سمجھنا اور انہیں قابل فہم بنا کر عوام الناس کو پیش کرنا صرف اور صرف آپ لوگوں، اولیاء اللہ ہی کا خاصہ ہے۔ زمین پر خلافت اولیاء اللہ کو اسی وقت ملتی ہے جب وہ روحانیت کے تمام ادوار سے بخوبی گزر کر ''بقاباللہ'' میں واپس آجاتے ہیں۔ آپ پر یہ تمام ادوار آئے ہیں اور آپ نے

بحرِ روحانیت کو، بحرِ توحید کو، بحرِ ربانیت کو، بحرِ اسرار و رموز کو دیکھ کر، سوچ کر، باہوش و حواس عقل و خرد کے ساتھ خوش اسلوبی سے طے کیا ہے۔ اس لئے جو آپ نے فرمایا ہے، جو انداز آپ (حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ) نے اپنایا ہے یا حضرت حسین بن حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو آپ فرماتے ہیں ہمارے لئے وہی سب سے زیادہ مصدقہ ہے، راہ نما ہے اور قابل تقلید ہے۔

حضرت علی بن عثمان الجلابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

منصور بن حلاج کے مقام کے متعلق مشائخ طریقت کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک آپ مردود سمجھے جاتے ہیں اور ایک گروہ کے نزدیک متبول بارگاہ ہیں۔ جو لوگ آپ کو مردود سمجھتے ہیں ان میں حضرت عمرو بن عثمان مکی، ابو یعقوب نہر جوری، ابو یعقوب اقطع اور علی بن سہل اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم ہیں۔ اور جن حضرات نے آپ کو مقبول قرار دیا ہے ان میں حضرت ابن عطا محمد بن خفیف، ابو القاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہم اور جملہ مشائخ متاخرین ہیں۔ ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے آپ کے حق میں خاموشی اختیار کی ہے۔ مثلاً حضرت جنید، حضرت شبلی اور حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم۔ بعض لوگوں نے آپ کو سحر اور جادو سے منسوب کیا ہے۔ ہمارے زمانے کے مشائخ مثل شیخ المشائخ شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو شیخ منصور حلاجؒ کا ہمراز سمجھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔

لیکن حضرت ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر وہ اہل حقیقت تھے تو خلق کے طعن و تشنیع کی وجہ سے وہ حق تعالیٰ کی درگاہ سے محروم نہیں ہو سکتے۔ اور اگر وہ مہجور و مردود طریقت تھے تو قبول خلق کی وجہ سے مقبول نہیں ہو سکتے۔ لہذا ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کے اندر جو نشان حق پایا ہے اس کی وجہ سے ان کا احترام کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے منکرین کی تعداد بہت کم ہے۔ لہذا ہمارے لئے ان کے کمال و فضل، صفائے قلب، ریاضت و مجاہدات کے باوجود اس کتاب میں ان کا ذکر نہ کرنا بددیانتی ہوگی۔ علمائے ظواہر میں سے بھی بعض لوگ ان کی تکفیر کرتے ہیں (کافر سمجھتے ہیں) اور ان کے کمالات کے منکر ہیں۔ اور ان کے کشف و کرامات کو حیلہ بہانہ اور جادو سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ وہی بغدادی ملحد (بے دین) ہے جو محمد بن زکریا کا استاد تھا۔ اور ابو سعید قرامطی کا رفیق تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حسین بن منصور الحلاج جن کے متعلق مشائخ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، یہ اس نام کے وہ دوسرے شخص ہیں جو فارس کے شہر بیضا کے باشندہ تھے اور ان کو مشائخ نے اس وجہ سے رد نہیں کیا کہ ان کے عقائد میں کوئی خرابی تھی۔ ان کے عقائد میں کوئی خرابی نہیں تھی بلکہ ان کے عجیب حالات کی بنا پر ان کی نکتہ چینی کی گئی ہے۔

مثلاً سب سے پہلے وہ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے لیکن اصول طریقت کو ترک کرتے ہوئے وہ ان کو چھوڑ کر حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلے گئے۔ اس کے بعد ان کو چھوڑ کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا پہنچے لیکن آپ نے ان کو قبول نہ کیا۔ اسی وجہ سے دیگر لوگوں نے ان کو قبول نہیں کیا۔

لیکن جو مہجور طریقت ہو وہ مہجور حقیقت نہیں ہوتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق فرمایا

ہے:انا والحلاج فی شیٔ واحدفخلصنی واھلکه عقله ۔''میں اور حلاج ایک جیسے ہیں لیکن مجھے میرے جنون نے بچا لیا اور اس کو اس کی عقل نے ہلاک کر دیا۔''اگر ان کے عقائد میں کوئی خرابی ہوتی تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک چیز ہیں۔حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ھوا عالم ربانی یعنی کہ وہ (حضرت حسین بن منصور حلاجؒ) ''عالم ربانی تھے۔''اسی قسم کے اقوال ان کے حق میں بہت ہیں۔پس مشائخ عظام کی ناراضگی اور ناخوشی کی وجہ سے وہ بدنام ہو گئے۔آپ کی تصانیف بہت ہیں۔اور اصول وفروع میں آپ کا کلام اسرار ورموز سے لبریز ہے۔

مزید فرماتے ہیں میں علی بن عثمان الجلابی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پچاس کتب بغداد اور اس کے نواح میں اور بعض خوزستان، فارس اور خراسان میں دیکھی ہیں۔ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابتداء میں سالکین کا حال ہوتا ہے کہ بعض قوی ہیں، بعض ضعیف، بعض آسان ہیں، بعض مشکل۔غرض یہ کہ جب کسی بزرگ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں تو ان کی عبارت (گفتگو، وعظ) ادق (مشکل ترین) ہو جاتی ہے۔خاص کر جب مصنف خود جلدی کرے یا وضاحت سے نہ لکھے تو سننے والوں کے اذہان اسے قبول نہیں کرتے اور عقل ان کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔جب کلام بہت اعلیٰ وارفع ہوتا ہے تو بعض جہالت کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہیں اور بعض جہالت کی وجہ سے اسے تسلیم کرتے ہیں۔اور ان کا انکار بھی اقرار بن جاتا ہے۔لیکن محققین نہ عبارات میں الجھتے ہیں اور نہ تعجب کرتے ہیں۔لہٰذا مدح وذم (تعریف اور مذمت) دونوں سے پرہیز کرتے ہیں۔اور انکار واقرار دونوں سے باز رہتے ہیں۔

اور جو لوگ اس جواں مرد کو جادو سے منسوب کرتے ہیں۔یہ بات بعید از قیاس ہے کیونکہ اگرچہ عقائد اہلسنّت والجماعت کے مطابق کرامات کی طرح جادو کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن طریقت میں جادو کو روا رکھنا کمال کفر ہے۔جیسا کہ کرامت کمال معرفت ہے اس وجہ سے کہ جادو اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب اور کرامت اس کی رضا کا نتیجہ ہے،اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

حلاجؒ کے خلاف الزامات کا جواب:

اہل بصیرت (اولیاءِ کرام) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلسنّت والجماعت سے تعلق رکھنے والا مسلمان خاسر (گمراہ) اور ساحر (جادوگر) نہیں ہو سکتا اور کافر مکرم (صاحب کرامت) نہیں بن سکتا کیونکہ اس سے جمع اضداد لازم آتا ہے۔لیکن حسین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ نماز کی پابندی ذکر ومناجات کی زیادتی اور مسلسل روزوں کی وجہ سے بہت نیک تھے۔اور توحید کے مضمون پر بھی آپ کا کلام بہت لطیف ہے۔اگر وہ جادوگر ہوتے تو یہ تمام چیزیں ان کے لئے ناممکن تھیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کے خوارق، جادو نہیں کرامات تھے۔اور کرامات کا صدور ولی اللہ کے سوا کسی میں نہیں ہوتا۔اور یہ جو بعض اہل سنت ان پر اعتراض کرتے ہیں اور اتحاد وامتزاج کے الزام لگاتے ہیں یہ ان کے انتخاب الفاظ کی وجہ سے ہے نہ کہ معنی (حقیقت) کی وجہ سے۔کیونکہ ایک شخص جو مغلوب الحال ہے اس کے لئے صحیح الفاظ وعبارات کا انتخاب ناممکن ہو جاتا ہے اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کلام مشکل ہوتا ہے اور لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں تو اس کا انکار کر دیتے ہیں اور ان کا یہ انکار

ان کی اپنی جہالت کا ثبوت ہے۔شرح حسب ذیل ہے۔

حضرت منصور حلاجؒ پر اتحاد اور امتزاج کے الزامات لگائے گئے ہیں۔امتزاج کو عام طور پر حلول بھی کہتے ہیں اور شریعت میں عقیدہ اتحاد اور عقیدہ حلول دونوں حرام ہیں۔عقیدہ اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص یا چیز کے وجود کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود کے ساتھ متحد یعنی ساتھ ملا ہوا سمجھنا۔یہ عقیدہ شریعت میں اس لئے حرام ہے کہ وجود صرف ایک ہے اور وہ ہے وجود باری تعالیٰ باقی اشیاء کا وجود ظلی،فرضی اور اضافی ہے۔اس لئے اگر کسی شخص کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کے ساتھ متحد قرار دیا جائے تو اس سے وجود کی دوئی یا کثرت لازم آتی ہے حالانکہ وجود واحد ہے۔امتزاج یا حلول کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزیں آپس میں اس قدر حل ہو جائیں کہ ایک نظر آئیں۔جیسے پانی میں شکر گھل مل جاتی ہے۔اس سے بھی کثرت وجود لازم آتا ہے۔یعنی پانی اور شکر۔ حالانکہ وجود ایک ہے جو وجود باری تعالیٰ ہے۔لہٰذا حلاج نے جب ''نعرہ انا الحق'' لگایا تو جن لوگوں کو معرفت اور حقیقت کا علم نہیں ہے وہ یہ سمجھنے لگے کہ حلاج نے وہی کچھ کیا ہے جو نصرانی کہتے ہیں۔یعنی خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر اُتر آیا۔یا جس طرح ہنود کا عقیدہ ہے کہ رام اور کرشن کو خدا کا اوتار (روپ،زمین پر شکل و وجود) مانتے ہیں۔یعنی جن کے اندر خدا اُتر آیا۔لیکن حلاج کے نعرہ ''انا الحق'' کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ''میں خدا ہوں'' بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ''میں نہیں ہوں،خدا ہے''۔اور خدا خود ''انا الحق'' کہہ رہا ہے۔ضمیر انا کا مرجع خدا ہے نہ کہ حلاج۔اور یہ اور بات ہے کہ کیونکہ سالک کو جب مقام فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سالک خود خدا بن جاتا ہے بلکہ وہ گم ہو جاتا ہے اور خدا باقی رہتا ہے۔جیسے جب قطرہ سمندر میں گم ہو جاتا ہے تو قطرہ نہیں رہتا بلکہ سمندر رہ جاتا ہے۔یہ ایک لطیف بات ہے اور باریک نکتہ ہے جس کو سمجھنے کے لئے لطافت اور تزکیہ نفس کی ضرورت ہے۔حالت کثافت نفس میں (یعنی کہ عام آدمی کو) اس کا سمجھنا محال ہے۔کیونکہ جب تک انسان خود اس مقام سے نہ گزرے اس کا سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔

اور میں نے بغداد اور اس کے نواح میں ملحدوں (بے دینوں) کا ایک گروہ دیکھا جو حلاج کی اقتدا کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور ان کے کلام سے اپنے ملحدانہ عقائد کا جواز نکالتے تھے۔وہ اپنے آپ کو حلاجی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔اور ان کے کلام میں اسی طرح غلو (مبالغہ آمیزی) کرتے تھے جس طرح کہ رافضی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کرتے ہیں۔

لیکن کلامِ حلاجؒ اقتدا کے قابل نہیں:

البتہ حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی اقتدا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ مغلوب الحال تھے نہ کہ متمکن۔اور صرف متمکن (غالب الحال،ابو الحال) مشائخ کا کلام قابل اقتدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے تشریح ہو چکی ہے ارباب طریقت کے مقامات کے اعتبار سے دو اقسام ہیں۔ارباب تلوین و ارباب تکوین۔ارباب تلوین پر سکر محویت اور استغراق کا غلبہ ہوتا ہے۔کیونکہ ان کا ظرف اس قدر قوی اور وسیع نہیں ہوتا کہ شراب معرفت کے پیالے پیتے جائیں اور مست نہ ہوں۔ان کا کلام چونکہ درمیانی منازل کا نتیجہ ہوتا ہے اور عشق و مستی میں ڈوبا ہوا ہوتا

ہے۔اس کی اقتدا نہیں کرنا چاہیے۔ارباب تمکین وہ ہیں جو جس قدر شراب وحدت کے پیالے پیتے ہیں مست نہیں ہوتے بلکہ پیالےتو کیاوہ حضرات صراحی،خم،ندی نالے بلکہ دریا بھی نوش کر جاتے ہیں لیکن مدہوش نہیں ہوتے۔اورشریعت کےخلاف نہ کوئی کلمہ منہ سے نکالتے ہیں اور نہ صوم وصلوٰۃ ترک کرتے ہیں۔لیکن ارباب تلوین سے بعض اوقات غیرشرعی کلمات بھی سرزد ہوجاتے ہیں اس لئے ارباب تلوین کا کلام اور روش قابل تقلید نہیں ہوتی۔بلکہ تقلید ان کی کرنا چاہیے جوارباب تمکین ہیں جو دریا اور سمندر نوش کرجاتے ہیں اور پھر بھی **ھل من مزید** کےنعرےلگاتے ہیں۔اورشرع وشریعت پرعامل رہتے ہیں۔لیکن یادرہے کہ ارباب تلوین کی مذمت کرنا روانہیں۔کیونکہ وہ بھی اللہ کےدوست ہوتے ہیں لیکن معذور اور مجبور ہوتے ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں لیکن میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے اگر چہ ان کا طریق کسی طور پر مستقیم نہیں ہےاوران کا حال کسی طرح صحیح نہیں ہے۔اوران کے حال میں فتنے بہت ہیں (یعنی عوام گمراہ ہوسکتے ہیں) لیکن مجھے اپنے ابتدائی مکاشفات میں ان سے بہت تقویت پہنچی ہےاورکافی دلائل وبراہین ملے۔اس سےقبل میں نے ان کےکلمات کی تشریح میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں ان کےمقامات کی بلندی اور حال کی صحت ثابت کی۔اس کےعلاوہ میں نے اپنی کتاب منہاج الدین میں بھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہےان کے حال کی ابتدااورانتہابیان کی ہےاوریہاں بھی قدرے بیان کردیا ہے پس جس طریق کےمتعلق اس قدر اعتراضات وارد ہو چکےہوں اس کی اقتدا کس طرح روا رکھی جاسکتی ہے۔

قارئین کرام!اسی معاملے پراب آپ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کےخیالات ورائے پڑھئے۔آپ فرماتے ہیں۔آپ کےمتعلق عجیب وغریب قسم کےاقوال منقول ہیں لیکن آپ بہت ہی نرالی شان کے بزرگ اوراپنی طرز کے یگانہ روزگار تھےاکثرصوفیاءنے آپ کی بزرگی سے انکارکرتے ہوئے کہا کہ آپ تصوف سےقطعاً ناواقف تھے۔ہمیشہ شوق وسوز کےعالم میں مستغرق رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف مغلق ومشکل عبارات کا مجموعہ تھیں حتی کہ بعض لوگوں نے تو کافروساحر کا خطاب دےدیااوربعض کا خیال ہے کہ آپ اہل حلول میں سے تھےاوربعض کہتے ہیں کہ آپ کا تکیہ اتحاد پرتھا۔لیکن آپ (حضرت فرید الدین عطار)فرماتے ہیں کہ توحید کامعمولی سابھی واقفِ کارآپ کوحلول واتحادکاعلمبردارنہیں کہہ سکتا بلکہ اس قسم کااعتراض کرنے والاخودناواقف توحید ہےاوراگران چیزوں کاتفصیلی جائزہ لیا جائےتواس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے چنانچہ بغداد میں ایک جماعت نے حلول اتحاد کے چکر میں گمراہ ہوکرخودکوحلاجی کہنے سےبھی گریزنہیں کیاحالانکہ انہوں نےصحیح معنوں میں آپ کےکلام کوسمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔مگرحقیقت یہ ہے کہ اس زمرے میں تقلید شرط نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کوچاہےاس مرتبہ پرفائزفرمادے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مجھےتواس بات پرحیرت ہوتی ہے کہ لوگ درخت سے **انی انا اللّٰہ** کی صدا کو(یہ قرآن کےالفاظ ہیں اور یہ صدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کوآئی تھی)توجائزقراردیتے ہیں اوراگریہی جملہ آپ کی زبان سےنکل گیاتوخلاف شرع بتاتے ہیں۔دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام کیااسی طرح آپ کی

زبان سے بھی کلام کیا اور یہی جواب حلول واتحاد کے واہیات تصورات کو دور بھی کرسکتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض حضرات حسین بن منصور حلاجؒ کو دو جداگانہ شخصیتیں قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ حسین ملحد بغداد کا باشندہ اور جادوگر تھا جس کی نشو ونما واسط میں ہوئی اور اسی حسین کو اولیاء کرام، علمائے حق نے ناپسند فرمایا ہے۔حضرت عبداللہ خفیفؒ کے قول کے مطابق حسین بن منصور حلاجؒ عالم ربانی ہوئے ہیں اور حضرت شبلیؒ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ مجھ میں اور حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ میں صرف اتنا سا فرق ہے کہ ان لوگوں نے دانشور تصور کرکے ہلاک کردیا اور مجھ کو دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔بہر حال انہیں اقوال کی مطابقت میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ حقیقت میں مطعون وملعون ہوتے تو پھر یہ دونوں عظیم بزرگ ان کی شان میں اتنے بہتر الفاظ کیسے استعمال کرسکتے تھے۔لہذا ان دونوں بزرگوں کے اقوال حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کا ولی اللہ،صوفی، بزرگ دین ہونے کے لئے بہت کافی ہیں۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ ہمہ وقت عبادات میں مشغول رہتے تھے اور میدانِ توحید و معرفت میں دوسرے اہل خیر کی طرح آپ بھی شریعت وسنت کے متبعین میں سے تھے۔آپ کی زبان سے انا الحق کا غیر شرعی جملہ نکل گیا لیکن آپ کو کافر کہنے میں اس لیے تردد ہے کہ آپ کا قول حقیقت میں خدا کا قول تھا اور حضرت مصنف کی رائے ہے کہ جو مشائخ آپ کی بزرگی کے قائل نہیں ہیں ان کے اقوال صوفیاء کی شان کے مطابق نہیں بلکہ بر بنائے حسد انہوں نے آپ کو مورد الزام گردانا ہے اس لئے ان مشائخ کے اقوال کو قابل قبول کہنا دانش مندی کے خلاف ہے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ اٹھارہ سال کی عمر میں تستر تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے بعد بصرہ چلے گئے۔پھر وہاں سے دو حرقہ پہنچے جہاں حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہوکر حضرت یعقوب اقطع رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے نکاح کرلیا۔لیکن حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی ناراضگی کے باعث حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغداد پہنچ گئے،اور وہاں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلوت سکوت کے تربیت سے مرصع کیا۔پھر وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد حجاز تشریف لے گئے اور ایک سال قیام کرنے کے بعد جماعت صوفیاء کے ہمراہ پھر بغداد واپس آ گئے۔

حجاز سے واپسی پر حضرت جنیدؒ سے نہ معلوم کس قسم کا سوال کیا جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ تو بہت جلد لکڑی کا سر سرخ کرے گا یعنی سولی چڑھا دیا جائے گا۔حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب مجھے سولی دی جائے گی تو آپ اہل ظاہر کا لباس اختیار کرلیں گے۔چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت علماء نے متفقہ طور پر حضرت حسین بن منصورؒ کو قابل گردن زدنی ہونے کا فتویٰ دیا تو خلیفہ وقت نے کہا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جب تک فتوے پر دستخط نہ کریں گے منصور کو پھانسی نہیں دے سکتا۔اور جب یہ اطلاع حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو آپ نے مدرسہ میں جا کر پہلے علماء ظاہر کا لباس

زیب تن کیا۔اس کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ ہم ظاہر کے اعتبار سے منصور کو سولی چڑھانے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت منصور کے کسی مسئلہ کا جواب نہیں دیا تو وہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کئے بغیر خفا ہو کر اپنی بیوی کے ہمراہ تستر چلے گئے اور ایک سال تک وہیں مقیم رہے۔وہاں کے لوگ آپ کے بے حد معتقد ہو گئے لیکن آپ اپنی فطرت کے مطابق اہل ظاہر کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے جس کی وجہ سے لوگوں میں آپ کے خلاف نفرت و حسد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے اہل خورستان کو آپ کی برائیاں تحریر کر کے اور بھی آپ کے خلاف معاندانہ جذبہ پیدا کر دیا۔چنانچہ آپ کو اس طرز عمل سے بے حد رنج پہنچا اور آپ نے صوفیاء کا لباس ترک کر کے اہل دنیا کا لباس اختیار کر کے دنیا داروں جیسا ہی رہن سہن اختیار کر لیا اور مکمل پانچ سال تک ہمہ اوست کے فلسفہ میں گم رہے اور مختلف ممالک میں مقیم رہ کر آخر میں فارس پہنچے اور اہل فارس کو بلند پایہ تصانیف پیش کیں اور اپنے وعظ و نصیحت میں ایسے ایسے رموز نہاں کا انکشاف کیا کہ لوگوں نے آپ کو حلاج الاسرار کے خطاب سے نوازدیا۔

پھر بصرہ پہنچ کر دوبارہ صوفیاء کا لباس اختیار کر کے مکہ معظّمہ کا عزم کیا اور راستہ میں بے شمار صوفیاء سے ملاقاتیں کرتے رہے لیکن مکہ معظّمہ پہنچنے کے بعد حضرت یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو جادوگر کہنا شروع کر دیا۔پھر وہاں واپسی کے بعد ایک سال بصرہ میں قیام کیا اور اہواز ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے اور وہاں سے خراسان و ماوراءالنہر ہوتے ہوئے چین پہنچ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کر دیا۔آپ جن جن ممالک میں پہنچے وہاں کے لوگوں نے آپ کے اوصاف کے مطابق خطابات سے نوازا۔

گھوم پھر کر آپ مکہ معظّمہ پہنچ گئے اور دو سال قیام کے بعد جب واپسی ہوئی تو آپ میں اس درجہ تغیر پیدا ہو گیا اور آپ کا کلام لوگوں کی فہم سے باہر (بالاتر) ہو گیا۔اب جن ممالک میں آپ تشریف لے جاتے وہاں کے لوگ آپ کو نکال دیتے جس کی وجہ سے آپ نے ایسی ایسی اذیتیں برداشت کیں کہ کسی دوسرے صوفی کو ایسی تکالیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔آپ کو حلاج اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ روئی کے ذخیرے پر سے گزرے اور عجیب انداز میں کچھ اشارہ کیا جس کی وجہ سے وہ روئی خود بخود دُھنکی گئی۔

ہر رات آپ چار سو رکعتیں نماز ادا کرتے تھے اور اس فعل کو اپنے اوپر فرض قرار دے لیا تھا اور جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ ایسے بلند مراتب کے بعد آپ اذیتیں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ دوستی کا مفہوم یہی ہے کہ مصائب پر صبر کیا جائے اور جو اس کی راہ میں فنا ہو جاتے ہیں انہیں راحت و غم کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔

ایک عرصہ دراز تک عبادت و ریاضت کے دور میں مسلسل آپ ایک ہی گدڑی میں زندگی بسر کرتے رہے اور جب لوگوں کے اصرار پر مجبور ہو کر اس گدڑی کو اتارا تو اس میں تین رتی کے برابر جوئیں پڑ گئی تھیں کسی شخص نے آپ کے قریب ایک بچھو کو دیکھ کر مارنے کا قصد کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو مت مارنا کیونکہ کافی عرصہ سے یہ میرے ساتھ ہے۔

ایک مرتبہ سفرِ حج میں آپ کے ہمراہ چار ہزار افراد مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ ننگے سر اور برہنہ جسم کھڑے ہو گئے اور مکمل ایک سال تک اسی حال میں کھڑے رہے حتیٰ کہ شدید دھوپ کی وجہ سے آپ کی ہڈیوں تک کا گودا پگھل گیا اور جسم کی کھال پھٹ گئی اسی دوران کوئی شخص روزانہ ایک ٹکیہ اور ایک کوزہ پانی آپ کے پاس پہنچا دیتا تھا اور آپ ٹکیہ کے کنارے کھا کر باقی ماندہ حصہ کوزے پر رکھ دیا کرتے تھے۔ اور آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ کے تہبند میں ایک بچھو نے رہنے کی جگہ بنالی تھی۔

میدان عرفات میں آپ نے کہا اے اللہ! تو سرگرداں لوگوں کو راہ دکھانے والا ہے اور اگر میں واقعی کافر ہوں تو میرے اس کفر میں اضافہ فرما دے۔ پھر جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ کو واحد تصور کرتے ہوئے تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ اور تیرے انعامات پر اپنے عجز کی وجہ سے شکر بھی ادا نہیں کر سکتا لہٰذا تو میرے بجائے اپنا شکریہ خود ہی ادا کر لے۔ اس لئے کہ بندوں سے تیرا شکر کسی طرح بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

حضرت رشید خرو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ بہت سے لوگ سفرِ حج میں آپ کے ہمراہ تھے اور کئی یوم سے کوئی غذا نصیب نہیں ہوئی تھی چنانچہ جب آپ سے سب نے بھوک کی شکایت کرتے ہوئے یہ فرمائش کی کہ اس وقت ہماری طبیعت سری کھانے کو چاہتی ہے تو آپ نے سب کی صف بندی کر کے بٹھا دیا اور جب اپنی کمر کے پیچھے ہاتھ لے جاتے تو ایک بھنی ہوئی سری اور دو گرم روٹیاں نکال نکال کر سب کے سامنے رکھتے جاتے۔ اس طرح ان چار سو افراد نے جو آپ کے ہمراہ تھے، شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر آگے چل کر لوگوں نے کہا کہ ہماری طبیعت خرموں کو چاہتی ہے چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ مجھے زور زور سے ہلاؤ اور جب لوگوں نے یہ عمل کیا تو آپ کے جسم میں سے اس قدر خرمے جھڑے کہ لوگ سیر ہو گئے۔

مریدوں کی جماعت نے کسی جنگل میں آپ سے انجیر کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے جیسے ہی فضا میں ہاتھ بلند کیا انجیر سے لبریز ایک طباق آپ کے ہاتھ میں آ گیا اور آپ نے پوری جماعت کو کھلا دیا۔ اسی طرح جب مریدوں نے حلوے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ان کو حلوہ پیش کر دیا اور لوگوں نے جب عرض کیا کہ ایسا حلوہ تو بغداد کے بازاروں میں ملتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے بغداد کا بازار اور جنگل سب مساوی ہیں۔ سنا گیا ہے کہ اسی دن بغداد کے باب اطلاق کے بازار میں سے کسی حلوائی کا حلوے سے بھرا ہوا طباق گم ہو گیا اور جب آپ کی جماعت بغداد پہنچی تو حلوائی نے اپنا طباق شناخت کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا اور جب لوگوں نے اسے پورا واقعہ بتایا تو وہ حلوائی آپ کی کرامت سے متاثر ہو کر آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔

فرمایا کہ صوفی اپنی ذات میں اس لئے واحد ہوتا ہے کہ نہ تو وہ کسی کو جانتا ہے اور نہ اس سے کوئی واقف ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نورِ ایمانی کے ذریعہ خدا کی جستجو کرو۔ فرمایا کہ حکمت ایک تیر ہے اور تیر انداز اللہ تبارک و تعالیٰ ہے اور مخلوق اس کا نشانہ۔ پھر فرمایا کہ مومن وہ ہے جو امارات کو معیوب تصور کرتے ہوئے قناعت اختیار کرے۔

فرمایا کہ سب سے بڑا اخلاق جفائے مخلوق پر صبر کرنا اور اللہ کو پہچاننا ہے۔ فرمایا کہ عمل کو کدورت سے پاک رکھنے کا نام

اخلاق ہے۔فرمایا کہ بندوں کی بصیرت عارفوں کی معرفت علماء کا نور اور گزشتہ نجات پانے والوں کا راستہ ازل سے ابد تک ایک ہی ذات سے وابستہ ہے۔فرمایا کہ میدانِ رضا میں یقین کی حیثیت ایک اژدھے جیسی ہے۔جس طرح جنگل میں ذرے کی حیثیت ہوتی ہے اسی طرح پورا عالم اس اژدھے کے منہ میں رہتا ہے۔

فرمایا کہ جس طرح بادشاہ ہوس ملک گیری میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح ہم ہر لمحہ مصائب کے طالب رہتے ہیں۔فرمایا کہ بندگی کی منازل طے کرنے والا آزاد ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ مرید سایہ توبہ اور مراد سایہ عصمت میں رہتا ہے اور مرید وہ ہے جس کے مکشوفات پر اجتہاد کا غلبہ ہو۔اور مراد وہ ہے جس کے مکشوفات اجتہاد پر سبقت لے جائیں۔فرمایا کہ انبیاء کرام جیسا زہد آج تک کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔

بعض لوگوں نے سوال کیا کہ دست دعا زیادہ طویل ہے یا دست عبادت؟ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں ہاتھوں کی کہیں تک رسائی نہیں کیونکہ گو دست دعا کو دامن قبولیت تک رسائی حاصل ہے لیکن مردانِ حق اس کو شرک تصور کرتے ہیں اور دست عبادت کو گو دامن شریعت تک رسائی حاصل ہے لیکن مردانِ حق کے نزدیک وہ پسندیدہ نہیں۔لہٰذا بلند ترین ہے وہ ہاتھ جو سعادت حاصل کرے۔

جس وقت لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو جواب دیا کہ وہ مبنی برحق ہیں اور جب فرعون کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ بھی سچا تھا کیونکہ خدا نے دو طرح کے لوگ پیدا فرمائے ہیں ایک عام اور ایک خاص اور دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے راستوں پر چلتے رہتے ہیں اور دونوں کو راستہ دکھانے والا خدا ہے۔فرمایا کہ خدا کی یاد میں دُنیا و آخرت کو فراموش کر دینے والا ہی واصل باللہ ہوتا ہے اور خدا کے سوا ہر شے سے مستغنی ہو کر عبادت کرنا فقر ہے۔

فرمایا ذات خداوندی جس پر منکشف ہونا چاہتی ہے تو ادنیٰ سی شے کو قبول کر کے منکشف ہو جاتی ہے ورنہ اعمال صالحہ کو بھی قبول نہیں کرتی۔فرمایا کہ جب تک مصائب پر صبر نہ کیا جائے عنایت حاصل نہیں ہوتی۔فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر اعمال کا غلبہ اس لئے نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خود اعمال پر غالب رہتے تھے اسی وجہ سے بجائے اس کے اعمال ان کو گردش دے سکتے وہ خود اعمال کو گردش دیا کرتے تھے۔پھر فرمایا کہ صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھانسی پر لٹکا دیا جائے جب بھی منہ سے اُف نہ نکلے چنانچہ جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو اُف تک نہیں کی۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے قید خانہ میں آپ کے پاس جا کر آپ سے کہا منصور! تم نے خود کو بھی اور ہمیں بھی کس امتحان میں ڈال دیا ہے تو آپ نے فرمایا: شبلی! (رحمۃ اللہ علیہ) میں نے ایک اہم کام کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے باعث مجھ پر دیوانگی طاری ہے۔میں خود اپنی موت کو دعوت دے رہا ہوں تم مجھے قتل نہ کرو۔(یعنی کہ میری موت کے لئے حکومت اپنے آپ کو یونہی ذمہ دار نہ ٹھہرائے میں نے تو اب مر ہی جانا ہے۔)

آپ کے ان کلمات سے بہت سے لوگ برگشتہ ہو گئے اور خلیفہ کو بھی آپ کی جانب سے بدظن کر دیا حتیٰ کہ انا الحق کہنے کی

وجہ سے کفر کا فتویٰ عائد کر دیا گیا۔ اور جب آپ سے سوال کیا گیا کہ بندے کا دعویٰ خدائی کرنا کفر ہے تو آپ نے جواب دیا کہ وہ حقیقتاً ہمہ اوست ہے اور تمہارے قول کے مطابق وہ گم نہیں ہوا ہے لیکن حسین گم ہو گیا ہے اور بحر محیط میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی ممکن نہیں۔

اور جب لوگوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ منصور کے قول میں کسی طرح تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اب تم لوگ اس سلسلہ میں کچھ نہ کہو اب تاویل کا وقت گزر چکا ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت اور خلیفہ وغیرہ سب آپ سے ناراض ہو گئے اور ایک برس تک آپ کو قید خانہ میں ڈالے رکھا لیکن آپ کے معتقدین وہاں بھی پہنچتے رہتے تھے اور آپ ان کے مسائل کا تسلی بخش جواب دیتے تھے۔ پھر آپ کے پاس لوگوں کو جانے کی ممانعت کر دی گئی اور پانچ ماہ تک ایک فرد بھی آپ کے پاس نہیں پہنچا مگر اس عرصہ میں بعض بزرگوں نے آپ کے پاس دو افراد بھیج کر یہ کہلوا دیا کہ انا الحق کہنے سے توبہ کر لو تاکہ قید سے رہا کر دیا جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں معذور رہوں۔ پھر ایک مرتبہ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ خود بھی آپ کے پاس گئے لیکن آپ نے انہیں بھی وہی جواب دیا۔

جس دن آپ کو قید میں ڈالا گیا تو رات کو جب لوگوں نے جا کر دیکھا تو آپ وہاں نہیں تھے اور دوسری شب میں نہ قید خانہ موجود تھا نہ آپ تھے اور تیسری شب میں دونوں موجود تھے اور جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ پہلی شب میں تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اور دوسری شب حضور ﷺ یہاں تشریف فرما تھے اس لئے قید خانہ گم ہو گیا تھا اور اب مجھے شریعت کے تحفظ کی خاطر یہاں پھر بھیج دیا گیا ہے۔

آپ قید خانہ کے اندر ایک رات دن میں ایک ہزار رکعت ادا کیا کرتے تھے، پھر جب لوگوں نے پوچھا کہ جب انا الحق خود آپ ہیں تو پھر نماز کس کی پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ اپنا مرتبہ ہم خود سمجھتے ہیں۔

قید خانہ میں آپ کے علاوہ اور بھی تین سو قیدی تھے اور جب آپ نے ان سے کہا کہ کیا تم کو رہا کر دوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر یہ طاقت ہے تو تم خود کیوں یہاں آئے ہو؟ آپ نے اشارہ کیا تو تمام قیدیوں کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں اور جب دوبارہ اشارہ کیا تو تمام دروازوں کے قفل ٹوٹ گئے۔ پھر آپ نے قیدیوں سے فرمایا کہ جاؤ ہم نے تمہیں رہا کر دیا اور جب قیدیوں نے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلئے تو فرمایا کہ میرے اپنے آپ کے ساتھ ایک ایسا راز وابستہ ہے جو سولی پر چڑھے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔ گو میں اپنے آقا کا قیدی ہوں۔ لیکن شریعت کی پاسداری بھی واجب ہے۔

چنانچہ صبح کو دیکھا گیا تو تمام قیدی فرار ہو چکے تھے اور آپ کے سوا کوئی اور نہیں تھا اور جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے سب کو رہا کر دیا اور ہم اس لئے ٹھہر گئے ہیں کہ ہمارے آقا کا ہم پر عتاب نازل ہے اور جب یہ اطلاع خلیفہ کو پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ انہیں کوڑے مار مار کر فوراً قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ تعمیل حکم کی خاطر قید خانے سے باہر لا کر جب آپ کو تین سو کوڑے لگائے گئے تو آپ انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ ایک ہی حالت میں کھڑے رہے اور جس نے آپ کو کوڑے لگائے اس کا بیان

ہے کہ میں ہر کوڑے پر یہ آواز سنتا تھا کہ یا ابن منصور **لا تخف** یعنی اے بن منصور! خوفزدہ نہ ہو۔

جس وقت آپ کو سولی دی جانے والی تھی تو ایک لاکھ افراد کا وہاں اجتماع تھا اور آپ ہر سمت دیکھ کر حق حق اور انا الحق کہہ رہے تھے۔ اس وقت کسی اہل حق نے پوچھا کہ عشق کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا کہ آج کل اور پرسوں میں تجھ کو معلوم ہو جائے گا چنانچہ اسی دن آپ کو پھانسی دی گئی۔ اگلے دن آپ کی نعش کو جلایا گیا اور تیسرے دن خاک ہوا میں اُڑا دی گئی گویا آپ کے قول کے مطابق عشق کا صحیح مفہوم یہ تھا۔

جب آپ کے خادم نے وصیت کرنے کے متعلق عرض کیا تو فرمایا کہ اپنے نفس کو تمام علائق دنیاوی سے خالی کر لے ورنہ نفس تجھ کو ایسی چیزوں میں پھانس دے گا جو تیرے بس کی نہ ہوگی۔ اور جب آپ کے صاحبزادے نے وصیت کی خواہش کی تو فرمایا کہ سارا عالم اعمال صالحہ کی کوشش کرتا ہے لیکن تجھے علم حقیقت حاصل کرنا چاہیے کیونکہ علم حقیقی کا ایک نکتہ بھی تمام اعمال صالحہ پر بھاری ہوتا ہے۔

پھر آپ جس وقت شاداں وفرحاں ٹہلتے ہوئے سولی کی جانب بڑھے تو لوگوں نے سوال کیا کہ آپ اس قدر مسرور کیوں ہیں؟ فرمایا کہ اس سے زیادہ مسرت کا وقت اور کون سا ہو سکتا ہے جب کہ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ رہا ہوں۔ پھر آپ نے با آواز بلند مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے:

ندیمی غیر منسوب الی شیئ من الطیف

سقانی مثل مایشرب کفعل النیف بالضیف

فلما دارت الکاس دعی بالنطع والسیف

کذا من یشرب المراح مع التلنین بالصیف

ترجمہ:

یعنی میرا ندیم ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے اس نے مجھ کو ایسی شراب عطا کی ہے جو مہمان کو میزبان دیا کرتا ہے اور جب جام کے کئی دور چل چکے تو تلوار اور نطع (فرش کے بطور چمڑے کا ٹکڑا) طلب کیا کہ اس شخص کی سزا یہی ہے جو اژدھے کے سامنے ماہ تموز (شدید گرمی کے مہینے) میں پرانی شراب پیتا ہے۔

پھر جس دن آپ کو پھانسی کے پھندے کے نیچے لے جایا گیا تو آپ نے پہلے باب الطاق کو بوسہ دے کر سیڑھی پر جس وقت قدم رکھا تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ پھانسی تو مردوں کا مزاج ہے۔ پھر قبلہ رو ہو کر فرمایا کہ میں نے جو کچھ طلب کیا تو نے عطا کر دیا۔ پھر جب سولی پر چڑھتے ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے اپنے مخالفین و متبعین کے متعلق کیا خیال ہے۔ فرمایا متبعین کو ایک اجر تو اس لئے ضرور حاصل ہوگا کہ وہ مجھ پر صرف حسنِ ظن رکھتے ہیں اور مخالفین کو دو ثواب حاصل ہوں گے کیونکہ وہ قوتِ توحید اور شریعت میں سختی سے خائف رہتے ہیں اور شریعت میں اصل شے توحید ہے جب کہ حسنِ ظن صرف فروع کی

حیثیت رکھتا ہے۔

پھر آپ کو جب یہ خیال آیا کہ عہد شباب میں میری نظر ایک عورت پر پڑ گئی تھی تو فرمایا کہ اس کا بدلہ اتنی مدت گزرنے کے بعد لیا جا رہا ہے۔ اور جب حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تصوف کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ تو تصوف کا ادنیٰ ترین درجہ ہے کیونکہ اعلیٰ ترین درجہ سے تو کوئی بھی واقف نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو سنگسار کرنا شروع کر دیا۔ جس کو آپ نہایت خاموشی سے برداشت کرتے رہے لیکن جب حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے مٹی کا ایک چھوٹا سا ڈھیلا مارا تو آپ نے آہ بھری اور جب لوگوں نے پوچھا کہ سنگساری کی اذیت پر تو آپ خاموش رہے لیکن مٹی کے چھوٹے سے ڈھیلے پر آپ کے منہ سے آہ کیوں نکل گئی؟ فرمایا کہ پتھر مارنے والے تو میری حقیقت سے ناواقف ہیں لیکن شبلی کو ڈھیلا اس لئے نہ مارنا چاہیے تھا کہ وہ اچھی طرح واقف ہیں۔

پھر جب سیڑھی پر آپ کے ہاتھ قطع کئے گئے تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں نے کو میرے ظاہری ہاتھ تو قطع کر دیئے ہیں لیکن میرے باطنی ہاتھ کون قطع کر سکتا ہے۔ جن ہاتھوں نے ہمت کا تاج عرش کے سر پر سے اُتارا ہے۔ اسی طرح جب آپ کے پاؤں قطع کئے گئے تو فرمایا کو میرے ظاہر پاؤں قطع کر دیئے گئے لیکن ابھی وہ باطنی پاؤں باقی ہیں جن سے میں دونوں عالم کا سفر کر سکتا ہوں۔

پھر آپ نے خون آلود ہاتھوں کو چہرے پر ملتے ہوئے فرمایا کہ میری سرخروئی کا اچھی طرح مشاہدہ کراؤ کیونکہ خون جواں مردوں کا اُبٹن ہوتا ہے۔ پھر خون سے لبریز ہاتھوں کو کہنیوں تک پھیرتے ہوئے فرمایا کہ میں نماز عشق کے لئے وضو کر رہا ہوں کیونکہ نماز عشق کے لئے خون سے وضو کیا جاتا ہے۔

پھر جب آنکھیں نکال کر زبان قطع کرنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک بات کہہ لینے کی مہلت دے دو، پھر فرمایا کہ اے اللہ میرے ہاتھ تیرے راستہ میں قطع کر دیئے گئے۔ آنکھیں نکال لی گئیں اور اب سر بھی کاٹ دیا جائے گا لیکن میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے ثابت قدم رکھا اور تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ ان سب لوگوں کو بھی وہی دولت عطا فرما جو مجھے عطا کی ہے۔ جس وقت سنگساری شروع ہوئی تو آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ ''یکتا کی دوستی بھی یکتا کر دیتی ہے۔'' پھر آپ نے ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''ان لوگوں کے ساتھ عجلت سے کام لیا جاتا ہے جو اس پر ایمان نہیں لائے اور اہل ایمان سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ بلاشبہ حق ہے۔''

پھر جس وقت آپ کی زبان کاٹی گئی تو خلیفہ کا حکم پہنچا کہ سر بھی قلم کر دیا جائے چنانچہ سر قلم ہوتے وقت آپ قہقہہ لگا کر انتقال فرما گئے۔ آپ کا وصال 18 ذی قعدہ 309 ہجری بمطابق 19 مارچ 922ء کو ہوا۔ **اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

اس کے ساتھ ہی آپ کے ہر کٹے ہوئے جسم کے حصہ سے، عضو سے ''انا الحق'' کی آواز آنے لگی۔ پھر جس وقت ہر عضو کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور صرف گردن و پشت رہ گئے تو ان دونوں حصوں سے انا الحق کا ورد جاری تھا جس کی وجہ سے آپ کو اگلے

دن اس خوف سے جلایا گیا کہ کہیں مزید اور کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔

آخر کار جسم کی راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالا گیا لیکن جس وقت یہ عمل ہوا تو پانی میں ایک جوش سا پیدا ہوا کہ سطح آب پر کچھ نقوش سے بننے لگے چنانچہ آپ کے خادم کو وہ وصیت یاد تھی جو آپ نے زندگی میں فرمائی تھی کہ جس وقت راکھ کو دجلہ میں پھینکا جائے گا تو پانی میں ایسا جوش و طوفان پیدا ہو گا کہ پورا بغداد غرق ہو جائے گا لیکن جب یہ کیفیت ہو تو تم میری گدڑی دجلہ کو جا کر دکھا دینا۔ چنانچہ خادم نے جب آپ کی وصیت پر عمل کیا تو پانی اپنی جگہ ٹھہر گیا اور تمام راکھ جمع ہو کر ساحل پر آ گئی جس کو لوگوں نے نکال کر دفن کر دیا غرض کہ یہ مرتبہ کسی دوسرے بزرگ کو حاصل نہیں ہوا۔

چنانچہ ایک بزرگ نے تمام اہل طریقت سے خطاب کر کے فرمایا کہ جب منصور کا واقعہ سامنے آتا ہے کہ ان سے کس قسم کا برتاؤ کیا گیا تو مجھے بے حد حیرت ہوتی ہے اور میں سوچتا رہ جاتا ہوں کہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا ان کا حشر میں کیا حال ہو گا؟ حضرت عباس طوسیؒ کہتے ہیں کہ روز محشر منصور کو اس لئے زنجیروں میں جکڑ کر پیش کیا جائے گا کہ کہیں میدانِ حشر زیر و زبر نہ ہو جائے۔

کسی بزرگ نے مشائخ سے فرمایا کہ جس شب میں منصور کو دار پر چڑھایا گیا تو میں صبح تک سولی کے نیچے مشغول عبادت رہا اور جس وقت دن نمودار ہوا تو ہاتف نے یہ ندا دی کہ ہم نے اپنے رازوں میں سے ایک راز سے اس کو مطلع کر دیا تھا جس کو اس نے ظاہر کر کے یہ سزا پائی کیونکہ شاہی راز کو افشا کرنے والے کا یہی انجام ہوتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں اسی رات آپ کے مزار پر پہنچ کر تمام شب عبادت کرتا رہا اور صبح کے وقت اپنی مناجات میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ ایک مومن بندہ تھا تو نے ایک ایسے عارف و محبّ کو جو وحدت پرست تھا ایسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا؟ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابھی یہ دعا پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے اُونگھ آ گئی اور میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے منصور کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا کہ وہ ہمارے راز کو غیروں پر ظاہر کر دیتا تھا اور جو راز اس کو دریائے دجلہ پر ظاہر کرنا چاہیے تھا اس کو دوسرے لوگوں پر برملا ظاہر کر دیتا تھا۔

پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری رات کو آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ اپنی نوازش سے مجھے قصر صدق میں اُتارا۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ ان دو گروہوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا جو آپ کو اچھا اور بُرا کہتے تھے؟ فرمایا کہ دونوں گروہوں پر اپنی رحمت نازل فرمائی ایک پر تو اس لئے کہ اس نے مجھ سے واقف ہو کر مجھ پر مہربانیاں کیں اور دوسرے گروہ پر اس لئے کہ وہ مجھ سے واقف ہی نہیں تھا اور صرف خدا واسطے مجھ سے دشمنی رکھتا تھا۔

پھر کسی اور نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ میدانِ حشر میں کھڑے ایک جام ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں اور سر جسم سے غائب ہے اور جب اس نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سر قلم شدہ لوگوں کو ہی جام عنایت فرماتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس وقت منصور کو سولی پر چڑھایا تو شیطان نے سامنے آ کر کہا کہ اے شیخ! آپ نے انا الحق کہا اور میں نے انا الخیر، لیکن آپ کے اوپر رحمت ہوئی اور میرے اوپر لعنت آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو نے انا اپنے لئے استعمال کیا اور میں نے خودی کو دور کر کے انا الحق کہا اسی وجہ سے مجھ پر رحمت اور تجھ پر لعنت نازل ہوئی۔(اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خودی کو اپنے سے علیحدہ کر دینا ہی بہتر ہے۔)

قارئین کرام! جیسا کہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ مقبول بارگاہِ الٰہی، بہت نیک، یگانہ روزگار یا اپنی طرز وطرح کے منفرد ایسے مردانِ حق تھے جس نے فنا فی اللہ یا مغلوب الحال کی کیفیت میں اپنی زیادہ تر تصانیف رقم کیں۔جس حساب سے آپ کا مقام بلند ہوتا گیا اسی تناسب سے آپ کی زبان یا کلمات بھی مشکل اور نا قابلِ فہم ہوتے گئے۔کیونکہ آپ عمر عزیز کے آخری سالوں میں زیادہ تر اسی کیفیت میں رہے اس لئے آپ اور آپ کا کلام اکثریت کو نا قابل فہم ہوگئے اور آپ کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہ رہی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ ایک آپ کا ہم نام اور ہم طریق بھی پیدا فرما دیا جس کی غلط کاریوں کا الزام آپ کے سر آیا۔آپ کا انجام مشیت ایزدی میں اسی طرح تھا اور آپ کو یہ انجام معلوم تھا اور پسند تھا۔یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قدرت کے بھید ہیں ان میں عقل و منطق کو دخل نہیں دینا چاہیے ورنہ اکثر معاملات اور الجھ جاتے ہیں۔درج ذیل میں پنجابی زبان میں ''ہیر وارث شاہ'' کے چند اشعار اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ انہیں پڑھ کر میری (اس کتاب کے مصنف کی) طرح آپ تقدیر یا مشیت ایزدی کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور پھر اس معاملہ پر خاموشی اختیار کر لیں۔

گیا بجھ تقدیر دے نال ٹھوٹھا، قیمت لے جا ساتھوں مُٹ دی وے
تقدیر اللہ دی نوں کون موڑے، تقدیر پہاڑاں نوں پٹ دی اے
تقدیر نہ ٹلی پیغمبراں توں، تقدیر نہ کسے توں ہٹ دی اے
یوسفؑ جیہے حسین شہزادیاں نوں، تقدیر کھوہے وچ سٹ دی اے
سلیمانؑ جھوکے بھٹ ماچھیاں دے، ابراہیمؑ نوں اَگ وچ سٹ دی اے
اے تے نبیؐ دا دند شہید کردی، اے سیس حسینؓ دا کٹ دی اے

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ابوبکر شبلیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی ابوبکر ہے۔آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی دلف تھا اور اُن کے والد ماجد کا نام جحدار شبلی تھا۔اس طرح آپ کا پورا نام ابوبکر بن دلف بن جحدار شبلی ہے۔

آپ قال اور حال کے دھنی تھے۔احوال و قال (کلام، گفتگو، وعظ) میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ریاضات، کشف و کرامات اور تقویٰ میں بھی آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔آپ کے اقوال میں اشارات لطیف اور اقوال قابل تعریف ہیں۔آپ سالار طائفہ صوفیاء اور سردار اہل طریقت ہیں۔آپ معرفت و حقیقت کے منبع و مخزن تھے اور اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بلند تھا۔متاخرین میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں عجائبات دنیا میں سے ہیں۔اول اشارات شبلی رحمۃ اللہ علیہ، دوئم نکات مرتعش رحمۃ اللہ علیہ اور سوئم حکایاتِ جعفر رحمۃ اللہ علیہ۔خودی کو مٹانے کے لئے آپ نے اپنے جانے پہچانے علاقوں میں بحکم مرشد ایک عرصہ تک در در بھیک مانگی ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش 257 ہجری بمطابق 871ء ہے۔آپ کی جائے ولادت میں اختلاف ہے۔لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور سن بلوغ تک وہیں مقیم رہے۔آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے ستتر (77) سال کی عمر پائی اور ماہِ ذوالحجہ 334 ہجری بمطابق ماہ جولائی 946ء میں وفات پائی۔

آپ راہ سلوک پر آنے سے پہلے بغداد میں خلیفہ کے حاجب (پاسبان، چوبدار، محافظ) تھے۔آپ نے حضرت خیرالنساجؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ مرید ہوئے۔آپ نے اپنے دور کے تمام بزرگوں کو دیکھا اور ان سے فیض بھی حاصل کی۔آپ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے دوست و ہمراز تھے آپ کے ہم عصروں میں حضرت ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تیس سال تک حدیث و فقہ کا درس لیا جس کے بعد میرے سینے سے ایک خورشید طلوع

ہو گیا اور جب مجھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طلب کا اشتیاق پیدا ہوا تو میں نے بہت سے اساتذہ کی خدمت میں رجوع کر کے اپنا مقصد ظاہر کیا لیکن کوئی بھی مجھے راستہ نہ دکھا سکا۔ کیونکہ ان میں سے ایک بھی بذات خود راستے سے واقف نہیں تھا۔ بس مجھ سے تو اتنا کہہ دیتے تھے کہ ہم غیب کے سوا سب کچھ جانتے ہیں۔ چنانچہ میں نے حیرت زدہ ہو کر ان سے عرض کیا کہ آپ لوگ تاریکی میں ہیں اور میں روز روشن میں ہوں اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اپنی ولایت چوروں کے سپرد نہیں کی۔ یہ سن کر سب لوگ برہم ہو گئے اور انہوں نے میرے ساتھ بہت ہی ناروا سلوک کیا۔

آپ کا راہ سلوک پر آنے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ اور حیرت انگیز ہے اور اہل بصیرت کو یہ واضح طور پر بتا دیتا ہے کہ جب قادر مطلق کسی کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے تو وہ اپنے اردگرد سے ہی سبق سیکھ لیتا ہے۔ اصل میں یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے کسی بھی بہانے سے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ بغداد شریف میں ہی پیدا ہوئے۔ پلے، بڑھے جوان ہوئے اور وہیں پر بطور مشیر ذاتی محافظ، چوکیدار، چوبدار خلیفہ کے دربار میں نوکری اختیار کر لی۔ پھر ایک دن خلیفہ وقت نے مختلف علاقوں کے امیروں اور سرداروں کو خلعت سے نوازنا تھا تو اس مقصد کے لئے دربار شاہی لگا۔

بغداد کا شاہی دربار تھا ایک مسلمان بادشاہ تخت و تاج کی مستی سے سرشار ایک امیر کو اپنی خاص نظر عنایت سے خلعت پہنا رہا تھا۔ یہ امیر نہاوند سے چل کر وقت کے حکمران کو سلام کرنے آیا تھا، اس کی تعظیم و تکریم کا انداز انتہائی عاجزانہ تھا اور تخت پر بیٹھا ہوا بادشاہ اپنے تاج کی سربلندیوں کے سرور میں تخت شاہی سے اُترا اور نہاوند کے امیر کو شرف مصافحہ بخشا۔ اقبال شاہی کی ترنگ میں امیر نہاوند کو خلعت پہنائی اور پھر پورے جاہ و جلال کے ساتھ گردن کو اکڑا کے متکبرانہ شاہانہ انداز کے ساتھ پاؤں پھیلا کر تخت پر بیٹھ گیا۔

امیر نہاوند نے خلعت پہن کر آداب شاہی کے مطابق گردن جھکائی اور جسم خمیدہ کے ساتھ بڑے ادب سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ لیکن اچانک ایک ستم ظریفانہ مرحلہ پیش آ گیا۔ وہ یہ کہ امیر نہاوند کو چھینک آ گئی اور وہ اُسے نہ روک سکا۔ اسی پر اکتفا نہ ہوا بلکہ دست شاہ سے پہنائی ہوئی خلعت سے جانے میں، انجانے میں ناک بھی صاف کر لی۔ شائد یہ اس کی بوکھلاہٹ ہی ہو مگر آداب شاہی اور دربار شاہی کے سراسر منافی یہ حرکت بادشاہ کو انتہائی ناگوار گزری۔

بادشاہ غصے سے لرز اُٹھا، آنکھیں سرخ ہو گئیں، بھویں تن گئیں، اور پورے جاہ و جلال سے گرج کر کہا امیر نہاوند کو روک لیا جائے۔ سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ درباری خوف سے کانپ اُٹھے اس طرح کی خاموشی طاری ہوئی کہ بادشاہ کے غیظ و غضب کی صدا درباری دیواروں سے ٹکرا کر ایک گونج پیدا کرتی ہوئی گزر گئی۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق امیر نہاوند کو روک لیا گیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ بادشاہ نے صرف اتنا ہی حکم دیا کہ شاہی خلعت اتاری جائے اور امیر نہاوند کو اسی وقت دربار سے باہر بھیج دیا جائے۔ اس نے ہماری خلعت کی توہین کی ہے، دربار کے آداب کی توہین کی ہے۔

یہ دنیا کے ایک بادشاہ کی عطا کردہ خلعت کی توہین کی سزا تھی ۔حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت دربار میں موجود تھے اور بادشاہ کی ملازمت میں تھے ۔آپ کو فوراً یہ تنبیہہ ہوئی اور دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس فانی دنیا کے بادشاہ کی عطا کی ہوئی خلعت کی توہین پر ایک انسان کو اس قدر ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکالا گیا ہے اور وہ لوگ جو احکم الحاکمین کی عطا کردہ خلعتوں اور انعامات کی ہر وقت توہین کرتے اور ہر وقت ناشکری کرتے ہیں، وہ کس قدر عذاب و عتاب کے مستحق ہوں گے؟ آپ اسی وقت بادشاہ کے تخت کے سامنے بڑے بے باکانہ انداز میں جا کر کھڑے ہو گئے اور کہا اے بادشاہ! باوجود مخلوق ہونے کے تو اپنی عطا کی ہوئی خلعت کی توہین گوارا نہیں کر سکا حالانکہ تیری اس خلعت کی قدر و قیمت اور اس کی حیثیت کو سب جانتے ہیں پس اللہ، رب العالمین کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ میں اس کی عطا کی ہوئی خلعت، نعمتوں اور دوستی کو تجھ جیسے کی خدمت میں رہ کر خراب کر لوں اور اس کی بے ادبی کروں ۔میں نے تیری ملازمت اسی وقت چھوڑ دی اور توبہ کرتا ہوں کہ رب العزت مجھے معاف کر دے ۔یہ کہہ کر وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست دربار سے باہر نکل آیا۔ اسی وقت ان پر ایک والہانہ سی کیفیت طاری ہو گئی۔

اسی کیفیت میں آپ وہاں سے نکلے، اپنی منزل کا تعین کیا اور ادھر کے لئے چل پڑے ۔آپ اسی دن حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کے در پر پہنچے اور حالات سے آگاہ کرنے کے بعد گزارش کی کہ میری رہنمائی فرمائیں ۔حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت کیا، اپنا مرید بنایا اور کچھ عرصہ آپ کو اپنے فیض سے نوازتے رہے اور پھر ایک دن آپ اپنے مرشد حضرت خیر النساجؒ کے حکم سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ان سے عرض کیا کہ لوگوں نے مجھے یہ بتایا ہے کہ آپ کے پاس ایک گوہر نایاب ہے، لہٰذا آپ یا تو اس کو میرے ہاتھ قیمتاً فروخت کر دیں یا پھر بغیر قیمت کے دے دیں ۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں فروخت کرنا چاہوں تو تم خرید نہیں سکتے کیونکہ تمہارے اندر قوت خرید نہیں ہے اور اگر مفت دے دوں تو اس کی قدر و قیمت نہ سمجھ سکو گے کیونکہ بلا محنت کے حاصل کردہ شے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ۔لہٰذا اگر تم وہ گوہر حاصل کرنا چاہتے ہو تو بحر توحید میں غرق ہو کر فنا ہو جاؤ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اوپر صبر و انتظار کے دروازے کشادہ کر دے گا اور جب تم دونوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو جاؤ گے تو وہ گوہر تمہارے ہاتھ لگ جائے گا۔

پھر آپ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے انہوں نے فرمایا کہ تم ایک سال تک گندھک بیچتے پھرو، چنانچہ ایک سال تک تعمیل حکم کرتے رہے ۔پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب ایک سال تک بھیک مانگو۔ چنانچہ آپ نے ایک سال یہ بھی کیا حتیٰ کہ آپ نے بغداد کے ہر دروازے پر بھیک مانگی لیکن کبھی آپ کو کسی نے کچھ نہیں دیا ۔اور جب اس کی شکایت آپ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کی تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ اب تو شاید تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مخلوق کے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت نہیں لہٰذا اب کبھی مخلوق سے دل بستگی کا خیال نہ کرنا اور نہ کبھی کسی چیز پر مخلوق کو فوقیت دینا۔

پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ چونکہ تم نہاوند کے امیر رہ چکے ہو لہٰذا وہاں جا کر ہر فرد سے معافی طلب کرو ۔ چنانچہ آپ نے وہاں پہنچ کر بچے بچے سے معافی چاہی لیکن ایک شخص وہاں موجود نہیں تھا تو اس کے بدلے لاکھ درہم خیرات کئے ۔

لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے قلب میں خلش باقی رہ گئی اور جب دوبارہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ ابھی تمہارے قلب میں حب جاہ باقی ہے لہذا ایک سال تک اور بھیک مانگتے رہو حسب ارشاد پھر بھیک مانگتے رہے۔ بھیک کے ذریعہ جو کچھ ملتا اس کو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لاکر فقراء میں تقسیم کردیتے لیکن آپ خود بھوکے رہتے۔

پھر سال کے اختتام پر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے وعدہ کیا کہ اب میں تمہیں اپنی صحبت میں رکھوں گا بشرطیکہ تمہیں فقراء کی خدمت گزاری منظور ہو۔ چنانچہ آپ ایک سال تک فقراء کی خدمت گزاری میں مشغول رہے۔ پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اب تمہارے نزدیک نفس کا کیا مقام ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں خود کو تمام مخلوقات سے کمتر تصور کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب تمہارے ایمان کی تکمیل ہو گئی ہے۔

ابتدائی دور میں جو کوئی آپ کے سامنے اللہ کا نام لیتا تو آپ اس کا منہ شکر سے بھر دیتے اور بچوں میں محض اس نیت سے شیرینی تقسیم فرمایا کرتے تھے کہ وہ آپ کے سامنے صرف اللہ اللہ کہتے رہیں۔ پھر بعد میں یہ کیفیت ہو گئی کہ اللہ کا نام لینے والوں کو روپے اور اشرفیاں دے دیا کرتے پھر اس مقام پر پہنچ گئے کہ شمشیر برہنہ لے کر پھرتے اور فرمایا کرتے کہ جو کوئی میرے سامنے اللہ کا نام لے گا اس کا سر قلم کردوں گا اور جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنا پہلا رویہ کیوں تبدیل کر دیا؟ فرمایا کہ پہلے مجھے یہ خیال تھا کہ لوگ حقیقت و معرفت کے اعتبار سے اللہ کا نام لیتے ہیں لیکن اب یہ معلوم کہ ایسا نہیں ہے بلکہ محض عادتاً نام لیتے ہیں جس کو میں جائز تصور نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ غیبی ندا سنی کہ اسم ذات کے ساتھ کب تک وابستہ رہے گا؟ اگر طلب صادق ہے تو مسمّی کی جستجو کرو۔ یہ ندا سن آپ کر عشق الٰہی میں ایسے مستغرق ہوئے کہ دریائے دجلہ میں چھلانگ لگا دی لیکن ایک موج نے پھر کنارے پر پھینک دیا۔ پھر اسی کیفیت میں آگ میں کود پڑے لیکن آگ بھی آپ کے اوپر اثر انداز نہ ہو سکی۔ اس کے بعد اکثر مہلک و مہیب مقامات پر پہنچ کر خود کو ہلاک کرنے کی سعی کرتے رہے مگر اللہ تعالیٰ تو اپنے محبوب بندوں کی خود حفاظت فرماتا ہے اس لئے کسی جگہ بھی کوئی گزند نہیں پہنچی اور یوں ہر یوم ذوق و شوق میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ اور آپ اکثر چیخ چیخ کر فرماتے کہ تاسف ہے اس شخص پر جو نہ پانی میں غرق ہو سکا اور نہ آگ میں جل سکا، نہ درندوں نے پھاڑا اور نہ پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو سکا۔

پھر آپ نے یہ ندائے غیبی سنی کہ جو مقبول الٰہی ہوتا ہے اس کو خدا کے سوا دوسرا کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد آپ کے احوال یہاں تک پہنچ گئے کہ لوگوں نے دس مرتبہ زنجیروں میں جکڑا مگر پھر بھی آپ کو سکون میسر نہ آسکا۔ پھر آپ کو پاگل تصور کر کے پاگل خانے بھیج دیا گیا اور ہر شخص آپ کو دیوانہ کہنے لگا۔ لیکن آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سب مجھ کو دیوانہ کہتے ہو حالانکہ تم سب خود پاگل ہو اور انشاء اللہ قیامت میں تمہاری دیوانگی سے میری دیوانگی کا مرتبہ زائد ہو گا۔

لوگ حضرت حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ کو بھی بڑی اذیتیں دیتے تھے کسی نے محبت کے معنی پوچھے تو فرمایا: جو کچھ تمہارے پاس ہے سب کچھ اپنے محبوب کے نام پر بانٹ، دو خیرات کر دو۔ سب محبوب کے نام پر لٹا دو۔ فرمایا: جو شخص محبت کا

دعویٰ کرتا ہے اور محبوب کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان کرتا ہے وہ محبت اور محبوب دونوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔فرماتے ہیں شریعت یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، طریقت یہ ہے کہ اس کی طلب کرو۔حقیقت یہ ہے کہ اس کو دیکھو، اور اس سے بھی بلندتر ذکر یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں گم ہو کر ذکر کو بھی بھول جاؤ۔

قید خانے میں جب آپ سے چند حضرات بغرض ملاقات حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم سب آپ کے احباب ہیں یہ سنتے ہی آپ نے ان پر سنگ باری شروع کر دی اور فرمایا کہ تم کیسے احباب ہو جو میری مصیبت پر صبر نہیں کرتے؟

ایک مرتبہ آپ ہاتھ میں آگ لئے ہوئے پھر رہے تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آگ کیوں لے رکھی ہے؟ فرمایا کہ میں اس سے کعبہ کو پھونک دینا چاہتا ہوں تا کہ مخلوق کعبہ کے بجائے کعبہ والے کی طرف متوجہ ہو جائے۔پھر دوسرے دن لوگوں نے دیکھا کہ آپ دو جلتی ہوئی لکڑیاں لئے پھر رہے ہیں اور جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ درخت پر بیٹھی ہوئی کوئل کوکو کر کے پوچھتی رہتی ہے کہ وہ کہاں ہے؟ اور میں بھی اس کی موافقت میں ہو ہو کرتا رہتا ہوں۔آپ کے اس عمل کا کوئل پر ایسا اثر ہوا کہ جب آپ خاموش ہو جاتے تو وہ بھی سکوت اختیار کر لیتی۔

ایک مرتبہ عید کے دن سیاہ لباس میں ملبوس تھے اور وجد کا عالم تھا اور جب لوگوں نے سیاہ لباس پہننے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں نے مخلوق کے ماتم میں ایسا لباس پہنا ہے اس لئے کہ پوری مخلوق خدا سے غافل ہو چکی ہے۔ابتداء میں آپ سیاہ لباس ہی استعمال فرماتے تھے لیکن تائب ہونے کے بعد مرقع پہننا شروع کر دیا تھا۔اور عید کے دن سیاہ لباس پہن کر اپنے لباس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سیاہی نے ہم کو تاریکی کے ایسے عالم میں پہنچا دیا کہ ہم درمیان میں غرق ہو گئے۔مجاہدات کے دوران آپ اس لئے آنکھوں میں نمک بھر لیتے تھے تا کہ نیند کا غلبہ نہ ہو سکے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجلی فرما کر مجھ سے فرمایا ہے کہ سونے والے مجھ سے غافل ہو جاتے ہیں اور مجھ سے غفلت کرنے والا محجوب ہوتا ہے۔ایک مرتبہ چمٹی لے کر آپ نے اپنا گوشت نوچنا شروع کر دیا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ پوچھی۔آپ نے فرمایا کہ جو حقائق مجھ پر منکشف ہوتے ہیں ان کی مجھ میں طاقت نہیں اس لئے یہ عمل کر رہا ہوں تا کہ ایک لمحہ کے لئے سکون مل سکے۔

ابتدائی دور میں آپ ہمہ وقت گریہ و زاری کرتے رہتے تھے۔جس پر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدا نے شبلی کو ایک امانت سونپ کر چاہا کہ وہ اس میں خیانت کرے اس لئے اس کو گریہ و زاری میں مبتلا کر دیا کیونکہ شبلی کا وجود مخلوق کے درمیان عین الٰہی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آپ بھی حاضر تھے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارادت مندوں نے آپ کی تعریف میں یہ جملے کہے کہ صدق و شوق اور علو ہمتی میں آپ کا کوئی مماثل نہیں ہے۔یہ سن کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ تم لوگوں کا یہ قول درست نہیں بلکہ حقیقت میں شبلی مرد او رخدا سے بہت دور ہے لہذا شبلی کو میری مجلس سے باہر نکال دو اور جب آپ نکل گئے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے مریدین سے فرمایا کہ تم تعریف کر کے ہلاک کرنا چاہتے تھے کیونکہ تمہارے یہ تعریفی جملے اس کے لئے تلوار تھے اور اگر اس کا معمولی سا اثر بھی اس پر ہو جاتا تو اس کے نفس میں سرکشی رونما ہو جاتی اور وہ فوراً ہلاک ہو جاتا لیکن میری ہجو اس کے لئے ڈھال بن گئی اور وہ ہلاکت سے بچ گیا۔

آپ اپنے معمول کے مطابق تہہ خانے میں عبادت کیا کرتے تھے اور لکڑی کے کچھ ڈنڈے اس لئے اپنے ہمراہ لے جاتے کہ جب عبادت سے ذرا بھی غفلت ہوتی تو ایک لکڑی نکال کر خود کو زدو کوب کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک ایک کر کے تمام لکڑیاں ختم ہو جاتیں اور بعد میں آپ اپنے جسم کو دیواروں سے ٹکراتے تھے۔

جب آپ کے مراتب میں اضافہ شروع ہوا تو آپ نے وعظ گوئی کو اپنا مشغلہ بنالیا اور اس میں لوگوں کے سامنے حقیقت کا اظہار بھی شروع کر دیا جس پر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے جن چیزوں کو زمین میں مدفون کر رکھا تھا تم انہیں برسر منبر عوام کے سامنے بیان کرتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ جن حقائق کا میں اظہار کرتا ہوں وہ لوگوں کے ذہنوں سے بالاتر ہیں کیونکہ میری باتیں حق کی جانب سے ہوتی ہیں اور حق ہی کی جانب لوٹ جاتی ہیں اور اس وقت شبلی کا وجود درمیان نہیں ہوتا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گو تمہارا یہ قول درست پھر بھی تمہارے لئے اس قسم کی چیزیں بیان کرنی مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دین و دنیا طلب کرنے والوں کے لئے ہماری مجلس نشینی حرام ہے۔

ایک مرتبہ نئے کپڑے جسم پر سے اُتار کر جلا ڈالے اور جب لوگوں نے دریافت کیا کہ شریعت میں بلاوجہ مال کا ضیاع حرام ہے تو فرمایا کہ قرآن نے کہا ہے جس شے پر تمہارا قلب مائل ہوگا ہم اس کو بھی تمہارے ساتھ آگ میں جلا دیں گے۔ چونکہ میرا قلب اس وقت نئے کپڑوں پر مائل ہو گیا تھا اس لئے میں نے ان کو دنیا میں ہی جلا ڈالا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری پوری زندگی اسی خواہش میں گزر گئی کہ کاش ایک لمحہ کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مجھے ایسی خلوت نصیب ہو جاتی کہ میرا وجود باقی نہ رہتا اور چالیس سال سے یہ تمنا ہے کہ کاش ایک لمحہ کے لئے خدا کو جان اور پہچان سکتا۔ اور کاش میں پہاڑوں میں اس طرح روپوش ہو جاتا کہ نہ تو مخلوق مجھ کو دیکھ سکتی اور نہ میرے احوال سے باخبر ہوتی۔ پھر فرمایا کہ میں خود کو یہودیوں سے بھی زیادہ اس لئے ذلیل تر تصور کرتا ہوں کہ میں نفس و دنیا اور ابلیس وخواہشات کی بلاؤں میں گرفتار ہوں اور مجھے تین مصیبتیں یہ بھی لاحق ہیں کہ میرے قلب سے اللہ تبارک وتعالیٰ دور ہو گیا ہے۔ دوم میرے قلب میں باطل جاگزیں ہو گیا ہے۔ سوم میرا نفس ایسا کافر بن گیا ہے کہ اس کی مصائب کو دور کرنے کا تصور تک نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ دنیا محبت کا اور آخرت نعمت کا مکان ہے لیکن ان دونوں سے قلب بہتر ہے کیونکہ یہ معرفت الٰہی کا مکان ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر میں بادشاہ (خالق و مالک کائنات) کا خدمت گزار ہوتا تو بزرگوں کی خدمت نہ کرتا۔

آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنے والا جب طریقت کا طلب گار ہوتا تو آپ حکم دیتے کہ صحرا میں جا کر توکل اختیار کرو اور بغیر

زادہ راہ اور سواری کے حج کے سفر پر چلے جاؤ۔ اس کی تکمیل پر تمہیں توکل و تجرد حاصل ہوگا اور جب ان دونوں مجاہدات سے فراغت پالو اس وقت میرے پاس آنا اس لئے کہ ابھی تمہارے اندر میری صحبت کی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ اکثر تائب ہونے والوں کو اپنے اصحاب کے ہمراہ بغیر زادِ راہ اور سواری کے صحرا میں بھیج دیا کرتے تھے اور جب لوگ یہ کہتے کہ آپ تو مخلوق کی ہلاکت کے درپے ہیں تو آپ جواب دیتے کہ میری نیت ہرگز یہ نہیں لیکن جو لوگ میرے پاس آتے ہیں ان کا مقصد میری صحبت کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ معرفت الٰہی کی متمنی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ مصاحبت کے خواہاں ہوں تو گویا بت پرستی کے مرتکب کہلائے جائیں گے لہٰذا ان کے واسطے یہی بہتر ہے کہ اپنی پہلی حالت پر قائم رہیں اس لئے کہ فاسق موحد رہا نیت پسند زاہد سے افضل ہے۔ اسی وجہ سے میں اپنے پاس آنے والوں کو خدا کا راستہ بتا دیتا ہوں۔ اس میں اگر ہلاک بھی ہو جائیں جب بھی اپنے مقصد سے محروم نہیں رہیں گے اور اگر سفر کی صعوبتیں حاصل کرلیں گے تو انہیں وہ مقام حاصل ہو جائے گا جو دس سالہ مجاہدات سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب راستے میں میری نظر مخلوق پر پڑتی ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ ہر نیک بخت کی پیشانی پر لفظ سعید اور ہر بد بخت کی پیشانی پر لفظ شقی تحریر ہوتا ہے۔ بعض اوقات آپ ضرب لگا کر آہ وافلاس کہا کرتے تھے اور جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ انسانوں کی مجالست (میں اُٹھنا بیٹھنا)۔ ان کی محبت۔ ان سے ربط و ضبط اور ان کی خدمت کرنے سے مفلس ہوں۔ ایک مرتبہ بہت بڑا اژدھام ایک جنازے کے ساتھ تھا اور اس کے پیچھے ایک شخص الامن فراق الوالد کہتا ہوا چل رہا تھا۔ لیکن جب آپ کی نظر جنازے پر اور اس شخص پر پڑی تو اپنے منہ پر طمانچے مارتے ہوئے فرمایا کہ الامن فراق الاحد۔ اس کے بعد فرمایا کہ ابلیس نے مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ تم اپنے صفائے باطن پر نازاں نہ ہوں کیونکہ اس تہہ میں تاریکیاں پنہاں ہیں۔

ایک مرتبہ ایک مجلس میں آپ نے کئی مرتبہ اللہ اللہ کہا لیکن اسی مجلس میں ایک درویش نے اعتراض کیا کہ آپ نے لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے ایک ضرب لگا کر فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ رہتا ہے کہ میں (لا) کہوں یعنی نفی کردوں اور (اس دوران میرے محترم) میری روح نکل جائے۔ آپ کے اس قول سے وہ درویش لرزہ براندام ہوگیا اور اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔ اور جب اس کے اعزاء آپ کو قاتل کہہ کر دربار خلافت میں لے گئے تو آپ کے اوپر وجدانی کیفیت طاری تھی۔ اور دربار میں حاضری کے بعد جب آپ سے صفائی پیش کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درویش کی جان تو عشق الٰہی سے خارج ہو کر پہلے بقائے جلال باری میں فنا ہونے والی تھی اور اس کی روح علائق دنیاوی سے رابطہ ختم کر چکی تھی اس لئے اس کو میرے قول کے ساعت کی طاقت نہ رہی اور برق مشاہدہ جمال کی چمک سے اس کی روح مرغ بسمل کی طرح پرواز کر گئی لہٰذا اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ بیان سن کر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کو باہر لے جاؤ کیونکہ اگر میں کچھ دیر ان کی گفتگو اور سن لوں گا تو میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔

ایک دن آپ نے عالم وجد میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہنچ کر ان کے بندھے ہوئے صافے کو کھول ڈالا اور لوگوں کے سوال پر فرمایا کہ اس کی بندش مجھے بھلی معلوم ہوئی اس لئے کھول ڈالا۔

ایک دن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی اپنے گھر میں بیٹھی کنگھی کر رہی تھیں کہ اسی دوران اچانک آپ بھی وہاں جا

پہنچےاور جب انہوں نے پردہ کرنے کا قصد کیاتو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پردے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ جماعت صوفیاء کے مستوں کو فردوس وجہنم تک کی تو خبر ہوتی نہیں پھر بھلا وہ کسی عورت پر کیا نظر ڈال سکتے ہیں۔اور جب کچھ وقفہ کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کیاتو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زوجہ کو پردے میں چلے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اب یہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ رہے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُر نور ﷺ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور جب حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم کیا کیا عمل کرتے ہو؟تو انہوں نے جواب دیا کہ نماز مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت تلاوت کرتا ہوں۔

لقدجاء کم رسول من انفسکم عزیزعلیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم فان تولوا فقل حسبی اللّٰه لا الیه الاهو علیه تو کلت وهورب العرش العظیم (سورہ توبہ، آیت 129)۔یہ سن کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ تمہیں اسی لئے حاصل ہوا ہے۔ایک مرتبہ آپ نے وضو کر کے مسجد کا قصد کیاتو راستہ میں غیبی ندا سنی کہ ایسے گستاخانہ وضو کے ساتھ ہمارے گھر میں جانا چاہتا ہے یہ سن کر جب آپ واپس ہونے لگےتو آواز سنی کہ ہمارے گھر سے لوٹ جانا چاہتا ہے۔بھلا یہاں سے لوٹ کر کہاں جائے گا آپ نے جب ایک زوردار ضرب لگائی تو یہ آواز سنی کہ ہم پر طعنہ زنی کرتا ہے۔یہ سن کر آپ خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔پھر ندا آئی کہ تو صبر وضبط کا بھی دعویدار ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ اے رب العالمین، میں تجھ سے ہی فریاد چاہتا ہوں۔

کسی درویش نے درماندگی وپریشانی کے عالم میں حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ دین کے واسطے سے میری دادرسی فرمایئے کیونکہ میں انتہائی بدحالی کا شکار ہوں اگر آپ حکم دیں تو میں اس راستہ کو چھوڑ دوں۔آپ نے فرمایا کہ تم کفر کے دروازے پر دستک دے رہے ہو۔کیاتم نے یہ آیت نہیں سنی: **لاتقنطوا من رحمة اللّٰه** یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔یہ سن کر درویش نے عرض کیا کہ اب مجھے کچھ طمانیت حاصل ہوگئی ہے۔آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کو آزمانا چاہتے ہو۔کیاتم نے اس کا یہ قول نہیں سنا: **فلایامن مکر اللّٰه الا القوم الخسرون** نہیں بےخوف ہوتی اللہ مکر سے،لیکن خسارے والی قوم۔یہ سن کر درویش نے سوال کیا کہ پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟فرمایا کہ اللہ کی چوکھٹ پر سر کو دے مار،حتی کہ تیری موت واقع ہو جائے۔اس کے بعد تجھے کشادگی حاصل ہو سکے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک میت پر چار کی بجائے پانچ تکبیریں کہیں اور جب لوگوں نے عرض کیا کہ نماز جنازہ میں تو شریعت نے چار تکبیریں رکھی ہیں۔پھر آپ نے پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟ فرمایا کہ میں نے چار تکبیریں میت پر اور ایک تکبیر دنیا اور اہل دنیا پر کہی۔ایک مرتبہ آپ کئی یوم تک لاپتہ رہے۔اور تلاش کرنے پر ہیجڑوں کے محلّہ میں ملے اور لوگوں نے جب سوال کیا کہ آپ یہاں کیوں مقیم ہو؟فرمایا کہ جس طرح اس جماعت کا شمار نہ مردوں میں ہے نہ عورتوں میں،اسی طرح میں بھی دنیا میں ان ہی

جیسا ہوں۔اس لئے انہیں کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک حضرت ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس قیام کرنے کی اجازت دے دی لیکن یہ فرمایا کہ اگر تم نے میری صحبت میں خدا کے سوا کسی اور کا تصور کیا تو میری صحبت تمہارے لئے حرام ہے۔

ایک مرتبہ چند ارادت مندوں کے ہمراہ آپ جنگل میں پہنچے تو وہاں ایک کھوپڑی دیکھی جس پر تحریر تھا: **خسر الدنیا والآخرۃ** آپ نے ایک ضرب لگا کر فرمایا کہ یہ کھوپڑی کسی نبی یا ولی کی ہے اور اس میں یہ راز مضمر ہے کہ جس وقت تک راہِ خدا میں دین و دنیا کو نہ ختم کر دو گے اس کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایک مرتبہ علالت کے دوران اطباء نے آپ کو پرہیز کا مشورہ دیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا میں اس چیز کا پرہیز کروں جو میرا رزق ہے یا اس چیز کا جو میرے رزق میں داخل نہیں۔اس لئے کہ جو میرا رزق ہے وہ تو خود ہی مجھے مل جائے گا اور جو میرا رزق نہیں ہے وہ خود ہی نہیں ملے گا۔اس لئے جو میرا رزق ہے اس میں پرہیز کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔

جب لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اتنی مقدار میں نمک آپ آنکھوں میں نہ بھرا کریں اس سے بینائی کے زائل ہونے کا خطرہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ نابینا ہو جانے میں میرے لئے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ میرا قلب جس شے کا خواہشمند ہے وہ چشم ظاہر سے پوشیدہ ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو غیر اطمینانی حالت میں دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یا تو آپ خدا کے ساتھ نہیں ہیں۔یا خدا آپ کے ساتھ نہیں۔آپ نے جواب دیا کہ اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو میں ہوتا لیکن میں تو اس کی ذات میں گم ہو گیا ہوں۔پھر فرمایا کہ میں ہمیشہ اس خیال سے خوش ہوتا ہوں کہ مجھے خدا کا مشاہدہ و اُنس حاصل ہے لیکن اب محسوس ہوا کہ اُنس تو صرف اپنے ہی ہم جنس سے ہو سکتا ہے۔

فرمایا کہ مرید اسی وقت درجہ کمال تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جب اس کے نزدیک سفر و حضر اور حاضر و غائب سب برابر ہوں۔ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ابوتراب ؒ کی بھوک کی وجہ سے تمام صحرا ان کے لئے کھانا بن گیا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ تو رفقی (نرم) تھے اگر مقام تحقیق میں ہوتے تو یہ کہتے کہ میں اللہ کی خدمت میں رہتا ہوں اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے توحید تجرد کے موضوع پر کچھ بیان کرنے کی فرمائش کی تو فرمایا کہ توحید کی خبر دینے والے کو ملحد کہا جاتا ہے اور جو اس کی طرف اشارہ کرے اس کو ثنوی کہتے ہیں۔اور اس کی جانب ایما کرنے والے کو بت پرست کہا جاتا ہے اور اس کے متعلق گفتگو کرنے والے کو غافل کہتے ہیں۔اور خاموشی اختیار کرنے والے کو کامل کہا جاتا ہے۔اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کو پا لیا وہ نامراد ہیں۔

جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ جب تمہیں ذکر الٰہی میں صدق (سرور، مزہ) حاصل نہیں تو تم کس طرح اس کو یاد کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں مجازی اعتبار (مرشد کی صورت) سے جب اس کو بکثرت یاد کرتا ہوں تو ایک مرتبہ وہ بھی مجھے

حقیقت کے ساتھ یاد کر لیتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ یہ جملہ سن کر نعرے لگاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ بارگاہِ الٰہی سے کبھی تو خلعت عطا کیا جاتا ہے اور کبھی تازیانہ۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ دنیا ذکر شغل کے لئے ہے اور عقبیٰ احوال کے لئے، لہذا راحت کس جگہ مل سکتی ہے؟ فرمایا دنیا کے ذکر و شغل سے بے نیاز ہو جاؤ تا کہ احوال آخرت سے نجات حاصل ہو جائے۔

ایک دن آپ کو عالم وجد میں مضطرب دیکھ کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر تم اپنے امور خدا کے سپرد کر دو تو تمہیں سکون مل سکتا ہے آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو اسی وقت سکون مل سکتا ہے جب اللہ تبارک و تعالیٰ میرے امور میرے اوپر چھوڑ دے یہ سن کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شبلی کی تلوار سے خون ٹپکتا ہے۔

آپ نے کسی کو یارب کہتے ہوئے سن کر فرمایا کہ تو کب تک یہ جملہ کہتا رہے گا جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر وقت عبدی عبدی فرماتا رہتا ہے لہذا اس کی بات سن لے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو عبدی عبدی ہی سن کر یارب یارب کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو تیرے لئے یہ جملہ کہنا جائز ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ میری گردن میں آسمان کا طوق اور پاؤں میں زمین کی بیڑی ڈال دے اور ساری دنیا بھی دشمن ہو جائے جب بھی اس سے منہ نہیں پھیر سکتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام "مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔" کا مطلب یہ ہے کہ سر کی آنکھوں کو شہوت سے اور دل کی آنکھوں کو غیر اللہ سے باز رکھیں۔ نظر شہوت یعنی غیر محرم کو دیکھنا غفلت کا نتیجہ ہے اور اہل غفلت کی سب سے بڑی معصیت یہ ہے کہ وہ اپنے عیبوں سے جاہل (بے خبر) ہوتے ہیں اور جو شخص اس دنیا میں جاہل ہے وہ آخرت میں بھی جاہل ہوگا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: "جو شخص اس جہان میں نابینا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا ہوگا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے نزدیک مجنون ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو۔ خدا میرے جنوں اور تمہاری ہوشیاری کو زیادہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میرا جنون محبت کی شدت کی وجہ سے اور تمہاری محبت تمہاری غفلت کی وجہ سے ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے جنون کو اور بڑھائے تا کہ مجھے زیادہ سے زیادہ قرب الٰہی حاصل ہو۔

فرمایا کہ ہیبت الٰہی قلب کو گلاتی ہے اور آتش محبت کو پگھلاتی ہے اور شوق نفس کو فنا کرتی ہے۔ فرمایا کہ توحید کو اپنی جانب بلانے والا کبھی موحد نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ معرفت کی تین قسمیں ہیں۔ اول: معرفت الٰہی جو ذکر کی محتاج ہے۔ دوم: معرفت نفس جو ادائیگی فرض کی محتاج ہے۔ سوم: معرفت باطن یہ تقدیر الٰہی پر رضامندی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

فرمایا کہ دعوت تین طرح کی ہوتی ہے۔ اول: دعوتِ علم۔ دوم: دعوتِ معرفت۔ سوم: دعوتِ معائنہ۔ اور دعوت علم کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات کے بعد اپنے نفس کی معرفت حاصل کرے۔ پھر فرمایا کہ علم یقین کا علم ہمیں پیغمبروں سے حاصل ہوا کیونکہ علم یقین کا مفہوم یہ ہے کہ جو قلوب میں بلاواسطہ نور ہدایت سے حاصل ہوا ہو۔ اور حق الیقین یہ ہے کہ اس علم میں اس حد تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ فرمایا کہ ہمت نام ہے خدا کی طلب کا۔ کیونکہ ماسوا اللہ کی طلب کو ہرگز ہمت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور اہل ہمت

خدا کے سوا کبھی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔لیکن صاحب ارادت بہت جلد دوسری جانب متوجہ ہوجاتے ہیں ۔اورخدا کے سوا ہر شے سے استغناء کا نام فقر ہے۔

فرمایا کہ بارگاہِ الٰہی میں بے علم ہوکر زندگی بسر کرنے کا نام تصوف ہے۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤ دعلیہ السلام سے بذریعہ وحی فرمایا کہ میرا ذکر کرنے والوں کے لئے مخصوص ہے۔فرمایا کہ جس شے سے محبت ہواس کومحبوب کے نام پرخرچ کرنا ہی محبت ہےاوراگر حب الٰہی کا دعویدار اللہ کے سوا کسی اور شے کا طالب ہوتو وہ محبت کے بجائے خدا کا مذاق اُڑاتا ہے۔

فرمایا کہ نعمتوں کونظر انداز کرکے منعم کا مشاہدہ کرنا شکر ہے۔فرمایا کہ رات کوایک گھڑی غفلت کے سونے سے سالک عقبیٰ کی ہزار سالہ راہ سے پیچھے رہ جاتا ہےاوراہل معرفت کے لئے معمولی سی غفلت بھی شرک ہے۔فرمایا کہ جس نے اللہ کی پاکیزگی کو پالیا وہ مراتب میں اس بندے سے بڑھ جاتا ہےجس کواللہ کی رحمت ومعرفت نے سہارا دیا ہواور جواللہ سے دور ہوجاتا ہےاللہ بھی اس سے دوری اختیار کرلیتا ہے۔

فرمایا کہ لوگوں سے محبت اخلاص کی علامت ہےاورذکرالٰہی کے سوادوسرے کے ذکر کے لئے لب کشائی وسوسہ ہےاور خدا کے سوا ہر شے انقطاع، حق وسلامتی کی علامت ہے اوراپنی ضروریات سے زائد مخلوق کی ضروریات پرنظر رکھنا علو ہمتی ہے۔فرمایا کہ وہ سانس جوخدا کے لئے ہووہ تمام عالم کے عابدین کی عبادت سے فزوں تر ہے ۔پھر فرمایا کہ جس دن بھی مجھ پرخوف کا غلبہ ہوتا ہےاسی دن میرےاوپر حکمت وعبرت کے درکھل جاتے ہیں۔

فرمایا کہ درویشوں کے چار سومقامات ہیں۔جن میں سب سے ادنیٰ مقام یہ ہے اگر دنیا کی پوری دولت بھی ان کو حاصل ہوجائے اورتمام اہل دنیاان کی دولت کواستعمال کریں جب بھی انہیں دن کے کھانے کی فکر نہ ہو۔فرمایا کہ عبادت الٰہی شریعت ہے اورخدا کی طلب طریقت ۔یادِالٰہی میں مخلوق سے بے نیازی کا نام زُہد ہے ۔فرمایا کہ صادق وہی ہے جوحرام شے کوزبان پرنہ رکھے اوراس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات سے بھی تنفر پیدا ہوجائے۔

فرمایا کہ وعظ میں عادتاً آنے والے کے لئے سماعت وعظ سودمند نہیں ہوتی بلکہ وہ بلاء کا مستحق ہوجاتا ہے۔فرمایا کہ تم سب ماسوااللہ سے دستبردار ہوکر ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں سرگرم عمل رہو۔اوراگر میں پوری طرح خدا کی ہستی سے واقف ہوجاتا تو خدا کے سوا ہرگز کسی سے خائف نہ ہوتا ۔فرمایا کہ مجھ سے خواب میں دوافراد نے کہا کہ جوشخص فلاں فلاں چیزوں پرکاربند ہوجاتا ہےاس کا شماردانشمندوں میں ہونے لگتا ہے۔فرمایا کہ میں نے اپنی ساری زندگی اسی تمنا میں گزاردی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ صرف ایک سانس لے سکوں اورقلب کوبھی اس کی خبر نہ ہوسکے لیکن آج تک میری یہ تمنا تشنۂ تکمیل ہے۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب بلاؤں پرعذاب کرنا چاہتا ہےتو ان کوقلوب عارفین میں جگہ دے دیتا ہے۔فرمایا کہ عارف کی شان یہ ہے کہ کبھی تواپنے جسم پرمچھر نہیں بیٹھنے دیتااورکبھی پلکوں پرساتوں افلاک اورزمینوں کواُٹھالیتا ہے ۔ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کے کلام میں تضاد کیوں ہوتا ہےکبھی آپ ایک بات کہتے ہیں اورکبھی دوسری بات؟ آپ نے فرمایا کہ

ہم کبھی عالم بے خودی میں ہوتے ہیں اور کبھی خودی میں۔فرمایا کہ خدا شناس کبھی خدا کے سوا کسی سے نہیں ملتا اور جو ایسا کرتے ہیں، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہرگز نہیں پاسکتے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہم وعقل سے جس شے کو شناخت کیا جاسکے وہ بے سود اور مصنوعی ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کی تعریف یہ ہے کہ جو وہم وگمان اور عقل سے بالاتر ہے۔فرمایا صوفیاء وہی ہیں جو دنیا میں اس طرح زندگی گزاریں جیسے دنیا میں آنے سے قبل تھے۔پھر فرمایا کہ تصوف قوت وحواس کا خیال رکھنے اور انفاس کی نگرانی کا نام ہے اور صوفی اسی وقت صوفی ہوسکتا ہے جب تمام مخلوق کو اپنے بچوں جیسا سمجھ کر سب کا بوجھ برداشت کر سکے اور جو مخلوق سے متوقع ہو کر خدا سے اس طرح وابستہ ہو جائے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخلوق سے جدا کر دیا تھا۔جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول صادق ہے **واصطفیتک لنفسی** یعنی ہم نے تم کو اپنے لئے منتخب کرلیا۔اور صوفیاء کرام ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی آغوش کرم میں بچوں کی طرح پرورش پاتے رہتے ہیں۔

فرمایا کہ عارف وہی ہے جو نہ تو خدا کے سوا کسی کا مشاہدہ کرے نہ کسی سے محبت اور بات کرے اور نہ کسی کو اپنے نفس کا محافظ تصور کرے۔فرمایا کہ عارف کا زمانہ موسم بہار کی طرح ہوتا ہے۔جس طرح بہار میں گرج چمک سے پانی برسنے کے بعد خنک ہوائیں چلتی ہیں۔رنگ برنگے پھول کھلتے ہیں اور پھولوں میں بلبلیں نغمہ سرا ہوتی ہیں۔اسی طرح عارف بھی ابر کی طرح روتا ہے برق کی طرح مسکراتا ہے، بادل کی گرج کی طرح نعرے مارتا ہے، ہوا کی مانند آہیں بھرتا ہے اور سر کو جنبش دے دے کر اپنی مرادوں کے پھول کھلاتا ہے اور پھولوں کو دیکھ کر بلبلوں کی طرح خدا کی یاد میں نغمہ سرائی کرتا ہے۔

وفات کے وقت جب آپ کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تو ناقابل بیان حد تک بے قرار ہو کر لوگوں سے راکھ طلب کر کے اپنے سر پر ڈالتے رہے اور جب لوگوں نے بے قراری کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اس وقت مجھے ابلیس پر رشک آرہا ہے اور آتش رشک میری تمام جسم کو بھسم کئے دے رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کو خلعت لعنت سے نوازا جیسا کہ قرآن میں ہے: **اناعلیک لعنتی الی یوم الدین** ۔یعنی اے شیطان تجھ پر قیامت تک میری لعنت رہے گی۔مجھ تشنہ کو خدا نے وہ خلعت کیوں نہیں عطا فرمائی۔فرمایا کیونکہ لعنت کی خلعت تو شیطان کے لئے مخصوص ہے لیکن اس کا عطا کرنے والا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے اور اس کی خلعت کا مستحق ابلیس کبھی نہیں ہوسکتا۔یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔

پھر عالم اضطراب میں فرمایا کہ اس وقت کرم کی ایک ہوا چل رہی ہے اور دوسری قہر کی۔جن پر کرم کی ہوا چلی ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔اور جن پر قہر کی ہوا چلی وہ لوگ راستے ہی میں رہ گئے اور اس قسم کے حجابات ان کے سامنے آگئے کہ وہ منزل تک نہ پہنچ سکے لیکن مجھے یہ اضطراب ہے کہ میرے اوپر کون سی ہوا چلنے والی ہے اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ کرم کی ہوا چلے گی تو میں امید کرم میں تمام نامرادیوں کو بخوشی برداشت کرسکتا ہوں اور اگر خدانخواستہ قہر کی ہوا چل گئی تو مجھے ایسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا جس کے سامنے تمام مصائب ہیچ ہیں۔

انتقال کے وقت حاضرین سے فرمایا کہ مجھے وضو کراؤ اور چنانچہ وضو کرتے ہوئے اضطرابی کیفیت میں داڑھی میں خلال کرنا بھول گئے لیکن آپ نے غلطی پر متنبہ کر کے اعادہ کروالیا۔ پھر انتقال کے وقت آپ نے یہ دو شعر پڑھے:

کل بیت انت ساکنہ این محتاج الی السراج

جس گھر میں تو قیام پذیر ہو جائے اس کو چراغ کی حاجت نہیں رہتی

وجھک المامول حجتنا یوم تاتی الناس بالحج

تیرا حسین چہرہ نبی ہمارے لئے محبت ہے اس دن کے لئے جب لوگ محبتیں پیش کریں گے

پھر انتقال کے وقت سے قبل ہی جماعت نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آ پہنچی۔ تو آپ نے بذریعہ کشف اس جماعت کے قصد کو محسوس کر کے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ زندہ ہی کی نماز پڑھنے چلے آئے ہیں۔ پھر جب لوگوں نے عرض کیا لاالہ الا اللہ کہئے تو فرمایا کہ جب غیر ہی نہیں ہے تو نفی کس کی کروں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ شریعت کا حکم ہے کہ ایسے وقت کلمہ پڑھنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ سلطان محبت فرمارہا ہے کہ میں رشوت قبول نہیں کروں گا۔ اس کے بعد کسی نے با آواز بلند لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کی۔ فرمایا مردہ زندوں کو نصیحت کرتا ہے۔ پھر جب کچھ وقفہ کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی حالت کیا ہے؟ تو فرمایا کہ میں اپنے محبوب سے مل گیا یہ فرما کر دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کا وصال ماہ ذوالحجہ 334 ہجری بمطابق ماہ جولائی 946 عیسوی میں ہوا۔

وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر آپ سے سوال کیا کہ نکیرین سے آپ نے کیسے چھٹکارا حاصل کیا۔ فرمایا کہ جب انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرا رب وہ ہے جس نے آدم کو تخلیق کر کے تمہیں اور دوسرے ملائکہ کو سجدے کا حکم دیا۔ اور اس وقت میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں موجود رہ کر تم سب کو سجدہ کرتے دیکھ رہا تھا، یہ جواب سن کر نکیرین نے کہا کہ اس نے تو پوری اولاد کی جانب ہی سے جواب دے دیا اور یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔

کسی بزرگ نے خواب میں آپ سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا کہ ان تمام دعوؤں کے باوجود جو میں نے دُنیا میں کئے تھے، ان کے متعلق خدا نے مجھ سے کوئی باز پرس نہیں فرمائی۔ البتہ ایک بات کی گرفت ضرور کی اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس سے زیادہ مضر اور کوئی بات نہیں کہ بندہ جنت کا مستحق نہ ہو اور جہنم رسید کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندوں کے لئے سب سے زیادہ مضر یہ ہے کہ وہ محبوب ہو کر میرے دیدار سے محروم ہو جائیں۔

کسی نے آپ سے عالم خواب میں سوال کیا کہ آپ نے بازار آخرت کو کیسا پایا؟ فرمایا کہ بازار قطعی بے رونق ہے کیونکہ اس میں سوختہ جگر اور شکستہ قلب لوگوں کے سوا کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اور ایسے لوگوں کی یہاں ایسی بھیڑ بھاڑ ہے کہ سوختہ جگر لوگوں کے زخم پر مرہم لگا کر ان کی سوزش کو دور کر دیا جاتا ہے اور شکستہ قلوب کو جوڑ کر ان کی شکستگی دور کر دی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ سوائے دیدار الٰہی کے کسی دوسری شے پر نظر نہیں ڈالتے۔

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی علی ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام احمد تھا۔ آپ خرقان کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کے اسم مبارک کے ساتھ خرقانی پیوست ہے اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اس طرح سے آپ کا پورا اسم مبارک ابوالحسن علی بن احمد خرقانی ہے۔ اور آپ اپنی کنیت سے ہی زمانے بھر میں، دنیا بھر میں جانے پہچانے جاتے ہیں یا آپ اپنی کنیت سے ہی مشہور و معروف ہیں۔

آپ اُمی نبی ﷺ کے اُمی ولی ہیں۔ اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت زیادہ بلند ہے۔ آپ اپنے وقت کے قطب زمان تھے۔ آپ کا شمار اکابر اور متقدمین مشائخ کرام میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے کے اولیاء کرام میں ہر دلعزیز تھے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا "شرف اہل زمانہ، واندر خود یگانہ" کے خوبصورت و معزز الفاظ سے ذکر خیر فرمایا ہے۔

آپ طریقت و حقیقت کا سرچشمہ، فیوض و معرفت کا منبع و مخزن تھے اور آپ کی عظمت و بزرگی مسلمہ تھی۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ تھا کہ سال میں ایک مرتبہ مزارات شہداء کی زیارت کے لئے خرقان سے آگے جایا کرتے تھے۔ اور جب خرقان پہنچتے تو فضا میں منہ اُوپر اُٹھا کر اس طرح سانس کھینچتے جیسے کوئی خوشبو سونگھنے کے لئے کھینچتا ہے۔ ایک مرتبہ مریدین نے پوچھا کہ آپ کس چیز کی خوشبو سونگھتے ہیں، ہمیں تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے سرزمین خرقان سے ایک مرد حق کی خوشبو آتی ہے جس کی کنیت ابوالحسن اور نام علی ہے اور وہ کاشتکاری کے ذریعہ اپنے اہل و عیال کی رزق حلال سے پرورش کرے گا۔ اور مجھ سے مرتبہ میں تین گنا زیادہ بلند مرتبہ ہوگا۔ دُنیا سے بے رغبتی اور فراخی دل یعنی کہ فقر و غنا میں آپ رہنما اور امامِ وقت تھے۔ کاشت کاری کی شکل میں رزقِ حلال آپ اپنے ہاتھوں سے کماتے اور اس میں سے فقراُ غربأ و مساکین پر بھی بے دریغ خرچ کرتے تھے۔

کشف و کرامات، زہد و تقویٰ، ریاضات و مجاہدات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت 334 ہجری بمطابق 946ء ہے۔ آپ خرقان میں ایک کاشتکار کے گھر پیدا ہوئے اور آپ کا رزق حلال کمانے کا ذریعہ بھی کاشتکاری تھا۔ آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 92 سال کی عمر پائی۔ آپ کا سن وصال 426 ہجری

بمطابق 1035عیسوی ہے۔آپ کے ہم عصروں میں کچھ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔حضرت ابوالعمر ابوعباس،حضرت عبداللہ انصاری،حضرت ابوسعید،حضرت ابوقاسم قشیری،حضرت شیخ بوعلی سینا،سلطان محمودغزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ۔جب سلطان محمودغزنوی نے سومنات کوفتح کیاتواس وقت آپ وصال فرما چکے تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

بیس سال تک آپ کا یہ معمول رہا کہ خرقان سے بعد نمازِعشاء بسطام میں حضرت بایزیدؒ کے مزار پرپہنچ کر یہ دعا کرتے کہ اے اللہ!جومرتبہ تونے بایزید کوعطا کیاوہی مجھ کوبھی عطافرمادے۔اس دعا کے بعدخرقان واپس آکرنمازِفجر ادا کرتے اورآپ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ بسطام سے اس نیت کے ساتھ اُلٹے پاؤں واپس ہوتے کہ کہیں حضرت بایزیدؒ کے مزار کی بے ادبی نہ ہو جائے۔پھر بارہ سال اپنے معمول پرقائم رہنے کے بعدحضرت بایزیدؒ کی قبر سے یہ آوازسنی کہ اے ابوالحسن !اب تیرا بھی دورآ گیا۔آپ نے جواب دیا کہ میں توقطعی اُمی ہونے کی وجہ سےعلوم شرعیہ سے ناواقف ہوں اس لئے للہ میری مدد،حوصلہ افزائی ورہنمائی فرمایئے۔ندا آئی کہ مجھے جوکچھ مرتبہ حاصل ہوا ہے وہ صرف تمہاری ہی بدولت حاصل ہوا ہے۔آپ نے جواب دیا کہ آپ تو مجھ سے انتالیس سال قبل دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں۔ندا آئی کہ یہ قول تو تمہارا درست ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس وقت بھی میں سرزمین خرقان سے گزرتا تھا تو اس سرزمین سے آسمان تک ایک نورہی نورنظر آتا تھا۔میں اپنی ضرورت کے تحت بیس سال تک دعا کرتا رہا لیکن قبول نہیں ہوئی اور مجھ کو یہ حکم دیا گیا کہ کہ تو اس نور کو ہماری بارگاہ میں شفیع بنا کرپیش کرے تو تیری دعا قبول کرلی جائے گی چنانچہ اس حکم پرعمل پیرا ہونے سے دعا قبول ہوگئی۔چنانچہ اس واقعہ کے بعدآپ خرقان واپس ہوئے تو صرف 24 یوم میں مکمل قرآن ختم کرلیا۔لیکن بعض روایت میں یہ ہے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے ندا آئی کہ سورۃ فاتحہ شروع کردو اورجب آپ نے شروع کی تو خرقان پہنچتے تک پورا قرآن ختم کرلیا۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے باغ کی کھدائی شروع کی تو وہاں سے چاندی برآمد ہوگئی۔تو آپ نے اس جگہ کوبند کرکے دوسری جگہ سے کھدائی شروع کی تو وہاں سے سونا برآمد ہوا۔توپھر تیسری جگہ سے مروارید اورچوتھی جگہ سے جواہرات برآمد ہوئے لیکن آپ نے کسی کوبھی ہاتھ نہ لگایا اورفرمایا کہ ابوالحسن ان چیزوں پرفریفتہ نہیں ہوسکتا۔یہ تو کیا اگردین ودنیا دونوں بھی مہیا ہوجائیں جب بھی وہ مجھ سے انحراف نہیں ہوسکتا۔ہل چلاتے وقت جب نماز کاوقت آجاتا تو آپ بیلوں کوچھوڑ کرنماز ادا کرتے اورجب نماز پڑھ کرکھیت میں پہنچتے تو زمین تیارملتی۔

ایک دفعہ شیخ المشائخ حضرت ابوالعمر ابوعباسؒ نے آپ سے کہا کہ چلو میں اورتم درخت پرچڑھ کرچھلانگ لگائیں۔آپ نے فرمایا کہ چلئے میں اورآپ فردوس وجہنم سے بے نیاز ہوکراوراللہ تبارک وتعالیٰ کادست کرم پکڑکرچھلانگ لگائیں۔پھر ایک مرتبہ شیخ المشائخ نے پانی میں ہاتھ ڈال کرزندہ مچھلی پکڑ کرآپ کے سامنے رکھ دی۔اس کے جواب میں آپ نے تنور میں ہاتھ ڈال کرزندہ مچھلی آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آگ میں سے زندہ مچھلی پکڑکرنکالنا پانی سے مچھلی نکالنے سے کہیں زیادہ

معنی خیز ہے۔ پھر ایک دن شیخ المشائخ نے کہا کہ چلو ہم دونوں تنور میں کود جائیں۔ پھر دیکھیں زندہ کون نکلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح نہیں بلکہ ہم دونوں اپنی ہستی میں غوطہ لگا کر دیکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی سے کون باہر آتا ہے یہ سن کر شیخ المشائخ حضرت ابوعمر عباسؒ نے سکوت اختیار کرلیا۔

شیخ المشائخ حضرت ابوعمر ابوعباسؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابوالحسن کے خوف کی وجہ سے مجھے بیس سال تک نیند نہیں آئی اور جس مقام پر میں پہنچتا ہوں انہیں اپنے سے چار قدم آگے ہی پاتا ہوں۔ اور دس مرتبہ اس کی کوشش کی کہ کسی طرح میں ان سے قبل حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچ جاؤں لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو وہ طاقت عطا کی ہے کہ تین میل کا راستہ لمحہ بھر میں طے کر کے بسطام پہنچ جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کوئی جماعت کسی مخدوش راستے پر سفر کرنا چاہتی تھی۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی ایسی دعا بتا دیجئے جس کی وجہ سے ہم راستے کے مصائب سے محفوظ رہ سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آئے تو مجھ کو یاد کر لینا۔ لوگوں نے آپ کے اس قول پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ لیکن راستے میں ان کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا تو ایک شخص جس کے پاس مال واسباب بہت زیادہ تھا۔ جب ڈاکو اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے صدق دلی سے آپ کا نام لیا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے مال واسباب سمیت لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ڈاکوؤں کو بہت تعجب ہوا مگر جن لوگوں نے آپ کو یاد نہیں کیا تھا وہ سب لوٹ لئے گئے۔ پھر ڈاکوؤں کی واپسی کے بعد وہ شخص سب کی نظروں کے سامنے آ گیا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ کہاں غائب ہو گیا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے سچے دل سے شیخ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کو یاد کیا تھا اور خدا نے اپنی قدرت سے مجھے سب کی نگاہوں سے پوشیدہ فرما دیا۔ اس واقعہ کے بعد وہ جماعت خرقان واپس آئی تو حضرت ابوالحسنؒ سے عرض کیا کہ ہم صدق دلی سے خدا کو یاد کرتے رہے اس کے باوجود بھی ہمارا مال لوٹ لیا گیا۔ لیکن جس شخص نے آپ کو یاد کیا وہ بچ گیا اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم صرف زبانی طور پر خدا کو یاد کرتے تھے۔ اور ابوالحسن خلوص قلب سے خدا کو یاد کرتا ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ باوقت ضرورت تم ابوالحسن کو یاد کر لیا کرو۔ کیونکہ ابوالحسن تمہارے لئے خدا کو یاد کرتا ہے اور خدا کو صرف زبانی یاد کرنا بے سود ہوتا ہے۔

کسی مرید نے آپ سے کوہ لبنان پر جا کر قطب العالم سے ملاقات کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس کو اجازت دے دی۔ اور جب وہ کوہ لبنان پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہوا ہے۔ تمام لوگ کسی کے منتظر ہیں۔ اس شخص نے جب ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہیں کس کا انتظار ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے قطب العالم تشریف لائیں گے۔ ہمیں ان ہی کا انتظار ہے۔ یہ سن کر اس شخص کو بے حد مسرت ہوئی کہ بہت جلدی قطب العالم سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ کچھ ہی دیر بعد لوگوں نے صف قائم کر لی اور نماز جنازہ شروع ہونے لگی۔ لیکن جب اس شخص نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ نماز جنازہ کے امام خود اس کے مرشد حضرت ابوالحسن خرقانی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مارے خوف کے بے ہوش ہو گیا۔ اور ہوش آنے کے

بعد تک تو لوگ جنازے کو دفن کر چکے تھے اور آپ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پھر اس مرید نے اطمینان قلبی کے لئے پوچھا کہ امام صاحب کا نام کیا تھا؟ لوگوں نے کہا یہی تو قطب العالم حضرت ابوالحسن خرقانیؒ تھے۔ اور اب نماز کے وقت پھر یہاں تشریف لائیں گے چنانچہ وہ مرید انتظار میں رہا اور جب آپ نماز پڑھا چکے تو اس نے بڑھ کر سلام کر کے دامن تھام لیا لیکن شدید خوف کی وجہ سے اس کی زبان سے ایک جملہ بھی نہیں نکلا۔ پھر آپ نے اس کو ہمراہ لے جاتے ہوئے فرمایا کہ تو نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے اس کو کبھی زبان پر نہ لانا کیونکہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ مجھ کو مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتے ہوئے مخلوق کو میرے مراتب سے آگاہ نہ فرمائے، سوائے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے جو مرنے کے بعد بھی حیات ہیں۔

ایک مرتبہ طالب علم یا مرید نے آپ سے عراق جا کر درس حدیث میں شرکت کی اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی درس حدیث دینے والا موجود نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں تو کوئی مشہور محدث نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تو میں ہی موجود ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُمی ہونے کے باوجود اپنے فضل وکرم سے مجھے تمام علوم پر آگاہی عطا فرمائی ہے۔ اور حدیث تو میں نے خود حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے پڑھی ہے، لیکن آپ کے اس قول کا اس شخص کو یقین نہیں آیا۔ چنانچہ رات کو خواب میں اس نے حضور انور نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ جواں مرد (ابوالحسن) سچی بات کہتے ہیں۔ اس خواب کے بعد صبح سے اس نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر حدیث کا درس لینا شروع کر دیا۔ اور آپ درس دیتے ہوئے کبھی یہ بھی فرماجاتے کہ یہ حدیث حضور ﷺ کی نہیں ہے۔ اس شخص نے جب پوچھا کہ یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم حدیث پڑھتے ہو تو میں پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کے مشاہدے میں مشغول رہتا ہوں اور جو صحیح حدیث ہوتی ہے اس کو پڑھتے وقت حضور ﷺ کی پیشانی پر مسرت کی جھلک ہوتی ہے لیکن جو حدیث صحیح نہیں ہوتی اس پر آپ کی پیشانی شکن آلودہ ہو جاتی ہے، جس سے مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ صحیح حدیث کون سی ہے۔

حضرت عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک جرم میں گرفتار کر کے پابجولاں بلخ کی جانب لے چلے اور میں راستہ بھر یہ سوچتا رہا کہ میرے پاؤں سے گناہ سرزد ہو گیا جس کی پاداش میں زنجیر سے جکڑا گیا ہے اور جب میں بلخ پہنچا تو دیکھا کہ عوام چھتوں پر چڑھے ہوئے مجھے پتھروں سے مارنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ اس وقت مجھے الہام ہوا کہ تو نے فلاں دن حضرت ابوالحسن کا مصلیٰ بچھاتے ہوئے اس پر پاؤں رکھ دیا تھا اور یہ اسی کی سزا ہے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت توبہ کی۔ اور اس توبہ کے نتیجہ میں لوگ ہاتھوں میں پتھر لئے کھڑے رہے اور کسی میں مجھے مارنے کی جرأت نہ ہوئی اور زنجیریں خود بخود ٹوٹ کر گر گئیں۔ اور حاکم نے میری رہائی کا حکم دے دیا۔

حضرت شیخ ابوسعیدؒ اپنے مریدین کے ہمراہ آپ کے یہاں مہمان ہوئے تو اس وقت گھر میں چند ٹکیوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ ان ٹکیوں پر ایک چادر ڈھانپ دو اور بقدر ضرورت مہمانوں کے سامنے نکال نکال کر رکھتی جاؤ۔ چنانچہ اس عمل سے تمام مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ اس وقت دسترخوان پر بہت

سے مہمان تھے اور خادم چادر کے نیچے سے روٹیاں لالا کر رکھتا جاتا تھا اور آپ کی کرامت سے چادر میں ایسی برکت ہوگئی تھی کہ مسلسل روٹیاں نکلتی جارہی تھیں۔حالانکہ اس میں صرف چند ٹکیاں رکھی تھیں لیکن جب خادم نے آزمانے کے لئے چادر اُٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک روٹی بھی نہ تھی۔آپ نے فرمایا کہ تو نے بہت برا کیا اگر چادر نہ اُٹھاتا تو اُس کے نیچے سے قیامت تک روٹیاں نکلتی رہتیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر جب حضرت ابوسعیدؒ نے سماع کی فرمائش کی تو اس کے باوجود کہ آپ نے کبھی سماع نہیں سنا تھا از روئے مہمان نوازی اجازت دے دی اور جب قوال چٹکیاں بجا کر اشعار پڑھ رہے تھے تو حضرت ابوسعیدؒ نے کہا کہ اب کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔اس پر آپ بھی کھڑے ہو گئے۔اور تین مرتبہ اپنی آستین جھٹک کر اتنی زور سے زمین پر پاؤں مارے کہ خانقاہ کی دیواریں تک ہل گئیں اور حضرت ابوسعید نے گھبرا کر عرض کیا کہ بس کیجئے کیونکہ مکان گر جانے کا خطرہ ہو گیا ہے اور زمین و آسمان آپ کے ساتھ وجد کر رہے ہیں۔اس وقت آپ نے فرمایا کہ سماع صرف اسی کے لئے جائز ہے جس کو آسمان سے عرش تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک کشادگی نظر آتی ہو اور اس سے تمام حجابات ختم کر دیئے گئے ہوں۔پھر فرمایا لوگوں سے مخاطب ہو کر کہ اگر تم سے کوئی جماعت یہ سوال کرے کہ تم لوگ اس طرح رقص کیوں کرتے ہو تو جواب دینا کہ گزشتہ ایسے عالی قدر بزرگوں کی اتباع میں کرتے ہیں جن کے ابوالحسن جیسے مراتب تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوسعید اور حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے قبض وبسط کے احوال کو باہمی تبدیل کرنے کا قصد کیا تو دونوں بزرگ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے جس کے بعد اچانک دونوں کی حالت تبدیل ہو گئی اور حضرت ابوسعید گھر جا کر رات بھر زانو پر سر رکھے ہوئے روتے رہے اور ادھر حضرت ابوالحسنؒ رات بھر عالم وجد میں نعرے لگاتے رہے۔صبح کو حضرت ابوسعید نے آ کر عرض کیا کہ میرا خرقہ مجھے واپس کر دیجئے کیونکہ مجھ میں غم و الم برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ! اس کے بعد دونوں آپس میں بغلگیر ہو گئے اور دونوں اپنی پہلی سی حالت پر آ گئے۔

جب حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے رخصت ہوتے وقت احتراماً آپ کی چوکھٹ کا بوسہ دیا جس کا یہ مطلب تھا کہ میں آپ کے ہم پلہ نہیں ہوں اور آستانہ بوسی کو اپنے لئے فخر تصور کرتا ہوں۔پھر حضرت ابوسعیدؒ نے لوگوں سے کہا کہ آپ کی چوکھٹ کے پتھر کو اُٹھا کر احترام کے طور پر محراب میں نصب کر دیں لیکن پتھر کو وہاں نصب کرنے کے بعد جب صبح کو دیکھا گیا تو وہ پتھر پھر اپنی جگہ پہنچ چکا تھا اور مسلسل تین یوم تک ایسا ہی ہوتا رہا۔کہ رات کو پتھر محراب میں نصب کر دیا جاتا اور صبح کو پتھر پھر واپس آپ کی چوکھٹ پر نصب ہو جاتا۔لہٰذا آپ نے حکم دیا کہ اب اس کو یہیں رہنے دو اور حضرت ابوسعیدؒ کے احترام کی نیت سے آپ نے خانقاہ کے اس دروازے کو بند کر کے آمد و رفت کے لئے دوسرا دروازہ کھول دیا۔

ایک دن آپ نے حضرت ابوسعیدؒ سے فرمایا کہ آج میں نے تمہیں موجودہ دور کا ولی مقرر کر دیا ہے کیونکہ عرصہ دراز سے میں یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ایسا فرزند عطا فرما دے جو میرا ہمراز بن سکے اور اب میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس

نے مجھے تیرے جیسا شخص عطا کر دیا ہے۔حضرت ابوسعیدؒ نے کبھی آپ کے سامنے لب کشائی نہیں کی اور جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ شیخ کے سامنے، کی موجودگی میں بات نہ کرنا ہی داخل ثواب ہے کیونکہ سمندر کے مقابلے میں ندیوں کو اہمیت نہیں ہوتی ۔پھر بتایا کہ خرقان آنے کے وقت میں ایک پتھر کی طرح تھا لیکن آپ کی توجہ نے مجھے گوہر آبدار بنا دیا۔

ایک اور مرید یا شخص نے حضرت حسن مودب رحمۃ اللہ علیہ سے (جو حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے) کہا کہ میں نے سنا ہے کہ جب آپ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت ابوسعیدؒ نے کوئی بات نہ کی اور خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے۔فراغت کے بعد میں نے عرض کیا کہ یا شیخ آپ نے کیوں بات نہ کی؟ فرمایا کہ سلسلۂ کلام شروع کرنے کے لئے ایک بولنے والا کافی ہوتا ہے۔

اس کی شرح یہ ہے کہ بعض اوقات مشائخ کی باہمی گفتگو ظاہری انداز سے نہیں بلکہ خاموشی میں ہوتی ہے جیسے حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان زبان سے کوئی گفتگو نہ ہوئی لیکن باطنی طور پر باتیں ہوتی رہیں۔یہاں بھی آپ کا خاموشی سے باتوں کا باطنی انداز سے جواب دینا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعیدؒ ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے جس میں حضرت ابوالحسن کے صاحبزادے بھی موجود تھے اس وقت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خودی سے نجات پا جانے والے ایسے ہوتے ہیں جیسے بچہ شکم مادر سے پاک صاف نکلتا ہے اور وہ لوگ ایسے ہو گئے جس طرح عالم ارواح سے عالم خاکی میں گناہوں سے پاک آتے ہیں۔پھر آپ نے صاحبزادے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ایسے لوگوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان میں ان صاحبزادے کے والد بزرگوار (حضرت ابوالحسن) بھی شامل ہیں۔

جب حضرت شیخ بوعلی سیناؒ آپ کی شہرت سے متاثر ہو کر بغرض ملاقات خرقان میں آپ کے گھر پہنچے اور آپ کی بیوی سے پوچھا کہ شیخ کہاں ہیں؟ تو بیوی نے جواب دیا کہ تم ایک زندیق و کاذب کو شیخ کہتے ہو۔مجھے نہیں معلوم کہ شیخ کہاں ہیں البتہ میرے شوہر تو جنگل میں لکڑیاں لانے گئے ہیں۔یہ سن کر شیخ بوعلی سیناؒ کو خیال ہوا کہ جب آپ کی بیوی ہی اس قسم کی گستاخی کرتی ہے تو نہ معلوم آپ کا کیا مرتبہ ہے؟ گو میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ بہت ادنیٰ درجہ کے انسان ہیں۔ پھر جب آپ کی جستجو میں جنگل کی جانب روانہ ہوئے تو دیکھا کہ آپ شیر کی کمر پر لکڑیاں لادے تشریف لا رہے ہیں۔یہ واقعہ دیکھ کر حضرت بوعلی سیناؒ کو بہت حیرت ہوئی اور قدم بوس ہو کر عرض کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایسا بلند مقام عطا فرمایا ہے اور آپ کی بیوی آپ کے متعلق بہت بری بری باتیں کہتی ہے۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسی بیوی کا بوجھ برداشت نہ کر سکوں تو پھر یہ شیر میرا بوجھ کیسے اُٹھا سکتا ہے؟ پھر آپ بوعلی سینا کو اپنے گھر لے گئے اور کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد فرمایا کہ اب مجھے اجازت دے دو کیونکہ میں دیوار تعمیر کرنے کے لئے مٹی بھگو چکا ہوں۔یہ کہہ کر آپ دیوار پر جا بیٹھے اس وقت آپ کے ہاتھ سے بسولی چھوٹ کر زمین پر گر پڑی اور جب حضرت بوعلی سیناؒ اُٹھا کر دینے کے لئے آگے بڑھے تو وہ بسولی

خودبخود زمین سے اُٹھ کر آپ کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ یہ کرامت دیکھ کر حضرت بوعلی سینا آپ کے معتقدین میں شامل ہوگئے۔

ایک مرتبہ وزیر بغداد کے پیٹ میں اچانک ایسا شدید اُٹھا کہ اطباء نے بھی جواب دے دیا۔ اس وقت لوگوں نے آپ کا جوتا لے جا کر وزیر کے پیٹ پر پھیر دیا اور وہ فوراً صحت یاب ہوگیا۔

ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ تھا کہ خرقان آنے کے وقت مجھ پر حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا خوف اس درجہ طاری تھا کہ بات کرنے کی بھی سکت نہیں تھی جس کی وجہ سے مجھے یہ خیال پیدا ہوگیا کہ شائد مجھے ولائت کے مقام سے معزول کر دیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی نے اپنے خادم خاص ''ایاز'' سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے اپنا لباس پہنا کر اپنی جگہ بٹھا دوں گا اور تیرا لباس پہن کر خود غلام کی جگہ لے لوں گا۔ چنانچہ جس وقت سلطان محمود حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی نیت سے خرقان پہنچا تو اپنے قاصد سے یہ کہا کہ حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہہ دینا کہ میں صرف آپ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، لہٰذا آپ زحمت فرما کر میرے خیمہ تک تشریف لے آئیں اور اگر وہ آنے سے انکار کریں تو یہ آیت تلاوت کر دینا: ''**اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم۔**'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ اپنی قوم کے حاکم کی بھی اطاعت کرتے رہو۔ چنانچہ قاصد نے آپ کو جب پیغام پہنچایا تو آپ نے معذرت ظاہر کی جس پر قاصد نے مذکورہ بالا آیت تلاوت کی۔ آپ نے جواب دیا کہ محمود سے کہہ دینا کہ میں تو **اطیعو اللّٰہ** میں ایسا غرق ہوں کہ **اطیعو الرسول** میں بھی ندامت محسوس کرتا ہوں ایسی حالت میں **اولی الامر منکم**، کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

یہ قول جس وقت قاصد نے محمود غزنوی کو سنایا اس نے کہا کہ میں تو انہیں معمولی قسم کا صوفی تصور کرتا تھا، لیکن معلوم ہوا کہ وہ تو بہت ہی کامل بزرگ ہیں۔ لہٰذا ہم خود ہی ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔ اس وقت محمود نے ایاز کا لباس پہنا اور دس کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر ایاز کو اپنا لباس پہنایا اور خود بطور غلام کے ان دس کنیزوں میں شامل ہو کر ملاقات کرنے پہنچ گیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے اور محمود جو غلام کے لباس میں ملبوس تھا اس کی جانب متوجہ ہوگئے لیکن ایاز جو شاہانہ لباس میں تھا اس کی جانب قطعاً توجہ نہیں دی اور جب محمود نے جواب دیا کہ یہ دام فریب تو ایسا نہیں ہے کہ جس میں آپ جیسے شاہباز پھنس سکیں۔ تب آپ نے محمود کا ہاتھ تھام کر فرمایا کہ پہلے ان نامحرموں کو باہر نکال دو، پھر مجھ سے گفتگو کرنا۔

چنانچہ محمود کے اشارے پر تمام کنیزیں باہر واپس چلی گئیں اور محمود نے آپ سے فرمائش کی کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی واقعہ بیان فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ تھا کہ جس نے میری زیارت کر لی اس کو بدبختی سے نجات حاصل ہوگئی۔ اس پر محمود نے پوچھا کہ کیا ان کا مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے بھی زیادہ بلند تھا۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کو ابوجہل و ابولہب جیسے منکرین نے دیکھا پھر بھی ان کی بدبختی دور نہ ہو سکی۔

آپ نے فرمایا کہ اے محمود! ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی ولادت میں تصرف نہ کرو یعنی کہ جہالت میں حد سے آگے نہ بڑھو کیونکہ حضور اکرم ﷺ کو خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کرام کے سوا کسی نے نہیں دیکھا جس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: **وتـراهم ينظرون اليك وهم لايبصرون** ۔ یعنی اے نبی (ﷺ)! آپ ان کو دیکھتے ہیں۔ جو آپ کی جانب نظر کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ سن کر محمود بہت خوش ہوا۔ پھر آپ سے نصیحت کرنے کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ نواہی سے اجتناب کرتے رہو۔ باجماعت نماز ادا کرتے رہو۔ سخاوت وشفقت کو اپنا شعار بنالو اور جب محمود نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں خدا سے ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرمادے۔

پھر جب محمود نے عرض کیا کہ میرے لئے مخصوص دعا فرمایئے تو آپ نے کہا کہ اے محمود! تیری عاقبت محمود ہو۔ اور جب محمود نے اشرفیوں کا ایک توڑا آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جو کی خشک ٹکیا اس کے سامنے رکھ کر جواب دیا کہ اس کو کھاؤ؟ چنانچہ جب محمود نے نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا اور دیر تک چبانے کی باوجود بھی حلق سے نہ اُترا تو آپ نے فرمایا کہ شاید نوالہ تمہارے حلق میں اٹکتا ہے۔ اس نے کہا ہاں تو فرمایا تمہاری یہ خواہش ہے کہ اشرفیوں کا یہ توڑا اسی طرح میرے حلق میں اٹک جائے لہٰذا اس کو واپس لے لو کیونکہ میں دنیاوی مال کو طلاق دے چکا ہوں اور محمود کے بے حد اصرار کے باوجود بھی آپ نے اس میں سے کچھ نہ لیا۔ پھر محمود نے خواہش کی کہ مجھ کو بطور تبرک کے کوئی چیز عطا فرمادیں۔ اس پر آپ نے اس کو اپنا پیراہن دے دیا۔

پھر محمود نے رخصت ہوتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کی خانقاہ تو بہت خوبصورت ہے فرمایا کہ خدا نے تمہیں اتنی وسیع سلطنت بخش دی ہے پھر بھی تمہارے اندر طمع باقی ہے اور اس جھونپڑی کا بھی خواہش مند ہے۔ یہ سن کر اس کو بے حد ندامت ہوئی اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ تو اس (محمود) نے پوچھا کہ میری آمد کے وقت تو آپ نے تعظیم نہیں کی۔ پھر اب کیوں کھڑے ہوگئے؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تمہارے اندر شاہی تکبر موجود تھا اور میرا امتحان لینے آئے تھے لیکن آپ عجز و درویشی کی حالت میں واپس جارہے ہو اور خورشید (نور) فقر تمہاری پیشانی پر رخشندہ ہے۔ اس کے بعد محمود رخصت ہوگیا۔

سومنات پر حملہ کرنے کے وقت جب محمود غزنوی کو غنیم کی بے پناہ قوت کی وجہ سے شکست کا خطرہ ہوا تو اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور آپ کا عطا کردہ پیراہن ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی اے خدا! اس پیرہن والے کے صدقہ میں مجھے فتح عطا فرما اور جو مال غنیمت اس جنگ میں حاصل ہوگا میں وہ سب فقراء کو تقسیم کردوں گا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور جب وہ غنیم کے مقابلہ میں صف آرا ہوا تو غنیم اپنے باہمی اختلافات کی بنا پر خود ہی آپس میں لڑنے لگا۔ جس کی وجہ سے محمود کو مکمل فتح حاصل ہوگئی۔ اس رات کو محمود نے خواب میں حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ اے محمود! تو نے اس قدر معمولی شے کے لئے میرے خرقہ کے صدقے میں دعا کی اگر تو اس وقت یہ دعا مانگتا کہ تمام عالم کے کفار اسلام قبول کر لیں اور دنیا سے کفر کا خاتمہ ہوجائے تو یقیناً تیری دعا قبول ہوتی۔

ایک رات آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس وقت فلاں جنگل میں ایک قافلہ لوٹ کر قزاقوں نے قافلہ والوں کے بہت سے افراد کو مجروح کر دیا لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ اسی شب کسی نے آپ کے صاحبزادے کا سر کاٹ کر گھر کی چوکھٹ پر رکھ دیا تھا اور آپ کو قطعاً اس کا علم نہ ہوا اور جب دونوں واقعات آپ کی بیوی کے علم میں آئے تو اس نے آپ کی ولایت سے انکار کر دیا اور کہا کہ ایسے شخص کا ذکر ہرگز نہ کرنا چاہیے جس کو دور کی اطلاع تو ہو جائے لیکن گھر کے دروازے کا علم نہ ہو سکے۔ آپ نے یہ جواب دیا کہ جس وقت قافلہ لوٹا گیا اس وقت تمام حجابات میرے سامنے سے اُٹھا دیئے گئے تھے اور جس وقت لڑکے کو قتل کیا گیا اس وقت حجابات باقی تھے جس کی وجہ سے مجھے اس کے قتل کا علم نہ ہو سکا۔ (اور یہ قادر مطلق کی شان اور حکمت ہے)

ایک مرتبہ مریدین سمیت آپ کو سات یوم تک کھانا میسر نہ آسکا تو ساتویں دن ایک آدمی آٹے کی بوری اور ایک بکری لے کر آیا اور آپ کے دروازے پر آواز دی کہ میں یہ چیزیں صوفیاء کے لئے لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے مریدوں سے فرمایا کہ مجھ میں تو صوفی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا تم میں سے جو صوفی ہو وہ جا کر لے لے۔ لیکن کسی نے اپنے صوفی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور سب فاقہ سے بیٹھے رہے۔

چالیس سال تک آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہیں کیا اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہے۔ چالیس سال کے بعد ایک دن مریدوں سے فرمایا کہ تکیہ دے دو میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مریدوں کو اس سے بہت حیرت ہوئی اور پوچھا کہ آج آپ آرام کے خواہاں کیوں ہیں؟ فرمایا کہ آج میں نے خدا کی بے نیازی واستغناء کا مشاہدہ کر لیا ہے حتیٰ کہ تیس سال تک اللہ تبارک وتعالیٰ کے خوف کے سوا میرے قلب میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا۔

ایک دفعہ یہ ندا آئی کہ تو قیامت سے اور اس کی اذیت سے خوفزدہ کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے جواب دیا کہ جب تو مجھے زمین سے اُٹھا کر میدانِ حشر میں کھڑا کرے گا تو میں ابوالحسنی لباس اُتار کر بحرِ وحدانیت میں غوطہ لگاؤں گا تاکہ وحدانیت کے سوا کچھ باقی نہ رہے اور جب ابوالحسن ہی نہیں ہوگا تو ملائکہ کس پر عذاب کریں گے۔

ایک مرتبہ رات کو نماز میں آپ نے یہ غیبی آواز سنی کہ اے ابوالحسن! تیری کیا یہ خواہش ہے کہ تیرے متعلق جو کچھ علم ہے اس کو مخلوق پر ظاہر کر دیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اے رب العالمین! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ میں تیرے کرم سے مشاہدہ کرتا ہوں اور جس کا مجھے تیری رحمت سے علم ہے اس کو مخلوق پر کھول دوں۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اللہ روح قبض کرنے کے لئے فرشتہ اجل کو میرے پاس نہ بھیجنا کیونکہ یہ روح نہ تو مجھے فرشتہ اجل نے عطا کی ہے اور نہ میں اس کو سپرد کرنے کو تیار ہوں بلکہ یہ روح تیری امانت ہے اور تجھ کو ہی واپس کرنا چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے یہ آواز سنی کہ ایمان کیا شے ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ایمان وہی ہے جو تو نے مجھے بخشا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ ندا آتی ہے کہ تو ہمارا ہے اور ہم تیرے ہیں لیکن میں جواب دیتا ہوں کہ تو قادر مطلق ہے اور میں بندہ عاجز۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں عرش کے قریب پہنچا تو ملائکہ نے صف در صف استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ہم

کرّوبیان ہیں اور ایک جماعت نے کہا کہ ہم روحانیاں ہیں لیکن میں نے جواب دیا کہ ہم الٰہیان (اللہ کے ہیں، اللہ والے ہیں) ہیں یہ سن کر ملائکہ بہت نادم ہوئے اور مشائخ کو میرے اس جواب سے مسرت حاصل ہوئی۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راستے دو ہیں ایک راہِ ضلالت (گمراہی) اور دوسرا راہِ ہدایت۔ راہِ ضلالت وہ راستہ ہے جو بندہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ تک ہے اور راہِ ہدایت وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے بندہ کی طرف آتا ہے پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ تک پہنچ گیا ہوں تو وہ نہیں پہنچا اور جو یہ کہتا ہے کہ مجھے حق تعالیٰ نے پہنچا دیا ہے تو وہ پہنچ چکا ہے۔ کیونکہ پہنچنے کا دعویٰ کرنا نہ پہنچنے کی علامت ہے اور خود نہ پہنچنے کا اقرار کرنا پہنچنے کی علامت ہے۔

فرمایا کہ میں فردوس وجہنم سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی عبادت کرتا ہوں اور اسی سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ فرمایا کہ میں خاص بندوں سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ مخصوص باتیں اس لئے بیان نہیں کرتا کہ وہ اس رموز سے واقف نہیں اور اپنی ذات سے اس کے لئے بیان نہیں کرتا کہ متکبر ہونے کا خطرہ ہے اور خدا نے میری زبان کو وہ طاقت بھی عطا نہیں کی جس کے ذریعہ میں اس کے بھیدوں کو ظاہر کر سکوں۔ فرمایا کہ میں تو شکم مادر ہی میں جل کر راکھ ہو چکا تھا اور پیدائش کے وقت جلا اور پگھلا ہوا پیدا ہوں اور جوانی سے قبل ہی بوڑھا ہو گیا۔

فرمایا کہ میں نے صرف چار ہزار باتیں خدا سے سنی تھیں اور اگر کہیں دس ہزار قول سن لیتا تو نہ معلوم کیا ہو جاتا اور کیا چیزیں ظہور میں آتیں۔ فرمایا کہ خدا نے مجھے اتنی طاقت عطا کر دی تھی کہ جس وقت میں نے قصد کیا کہ ٹاٹ دیبائے رومی میں تبدیل ہو جائے تو فوراً تبدیل ہو گیا اور خدا کا شکر ہے کہ وہ طاقت آج میرے اندر موجود ہے۔ فرمایا کہ گو میں ان پڑھ ہوں لیکن قادرِ مطلق نے اپنے کرم سے مجھ کو تمام علوم سے بہرہ ور کیا ہے اور میں سب کچھ کے لئے اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنی حقیقت میں مجھے گم کر دیا ہے یعنی ظاہری جسم صرف خیالی ہے کیونکہ میرا ذاتی وجود ختم ہو چکا ہے۔

فرمایا کہ لوگ تو اپنی منزل مقصود کے حصول کے لئے دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات کو عبادت کرتے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنے کرم ہی سے منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ فرمایا کہ جب میں شکم مادر میں چار ماہ کا تھا اس وقت سے آج تک کی تمام باتیں یاد ہیں اور جب مر جاؤں گا تو قیامت تک کا حال لوگوں سے بیان کرتا رہوں گا۔ فرمایا کہ میں جن وانس ملائکہ اور چرند پرند سب سے زیادہ واضح نشانیاں بتا سکتا ہوں کیونکہ خدا نے تمام چیزیں میرے سامنے کر دی ہیں اور اگر اس کنارے سے لے کر اس کنارے تک کسی کی انگلی میں پھانس چبھ جائے تب مجھے اس کا حال معلوم رہتا ہے اور اگر میں ان رازوں کو جو میرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مابین ہیں مخلوق پر ظاہر کر دوں تو کسی کو یقین نہیں آسکتا اور جو انعامات خدا کے میرے اوپر ہیں اگر ان کا انکشاف کر دوں تو روئی کی طرح پوری مخلوق کے قلوب جل اٹھیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر اول وآخر واعظم حضور انور ﷺ کے مدارج اور مغفرت الٰہی کی انتہا مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکی یعنی ان چیزوں کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ایسے قدم عطا کئے جن سے میں عرش سے تحت

الثریٰ تک پہنچ گیا اور وہاں سے پھر عرش پر لوٹ آیا لیکن مجھے یہ پتہ نہ چل سکا کہ میں کہاں اور کدھر گیا ۔ پھر غیبی ندا آئی کہ جس کے قدم اور سر ایسے ہوں، ظاہر ہے کہ وہ کہاں تک پہنچ سکتا ہے میں نے دل میں کہا کہ عجیب دراز اور عجیب کوتاہ سفر ہے کہ میں گیا بھی اور سفر بھی کیا لیکن پھر اپنی جگہ موجود ہوں ۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مجھ سے یہ عہد ہے کہ میں تجھ کو اپنے نیک بندوں سے ملاؤں گا اور بدبختوں کی صورت بھی تجھے نظر نہیں پڑے گی چنانچہ میں دنیا میں آج جن لوگوں سے ملاقات کررہا ہوں قیامت میں بھی اسی طرح مسرت کے ساتھ ان سے ملاقات کروں گا ۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ اب مجھے دنیا سے اُٹھالیا جائے تو آواز آئی کہ اے ابوالحسن! میں تجھے اسی طرح قائم رکھوں گا تا کہ میرے محبوب بندے تیری زیارت کرسکیں اور جو اس سے محروم رہیں وہ تیرا نام سن کر غائبانہ تعلق قائم کرسکیں اور میں نے تجھے اپنی پاکی سے تخلیق کیا ہے اس لئے تجھ سے ناپاک بندے ملاقات نہیں کرسکتے ۔

فرمایا کہ میں پچاس سال سے خدا سے اس طرح ہم کلام ہوں کہ میرے قلب و زبان کو بھی اس کا علم نہیں ۔ تہتر سال تک میں نے اس انداز سے زندگی گزاری کہ کبھی ایک سجدہ بھی شریعت کے خلاف نہیں کیا اور لمحہ کے لئے بھی نفس کی موافقت نہیں کی اور دنیا میں اس طرح رہا کہ میرا ایک قدم عرش سے تحت الثریٰ تک اور ایک قدم تحت الثریٰ سے عرش تک رہا ۔ فرمایا کہ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا (الہام کیا) کہ اگر تو غم والم لے کر میرے سامنے آئے گا میں تجھے خوش کردوں گا اگر فقر و نیاز کے ساتھ حاضر ہوگا تو تجھے مالدار بنادوں گا اور اگر خودی سے کنارہ کش ہوکر پہنچے گا تو تیرے نفس کو تیرا فرمانبردار کردوں گا ۔

پھر فنا ہونے کی نیت سے مکمل چار ماہ دس یوم تک کچھ نہیں کھایا لیکن پھر بھی موت سے ہم کنار نہ ہوسکا اور جب میں نے عجز کو اپنایا تو اللہ نے مجھے کشادگی عطا فرما کر ان مراتب تک پہنچادیا جن کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں ۔ فرمایا کہ میں نے راستہ میں ٹھہر کر ارض و سما کی تمام مخلوقات کے اعمال کا مشاہدہ کیا لیکن ان کے اعمال میری نظر میں بے وقعت ثابت ہوئے کیونکہ مجھے ان کی ملکیت سے مکمل طور پر باخبر کردیا گیا تھا اس وقت مجھے غیب سے یہ آواز سنائی دی کہ اے ابوالحسن! جس طرح تمام مخلوقات کے اعمال تیری نگاہ میں ہیچ ہیں اسی طرح ہمارے سامنے تیری بھی کوئی وقعت نہیں ۔

فرمایا کہ مخلوق میری تعریف سے اس لئے قاصر ہے کہ وہ جو کچھ بھی میری تعریف میں کہے گی میں اس کے برعکس ہوں ۔

فرمایا کہ جب میں نے اپنی ہستی پر نظر ڈالی تب مجھے اپنی نیستی کا پتہ چلا اور جب نیستی پر نگاہ ڈالی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ہستی کے مشاہدے سے نوازدیا اور جب مجھے اس واقعہ سے حیرت ہوئی تو ندائے غیبی آئی کہ اپنی ہستی کا اقرار کر ۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تیرے سوا تیری ہستی کا کون اقرار کرسکتا ہے جیسا کہ تو نے قرآن میں فرمایا ہے: **شھد اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو** اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ راستہ کشادہ کردیا تو میں سال بہ سال اس کی راہ کی روشنی میں کفر سے ثبوت تک پہنچ گیا ۔ فرمایا کہ خدا نے مجھے وہ جرأت و ہمت عطا کی ہے کہ میں ایک قدم میں ایسے مقام تک پہنچ سکتا ہوں جہاں ملائکہ کی رسائی بھی ممکن نہیں ۔

آپ اس طرح مناجات کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے زہد و عبادت اور علم و تصوف پر قطعاً اعتماد نہیں اور نہ میں خود کو عالم

وزاہد اور صوفی تصور کرتا ہوں۔اے اللہ! تو یکتا ہے اور میں تیری یکتائی میں ایک ناچیز مخلوق ہوں۔فرمایا کہ جو لوگ خدا کے سامنے ارض وسما اور پہاڑوں کی مانند ساکت و جامد ہو کر کھڑے نہیں ہوتے انہیں جوانمرد نہیں کہا جا سکتا، بلکہ مردود ہیں جو خود کو فنا کر کے اس کی ہستی کو یاد کرتے رہیں۔پھر فرمایا کہ نیک بندہ وہی ہے جو خود کو نیک کہہ کر ظاہر نہ کرے کیونکہ نیکی صرف خدا کی صفت ہے۔

فرمایا کہ اہل کرامت بننے کے لئے ضروری ہے کہ ایک یوم کھانا کھا کر تین یوم تک فاقہ کیا جائے پھر ایک مرتبہ کھانا کھا کر 14 یوم تک فاقہ کیا جائے پھر ایک مرتبہ کھانے کے بعد تیس چالیس یوم تک بھوکا رہا جائے پھر ایک مرتبہ کھانے کے بعد چار ماہ تک کچھ نہ کھایا جائے پھر ایک مرتبہ کھانے کے بعد ایک سال تک فاقہ کش رہنا چاہیے اور جب ایک سال تک فاقہ کشی کی قوت تمہارے اندر پیدا ہو جائے تو غیب سے ایک ایسی شے کا ظہور ہو گا کہ اس کے منہ میں سانپ جیسی کوئی چیز ہو گی اور وہ تمہارے منہ میں دے دی جائے گی جس کے بعد کبھی کھانے کی خواہش رونما نہ ہو گی اور مجاہدات و فاقہ کشی کرتے کرتے جب میری آنتیں قطعی خشک ہو گئیں اس وقت وہ سانپ ظاہر ہوا اور میں نے خدا سے عرض کیا کہ مجھے کسی واسطے کی حاجت نہیں جو کچھ بھی عطا کرنا ہے اور بلاواسطہ عطا فرمائے۔اس کے بعد میرے معدے میں ایسی ایسی شیرینی پیدا ہو گئی جو مشک سے زائد خوشبودار اور شہد سے زیادہ شیریں تھیں۔پھر ندا آئی کہ ہم تیرے لئے خالی معدے سے کھانا پیدا کریں گے، تشنہ جگر سے پانی عطا کریں گے۔

فرمایا کہ خدا تک رسائی کے لئے بے شمار راستے ہیں یعنی خدا نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے اسی قدر خدا تک رسائی کے راستے بھی ہیں اور ہر مخلوق اپنی بساط کے مطابق ان راہوں پر گامزن رہتی ہے اور میں نے ہر راہ پر چل کر دیکھ لیا کسی راہ کو خالی نہیں پایا۔پھر میں نے خدا سے دعا کی کہ مجھے ایسا راستہ بتادے جس میں تیرے اور میرے سوا کوئی اور نہ ہو چنانچہ اس نے وہ راستہ مجھ کو عطا کر دیا لیکن اس راستہ پر چلنے کی کسی دوسرے میں طاقت نہیں ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ طالبین کے لئے ضروری ہے کہ غم و آلام میں بھی خوشی کے ساتھ اطاعت الٰہی کرتے رہیں کیونکہ ایسے عالم میں اطاعت کرنے والوں کو دوسروں کی بہ نسبت بہت جلد قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ جب تک میں نے خدا کے سوا دوسروں پر بھروسہ کیا میرے عمل میں اخلاص پیدا نہ ہو سکا اور جب میں مخلوق کو خیر باد کہہ کر صرف اللہ کی جانب دیکھا تو میری سعی کے بغیر ہی اخلاص پیدا ہو گیا اور اس کی بے نیازی کے مشاہدہ کے بعد مجھے پتہ چلا کہ اس کے نزدیک پوری مخلوق کا علم ذرہ برابر بھی وقعت نہیں رکھتا اور اس کی رحمت کے مشاہدے سے معلوم ہوا کہ وہ اتنا بڑا رحیم ہے کہ پوری مخلوق کے گناہ بھی اس کی رحمت کے آگے ہیچ ہیں۔فرمایا کہ میں برسوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے امور میں (شانِ الٰہی) اس طرح حیرت زدہ رہا کہ میری عقل سلب کر لی گئی تھی اس کے باوجود بھی مخلوق مجھے دانشور سمجھتی رہی۔فرمایا کہ کاش فردوس و جہنم کا وجود نہ ہوتا تا کہ یہ معلوم ہو سکتا تیرے پرستاروں کی تعداد کتنی ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے کتنے بندے تیری عبادت کرتے ہیں۔

فرمایا کہ اگر میں علماء نیشاپور کے سامنے ایک جملہ بھی زبان سے نکال دوں تو وہ وعظ گوئی ترک کر کے کبھی منبر پر نہ چڑھیں۔فرمایا کہ میں نے خالق و مخلوق سے اس طرح صلح کر لی ہے کہ کبھی جنگ نہیں کروں گا۔فرمایا کہ اگر مجھ کو مخلوقِ خدا سے یہ

خطرہ نہ ہوتا کہ وہ گمان کریں کہ میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہوں تو وہ بات جو بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے کہی ہے مخلوق کے سامنے بیان کر دیتا اس لئے کہ جہاں تک بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی فکر پہنچتی ہے وہاں میرا قدم گیا ہے اور خدا نے ان سے کہیں زیادہ مجھے مراتب عطا فرمائے ہیں کیونکہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول تو یہ ہے کہ میں نہ مقیم ہوں اور نہ مسافر۔ اور میرا قول یہ ہے کہ میں خدا کی وحدانیت میں مقیم ہوں اور اس کی یکتائی میں سفر کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ اے اللہ! میری تخلیق صرف تیرے لئے ہے لہٰذا مجھے کسی دوسرے کے دام میں گرفتار نہ کرنا۔ اے اللہ! بہت سے بندے نماز و اطاعت کو اور بہت سے جہاد و حج کو اور بہت سے علم و سجادگی کو پسند کرتے ہیں لیکن مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرے سوا کسی شے کو پسند نہ کر سکوں۔ فرمایا کہ اے اللہ! مجھے ایسے بندوں سے ملا دے جو تیرا نام لینے کا جس طرح حق ہے اس طرح لیتے ہوں تا کہ میں بھی ان کی صحبت سے فیض یاب ہو سکوں۔ فرمایا کہ محشر میں راہ مولا میں جان فدا کرنے والے شہداء کی ایک جماعت ہوگی لیکن میں ایسا شہید اُٹھوں گا جس کا مرتبہ ان سب شہداء سے بلند ہوگا کیونکہ مجھے خدا کی شوق شمشیر نے قتل کیا ہے۔

فرمایا کہ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں کہ جب وہ لحاف اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں تو چاند تاروں کی رفتار تک ان کو نظر آتی رہتی ہے اور ملائکہ بندوں کی نیکی اور بدی لے کر آسمان پر جاتے ہیں وہ بھی نظر آتے رہتے رہیں یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے تمام حجابات ان کی نگاہوں سے اُٹھا دیتا ہے۔ فرمایا کہ دوست دوست کے پاس پہنچ کر عالم محویت میں خود بھی گم ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ جب خدا کے مخصوص بندے اس کو پکارتے ہیں تو چرند پرند خاموش ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ پرندے ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں تو پوری کائنات خوف سے لرزہ براندام ہو جاتی ہے اور اولیاء کرام پر تین وقت ایسے بھی آتے ہیں جبکہ ملائکہ بھی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ اول: انقباض روح کے وقت ملک الموت۔ دوم: اندراج اعمال کے وقت کراماً کاتبین۔ سوم: قبر میں نکیرین کے سوال کرتے وقت۔ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نوازش کے بعد بندے کو ایسی لسان غیبی عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی زبان سے نکال دیتا ہے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ خدا کے سوا مخلوق سے کوئی تعلق نہ رکھو کیونکہ صرف دوست سے تعلق رکھا جاتا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ خدا نے کچھ بندوں کو وہ طاقت عطا کی ہے جو ایک شب و روز میں مکہ معظمہ پہنچ کر لوٹ بھی آتے ہیں اور بعض ایک لمحہ میں یہ فاصلے طے کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کو مخلوق سے جدا کر کے فکر مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو اس کو وہ قرب عطا کرتا ہے کہ اس بندے کو مخلوق اور اس کے لوازمات سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بعض بندوں کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں سے وہ تمام مقامات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ان مراتب کے ذریعہ لوح محفوظ کا بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے تمام مشائخ کی خدمت میں وقت گزارا لیکن کسی کو اپنا مرشد اس لئے نہیں بنایا کہ میرا مرشد صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

فرمایا کہ صدق دلی سے عبادت کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ان تمام اشیاء کا مشاہدہ کرا دیتا ہے جو

قابل دید ہوتی ہیں اور وہ باتیں بتا دیتا ہے جو سماعت کے لائق ہوتی ہے۔فرمایا کہ راہ مولا میں ایک ایسا بازار بھی ہے جس کو شجاعانِ طریقت کا بازار کہا جاتا ہے اور اس میں ایسی ایسی حسین صورتیں ہیں کہ سالکین وہاں پہنچ کر قیام کرتے ہیں۔وہ حسین صورتیں یہ ہیں کرامت۔اطاعت۔ریاضت۔عبادت۔زہد۔فرمایا کہ دین ودنیا اور جنت کی راحتیں ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں پڑ جانے والا خدا سے دور ہو جاتا ہے اور کبھی اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔لہذا بندے کو چاہیے کہ مخلوق سے کنارہ کش ہو کر یادِ الٰہی میں گوشہ نشینی اختیار کرے اور سجدے میں گر کر بحرِ کرم کو عبور کر جائے اور خدا کے سوا ہر شے کو اس طرح نظر انداز کرتا جائے کہ اس کی وحدانیت میں گم ہو کر اپنے وجود کو فنا کردے۔

فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔اول: ظاہری۔دوم: باطنی۔علم ظاہری کا تعلق علماء سے ہے اور علم باطنی علمائے باطن کو حاصل ہوتا ہے لیکن علم باطن سے بھی فزوں تر وہ علم ہے جس کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے سربستہ رازوں سے ہے اور جس کی مخلوق کو ہوا تک نہیں لگ سکتی۔پھر فرمایا کہ دنیا طلب کرنے والوں پر دنیا حکمران بن جاتی ہے اور تارک الدنیا دنیا پر حکومت کرتا ہے۔فرمایا کہ فقیر وہی ہے جو دنیا سے بے نیاز ہو جائے کیونکہ یہ دونوں چیزیں فقر سے کم درجہ کی ہیں اور قلب کا ان دونوں سے کسی قسم کا واسطہ نہیں۔فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ اوقات نماز سے قبل تم سے نماز کا طالب نہیں ہوتا تو پھر تم بھی قبل از وقت طلب رزق سے احتراز کرو۔فرمایا کہ صاحب حال اپنی حالت سے خود بھی بے خبر ہوتا ہے کیونکہ جس حال سے وہ آگاہ ہو جائے اس کو کسی طرح بھی حال سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو علم کہا جائے گا۔

فرمایا کہ نیکیوں کے ذکر کے وقت ایک سفید ابر برستا رہتا ہے اور ذکر الٰہی کے وقت سبز رنگ کے عشق کا بادل برستا ہے لیکن نیکیوں کا ذکر عوام کے لئے رحمت اور خواص کے لئے غفلت ہے۔پھر فرمایا کہ تین ہستیوں کے علاوہ سب ہی لوگ مسلمان کا شکوہ کرتے رہتے ہیں۔اول: اللہ تبارک وتعالیٰ مومن کا شکوہ نہیں کرتا۔دوم: حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ شکوہ نہیں کرتے۔سوم: ایک مومن دوسرے کا شکوہ نہیں کرتا۔فرمایا کہ سفر کی بھی پانچ اقسام ہیں۔اول: قدموں سے سفر کرنا۔دوم: قلب سے سفر کرنا۔سوم: ہمت سے سفر کرنا۔چہارم: دیدار کے ذریعہ سفر کرنا۔پنجم: فنائیت نفس کے ساتھ سفر کرنا۔

فرمایا کہ ہدایت وضلالت دونوں جداگانہ راہیں ہیں۔ہدایت کی راہ تو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔لیکن ضلالت کی راہ بندے کی جانب سے اللہ کی طرف جاتی ہے لہذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا تک پہنچ گیا وہ جھوٹا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا تک پہنچایا گیا ہے وہ اپنے قول میں ایک حد تک صادق ہے۔فرمایا کہ خدا کو پالینے والا خود باقی نہیں رہتا۔

فرمایا کہ اللہ اور بندے کے مابین (درمیان) سب سے بڑا حجاب نفس ہے اور جس قدر نیک لوگ گزر گئے ان سب کو نفس سے شکایت رہی۔حتیٰ کہ حضور انور نبی کریم ﷺ بھی نفس سے شاکی رہتے تھے۔فرمایا کہ دین کو جتنا ضرر حریص عالم اور بے عمل زاہد سے پہنچتا ہے اتنا نقصان ابلیس سے نہیں پہنچتا۔فرمایا کہ سب سے افضل امور ذکر الٰہی، سخاوت، تقویٰ اور صحبت اولیاء ہیں۔فرمایا کہ اگر تم اہل دنیا کی نگاہوں سے ایک ہزار میل دور بھی بھاگنا چاہو گے تو یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے اور اس میں بہت

سے مفاد مضمر ہیں۔

فرمایا کہ قبلے درحقیقت پانچ ہیں۔ پہلا قبلہ جو مومن کا قبلہ ہے۔ دوسرا بیت المقدس جو پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے سوا گزشتہ تمام انبیاء کا قبلہ ہے۔ سوم بیت المعمور یہ آسمانی ملائکہ کا قبلہ ہے۔ چہارم عرش یہ دعا کا قبلہ ہے۔ پنجم ذات باری تعالیٰ یہ جواں مردوں کا قبلہ ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا: **فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ** ۔یعنی جس طرف تم منہ پھیرو اسی طرف اللہ موجود ہے۔ پھر فرمایا کہ طالب جب راستہ میں دس مقام پر زہر کھا چکتا ہے تب کہیں گیارہویں جگہ شکر نصیب ہوتی ہے۔ یعنی ابتداء طالبین خدا کو بے حد تکالیف و اذیتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے پھر کہیں قرب الٰہی میسر آتا ہے۔

فرمایا کہ خدا کو ہر جگہ اس طرح حاضر سمجھو کہ تمہارا وجود باقی نہ رہے کیونکہ تم اپنی ہستی کی بقا تک اس کی ہستی سے محروم رہو گے۔ فرمایا عبادت یا تو جسمانی ہوتی ہے یا زبانی یا قلب سے اس کی اطاعت کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ معرفت الٰہی ظاہری عبادت و لباس سے حاصل نہیں ہوتی اور جو لوگ اس کے مدعی ہیں کہ معرفت عبادت و لباس سے حاصل ہو جاتی ہے وہ آزمائش میں مبتلا ہیں۔ فرمایا کہ نفس کی ایک خواہش پوری کرنے والا راہِ مولا میں ہزار ہا تکالیف برداشت کرتا ہے۔

فرمایا کہ دنیا میں کسی سے معاندت (دشمنی) کرنا سب سے بدتر شے ہے۔ فرمایا کہ صوم و صلوٰۃ کو افضل اعمال ہیں لیکن غرور و تکبر قلب سے نکال دینا اس سے بھی بہتر عمل ہے۔ فرمایا کہ چالیس سال تک عبادت کرنا ضروری ہے۔ دس سال اس لئے کہ زبان میں صدق اور راست بازی پیدا ہو جائے اور مزید دس سال اس لئے کہ جسم کا بڑھا ہوا گوشت کم ہو جائے اور مزید دس سال اس لئے کہ خدا سے قلبی تعلق پیدا ہو جائے اور مزید دس سال اس لئے کہ تمام احوال درست و اصلاحی ہو جائیں۔ اور جو شخص اس طرح چالیس سال عبادت کرے گا وہ مراتب میں سب سے بڑھ جائے گا۔

فرمایا کہ دنیا میں مخلوق سے نرمی اختیار کرو۔ اور مکمل آداب کے ساتھ اتباع سنت کرتے رہو۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ پاکیزگی کی زندگی بسر کرو کیونکہ وہ خود بھی پاک ہے اور اس لئے پاکیزہ لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور یہ راستہ مستوں اور دیوانوں کا راستہ ہے۔ فرمایا کہ موت سے قبل تین چیزیں حاصل کرو۔ اول: یہ کہ حب الٰہی میں اس قدر گریہ وزاری کرو کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے لہو جاری ہو جائے۔ دوم: یہ کہ خدا سے اس قدر خائف رہو کہ پیشاب کی جگہ خون آنے لگے۔ سوم: اس کے احکام کی بجا آوری کے ساتھ عبادت میں اس طرح شب بیداری کرو کہ تمام جسم پگھل جائے۔ فرمایا کہ خدا کو اس انداز سے یاد کرو کہ پھر دوبارہ یاد نہ کرنا پڑے۔ (یعنی اس کو کسی وقت بھی فراموش نہ کرو۔)

فرمایا کہ اس طرح سکونت اختیار کرو کہ سوائے اللہ کے اور کچھ منہ سے نہ نکلے اور قلب میں سوائے فکر الٰہی کے اور کوئی فکر باقی نہ رہے اور تمام امور دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر اپنے اعضا کو خدا کی جانب متوجہ رکھو تاکہ تمہارا ہر معاملہ مبنی بر اخلاص ہو اور اس کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ فرمایا کہ اولیاء کے قلوب مٹ جاتے ہیں۔ ان کے اجسام فنا ہو جاتے ہیں اور ان کی روحیں جل جاتی ہیں۔ فرمایا کہ خدا کی ایک لمحہ کی عبادت مخلوق کی عمر بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

فرمایا کہ جو بندہ ایک شب و روز اس حال میں گزارے کہ اس کی ذات سے کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے تو یوں سمجھیں کہ وہ شخص ایک شب و روز حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہا۔ اور جو شخص مومن کو کسی دن اذیت پہنچاتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی اس یوم کی عبادت قبول نہیں کرتا۔ فرمایا کہ جو بندہ دنیا میں انبیاء اور اولیاء اور خدا سے شرم کرتا ہے عقبیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے شرم کرتا ہے۔ فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اول: مجرد اور صاحب علم کو۔ دوم: صاحب سجدہ کو۔ سوم: اہل کسب و ہنر کو۔ فرمایا کہ نان جویں کھانے اور ٹاٹ کا لباس پہن لینے ہی سے صوفی نہیں بن جاتا کیونکہ اگر صوفی بننے کا دارومدار اس پر موقوف ہوتا تو تمام اون والے اور جو کھانے والے جانور صوفی بن جایا کرتے بلکہ صوفی وہ ہے جس کے قلب میں صداقت اور عمل میں اخلاص ہو۔

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو تین مراتب عطا فرماتا ہے۔ اول: یہ کہ بندہ دیدار الٰہی سے مشرف ہو کر اللہ اللہ کہے۔ دوم: وہ بندہ عالم وجد میں اللہ کو پکارتا پھرے۔ سوم: بندہ اللہ کی زبان بن کر اللہ کہے۔ پھر فرمایا کہ بندہ چار چیزوں کے ساتھ خدا سے پیش آتا ہے۔ اول: جسمانی طور پر۔ دوم: قلبی اعتبار سے۔ سوم: زبان کے ذریعہ۔ چہارم: مال کے لحاظ سے۔ لیکن اگر بندہ صرف جسمانی طور پر خدا کی اطاعت اور زبان سے اس کا ذکر کرتا رہے تو اس کے لئے بے سود ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ قلب کو اس کے سپرد کرنا اور مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے اور جب ان چار چیزوں کو اس کی راہ میں صرف کرے تو یہ چار چیزیں خدا سے طلب کرے۔ محبت ہیبت خدا سے طلب کرے۔ محبت ہیبت خدا کے ساتھ زندگی گزارنا۔ اس کے راستہ میں یگانگت وموافقت۔

فرمایا کہ علماء علم کو، عابدین عبادت کو، زاہدین زہد کو معرفت الٰہی کا ذریعہ تصور کر کے اس کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن وہ اس لئے بے سود ہوتا ہے کہ قرب الٰہی کا ذریعہ صرف پاکیزگی ہے اور وہ پاک بے نیاز پاکی ہی کو پسند فرماتا ہے۔ فرمایا کہ جس کی زندگی خدا کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی وہ اپنے نفس اور قلب و روح پر قدرت نہیں رکھ سکتا۔

فرمایا کہ دنیا میں ایک ہزار تمناؤں کو قربان کر دینے کے بعد آخرت میں صرف ایک تمنا پوری ہوتی ہے اور ہزار تلخ گھونٹ زہر پی لینے کے بعد شربت کا ایک گھونٹ نصیب ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ہزاروں سردار قبروں میں جا سوئے لیکن وہاں کی سرداری کے قابل ایک نہ بن سکا۔ فرمایا کہ قلب بھی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول: قلب فانی جو فقر کا مسکن ہے۔ دوم: طالب نعمت قلب جو امارت کی آماجگاہ ہے۔ سوم: قلب باقی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قیام گاہ ہے۔ پھر فرمایا کہ عبادت گزار تو بہت سے ہیں لیکن عبادت کو دنیا سے ساتھ لے جانے والے بہت قلیل اور ان سے بھی قلیل وہ ہیں جو عبادت کر کے خدا کے حوالے کر دیتے ہیں۔

فرمایا کہ عشاق خدا کو پا لینے کے بعد خود گم ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ لوح محفوظ کا نوشتہ صرف مخلوق کے لئے ہے اس کا تعلق اہل اللہ سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اہل اللہ کو وہ چیزیں عطا فرماتا ہے جو لوح محفوظ میں نہیں۔ فرمایا کہ دنیا میں غم و آلام برداشت کرتے رہو ممکن ہے کہ اسکے صلہ میں آخرت حاصل ہو جائے اور دنیا میں گریہ زاری کرتے رہو تا کہ آخرت میں مسکرا سکو۔

مشہور ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں باہوش آئے اور ہوش کے ساتھ چلے گئے اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ مدہوش آئے اور مدہوش لوٹ گئے۔آپ نے فرمایا کہ اگر ان دونوں سے پوچھا جائے کہ تم دنیا میں کس طرح واپس ہوئے تو یہ کچھ بھی نہ بتا سکیں گے کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کس طرح آیا اور کس طرح واپس ہو گیا اور آپ نے جس وقت یہ جملہ فرمایا تو غیب سے آواز آئی کہ اے ابوالحسن! تو نے بالکل درست کہا کیونکہ جو خدا سے آگاہ ہو جاتا ہے اس کو خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور جب لوگوں نے اس جملے کا مفہوم پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ زندگی کو نامرادی میں گزارنے کا نام بندگی ہے۔

فرمایا کہ امکانی حد تک مہمان نوازی کرتے رہو کیونکہ اگر مہمان کو دونوں جہاں کی نعمتوں کا لقمہ بنا کر بھی کھلا دو گے جب بھی حق مہمان نوازی ادا نہیں ہو سکتا۔فرمایا کہ کسی مرد حق کی زیارت کے لئے مشرق سے مغرب تک سفر کرنے کی صعوبتوں کا اجراس کی زیارت سے کم ہے۔فرمایا چالیس سال سے میرا نفس ایک گھونٹ سرد پانی کا خواہش مند ہے لیکن میں نے محروم کر رکھا ہے فرمایا کہ میں نے ستر سال خدا کی معیت میں اس طرح گزارے ہیں کہ اس دوران ایک لمحہ بھی کبھی اتباع نفس نہیں کی۔

چالیس سال تک آپ کو بینگن کھانے کی خواہش رہی لیکن آپ نے نہیں کھائے اور جب ایک دن والدہ کے اصرار پر کھائے تو اسی رات کسی نے آپ کے صاحبزادے کو قتل کر کے چوکھٹ پر ڈال دیا اور جب آپ کو علم ہوا تو اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ میرا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔اب آپ نے اپنے اصرار کا نتیجہ دیکھ لیا۔

فرمایا کہ دنیا میں سے چار سو دینار کا مقروض ہو کر جانا پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ سائل کے سوال کو رد کر دوں، پھر فرمایا کہ جب قیامت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ تو دنیا سے کیا لے کر آیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ تو نے دنیا میں کتے (نفس) کو میرا ساتھی بنا دیا تھا اور میں ہر لمحہ اسی کی نگرانی میں لگا رہتا تھا تا کہ وہ مجھے اور دوسرے لوگوں کو کاٹ نہ لے اور تو نے مجھے نجاست سے لبریز فطرت عطا کی تھی جس کی پاکیزگی کے لئے میں نے تمام عمر صرف کر دی۔فرمایا کہ لوگ تو یہ کہتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! عالم نزع اور قبر میں ہماری اعانت فرما لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اے اللہ! ہر لمحہ اور ہر گھڑی ہماری اعانت فرما اور میری فریاد رسی کر۔

فرمایا کہ ایک شب خواب میں مجھ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیرا بن جاؤں؟ میں نے عرض کیا نہیں پھر سوال کیا کہ تیری یہ تمنا ہے تو میرا ہو جائے؟ میں نے کہا نہیں۔پھر ارشاد ہوا کہ تمام گزشتہ لوگوں کو تو یہ تمنا رہی کہ میں ان کا ہو جاؤں پھر آخر تجھے یہ تمنا کیوں نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو اختیارات تو مجھ کو عطا فرمانا چاہتا ہے اس میں بھی تیری کوئی مصلحت یقیناً ہوگی کیونکہ تو بھی دوسروں کی مرضی کے مطابق کام نہیں کرتا۔فرمایا کہ جب میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے میرا اصلی روپ دکھا دے میں نے دیکھا کہ میں ٹاٹ کا لباس میں ملبوس ہوں اور جب میں نے غور سے دیکھ لینے کے بعد پوچھا کہ کیا میرا اصلی روپ یہ ہے؟ تو فرمایا گیا کہ ہاں تیری اصلی ہیئت یہی ہے۔پھر جب میں پوچھا کہ میری ارادت ومحبت اور خشوع وخضوع کہاں چلے گئے؟ تو فرمایا کہ وہ تو سب ہمارا تھا۔تیری اصلی حقیقت تو یہی ہے۔

وفات کے وقت آپ نے فرمایا کہ کاش میرا قلب چیر کر مخلوق کو دکھایا جاتا کہ ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ خدا کے ساتھ بت پرستی درست نہیں۔ پھر لوگوں کو وصیت فرمائی کہ مجھے سطح زمین سے تیس گز نیچے دفن کرنا کیونکہ یہ (خرقان کی) سرزمین بسطام کی سرزمین سے زیادہ بلند ہے اور یہ کہ سوئے ادب کی بات ہے کہ میرا مزار حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے اونچا ہو جائے۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ **اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

زبان زدِ خلق عام یہی ہے کہ آپ کے مزار کو تھام کر جو دعا مانگی جائے گی وہ ضرور قبول ہوگی اور بہت سے تجربات یا دعا مانگنے والے حضرات بھی اس کے شاہد ہیں۔

بعض لوگوں نے خواب میں دیکھ کر آپ سے سوال کیا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ فرمایا کہ میرا اعمال نامہ میرے ہاتھ میں دے دیا گیا جس پر میں نے عرض کیا کہ تو مجھے اعمال نامے میں کیوں الجھانا چاہتا ہے؟ جب کہ میرے اعمال سے قبل ہی تو مجھ سے بخوبی واقف تھا کہ مجھ سے کس قسم کے اعمال سرزد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا میرا اعمال نامہ کراماً کاتبین کے حوالے کر کے مجھے اس جھنجھٹ سے نجات دے دے تا کہ میں ہر وقت تجھ سے ہم کلام رہ سکوں۔

حضرت محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں شدید بیمار ہوا تو میں خوف آخرت سے بہت ہی متاثر تھا اسی بیماری کے دوران میں ایک دن آپ عیادت کے لئے تشریف لائے اور مجھے پریشان دیکھ کر فرمایا کہ کوئی بات نہیں تم بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے لیکن میں نے عرض کیا کہ مجھے بیماری کا نہیں موت کا خوف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ موت سے خائف نہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر میں تم سے بیس سال قبل ہی مر جاؤں جب بھی عالم نزع میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اس لئے تم موت سے مت خوفزدہ ہو اس کے بعد مجھے صحت یابی ہوگئی۔

جب آپ کی وفات کے بیس سال بعد حضرت محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ وہ نزعی کیفیت میں اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کوئی کسی کے لئے تعظیماً کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر وعلیکم السلام کہا اور جب میں نے پوچھا کہ آپ کے سامنے کون ہے؟ فرمایا حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم جان کنی میں آنے کا وعدہ فرمایا تھا لہٰذا وہ تشریف لے آئے ہیں اور دوسرے بہت سے اولیاء کرام بھی آپ کے ہمراہ ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ موت سے نہ ڈرو۔ یہ کہتے ہی اُن کا انتقال ہو گیا۔

آپ کی تاریخ وفات تذکرۃ الاولیاء کے بعض نسخوں میں ان دو شعروں میں ملتی ہے:

ابوالحسن آنکہ بود خرقانی شنیدم منال او ثانی

شدہ تاریخ صاحب خرقان ابوالحسن زیب جاے عدن جناں ۴۲۶ھ

426 ہجری بمطابق 1035ء۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ
المعروف داتا گنج بخش

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی علی ہے اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی عثمان تھا۔ آپ غزنی کے رہنے والے تھے۔ ہجویر اور جلاب شہر غزنی کے دو محلے ہیں۔ آپ محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے اور محلہ جلاب میں آپ نے پرورش پائی۔ اسی نسبت سے آپ ہجویری اور جلابی کہلاتے ہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ کتاب ''کشف المحجوب'' کے مطابق آپ کا پورا اسم گرامی سید علی بن عثمان ہجویری، جلابی، غزنوی ہے اور آپ کا لقب ''داتا گنج بخش'' ہے جس کا مطلب ہے روحانیت کے خزانے عطا کرنے والا۔ اور اب دنیا بھر میں آپ اسی لقب (داتا گنج بخش) سے مشہور ومعروف ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن ؓ سے جاملتا ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین ؓ سے جاملتا ہے۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ غزنی میں آپ کا خاندان بہت معزز ومحترم تھا اور آپ کے ماموں تاج الاولیأ کے معزز لقب سے جانے جاتے تھے۔

اولیأ اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کو دنیاوی اور دینی یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم میں عبور حاصل تھا۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم تک آپ کی صرف ایک کتاب ''کشف المحجوب'' پہنچی ہے، اُسے پڑھ کر آپ کی علوم ظاہری وباطنی پر دسترس، اس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے جس مہارت اور خوبی سے باریک نکات کو سلجھایا ہے، سمجھایا ہے وہ صرف اور صرف آپ ہی کا خاصہ ہے۔ آپ نے اور بھی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ صد افسوس! کہ وہ رہنما کتابیں زمانے سے گم ہو گئیں۔ ریاضات، مجاہدات میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا اور آپ کے کشف وکرامات بھی بہت زیادہ ہیں۔ جس کٹھن اور مشکل دور وحالات میں آپ نے تبلیغ دین متین کی ہے وہ بھی امت مسلمہ کے لئے رہنما ہے اور قابل تقلید ہے۔

حصول علم کے لئے سفر وطعام کی صعوبتیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کی ہیں۔ آپ میں ہمت، صبر وتحمل اور قوت برداشت بہت زیادہ تھی۔ حسن اخلاق میں آپ لاثانی تھے بلکہ حسن اخلاق کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھے۔ آپ نے ہر حال میں خوبصورتی سے اتباع پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کیا ہے۔ آپ نے ہمیشہ جو بات کی وہ حق کی بنیاد پر کی۔ آپ کا انداز گفتگو بہت دلکش تھا۔ آپ بہت نرم دل، دوسروں کو عزت واہمیت دینے والے اور فیاض تھے۔ یوں لگتا ہے کہ عفوو درگزر تو آپ کو گھٹی میں ملا

تھا۔آپ کوغصہ کبھی نہ آتا تھا۔مزاج گرامی میں نرمی اور حلم کاعنصر ہمیشہ نمایاں رہتا۔آپ کے پاس جوبھی آتا اس کے ساتھ عاجزانہ رویہ اختیار کرتے اسے اہمیت دیتے اس کی بات توجہ اور تحمل سے سنتے ۔پیوند لگے کپڑے پہنتے۔خود پیوند لگا لیتے۔اپنا سارا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے ۔

آپ نہایت ہی بلند ہمت اور متقی پرہیز گار بزرگ تھے۔آپ عابدین کا زیور اور اوتاد کا جمال تھے۔آپ اہل بلا کے سردار،اپنے وقت کے شیخ اکبر اور طریق حق میں یکتا تھے۔مجاہدات میں شانِ عظیم اور برہانِ کبیر رکھتے تھے اور طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ امام وقت تھے۔آپ نے کافی مشائخ کی صحبت پائی اور فیض حاصل کیا۔آپ کی تصانیف بہت تھیں اور آپ کی کرامات مشہور ہیں۔آپ بہت ہردلعزیز تھے۔تصوف کے موضوع پرآپ کا کلام بہترین،نفیس ترین اور لطیف ترین ہے۔ آپ طریقت میں شیخ المشائخ ہیں اور شریعت میں امام ہیں اور شاہِ اہل تصوف ہیں۔

بعض اہلِ علم حضرات نے آپ کوقدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین،امام الواصلین،محبوب المحبین،امام المتکلمین،سید العاشقین،محبوب رحمۃ اللعالمین، رہبر السالکین،ممد الغریبین،انیس المریدین،جمیل الاجملین،شیخ الکاملین کے القابات سے زینت دی ہے،یاد کیا ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی ولادت غزنی شہر کے محلّہ ہجویر میں ہوئی۔آپ کی والدہ ماجدہ چونکہ اس محلے کی رہنے والی تھیں اور جب آپ کی پیدائش ہوئی تو وہ اپنے والدین کے گھر میں تھیں،یہی وجہ ہے صاحب سفینۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ آپ کی پیدائش آپ کے ننھیال محلّہ ہجویر میں ہوئی۔اسی نسبت سے آپ بعدازاں ہجویری کہلوائے۔بعض کتب میں تذکرہ نگاروں نے آپ کی پیدائش کا سال 400ہجری بمطابق 1009ء درج کیا ہے اس وقت سلطان محمود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔

مندرجہ بالا ولادت کی تائید میں مؤرخین مندرجہ ذیل قیاس آرائی کوبطور تائید پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ غزنوی دور کے ایک مؤرخ یعقوب غزنوی نے اپنی کتاب ''رسالہ ابدالیہ''میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی کی موجودگی میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے ایک فلسفی سے غزنی میں مناظرہ کیا اور اپنے بیان کے اعجاز اور اپنی علمی استعداد کی بناپر فلسفی آپ سے شکست کھا گیا۔اس وقت آپ عین نوجوانی کے عالم میں تھے اور آپ کی عمر اکیس برس تھی محمود غزنوی چونکہ 421ہجری میں فوت ہوا اس لیے اس روایت کی بناپر آپ کا سن ولادت 400ہجری قرار دیا گیا ہے۔

آپ نے اپنی تصنیف''کشف الاسرار''میں اپنے وطن پیدائش کاذکر اس طرح کیا ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہے کہ میری پیدائش غزنی کا محلّہ ہجویر ہے۔

آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 65برس کی عمر پائی اور کچھ محققین اور مورخین کے مطابق آپ کاوصال 9محرم الحرام سن 465ہجری بمطابق 24ستمبر 1072ھ کولاہور میں ہوا۔آپ سلطان محمود غزنوی کے دور میں پیدا ہوئے ،نوجوان ہوئے اور

جب آپ سرزمین لاہور میں تشریف لائے تو اس وقت سلطان محمود غزنوی کا لڑکا سلطان مسعود غزنوی غزنی کا حکمران تھا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کا خاندان غزنی کے ممتاز خاندانوں میں سے تھا۔ آپ کے نانا جی غزنی کی ممتاز شخصیات میں سے تھے۔ مالی اعتبار سے کافی مستحکم تھے۔ دنیاوی ضروریات کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ آپ کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے بہت سے افراد علم وفضل میں غزنی میں بلند مقام رکھتے تھے۔ یعنی پورا خاندان علم وفضل کا گہوارہ تصور کیا جاتا تھا۔ آپ کے تمام خاندان پر تصوف اور روحانیت کا غلبہ تھا۔

آپ کا سلسلۂ نسب نویں پشت خاندان سادات کے جد امجد حضرت امام حسن ؓ سے ملتا ہے۔ اور خاندانِ سادات کو لوگ ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے والد چونکہ حسنی سید تھے اس لیے لوگوں میں بڑے معزز تصور کیے جاتے تھے، اور بہت عزت واحترام کے حامل تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ماموں غزنی کے جید علماء اور اہل اللہ سے تھے۔ اور ہزاروں لوگ ان کے عقیدت مند تھے۔ وہ اپنے تزکیہ نفس اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے تاج الاولیاء کے لقب سے مشہور تھے۔ غرض یہ کہ آپ کا خاندان علم وفضل، شرافت اور صداقت میں بڑا شہرت یافتہ تھا۔

آپ کے والد محترم حضرت سید عثمان بن علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم اور فقیہ العصر تھے۔ حضرت سید عثمان بن علیؒ پہلے وہ شخص ہیں جو آلِ سبکتگین کے دور میں غزنی میں آکر آباد ہوئے۔ اس وقت اُن پر جوانی کا عالم تھا۔ وہ غزنی میں نووارد ہو کر آباد ہوئے، اور انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کو غزنی کے محلّہ جلاب میں آباد کر لیا۔ وہ چونکہ عالم تھے اس لئے آپ فارغ وقت میں دینی اور علمی خدمات میں مصروف رہتے۔ انہوں نے ساری عمر رزق حلال کمایا اور اسی سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کی۔ انہوں نے دل وجان سے اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے سپرد کر رکھا تھا اس لیے وہ عقیدۂ توحید میں بڑے راسخ تھے اور فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ بڑی نیک عورت تھیں۔ شرافت اور دین داری میں اپنے پورے خاندان میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ آپ پردہ کی پابند تھیں۔ آپ اپنے خاوند کی پوری طرح اطاعت شعار تھیں۔ اپنے گھر کا کام کاج بڑی دلچسپی سے کرتی تھیں اگر کسی پریشانی سے واسطہ پڑ جاتا تو اللہ کے بھروسے پر اسے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتیں۔ جوانی کے عالم میں ان کی شادی سید عثمان بن علی سے ہوئی اور ان ہی سے آپ کی اولاد ہوئی۔ آپ کا وصال غزنی میں ہوا۔ اور آپ کو آپ کے بھائی تاج الاولیاء کے مزار اقدس کے قریب دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر مبارک شیخ تاج الاولیاء کے قبرستان میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا وطن عزیز غزنی ہے۔ غزنی کا شہر اس دور میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ چونکہ یہ غزنوی خاندان کے عہد حکومت میں غزنویوں کا مرکز تھا اس لیے غزنی حکومت نے اسے اپنے دور میں بڑی ترقی دی۔ یہ شہر دریائے

غزنی پر واقع ہے اور کابل سے قندھار جاتے ہوئے 135 کلومیٹر کے فاصلے پر آتا ہے۔ شہر کے اردگرد پہاڑ ہیں اور شہر کا گردونواح بڑا سرسبز اور خوبصورت ہے۔

سلطان محمود غزنوی چونکہ غزنی کا رہنے والا تھا اس لیے اسے اپنے شہر سے بڑی محبت اور دلچسپی تھی۔ 386ھ میں جب وہ تخت نشین ہوا تو غزنی شہر کو اس کی حکومت کے باعث دنیائے اسلام کے شہروں میں ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔ غزنویوں کے دور میں غزنی دراصل حکومت کا دارالخلافہ تھا اور یہ سلطنت بہت وسیع و عریض تھی۔ پورا افغانستان، ایران اور شمال مغربی ہندوستان کے سب علاقے اس میں شامل تھے۔ (سلطان محمود غزنوی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے خرقان گئے تھے اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے سومنات کو فتح کیا تھا۔)

اسی وجہ سے غزنی اُن کے دور میں بہت جلد علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا۔ غزنی میں اس کا دربار علماء، فضلاء اور صاحب کمال لوگوں کی آماجگاہ تھا اس دور کے صاحب کمال لوگوں میں ابوریحان البیرونی، ابونصر عتبی، ابومنصور ثعالبی، ابوشکان ابوطیب سہل بن سلیمان صعلوکی، ابومحمد عبداللہ بن حسین الناصحی، ابوالقاسم خواجہ احمد بن حسن مہندی، ابوالعباس فضل بن احمد السفرائنی ابوالخیر حماد، فردوسی، عسجدی، اسدی، فرخی، ابوالفتح بستی، عنصری وغیرہ کا نام ممتاز ہے۔

یہ لوگ دربار غزنی کی زینت بنے ہوئے تھے اور ہر طرف علم و ادب کا فیضان تھا غرض یہ کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں غزنی کا شہر دنیائے اسلام کے ممتاز علماء اور فضلاء کا گہوارہ تھا۔

تذکرہ نگاروں نے آپ کے ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس لئے تفصیلات کی جستجو کرنے والوں کی تشنگی برقرار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے سالِ ولادت کے بارے میں بھی آپ کے تذکرہ نگاروں میں اتفاق رائے نہیں۔ اندازہ کے طور پر ہی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا سالِ ولادت 400 ہجری ہے۔ یہ دور سلطنت غزنی کے عروج کا دور تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی حکومت کے آخری ایام تھے یا سلطان مسعود غزنوی کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تاریخ ولادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کسی مسودے یا تالیف میں لکھا ہو لیکن سوئے قسمت سے سوائے کشف المحجوب کے تمام تالیفات گردش زمانہ کی نذر ہوگئیں۔) آپ تحریر فرما دیتے تو پھر بحث و تکرار کی گنجائش نہ رہتی۔ عجز و انکسار اولیاء اللہ کا شعار ہے۔ آپ نے بھی شاید از راہ تواضع اپنی تاریخ پیدائش کو کوئی تاریخی واقعہ قرار نہ دیتے ہوئے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی۔ (مقدمہ کشف المحجوب)

آپ کی تعلیم و تربیت کے بارے میں ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ جس پاکیزہ فطرت و نفیس ماں کی آغوش میں آپ پروان چڑھے اس کی زبان ذکر الٰہی میں مصروف اور دل جلوۂ حق سے سرشار رہتا تھا۔ اس لیے آپ نے ابتدائے عمر ہی سے بڑی محتاط اور پاکیزہ زندگی گزاری۔ عبادت کا شوق آپ کو بچپن ہی سے تھا۔ نیک نفس والدین کی تربیت نے آپ کے اخلاق کو شروع ہی سے پاکیزگی کے سانچے ڈھال دیا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ کو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ حروف شناسی کے بعد آپ

نے قرآن حکیم پڑھا۔

قرآن مجید پڑھنے کے بعد آپ نے غزنی کے مختلف مدارس سے اس دور کی مروّجہ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔پھر علم حدیث، تفسیر، فقہ، منطق اور فلسفہ کی تعلیم مکمل کی۔اس طرح جوانی کے عالم تک آپ کو علم شریعت میں پوری طرح مہارت حاصل ہوگئی ۔آپ کی تصانیف، آپ کی علمی پختگی کا بین ثبوت ہیں۔

علمی پختگی کے لیے آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی ،شیخ ابوالقاسم گرگانی، ابوالعباس احمد بن محمد قصاب، ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد، ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان اور شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے نام قابل ذکر ہیں ۔مگر آپ کے سب سے پہلے استاد شیخ ابوالقاسم گرگانی ہیں ۔جن سے آپ نے درسی علوم حاصل کئے اور حصولِ علم میں ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

حضرت خواجہ مستان شاہ کابلی اپنی کتاب ''سلطان العاشقین'' میں فرماتے ہیں کہ جن کا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو وہ دنیا کی نعمتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔اس ضمن میں ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویریؒ محمود غزنوی کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں اکثر دیکھے گئے ۔اس وقت آپ کی عمر بمشکل بارہ تیرہ سال کی ہوگی ۔حصولِ علم کے جذبہ سے سرشار یہ طالب علم تعلیم میں اتنا محو ہوتا کہ صبح سے شام ہوجاتی مگر کبھی پانی تک پیتے نہ دیکھا گیا ۔رضوان نامی سفید ریش بزرگ اس مدرسہ کے مدرس تھے ۔وہ اپنے اس خاموش طبع طالب علم کو تکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

ایک دفعہ فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی کا گزر اس مدرسہ کی جانب سے ہوا اور وہ اس عظیم درس گاہ میں آ گیا ۔دیگر شاگردوں کے برعکس حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے کام میں اتنے منہمک تھے کہ ان کو کوئی خبر نہ تھی ۔بزرگ رضوان نے پکارا ''دیکھو علی! کون آیا ہے؟'' اب کیا تھا ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری جانب ایک کمسن راہِ حق کا متلاشی ۔عجیب منظر تھا۔ محمود غزنوی نے اس نوعمر طالب علم کی تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً نظریں جھکا دیں ۔اور مدرس سے کہا: ''واللہ! یہ بچہ خدا کی طرف راغب ہے ۔ایسے طالب علم اس مدرسہ کی زینت ہیں۔''

آپ کے حالات زندگی کا سب سے باوثوق مرجع آپ کی تصنیف کشف المحجوب ہے ۔اسی کے مطالعہ سے آپ کے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے ۔اس میں آپ نے جگہ جگہ اشارے کئے ہیں کہ آپ کو بچپن سے ہی حصولِ علم کا شوق بے چین رکھتا تھا اور آپ نے اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب فیض کیا۔آپ نے صرف اپنے علاقہ کے علماء ہی سے تحصیل پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، کوہستان آذربائیجان، طبرستان، خورسان اور ماوراءالنہر کے اسلامی صوبوں میں مشہور علماء وفضلاء سے شرف تلمذ حاصل کیا۔حصول علم کے لئے سفر کی صعوبتیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں ۔علوم ومعارف کے سمندر پی جانے کے باوجود آپ کے شوق علم کی بے تابیاں کم نہ ہوئیں۔

آپ خود فرماتے ہیں: ''فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے علم وحکمت کے پُر بہار

گلستانوں سے گل چینی کرکے اپنا دامن بھرتے رہے۔آپ کے بے شمار اساتذہ میں سے دو اساتذہ کا آپ نے کشف المحجوب میں انتہائی ادب واحترام سے کیا ہے۔ایک کا اسم گرامی شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی، دوسرے کا نام نامی شیخ ابوالقاسم علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہما ہے۔پروفیسر نکلسن جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے اُستاد رہے ہیں اور جنہیں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، وہ آپ کے شوق علم کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ نے اسلامی مملکت کے دور دراز علاقوں میں سفر اختیار کیا۔شام سے ترکستان تک، سندھ سے بحر کیسپئن تک کا علاقہ چھان مارا۔'' (مقدمہ انگریزی ترجمہ کشف المحجوب)

تحصیل علم کے بعد مرشد کامل کی تلاش میں آپ نے بڑے طویل سفر کئے۔آپ کی طلب صادق پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحم فرمایا اور آپ کی رسائی اس شیخ کامل تک ہوئی جن کے حسن تربیت اور فیض نظر کے باعث آپ آسمانِ معرفت پر آفتاب عالم تاب بن کر طلوع ہوئے اور اب تک دنیا آپ کی ضوفشانیوں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔(مقدمہ کشف المحجوب، ص 35)

آپ جس دور میں سیر وسیاحت میں مصروف تھے تو اس دوران ایک مرتبہ سفر کرتے ہوئے آپ ملک شام میں پہنچے۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت سید ابوالفضل ختلیؒ سے ہوئی۔آپ ان کی عارفانہ اور عالمانہ گفتگو سے بڑے متاثر ہوئے۔انہوں نے جب حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو نظر باطن سے دیکھا تو انہیں آپ کی پیشانی میں نور ولایت محسوس ہوا آخر آپ نے ان کے دست حق پر بیعت کر لی۔اس طرح آپ راہِ سلوک کے طالب وراہی بن کر سلسلہ جنیدیہ سے وابستہ ہو گئے۔

آپ کے شیخ کامل کا اسم گرامی شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہے جو سلسلہ جنیدیہ کے شیخ کامل تھے۔سلسلہ بیعت یوں ہے: حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی، ان کے شیخ کا اسم گرامی شیخ ابوالحسن حصری ہے، ان کے شیخ کا اسم گرامی شیخ ابوبکر شبلی ہے جو مرید تھے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مرید تھے حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ان کی بیعت حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، وہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی اور وہ مرید تھے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے۔جنہیں فیضان طریقت ارزانی ہوا تھا امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے جن کی پرورش آغوش نبوت میں ہوئی اور جو فیضان رسالت سے فیض یاب ہوئے۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے فیضان حاصل کیا ان میں سے حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور رسالہ قشیریہ کے مصنف امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اپنے شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت داتا صاحبؒ لکھتے ہیں: ''وہ صوفیاء متاخرین میں زینت اوتاد اور شیخ عباد ہیں۔طریقت میں میری بیعت انہیں سے ہے۔تصوف میں حضرت جنیدؒ کا مذہب رکھتے ہیں اور حضرت شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ کے راز دار مرید تھے۔''

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور ان سے بے پناہ عقیدت رکھتے

تھے۔کشف المحجوب میں جہاں بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا ذکر خیر آیا ہے، آپ نے بڑے معزز القاب سے ان کا ذکر کیا ہے، جس سے اس احترام وعقیدت کا پتہ چلتا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کے دل میں تھی۔ کہیں ان کو امام اماماں، مقتدائے سُنّیاں کہا ہے اور کہیں اشرف فقہاء اور اعز علماء کے الفاظ سے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

آپ اپنے مرشد سید ابوالفضل ختلیؒ کے ہمراہ سفر میں پیش آنے والے ایک واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے مرشد کے ہمراہ آذربائیجان کے علاقے سے گزر رہا تھا میں نے دیکھا کہ دو تین گدڑی پوش فقراء ایک گندم کے کھلیان پر اپنے خرقے کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں تاکہ کاشتکار اس میں گندم ڈال دے۔ مرشد کی نگاہ اُن پر پڑی تو پکار اُٹھے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔ میں نے کہا: حضور! یہ لوگ کیوں اس مصیبت میں گرفتار ہوئے اور مخلوق کے لیے باعث ذلت بنے؟ حضرت ابوالفضل ختلیؒ نے فرمایا ان کے پیروں کو مرید بڑھانے کا حرص اور انہیں متاع دنیا جمع کرنے کی لالچ ہے۔ اور حرص کوئی بھی ہو دوسری حرص سے بہتر نہیں ہے۔ اور بے حقیقت دعویٰ ہوس پروری نہیں تو اور پھر کیا ہے؟ (کشف المحجوب)

حضوریِ مرشد کی تلقین میں آپ فرماتے ہیں کہ اے دوست! بے دل نہ ہو عمر یادِ خدا میں بسر کر، جسم کو تکلیف دے اور سختی میں ڈال تاکہ مرد راہِ خدا ہو جائے۔ تنہائی نعمت ہے قیمتی سرمایہ ہے۔ ہمہ وقت مرشد کی حضوری میں رہنا چاہیے کہ یہ حضوری نعمت ہے، قیمتی سرمایہ ہے۔ ہمیشہ مرشد کی حضوری میں رہ کر مزاروں پر وظیفہ اور فاتحہ خوانی کر یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھ، یہ فرض ہے۔ نماز باجماعت ادا کر اور دل لگا کر وضو کر۔ (کشف الاسرار)

آپ نے مزید فرمایا ہے کہ مبتدی (یعنی کہ بغیر پختگی حاصل کئے) کے لئے مناسب یہی ہے کہ سماع کے پاس نہ پھٹکے بلکہ الگ رہے۔ راہِ سلوک میں نووارد کے لئے یہ راستہ بہت کٹھن اور محال ہے اور اس میں خرابی کا اندیشہ ہے۔ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ محبت مرشد، خدا سے طلب کرے اور اس کے سامنے مجنوں کی طرح رہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں بیانوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو اپنے مرشد سے بے پناہ محبت تھی۔

آپ سالہا سال مرشد کامل کی خدمت میں شب و روز مصروف رہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو ان کا سر مبارک آپ (حضرت علی ہجویری قدس سرہٗ) کی گود میں تھا۔ اس سے اُس قرب اور محبت کا پتہ چلتا ہے جو مرشد کامل کو اپنے نورِ نظر اور روحانی شاگرد سے تھی۔ (کشف المحجوب، ص 36)

آپ اپنے مرشد حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے متعلق فرماتے ہیں کہ جب میرے مرشد کے وصال کا وقت آیا تو اس وقت آپ بیت الجن میں تھے۔ بیت الجن ایک گاؤں یا بستی کا نام تھا جو شہر دمشق اور بانیار کے درمیان ایک گھاٹی پر واقع تھا اور بوقت وصال اُن کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

فطرت انسانی کے مطابق اس وقت میرا دل ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! میں تمہیں

عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو ہر قسم کے رنج و تکلیف سے بچ جاؤ گے، یاد رکھو کہ ہر کوئی اور ہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ تیرے لیے مناسب ہے کہ نہ تو اس کے کسی فعل پر انگشت نمائی کرے اور نہ ہی دل میں اس پر معترض ہو۔ اس کے علاوہ آپ نے اور کچھ نہ فرمایا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ (**کشف المحجوب**)

آپ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی کسی تذکرہ میں تفصیلات دستیاب نہیں، البتہ **کشف المحجوب** کے ایک حوالہ سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ نے شادی کی لیکن کچھ مدت کے بعد مفارقت ہو گئی۔ پھر آپ نے تا زیست دوسری شادی نہیں کی۔ (ایضاً ص 37)

کثرتِ ریاضت وعبادت ولایت کی جان اور بنیاد ہے۔ اس لیے قربِ الٰہی اور حصولِ معرفت کے لیے یادِ الٰہی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ہر ولی اللہ کو اس منزل سے ضرور گزرنا پڑا۔ لہٰذا حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی زندگی میں بے پناہ ریاضت اور عبادت کی۔ اس کثرت عبادت سے آپ کو قرآن وسنت پر چلنے میں بڑی استقامت پیدا ہوئی۔ حُبِّ الٰہی اور عشق رسول ﷺ کی لگن میں نکھار پیدا ہوا۔ راہِ طریقت میں بے پناہ زُہد اور ریاضت کرنے کے باوجود آپ کے ظاہری اعمال شرعی حدود سے متجاوز نہ ہوئے اور آپ کی ساری زندگی اتباعِ سنت میں گزری۔

آپ کے مرشد باشرع صوفی تھے۔ پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ ان کی غذا نہایت ہی سادہ اور کم تھی۔ وہ بہت کم سوتے تھے اور سارا وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی انہوں نے کم کھانے، کم سونے، کم گفتگو کرنے کی ہدایت کی اور سارا دن یادِ الٰہی میں محو رہنے کی تلقین کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے پابند شرع رہ کر اللہ کی بے پناہ عبادت کی۔

آپ نماز بڑے خشوع اور خضوع سے ادا کرتے اور نماز میں آپ بالکل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے اور نماز پنجگانہ کو تمام شرعی شرائط کے مطابق ادا کرتے۔ فارغ اوقات میں نوافل میں بھی کثرت کرتے۔ پابندیِ نماز سے آپ میں ذکرِ الٰہی پر مداومت، طہارت نفس، عجز وانکساری اخلاص عمل جیسی خوبیاں جلوہ گر ہوئیں۔

بھوک سے چونکہ انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے رزق کی قدر پیدا ہوتی ہے اور صبر اور شکر کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور نفسانی خواہشات کی اصلاح ہوتی ہے ان مقاصد حصول کے لیے آپ گاہے بگاہے فرضی روزے رکھنے کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے اور آپ کے روزے کبھی کبھی لمبی مدت والے بھی ہوتے تھے۔ **کشف المحجوب** کے صفحہ 790 میں آپ فرماتے ہیں کہ محققین کے نزدیک حقیقی بھوک چالیس دن کے بعد لگتی ہے جو صرف جان کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ ہے وہ حرص اور غرورِ نفس ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ لمبی مدت کے روزے رکھتے تھے۔

مجاہدہ نفس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ نفسانی خواہشات کو شرعی حدود کا تابع بنانے کے لیے مجاہدۂ نفس ضروری ہے۔ مجاہدے کی ایک صورت چلہ کشی ہے۔ لہٰذا آپ کو چلہ کشی کی راہ اختیار کرنا پڑی۔ آپ نے کس قدر چلّہ کشی کیں اس کے

بارے میں تاریخ کے اوراق خاموش ہیں، مگر آپ نے اپنی ایک چلہ کشی کا ذکر کشف **المحجوب** میں یوں فرمایا ہے:

"آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک باطنی اُلجھن میں گرفتار ہوگیا۔ ایک روحانی راز تھا جو مجھ پر منکشف نہیں ہوتا تھا۔ اس کے انکشاف کے لیے میں نے بڑی ریاضت کی مگر پھر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس سے پیشتر بھی ایک بار ایسا ہوا تھا اور میں نے حل کے لیے حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کشی کی تھی۔ اس چلہ کشی کے نتیجے میں میری وہ باطنی مشکل حل ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس بار بھی میں آپ کے مزار پر معتکف ہوگیا لیکن تین ماہ تک اعتکاف میں بیٹھے رہنے کے باوجود مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اس دوران میں روزانہ تین دفعہ نہاتا اور تین ہی دفعہ طہارت کرتا۔ کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھ کر میں نے خراسان جانے کے لیے رخت سفر باندھا۔ راہ میں ایک گاؤں میں قیام کیا۔ یہاں صوفیوں کا ایک گروہ مقیم تھا۔ یہ رسم پرست لوگ تھے صحیح معنوں میں صوفی نہ تھے۔ انہوں نے مجھے سادہ جامہ پہنے دیکھ کر کہا یہ کہ ہماری جماعت سے متعلق نہیں اور واقعی میں ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ انہوں نے مجھے قیام کے لئے نیچے جگہ دی اور خود انہوں اس سے بلند جگہ پر قیام کیا۔ خود تو نہایت ہی لذیذ و نفیس غذائیں کھائیں اور مجھے ایک سوکھی روٹی کھانے کو دی۔ وہ لوگ میرا مضحکہ اُڑاتے۔ خربوزے کھا کر چھلکے مجھ پر پھینکتے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے مولا کریم! اگر ان کا لباس (گدڑی) وہ نہ ہوتا جو تیرے دوستوں کا ہوتا ہے تو میں ان کی یہ زیادتی کسی صورت برداشت نہ کرتا۔ باوجود اس کے کہ یہ رسم پرصوفی مجھے ہدف طنز و ملامت بنا رہے تھے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کی ایک بہت بڑی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے اس وقت اس برداشت و صبر پر میرے دل کو بڑی مسرت حاصل ہورہی تھی۔ اور اس وقت مجھ پر یہ رازِ سر بستہ کھل گیا کہ بزرگانِ طریقت کم فہموں کی زیادتیاں کیوں برداشت کرتے ہیں اور مجھے معلوم ہوگیا کہ ملامت برداشت کرنا بھی روحانی مدارج کی بلندی کا زینہ ہے۔ اور اس میں بھی بڑے مفادات مضمر ہیں۔

تمام طرح کی تکالیف، پریشانیاں، صعوبتیں، دکھ، درد، بیماریوں کو صبر و شکر کے ساتھ خاموشی اور خوشی سے برداشت کرنا مجاہدہ کا حصہ ہیں۔ اسی طرح سفر کی تکالیف اور مشقتیں بھی مجاہدے کا ایک حصہ ہیں۔ خاص کر سفر میں لباس، رہائش اور خوراک کی دقت پیش آتی ہے، انہیں برداشت کرنے سے بھی تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کی مشقتیں بہت برداشت کیں۔ اگر آپ کو کوئی روحانی الجھن پیش آجاتی اور اس کے حل کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آتا تو اسے سمجھنے کے لئے نہ رات دیکھتے اور نہ دن، بس اپنے مرشد یا اپنے اساتذہ میں سے کسی کی طرف چل دیتے اور ان کے پاس پہنچ کر رہنمائی حاصل کرتے، راستے میں خواہ کتنی تکلیف اُٹھانی پڑے، برداشت کرلیتے۔

طوس کا شہر آپ کے وطن سے کافی دور ہے۔ وہاں آپ کے استاد شیخ ابوالقاسم گرگانی رہتے تھے۔ آپ اکثر یہ طویل سفر کر

کہ ان کے پاس آتے جاتے رہے اور سفر کی مشکلات رضائے الٰہی کے لیے برداشت کرتے رہتے۔ ان میں سے ایک سفر کا ذکر آپ نے کشف **المحجوب** میں کیا ہے:

> ''آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے کچھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ اسے حل کرنے کا کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اور وہ معاملہ میرے لیے دشوار ہو گیا۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے طوس کا سفر اختیار کیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ اپنے مکان کی مسجد میں بالکل تنہا ہیں اور بعینہٖ وہ واقعہ جو مجھے درپیش تھا وہ ایک ستون کو سنا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا شیخ! یہ بات آپ کس کو سنا رہے ہیں؟ فرمایا: اے بیٹے! ابھی ابھی حق تعالیٰ نے اس ستون کو میرے ساتھ ہمکلامی کی قوت عطا فرما دی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے مجھ سے سوال کیا جس کا جواب میں اسے دے رہا تھا اور یہ جواب ہی آپ کی اُلجھن کا حل تھا۔ (**کشف المحجوب**)

اصل مجاہدہ کیا ہے؟ اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضور سیّد عالم ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: **اَحْبِسْ حَوَاسَکَ**۔ ''اپنے حواس کو قبضے میں رکھو۔''

اپنے حواس خمسہ کو قابو میں رکھنا اصل مجاہدہ ہے۔ تمام علوم ان ہی حواس خمسہ کے پانچ دروازوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ حواسِ خمسہ یہ ہیں:۔ ❶ دیکھا، ❷ سننا، ❸ چکھنا، ❹ سونگھنا اور ❺ چھونا۔ یہ حواس علم و عقل کے سالار ہیں۔ چار حواس کی جگہ مخصوص ہے مگر ایک حس (چھونے کی حس) سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔ آنکھ دیکھنے کا مقام ہے، یہ رنگ اور جہان کو دیکھتی ہے۔ کان سننے کا محل ہیں، وہ خبر اور آواز سنتے ہیں۔ تالو ذائقے کا محل ہے، وہ چکھتا ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے، وہ سونگھتی ہے۔ لمس یعنی چھونے کا کوئی خاص مقام نہیں۔ یہ تمام اعضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ انسان کے تمام اعضاء، سردی، گرمی، سختی اور نرمی کا برابر احساس کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے الہامی یا بدیہی علوم کے سوا کوئی ایسا علم نہیں جو حواسِ خمسہ کے انہی پانچ دروازوں سے حاصل نہ ہوتا ہو۔ الہامی اور بدیہی علوم میں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں مگر حواسِ خمسہ میں صفائی بھی ہے کدورت بھی ہے۔ جس طرح علم، عقل اور روح کو حواس میں دخل ہے۔ اسی طرح نفس اور خواہشات کو بھی ہے۔ گویا حواسِ خمسہ کی حیثیت عبادت و معصیت اور سعادت و شقاوت کے درمیان مشترک آلۂ کار کی ہے۔ مثلاً کان اور آنکھ میں دوستی حق کا پہلو یہ ہے کہ وہ حق دیکھیں اور سچی بات سنیں ان میں نفس کا پہلو یہ ہے کہ وہ لغویات سنیں اور شہوت سے دیکھیں، چھونے، چکھنے اور سونگھنے میں حق کی دوستی یہ ہے کہ حکمِ الٰہی میں تابعداری کریں۔ ان میں نفس کا پہلو یہ ہے کہ شریعت کے خلاف چلیں۔ (**کشف المحجوب**)

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جب کثرت زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، محبت مرشد سے حُبِّ الٰہی اور عشق رسول ﷺ سے آراستہ ہو گئے اور سلوک کی تمام منازل عبور کر کے ولی کامل کے درجہ پر پہنچ گئے تو آپ کے مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور خدمت دین کا حکم دیا۔

جب آپ کے مرشد نے یہ بات محسوس کی کہ اب آپ حصولِ معرفت میں عرفان کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں۔تو انہوں نے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ بیٹا! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت اور کرم کے جو فیوض و برکات آپ کو عطا فرمائے ہیں ان سے مخلوقِ خدا کو فیض پہنچانے کی غرض سے آپ ہندوستان چلے جائیں اور وہاں جا کر توحید کی شمع روشن کرنے کے لئے رات دن ایک کر دیں۔کیونکہ ہند میں کفروشرک اپنے عروج پر ہے اس لئے وہاں کی گمراہ شدہ مخلوق کو راہِ حق کی دعوت دینا بہت ضروری ہے۔اس غرض سے تم لاہور چلے جاؤ اور وہاں جا کر رُشد و ہدایت کا فریضہ انجام دو۔کیونکہ اولیائے کاملین کا یہی فرض ہے کہ راہِ حق پانے کے بعد تا دمِ آخر وہ توحید کا ڈنکا بجاتے رہیں۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو جب مرشد کا یہ حکم ملا تو آپ نے اپنے مرشد حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! وہاں تو اآپ نے ایک اور مرید یعنی حضرت شاہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔پھر وہاں میرے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ کے مرشد نے فرمایا کہ اے علی! (رحمۃ اللہ علیہ) تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم تبلیغ دینِ حق کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے لاہور چلے جاؤ۔

مرشد سے لاہور جانے کا حکم ملنے کے بعد آپ اُن سے رُخصت ہو کر سیدھے اپنے وطن غزنی میں آئے اور ہندوستان کے شہر لاہور کے لیے تیاری شروع کر دی۔آپ کی تیاری تو صرف یہ تھی اللہ کے بھروسے پر اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے چل دیا جائے۔لہذا آپ غزنی سے لاہور کی طرف روانہ ہو پڑے۔اس زمانے میں غزنی سے لاہور تک کا راستہ کافی دشوار گزار تھا۔کیونکہ اس راستے میں شمالی سرحدی علاقہ پڑتا ہے اس کا زیادہ حصہ پہاڑی ہے۔پہاڑی علاقے میں سفر کرنا کافی دشوار اور پریشان کن ہوتا ہے۔اس سفر میں آپ کے ہمراہ شیخ احمد حماد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔

پہلے اللہ کے یہ تینوں بندے انتہائی مشقت کے ساتھ پہاڑی علاقے کو عبور کرتے ہوئے پشاور پہنچے اور پھر وہاں سے منزل بہ منزل لاہور پہنچے۔راستے میں آپ کو پنجاب کے دریاؤں کو بھی عبور کرنا پڑا۔تاریخی معلومات کے مطابق لاہور میں آپ کی آمد کا سن 431 ہجری بمطابق 1040 عیسوی ہے۔

جب سرزمین لاہور ان نفوسِ قدسیہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئی ،اس وقت لاہور میں سلطان محمود غزنوی کا لڑکا سلطان مسعود غزنوی سریر آرائے مملکت تھا۔اور اس کا عہدِ حکومت 421ھ تا 432 ہجری ہے۔

قارئین کرام! درج ذیل میں یہ صرف میرے (اس کتاب کے مصنف کے) اندازے ہی ہیں۔ان کو کسی طرح حتمی نہ سمجھئے گا۔یہ اندازے تو آپ کو اس وقت کے حالات ،حالت ،مشکلات و محنت کو سمجھانے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔اور مجھے یقین ہے کہ اس کی وجہ سے ،اس طرح سے آپ بہترین انداز میں سمجھ جائیں گے۔اولیاء اللہ کا ہندوستان میں ،ہندو معاشرے میں دین اسلام کا پھیلانا ،لوگوں کو اپنے کردار ،حسنِ اخلاق ،شیریں گفتار اور روحانی قوت سے لوگوں کو مسلمان کرنا اور ان خود کی محنت و مشکلات کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ لہاور (لاہور) کی آبادی اور بستی کی وسعت کا بھی اندازہ

دماغ میں رکھا جائے۔

اس وقت کا لہاور آج (2008ء یا 1429ھ) کے لاہور سے وسعت و آبادی میں ہزاروں گنا کم تھا۔ یہ صرف ایک چار دیواری یا چند دروازوں کے اندر زیادہ تر ایک منزلہ کئی مٹی کے گھر تھے اور وہ بھی اس طرح گنجان آباد نہ تھے جیسے آج کل دیکھ رہے ہیں۔ اس چار دیواری یا دروازوں سے باہر قطعاً کوئی نزدیک آبادی نہ تھی، اور اس زمانے میں نہ یہ چار دیواری تھی اور نہ یہ دروازے تھے۔ جہاں بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ ہیں وہ اور اس کے ارد گرد کا ایریا تو صاف میدان تھا۔ بادشاہی مسجد تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی لہاور (لاہور) آمد کے چھ سو بیس (620) (سن ہجری کے لحاظ سے) سال بعد بنی تھی اور شاہی قلعہ اس سے کچھ پہلے بن گیا تھا۔ ہم اس وقت (2008ء میں) سن ہجری کے لحاظ سے ایک ہزار سال پہلے والے لاہور کا تصور کر رہے ہیں، اس کی بات کر رہے ہیں۔

ایک اور اہم نکتہ جو کہ آپ نے ذہن میں رکھنا ہے وہ یہ کہ جہاں جہاں آپ سے پہلے اولیاء اللہ آ چکے تھے اُن کی تبلیغ سے اس محدود علاقے کی اندازاً پانچ فی صد آبادی مسلمان ہو چکی تھی اور جہاں جہاں سے غزنی کے سلطانوں کی فوج گزر چکی تھی وہاں بھی اندازاً پانچ فی صد آبادی مسلمان ہو چکی تھی۔ جیسے لاہور میں سلطان اور اس کی فوج رکتی تھی یا آنا جانا رہتا تھا۔ اور 421ھ سے 432ھ تک تو سلطان مسعود نے لاہور میں رہ کر حکومت چلائی تھی، تو آپ (حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کے لاہور آنے سے پہلے ہی لاہور میں اندازاً دس فی صد مسلمان تھے۔ اس وقت کے لاہور اور لاہور کے گرد و نواح میں کل آبادی پچیس، تیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ آپ کی تبلیغ وسعی سے لاہور اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں کی تعداد تیس فی صد تک بڑھ گئی ہوگی اور یہ ایک بہت بڑی پیش رفت تھی۔ خاص طور پر لاہور کی جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کے پیش نظر دین اسلام کے لئے، امت مسلمہ کے لئے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔

لاہور کی بستی میں آپ صبح کے وقت داخل ہوئے اور ابھی گھوم پھر کر آپ لاہور کی آبادی کا، اس کے باسیوں کا، اس کے ماحول و عبادت گاہوں کا اور اپنی سکونت کے لئے ایک گوشہ تنہائی کا ایک سرسری جائزہ ہی لے رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ لوگ ایک میت اُٹھائے چلے آتے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ ہے۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ پیرو مرشد کا مجھے لاہور بھیجنا اس غرض سے تھا کہ میں وہ خلا پُر کروں جو حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ جنازہ کے ہمراہ ہو لیے۔ نماز جنازہ پڑھی۔ میت چاہ میراں میں سپرد خاک کی گئی۔

آپ نے چند روز میں لاہور شہر کی آبادی کا مکمل جائزہ لیا۔ اس وقت کے لاہور کو چل پھر کر دیکھا۔ لوگوں کی کثرت ہندو دھرم کی پیروکار تھی۔ آپ کے لیے یہ ماحول نیا بلکہ بالکل نیا تھا اور اجنبی بھی تھا۔ لوگ بیگانے تھے، کوئی آپ کو جاننے والا نہ تھا۔ اس وقت کے لاہور میں ہمارے دیہات کی طرح کے کچے، مٹی کے مکان تھے۔ آبادی بہت کم تھی اور اللہ کے خاص بندے تو تکلفاتِ زندگی سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں وہ تو کسی آرام یا سہولت کے طلبگار نہیں ہوتے۔ اللہ کی زمین پر کہیں بھی اُس کی رضا کے

مطابق زندگی گزار لیتے ہیں۔مادی اسباب پر انحصار کی بجائے وہ اللہ کے بھروسے پر زندگی گزارتے ہیں۔وہ یادِ الٰہی میں مگن رہنے کے لئے تنہائی اور گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں۔آپ نے بھی لاہور کی آبادی سے کچھ فاصلے پر مغرب کی جانب ایک مقام بنام غرب رویہ پر ڈیرے ڈال لئے اور پھر وہیں پر مستقل قیام پذیر ہو گئے۔یہ جگہ وہیں تھی جہاں آج کل آپ کا مزار مبارک ہے۔دریائے راوی اس زمانے میں آپ کے قیام کی جگہ کے بالکل قریب سے بہتا تھا۔یہ جگہ عام آدمی کے نکتہ نگاہ سے پُرخطر حالات وواقعات سے محفوظ نہ تھی۔آپ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھروسے پر اتنی پُرخطر جگہ پر قیام پذیر ہو گئے۔

انسانی زندگی مادی وسائل اور ضرورتوں کی محتاج ہے لیکن اللہ کے ولی دنیا کی ضرورتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں اور اللہ اپنے ان بندوں کی جنگلوں اور بے آباد جگہوں پر پوری طرح خبر گیری رکھتا ہے۔اورانہیں کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتا اسی لیے اللہ کے بندے بے سروسامانی کے باوجود زندگی کے کئی کئی سال صرف خدائے واحد کی مدد سے گزار لیتے ہیں۔انہیں ایسی تنہائی میں اللہ کی محبت اور یادِ الٰہی کے وہ لمحات بھی نصیب ہوتے ہیں جو دُنیا داروں کو اپنی پُرشکوہ رہائش گاہوں میں زندگی بھر نصیب نہیں ہوتے۔اللہ والوں کی زندگی کے شب وروز بڑے ہی نرالے ہوتے ہیں۔رات کے پچھلے پہروں میں جب کہ دنیا محوِ خواب ہوتی ہے،وہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔وہ اپنے سجدوں میں مخلوق خدا کی بھلائی مانگتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب اللہ والے اس دنیا سے پردہ کر جاتے ہیں تو اللہ والوں کے ویرانے ہی دنیا کی رونقوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

اگر آپ کا سال وصال 465ھ بمطابق 1073ھ تسلیم کیا جائے تو لاہور میں آپ کے قیام کی مدت 30 سال سے زائد بنتی ہے۔اس عرصہ میں آپ شب وروز اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔آپ کی بے داغ اور دلکش سیرت،پُرنور شخصیت،آپ کے پُرخلوص دل سے نکلے ہوئے اور دلوں میں اُتر جانے والے مواعظِ حسنہ لوگوں کو کفر وضلالت کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر گامزن کرتے رہے۔

جن خوش نصیب لوگوں نے آپ کے دست ہدایت پر اسلام کی بیعت کی اور آپ کے فیضِ نگاہ کی برکت سے ان کے لوحِ قلب پر کلمۂ توحید اس چاہت ولگن سے نقش ہوا کہ صرف وہی تادم واپسیں اس کی لذت سے سرشار نہیں رہے بلکہ آج ایک ہزار کے قریب سال گزرنے کے باوجود ان کی نسلیں بھی اسی ذوق وشوق کے ساتھ اسی کلمۂ توحید کا ورد کر رہی ہیں۔اور جب بھی وقت آتا ہے تو پرچم توحید کو بلند کرنے کے لئے بلا تامل بصد مسرت اپنے سروں کے نذرانے پیش کر دیتی ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندوں کی یہی خصوصیت ہے کہ ان کا پڑھایا ہوا سبق فراموش نہیں ہوتا بلکہ گردشِ لیل ونہار اور حوادثاتِ دہر کے باوجود اس کی سرمستیاں بڑھتی رہتی ہیں۔اس کی آب وتاب میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

ایک درویش جس کے پاس نہ خزانہ ہے،نہ لشکر،اور نہ دنیاوی وسائل ہیں اور نہ جاہ وحشمت،اپنے مصلے پر بیٹھا ہے۔اپنے معبودِ برحق کی یاد میں ہمہ وقت مصروف ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے انوار وتجلیات کے نزول کے باعث اسے وہ شان دلرُبائی عطا کر دی جاتی ہے کہ لوگ اس کے رُخِ زیبا کو دیکھتے ہی اپنے زنار توڑ دیتے ہیں۔اپنے آبائی عقیدوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر

دیتے ہیں۔کل تک جن بتوں کی وہ پرستش کر رہے تھے،آج اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔اوراس خداوند قدوس کی بارگاہ بیکس پناہ میں سجدہ ریز ہوجاتے ہیں اوران سجدہ ریزیوں میں انہیں جولطف، جوسرور، جوکیف میسر ہوا ہے اس پر وہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔

غزنوی خاندان کے باہمت فاتحین نے ممالک فتح کئے، قلعے سر کئے اور شاہی محلات پر اپنے پرچم لہرائے ،لیکن ہجویر سے آنے والے غریب الدیار درویش نے جہالت وگمراہی کے پردوں کوسرکا کر حقیقت کے رُخ زیبا کو یوں بے نقاب کیا کہ ہر صاحب قلب سلیم دیوانہ وار اس پر سوجان سے نثار ہونے لگا۔

آپ نے اپنی قیام گاہ کے پاس ہی ایک جگہ پر مسجد کی تعمیر کا سنگِ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا،پھر اس کی تعمیر پر سارا خرچ اپنے پاس سے کیا اور خوبی کی بات یہ ہے کہ اس مسجد کے بنتے وقت آپ نے خود مزدوروں کی طرح کام کیا اور بڑی محبت اور جذبے کے ساتھ سامانِ تعمیر اپنے سر پر اُٹھایا۔مسجد ایک بڑے کمرے پر مشتمل تھی جس پر لکڑی کی چھت ڈالی گئی۔

لاہور شہر میں یہی پہلی مسجد تھی جو ایک ولی اللہ کے ہاتھوں تعمیر ہوئی ۔اس مسجد کی تعمیر داراشکوہ کی کتاب ’’سفینۃ الاولیاء‘‘ کے مطابق 431ھ میں ہوئی۔آپ کی تعمیر کردہ مسجد صدیوں قائم رہی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ دین کے حوالے سے ایسی ہستی ہیں جن کا نام رہتی دُنیا تک سورج کی مانند روشن رہے گا۔جب آپ یہاں تشریف لائے تو لاہور کفر کا گڑھ تھا،بت پرستی کا مرکز تھا۔جوگیوں، جادوگروں اور کالے علم کے ماہروں کا یہاں راج تھا۔جس پامردی سے آپ نے دین کے ان دشمنوں کا مقابلہ کر کے انہیں زیر کیا وہ معرکہ آرائیاں الگ ایک دلچسپ تاریخ ہیں۔جس حسن اخلاق،محبت اور لگن سے دکھی انسانیت کو امن وسکون کا پیغام سنایا وہ تاریخ اسلام کا ایک سنہرا باب ہے۔ایک ہزار سال سے دین اسلام کا یہ روشن ضمیر،بلند پایہ مبلغ لاہور میں آسودہ خاک ہے۔الحمدللہ یہ ایسی زندہ روحیں ہیں جو بہ نفس نفیس اپنے محبت کرنے والے عقیدت مندوں سے ملتے ہیں۔ان کی حاجت روائیاں فرماتے ہیں۔ان کی اُلجھنیں دور کرتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق آپ کی قبر مبارک زندہ ہے۔

ہر اولیاء اللہ کے کشف وکرامات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ ایک خاص بامقصد عطا ہوتی ہے۔اس پر نہ یہ فخر کرتے ہیں اور نہ تشہیر چاہتے ہیں۔یہ ان مقدس ہستیوں کے لئے معمول ہوتا ہے۔روحانت میں جو مقام آپ کو حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہ جانے شب روز کتنے کشف وکرامات کا ظہور ہوتا رہا ہوگا۔مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے میں مختصراً ایک دو کرامات کا ذکر کروں گا اور سلطان محمود غزنوی کے خادمِ خاص جناب ایاز کا لاہور میں رہ جانے والی روایت کا صرف اس لئے ذکر کروں گا کہ اس میں تاریخی اہمیت کے سن درج ہیں اس لئے وہ روایت اس وقت کے،اس دور کے حالات، واقعات اور روحانی انداز کو سمجھنے، سمجھانے میں کافی معاون ثابت ہوتی ہے۔اور سچ بات تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کا انتہائی کٹھن اور مشکل جان لیوا حالات میں کفرستان میں رہنا اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان کرنا،اسلام کی طرف راغب کرنا خود ایک بہت بڑی اور زندہ جاوید کرامت

ہے۔

سوانح حیات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ شہر میں اس طرف گئے جہاں راستے میں ہندوؤں کے مندر واقع تھے۔ آج کل یہ علاقہ رنگ محل کے قریب پانی والا تالاب کے نام سے منسوب ہے۔ یہاں اس دور میں راوی مندر تھا، جہاں کئی ہندو بتوں کی پوجا میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے مندر کے قریب جا کر دیکھا کہ ایک ہندو ایک بُت کے سامنے کھڑا ہے اور ہاتھ میں گندم کی روٹی کی بنی ہوئی چُوری ہے۔ آپ نے بُت کو مخاطب کر کے کہا کہ اللہ کے حکم سے چُوری کھاؤ تو وہ بُت چُوری کھانے لگا، کچھ اور ہندو بھی وہاں موجود تھے ان میں ہندو پروہت بھی تھا۔ ہندو پروہت کو بڑا دکھ ہوا کہ ہم سے ایسے واقعات نہیں ہوتے۔ اس سے ہماری توہین ہوئی ہے لہٰذا وہ اس ہندو سے ناراض ہو گیا جس کے ہاتھ میں چُوری تھی۔ بہانہ بنا کر پروہت نے کہا کہ تمہارے اس طرح کرنے سے دیوتا جی ہم سے ناراض ہو گئے ہیں لہٰذا آج سے ہمارا تمہارا بائیکاٹ ہے۔

کچھ روز کے بعد چُوری والا ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت! لوگ اس روز کے واقعہ سے انکار کر رہے ہیں۔ میری بات کو کوئی سچ نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا تم اپنے رشتہ داروں اور دیگر احباب کو اکٹھا کر لو اور اللہ کی طاقت دیکھ لو۔ حاضرین جمع ہو گئے، آپ نے پھر بُت کو حکم دیا کہ چُوری کھاؤ تو وہ چُوری کھانے لگا۔

ہندو لوگ یہ واقعہ دیکھ کر بڑے حیرت زدہ ہوئے تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ اللہ ہر کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ لہٰذا تم ان بے جان بتوں کی پوجا سے توبہ کر لو اور اللہ کے سچے دین میں آ جاؤ۔ تو آپ کی اس توجہ سے بے شمار لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ پہلے لوگوں میں سینہ بہ سینہ تھا، لیکن کچھ عرصہ سے لوگوں نے کتابوں میں نقل کر دیا، حقیقت اللہ کو معلوم ہے۔

یہ کوئی بہت پرانی بات نہیں ہے بلکہ اس زمانے کا واقعہ حقیقی ہے جب لاہور کے کارخانوں اور امراءؑ کے گھروں میں بجلی لگ چکی تھی۔ لاہور کے بہت بڑے رئیس رائے بہادر رام سرنداس کا کپڑے کا کارخانہ اور کوٹھی دربار داتا صاحب کے ساتھ تھی۔ رائے بہادر رام کا لڑکا بیمار ہو گیا، دولت پانی کی طرح بہائی گئی مگر شفا نہ ملی۔ ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا۔ رائے بہادر رام کو بے حد دکھ ہوا۔ انتہائی غم اور بے بسی میں بستر پر لیٹ گئے، کروٹیں بدلتے رہے مگر غم نے سونے نہ دیا آدھی رات کے بعد اسی غم میں لیٹے ہوئے تھے مگر جاگ رہے تھے کہ اچانک کمرے میں روشنی ہوئی اور کوئی آ کر رائے بہادر کی چارپائی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ رائے بہادر گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور پوچھا آپ کون ہیں؟ آنے والے نے مسکرا کر فرمایا: میں تمہارا ہمسایہ علی ہجویری ہوں۔ ہمسایہ تکلیف میں ہو تو اس کی خبر گیری انسان پر فرض ہوتی ہے۔ سرنداس گھبراؤ نہیں، روپ چند ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔ رائے بہادر کا بیٹا روپ چند دنوں بعد بالکل ٹھیک ہو گیا۔ یہ بات لوگوں کو رائے بہادر رام سرنداس نے خود بتائی۔ اس وقت جو منتظم مجاور تھے، رائے بہادر نے ان سے پوچھا کہ میں داتا حضور کی کیا خدمت کر سکتا ہوں، تو انہوں نے کہا رائے بہادر دربار میں بجلی نہیں۔ رائے بہادر رام سرنداس نے بجلی لگوا دی تمام اخراجات خود برداشت کئے اور اس کے بعد سے ویسے بھی رائے بہادر مسلمانوں کے

تہواروں پر نذر نیاز بانٹتے اور باقاعدگی سے سبیلیں لگواتے تھے۔

قارئین کرام! غور کریں کہ ایک باشعور ہندو رئیس اس حقیقت کا ثبوت دے رہا ہے کہ آپ (حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم واذن سے مصروف کار ہیں، تصرف فرمارہے ہیں۔

قارئین کرام! درج ذیل میں مذکورہ شخص وہی ایاز ہے جو سلطان محمود غزنوی کے ساتھ اس وقت موجود تھا جب سلطان محمود غزنوی قطبِ وقت حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ (334ھ سے 426ھ) کی زیارت کے لئے بھیس بدل کر حاضر ہوا تھا۔ اور یہ وہی محمود وایاز ہیں جن کے بارے میں فرمایا کہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

سلطان محمود غزنوی نے 414ھ بمطابق 1023ھ میں جب لاہور پر حملہ کیا تو راجہ جے پال کا بیٹا راجا اننگ پال صرف تھوڑے ہی مقابلہ کے بعد دُم دبا کر بھاگ نکلا اور لاہور شہر پر محمود غزنوی کا قبضہ ہوگیا۔ محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ جب محمود غزنوی نے 414ھ میں لاہور پر قبضہ کرلیا تو اپنے محبوب ملازم ملک ایاز کو اس کے اصرار پر ایک محافظ دستۂ فوج کے ہمراہ لاہور میں چھوڑ دیا یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ملک ایاز کو بزرگانِ دین نے سلطان محمود غزنوی کی ذاتی حفاظت کے لئے مامور کیا ہوا تھا۔

محمود غزنوی کو اس پیکر وفا کے ساتھ دلی لگاؤ تھا۔ جب محمود غزنوی نے اپنا کام مکمل کرلیا تو ملک ایاز نے کہا کہ میں غزنی نہیں جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ زندگی میں پہلی بار محمود غزنوی نے یہ انکار ایاز کی زبان سے سنا۔ غلام کے سامنے آقا نے سرِ تسلیم ختم کردیا اور محمود غزنوی نے اسے کافی سے زیادہ سونا، چاندی، ہیرے اور جواہرات اس کے سپرد کر کے اسے لاہور چھوڑ دیا اور خود غزنی چلا گیا اور ایاز نے اب لاہور میں رہائش اور صحبتِ فقر اختیار کرلی۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان مسعود حکمران بنا مگر صرف چند ہی سال بعد راجہ جے پال کے بیٹے انند پال نے ایک زبردست حملہ کر کے مسعود سے حکمرانی چھین لی اور جوشِ انتقام میں اس راجہ نے لاہور میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے کافی مسلمان جان بچانے کی خاطر لاہور سے باہر چلے گئے۔ ان حالات میں ایاز حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے بعد آپ کے ہاتھوں فقر وغنا کا جامہ پہن کر یہ فیصلہ کرلیا کہ اب وہ لاہور کو دوبارہ آباد کرے گا، وہ مسلمان جو لاہور چھوڑ گئے تھے، ملک ایاز کی قیادت میں جوق درجوق واپس آنا شروع ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاہور دوبارہ آباد ہوگیا اور اللہ اکبر کی تکبیریں گلی گلی کوچے کوچے بلند ہونا شروع ہوگئیں۔ محمود کے غلام نے اپنی دولت اور مال ومتاع تمام حاجت مندوں میں تقسیم کردیا اور خود گوشہ نشین ہوگیا۔

آخر 450ھ میں ملک ایاز نے وفات پائی۔ لاکھوں فرزندانِ توحید نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور اسلام کے اس عظیم

فرزند کو لاہور میں چوک رنگ محل کے قریب سپردخاک کردیا۔لاہور شہر کے عین دل میں واقعہ یہ مزار اس غلام کی عظمت اور بلند کردار کی ایک ناقابل فراموش یادگار ہے۔(کشف وکراماتِ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ)

آپ کی تعلیمات کا روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنی لازوال کتاب ''کشف المحجوب'' میں قرآن وحدیث، ائمہ، فقہاء اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالے کے بغیر کوئی بات نہیں لکھی اور یہی کہا ہے کہ شریعت محمدی ﷺ کی پیروی کے خلاف چلنے والا اگر ہوا میں بھی اُڑتا ہو تو اس کا یقین نہ کرنا چاہیے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تصنیف کی قدروقیمت کا اندازہ اس کے مصنف سے لگایا جاتا ہے۔جس کتاب کا مصنف اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ، عارف کامل، عالم ربانی حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری الجلابی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فقید المثال ہستی ہو، اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ہر زمانہ کے اہل علم اور ارباب طریقت وحقیقت نے اس کتاب کی عظمت اور افادیت کا اعتراف کیا ہے۔

آپ ایک بلند پایہ عالم، بالغ نظر محقق اور معقول ومنقول کے جامع تھے اور اس کے ساتھ آپ کا باطن نورِ عرفان سے جگمگا رہا تھا۔آپ نے اہم موضوعات پر متعدد کتب تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں:

❶ ـــــ دیوان (جو آپ کے اشعار کا مجموعہ تھا)

❷ ـــــ کتاب فنا وبقا

❸ ـــــ اسرار الخلق والمؤنات

❹ ـــــ کتاب البیان لاہل العیان

❺ ـــــ بحر القلوب

❻ ـــــ الرعایہ لحقوق اللہ

❼ ـــــ منہاج الدین

❽ ـــــ شرح کلام منصور الحلاج

آپ کی تاریخ وصال کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔پروفیسر نکلسن نے آپ کے وصال کے بارے میں لکھا ہے کہ 456 تا 465ھ کا کوئی درمیانی سال آپ کا سال وفات ہے، لیکن جامی لاہوری کا جو کتبہ پہلے آستانہ عالیہ کے دروازہ پر نصب تھا اس میں وفات کی تاریخ لفظ ''سردار'' سے نکالی گئی ہے۔اس طرح سال وصال 465ھ بمطابق 1073ء بنتا ہے۔(مقدمہ کشف المحجوب، ص39)۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت امام محمد غزالیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی محمد ہے اور آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی بھی محمد تھا۔آپ کی کنیت ابو حامد تھی غزالی آپ کے اسم مبارک کے ساتھ آبائی پیشے کے حوالے سے تھا۔غزالی کا مفہوم سوت کاتنے والا کا ہے اور آپ کے والد بزرگوار ریشہ (روئی، دھاگہ،سوت) فروش تھے اور اَن پڑھ تھے۔اس طرح آپ کا پورا اسم مبارک ابو حامد محمد بن محمد غزالی ہے۔

دنیا اور روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ نے دُنیا میں بھی نام کمایا اور جب درویشی یا روحانیت کی طرف پلٹے تو دُنیا کو ترک کر دیا اور ریاضات، مجاہدات میں بھی کمال کر دیا۔آپ تاریخ تصوف کے مجاہد ہیں۔آپ جس دور میں رہے، اس دور کے علماء و صلحاء میں ایسے رہے جیسے ستاروں میں چاند۔آپ کو جو روشن کامیابی عطا ہوئی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص فضل کے ساتھ آپ کی حرارت ایمانی، فصاحت و بلاغت، جدت اسلوب، قوت محبت، دین اسلام سے سچی لگن اور مضبوط، موثر کن استدلالی طاقت تھی۔آپ کو "حجۃ الاسلام" اسی لئے کہتے ہیں کہ آپ نے خداداد علم و دانش اور فکر و فلسفہ کے ذریعے اسلامی افکار و عقائد کا تحفظ فرمایا۔آپ اپنے زمانے کے اہل علوم وفنون میں ممتاز تھے اور ہر دلعزیز تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ خراسان کے ضلع طوس کے شہر طاہران میں 450 ہجری بمطابق 1058 عیسوی میں پیدا ہوئے، سنِ ہجری کے لحاظ سے آپ نے 55 سال کی عمر پائی۔505 ہجری بمطابق 1112ء میں آپ کا وصال ہوا۔یہ دور تھا آل سلجوق کے بادشاہ طغرل بک (1055ء سے 1063ء) کا اور اس کے بعد اس کا قابل ترین لختِ جگر سلطان الپ ارسلان 1063ء تا 1073ء تختِ حکومت پر فائز ہوا جو بہت بلند کردار، منصف مزاج اور بہادر تھا۔اس کے وزیر باتدبیر نظام الملک طوسی نے علم وفکر کی ترقی و اشاعت کے لیے تاریخ ساز کردار ادا کیا۔اور بہت سے عظیم مدارس کھولے۔اس نے زیر اثر علاقوں وممالک کے تمام شہروں میں مدارس اور دار العلوم قائم کئے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی رقمیں مقرر کیں۔(ابن اثیر، جلد 10، ص 72)

پھر اس کا بیٹا ملک شاہ 1073ء تا 1092ء حکمران بنا تو آلِ سلجوق کا ستارہ انتہائی بلندیوں پر تھا۔اس دور میں تعلیم و تربیت کی سہولت عام تھی۔لہذا ہر شعبہ حیات سے متعلق افراد اس دولت سے بہرہ ور ہوئے۔جیسا کہ شمس الائمہ حلوائی تھے۔امام ابو جعفر کفن دوز تھے۔علامہ قفال مروزی قفل ساز تھے۔اس دور میں اصل عزت کا باعث آدمی کا علم وفکر اور زہد وتقویٰ خیال کیا جاتا

تھا نہ کہ ذات پات اور پیشہ وغیرہ۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والد ماجد نے علم حاصل نہیں کیا تھا لہذا اُن کو یہ از حد شوق تھا کہ اُن کے نورِ نظر امام محمد غزالی (بڑے بیٹے) اور احمد غزالی (چھوٹے بیٹے) علم سے آراستہ ہوں۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت یہ کام اپنے دوست کے سپرد کیا اور اسے کچھ سرمایہ بھی دیا۔ جب وہ سرمایہ ختم ہو گیا تو اس دوست نے دونوں بھائیوں سے کہا کہ تمہارے باپ کی کمائی ختم ہو چکی لہذا کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرو۔ دونوں بھائیوں نے ان کی بات تسلیم کر لی۔ آپ نے فقہ کی کتابیں علامہ احمد بن محمد رافکانی سے پڑھیں۔ یہ علامہ صاحب آپ کے ہم شہر تھے۔ آپ اُن سے فارغ ہو کر جرجان میں ابونصر اسماعیل کے پاس پہنچے اور ان کی تقریرات کو قلم بند کیا۔

جب وطن واپس آئے تو راستے میں ڈاکوؤں نے آپ کا سامان لوٹ لیا جس میں استادِ گرامی کی ان تقریرات کا مجموعہ بھی تھا۔ آپ کو بہت صدمہ ہوا، اسے واپس لینے کے لئے آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا میں اپنے مال و اسباب میں سے صرف وہ کاغذی علمی مجموعہ طلب کرتا ہوں۔ ڈاکوؤں کا سردار یہ سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم نے خاک سیکھا، ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے ہو گئے۔ اس نے کاغذ واپس کر دیئے۔ آپ کے دل پر اس ڈاکو کے جملے نے بہت اثر کیا۔ چنانچہ وطن پہنچ کر انہوں نے سارا مجموعہ حفظ کر لیا۔ (الغزالی، ص 10) اس سے آپ کی قوتِ حافظہ بھی معلوم ہوتی ہے یا قوتِ حافظہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ بہت ذہین و فطین تھے۔ کوئی استاد آپ کی تسلی و تشفی نہیں کرا سکتا تھا۔ لہذا آپ نے مزید علم حاصل کرنے کے لئے نیشاپور کا راستہ اختیار کیا کیونکہ اس زمانے میں یوں تو تمام بلادِ اسلامیہ میں علم و فضل کے دریا جاری تھے مگر نیشاپور اور بغداد کا اپنا ہی مقام تھا۔ نیشاپور کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہاں بغداد سے بھی پہلے چوتھی صدی ہجری میں متعدد مدارس قائم ہو چکے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر نے وہاں مدرسہ بیہقیہ اور مدرسہ سعیدیہ قائم کیا۔ (حسن المحاضرہ، جلد 2، ص 151) ایک مدرسہ ابوسعد واعظ استر آبادی نے قائم کیا۔ ایک مدرسہ امام اسحاق کے لیے کسی رئیس نے بنوایا اور ایک مدرسہ اہل نیشاپور نے امام ابوبکر ابن فورک کے لیے تعمیر کیا۔ جس میں اس وقت کے مروجہ علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (ابن خلکان، جلد 3، ص 280) سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی نے مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ (طبقات الشافعیہ، جلد 3، ص 137)

آپ نے اسی مدرسہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ نے نظامیہ میں امام الحرمین حضرت شیخ عبد الملک ضیاء الدین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا یعنی اُن کے شاگرد ہوئے اور اُن سے سیکھا۔ امام الحرمین اس وقت عالمِ اسلام کے بہت بڑے عالم تھے اور عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے مقلد تھے۔ انہوں نے مدرسہ بیہقیہ نیشاپور اور بغداد کے جید ائمہ فن سے علم حاصل کیا۔ بعد ازاں آپ ارسلان کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے حرمین شریفین چلے گئے اور وہاں حلقہ درس قائم کیا۔ پھر نظام الملک کی عدل پروری اور بے تعصبی کی بدولت واپس نیشاپور آئے اور اس نے خاص آپ کے لیے مدرسہ نظامیہ کا آغاز کیا۔ امام الحرمین صرف مدرس نہیں

تھے، بلکہ خطیب، امام اور تمام بلاد اسلامیہ کے اوقاف کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ حضرت محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صحبت بابرکت سے نادر علمی خزانے حاصل کئے اور پھر اپنے کلام و تحریر و تقریر کے ذریعے تمام زمانے میں پھیلا دیئے۔

آپ نے جب امام الحرمین ضیاء الدین سے سند فراغت حاصل کی تو آپ کی علمی و فکری شہرت کا سورج خوب چمک رہا تھا۔ آپ مدرسہ نظامیہ سے اس شان و شوکت سے نکلے کہ تمام بلاد اسلامیہ میں آپ کا ثانی نہیں تھا۔ آپ کی عمر اس وقت 28 سال تھی ابتداً آپ کا مزاج جاہ پسند تھا۔ امام الحرمین کی صحبت میں آپ نے علماءِ کرام کی جو قدر و منزلت مشاہدہ کی تھی اس نے آپ کے اس ولولے کو اور بڑھا دیا۔ آپ فارغ ہو کر نظام الملک کے دربار میں پہنچے۔ نظام الملک نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور اپنے درباری علماء کے ساتھ آپ کے مباحثوں کا انتظام کیا۔ آپ ہر فن میں اس دور کے اہل کمال پر غالب آ گئے جس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ نظام الملک نے آپ کو مدرسہ نظامیہ پر فائز کر دیا۔ 34 سال کی عمر میں یہ شرف صرف آپ کو نصیب ہوا یہ وہ منصب تھا جس کے لیے علماءِ کرام دعائیں مانگا کرتے تھے۔

غرض آپ جمادی الاول 484ھ کو بغداد میں داخل ہوئے اور آپ کے علمی جاہ و جلال نے امراء و وزراء کو بھی نیچا دکھا دیا اس دور میں آل سلجوق اور آل عباس کا اقتدار تھا۔ آپ کو دونوں درباروں میں خاص الخاص مقام حاصل تھا۔ آپ نے اس دور میں ترکان خاتون کا فتنہ اپنے حسن تدبیر سے حل کیا جو ملک شاہ کی وفات کے بعد اپنے چار سالہ بیٹے محمود کو تاج شاہی کا وارث بنا رہی تھی اور سکہ اور خطبہ پر اصرار کر رہی تھی اور عباسی خلیفہ مقتدر باللہ اپنی حکومتی کمزوری کے باعث مجبور تھا۔ چنانچہ حضرت امام سفیر بن کر ترکان خاتون کے پاس گئے اور اسے راضی کر لیا کہ سکہ و خطبہ عباسی خلیفہ کے پاس ہی رہے گا۔ (ابن اثیر)

خلیفہ مستظہر باللہ کے عہد میں آپ نے فرقہ باطنیہ کا زور توڑا۔ اس کے ردّ میں آپ نے کتاب المستظہر رقم فرمائی اس زمانے میں شہر بغداد تمام مکاتب فکر کا مرکز تھا۔ وہاں بھانت بھانت کے لوگ اپنے عقائد و نظریات کے فروغ میں مصروف تھے۔ سنی، شیعہ، معتزلہ زندیق، ملحد، فلسفی، مجوسی، عیسائی سب پوری آزادی کے ساتھ دست و گریبان تھے۔ مناظروں اور مباحثوں کی فضا نے پورے بغداد کو قیامت آثار بنا دیا تھا۔ آپ نے تمام مکاتب فکر کے سرکردہ لوگوں سے ملاقات کی، پھر کیا ہوا آپ ہی کی زبانی سماعت فرمائیے:

> ''بیس برس سے لے کر اس سن پچاس تک یعنی کہ تیس (30) سال میں اس بحر عمیق میں دلیر آدمی کی طرح غوطہ زن ہوا۔ میں نے ہر اندھیری جگہ میں گھس کر دیکھا۔ ہر مشکل مسئلہ میں غور کیا، ہر بھنور میں داخل ہوا، ہر فرقہ کے عقیدے کی چھان بین کی۔ ہر گروہ کے مذہبی اسرار و رموز کو واشگاف انداز میں دیکھا تا کہ اہل حق اور اہل باطل میں فرق کر سکوں۔ اور اہل سنت اور اہل بدعت کو پہچان سکوں۔ میں نے کسی باطنی، ظاہری، فلسفی اور متکلم کو نہیں چھوڑا۔ جس کے ساتھ مباحثہ کی آخری حد تک نہ پہنچا اور نہ کوئی صوفی زاہد و عابد مجھ سے بچا جس کی عبادت کا مرجع و انجام میں نے معلوم نہ کیا اور نہ کسی زندیق و معطل کی بنا اور اصلیت کو جانے

بغیر چھوڑا۔

ایک روایت کے مطابق آپ ترک دنیا کا ارادہ رکھتے تھے مگر تعلقاتِ دنیا سے چھٹکارا مشکل نظر آرہا تھا۔ ایک دن وعظ فرمارہے تھے کہ آپ برادر اصغر حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار پڑھے:

واصبحت تھدی ولات تھتدی	وتسمع وعظاولا تسمع
فیاحجر الشعر حتی متٰی	تسن الحدیدولا تقطع

یعنی اے انسان تو دوسروں کو ہدایت دیتا ہے مگر خود ہدایت سے دور ہے۔ اے سنگ فسان تو کب تک لوہے کو تیز کرے گا مگر خود نہ کاٹے گا۔

ان عبرت انگیز اشعار نے آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اور علم وفلسفہ کا سورج اب عرفان وتصوف کی وادی میں بھی چمکنے لگا۔ آپ نے اس راستے پر چل کر مجاہدہ وریاضت کی انتہا کردی۔ آپ شام میں جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کرلیتے اور تمام رات دن مراقبہ اور ذکر وعبادت کیا کرتے۔ (ابن اثیر)

آپ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے تمام علوم کی تفتیش شروع کی تو خود کو ایسے علم سے خالی پایا جو علم یقینی کی صفات سے متصف ہو۔ میں اس انکشاف پر بہت کڑھا اور دو ماہ تک اسی حالت میں رہا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے مجھے اس حالت سے نکالا اور میں ضروریاتِ عقلیہ کو یقین کے ساتھ تسلیم کرنے لگا۔

اب میں جان گیا کہ صوفیاء کرام کا طریق علم وعمل سے پورا ہے اور اس میں پوری رہنمائی ہے۔ اب میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ میں حُبِ جاہ ودنیا اور علائق دنیاوی میں گرفتار ہوں۔ شہوات ولذات دنیاوی مجھے دوزخ کی طرف لے جارہی ہیں۔ عمر تھوڑی رہ گئی ہے، سفر طویل ہے۔ پھر اپنے آپ سے سوال کیا اب اگر آخرت کے لئے تیار نہ ہوئے تو کب ہوگے؟ اسی کشمکش میں چھ ماہ گزر گئے۔

میں نے خلوص وصدق دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا کی۔ قادر مطلق رحمٰن ورحیم رب نے میری دعا سن لی اور جاہ و مال، شان وشوکت، رتبہ وعزت اور اولاد عزیز واقارب سے دوری آسان کردی۔ میں نے ارباب اختیار میں یہ ظاہر کیا کہ میں مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہوں اور اپنے آپ کو ملک شام کے سفر کے لئے تیار کرلیا۔ یہ احتیاط اس لئے تھی کہ خلیفہ اور دیگر اصحاب میرے شام کے قیام سے باخبر نہ ہوجائیں اور مجھے مکمل تنہائی نصیب رہے۔ ضرورت کے مطابق مال اہل وعیال کے لئے چھوڑا۔ باقی اللہ کی راہ میں دے ڈالا اور شہر بغداد کو چھوڑ کر ملک شام چلا گیا۔

وہاں دمشق میں دو سال گوشہ نشینی، خلوت گزینی، ریاضات ومجاہدات، ذکر الٰہی، تزکیہ نفس، تہذیب اخلاق میں گزارے جیسا میں نے علم تصوف سے سیکھا تھا میں جامع مسجد دمشق کے مینارے میں چڑھ کر اندر سے دروازہ بند کرلیا کرتا اور عبادت، ریاضت، مجاہدات میں مشغول رہتا۔

اس کے بعد میں بیت المقدس میں چلا گیا۔ پھر حج کی چاہت اور یہ طلب و تحریک ہوئی کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کے بعد پیغمبر اول و آخر واعظم، رہبر کائنات اصل الموجودات، حضور انور حبیب اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ میں نے حجاز کا سفر کیا، پھر بعض امور اور بال بچوں کے اصرار نے وطن واپس بلا لیا۔ لیکن میں خلقت کے لائق نہیں رہا تھا۔ علائق دنیا مجھے اپنی طرف کھینچتے رہے لیکن میں صفائی قلب اور جمعیت خاطر سے مایوس نہ ہوا۔ اسی حالت میں دس برس گزر گئے۔ ان خلوتوں سے مجھے بے شمار اسرار ملے۔ اور یہ یقین بھی واثق ہو گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے صوفیاء کرام ہی ہیں۔ انہی کی سیرت سب سے اعلیٰ اور انہی کا طریقہ سب سے درست ہے۔ ان کی ظاہری باطنی حرکات و سکنات مشعل نور، نور نبوت سے منور ہیں۔ (المنقذ من الضلال)

آپ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا جو دنیاوی علائق سے بے اعتنائی کا آئینہ دار ہے:

- —— کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔
- —— کسی بادشاہ سے کوئی عطیہ قبول نہ کروں گا۔
- —— کسی سے مناظرہ اور مباحثہ نہ کروں گا۔ اور ان باتوں پر تا دم وصال کاربند رہے۔ ایک مرتبہ دربار خلافت سے بڑے زوروں کا بلاوا آیا مگر آپ نے شانِ استغنا کا کمال مظاہرہ فرمایا، جواب دیا:

> میں نے مقامِ خلیل علیہ السلام میں عہد کیا تھا کہ مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے سوا دربار خلافت میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہونا ہوگا۔ اور میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑھ کر میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا۔

اگرچہ آپ کا زیادہ وقت نشر و اشاعت، لکھنے پڑھنے اور جہد و عبادت میں صرف ہوتا مگر تدریس و تعلیم سے قطعی غافل نہ ہوئے۔ خوش نصیب لوگ آپ سے ہمیشہ علمی استفادہ کرتے رہے۔

بیت المقدس میں پہنچے تو صحرا کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ آپ دس برس تک مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے رہے۔ ویرانوں میں گھومتے رہے، چلّے کاٹتے رہے۔

تصانیف کے لحاظ سے آپ کا مقام بہت بلند اور محنت و معیار نہایت حیرت انگیز ہے۔ آپ نے کل 54، 55 سال کی عمر پائی۔ تقریباً 20 سال کی عمر میں تصنیف کا مشغلہ شروع فرمایا۔ دس گیارہ برس صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں گزارے۔ لکھنے پڑھنے، درس و تدریس کا مشغلہ ہمیشہ قائم رہا۔ آپ نے فقہ، اصول فقہ، فلسفہ، کلام، منطق، تصوف اور اخلاقیات پر سو سے زائد کتابیں لکھیں جن کے کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ فرانس کے بڑے کتب خانے میں آپ کی کتاب ''احیاء العلوم'' کے عبرانی اور فرانسیسی تراجم موجود ہیں۔

آپ کے قلم کی تاثیر بہت دیدنی ہے۔مثلاً احیاءالعلوم کا مطالعہ کرنے والا آدمی مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ہر لفظ میں کیف و محبت کے جہاں آباد ہیں ۔اس میں مجادلات و مناظرات کی بجائے روحانیات کا غلبہ ہے۔آپ کی ان عادات و کمالات اور خدماتِ اسلام کی بنا پر انہیں اپنی صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے۔

آپ کی کتابوں میں معقولات و منقولات کے ذخیرے موجود ہیں ۔ایک کتاب ''احیاءالعلوم'' کے بارے میں علماءِ کرام نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے ۔محدث زین عراقی کا قول ہے کہ ''احیاءالعلوم'' اسلام کی اعلیٰ ترین تصانیف میں سے ہے۔ عبدالغافر فارسی نے کہا کہ ''احیاءالعلوم'' کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی ۔شیخ ابومحمد کازرونی کا بیان ہے کہ اگر تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو ''احیاءالعلوم'' سے میں تمام علوم کو زندہ کر دوں گا ۔مشہور صوفی شیخ عبداللہ عیدروس کو یہ کتاب قریب قریب پوری حفظ تھی ۔(الغزالی بحوالہ تعریف الاحیاء، ص 37)

حضرت امام کے نزدیک علم سیکھنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے لیکن کون سا علم فرض ہے؟ فرماتے ہیں: ''قرآن میں جس علم کو فقہ، علم، روشنی، نور، ہدایت اور راہ یابی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ علم ہے ۔جس سے خداشناسی اور یادِ آخرت تازہ ہوتی رہے۔'' (احیاء العلوم، ص 7)

حضرت امام کا شماران برگزیدہ افراد میں ہوتا ہے۔جو بارگاہِ نبوت کے گہرے تعلق و نسبت سے شرف یاب ہوئے۔آپ حضور پُرنور رحمت دو عالم ﷺ کی نگاہِ رحمت کے کس قدر پروردہ تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے ،کہتے ہیں: ''معراج کے دوران حضور ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ۔انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! آپ کی حدیث: **العلماء اُمّتی کـانبیـاء بنی اسرائیل** ۔کا کیا مفہوم ہے؟ حضور ﷺ نے امام غزالی کی روح کو طلب فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرف گفتگو کا موقع عطا کیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ امام غزالی نے عرض کیا: ابوحامد محمد بن محمد غزالی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے صرف نام پوچھا ہے ۔تم نے کنیت، ولدیت وغیرہ سب کچھ بتا دیا۔آپ نے عرض کی: حضور جب آپ سے رب نے فرمایا تھا کہ موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، آپ بتا دیتے ۔''عصا'' جب کہ آپ نے عصا کے اوصاف و کمالات بھی بیان فرمائے ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تو اپنے رب کے ساتھ شرف کلام کو طول دینا چاہتا تھا۔

آپ نے عرض کی :حضور! میں بھی رب کے کلیم و حبیب علیہم السلام کی بارگاہ میں شرف کلام کو طول دینا چاہتا ہوں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توقف فرمایا ۔جبکہ حضور اکرم ﷺ نے عصا مبارک سے امام غزالی کے سینے پر ٹھوکر لگائی اور فرمایا: خاموش! یہ بارگاہِ نبوت ہے ۔کہتے ہیں کہ امام غزالی پیدا ہوئے تو اُن کے سینے پر اس ٹھوکر کا نشان موجود تھا۔

اسی طرح کسی بزرگ نے حضور پُرنور سرورِ دو عالم ﷺ سے عالم خواب میں پوچھا کہ حضور ﷺ! امام غزالی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: وہ ایسا شخص ہے، جس نے اپنی منزل مقصود کو پالیا ۔(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت)

عارف شاذلی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ وہ موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر امام غزالی کی وجہ

سے فخر فرمارہے تھے اور فرمارہے تھے کہ کیا تمہاری امت میں بھی کوئی ایسا آدمی ہے۔دونوں حضرات نے عرض کی نہیں۔روض الریاحین،ص210)

آپ نے 499ھ کو نظام الملک طوسی کے بیٹے فخر الملک سلطان سنجر کے وزیر اعظم کی منت وسماجت کی وجہ سے مدرسہ نظامیہ،نیشاپور میں درس وتدریس کا ایک بار پھر آغاز فرمایا۔لیکن 500ھ میں فخر الملک کی شہادت کے بعد آپ نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔طوس تشریف لاکر ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔جہاں سفر وصال تک ظاہری وباطنی دونوں علموں کی تلقین کرتے رہے۔(شرح احیاء العلوم،ص9،الغزالی،ص24)

آپ آخری ایام میں بالکل عابد مرتاض (عبادات،ریاضات،مجاہدات میں بہت مشقت اُٹھانے والے)بن گئے تھے،اور شب وروز مجاہدوں اور ریاضتوں میں بسر کرتے تھے۔تاہم تحقیق وتالیف کا مشغلہ ترک نہ فرمایا۔آپ نے اصول فقہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ''مستصفیٰ'' 504ھ میں تصنیف فرمائی۔آپ کا انتقال 505ہجری بمطابق 1112ء میں ہوا۔آپ کے وصال کا واقعہ آپ کے برادر اصغر جناب احمد غزالی کی زبانی سنیے،وہ فرماتے ہیں:

پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اُٹھے۔وضو کرکے نماز پڑھی۔پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگایا اور کہا آقا کا حکم سر آنکھوں پر یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔(الغزالی،ص30 بحوالہ شرح احیاء العلوم،ص19)**اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

آپ کے وصال کا تمام عالم اسلام کو گہرا صدمہ ہوا۔اکثر شعراء نے مرثیے لکھے۔ایک شاعر کہتا ہے''حجۃ الاسلام پر آنسو بہا کہ تمام اہل حیات میں عظیم القدر اور اشرف تھے۔آپ کا مزار اقدس طاہران میں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

- ـــــ صحیح معرفت یہ ہے کہ دنیا وآخرت دونوں کو چھوڑ دے اور صرف مولا کریم کے لیے الگ ہوجائے۔شراب محبت سے بے ہوش اور رویت باری تعالیٰ تک ہوش میں آئے۔یہ رب تعالیٰ کی جانب سے نور ہے۔
- ـــــ حضرت آدم علیہ السلام کا فعل گناہ نہیں تھا،اس لیے کہ انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔
- ـــــ میرے بھائیو!اگر تم ابلیس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو مولا کریم کے ساتھ لگ جاؤ اور اسی کی ہی پناہ طلب کرو۔
- ـــــ اے بھائی،سوچ!اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں کس بدن کے ساتھ کھڑے ہوگے۔کس زبان سے بات کروگے۔ہر بات کی پرسش ہوگی۔ہر سوال کے جواب کے لیے تیار رہو۔اور جواب صحیح تیار کرو۔اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔
- ـــــ غفلت افسوس کا ہاتھ ہے غفلت نعمت کو زائل کرنے والی ہے۔عبادت میں رکاوٹ ہے۔غفلت حسد کو بڑھاتی ہے۔غفلت ملامت اور شرمندگی پیدا کرتی ہے۔
- ـــــ عقلمند آدمی کا کام ہے کہ وہ فاقہ کرکے نفسانی خواہشات کو کاٹ دے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان پر فاقہ ایک

قہر ہے۔

- ـــــ شہوات اور خورونوش شیطان کے ہتھیار ہیں۔
- ـــــ اے انسان! یاد رکھ نفس تجھے بُرائی کا حکم دیتا ہے۔ یہ ابلیس سے زیادہ بُرا دشمن ہے۔
- ـــــ جس چیز سے دھوکہ ہوتا ہے۔ اگر تو نے اسے پسند کرلیا تو وہ تجھے جہنم میں لے جائے گی۔
- ـــــ طلب آخرت میں بندے کا غور وفکر اس کے دل کو صاف کر دیتا ہے۔
- ـــــ صبر کی چار اقسام ہیں۔ عبادت پر صبر کرنا۔ حرام سے پرہیز پر صبر کرنا۔ آفت پر صبر کرنا۔ پہلے صدمے پر صبر کرنا۔
- ـــــ آدمی اگر فقیر ہے۔ تو اس پر لازم ہے قناعت کرے۔
- ـــــ ساری بھلائی کا مرکز اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔
- ـــــ جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد میں مدد مانگنا جائز ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عبدالقادر ہے اور آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کے القاب و معزز خطابات بہت ہیں مثلاً محبوبِ سبحانی، قطب ربانی، غوثِ صمدانی، شیخ کامل، مرشدِ دوراں، رہنمائے عارفاں فخر زاہداں، سردار عابداں، محی الدین، پیرانِ پیر، دستگیر، ظلِ رحمۃ اللعالمین، غوث الثقلین وغیرہ۔ آپ کے والد ماجد پورا نام مع لقب سید ابو صالح موسیٰ (جنگی دوست) بن عبداللہ تھا۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مبارک فاطمہ المعروف امّ الخیر بنت عبداللہ صومعی تھا۔ والد ماجد کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلہ نسب حضرت امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ یعنی کہ آپ نجیب الطرفین حسنی حسینی سید ہیں۔ یعنی کہ آپ کا سلسلہ نسب بارہ پشتوں بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔

آپ روحانیت میں دینی اور دنیاوی علوم یا ظاہری اور باطنی علوم و درجات میں تمام اولین و آخرین اولیاء اللہ میں کامل ترین اور اعلیٰ ترین ہیں۔ آپ سب اولیاء اللہ و صلحاء کے شیخ ہیں، سردار ہیں، امام ہیں۔ آپ کا مقام سب سے بلند ہے اور تمام اولیاء اللہ آپ کے زیر پا ہیں۔ اور یہ اعلیٰ ترین مقاماتِ یہ سرداری آپ کو اپنے حبیب رسول کریم، حضور پرنور، رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اللہ تبارک و تعالیٰ، خالق و مالک کائنات، قادر مطلق نے خصوصی طور پر عنایت کئے ہیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے آپ کو ہر طرح کے علم، حکمت، دانش، ہمت و قوت، فصاحت و بلاغت وغیرہم سے وافر نوازا ہے۔ انسانوں اور جنوں پر آپ کو روحانی حکومت دی ہے۔ آپ کے کشف و کرامات بے شمار ہیں۔ ریاضات مجاہدات و عبادات میں بھی آپ نے ایک طویل عمر گزاری ہے ایک عرصہ طویل تک آپ تنہا کچھ کھائے پیئے بغیر جنگلوں میں رہے ہیں۔ صدق و خلوص، غریب پروری اور ہر کسی کی عزت نفس کا خیال رکھنا آپ کو گھٹی میں ملا تھا۔ سخاوت و فیاضی، رحمت و کرم نوازی، عفو و درگزر و اخلاق حسنہ میں آپ بے مثال تھے۔ آپ کی نگاہِ کرم اس کمال کی ہے کہ آپ نے صرف ایک نظر کرم سے حضرت عمر شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے سے علم کلام کو محو کر دیا اور اُن کے سینے کو علم و معرفت، علم لدنی سے بھر دیا۔ آپ کی کرم نوازیوں کی انتہا ہے کہ چور کو ایک لمحے میں ابدال بنا دیتے ہیں۔ لمحوں میں یکسر دنیا بدل دیتے ہیں۔ آپ میں ہمدردی، شفقت، صبر و استقلال، عزم و ہمت، عاجزی و تواضع کی صفات حمیدہ قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔

آپ ضعیفوں اور غریبوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا پسند کرتے اور ان پر بے انتہا مہر و محبت فرماتے۔ بزرگوں اور چھوٹوں کی بہت عزت و پیار کرتے۔ کسی کی تکلیف و مصیبت کا سن کر آپ آبدیدہ ہوجاتے۔ مسکینوں، ناتوانوں اور فقیروں سے تواضع و انکساری سے پیش آتے۔ آپ کی زبان شستہ و شگفتہ اور الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے۔ آپ ہنس مکھ، خوش طبع اور خوش اخلاق تھے۔ آپ کا ظاہر شرع محمدی کے آداب سے آراستہ تھا اور آپ کا باطن حقیقتِ الٰہی کے نور سے روشن تھا۔ آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں اور آپ کے خطبات، ارشادات و تقاریر بھی محفوظ ہیں۔ آپ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے اور عربی زبان میں آپ کے قصیدوں کو عالم اسلام میں بڑی شہرت و مقبولیت ہے۔ آپ نرم گفتار، کم گو اور اہل علم میں ممتاز تھے۔ آپ کے کلام میں تیزی، بلندی اور وہ اثر تھا کہ دل میں خوف خدا کے ساتھ ساتھ عجیب لذت اور راہ اللہ کے لئے کشش و خواہش پیدا کرتا تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک یکم رمضان 470ھ بمطابق 17 مارچ 1078 عیسوی، بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 90 سال 7 ماہ اور 7 دن کی عمر پائی۔ آپ کا وصال 11 ربیع الاول سن 561 ہجری کو ہوا۔ آپ نے آداب طریقت و صوفیت اور تعلیم و سلوک حضرت محمد بن مسلم الدّباس رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور آپ کے مرشد پاک کا اسم مبارک حضرت قاضی ابوسعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور شیخ ابوسعید سامی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ عظام سے خرقہ ارادت و خلافت حاصل ہوئی۔ آپ کی روحانی نسبت براہِ راست پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی دو جہاں، رہبر کائنات، اصل الموجودات، حاصل کائنات، حضور پرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے ہے۔ اور ایک جہان آپ کا ارادت مند، مرید و عقیدت مند ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کا آبائی وطن مبارک گیل ہے جسے گیلان بھی کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ اسی کو جیل اور جیلان بھی کہتے ہیں۔ یہ طبرستان کے پاس ایک علاقہ ہے جو ملک عجم میں واقع ہے۔ اسی علاقہ میں نیف نام کے ایک قصبہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ علاقہ بغداد مقدس سے سات میل کی دوری پر ہے۔ بغداد مقدس اور مدائن کے قریب بھی جیل یا گیل نام کے دو قصبے پائے جاتے ہیں لیکن ان دونوں قصبوں کو حضرت غوث اعظم کا مولد باور کرنا درست نہیں کیونکہ یہ ملک عراق سے متعلق ہیں اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عجمی ہونا ثابت ہے۔

قارئین کرام! مجھے (اس کتاب کے مصنف کو) آپ کی گیلان میں بستی سے بغداد کا فاصلہ 7 میل صحیح نہیں لگتا۔ ممکن ہے یہ فاصلہ 7 میل کے بجائے 70 میل یعنی کہ 112 کلومیٹر ہو۔ 7 میل یا 11 کلومیٹر کے لئے قافلہ کی شکل میں جانا مناسب نہیں لگ رہا ہے۔ ابھی آپ ایک دو صفحے بعد پڑھیں گے کہ جب آپ کی عمر 18 سال تھی تو آپ حصولِ علم کے لئے ایک قافلہ کے ساتھ بغداد کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی لئے آپ کی بستی اور علاقے کی تھوڑی سی اور تفصیل لکھ دی ہے۔

شمالی فارس میں بحیرہ خزر ''کی سپین'' کے جنوبی ساحل پر گیلان نام کا ایک زرخیز صوبہ ہے اسی صوبے کی ایک بستی میں

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ﷺ پیدا ہوئے۔

حضرت ''سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست'' رحمۃ اللہ علیہ آپ کے والد ماجد ہیں۔''جنگی دوست'' لقب ہونے کی وجہ ''قلائد الجواہر'' میں یہ بتائی گئی ہے کہ آپ جنگ کو دوست رکھتے تھے۔ریاض الحیات میں اس لقب کی تشریح یہ بتائی گئی ہے کہ آپ اپنے نفس سے ہمیشہ جہاد فرماتے تھے اور نفس کشی کو تزکیۂ نفس کا مدار سمجھتے تھے۔چنانچہ اس مجاہدۂ نفس میں مکمل ایک سال تک قطعی کھانا پینا ترک فرما دیا تھا۔ایک سال گزر جانے کے بعد جب ذرا خواہش محسوس ہوئی تو ایک شخص نے عمدہ غذا اور ٹھنڈا پانی لا کر پیش کیا آپ نے اس ہدیہ کو قبول فرمالیا لیکن معاً فقراء کو بلا کر انہیں تقسیم کر دیا اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تیرے اندر ابھی غذا کی خواہش پائی جاتی ہے؟ تیرے واسطے تو نانِ جو اور گرم پانی بھی بہت ہے۔

جہاں ایک طرف سرکار غوث اعظم ﷺ کے والد بزرگوار خاصانِ خدا میں سے تھے وہیں آپ کی والدہ ماجدہ وقت کی انتہائی پاک سیرت خاتون اور تقویٰ وطہارت کی بے نظیر مجسمہ تھیں جن کا نام فاطمہ اور کنیت اُمّ الخیر تھی، یہ نام ہی اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ آپ تمام اقسام خیر کی مکمل تفسیر تھیں اور بھلا کیوں کر نہ ہوتیں جبکہ انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے زاہد وقت سے فضائل ومحاسن اور فیوض وبرکات کی گراں مایہ دولت کے حصول میں پورے حوصلہ سے کام لیا تھا جو ایک طرف اگر رئیسان جیلان میں شمار کئے جاتے تھے تو دوسری جانب ان کے علم وفضل زہد وتقویٰ فیض ظاہری وباطنی کی جیلان کے ہر نگر اور ہر شہر میں دھوم مچی تھی۔

ماہِ رمضان کی پہلی شب 470ھ یا 471ھ میں آپ کی ولادت بمقام جیلان ہوئی۔آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ جب میرا لڑکا عبدالقادر متولد ہوا تو بہ پاس احترام پورے رمضان میں دن بھر کبھی میرے دودھ کو منہ نہیں لگایا۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مطلع ابر آلود تھا اور چاند نظر نہیں آسکا تھا لوگوں نے مجھ سے صورت حال دریافت کی تو میں نے کہا آج میرے لڑکے عبدالقادر نے دودھ نہیں پیا ہے۔بعد میں معلوم ہوا کہ اس روز رمضان المبارک کی پہلی تاریخ تھی۔(ایضاً،ص 63)

آپ اپنے لڑکپن کے زمانے سے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں کہ عمر کے ابتدائی دور میں جب کبھی میں لڑکوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا تو غیب سے آواز آتی تھی کہ لہو ولعب سے باز رہو۔جسے سن کر میں رُک جایا کرتا تھا اور اپنے گرد وپیش جو نظر ڈالتا تو مجھے کوئی آواز دینے والا نہ دکھائی دیتا تھا جس سے مجھے وحشت سی معلوم ہوتی اور میں جلدی سے بھاگتا ہوا گھر آتا اور والدہ محترمہ کی آغوش محبت میں چھپ جاتا تھا۔اب وہی آواز میں اپنی تنہائیوں میں سنا کرتا ہوں اگر کبھی مجھے نیند آتی ہے تو وہ آواز فوراً میرے کانوں میں آکر مجھے متنبہ کر دیتی ہے کہ تم کو اس لئے نہیں پیدا کیا ہے، کہ تم سویا کرو۔

مشہور روایت ہے کہ جب حضرت سرکار غوث اعظم ﷺ کی عمر شریف چار سال ہوئی تو رسم ورواج اسلامی کے مطابق والد محترم سیدنا شیخ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ آپ کو رسم بسم اللہ خوانی کی ادائیگی اور مکتب میں داخل کرنے کی غرض سے لے گئے اور استاد کے سامنے آپ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔استاد نے کہا پڑھو بیٹے ! بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ط آپ نے بسم اللہ شریف پڑھنے

کے ساتھ ساتھ الٓـم سے لے کر مکمل اٹھارہ پارے زبانی پڑھ ڈالے۔اُستاد نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا کہ یہ تم نے کب پڑھا اور کیسے یاد کیا؟ فرمایا کہ والدہ ماجدہ اٹھارہ پاروں کی حافظہ ہیں جن کا وہ اکثر ورد کیا کرتی تھیں جب میں شکم مادر میں تھا تو یہ اٹھارہ سپارے سنتے سنتے مجھے یاد ہو گئے تھے۔

آپ نے اپنے وطن جیلان ہی میں باضابطہ طور پر قرآن حکیم ختم کیا اور چند دوسری دینی کتابیں بھی پڑھ ڈالیں۔والد گرامی حضرت شیخ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کا سایہ کرم اُٹھ جانے کے بعد آپ ﷺ کو اپنی زمین اور گھر کے دوسرے امور کو سنبھالنا پڑا اور بڑی دلجمعی کے ساتھ آپ زمین کی کاشتکاری و دیگر گھریلو کاروبار کو انجام دیتے رہے اور ان امور سے فارغ ہو کر جو وقت ملتا تھا اسے والدہ محترمہ کی خدمت میں صرف کیا کرتے تھے۔

زندگی کے اسی لیل و نہار میں ایک مرتبہ آپ ۹رذی الحجہ یوم عرفہ کو ہل بیل ساتھ لئے ہوئے اپنی زمین پر کام کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے ایک صدائے غیبی سنی اور وہ یہ تھی: **یَاعَبْدُالْقَادِرِ مَالِھٰذَاخُلِقْتَ** اے عبدالقادر! تو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔

عالم قدس کا یہ پیغام سن کر آپ اسی وقت گھر لوٹ آئے اور بغرض حصولِ یکسوئی و یکتائی سیدھے مکان کی چھت پر چلے گئے۔خدائے قادر مطلق نے اس وقت آپ کی نظروں کے سامنے سے حجابات اُٹھا دیئے اور آپ نے اسی جگہ سے میدانِ عرفات اور حاجیوں کے روح پرور اجتماع کا اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔

اب آپ نے والدہ محترمہ کی خدمت عالیہ میں واقعات کی نوعیت بیان کی اور درخواست پیش کی کہ میں دین الٰہی کی خدمت کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے علم دین کا حصول لازمی اور ضروری ہے اور ان دنوں علوم دینیہ کا مرکز بغداد کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں۔لہٰذا سفر کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

جب آپ کی عمر مبارک 18 سال تھی تو آپ حصولِ علم کے لئے ایک قافلہ کے ساتھ 488 ہجری میں عازم بغداد ہوئے اس پہلے سفر میں آپ کے سچ کی وجہ سے ساٹھ (60) ڈاکو بمع اپنے سردار کے آپ کے دست حق پرست پر تائب ہوئے اور آپ کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے۔تائید و رہنمائی خداوندی کے تحت بغداد مقدس میں پہنچ کر آپ حضرت حماد بن مسلم کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔اس زمانہ میں بغداد مقدس عالم اسلام کا مرکز، خلیفۃ المسلمین کا مستقر اور صاحبانِ فضل وکمال اور اصحاب علم و حال کی آماجگاہ تھا۔

حضرت شیخ حماد بن مسلمؒ جیسے آپ ہی کے منتظر تھے، بڑھ کر فوراً ہی آپ کا خیر مقدم کیا اور محبت و رحمت کے ملے جلے انداز میں معانقہ کیا۔نیز خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا: فرزند عبدالقادر فقر و تصوف کا خزانہ آج میرے پاس ہے کل یہ دولت گراں مایہ تمہارے ہاتھوں میں سونپی جائے گی۔ذرا احتیاط سے اسے خرچ کرنا اور اے سرزمین عراق تیرے اوپر ایک مقدس ہستی کا آنا مبارک ہو اب تجھ پر رحمت کی بدلیاں سایہ فگن ہوں گی اور علم و عرفان کی گھٹا بن کر برسیں گی جس سے ساری دنیا کے قلوب و

ارواح ہمیشہ کے لئے سرسبز وشاداب ہو جائیں گی۔ اب تیری سرزمین سے نفس وشیطان کی قہرمانی طاقتوں کا تختہ اُلٹ جائے گا اور ہزاروں جاہ وجلال عظمت ووقار کے ساتھ دین کی رحمت وکرم کا تخت بچھے گا۔ مرحبا مرحبا اے سعید وصالح فرزند مرحبا۔

حضرت شیخ حماد بن مسلم رضی اللہ عنہ کو یہ ساری کیفیتیں بذریعہ کشف پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔ اسی لئے حضرت عبدالقادر جیلانی سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اوپر آپ رضی اللہ عنہ نے خصوصی توجہ وعنایت مبذول کی۔

چنانچہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے، حضرت شیخ حماد بن مسلم رضی اللہ عنہ ہی سے قرآن مجید فرقانِ حمید حفظ کیا اور برسوں خدمت حمادیہ میں رہ کر آپ فیوض وبرکات حاصل فرماتے رہے۔

پھر وقت کے جلیل القدر علماء کرام سے پوری تحقیق وتدقیق کے ساتھ علم وفن سے اپنا دامن بھرلیا۔ آپ کے چند مشہور اساتذہ کرام کے نام درج ذیل ہیں:

★ حضرت شیخ حماد بن مسلم	★ ابوالخطاب محفوظ بن احمد الکلوذانی	★ ابوالوفا علی بن عقیل
★ ابوالحسین محمد بن القاضی ابی یعلیٰ	★ محمد بن الحسن الباقلانی	★ ابوغالب
★ ابوالغنائم بن میمون ابوالقاسم الکرخی	★ ابوعثمان الاصفہانی	★ ابوالعزالہاشمی
★ ابوسعد محمد بن عبدالکریم	★ ابوالبرکات ہبۃ اللہ	★ ابوالمنصور بن ابی غالب
★ حضرت قاضی ابوسعید مبارک بن علی المحزمی	★ ابوالبرکات العاقولی اور	★ ابوذکریا التبریزی

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

(بعض روایات میں علی المحزمی کی جگہ المحزومی اور ابوسعید کی جگہ ابوسعد ہے۔)

سن 521 ہجری کے ایک دن آپ دوپہر کے وقت کھانا کھانے کے بعد مسجد ہی کے ایک کمرہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ عالم خواب میں جدامجد پیغمبر اول وآخر واعظم سرکار دو عالم رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زیارت سے مالامال ہوئے۔ سرکار دو عالم پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عبدالقادر! تم لوگوں کو وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے بصد ادب واحترام عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں عجمی ہوں۔ فصحائے عرب کے سامنے کیوں کر لب کشائی کروں۔ مدینۃ العلم مختار کل ﷺ نے فرمایا: "اچھا ذرا اپنا منہ تو کھولو۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے تعمیل نبوی میں اپنا منہ کھول دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سات مرتبہ آپ کے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا اُٹھو قوم کو وعظ ونصیحت کرو اور لوگوں کو دین الٰہی کی طرف بلاؤ۔ انتہائی خوشی کے عالم میں بیدار ہوئے اور کیف وسرور میں ڈوبے ہوئے آپ نے اسی مسجد میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ فراغت نماز کے بعد خود بخود لوگوں کی ایک بڑی جماعت خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئی۔ آپ نے بے خوف وخطر مجاہدانہ انداز میں انہیں وعظ ونصیحت فرمائی۔

اسی طرح 521 ہجری کی ایک رات کو باب العلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی بھی حالت خواب میں زیارت کی باب العلم رضی اللہ عنہ نے بھی وہی سوال فرمایا جو سرکار رسالت مآب ﷺ نے دریافت فرمایا تھا۔ آپ نے پوری کیفیت بیان فرمائی۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا: اچھا منہ کھولو، آپ نے تعمیل کی اور اپنا منہ کھول دیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے منہ میں چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن ڈالا۔ آپ نے ادب کے ساتھ فرمایا یہ چھ مرتبہ کس مصلحت سے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "احترامِ نبوت کے پیشِ نظر تعداد میں ایک مرتبہ کم۔

اس کے بعد تو قلبِ غوثیت مآب میں وہ انشراح ہوا کہ رُشد و ہدایت کی تاریخ میں ایک عظیم الشان باب کا اضافہ ہوگیا۔ پہلی مرتبہ جس وقت سرکار جیلانی رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو گو کہ چند ہی کلمات طیبات ارشاد فرمائے تھے لیکن سننے والوں کا عجیب حال تھا، وجد و حال سے لوگ بیتاب ہوئے جا رہے تھے۔

پھر آپ نے باقاعدہ منبر رسول ﷺ پر وعظ و تلقین اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کی نظر تمام علوم پر تھی، آپ کی دسترس میں تمام علوم تھے اور ہر علم سے متعلق آپ کلام فرماتے تھے۔ وعظ کے دوران آپ فرمایا کرتے تھے "اے اہل آسمان و زمین آؤ اور میری بات دھیان سے سنو اور مجھ سے کچھ سبق لو میں اس روئے زمین پر حضور پُرنور خاتم النبیین ﷺ کا وارث ہوں۔ آؤ کہ میری مجلس وہ مجلس ہے جہاں خلعتیں بخشی جاتی ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ میرے قلب پر اپنی تجلی کا پَرتو ڈالتا ہے۔ آپ کی مجلس وعظ میں ستر ستر ہزار کی تعداد میں سامعین شریک ہوتے تھے اور چار چار سو اشخاص آپ کا کلام نقل کرتے جاتے تھے۔ جب مجلس اختتام کو پہنچتی تو شدت تاثر اور وجد و ذوق کے عالم میں دو تین اشخاص جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے۔ آپ کا کلام حقائق و معارف سے لبریز ہوتا تھا۔ (سفینۃ الاولیاء، ص 64)

شیخ ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی مجلسِ وعظ میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور ﷺ، انبیاء کرام علیہم السلام اور جن و ملائکہ کو قطار در قطار اور صف بہ صف مشاہدہ کیا ہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا لقب محی الدین ہے۔ اس لقب سے نوازے جانے کا سبب آپ نے خود بیان فرمایا ہے کہ میں کسی سفر سے بغداد پہنچا، اثنائے راہ میں، میں نے ایک نحیف الجثہ بیمار کو دیکھا جس کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ اس مریض نے مجھے دیکھتے ہی کہا السلام علیک یا عبدالقادر! میں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا آپ میرے پاس تشریف لائیں، میں اس مریض کے قریب پہنچا تو اس نے کہا مجھے بٹھایئے، میں نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ بیٹھتے ہی اس کے جسم میں تر و تازگی آگئی اور تندرستی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کا رنگ بھی نکھر گیا، یہ دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہوگیا۔ اس نے کہا اے عبدالقادر! آپ مجھے شناخت کرتے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا نہیں۔ اس نے کہا میں آپ کے جد امجد کا دین ہوں، میں کمزور اور دُبلا ہو گیا تھا جیسا کہ خود آپ نے بھی مشاہدہ فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے پھر زندگی عطا فرمائی ہے۔ آپ محی الدین ہیں۔ میں اس سے جدا ہو کر جامع مسجد پہنچا۔ ایک شخص نے میرے جوتے میرے پاس سیدھے کر کے رکھے اور کہا اے محی الدین! اس کے بعد جب میں نماز سے فارغ ہوا لوگ چاروں طرف سے جوق در جوق جمع ہونے لگے وہ میری قدم بوسی کرتے اور کہتے تھے:

اے محی الدین! آپ کا لقب آسمانوں پر باز اشہب (بہت ہی خوبصورت رنگ کا طاقتور بلند اُڑان والا باز) ہے جس کی جانب آپ نے قصیدہ میں اشارہ کیا ہے۔(سفینۃ الاولیاء، ص 61)

بغداد میں آپ کی آمد کا سن 488ھ بتایا جاتا ہے اور پھر آپ نے یہیں قیام فرمائے رکھا۔ آپ نے جن عباسی خلفاء کا دور دیکھا، ان میں مستظہر باللہ، مسترشد باللہ، راشد باللہ، مقتفی امر اللہ، مستنجد باللہ، متوکل باللہ، منتصر باللہ آخری خلیفہ نے اپنے باپ متوکل باللہ کو قتل کرا دیا۔ مگر اس کے بعد بغداد کو چین نصیب نہ ہوا اور وہ خود بھی تاتاریوں کے ہاتھوں ذلت کی موت مارا گیا۔ جب بغداد میں افراتفری اور تباہی کا دور شروع ہوا تو حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بغداد شہر سے باہر رہ کر اسلام کی بہت خدمت کی۔

دارالحکومت بغداد میں تباہی و بربادی کے لخراش مناظر دیکھنے میں آئے تو دنیا کی محبت رکھنے والوں کے دل ڈول گئے۔ ایسے کڑے وقت میں آپ بغداد پہنچے اور اصلاح احوال کی جانب توجہ دی۔ یہ ایک بڑی آزمائش کا دور مسلمانوں پر تھا۔ صلیبی جنگ لڑی جا چکی تھی اور بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

مسلمانوں میں نا اُمیدی اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ اس موقع پر مسلمانوں کو استقلال اور قوت ایمانی کا نور آپ نے بخشا۔ اسی عرصہ میں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جیسے مجاہد اسلام اپنے فرائض دین ادا کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ قطب جن وانس نے مسلمانوں کو قوت ایمانی کا جو سہارا دیا اس سے مسلمانوں میں ایک تازہ ولولہ پیدا ہو گیا۔ اسی ولولہ انگیز اور جوش وجذبہ ایمانی سے پُر ماحول میں 583ھ میں یعنی کہ آپ کے وصال کے بیس سال بعد مسلمانوں نے بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

اسی دور میں باطنیت نے ایک نیا فتنہ کھڑا کر کے روحِ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ لوگ صرف تشدد کے واقعات تک محدود رہے حالانکہ اس وقت ان کا اتنا زور تھا کہ وہ بغداد پر بھی قبضہ کر سکتے تھے مگر بغداد کے لوگ اُن کے عقائد سے صرف اسی لئے بچ گئے کہ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ جیسے اہل حق لوگ وہاں موجود تھے۔ آپ کے دن رات کے درس وتدریس کا نتیجہ تھا کہ اس امر کے باوجود کہ باطنیوں نے ہر طرف دہشت گردی کا بازار گرم کر رکھا تھا بغداد کے مسلمانوں کے دل ایمان کی سطح پر بہت مضبوط تھے۔ کوئی دہشت اور ہنگامہ آرائی فتنہ پردازی اور خوف وہراس کی فضا ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس پُر آشوب دور میں مسلمانوں میں کے لیے اُمید کی روشنی تھے اور آپ کے بعد درگاہ شاہ جیلانی کے تربیت یافتہ لوگ دلوں کے امراض کا علاج کرتے رہے۔

پھر ایک دور آیا کہ امراء اور خلفاء کی آپس میں رقابتیں چل گئیں اور وہ اس درجہ بڑھ گئی تھیں کہ ہر طرف خانہ جنگی کی صورت حال تھی۔ سلطان مسعود نے خلیفہ مسترشد کو معزول کر کے قید کر دیا۔ مسعود کے خلاف ایک زبردست شورش اور ہنگامہ کھڑا ہو گیا اس ہنگامے میں اتنی شدت تھی کہ مسعود نے خلیفہ کو جیل سے نکال کر دوبارہ خلافت بحال کر دی۔ اس طرح لوگ راہ حق کو چھوڑ کر دنیاوی حاجت رواؤں کے قدموں پر گرنے لگے تھے یعنی کہ دینی روش سے ہٹ کر سیاسی و دنیاوی مفادات کی روش پر

چل پڑے اور ارباب اقتدار کے سایہ میں پناہ لینے لگے تھے۔ایسی صورت حال سے حضرت عبدالقادر جیلانی ﷫ کو سخت صدمہ ہوا۔مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی انہیں دن رات بے چین رکھتی۔اسی احساس کی آگ نے جواُن کے سینے میں جل رہی تھی عوام کی اصلاح کی جانب متوجہ کیا۔چنانچہ حضرت عبدالقادر جیلانی ﷫ نے درس وتدریس، مواعظ حسنہ کے ذریعے نفاق، حُبِ دُنیا، ایمان کی کمزوری اور تذلیل انسانیت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔لوگوں میں شعور ایمانی بیدار کیا۔آخرت کی اہمیت پر زور دیا۔عوام کو قرآن وسنت اور خود اپنے عمل سے سمجھایا کہ اصلاح احوال کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار لو۔

آپ کے وعظ میں بلا کی کیفیت اور اثر ہوتا تھا۔آپ سامعین کے حسب حال موضوع تلاش کر کے اور قرآن وسنت کی روشنی میں احکام خداوندی اور شریعت محمدی کی روشنی بکھیرتے۔کہتے ہیں آپ کے درس و وعظ میں اسی ہزار تک سامعین موجود ہوتے تھے۔لوگوں کا ایک جم غفیر ہوتا تھا۔آپ کی زبانِ مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے پناہ تاثیر بھر دی تھی۔

حضرت عبدالقادر جیلانی ﷫ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ سامعین کے دلوں کے خدشات اور وسوسوں سے آگاہ ہوتے تھے اور اپنے وعظ میں ان تمام خدشات اور وسوسوں کو کلام الٰہی سے دور کرتے تھے۔لوگوں کے دلوں سے شرک و خدشات کو مٹانے پر آپ نے خاص توجہ دی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب رجوع کرنے کی تلقین فرماتے۔کیونکہ لوگ انتہائی مایوسی کے عالم میں پریشان تھے اور انہیں مناسب راہ نمائی اور ہدایت درکار تھی۔آپ کے وہ مواعظ ''فتوح الغیب'' اور ''الفتح الربانی'' میں درج ہیں جو آج بھی دلوں کے امراض کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس طرح آپ نے لاکھوں انسانوں کو مایوسیوں کے اندھیروں سے نکال کر اسلام اور امید کی روشنی بخشی۔

آپ کی تقاریر سے متاثر ہو کر پانچ ہزار یہودی اور نصاریٰ مسلمان ہو گئے۔ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور توبہ کی۔آپ نے چالیس سال تک یہ جہاد کیا۔آپ کے اس جہاد سے بغداد اور دوسرے دور کے علاقوں میں دیانت، شرافت اور نیکی کی فضائیں روشن ہو گئیں۔آپ کے مدرسہ سے لاکھوں افراد علم دین کی روشنی سے فیض یاب ہوئے۔یہ لوگ دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے اور جہاں جہاں تک بس چلا انہوں نے اسلام کی روشنی پھیلائی۔

آپ ایک غوث قطب، غوثوں کے غوث، قطبوں کے قطب اور ولی اللہ ہی نہیں تھے بلکہ ایک مصلح بھی تھے۔تبلیغ دین میں آپ کی خدمات ان گنت ہیں۔کشف وکرامات کے ساتھ لوگوں کو آپ نے جو جب و دینی قوت، استقامت اور دین کا علم عطا کیا وہ اُمت مسلمہ اور دین اسلام پر ایک احسان عظیم ہے۔تمام مورخین نے بہ اتفاق رائے لکھا ہے کہ بغداد کے ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور روحِ ایمانی کی تازگی سے سرفراز ہوئے۔بکثرت عیسائی اور یہودی مشرف بہ اسلام ہوئے، اور تمام مورخین اس حقیقت پر بھی متفق ہیں کہ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے دین محمد ﷺ کے فروغ کے لئے رُشد وہدایت کی شمع روشن رکھی اور ہزاروں عیسائی اور یہودی آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آپ نے جن حالات میں لگاتار دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ کی ہے اور جس پُر آشوب ماحول میں دین اسلام کو جلا

بخشی ہےاس کےمدنظر آپ حقیقی معنوں میں ''محی الدین'' ﷜ ہیں۔

آپ نے تا حیات ''دُنیا'' کو دنیا کی جگہ پر رکھا اور آپ کی دنیا سے بے رغبتی ہمیشہ رہی۔ایک دن خلیفہ بغداد مستنجد باللہ نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور ساتھ ہی اشرفیوں کی دس تھیلیاں بھی نذر کیں آپ نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے جب خلیفہ نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے ایک تھیلی کو دائیں ہاتھ میں اور ایک کو بائیں ہاتھ میں اُٹھالیا، پھر جب ان کو دبایا تو اُن میں سے خون بہہ نکلا۔فرمایا: اے ابوالمظفر ! (خلیفہ کی کنیت) تجھے خدا سے شرم آنی چاہیے کہ تو مخلوق کا خون چوستا ہے اور اپنے اوپر ذمہ داری عائد کر لیتا ہے اور پھر میرے پاس آیا ہے۔خلیفہ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر اسے (خلیفہ کو) حضور سرورِ کونین ﷺ سے نسبت نہ ہوتی تو میں ان کو اتنا نچوڑتا کہ یہ خون اس کے محل تک بہتا ہوا چلا جاتا۔

حضرت غوث اعظم ﷜ کبھی کسی خلیفہ اور امیر و کبیر کے مکان پر نہ جاتے، ان کے بستر پر کبھی نہ بیٹھتے اور نہ ان کی تعظیم اور ادب کرتے تھے۔جب آپ کے پاس کوئی عباسی خلیفہ آتا تو آپ مکان میں داخل ہو جاتے اور پھر واپس آتے۔اس میں مصلحت یہ تھی کہ آپ کو خلیفہ کے لئے قیام نہ کرنا پڑے۔خلیفہ سے گفتگو کے دوران آپ مبالغہ سے کام نہ لیتے۔خلیفہ آپ کی دست بوسی کرتا اور جب تک آپ کی خدمت میں رہتا مؤدب بیٹھا رہتا اور یہ عرض کیا کرتا، حضرت جو ارشاد فرمائیں: چشم ماروشن دل ماشاد۔اور جب آپ خلیفہ کے نام کوئی تحریر سپردِ قلم فرماتے تو انداز یہ ہوتا کہ عبدالقادر! تجھے یہ حکم دیتا ہے اور اس کا حکم تیرے لئے واجب الاتباع ہے اور تیرا فائدہ بھی اس کی تعمیل میں ہے۔کل قیامت کے دن یہ حکم اور اس حکم کی تعمیل تیرے لئے حجت و برہان کا کام دے گی۔جب خلیفہ کے پاس آپ کا فرمان پہنچتا تو اسے آنکھوں سے لگاتا اور سر پر رکھتا۔(سفینۃ الاولیاء،ص 65)

حضرت غوث اعظم ﷜ نے ارشاد فرمایا: کہ ہر ولی اللہ کسی نہ کسی پیغمبر کے نقش قدم پر چلتا ہے۔میں اپنے جدامجد حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہوں۔جہاں جہاں میرے جدامجد کے قدموں کے نشان ہیں میں نے انہی مقامات پر اپنے قدم رکھے ہیں۔ہاں البتہ نبوت کا مقام وہ مقام ہے جس کی راہ پر چلنا کسی غیر نبی کے بس کی بات نہیں۔اس سلسلے میں میں اپنے آپ کو معذور پاتا ہوں۔اس سے آپ کے مقام کی رفعت نیز اتباع سنت نبوی ﷺ کی شان کا کچھ نہ کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک دورانِ گفتگو میں ارشاد فرمایا: **قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ**۔ ترجمہ: یہ میرا قدم سارے اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔اس وقت مجلس میں سینکڑوں اولیاء و مشائخ حاضر تھے۔حضرت شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ اُٹھ کر آئے اور گردن جھکا کر سرکار غوث اعظم ﷜ کے قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔پھر سارے حاضرین نے آپ کے قدم مبارک کے سامنے اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں۔

جس وقت سرکار غوث اعظم ﷜ نے بغداد شریف میں یہ ارشاد فرمایا: **قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ**۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری ﷜ عین شباب کے عالم میں ملک خُراسان کے ایک پہاڑ کی کھوہ میں مجاہدہ و ریاضت کی

منزلیں طے فرما رہے تھے۔ بغداد مقدس میں یہ اعلان ہوتے ہی آپ نے اپنا سر جھکالیا اور اتنا جھکایا کہ سر مبارک زمین سے لگ گیا اور وہیں سے جواب دیا: بَلْ قَدَمُکَ عَلٰی عَیْنِیْ وَرَاسِیْ ۔ ترجمہ: بلکہ آپ کے قدم مبارک میری آنکھوں اور سر پر۔ اس نیاز مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت غریب نواز قدس سرہٗ العزیز سلطان الہند اور وہاں کے سارے ولیوں کے بادشاہ مقرر ہو گئے۔

سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اسم اللہ ہی اسم اعظم ہے، مگر اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں بجز اللہ کے اور کچھ نہ ہو۔ عارف کی بسم اللہ بمنزلۂ حکم کُن کے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی شے کو موجود کرنا چاہتا ہے تو اس کی نسبت فرماتا ہے کُن (ہو جا) پس وہ موجود ہو جاتی ہے۔ یہی حال عارف کی بسم اللہ کا ہے۔

اللہ وہ کلمہ ہے جو ہر مہم کو آسان اور ہر غم کو دور کر دیتا ہے یہ وہ کلمہ ہے جو زہر کے اثر کو بھی زائل کر دیتا ہے۔ یہ وہ کلمہ ہے جس کا نور عام ہے۔ اللہ ہر غالب پر غالب ہے۔ اللہ مظہر العجائب ہے اللہ کی سلطنت تمام سلطنتوں سے زبردست ہے۔ اللہ تمام بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے دلی بھید سے واقف ہے۔ اللہ تمام سرکشوں کو پست کرنے والا تمام زبردستوں کو توڑنے والا ہے۔

آپ کے کشف وکرامات بے شمار ہیں اور مصدقہ ہیں کہ دیکھنے والوں کے نام روایات میں موجود ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ، خالق و مالک کائنات، قادر مطلق نے آپ کو انس و جان یعنی اس زمین کی دونوں ذی شعور مخلوق پر تصرف دیا ہے۔ روحانی حاکمیت دی ہے۔ حضرت غوث اعظم غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جن وانس میرے تصرف میں ہیں۔ لوگ جوق در جوق آپ کی محفل میں آتے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتے تھے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے واپس لوٹتے تھے مخلوق آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتی تھی۔ جنات بھی صفیں باندھے ہوئے آپ کی خدمت میں آتے اور مشرف بہ اسلام ہوتے تھے، اور آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں میں بھی مشائخ ہوتے ہیں اور جنات وملائکہ میں بھی، میں جن وانس اور ملائکہ کا واحد شیخ ہوں۔

شیخ ابو سعید عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری ایک لڑکی کا نام فاطمہ تھا اس کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وہ کسی کام سے چھت پر چڑھی اور وہاں سے غائب ہو گئی۔ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ اقدس میں پہنچ کر میں نے یہ واردات عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ آج کی رات تم بغداد کے محلہ خرابہ کرخ میں پہنچ کر زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور بسم اللہ علیٰ نیت عبدالقادر زبان سے پڑھتے جانا اور پھر اس دائرہ میں سمٹ کر بیٹھ جانا۔ جب کافی رات گزر جائے گی تو جنات کے ایک گروہ کا اُس طرف سے گزر ہوگا۔ اُن کی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی تم اُن سے خوفزدہ نہ ہونا۔ صبح کے قریب جنات کا بادشاہ اپنے لشکر سمیت گزرے گا وہ تجھ سے پوچھے گا کہ بتا کیا کام ہے؟ تو یہ کہنا کہ حضرت عبدالقادر جیلانی (رضی اللہ عنہ) نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور اپنی لڑکی کا واقعہ اسے سنا دینا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں سرِ مو فرق نہیں آنے دیا۔ جنات کے غول کے غول مختلف صورتوں

اورشکلوں میں میرے سامنے سے گزرتے تھے لیکن اس دائرے کے قریب جس میں میں بیٹھا ہوا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ آ سکتا۔حتیٰ کہ ان کا بادشاہ ایک گھوڑے پر سوار جنات کی ایک بہت بڑی جماعت ساتھ لئے ظاہر ہوا اور دائرہ کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔اس نے مجھ سے پوچھا، تیرا کیا کام ہے؟ میں نے کہا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے، یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اُترا، زمین چومی اور دائرہ کے باہر بیٹھ گیا۔کہنے لگا کس غرض کے لئے بھیجا ہے؟ میں نے اپنی لڑکی کے غائب ہونے کی روداد اُسے سنائی۔

اُس نے فوراً حکم دیا کہ جو جن اس لڑکی کو اُٹھا کر لے گیا ہے فوراً حاضر کیا جائے۔تھوڑی ہی دیر میں وہ جن لڑکی کو ساتھ لئے ہوئے حاضر کیا گیا اور کہا کہ یہ چین کے جنات میں سے ہے۔بادشاہ نے اُسے سے پوچھا: تو نے اس لڑکی کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقے سے کیوں اُٹھایا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ مجھے پسند آ گئی تھی اور اس کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی تھی۔بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کا سرقلم کر دیا جائے اور لڑکی اس کے حوالے کر دی جائے چنانچہ لڑکی میرے حوالے کر دی گئی (سفینۃ الاولیاء، ص 62)

میں نے جنات کے بادشاہ سے کہا میں نے آپ کو غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا بڑا تابعدار اور معتقد پایا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ شاہ جنات نے جواب دیا ہم اُن کے تابعدار اور فرمانبردار کیسے نہ ہوں وہ جب اپنے گھر بیٹھے بیٹھے دُنیا کے جنات پر نظر کا پَرتو ڈالتے ہیں تو رُعب و ہیبت سے جنات کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی کو قطبیت اور غوثیت سے نوازتا ہے تو اُسے تمام انس و جن پر حاکم و متصرف کر دیتا ہے۔(ایضاً، ص 62)

ایک دفعہ کی بات ہے کہ ایک چور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مکان میں گھس آیا۔اُس کی بصارت زائل ہو گئی اور مکان سے کچھ بھی نہ لے جا سکا۔اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے اور فرمایا کہ اے اللہ کے دوست! ایک ابدال کا انتقال ہو گیا ہے اب جس کے بارے میں آپ کا اذن ہو اُسے منصب پر فائز کر دیا جائے۔فرمایا ہمارے گھر میں ایک شخص بڑی شکستہ دلی اور محرومی کے عالم میں ہے، جاؤ اُسے لے آؤ۔اسے ابدال کی جگہ مقرر کرنا ہے۔حضرت خضر علیہ السلام اسے گھر سے باہر لائے اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا۔آپ کی ایک ہی نظر اس پر پڑی تھی کہ وہ بینا ہو گیا ظاہری و باطنی علوم اور روحانیت میں کامل ہو گیا۔آپ نے اسے بکمال اعزاز ابدالیت کا منصب سونپا۔آپ کے دولت خانہ میں متاعِ عرفان کے سوائے اور تھا ہی کیا جسے چور چرا کے لے جاتا۔جو کچھ لینے کی نیت سے آیا تھا چنانچہ آپ نے اسے اس کی خواہش اور توقع سے زیادہ عطا فرمایا۔یعنی مقام ابدالیت پر فائز کر دیا۔(سفینۃ الاولیاء، ص 400)

بیان کیا جاتا ہے کہ اقطاب وابدال اور اوتاد کا تقرر اور ان کی معزولی آپ کے اختیار میں تھی۔جس کسی کو چاہتے اس کے عہدہ سے برطرف فرما دیتے اور اس کی جگہ دوسرے کا تقرر فرما دیتے تھے۔چنانچہ ایک دفعہ ایک ابدال کا انتقال ہوا تو قسطنطنیہ سے ایک کافر کو طلب کیا اور اس کی مونچھیں ہلکی کر کے اس کا نام محمد رکھ دیا۔اپنا عمامہ اس کے سر پر باندھا اور اسے ابدالوں کی جماعت میں شامل کر دیا۔(ایضاً: ص 65)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رجال غیب میں سے کوئی شخص ہوا میں پرواز کر رہا تھا۔جب اس کا گزر بغداد سے ہوا تو اس کے دل میں یہ خیال گزرا کہ بغداد میں ایک بھی مرد خدا نہیں ہے۔حضرت غوث اعظم ﷺ اس کے خطرہ باطنی و کج فہمی پر مطلع ہوئے اور آپ نے اس کے کمالات سلب کر لئے۔وہ مرد غیب ہوا سے اُتر کر حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اُس نے اپنے قصور کی معافی چاہی اور خلوص دل سے توبہ کی۔آپ نے اس کے کمالات اسے سونپ دیئے اور وہ حسب سابق ہوا میں پرواز کرتا ہوا واپس چلا گیا۔(سفینۃ الاولیاء،ص66)

حضرت غوث اعظم ﷺ کے تمام اشغال شریعت کے عین مطابق تھے۔اگر آپ کسی کو خلاف شرع افعال کا مرتکب پاتے تو اس کے احوال اس سے سلب کر لیتے تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! شریعت کا لحاظ اور اس کا احترام کرو۔میں تمہیں خبر دار کرتا ہوں کہ تمہارا کوئی فعل مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے جو کچھ تم کھاتے پیتے اور جمع کر رکھتے ہو، میری نگاہوں کے سامنے ہے۔میں تمہارے ظاہر و باطن کو اپنے آئینہ تصور میں دیکھ لیتا ہوں۔(ایضاً:ص66)

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تصنیفات کی بابت لکھا ہے کہ حضرت غوث اعظم ﷺ نے مفید اور کار آمد کتابیں لکھی ہیں اور آپ کے املاءات بھی محفوظ ہیں یعنی آپ کے ارشادات و خطبات اور تقریرات کو آپ کے شاگردوں یا مریدوں نے جمع کیا اور وہ مواد موجود ہے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث اعظم ﷺ کی کسی کتاب کا نام نہیں لکھا ہے۔ہاں امام ابن کثیر نے ''فتوح الغیب'' اور ''غنیۃ الطالبین'' کا ذکر کیا ہے۔اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں ان دو کتابوں کے ساتھ ''مجالس ستین'' کا بھی ذکر کیا ہے۔صاحب ''کشف الظنون'' نے لکھا ہے کہ ''جلاء الخاطر من کلام الشیخ عبدالقادر'' میں ان مجالس کے ارشادات ہیں جو یوم جمعہ 9/رجب 546ھ سے شروع ہو کر 14/رمضان المبارک 546 پر ختم ہوتے ہیں۔

سید علاء الدین طاہر جیلی بغدادی نے جو خاندانِ قادریہ کے ایک فرد ہیں انہوں نے ایک رسالہ تذکرۂ قادریہ کے نام سے ترتیب دیا ہے۔جس میں حضرت غوث اعظم ﷺ کی مزید سات تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔جن کے نام اور تفصیل ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

1. الفتح الربانی 1281ھ میں مصر میں چھپی ہے۔
2. حزب بشاء الخیرات۔اسکندریہ میں چھپی ہے۔
3. الوہاب الرحمانیہ والفتوحات الربانیہ۔کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ذکر کیا ہے۔
4. سر الاسرار۔علم تصوف سے متعلق ہے۔مدرسہ قادریہ میں قلمی نسخہ موجود ہے۔
5. ردّ الرافضہ۔مدرسہ قادریہ میں قلمی نسخہ موجود ہے۔

6— تفسیر قرآن عظیم۔ دو جلد کتب خانہ رشید کرام طرابلس میں موجود ہے۔

7— علم ریاضی سے متعلق 622ھ کی لکھی ہوئی مگر نامکمل موجود ہے۔

تحقیقی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ حضرت غوث اعظم ﷜ شعر و شاعری کا خاصا ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے عربی قصیدہ لامیہ کو قصیدہ غوثیہ کے نام سے دنیائے اسلام میں بڑی شہرت اور عام مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں حضرت غوث اعظم ﷜ کا ایک اور عربی قصیدہ، قصیدہ بائیہ کے نام سے نقل کیا ہے۔

آپ کے اسم گرامی کی نسبت سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کا اجراء ہوا اور آپ کے دریائے فیض کی روانی سے یہ سلسلہ آسمان کے ستاروں کی طرح ساری دُنیا میں پھیل گیا۔ تاجدار ولایت ہونے کے سبب سلسلہ عالیہ قادریہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دوسرے سلسلوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کے تمام ممالک میں سلسلۂ قادریہ کے لاتعداد حلقہ بگوش پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ عالیہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ دوسرے مختلف سلسلوں میں اس کا دخول ہے مگر خود اس میں کسی دوسرے سلسلہ کا شمول نہیں ہے۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت غوث اعظم ﷜ سے دریافت کیا کہ آپ نے نکاح کیوں کر کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نکاح نہیں کرتا تھا لیکن جد کریم حضور پُرنور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم نکاح کرو۔ چنانچہ اس ارشاد کے مطابق میں نے نکاح کیا ہے۔ میں اس خیال سے از خود نکاح کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا کہ کہیں میرے اوقات میں کدورت نہ پیدا ہو جائے مگر جب یہ وقت آیا تو خدائے قدیر نے مجھے اپنے فضل و کرم سے چار بیویاں عطا کیاں۔ جن میں ہر ایک مجھ سے بے پناہ محبت کرتی تھی حضرت غوث اعظم ﷜ کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔ تاہم ان شادیوں کے سبب پہلے سے عبادت و ریاضت کے جو اوقات مقرر تھے ان میں کوئی کمی اور تکدر پیدا نہ ہوا۔ یعنی جس طرح حالت تجرد میں آپ اعلیٰ درجہ کے عابد و زاہد تھے ٹھیک ویسے ہی نکاح کرنے کے بعد بھی عبادت اور ریاضت کے بلند مقام پر آپ قائم رہے اور یہی راہِ سلوک کا سب سے بڑا کمال ہے کہ دنیاوی تعلقات سے پورے طور پر وابستہ رہنے کے باوجود ان سے بے تعلق رہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانی ﷜ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد کی کل اولاد اُنچاس تھیں جن میں سے ستائیس لڑکے تھے اور بائیس لڑکیاں تھیں۔

حضرت عبداللہ جبائی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ حضرت عبدالقادر جیلانی ﷜ نے بیان فرمایا کہ جب میرے گھر میں کوئی پیدا ہوتا ہے تو میں اسے اپنے ہاتھوں میں لیتا ہوں اور یہ کہہ کر کہ یہ مردہ ہے اس کی محبت اپنے دل سے نکال دیتا ہوں، پھر اگر وہ مر بھی جاتا ہے تو مجھے اس کی موت سے کوئی رنج نہیں ہوتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ عین مجلسِ وعظ کے وقت آپ کے ایک بچے کا انتقال ہو گیا مگر اس وقت بھی آپ کے معمول میں قطعی فرق نہیں آنے پایا اور آپ بدستور مجلس میں وعظ فرماتے رہے اور جب بچے کو غسل و کفن دے کر آپ کے پاس لایا

گیا تو خود آپ نے بچے کی نماز جنازہ پڑھائی ۔یہ ہے ترک دنیا کا حقیقی مفہوم ۔آپ کثیر الاولاد تھے لیکن اولاد کی محبت کسی حال میں خدا کی محبت پر غالب نہ آسکی اور آپ کے سفر راہ سلوک میں چار بیویاں اور انچاس اولاد نے کوئی خلل نہ کیا۔

آپ کا وصال 11 ربیع الاوّل 561ھ بمطابق 14 جنوری 1166ء کو بغداد شریف میں ہوا۔وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔ہر روز عوام وخواص دنیا بھر سے بڑی تعداد میں سلام وزیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں ۔وصال کے بعد سے آج تک ہر دور اور ہر زمانہ میں آپ کی عظمت ،وقار، اقبال وحرمت بلندی پذیر رہی ہے۔**اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

☆......☆......☆......☆......☆
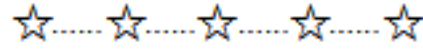
حضرت فرید الدین عطارؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی نام محمد ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام ابوبکر ابراہیم تھا۔ آپ کی کنیت ابو حامد یا ابو طالب ہے۔ آپ کا لقب فرید الدین اور تخلص عطار ہے۔ اس طرح آپ کا پورا نام تو ابو حامد محمد بن ابوبکر ابراہیم ہے لیکن آپ اپنے اصل نام کے بجائے اپنے لقب اور تخلص سے جانے پہچانے جاتے ہیں یعنی کہ آپ کا مشہور ترین نام فرید الدین عطار ہے۔

اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ جب آپ نے درویشی اختیار کی تو توکل، تقویٰ اور پرہیز گاری میں بھی ایک منفرد مقام پایا۔ آپ اعلیٰ پائے کے مصنف تھے اور لکھنے کا یہ عالم تھا کہ آپ نے 114 کتابیں لکھ ڈالیں۔ آپ نے نظم و نثر میں بہت تصنیفات چھوڑی ہیں۔ آپ بہت اچھے شاعر بھی تھے اور آپ کا تخلص عطار تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ نیشاپور کے مضافات میں 513 ہجری بمطابق 1119ء کو پیدا ہوئے۔ ماشاء اللہ آپ نے بہت طویل عمر (114 سال) پائی اور آپ کی سن وصال 627 ہجری بمطابق 1230ء ہے، سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 114 سال کی عمر پائی۔ آپ نے حضرت مجد الدینؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور کئی سال اپنے مرشد یا شیخ کی خدمت میں گزارے۔ آپ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے خلفاء کرام میں سے ہیں، یا آپ نے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

ابتدا میں آپ ایک بڑے دواخانہ کے مالک تھے۔ ایک روز آپ اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ ایک فقیر نے آ کر صدا لگائی اور جب فقیر نے دیکھا کہ آپ پر صدا کا کچھ اثر نہیں ہوا تو بولا ایسے دھندے میں لگے ہوئے ہو تو جان کیسے دو گے؟ آپ جھنجھلا کر بولے "جیسے تم دو گے۔" فقیر نے کہا بھلا میری طرح کیسے دے سکو گے۔ یہ کہہ کر وہ صدا دینے والا فقیر سر کے نیچے کشکول رکھ کر لیٹ گیا۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔ یہ دیکھ کر آپ کے قلب پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ کھڑے کھڑے دواخانہ لٹا دیا اور اسی وقت درویشی اختیار کر لی۔

آپ نے حضرت شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے شیخ کی خدمت میں کئی سال بسر کئے

آخر کار اور آگے چل کر آپ نے سلوک و معارف کے وہ مراتب طے کئے کہ خود مرشد کے لئے باعث فخر ہوئے۔

آپ نے کئی سال حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں صرف کیے۔ بعد میں شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مجاہدہ و ریاضت کا راستہ اختیار کرلیا۔ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ مسلسل ریاضات، عبادات، مجاہدات کے سبب آپ آخر اس منزل تک پہنچے جہاں میں اور تو کا فرق مٹ جاتا ہے اور روحانیت وفقیری میں ایسا مقام حاصل کیا کہ اپنے مرشد کے لئے باعث فخر بن گئے۔ آپ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔

نیشاپور کے کوچہ و بازار سنسان پڑے تھے، ان میں لاشیں پڑی تھیں اور خون کی نالیاں بہہ رہی تھیں۔ یہ تاتاریوں کی یلغار تھی جس کے نتیجے میں بستیاں اُجڑ گئیں، شہر ویران ہو گئے، ہزاروں بچے یتیم ہو گئے، ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں، ہزاروں ماؤں کے لال خاک و خون میں لت پت پڑے تھے۔ اور ان حالات میں اُن کو قبریں تو در کنار کفن بھی میسر نہیں تھے۔ نیشاپور کا پورا خطہ تباہی، بھیانک پن اور ہیبت ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ مصیبت کے مارے لوگ جانے کہاں کہاں دبکے پڑے تھے، کہاں کہاں چھپے بیٹھے تھے۔ اکا دُکا آدمی افراتفری میں پریشانی کا مجسمہ بنا آ جا رہا تھا۔ اور آپ بھی اس ہنگامہ قتل و غارت گری کے دوران تاتاریوں کے ہاتھ چڑھ گئے اور نیشاپور یا اس کے نواح میں ہی اسی لڑائی اور یلغار کے دوران آپ کو شہید کر دیا گیا۔

آپ کی شہادت کا واقعہ تذکرہ نگاروں نے اس طرح لکھا ہے کہ تاتاریوں کی اس یلغار و لڑائی کے دوران ایک تاتاری نے آپ کو گرفتار کیا۔ جب وہ آپ کو لے جا رہا تھا تب ایک راہ گیر نے بڑھ کر کہا کہ ''دیکھنا اس مرد ضعیف کو قتل نہ کر دینا میں تمہیں دس ہزار اشرفیاں نقد دیتا ہوں کہ ان کو چھوڑ دو۔'' آپ نے یہ سن کر تاتاری سپاہی سے کہا کہ خبردار اتنے کم میں مجھے فروخت نہ کر دینا میری اس سے کہیں زیادہ قیمت ہے۔ سپاہی یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ اس سے اور بھی زیادہ دولت ہاتھ آئے گی اور وہ بھی بالکل مفت، اس لیے آپ کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ آگے ایک اور شخص ملا۔ اس نے کہا کہ میاں سپاہی اس بوڑھے کو مجھے دے ڈالو، میں تمہیں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضے میں دیتا ہوں۔ آپ اس سپاہی سے بولے، ہاں دے ڈالو کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے۔ یہ سن کر سپاہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ دس ہزار اشرفیاں ملتی ہوئی ہاتھ سے چلی گئیں۔ جھلا کر وہیں آپ کا سر تن سے جدا کر ڈالا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اُس تاتاری سپاہی کے ہاتھوں آپ 627 ہجری بمطابق 1230ء کو شہید ہوئے۔ **و اللّٰہ اعلم بالصواب۔ الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون۔**

آپ ایسے بزرگ تھے جن کو ان کے علم اور اس پر عمل کے حوالے سے کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔ یہ وہی لوگ (اولیاء اللہ) ہیں جو غم اور خوف سے ماورا ہو جاتے ہیں۔ اللہ ایسے نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے اور ایسے برگزیدہ لوگوں کے حالات، عمل و علم کی روشنی کی کرنیں لے کر ہم جیسے کم مایہ لوگ بھی طالب علموں کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اللہ پاک ایسے لوگوں پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے۔ آمین!

آپ نے آج سے تقریباً نو سو سال پہلے اولیائے کرام کا تذکرہ لکھا جس سے روشنی لے کر ہزاروں اہل قلم بزرگوں نے

اولیاءاللہ کے تذکرے لکھ کر اُس دور کے اہل حق کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات ہم تک بہم پہنچائے۔آج تک اس برگزیدہ ہستی کے زورِ قلم کی سعی جمیلہ سے استفادہ کرتے ہوئے اولیاءاللہ پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔جتنے اولیاء کرام کے اُس دور کے حوالے سے تذکرے لکھے گئے قریباً سب کا ماخوذ حضرت علی بن عثمان ہجویری کی تصنیف ''کشف المحجوب'' حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا ''تذکرۃ الاولیاء'' ہی ہیں۔اس کے علاوہ اور تذکرے بھی ملتے ہیں جو اس دور کے بزرگوں نے لکھے مگر مقبولیت کا تاج آپ ہی کے تذکرے کے سر ہے۔

آپ نے نظم ونثر میں علم دین، تصوف اور اولیاءاللہ پر بہت تصانیف چھوڑی ہیں جن کی تعداد قاضی نوراللہ شوستری کی مجالس المومنین میں 114 ہیں۔ان میں سے جو مشہور ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

❶ تذکرۃ الاولیاء ❷ منطق الطیر ❸ مصیبت نامہ ❹ اسرار نامہ ❺ الٰہی نامہ ❻ دیوان ❼ پند نامہ ❽ وصیت نامہ ❾ خسرو گل ❿ بیسر نامہ، اور ⓫ شرح القلب۔

میں اس کتاب کا مصنف اولیاءاللہ کے واقعات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے محبوب پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی دو جہاں، رحمۃ اللعالمین، رہبر کائنات، اصل الموجودات، حضور پُرنور، حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی شانیں دیکھتا ہوں۔ آپ ﷺ کی کتنی اونچی اور نرالی شان ہے کہ لمحوں میں آدمی آپ ﷺ کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔وہی محبت بڑھتے بڑھتے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت بن جاتی ہے اور پھر وہ انسان کو دین و دنیا دونوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مردِ حق کو فوری جان دیتے ہوئے دیکھ کر فوری ایک ایسا پلٹا کھایا کہ کاروبار چھوڑ کر، دنیا چھوڑ کر، درویشی اپنالی۔اور کیسا عجیب اتفاق ہے کہ آپ نے 114 سال کی عمر پائی اور 114 ہی کتابیں تصنیف فرمائیں اور آخری دن تک صحت ایسی تھی کہ تاتاریوں نے آپ کو باصحت چلتے پھرتے پکڑا اور اپنے بامعنی کلام سے انہیں بدحواس وزچ کر دیا۔اور پھر گرفتار کرنے والے ایک تاتاری سپاہی کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت عمر شہاب الدین سہروردیؒ

اسم مبارک:

آپ کا وہ اسم مبارک جو حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی ﷺ نے تجویز فرمایا ''شہاب الدین'' ہے۔ والدین اور عزیز بزرگوں نے شہاب الدین سے پہلے ''عمر'' کا اضافہ کر دیا اور آپ کا اسم مبارک ''عمر شہاب الدین'' ہو گیا۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شیخ محمد قریشی تھا۔ آپ کا آبائی شہر سہرورد تھا اور آپ سہرورد میں ہی پیدا ہوئے۔ اس کی نسبت سے آپ کے اسم مبارک کے ساتھ سہروردی کا اضافہ ہو گیا اور یوں آپ کا پورا اسم گرامی عمر شہاب الدین بن محمد قریشی سہروردی ہو گیا۔ آپ ''شہاب الدین سہروردی'' کے اسم مبارک سے مشہور و معروف ہیں۔

الحمدللہ! آپ تمام دنیاوی اور دینی، ظاہری اور باطنی علوم پر حاوی تھے اور یہ علوم آپ نے کم عمری میں ہی حاصل کر لئے تھے۔ آپ بحر شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے ماہر پیراک تھے۔ تقویٰ، پرہیزگاری اور دوسروں کے ادب و احترام میں ممتاز تھے۔ آپ کو بچپن سے ہی ہر طرح کے علوم حاصل کرنے کا ذوق و شوق تھا۔ نوجوانی میں ہی آپ علم الکلام میں یکتا تھے۔ آپ کے سامنے کوئی جم نہ پاتا تھا۔ آپ ہر سوال کا مدلل جواب دیتے تھے اور دوسروں کو لاجواب کر دیتے تھے۔ روحانیت میں اپنے دور میں آپ نے سب سے اونچا مقام پایا۔ آپ حکومت، حکماء، علماء و صالحین اور عوام الناس میں یکساں مقبول اور مفید کارکن تھے۔ آپ حضرت غوث اعظم ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ تھے اور حضرت غوث اعظم ﷺ نے آپ کے سینے کو علم لدنی سے بھر دیا تھا۔ آپ عراق کے متاخرین میں سے شہرہ آفاق شخصیت تھے۔ آپ بہت سخی اور غریب پرور تھے۔ آپ نے امیری میں فقر، فقیری اور درویشی کو اپنایا۔ آپ نے ہر حال میں شریعت و طریقت کو مدنظر رکھا اور لوگوں میں اسوہ حسنہ کو اُجاگر کیا۔ آپ کی ذات علم و حکمت کا مینار تھی۔ آپ کو قرآن و حدیث اور کلام و تصوف پر یکساں عبور حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں اور بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ ان میں ''عوارف المعارف'' ایک زندہ جاوید کتاب ہے۔ آپ زہد و عبادات و ریاضات میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ فہم و فراست کا شاہکار تھے۔ آپ شریعت و سنت کے علم بردار تھے۔ آپ نے اپنے چشمۂ فیض سے ایک عالم کو سیراب کیا ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ ماہِ شعبان کے اوائل میں 536 ہجری بمطابق مارچ 1142ء کو سہرورد میں پیدا ہوئے۔ سن ہجری کے لحاظ سے

آپ نے تقریباً 96 سال کی عمر پائی۔آپ کا وصال یکم محرم 632 ہجری بمطابق 24 ستمبر 1234ء کو ہوا۔آپ کے ہم عصروں کے بارے میں یہاں صرف اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ آپ نے حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور حضرت ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہی سے خرقۂ خلافت اور فیض عام پایا۔بہت سارے اعلیٰ پائے کے اولیاء اللہ آپ کے ہم عصر و شاگرد تھے جنہوں نے آپ کی زیارت بھی کی، فیض بھی پایا۔آپ سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں اور آپ اور آپ کے پیرو کاروں نے سلسلہ سہروردیہ کے انداز و خوبی سے ہر سو اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پھیلایا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والد گرامی حضرت شیخ محمد قریشی کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔جب عمر بڑھی اور مایوس ہو گئے تو ایک دن آپ نے اپنی اہلیہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ ہم تمام تدابیر کر چکے ہیں اور عمر ختم ہوئی جاتی ہے، اب کیا کیا جائے؟ اہلیہ بھی صبر و ہمت اور توکل والی تھیں بولیں، اچھا اور صبر کیجئے میں حضور غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کرتی ہوں۔ انشاء اللہ اُن کی دعا سے ضرور دامن ہرا ہو جائے گا۔وہ وقت کے غوث ہیں اور اُمت مسلمہ میں اس وقت روئے زمین پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی ہیں۔شیخ محمد قریشی کو یہ تدبیر و رائے اچھی لگی اور بہت مسرور ہوئے۔

حضرت شیخ محمد صادق شیبانی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق وہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کی کہ حضور دعا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے اولاد عطا کرے۔حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے اسی وقت مراقبہ کیا اور سر اُٹھا کر فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں جلد ایک فرزند جلیل عطا فرمائے گا جو نہایت سعادت مند اور زمانے میں مشہور و معروف ہو گا۔چنانچہ قدرت خداوندی سے اسی رات خلوت کا اتفاق ہوا اور وہ پیکر عفت حاملہ ہو گئیں۔نو ماہ کے بعد بڑی اُمیدوں اور آرزوؤں کے بعد بچہ پیدا ہوا۔دیکھا تو لڑکی تھی۔فوراً حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی کہ گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا لڑکی نہیں، لڑکا ہے۔گھر جو واپس جا کر دیکھتے ہیں تو واقعی پیدا شدہ بچہ لڑکی سے لڑکے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔اللہ کا شکر ادا کیا سب بہت مسرور ہوئے اور پھر اطلاع کرائی گئی کہ آپ کی دعا کی کرامت سے لڑکی لڑکا ہو چکا ہے۔آپ نے فرمایا اس بچے کا نام شہاب الدین رکھنا، یہ بچہ بہت مبارک بچہ ہے۔جو آگے چل کر اپنے وقت کا شیخ الشیوخ ہو گا۔اس سے ایک نیا سلسلہ چلے گا اس کی عمر طویل ہو گی، ابروؤں کے بال اور پستان دراز ہوں گے کہ لڑکی نے لڑکے کی صورت اختیار کی ہے یہ آفتاب بن کر عالم کو درخشاں کرے گا اور بلند مرتبہ ہو گا۔(سیر الاخیار، ص 227)

آپ کا آبائی شہر "سہرورد" ایران کے ایک قدیم گورنر سہراب کے نام سے سہراب گرد یا سہراورگرد تھا جو بعد میں بگڑ کر سہرورد ہو گیا۔یہ قصبہ عراق وعجم کے پہاڑی علاقہ میں ایک ایسی سڑک پر واقع ہے جو ہمدان سے زنجان کی طرف جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد 4، ص 504)

آپ ماہ رجب کے اواخر یا ماہ شعبان کے اوائل میں 536 ہجری بمطابق مارچ 1142ء کو سہرورد میں پیدا ہوئے۔

آپ کا سلسلہ نسب یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔آپ کے سلسلہ نسب میں موجود تمام افراد بہت خدا رسیدہ بزرگ تھے اور بلند پایہ عالم تھے۔آپ نے اپنے خاندانی شیوخ سے بہت روایات حاصل کیں۔آپ نے علمی و روحانی فیض اپنے خاندان سے ہی حاصل کیا۔آپ کے چچا اور شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوالنجیب سہروردی اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی، عالم اور صاحب اسرار آدمی تھے۔ان کی کتاب "آداب المریدین" بعد میں آنے والے اکثر اولیاء کرام کے نصاب میں شامل رہی۔

آپ نے ظاہری و باطنی تعلیم اپنے عم محترم اور شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمائی ان کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ ابوالفتوح الطائی متوفی 555ہجری، حضرت حافظ مظفر بن احمد شبلی محدث عراقی، حضرت ابو احمد معمر بن عبدالواحد قریشی، حضرت ابوالفتح محمد بن عبدالباقی، حضرت ابو زرعہ طاہر بن محمد مقدسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔فقہ کی تعلیم شیخ ابوالقاسم یحییٰ بن علی بغدادی سے حاصل کی۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، بچپن ہی سے آپ میں وہ ذہانت و فراست موجود تھی کہ دیکھنے والے متحیر ہو جاتے تھے اور مدارس و مکاتب کے تمام معلمین و اساتذہ آپ کی ذہانت و فہم کے بے حد مداح تھے۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے صرف سولہ برس ہی کی عمر میں جملہ علوم و فنون میں کمال اور معقولات و منقولات دونوں میں تبحر حاصل کر کے سند فضیلت پائی۔آپ فقہ و حدیث، قرآن و تفسیر، بیان و بلاغت، ریاضی و ہیت، فلسفہ و منطق اور علم کلام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔

پھر آپ کو علم باطنی سیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ حالت پیدا ہو گئی کہ ہمہ وقت ہی استغراق میں رہنے لگے۔آپ کے عم محترم حضرت شیخ ضیاءالدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی و عارف تھے۔بچپن سے آپ انہی کی صحبت و مجلس میں رہے اور یہ اسی کا اثر تھا کہ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کو علوم باطنی کی تحصیل کا شوق فراواں پیدا ہو گیا۔

وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ آپ کا علم الکلام و عبادات میں انہماک بڑھتا رہا اور آپ ہمہ تن و ہمہ وقت محو و مصروف رہنے لگے۔چچا نے بار بار سمجھایا کہ بیٹا ابھی تم بچے ہو تمہاری عمر بھی ایسی نہیں ہے کہ تم علم باطنی کی طرف توجہ کرو۔ابھی اور پڑھو اور ترقی کرو، وقت آئے گا تو یہ کام بھی ہو جائے گا مگر جب آپ نے ایک بھی نہ سنی، شب و روز اس میں غرق رہنے لگے تو وہ ایک دن آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری اور وہاں سے فیض یاب ہونے کے بارے میں آپ خود یوں فرماتے ہیں کہ میں اپنے عالم شباب میں علم کلام میں مصروف رہتا تھا اور اس فن کی بہت سی کتابیں بھی میں نے ازبر کر لی تھیں۔میرے عم بزرگوار حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ علم کلام میں بکثرت مشغول ہونے سے منع فرماتے تھے۔آخر ایک روز وہ مجھے حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی شاہ جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور حاضر ہو کر عرض کیا: بندہ نواز یہ میرا بھتیجا ہے اور ہمیشہ علم کلام میں مشغول رہتا ہے۔میں نے اس کو اس کے پڑھنے سے کئی بار منع کیا ہے۔ان کے عرض کرنے پر حضرت غوث اعظم

ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس فن کی تم نے کون کون سی کتاب پڑھی ہے۔میں نے کتابوں نے نام بتائے تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا جس سے مجھے ان کتابوں میں سے کسی کا ایک بھی کوئی لفظ یاد نہ رہا۔اور میرے دل سے اس علم کے تمام مسائل نسیاً منسیا ہو گئے بھول گئے، مٹ گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت میرے سینے میں علم لدنی بھر دیا۔اور جب میں آپ کے آستانہ عالیہ سے واپس ہوا تو علم وحکمت اور علم لدنی میری زبان پر تھا۔نیز آپ نے فرمایا: انت آخر المشهورين في العراق۔تم عراق کے متاخرین میں سے شہرۂ آفاق شخصیت ہو گئے۔(نفحات الانس، ص 357)

حضور غوث اعظم ﷺ کی نظر پڑتے اور ہاتھ پھرتے ہی سینہ تو تجلی گاہ انوار بن چکا تھا۔اب تو ترقیات ومراتب کے حصول اور طے مراحل کا سوال رہ گیا تھا تو یہ آپ نے اب شروع کر دیا جس کے چچا حضرت ابونجیب سہروردی جیسے کاملین اور شفیق مرشد حضرت غوثیت مآب جیسے سردار اولیاء ہوں اس کی ترقی کی سرعت و رفتار کا کیا کہنا، بس پر لگ گئے تھے جن سے بسیط فضاؤں میں اُڑتے چلے جاتے تھے، مرشد کامل کی توجہ ہو تو ہزار سال کی راہ ایک آن میں طے ہو سکتی ہے، پھر آپ کو تو دو مرشد ملے ہوئے تھے اور مرشد بھی ایسے، جن کا ثانی زمانہ آج تک پیدا نہ کر سکا۔کیا کچھ نہ دیا ہو گا اور کیا کچھ نہ پایا ہو گا، جتنا راستہ طے ہوتا جاتا تھا اتنا ہی شوق بڑھتا جاتا تھا اور جتنا شوق بڑھتا جاتا تھا اتنے ہی ریاضات، عبادات ومجاہدات زیادہ کئے جاتے تھے۔

سالہا سال قطعی بیداری میں گزر گئے، برسوں رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہے، دو دو رکعت میں ایک ایک قرآن ختم کرتے رہے۔رات بھر اللہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے اور دن بھر روزہ رکھتے۔حضرت غوث پاک ﷺ آپ پر بہت مہربان تھے اور شفقت رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپ آخر وقت میں قطب اور اپنے عہد کے اوتاد بن گئے۔حضرت غوث اعظم ﷺ کے بعد روحانی فرماں روائی آپ ہی کی تھی اور تمام مشائخ نے آپ کو شیخ الشیوخ تسلیم کر لیا تھا۔حضرت ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور حضور غوث پاک ﷺ نے بالترتیب 562ھ اور 561ھ میں وصال پایا اور آپ کا سن ولادت 536ھ ہے۔اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے پچیس (25) سال کی عمر میں جبکہ عین عالم شباب اور نوجوانی کا دور ہوتا ہے، اتنی ترقیاں طے کر لی تھیں کہ دونوں بزرگوں نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما دیا تھا۔(ایضاً، ص 229)

آپ نے خلیج فارس کے جزیرہ عبادان میں گوشہ نشینی اختیار کی، جہاں آپ تنہائی میں عرصہ دراز تک ذکر وفکر وعبادت اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے۔اسی مقام پر ابدال کی صحبت بھی میسر ہوئی۔آپ نے متعدد حج بھی کئے۔کئی سال تک خانہ کعبہ میں رہے۔آخر کار روحانی مجاہدات اور سفر سے فارغ ہو کر بغداد واپس آ گئے۔(مقدمہ عوارف، ص 12)

آپ کی یہ حالت تھی کہ مسلمہ طور پر بغداد کے شیخ الشیوخ تھے، ہر سال حرمین شریفین کی زیارت کو والہانہ جاتے اور حضرت خضر علیہ السلام برابر آپ کے پاس آتے جاتے رہتے، اس عہد میں دنیا کے اندر کوئی بزرگ آپ کا ہم پایہ اور ہم رُتبہ نہ تھا۔اور تاج قیادت آپ ہی کے سر پر جگمگا رہا تھا۔

آپ نے بڑی نادر اور معرکہ آراء کتب تصنیف کیں۔بہجۃ الابرار اور عوارف شریفہ آپ کی وہ لاثانی تصانیف ہیں، جن

سے تا قیام قیامت فقراء، اولیاء اور مشائخ فیض اندوز ہوتے رہیں گے۔

آپ کی خانقاہ عالیہ میں ایک چشمۂ فیض تھا جو ہمہ وقت اُبلتا رہتا تھا اور جس سے ایک عالم سیراب ہو رہا تھا۔ ظاہری و باطنی علوم کے لئے جداگانہ انتظام تھے۔ آپ کے مدرسہ میں بھی بکثرت طلباء تھے اور خانقاہ میں بھی۔ اس وقت آپ کی خانقاہ دنیا کی سب سے بڑی روحانی یونیورسٹی تھی جس سے بڑے بڑے مشائخ کرام عملی و اعزازی اسناد لے کر نکلتے تھے۔ ایشاء کے قریب قریب تمام مشہور اور کامل مشائخ نے اس دور میں آپ کی قدم بوسی کی۔ آپ کی مجالس میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت قطب الاقطاب قطب الدین، حضرت گنج شکر، حضرت شیخ سعدی، حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے لوگ اسی خانقاہ میں ٹھہرے اور یہیں سے فیوض حاصل کیے۔

آپ کی مجلس پر انوار مختلف ملکوں اور شہروں کے اولیاء و مشائخ سے کبھی خالی نہ رہتی تھی بلکہ ایک کثیر تعداد ہمیشہ موجود رہتی تھی جن کے قیام و طعام کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔ بڑی بابرکت مجالس ہوتی تھیں، جن میں عرفان و معرفت کے خم لنڈھائے جاتے تھے۔ آپ کے لنگر خانہ میں سینکڑوں من آٹا روز پکتا تھا۔ ہر جمعہ کو وعظ فرماتے، جس کو سننے کے لئے خلقت اُمنڈ آتی تھی۔ (سیر الاخیار، ص229)

آپ نے اپنی زندگی میں بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔ آپ نے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شیخ بہاؤالدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ 610ھ میں ملاقات کی اور اپنی خانقاہ میں ٹھہرنے کی دعوت دی مگر وہ مدرسہ مستنصریہ میں قیام فرما ہوئے۔ (مناقب العافین، ص13)

آپ خلیفہ ابوجعفر منصور بن الظاہر کے دور خلافت میں قونیہ تشریف لائے۔ ان دنوں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے حضرت خواجہ سید سرور برہان الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان کی زیارت بھی کی۔

آپ خلیفہ وقت کی طرف سے سفارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ خلیفہ الناصر نے آپ کو سلطان محمد خوارزم شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔ سلطان خوارزم شاہ تین لاکھ سواروں کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہوا، وہ آپ کی تقریر سے متاثر ہوا مگر حملہ سے باز نہ آیا۔ آخر آپ کی کرامت کا ظہور ہوا کہ عقبہ حلوان کے قریب برف باری اور شدید سردی کی وجہ سے اس کا سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا اور وہ ناکام واپس چلا گیا۔ یہ 614ھ کا واقعہ ہے۔ 618ھ کو خلیفہ الناصر نے آپ کو حلب میں سفیر بنا کر بھیجا۔ وہاں قاضی ابن شداد کے ساتھ آپ کی محفلیں خوب گرم رہیں۔ وہاں آپ نے مقامی افراد کو اپنی روحانیت اور مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا۔ (وفیات الاعیان، جلد 1، ص415)

آپ کی ذات علم و حکمت کا مینار تھی۔ آپ کو قرآن و حدیث اور کلام و تصوف پر یکساں عبور حاصل تھا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک نے آپ کے سینہ اقدس کو علوم و معارف سے مالا مال کر دیا۔

آپ کی تصانیف آپ کے علم وحکمت پر گواہ ہیں ۔ان تصانیف میں عوارف المعارف ایک زندہ جاوید کتاب ہے جو اولیاء کرام کی محفلوں کی زینت رہی اور نصاب تصوف کا اہم ستون قرار دی گئی ۔اس کے علاوہ بغیۃ البیان فی تفسیر القرآن ۔اعلام الھدیٰ وعقیدۃ ارباب التقی ۔جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب ۔کتاب الوصایا ۔الرحیق المختوم لذوی العقول والمفہوم ۔صفوۃ الصوفیہ فی آداب المریدین ۔مقامات العارفین ۔رسالہ فی اعتقاد الحکماء ۔اسرار العارفین وسیر الطالبین ۔کتاب الاوراد ۔رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح والیونانیہ ۔جیسی کتابیں آپ کا نتیجہ فکر ہیں ۔یہ کتابیں مختلف مقامات پر مُسوّدات کی صورت میں موجود ہیں اسرار العارفین اور کتاب الاوراد شائع ہو چکی ہیں ۔جذب القلوب بھی شام میں چھپ چکی ہے ۔(تحقیق پروفیسر رشید احمد ارشد مقدمہ عوارف)

آپ فہم وفراست، عقل ودانش، جرأت وصاف گوئی کے شاہکار تھے ۔درج ذیل واقعہ سے یہ ساری صفات حمیدہ عیاں ہیں:

''دوسری مرتبہ خلیفہ الظاہر ابونصر محمد بن الناصر کی تخت نشینی کے موقع پر آپ روم تشریف لائے ۔اس وقت سلطان مصروف سیر وشکار تھا ۔مولانا روم کے والد ماجد مولانا بہاؤالدین بلخی بھی سلطان کے ساتھ تھے ۔اس وقت آپ نے خلیفہ کا فرمان سلطان کے سامنے پیش کیا ۔اسی رات سلطان نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ اس کا سر سونے کا، منہ چاندی کا، پیٹ پیتل کا ہے ۔ نیز دونوں رانیں سیسے کی اور دونوں پاؤں رانگ کے ہو گئے ۔صبح جب حضرت شیخ الشیوخ مولانا بہاؤالدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شاہی محل میں گئے تو سلطان کی فرمائش پر آپ نے اس خواب کی تعبیر بیان فرمائی کہ سلطان کی زندگی میں ان کی رعایا سونے کی طرح خوش حالی اور شان وشوکت سے رہے گی ۔ان کے فرزند کے عہد حکومت میں ان کا حال چاندی کی طرح ہو جائے گا مگر جب ان کا پوتا حکومت کرے گا تو رعایا کی اخلاقی او رمالی حالت کی قدر وقیمت پیتل کی طرح گھٹ جائے گی اور رعایا کمزور اور پست ہمت ہو جائے گی ۔تیسری پشت میں رعایا کے اخلاق بالکل گر جائیں گے ۔اور امن وامان خطرہ میں پڑ جائے گا ۔چوتھی اور پانچویں پشت میں ملک تباہ وبرباد ہو جائے گا ۔سلجوقی خاندان کی حکومت ختم ہو جائے گی اور مفسد لوگ اس ملک پر قابض ہو جائیں گے ۔ بادشاہ آپ کی صحیح تعبیر سن کر آپ کی صداقت او ربے باکی سے بہت متاثر ہوا اور دعائے خیر کا طالب ہوا ۔آخر میں اس نے عزت و احترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا ۔(مناقب العارفین ،ص 49)

آپ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے بانی ہیں، آپ کے سلسلہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ترک دنیا کا اس میں کوئی حصہ نہیں ۔ سہروردی دنیا کو چھوڑ کر نہیں، دنیا میں رہ کر اور دنیا میں پھنس کر طاعت وعشق کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ہمارے ہاں کا اصول یہ ہے کہ اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، دولت کماؤ ۔سب کچھ کرو، مگر اللہ کو نہ بھولو اور گناہوں سے دامن بچائے رکھو ۔چنانچہ سہروردیہ میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں جو بیک وقت انتہائی دولت مند او رانتہائی خدا پرست تھے ۔(ایضاً:ص 230)

آپ نے طویل شاندار زندگی بسر کی ۔بے شمار مرید ہوئے ۔نامور خلفاء کرام نے آپ کے فیض کو دنیا کے گوشے گوشے

میں پھیلایا۔ ہندوستان میں شیخ الاسلام خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی۔ اور شیخ حمید الدین نا گوری نے ایک عالم کو ہدایت کا راستہ دکھایا پھر ان کے خلفاء کرام، ایک سلسلہ ذہب ہے جو آج تک جاری وساری ہے۔ حضرت خواجہ صدرالدین ملتانی، حضرت خواجہ رکن عالم ملتانی، حضرت خواجہ مخدوم جہاں گشت، حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی دریائے سہروردیہ سے سیراب ہوئے اوران بزرگوں نے لاکھوں انسانوں کو سیراب کیا۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہیں۔ اس "بلبل شیراز" کے لب ولہجہ میں حضرت شیخ کی مٹھاس اثر پذیر ہے۔ شیخ نجیب الدین شیرازی، شیخ ظہیر الدین محمود، اور حضرت شیخ محمد یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔

آپ کی سخاوت عام تھی۔ اپنے سفارتی تعلقات کی بناپر امراء خلفاء کی طرف سے آپ کو بہت سے نذرانے موصول ہوتے تھے مگر آپ تمام آمدنی راہِ خدا میں غرباً و مساکین پر خرچ کر دیتے تھے۔ راحت القلوب میں حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے اپنے قیام بغداد کے ذکر میں فرمایا ہے کہ شیخ الشیوخ کی خانقاہ میں کم وبیش ایک ہزار دینار آیا کرتے تھے اور یہ ساری رقم اسی روز راہ خدا میں صرف ہو جاتی تھی۔ رات ہونے تک ان میں سے ایک حبہ (ایک پیسہ) باقی نہیں رہتا تھا' وصال کے وقت آپ کے پاس چھ دینار تھے وہ کفن پر خرچ ہو گئے۔ آپ نے اہل وعیال کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑی۔

آپ شریعت وسنت کے بہت عظیم علمبر دار تھے۔ مشہور روایت ہے کہ آپ اور حضرت شیخ ابن عربیؒ کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر گفتگو نہ کی۔ لوگوں نے آپ سے شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: "وہ حقائق کا سمندر ہے۔" اور شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "شیخ سہروردی کی پیشانی میں حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی متابعت کا نور ایک عجیب چیز ہے۔" (مراۃ الجنان، جلد 4، ص 101)

آپ آخری عمر میں معذور ہو گئے تھے۔ آپ کی بصارت بھی زائل ہو گئی تھی لیکن سلسلہ فیض میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ آپ نے یکم محرم الحرام 632ھ بمطابق 24 ستمبر 1234ء کو وصال فرمایا اور سہروردیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ یہ قبرستان باب الظفر یہ کے پاس تھا جہاں بزرگ حضرات کو دفن کیا جاتا تھا۔ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ قبرستان ختم ہو گیا مگر آپ کا مزار ہنوز باقی ہے۔ **انا للّٰہ و انا الیه راجعون۔**

آپ نے فرمایا:

★...... اولیاء اللہ جسم کے ساتھ دنیا میں موجود ہیں مگر ان کے دل اس عالم حادث سے جدا ہیں۔ ان کی روحیں عرش کے چاروں طرف طواف کر رہی ہیں۔

★...... صوفی اپنے زہد وتقویٰ اور دنیا سے کنارہ کشی کی وجہ سے ہر آیت سے واقف ہوتا ہے۔

★...... آیت **تقلبک فی الساجدین** سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے آباء کرام یعنی انبیاء اہل سجود تھے۔ آپ ﷺ

کا ذرہ مبارک اُن کے اصلاب میں منتقل ہوتا رہتا تھا۔

★......علم فرض بھی ہے،فضیلت بھی ہے۔

★......اگر عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ عالم نہیں ہے۔لہذا اس کی چرب زبانی،طویل بیانی،مہارت فن اور قوت مناظرہ ومجادلہ کے فریب میں نہیں آنا چاہیے کیونکہ وہ جاہل ہے۔

★......سچے طالب حقیقت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے استقامت کا مطالعہ کرے کیونکہ اس کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے۔

★......تقویٰ کی صفائی اور کمال زہد سے بندہ علم میں راسخ ہوجاتا ہے۔

★......یقین علم سے افضل ہے کیونکہ یہ عمل کا سب سے بڑا محرک ہے۔

★......صرف صوفیاءکرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سنت کو زندہ کیا۔

★......جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ پیروی کریں گے وہ خدا کی محبت سے سب سے زیادہ بہرہ ور ہوں گے۔

★......صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے۔

★......جو شخص صوفیاء کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا محرک محبت ہی کا جذبہ ہوتا ہے،لہذا اس کا شمار بھی انہی میں ہوگا،خواہ وہ ان جیسے کام کرنے میں کوتاہی کرتا ہو کیونکہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے۔

★......صوفیاءکا ہم نشین،ان سے مشابہت ومحبت رکھنے والا نامراد اور بدنصیب نہیں رہ سکتا۔

★......اخلاص یہ ہے کہ حالات مخالف ہوں مگر آدمی صلہ اور نمود کے بغیر اطاعت میں مشغول رہے۔

★......شیخ اپنے مرید میں خدائی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ اسے اتباع رسول ﷺ کے راستے پر لگادیتا ہے۔

★......ہم بایزید اور منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں تصور نہیں کرسکتے کہ انہوں نے ''اناالحق'' یا ''سبحانی'' کے کلمات اپنے بارے میں کہے ہوں،بجز اس کے کہ انہوں نے خدا کا قول نقل کیا ہو۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت معین الدین چشتیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی معین الدین حسن ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام غیاث الدین حسن تھا۔ آپ کے والد محترم کا سنجر کے روسائ میں شمار ہوتا تھا اور وہ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی ماہ نور تھا جو کہ ایک عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ اسی لئے آپ کو جگر گوشئہ رسول ﷺ اور نور دیدۂ بتول بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے بہت سارے معزز القاب ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

سید الاقطاب، مونس الارواح، دلیل العارفین، سیر العارفین، خزینۃ الاصفیاء، سفینۃ الاولیاء، اخبار الاخیار معین الحق، محبوبِ خدا، عاشق ذاتِ الٰہ، حجۃ الاولیاء، سراج الاولیاء، زبدۃ العصر، شمس الاصفیاء، فخر الکاملین، برہان العارفین، عارف باللہ، مؤید الاسلام، مظہر انوار، مقتدائے دین، قطب الاقطاب، قطب العارفین، غوث المشائخ، عطائے رسول، نائب النبی، عاشق باللہ، محرم اسرار، فضل اللہ اعظم سادات، رحمتِ غفار، عبد الستار، نجم اللہ، مطیع اللہ، سلطانِ عاشقین، مقرب الحضرت والکبریا، فنافی اللہ، تاج الاولیاء، سلطان المشائخ، ملک المشائخ، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، زبدۃ المشائخ، اجل وقدوۂ اولیائے اکمل، سلطان السالکین، قطب اولیاء، شمس الفقراء، منہاج المتقین، ختم المھدین، سرحلقہ مشائخ کبار، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی، خواجہ خواجگان، حبیب اللہ، سرکار غریب نواز، سلطان الہند، رہبر کاملان، امام، مومن، رفیع الدرجات، درویش مخدوم، ناصر الاسلام، مولانا، عالم، فاضل، بادشاہ، تارک کونین، حاجی الحرمین، کامل، عامل، سپہ سالار، شاہ سوار فیض اللہ وغیرہ

اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ بحر شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے ماہر پیراک تھے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور ظاہری و باطنی علوم پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ دنیاوی اور دینی یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم حاصل کرنے کے لئے آپ مختلف ملکوں، علاقوں میں مختلف تعلیمی مراکز اور صوفیاء کرام کے پاس گئے اور اُن سے فیض پایا۔ آپ کشف و کرامات میں بھی بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ روحانیت میں آپ بہت علو مرتبت تھے۔ آپ کی تصانیف بھی بہت ہیں اور بہت اعلیٰ معیار کی ہیں۔ آپ علم و فضل کا بحر ذخار تھے۔ آپ غربأ و مساکین کے لئے سراسر رحمت تھے۔ آپ کا زہد و قناعت اور استغنا بھی مثالی تھا۔ جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت آپ کا ایک وسیع لنگر جاری رہتا تھا۔ آپ کی

سادگی کا یہ عالم تھا کہ لباس میں جا بجا پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ کو غصہ کبھی نہیں آتا تھا آپ صبر و شکر، عفو و درگزر کا پیکر جمیل تھے۔ آپ کو پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ سے بے پناہ عشق تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 14 رجب سن 537 ہجری بمطابق 2 فروری 1143ء کو بروز پیر صبح صادق کے وقت قصبہ یا علاقہ سنجر میں ہوئی۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 96 سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال 6 رجب 633 ہجری بمطابق 15 مارچ 1236 عیسوی کو بروز پیر ہوا۔ آپ کے ہم عصروں میں آپ کے مرشد پاک حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلیفہ اعظم حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم مبارک ہی کافی ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والد بزرگوار سید غیاث الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ سنجر کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ وہ دولتِ دنیا کے ساتھ دولتِ فقر سے بھی مالا مال تھے۔ اپنا سب کچھ راہ خدا میں وقف کر رکھا تھا اور بے شمار بندگانِ خدا اُن سے فیض یاب ہوتے تھے۔ غرباء مساکین کے لئے آپ کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ بی بی ماہ نور رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ وہ نہایت خدا ترس اور مخیّر تھیں۔ اُن کی کنیت ام الورع اور لقب خاص الملکہ تھا۔ بی بی ماہ نور کا وطن اصفہان تھا اور آپ کی نشو و نما خراسان میں ہوئی۔ خواجہ معین الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دو اور فرزند بھی ان کے بطن سے ہوئے۔

آپ کے وطن کے متعلق پانچ مختلف روایات ہیں۔ ان میں آپ کا وطن بجستان، دارسنجان، اصفہان، سجز ستان یا سیستان بیان کیا گیا ہے۔ کثرت آراء سیستان یا بجستان کے حق میں ہے۔ صاحب بزم صوفیا سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کا خیال ہے کہ "سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے۔ دراصل لفظ سجزی ہے۔"

عرب جغرافیہ نویس سیستان یا بجستان کو سجز بھی کہتے ہیں۔ جس کی نسبت سجزی ہے اس لیے معین الدین سنجری کی بجائے سجزی صحیح ہے۔

آپ ہندوستان اور پاکستان کے عوام میں "سنجری" کی بجائے "چشتی" یا "اجمیری" مشہور ہیں۔ آپ کا اجمیری کہلایا جانا تو اس سبب سے ہے کہ آپ نے اپنی عمر عزیز کے تقریباً چالیس برس اجمیر میں گزارے، لیکن "چشتی" مشہور ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ کے پیر طریقت حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ تھے۔ چشت، ہرات کے قریب ایک قصبہ ہے (موجودہ جغرافیہ اور نقشہ میں اس مقام کا نام اب "شافلان" لکھا جاتا ہے۔)

آپ کے زمانہ طفولیت کے بارے میں تمام مستند تذکرے خاموش ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنی طرف سے حاشیہ آرائی کی ہے لیکن تاریخی لحاظ سے اس کا پایۂ اعتبار ساقط ہے۔ قیاساً یہی کہا جا سکتا ہے کہ بچپن کا زمانہ آپ نے اپنے والدین کے زیر عاطفت

گزارا۔چونکہ وہ دولت دین وفقر سے مالامال تھے،اس لیے ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے لخت جگر کو بھی دینی تعلیم دی ہوگی۔

جب آپ کی عمر گیارہ (اور بعض روایات کے مطابق بارہ یا پندرہ) برس کی ہوئی تو آپ کے والد بزرگوار سید غیاث الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔والد مرحوم کے ترکہ میں آپ کو ایک وسیع باغ ملا جس کے ساتھ ایک پن چکی بھی تھی۔اس باغ کی دیکھ بھال آپ خود ہی کرتے تھے۔اور اس کی آمدنی سے بخوبی گزراوقات ہوجاتی تھی۔ایک دن باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ایک درویش تشریف لائے۔مختلف تاریخوں میں ان کا نام ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ یا ابراہیم قلندر رحمۃ اللہ علیہ درج ہے۔ان کے حالات زندگی تو کہیں نہیں ملتے البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک مرد مجذوب تھے۔(مجذوب اسم مفعول ہے۔اس کا مصدر ''جذب'' ہے یعنی کھینچنا،جب کسی کو مجذوب کہا جاتا ہے تو لازماً کسی قوی وغالب ہستی کو پہلے جاذب مان لیا جاتا ہے وہ جاذب بلاشبہ ذات باری تعالیٰ ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی کو اصطلاح میں 'مجذوب' کہتے ہیں۔مجذوب،اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور ہر وقت حسن الٰہی کے جلووں میں گم رہتے ہیں۔انہیں اپنے سر پیر کا کچھ ہوش نہیں ہوتا۔چشم ظاہر بین انہیں فاتر العقل اور مجنون سمجھتی ہے۔لیکن حقیقت میں وہ مردانِ کامل ہوتے ہیں۔حضرت ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قبیل (گروہ) کے بزرگ تھے۔)

جب وہ آپ کے باغ میں تشریف لائے تو آپ نے انتہائی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ایک سرسبز اور گنجان درخت کے سائے میں انہیں بٹھایا اور پختہ انگوروں کا ایک خوشہ توڑ کر اُن کے سامنے رکھ دیا۔حضرت ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی مہمان نوازی سے بہت مسرور ہوئے۔انہوں نے اپنی جھولی (زنبیل) سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسے اپنے دانتوں میں چبا کر خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا۔آپ نے بلا تکلف یہ چبائی ہوئی کھلی کھالی۔اسے کھاتے ہی دل کی دنیا بدل گئی اور سینہ انوار الٰہی سے معمور ہوگیا۔طبیعت علائق دُنیا سے متنفر ہوگئی اور رگ رگ میں عشق الٰہی کا دریا موجزن ہوگیا۔حضرت ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی راہ لی اور آپ اپنی املاک ٹھکانے لگانے کی فکر میں لگ گئے۔دو تین دن میں ساری جائیداد فروخت کرڈالی اور اس کی قیمت راہِ خدا میں لٹادی اور پھر والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل کر کے تحصیل علم اور تلاش حق کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

سن 552ھ میں جب خواجہ معین الدین چشتیؒ وطن عزیز سے رُخصت ہوئے تو آپ کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی سمرقند و بخارا ان دونوں بڑے تعلیمی مرکز تھے۔آپ پہلے سمرقند جا پہنچے اور وہاں کے نامور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں مولانا شرف الدین سے دُنیاوی اور روحانی علوم حاصل کئے۔یہاں ہی آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور مولانا شرف الدینؒ کی توجہ سے بہت جلد جملہ علوم ظاہری میں دسترس حاصل کرلی۔اس کے بعد آپ سمرقند سے بخارا پہنچے اور وہاں کے شہرۂ آفاق عالم مولانا حسام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی۔مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محبت اور شوق سے آپ کو تعلیم دی اور چند سالوں کے اندر آپ نے جملہ علوم دینی وعقلی (علوم ظاہری وباطنی) کی تکمیل کرلی۔اکثر روایات کے

مطابق سمرقند و بخارا میں آپ کا زمانہ قیام مجموعی طور پر پانچ سال ہے۔علوم ظاہری میں تکمیل کے بعد آپ کے دل میں تکمیل باطنی کی تڑپ پیدا ہوئی اور ایک دن بخارا سے مرشد کامل کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔

باطنی یا روحانی تعلیم کے لئے آپ حجاز کی طرف چل پڑے اور علاقہ نیشاپور کے قصبہ ہارون میں پہنچ کر قطب وقت حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔اللہ ہی جانتا ہے کہ اس آغوش ناز میں آپ کو کیا ملا کہ بیس سال چھ ماہ کی طویل مدت یہیں بسر کردی۔خدمت پیر میں رہ کر مجاہدات کئے۔باطنی نعمتوں سے فیض اندوز ہوئے اور ہر وقت اُن کے ساتھ رہنے لگے، ان کا سامان دوش مبارک پر ہر جگہ اُٹھائے پھرتے تھے۔ان کے ساتھ متعدد حج کئے۔آپ کو خرقہ خلافت تو ڈھائی سال ہی کی مدت میں عطا ہو گیا تھا۔مگر دل تشنۂ کرم دامن کو کہاں چھوڑ سکتا تھا۔

یہاں سے تکمیل کمال کے بعد ڈھائی ماہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بسر کئے اور کوہ جودی سے ہوتے ہوئے بغداد شریف میں حضرت غوث پاک ﷺ کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے اور انہی کے ہمراہ کئی سفر کئے۔بغداد ہی میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ہمدان پہنچے تو وہاں کے ایک بزرگ جلیل الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور حضرت یوسف ہمدانی قدس سرہٗ سے ملاقات کر کے تبریز آئے۔

حضرت ابو سعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔اصفہان میں خواجہ محمود اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔مہمند آکر خواجہ ابو سعید مہمندیؒ سے ملے۔مہمند سے استرآباد آئے اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ناصر الدینؒ (جن کی عمر اس وقت 127 سال تھی) صاحب ولایت سے ملاقات کی۔غزنی آکر شمس العارفین شیخ عبد الواحد غزنویؒ سے ملے اور وہاں سے صدہا اولیاء اللہ سے شرف نیاز حاصل کر کے عازم ہندوستان ہوئے،اس سفر میں اور بھی مختلف مقامات، ہرات، بلخ، بخارا بھی تشریف لے گئے۔اس سفر میں ایک خادم ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا تھا۔(سیر الاخیار،ص 342)

آپ کے مجاہدات و ریاضات کی تکمیل ہو چکی تو آپ کے مرشد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے حج کا عزم کیا اور آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔بیت اللہ شریف پہنچ کر طواف کیا اور طواف سے فارغ ہو کر میزاب رحمت کے نیچے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی کہ مولائے کریم میرے معین الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمایا۔اسی وقت غیب سے آواز آئی۔معین الدین ہمارا دوست ہے۔ہم نے اسے قبول کیا اور عزت بخشی۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے اپنا خرقہ، مصلّٰی، نعلین چوبی اور عصا مرحمت (عطا کر کے) فرما کر ارشاد فرمایا: ''یہ چیزیں ہمارے پیرانِ طریقت کی یادگار ہیں۔اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کرنا اور اپنے بعد جس کو ان کا اہل سمجھو اس کے سپرد کر دینا۔''

''انیس الارواح'' میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے جب خرقۂ خلافت عطا کیا تو اپنی دونوں انگلیاں آسمان کی طرف کر کے کہا کہ ''معین الدین دیکھ'' دیکھا تو تمام فضائے ملکوت و جبروت آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی۔جس وقت خلافت عطا ہوئی اس وقت عمر مبارک باون سال تھی اور ریاضات و عبادات کی یہ حالت تھی کہ رات رات بھر بیدار رہتے اور

عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ بعض اوقات تو آپ نے ایک روز میں دو دو قرآن حکیم ختم کئے ہیں۔ آپ دورانِ سفر میں تو ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے تھے یہ آپ کا معمول تھا۔ "سیر الاقطاب" میں لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایک روز آپ مراقبہ میں تھے کہ ندا آئی، مانگ کیا مانگتا ہے۔ ہم تجھ سے بہت خوش ہیں، جو طلب کرے گا پائے گا۔ عرض کی کہ جب تک میرے مرید بہشت میں نہ جائیں گے، میں اس کے اندر قدم نہ رکھوں گا۔ (سیر الاخیار، ص 343)

حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر خواجہ عثمان ہارونی اور حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہما مدینہ منورہ پہنچے اور سیدھے پیغمبر اول و آخر و اعظم سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ مرشد کامل نے مرید صادق کو حکم دیا: "معین الدین آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں سلام عرض کرو۔" خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ کہا: "**الصلوٰۃ والسلام علیکم یا سیّدالمرسلین و خاتم النبیین**۔" روضۂ اقدس سے آواز آئی: "**وعلیکم السلام یاقطب المشائخ**۔" اس کے بعد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ غریب نواز کو درود شریف پڑھنے کی تلقین کی۔ آپ عشاء تک درود شریف پڑھتے رہے۔ نماز عشاء کے بعد آنکھ لگ گئی تو خواب میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "معین الدین ہم نے تمہیں بحکم الٰہی سلطان الہند مقرر کیا۔ اب تم اپنے مرشد سے ہندوستان جانے کی اجازت حاصل کرو۔"

صبح ہوتے ہی آپ نے مرشد گرامی کی خدمت میں خواب کا واقعہ بیان کیا۔ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبوب مرید کی دربار رسالت ﷺ میں مقبولیت کا حال سن کر بہت مسرور ہوئے اور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: تم نے ہندوستان نہیں دیکھا ہے اپنی آنکھیں بند کرو تا کہ ہم تمہیں اس اجنبی سرزمین کی سیر کرادیں۔"

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں بند کیں اور مرشد کامل نے چند لمحوں میں سارے ہندوستان کی سیر کرادی۔

ایک اور روایت کے مطابق جب آپ اپنے مرشد پاک کے ہمراہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ اسی موقع پر سرور کائنات ﷺ نے عالم خواب میں آپ کو ہندوستان میں تبلیغ کا حکم دیا اور حضور ہی نے آپ کو عالم رؤیا میں ہندوستان کی سیر کرائی اور ایک انار عطا فرما کر رُخصت کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خرقۂ خلافت پانے کے بعد اور ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل عرصہ تک مختلف بلاد اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی اور دوران سیاحت صدہا اولیاء اللہ اور اکابر اُمت سے ملاقات کی۔

آپ نے کس جگہ یا ملک و مقام سے ہندوستان کے لئے روانگی اختیار کی اور دورانِ سفر آپ پہلے کہاں گئے اور اس کے بعد کہاں گئے ان سے متعلق روایات میں بہت تضاد ہے۔ بے شمار متضاد روایات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ آپ کے مقامات سیاحت کی اصل ترتیب کیا تھی۔ اس لیے ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے مختلف مقامات پر آپ کو جو اہم واقعات پیش آئے اُن کا اجمالی تذکرہ یوں حسب ذیل ہے:۔

بغداد کو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اقدس میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی شہر میں آپ حضرت خواجہ عثمان

ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور اسی شہر میں آپ کے خلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بیعت کی اور پھر بغداد ہی میں آپ نے سید الاقطاب والاولیاء سیدنا غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ سے بے پناہ باطنی فیوض حاصل کئے ۔

ایک روایت کے مطابق آپ سیدنا غوث اعظم ﷺ کی خدمت میں پانچ ماہ تک رہے اس عرصہ میں ستاون روز تک حضرت غوث الاعظم ﷺ اور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی حجرے میں مقیم رہے ۔اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے حضرت غوث الاعظم ﷺ سے کس قدر فیض اُٹھایا ہوگا۔اپنی سیاحت کے دوران میں آپ نے جس جلیل القدر ہستی سے خصوصی فیض اُٹھایا وہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ تھے ۔آپؒ اُن کی خدمت میں اڑھائی سال تک رہے ۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی سیاحت کے زمانے میں شیخ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہمدان میں اور شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ تبریز میں علم ومعرفت کے خزانے لٹارہے تھے ۔دونوں اپنے وقت کے عالی مقام ومشہور صوفیاء میں سے تھے ۔خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہمدان میں شیخ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اور پھر تبریز میں حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی صحبت سے تصوف کے مسائل سمجھے ۔

ہمدان اور تبریز میں کچھ عرصہ قیام کے بعد خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اصفہان تشریف لے گئے ۔یہاں شیخ محمود اصفہانی کے باطنی کمالات سے مستفیض ہوئے ۔اصفہان سے مہنہ اور خرقان میں شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ استر آباد پہنچے اور وہاں مشہور عالم شیخ ناصر الدین استر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا۔

استر آباد سے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ہرات (ہری) تشریف لے گئے ۔وہاں شیخ الاسلام امام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کی ۔اور پھر عبادت میں مشغول ہوگئے ۔لوگوں کو آپ کے کمالات باطنی کا علم ہوگیا اور وہ کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ۔اس سے آپ کے اذکار واشغال میں خلل پڑنے لگا۔چنانچہ ہرات میں آپ نے زیادہ عرصہ قیام نہ کیا اور عازم سبزوار ہوگئے ۔

سبزوار میں آپ کا قیام اتفاقاً حاکم سبزوار کے باغ میں ہوا۔یہ باغ نہایت سرسبز اور شاداب تھا اور حاکم سبزوار ''محمد یادگار'' نے اسے اپنی خلوت گاہ بنا رکھا تھا ۔وہاں وہ شراب نوشی کرتا اور رنگ رلیاں منایا کرتا تھا۔باغ کے بیچوں بیچ شفاف پانی کی ایک نہر جاری تھی اور وسط میں خوش نما حوض تھا۔خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے نہر میں غسل کیا۔نماز ادا کی اور پھر حوض کے کنارے عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئے ۔حاکم سبزوار ایک بداطوار اور جابر شخص تھا۔باغ کے محافظوں نے اپنے حاکم کی سخت گیری کا حال حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا اور آپ سے درخواست کی کہ یہاں سے تشریف لے جائیں ایسا نہ ہو کہ حاکم آپ کو کوئی نقصان پہنچائے ۔آپ نے فرمایا درویش جہاں بیٹھ گیا، بیٹھ گیا ۔اللہ تبارک وتعالیٰ میرا محافظ ہے ۔

حاکم سبزوار نہایت کروفر سے باغ میں داخل ہوا اور سیدھا حوض کی طرف آیا۔لب حوض ایک اجنبی درویش کو بیٹھے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ آپؒ نے نظر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔یہ نگاہ ایک مردِ مومن کی نگاہ تھی جس نے محمد یادگار کی تقدیر بدل دی۔اسی وقت زمین پر گر کر مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے حوض سے چلو میں پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے۔ہوش میں آتے ہی حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر اپنے گناہوں پر پشیمانی کا اظہار کیا۔پھر حضرت سے التجا کی کہ مجھے اپنی غلامی میں لے لیجئے۔

محمد یادگار کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔اپنی ساری دولت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دی۔آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ دولت تم نے ظلم و جور سے جمع کی ہے اسے اصل مالکوں کو لوٹا دو۔محمد یادگار نے تعمیل حکم کی اور اپنے سارے لونڈی غلام بھی آزاد کر دیئے اور خود خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اُسے فیوض باطنی سے مالا مال کر دیا اور پھر اسے خرقہ خلافت عطا فرما کر سبزوار سے رُخصت ہوئے۔

سبزوار سے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ حصار یا حصار افروز میں رہنے کے بعد بلخ تشریف لے گئے اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔بلخ میں حکیم مولانا ضیاءالدین ایک جید عالم تھے جو فلسفہ میں درجہ کمال رکھتے تھے۔وہ علوم باطنی کے منکر تھے اور تصوف کو محض ڈھکوسلا سمجھتے تھے۔درویش اور صوفیاء ان کے نزدیک ریاکار اور ٹھگ تھے۔اپنے شاگردوں کو بھی وہ تصوف کے خلاف تعلیم دیا کرتے تھے۔ایک دن آپؒ بلخ کے قریب جنگل میں تشریف لے گئے اور ایک کلنگ کا شکار کر کے کباب بنانے لگے۔اتفاق سے مولانا ضیاءالدین رحمۃ اللہ علیہ کا اُدھر سے گزر ہوا۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہ تواضع کباب کا ایک ٹکڑا انہیں پیش کیا۔یہ ٹکڑا کھاتے ہی مولانا ضیاءالدین کی حالت متغیر ہو گئی اور ذہن سے تمام فلسفیانہ خیالات یکسر محو ہو گئے۔حضرتؒ کے قدموں پر گر پڑے اور اسی وقت آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔مولانا ضیاءالدینؒ اس کے بعد راہِ طریقت پر گامزن ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں درجہ کمال تک پہنچ گئے۔(سیر الاخیار ص 348)

بلخ سے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ غزنی رونق افروز ہوئے۔ان دنوں غزنی کے سیاسی حالات بہت ابتر تھے۔سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد غزنی کی حکومت کمزور ہو چکی تھی،اور آئے دن دشمنوں کے حملوں کا ہدف بنی رہتی تھی۔تاتاریوں نے اردگرد کے علاقوں میں بے پناہ تباہی مچائی۔تاتاریوں کے ہاتھوں بلادِ اسلامیہ کی تباہی پر اُن کا دل بہت کڑھا۔غزنی میں آپ نے شیخ عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا اور پھر وہاں سے عازم ہند ہوئے۔

قارئین کرام!جب 1947ء میں پارٹیشن ہوئی تو میری عمر اس وقت ساڑھے سات سال تھی۔ہم نے ریاست الور کے شہر تجارا جو کہ دہلی سے 35 میل جنوب میں تھا وہاں سے ہجرت کی تھی۔تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ میو راجپوت قوم کس زمانے میں مسلمان ہوئی؟لیکن یہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کا ہونا انہی بزرگانِ دین،اولیاءاللہ کا کارنامہ ہے۔اس لئے میں

محسوس کرتا ہوں کہ اس موقع پر اظہارِ تشکر کے طور پر مختصر ترین الفاظ میں ''ہند'' میں دین اسلام کا پھیلنا بیان کر دیا جائے اور یہ علمی لحاظ سے سب کے لئے سودمند ہوگا۔

یوں تو سرزمین ہند میں اسلام کی ضیا پاشیاں خلافت راشدہ کے زمانے سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جناب جبلہ العدوی رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں جناب حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جناب مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان تشریف لائے۔ اس کے بعد ولید بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے ''دولہارائے'' راجہ اجمیر کے دربار میں روشن علی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ 92 ہجری میں فاتح اعظم محمد بن قاسم عماء الدین ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان آئے اور پھر کچھ بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مؤرخین کی رائے میں 395 ہجری میں حضرت محمد اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور 411 ہجری میں حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہندوستان میں آمد بیان کی جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت خواجہ زندنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ حضرت علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری اور 465 ہجری میں اُن کا وصال اور لاہور میں مزار مبارک تو سب ہی پر عیاں ہے۔ بدایوں میں بھی بہت سے جلیل القدر شہداء کے مزارات موجود ہیں جو 409 ہجری کے معرکوں میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد 588 ہجری میں رسول مقبول ﷺ کے حکم (عالم خواب میں) کی تعمیل میں سلطان الہند غریب نواز معینِ ملت و دین حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں قدم رنجہ فرمایا اور اس سرزمین کو باطل کی آلودگیوں سے پاک وصاف کر کے حق وایمان کی شمع روشن کی اور لاکھوں باطل پرستوں کو ضلالت کے عمیق غار سے نکال کر راہِ مستقیم پر گامزن کر دیا۔

چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستان میں تشریف آوری سے پہلے کچھ اور مسلمان بزرگ بھی اس سرزمین کو شرف قدم بوسی بخش چکے تھے۔ ان بزرگوں کی تبلیغ واشاعتِ دین ورہنمائی کی بدولت ہندوستان میں متعدد مقامات پر دینِ حق کے نام لیوا پیدا ہو چکے تھے۔ بالخصوص لاہور اور اس کے نواحی علاقوں میں حضرت شیخ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ کی تبلیغی مساعی کی بدولت اسلام کا بڑا گہرا اثر پڑ چکا تھا۔ اسی طرح قنوج، بدایوں، ناگور اور بہار کے بعض شہروں میں بھی مسلمان موجود تھے۔ لیکن ہندوستان میں اسلام ابھی ایک ہمہ گیر قوت کی حیثیت سے نہیں اُبھرا تھا۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہندوستان میں ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دینِ حق نے اس سرزمین میں ایک ہمہ گیر حیثیت اختیار کر لی۔

سرزمین ہند کو آپ (حضرت معین الدین چشتی سجزی المعروف خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ) کے قدم مبارک چومنے کا شرف سن 587ھ بمطابق 92-1191ء میں حاصل ہوا اور اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ ولایت ہند سے باہر کبھی تشریف نہیں لے گئے۔ پرتھوی راج کا ستارہ اقبال آپ ہی کے سامنے غروب ہوا۔

عام روایتوں کے مطابق حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ غزنی سے سیدھے لاہور پہنچے اور لاہور سے دو ماہ کے سفر کے بعد اجمیر رونق افروز ہوئے۔ اس حساب سے لاہور میں آپ کا سال ورود اواخر سن 586ھ ٹھہرتا ہے۔

قیام لاہور کے دوران میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (المعروف داتا گنج بخش) کے مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے اور اس سے متصل ایک حجرہ میں معتکف ہو کر چالیس دن یادالٰہی میں مشغول رہے۔ یہ حجرہ آج بھی حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ کے مزار کے پاس موجود ہے۔

اس وقت کا تمام ہندوستان کفر و شرک اور بت پرستی کا مسکن تھا اور ہندوستان کے متکبروں میں سے ہر سرکش انا ربکم الاعلٰی (میں رب اعلیٰ ہوں) کا دعوے کرتا تھا اور اپنے آپ کو اللہ جل شانۂ کا شریک سمجھتا تھا اور وہ لوگ پتھر، ڈھیلے، درخت، گائے، اس کے گوبر، سانپ اور بندر وغیرہ کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے اور بھی مضبوط ہو رہے تھے۔ یہ حالات تھے جن میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان میں ورودِ مسعود ہوا۔

علمائے ظواہر خود کو وارث انبیاء بتاتے تو ہیں مگر کس عالم میں یہ قوت تھی کہ وہ ان حالات میں دہلی اور اجمیر کے اندر قدم رکھ کر اپنی جان سلامت لے جا سکتا نہیں اور ہرگز نہیں۔ انبیاء کرام علیہ السلام کے مقابلے جو کفار سے ہوئے ان کی طاقت بازو سے کہیں زیادہ اُن کی روحانیت کام کرتی رہی۔ کس عالم میں طاقت تھی کہ وہ ہندوستان کے جادوگروں اور دشمنوں سے تن تنہا عہدہ برآ ہو سکتا، علمائے باطن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم اور روحانیت دونوں نعمتیں عطا کی ہیں، اور وہ ان کے ذریعے دشمنوں سے خود کو محفوظ بھی رکھ سکتے ہیں اور ان پر غالب بھی آ سکتے ہیں۔

لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر کا عزم کیا۔ اجمیر اس وقت پورے ہندوستان میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں بیسیوں مندر تھے جہاں لاکھوں ہندو تیرتھ کے لئے آتے رہتے تھے۔ یہاں کفر و شرک کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر انتخاب بھی تبلیغ کے لئے ہندوؤں کے اس گڑھ پر پڑی اور آپ اپنے چالیس درویش ہمراہیوں کے ساتھ اجمیر کی طرف چل پڑے۔

لاہور سے اجمیر جاتے ہوئے آپ کچھ دن دہلی میں ٹھہرے۔ دہلی کا چپہ چپہ بھی کفر و شرک میں ڈوبا ہوا تھا اور پہلی جنگ تراوڑی کے باعث وہاں کے لوگ مسلمانوں سے سخت عناد رکھتے تھے۔ ان مسلمان درویشوں کو دیکھ کر یہ لوگ بہت تلملائے لیکن خدا کی قدرت کہ اللہ کے ان شیروں کی کچھ ایسی دہشت اُن پر طاری ہوئی کہ شرارت کی جرأت نہ کر سکے۔ البتہ ایک مقامی نوجوان خفیہ طور پر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کے ارادہ سے ایک چھری بغل میں لے کر آپ کی مجلس میں آیا۔ وار کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا کہ آپ نے معاً اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''بھائی اپنا کام کرنا، جھجکتا کیوں ہے؟''۔ آپ کے الفاظ خنجر بن کر اس نوجوان کے سینے میں پیوست ہو گئے اور وہ اسی وقت قدموں پر گر پڑا۔ عفو تقصیر کا خواستگار ہوا اور پھر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت خواجہؒ قیام دہلی کے دوران برابر تبلیغ حق میں مصروف رہے۔ اس دوران پانچوں وقت اذان اور نماز باجماعت ہوتی تھی۔

بعض تذکروں میں ہے کہ اجمیر کے سفر میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے سونی پت نارنول اور سمانہ میں بھی قیام کیا۔سونی پت میں آپ کا درگاہ سیدنا امام ناصرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک گوشے میں معتکف ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے۔سمانہ نزد پانی پت میں آپ کے قیام کے دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔بیان کیا جاتا ہے کہ سمانہ کے لوگوں نے سازش کر کے ان درویشوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا چاہا،چنانچہ وہ ان سے نہایت عزت واحترام سے پیش آئے اور ایک نہایت اچھی جگہ قیام کے لئے پیش کی۔پھر سب کو دعوت طعام دی۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو کشف کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کا باطن صاف نہیں ہے۔چنانچہ آپ نے ان کی دعوت رَد کر دی،اور اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں سے چل پڑے۔

سمانہ سے اگلی منزل اجمیر کی تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔تذکرہ نگاروں کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ لاہور سے اجمیر کا سفر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے بمع ساتھی درویشوں کے دو ماہ کے عرصے میں کیا۔لاہور سے اجمیر تک تمام راستے میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ حق کا فرض سرانجام دیتے رہے۔ایک روایت کے مطابق دلی اور اجمیر کے راستے میں سات سو آدمی آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سرزمین اجمیر کو 92-1191 عیسوی بمطابق 587ھ میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف حاصل ہوا۔اس وقت اجمیر میں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا (پرتھوی راج) حکومت کر رہا تھا۔اس کی حکومت ایک وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور دہلی کا اہم شہر بھی اسی کے قبضے میں تھا۔پرتھوی راج اپنے ہم عصر تمام مقامی راجاؤں سے زیادہ طاقتور اور دلیر تھا۔فی الواقعہ اس وقت وہ ہندوستان میں ایک مرکزی طاقت کی حیثیت رکھتا تھا۔اجمیر اس وقت ہندوستان کی سیاسی اور مذہبی قوت اور اقتدار کا سنگم تھا۔

پرتھوی راج سلطان شہاب الدین غوری کو تراوڑی کے میدان میں شکست دے کر اجمیر واپس آ چکا تھا کہ سرزمین اجمیر میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا نزول اجلال ہوا۔پرتھوی راج اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان جو معاملات پیش آئے ان کا زمانہ وقوع تراوڑی کی پہلی اور دوسری جنگ کا درمیانی عرصہ ہے۔

اجمیر پہنچ کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے چالیس درویش ساتھیوں کی مقدس جماعت شہر سے باہر ایک کھلے میدان میں تشریف فرما ہوئی۔اس میدان میں راجہ پرتھوی راج کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے۔راجہ کے ملازموں کو ان درویشوں کا اس میدان میں بیٹھنا ناگوار گزرا،اور انہوں نے اللہ کے ان مقدس بندوں کو یہ میدان چھوڑ دینے کے لیے کہا۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''بھائی یہ میدان کافی وسیع ہے۔راجہ کے اونٹ بھی یہیں بیٹھ جائیں گے۔''

راجہ کے ملازموں نے ایک نہ سنی اور بدزبانی اور تکرار پر اُتر آئے۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:''اچھا بھائی یہ جگہ نہ سہی اور سہی۔یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھے رہیں گے۔''یہ فرما کر آپ اناساگر کی طرف تشریف لے گئے۔''

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے اس جگہ سے تشریف لے جانے کے بعد راجہ کے اونٹ شام کو یہاں آ کر بیٹھے، صبح ہوئی تو کوئی اونٹ اُٹھ نہ سکا۔ شتر بانوں نے بہت جتن کیے لیکن اونٹوں نے زمین سے ہلنے کا نام تک نہ لیا۔ اب شتر بانوں کو احساس ہوا تو حاضرِ خدمت ہو کر معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا: "اچھا بھائی جاؤ تمہارے اونٹ حکم الٰہی سے کھڑے ہو جائیں گے۔

انا ساگر ایک وسیع اور خوبصورت تالاب تھا جو راجہ انا دیو نے بنوایا تھا۔ اس تالاب کے چاروں طرف بڑے بڑے مندر تھے۔ ان میں ایک بہت بڑا مندر راجہ اور اس کے خاندان کی بت پرستی کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے مصارف کے لئے کئی گاؤں کی آمدنی وقف تھی۔ انا ساگر کے کنارے قیام کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ اسلام کا کام زور وشور سے شروع کر دیا۔ آپ کے بے نظیر اخلاق حسنہ میں کچھ ایسی کشش تھی کہ بیسیوں لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

اجمیر کی اکثریت سر تا پا کفر وشرک اور عصیاں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کفرستان میں صدائے توحید سن کر ان بدبختوں میں ہیجان برپا ہو گیا اور وہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے درپئے آزار ہو گئے۔ راجہ پرتھوی راج بھی ان درویشوں کے حالات سن چکا تھا اور اجمیر میں ان کی موجودگی سخت ناپسند کرتا تھا لیکن اس نے طاقت کے ذریعے انہیں اجمیر سے نکالنا مناسب نہ سمجھا۔ بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ پرتھوی راج کی ماں ایک ہوش مند عورت تھی اور علم کہانت ونجوم میں خاصی دسترس رکھتی تھی وہ کئی سال پہلے پرتھوی راج کو بتا چکی تھی، کہ کسی دن اجمیر میں ایک درویش کا ورود ہو گا۔ اگر اس کو ستایا گیا تو سلطنت کے زوال کا اندیشہ ہے۔ یہ راجہ کی ماں کے عقلمندانہ مشوروں کا اثر تھا کہ اس نے ان درویشوں کو کھلم کھلا ستانے سے احتراز کیا، لیکن وہ دل سے یہی چاہتا تھا کہ یہ لوگ اس کی سلطنت سے نکل جائیں۔

اجمیر کے سب سے بڑے مہنت کا نام رام دیو تھا۔ وہ ایک قوی ہیکل شخص تھا اور کئی سفلی قوتوں کا مالک تھا۔ راجہ پرتھوی راج اور اجمیر کے لوگ اس کے بہت معتقد تھے۔ اجمیر کے لوگ مہنت رام دیو کے پاس حاضر ہوئے اور اس سے التجا کی کہ ان حق پرست درویشوں کو اجمیر سے نکالنے کا جتن کرے کیونکہ وہ نہ صرف ہمارے دھرم کے خلاف پرچار کر رہے ہیں بلکہ انا ساگر کا پانی بھی بھرشٹ (ناپاک) کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مہنت کے پاس راجہ کا پیغام پہنچا کہ اپنی قوتوں کو بروئے کار لائے اور ان درویشوں کو کسی ترکیب سے اجمیر سے نکال دے۔ مہنت اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور باطل پرستوں کے ایک غضبناک گروہ کے ساتھ سیدھا حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی قیام گاہ پر پہنچا۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے جوں ہی نظر اُٹھا کر مہنت کی طرف دیکھا اس کی کایا پلٹ گئی اور دل کی تمام کدورتیں دُھل گئیں۔ اسی وقت حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ اس کے ساتھی یہ واقعہ دیکھ کر دم بخود ہو گئے اور اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ رام دیو کو شرف با اسلام کرنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام رام دیو کی بجائے شادی دیو رکھ دیا۔

شادی دیو کا قبول اسلام اجمیر کے باطل پرستوں اور راجہ پر سخت شاق گزرا، وہ سمجھے کہ یہ درویش ساحرانہ قوتوں کے

مالک ہیں اوران کا سرداراایک زبردست جادوگر ہے۔اس کے جادو کا توڑ جادو ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ان دنوں ہندوستان میں ایک بڑے جوگی جے پال کی بڑی شہرت تھی۔شادی دیو کے قبول اسلام کے بعد راجہ کے خیال میں صرف جے پال ہی ان درویشوں کو مغلوب کرسکتا تھا۔چنانچہ اس نے تمام حالات جے پال کو کہلا بھیجے اور اسے فوراً اجمیر پہنچنے کے لیے کہا۔

جے پال اپنے شاگردوں کے ہمراہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ کی طرف بڑھا۔تمام ساحر شیروں پر سوار تھے۔کچھ اپنے ہاتھوں میں آگ اُگلنے والے سانپ پکڑے ہوئے تھے اور کچھ اپنے ہاتھوں سے آگ کے چکر اور انگارے برسا رہے تھے۔زمین ان کے دہشت خیز حملے سے لرز رہی تھی اور ساری فضا میں ایک ہولناک طوفان برپا ہوگیا تھا۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اس طوفان بدتمیزی کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں کے گرد ایک حصار کھینچ دیا۔ساحروں کی آتش بازی کا سارا زور اس حصار کے باہر باہر ختم ہی ہو جاتا تھا۔ساحروں نے بہت جتن کئے کہ کسی طرح ان کا جادو ان مسلمانوں پر اثر کرے لیکن حصار کے اندر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی نہایت اطمینان سے یادِ الٰہی میں مشغول تھے اور ان پر مطلق کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔آپ کے سمجھانے کے باوجود جب وہ سحرکاری سے باز نہ آئے تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مٹھی بھر خاک زمین سے اُٹھائی اور اللہ کا نام لے کر ساحروں کی طرف پھینک دی۔آناً فاناً ان کے تمام جادو کے کھیل بھسم ہو کر رہ گئے۔ نہ کوئی شیر رہا نہ سانپ، آگ کے چکر اور گولے راکھ کے ڈھیر بن گئے اور جادوگر حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

جے پال نے اپنے سارے منتر پڑھ ڈالے لیکن کوئی منتر کارگر نہ ہوا۔مایوس ہو کر اس نے اپنا آخری حربہ استعمال کیا اور جادو کے زور سے ہوا میں اُڑ کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر پرواز کرنے لگا۔اس کا خیال تھا کہ فضا سے آپ پر آگ برسائے لیکن اس کا ہوا میں پرواز کرنا ہی تھا کہ آپؒ نے اپنی کھڑاویں اس پر اُچھال دیں۔یہ کھڑاویں اُوپر جاتے ہی جے پال کے سر پر پڑنے لگیں اور اسے نیچے آنے پر مجبور کر دیا۔نیچے آتے ہی اس پر روشن ہوگیا کہ اس کا مقابلہ کسی معمولی درویش سے نہیں بلکہ یہ درویش اللہ کا خاص بندہ ہے۔اور اس کے مقابلے میں سب سحر و ساحری بےکار ہے۔اللہ نے اس جوگی کو قلب سلیم عطا فرمایا تھا۔اس نے کھلے دل سے اعتراف شکست کرلیا۔اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر گر کر اپنی خطاؤں اور گستاخی کی معافی چاہی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے گلے لگالیا۔جے پال اسی وقت مشرف بااسلام ہوگیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگیا۔اس کے سینکڑوں شاگردوں نے اپنے استاد کی پیروی کی اور کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے جے پال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔عبداللہ نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر اسلامی علوم سیکھے اور مجاہدات و ریاضات کئے۔حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خاص توجہ سے وہ بہت تھوڑے عرصہ میں درجہ ولایت تک پہنچ گئے اور اس نے آپ سے خرقہ خلافت پایا۔

جے پال جوگی کا اسلام لانا معمولی واقعہ نہیں تھا۔اس واقعہ کے بعد اجمیر کے لوگوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا

پرتھوی راج اس صورتحال سے بہت پریشان ہوالیکن جاہ وحشم کے نشہ نے اسے بدمست کررکھا تھا۔یہ عظیم واقعہ دیکھ کر ہدایت قبول نہ کی۔راجہ کا اشتعال بڑھتا رہااور بالآخراس نے ارادہ کرلیا کہ ان درویشوں کو بزورقوت اجمیر سے نکال دے، چنانچہ اس نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں کے متعلق نہایت نامناسب اور درشت الفاظ استعمال کیےاور اپنے ایک سردار کے ذریعہ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت جلد از جلد اجمیر سے نکل جائیں۔ جب راجہ کے الفاظ اور پیغام حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گزار ہوئے تو آپ کی زبان مبارک سے معاً یہ الفاظ نکلے:

''من ترا زندہ بدست لشکر اسلام سپردم''یعنی کہ میں تجھے زندہ حالت میں لشکرِ اسلام کے قبضہ میں دیتا ہوں۔

جب یہ بات راجہ پرتھوی راج نے سنی تو وہ یہ سن کر ہنس دیا۔مگر کچھ ہی دنوں بعد سلطان شہاب الدین غزنی سے ایک لشکر جرار کے ساتھ تراوڑی کے میدان جنگ میں آپہنچا۔27محرم سن 588ہجری بمطابق 13فروری1192عیسوی کو دونوں لشکروں میں رَن پڑا۔سلطانی فوج کے مجاہدین نے فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر لگاتے ہوئے راجہ کے لشکر کو اپنے نیزوں پر رکھ لیا۔یہ حملہ اتنا خوفناک اور شدید تھا کہ راجہ کا لشکر ہزار کوشش کے باوجود ثابت قدم نہ رہ سکا۔بیسیوں راجے مہاراجے جو اپنی فوج کو لڑائی پر اُبھار رہے تھے خاک وخون میں لوٹ گئے اور راجائی فوج اپنے ہزار مقتولوں کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔پرتھوی راج اور کھانڈے راؤ نے بھی مجبور ہوکر راہِ فرار اختیار کی۔کھانڈے راؤ لڑائی میں مارا گیا یا بچ کر نکل گیا اس کے متعلق مؤرخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔پرتھوی راج بھاگتے ہوئے دریائے سرستی کے کنارے سلطانی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا اور پھر قتل کر دیا گیا۔اس طرح حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ''من ترا را زندہ گرفتیم ودادیم۔''یعنی کہ میں نے تجھے زندہ گرفتار کرکے حوالہ کردیا)۔

تراوڑی کا میدان فتح کر لینے کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے سرستی، ہانسی، سامانہ، کہرام وغیرہ کے قلعوں کو فتح کرلیا اور بعض تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق کیکڑی کے راستہ اجمیر روانہ ہوا۔دیولی پہنچا تو وہاں ان راجاؤں کے لڑکے جن کے باپ جنگ میں مارے گئے تھے وہ اظہار اطاعت کے لئے جمع تھے۔سلطان ان کے ساتھ شفقت، محبت وسخاوت سے پیش آیا اور ان کو جاگیریں عطا کیں۔پھر اجمیر پہنچا اور سیدھا حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اسے سینے سے لگایا۔فتح کی مبارکباد دی اور اپنی دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اسے بہت سی نصیحتیں کیں جن میں خاص طور پر تاکید کی کہ یہاں کے باشندوں کو نہ ستانا اور عدل وانصاف سے حکومت کرنا۔سطان شہاب الدین غوری نے اجمیر میں تین دن قیام کیا۔وہ ان تین دنوں میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی اقتداء میں نماز ادا کرتا رہا اور آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوتا رہا۔ایک روایت میں ہے کہ سلطانؒ نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی سفارش پر پرتھوی راج کے لڑکے کو اجمیر کی حکومت عطا فرمائی۔اس نے اسلامی حکومت کی اطاعت کا عہد کیا۔(سیر الاخیار،ص 347)

اجمیر سے ہوکر سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ واپس غزنی چلا گیا اور ہندوستان میں قطب الدین ایبک کو اپنا

نائب مقرر کیا۔قطب الدین ایبک ایک نہایت بہادر اور بلند ہمت شخص تھا اور سلطان کی خدمت میں رہ کر اس کی فطری صلاحیتوں کے جوہر چمک اُٹھے تھے۔سلطان کے جانے کے بعد اس نے سلطانی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں گجرات، گوالیار، بیانہ وغیرہ کے علاقے فتح کر لیے۔اسی طرح بختیار خلجی نے بہار، بنگال اور آسام کے صوبے فتح کر کے وہاں سلطان کا اقتدار قائم کر دیا۔اور اس کے دو سال بعد قنوج کو فتح کر لیا۔

اب ہندوستان میں سلطانی اقتدار کی جڑیں نہایت مضبوط ہو گئیں اور سلطان اطمینان سے غزنی واپس چلا گیا۔اس کے نائب قطب الدین ایبک نے پہلے کہرام اور پھر دہلی کو اپنا دارالحکومت بنایا اور نہایت قابلیت سے کاروبار حکومت کو چلایا۔

سن 1206عیسوی بمطابق 603ہجری میں سلطان شہاب الدین غوریؒ کی شہادت کے بعد ترک سرداروں نے قطب الدین ایبک کو بالاتفاق ہندوستان کا بادشاہ منتخب کیا۔خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ہم عصر پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک ہی تھا۔اجمیر شریف میں آپ نے ایک عظیم الشان خانقاہ بھی تیار کرائی، مسجد بنوائی اور لنگر خانہ بھی جاری کرایا۔جہاں اب روضۂ مبارک بنا ہوا ہے، وہیں آپ کا لنگر خانہ تھا۔یہ بلا امتیاز ہر ایک کے لئے تھا کسی سے ایک پیسہ بھی نہ لیتے تھے۔لنگر چلانے کے لئے کوئی آمدنی نہ تھی، بس اللہ اسے اپنی خاص حکمت سے چلا رہا تھا۔جب خرچ ختم ہو جاتا تو خادم عرض کرتا تو آپ مصلّٰی کا گوشہ اُٹھا کر اس کے نیچے سے حسب ضرورت رقم خادم کو دے دیتے۔صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں کہ اس لنگر خانے میں اتنا کھانا تیار ہوتا تھا کہ کئی ہزار افراد روزانہ دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اور اتنی برکت تھی کہ اگر دگنے اور چوگنے آدمی بھی آجاتے تو کمی نہ پڑتی۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ نے متعدد نکاح کیے۔جن سے متعدد اولاد ہوئی۔ان میں آپ کی صاحبزادی حافظ جمال صاحبِ ولایت خاتون گزری ہیں۔آپ نے انہیں خلافت دے کر مستورات کی تبلیغ اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا۔یہاں یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ آپ کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا اور وہ تھا تبلیغ اسلام اور اصلاح المسلمین،ایک طرف تو آپ نے اپنی بیٹی کو کامل بنا کر مستورات میں تبلیغ کے لئے مامور کیا اور دوسری طرف آپ نے اپنے خلفاء کو ہندوستان کے اہم مراکز میں اسی مقصد کی تکمیل کے لئے مقرر کیا۔آپ کی خانقاہ سے ہزاروں اشخاص درجۂ ولایت حاصل کر کے اور اولیاء بن کر نکلے اور دُنیا بھر میں پھیل گئے۔ہندوستان میں جو آج اتنے مسلمان نظر آ رہے ہیں، یہ دہلی اجمیر کے چشتیہ اور ملتان کے سہروردیہ خاندان کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔

آپ سے پہلے جو اولیاء اللہ، بزرگانِ دین (بدایوں میں 409ہجری میں شہید ہونے والے بزرگ، 398ھ میں حضرت اسماعیل بخاری، 411ھ میں حضرت خواجہ ابو محمد چشتی اور 430ھ میں لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) ہند تشریف لائے۔ان کی تبلیغی مساعی کی بدولت ہندوستان میں خال خال مسلمان نظر آنے لگے تھے۔لیکن کروڑوں غیر مسلموں کے درمیان اُن کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔تبلیغ اور اشاعت اسلام کا کام ابھی تک کسی باقاعدہ نظام اور مرکز کے

تحت نہیں ہوا تھا۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ظلمت کدہ ہند میں تبلیغ حق کا کام نہایت با قاعدگی سے آگے بڑھایا اور فی الواقع ہندوستان میں اسلام کی جڑیں آپ ہی نے مضبوط کیں ۔اسی وجہ سے بعض تذکرہ نگار خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان میں اسلام کا پہلا داعی لکھتے ہیں ۔حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستان میں تشریف آوری کا مقصد ہی یہ تھا کہ اللہ کے دین کو اس ملک میں پھیلائیں ۔اسی وجہ سے آپ نے اجمیر کو اپنا مستقر بنایا جو سیاسی اور مذہبی لحاظ سے اس وقت سارے ہندوستان کا مرکز تھا۔کفر وشرک کے اس مرکز میں چند سالوں کے اندر اندر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی کی بدولت قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں ،بت خانے اور مندر ویران ہو گئے،اور اجمیر اشاعت اسلام کا ایک عظیم الشان مرکز بن گیا۔

الغرض حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی کی بدولت ہندوستان میں ایک عظیم الشان روحانی وسماجی انقلاب نے جنم لیا اور اسی لیے آپ کو بجا طور پر ''نائب رسول اللہ ﷺ فی الہند'' کہا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے علو مرتبت کا اندازہ تو صرف اسی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو ہندوستان کا (روحانی) بادشاہ مقرر کیا،جس ہستی کو آقائے دو جہاں ﷺ اپنی نظر کرم سے نوازیں اس کی جلالت وعظمت اور رفعت شان کا کیا ٹھکانا ۔یہ سرور کونین ﷺ کا فیضان نظر ہی تھا کہ کفرستانِ ہند میں ہزاروں افراد کے لئے آپ کا لنگر بغیر کسی ظاہری آمدن کے لگاتار چلتا رہا۔اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے بعد کے تمام اولیاء اور علماء نے آپ کی عظمت وجلالت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کیا اور آپ کو بڑے رفیع الشان القاب وخطابات سے یاد کیا۔مثلاً سلطان السالکین ،قطب الاقطاب ، زبدۃ المشائخ ،سرحلقہ مشائخ کبار وغیرہ۔

کون سا ہندوستان کا بادشاہ،وائسرائے ،یا حاکم اعلیٰ ایسا ہے جس نے حضرت معین الدین چشتی المعروف حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانۂ مبارک پر حاضری دینے کو اپنی خوش نصیبی،اعزاز فخر وخوشی نہ سمجھا ہو۔وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے تو برملا یہ تک کہہ دیا کہ ہندوستان میں ایک قبر حکومت کر رہی ہے اور وہ قبر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی قبر ہے۔

غیر ممالک سے آنے والے سربراہانِ مملکت میں سے بھی اکثریت کی حضرت معین الدین چشتی اجمیری المعروف حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے در پر حاضری دینے کی آرزو ہوتی ہے اور کچھ وہاں حاضری بھی دے آتے ہیں،اور مسلمانانِ برصغیر میں تو آپ اس قدر مشہور، ہر دلعزیز اور عالی مرتبت ہیں کہ جس کی حد وحساب نہیں ہے۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وفات کی شب آپ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔حجرہ کے باہر اہل خانقاہ کو رات بھر اندر سے زور زور سے پیر پٹخنے کی آواز آتی رہی۔اس آواز کی کیفیت حالت وجد میں پیر پٹخنے کی مانند تھی ۔اس لئے خدام نے یہی سمجھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ وجد کے عالم میں ہیں۔

سیرۃ السالکین میں ہے کہ جس شب کو آپ کا انتقال ہوا اس تمام شب حجرہ میں لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آتی

رہیں۔ سیرۃ السالکین کی روایت کے مطابق شب انتقال چند بزرگوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں اپنے معین الدین کی پیشوائی کو آیا ہوں۔ کسی نے دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے اور ساکنانِ عرش کے نزدیک مجھے جگہ ملی ہے۔

رات کے آخری حصے میں یہ آواز بند ہوگئی۔ فجر کی نماز کے وقت خدام نے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ کسی نہ کسی طرح دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ واصل بحق ہو چکے ہیں، اور حجرہ کے درودیوار شہادت دے رہیں کہ

حَبِیْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰهِ۔ ''یعنی اللہ کا دوست اللہ کی محبت یعنی رضائے دوست میں فوت ہوا''

اکثر تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ کا وصال بادشاہِ ہند سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں 6 رجب بروز پیر سن 633 ہجری بمطابق 15 مارچ 1236 عیسوی کو اپنی خانقاہ، اجمیر شریف میں ہوا۔ **اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

وصال کی خبر آناً فاناً دور تک پھیل گئی اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔ خدام نے بعجلت غسل دیا اور ہزار ہا عقیدت مندوں نے بچشم گریاں نماز جنازہ کے بعد اس آفتاب ہدایت کو اس جگہ دفن کردیا جہاں آج کل مزار پرانوار ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
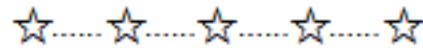
حضرت شہباز قلندرؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی محمد عثمان ہے۔آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک کبیر الدین احمد تھا۔آپ کا پیدائشی وطن یا شہر مرند تھا اور اس شہر یا قصبہ کا جائے وقوع تبریز کے قریب بتایا جاتا ہے۔مقام پیدائش مرند کی نسبت سے آپ کو مرندی اور مروندی بھی کہا جاتا ہے۔یعنی کہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ مرندی یا مروندی بھی لکھا جاتا ہے۔آپ کو ''لعل'' کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے، جو غالباً اس لئے ہے کہ ❶ آپ لال کپڑے پہنے رہتے تھے۔❷ آپ کا چہرہ مبارک ایک لال رنگ کے قیمتی پتھر ''لعل'' کی مانند چمکتا تھا، ❸اس کی ایک وجہ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے ایک ایسے بزرگ کی راکھ اپنے چہرہ اور جسم پر مل لی جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے عشق حقیقی میں جل کر راکھ،خاک ہوگئے تھے۔پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم مبارک سنتے تو آپ کے جسم پر چھوٹی بوندوں یا قطروں کی شکل میں خون نمودار ہوجاتا جس سے آپ لال نظر آنے لگتے اور اس سبب سے آپ کے اسم مبارک کے لفظ لال کا اضافہ بطور القاب ہوگیا۔آپ صحیح النسب سادات میں سے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔آپ کا خاندانی تعلق گیارہ (11) واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ کو شہباز کا لقب غالباً اس لئے ملا کہ آپ کے والد بزرگوار کو کربلا معلّٰی میں زیارت کے وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ ہم آپ کو وہ ''باز'' دیتے ہیں جو ہمیں اپنے نانا حضور ﷺ سے بطور انعام عطا ہوا تھا۔اس بشارت کے بعد آپ کو قلندر لعل شہباز کی صورت میں ایک عالی المرتبت فرزند عطا ہوا۔

آپ اپنے وقت کے بہت عالی مقام بزرگ،اولیاء اللہ سے ہوئے ہیں۔سفر وسیاحت، ریاضات ومجاہدات میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ شریعت وطریقت کے شہہ سوار تھے۔آپ کے کشف وکرامات بہت زیادہ ہیں۔آپ نے بہت لمبے لمبے سفر طے کئے ہیں۔بہت بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوئے ہیں اور وہاں سے فیض پایا ہے۔اپنے ہم عصر صوفیاء کرام،اولیاء اللہ سے بھی ملے ہیں اور باہم مستفیض ہوئے ہیں۔آپ اپنے زمانے میں بہت تعلیم یافتہ تھے۔فارسی اور عربی پر مکمل دسترس حاصل تھی، آپ بہت اچھے شاعر بھی تھے آپ کی زیادہ تر شاعری عربی زبان میں ہے۔آپ مدرسہ بہاءالدین ملتان میں فارسی اور عربی میں طالب علموں کو پڑھاتے بھی رہے ہیں۔آپ نے کچھ مضامین پر کتابیں بھی لکھی ہیں اور ایک مشہور انگریز محقق مسٹر برٹن کے بقول

اس دور کے اسلامی مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں آپ کی کتابیں بھی شامل تھیں۔الحمدللہ! آپ عمر کے آخری سالوں تک بہت چاک وچوبند تھے۔''تحفۃ الکرام'' کے مطابق جب آپ سیوھن تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر سو(100) سال سے کچھ زائد تھی، غالباً104 سال تھی اور آپ صحت کے لحاظ سے بہت چاک وچوبند تھے اور حسب عادت گھوم پھر کر تبلیغ کیا کرتے تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش 538ہجری بمطابق 1144عیسوی ہے۔آپ نے طویل عمر پائی۔''قلندر نامہ سندھی'' کے مطابق سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 112 سال کی عمر پائی اور سیون شریف (سیوھن) میں ہی آپ کا وصال 21رشعبان 650ہجری بمطابق 25راکتوبر 1252عیسوی میں ہوا۔

حضرت لال شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے سنِ ولادت کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

۱۔ ''لب تاریخ سندھ'' کے مولف نے سالِ ولادت 583ہجری تحریر کیا ہے۔

۲۔ ''تذکرہ صوفیائے سندھ'' نے سالِ ولادت 573ہجری بمطابق 1177عیسوی نقل کیا ہے۔

۳۔ ''اشہباز'' کے مصنف نے تاریخِ ولادت تاریخ وفات لکھا ہی نہیں ہے۔

۴۔ ''ضیاءالشہباز'' میں آپ کا سنِ ولادت 528ہجری تحریر کیا ہے۔

۵۔ ''قلندر نامہ سندھی'' میں آپ کی ولادت کے سال عمر اور وصال مبارک کے سال کے حوالے سے ایک شعر درج کیا ہے:

بہ جو تاریخ شمس الدین عثمان
نظر کن رنج از فلک کرامت

538

من عمرش ولی اللہ وفاتش

112

شروش غیب می گوید برحمت

650

ان اشعار سے بخوبی طور پر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 538ہجری میں ہوئی۔ 112برس عمر پائی اور 650ہجری میں وصال ہوا۔

حقائق سے پتا چلتا ہے کہ آپ کا وطن آذربائیجان ہے اور شہر کا صحیح نام مرند ہے۔وقت رفتہ کے ساتھ نام کا مرند سے مروندی ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

آپ مختلف صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے اور اُن کے ساتھ سیر و سفر کرتے رہے۔ جن میں حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات رہی۔

حالات، مناقب، ارشادات:

حضرت حافظ سید محمد عثمان مرندی رحمۃ اللہ علیہ عالی نسب تھے اور آپ کا خاندان یگانہ روزگار تھا اور آپ کا خاندانی تعلق چند واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد سید کبیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور عالم تھے ان کا طریق اتباع سنت نبوی ﷺ تھا۔ شرعی احکام سے سرِ موانحراف نہ کرتے تھے۔ حضرت شیخ مرندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندان کے اعتبار سے اونچی نسبت رکھتے تھے۔ اس لیے صالحیت وسخا کے بہت سے خصائص ان کے خاندان میں منتقل ہوگئے تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام سید ابراہیم بن کبیر الدین ہے جن کی ولادت جمادی الثانی 501ھ مروند میں ہوئی وہیں آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ سید ابراہیم کبیر الدین کا نسبی تعلق چونکہ سعادت خاندان سے تھا اس لئے لوگ اُن کی بے پناہ عزت واحترام کرتے تھے۔

حضرت سید عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ حاکم مروند سید سلطان شاہ کی دختر تھیں۔ آپ بڑی نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ طبیعت میں درویشی اور قناعت بے انتہا تھی۔

منقول ہے کہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے والد سید ابراہیم کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات مقدس مقامات کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید ابراہیم کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے کربلائے معلّٰی گئے تو آپ کو اُن کی طرف سے سلام کا جواب عنایت ہوا اور آپ کو وہ جگہیں بھی دکھائی گئیں جہاں شہدائے کربلا مدفون تھے۔ اس وقت جو زیارت کرنے والے آئے تھے وہ آپ سے وہ جگہیں معلوم کر کے وہاں ان شہداء کے لئے فاتحہ پڑھتے تھے۔

ایک دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ کو یہ بشارت ہوئی کہ ہم آپ کو وہ ''باز'' دیتے ہیں جو ہمیں اپنے نانا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے بطور انعام عطا ہوا تھا۔ بعد میں آپ کو حضرت قلندر لعل شہباز رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ایک عالی المرتبت فرزند عطا ہوا۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے زہد وتقویٰ اور علم ومعرفت کی شہرت دُور دُور تک تھی لوگ دور دراز سے آپ کی خدمت میں کسب فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے ایسی ہی با کمال ہستی کے بارے میں روای بیان کرتے ہیں کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی والدہ ماجدہ کے پیٹ میں تھے تو ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کی دیدار حاصل ہوا۔ انہوں نے آپ کی والدہ ماجدہ سے فرمایا: ''اے بیٹی! میں تمہیں یہ بشارت سنانے کے لیے آئی

ہوں کہ تمہارا یہ ہونے والا بیٹا اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب اور رب تعالیٰ کی مخلوق کا برگزیدہ اور شہرت یافتہ قلندر ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے وسیلہ سے اپنے بہت سے گناہ گار بندوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اے بیٹی! جب اس کی ولادت ہوجائے تو اس کے دونوں کانوں میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز پہنچا دینا اور اپنے جلیل القدر بیٹے سے میرا اسلام کہہ دینا، چنانچہ جب حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے فرمان کے مطابق عمل کیا اور اس بات کو اپنے دل میں راسخ کرلیا کہ میرا بیٹا اللہ تبارک وتعالیٰ کا برگزیدہ اور مقبول بندہ ہے۔

آپ کے والد محترم سید ابراہیم کبیر الدینؒ کی جب شادی ہوئی تو ایک مدت کے بعد ایک دن انہیں خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیدار نصیب ہوا تو انہوں نے عرض کیا: یا امیر المومنین! آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں میرے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ مجھے نیک اور صالح فرزند سے نوازے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ تم کو ایک فرزند صالح سے نوازے گا لیکن میری اس بات کو یاد رکھنا کہ جب اس کی ولادت ہو تو اُس کا نام گرامی محمد عثمان رکھنا اور جب اُس کی عمر تین سو چوراسی یوم ہوجائے تو اس کو لے کر مدینہ طیبہ میں حاضری دینا۔ حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو سلام کرنے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضر ہونا اور ان کو سلام کرنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا خواب پورا ہوا اور آپ کی ولادت ہوگئی آپ کے والد محترم نے آپ کا اسم گرامی محمد عثمان رکھ دیا اور پھر جب آپ تین سو چوراسی یوم کے ہوگئے تو آپ کو لے کر مدینہ طیبہ کا رخت سفر باندھا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دی اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سلام کرنے کی غرض سے جنت البقیع میں گئے۔

آپ نے بچپن میں ابتدائی منزلیں باپ کے سائے میں طے کیں۔ آپ کے والد مشائخ تبریز میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ ان کی نگرانی میں آپ کی نشو ونما ہوئی اور تعلیم وتربیت کا اہتمام ہوا۔ اہل علم باپ کی وجہ سے حافظ محمد عثمان کو اہل اللہ کی بچپن سے صحبتیں میسر آئیں تھیں۔ اس طرح فیوض وبرکات اور علم دین کے گہرے نقش آپ کے لوح دل پر ثبت ہوئے تھے۔ وقت آیا کہ ایمان ویقین کی ایسی دولت ہاتھ آئی کہ فکر وتحریر کا ان پر دروزاہ کھل گیا۔ بچپن میں ایسی مجالس میں شریک ہوتے تھے جن میں موت اور قیامت کے منظر کو یاد کیا جاتا ہے۔ ان مجالس میں قرآن کی وہ آیات تلاوت کی جاتیں جن کا تعلق حشر جزا اور سزا سے ہے۔ لوگوں کا عجیب حال ہوتا آنکھوں سے آنسو بہتے نفس کا محاسبہ کرتے۔ فضا استغفار سے گونجتی تھی۔ نیکی، راست بازی بچپن میں آپ کا شعار بن گئی تھی۔ آپ کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اور تحقیق وتجسس کی طرف طبیعت بہت زیادہ راغب تھی۔

آپ کے تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جب پڑھنے کے قابل ہوگئے تو آپ کو اپنے علاقے کی مسجد میں اسلامی تعلیم کے حصول کی غرض سے بھیجا گیا، آپ کی والدہ ماجدہ آپ سے بہت پیار کرتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ بیٹا دینی علوم حاصل کرے۔ چنانچہ آپ نے ابتدائی طور پر دینی تعلیم اپنے گاؤں کی مسجد سے حاصل کی۔ آپ کا ذہن بڑا روشن اور تیز تھا جلد

ہی آپ نے قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ ساتھ ابتدائی دینی مسائل بھی سیکھ لیے۔ چھ برس کی عمر تک دین کے چیدہ چیدہ مسائل اور نماز روزہ اور طہارت کے بارے میں ضروری مسائل سے آپ کو مکمل طور پر آگاہی حاصل ہو چکی تھی۔ چھ برس کی عمر میں آپ نے قرآن پاک پڑھ لیا تھا۔ اب آپ کو یہ شوق پیدا ہوا کہ قرآن پاک حفظ کیا جائے چنانچہ آپ نے اپنے شوق کے مطابق قرآن پاک حفظ کرنا شروع کر دیا اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ جب آپ قرآن پاک کے حافظ ہو گئے تو دیگر دینی علوم سیکھنے کی طرف توجہ دی اور رغبت کی اور تھوڑی ہی مدت میں مروجہ دنیاوی علوم بھی سیکھ لئے اور عربی اور فارسی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کر لی۔

پھر وہ وقت آیا جو کہ ہر ایک ذی روح پر آتا ہے۔ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک ابھی اٹھارہ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد وصال فرما گئے۔ والد محترم کے وصال کے بعد آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت اور اطاعت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور آپ نے اپنے آپ کو والدہ ماجدہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ جب عمر عزیز بیس برس میں داخل ہوئی تو والدہ ماجدہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا، وہ بھی پردہ فرما گئیں۔ والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک آپ بڑے غمگین رہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے صبر کی دُعا کرتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو صبر جمیل عطا فرمایا اور آپ کے قلب کو سکون حاصل ہوا تو آپ نے اپنے دینی علوم کو حاصل کرنے کے شوق کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے سفر کی تیاری کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے نکل پڑے۔ علماء کرام کی وعظ و نصیحت کی مجالس ومحافل میں شرکت کرتے اور فیض حاصل کرتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم آپ کے شامل حال تھا اس لیے علم کی پیاس بجھاتے رہے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان وعلوم میں خاص دسترس رکھتے تھے چنانچہ تاریخ کے حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں تشریف لائے تو وہ زمانہ غیاث الدین بلبن کی حکمرانی کا تھا جو کہ التمش کے غلاموں میں سے تھا۔ وہ عارفوں اور زاہدوں کا بڑا قدر دان تھا، اپنا زیادہ تر وقت عبادات میں گزارتا تھا۔ دن کو نفلی روزے رکھتا اور رات عبادت کرتا رہتا تھا، پھر نماز با جماعت کا پابند تھا۔ اس کے علاوہ اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد بھی پڑھتا تھا۔ علماء ومشائخ کا بے حد احترام کرتا تھا بزرگانِ دین سے ملنے خود ان کے در پر حاضری دیتا۔ دین اسلام سے اس قدر لگاؤ رکھتا کہ باوجود شان وشوکت رکھنے کے اگر وہ سن لیتا یا دیکھ لیتا کہ مسجد میں لوگ جمع ہیں اور کوئی واعظ تقریر کر رہا ہے تو فوری طور پر مسجد میں آجاتا اور لوگوں کے درمیان بیٹھ جاتا، وعظ سن کر بہت روتا۔

علماء ومشائخ کے اس قدر دان حکمران غیاث الدین بلبن نے جب سنا کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں تشریف لائے ہیں تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کافی دیر تک آپ کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ عقیدت ومحبت کے ساتھ مؤدبانہ انداز اختیار کئے رکھے پھر آپ سے ملتان میں قیام کئے رکھنے کی درخواست کی مگر حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت قبول کرنے سے معذرت کر دی۔

ملتان میں آپ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ سلطان محمد نے ایک محفل کا انعقاد کیا۔ یہ عربی میں نعت، سرور و سرود کی محفل تھی اس محفل میں حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے بیٹے حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ بھی موجود تھے دوران محفل ایک موقع ایسا بھی آیا کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ صدرالدین عارف ملتانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں عالم وجد میں آ گئے اور بے اختیار دھمال کرنا شروع کر دیا، خود سلطان محمد کا بھی یہی حال تھا۔ اس سے بخوبی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ عربی علوم میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے اور جس قدر تعلیم حاصل کی تھی اُس سے کہیں زیادہ بڑھ کر علم آپ کے پاس تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر اپنا خصوصی فضل وکرم نازل کیا ہوا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عربی کے ماہر تھے۔ فارسی میں آپ کی دسترس تو ان اشعار سے عیاں ہو جاتی ہے جو آپ نے کہے ہیں۔ مشہور انگریز محقق برٹن جو کہ علوم شرقیہ لسانیات اور گرامر کا ماہر متصور کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی تصنیف میں رقمطراز ہے کہ اس وقت اسلامی مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں قلندر شہباز کی یہ کتب بھی شامل ہیں۔ عقد صرف صغیر قسم دوئم، اجناس، میزان الصرف۔ (شہباز ولایت)

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سنی مذہب ومسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ اسماعیلی شیعہ تھے۔ لیکن یہ بات تاریخی شواہد وحقائق کی روشنی میں من گھڑت ثابت ہو چکی ہے۔ شہباز قلندر مخدوم حاجی حافظ سید محمد عثمان مروندی، زندگی بھر کسی بھی باطل فرقہ سے وابستہ نہیں رہے۔ اگرچہ آپ کے دور میں ملتان اسماعیلیوں کا مرکز تھا لیکن تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اہل سنت والجماعت کے پیران کبار سے رابطہ، دوستی، صحبت اور محبت رکھتے تھے۔ اسماعیلیوں کی ایک کتاب ''The Great Ismaili Heroes'' 1973ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔ جس کے آغاز میں آغا خان کا خط بطور افتتاحیہ کلمات شامل ہے، اور اس کتاب میں منصور الیمانی اسماعیلی تا پیر سبز علی (وفات سن 1938ء) تک تیس اہم اسماعیلی مشاہیر کا تذکرہ درج ہے۔ لیکن الحمدللہ کہ حضرت شہباز قلندر حضرت مخدوم عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کہیں بھی درج نہیں ہے۔ (شہباز ولایت، ص 14)

اس سے معلوم ہوا ہے کہ اسماعیلی خوجہ شیعہ کے محققین کے ہاں بھی حضرت شہباز قلندرؒ شیعہ نہیں ہیں۔ غلام ربانی آگرو صاحب رقمطراز ہیں کہ ''میں نے کراچی میں گارڈن کے نزد خوجہ جماعت خانہ کے عقب میں اسماعیلیہ ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد اقبال سے ملاقات کی جو کہ تیس برسوں سے ایسوسی ایشن سے منسلک ہیں۔ میں نے شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا کہ وہ آپ کے ہاں اسماعیلی ہیں؟ انہوں نے بتایا ''اصل بات یہ ہے کہ قلندر شہباز اسماعیلی نہیں تھے۔'' (سندھ کے بر، بحر، پہاڑ، جلد اول، ص 158-321)

کراچی کے قاری مولانا احمد پیلی بھیتی رقمطراز ہیں کہ ''حیات نامہ قلندری کا بیان ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام سید محمد عثمان حنفی تھا اور آپ کے والد صاحب کا نام محمد احمد کبیر الدین تھا۔ آپ آذربائیجان کے صدر مقام تبریز سے

چالیس میل دور مغرب کی جانب ایک گاؤں مرند میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر مرندی کی بجائے کتابوں میں ان کو مروندی لکھا گیا۔ اس غلطی کی وجہ سے ان کا پیدائشی مقام افغانستان کے قریب مروند تصور کر لیا گیا ہے۔ (لال شہباز قلندر، ص 14)

سندھ کے محقق و مورخ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی مرحوم نے بڑی جستجو و تحقیق کے بعد قلمی بیاضوں سے شہباز قلندر کا منتشر کلام جمع کیا۔ ایک نعتیہ غزل کے آخری مصرع میں حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اپنا عقیدہ بیان فرماتے ہیں:

عثمان چو شد غلام نبی و چہار یار

امیدش از مکارم عربی محمد است

(شہباز ولایت، ص 15 بحوالہ حقانی خیالات)

ترجمہ: عثمان جب ہو گئے حضور اکرم ﷺ کے اور آپ کے چاروں یاروں کے غلام، اُس کو امید ہے محمد عربی ﷺ کے اخلاق و عادات سے۔

حضرت سید عثمان مروندی المشہور سید لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ مادر زاد ولی تھے، آپ بچپن ہی سے اللہ کی یاد میں محو رہتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق عادات کا ظہور رہا۔ جب آپ کو مرشد کامل کی تڑپ پیدا ہوئی تو اُس زمانہ میں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک بزرگ جو کہ کربلائے معلّی میں رہتے تھے، وہ صوم و صلوٰۃ اور شریعت محمدی ﷺ کے سختی سے پابند تھے۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں گزارتے تھے اور ان سے بے شمار کرامات کا بھی ظہور رہا۔ وہ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے اور اُن کی شہرت بے پناہ تھی۔ ان کا نام حضرت شیخ ابو اسحاق بابا سید ابراہیم قادری تھا۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ خواب میں اپنے جد امجد حضور غوث اعظم حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جو اُن سے فرما رہے ہیں کہ مروند میں سید عثمان کی جانب توجہ کریں اور ان کو روحانی منازل طے کروائیں، سلوک کی تمام منازل طے کرانے میں ساتھ دیں۔

جب حضرت بابا سید ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے تو حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے چل پڑے۔ جب آپ سے ملاقات فرمائی تو حضرت ابراہیمؒ نے آپ کو اپنے سینہ کے ساتھ لگایا اس کے ساتھ ہی حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے حضرت بابا ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے سے ہی خوب اچھی جانتے ہیں، اور اس روز کی ملاقات سے ہی مرشد کی محبت دل میں راسخ ہو گئی۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد حضرت بابا ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مروند کے مشائخ عظام کو جمع کیا اور ایک محفل کا انعقاد کیا۔ اس محفل میں آپ نے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ قادریہ میں داخل فرمایا اور پھر باطنی توجہ ڈال کر معرفت و سلوک کی منازل طے کرانے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت بابا ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی توجہ سے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے محبوب و مقبول رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ کی محبت مزید اجاگر و موجزن ہو

گئی ۔تقریباً ایک سال تک حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور اللہ تبارک وتعالی کی عبادت میں اپنا بیشتر وقت گزارااور اتنے تھوڑے عرصہ میں ہی آپ نے باطنی علوم میں کمال درجہ کامیابی حاصل کر لی ۔مرشد کی خصوصی شفقت اور نگاہِ کرم کی بدولت آپ کا قلب پاک خوب سے خوب تر منور ہو گیا ۔اس کے کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ پھر حضرت سید بابا ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خصوصی محفل کا انعقاد کیا۔اس محفل میں ہرات اور مرو ند کے مشائخ عظام کو بھی مدعو کیا گیا اور اس مجلس میں سلسلہ قادریہ کی دستار خلافت سے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم وتربیت، بیعت وخرقہ خلافت اپنے وطن میں حاصل کیا۔ملک میں فتنہ وفساد کے سبب اپنے وطن سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور سیر و سیاحت درس وتدریس ،تبلیغ اور تلقین وارشاد فرماتے رہے ۔آپ تبلیغ وارشاد کے سلسلے میں کن کن ممالک میں گئے اس کی تفصیلات میسر نہیں ہیں ۔بعض مؤلفین (مختلف کتابوں سے دیکھ کر لکھنے والوں) کا خیال ہے کہ آپ نے مشہد شریف ایران میں حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے مزار شریف کی زیارت کی ۔اس کے بعد عراق گئے جہاں بغداد شریف میں سراج الامت امام اعظم حضرت سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور سرکار غوث اعظم محبوب سبحانی قطب ربانی پیرانِ پیر دستگیر شیخ محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ عنہ کے مزارات قدسیہ پر حاضری دی۔

وہاں سے کربلائے معلّٰی گئے ،جہاں نشانِ حق وصداقت سید شباب اہل جنت حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر حاضری کا شرف حاصل کی ۔بغداد شریف میں حضرت سید علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہوئے جو کہ آگے چل کر آپ کے مشہور خلیفہ بنے (جن کا مزار شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے کے ساتھ ہے ۔)

وہاں سے حج بیت اللہ کرنے مکہ معظّمہ گئے ،وہاں سے مدینہ منورہ امام الانبیاء ختم المرسلین ،شفیع المذنبین ،رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری دی اور گنبد خضریٰ کے سائے تلے صلوٰۃ وسلام عرض کیا ۔وہاں سے دوسری بار عراق تشریف لے گئے ،وہاں سے مکران کے راستے ہوتے سندھ میں تشریف لائے یہاں سے پھر تبلیغ وتلقین کے لیے ملتان اور ہندوستان تشریف لے گئے ،کچھ گرنار، گجرات اور جونا گڑھ بھی گئے ۔

ملتان سے اپنے یاروں کے ساتھ گرمیوں میں کشمیر اور بلخ بخارا جاتے رہے اور سردیوں میں اُن کے ساتھ مل کر سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں تبلیغ کرتے رہے ۔ملک میں ایسی کئی چلہ گاہیں آج بھی مرجع خلائق ہیں جہاں آپ دوران سفر قیام فرمایا کرتے تھے ۔صوفیائے سندھ کے مصنف جناب قدوسی مرحوم لکھتے ہیں:''بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی رہے۔'' (صوفیائے سندھ)

قارئین کرام !یہ شیخ منصور کوئی اور ہیں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات ثابت نہیں ہے ۔ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی سن پیدائش 244ہجری ہے اور سن وصال 309ہجری ہے جب کہ آپ کی سن پیدائش 573ہجری یا بعض مورخین کے مطابق آپ کی سنِ پیدائش 538ہجری اور 583ہجری کے درمیان کی ہے ۔(شہبازِ

ولایت،ص23)

مؤرخ سندھ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی رقم طراز ہیں:

''آپ سیر وسیاحت کرتے ہوئے عارف کامل حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی قدس سرہٗ (جو سراج امت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ ﷺ کی اولاد سے تھے) کی خدمت میں پہنچے۔انہوں نے فرمایا کہ ہند میں تین سو قلندر موجود ہیں۔بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ تشریف لے جائیں،ان کے مشورہ کے مطابق آپ نے سندھ میں پہنچ کر سیوستان (سیوھن شریف) میں قیام فرمایا۔(شہباز ولایت،ص24بحوالہ تحفۃ الاکرام،سندھی جلد3،ص349۔تذکرہ صوفیائے سندھ،ص202)

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ کشتی دریائے سندھ کے سفر پر تھے۔جب کشتی لکی شاہ صدر کے قریب پہنچی تو امام الاولیاء شیخ المشائخ سند الاتقیاء قطب ربانی حضرت سید صدر الدین شاہ لکیاری قدس سرہٗ کی کرامت اور تصرف سے شہباز کی کشتی رُک گئی۔حضرت شہباز قلندر راز کو سمجھ گئے اور کشتی سے اُتر کر سیدھے غار میں حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے،جہاں آپ پہاڑی کی غار میں چلہ گاہ میں مصروف عبادت تھے۔مصافحہ اور معانقہ کے بعد حضرت نے فرمایا:''آپ یہیں سیوھن میں قیام فرمائیں اور دین کی خدمت بجالائیں۔شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں دودھ سے بھرا ہوا پیالہ خدمت میں پیش کیا جس کا مطلب تھا کہ علاقہ دودھ سے بھرے ہوئے پیالے کی مانند اولیاءاللہ سے بھرا ہوا ہے،اب میری کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔

حضرت نے بھرے ہوئے دودھ کے پیالے پر گلاب کا پھول رکھ دیا اور ارشاد فرمایا:''یہ علاقہ (سیوستان) اولیاءاللہ سے اگرچہ بھرا ہوا ہے لیکن آپ اس پھول کی طرح ممتاز ہوں گے۔شہباز قلندر راضی ہوگئے اور سیوستان میں ہی مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا اور فرمایا:

''شاہ صدر نیک نظر است۔''(روزنامہ مہران اخبار شاہ نمبر،1958)

قلندر نامہ کا دعویٰ ہے کہ آپ سیوھن میں سن 649ہجری میں تشریف لائے اور اس ضمن میں انہوں نے ایک فارسی شعر سے تاریخ نکالی ہے جو اس طرح ہے:

چو باز آشیاں قدس شہباز	سیوستان نمودہ جنت آسا
خودتاریخ آں از توئی اخلاص	نمود آفتاب دین گفتا

(اخلاص کے پہلے حرف الف کے عدد،آخری مصرعہ کے عدد سے جمع کیے جائیں گے،سنہ 649ھ برآمد ہوگا۔)

تحفۃ الکرام کی روایت ہے کہ آپ غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے فرزند صدر الدین عارف کے ساتھ سیر وسفر کرتے ہوئے ٹھٹھہ کے قریب پیر پٹھ سے ملاقات کی۔چونکہ پیر پٹھ نے سن 642ھ میں وفات کی،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس سے پہلے سندھ میں وارد ہوئے۔سیر وسفر کرنے کے بعد سنہ 649ھ میں سیوھن میں قیام کیا۔

جب حضرت شہباز قلندرؒ سندھ میں تشریف لائے تو اس وقت سندھ میں سومرا قوم کی حکومت کا عہد تھا۔یہ عہد سندھ

کا روشن عہد تھا، علمی و روحانی سرگرمیاں تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی تھیں ۔اس کا سبب یہ تھا کہ ایران،خراسان اور دیگر اسلامی ممالک سے علماء ،فقہاء اور صوفیاء کرام مغلوں کے حملوں کے سبب ہجرت کر کے ہند اور سندھ تشریف لا رہے تھے،اس طرح سندھ اور ہند کے علماء کا بخارا، سمرقند، آذربائیجان، بغداد،خراسان اور ایران کے علماء سے رابطہ پیدا ہوا۔

اسی دور میں بکھر (سندھ) کے مدارس اسلامیہ میں فقہ اور تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی اور درس و تدریس کے اہم اساتذہ میں مولانا ظہیرالدین بخاری، مولانا سید علی بن سید بدرالدین شیخ صدرالدین بخاری، مولانا برہان الدین بخاری، مولانا ابوحنیفہ بخاری اور مولانا عبداللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ڈاکٹر سرفراز بھٹی نے تاریخ سومرا پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے اور یہی عہد شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔(شہباز ولایت ص 26)

ابن بطوطہ نے سیوھن میں شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے متولی شیخ محمد بغدادی سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا ان کے علاوہ دیگر متعدد علماء اسلام سے ملاقاتیں کیں جن میں سے خطیب شعبانی زیادہ مشہور ہیں۔سیوھن شریف میں مدرسہ ”فقہ الاسلام“ تھا۔جس کے متعلق ایک روایت ہے کہ یہ مدرسہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کیا تھا۔اور دوسری روایت ہے کہ شہباز نے مدرسہ کو ترقی دلوائی تھی اور اس دور میں اس جیسا عالی شان دارالعلوم پورے سندھ میں نہ تھا۔ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق اسکندریہ جیسے دور دراز علاقہ سے طلبہ اس درگاہ میں تحصیل علم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں سیوھن گویا سندھ میں علم و علماء اسلام کا مرکز تھا اور آپ علماء کی اس کہکشاں میں مثل آفتاب تھے۔(شہباز ولایت ص 26، بحوالہ سندھ، بحر اور پہاڑ)

حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے سیوھن میں رہ کر بگڑے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستہ پر لگایا اور ان کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنا سکھایا۔آپ تقریباً 8 آٹھ سال تک سیوھن شریف میں رہ کر اسلام کا نور سندھ میں پھیلاتے رہے۔ہزاروں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی اور بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا رشتہ اللہ سے جڑ گیا۔آپ نے شادی نہیں کی تھی اور آپ تمام زندگی مجرد رہے۔

قارئین کرام! اس سے متعلق میں اس کتاب کا مصنف کچھ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں اور یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے شادی نہ کرنے کی وجہ جو بتائی گئی ہے یعنی کہ آپ کا تمام عمر سفر و سیاحت میں رہنا، یہ وجہ بالکل صحیح ہے۔میں نے جو اس سے متعلق گوش گزار کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے خلوصِ دل کے ساتھ نفسانی خواہشات پر قابو پانے کے لئے دعا کی جائے تو وہ سن لیتا ہے اور ہر طرح سے اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے۔دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالک کائنات قادر مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ نفسانی خواہشات پر قابو پا لینے والوں کی تعداد بہت زیادہ کم ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ جہاں چاہتا ہے وہاں یہ کر دیتا ہے۔حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اور آپ ہی کے ہم نام ایک اولیاء اللہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال موجود ہیں۔میں نے اس نکتہ کو سمجھانے کی خاطر دو عام علتوں کی مثال دیتا ہوں اور بہت ممکن

ہے کہ ان میں سے کوئی مثال آپ نے بھی دیکھی ہو۔ پکے شرابی کا شراب کو چھوڑ دینا یا پکے سگریٹ پینے والے کا سگریٹ کو چھوڑ دینا ایسی مثالیں بہت کم ہیں لیکن پھر بھی ہیں تو۔ آدمی عزم صمیم کا مالک ہو تو سب کچھ ممکن ہے اور پھر وہ ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد کا طلبگار رہو تو شادی کیے بغیر رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

مسئلہ: اعتدال کی حالت میں یعنی نہ شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو نہ عنین (نامرد) ہو اور مہر و نفقہ پر بھی قدرت ہو تو نکاح سنت مؤکدہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح نہ کرنے پر اَڑا رہنا گناہ ہے اور اگر حرام سے بچنا یا اتباعِ سنت و تعمیل حکم یا اولاد حاصل کرنا مقصود ہے تو ثواب بھی پائے گا اور اگر محض لذت یا قضائے شہوت منظور ہو تو ثواب نہیں۔ (درمختار۔ ردالمختار)

مسئلہ: شہوت کا غلبہ ہے اور نکاح نہ کرے تو معاذ اللہ اندیشہ زنا ہے اور مہر و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو تو نکاح واجب ہے۔ اور یوں بھی جب کہ اجنبی عورت کی طرف نگاہ اُٹھنے سے روک نہیں سکتا یا معاذ اللہ ہاتھ سے کام لینا پڑے گا تو نکاح واجب ہے۔

مسئلہ: یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے میں زنا واقع ہو جائے گا تو فرض ہے کہ نکاح کرے۔

مسئلہ: اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان و نفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری باتیں ہیں، ضروریات زندگی میں ان کو پورا نہ کر سکے گا تو مکروہ ہے اور ان ہی باتوں کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام۔

بعض جہلا کہتے ہیں کہ نکاح کرنا ہر حال میں فرض ہے اور حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ملنگ شادی اس لئے نہیں کرتے کہ قلندر نے شادی نہیں کی تھی۔ حالانکہ شریعت مطہرہ کا صحیح مسئلہ وہ ہے جو کہ اوپر مذکور ہوا۔ ہر ایک انسان کی مختلف کیفیات کے سبب نکاح کے بھی مختلف درجات ہیں۔

ہمارے خیال میں حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لیے شادی نہ کی کہ آپ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے، اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفسانی خواہشات پر قابو بھی دیا ہوا تھا، اس لیے مسئلہ مذکورہ کی آخری صورت ہو سکتی ہے۔

نفسانی خواہشات سے بچنے کا معیار ہر ایک کا آپ کے معیار جیسا تو نہیں ہو سکتا اور پھر ''اللہ کے بندے ہونے'' اور محض ایک ملنگ ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے میں اس کتاب کا مصنف تو یہی گزارش کروں گا کہ ملنگوں کو شادی کر لینی چاہیے اور اگر حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کا شوق ہے تو پرہیز گاری کریں، پنج وقتہ نماز کی پابندی معمول بنالیں، شب بیداری کی عادت ڈالیں، ذکر شریف و درود شریف کا کثرت سے ورد کریں۔ اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم دلائیں، ان کو حافظ قرآن بنائیں، حرام سے اجتناب کریں اور شریعت مطہرہ پر عمل کریں۔

آپ کی کرامات بے شمار ہیں، اللہ کے برگزیدہ بندے کرامات پر فخر یا خوشی نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا سرزد ہونا اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت و خاص عنایت کے سبب ہے۔ میں یہاں صرف دو کرامتوں کا ذکر کروں گا تا کہ مضمون طویل نہ ہو۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ صاحب کرامت بزرگ ہوئے ہیں آپ سے زندگی میں بے شمار کرامات سرزد ہوئیں۔ اللہ کے بندوں نے زندگی میں کبھی نہیں سوچا کہ ہم سے کرامات کا ظہور رہو مگر ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم خاص ہونے کی

بناء پر ان سے غیر ارادی طور پر کرامت کا ظہور ہو جاتا ہے۔ کرامت کا لفظ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم سے نکلا ہے۔ اس لئے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم تھا۔ اس لئے ان سے زندگی میں بہت سی کرامات کا ظہور رہا جن میں سے کچھ کا ذکر حسب ذیل ہے:۔

حضرت لعل شہباز قلندر کی آمد سے قبل سیوھن برائیوں اور بدکاریوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور ہر بدکاری اور ہر برائی اپنے عروج پر تھی۔ سیوھن اُس وقت بت پرستی اور کفر والحاد کا مرکز بنا ہوا تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں بے راہ روی، جوا شراب، اور دوسری معاشرتی برائیاں عام تھیں۔ لوگوں کی اخلاقی حالت بہت پست تھی۔ جگہ جگہ عصمت فروشی کے اڈے قائم تھے۔ لیکن حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے سیوھن پہنچتے ہی گمراہ اور بدکار لوگوں کو اسلام کے پاکیزہ اصولوں سے روشناس کرایا اور برائیوں اور بدکاریوں سے دور رہنے کی تلقین فرمائی اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

سیوھن کے بڑے بڑے زمیندار اور روٗساء ان برائیوں میں شریک تھے ان عیش پسندوں اور روٗساء نے آپ کی بہت مخالفت کی، مگر آپ نے اس ظلمت کدہ کفر میں اسلام کی شمع کو منور اور روشن رکھا۔ آہستہ آہستہ اس شمع کی روشنی پھیلنے لگی اور آپ کی دینی و روحانی تعلیمات کو لوگ قبول کرنے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے برائی کی جگہ نیکی نے لے لی، اور بدکاری اور فحاشی سے لوگوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ نزدیک کے ایریا میں گناہوں اور برائیوں کے مرکز ویران و سنسان ہو گئے۔ سیوھن کے جس محلّہ میں آ کر آپ قیام پذیر ہوئے وہ محلّہ بدن فروش اور بدکار عورتوں کا تھا۔ اس عارف باللہ کے قدموں کا پہلا اثر تھا کہ وہاں زناکاری اور فحاشی کا بازار سرد پڑ گیا۔ نیکی اور پرہیزگاری کی طرف قلوب مائل ہو گئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، اور انہوں نے بدکاری اور زناکاری چھوڑ کر نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ یہ آپ کی سیوھن میں آمد کے بعد پہلی بڑی کرامت تھی۔

آپ کا اصلاحی و تبلیغی کام صرف سیوھن تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ سندھ میں جگہ جگہ گھومے پھرے۔ ''تحفۃ الکرام'' اور ''لب تاریخ سندھ'' میں ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت غوث العالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور سید جلال رحمۃ اللہ علیہ اُچھ شریف والے سندھ میں بہت گھومے پھرے۔

درج ذیل کرامت یا واقعہ کو میں صرف اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ قارئین کرام کو پتا چلے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ''برگزیدہ بندے'' حضرت محمد عثمان لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو نفسانی خواہشات پر کس قدر قابو حاصل تھا اور کیسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی کھلی کھلی مدد فرماتا ہے۔ برائے اشاعت و تبلیغ دین متین آپ مسلسل سفر و سیاحت میں رہے اور ساری عمر رہے۔ اس خاص وجہ یا صفت کے سبب آپ شادی نہ کرنے میں حق بجانب تھے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ملتان شہر کے باہر پہنچے تو وہاں پر ایک جنگل میں قیام کیا، چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور سب نے روزہ رکھا ہوا تھا اس لیے یہ طے ہوا کہ افطاری اسی جگہ پر کی جائے۔ افطار میں کافی

وقت تھا چنانچہ آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی پانی لانے کے لیے نکل کھڑا ہوا تو کوئی جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لیے چلا گیا تھوڑی سی گندم حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھی ۔آپ اُس کو پسوانے کی غرض سے شہر کی طرف چلے گئے ۔اُن دنوں یہ رواج تھا کہ گھریلو عورتیں تھوڑا سا معاوضہ لے کر دستی چکی سے گندم پیس دیا کرتی تھیں ۔حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اس مقصد کے لیے پھرتے پھراتے ایک گھر کے پاس پہنچے جہاں پر گھر کے اندر ایک عورت گندم پیس رہی تھی ۔

اُس عورت نے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو اس سوسالہ مردِ حق کے حسن و جمال کی تاب نہ لاسکی اور آپ پر فریفتہ ہوگئی حالانکہ وہ عورت شادی شدہ تھی مگر پھر بھی اس کی نیت میں فتور آ گیا ۔بُری نیت سے اُٹھی اور دروازہ پر آ کر آپ سے پوچھا کہ کس مقصد کے لیے کھڑے ہیں؟ آپ نے گندم اُس عورت کے حوالے کر دی اور وہ عورت گندم پیسنے لگی چونکہ اُس کی نیت بُری تھی اس لیے وہ گندم پیستے ہوئے للچائی ہوئی نظروں سے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھنے لگی وہ مسکرا مسکرا کر آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی ۔حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے عورت کی طرف بالکل توجہ نہ کی اور سر جھکا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرنے میں مصروف ہوگئے ۔وہ آٹا پیسنے والی عورت بدستور للچائی ہوئی نظروں سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی اور اُس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ رہا تھا حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ عورت کی اس درجہ بُری نیت کو بھانپتے ہوئے اُٹھے اور گندم وہیں چھوڑ کر باہر نکل جانے کے لئے گھر کے دروازے کی طرف لپکے ۔وہ عورت چونکہ بدقماش اور بدکردار تھی فوراً سمجھ گئی کہ یہ آدمی ہاتھ سے نکلنے والا ہے چنانچہ اُس نے آگے بڑھ کر آپ کا دامن پکڑ لیا اور زبردستی کرتے ہوئے آپ سے کہنے لگی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں شور مچا کر تم پر الزام لگا دوں گی ۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اس عورت کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ تم ایک شادی شدہ عورت ہو اور تمہارے لیے اپنے خاوند کے علاوہ کسی غیر مرد کی طرف بُری نگاہ سے دیکھنا حرام ہے اور میں روزے سے ہوں مجھے تنگ نہ کرو مجھے گناہ کی رغبت نہ دلاؤ ۔آپ ایک مصمم عزم کے ساتھ اُس عورت سے بات کر رہے تھے اُسے گناہ سے بچنے کی تلقین فرما رہے تھے اُسے نیکی کی راہ دکھا رہے تھے اُسے صراطِ مستقیم سمجھا رہے تھے لیکن اُس عورت پر شیطان پوری طرح غلبہ کیے ہوئے تھا وہ اپنی شیطانی ہوس میں کھوئی ہوئی تھی ۔اُس نے جب یہ دیکھا کہ آپ کسی طرح بھی اُس کے قابو میں نہیں آ رہے تو اُس نے غصہ میں آ کر چور چور شور مچانا شروع کر دیا ۔عورت کا شور وغل سن کر ارد گرد کے گھروں سے بہت سے لوگ دوڑے ہوئے آئے اور ایک مجمع اکٹھا ہو گیا ۔سب عورت سے پوچھنے لگے کہ کیا ماجرا ہے؟ وہ بتانے لگی کہ یہ واقعہ ہے ۔چنانچہ لوگ اُس عورت کی بات سن کر دونوں کو شہر کے قاضی کے پاس لے گئے وہاں پر قاضی نے عورت سے اصل صورت حال پوچھی ،عورت نے وہی بات بتائی جو وہ محلّہ داروں کو بتا چکی تھی ۔اب قاضی حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوا اُس نے آپ کی طرف دیکھا تو اُس پر ایک عجیب طرح کا رُعب و دبدبہ طاری ہو گیا اُس نے محسوس کیا کہ یہ ضرور کوئی نیک انسان ہیں ،چہرے سے ہی آپ کے شرافت ٹپک رہی تھی اس لیے قاضی نے بڑے مؤدبانہ انداز میں آپ سے کہا: اے نیک انسان! تم پر اس عورت نے بہت بڑا الزام عائد کیا ہے تم اس کے جواب میں کیا

کہتے ہو؟ اور یہ الزام ایسا ہے کہ اس کے رَد میں سوائے گواہ پیش کرنے کے اور کوئی صورت تمہارے چھٹکارے کی نہیں ہے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اطمینان اور تسلی سے جواب دیا اور کہا: اے قاضی! عیوب و نقائص سے پاک صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ کسی کے عیبوں کو ظاہر کرنا کوئی اچھا کام نہیں ہے لیکن اگر آپ اس بات پر بضد ہیں کہ میں اپنی صفائی میں کوئی گواہ پیش کروں تو میرا گواہ اس عورت کا یہ شیر خوار بچہ ہے جو اس وقت اپنے والد کی گود میں ہے اور اُس وقت پنگھوڑے میں پڑا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہاں پر موجود تمام لوگ آپ کی یہ بات سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور قاضی بھی کہنے لگا: اے شخص! کیا کبھی کسی شیر خوار بچے نے بھی گفتگو کی ہے؟ اس پر حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ جلال میں آ گئے اور بولے: اے قاضی! میں بے گناہ ہوں اور اس عورت نے مجھ پر بڑا گھٹیا الزام عائد کیا ہے اُس وقت اس کا یہ شیر خوار بچہ پنگھوڑے میں لیٹا ہوا تھا اور اس شیر خوار بچے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جو گواہی دے سکے۔ جہاں تک اس بچے کے کلام کرنے کی بات ہے تو اس بچے سے وہی کلام کرائے گا جس نے بچپن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کروایا تھا۔ قاضی آپ کا یہ جواب سن کر ہکا بکا ہو گیا۔ تمام حاضرین بھی دم بخود کھڑے ساری کارروائی دیکھ رہے تھے اب قاضی نے باپ کو حکم دیا کہ وہ بچہ لے کر اس کے سامنے آئے، چنانچہ بچے کو قاضی کے سامنے حاضر کیا گیا۔ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ بچے سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے معصوم! وہ ذاتِ باری تعالیٰ جس نے ایام طفولیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی تم اُس خدائے وحدہٗ لاشریک کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دو کہ جس وقت میں تمہارے گھر میں موجود تھا تم نے اُس وقت اپنا انگوٹھا چوستے ہوئے کیا دیکھا تھا اور ہمارے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ملاحظہ فرمائیں کہ وہ شیر خوار بچہ اپنے باپ کی گود میں بولا اور بآواز بلند بولا، اُس نے کہا کہ جو کچھ یہ شخص کہہ رہا ہے بالکل سچ کہہ رہا ہے میری ماں جھوٹ بول رہی ہے۔ اصل خطاوار میری ماں ہے جس نے بُری نیت سے اس شخص کے دامن کو کھینچا تھا۔ بچے کے منہ سے یہ الفاظ سننے تھے کہ وہاں پر موجود تمام لوگوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ حیرت کے سمندر میں کھو گئے۔ قاضی اس سے بہت متاثر ہوا اور وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس نے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا۔ اس عورت کی آنکھوں سے بھی اب بُرائی کی پٹی اُتر چکی تھی وہ بھی اپنے کیے پر پشیمان ہوئی۔ اُس نے آپ سے معافی مانگی اور اس عورت نے ہمیشہ کے لیے گناہوں سے توبہ کر لی۔

آپ کے سنِ وصال کے متعلق بھی بہت سی آراء ہیں لیکن اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ آپ کا سنِ وصال 673ہجری ہے اور چند ایک نے ماہِ شعبان کی 21 تاریخ بھی لکھی ہے۔ لیجئے محققین کی آراء درج ذیل ہیں:

حضرت لعل شہباز قلندر سید محمد عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ 21 رشعبان المعظم 650ھ بمطابق 25 راکتوبر 1252ء کو رحمت ایزدی کے آغوش میں آرام فرما ہوئے۔ کسی شاعر نے ''برحمت'' سے آپ کا سنِ وصال 650ھ نکالا۔ (لب تاریخ سندھ مترجم سندھی حافظ خیر محمد اوحدی)

اسی حوالے سے ایک اور رائے: ''لب تاریخ سندھ'' کے مولف نے ''برحمت'' سے آپ کی تاریخ وصال نکالی ہے اور سنِ وفات 651ھ بمطابق 1251ء اور تاریخ وصال 21 شعبان دی ہے۔

دوسرے بہت سے لکھنے والوں نے بھی یہی سنِ وصال دیا ہے اس کے لیے مندرجہ ذیل شعر مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

بجو تاریخ شمس الدین عثمان
بدر کن ''رنج'' از ''فلک کرامت''
سن عرش ''ولی اللہ'' دماش
سروش عین میگوید ''برحمت''

جن مورخین و محققین نے مذکورہ بالا سنِ وصال 650 ہجری سے اختلاف کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

- ☆ مقالات الشعراء میں میر علی شیر قانع نے سنِ وصال 673ھ (مطابق 1275ء) دیا ہے۔
- ☆ میر قانع نے اپنی دوسری کتاب ''تحفۃ الکرام'' میں بھی یہی تاریخ دی ہے۔
- ☆ شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ مرحوم نے اپنی کتاب ''قدیم سندھ'' میں بھی یہی سن وصال دیا ہے کچھ تاریخوں میں 674ھ بھی آیا ہے۔
- ☆ حدیقۃ اولیاء اور مآثرالکرام میں بھی سنِ وصال 673ھ دیا گیا ہے۔
- ☆ ڈاکٹر ایچ۔او۔ سگارنگانی نے بھی 673ھ کی تائید کی ہے۔
- ☆ پروفیسر محبوب علی چنہ نے اپنے ایک مضمون بعنوان قلندر شہباز سیوھانی میں مقالات الشعراء میں سن وفات 673ھ ہی لکھا ہے۔

اس لیے زیادہ لوگوں کا سنِ وصال کے لئے 673ھ بمطابق 1275 عیسوی پر ہی اتفاق ہے۔ میں اس کتاب کا مصنف اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اگر 673ھ کو آپ کا سنِ وصال مان لیا جائے تو سنِ ہجری کے لحاظ سے آپ نے 135 سال کی عمر پائی اور جب آپ سندھ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر کم از کم 125 سال تھی جو کہ تاریخی لحاظ سے صحیح معلوم نہیں دیتا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آپ نے جس جگہ وصال فرمایا وہیں پر آپ کا روضہ مبارک تعمیر کروایا گیا۔ حضرت شہباز قلندر، حضرت محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ شریف سب سے پہلے سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں تعمیر ہوا۔ اس کے بعد اکبر بادشاہ کے زمانے میں مرزا جانی بیگ نے بنوایا۔ جانی بیگ کی وفات کے بعد غازی بیگ نے روضہ کی مرمت کروائی۔ شاہجہاں کے زمانے میں سید بھورہ عرف دیندار خان نے خانقاہ کی عمارت کو مکمل کروایا اور خانقاہ کے صحن کو کاشی کی اینٹوں سے مزین کیا۔

بعد میں میاں غلام شاہ کلہوڑو حاکم سندھ نے 1173ھ میں خانقاہ میں پتھر کا فرش لگوایا اور بلند دروازہ تعمیر کروایا۔ 1319ھ میں لونگ فقیر کے خلیفہ لعل محمد نے مقبرہ علی وزیر کے مشرق میں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ بھٹی کے دورِ حکومت میں شہید کر کے خانقاہ کی توسیع کی گئی۔ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا چبوترہ لاڑکانہ کے زمیندار رئیس حاجی محبوب خان وگن مرحوم نے بنوایا۔ روضہ مبارک کے دروازے پر 1312ھ میں اوستہ نور محمد صیقل گر (چاندی کے کام کو چمکانے والے کاریگر) نے چاندی چڑھائی۔ (شہباز ولایت ص30)

☆......☆......☆......☆......☆
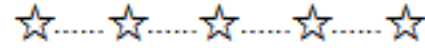
حضرت بہاؤالدین زکریاؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی بہاۂ الدین ہے۔آپ کے اسم گرامی کو اس طرح ''بہاؤالدین'' بھی لکھا جاتا ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک وجیہہ الدین تھا اور آپ کے دادا حضور کا نام کمال الدین تھا۔اور آپ کے نانا مولانا حسام الدین ترمذی تھے اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا۔آپ کے اسم گرامی کو کچھ لکھنے والوں نے نہ جانے کیوں بہاؤالدین کے بجائے ''بہاؤالحق'' بھی لکھا ہے اور اس کی کوئی وجہ تسمیہ بھی نہیں بتائی ہے۔لیکن الحمدللہ کہ بہاؤالحق لکھنے والوں نے اس مبارک نام کے ساتھ ''زکریا ملتانی'' بھی لکھ دیا ہے اس لئے قاری اس مغالطے سے بچ جاتا ہے کہ یہ بیان کسی اور اولیاء اللہ کے متعلق نہیں ہے بلکہ حضرت بہاۂ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ذکر مبارک ہے۔

میں نے آپ کے اسم مبارک کے متعلق مندرجہ بالا اس لئے لکھ دیا ہے کہ اکثر قارئین کرام! کو یہ پتہ نہیں ہے کہ بالکل اسی نام کے ایک اور بہت برگزیدہ ولی اللہ ہوئے ہیں، گزرے ہیں اور ان کا بھی کچھ کتابوں میں تذکرہ ملتا ہے۔قارئین کرام کو مغالطے سے بچانے کی خاطر میں درج ذیل میں اُن ولی اللہ کا مختصراً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔اور چند امتیازی نکات بھی بتا دوں تو میرے خیال میں تو یہ سب قارئین کرام کے لئے بہت سودمند ہوگا۔

1. وہ سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہیں۔
2. اُن کا تعلق شمال مغربی ایران خاص کر بخارا، سمرقند، ریورتون، نسف وغیرہ سے ہی رہا ہے۔
3. وہ ملتان یا اُس کے قرب وجوار میں کبھی نہیں آئے۔
4. اُن کا مزار شریف بخارا میں ہے۔

حضرت خواجہ سید بہاؤالدین (بہاالدین) نقشبند، بخاری، اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مختصراً درج ذیل ہے۔

آپ کا نام محمد بن محمد التجاری ہے۔آپ کو نقش بند کہنے کی وجہ رسالہ بہائیہ میں یہ لکھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اور والد ماجد دونوں کمخواب کے کپڑے بنتے تھے اور اُن پر نقش ونگار بناتے تھے۔لہٰذا اسی وجہ سے آپ کو نقش بند یعنی کپڑے پر نقش بنانے والا کہا جاتا ہے۔آپ سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہیں۔آپ کو حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی ولادت سے قبل ہی اپنی

فرزندی میں قبول کیا تھا اور اپنے خلیفہ حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت کی تھی کہ میرے بیٹے بہاؤالدین کو اپنی مریدی میں لینا اور خلافت بھی دینا۔ چنانچہ جب حضرت بہاؤالدین سن بلوغت کو پہنچے تو حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو اپنا مرید بھی بنایا اور خلافت سے سرفراز بھی کیا۔ حضرت بہاؤالدین نقشبند کی خوارق اور کرامات حدِ بیان سے باہر ہیں۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ جس طرح اپنی زندگی میں متصرف تھے اُسی طرح اپنی وفات کے بعد بھی متصرف ہیں۔ آپ کا مزار بخارا میں ہے۔ (سفینۃ الاولیاء، ص 112)

لیجئے اب آپ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پڑھیے۔

اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ ظاہری اور باطنی یعنی دنیاوی اور روحانی علوم پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ آپ بہت ہی غریب پرور اور ملنسار تھے۔ آپ نے امیری میں فقیری کی ہے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت عمر شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید یا خلیفہ ہیں۔ آپ پیدائشی ولی تھے اور بزرگی کے آثار آپ پر بچپن ہی سے نمایاں ہو گئے تھے آپ ان اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں جن کی بدولت سرزمین پاک و ہند میں فروغ اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور اس خطہ میں آپ نے سلسلہ سہروردیہ کو عروج دیا۔ آپ بہت بڑے صاحب کشف و کرامات ہوئے ہیں۔ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں سے ہیں جنہیں اس دنیا میں یہ یاد تھا کہ عالم روحانی میں انہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سنا اور اس کا جواب دیا تھا۔ آپ کا حافظہ بہت تیز تھا۔ آپ نے سات قرأت میں قرآن شریف کو سات سال میں حفظ کر لیا تھا۔ آپ کو علم، تعلیم و تربیت اور علم کے پھیلانے سے خاص لگاؤ تھا۔ آپ کے تقویٰ، عاجزی، علم و حلم کا یہ عالم تھا کہ آپ کے مرشد نے آپ کو سترہ (17) دنوں کی حاضری کے بعد ہی خرقہ خلافت عطا فرما دیا۔ آپ اپنے مرشد سے بہت عقیدت، محبت و احترام کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں میں سے اگر کوئی مرشد پاک کے بارے کسی کوتاہی یا سستی کا مظاہرہ کرتا تو آپ ان سے علیحدہ ہو جاتے۔ آپ جابر لوگوں کے سامنے بھی حق گوئی ہی فرماتے تھے۔ آپ دلوں کی بات جان جاتے تھے۔ آپ کو اپنے ساتھی اور پرانے بزرگانِ دین سب کا بہت احترام تھا۔ آپ کی طبیعت میں عجز و انکساری کا عنصر بہت نمایاں تھا۔ آپ اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے۔ خادموں کی موجودگی میں بھی اپنے کام خود کر لیا کرتے۔ آپ بہت امیر کبیر، تاجر، صاحب جائیداد و محلات تھے لیکن آپ نے بادشاہی یا امیری میں بھی فقر کو ہی اپنایا یا فقیری ہی کی ہے۔ آپ کے لئے سب انسان برابر تھے۔ آپ سب کو رزق حلال کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے خاص لگاؤ اور محبت و عقیدت تھی۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 27/رمضان 566 ہجری بروز جمعہ بمطابق 3/جون 1171ء کو ملتان کے نواح کوٹ کروڑ میں ہوئی۔ آپ کی عمر کم و بیش سو (100) سال بتائی جاتی ہے۔ میں نے آپ کی عمر کے متعلق "کم و بیش" سو سال اس لئے لکھا ہے کہ آپ کی سن وصال کے متعلق اختلاف ہے۔ "اخبار الاخیار" میں آپ کی سن وصال 661 ہجری بمطابق 1263ء ہے۔ مراۃ

الاسرار میں 665 ہجری بمطابق 1267ء ہے۔ جب کہ "سفینۃ الاولیاء" اور "فرشتہ" میں آپ کی سن وصال 666 ہجری بمطابق 1268ء ہے۔ آپ کے ہم عصروں میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ او رسلطان التمش کے نام بہت نمایاں ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ (حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) کے دادا مکہ شریف میں رہتے تھے۔ آپ کے دادا کا نام کمال الدین تھا جو بڑے خدارسیدہ بزرگ تھے۔ خوارزم سے ہجرت کر کے ملتان آئے اور یہاں آ کر مضافاتِ ملتان کوٹ کروڑ میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصے کے بعد بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے نانا مولانا حسام الدین ترمذیؒ بھی منگولوں کے حملوں سے تنگ آ کر ہندوستان آئے اور کوٹ کروڑ کے علاقے میں رہنے لگے۔ کمال الدین علی شاہ نے اپنے صاحبزادے وجیہہ الدین (حضرت بہاء الدین زکریا کے والد ماجد) کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی بیٹی سے کردی جو کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ موصوفہ بڑی نیک اور پارسا خاتون تھیں اُن کا نام نامی فاطمہ تھا۔

آپ کی ولادت بروز جمعۃ المبارک ۲۷ رمضان 566ھ بمطابق 1170ء میں کوٹ کروڑ میں ہوئی۔ آپ کا نام بہاؤالدین اور کنیت ابو محمد اور ابو برکات تھی۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ آثار بزرگی بچپن ہی سے آپ میں نمایاں ہوگئے تھے۔ آپ کے والد محترم جب تلاوت کلام پاک فرماتے تو آپ دودھ پینا چھوڑ دیتے اور تلاوت کی آواز سننے میں محو ہو جاتے تھے۔

جب آپ کو مکتب میں داخل کروا دیا گیا تو ابتدائی ایام میں ہی آپ نے فرمایا "اور جس وقت حق تعالیٰ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرما رہا تھا اس وقت سے لے کر اب تک کے تمام واقعات مجھے یاد ہیں۔" آپ نے سات قرأت کے قرآن پاک کو سات سال کی عمر میں حفظ کرلیا تھا۔ آپ بہاء الدین فرشتہ کے نام سے بھی مشہور رہے ہیں اور آپ کی عمر بارہ سال تھی کہ آپ کے والدین یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ والدین کریمین کی وفات کے بعد آپ دنیاوی اور دینی علوم حاصل کرنے کے لئے خراسان روانہ ہوگئے۔ وہاں سات برس تک علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور پھر بخارا پہنچ کر وہاں بھی مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ جب بہت سارے بزرگوں کی صحبت صالحہ سے فیض یاب ہوگئے تو پھر آپ حج بیت اللہ کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔

حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد آپ نے پانچ سال تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ کمال الدین محمد ممانی مشہور محدث سے آپ نے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ موصوف شیخ کمال الدین 53 سال تک حرم نبوی ﷺ کے متولی کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ الرسول کے پاس تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لیے مجاہدات و ریاضات کیے۔ اس کے بعد آپ انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت کے لیے بیت المقدس پہنچے اور پھر وہیں سے بغداد شریف تشریف لے گئے۔

بغداد میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر بن محمد سہروردیؒ صاحب عوارف کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ

خلافت حاصل کیا۔"فوائد الفواد" میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ دن ٹھہرے تھے اور انہیں اتنی قلیل مدت میں روحانی نعمتیں اور خرقۂ خلافت مل گیا۔خانقاہ کے دوسرے درویشوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور اُنہوں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی ہم سالہا سال سے ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہیں اور ابھی تک آپ کی خلافت سے مشرف نہیں ہوئے۔لیکن یہ ہندوستانی چند روز میں ہی آپ کی خلافت سے سرفراز ہو گیا۔اُن کے جواب میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے، جن میں آگ دیر سے لگتی ہے اور بہاء الدین زکریا خشک لکڑیاں لایا تھا، جنہوں نے فوراً آگ پکڑ لی۔

خرقۂ خلافت کے متعلق آپ (حضرت بہاؤ الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ) کا فرمان ہے کہ جب میں حج بیت اللہ سے واپسی پر بغداد شریف حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پہنچا تو کچھ دن میں اس انتظار میں رہا کہ حضرت مجھے خرقۂ خلافت پہنائیں گے۔آخر ایک رات عالم خواب میں میں نے دیکھا کہ حضور انور ﷺ گھر میں تشریف فرما ہیں اور حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں۔صحن میں ایک رسی بندھی ہوئی تھی جس پر چند خرقے پڑے ہوئے تھے۔حضور اکرم، حضور پُر نور ﷺ نے اشارہ کر کے مجھے بلایا۔میں جب پیش ہوا تو حضرت شہاب الدین سہروردی نے میرے ہاتھوں کو پکڑ کر پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی قدم بوسی کروائی۔جب سیدھا ہوا تو حضور رسالت مآب ﷺ نے رسی پر لٹکے ہوئے خرقوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے یہ خرقہ پہنا دو۔حضرت شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم کی تعمیل کر کے خرقہ اُتارا اور مجھے پہنا دیا۔

صبح حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنے گھر طلب فرمایا تو دیکھا یہ وہی خواب والا گھر تھا اور صحن میں اُسی طرح رسی پر چند خرقے لٹک رہے تھے۔حضرت شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے وہی خواب والا خرقہ اُتارا اور مجھے پہنا دیا اور پھر بیعت سے مشرف کیا۔ساتھ ہی فرمایا کہ اے بہاؤ الحق یہ خرقہ حضور پُر نور ﷺ کی طرف سے آیا ہے اور میں درمیان میں صرف ایک واسطہ ہوں۔اس کے بعد آپ مرشد کی اجازت سے واپس ملتان تشریف لے آئے۔یہاں آ کر آپ نے بے شمار گمراہوں کو راہِ حق سے آشنا کیا۔آپ کا روحانی درجہ غوث کا تھا۔روایت ہے کہ آپ اپنی روحانی قلمرو میں کسی دوسرے کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔جو ولی اللہ، فقیر، درویش ملتان آتا آپ اس کو اپنے روحانی تصرف سے وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت شمس سبزواری رحمۃ اللہ علیہ ملتان تشریف لائے تو اُن کو بھی بھگانے کی کوشش کی لیکن اس قلندر کو بھگانے میں کامیاب نہ ہو سکے لہذا شمس سبزواری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ملتان میں ہے۔

خرقہ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ بہاالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ وہ ملتان جا کر رُشد وہدایت کے نور کو عام کریں، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے

مطابق ملتان روانہ ہونے لگے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بھی جو اُس وقت وہاں مقیم تھے اور حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی اور ہم عصر بزرگ تھے، انتہائے محبت میں حضرت بہاءالدین رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر آپ کے ساتھ ہو گئے جب یہ دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال تبریزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے اُن کے پاس تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد جب واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا کہیے آج کی ملاقاتوں میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا؟ انہوں نے جواب دیا، کہ شیخ فریدالدین عطار کو، حضرت بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا کہ اُن سے کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ انہوں نے مجھ سے ملتے ہی پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بغداد سے آرہے ہیں۔ پھر اُنہوں نے پوچھا کہ وہاں کون درویش حق میں مشغول ہیں؟ میں خاموش رہا، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کیوں نہ لیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت میرے دل میں اس قدر بیٹھی ہوئی تھی کہ میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو بھول گیا۔ یہ سن کر حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد رنج ہوا۔ اور وہ حضرت جلال تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ خراسان سے ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے۔

تعلیم وتربیت میں 13 سال گزار کر جب آپ واپس ملتان آئے تو ان دنوں ملتان کا حکمران ناصرالدین قباچہ تھا وہ سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی طاقت اور سطوت سے جلتا تھا اور سلطان التمش کے خلاف درپردہ کچھ سازشیں تیار کر رہا تھا۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمدردیاں التمش کے ساتھ تھیں۔ ملتان کے قاضی مولانا اشرف الدین اصفہانی بھی آپ کے ہمنوا تھے۔ قاضی اشرف الدین رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے بہت بڑے عالم دین تھے۔ سلطان التمش اپنے زہد وتقویٰ، دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاءاللہ میں شمار کیا جاتا تھا اور وہ خود اولیاءاللہ اور بزرگانِ دین کا بے حد احترام کرتا تھا۔

حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی اشرف الدین اسی لیے التمش سے ہمدردی رکھتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے سلطان التمش کو باہم مشورے سے قباچہ کی سازشوں سے آگاہ کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ دو خط لکھے اور سلطان تک پہنچانے کے لیے ایک آدمی کو دیئے۔ وہ آدمی ہر چند کہ قابل اعتماد تھا، بڑی احتیاط سے بچتا بچاتا جا رہا تھا کہ ناصرالدین قباچہ کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس سے وہ دونوں خط برآمد کر کے قباچہ کو بھیج دیئے گئے۔ قباچہ نے خط پڑھ کر انتہائی غیظ وغضب میں دونوں بزرگوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب دونوں بزرگوں کو پیش کیا گیا تو حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو اس نے اپنی دائیں جانب بٹھایا اور قاضی اشرف الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے سامنے بٹھایا۔

حکمران ملتان ناصرالدین قباچہ نے قاضی اشرف الدین کا خط نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی اشرف الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی۔ قباچہ انتہائی غصے میں تھا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ قاضی کو لے جاؤ اور اس کا

سرتن سے جدا کردو۔حاکم ملتان ناصرالدین قباچہ کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔پھر حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا خط نکال کر دیا۔خط دیکھ کر آپ نے فرمایا، بے شک یہ میرا خط ہے لیکن میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور ٹھیک لکھا ہے۔ایسی جرأت مندی کا جواب سن کر قباچہ کانپنے لگا اس پر لرزہ طاری ہوگیا۔اس نے آپ سے معافی مانگی اور اعزاز اکرام کے ساتھ رُخصت کیا۔

آپ (حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) کے شیخ الاسلام بنائے جانے کا واقعہ یوں ہے۔آپ کے مرشد حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آپ کو ملتان جانے کا حکم ہوا۔آپ جب وہاں سے چلے تو آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے پیر بھائی حضرت جلال الدین تبریزیؒ بھی آپ کے ساتھ تھے۔جب یہ دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو وہاں اُن کی ملاقات حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ سے ہوئی۔گفتگو ہوتی رہی جب وہاں سے رخصت ہوئے تو حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پوچھا آپ دوران گفتگو ہمارے پیر ومرشد حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کرنا کیوں بھول گئے؟اس پر حضرت بہاؤالدینؒ کو ملال ہوا اور ان (حضرت جلال الدین تبریزیؒ) سے علیحدگی اختیار کر کے ملتان پہنچے۔

حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ پہلے خراسان میں آباد ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد دہلی آئے۔سلطان التمش آپ کی بزرگی کی شہرت سن چکا تھا۔جب آپ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان التمش،علماء اور مشائخ کی ایک جماعت لے کر شہر سے باہر آپ کے استقبال کے لئے پہنچ گئے۔حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑے اعزاز و تکریم اور عقیدت سے ملے۔سلطان دور ہی گھوڑے سے اُترا اور پیدل آپ تک پہنچا۔انتہائی عزت و احترام سے ملا۔آپ کی اتنی عزت افزائی شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو پسند نہ آئی۔وہ آپ سے جلنے لگا اور اس نے آپ کا قیام قصداً اپنی رہائش گاہ کے قریب رکھوایا۔

آپ کے لئے جو مکان تجویز کیا وہاں جنوں کا بسیرا تھا۔اس مکان میں کوئی نہیں ٹھہرتا تھا۔سلطان کو اپنے معزز مہمان کے لیے یہ مکان پسند نہ آیا۔مگر نجم الدین صغریٰ نے کہا،سلطان عالی مقام اگر حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کامل ہوں گے تو جن خود بخود بھاگ جائیں گے۔جب حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اعلان کر دیا کہ میں اسی مکان میں رہوں گا۔جب آپ نے مکان کے اندر قدم رکھا تو تمام بلائیں اور جن وہاں سے بھاگ گئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکان کو پُرسکون کردیا۔

کچھ دن قیام کے بعد آپ خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملنے کے لئے گھر سے نکلے۔حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو کشف سے آپ کے آنے کی اطلاع مل گئی۔حضرت بختیار کاکیؒ کو تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے استقبال کے لیے راستے ہی میں حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے آملے۔خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سلطان التمش کے مرشد تھے۔جب سلطان کو علم ہوا کہ میرے مرشد پاک نے حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ استقبال کیا ہے تو سلطان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی عزت و تکریم اور بڑھ گئی۔مگر نجم الدین صغریٰ کے دل میں حسد کی آگ کے شعلے اور بھڑک اُٹھے۔

ایک دن سلطان نے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو فجر کی نماز کی امامت کے لیے بلایا۔نماز چھت پر ادا کی جارہی تھی۔ سامنے حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان کے صحن میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد چادر اوڑھے آرام فرمارہے تھے اور ایک خوش شکل لڑکا آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔نجم الدین صغریٰ کو موقع ہاتھ آگیا اور سلطان کے کان بھرنے شروع کردیئے کہ بغیر نماز ادا کیے آپ کے مہمان سورہے ہیں اور خوش شکل لڑکا پاؤں دبا رہا ہے۔سلطان نے موقع پر پہنچ کر معلوم کیا تو خدام نے بتایا کہ حضرت نماز ادا کرنے کے بعد آرام فرمارہے ہیں۔شیخ الاسلام کا یہ حربہ بھی ناکام ہوا تو حسد کی آگ اور بھی تیز ہوگئی۔اس نے ایک خوبصورت جوان بازاری عورت کو بہت سارو پیہ دے کر حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ پر زنا کا الزام لگا دیا۔سلطان ہر چند آپ کی پاک دامنی پر یقین رکھتا تھا مگر یہ داغ دھونے کے لیے اس نے علماء کا ایک بورڈ بٹھادیا تا کہ معاملے کی تحقیق کی جائے۔ بورڈ میں حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الاسلام کی سفارش پر رکھا گیا تھا۔نجم الدین صغریٰ جانتا تھا کہ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ،حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے ناراض ہیں۔تمام ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ بورڈ میں شریک تھے کیونکہ اتنے بڑے بزرگ کے خلاف یہ الزام سنگین نوعیت کا تھا اس لیے شرعی حد میں مکمل تحقیق ضروری تھی۔

جب مجلس کے تمام ارکان بیٹھ گئے مجلس میں دوسو اولیاء،علماء اور بزرگ شریک تھے۔جامع مسجد دہلی میں اس مقدمے کا فیصلہ ہونا تھا۔مجلس کے سربراہ حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا گیا۔انہیں شیخ الاسلام کے کہنے پر صاحب حکم مقرر کیا گیا تھا۔نماز جمعہ کے بعد مقدمہ شروع ہونا تھا جمعہ کی نماز کے بعد اہل مجلس اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔اتنے میں حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو تمام اولیاء ،بزرگ اور علماء تعظیماً کھڑے ہوگئے۔رقت آمیز منظر تھا جب حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوتیاں اُتاریں تو حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ فوراً آگے بڑھے اور جوتیاں ہاتھ میں لے لیں۔سلطان التمش آپ کی اتنی تعظیم اور عزت افزائی سے بے حد متاثر ہوا اور کارروائی روکنے کو کہا۔

حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں! یہ مقدمہ سب کے سامنے اپنے انجام کو پہنچے گا اور یہ تو میرے لیے فخر کی بات ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں۔وہ میرے مرشد پاک حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سات سال سفروحضر میں رہے ہیں۔شیخ نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام کو شاید گمان ہو کہ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ایسے جلیل القدر اولیائے حق سے کسی صورت یہ فعل بدسرزد نہیں ہوسکتا،مگر سب کے سامنے فیصلہ ضروری ہے۔یہ مجلس یہ بورڈ آقائے دو جہاں ﷺ کی شریعت کی مجلس ہے۔فوراً اس حسین وجوان مطربہ کو پیش کیا جائے۔

اس عورت کو پیش کیا گیا۔انتہائی حسین وجمیل عورت تھی۔جب اس کی نظر حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو اس پر لرزہ طاری ہوگیا۔آپ نے فرمایا: اے خاتون گھبراؤ نہیں،جو سچ ہے سب کے سامنے بتادو،تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

عورت نے ''الف'' سے ''ی'' تک ساری سازش کا حال بیان کردیا۔اور وہ دولت جو قاضی شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے اُسے دی تھی سب کے سامنے رکھ دی۔عورت کو بَری کردیا گیا۔نجم الدین صغریٰ کو اسی مجلس میں غش آگیا۔سلطان التمش نے سرِمجلس اسے اس عہدے سے برطرف کرکے شیخ الاسلام کا عہدہ حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا جو آپ نے قبول کرلیا۔شیخ الاسلام کا عہدہ مدتوں آپ کے خاندان میں جاری رہا۔

آپ کی طبیعت میں انکساری کا عنصر بہت نمایاں تھا،اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتے۔کسی کام کو اس لیے نہ روکے رکھتے تھے کہ خادم آکر کرے گا۔بعض اوقات خدام کی موجودگی میں بھی اپنا کام خود کرلیا کرتے تھے۔آپ کو ایسی باتیں جن میں شخصیت پرستی کی جھلک نظر آتی تھی،سخت ناپسند تھیں۔آپ فرماتے:''اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا بنایا ہے پھر تفریق کیوں کی جائے۔تفریق ہم انسانوں کی پیدا کردہ ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی بالکل شامل نہیں اور جس کام میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی ومنشاء شامل نہ ہو اُن کو کرنا فضول بھی ہوگا اور اس کی ناراضگی مول لینے کے مترادف بھی ہوگا اور کس کو مجال ہے جو خدا کی ناراضگی کا سامنا کرے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے انسان جب تک متقی نہ ہو جائے اپنا ہر قدم اپنا ہر لفظ سمجھ سوچ کر استعمال نہ کرے وہ کامل بندہ نہیں بن سکتا۔حقِ بندگی تو اس وقت ہی ادا ہو سکتا ہے جب انکساری اور نفس کشی کے عوامل انسان میں پیدا ہو جائیں۔

الحمدللہ!یہ عجز وانکساری،غریب پروری اور فقر وفقیری اس وقت تھی کہ جب آپ کی دولت وثروت کا اندازہ لگانا مشکل تھا آپ وقت کے غوث تھے لیکن اللہ کے فضل وکرم سے شاہانہ زندگی گزارتے تھے۔آپ کا محل بہت شاندار تھا۔آپ کے ذاتی کمرے کی تزئین وآرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔یہ کمرہ کسی بادشاہ کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔جو آپ کی زیارت وملاقات کے لئے آتا دنگ ہوکر رہ جاتا تھا۔آپ کو لاکھوں روپے کے نذرانے پیش کئے جاتے تھے۔اس کے علاوہ آپ کی وسیع پیمانے پر تجارت بھی تھی۔جتنا روپیہ آتا تھا غروبِ آفتاب سے پہلے راہِ خدا میں لُٹا دیا جاتا۔آپ جس قدر خرچ کرتے،اللہ تبارک وتعالیٰ اور زیادہ بھیج دیتا۔آپ کے لنگر خانے میں طرح طرح کے پکوان پکتے تھے۔

ایک دفعہ فقیروں کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کے ساتھ لنگر کھانے میں شریک تھی۔آپ نے ہر درویش کے ساتھ ایک لقمہ کھایا۔ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔آپ نے فرمایا:''سبحان اللہ!ان سب فقیروں میں یہ فقیر کھانا کھانا خوب جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ''ثرید یعنی شوربے میں ڈوبی ہوئی روٹی کو دوسرے کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاء پر اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر ہے۔

قارئین کرام!آپ رحمۃ اللہ علیہ کی غریب پروری،اور فقر وفقیری کا درج ذیل سے بھی اندازہ کریں اور دیکھیں کہ یہ برگزیدہ بزرگانِ دین دُنیا پر کس طرح حاوی ہوتے تھے۔یعنی ان کے سامنے فقر کے مقابلے میں دُنیا کی صفر جتنی بھی اہمیت نہ تھی۔دیکھئے کہ آپ کے فرزند عظیم نے آپ کی کچھ صفات وخوبیوں کو کس طرح اُجاگر کیا ہے۔

حضرت شیخ صدرالدین عارف رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ عارف کا لقب اس لیے پایا کہ جب کلام پاک پڑھتے یا پورا قرآن ختم کرتے تو ہر بار معرفت کے نئے اسرار اُن پر منکشف ہوتے۔ اسی لیے آپ کو عارف کہا جاتا۔ آپ کے والد حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو آپ کو ترکہ میں سات لاکھ درہم نقد ملے۔ والد محترم کے وصال کے بعد انہوں نے یہ کثیر دولت فوراً غریبوں، مسکینوں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دی اور ایک درہم بھی پاس نہ رکھا۔ کسی عقیدت مند نے سوال کیا یا حضرت آپ کے والد محترم حضرت بہاؤالدین زکریاؒ دولت پاس رکھتے اور وقفے وقفے سے اُسے مستحق لوگوں، غرباء، مساکین اور فقراء میں تقسیم کرتے رہتے۔ آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ فرمایا: حضرت بابا حضور دُنیا پر حاوی تھے۔ دُنیا انہیں فریب نہیں دے سکتی تھی۔ مجھ میں وہ صلاحیت نہیں ہے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دُنیا کے فریب میں نہ آ جاؤں۔

آپ کا نصیحت و سمجھانے کا انداز بھی بہت آسان اور خوبصورت تھا۔ ایک روز حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لائے تو وہاں آپ کے مرید اور چند درویش وضو کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ کر سب کے سب لوگ وضو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ مگر ایک درویش بدستور وضو کرتا رہا اور جب وضو سے فارغ ہوا تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اُس درویش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اصل درویش یہ ہے جس نے خدا کے کام کو مقدم جانا اور بعد میں اپنے مرشد کی طرف راغب ہوا۔'' یہی دستورِ درویشی ہے کہ مالک کی طرف پہلے جھکو اُس کی بندگی اور عبودیت پہلے کرو، اس کے بعد اپنے شیخ کے لیے تعظیم بجا لاؤ۔ وضو کر کے انسان خدا کی درگاہ میں جاتا ہے اور خدا کے گھر جاتے ہوئے راستے میں کوئی انسان مل جائے خواہ وہ کتنا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو اس کی تعظیم سے زیادہ اسے اپنی منزل کی طرف جانا مقدم سمجھنا چاہیے۔ آپ ہمیشہ انکساری کی تلقین فرماتے تھے اور شخصیت پرستی سے زیادہ خدا پرستی کو معتبر مقدم جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انکساری نے آپ کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔

خدمت مولا کرتے ہوئے اُس کے آداب پر نظر رکھنا حق تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ آپ اپنے مریدوں کو یہ نصیحت اکثر اوقات کرتے تھے: ''اپنی بیوی بچوں کو رزق طیب و حلال کھلاؤ، اگر ذرہ برابر بھی ناجائز اور حرام کمائی کسی نے اپنی زوجہ و اولاد کو کھلائی تو ان کے اندر بھی حرام رزق کی تاثیر پیدا ہو جائے گی۔ آدمی حرام کاری کے کام ولد الحرام ہونے کی وجہ سے ہی نہیں کرتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بہت کشف و کرامات سے نوازا تھا ان میں سے چند ایک قارئین کرام کے پیش خدمت ہیں تا کہ ایمان کو اور جلا ملے۔

آپ کے ایک دوست سید جلال الدین سُرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بخارا سے ملتان میں آئے تو ہر وقت ملتان کی گرمی کی شکایت کرتے رہتے تھے کیونکہ بخارا کا موسم بڑا خوشگوار تھا اس لیے انہیں ملتان کی گرمی بے کل کر دیا کرتی۔ ایک روز اسی طرح ملتان کی گرمی سے وہ شاکی بیٹھے بخارا کو یاد کر رہے تھے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ کو بذریعہ کشف سید جلال الدین سرخ کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ آپ نے خدام کو بلایا اور حکم دیا: ''مسجد کے صحن میں سے تمام صفیں اُٹھا کر وہاں جھاڑو دیا جائے۔'' ابھی خدام صفیں اُٹھا کر اور جھاڑو دے کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ بادل نمودار ہوئے اور خوب موسلا دھار بارش ہوئی اور ساتھ اولے بھی پڑے

مگر خدا کی قدرت کہ اولے اور بارش مسجد میں ہی ہوئی۔ مسجد کے باہر ایک قطرہ بھی نہیں گرا کیونکہ سید جلال الدین سرخ وہاں پر ہی تشریف فرما تھے۔ جب ظہر کی نماز کے وقت جناب زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لائے تو سید جلال الدین سے مسکرا کر فرمایا: ''کہیے جناب! ملتان کے اولے بہتر ہیں یا بخارا کی برف۔'' انہوں نے عرض کی: ''ایسی حالت میں تو ملتان کے اولے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ بعض اوقات حق تعالیٰ اپنے مقربین کی دلجوئی اور دلجوئی اور تالیف اس طرح بھی فرما دیتا ہے جس طرح حضرت سید جلال الدین سرخ کی فرمائی۔

ایک مرتبہ آپ کے عقیدت مندوں کا جہاز طوفان کی زد میں آ گیا۔ ڈوبنے کے قریب تھا سب نے روحانی تصور میں گڑگڑا کر آپ سے دعا کی التجا کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاز کو طوفانی موجوں سے نجات دے دی۔ جہاز میں آپ کے مرید اور عقیدت مند زیادہ تر جواہرات کے تاجر تھے، انہوں نے مصیبت ٹل جانے پر اپنے مال کا ایک حصہ آپ کی نذر کرنے کی منت مانی تھی۔ جہاز کنارے لگا تو سب نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اور جو منت مانی تھی وہ سب نے جمع کی اور خواجہ فخر الدین گیلانی کو دی کہ یہ نذرانہ حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچا دیں۔ اس مال کی مالیت ستر لاکھ چاندی کے ٹکے تھی یعنی اس دور کے چاندی کے روپے تھی۔ جب یہ رقم آپ کو پیش کی گئی تو آپ نے وہ ستر (70) لاکھ کی رقم تین دن کے اندر مستحق، حقداروں محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کر دی۔ خواجہ فخر الدین گیلانی آپ کی سخاوت سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی ساری دولت فقیروں، مسکینوں، محتاجوں میں خیرات کر دی اور درویشی اختیار کر لی۔ پھر پانچ سال حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے، پھر حج بیت اللہ کے لیے رُخصت ہوئے اور جدہ پہنچ کر جنت کو سدھار گئے۔

ایک مرتبہ ایک بہت بڑا عالم و فاضل اور دانشور بخارا سے دہلی آیا۔ اس کی عالمانہ شہرت ہندوستان بھر میں پھیل گئی۔ لوگ اس کو بہت بڑا نقطہ ور سمجھنے لگے۔ ہندوستان میں پھرتا پھراتا وہ ملتان بھی آیا مگر اس نے جناب زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنا کسر شان سمجھا۔ کافی عرصہ ملتان میں قیام کرنے کے بعد جب وہ وہاں سے واپس جانے لگا تو اس کے ساتھیوں نے اس کو کہا: ''آپ ایک مرتبہ جناب زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے مل تو لیں۔'' اس نے بڑی ردو کد کی اور جناب زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کو ٹالتا رہا مگر اپنے ساتھیوں کے اصرار پر اس کو جناب زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ناچار حاضر ہونا پڑا۔

اس عالم نے لمبے لمبے بال رکھے ہوئے تھے جن کی ایک لمبی سی لٹ اس کی شانوں پر جھول رہی تھی اور سر پر بڑا سا عمامہ باندھ رکھا تھا جس کا شملہ نیچے لٹک رہا تھا۔ جب وہ آپ کی خانقاہ میں پہنچا تو جناب زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مسکراتے ہوئے مخاطب کیا: ''کندھوں پر دو سانپ لٹکا کر آ رہے ہو۔'' آپ کے یہ بات کرنے کی دیر تھی کہ اس عالم نے اپنے کندھوں پر جو نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اس کے کاندھوں پر واقعی اصلی سانپ لٹک رہے تھے۔ وہ اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کی ساری رعونت، شیخی اور ڈینگ بازی رفو چکر ہو گئی اور دستار و جبہ ایک طرف پھینک کر آپ کے قدموں پر گر گیا۔

آپ نے اس کو اُٹھایا اور فرمایا: بس اتنی سی بات سے گھبرا گئے تو یہ تمہارا غرور، نخوت اور برتری تھی جو تمہیں اللہ نے

سانپوں کی شکل میں دکھائی۔اُسی غرور کو ساتھ ساتھ لیے پھر رہے ہو اور جب وہ اصلی شکل میں نظر آئے ہیں تو اُن سے خوف زدہ ہو گئے ہو۔'' یہ سن کر وہ عالم بہت شرمندہ ہوا اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی کا خواستگار ہوا۔آپ سے بیعت ہو کر اس نے جبہ و دستار پرے پھینکے اور سر بھی منڈوالیا اور آپ کے ساتھ ایک عرصہ تک حجرے میں بند ہو کر عبادات و ریاضت میں غرق رہا۔وہ ہر ایک سے یہی کہتا تھا کہ اس نے کسی مدرسہ و مکتب سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ اُس نے سب کچھ جناب حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے حاصل کیا ہے۔

آپ کو انسانیت کا بہت احترام تھا۔عوام الناس سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے اور اللہ والوں کے سامنے تو بچھ بچھ جاتے تھے۔اپنے ہم عصر بزرگوں کی دل کھول کر آؤ بھگت کرتے اور ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آ کر ٹھہرے،حضرت شیخ بہاالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ان سے تعظیم و محبت اور شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے ہاں روکا۔حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔چنانچہ جب معتقدین نے اُن کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاءالدین رحمۃ اللہ علیہ کا قبضہ اور سایہ کافی ہے،یہاں ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کو بڑی عقیدت تھی۔آپ ہمیشہ ان کو خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ان کے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کیا کرتے تھے۔حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ان اکابر اولیاء سے ہیں جن کی بدولت سرزمین پاک و ہند میں فروغ اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور اس خطے میں سلسلہ سہروردیہ کو آپ نے بہت عروج دیا۔
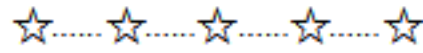
آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے تقریباً سو (100) سال کی عمر پائی۔وصال کے روز حسب معمول آپ اپنے حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول تھے۔''فوائد الفواد'' میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا تذکرہ چلا۔حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک روز ایک بزرگ صورت شخص ظاہر ہوئے اور ایک لفافہ آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین کو دیا اور کہا کہ یہ خط ایک صاحب نے دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخ بہاءالدین کو پہنچادو۔شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ اُس کا عنوان پڑھ کر بے حد متحیر ہوئے اور اپنے والد کی خدمت میں وہ خط پیش کر کے باہر آئے۔باہر آ کر دیکھا کہ قاصد جا چکا تھا۔خط کے پڑھنے کے ساتھ ہی شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور ایک آواز بلند ہوئی کہ ''دوست بدوست رسید'' (دوست،دوست سے مل گیا) یہ آواز سنتے ہی شیخ صدرالدین حجرے میں گئے دیکھا کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔**انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد محبوب الٰہی حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا:وہ بھی کتنا اچھا زمانہ تھا جس میں یہ پانچ بزرگ زندہ تھے۔شیخ ابوالغیث یمنی،شیخ سیف الدین باخرزی،شیخ سعدالدین حمویہ،شیخ الاسلام شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ''راحت القلوب'' میں مذکور ہے کہ جب حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا

ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی اُس وقت اجودھن (پاک پتن) میں حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش ہو گئے۔جب ہوش آیا تو فرمایا: برادرم بہاؤالدین زکریا ازیں بیابان فنا شہر ستان بقا برونند، پھر آپ نے اُٹھ کر اپنے مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

آپ کا مقبرہ پرانے قلعہ ملتان کے روبرو واقع ہے۔عمارت کے بڑے عظیم شان دروازے پر لکھا ہے: ''خانقاہ غوث العالمین حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ تاریخ وفات 7 صفر 661ھ مقدس''۔دراصل یہ مقبرہ سلاطین دہلی میں سے ایک بادشاہ نے اپنے لیے بنوایا تھا مگر اس کی قسمت میں یہ جگہ نہ ہو سکی اور حضرت بہاُالدین زکریاؒ کا مرقد منور یہاں بن گیا۔آپ کے ساتھ مقبرہ کے نیچے اور بے شمار مزارات ہیں جو کہ آپ کے خاندان کے ہی افراد تھے۔اور بعد از وفات یہاں دفن ہوئے۔

آپ کی سن وفات میں اختلاف ہے۔''اخبار الاخیار'' میں 661ھ ''سفینۃ الاولیاء'' اور ''فرشتہ'' میں 666ھ ''مراۃ الاسرار'' میں 665ھ ہے۔آپ کی عمر کم وبیش سو سال بتائی جاتی ہے۔مزار اقدس شہر الاولیاء ملتان میں ہے۔یہاں آپ کے پوتے شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ سینکڑوں اولیاء اللہ آسودہ خاک ہیں۔آپ کی خیر و برکت اور انوار کی بارش سے یہ شہر عالم میں مشہور رہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت بختیار کاکیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی بختیار ہے۔ آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک کمال الدین تھا۔ آپ حسینی سادات کرام میں سے ہیں۔ قطب الدین آپ کا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا عطا کردہ خطاب ہے۔ آپ کے مرشد گرامی قدر حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ المعروف خواجہ غریب نواز بھی آپ کو ازراہِ محبت وشفقت ''قطب الدین بختیار'' کہا کرتے تھے۔ عوام الناس میں آپ خواجہ (حضرت) کاکی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ اس لقب کی وجہ تسمیہ آگے اپنے موقع پر بیان کر دی جائے گی۔ اولیاء اللہ میں، مشائخ میں، صلحاء میں، عالموں میں، فقر، زہد وریاضات اور تقویٰ میں آپ کا مقام بہت بلند ونمایاں ہے۔ آپ بہت بڑے زاہد، عابد، اور عالم دین تھے جس نے ہر قدم پر ہر حال میں فقر محمدی یعنی کہ دُنیا سے بے رغبتی کو خوب سے خوب تر اپنایا اور بادشاہوں، حاکموں اور اُمرا سے کبھی کچھ قبول نہ فرمایا اور اپنے اس مثالی کردار سے انہیں بھی راہِ راست دکھائی اور کئی ایک کو روحانیت سے بھی نوازا۔ آپ کے بارے میں اہل علم ودانش کا کہنا ہے کہ آپ قبلہ اہل یقین، رہنمائے واصلین، سردار عارفین، رہبر سالکین اور مطلع انوار رب العالمین ہیں۔

اس زمانے کے اکثر مشائخ آپ کے معتقد اور حلقہ ارباب سے تھے آپ بڑی شان اور بلند مرتبہ والے تھے۔ آپ سیف زبان تھے۔ جو کچھ زبان مبارک سے فرما دیتے مشیت ایزدی کی طرف سے ویسا ہی ہو جاتا۔ جو شخص خلوص دل سے آپ کی صحبت پاک میں رہتا وہ صاحب ولایت ہو جاتا اور جس پر آپ روحانی نگاہِ شفقت ڈالتے اس کی زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے اور وہ صاحب باطن بن کر مقبول بارگاہِ رب العزت ہو جاتا۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں نور معرفت اور حق وصداقت کی جو شمع روشن کی آپ نے اپنی کاوشوں سے اسے پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ خواجگانِ چشت نے ہندوستان کی عوام میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور کثیر مخلوق خدا کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ اپنی سیرت وکردار کی بنا پر ہندی تہذیب وتمدن کو ماند کر کے اسلام کے افکار وخیالات کو زندگی کے ہر شعبہ پر اثر انداز اور غالب کیا۔ اور لوگوں کو اسلامی زندگی کے عملی نمونے میں ڈھال دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی نگاہ میں اتنی کشش اور جاذبیت عطا فرما رکھی تھی کہ آپ جس پر

نگاہِ شفقت ڈالتے وہ راہِ ہدایت کا طالب بن جاتا ۔بے شمار بُرے لوگ آپ کی صحبت صالح سے نیک اور متقی بن گئے ۔کئی لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حصول روحانیت کی توفیق بخشی ۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شہرہ آفاق بزرگ ہیں ۔آپ کی بزرگی اور عظمت کی شہرت ہندو پاکستان میں بڑے عروج پر ہے ۔آپ کے باطن کمالات اور روحانی درجات بے شمار ہیں آپ حضرت غریب نواز چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے نائب اور حضرت فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پیرو مرشد ہیں ۔دین اسلام کی تعلیمات کو فروغ دینے میں آپ نے برصغیر پاک وہند میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے ۔اور برصغیر (پاک وہند) میں دین اسلام کا پھیلنا اور ہندوستان کے لوگوں کا گروہ در گروہ مسلمان ہونا ، دین اسلام میں داخل ہونا انہی بزرگانِ دین ،اولیاء اللہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، آج سے (سن 2009ء بمطابق 1430ھ) تقریباً ایک ہزار سال پہلے اس خطہءِ زمین میں فرداً فرداً دین اسلام کے نور کے ساتھ تشریف لائے اور اسے چارسو خلق خدا میں پھیلایا اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے ۔(اللہ ان پر، ان کی آل واولاد پر تاقیامت اپنی رحمتوں، عنایتوں، نوازشوں کی برسات کرے ۔آمین)

زہد وتقویٰ ریاضات ومجاہدات کی طرح کشف وکرامات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے ۔اچھے اوصاف اور اچھی عادات قربِ الٰہی کا ذریعہ مبنی ہیں ۔حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی عادات اور معمولات حضور پُرنور، پیغمبر اول و آخر واعظم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق تھے آپ کی زندگی حق وصداقت اور علم وعمل کا بہترین نمونہ تھی ۔آپ نے زندگی بھر کثرت سے عبادت الٰہی کی ۔فقر وفاقہ آپ کا امتیازی وصف تھا ۔آپ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا ۔صبر وقناعت اور توکل براللہ کا آپ شاندار نمونہ تھے ۔آپ اپنے حال واحوال، عبادات ریاضات زہد وتقویٰ کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے ۔آپ بڑے وسیع القلب تھے، آپ دل کے غنی تھے ۔کبھی دُنیاوی مال و دولت جاہ وحشمت، جاگیر وجائیداد کی طلب نہ کی اور جو آنا چاہی اسے بھی قبول نہ کیا ۔آپ کو گوشہ نشینی، تنہائی بہت پسند تھی شہرت اور دنیاوی محافل ومجالس سے دور رہتے تھے، اُن سے بھاگتے تھے ۔آپ حافظِ قرآن تھے اور تلاوت قرآن سے بہت محبت تھی ۔آپ کو سماع (اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کی حمد وثنا، رسول کریم ﷺ کی شان وعظمت میں نعتیہ کلام اور قرآنی تعلیمات وحکمت ودانش سے لبریز اشعار، عارفانہ کلام وغیرہ) کا بے حد شوق تھا اور سماع سے آپ کی طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی اور اس سے آپ پر فوری استغراق (بےخودی) کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی ۔آپ ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے اور ایک اچھے شاعر بھی ۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت 569 ہجری بمطابق 1173ء ہے ۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے اندازاً 64 سال کی عمر پائی ۔ آپ نے 14 ربیع الاول 633 ہجری بمطابق 27 نومبر 1235ء کو رحلت فرمائی ۔آپ کی سن پیدائش کے بارے میں بہت اقوال ہیں ۔"دِلّی کے بائیس خواجہ" میں آپ کا سن ولادت 569ھ لکھا ہے اور "تذکرہ اولیائے برصغیر" میں 582ھ درج ہے اور

"اخبارالاخیار" میں آپ کا زمانہ 505ھ سے 633ھ تک کا لکھا ہے اور کچھ کتابوں میں آپ کی ولادت کا سن چھٹی صدی ہجری کا وسط لکھا ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن میری تحقیق و اندازے کے مطابق آپ کا سن ولادت 569 ہجری ہی ہے۔

درج ذیل حقائق کے پیش نظر آپ کی سن ولادت، دلی آمد کے وقت عمر اور آپ کے دور یا زمانے کا پتہ لگانا، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ حضرت معین الدین چشتی اجمری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرشد ہیں۔ آپ نے اندازاً 17 سال کی عمر میں بیعت کی، مرید ہوئے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت شمس الدین التمش سلطان ہند تھا اور ناصرالدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا۔ ان کے علاوہ آپ کے ہم عصروں میں حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بہاؤالدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالی قدر عالی مقام اولیاء اللہ، مردانِ حق جیسے نام شامل ہیں۔ حضرت شیخ محمود اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابولیث سمرقندی، حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جمال الدین محمد بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ نجم الدین صغریٰ اور سلطان شہاب الدین غوری، حضرت سید مسعود غازی وغیرہم سے بھی آپ کا رابطہ یا واسطہ رہا ہے یعنی کہ یہ لوگ بھی آپ کے ہم عصر تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کی ولادت قصبہ اوش میں ہوئی۔ قصبہ اوش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قصبہ ماوراءالنہر میں تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اوش علاقہ فرغانہ صولت افغانی میں ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ اوش کا قصبہ بغداد کے مضافات میں تھا۔ اس میں صحیح تر یہی لگتا ہے کہ آپ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ضلع ماوراءالنہر کے ایک قصبہ بنام 'اوش' میں پیدا ہوئے۔

آپ حسینی سادات میں سے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے شہید کربلا امام حسین ؓ سے جاملتا ہے، جو اس طرح ہے:

۱۔سید الشہداء امام حسین ؓ ۲۔امام زین العابدین ؓ ۳۔امام محمد باقر ؓ ۴۔امام جعفر صادق ؓ ۵۔امام موسیٰ کاظم ؓ ۶۔حضرت علی موسیٰ رضا ؓ ۷۔حضرت نقی الوجود رحمۃ اللہ علیہ ۸۔سید جعفر رحمۃ اللہ علیہ ۹۔سید رشید الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۔سید حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۔سید رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۔سید احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۔سید محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۔سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۔سید احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۔سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۔سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ ابھی ڈیڑھ برس کے تھے کہ آپ کے والد ماجد سید کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خالق حقیقی کا بلاوا آ گیا اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اب آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ آپ کی والدہ ماجدہ کے سر پر آپڑا۔ انہوں نے نہایت محبت اور توجہ سے آپ کی پرورش کی۔ جب آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی تو شفیق والدہ نے اپنے بچے کو ایک ہمدرد پڑوسی کے سپرد کیا اور اس سے درخواست کی کہ اسے کسی مکتب میں جا کر بٹھا آؤ۔ وہ شخص آپ کا ہاتھ پکڑ کر جا رہا تھا کہ راستے میں ایک نورانی صورت

بزرگ ملے۔انہوں نے اس شخص سے پوچھا: "یہ بچہ کس کا ہے اور تم اسے کہاں لے جا رہے ہو۔؟" اُس نے جواب میں سارا حال بیان کر دیا۔اُس بزرگ نے فرمایا: "آؤ بھئی میں اس بچے کو ایک ایسے استاد کے پاس لے جاؤں گا جو اسے ایک لاثانی انسان بنا دے گا۔"

چنانچہ وہ بزرگ آپ کو ساتھ لے کر مولانا ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچے۔مولانا ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ ایک باکمال بزرگ تھے اور علوم ظاہری و باطنی پر کامل عبور رکھتے تھے۔اُس بزرگ نے آپ کا ہاتھ حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا: "اے حفص رحمۃ اللہ علیہ اس بچے کو خاص توجہ سے تعلیم دینا۔یہ ایک دن آسمان ولایت پر آفتاب بن کر چمکنے والا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ بزرگ وہاں سے چلے گئے۔ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ساتھی سے پوچھا: "جانتے ہو یہ کون تھے؟" اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔تم اب اطمینان سے گھر جاؤ انشاءاللہ! اس بچے کی تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے گا۔اس پڑوسی نے واپس آ کر حضرت کی والدہ سے سارا واقعہ بیان کیا تو وہ یہ خوشخبری سن کر نہایت مسرور ہوئیں۔

مولانا ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محنت اور توجہ سے آپ کو تعلیم دی اور چند سالوں کے اندر اندر آپ کو ایک جید عالم بنا دیا۔ظاہری علوم کے علاوہ مولانا ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو باطنی علوم بھی پڑھائے اور آپ کم عمری سے ہی ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنے لگے۔تقریباً سترہ برس کی عمر میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔یہ بیعت کہاں ہوئی اس کے متعلق دو روایات ہیں۔ پہلی روایت کے مطابق حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سیاحت کرتے کرتے خود ہی اوش پہنچ گئے۔یوں حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو گھر بیٹھے گوہر مقصود ہاتھ آ گیا۔اور آپ حضرت معین الدین چشتیؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔(سبع سنابل)

دوسری روایت کے مطابق حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ پیر کامل کی جستجو میں بغداد پہنچے اور وہاں امام ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت برہان الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محمود اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت داؤد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن سے خرقہ ارادت پایا۔(سیر الاولیاء، دلیل العارفین)

آپ کی پہلی شادی آپ کے وطن "اوش" میں ہوئی تھی۔بیعت ہونے کے بعد، شادی خانہ آبادی سے پہلے عبادات، ریاضات و مجاہدات میں منہمک و مصروف ہونا آپ کا معمول تھا۔روایت کے مطابق آپ ایک رات دن میں پچانوے (95) سے ڈھائی سو رکعت نماز ادا کرتے اور تین ہزار بار اس درود شریف کو حضور پُرنور، پیغمبر اول و آخر، اعظم ﷺ پر بھیجتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلِّمْ

شادی کے سبب، شادی کے بعد آپ تین شب و روز اپنی عبادات کا معمول قائم نہ رکھ سکے۔چوتھی شب یا تیسری شب

آپ کے ایک مرید جس کا نام رئیس احمد تھا اس نے آپ کے متعلق خواب دیکھا۔اس روایت کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے کہ قصبہ اوش کا رئیس حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ایک رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک رفیع الشان قصر ہے۔جس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے۔ایک نورانی صورت کے بزرگ بار بار اس محل کے اندر جاتے ہیں اور پھر باہر آ کر ان لوگوں میں سے کسی سے ایک آدھ سے بات کرتے ہیں۔رئیس مذکور نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ اس محل کے اندر رسول کریم ﷺ رونق افروز ہیں اور یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور ﷺ کے پیام اقدس ان لوگوں کو نام بہ نام پہنچا رہے ہیں۔اس رئیس نے موقع پا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں یہ التجا پہنچا دیجئے کہ یہ عاجز بھی حضور ﷺ کے دیدار کا مشتاق ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اندر گئے اور حضور ﷺ کا یہ پیغام لائے کہ تمہارے لیے ابھی زیارت کا وقت نہیں آیا۔تم جاؤ اور قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہو کہ جو تحفہ تم ہر شب ہمارے لئے بھیجا کرتے تھے وہ تین شب سے ہمارے پاس نہیں پہنچا۔اس موقع پر رئیس کی آنکھ کھل گئی۔وہ سیدھا حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خواب کی ساری کیفیت بیان کی۔معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کی ہے اور اسی وجہ سے تین شب سے معمول کے مطابق درود شریف نہیں پڑھ سکے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خواب کی کیفیت سن کر اسی وقت بیوی کو طلاق دے دی اور علائق دُنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور اس کے بعد، اب آپ کو دن رات عبادت الٰہی سے سروکار تھا۔

دُنیاوی علائق سے آزاد ہو کر آپ کچھ عرصہ اپنے مرشد حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر عبادات و ریاضات میں مشغول رہے۔پھر اپنے مرشد کی اجازت سے مختلف ملکوں اور شہروں کی سیاحت کے لئے نکلے۔فقر اور درویشی کے لئے سیر و سیاحت لازم و ملزوم ہیں۔کیونکہ اللہ والوں نے اسے حصول علم اور حصول مشاہدہ کا حصہ قرار دیا ہے اس لئے ہر ولی اللہ نے اپنی کوشش اور بساط کے مطابق سیر و سیاحت ضرور کی۔چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے (سورہ حج آیت 46) کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر چل پھر کر مشاہدہ کرو اس لئے حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ نے عالم شباب میں زندگی کا کچھ حصہ سیر و سیاحت میں گزارا۔سفر میں اکثر اوقات آپ کو مشقت اور تکلیف بھی اُٹھانا پڑی لیکن پھر بھی آپ نے اکثر علاقوں کی سیر و سیاحت کی۔آپ نے اپنے قرب و جوار میں بھی بہت سیاحت کی، بہت سفر کئے اور دور دراز کے ملکوں اور شہروں کی بھی خوب سیاحت کی۔آپ نے سمرقند، مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ کے بھی سفر کئے اور باطنی اور روحانی علوم سے فیض یاب ہوئے۔آپ نے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے سفر زیارت اپنے مرشد حضرت معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ بھی کئے اور سیاحت کے دوران آپ کو بہت مشاہدات نصیب ہوئے اور آپ کا روحانی مقام بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ہندوستان میں آ کر بھی آپ نے بہت دور دور تک کے علاقوں کی سیاحت کی، اور دین اسلام اور اللہ کے نور کو ہر سو پھیلایا۔

سیاحت کے دوران بغداد میں آپ کو حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم ہوا کہ آپ کے پیر و مرشد

حضرت معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ خراسان سے ہندوستان تشریف لے گئے ہیں اور دہلی میں قیام ہے تو آپ اپنے پیرو مرشد کی قدم بوسی کے شوق میں ہندوستان روانہ ہوگئے۔ حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ساتھ ہو لئے۔ آپ مع حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں رونق افروز ہوئے۔ یہ زمانہ سلطان شمس الدین التمش کا تھا۔ ناصر الدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا اسی زمانہ میں حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں سلسلہ رُشد و ہدایت میں سرگرم عمل تھے۔ یہ دونوں بزرگ، مردانِ حق ملتان پہنچے اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ، درسگاہ میں کچھ عرصہ قیام پذیر رہے۔

اسی قیام کے دوران ایک دن آپ کی نظر کرم حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ اصل میں ان دنوں ملتان باطنی وظاہری یا دینی اور دنیاوی علوم وفنون کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے عالم اور دانشور یہاں رہتے تھے جن کی وجہ سے درس تدریس کا سلسلہ یہاں زوروں پر تھا اور لوگ دور دراز سے حصولِ علم کی غرض سے ملتان آتے تھے۔ حصولِ علم کی خاطر ہی حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی ملتان آئے ہوئے تھے اور مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام پذیر تھے اور اُن کی عمر ابھی اندازاً 15 سال تھی۔ بس نظر پڑتے ہی روحانی ملاپ ہوگیا۔ حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے احتراماً عقیدت سے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور پھر آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تکمیل تعلیم کے بعد دہلی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔

اسی زمانہ میں ملتان پر مغلوں نے حملہ کیا اور شہر کا نہایت سختی سے محاصرہ کرلیا۔ ملتان کا حاکم ناصر الدین قباچہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ اس وقت حضرت کے پاس حضرت بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ بھی بیٹھے تھے۔ قباچہ نے حضرت بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دعا کی درخواست کی۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ وہ تیر قباچہ کو دیا اور فرمایا کہ اسے دشمن کے لشکر کی طرف چھوڑ دینا۔ قباچہ نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کی قدرت کہ تیر کے چھوڑتے ہی دشمن کا لشکر محاصرہ اُٹھا کر تتر بتر ہوگیا۔

ملتان میں کچھ دن قیام کے بعد حضرت بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے۔ شہر کے باہر سلطان شمس الدین التمش نے آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا اور آپ سے شہر کے اندر قیام کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ جگہ پسند ہے کیونکہ یہاں پانی اور سبزہ بافراط ہے۔ چنانچہ آپ نے دہلی کے باہر موضع کیلوکھری (یا تلوکھری) میں اپنا ڈیرہ لگالیا۔ یہاں سے آپ نے اپنے مرشد حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا کہ شوق قدم بوسی میں دہلی تک آپہنچا ہوں، اب اجازت ہو تو اجمیر حاضر ہو کر آستانہ عالی پر جبیں سائی کروں۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تم وہیں دہلی میں قیام کرو اور ہدایت خلق میں مشغول رہو۔ میں انشاء اللہ خود دہلی آکر تم سے ملوں گا۔ چنانچہ مرشد کے حسب الحکم آپ نے دہلی ہی میں مستقل قیام فرمایا۔

چند دنوں کے اندر اندر دور دور تک آپ کی شہرت ہوگئی اور ہر وقت خلقت کا ہجوم رہنے لگا۔ خود سلطان شمس الدین التمش

رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے دو بار کیلوکھری آنا اور حضرت کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونا۔ کچھ مدت کے بعد سلطان کے اصرار پر آپ دہلی شہر کے اندر تشریف لے آئے اور ملک عین الدین (یا اعزالدین) کی مسجد میں قیام فرمایا۔ سلطان نے ایک وسیع حویلی بھی آپ کے سپرد کر دی۔ شہر تشریف لانے کے بعد خلقت کا بے پناہ ہجوم رہنے لگا اور دہلی کے رؤسا و امراء بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو شہر تشریف لائے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ شیخ الاسلام مولانا جمال الدین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ سلطان التمش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے التجا کی کہ آپ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول فرمایئے لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔ چنانچہ سلطان نے اس عہدہ پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو نامزد کیا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ ایک عالم و فاضل اور صاحب طریقت بزرگ تھے اور حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے لیکن خدا کی قدرت کہ شیخ الاسلام کا عہدہ پر فائز ہو کر وہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت اور اثر و رسوخ سے خار کھانے لگے۔

شیخ نجم الدین صغریٰ کا آپ سے خار کھانے کا یہ عالم تھا کہ انہی دنوں حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے۔ سارا شہر زیارت کے لئے اُمڈ پڑا لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے نہ گئے۔ حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو وہ شیخ نجم الدین صغریٰ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ شیخ نجم الدین گرم جوشی سے نہ ملے۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''نجم الدین شاید شیخ الاسلام بن کر تم متکبر ہو گئے ہو کہ دوستوں سے ملاقات بھی پسند نہیں کرتے۔'' شیخ نجم الدین صغریٰ نے جواب دیا کہ حضرت میں تو آپ کا عقیدت مند ہوں لیکن آپ نے یہاں ایک ایسا مرد چھوڑ رکھا ہے جس کے سامنے لوگ مجھے پوچھتے تک نہیں اور میرے اس ''شیخ الاسلام'' کے عہدہ کا وقار خاک میں مل گیا ہے۔

حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سب کچھ سمجھ گئے اور فرمایا: ''میرا ارادہ ہے کہ میں قطب الدین کو اپنے ہمراہ اجمیر لے جاؤں۔'' چنانچہ شیخ نجم الدین صغریٰ کے ہاں سے آ کر آپ نے حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''بابا بختیار تمہاری شہرت ومقبولیت سے بعض لوگ آزردہ ہوتے ہیں، تم میرے ساتھ اجمیر چلو۔'' حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فوراً تیار ہو گئے لیکن جب اہل شہر کو آپ کی روانگی کا پتہ چلا تو اُن میں ہیجان بپا ہو گیا اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ لوگوں کا ایک جم غفیر آہ و بکا کرتا ہوا حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے التجا کی کہ ہمارے قطب الدین بابا کو ہم سے جدا نہ کیجئے۔''

حضرت اجمیریؒ لوگوں کے جوش عقیدت سے بہت متاثر ہوئے اور اپنا ارادہ بدل کر حضرت بختیار کاکیؒ نے فرمایا: ''بابا قطب الدین اتنے لوگوں کا دل دکھانا مجھے پسند نہیں، اس لئے تم یہیں رہو۔ دہلی تمہارے سپرد ہے، اور تم اللہ کے سپرد۔

اس پر سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور نہایت مسرت کے ساتھ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ شہر کی طرف لوٹ آئے اور حضرت معین الدین رحمۃ اللہ علیہ اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ آخری دم تک دہلی ہی میں مقیم رہے۔ شیخ نجم الدین صغریٰ بدستور خواجہ بختیار کاکی رحمۃ

اللہ علیہ سے خار کھاتے رہے۔ آخر سلطان التمش کی ناراضگی کا شکار ہو گئے۔ شیخ الاسلام کے عہدہ سے معزول کر دیئے گئے اور نہایت عسرت اور پریشانی کی حالت میں دُنیا سے چل بسے۔

کچھ مدت دہلی میں قیام فرمانے کے بعد حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد کی قدم بوسی کے لئے بے چین ہوئے۔ آپ نے ایک عریضہ اپنے پیرومرشد حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ آپ کے پیرومرشد کا جواب آیا کہ میں بھی چاہتا تھا کہ فرزند ارجمند کو بلاؤں کہ اسی اثناء میں مراسلہ ملا۔ تم کو چاہیے کہ جلد آؤ کہ یہ ملاقات اس دنیا میں آخری ہے۔ حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب ملتے ہی اجمیر شریف روانہ ہو گئے۔ اجمیر پہنچ کر آپ اپنے پیرومرشد حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اُن کی خدمت بابرکت میں رہے۔

حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ چار باتیں بڑی خوبی کی ہیں۔ ان پر عمل کرنا باعث خیر و برکت ہے۔ ان چاروں باتوں میں سے:

پہلی بات تو ایسی درویشی ہے کہ جس سے تونگری ظاہر ہو۔

دوسری بات بھوکوں کا پیٹ بھرنا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ غم کی حالت میں خوشی کا اظہار کرے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر کوئی دشمنی سے پیش آئے تو جواب میں دوستی کا مظاہرہ کرے۔

حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد سے رخصت ہو کر دہلی واپس تشریف لائے اور دہلی میں سکونت اختیار کر کے آپ نے بقیہ عمر وہیں گزاری۔ آپ کی روانگی کے بیس دن بعد آپ کے پیرومرشد حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ واصل بحق ہوئے۔ **اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ سے بے شمار کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ ان میں سے چند ایک کا بیان پیش خدمت ہے:

سلطان شمس الدین التمش کی مدت سے آرزو تھی کہ پانی کی کمی دور کرنے کے لئے ایک وسیع و عریض تالاب کھدوائے لیکن اس کے لئے موزوں جگہ نہیں ملتی تھی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہیں اور ایک خاص مقام پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں: ''تالاب یہاں کھدواؤ''۔ سلطان شمس الدین التمش نیند سے بیدار ہو کر فوراً اس جگہ پہنچا۔ دیکھا تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہلے ہی کھڑے ہیں۔ سلطان نے اسی جگہ تالاب کھدوانا شروع کر دیا۔ جب مکمل ہو گیا تو دہلی میں پانی کی قلت دور ہو گئی۔ یہ تالاب آج بھی موجود ہے اور شمسی تالاب کہلاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا روتی ہوئی آئی اور عرض کیا: ''یا حضرت! میرا نور بصر کا کچھ مدت سے لاپتہ ہے۔ اس کے فراق میں میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتی ہوں، للّٰہ دعا کیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے میرے لخت جگر سے ملا دے۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے صدق دل سے اس عورت کے لئے دعا مانگی اور پھر فرمایا: ''گھر جا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تیرا

نورِبصر (تیرابیٹا) مل جائے گا۔" بڑھیا گھر پہنچی تو اس کا بچہ پہلے ہی وہاں موجود تھا۔اس نے بتایا کہ مجھے کوئی سوداگر ملک روم میں لے گیا تھا۔آج ایک شخص مجھے شہر کے باہر لے آیا اور کہا کہ اپنی آنکھیں بند کرو میں نے اپنی آنکھیں بند کیں کچھ دیر کے بعد کھولیں تو میں نے اپنے آپ کو یہاں موجود پایا۔

ایک دفعہ بادشاہ کا حاجب (شاہی کارندہ،سرکاری محافظ،نگہبان) اختیارالدین ایبک اشرفیوں کے کچھ توڑے لے کر حاضرِ خدمت ہوا آپ نے اختیارالدین کو اپنے قریب بلایا اور اپنے مصلے کا ایک گوشہ اُٹھا کر فرمایا: ذرا ادھر دیکھو۔اختیارالدین نے دیکھا کہ سیم وزر کا ایک دریا بہہ رہا ہے وہ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ خزائن عطا کر رکھے ہیں وہ تمہاری اشرفیاں لے کر کیا کرے گا۔جاؤ آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔"

حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ "کاکی" کے لقب سے کیسے مشہور ہوئے؟اس کے متعلق کئی روایتیں بیان کی جاتی ہیں،ان میں سے مندرجہ ذیل تین روایات زیادہ مشہور ہیں:

حضرت بختیار رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں اکثر فقر و فاقہ رہتا۔آپ کے پڑوس میں ایک بقال (دکاندار) رہتا تھا۔شدید ضرورت کے وقت آپ اس بقال سے یا آپ کی بیوی اس بقال کی بیوی سے قرض وام لے لیا کرتے تھے۔ایک دن بقال کی بیوی کو غرور آ گیا اور اس نے حضرت بختیار رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ سے طنزاً کہا: "ہم تمہیں قرض نہ دیں تو تم بھوکے مرجاؤ۔"حضرت بختیار رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے بی بی صاحبہ کو حکم دیا کہ آئندہ قرض مت لیا کرو۔ضرورت کے وقت میرے مصلےٰ کا کونہ اُٹھایا کرو،اس کے نیچے سے تمہیں ضرورت کے مطابق کاک (میٹھی روٹیاں) مل جایا کریں گی۔(ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر ہاتھ ڈالا کرو بقدرِ ضرورت کاک مل جایا کریں گی۔چنانچہ ایک زمانہ تک حضرت بختیار رحمۃ اللہ علیہ کا کنبہ اسی خدائی عطیہ پر بسر اوقات کرتا رہا اور یہی وجہ آپ کے "کاکی" مشہور ہونے کی ہوئی۔ (اسرارالاولیاء)

ایک روز شاہی نانبائی سے سلطان التتمش کے خاص کاک جل گئے،ادھر سلطان کے ناشتہ،طعام کا وقت قریب تھا۔نانبائی سخت پریشان ہوا۔اتفاق سے خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ادھر سے گزرے تو نانبائی کا حال دیکھ کر فرمایا: "گھبراؤ نہیں۔بسم اللہ کہہ کر تنور میں ہاتھ ڈالو اور کاک باہر نکالو۔" نانبائی نے تعمیل ارشاد کی۔دیکھا تو سب کاک بے جلے تھے۔اور نہایت عمدہ پکے ہوئے تھے یہ واقعہ آناً فاناً لوگوں میں مشہور ہو گیا اور آپ "کاکی" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔(فردوسیہ قدسیہ)

"سیرالاقطاب" میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے دریافت کیا کہ حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کو "کاکی" کس وجہ سے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک دن حضرت اقدس اپنے اصحاب کے ساتھ حوضِ شمسی (شمسی تالاب) پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس سرد ہوا کے ساتھ نان گرم بھی مل جاتی۔حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ حوض میں ڈال کر نان گرم نکالے اور اصحاب کے سامنے رکھ دیئے اور سب نے سیر ہو کر کھائے۔اس

روز سے آپ کو لوگ ''کاکی'' کہنے لگے۔اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت اقدس سے طعامِ غیب کی التجا کی۔آپ نے فوراً اپنے دونوں آستین ہلا دیئے تو نہایت عمدہ اور گرم کاک (نان) برآمد ہوئے۔بادشاہ نے نہایت ہی عجز و نیاز سے نان کھائے اور مشکور ہوا۔اس وجہ سے آپ کا لقب ''کاکی'' مشہور ہو گیا۔

آپ نے پہلی شادی اپنے آبائی قصبہ اوش میں ہی کی تھی۔اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔یہاں تسلسل کی خاطر مختصراً دوبارہ بیان ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کی اور مہمانوں کی آمد و رفت اور اس میں مصروفیت کے باعث متواتر تین رات آپ اپنا معمول کا وظیفہ نہ پڑھ سکے اور نہ ہی حضور پُرنور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں درود و سلام کا نذرانہ بھیج سکے۔یعنی کہ شادی، تحفہ درود بھیجنے میں رکاوٹ بنی۔اس لیے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت بیوی کو بلایا اور اسے طلاق دے کر اس کا حق مہر ادا کیا اور اس کو فارغ کر کے باعزت طریقے سے رخصت کر دیا۔اور پھر اپنے اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔اس کے بعد آپ نے ایک طویل مدت تک شادی نہیں کی۔

آپ نے دوسری شادی دہلی میں سکونت اختیار کرنے کے کافی بعد کی، یہ شادی آپ نے آخری عمر میں کی اس سے آپ کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک لڑکے کا نام احمد تھا اور دوسرے کا نام شیخ محمد تھا۔شیخ محمد کا سات سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔جب اُن کے انتقال پر اُن کی والدہ کے رونے کی آواز حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے شیخ بدرالدین سے پوچھا کہ ''یہ رونے کی آواز ہمارے گھر سے کس وجہ سے آرہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور آپ کے صاحبزادے شیخ محمد کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے ان کی والدہ رو رہی ہیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر مجھے لڑکے کی بیماری کی خبر ہوتی تو میں رب العزت سے اس کے لئے کچھ عمر مانگ لیتا۔مجھے امید ہے کہ میری درخواست قبول ہوتی ،مگر اسے مرنا ہی تھا اسی لئے مجھے اس کی بیماری کی خبر تک نہ ہوئی۔اس کے بعد آپ نے اہلیہ محترمہ کو دلاسا و تسلی دے کر جزع فزع سے منع کیا اور خود اللہ کی یاد میں محو ہو گئے۔

فقر و فاقہ آپ کے معمولات کا امتیازی وصف تھا۔آپ نے تمام عمر بڑی عسرت اور تنگی میں گزاری کیونکہ آپ کا گزارہ عمر بھر خدائی ذریعے پر رہا اس لئے آپ کے اہل و عیال اور وابستگان کو زندگی بھر غربت اور فاقہ میں گزارنا پڑا۔اکثر اوقات آپ کے گھر میں فاقہ مستی کا عالم رہتا مگر اس کا اظہار کسی پر نہ کرتے اور آپ فقر و فاقہ میں بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

آپ کی زندگی صبر و قناعت اور توکل کا بڑا اچھا نمونہ ہے آپ زندگی بھر اللہ پر بھروسہ کیے رہے اگرچہ قیام دہلی کے دوران آپ کو بڑی ناموری حاصل ہوئی لیکن آپ نے کسی حال میں بھی توکل کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔اگرچہ آپ کا تعلق شاہانِ وقت سے رہا مگر آپ نے کبھی کسی امیر و کبیر سے توقع نہ لگائی اور جب کسی عقیدت مند صاحب ثروت شخص نے آپ کو کچھ دینے کی کوشش کی تو آپ نے لینے سے بہترین انداز میں صاف انکار فرما دیا۔

حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضر تھا کہ وزیر شمس الدین انار اللہ برہانہٗ بمع سلطانی لشکر آپہنچا کہ بادشاہ نے چھ گاؤں کی ملکیت اور کچھ چیزیں بطور نذر بھیجی ہیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر ہمارے خواجگان قبول کر لیتے تو ہم بھی قبول کر لیتے۔ اگر آج ہم اُن کی متابعت نہ کریں تو قیامت کے دن اُنہیں کیا منہ دکھائیں گے۔

آپ اوائل عمر میں تو غلبہ خواب سے کچھ سو بھی لیتے تھے لیکن رفتہ رفتہ آپ نے آرام کرنا بالکل ترک کر دیا۔ آخر عمر میں تو دن رات بیدار رہتے تھے اور وقت کا ایک ایک لمحہ یادِ الٰہی میں گزارتے تھے۔ بیس سال تک زمین سے پیٹھ نہ لگائی ہر وقت عالم استغراق میں رہتے۔ البتہ نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے۔ غسل فرماتے اور تجدید وضو کر کے نماز ادا فرماتے۔ کلام پاک بھی حفظ کر لیا تھا اور اس کی بکثرت تلاوت فرماتے تھے۔ عام طور پر اپنے حجرہ میں خلوت گزین رہتے اور شہرت سے گریز کرتے۔ اگر کبھی بہت سے لوگ زیارت کے لئے جمع ہو جاتے تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے۔ سب لوگوں کو ایک ایک پیالہ پانی کا تقسیم فرماتے اور پھر انہیں پند و نصیحت کرتے جب وہ رخصت ہو جاتے تو آپ پھر حجرہ میں جا کر مشاہدہ ربانی میں مشغول ہو جاتے۔

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع کی جانب بہت میلان تھا لیکن آپ اس کی مجالس پورے آداب کے ساتھ منعقد کراتے تھے۔ کبھی کبھی قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مجلس سماع میں تشریف لے جاتے اور کبھی کسی اور درویش کے ہاں جا کر اپنا ذوقِ سماع پورا فرماتے ایک روز سماع میں قوالوں نے جب یہ شعر پڑھا:

سرود چیست کہ چندیں فسوں عشق دروست
سرود محرم عشقت و عشق محرم اوست

ترجمہ: ''سماع کیا ہے کہ اس کے ہاتھ میں عشق کے بہت سے جادو ہیں۔ سماع تیرے عشق کا محرم ہے اور عشق اُس کا محرم ہے۔''

تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ بیہوشی سات رات دن طاری رہی۔ جب نماز کا وقت آتا تو آپ ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرماتے ہی پھر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ غرض سماع میں آپ کے ذوق و شوق کا عجیب عالم تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ کسی شعر پر وجد میں آجاتے اور پہروں تڑپتے پھڑکتے رہتے۔

آپ ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے اور ایک اچھے شاعر بھی۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

''**دلیل العارفین**'' اس کتاب میں آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت معین الدین حسن چشتی کے ملفوظات تحریر کیے ہیں۔

''**زبدۃ الحقائق**'' یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔

''رسالہ'' آپ نے ایک رسالہ بھی مرتب کیا ہے۔

"مثنوی" ایک مثنوی بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہے۔

"آپ کا دیوان" یہ دیوان فارسی میں ہے اور شائع ہو چکا ہے۔اس میں حضرت قطب صاحب کا تخلص کہیں "قطب الدین" ہے اور کہیں "قطب دین" ہے۔آپ نے اپنی شاعری کو توحید و عرفان اور حقیقت و معرفت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

ایک روز شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں محفل سماع ہو رہی تھی۔صاحب حال و اہل کمال درویش محفل میں شریک تھے۔ حضرت قطب رحمۃ اللہ علیہ بھی بنفس نفیس تشریف رکھتے تھے۔قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے:

عاشق رویت کجا بیند مکیں

بستہ رویت کجا یابد خلاص

ترجمہ:"تیرے چہرے کا عاشق کہاں جگہ پائے۔تیرے حسن میں جو قید ہے وہ کب خلاصی پائے۔"

حضرت قطب رحمۃ اللہ علیہ پر وجد طاری ہوا۔قوال اس شعر کو کچھ دیر تک پڑھتے رہے،سناتے رہے۔اس کے بعد قوالوں نے حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کی غزل پڑھنا شروع کی ....جب صلاح الدین قوال اور اس کے لڑکے،کریم الدین اور نصیر الدین نے یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را

ھر زماں از غیب جانِ دیگر است

ترجمہ:جو لوگ تسلیم و رضا کے خنجر سے کشتہ ہو جاتے ہیں ان کو ہر وقت غیب سے ایک نئی زندگی ملتی رہتی ہے۔

تو حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار یہ شعر اپنی زبان مبارک سے پڑھا اور پھر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور حالت نازک ہو گئی۔قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ،مولانا بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگ آپ کو اسی حالت میں خانقاہ پر لائے۔قوال بھی ساتھ آئے۔یہاں پھر قوالی شروع ہوئی۔پورے تین دن اور تین رات اسی شعر کی تکرار رہی۔نماز کے وقت آپ ہوش میں آجاتے اور وضو کر کے نماز ادا فرماتے نماز سے فارغ ہوتے ہی پھر بے خود ہو جاتے۔جب آپ کو کسی قدر ہوش آتا تو آپ اس شعر کی تکرار کا حکم فرماتے اور پھر آپ پر وجد طاری ہو جاتا۔چار روز تک آپ پر یہی کیفیت رہی۔

عجیب کیفیت یہ تھی کہ پہلا مصرعہ پڑھا جاتا تو بالکل بے جان ہو جاتے لیکن دوسرا مصرعہ پڑھتے ہی بدن میں حرکت پیدا ہو جاتی۔آخر لوگوں کی رائے سے دوسرے مصرعہ کو بند کر دیا گیا اور اس کے بعد پہلے مصرعہ کی دو چار دفعہ کی تکرار سے ہی آپ واصل بحق ہو گئے۔وصال کے وقت سر مبارک قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا اور پاؤں مولانا بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش میں،تاریخ وفات 14 ربیع الاول سن 633ھ (شب دوشنبہ) تھی۔**اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ کے وصال کی خبر سے دہلی میں کہرام مچ گیا۔سلطان شمس الدین التمش،دہلی کے فقراء،مشائخ،صوفی،عوام اور

خواص غرض سب ہی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے جمع ہو گئے۔ جنازہ جب تیار ہو گیا تو مولانا ابو سعید نے حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت بیان کی۔ آپ نے کہا کہ "حضرت خواجہ ما وصیت فرمودہ کہ امامت جنازہ من کے کند کہ ازاو بندش بحرام نہ کشادہ باشد وسنت نماز عصر وتکبیر اولیٰ گاھے از وفوت نہ شدہ باشد۔"

ترجمہ: "ہمارے خواجہ نے وصیت فرمائی ہے کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام نہ کیا ہو اور جس سے سنت عصر اور تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

جب حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وصیت لوگوں کو معلوم ہوئی تو لوگ حیران تھے کہ آخر وہ کون خوش قسمت ہے کہ جو آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائے گا؟ کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ آخر سلطان شمس الدین التمش آگے بڑھے۔ آپ نے کہا مجھے ہرگز منظور نہ تھا کہ کسی کو میرے حال سے آگاہی ہو مگر حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی مرضی سے چارہ نہیں۔ سلطان شمس الدین التمش نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ لوگوں کی کثیر تعداد تھی۔ سلطان التمش نے نماز پڑھانے کے بعد ایک طرف سے جنازہ کو کاندھا دیا اور دوسرے اہل دہلی نے باقی تین طرف سے جنازہ کو کاندھا دیا۔ آپ کو اسی جگہ پر دفن کیا گیا کہ جس جگہ کو آپ نے اپنی حیات ظاہری میں اپنی آخری آرام گاہ کے لئے منتخب فرمایا۔

آپ کا مزار پُرانوار مہرولی (قریب نئی دہلی) میں واقع ہے اور مرجع خاص وعام ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک 13 اور 14 ربیع الاول کو مہرولی میں بڑے تزک واحتشام سے ہوتا ہے۔ اجمیر میں بھی آپ کے چلہ پر اُن ہی تاریخوں میں آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ اگر تجھے مرد کامل بننے کی تمنا ہے تو کم بول، کم کھا، کم سو اور لوگوں کو کم مل۔

۲۔ فقیر کی شان یہ ہے کہ آلائش دُنیا سے اپنے آپ کو پاک رکھے اور اللہ کے سوا کسی کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔

۳۔ عاشق عالم تحیر میں رہتا ہے اس کے سر پر آرے چلتے ہوں یا گلے پر چھریاں، وہ ہر بات سے لطف اندوز ہوتا ہے اور کہتا ہے:

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

۴۔ درویش کی شان یہ ہے کہ اسرار معرفت ہر جگہ بیان نہیں کرتا پھرتا اور ایک خم میں مست نہیں ہو جاتا بلکہ خم پہ خم لنڈھاتا ہے اور کہتا ہے:

هَلْ مِنْ مَزِيْد

۵۔ درویش وہ ہے کہ کوئی اس کے در سے خالی نہ جائے۔

۶۔ متوکل وہ ہے کہ رنج وراحت ہر حال میں راضی برضا رہے اور کسی سے شکایت نہ کرے۔

۷۔ جھوٹی قسم کھانے والا خانماں برباد ہو جاتا ہے۔

۸۔ جسے خدا سے محبت ہوتی ہے اسے فقر سے وحشت نہیں ہوتی۔

۹۔ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں خدا اسے دوست رکھتا ہے۔

اول: دریا کی سی سخاوت۔ دوم: آفتاب کی سی شفقت۔ سوم: زمین کی سی تواضع۔

۱۰۔ جب بندہ سراپا تقویٰ اور شریعت کا پابند ہو جاتا ہے تب مقام طریقت پر آتا ہے اس کے بعد معرفت حاصل ہوتی ہے۔

۱۱۔ نیک کام سے بہتر نیکوں کی صحبت اور بُرے کام سے بدتر بُروں کی صحبت ہے۔

۱۲۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا، غربا کی حاجت روائی کرنا اور درماندوں کی دستگیری کرنا ان سے بہتر کوئی عمل دوزخ سے بچنے کے لئے نہیں ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
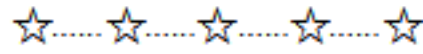
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی مسعود ہے ۔فرید الدین آپ کا لقب ہے۔بچپن کی ایک کرامت کے سبب عوام الناس اور معتقدین نے آپ کوشکر بار اور شکر گنج کہنا شروع کردیا۔اور پھر وقت رفتہ کے ساتھ آپ کے تقویٰ ،عجزو انکساری،خدا خوفی، پرہیز گاری اور بزرگی کے سبب دنیا آپ کو''بابا''یا''بابا فرید'' کہنے لگی ۔اور یوں آپ بابا فرید اور گنج شکر کے لقب یا معزز القاب سے مشہور ہوئے اور اب عموماً عوام الناس میں آپ کا اسم مبارک یہی ہے۔آپ کے والد ماجد کا نام جمال الدین سلیمان تھا۔آپ کی والدہ ماجدہ بنت وجیہہ الدین بڑی بزرگ اور صاحب ولایت تھیں۔آپ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ بادشاہ کابل اور سلطان ابراہیم ادھم بلخی کے واسطے سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

اولیاء کرام میں آپ کا مقام بہت ہی بلند ہے۔آپ بحر شریعت،طریقت کے ماہر ترین پیراک تھے۔آپ کو دُنیاوی اور دینی علوم یعنی ظاہری اور باطنی علوم میں مکمل دسترس حاصل تھی ۔آپ کا صبر و تحمل اور قوت برداشت مثالی تھی۔آپ انتھک محنت کرانے والے تھے یہاں تک کہ کافی عمر رسیدہ ہونے کے باوجود آپ شدید ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔آپ بہت ذہین تھے کہ چھوٹی عمر میں ہی قرآن حکیم حفظ کرلیا اور ابتدائی علوم بھی سیکھ لئے ۔باطنی اور روحانی تعلیم کے حصول کے لئے آپ کئی ممالک میں گھومے پھرے ہیں اور کتنے ہی اللہ کے خاص بندوں (اولیاء اللہ) سے فیض پایا۔آپ ریاضات،مجاہدات اور عبادات میں اپنے دور میں یکتا تھے۔تقویٰ،پرہیز گاری،نماز اور طویل روزہ آپ نے اوائل عمر سے ہی اپنائے ہوئے تھے۔آپ کو بے جا دُنیاوی مصروفیت،تقریبوں اور دعوتوں وغیرہ سے سخت نفرت تھی اور آپ یاد الٰہی کے لئے تنہائی یا گوشہ نشینی پسند فرماتے تھے۔آپ کو کشف و کرامات میں کمال حاصل تھا۔آپ غریب و غرباء اور حاجتمندوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔آپ ضرورت مندوں کو بتادیتے تھے کہ ہر کام کا کرنے والا تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے میں تیرے کام کے لئے صرف اللہ کے حضور دعا کرسکتا ہوں ۔دین متین کی تبلیغ ہر وقت آپ کے پیش نظر تھی۔آپ کی خانقاہ سے سینکڑوں اولیاء اللہ پیدا ہو کر اطراف عالم میں پھیلے اور رُشد و ہدایت خلق میں مصروف ہوئے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت شریف 571ہجری بمطابق 1175ء ہے۔الحمدللہ! آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے ننانوے (99) سال کی عمر پائی اور آپ کا وصال 5محرم 670ہجری بمطابق 12اگست 1271ء کوبروزمنگل ہوا۔آپ کے ہم عصروں میں بہت سارے برگزیدہ اولیاء اللہ کے اسمائے مبارک ہیں۔آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔اپنے دادا پیر حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض پایا۔حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی زیارت کی اور فیض پایا۔حضرت بہأالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت جمال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم عصر ہی نہیں بلکہ مہربان دوست بھی تھے اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد جمال الدین سلیمان،سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں بخارااورغزنی سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے۔پہلے لاہور میں قیام کیا،وادا عالم تھے اس لئے قاضی مقرر ہوئے اوران کے بعد آپ کے والد جمال الدین بھی قاضی ہوئے۔پھر وہ قصور چلے گئے اور پھر وہاں سے ملتان جا کر رہنے لگے۔یہیں جناب جمال الدین نے ملاوجیہہ الدین کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔شادی کے بعد آپ کھتوال (چاولی مشائخ) میں مقیم ہوگئے۔

آپ کی پیدائش قصبہ کھتوال میں جس کا موجودہ نام چاولی مشائخ ہے اور جو بورے والے سے دس (10) میل کے فاصلہ پر ضلع وہاڑی کا قصبہ ہے اس میں 571ھ بمطابق 1175عیسوی میں ہوئی۔ماں باپ نے آپ کا نام مسعود رکھا۔فریدالدین لقب تھا یہی فریدالدین اپنی نیکی،خدا خوفی اور پرہیز گاری کی وجہ سے دُنیا میں بابا فرید او رگنج شکر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ابھی آپ بچہ ہی تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔والدہ ماجدہ نے اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کی اور نماز وغیرہ کی پابندی کرانے کے لئے آپ کی والدہ ماجدہ جاءنماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں۔اوراپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جاءنماز کے نیچے سے روزانہ ان کو شکر مل جاتی ہے۔ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں اورانہوں نے گھبرا کر آپ سے کہا،مسعود تم نے نماز پڑھی یا نہیں۔آپ نے جواب دیا ہاں اماں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی ہے۔یہ جواب سن کر آپ کی والدہ کو تعجب ہوااور وہ سمجھیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے اوراس وقت سے انہوں نے اپنے بچے مسعود کو شکر بار اور شکر گنج کہنا شروع کر دیا جو آج تک مشہور ہے۔

آپ کی والدہ نے آپ کو کھتوال میں بہت اچھی تعلیم دلوائی۔آپ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد عام رواج کے مطابق عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔دوران تعلیم ایک دفعہ صوفی جلال الدین تبریزی کا ادھر سے گزر ہوا انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس قصبے میں کوئی اللہ کا بندہ بھی رہتا ہے۔لوگوں نے نفی میں جواب دیا البتہ یہ کہا کہ قاضی صاحب کا

ایک لڑکا فرید الدین ہے جو تعلیم کے بعد اپنا سارا وقت مسجد کے پیچھے عبادت میں گزارتا ہے۔ شیخ جلال الدین اُنہیں دیکھنے کے لیے گئے۔ راستے میں اُنہیں کسی نے انار پیش کیا۔ شیخ صاحب انار لے کر آپ کے پاس پہنچے اور یہ انار آپ کو دے دیا۔ آپ روزے سے تھے۔ انار کو کاٹ کر آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دانہ کہیں زمین پر گر گیا تھا۔ آپ نے اُسے اُٹھا کر رکھ لیا اور اسی سے روزہ افطار کیا۔ اس ایک دانے نے آپ کے اندر روحانی نور پیدا کر دیا۔

کھتوال میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ملتان چلے آئے۔ تاکہ وہاں مزید تعلیم حاصل کریں کیونکہ وہاں اس زمانے میں بڑے بڑے علماء پڑھاتے تھے۔ ملتان آ کر آپ نے مسجد شہاب الدین میں قیام کیا اور وہیں سے اپنی تعلیم کو مکمل کیا۔

جس زمانے میں آپ ملتان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان دنوں ایک روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ملتان آئے اور انہوں نے ملتان میں کچھ دن قیام فرمایا۔ نماز ادا کرنے کے لیے حضرت خواجہ صاحب اسی مسجد منہاج الدین میں تشریف لایا کرتے تھے جس میں آپ رہتے تھے۔ آپ کی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کو تاریخ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن آپ منہاج الدین مسجد میں بیٹھے ہوئے نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے جنہوں نے آپ کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا، یہ کیا پڑھ رہے ہو؟ آپ نے کتاب سے نظر اُٹھا کر اس درویش کو دیکھا اور جواب دیا نافع پڑھ رہا ہوں۔ درویش نے پھر مسکرا کر پوچھا کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع بھی دے گی؟ جونہی آپ کی اُس درویش سے نظریں چار ہوئیں ایک خاص اثر آپ کے دل پر ہوا اور آپ نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔ جی نہیں مجھے اس کتاب سے نفع نہیں ہوگا بلکہ آپ کی نظر فیض اثر سے نفع ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ نے فوراً ان درویش کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ مجھے مرید کر لیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مرید کر لیا۔ آپ نے اس درویش سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میرا نام قطب الدین بختیار کاکی (رحمۃ اللہ علیہ) ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔ آپ نے عرض کی مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلیے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی اپنی تعلیم پوری کر لو۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد دہلی آ جانا۔ اس طرح تعلیم مکمل کرنے تک آپ ملتان میں ہی رہے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر آپ سیر و سیاحت کو نکلے۔ آپ کی سیاحت کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ آپ غزنی، بغداد، سیوستان، بدخشاں اور قندھار تشریف لے گئے۔ اس سیاحت میں آپ نے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور کچھ مدت اُن کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ آپ اُن سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اس عقیدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کا نام اُن کے نام پر شہاب الدین رکھا۔ جب خواجہ اجل سنجری سے اُن کی ملاقات ہوئی اور آپ نے اُن کو سلام کیا تو انہوں نے فرمایا: آؤ شکر عالم! بڑے اچھے آئے۔ "بیٹھو۔"

بخارا میں شیخ سیف الدین باخضری اور غزنی میں امام حدادی سے بھی ملاقات کی۔ شیخ سیف الدین باخضری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ حضرت محمد نیشاپوری کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے اور فیض پاتے رہے۔

سیوستان میں آپ شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملے۔انہوں نے آپ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: ''تم نے جو مشائخ کی خدمت کی ہے وہ تمہارے لئے باعث سعادت ہوگی۔شیخ سیف الدین باخضری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا: ''یہ مشائخ روزگار میں سے ہوگا۔اور اولاد و مرید بہ کثرت ہوں گے۔''اسی طرح آپ بخارا، بلخ، نیشا پور، بدخشان اور ہرات ہوتے ہوئے ملتان آئے اور یہاں شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام کیا۔(سیر الاخیار، ص 358)

طویل سیر و سیاحت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ٹھہرنے کے لیے اپنے قریب ہی ایک حجرہ دے دیا جہاں آپ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بڑی دلچسپی سے آپ کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ظاہر ہے کہ اتنے بزرگوں کی صحبت و فیوض ہی نے آپ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہوگا اور واقعی آپ روحانی بلندیوں پر پہنچ گئے تھے مگر آپ کو یگانہ روزگار بننا تھا۔اس لیے مرشد گرامی نے آپ کو مجاہدات کی ہدایت کی۔دروازہ غزنوی کے برابر جو برج تھا۔آپ اسی میں مصروف مجاہدہ ہو گئے اور ہفتہ میں ایک دن قطب الاقطاب سے ملنے جایا کرتے تھے۔

انہیں ایام میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے۔انہوں نے جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق و شوق دیکھا تو بڑے متاثر ہوئے۔انہوں نے حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''بابا بختیار!تم نے ایک ایسے شہباز کو گرفتار کیا ہے، جو سدرۃ المنتہٰی کے سوا اور کہیں آشیانہ نہ بنائے گا۔فرید ایک ایسا چراغ ہے، جو خانوادہ درویشاں کو منور کرے گا۔''حضرت خواجہ غریب نواز نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ وہ آپ کو برکات سے نوازیں۔خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اپنے مرشد کی موجودگی میں میں یہ جرأت نہیں کر سکتا۔اس پر اجمیری نے فرمایا کہ آؤ ہم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت سے سرفراز کریں۔چنانچہ دونوں بزرگوں نے آپ کو اپنے درمیان میں کھڑا کر لیا اور توجہ دے کر باطنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مسعود!دادا پیر کے قدموں میں اپنا سر رکھو۔''آپ نے خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔انہوں نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں کہ دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو اور تم میرے قدموں میں سر جھکا رہے ہو۔''آپ نے جواب دیا: ''ان قدموں کے سوا اور کوئی قدم نظر نہیں آتے۔''یہ جواب سن کر خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بختیار!مسعود ٹھیک کہتا ہے یہ اس منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے، جہاں وحدت کے سوا دوئی کا نام باقی نہیں رہتا۔پھر کیوں کر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔''

آپ نے جو ریاضت و عبادت کی، اس کے متعلق یہی رائے ہے کہ کوئی بزرگ آپ سے فضیلت نہیں لے جا سکتا۔جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ بچپن ہی سے نماز کے بڑے پابند تھے اور یہ عادت اُن کی نیک اور پارساماں کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھی۔حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ وہ چلہ معکوس کریں۔اس کا مطلب یہ

ہوتا ہے کہ اُلٹے ہو کر اللہ کی یاد کریں۔اس کے لیے کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جو سب سے الگ تھلگ ہو کیونکہ آپ شہرت سے نہ صرف گھبراتے تھے بلکہ نفرت کرتے تھے۔اس مقصد کے لیے پہلے ہانسی گئے لیکن کوئی مناسب جگہ نہ ملی۔آخر اُچ گئے، جہاں قصبے کے باہر دور ایک پرانی مسجد تھی، جسے ''مسجد حج'' کہا جاتا تھا۔وہاں ایک کنواں تھا جس پر ایک درخت کی شاخیں جھکی ہوئی تھیں یہاں کا مؤذن خواجہ رشید الدین مینائی تھا جو ہانسی کا رہنے والا اور حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد تھا۔

آپ نے چند دن قیام کر کے رشید الدین کی اچھی طرح جانچ کی کہ وہ ان کا رازدار ہو سکتا ہے یا نہیں جب تسلی ہو گئی تو ایک رات آپ نے نماز عشاء کے بعد اس سے فرمایا کہ وہ ایک رسی لائے۔چنانچہ رسی لائی گئی جس سے آپ کے پاؤں باندھ کر رسی کا دوسرا سرا درخت کی شاخ سے باندھ دیا گیا۔اور موذن نے آپ کو کنوئیں میں اُلٹا لٹکا دیا۔آپ نے مؤذن کو ہدایت کی کہ وہ ہر روز صبح کو آ کر آپ کو نکال لیا کرے۔چالیس رات تک آپ رات بھر کنوئیں میں اُلٹا لٹک کر اللہ اللہ کرتے رہے۔

ایک اور موقع پر حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ وہ طے کا روزہ رکھیں۔اس روزے میں افطار کے وقت پانی تو پی لیا جاتا ہے مگر کبھی تین دن، کبھی دس دن، کبھی مہینہ اور کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ کھایا نہیں جاتا۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کے حکم کے مطابق یہ روزہ شروع کیا اور تین دن تک کچھ نہ کھایا۔تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص آپ کے لیے کھانا لایا۔آپ نے اُسے رزق غیب سمجھ کر کھا لیا مگر فوراً ہی طبیعت متلانے لگی اور قے ہو گئی۔جب یہ واقعہ آپ نے اپنے مرشد سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: ''مسعود! تو نے اس دن اپنا روزہ ایک شرابی کے کھانے سے افطار کیا تھا، لیکن خداوند کریم نے تجھ پر بڑا کرم کیا اور وہ کھانا تیرے پیٹ سے نکل گیا۔اب پھر تین دن کا روزہ رکھ اور جو کچھ غیب سے ملے اس سے روزہ افطار کرنا۔

آپ نے تین دن تک روزہ رکھا مگر افطار کے وقت کہیں سے کوئی کھانا نہ آیا۔یہاں تک کہ ایک رات گزر گئی کمزوری اور ضعف بڑھ گیا۔بے اختیار ہو کر کچھ سنگریزے زمین سے پکڑ کر منہ میں ڈال لیے جو قدرت خداوندی سے آپ کے منہ میں جاتے ہی شکر بن گئے۔آپ نے خیال کیا کہ یہ کہیں دھوکا نہ ہو، آپ نے وہ شکر پارے منہ سے نکال دیے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اب پھر ضعف نے شدت اختیار کر لی، آپ نے پھر زمین سے کچھ سنگریزے اُٹھا کر منہ میں ڈال لیے۔وہ بھی منہ میں جا کر شکر بن گئے۔بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تین بار اس کو دُہرایا۔جب آپ نے اپنے مرشد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: ''مسعود! یہ دست غیب تھا، جاؤ تم ہمیشہ شکر کی مانند میٹھے رہو گے۔''

جب آپ مرشد کی خدمت میں رہ کر کڑی سے کڑی ریاضتیں اور عبادتیں کر چکے تو آپ نے اپنے مرشد سے ہانسی میں قیام کرنے کی اجازت چاہی تا کہ سب سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کر سکیں۔حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا: ''فرید! تم ہانسی جاؤ گے؟ بابا صاحب نے عرض کیا ''جیسا حکم ہو اس کی تعمیل کروں گا۔''حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم میری وفات کے وقت یہاں موجود نہ ہو گے۔اس کے بعد حضرت کاکیؒ نے تمام حاضرین سے فرمایا کہ وہ

آپ کی روحانی سربلندی کے لیے دُعا کریں۔دُعا کے بعد حضرت خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جائے نماز خرقہ خلافت، نعلین، چوبین اور دیگر تبرکات عطا فرمائے اور کہا وہ اپنا خرقہ دستار قاضی حمید الدین نا گوری کے پاس امانت رکھ دیں گے تم میری وفات کے پانچ روز بعد اُن سے یہ چیزیں لے لینا۔پھر فرمایا: ''میر جگہ تمہاری ہے۔'' اس کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے مرشد سے جدا ہو گئے۔

مرشد پاک کی اجازت سے آپ دہلی سے چل کر ہانسی آگئے۔ہانسی میں ایک مشہور صوفی اور خطیب مولانا نور ترک رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ایک دن جمعے کی نماز پڑھنے کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ اُن کی مسجد میں گئے، اگرچہ آپ کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ظاہر اُطور پر آپ کوئی بڑے مذہبی اور عالم و فاضل شخص نظر نہ آتے تھے۔لوگوں سے بھی کوئی شناسائی نہ تھی لیکن جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو مولانا ترک رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر کہا: ''مسلمانو! اصراف سخن (یعنی بہت متقی پرہیز گار، ہر دلعزیز اور اعلیٰ درجے کے واعظ اور مبلغ) آپہنچا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانسی میں بہت جلد آپ کی شہرت پھیل گئی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا ترک نے میرے ایسے اوصاف بیان کیے کہ کسی نے کبھی بادشاہ کے بارے میں ایسے الفاظ نہ کہے ہوں گے۔

آپ ہانسی میں قیام فرما تھے۔جس رات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی، اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بلا رہے ہیں۔صبح آپ ہانسی سے روانہ ہو کر تیسرے دن دہلی پہنچ گئے۔اور اپنے شیخ کے مزار کی زیارت کی۔پانچویں دن قاضی حمید الدین نا گوری نے مرشد کی عطا کردہ امانتیں آپ کے حوالے کیں آپ نے دوگانہ ادا کر کے مرشد کے خرقے کو پہنا اور اُن کے گھر میں جا کر مسند ہدایت کو زینت بخشی۔

شہر دہلی کی مصروف زندگی میں آپ کی بھی مصروفیات بڑھ گئیں۔دور دراز سے آنے والے حاجتمندوں کا آپ سے ملنا قدرے مشکل ہو گیا۔اپنے روحانی سفر کو معراج کی طرف جاری رکھنے کے لئے آپ اور زیادہ عبادات، ریاضات و مجاہدات کرنا چاہتے تھے جو کہ دہلی میں رہ کر مشکل لگ رہا تھا۔اس لئے آپ نے گوشۂ تنہائی کی تلاش کی غرض سے دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

آپ کے اس فیصلے سے آپ کے مریدوں اور دوستوں کو بڑا تعجب ہوا۔انہوں نے آپ سے کہا: ''حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے جگہ خاص کر دی ہے، آپ کو یہ جگہ چھوڑ کر نہ جانا چاہیے۔انہوں نے فرمایا: ''میں جہاں جاؤں گا، میرے پیر و مرشد کی دعائیں میرے ساتھ ہوں گی۔شہر میں رہوں یا کسی جنگل بیابان میں۔''

دہلی چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سلطان التمش کا بھی انتقال ہو گیا۔اس کے بعد ترکی امراء کی سازشوں نے شاہی اقتدار کو کمزور کر دیا۔شہر کے علماء مختلف ترکی اُمراء سے منسلک ہو گئے۔شیخ بدر الدین غزنوی جو ہمیشہ دہلی میں رہتے تھے اور انہوں نے آپ کے مرشد کے ساتھ کام بھی کیا تھا وہ آپ کے قیام دہلی کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔

ہانسی میں جب لوگ کثرت سے آپ کی زیارت کو آنے لگے تو آپ کی طبیعت یہاں بھی گھبرانے لگی، آپ محسوس کرتے

تھے کہ ابھی آپ کی روحانی تربیت کی مدت ختم نہیں ہوئی ۔آپ ایسے گوشہ عافیت کی تلاش میں تھے، جہاں وہ اطمینان وسکون سے ریاضت وعبادت کرسکیں۔چنانچہ آپ اپنے گاؤں کھتوال میں چلے آئے۔وہاں بھی لوگ بکثرت آپ کی خدمت میں آنے لگےتو اجودھن میں تشریف لے گئے جہاں آپ آخری دم تک رہے۔کہا جاتا ہے کہ دہلی اور ہانسی سے آجانے کے بعد آپ وہاں سولہ یا بیس برس تک رہے۔

جب آپ کی روحانی تربیت ذات ختم ہوگئی تو آپ نے عوام کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے اور فرمایا:''ایک ایک کر کے میرے پاس آؤتا کہ میں انفرادی طور پرتوجہ دے سکوں''اس طرح آپ لوگوں کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

آپ کے کشف وکرامات کے واقعات بہت ہیں ۔آپ نے اپنے مثالی کردار سے،تبلیغ ووعظ سے،کشف وکرامات،روحانی قوت اوراللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہزاروں لاکھوں کومسلمان کیا ہےاورانہیں راہِ ہدایت دکھائی ہے۔میں اس کتاب کا مصنف تبلیغ دینِ متین کی خاطر یہاں ایک دوکرامات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مجاہدات کی فراوانی اورعشق الٰہی کی جولانی نے آپ کوخلوت پسند بنا دیا تھا،آپ جہاں جاتے خلقت خدا آپ کے پاس پہنچ جاتی۔اس طرح آپ گوشہ تنہائی کی تلاش میں ہانسی سے لاہوراور وہاں سے اجودھن پہنچ گئے جواس وقت ایک غیرمعروف قصبہ تھا۔یہاں ایک زبردست اورصاحب استدراج جادوگر رہتا تھا،جوصرف آٹھویں روز دودھ پیتا تھا۔شہر والے اپنے اپنے گھروں سے دودھ لادیتے اوروہ جادو کے زور سے سب چڑھ جاتا ۔اس کا بڑا شہرہ تھااوروہ جوگ کے متعدد مقامات طے کر چکا تھا۔لیکن بعض مقامات نہ کھلتے تھے۔اس کا نام شنبھوناتھ تھا۔آپ کا شہرہ سن کروہ بھی آیا اوراس نے خیال کیا کہ اگر یہ فقیر کامل ہےتو میرے کانوں کے مندرے خودبخود نکل جائیں گے۔چنانچہ سامنے پہنچتے ہی ایسا ہی ہوا،پھر سوچا یہ ان مندروں کوبارآور کردیں تو سمجھوں۔آپ نے نور باطن سے معلوم کر کے انہیں مٹی میں دبا دیااوراسی وقت شاخیں پیدا ہوگئیں۔وہ جادوگر بولا معتقد توہوگیا اب آپ کی روحانیت بھی دیکھنی ہے۔میں غائب ہوتا ہوں۔آپ مجھے ڈھونڈ نکالیں،چادراوڑھ کرلیٹا تو روح پرواز کرگئی۔حضرت بابا فریدرحمۃ اللہ علیہ نےفرمایا ٹھہر آگے تیرا گزرنہ ہوگا کہ وہ مقام اہل ایمان کا ہے۔چنانچہ آپ اس کی روح کوپکڑ کرلائے وہ اٹھ بیٹھا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی دین ملاحظہ ہویہی کافر ازلی مرید ہوکردرجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے۔اورآپ اسے سیرستان کا شاہِ ولایت مقرر فرماتے ہیں اورنہ صرف وہ جوگی بلکہ اس کے تمام چیلے بھی مسلمان ہوکراولیاء بن جاتے ہیں۔(اقتباس الانوار)

آپ کے خریدکردہ قطعہ زمین پرایک شخص نے ملکیت کا دعویٰ کیا۔حاکم دیپالپور نے آپ کوطلب کیا۔آپ نے لکھا قصبہ والوں سے تحقیق کرلو۔حاکم نے حکم دیا حاضری ضروری ہے۔آپ نے فرمایا اس گردن شکستہ(ٹوٹی گردن والے)سے کہو کہ ہمارے پاس نہ سند ہے اورنہ گواہ،اعتبارنہیں تو متنازعہ زمین سے خودپوچھ لے۔ہزارلوگوں کے سامنے زمین نے خودکوآپ کی ملکیت بتایا۔اس پرحاکم متعجب ہوا۔وہ حاکم پھروہیں اتفاقاً گرااوراس کی گردن ٹوٹ گئی اورمر گیا۔(خزینۃ الاصفیاء)

دیپالپور کے حملے میں فوج کے آدمی ایک تیلی کی خوبصورت بیوی کوپکڑ کرلے گئے،وہ تیلی روتا ہوا آیا۔آپ نے دلاسہ

دیا اور فرمایا تین روز میرے پاس رہ، اللہ تبارک وتعالیٰ مالک ہے۔ اسی روز ایک عہدے دار نے آ کر آپ سے عرض کی کہ حضور مجھ پر عتاب شاہی ہوا ہے، دعا کیجئے۔ فرمایا تو بے دھڑک جا اور جو تجھے انعام وغیرہ ملے وہ اس تیلی کا آ کر دے دینا۔ وہ تیلی کو ہمراہ لے کر حاکم دیپالپور کے پاس گیا۔ اسے بحال کر دیا گیا اور اسے حاکم نے خلعت دے کر ایک خوبصورت کنیز انعاماً عطا کی۔ اس عہدے دار نے سب کچھ تیلی کو دے دیا۔ تیلی نے دیکھا، وہ کنیز اس کی بیوی تھی۔ دونوں نے سجدہ شکر ادا کیا اور فقیر ہو کر آپ کی خدمت میں آ رہے۔ (سیر الاخیار، ص 360)

آپ کا شمار اُن چند اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جنہوں نے زندگی بھر راہِ سلوک میں بہت کٹھن عبادات، ریاضات ومجاہدات کیئے۔ آپ نے چلّہ معکوس کیا۔ دہلی کے ایک حجرے میں اس قدر عبادات، ریاضات ومجاہدات کیئے کہ آپ میں ہلنے جلنے کی بھی طاقت نہ رہ گئی۔ آپ کئی سال تو جنگلوں میں پھرتے، مجاہدات کرتے اور کھاتے پیتے رہے۔ اور آپ نے ایسے ایسے مجاہدات کیئے، جن کے سننے سے دل لرز جاتا ہے۔ (سیر الاخیار، ص 359)

اس طرح حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پاکیزگی، عبادت، وزہد واتقاء، کشف وکرامات سے معمور ہے۔ ان کے حالات زندگی پر ان کی عارفانہ شاعری پر، ان کی درویشانہ زندگی پر اب تک سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں حضرت بابا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی عشق رسول ﷺ اور عشق خداوندی جل جلالہ کا ایک ارفع نمونہ ہے۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ کے اُن اکابر اولیاء سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ آپ سلطان السالکین اور شمس العارفین تھے۔ زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے اور آپ کی خدمت اسلام ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے گی۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بروز منگل 5 محرم 670ھ بمطابق 12 اگست 1271 عیسوی کو ہوا۔ وصال سے قبل آپ کی صحت کچھ خراب ہوگئی اور آپ کو انتڑیوں کا مرض لاحق ہوگیا جو آپ کے وصال کا سبب بنا۔ آپ کے وصال کے متعلق حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بیماری کے دوران حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دہلی کی طرف رخصت کرتے ہوئے لباس خاص عنایت فرمایا۔ جب میں رُخصت ہونے لگا تو بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: جاؤ! ہم نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔' اس وقت مجھے آپ کی جدائی سے ایسا صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ میں دہلی آ گیا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ عشاء کی نماز کے بعد بے ہوش ہو گئے اور بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق سے پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے جواب دیا کہ حضور تو عشاء کی نماز وتر کے ساتھ ادا کر چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا: میں دوسری مرتبہ نماز عشاء ادا کروں گا۔ خدا جانے پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے۔ مولانا بدرالدین کہتے ہیں کہ اس رات آپ نے تین مرتبہ نماز عشاء ادا کی۔ پھر فرمایا: نظام الدین دہلی میں

ہے۔میں بھی خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ہانسی میں تھا۔پھر آہستہ سے میرے کان میں فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد وہ خرقہ جو مجھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے عنایت کیا تھا، وہ نظام الدین بدایونی کو پہنچا دینا۔پھر آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا وضو کیا اور دوگانہ ادا فرمایا، پھر سجدے میں چلے گئے اور سجدے میں ہی آپ کی روح پرواز کر گئی۔حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی زبان پر **یَـا حَـیُّ یَـا قَیُّوْم** جاری تھا۔آپ نے 5 محرم 670ھ بمطابق 12 اگست 1271ء کو وصال فرمایا۔**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

وفات کے وقت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ عصا کھڑاویں اور دوسرے تبرکات نظام الدین اولیاء کو دی جائیں وہی میری قبر بھی بنائیں گے۔چنانچہ بابا صاحب کی نعش امانت کے طور پر دفن کی گئی۔جب نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اجودھن آئے تو یہ امانتیں حاصل کیں اور حضرت کو وہاں دفن کیا جہاں آج کل اُن کا مزار ہے۔

اجودھن کا ہی نیا نام پاک پتن رکھا گیا تھا۔پاک پتن میں مزار گہربار زیارت گاہ خلائق ہے۔ہر سال عظیم الشان عرس ہوتا ہے۔سات برس کی عمر میں کرامت کا اظہار شروع ہو گیا تھا، پندرہ سال کی عمر میں مرید ہوئے، اپنے پیر کے انتقال کے بعد تیس سال تک زندہ رہے۔(سیرۃ الاولیاء)

آپ نے فرمایا:

- ——اللہ تبارک وتعالیٰ سے معاملہ درست رکھنا چاہیے، وہ جب دیتا ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا اور جب وہ لے لیتا ہے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔
- ——جو شخص تمام دنیا کو دشمن بنانا چاہے، تکبر اختیار کرے، جو اپنی عزت واعتبار گنوانا چاہیے، وہ غمازی و دروغ کوئی اختیار کرے۔
- ——درویش کو چاہیے کہ ظاہری تزئین و آرائش میں کوشش نہ کرے اور دنیاوی عزت کے لیے خود کو اللہ کے سامنے بے قدر نہ بنائے۔
- ——سائل کو ہرگز نہ جھڑکے جو میسر ہو دے دے، نہ ہو تو نرمی سے منع کر دے، برا بھلا نہ کہے۔
- ——دشمن کے ساتھ دوست ہو، دوستی میں اس سے بے خوف نہ رہنا چاہیے۔جیسا کہ نفس و شیطان ہے، جو تجھ سے ڈرے تو بھی اس سے ڈرتا رہ۔
- ——اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت سمجھ اور ان کے ملفوظات اور سیرتوں کا مطالعہ کرتا رہ۔
- ——مردانِ خدا جہاں بھی ہیں وہیں کعبہ اور وہ ہیں بیت المقدس اور عرش و کرسی ہیں، جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے سب ان کے پیش نظر رہتا ہے۔

حضرت علی احمد صابرؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی علی احمد ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شاہ عبدالرحیم المعروف سید عبداللہ تھا۔آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ہاجرہ تھا لیکن وہ مشہور جمیلہ خاتون کے نام سے تھیں۔اور ان (ہاجرہ) کے والد بزرگوار کا اسم گرامی قاضی جمال الدین سلیمان تھا۔اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی سگی بڑی ہمشیرہ تھیں۔آپ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ایک بزرگ (اللہ والے) آپ کے والد ماجد کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو بلوا کر دیکھا، پیار کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ علاؤالدین کہلائے گا اور پھر ایسا ہی ہوگیا یعنی اس وقت سے آپ کا اسم گرامی سید "علاؤالدین علی احمد" ہی مشہور ہوگیا۔آپ کے مرشد نے آپ کو "صابر" کا خطاب دیا اور آپ کو کلیر کی ولایت نصیب ہوئی اس لئے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ "صابر" اور "کلیری" کا بھی اضافہ ہوگیا۔

روحانی میدان میں، اولیاءاللہ میں آپ کو ایک خاص الخاص مقام حاصل تھا۔یوں لگتا ہے کہ آپ پیدائشی جلالی ولی اللہ تھے کیونکہ آپ سے بچپن میں ہی کشف و کرامات کا اظہار شروع ہوگیا تھا۔آپ نے مقابلتاً بچپن یا کم عمری میں ہی ظاہری تعلیم مکمل کرلی اور پھر بہت جلد باطنی تعلیم سے آراستہ پیراستہ ہوگئے۔ریاضات، مجاہدات وعبادات میں آپ کو کمال حاصل تھا۔بچپن سے ہی فقر و فقیری سے آراستہ تھے۔بہت کم کھانا، کم سونا اور بہت کم بولنا آپ کی عادات ثانیہ تھیں۔آپ زیادہ تر تنہائی میں، اپنے حجرے میں مصروف عبادت رہتے اور باہر کی دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔اہل نظر کو آپ میں، آپ کی زندگی میں یا حالات زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کی ایک اور ہی نرالی، انوکھی شان نظر آتی ہے۔بلکہ اہل نظر کے لئے آپ کی روحانیت ایک اور در یچہ وا کرتی ہے جس سے وہ اور بہت کچھ دیکھ پاتے ہیں، سمجھ جاتے ہیں اور علم میں اضافہ کرتے ہیں۔اکثر اولیاءاللہ کی طبیعت 95% جمالی ہوتی ہے اور وہ کبھی کبھی اور وہ بھی مشکل سے جلال میں آتے ہیں جب کہ آپ کی طبیعت 98% جلالی تھی، آپ اکثر ہی جلال میں رہتے تھے اور آپ کو حالت جمال میں لانے کے لئے حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (جو آپ کے مرشد، ماموں اور سسر بھی تھے) کو بھی تدبیر کرنی پڑتی تھی۔اور یہ جلال آپ کے وصال کے تقریباً ڈھائی سو (250) سال بعد تک جائے آخری آرامگاہ سے بھی ظاہر ہوتا رہا۔اور اتنا ہوتا رہا کہ ڈھائی سو سال تک وہاں کوئی جا نہ سکا، رہ نہ

سکا، آباد نہ ہوسکا۔ آپ کا لباس بہت سادہ اور سارنگی رنگ کا ہوتا تھا۔ شعر کوئی صرف معرفت کی کرتے تھے۔ ساری عمر نعلین استعمال نہیں کیں یعنی کہ ننگے پاؤں رہے۔ عمر عزیز کا زیادہ حصہ جذب و استغراق میں گزارا۔ بادشاہوں سے ملنا، ان کے پاس جانا قطعاً پسند نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاعری میں احمد اور صابر دونوں تخلص اختیار کئے ہیں۔ آپ کا شمار جلیل القدر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ فنا فی اللہ کے مقام پر فائز تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ 19 ربیع الاوّل سن 592 ہجری بمطابق 19 فروری 1196ء کو باوقت نماز تہجد، بروز جمعرات ہرات میں پیدا ہوئے۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 98 سال کی عمر پائی اور 13 ربیع الاول سن 690 ہجری بمطابق 15 مارچ 1291ء کو کلیر میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے ہم عصروں کے بارے میں صرف اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ آپ حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مند یعنی کہ مرید ہیں، رشتہ میں داماد بھی ہیں اور بھانجے بھی۔ اور حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کا نسبی تعلق خاندانِ سادات سے تھا۔ آپ صحیح النسب سید تھے کیونکہ آپ کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اسلئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ صحیح النسب سید تھے۔ آپ کے آباؤاجداد عرصہ سے بغداد میں آباد تھے۔ آپ کا خاندان علوم ظاہری اور باطنی میں بڑا مشہور تھا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے تھا کیونکہ "تواریخ آئینۂ تصوف" نے آپ کا جو شجرہ نسب دیا ہے اس میں آپ کو اولادِ غوث الاعظم قرار دیا ہے۔

آپ کے والد ماجد کا نام بعض تذکروں میں شاہ عبدالرحیم لکھا ہے اور بعض میں سید عبداللہ لکھا ہے لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ آپ کے والد کے نام دو تھے۔ لیکن زیادہ تر تذکرہ نگاروں نے آپ کا نام سید عبدالرحیم لکھا ہے۔ آپ کے والد ماجد بڑے نیک اور صالح انسان تھے۔ وہ بغداد میں بروز اتوار بوقت سہ پہر بتاریخ 11 ذیقعد 541ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت وہاں حاصل کی اور ایک دینی مدرسے میں علوم ظاہری کی تکمیل کی۔

انہوں نے خلافت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اور وہ نقل مکانی کر کے ہرات آگئے۔ وہاں سے جذب و مستی میں گھومتے پھرتے کھوٹوال (دیوان چاولی مشائخ ضلع ملتان) جا پہنچے اور یہیں پر ان کی شادی (ضلع قصور کے) قاضی جمال الدین سلیمان کی بڑی بیٹی سے ہوگئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت ہاجرہ تھا لیکن جمیلہ خاتون کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت ہاجرہ کے والد ماجد کا نام گرامی جمال الدین سلیمان تھا۔ آپ حضرت جمال الدین سلیمان کی بڑی صاحبزادی تھیں اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ تھیں۔ آپ بڑی زاہدہ اور عابدہ تھیں کیونکہ آپ کے والد ماجد ولی کامل تھے اور ان کی تربیت سے آپ کے خیالات ایسے مذہبی ماحول میں پروان چڑھے کہ آپ عالم شباب ہی میں نیکی اور عبادت کی طرف

بے حد مائل تھیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ (حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی بہن) کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ 19 ربیع الاول 592ھ بمطابق 19 فروری 1196ء کو بوقت نماز تہجد پیدا ہوئے۔آپ کی ولادت کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آپ قصبہ کھوتوال میں پیدا ہوئے اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ ہرات میں پیدا ہوئے کیونکہ "صاحب السالکین" کا کہنا ہے کہ آپ قصبہ کھوتوال میں اپنے نانا حضرت جمال الدین سلیمان کے گھر پیدا ہوئے لیکن یہ تصدیق نہیں ہوتی کہ آپ کی والدہ کھوتوال سے ہرات میں آپ کو لے کر کب اور کس طرح آئیں کیونکہ آپ کے بچپن کی کل روایات ہرات میں رہنے سے وابستہ ہیں۔"تذکرۂ اولیائے ہند" جلد دوم میں صاف صاف تحریر ہے کہ حضرت عالی وقار 19 ربیع الاوّل 592ھ بوقت نماز تہجد جب کہ ایک پہر رات باقی تھی بروز جمعرات ہرات میں پیدا ہوئے تھے۔

پیدائش کے بعد آپ کا نام نامی علی احمد رکھا گیا لیکن بعد میں ایک بزرگ آپ کے والد ماجد بزرگوار کے پاس تشریف لائے اور آپ کو بلوا کر دیکھا پیار کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ علاؤالدین کہلائے گا اور ایسا ہی ہوا یعنی اب آپ کا اسم گرامی حضرت سید علاؤالدین علی احمدؒ ہی مشہور رہا۔اسی بناء پر آپ کے والد نے آپ کا نام علاؤالدین رکھ دیا ،مگر آپ کی والدہ نے علی احمد رکھا دیا تھا ،مگر بعد میں دونوں ناموں کو ملا کر آپ کا نام علاؤالدین علی احمد جو مشہور زد خلائق ہوا۔پیدائش کے موقع پر اُس زمانے کے بزرگ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی نے آپ کے کان میں اذان کہی اور کہا کہ یہ بچہ قطب عالم ہوگا۔

آپ کے والد ماجد کا بیان ہے کہ تاریخ 7 ربیع الاوّل 595ھ کا واقعہ ہے (جب بیٹے کی عمر تین سال تھی) انہوں نے صبح کے وقت مراقبہ سے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک سانپ کے دو ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں ،سانپ کا ایک ٹکڑا اُن پر گرا اور دوسرا زمین پر گرا۔آپ (حضرت صابر) وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت کے والد نے ان کی والدہ کو جگایا اور سانپ کے دو ٹکڑے دیکھ کر حضرت کی والدہ ماجدہ نے فرمایا: "کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟ اس پر آپ (حضرت صابر) نے فرمایا "آج سے کوئی سانپ میرے خاندان کے کسی آدمی کو نہیں کاٹے گا" میں نے سانپوں کے بادشاہ کو مار ڈالا ہے۔اور سب سانپوں سے وعدہ لے لیا ہے کہ وہ میرے خاندان کے کسی بھی فرد کو ہرگز نہ کاٹیں گے۔"

روایات میں ہے کہ آپ دن میں چھ مرتبہ سجدہ فرمایا کرتے تھے۔اوّل صبح کو دوئم دوپہر کو ،سوم تیسرے پہر کو ،چہارم عصر کے وقت ،پنجم مغرب کے وقت ،ششم عشاء کے وقت۔اور اکثر آپ **لَامَوْجُوْدُ اِلَّا اللّٰہ** کا ورد فرمایا کرتے تھے۔اور کبھی کبھی ایک حالت خاص آپ پر طاری ہو جایا کرتی تھی ،شب میں آپ بہت کم سوتے تھے۔زیادہ تر شب بیداری میں مصروف رہتے ،اکثر سوتے سوتے آپ چونک پڑتے اور بے ساختہ اس وقت آپ کے منہ سے "اللہ" نکل جاتا۔

جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوگئی تو کھانا پینا کم ہوگیا۔تیسرے چوتھے روز جو بھی میسر آتا تناول فرمالیتے کیونکہ آپ کی مالی حالت کمزور تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ بیوہ ہو چکی تھیں جس وجہ سے گزر اوقات بڑی عسرت اور تنگی سے ہوتی تھی اکثر

دو دو تین تین دن تک کھانے کو کچھ میسر نہ آتا بلکہ فاقہ کشی میں دن گزر جاتے ۔اللہ کے بندوں پر آزمائش کا وقت آہی جاتا ہے بچپن ہی سے آپ کی آزمائش شروع ہوگئی تھی ۔چنانچہ یہ حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ کا معمول تھا کہ بچپن ہی میں روزے رکھنے شروع کر دیئے اور صرف ایک دو گھونٹ پانی سے روزہ افطار کرلیا کرتے تھے اور دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیتے ۔جب کبھی دوسرے تیسرے دن کچھ میسر ہوتا تو آپ اس میں سے بقدر ضرورت نوش فرما لیتے ۔شب میں ہمیشہ زمین پر سوتے تھے اور بچھونا وغیرہ کچھ نہ بچھاتے تھے یعنی کہ آپ ہمیشہ زمین پر ہی لیٹتے تھے اور فرش پر کبھی بچھونا یا چادر وغیرہ نہیں ڈالتے تھے ۔

آپ نے چھ سال کی عمر میں باقاعدہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنی شروع کی اور کہا جاتا ہے کہ ساتواں سال شروع ہونے پر آپ نے پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنی شروع کر دی ۔دن میں ہر وقت عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے کسی وقت بھی عبادتِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے ۔بلکہ اکثر شب میں بعد نماز تہجد آپ جس کمرے میں ہوتے اُس سے ''**ظہور اللہ،** ہو اللہ'' کی آوازیں سنائی دیتی تھیں ۔

سن 597 ہجری میں جب کہ آپ کی عمر صرف پانچ سال تھی ۔آپ کے والد ماجد دفعتاً درد قولنج میں مبتلا ہوگئے ۔بیماری کے دوران میں آپ اپنے والد بزرگوار کے پاس رہے اور اتنی چھوٹی عمر میں بھی ہر طرح سے خدمت گزاری اور تیمارداری کرتے رہے ۔آخر کار بیماری کا تیسرا دن تھا کہ آپ یکا یک فرمانے لگے کہ حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سواری میرے پدر بزرگوار کا انتظار کر رہی ہے اور یہ بہت جلد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے والے ہیں چنانچہ یہ کلمات کہتے ہی آپ کے والد ماجد کی روح عالم ملکوت کو پرواز کر گئی ۔

آپ نے ابتدائی تعلیم ہرات میں ہی حاصل کی ۔آپ کے والد محترم کا چونکہ اس وقت انتقال ہو چکا تھا جب کہ آپ کی عمر صرف پانچ سال تھی اس لئے ان کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو تعلیم دلوانے کی طرف پوری توجہ دی ۔آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا ۔آپ کافی ذہین تھے اس لئے قرآن پاک کے بعد عربی اور فارسی پڑھنا شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں عربی اور فارسی کی تعلیم مکمل کر لی ۔جب آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی تو مزید علم حاصل کرنے کی خاطر حضرت بابا فرید الدین رحمتہ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا گیا ۔

اعلیٰ اور روحانی تعلیم کے سلسلہ میں آپ کی والدہ ماجدہ نے حضرت گرگانی رحمتہ اللہ علیہ سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ آپ کو آپ کے ماموں شیخ الشیوخ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اجودھن بھیج دیا جائے جہاں آپ ظاہری اور باطنی (روحانی) تعلیم حاصل کرسکیں ۔

حصول تعلیم کا شوق آپ کو بے حد دامن گیر تھا، لہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر اجودھن (پاکپتن شریف) میں لے آئیں اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (المتوفی 669ھ) کی خدمت میں اقدس میں پیش کر دیا ۔کیونکہ اس وقت قرب وجوار میں حضرت بابا فرید الدینؒ سے بڑھ کر ولی کامل اور عالم دین کوئی نہ تھا، مزید برآں کہ قرابت داری بھی زیادہ قریب کی تھی ۔

حضرت مخدوم علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ گئے تو انہوں نے اپنے بھانجے کی ظاہری تعلیم پر توجہ دی۔ چنانچہ حضرت علی احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عربی اور فارسی کی مزید تعلیم حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ حاصل کی جیسے کہ بابا صاحب کا ارشاد ہے کہ مخدوم علی احمد کو میں نے تین سال تک علوم ظاہری کی تعلیم دی اور اس عرصہ میں علی احمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے اتنا سیکھ لیا کہ دوسرے بچے 6 سال میں بھی نہیں سیکھ سکتے۔ اس عرصہ تک مولوی محمد ابو القاسم صاحب گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی والدہ محترمہ پاکپتن شریف میں قیام پذیر رہے۔

اس عرصہ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی احمد صابر میں وہ باطنی کیفیات نظر آئیں جو عام بچوں میں نہیں پائی جاتی تھیں لہٰذا آپ مطمئن تھے کہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ پر رب العزت کا وہ عظیم روحانی فضل ہونے والا ہے جو اولیائے کاملین پر ہوتا ہے۔

روحانیت اور معرفت سے بھرپور کرنے کے لیے حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی بیعت میں لینا مناسب سمجھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت علی احمد صابر کو 25 شوال بروز جمعرات بعد نماز عصر 603ھ کو اپنے دست حق پرست پر بیعت فرمالیا۔ اس وقت حضرت مخدوم علی احمد کی عمر گیارہ سال تھی۔ کیونکہ اس سے قبل حضرت بابا صاحب نے ایک روز خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت شاہ سیف الدین عبدالوہاب (جد امجد صابر صاحبؒ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم مخدوم علی احمد صابر کو تمہارے سپرد کرتے ہیں آپ ہی اُن کے استاد بھی ہیں، سرپرست بھی ہیں اور پیر طریقت بھی ہیں۔ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ہمشیرہ کی موجودگی میں اپنے دست حق پرست پر بیعت لی۔ اور آپ کے سینہ کو اسرار معرفت، نکات طریقت اور حقیقت کے خزانے سے لبریز کر دیا۔

اس کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ مطمئن ہو کر اور اپنے بھائی سے اجازت لے کر ہرات چلی گئیں۔ والدہ ماجدہ کے ہرات واپس چلے جانے کے بعد حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ماموں کے پاس رہنے لگے اور آپ کے مجاہدات کا زمانہ شروع ہو گیا۔ کیونکہ روحانیت کے حصول کے لئے مجاہدات از حد ضروری ہیں چنانچہ سب سے پہلے آپ نے نماز کی پابندی پر زور دیا اور نوافل کی کثرت کی۔ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک لنگر خانہ قائم تھا۔ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال کر کے کہ حضرت علی احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کسی طلبی اور حجت کے کھانا ملتا رہے اور عملی تعلیم کا درس بھی پورا ہوتا رہے اپنے لنگر خانہ کا کل انتظام آپ کے سپرد کر دیا۔ لنگر میں دونوں وقت کھانا پکتا تھا اور فقیروں، مسکینوں محتاجوں میں تقسیم ہوتا تھا۔

درویشوں، مساکین، بیوہ عورتوں اور مہمانوں کی خاطر و مدارات کرنا اولیائے کاملین کا شیوہ رہا ہے جو خود فاقہ سے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور یہ ایک عظیم کام ہے جسے اُمراء کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ آپ کے مجاہدات کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے بارہ سال تک تقسیم لنگر کی خدمت کو دل و جان سے انجام دیا۔ چونکہ آپ کو اجازت صریحی حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل نہیں تھی کہ تم بھی لنگر کا کھانا کھانا اس لیے آپ نے اس عرصہ دراز میں لنگر کا ایک دانہ بھی اپنے منہ میں نہ

ڈالا۔اس کے ساتھ ہی آپ نے اس قدر ریاضت ومجاہدات کئے کہ ایک لمحہ بھی اپنے جسم اطہر کو آرام نہ دیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بوجہ صوم دائمی کے جسم اطہر بہت کمزور ہو گیا۔

جب روزہ پر روزہ رکھتے رکھتے دو دو تین تین دن گزر جاتے اور بھوک کی شدت برداشت سے باہر ہو جاتی تو افطار کے وقت آپ جنگل کی طرف نکل جاتے وہاں جنگلی خودرَو درختوں کے پتوں، کونپلوں، پھل پھول سے جو سوائے قدرت خدا کے کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہوتی تھیں اکل حلال سمجھ کر افطار کر لیتے تھے۔اور بعد فراغت نماز مغرب پھر تقسیم لنگر کی خدمات پر حاضر ہو جاتے تھے۔

''مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین'' میں تحریر ہے کہ بوجہ کثرت ریاضت ومجاہدات اور صوم دائمی کے جسم اطہر پر سوائے استخوان کے گوشت کا نام نہ رہا یعنی کہ آپ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے۔یہ حالت دیکھ کر ایک روز شیخ الشیوخ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے آپ سے اس کمزوری کی وجہ پوچھ لی۔ایسا ہی ''اقتباس الانوار'' میں درج ہے کہ ایک روز حضرت گنج شکرؒ نے اپنے نورولایت سے معلوم کر کے پوچھا: اے بابا علاؤالدین تم کھانا تقسیم کرتے ہو، خود بھی کچھ کھاتے ہو یا نہیں؟ آپ نے جواب میں عرض کیا ''بندہ کو حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر کیا قدرت ومجال تھی کہ جو ایک دانہ بھی اس میں سے کھاتا۔''

''حدیقۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، اور اقتباس الانوار'' کے مصنفین کا متفقہ طور پر بیان ہے کہ آپ کا یہ جواب سن کر پیر روشن ضمیر حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اس کمالِ صبر سے نہایت خوش ہوئے اور اس درجہ اُن کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ ہر موئے تن سے تجلیاتِ انوارالٰہی ظاہر ہونے لگیں اور انوار کی اسی کیفیت میں انہوں نے آپ کو اپنے گلے سے لگا کر نعمت ہائے باطنی سے مالا مال کر دیا اور فرطِ خوشی میں فرمایا: ''ہمارا علی احمد صابر ہے۔'' پس اسی روز سے آپ کا خطاب صابر قرار پایا۔''

صاحب گلزار صابری کا بیان ہے کہ آپ تقسیم لنگر کے بعد ذکروفکر میں مشغول ہو جاتے خود ایک دانہ بھی لنگر سے نہ کھاتے حجرے کا دروازہ بند کر لیا کرتے، اور تنہا دن رات اس میں مشغول عبادت وریاضت رہا کرتے۔ان دنوں آپ شغل نوری میں مصروف رہا کرتے تھے، اور جس وقت لنگر خانہ سے واپس تشریف لے جاتے تو پہلے دعائے نوری باآواز بلند پڑھ لیا کرتے جو صوفیاء کی نظر میں آبِ حیات کے مترادف ہے۔

گلزار فریدی لکھتے ہیں: آپ قدرت کی طرف سے شانِ جلالی اور قہاری لے کر پیدا ہوئے تھے اور بہت سے واقعات جن سے آپ کے جلال کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، اپنے موقع پر درج کئے جائیں گے۔آپ مثل ایک خاکستر کر دینے والی بجلی اور ننگی تیز تلوار کے تھے، اگر ذرا بھی آپ کی شان میں بے ادبی یا آپ کی مرضی کے خلاف کسی نے کوئی بات کی اور وہ آپ کے جلال سے خاک سیاہ ہوا، چنانچہ باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''سرّ العبودیت'' میں تحریر ہے کہ وہ اکثر بغرض تبلیغ احکام طریقت سفر کیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ جب سفر سے واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ 27 محرم 610ھ سہ شنبہ کے دن زوال کے وقت اُن کا

ایک لڑکا نعیم الدین جس کی عمر تقریباً تین سال کی تھی ،کھیلتے کھیلتے حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے کے سامنے پہنچا اور دروازوں سے جھانکنے لگا۔اس کا جھانکنا تھا کہ معاً خون کی ایک قے ہوئی اور وہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا لڑکا فرید بخش نامی جس کی عمر ایک سال کی تھی یکم صفر 610ھ کو جمعہ کی نماز سے قبل آپ کے حجرے کے سامنے کھیل رہا تھا،اتفاقیہ آپ کے حجرے کی جانب منہ کر کے کھڑے ہو کر اُس نے پیشاب کر دیا۔اسی وقت ایک بچھو نے جو کہ بہت زہریلا تھا اس طرح ڈنگ مارا کہ بدن سے خون جاری ہو گیا اور اسے اس قدر سخت تکلیف ہوئی کہ وہ اسی وقت انتقال کر گیا۔جب بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں واقعات سنے تو بہت افسوس کیا اور خادموں سے سخت تاکید کر دی کہ تم لوگ جانتے نہیں ہو کہ صابر رحمۃ اللہ علیہ شمشیر برہنہ ہے ،جو کوئی اس کے قریب ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔خبردار کسی کو اس کے حجرے کی طرف مت جانے دو۔اور جس وقت وہ لنگر تقسیم کرنے کے لئے باہر آئے کوئی شخص اس سے آنکھ نہ ملائے اور نہ کچھ حجت کرے ورنہ نقصان اُٹھائے گا یہ سن کر تمام خدام آپ سے خائف رہنے لگے۔

ان دونوں واقعات کے گیارہ دن کے بعد کا ذکر ہے کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر کہ جن کا نام شیخ عزیز الدین تھا اور تقریباً بائیس (22) سال کی عمر تھی لنگر خانہ میں گئے اور ابو القاسم صاحب بھنڈاری سے کہا کہ روز مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ لنگر تقسیم کرتے ہیں آج میں بانٹوں گا۔بھنڈاری صاحب نے بہت منع کیا لیکن بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر نے لنگر بلا اجازت صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔جب آپ رحمۃ اللہ علیہ برائے تقسیم لنگر آئے تو لنگر تقسیم ہو چکا تھا۔حضرت مخدوم صابر رحمۃ اللہ علیہ کو بہت غضب ہوا۔اور آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلنا تھے کہ وہ موذی بچہ ہے۔''ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر عزیز الدین کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔

یہ تینوں سخت واقعات جب پے در پے وقوع پذیر ہوئے تو علیم اللہ ابدال رحمۃ اللہ علیہ نے ہرات جا کر آپ کی والدہ ماجدہ صاحبہ سے عرض کئے۔آپ سن کر نہایت مغموم ہوئیں اور فرمایا کہ یہ شرمندگی بھی مجھے بھائی صاحب سے اُٹھانی پڑی۔چنانچہ آپ بغرض تعزیت ومعذرت کے ہرات سے علیم اللہ ابدال کے ہمراہ پاکپتن شریف 19/ جمادی الاول 610ھ کو جمعہ کے دن بعد عصر تشریف لائیں اور بھائی سے بہت کچھ اظہار افسوس کیا اور معذرت چاہی۔بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم افسوس مت کرو،یہ سب باتیں منجانب اللہ تھیں۔

کثرتِ ریاضت ومجاہدات،اور صوم دوام کی وجہ سے جسم مبارک پر سوائے ہڈی کے گوشت کا نام باقی نہ رہا،یہ حالت دیکھ کر ایک روز حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا جس کا ثبوت ملاحظہ ہو:

ایک دن حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو نہایت کمزور حالت میں دیکھ کر فرمایا:''علی احمد کیا بات ہے؟تم اتنے پتلے دُبلے کیوں ہوتے جا رہے ہو؟اس کے جواب میں فقراء نے عرض کیا حضرت انہوں نے 12 سال سے کچھ کھایا پیا نہیں،حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:حضرت آپ نے مجھے

لوگوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا تھا نہ کہ کھانے کے متعلق۔چونکہ حکم نہ تھا بغیر اجازت اور حکم کے کیونکر کھاتا۔(ملفوظات شریفی)

حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کمالِ صبر سے نہایت خوش ہوئے اور اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ کے ہر عضو سے تجلیاتِ انوارِ الٰہی ظاہر ہونے لگیں۔حضرت علی احمد علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کو گلے سے لگا کر نعمت ہائے باطنی سے مالا مال کر دیا۔ فرمایا:''علی احمد صابر ہے،اسی روز سے آپ کا لقب صابر مشہور ہو گیا۔''

آپ کی والدہ ماجدہ جب ہرات سے واپس اجودھن (پاک پٹن) تشریف لے گئیں تو انہوں نے سوچا کہ اب بیٹا جوان ہو گیا ہے اور کیوں نہ اس کی شادی کی جائے۔آپ کی والدہ ماجدہ نے جب اپنے بھائی حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لڑکی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کے بارے میں کہا کہ بہن میری طرف سے ہاں ہے مگر علی احمد شادی کے قابل نہیں،وہ ہر وقت حالت جذب میں رہتا ہے،ایسی حالت میں ان کی شادی کرنا بیکار ہے۔ہمشیرہ صاحبہ نے کہا: بھائی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ چونکہ وہ یتیم ہے،بن باپ ہے،اور میں بیوہ ہوں اس لئے آپ اپنی صاحبزادی دینے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔یہ سن کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں نہیں یہ بات نہیں،مجھے تمہاری دل شکنی پسند نہیں،میری طرف سے اجازت ہے،جب چاہو شادی کر سکتی ہو۔

حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کے اصرار پر مورخہ 21 رشوال بروز بدھ بعد نماز عصر 613ھ کو حضرت صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہو گیا۔

رات ہوئی تو مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے آپ کے حجرے میں چراغ روشن کر کے دلہن کو حجرہ میں پہنچا دیا۔دلہن بہ پاس ادب دست بستہ کھڑی رہی تہجد کے وقت جب آپ نے مراقبہ سے سر اُٹھایا تو سامنے عورت کھڑی ہوئی نظر آئی، آپ نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ کیوں کھڑی ہو؟ دلہن نے جواب دیا، میں آپ کی زوجہ ہوں اور خدمت گزاری کے لیے حاضر ہوں،حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خدا وحدہٗ لاشریک ہے اس کی کوئی بیوی نہیں میں اس کا بندہ ہوں اور اس کے جمال میں گم ہوں۔یہ فرما کر آپ پھر مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔آپ کے ان الفاظ پر جہاں آپ تھے وہاں جلالی انواراتِ الٰہی کا نزول ہوا جنہیں آپ کی دلہن برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو کر گر گئی اور کچھ دیر کے بعد قضائے الٰہی سے اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔وہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجذوب حالت سے باخبر تھیں۔احتیاط کے طور پر انہوں نے حجرہ کا دروازہ کھلوایا۔یہ دیکھ کر کہ مخدوم صاحب مراقبہ میں مصروف ہیں اور دلہن اللہ کو پیاری ہو گئی ہے والدۂ محترمہ نے نہایت غصہ کی حالت میں حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پشت پر زور سے ہاتھ مار کر فرمایا کہ میں نے تمہارے ماموں کی بیٹی سے تمہاری شادی کی تھی لیکن تم نے دلہن کو کیا کر دیا ہے۔بتاؤ میں تمہارے ماموں کو کیا جواب دوں گی اور کیا منہ دکھاؤں گی؟ مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اماں جان میرا کیا قصور ہے یہی رضائے الٰہی تھی۔

بہو کی اچانک موت سے آپ کی والدہ ماجدہ کے دل پر گہرا اثر پڑا اور وہ بیمار ہوگئیں اور ان کی بیماری بڑھتی ہی گئی۔ آخر وہ 2 محرم 614 ہجری بروز جمعہ اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد آپ کے استغراق اور استغراقی حالت میں اور شدت آ گئی۔ آپ شدید استغراق (لاشعوری، جذب، سراسر سکر محویت) میں دائم رہنے لگے اور اس حالت میں آپ نے لنگر تقسیم کرنا چھوڑ دیا۔

بابا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر حالت استغراق سے ہوش میں لانے کے لئے خصوصی توجہ کی اور آپ کے بائیں کان میں سات مرتبہ بآواز بلند کلمہ شریف پڑھا۔ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کا کلمہ پڑھنا ہی تھا کہ آپ ہوش میں آئے۔ پھر آپ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور حضرت بابا صاحبؒ کے پاس آ کر خصوصی محفل میں بیٹھ گئے اور اسی روز آپ نے حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر شرف خلافت حاصل کیا۔

خلافت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ 17 محرم الحرام بروز جمعرات 623ھ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد نماز عصر حاضرین محفل کے روبرو حضرت شیخ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاتھ پر توبہ اور بیعت کروائی اور خاندانِ چشتیہ میں خلافت سے مشرف فرما کر کیفیت باطن وتعلیم سلوک سے مستفیض فرمایا اور اپنی کلاہ مبارک پہنادی اور اپنا خرقہ مقدسہ اوڑھا دیا۔''

حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے اور داماد ہونے کی حیثیت سے اُن کے بہت زیادہ قریب تھے۔ بلکہ آپ محبوب مریدوں میں سے تھے۔ آخر 27 سال کی ریاضت اور مجاہدہ کے بعد حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکم ہوا کہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے نواز دیا جائے۔ اس بشارت عظمیٰ کے بارے میں ''حقیقت گلزار صابری'' میں یوں بیان تحریر ہے:۔

> ظاہری بیعت کے بعد یہ باطنی بیعت عالم جبروت میں، نور کے عالم میں پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پرنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کی مجلس مبارک میں 24 رمضان 650 ہجری کو ہوئی جس میں آپ کو ''هٰذا وَلِیُّ اللّٰه'' کی سند مبارک سے نوازا گیا۔''

اس واقعہ کے بعد حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے خرقۂ خلافت سے نوازدیا و راپنی زبان فیض سے ارشاد فرمایا کہ آج علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ میرا علم ظاہر اور علم باطن لے چلا ہے۔ اور حضرت مرشد پاک نے آپ کو نامۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور اس معاملہ میں مرشد پاک کا معمول تھا کہ اس عمل کے بعد نامۂ خلافت پر حضرت جمال الدین قطب ہانسی رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور مہر لگوائی جاتی تھی۔

حضرت شیخ جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اُن سے بے حد محبت تھی۔ اس کے بعد سے حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ جس کو بھی خرقۂ خلافت عطا فرماتے تو

پہلے اس کو ارشاد فرماتے تھے کہ پہلے ہانسی جا کر خلافت زمانہ پر مہر لگوا لو بغیر مہر کے کسی کو خلافت نامہ عطا نہ فرماتے تھے۔

چنانچہ اسی حکم کے مطابق حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن سے سوار ہو کر ہانسی روانہ ہو گئے۔جب وہاں پہنچے تو اپنی سواری پر سوار ہی خانقاہ میں داخل ہو گئے۔حضرت شیخ جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا استقبال کیا۔حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ سواری پر سوار ہی لب فرش تک تشریف لے گئے۔یہ بات اگرچہ حضرت جمال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ناگوار گزری پھر بھی آپ نے کمال اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کے فرائض مہمانداری ادا کیئے۔دونوں بزرگوں نے ایک ساتھ مغرب کی نماز ادا کی نماز مغرب کے بعد حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جیب سے خلافت اور قطبیت نامہ نکالا،اور دہلی جانے کا مفصل حال بیان کیا۔

اس وقت تک اندھیرا ہو چکا تھا اس لئے قطب ہانسی حضرت جمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"اب آپ آرام فرمایئے، صبح کو مہر و دستخط کر دیئے جائیں گے۔آپ نے اسی وقت مہر و دستخط کے لئے اصرار کیا۔حسن اتفاق سے جب چراغ روشن کیا تو وہ ہوا کے زور سے بجھ گیا۔آپ نے کرامت سے فوراً اپنی انگلی روشن کر دی تا کہ مہر و دستخط ہو جائیں۔

مہر و دستخط کے لئے اس کرامت سے حضرت قطب ہانسی رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا کہ جب ان کے غصہ اور تنگ مزاجی کا یہ حال ہے تو یہ دہلی کی قطبیت کیا کریں گے، یہ تو دو چار دن میں دہلی کو جلا کر خاک کر دیں گے،اور دہلی بلاوجہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔اسی خیال کے پیش نظر جمال ہانسوی نے صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ بھائی تم تو بہت جوشیلی طبیعت کے آدمی ہو اور دہلی والے تمہارے غصہ اور جلال کی تاب نہ لا سکیں گے۔تم ذرا سی بات پر ہی ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دو گے۔اس لئے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں دہلی میں رکھا جائے۔اور یہ فرما کر سند قطبیت کو چاک کر ڈالا۔حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ جو عین مظہر جلال تھے بھلا اس حرکت کی تاب کہاں لا سکتے تھے،غصہ میں آ گئے اور جلال میں آ کر فرمایا:"تو سند من چاک کردی، من سلسلہ ترا بریدم۔" یعنی تم نے میری سند چاک کر ڈالی، میں نے بھی تمہارا سلسلہ قطبیت قطع کر دیا۔

قارئین کرام! میں اب اس کی مزید تفصیل میں اس لئے نہیں جاؤں گا کہ وہ عام قاری کے لئے سودمند نہیں ہے۔مختصراً یہ ہے کہ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہانسی سے واپس اجودھن (پاکپتن شریف) تشریف لا کر اپنے مرشد کو حالات سے آگاہی فرمائی تو حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دوبارہ خلافت نامہ لکھ کر مرحمت فرمایا اور سرزمین کلیر آپ کو بخش کر آپ کو وہیں جانے کا حکم صادر فرمایا۔

حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ بحالاتِ موجودہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی جانا دشوار ہے،تو حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شہر کلیر شریف کا شاہ ولایت مقرر فرما کر اپنے دست مبارک سے ایک حکم نامہ تحریر فرمایا۔اس وقت حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی عمر 55 سال تھی،اور کلیر میں اسلام پھیلے 48 برس گزر چکے تھے۔حضرت مخدوم علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے 15 ذی الحجہ 652ھ "علیم اللہ" ابدال کی معیت میں

جانب کلیر روانہ فرمایا۔

اب بہت ہی مختصر اً قدیم کلیر کے بارے میں حسب ذیل ہے۔

قصبہ کلیر شریف جو قبل از اسلام آباد تھا اور جس کی تمام تر آبادی غیر مسلم دیوتا پرستوں کی آبادی تھی ،جس کا ذکر مصنف ''تذکرہ علی احمد صابر'' کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

یہ شہر ہرادوار کے ملحقات میں ہے 283 عیسوی میں راجہ کرم پال نے اسے آباد کیا تھا اور اس کا نام ''ہردوار گڈھی بگ'' رکھا۔یہ قصبہ دریائے گنگا کے کنارے کنارے کوسوں تک آباد ہوتا چلا گیا ،کچھ عرصہ گزرنے پر ایک عظیم الشان بت خانہ یہاں تعمیر کیا گیا ،اور اس کو بہت فروغ دیا گیا۔اس بت خانہ میں سینکڑوں بت سونے اور چاندی کے نصب کئے گئے تھے۔راجہ کرم پال کے مرنے پر راجہ بکرم پال تخت نشین ہوا ،اُس نے اُس بت خانے کو اور بھی زیادہ رونق دی اور ایک مہنت کہ جس کا نام کوکل چند تھا اس میں مقرر کر کے کل انتظام اس کے سپرد کر دیا۔کئی سو برس تک مختلف راجہ سلطنت کرتے رہے آخر میں کلیان ہال راجہ ہوا۔اور اس نے اس قصبہ کا نام اپنے نام کی نسبت سے کلیر رکھا۔

قبل از اسلام کلیر شریف واقعی کفر وضلالت کی آماجگاہ تھا ،جہاں پر انسانی قدر و قیمت نہ تھی ،عیاشی اور شراب کو باعث فخر تصور کیا جاتا تھا۔لوگوں کا برسوں سے ضمیر مردہ ہو چکا تھا ،فکری زاویئے بالکل مفقود تھے۔انسانیت سسک سسک کر بڑ مردہ ہو چکی تھی ،اور اب کسی کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔مہاراجے اور پنڈت جو چاہتے کر گزرتے ،عوام کی بہو ،بیٹیاں اُن کے نزدیک اپنی ملکیت ریوڑ کی سی حیثیت رکھتی تھیں۔

لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی کلیر آمد سے کوئی 48 سال پہلے کلیر میں اسلام پھیل چکا تھا۔اب شہر کے وسط میں جامع مسجد تھی اور دیگر مسجدیں آباد تھیں۔قارئین کرام !درج ذیل میں جو آپ کے ساتھ ناروا سلوک کا آپ پڑھیں گے تو اس کے بارے میں یہ خیال رہے کہ آپ کے کلیر پہنچنے کے بعد یہ سب کچھ پہلے دن ہی آپ کے ساتھ نہیں ہو گیا تھا۔آپ اندازاً 19 ذی قعدہ کے قریب کلیر پہنچے تھے۔یہ دونوں واقعات ❶ جامع مسجد کا رکوع کرنا اور ❷ کلیر میں 12 میل تک کے ایریا میں خوفناک آگ کا بھڑک اُٹھنا ،آپ کی کلیر میں تشریف آوری کے اندازاً بیس اکیس دن بعد کے ہیں۔

آپ کے مرشد حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے آپ کو کلیر کا شاہ ولایت بنا کر بھیجا تھا اور آپ ظاہری اور باطنی علوم سے بھی بدرجہ اُتم مالامال تھے اس لئے کلیر کی جامع مسجد میں امامت کا حق آپ ہی کا تھا لیکن وہاں کے ناعاقبت اندیش علماً نے آپ کو چند دن تو امامت کرنے دی اور پھر اس سے ہٹا دیا۔پھر وقتِ رفتہ کے ساتھ آپ سے اُن کی بے رُخی اور بے ادبی کا یہ عالم ہو گیا کہ 11 محرم کو تو اہل مسجد نے آپ کو مسجد کے دروازے اور سیڑھیوں پر بھی نماز کے لئے کھڑا ہو جانے کی جگہ تک نہ دی اور مجبوراً آپ کو نماز مسجد سے باہر ادا کرنی پڑی اور اسی دن اسی نماز کے دوران مسجد نے بھی رکوع کر دیا اور جتنے بھی نمازی اندر تھے وہ سارے کے سارے اگلے جہان پہنچ گئے۔

اب آگےاور بھی مختصراً یہ ہے کہ آپ کی کلیر آمد پر علماءِ ظواہر نے آپ کے ساتھ آپ کے شایانِ شان رویہ نہ اپنایا اور رئیس شہر ''قاضی تبرک'' صاحب نے بھی آپ کی امامت کے لئے جگہ نہ چھوڑی، اور نہ ہی آپ کی اطاعت میں آیا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا عناد وبغض بڑھتا رہا۔اس ردّ وکد کے بعد آپ نے امام کا مصلّٰے چھوڑ دیا اور آپ اگلی صف میں بیٹھ گئے، مگر لوگوں نے وہاں سے یہ کہہ کر کہ یہ ہماری جگہ ہے ہٹا دیا۔اسی طرح سے آپ دالان سے صحن مسجد میں اور پھر صحن مسجد سے پیچھے ہٹتے ہوئے بیرونی دروازہ کے قریب آخری صف میں پہنچ گئے مگر وہاں بھی کسی مردود نے یہ کہہ کر کھڑا نہ ہونے دیا کہ یہ میری جگہ ہے۔اور اسی طرح جب سیڑھیوں پر بھی جگہ نہ ملی تو آپ مسجد کے باہر تشریف لے آئے۔آپ کے ہمراہ علیم اللہ ابدال کو بھی باہر آنا پڑا۔شیخ بہاءُ لدین کو سیڑھی پر جگہ مل گئی۔حضرت علی احمد صابرؒ کو اُس وقت بہت غصہ آیا۔آپ نے مسجد کو حکم دیا کہ جس وقت یہ لوگ رکوع میں جائیں، تو بھی رکوع کر اور ان سب کو تحت الثریٰ میں پہنچا دے۔

اسی اثناء میں اگلی صف کے شروع اور آخر سے دو آدمیوں نے آواز دی کہ یا حضرت ہم ولی اللہ ہیں اور آپ کی بزرگی اور امامت کے دل سے قائل ہیں ہم کو نجات دلوایئے۔حضرت نے جواب دیا کہ تم دونوں نے اوّل روز ہی میری امامت کو کیوں تسلیم نہ کیا۔اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا،فقیر کا مارا ہوا مردود ہوتا ہے وہ چاہے ولی ہی کیوں نہ ہو۔یہ فرما کر آپ بھی نماز میں مشغول ہو گئے اور علیم اللہ ابدال حضور کے پس پشت نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔جس وقت سب لوگ رکوع میں گئے، بموجب حکم کے مسجد نے بھی رکوع کیا اور تمام لوگوں کو داب کر ''اسفل السافلین'' کی طرف پہنچا دیا۔

مسجد کی تباہی کے بعد (یہ معلوم نہیں کہ کتنی مدت بعد) آپ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو میں تم لوگوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ بارہ پہر تک مجھ کو عبدیت خاص حاصل ہے۔تم لوگ فوراً شہر سے بارہ میل دور اپنے عزیز وا قارب مال واسباب کو لے کر نکل جاؤ یہاں قہر خداوندی کا نزول ہوگا اور بارہ کوس (میل) کے اندر اندر کسی شے کو پناہ نہ ملے گی۔اس کے بعد حضرت ممدوح اپنی جائے قیام یعنی مسماۃ گلزادی کے مکان پر تشریف لائے۔اس کے بعد آپ نے علیم اللہ ابدال کے ذریعہ سے ایک عریضہ مشتمل بر حالات انہدام مسجد حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں عصر کے وقت روانہ فرمایا اور علیم اللہ ابدال کو ارشاد فرمایا کہ جب تو واپس آئے تو میرے پس پشت رہنا ورنہ جل کر خاک سیاہ ہو جائے گا اور جو کچھ میں حکم دوں اس کی تعمیل کرنا ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے، یہ سن کر علیم اللہ پاکپتن شریف کی جانب روانہ ہو گئے۔

حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کشف خداوندی کے سبب سب حالات کو دیکھ رہے تھے یعنی کہ جو کلیر میں ہو رہا تھا اس سے آگاہ تھے۔11 محرم 651ہجری کو علیم اللہ ابدال نے پاک پٹن میں حاضر ہو کر کلیر کے تمام حالات بیان کر دیئے اور پھر عشاء کی نماز کے بعد کلیر کے لئے واپس روانہ ہو گئے۔علیم اللہ ابدال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تہجد کے وقت حاضر ہو کر جملہ حالات پاکپتن شریف کے بیان کر دیئے، مگر علیم اللہ ابدال نے ملاحظہ کیا (یہ نوٹ کیا) کہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ پر قیام نہیں فرماتے ہیں۔حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے علیم اللہ ابدال

سے فرمایا کہ اب تم ہم سے عالم امکان کی گفتگومت کرنا، اگر کچھ کہنا ہو تو عالم وجوب کی کہنا۔

12 محرم 651ھ کو جب آپ عبدیت خاص سے فارغ ہوئے۔ اس وقت تہجد کا وقت تھا۔ اس وقت آپ مسماۃ گلزادی کے مکان پر تشریف لائے اور جس جگہ پر اس وقت آپ کا مزار مقدس ہے۔ یہ جگہ اوّل روز سے ہی آپ کو پسند تھی۔ آپ اسی جگہ پھر کھڑے ہوگئے۔ علیم اللہ ابدال رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر تھے۔ اس عرصہ میں مخلوق کلیر آپ کو تلاش کرتی رہی مگر کہیں بھی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کلیر کی چار چیزوں نے بزبانِ حال آپ سے استدعا کی کہ وہ قہر الٰہی سے محفوظ اور مامون رہیں۔ حضور عالی نے ان چاروں کی التجا قبول فرما کر دعا فرمائی۔ وہ چاروں چیزیں یہ تھیں: ❶ درخت گولر یہ اب بھی مزار اقدس کے قریب موجود ہے۔ ❷ ایک فاختہ کہ اُسی گولر کے درخت پر آشیانہ رکھے ہوئے تھی۔ ❸ ایک قطعہ زمین جو حضرت کے جائے قیام سے تھوڑے سے فاصلہ پر تھی۔ ❹ قطعہ مزار حضرت سیدنا امام الدین صاحب جو حضرت غوث الاعظم پیرانِ پیر دستگیر سید محی الدین عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے، اور حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے اور فتح کلیر کے لئے ہنگاموں میں جام شہادت نوش فرما کر یہیں آسودہ تھے۔

ان چاروں چیزوں کے تحفظ کی دعا فرما کر آپ گولر کے درخت کے قریب رو بقبلہ ہو کر کھڑے ہوگئے، علیم اللہ ابدال آپ کے ہمراہ سایہ کی طرح حاضر تھے۔ آپ نے اپنی پشت مبارک گولر کے درخت سے لگادی، اور بائیں ہاتھ سے ایک شاخ اُس گولر کے درخت کی پکڑلی اور بائیں ہاتھ کی مٹھی بند کر کے انگشت شہادت علم کی (اُٹھائی) اور ہاتھ قلب کے سامنے لا کر آسمان کی جانب نگاہ کی تھوڑی دیر تک ایک استغراقی حالت میں آپ رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے ہاتھ سے درخت کی شاخ چھوٹ گئی اور دوسرا ہاتھ بھی نیچے چھوڑ دیا۔ آسمان کی جانب سے آنکھیں ہٹ گئیں اور آپ اُسی حالت میں گولر کے درخت سے ہٹ کر تھوڑے فاصلہ پر کہ اب اُسی جگہ پر مزارِ اقدس ہے کھڑے ہوگئے۔ بعد ایک ساعت کے آپ نے اپنی چشم جلال کو جو وا کیا اور نظر برق صورت جو زمین پر پڑی تو آپ کے پائے مبارک سے سات قدم کے فاصلہ پر زمین سے آگ نکلنا شروع ہوئی۔ اور چاروں طرف بڑھی اور پھیلتی گئی۔ اور انہیں چاروں اشیاء جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کو چھوڑ کر باقی ہر ایک شے کو جلانا شروع کیا۔ تمام مکانات درخت جانور اور کلیر کی تمام مخلوق جلنے اور تباہ ہونے لگی شعلہ آگ کے بلند ہوتے تھے اور کسی کو پناہ نہ ملتی تھی۔ آگ بڑھتے بڑھتے بارہ کوس کی حد تک پھیل گئی۔ کئی دن تک آگ کا تسلسل ختم نہ ہوا۔ اور سارا کلیر شہر جل بھن کر خاک سیاہ ہوگیا۔ اس آگ سے صرف وہی چاروں چیزیں محفوظ رہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

کلیر کی مسجد کا انہدام اور آتشزدگی کی خبریں سن کر سلطان ناصر الدین محمود والیٔ ہندوستان کے دل میں خطرات پیدا ہوئے اور وہ بہت پریشان ہوئے۔ فوراً ایک عرضی حضرت خواجہ شیخ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سراپا برکت میں ارسال کی اور اس میں اس طرح عرض حال کیا کہ جب سے میں نے کلیر کا حال سنا ہے، بہت سخت پریشان ہوں کسی وقت چین نہیں آتا۔ ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ کہیں ذموان (حاکم کلیر) کی طرح میرا حال بھی خراب نہ ہو۔ خدارا میری حفاظت وحمایت فرمایئے اور وہ

تدابیر بتایئے کہ جن سے اس قہر الٰہی سے مامون اور محفوظ رہ سکوں۔

حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تسلی آمیز خط جواب میں دہلی کے بادشاہ ناصر الدین محمود کو لکھا کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو خطرے سے پہلے قہر الٰہی سے ڈرتے ہیں۔ اگر اسی طرح ذموان کو بھی قہر خدا کا خوف ہوتا تو آج اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔ تم اطمینان رکھو، اور کسی طرح کا خوف دل میں نہ لاؤ۔ لیکن اس بات کا انتظام کر دو کہ کوئی شخص تم میں سے کلیر کی سرزمین پر نہ جائے، اور اپنی اولاد کیلئے بھی ہدایت کر دو کہ ان میں سے بھی کوئی اس طرف نہ جائے جب تک کہ مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حالت جذب محویت سے سلوک میں نہ آ جائیں۔ اور میں بھی باطناً اس بات کا خیال رکھوں گا اس لئے تم مطمئن رہو۔

''سیر الاقطاب'' میں لکھا ہے کہ کلیر کی ویرانی کے بعد حضرت علاؤالدین احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ بڑے شوق و ذوق کے ساتھ ہر بات سے بے فکر ہو کر ریاضت مجاہدہ اور اشغال کرنے لگے۔ جنگل کے جانوروں اور پرندوں کو آپ سے بہت اُنس ہو گیا تھا۔ اور شیر آپ کے دروازے پر دُم سے جھاڑو دیتا تھا لیکن عوام الناس سے کوئی بشر بھی اُن کے نزدیک نہیں جا سکتا تھا۔ آپ کا استغراق اس قدر بڑھ گیا کہ ایک درخت گولر کی شاخ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور دیدار و نظارہ تجلیات خداوندی کے لئے مُصر ہو گئے اور حقیقت منتظر جب تک نگاہ میں نہیں سما گئی اسی گولر کی شاخ پکڑ کر کھڑے ہوئے بارہ سال گزر گئے۔ بدن سوکھ گیا، ہاتھ پیروں کے رگ پٹھے اکڑ گئے۔ ہڈیوں کے جوڑ ساکت ہو گئے۔ بدن کے کل حصے خشک اور بے حرکت ہو گئے۔ غرض یہ کہ جسم تمام کا تمام معطل و بے کار ہو گیا۔ صرف آنکھیں ہی جمالِ یار دیکھنے کے لئے کھلی رہیں۔ گویا کہ بارہ سال کا مجاہدہ بہت کٹھن اور سخت تھا کہ جو عام لوگوں کی سمجھ اور سوچ سے بالاتر ہے۔ اس دور میں آپ کی طبیعت میں بے حد جلال پیدا ہو گیا اور اسی جلال کی وجہ سے لوگ قریب نہیں آ سکتے تھے۔

نظر باطن سے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید و خلیفہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے باخبر تھے۔ آخر جب بارہ سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک دن تو دریائے محبت جوش میں آ گیا۔ اور بعد نماز اشراق حلقۂ مریدین میں تشریف لا کر کیفیت فرزند ارجمند حضرت علی احمد صابر بیان کی اور کہا ''میرا صابر بارہ برس سے گولر کا ٹہنہ پکڑے کھڑا ہے تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کو جا کر بٹھا دے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر سب حاضرینِ مقدس و پاکباز حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کے جلال کو مدنظر رکھتے ہوئے خاموش رہے مگر تھوڑے وقفے کے بعد حاضرین مجلس میں سے حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خواہش پر عمل پیرا ہونے کا اظہار کیا۔ حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کی رضامندی پر حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے قریب کر کے فرمایا کہ خبردار علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سے نہ گزرنا بلکہ اُن کی پشت کی طرف سے اُن کے پاس جانا اور اُن کی خدمت میں رہ کر اُنہیں بٹھانے کی کوشش کرنا اور اُنہیں عام زندگی کے معمول میں لانے کی تدبیر کرنا، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اس کے بعد حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو جمال الدین ابدال رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ وہ علیم اللہ ابدال رحمۃ

اللہ علیہ کی وساطت سے کلیر پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شمس الدین ترک کچھ روز بعد علیم اللہ ابدال رحمۃ اللہ علیہ کی مدد سے کلیر پہنچ گئے۔ اور جب وہ حضرت علی احمد صابر کے مقام سے کچھ فاصلہ پر رہ گئے تو انہوں نے با آواز بلند قرأت کے ساتھ کلام اللہ پڑھنا شروع کر دیا اور پشت کی جانب کھڑے ہو کر کلام اللہ پڑھتے رہے۔ بڑی دیر کے بعد حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "پشت کی جانب کلام اللہ پڑھنا ٹھیک نہیں سامنے آ کر پڑھو۔ اس پر حضرت ترک رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سامنے تو نہ آئے بلکہ کچھ آگے آ کر بائیں ہاتھ کے قریب کھڑے ہو کر تلاوتِ قرآن مجید کرتے رہے۔ چونکہ حضرت شمس الدین ترک خوش الحان قاری تھے اس لئے حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ بڑے شوق سے کلام اللہ سنتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ تلاوتِ قرآن پاک کرتے کرتے رُک گئے تو حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ پڑھتے ہوئے کیوں خاموش ہو گئے ہو؟ اور تلاوت کرو، تو اس پر حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں، اب کھڑے ہو کر پڑھنے کی مزید سکت نہیں ہے۔ آپ نے حضرت ترکؒ کا یہ جواب سن کر فرمایا: "اچھا بیٹھ جاؤ، بیٹھ کر پڑھو" اس پر حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے پھر عرض کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور کھڑے رہیں اور بندہ بیٹھ جائے۔

کلام اللہ سننے کے شوق میں حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ نے بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن بیٹھتے کیسے، ہاتھ پیر سب شل ہو گئے تھے، حضرت شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سہارا دے کر بمشکل اسی گولر کے تنے سے کمر لگا کر آپ کو بٹھایا۔ اور پھر کلام پاک کی تلاوت کرنا شروع کر دی۔ اس کے کچھ دیر بعد حضرت شمس الدین ترک پھر پڑھتے پڑھتے رُک گئے تو حضرت علی احمد صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اب پھر کیوں تلاوت بند کر دی ہے؟ حضرت شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرا ارادہ اجودھن واپسی کا ہے اگر آپ مجھے یہاں رہنے کا شرف عطا فرمائیں تو میں آپ کی خدمت میں قیام کر لوں۔ اس پر حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجھ کو میرے مرشد نے بھیجا ہے میں تمہیں کیسے واپس بھیج سکتا ہوں۔ اس پر حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جیسا حضور چاہیں۔ اس کے بعد دریائے شفقت وفیض جوش میں آ گیا۔ آپ نے حضرت شمس الدین ترکؒ کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ تو میرا بیٹا ہے۔

اس وقت سے حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہو گئے اور باقاعدہ سلسلہ چشتیہ میں شریک ہو گئے اور یوں رفتہ رفتہ حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے بتائے ہوئے طریقے، ہدایات وحکمت سے حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کو حالتِ جلال سے عالمِ جمال میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کوئی بنی آدم میں سے حاضر باش خدمت علی احمد صابر میں نہیں رہتا تھا۔ جب سے حضرت شمس الدین ترکؒ نے حضرت مخدوم پاک سید علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کے رہنے کے لئے جھونپڑی تیار کروا کر آپ کو وہاں مقیم کر دیا تو رفتہ رفتہ دیگر اشخاص کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ آپ کی ولایت صرف کلیر کے رقبہ تک

ہی محدود نہ تھی بلکہ اس میں کلیر کے مضافات بھی شامل تھے اس لئے وقت رفتہ کے ساتھ دور دراز کے علاقوں سے کچھ لوگوں نے آپ کی زیارت کے لئے وہاں آنا شروع کر دیا۔لوگ آپ کے جلال سے گھبراتے تھے اس لئے آنے والوں کی تعداد کم ہی رہی۔

سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 98 سال کی عمر پائی۔آپ کا وصال 13 ربیع الاوّل 690 ہجری بمطابق 15 مارچ 1291ء میں ہوا اور اسی تاریخ و سال کے مطابق آپ کی درگاہ پر آپ کے اعراس کا شمار ہوتا ہے۔**انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

صاحب ''اقتباس الانوار'' نے تحریر فرمایا ہے کہ بعد وصال بھی آپؒ کی جلالیت کا یہ عالم تھا کہ مدتوں تقریباً سوا دو سو (225) سال تک مزار تک کوئی نہیں جا سکتا تھا۔جب کوئی نزدیک جاتا تو اس پر بجلی کی طرح ایک شعلہ لپکتا اور یوں کسی کو آگے جانے کی جرات نہ ہوتی۔حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 945ھ) زیارت مزار کے لیے گئے تو آپ کے مزار سے ایک میل دور ہی ان پر بجلی کا شعلہ لپکا۔انہوں نے عرض کی یا حضرت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔شعلہ ختم ہو گیا، پھر مزار مبارک کے قریب گئے تو پھر وہی شعلہ لپکا۔انہوں نے پھر کہا میں زیارت مزار کے بغیر نہیں جاؤں گا۔شعلہ ختم ہو گیا۔وہ تربت شریف پر پہنچ گئے لیکن شعلہ کی چمک بدستور قائم تھی مگر اُس نے انہیں جلایا نہیں۔اس کے کچھ دیر بعد ایک نورانی چمک میں لپٹے ہوئے حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ خود تشریف لے آئے اور فرمایا تو میرے سلسلے میں ہے اس لیے بچ گیا، ورنہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔حضرت قطب عالم عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا، یا حضرت اب تیغ برق جلال کو نیام میں ڈال لیجئے اور اپنے جمال کی ٹھنڈک سے خاص و عام کے دلوں کو سکون بخشئے۔لوگ یہاں حاضری دینے کے لیے بے تاب ہیں۔اپنے فیض و برکت کے دروازے لوگوں کے لیے کھول دیجئے۔لوگ دکھ درد کے مارے اور کہاں جائیں۔آپ نے فرمایا: ''عبدالقدوس! ہم نے تیری خاطر برق ذات کو عالم لامکاں میں مسطور (بند) کر دیا اور اپنی صفات جمالیہ کے ایک ذرے کو تربت پر محیط کر دیا۔ بس اسی روز سے یہ مزار پر انوار خلق خدا کے لیے کھل گیا۔اور خلق خدا فیض و برکت سے مالا مال ہونے لگی۔عرس ہونے لگے، قوالیاں ہونے لگیں مزار پر ایک اژدہام رہنے لگا ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا ہے جو صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی جاری ہے۔

حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس نہر گنگ کی غربی جانب کلیر شریف میں مرجع خلائق ہے اور کلیر شریف کی شہرت بھی آپ کے مزار اقدس کی وجہ سے ہے۔اگر چہ آپ کے وصال کو صدیاں گزر چکی ہیں اور اس طویل عرصہ کے دوران آپ کے مزار اقدس کو زمانے کے مختلف نشیب و فراز سے واسطہ رہا مگر آپ کے تصرفِ کمال و جمال کی وجہ سے الحمدللہ! مزار اقدس زمانے کے دستِ بُرد سے محفوظ رہا۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت مولانا رومؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی یا اصل نام محمد بن محمد بن حسین بلخی ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی بہاؤ الدین ولد تھا۔ حسین بلخی آپ کے دادا جان تھے وہ بہت بڑے صوفی اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام جلال الدین محمد کر دیا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کا نام جلال الدین ہی رہ گیا۔ آپ پیدا تو بلخ میں ہوئے لیکن آپ کے والد ماجد کو اس وقت کے روم کے بادشاہ نے روم بلوا لیا تھا اور آپ وہیں پلے، بڑھے اور نوجوان ہوئے اس لئے آپ نے اپنے نام کے ساتھ ''رومی'' کا لفظ بطور تخلص استعمال کرنا شروع کر دیا اور جب آپ نے روحانیت میں قدم رکھا حضرت شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور روحانیت میں مدارج طے کرنا شروع کیے تو آپ نے خاص توفیق الٰہی سے فارسی زبان میں قرآن وسنت و احادیث کے مطابق منظوم کلام لکھا جو کہ ''مثنوی مولانا روم'' کے نام سے منظر عام پر آیا اور وہ کلام شہرہ آفاق ہوا جس کی وجہ سے علمائے حق، صلحاء اور اولیاء اللہ نے آپ کو ''مولائے روم'' کا معزز القاب عطا فرمایا۔

میدانِ روحانیت میں آنے سے پہلے آپ نے دُنیاوی علوم کو خوب سے خوب تر حاصل کر لیا تھا۔ دُنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے دینی علوم بھی دل لگی سے سیکھے۔ ان میں مہارت حاصل کی اور اپنی وضع قطع، علم و اخلاق و لباس کے سبب کم عمری (30 سال) میں ہی لوگوں نے آپ کو احتراماً وصدقاً ''مولانا'' کہنا شروع کر دیا اور یوں جلال الدین رومی سے آپ مولانا روم بن گئے اور علم دوست لوگوں کو اپنی شاگردی میں لے لیا اور باقاعدہ دینی و دنیاوی درس وتدریس شروع کر دی۔ روحانیت میں آنے سے پہلے بھی آپ کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کے روپ میں بھی انتہائی پُرکشش تھی۔ دور دور تک آپ کی شہرت تھی۔ ہر کسی کو آپ سے علم سیکھنے سننے کا شوق تھا۔ جب آپ روحانیت میں آئے تو پھر اسی کے ہو رہے۔ شریعت، طریقت ومعرفت کے تمام مراتب بہت جلد طے کر گئے۔ مرشد کی فیض نظر سے جلد ہی بلندیوں پر پرواز کرنے لگے۔ جذب ومستی، استغراق کی کیفیت میں زیادہ وقت گزرنے لگا۔ مرشد پاک کی نگاہ وتوجہ کرم نے آپ پر ایسے اثرات مرتب کیے کہ آپ نے ''مثنوی مولانا روم'' جیسا شاہکار لکھ ڈالا۔ ایسا شاہکار تخلیق کیا کہ جس میں شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت اور عرفانِ الٰہی کے تمام گوشے روشن ہو گئے۔

آپ کو بڑوں کا بہت ادب واحترام تھا اور آپ چھوٹوں سے، مریدوں سے، شاگردوں سے بہت شفقت ومحبت سے

پیش آتے تھے۔آپ اپنے خلق واخلاق،علم ودانش کی وجہ سے بہت مشہور ومعروف اور ہر دلعزیز تھے۔آپ میں دنیا سے بے رغبتی بہت زیادہ تھی۔آپ اکثر روزہ رکھا کرتے اور کھانا بھی کئی کئی دن بالکل نہ کھاتے تھے۔آپ جو کماتے تھے وہ غربا میں بانٹ دیتے تھے۔آپ بے حد قناعت پسند تھے اور بہت رحم دل اور بلند اخلاق والے تھے۔آپ اتنے زیادہ ہر دلعزیز تھے کہ بچے بھی آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ کے ہاتھ چومتے تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ 30ستمبر 1207ء بمطابق 6ربیع الاول 604ہجری کو خراساں کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 68سال کی عمر پائی۔آپ نے 17دسمبر 1273ء بمطابق 5جمادی الثانی 672ھ کو قونیہ میں وصال فرمایا۔آپ کے پیرو مرشد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ تھے۔حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ اعظم تھے۔آپ کی تالیف ''مثنوی مولانا روم''،تمام حلقوں اور تمام اقوامِ عالم میں اس قدر مشہور و معروف ہے کہ اس کے نام کے بعد آپ کے کسی تعارف کی ضرورت نہیں رہتی۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے آباؤ اجداد روحانیت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم میں بھی واضح اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور ان کا شمار سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقے میں ہوتا تھا۔مالی علمی اور روحانی اعتبار سے ان کی پوزیشن بہت مستحکم تھی۔آپ کے والد ماجد حضرت بہاؤ الدین کی والدہ ماجدہ خوارزم کے بادشاہ یا سلطان کی بیٹی تھیں۔یعنی کہ شاہِ خوارزم متوفی 617ھ آپ کے حقیقی نانا جان تھے۔آپ کے والد ماجد کا بڑے بڑے علماؤ صلحاؑ میں شمار ہوتا تھا اور اسی قابلیت کی بنا پر آپ کے والد کو شاہ روم نے حکومتی کارندے کے طور پر بلایا تھا اور اسی سبب آپ بھی قونیہ میں بچپن سے جوانی تک تو مسلسل رہے۔حسین بلخی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دادا تھے،وہ بہت بڑے صوفی اور صاحب کمال بزرگ تھے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے جاملتا ہے۔

آپ 30ستمبر 1207ء بمطابق 604ھ کو خراسان کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد کو اس وقت کے شاہ روم نے اپنے پاس بلوالیا تھا اور آپ بھی بچپن میں اپنے والدین کے ساتھ روم چلے گئے اور اسی سبب آپ نے اپنی شاعری میں رومی کا لفظ بطور تخلص استعمال کرنا شروع کر دیا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد سے پائی۔آپ کے والد نے اپنے شاگرد اور مرید خاص مولانا برہان الدین کو آپ کا استاد مقرر کیا آپ نے اُن ہی کی شاگردی میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔18 سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی۔ 19 سال کی عمر میں مولانا روم اپنے والد کے ساتھ قونیہ میں آئے۔اس دور میں دمشق اور حلب علم وفن کے بہت بڑے مرکز تھے۔ آپ نے ان شہروں کی درسگاہوں سے بھی استفادہ کیا۔آپ کے والد نے اسی عرصہ میں ترمز کے مشہور شہر میں وفات پائی۔اور والد ماجد کی وفات کے بعد آپ نے قونیہ میں مستقل رہائش اختیار کی۔والد محترم کی وفات کے بعد آپ نے 25 سال کی عمر میں

تکمیل علوم کے لئے ملک شام کا سفر کیا۔ کچھ دن حلب کے مدرسہ جلا دیہ کے دار الاقامہ میں قیام کر کے جناب کمال الدین بن عدیم سے فیض حاصل کیا۔ پھر سات سال تک شہر دمشق میں علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علم کلام، علم فقہ اور اخلاقیات میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔

آپ کے والد نے آپ کو یوں وصیت فرمائی: ''مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے حضرت سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کے وقت وصیت کی: ''اے میرے بیٹے جلال الدین محمد! میں تو اب اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں اور وہاں ذاتِ حق کے انوار کی خدمت میں رہوں گا اور عالم غیب کے اخبار نویس اور ملأ اعلیٰ کے قاصد ہمیشہ اہل دنیا کے اخلاق و معاملات ان ارواح کو پہنچاتے ہیں جو پہلے اس دنیا سے رخصت ہو کر آسمان پر جا چکی ہوتی ہیں کہ تمہارے عزیز و اقارب کس حال میں ہیں اور کن کاموں میں مشغول ہیں لہٰذا میرے بعد ایسے کام کرنا کہ مجھے اچھی خبریں ملیں اور مجھے (میری روح کو، میری مجسم روح کو) دوسری ارواح کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔'' (مناقب رومی، ص 550)

روحانی مقامات کا حصول کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ جس کی قسمت میں روزِ ازل لوحِ محفوظ میں لکھا جاتا ہے اسی کو مقررہ وقت پر ملتا ہے البتہ آثارِ ولایت کا ظہور بچپن میں ہی ہونے لگتا ہے۔ بقول شاعر:

متھے ازل تھیں جنہاں تے مُہر لگی
سوئیو انت نوں منظوریاں پانودے نیں

اس بات کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''میرا جلال الدین محمد یعنی مولانا روم ابھی چھ سال کا تھا۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن دیگر ہمجولیوں کے ساتھ مکان کی چھت پر کھیل رہا تھا۔ ایک لڑکے نے کہا کہ چلو اس چھت سے دوسری چھت پر کودیں۔ یہ سن کر مولانا روم نے کہا کہ یہ کام تو کتے بلیاں اور دوسرے جانور بھی کر سکتے ہیں اگر ہمت ہے تو چلو آسمان کی طرف پرواز کریں۔ جونہی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ لڑکوں نے اس پر شور مچا دیا۔ کچھ دیر بعد مولانا روم دوبارہ ظاہر ہوئے لیکن اُن کا رنگ فق ہو چکا تھا اور آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو لڑکوں کے پوچھنے پر بتایا کہ جس وقت میں نے آسمان کی طرف پرواز کی بات کی تو فرشتوں کی ایک جماعت ظاہر ہوئی اور وہ مجھے اُٹھا کر آسمان پر لے گئی جہاں انہوں نے مجھے عالم ملکوت کے عجائبات دکھائے۔ جب تم لوگوں نے شور برپا کیا تو وہ مجھے واپس لے آئے۔ مولانا بچپن میں ہی تین چار دنوں کے بعد صرف ایک مرتبہ کھانا کھایا کرتے تھے اور خواجہ فرید الدین عطار نیشاپوری کی عطا کردہ ''مثنوی اسرار نامہ'' پڑھتے رہتے تھے۔ (یاد رہے کہ یہ وہی فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے تذکرۃ الاولیاء لکھی تھی اور جو چنگیز خان کے لشکر کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔)

آپ کتنے ہر دلعزیز، حلیم الطبع، صابر و شاکر، قناعت پسند، رحم دل اور دوسروں کا خیال رکھنے والے تھے یہ درج ذیل سے

خوب خوب واضح ہوجائے گا۔

آپ جب تک تصوف اور دائرۂ روحانیت میں نہیں آئے تھے، آپ کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کے روپ میں بھی انتہائی پرکشش تھی۔ دور دور تک آپ کے علم کی شہرت تھی۔ سارا شہر آپ کی بے حد عزت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ بازار سے گزر رہے تھے بہت سے بچے آپ کے گرد جمع ہوگئے اور آپ کے ہاتھ چومنے لگے۔ ایک بچہ قریب آیا اور کہا آپ ابھی جائیں نہیں، میں یہ سودا گھر دے کر آتا ہوں۔ میں نے بھی آپ کا ہاتھ چومنا ہے۔ آپ وہیں کھڑے رہے کافی دیر بعد وہ بچہ دوڑتا ہوا آیا اور سلام کر کے آپ کا ہاتھ چوما۔ آپ نے بچے کو بہت پیار کیا اور پھر وہاں سے چلے گئے۔ ایک دن آپ ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ دیکھا تو راستے میں ایک کتا سویا ہوا ہے۔ آپ وہیں رُک گئے۔ جب کتا نیند پوری کر کے اُٹھا اور چلا گیا تو پھر آپ وہاں سے گزرے۔ خلیفۂ وقت کے پاس جو فتوے آتے تھے آپ اُن کا جواب لکھتے تھے۔ آپ کو 15 دینار ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ جب کام بہت بڑھ گیا تو خلیفہ نے شیخ صدرالدین کو بھی اسی کام پر مقرر کر لیا مگر ان کو معاوضہ ہزاروں روپے ملتا تھا۔ کسی نے کہا آپ کو صرف پندرہ دینار ملتے ہیں اور شیخ صدرالدین کو ہزاروں روپے معاوضہ ملتا ہے۔ فرمایا اُن کی ضرورتیں بھی اتنی ہی ہوں گی۔ میرے خیال میں میرے پندرہ دینار بھی شیخ صدرالدین کو ملنے چاہئیں۔ میرے پاس تو اکثر یہ پندرہ دینار بھی پڑے رہتے ہیں۔ آپ کئی کئی دن کھانا ہی نہیں کھاتے تھے۔ بے حد قناعت پسند تھے، رحم دل اور بلند اخلاق کے مالک تھے۔

ایک مرتبہ کہیں سے شیرینی آئی، وہ ایک طرف پڑی رہی بہت سے لوگ جمع تھے۔ کسی نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا کتا آیا اور اس نے شرینی کھانی شروع کر دی۔ لوگوں نے کتے کو مارنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اسے کھانے دیں اس کی بھوک انسان سے بہت تیز ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالکِ کائنات نے جن خوش نصیب روحوں کو روحانی میدان میں نمایاں آگے لانا ہو یا جن کے نصیب میں ازل سے یہ خوش نصیبی لکھ دی ہو تو قادرِ مطلق اسے باطنی طریقوں سے یعنی جلدی سے نہ معلوم ہونے والے انداز سے بچپن ہی سے مختلف غیر معمولی واقعات، حالات اور اُن کے نتائج کے ذریعے روحانیت کی جھلکیاں بطور تعارف دکھاتے رہتے ہیں اور جب کسی کی روحانی قابلیت یا روحانیت کو آشکارا کرنے کا وقت آتا ہے تو باطنی روحانیت کشف و کرامات کے سبب آشکارا ہو جاتی ہے یا روحانیت کا حامل اور طالب وہ فرد اپنی رہنمائی کے لئے کسی مرشد کامل کے پاس جاتا ہے اور اس کی مریدی، شاگردی میں رہ کر پروان چڑھتا ہے اور روحانیت کے مدارج طے کرتا ہے۔ اتنی وسیع کائنات میں بھی قادرِ مطلق کی طرف سے ہر فرد کے لئے جداگانہ حکم ہے، جداگانہ شکل ہے، انداز ہے بلکہ میں تو اس بارے میں یہ کہوں گا کہ اس قادرِ مطلق کی قدرت سے کائنات میں ہر کچھ کے لئے، ذرہ ذرہ کے لئے جداگانہ حکم ہے۔

حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کے لئے بھی ایک جداگانہ حکم ہوا وہ یہ کہ مرشد چل کر ہونے والے مرید کے پاس جائے، اُسے بیعت کرے اور روحانیت کے مدارج طے کرائے۔ اس نکتہ کو واضح کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آگے

بڑھنے سے پہلے اب اس موقع پر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالاً ذکر کر دیا جائے تا کہ قارئین کرام اس موضوع سے پوری طرح مستفید ہو سکیں۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے والد نام علاؤالدین تھا۔ وہ کیا "بزرگ" کے خاندان سے تھے "کیابزرگ" ایک شخص کا نام تھا جو فرقہ اسماعیلیہ کے امام تھے۔ مگر شمس تبریزؒ نے اس مسلک کو چھوڑ کر تصوف کا مسلک اختیار کیا۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے مگر عام صوفیوں کی طرح پیری، مریدی اور ارادت کا طریقہ اختیار نہ کیا۔ یعنی کہ روایتی انداز میں زیادہ مرشد کے پاس ہی نہ رہے بلکہ سوداگروں کی طرح شہر شہر پھرتے اور سیر و سیاحت کے فوائدِ جمیلہ سے بہرہ اندوز ہوتے۔ جہاں بھی جاتے کارواں سرائے میں رہتے۔ وظائف اور مجاہدات میں مصروف رہتے، ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ کمرے کا دروازہ بند رکھتے اور مراقبے میں رہتے۔ گزراوقات کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ آزاربند خود بنا کر بیچتے اور کھانے پینے کا بندوبست کر لیتے۔ ایک مرتبہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ یارب العالمین! کوئی ایسا بندہ مل جائے جو میری صحبت کے لائق ہو۔ اسی وقت اشارہ ہوا کہ روم چلے جاؤ۔ یہ اشارہ پا کر آپ قونیہ آ گئے۔ ایک رات سرائے میں گزاری۔ سرائے کے باہر ایک چبوترا تھا آپ نے اسی پر ڈیرا جمالیا۔ اور پھر ایک دن جب مولانا روم اپنے گھر میں شاگردوں کے ساتھ بیٹھے تھے اور چاروں طرف کتابیں بکھری پڑی تھیں اتنے میں وہاں ایک قلندرانہ شان والا درویش آیا، بالکل فقیرانہ انداز۔ اس نے آتے ہی مولانا جلال الدین رومی سے کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ کیا ہے؟ مولانا نے اپنے عالمانہ جاہ و جلال میں جواب دیا یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد ایک دم کتابوں میں آگ بھڑک اُٹھی۔ مولانا نے درویش سے کہا یہ کیا ہے؟ درویش نے قلندرانہ لہجے میں کہا یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔

کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو یوں بھی لکھا ہے کہ جب مولانا سے اس قلندر نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو مولانا نے کہا یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ قلندر نے کتابیں اُٹھا کر قریب ہی ایک حوض تھا اس میں پھینک دیں۔ مولانا نے گھبرا کر کہا یہ کیا ہے؟ قلندر نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ مولانا پریشان ہوئے۔ قلندر نے ہاتھ ڈال کر کتابیں باہر نکال دیں۔ ان کتابوں کا غذوں پر ایک قطرہ بھی پانی کا نہیں پڑا تھا، نہ بھیگی تھیں نہ کوئی ورق ہی خراب ہوا تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر مولانا قلندر کے قدموں پر گر پڑے۔ قلندر کی نگاہ سے آپ کا دل روشن ہو چکا تھا۔ یہ مولانا رومی اور حضرت شمس کی پہلی ملاقات تھی، پھر یہ حالت ہو گئی:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس و تبریزی نہ شد

آپ نے اس درویش کی بیعت کر لی اور اس کے زیرِ نگاہ باطنی علوم حاصل کئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں کمال کو پہنچ گئے۔ روحانی میدان میں مرشد کی صحبت سے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ پر ایسی حالت طاری ہو گئی جس میں ہر وقت مست رہتے۔ تن بدن کا ہوش نہ رہا، نہ شاگردوں کا، نہ کتابوں کا، نہ گھر والوں کا، یعنی کہ آپ مستقل حالتِ

استغراق میں رہنے لگے۔اس حالت میں شاگردوں اورگھروالوں میں سخت پریشانی ہوئی جوبڑھتے بڑھتے حسد کی حد تک پہنچ گئی۔ وہ لوگ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے درپے آزار ہو گئے۔ان لوگوں نے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کواس درجہ خوفزدہ کیا کہ وہ قونیہ چھوڑ کر دمشق چلے گئے۔اپنے مرشد کامل کی جدائی سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد تکلیف پہنچی۔مرشد کی جدائی میں ہر وقت غمزدہ رہنے لگے۔کہتے ہیں اسی جدائی کے غم میں آپ نے شاعری شروع کردی۔مرشد کی نگاہ نے ذہن ودل پر ایسے اثرات مرتب کئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایسی توفیق عطا کی کہ مثنوی مولانا روم جیسا شاہکار تخلیق ہوا۔صدیاں گزر جانے پر بھی اس کی اثر پذیری میں سرِمو فرق نہیں آیا۔مثنوی مولانا روم روحانیت کا ایک ایسا شاہکار ہے جس میں معرفت طریقت عرفانِ الٰہی کے تمام گوشے روشن ہو گئے اور مولانا روم نے نکات ولایت کھول کھول کر بیان کئے۔

قارئین کرام!اب درج ذیل دو چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں جن کے متعلق میں اس کتاب کا مصنف عوام الناس کو مغالطے سے بچانے کے لئے کچھ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔پہلی بات تو یہ کہ یہ برگزیدہ بندے ایسی باتوں سے اپنے مریدوں،پیروکاروں،معتقدین کو آزماتے ہیں کہ ان کی عقل کتنی صحیح ہے اور مرشد پر ایمان کی کیا نوعیت ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ کسی منطقی انجام کے لئے،حل کے لئے،دنیا سے دوری کے لئے مشیت ایزدی کے تحت ایسا کرتے ہیں جو کہ عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے۔تیسری بات یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے ہر کچھ میں خالق ومالکِ کائنات کو دیکھتے ہیں۔ان کی نظر کسی صورت بھی نفسانی نظر نہیں ہوتی۔اولیاء اللہ کے لئے عورت،پھول،تنکا،لکڑی،کیڑا،مکھی سب ایک ہی ہیں۔وہ عشق حقیقی میں ڈوبے ہوتے ہیں اور ہر کچھ میں اپنے محبوب (اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ) کے جلوے،شانیں،عظمتیں،حکمتیں،رفعتیں اور کرم فرمانیاں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔اور ان نظاروں سے ان کا جی نہیں بھرتا بلکہ طلب کی پیاس اور بھڑک اُٹھتی ہے۔بعض دفعہ یہ برگزیدہ لوگ ایسی جگہ ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں جہاں عام لوگوں کو کچھ بھی نظر نہیں آرہا ہوتا۔بعض دفعہ تو یہ خلاؤں میں گھورتے ہیں اور صبح سے شام تک ایک ہی جگہ جامد وساکت کھڑے رہتے ہیں۔حضرت بشر حافیؒ کے باب میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک شب آپ کی بہن نے آپ کو گھر کی ایک سیڑھی پر گم صم کھڑے دیکھا اور صبح سیڑھیوں کی طرف گئیں تو دیکھا کہ حضرت بشر حافیؒ ابھی تک وہیں اور اسی انداز میں گم صم کھڑے ہیں۔اس لئے آپ سب سے میری دست بستہ گزارش ہے کہ اولیاء اللہ کی ایسی باتوں کو یا واقعات کو دنیاوی رنگ وڈھنگ سے نہ دیکھیں اور نہ انہیں منفی انداز سے بیان کریں۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کے متعلق مختلف روایتوں کے مطابق ایک دن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرانے آئی۔آپ اس کا خوبصورت چہرہ تکتے ہی رہ گئے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے،انہوں نے مرشد سے کہا یا حضرت!کنیز آپ کو پسند ہے؟وہ کنیز مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے نکاح میں دے دی۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کو یہ ناگوار گزرا۔کہتے ہیں انہوں نے شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرا دیا۔بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مولانا کی جذب ومستی کی حالت اہل خانہ اور مریدوں نے گوارا نہ کی،وہ اس کیفیت استغراق،جذب،لاشعوری کو غلط سمجھے۔شاید وہ اسے

جادو یا نشہ کا اثر سمجھے اور بدگمان ہو گئے، انہوں نے حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کو قتل کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی یہ حالت حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کے باعث ہوئی ہے۔ یہ بھی روایت ہے آپ کے صدمہ کے سبب ایک دفعہ احباب حضرت شمس تبریزؒ کو واپس لے آئے تھے لیکن تھوڑے دن رہ کر پھر حضرت شمس تبریزؒ کہیں غائب ہو گئے اور تلاش بسیار کے باوجود ان کا پتہ نہ چلا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کو کسی نے شہید کر ڈالا۔

پہلی ملاقات کے بعد مرشد اور مرید ایک ماہ تک زرکوب صلاح الدین کے حجرہ میں چلہ کش رہے۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ چلہ کشی کے دوران کھانا پینا موقوف رہا۔ زرکوبی ایک پیشہ ہے جس میں چاندی اور سونے کے ورق بنائے جاتے ہیں اور وہ ورق اکثر مٹھائیوں پر سجاوٹ کے طور پر چپکائے جاتے ہیں۔ جس طرح لوہے کا کام کرنے والے کو لوہار کہتے ہیں۔ اسی طرح سونے چاندی کے ورق بنانے والے کو زرکوب کہتے ہیں۔

پھر ایک دن جب صلاح الدین زرکوب چاندی کے ورق کوٹ رہا تھا اور اس کی ہتھوڑی کی چوٹ با قاعدہ ردہم میں پڑ رہی تھی۔ آواز کے اس سرگم میں مرشد اور مرید قریب آئے تو ہتھوڑی کی چوٹ پر دونوں نے ایسی دھمال ڈالی کہ زمین لرزنے لگی۔ صلاح الدین نے بھی ہتھوڑی روکی نہیں۔ کافی مدت تک یہ جذب ومستی اور دھمال کا دور جاری رہا۔ اور صلاح الدین زرکوب بھی آپ کے رنگ میں رنگے گئے۔ ان دنوں مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ پر جذب ومستی کی لمبی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ کو شاگردوں مریدوں، اور گھر والوں کی کوئی خبر نہیں رہی۔ صرف ایک مرید خاص خدمت کے لئے حاضر رہتا۔ پھر ایک وقت آیا کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ جو سماع کے خلاف تھے ہر وقت سماع سنتے رہتے۔ اس کیفیت میں جب مرید اور گھر والے حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کے زیادہ ہی خلاف ہو گئے اور سخت گیر رویہ اختیار کیا تو مرشد حضرت شمس تبریزؒ اپنے مرید کو چھوڑ کر دمشق چلے گئے۔ مرشد کی جدائی نے مولانا کو مضطرب کر دیا اور دل و دماغ پر ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ دین و دنیا کا ہوش نہ رہا۔ صلاح الدین زرکوب کے پاس جاتے اور ہتھوڑی کی چوٹ پر دھمال ڈالتے رہتے۔ گھر والوں کو یہ انداز پسند نہ آیا اور گھر میں پریشانی رہنے لگی۔ گھر والوں نے اس حالت، حال و پریشانی کا ذمہ دار حضرت شمس تبریزؒ کو ٹھہرایا اور اسی بدگمانی میں آپ کے بیٹے حضرت شمس تبریزؒ سے نالاں ہو گئے۔

صلاح الدین کے بعد آپ کو حسام الدین چلپی بہت عزیز تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے کہنے پر ہی مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے مثنوی لکھی۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی ایسی ہے جس کی تشریح اور اس کی شان اور عظمت پر سینکڑوں کتابیں دنیا کے بڑے بڑے مفکروں نے لکھی ہیں۔ مشرق و مغرب میں مولانا کی مثنوی پر بڑا کام ہوا ہے۔ صلاح الدین زرکوب نے 664ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے اپنے مریدوں میں سے حسام الدین چلپیؒ کو اپنا ہمدم و ہمراز بنا لیا اور جب تک زندہ رہے ان سے اپنے آپ کو تسلی دیتے رہے۔ آپ اپنے مرید حضرت حسام الدین چلپیؒ کا بہت احترام کرتے تھے۔

شیخ چلپی حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ، مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے مولانا سے کہا کہ "الٰہی نامہ، حکیم

سنائی اور منطق الطیر شیخ عطار اور ان کے مصیبت نامہ'' کے طرز پر آپ بھی کوئی کتاب لکھیں جو بعد میں آنے والوں کے لئے باعث رہنمائی اور یادگار رہو۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اپنی دستار کے کونے سے ایک کاغذ کھول کر چلپی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ جس پر اٹھارہ بیت اول مثنوی کے لکھے ہوئے تھے۔ بعد میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبل اس کے کہ تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں بات القا کی گئی تھی کہ اس قسم کی کتاب جو نظم کی صورت میں ہو تحریر کرو۔ اس کے بعد مثنوی کی تصنیف شروع ہو گئی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ رات کے پہلے پہر سے طلوع فجر تک مولانا روم مثنوی کے اشعار بولتے جاتے اور چلپی حسام الدینؒ انہیں لکھتے جاتے۔ بعد میں چلپی رحمۃ اللہ علیہ تمام لکھے ہوئے کو بلند آواز میں پڑھ کر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو سناتے تاکہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اس کو درست کر لیا جائے۔ چلپی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ جب لوگ اس مثنوی کو سنتے تھے تو ایک غیبی جماعت ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے ظاہر ہوتی اور جو لوگ غور اور اخلاص سے اُس کو نہیں سنتے تھے، وہ تلوار پر وار اُن کے ایمان کی جڑوں اور دین کی شاخوں کو کاٹتے ہیں اور انہیں گھسیٹتے ہوئے دوزخ میں پھینکتے جاتے ہیں۔ میں نے اس بات کا ذکر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے جیسا تم دیکھتے ہو۔ میں یہ کتاب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے لکھواتا ہوں۔ اور میری شاعری الہامی شاعری ہے اس میں اسلام کے حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں اور یہ کوئی افسانہ نہیں ہے۔ بلکہ فارسی زبان میں قرآن ہے اور پھر درج ذیل شعر فرمایا:

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآن در زبانِ پہلوی

نوٹ: پہلوی سے مراد بادشاہوں کی زبان ہے جو کہ ایران کے شاہی خاندان میں بولی جاتی تھی اور عوام الناس بھی اسے بولتے تھے۔ اس سے مراد فارسی زبان ہے۔

آپ کا قرآن وسنت، احادیث وحقائق کائنات کے سمجھانے کا انداز بہت ہی نرالا تھا اور وہ یہ کہ کسی نکتہ کو سمجھانے کے لئے اس کے تناسب سے کوئی حکایت بیان کی اور پھر اس کا لب لباب شعر کی شکل میں پیش کر دیا۔ مثال کے طور پر ایک دو حکایات درج ذیل ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرِ راہ ایک گڈریے کو دیکھا جو اس طرح مناجات کر رہا تھا: ''اے میرے پیارے خدا! تجھ پر میری جان، میرے تمام فرزند اور گھر بار قربان ہوں، تو کہاں ہے؟ اگر تم مجھے مل جائے تو دل و جان سے تیری خدمت کروں، تیرے سر میں کنگھی کروں، بالوں سے جوئیں نکالوں، تیرے کپڑے سیوں، تیرے جوتے گانٹھوں، اگر تو بیمار ہو جائے تو تیری تیمارداری کروں، تیرے ہاتھ چوموں اور تیرے پاؤں دباؤں، تیری خواب گاہ کو صاف کروں۔ اگر تیرا گھر دیکھ لوں تو صبح وشام دونوں وقت دودھ اور گھی تیری خدمت میں پیش کروں اور پنیر، پراٹھے قسم قسم کے مزیدار مشروبات اور دہی اور چھاچھ صبح وشام تیرے لیے لایا کروں۔ بس میرا کام لانا ہو اور تیرا کام کھانا۔ اے وہ کہ جس پر میری ساری بکریاں فدا ہوں، میری یہ تمام آہ وفغاں تیرے

دیدار کے لئے ہے۔

وہ گڈریا اس طرح بے تکی ہانک رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے ٹوکا اور پوچھا: ''اے شخص تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے مخاطب ہے؟'' اس نے کہا کہ ''اس سے جس نے ہمیں پیدا کیا اور جس کی قدرت سے یہ زمین اور آسمان پیدا ہوئے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے جاہل! تو کافر ہو گیا تو یہ کیا بک رہا ہے، اگر خاموش نہیں رہ سکتا تو منہ میں رُوئی ٹھونس لے۔ تیرے کفر نے دین کے قیمتی لباس کو گدڑی بنا دیا ہے، جوتی جوڑا تو تجھ جیسوں کے لئے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ان کی کیا ضرورت ہے؟ اگر تم اپنی بکواس بند نہیں کرو گے تو آسمان سے قہرالٰہی نازل ہو گا، اور ساری مخلوق کو بھسم کر ڈالے گا۔ اے بیوقوف! تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں جانتا۔ وہ ایسی خدمت گزاری سے بے نیاز ہے۔ ذرا اتنا تو سوچ کہ تو ایسی باتیں کس سے کر رہا ہے؟ دودھ تو وہ پیتا ہے جو بڑھنے والا ہو اور جوتے وہ پہنتا ہے جس کے پاؤں ہوں۔ گڈریے نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ نے میرا منہ بند کر دیا ہے اور پشیمانی کی آگ سے میری جان جلا ڈالی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ایک سرد آہ بھر کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ''اے موسیٰ! (علیہ السلام) تو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کیوں کر دیا؟ تو دنیا میں بندوں کو خدا سے ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ اُن کو دور بھگانے کے لئے۔ ہم نے ہر شخص کی سیرت جدا بنائی ہے اور ہر شخص کو بات کرنے کی جدا اصلاحیت دی ہے۔ جو بات اس کے لئے اچھی ہے وہ تیرے لئے بُری ہے، جو تیرے لئے زہر ہے اس کے لئے شہد ہے۔ جو اس کے حق میں نور ہے، وہ تیرے لئے آگ ہے۔ جو اس کے حق میں گلاب کا پھول ہے وہ تیرے حق میں کانٹا ہے۔ میں نے یہ مخلوق اس لئے پیدا نہیں کی کہ کوئی فائدہ اُٹھاؤں بلکہ اس لئے کہ بندوں پر احسان کروں، میں فقط اُن کی تسبیح سے پاک نہیں ہوتا میں تو پاک ہی ہوں لیکن وہ خود ہی اس تسبیح کی بدولت گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ ہم کسی کے ظاہری قول کو نہیں دیکھتے ہیں۔ اس الفاظ کے گورکھ دھندے کی کوئی اہمیت نہیں۔ میں تو دل کا سوز دیکھتا ہوں۔ اے موسیٰ! (علیہ السلام) آداب کے جاننے والے اور ہیں اور دل جلے اور ہیں۔

ملت عشق از ہمہ دین ہا جدا است

عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

(مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: عشق کا مذہب تمام دینوں سے جدا ہے۔ عاشقوں کا مذہب وملت صرف خدا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی سے یہ سنا تو بے تاب ہو کر اس گڈریے کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ بڑی مشکلوں سے اسے ڈھونڈا اور فرمایا بھائی مبارک ہو تجھے اجازت مل گئی۔ جس طرح چاہے اپنے مالک سے باتیں کر۔ گڈریے نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام اب میں اس مقام سے گزر گیا ہوں۔ اب تو میں اپنے خون سے نہایا ہوا ہوں اور سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے لاکھوں برس کا فاصلہ طے کر گیا ہوں لہٰذا اب میرا حال بیان سے باہر ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے، ظاہر کو نہیں ۔(حکایات رومی، ص 75)

ایک دفعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ "اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تمہیں اتنے بلند درجات عطا کئے ہیں لیکن تم میری عیادت کو نہیں آئے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ "اے مالکِ دو جہاں آپ تو ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہیں، پھر آپ کی عیادت کے کیا معنی؟" حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ "میرا فلاں بندہ بیمار ہے اس کی بیماری میری بیماری ہے اور اس کی عیادت میری عیادت ہے۔"

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا

او نشیند در حضورِ اولیاء

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے ہم نشینی چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوستوں سے ہم نشینی کرے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت بیان کی کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص مرید ہونے کے لئے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ دُنیا میں جو مشہور گناہ ہیں اُن میں سے کوئی گناہ تم نے کیا ہے یا نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ پہلے کوئی گناہ کرو پھر توبہ کر کے میرے پاس آنا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ کرنے سے تم میں اپنی پاکبازی کا تکبر پیدا ہو جائے اور اس سبب تو اللہ کو پانے سے محروم رہے۔ اس لئے کہ عبادت کے دیکھنے سے تکبر بڑھتا ہے اور گناہوں کے دیکھنے سے عجز و انکساری پیدا ہوتی ہے اور اللہ کو تکبر نہیں بلکہ عجز و انکساری پسند ہے۔ (مناقب رومی، ص 457)

مولانا شمس الدین ماردینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور، سرورِ کونین ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ جب میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ میں نے دوسری جانب جا کر پھر سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس وقت میں نے رو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سالہا سال محض حضور ﷺ کی عنایت کی توقع پر تکلیفیں اُٹھائیں، تحقیق احادیث آثار میں کوشش کی، دین میں دن رات محنت کر کے مشکل مسائل کا حل پیش کیا پھر بھی خدا جانے آپ ﷺ مجھے چہرۂ انور کی زیارت کیوں نہیں کراتے۔ اس پر حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے سچ ہے لیکن تم میرے دوستوں کو نہیں مانتے جو مجھے پسند نہیں۔ تمہاری یہی حرکت تمہارا سب سے بڑا جرم ہے اور بڑی خیانت ہے۔ خصوصاً مولانا روم تو میرا فرزند اور میری جان ہے۔ شمس الدین کہتے ہیں کہ میں نے صبح بیدار ہو کر توبہ کی اور حضرت مولانا رومؒ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ (مناقب رومی، ص 379)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ منبر پر بیٹھ کر حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر رہے تھے۔ فخر اولیاء اللہ حضرت شمس الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک کونے میں ایک عجیب وضع قطع کا شخص بھی بیان سن رہا ہے اور حضرت مولانا رومؒ کی تائید میں سر ہلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں صحیح ہے۔ شمس الدین کو خیال گزرا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں وہ اُن کے پاس پہنچے اور اُن کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری مدد کیجئے۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے

جواب دیا کہ ہم سب مولانا رومؒ کی امداد کے طلب گار ہیں۔ بلکہ کل ابدال، اوتاد، افراد، اوراقطاب کے بادشاہ مولانا روم ہی ہیں لہٰذا جو کچھ درکار ہے مولانا سے طلب کرو۔ یہ کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے۔ شمس الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کرنے آگے بڑھا تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت خضر علیہ السلام بھی تو ہمارے عاشقوں میں سے ہیں۔ یہ سن کر شمس الدین عطار آپ کے قدموں میں گر گئے اور پھر مریدوں میں شامل ہو گئے۔ (مناقب رومی، ص 383)

دیکھئے درج ذیل میں آپ کس خوبصورتی سے اس نکتہ کو سمجھاتے ہیں کہ روحانیت میں مرتبہ معشوقی مرتبہ عاشقی سے بلند ہوتا ہے۔

ایک روز مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ زمانہ کیسا عمدہ ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلطان ولد تم نے اس زمانے کی تعریف کس اعتبار سے کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ پہلے زمانے میں انا الحق کہنے پر منصور حلاج کو سولی پر چڑھایا گیا۔ کئی مرتبہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ملک بدر کیا گیا کیونکہ وہ سبحانی ما اعظم شانی کا کلمہ سرزد کرتے تھے حتیٰ کہ وہ اسی ملک بدری میں فوت ہوئے۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے اولیاء کرام اور مشائخ عظام کو قتل کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ کئی انبیاء کرام بھی قتل کر دیئے گئے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے لیکن آپ نے اپنے اشعار میں کئی دفعہ ایسے کلمات کہے ہیں مگر کسی کی جرأت نہیں کہ آپ کی گرفت کرے یا آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر فرمایا کہ پہلے لوگوں کو عاشقی کا مرتبہ ملا تھا لیکن مجھے مرتبہ معشوقی ملا ہے معشوق ہمیشہ فرمانروا ہوتا ہے۔ (مناقب رومی، ص 476)

آپ حضرت منصور بن حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے نعرہ انا الحق کو کئی اور بزرگانِ دین کی طرح درست قرار دیتے ہیں۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت منصور بن حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی موت کا تاریخی پس منظر مختصراً پہلے بیان کر دیا جائے۔

حلاج کی تبلیغ سے متاثر ہو کر جو کہ عقیدہ حلول اور عقیدت وحدت الوجود اور عقیدہ ہمہ اوست پر مبنی تھا، کچھ لوگوں نے قوم کی اخلاقی و سیاسی اصلاح کے لئے بغداد میں ایک تحریک شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس تحریک کے روح رواں خلیفہ مقتدر کے ایک وزیر ابن عیسیٰ تھے، جو کہ منصور کے مریدوں میں شامل تھا۔ ابن عیسیٰ کو ابن الفرات کی سازشوں کے باعث وزارت سے ہٹا دیا گیا۔ اور حامد بن عباس کو وزیر بنا لیا گیا جو کہ شیعہ مسلک کا آدمی تھا اور ابن عیسیٰ کو اپنا حریف سمجھتا تھا۔ اس شخص (حامد بن عباس) نے ابن عیسیٰ کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لئے اس کے مرشد کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کر کے انہیں گرفتار کرا دیا اور بعد میں ان پر زبردستی فتویٰ لگا دیا گیا اور آخر کار نہایت بے دردی سے اس یکتائے زمانہ انسان کو قتل کرا دیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی میں امام قشیری، شیخ فریدالدین عطار، شیخ عبدالوہاب شوانی، شیخ ابن غزالی، امام ابوبکر شبلی، شیخ ابوالقاسم، ابوالعباس، ابن عطاء، امام محمد بن حنیفہ، امام محمد، علامہ عبدالرؤف مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور

دوسرے کئی بزرگانِ طریقت اور علماء فقہاء کی طرح حضرت منصور حلاجؒ کو عارف کامل اور ان کے نعرۂ انا الحق کو جائز قرار دیتے ہیں۔(منصور حلاج صفحہ 307)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شیخ منصور نے انا الحق کہا اور شرع سے آگے نکل گئے تو اہل بصیرت نے ان کے اس فعل کو خلافِ شرع نہیں سمجھا صرف ان لوگوں نے مخالفت کی جو بصیرت نہیں رکھتے تھے۔عارفوں اور سالکوں کے نزدیک باطن کو ظاہریت پر فوقیت حاصل ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی ذات کو خدا کی ذات میں فنا کر دیتا ہے وہ باقی رہتا ہے اور دائمی اور ابدی زندگی جاتا ہے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے عالم وجد میں ان کے انا الحق کہنے کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خدا بن گئے ہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کی ذات میں فنا کر دیا ہے۔اسی فنا کے بعد بقا کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔اور یہ ''من تو شدم تو من شدی'' کا مقام ہے۔

فرعون نے فنائے بشریت کے بغیر ''انا الرب'' (میں رب ہوں) کہا جو نا جائز تھا اور حضرت منصور حلاج نے فنائے بشریت کے بعد وہ مقام حاصل کیا جس پر پہنچ کر انہوں نے فخر سے ''انا الحق'' کہا۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعرۂ انا الحق'' کو درست قرار دیتے ہوئے قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ دیا جس میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''مَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ'' یعنی یہ مٹی تم نے نہیں ہم نے پھینکی ہے۔

حضرت مولانا رومؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا کوئی شخص بغیر مرشد کی رہنمائی کے منزل مقصود تک پہنچا ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولاناؒ نے فرمایا کہ ایک درویش بغیر تلقین شیخ خود بخود ذکر و شغل کرنے لگا اور وِرد و وظائف اور مجاہدات میں سخت محنت کرنے لگا۔ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ میرے منہ سے نور نکلتا ہے اور زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔خواب سے بیدار ہوا تو بہت رنجیدہ اور پریشان ہوا۔کسی شیخ وقت کے پاس حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔شیخ نے فرمایا بغیر تلقین مرشد ذکر و مجاہدات کرنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔پھر اس شیخ وقت نے اس کو ذکر تلقین کیا۔اسی رات اس درویش نے خواب دیکھا کہ اس کے منہ سے نور نکلتا ہے اور عرش عظیم تک پہنچتا ہے۔اب تم خود ہی دیکھ لو کہ بغیر مرشد کی تعلیم و تربیت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ایسے شخص کی اطاعت و ریاضت بھی بیکار جاتی ہے۔پھر آپ نے فرمایا کہ **لا دین لمن لا شیخ لہ** یعنی بے دین ہے وہ جس کا کوئی شیخ یعنی مرشد نہیں۔

دست را مسپار جز در دست پیر
حق شداست آن دست او را دست پیر

ترجمہ: ''پیر کے ہاتھ کے بغیر اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دے۔سچے پیر کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لے۔'' (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جلسے میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت یہ ہے (یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے، طریق کار ہے) کہ پہلے بندے کو خود قبول کرتا ہے اس کے بعد اپنے بندوں کے پاس بھیجتا ہے تا کہ ان کی صحبت کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ شیخ یعنی مرشد کی حیثیت اپنے مریدوں میں وہی ہوتی ہے جو حیثیت نبی کی اپنی اُمت میں ہوتی ہے۔ نبی بھی اُمت کو احکامِ الٰہی پہنچاتا ہے اور شیخ بھی احکامِ الٰہی اپنے مریدوں تک پہنچاتا ہے۔ (نبی کی موجودگی میں کسی رہبر و رہنما کی ضرورت نہیں ہوتی اس کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب نبی اور اُس کے تربیت یافتہ اصحاب باقی نہ رہیں۔) جس کا کوئی رہبر و رہنما یعنی شیخ نہیں اس کا دین نہیں۔ (مناقب رومی، صفحہ 466)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سچے شیخ کی یہ نشانی ہے کہ وہ مرید کی بغیر اطلاع کے اس کے کام سنوار دے حتیٰ کہ اللہ سے ملادے اور مرید کو کسی قسم کی آزمائش میں نہ ڈالے اور مرید کے وجود کو ایسی اکسیر بنادے کہ جو اس کے ساتھ چھو جائے وہ بھی سونا بن جائے۔ (مناقب رومی، صفحہ 484)

ایک روز حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے سب مریدوں کو وصیت کی کہ جہاں تک ہو سکے شیخ کی صحبت سے جُدا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر شیخ کی صحبت میسر نہ رہے یعنی وہ رحلت کر جائے تو اس کے پیر بھائیوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو شیخ کا کلام پڑھنا چاہیے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ (مناقب رومی، صفحہ 518)

شیخ اور بیعت کے بارے میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادو اشعار:

☆ ترجمہ: کسی شیخ طریقت کا ہاتھ پکڑ لے اس لئے کہ اس کے بغیر سلوک طے کرنا خطرناک ہے۔

☆ جس کسی نے تنہا یہ راستہ طے بھی کیا ہو تو وہ بھی یقیناً کسی کاملِ وقت کی غائبانہ توجہ اور فیض ہی سے منزل مقصود تک پہنچا ہوگا۔

☆ ترجمہ: اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو تو اگر کسی صاحب دل کے پاس پہنچے تو گوہر بن جائے گا۔

☆ یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: اولیائے کرام کی ایک گھڑی کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے۔

☆ صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالح ترا طالح کند

☆ ترجمہ: نیکوں کی صحبت تجھے نیک بنادے گی اور بدوں کی صحبت تجھے بد بنادے گی۔

☆ ترجمہ: جو کوئی بھی بغیر شیخ کے اس راہ پر گامزن ہوا وہ آوارہ درندوں کا شکار ہو گیا۔

☆ ترجمہ: جب تو اولیاء سے دور ہو گیا تو درحقیقت تو خدا سے دور ہو گیا۔

☆ مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

☆ ترجمہ: مولوی جلال الدین کبھی مولائے روم نہ بن سکتے تھے جب تک کہ شمس تبریزیؒ کی غلامی اختیار نہ کرتے۔

☆ ترجمہ: نفس کا مرنا پیر کے بغیر ممکن نہیں۔ نفس کو مارنے والے شیخ کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑ۔

☆ قال را بگزار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

☆ ترجمہ: قیل وقال چھوڑ اور مرد حال بن جاؤ اور اس مقصد کے لئے کسی کامل مرشد کے پاؤں میں پامال ہو جا۔

☆ ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد ہیچ شخصے خود بخود شیخ نہ شد

☆ ترجمہ: خام لوہا خود بخود تلوار نہیں بن سکتا۔ اور خام انسان پیر و مرشد اپنے آپ نہیں بن سکتا۔

مولانا اختیار الدینؒ مولانا رومؒ کے اکابر مریدوں میں سے تھے، وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ حضرت مولانا روم یکا یک اُٹھ کھڑے ہوئے اور وعلیکم السلام کہہ کر بیٹھ گئے لیکن ہم نے وہاں کسی شخص کو نہ دیکھا۔ پھر مولانا روم نے فرمایا کہ ''جو حکم الٰہی ہے اس کی تعمیل کرو انشاءاللہ مجھے صابر پاؤ گے۔'' حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا؟ مولانا نے فرمایا کہ ایک شخص نیلی آنکھوں والا غصہ میں بھرا ہوا ظاہر ہوا اور سلام کر کے کہا کہ میں بخار ہوں۔ میں نے اسے اپنے ہاں تین دن کے لئے آنے کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مولانا روم کو لرزہ (کپکپی چڑھی) آیا اور آپ تین دن متواتر بخار میں مبتلا رہے اس کے بعد بخار جاتا رہا۔ (مناقب رومی، صفحہ 456)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا کلام سارے جہان میں شائع ہوگا۔ کوئی محفل ایسی نہ ہوگی جہاں یہ کلام پڑھا نہ جائے گا۔ یہاں تک کہ عبادت گاہوں اور شراب خانوں میں بھی پڑھا جائے گا اور تمام اقوام عالم اس سے مستفید ہوں گی۔ (مناقب رومی، صفحہ 454) آپ کی تصانیف میں آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ہے جس کا نام ''فِيْهِ مَافِيْهِ'' ہے۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار اشعار کا ایک دیوان ہے جس کو بہت سے لوگ غلطی سے حضرت شمس تبریز کا دیوان سمجھتے ہیں۔ اس مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مقطع میں حضرت شمس تبریزؒ کا نام آیا ہے۔ آپ کی تیسری تصنیف مثنوی ہے جو کہ زندہ وجاوید ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ظاہر و باطن اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور کھانا کم کھانے، کم بولنے اور گناہ اور برائیوں کو چھوڑنے اور روزے رکھنے، قیام کرنے شہوات کو چھوڑنے اور پوری مخلوق کی طرف سے ظلم وجفا کو برداشت کرنے اور بے وقوفوں اور عوام کی مجالس چھوڑ دینے اور صالحین اور بزرگ لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ بے شک سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور اچھا کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور دلائل پر مبنی ہو۔ آپ نے یہ بھی وصیت فرمائی کہ مجھے لحد کے اوپر رکھنا اس لئے کہ میں سب سے پہلے قبر سے اُٹھوں گا۔ (مناقب رومی، صفحہ 571) 672ھ میں قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور چالیس روز تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ آپ نے فرمایا زمین بھوکی ہے کوئی اچھا سا لقمہ تر چاہتی ہے۔ اس کے چند دن بعد ہی آپ شدید علیل ہو گئے۔

مولانا اختیار الدین امام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ آپ کے خلیفہ اعظم تھے، فرماتے تھے کہ وصال کے دن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میری گود میں لیٹے تھے۔ اچانک ایک نہایت خوبصورت آدمی وہاں آیا۔ میں اس کے بے مثال حسن کی تاب نہ لا سکا اور بیہوش ہو گیا۔ مولانا اُٹھے اور اس کا استقبال کیا اور فرمایا کہ میرے شب خوابی کے کپڑے بدل

ڈالو۔وہ نوجوان وہاں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا۔مجھے ہوش آیا تو میں فوراً اس نوجوان کے پاس گیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کیسے آئے ہیں؟اس نے جواب دیا کہ میں عزرائیل ہوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے آیا ہوں تا کہ جو مولانا حکم دیں اس کی تعمیل کروں۔ عزرائیل کا نام سن کر میں ایک بار پھر بیہوش ہوگیا۔اس وقت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا طشت میں پانی بھر کر لاؤ پھر پاؤں دراز کر لئے۔بار بار اس طشت میں سے پانی لے کر مولانا اپنے سینے اور چہرے پر ملتے تھے۔پھر فرمایا کہ میرے احباب تو مجھے اس طرف کھینچتے ہیں اور میرے مرشد مولانا شمس الدین تبریزیؒ مجھے اپنی طرف بلا رہے ہیں حتیٰ کہ آپ نے بروز ہفتہ 5/جمادی الثانی 672ھ بمطابق 17/دسمبر 1273ء کو بوقت مغرب اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی،اور یہ آفتابِ علم وفضل غروب ہو گیا۔**اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔**

آپ نے قونیہ میں وصال فرمایا اور قونیہ میں ہی دفن ہوئے جو کہ اب ترکستان کی قلمرو میں ہے اور اس وقت ترکستان شاہِ روم کے زیر تسلط تھا۔(مناقب رومی،ص 577)

وصیت کے مطابق نماز جنازہ مولانا صدر الدینؒ نے پڑھائی ،حضرت صدر الدین حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے جو اس وقت اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ قونیہ میں موجود تھے۔حضرت صدر الدین نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے پھر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔جنازے میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔آپ کی وفات پر ہر مذہب کے لوگ چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔وقت کا بادشاہ جو کہ مسلمان تھا وہ بھی جنازے میں شریک تھا۔عورتیں اور بچے چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔جنازے میں یہودی اور عیسائی بہت زیادہ تعداد میں شامل تھے اور بین کر رہے تھے۔وقت کے بادشاہ نے اُن سے پوچھا آپ اس طرح کیوں رو رہے ہیں؟وہ آپ کے احترام وفلاح کے لئے توریت اور بائیبل پڑھ رہے تھے۔انہوں نے کہا بادشاہ سلامت!اگر آپ انہیں محمد ﷺ کا نمائندہ سمجھتے ہیں تو ہم انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمائندہ تصور کرتے ہیں۔

حضرت بوعلی قلندرؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی شرف الدین ہے۔آپ کا لقب بوعلی ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی فخر الدین سالار تھا۔اور آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک بی بی حافظہ جمال تھا۔اہل عصر ام نے آپ کو قتال کا لقب دیا اور وہ آپ کو اسی لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔لیکن جس لقب سے آپ زمانہ بھر میں مشہور ہیں اور جو ہر خاص و عام کی زبان پر ہے وہ ہے ''بوعلی قلندر'' بوعلی کا لقب آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جناب سے عطا ہوا اور اس وقت سے آپ کو شرف الدین کی بجائے ''بوعلی'' کے خوبصورت اور پُر خوشبو القاب سے یاد کیا جانے لگا۔احتراماً خلق خدا نے اس میں اپنے ذوق وشوق سے اور اضافہ کر دیا ہے اور آپ ''بوعلی شاہ قلندر'' کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ اپنی ذات میں خود شریعت،طریقت،وحقیقت کے عمیق سمندر تھے۔ آپ کو ظاہری اور باطنی یعنی کہ دنیاوی اور دینی یا روحانی علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی۔کشف و کرامات کا آپ ذخیرہ تھے۔آپ نے وعظ و تبلیغ،کشف و کرامات سے ساری عمر دین متین کو پھیلایا ہے۔آپ نے بے شمار لوگوں کو مسلمان کیا اور راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کی۔آپ بہت خوش خلق اور تحمل و برداشت والے تھے۔قلندر اولیاء اللہ کا خاص گروہ ہے جو مقابلتاً زیادہ وقت جذب و مستی میں گزارتے ہیں(یہ کیفیات،سراسر سکر محویت استغراق اور لاشعوری کی کیفیت اور اس کے مخالف یا اُس کے برعکس صحو،ہوشیاری اور مکمل شعور کی کیفیت اختیاری نہیں ہوتیں بلکہ یہ کیفیات حکم الٰہی،حکمت الٰہی کے تحت قدرت الٰہی سے وارد ہوتی ہیں)اور الحمدللہ، جذب و مستی کی حالت میں بھی آپ عموماً شریعت وطریقت پر خوبصورتی سے کاربند رہے۔آپ سب سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔بچوں پر آپ کا خاص دست شفقت تھا۔آپ بہت غریب پرور اور دعا گو تھے۔حاجت مندوں کے لئے اللہ سے دعائیں کرنا اور ان کی حاجت براری کرنا آپ کو محبوب تھا۔ریاضات،مجاہدات اور عبادات میں بھی آپ کا ایک خاص مقام ہے۔آپ مجرد تھے اور ساری عمر جنگلوں،صحراؤں میں تنہا عبادات الٰہی میں ہمہ وقت مشغول رہ کر گزار دی۔آپ وقت کے حکمرانوں کو بروقت احکام الٰہی کی لگام ڈال دیتے تھے۔آپ نے خداداد روحانی قوت سے بادشاہوں،سلطانوں،حکمرانوں اور عوام کے دلوں پر حکومت کی ہے۔آپ کی عمر طویل تھی اس لئے آپ نے کئی حکمرانوں اور ان کا دور دیکھا۔آپ کے حسن کردار فقر،علم ومعرفت کے سبب آپ

کے دور کے سب حکمرانوں نے آپ کی نصیحت وحکم کو دل وجان سے مانا ہے اور آپ کی زیارت وکلام کو اپنے لئے خوش نصیبی جانا ہے۔

آپ کے اخلاق، کردار وگفتار اور کشف وکرامات کے حصار نے ایک جہاں کو مطیع کیا ہوا تھا اور ان صفات کے سبب آپ نے دین متین، دین اسلام اور حب رسول اللہ ﷺ کو خوب پھیلایا ہے۔ آپ اپنے ہم عصر، علما، صلحا، اولیاء اللہ کا بہت ادب واحترام کرتے تھے اور آپ بہت ہر دلعزیز تھے۔ آپ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کو عربی، فارسی، اور ہندی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور بہت اچھے اصلاحی شاعر بھی تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ سن 605 ہجری بمطابق 1208ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ الحمدللہ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے تقریباً ایک سو بیس (120) سال کی عمر پائی۔ آخری عمر میں آپ پھر پانی پت کے نواح میں جنگلوں میں چلے گئے اور آخری دم تک آبادی سے دور جنگل میں تنہا رہے۔ آپ نے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ظاہری بیعت کی تھی۔ آپ نے 13 رمضان 724 ہجری بمطابق 3 ستمبر 1324ء کو پانی پت وکرنال کے نواح میں وصال فرمایا۔ حکمرانوں میں سلطان غیاث الدین بلبن، علاؤ الدین خلجی، ناصر الدین محمود، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حکومت کے معزز اہلکار تھے، وہ بھی آپ کے ہم عصر ہیں۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر صوفیاء کی فہرست بہت طویل ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جلال الدین رومیؒ، شمس الدین ترک پانی پتیؒ، حضرت علی احمد صابرؒ، حضرت لعل شہباز قلندرؒ، حضرت شیخ کبیر الاولیاءؒ، حضرت فخر الدین عراقیؒ، حضرت امیر خسروؒ، حضرت روشن چراغ دہلیؒ، حضرت خواجہ حسن سنجریؒ وغیرہ۔ حضرت کبیر الاولیاء مخدوم جلال الدینؒ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ سے کم عمر تھے۔ اور اُن کا تعلق بھی پانی پت سے تھا۔

کچھ مورخین نے آپ کی سن پیدائش 602 ہجری لکھی ہے اور اس اعتبار سے آپ کی عمر سنِ ہجری کے لحاظ سے 122 سال بنتی ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے اجداد کوفہ اور بغداد (ملک عراق) سے ہندوستان آئے تھے اور وہاں سے آکر پانی پت میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ کے والد جناب فخر الدین سالار 600 ہجری میں عراق سے ہندوستان آئے اور پانی پت میں آباد ہو گئے۔ آپ اپنے وقت کے عالم فاضل تھے اور آپ کا شمار بڑے بڑے، جید علماء کرام میں ہوتا تھا۔ آپ کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر سے ہوئی لیکن وہ لاولد فوت ہو گئیں۔ ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی رحمۃ

اللہ علیہ کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال رحمہا اللہ علیہا سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔
حضرت شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ 605ھ بمطابق 1208 عیسوی میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔

آپ کی پیدائش کے بعد ایک دن ایک درویش ''اللہ بس، باقی ہوس'' کا مستانہ نعرہ لگاتا ہوا آپ کے والد فخر الدین سالار رحمۃ اللہ علیہ کے در پر حاضر ہوا اور فرزند ارجمند کی مبارک باد دی۔ فخر الدین سالار رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے گھر میں لے جا کر عزت کے ساتھ بٹھایا۔ درویش نے بیٹھتے ہی بے قراری سے کہا: ''فرزند مبارک ہو، کہاں ہے وہ؟'' فخر الدین سالار رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''بابا! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے فرزند دیا ہے یہ شکر کا مقام ہے شکایت کا نہیں۔ پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ میرا گھرانا اس موقع پر خوش ہونے کی بجائے سوگ میں مبتلا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ بچے کی ولادت کو تین روز گزر چکے ہیں مگر ابھی تک اس نے نہ آنکھیں کھولی ہیں اور نہ شیر مادر کا ذائقہ چکھا ہے۔ قدرت شاید ماں کی گود زیادہ دیر ہری نہیں دیکھنا چاہتی۔''

''چپ رہ، درویش نے ہاتھ لہرا کے کہا۔'' قدرت کے بھید تو کیا جانے، جا، بچے کو لے آ۔ دیکھتا نہیں ہے میری آنکھیں جل رہی ہیں۔'' نومولود بچے کو درویش کے سامنے لایا گیا۔ درویش نے اُسے اپنی بانہوں میں لے کے والہانہ انداز میں اس کی پیشانی چومی پھر بلند آواز سے اس کی آنکھوں میں قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت کی۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے: ''جدھر منہ کرو، ادھر اللہ ہی اللہ ہے۔''

بچہ ولادت کے بعد سے مسلسل رو رہا تھا اور اس کی پلکیں ایک لمحہ کے لئے بھی وا نہیں ہوئی تھیں (کھلی نہیں تھیں) مگر قرآن پاک کی آیت سنتے ہی وہ درویش کے بازوؤں میں ہمکنے لگا اور اس کے چہرے پر دو ننھے ننھے قمقمے روشن ہو گئے۔ درویش چند لمحوں تک غور سے بچے کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے فخر الدین سالار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر کے بولا: ''لے جا، اس کی ماں سے کہنا یہ اللہ کا مہمان ہے، اس کی مدارات میں کمی نہ کرے۔''

بچہ گھر کے اندر پہنچا دیا گیا۔ اس نے ماں کی آغوش میں پہنچتے ہی مچل کے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فخر الدین سالار رحمۃ اللہ علیہ نے مسرت اور عقیدت سے درویش کی تواضع کرنی چاہی مگر درویش نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا اور فخر الدین سالار رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا: ''برادر! تو ہمیشہ خوش رہے۔ آج تو نے میری جو تواضع کی ہے وہ مجھے قیامت تک مخمور رکھے گی۔'' یہ کہہ کر درویش اسی وقت وہاں سے رُخصت ہو گیا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ درویش مشہور چرم پوش قلندر جمال شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کی آخری آرام گاہ شہر اٹک کے نزدیک دریائے اٹک کے کنارے واقع ہے۔

بچے کا نام شرف الدین رکھا گیا۔ جب آپ کی عمر پانچ چھ سال کی ہو گئی تو ایک دن والدہ ماجدہ نے بہت پیار سے کہا: ''بیٹا! یہ پوری دنیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا مہمان خانہ ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم گھر سے نکل کے دنیا کے میدان میں قدم رکھ دو یہ

زمین ایک دسترخوان ہے اس کے چپے چپے پر تمہارے میزبان نے انواع واقسام کی نعمتیں چن رکھی ہیں ۔جاؤ، خوشہ چینی کرو۔"

اس طرح شرف الدین کو کم عمری ہی میں مدرسے کی زینت بنادیا گیا ۔گھر کی تربیت مدرسے میں نمایاں ہوکر چمکنے لگی ۔ آپ نے پڑھنا شروع کیا تو بہت جلد اپنے ساتھیوں میں ممتاز ہو گئے ۔یہاں تک کہ تعلیمی ،تدریسی معاملات میں استادوں سے رجوع کرنے کی بجائے عموماً ساتھی آپ سے سوالات کرتے اور آپ کے جواب ان کے لئے خاطر خواہ تشفی کا باعث ہوتے ۔ ابتدائی کتب ختم کرنے کے بعد جلد ہی شرف الدین زبان وبیان اور حدیث وفقہ کا درس دینے لگے ۔علم کی تحصیل کے لئے آپ نے اپنی عمر سے کہیں زیادہ استعداد کا مظاہرہ کیا۔

آپ کے تیز تر تعلیمی ارتقاء نے آپ کے اساتذہ کے سینے کشادہ اور سر اونچے کردیے ۔ان کی توجہ ہر طرف سے سمٹ کر اپنے اسی شاگرد رشید پر مرکوز ہو گئی ۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جماعتوں پر جماعتیں طے کرتا رہا اور تعلیمی مرحلے سرعت سے طے ہوتے رہے ۔شرف الدین کی طبعی عمر میں اتنا اضافہ نہیں ہوا جتنا ذہنی بلوغ میں ہوا۔آپ نے حیرت انگیز برق رفتاری سے تفسیر ،فقہ اور صرف ونحو میں نہ صرف تکمیل کی بلکہ نوجوانی تک پہنچتے پہنچتے ان علوم میں استناد کا درجہ حاصل کرلیا ۔مدرسے کے بے تکلف ساتھی آپ کا احترام کرنے لگے ۔اساتذہ نے آپ کو فارغ التحصیل قرار دے کر آپ کے سر پر فضیلت کی دستار سجادی اور اسے تم کی بجائے آپ کہنے لگے کیونکہ ان کی نظر میں وہ اپنے تمام ہم عمروں سے زیادہ عالم تھا اور عام لوگ اب اسے صرف شرف الدین نہیں بلکہ شاہ شرف الدین کہتے تھے ۔

مدرسے کی مصروفیت کے ساتھ گھر اور مسجد کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہوا تھا ۔شروع میں شاہ شرف الدینؒ مدرسے کے بعد بیشتر وقت مسجد میں گزارتے تھے پھر وہ کہیں دور تنہائی میں جانے لگے اور رات رات بھر تنہائی میں عبادتیں کرنا ان کا معمول ہو گیا ۔گھر میں ان کا کھانا ٹھنڈا ہوتا رہتا تھا مگر وہ جسمی زندگی سے زیادہ ذہن و دل کی زندگی بسر کررہے تھے ۔لہذا ذہن کے دریچوں کے ساتھ دل کے طبق بھی تبدریج روشن ہوتے رہے ۔شاہ شرف الدین نے ظاہر و باطن اور خارج و داخل کی مسافتیں بیک وقت اور باسرعت طے کیں ۔آپ باطنی طور پر حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زیردست ،زیرنگاہ آسمانوں کی سیر کررہے تھے اور پھر آپ نے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہری بیعت چاہی ۔حضرت نے مزید ریاضات ،مجاہدات وعبادات کا فرمایا اور آپ اُن میں جٹ گئے ۔اسی طرح ایک وقت بیت گیا ۔آخر ایک روز خواجہ نظام الدین نے آپ سے کہا:"شرف الدین !آگ بھڑرک رہی ہے ،پانی کی ضرورت پڑے گی ۔جمنا کے کنارے جاؤ۔"

شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ ،خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق جمنا کے کنارے پہنچے اور وہیں کے ہو رہے ۔دریا کی لہروں کا مدوجزر ان کے دل کی بیتابیوں کا مقابلہ نہیں کرسکا ۔وہ مسلسل پانچ سال وہاں سے نہیں ہلے اور یہ پوری مدت انہوں نے اپنے آپ سے بیگانہ ہو کے صرف کی ۔پھر پانچ سال کے طویل وقفے کے بعد ایک روز خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ وہاں آئے ، انہوں نے شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ستون میں جنبش پیدا کی اور کہا:"لاؤ، اپنا سر لاؤ"شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر

جھکا دیا۔خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنی ٹوپی اوڑھا کے مریدوں کے زمرے میں شامل کرلیا۔شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کوایک مدت بعد قرار آیا۔ان کے عشق کا دریا پُرسکون انداز میں بہنے لگا۔

حضرت شرف الدین یعنی بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجذوب جس نے ان کا ایک مسئلہ حل کیا تھا (شاہ جہان بادشاہ کے خواب کا مسئلہ) کو جنگل میں ڈھونڈ کر اُن سے بیعت کر لینے کے لئے کہا تو انہوں نے آپ کا ہاتھ حضرت علی ﷛ کے ہاتھ میں دے دیا۔چنانچہ حضرت علی ﷛ نے آپ کو بیعت کیا اور قلندری منصب عطا کیا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔بعض لوگوں کو اسی طور پر فیض ہوا ہے۔چنانچہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض ہوا حالانکہ اُن کے انتقال کو اس وقت تک اندازاً سو برس ہو چکے تھے۔(تذکرہ غوثیہ،صفحہ 309)

اسی طرح حضرت سائیں رحمت کو حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے فیض ملا حالانکہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو پردہ فرمائے ہوئے سینکڑوں برس گزر چکے تھے۔اسی طرح دادا مرشد بابا جی کرم شاہؒ کو حضرت علی ﷛ سے براہِ راست دولت قلندری حاصل ہوئی۔

پانی پت کے اکثر لوگ اس امر سے لاعلم تھے کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔چنانچہ ایک روز کسی نے حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قریبی واقف حال مولانا سراج الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کس کے مرید ہیں؟مولانا مکی رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ جواب دیا۔امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب ﷛ کے،اپنے اس جواب کی وضاحت میں انہوں نے کہا کہ عوام الناس کو صرف اُس بیعت کا علم ہوتا ہے جو ظاہر میں کی جاتی ہے۔لیکن اصل وافضل ارادت و بیعت وہ ہے جو روحانی طور پر کی جائے۔میں نے بوعلی رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا ہے کہ انہیں حضرت علی ابنِ طالب ﷛ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔

شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت نظام الدینؒ سے بیعت ہونے کے بعد اسی وقت خواجہ قطب الدین اوشیؒ کے مزار پر گئے۔وہاں آپ نے دوگانہ نماز ادا کر کے سلام پھیرا تو خود کو دلی کے جید عالموں اور درویشوں کے حلقے میں پایا۔ہر عالم اور ہر درویش آپ کی طرف متوجہ تھا اور فرداً فرداً سب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہم سب سے بزرگ ہیں،آپ ہم سے بزرگ ہیں۔

ایک معمر عالم نے آپ سے دست بستہ کہا:"حضور!خدام ایک درخواست لے کر آئے ہیں۔شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ مجسم سوال بن گئے۔عالم نے کہا کہ کرسی قضا خالی ہے۔ہم سب متفقہ طور پر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ کرسی قضا پر جلوس فرمایئے کیونکہ آپ کا علمی تبحر،درویشی رُتبہ اور بے نفسی کا رویہ عدل وانصاف کی ضمانت ہے۔"شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکا لیا۔وہ کچھ دیر تک خاموش رہے اور پھر انکسار سے بولے:۔"آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔"

عالموں اور درویشوں نے مسرت وعقیدت سے آپ کی دست بوسی کی اور جلوس کی شکل میں دارالقضا لے جا کر آپ کو انصاف کی مسند پر بٹھا دیا۔

آپ بیس سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور دہلی میں قطب مینار کے قریب سکونت اختیار کر لی اور پھر بیس سال تک اسی جگہ آپ درس وتدریس میں مشغول رہے۔اس زمانے میں مولانا قطب الدین، مولانا وجیہہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بجوری، قاضی حمید الدین اور فخر الدین پائلیؒ جیسے نامور علماء موجود تھے اور ان سب کو آپ کے علمی و روحانی کمالات کا اعتراف تھا اور سب آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔

شاہ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں بیس سال تک ایک مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے اس کے علاوہ آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری کر دیا، ساتھ ہی ریاضت وعبادت کے شغل میں بھی شدت پیدا ہوگئی۔آپ اپنے درس میں ہندی، فارسی، عربی عبارتیں اور تراکیب مکمل قدرت سے استعمال کرتے تھے نیز قرآنی آیتیں اور احادیث ہر وقت آپ کے ورد زبان رہتی تھیں۔آپ کی تدریس کا انداز، فاضلانہ شیریں اور دل نشیں تھا۔وقت کے بڑے بڑے عالم فقیہ اور محدث آپ کے درس میں ذوق وشوق سے نیازمندانہ شریک ہوتے تھے اور رشد وہدایت کے لئے آپ کو مختلف مقامات پر مدعو کرتے تھے یہ سلسلہ کوئی پچیس سال تک جاری رہا۔

درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا کہ آپ پر تصوف کا رنگ غالب آنے لگا۔سکر، جذب ومستی کی حالت طاری ہونے لگی اور پھر آپ شدت سے ریاضات، مجاہدات وعبادات میں مصروف رہنے لگے۔درس وتدریس کا سلسلہ بند ہوگیا۔کتابیں ایک طرف کر دیں اور طلباً سے بھی دل ہٹ کر تنہائی میں لگ گیا۔آپ نے آبادی کو چھوڑ دیا۔بہت دنوں تک جنگلوں اور ویرانوں میں گزارے، پھر کرنال اور پانی پت کے اطراف میں جنگلوں کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔قریب کے علاقہ بڈھا کھیڑا میں مصروف عبادت رہے اور پھر کرنال کو مستقل ٹھکانہ بنالیا۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:

❶ مکتوبات بنام اختیار الدین ❷ حکم نامہ شرف الدین

❸ مثنوی کنز الاسرار ❹ رسالہ عشقیہ

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''او رمکتوب است بزبان عشق ومحبت مشتمل بر معارف حقائق تو حیدو ترک دنیاو طلب آخرت ومحبت مولے جملہ آں بنام اختیار الدین مہ گوید۔''

ترجمہ:''اس کا ایک مکتوب عشق ومحبت کے پیرائے میں اختیار الدین کے نام ہے جو توحید، ترک دنیا، طلب آخرت اور اللہ کی محبت کے متعلق حقائق ومعارف سے لبریز ہے۔''

''مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است۔کتابے است جامع علوم توحید۔''

ترجمہ:''آپ نے جو مکتوبات اپنے مرید اختیار الدین کے نام تحریر کئے۔وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں

اور علوم توحید کے جامع ہیں۔"

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا۔ شاید یہ مکتوبات اسی کے نام ہوں۔ بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے۔ تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے اور تم کو تم سے دور کیا جائے تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا۔ اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے تو اسی طرح کام کرو۔ معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو۔ اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لو گے۔

اسی طرح آپ کے خطوط و مکتوب خوبصورت انداز بیان اور شگفتہ زبان کے علاوہ معرفت، حکمت دانائی اور رور درہنمائی انسانیت کے بھی آئینہ دار ہیں۔ درج ذیل میں دیکھیں کہ انتہائی لطیف نکات کو بھی آپ کس خوبی سے بیان کرتے، سمجھاتے ہیں۔

اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچان لو، جب تم نفس کو پہچان لو گے تو دنیا کو بھی پہچان لو گے اور پھر اس کے بعد آخرت کا عرفان بھی حاصل ہو جائے گا۔

اے برادر! دنیا میں کفر کا جو حسن دکھائی دیتا ہے۔ عاشق جانتے ہیں کہ اس حسن نے اپنے آپ کو اپنے چاہنے والوں کے سامنے کتنا آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے۔ جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق کفر کا حسن ہے۔

جب عشق کو اپنے حسن میں دیکھ لو گے تو "کل الانسان" کی کیفیت اپنے آپ میں پاؤ گے، عاشق بن جاؤ اور معشوق کا اپنے پہلو میں نظارہ کرو اور حسن کا نظارہ اپنے آئینے دل میں کرو۔

اے برادر! قند کا ایک گولا لاؤ، اس سے سو گولے بنالو، ہر گولے سے ایک صورت بناؤ، ہر صورت کا کوئی نام رکھ لو، گھوڑا، ہاتھی، گائے، بیل یہ نام رکھنے سے، قند کا نام ختم ہو جائے گا اور صرف وہ صورتیں اپنے نام کے ساتھ رہ جائیں گی جب سب صورتوں کو توڑ کر پھر قند کا گولہ بنا لو گے تو پھر اس کا نام قند ہی ہو گا اور وہ نام ختم ہو جائیں گے۔

اے برادر! چشم دل کھول اور اچھی طرح سے دیکھ کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لیے کیا کیا چیزیں اور کیسی کیسی عجوبہ روزگار اشیاء پیدا کی ہیں۔ اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا اور کئی کئی لذتوں اور رنگوں والے پھل اور پھول پیدا کئے۔ ہر میوہ کا علیحدہ مزہ رکھا۔ ہر پھول کا جدا رنگ رکھا۔ اس درخت کو نہ اپنے پھل کی خبر نہ اپنے پھول کی خبر۔ کتا تمہارے لیے پیدا کیا، اس کو صبر اور شکر دیا، اسے اپنے شکر اور صبر کی خبر نہیں۔ ہرن کے اندر مشک رکھا گیا جو تمہارے لیے ہے، ہرن کو اس کی کوئی خبر نہیں، مشک کی خوشبو آئے تو وہ اس چیز کے لیے مارا مارا پھرتا ہے جو اس کے اندر ہے۔ کافور کو درخت سے پیدا کیا اور درخت کو کافور کی خبر نہیں۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہندوستان کی سرزمین بڑے بڑے انقلابات سے دوچار ہوئی، کیے

بعد دیگرے تین خاندان سلطنت کے تخت پر قابض ہوئے۔ان خاندانوں کے بیشتر افراد حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت وعقیدت رکھتے تھے۔اُن میں سے ایک غیاث الدین بلبن تھا۔ناصر الدین محمود کے عہد میں وہ اُس کا نائب سلطنت تھا۔اُس نے وقت کے سرکش امراء کی سرکوبی کی اور 1266ء میں جب ناصر الدین محمود فوت ہو گیا تو غیاث الدین بلبن کو بادشاہت حاصل ہو گئی۔

بلبن کو علماء اور صوفیاء سے بے حد عقیدت تھی۔وہ مشائخ کا نہایت احترام کرتا تھا۔اُسے دنیا کی ہر نعمت نصیب تھی مگر وہ لاولد تھا۔اس لیے اُسے ہر نعمت فضول نظر آتی تھی۔جب وہ اپنی دعاؤں اور تدبیروں کی بے اثری سے عاجز آ گیا تو اس سلسلہ میں اُس نے آپ سے دعا کے لئے عرض کی۔آپ کی دعا سے بلبن کے ہاں چار بیٹے ہوئے جن میں سے ایک جس کا نام مبارک خان تھا، آپ کا مرید ہوا۔اور وہ مرید آپ کو بہت پیارا تھا اور حکمران کا بیٹا ہوتے ہوئے وہ اکثر آپ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔

ہندوستان کا نامور بادشاہ علاؤالدین خلجی بھی آپ کا بہت عقیدت مند تھا۔ایک رات ایک شراب وکباب کی محفل میں پی کر بدمست ہو گیا۔آپ نے بادشاہ کے خواب میں آ کر فرمایا:''علاؤالدین! حاکمیت کے نشے میں مدہوش نہ ہو۔تخت تیرے پاس حاکموں کے حاکم کی امانت ہے۔جس نے تجھے اور تیری رعایا اور حشرات الارض کو اور جنات کو اور ملائک کو پیدا کیا ہے۔سب کی جانیں اُسی کے قبضہ میں ہیں۔وہی پیدا کرتا اور وہی مارتا ہے۔اس کے بندوں کو اپنا بندہ نہ سمجھ۔انسانوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کر۔شرعی ممنوعات سے دور رہ۔حرام اشیاء کا استعمال کرنے سے پرہیز کر اور اس سلسلے میں اپنے زیردستوں کو بھی سخت احکام جاری کر۔''

بادشاہ علاؤالدین خلجی پر اس خواب کا زبردست اثر ہوا۔اس نے خود بھی شراب چھوڑ دی اور ملک بھر میں شراب نوشی قانوناً ممنوع قرار دے دی اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کر دیں۔

آپ کے تقویٰ، پرہیز گاری، دنیا سے بے رغبتی، فقر وفقیری اور کشف وکرامات کے سبب کسی میں ہمت نہ تھی کہ آپ کو کوئی دنیاداری کی طرف راغب کر سکے۔آپ کے فقر وروحانیت کا اتنا دبدبہ تھا کہ سلطان علاؤالدین خلجی نے بھی جب کچھ تحائف آپ کو بھیجنا چاہے تو وہ براہِ راست نہ بھیج سکا۔اس نے اس مقصد کے لئے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات حاصل کیں۔

اور یہ بھی انہی دنوں کا واقع ہے۔حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی مرید شہر کے کسی بازار سے گزر رہا تھا وہ اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا اسے گردوپیش کی خبر نہیں تھی۔اتفاقاً شہر کے حاکم کی سواری وہاں سے گزری۔سواری کے ساتھ غلاموں اور چوب داروں کا ایک گروہ بھی تھا، کسی غلام نے حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کو حکم دیا:''راستے سے ہٹ جاؤ۔''

مرید کو اتنا ہوش نہ تھا کہ وہ یہ حکم سنتا۔وہ بدستور راستے کے بیچوں بیچ چلتا رہا۔عامل کے غلام نے اپنے حکم کی یہ بے وقعتی دیکھی تو اسے طیش آ گیا۔اس نے حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کو بری طرف زدوکوب کیا۔مرید لہولہان ہو گیا۔راہگیر یہ منظر دیکھ کے دہشت سے دور ہٹ گئے۔

مرید اذیت سے تڑپتا ہوا بھاگا اور سیدھا حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچ کر فریادی ہوا۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شکستہ حالت دیکھی اور بیتا سنی تو ان کے چہرے پر رنج چھا گیا۔ انہوں نے اسی وقت علاؤالدین خلجی کو یہ لکھ کر بھیجا کہ تیرے ایک حاکم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک بے گناہ بندے پر ہاتھ اُٹھایا ہے تو فی الفور اُسے سزا دے ورنہ ہم دلی کی سلطنت تجھ سے واپس لے لیں گے۔"

علاؤالدین خلجی لرز گیا۔ اس نے فوراً حکم جاری کیا کہ "مجرم عامل کسی تاخیر کے بغیر پابہ زنجیر کردیا جائے۔" پھر وہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے معافی مانگنے کی تدبیر پر غور کرنے لگا۔ اس مرتبہ بھی اس کی نگاہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ہی پر ٹھہری۔ اس نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک قاصد بھیجا اور پورے واقعے کی تفصیل کے ساتھ اُن سے یہ کہلوایا کہ "حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا غصہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کوئی فرو نہیں کرسکتا براہِ کرم توجہ کیجئے۔" اور پھر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ آپ (بوعلی قلندر) رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ معاملہ کو آپ کے سامنے اس حکمت وعاجزی سے پیش کیا کہ آپ نرم پڑ گئے۔ آپ کے چہرے پر غیظ وغضب کی کوئی علامت نہ رہی اور آپ نے بادشاہ علاؤالدین کو معاف کردیا۔

ہر ولی اللہ کی طرح آپ کی کرامات وکشف بھی زیادہ ہیں۔ لیجئے چند ایک پیش خدمت ہیں:

ایک دفعہ آپ نے سرراہ ایک اجنبی نوجوان کو اس کا نام لے کر پکارا۔ امر سنگھ! وہ نوجوان اپنا نام ایک ناواقف سے سن کر تعجب میں پلٹا۔ اس نے پکارنے والے کو غور سے دیکھا اور یہ جان کر مزید حیران ہوا کہ پکارنے والا ایک درویش ہے جسے اس نے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ اُس کی حیرانی سے بہت محظوظ ہوئے۔ انہوں نے کہا: امر سنگھ! ہم تیرے لیے اجنبی ضرور ہیں لیکن تو ہمارے لیے اجنبی نہیں ہے۔ فقیروں کے لئے کوئی اجنبی نہیں ہوتا اور ہم تجھی کو نہیں بلکہ تیرے اسلاف کو بھی جانتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تیرے اسلاف پانی پت کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے اور قرب وجوار کے بہت سے علاقوں پر اُن کا قبضہ تھا۔ پھر خلجیوں سے نبرد آزما ہونے کے باعث تیرے خاندان کے سب افراد مارے گئے۔ صرف ایک حاملہ عورت بچی تھی وہ کسی طرح چھپتی چھپاتی ضلع سہارن پور میں اپنے والدین کے پاس پہنچ گئی۔ تو اُسی عورت کا بیٹا ہے اور اپنی آبائی جاگیروں کے حصول کی کوشش میں پانی پت آیا ہوا ہے، کیا یہ باتیں غلط ہیں؟

نہیں بابا! نوجوان نے آگے بڑھ کر حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں چھو لیے۔ آپ نے صحیح حقائق بیان کئے ہیں۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جانتا ہے، ہم نے تجھے کیوں آواز دی؟ نوجوان نے نفی میں سر ہلایا۔ تجھ سے ہمیں سچ کی خوشبو آتی ہے۔ تو ہمارے حلقے میں آجا۔ تجھے یہیں پناہ ملے گی۔ امر سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا مجھے کوئی عذر نہیں ہے مگر اس سلسلے میں اپنی ماں کا عندیہ لینا پڑے گا۔

جا، پھر ماں کا عندیہ لے آ۔ امر سنگھ کا گھر وہاں سے میلوں دُور تھا لیکن وہ جس کام کے لیے نکلا تھا، اُسے فراموش کرکے ممکنہ تیز رفتاری سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب وہ ایک لمبا سفر طے کرکے اپنے گھر پہنچا تو حیرت سے اُس کی آنکھیں

پھٹ گئیں۔حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ اُس سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور اُس کی ماں سے کہہ رہے تھے۔امر سنگھ کو ہم نے اپنا فرزند بنالیا ہے،اب یہ ہمارے حلقے میں رہے گا۔تو کیا کہتی ہے؟

امر سنگھ کی ماں نے کہا میاں جی!اگر یہ آپ کے حلقے میں چلا گیا تو برادری والے اسے اپنی برادری سے نکال دیں گے۔ پھر اسے کون پوچھے گا اس کا رشتہ کہاں ہو سکے گا۔حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اطمینان سے کہا:تو برادری والوں کی فکر نہ کر اپنا بیٹا ہمیں دے دے،تیرے برادری والے بھی ہمارے سائے میں آجائیں گے۔

امر سنگھ کی ماں نے اس یقین دہانی پر آمادگی ظاہر کر دی۔حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فوراً نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ امر سنگھ نے ماں سے اجازت لے لی اور دوبارہ اُس جگہ پہنچنے کے لیے گھر سے روانہ ہو گیا۔جہاں وہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کے آیا تھا۔جب وہ پورا سفر طے کر کے تیز تیز سانسوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ اُس کے انتظار میں ٹہل رہے تھے۔اُنہوں نے امر سنگھ کو وہیں کلمہ پڑھوا کر مسلمان کیا اور اُس کا نام امر اللہ خاں رکھ دیا۔

اس کے بعد آپ کی سفارش پر خلجیوں نے امر اللہ خاں کو اُس کی آبائی املاک اور جائیدادیں واپس کر دیں اور وہ اسی منصب پر فائز کر دیا گیا جو اس کے آباؤ اجداد کے تصرف میں رہے تھے۔جلد ہی آپ کی پیش گوئی کے مطابق اس نوجوان کے تمام عزیز و اقارب بھی مسلمان ہو گئے اور ان ہی میں اس (امر اللہ خان) کی شادی ہوئی۔شادی کے بعد اس کے تین لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام شہاب خان،شہباز خان اور دولت خان تھے اور اُن کی آل اولاد اب بھی پانی پت میں موجود ہے۔

غیاث الدین تغلق کو بھی صوفیاء و مشائخ سے گہری عقیدت تھی۔ان کے آستانوں اور تکیوں پر حاضری دینا اس کے معمولات میں شامل تھا۔وہ گوشہ گیر فقراء کو اکثر نذرانے بھیجتا اور اُن کی دعائیں لیتا تھا۔اس کے بادشاہ بننے سے پہلے کا ذکر ہے کہ ایک بار وہ اپنے بیٹے اور بھتیجے کے ساتھ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حاضر ہوا۔حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں سے نرمی اور التفات سے پیش آئے۔انہوں نے ایک طرف پند و نصائح سے ان کی روحانی غذا کا اہتمام کیا۔دوسری طرف خورونوش کی مادی اشیاء بھی اُن کے سامنے رکھیں۔وہ تینوں ایک ہی برتن میں ایسی رغبت سے کھانا کھانے لگے گویا کہ آسمان سے من وسلویٰ اُتر آیا ہو۔ان کی یہ یک جہتی و یک جائی دیکھ کر حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ بہت مسرور ہوئے اور بولے:

''آج تین بادشاہ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہے ہیں۔''

گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح شہزادہ جونا خان اور شہزادے کمال الدین کو بادشاہ ہونے کی خوش خبری سنائی۔جو آگے چل کر صحیح ثابت ہوئی۔جونا خان تو سلطان محمد تغلق کے نام سے تخت پر بیٹھے اور کمال نے فیروز شاہ تغلق کے لقب سے تخت سلطان سنبھالا۔

حضرت جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ راہ سلوک پر آنے سے پہلے،ایک بار عمدہ لباس پہن کے گھڑ سواری کر رہے تھے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں عمدہ لباس میں گھڑ سواری کرتے دیکھا تو اُن کے منہ سے بے اختیار یہ شعر نکلا:

گل گوں لباس کردم سوارِ سمند شد
یاراں! حذر کنید کہ آتش بلند شد

ترجمہ: ''میں نے عمدہ لباس پہنا اور سرخ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دوستو بچنا کہ آگ بلند ہو گئی۔''

حضرت مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ پر اس شعر کا عجیب اثر ہوا۔ انہوں نے وہ گھوڑا اُسی وقت خیرات کر دیا اور دنیا کا کل مال و منال، جو کچھ بھی اُن کے پاس تھا سب کا سب لٹا دیا۔ پھر ایک روز حضرت مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ اُن کے بجائے ایک شیر بیٹھا ہوا ہے۔ مخدوم کچھ دیر تک ہیبت زدہ کھڑے رہے پھر اُنہوں نے ہمت کر کے شیر سے کہا کہ یہ شیروں کی جگہ نہیں ہے، شیروں کو جنگل میں رہنا چاہیے۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ دفعتہً چار شیر اور نمودار ہو گئے اور آپس میں کھیلنے لگے۔ مخدوم کی حیرانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ شیروں کا تماشا دیکھ رہے تھے کہ ناگاہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچ گئے۔ مخدوم نے انہیں سلام کیا۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کا جواب دیا اور کہا: جلال الدین! تم ہمارے محرم ہو شیروں کا تماشہ اطمینان سے دیکھو۔

شیر معاً آگے بڑھے اور مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیر چاٹنے لگے اور بلیوں کی طرح آپس میں کھیلنے لگے۔ حضرت مخدوم ششدر کھڑے تھے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا: جانتے ہو پانچواں شیر کون ہے؟ مخدوم نے نفی میں سر ہلایا۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پانچواں شیر ہم خود ہیں۔

حضرت مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے بیعت ہونے کے لئے گزارش کی۔ آپ نے پیار سے فرمایا:

جلال الدین! تمہارا حصہ دوسرے کے پاس ہے۔ کچھ مدت بعد حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ پانی پت آئے تو حضرت جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں میں یہ کرامت بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ صبح کے وقت خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے پان چبا رہے تھے کہ اتنے میں چار ہندو عورتیں جو دہی بیچا کرتی تھیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئیں اور اولاد کے لئے درخواست کی کیونکہ چاروں اولاد سے محروم تھیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اولاد دینا اللہ تبارک وتعالیٰ کا کام ہے میرا نہیں، مگر تم اُمید لے کر آئی ہو تو میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو نیک فرزند عطا فرمائے۔ یہ فرما کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منہ میں سے پان کا اُگال نکال کر چاروں کو دیا اور فرمایا کہ یہ کھالو۔ تین عورتوں نے اسی وقت کھالیا مگر ایک ذرا سخت قسم کی ہندو تھی اس نے ہاتھ میں لے کر چھپا لیا اور گھر جاتے ہوئے راستہ میں ایک جھاڑی میں پھینک دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد تینوں عورتیں اپنے اپنے فرزندوں کو لئے ہوئے حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نذر پیش کی مگر چوتھی عورت خالی گود روتی ہوئی آئی اور اپنی محرومی کا حال

بیان کر کے فریاد کرنے لگی ۔حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاید تو نے وہ پان کا اُ گال نہیں کھایا تھا۔اس نے اقرار کیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اچھا جہاں پھینکا تھا وہاں جا۔عورت گئی اوراس نے دیکھا کہ ایک بچہ جھاڑی میں رورہا ہے ۔عورت نے بچہ کو گود میں لیا اوراللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے اسی وقت عورت میں ماں کی مامتا پیدا ہوگئی اوراس نے بچہ کو دودھ دیا (پلایا) اورپھر حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی ۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جاؤ یہ بچہ تیرا ہے ۔اس واقعہ کے چند ہی دن بعد ان چاروں عورتوں اوراُن کے شوہروں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ کر اسلام قبول کرلیا ۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ ترکستان سے ہندوستان آ کے حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے دامن سے وابستہ ہوگئے تھے ۔انہوں نے اُن سے بے حد تقرب حاصل کیا اوراُن کے فرزند کہلائے ۔ایک روز حضرت مخدوم نے انہیں خلافت کا خرقہ اورمشائخ کے تبرکات دے کر ہدایت کی کہ فرزند !میری وفات کے تین دن بعد تم پانی پت چلے جانا ۔

حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ تذبذب سے بولے ،لیکن حضور !پانی پت کی ولایت تو حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہے ۔حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اُن کی ولایت اختتام کو پہنچ رہی ہے ۔تم وہاں جاؤ گے تو وہ اپنا ڈیرا شہر سے باہر ڈال لیں گے۔

حضرت علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت کا سفر اختیار کیا اوروہاں پہنچ کر ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے ۔اُس وقت حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے میں تھے ۔وہ دفعتہً بے قرار ہوکر حجرے سے باہر نکلے اوربازار پہنچ کر انہوں نے ایک حلوائی کی دُکان سے مٹھائی خریدی ۔حلوائی کا لڑکا اُن کا معتقد تھا۔اُس نے اُن سے پوچھا: حضرت !یہ مٹھائی کس کے لیے خریدی جارہی ہے؟ آپ کہاں جارہے ہیں؟

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: یہ ولایت اب ایک اورصاحب کے سپرد کردی گئی ہے،اوروہ صاحب یہاں (پانی پت میں) آ چکے ہیں ۔آج ہم بہت خوش ہیں اوراُنہی سے ملنے جارہے ہیں ۔حلوائی کے لڑکے نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ خادم بھی اُن کی زیارت کرلے؟

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سوچ کے کہا: اچھا ہم یہیں ٹھہرتے ہیں تم اُٹھو اورمٹھائی کا دونا لے کے آگے جاؤ،وہ صاحب تمہیں فلاں دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے ملیں گے ۔اُن سے ہمارا سلام کہنا۔حلوائی کا لڑکا دیوار کے سائے میں پہنچ کر حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تعظیم بجالایا ۔اُس نے اُن سے حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا سلام کہا اوراُن کی طرف سے مٹھائی پیش کی ۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ ،حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ سے علیحدگی میں ملے اوراُنہیں عزت و احترام سے اپنے حجرے میں لے آئے ،پھر جلد ہی پانی پت سے رخت سفر باندھ لیا اوروہاں سے رخصت ہوگئے ۔اپنی زندگی کے

آخری دن انہوں نے شہر کی بجائے جنگل کی ایک شکستہ اور تنگ جھونپڑی میں گزارے۔ انہوں نے وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ یہ جنگل کرنال سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ اُسے بوڈھ کھیڑا کہا جاتا ہے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے روحانیت سے پُر عبادت و ریاضت اور جلالت کی ایک بڑی طویل زندگی گزار کر آخر اُسی جنگل سے 13 رمضان 724ھ بمطابق 3 ستمبر 1324ء کو اُوپر کی طرف پرواز کی۔ ”یا شرف الدین ابدال“ سے آپ کے کوچ کا سال برآمد ہوتا ہے۔

وصل کے وقت محبوب و محبّ کے درمیان کوئی حائل نہیں تھا۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ جھونپڑی میں تنہا تھے۔ کسی کو اُن کے انتقال کی خبر عین وقت پر نہ ہو سکی۔ شام کے وقت کچھ لکڑہارے وہاں سے گزرے تو انہیں معلوم ہوا کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ اس دُنیا سے اگلے جہاں جا چکے ہیں۔ وہ سینہ کوبی کرتے ہوئے شہر پہنچے اور شہر والوں کو یہ خبر سنائی۔ کرنال کے لوگ بوڈھ کھیڑا کی طرف دوڑے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے حضرت شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا جسد خاکی جھونپڑی کے باہر ایک چبوترے پر دیکھا۔ اُسے گریہ و زاری کے جلوس میں وہاں سے کرنال لایا گیا اور تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس دوران آپ کے وصال کی خبر پانی پت والوں کو بھی ہو چکی تھی کہ اُن کا قلندر رحمۃ اللہ علیہ اُن سے بچھڑ گیا ہے۔ وہاں سے مولانا سراج الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے جناب شیخ احمد پانی پت کے دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنال پہنچ گئے۔ وہاں میت کی تدفین کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔ پانی پت والے اصرار کرنے لگے کہ قلندر کی آخری آرام گاہ پانی پت میں بنے گی۔ اس معاملہ پر دونوں فریق اُلجھ گئے۔ صورت حال کے پیش نظر مولانا سراج الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حالات کو سنبھالا اور بالآخر آپ کے جسد خاکی کو پانی پت لائے اور دفن کر دیئے گئے۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت کے علاقہ میں اسلام کی بہت بڑی خدمت فرمائی۔ ہزاروں ہندو کسان اور زمیندار آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کی برکت اور تبلیغ کے اثر سے مسلمان ہو گئے۔ اس علاقہ کے راجپوت جو مسلمان ہیں وہ سب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے اسلام لائے۔ ایک بہت بڑا راجپوت زمیندار جس کا نام امر سنگھ تھا وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور پھر اس کے اثر سے راجپوتوں کا ایک بڑا قبیلہ داخل اسلام ہو گیا۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کافی لمبی عمر پائی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو بیس سال کی عمر میں 13 رمضان شریف 724ھ بمطابق 3 ستمبر 1324ء میں بمقام بوڈھ کھیڑا نزد کرنال وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت نظام الدینؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی محمد بن احمد بن علی بخاری ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک احمد بخاری تھا اور آپ کے دادا جان کا اسم مبارک علی بخاری تھا۔آپ کے القاب بہت سارے ہیں۔نظام، نظام الدین، نظام الدین اولیاء، خواجہ نظام، نظام بابا، محبوب الٰہی، نظام اولیاء، عارف اطوار۔آپ کو ان بہت سارے پیارے پیارے معزز القاب سے پکارا جاتا ہے۔محبوب الٰہی آپ کی روحانی سند ہے اور ''نظام بابا'' آپ کو حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔آپ کے مرشد پاک آپ کو پیار میں اس نام سے یاد کیا کرتے تھے۔روحانیت میں آپ نے وہ کمال حاصل کیا کہ ''محبوب الٰہی'' بن گئے۔کیونکہ آپ بدایوں میں پیدا ہوئے اس لئے اس کی نسبت سے بھی آپ ''نظام الدین بدایونی'' کے نام سے بھی آپ یاد کئے جاتے ہیں۔

اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ شریعت، طریقت و معرفت کے بحر بیکراں کے ماہر پیراک تھے۔تمام دنیاوی و دینی یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ و پیراستہ تھے۔روحانیت میں آپ نے وہ کمال حاصل کیا کہ ''محبوب الٰہی'' بن گئے۔آپ نے علوم ظاہری میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ اہل علم و فضل آپ کو ''نظام الدین بحاث'' اور ''مرد محفل شکن'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔آپ نے کم عمری میں ہی تمام علوم پر عبور حاصل کر لیا اور بیس سال کی عمر میں خرقہ خلافت سے بھی نوازدیئے گئے۔عبادات، ریاضات اور مجاہدات میں بھی آپ کا مقام نمایاں ہے۔کثرت مجاہدات کی وجہ سے اہل معرفت آپ کو ''نہنگ دریائے وحدت'' ''پتنگ بیدائے محبت اور ملک الاتقیاء کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔زہد و تقویٰ میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔آپ بہت غریب پرور اور ہر دلعزیز تھے۔غریب لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ لنگر سے کھانا کھائیں اور اہل خانہ کے لئے ساتھ باندھ کر لے جائیں۔آپ بہت ہمدرد، غمگسار اور غریب دوست تھے۔آپ کے نزدیک لوگوں کا دل خوش رکھنا یہ افضل ترین عمل ہے۔آپ کے روزمرہ کے وظائف میں تلاوتِ قرآن حکیم کو اولین مقام حاصل تھا۔آپ کا روحانی اقتدار عوام اور خواص کے دلوں پر یکساں طاری تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ سن 636ہجری بمطابق 1239ء میں ہندوستان کے ایک شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔الحمدللہ! آپ نے سنِ

ہجری کے لحاظ سے 89 سال کی باصحت عمر پائی۔آپ 66 سال تک دہلی میں رہے اور آپ 66 سال تک دہلی کے روحانی شہنشاہ رہے۔آپ نے 18 ربیع الثانی 725 ہجری بمطابق 3 اپریل 1325ء بروز بدھ کوطلوع آفتاب کے بعد وصال فرمایا۔آپ کے ہم عصروں کے متعلق اتنا ہی بتادینا کافی ہے کہ آپ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے،خلیفہ تھے اور حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے محترم رفیق تھے اور حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے خاندان کے افراد بخارا کے رہنے والے تھے۔(سیرالاولیاء،ص 94) آپ کے دادا محترم حضرت سید علی بخاری اور نانا محترم حضرت سید عرب بخاری ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے۔بعد ازاں ہندوستان کے نہایت مردم خیز (اللہ والوں کے)علاقہ بدایوں میں تشریف لے گئے۔ان دنوں بدایوں اہل علم ومعرفت کا عظیم مرکز تھا۔آپ کے والدگرامی سید احمد بخاری مادرزادولی تھے اور انہوں نے سندِ ارادت وخلافت اپنے والدگرامی سید علی بخاری سے حاصل کی۔وہ کچھ عرصہ قضا کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔پھر دُنیا چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلی۔آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بی بی زلیخا زہد وتقویٰ،علم وفضل اور صبر وہمت میں اپنی مثال آپ تھیں۔

آپ سن 636 ہجری میں ہندوستان کے ایک معروف قصبہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد بن علی بخاری ہے۔آپ والدین یعنی ماں باپ دونوں کی طرف سے حسینی سید ہیں۔والدین سے لے کر آپ کا سلسلہ نسب 17 واسطوں کے ساتھ حضرت امام حسین ﷺ شہید کربلا تک پہنچتا ہے۔آپ کے اباواجداد میں دونوں طرف کے تمام واسطے اسلام کے عظیم فرزند تھے۔

آپ کی عمر مبارک پانچ سال تھی کہ والدگرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔مہربان ماں نے آپ کی تعلیم وتربیت پر تمام تر توجہات صرف کردیں۔آپ نے مولانا شادی مقربی سے ایک پارہ پڑھا پھراس کی برکت سے سارا قرآن پاک پڑھ لیا اور پھر دوسری کتابوں کی تدریس شروع ہوئی۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’قدوری شریف‘ مولانا علاءالدین اصولی سے پڑھی اور انہوں نے علماء ومشائخ کی موجودگی میں آپ کو دستارفضیلت سے نوازا۔مولانا شمس الدین خوارزمی سے کتاب ”مقامات حریری“ حفظ کی۔مولانا کمال الدین دہلوی سے مشارق الانوار کا درس مکمل فرمایا۔

باقی تعلیم وتربیت شیخ یگانہ،فریدالعصر،حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت عالی اجودھن (پاکپتن شریف) میں حاضر ہوکر حاصل کی۔آپ نے عوارف المعارف کے پانچ باب حضرت فریدالدین مسعودؒ سے پڑھے۔تمام تمہید المہتدی بھی مرشد گرامی سے پڑھی۔آپ نے علوم ظاہری باطنی میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ اہل علم وفضل کے ساتھ عوام الناس بھی آپ کو ”نظام الدین بحاث“ اور ”مرد محفل شکن“ سلطان المشائخ،سلطان الاولیاء،شیخ الہند،نظام الدین،نظام الدین اولیاء،

عارف اطوار، نظام اولیاء اور محبوب الٰہی جیسے شاندار معزز القابات سے پکارنے لگے۔ آپ کے مرشد حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آپ کو پیار سے ''بابا نظام'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے بعد آپ بدایوں سے عروس البلاد دہلی میں تشریف لے آئے۔ والدہ ماجدہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ دہلی میں آپ نے اپنے مرشد گرامی کے برادر اصغر حضرت خواجہ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔ آپ کا مکان اُن کے پڑوس میں تھا۔

آپ کے گھر عسرت کا دور دورہ تھا۔ ایک دن آپ نے حضرت خواجہ متوکل رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ حضور دعا کریں میں کسی علاقے کا قاضی بن جاؤں، آپ نے فرمایا: ''بابا نظام قاضی مشو، چیز دیگر شو، یعنی کہ بابا نظام قاضی نہ بن، کوئی اور چیز بن۔'' مزید فرمایا کہ تم میرے برادر اکبر اور شیخ طریقت حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرو۔ وہ اپنے نور سے تاریک دلوں کو روشن کرتے ہیں اور ان دنوں اجودھن (پاک پتن) میں تشریف فرما ہیں۔

آپ نے حضرت فریدالدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف سنی اور دل کی دولت ان کے نام لگا دی اور شوق و محبت کے غلبہ سے بے اختیار فرید، فرید پکارتے اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ آگے منزل بھی اس ''مسافر محبت'' کی منتظر تھی۔ شیخ نے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

آپ خود فرماتے ہیں کہ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ہیبت کے آثار میرے اندر پیدا ہوئے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: ''مرحبا! خوب آئے، انشاء اللہ دین اور دُنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہو گے۔''

آپ کی عمر مبارک بیس سال تھی جب شیخ نے آپ کو حلقہ ارادت میں شامل فرما کر اپنی خاص الخاص ٹوپی مبارک، خرقہ مبارک، نعلین مبارک، مصلّی مبارک جیسے تبرکات عطا فرمائے۔ آپ نے حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سات ماہ اور کچھ دن رہ کر روحانی فیوضات اور باطنی کمالات میں درجہ کمال حاصل کیا اور پھر فرمانِ شیخ کے مطابق دہلی میں تشریف لا کر عالم اسلام کے امام بن گئے۔

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کو اپنے ''نظام بابا'' سے از حد محبت تھی، اس محبت کا اظہار اس دعا سے ہوتا ہے: ''اے پروردگار میں تہہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ نظام الدین جو کچھ بھی تجھ سے مانگے اس کو عطا فرما کر، حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے آپ کی بلند بختی کی دعا بھی فرمائی۔ یہ شیخ کامل کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اب بھی مستجاب الدعوات بزرگ کی بارگاہ سے کوئی خالی نہیں لوٹتا۔ آپ کو بھی اپنے شیخ کامل سے بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ جب کسی کی زبان سے کسی محبوب کی تعریف سنتے تو آپ کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی۔ آپ کی محبت و عقیدت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپ ایک مرتبہ ایک خاص رنگ کے کتے

کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ ایسے رنگ کا کتا میں نے دیار فرید (اپنے مرشد پاک کے علاقہ) میں دیکھا تھا۔

آپ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے نائب کامل تھے، غرباء ومساکین کی پرورش فرماتے، جو چیزیں خانقاہ میں آتی تھیں وہ شام تک تقسیم ہو جاتی تھیں۔ خانقاہ کی آمدن سے تحائف، نذرونیاز سے آپ نصف تنکا بھی اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ آپ دولت وآمدن تقسیم کردینے کے بعد آرام کے ساتھ نماز پڑھنے تشریف لے جاتے۔ آپ کی بارگاہ میں شاہ وگدا، شہری اور پردیسی، صالح وگنہگار میں کوئی تفریق نہیں تھی، امتیاز نہ تھا۔ سب ایک صف میں بیٹھتے اور ''نظام وحدت'' کا فیض حاصل کرتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو کھانا باندھ کر ساتھ لے جانے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت خواجہ چراغ دہلوی کا بیان ہے:

> ''صبح سے شام تک خلق خدا آتی رہتی تھی، عشاء کی نماز کے بعد بھی لنگر کا سلسلہ جاری وساری رہتا تھا۔ مانگنے والوں کی تعداد نذر دینے والوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ جو کوئی نذر لے آتا کہ آپ اسے کچھ نہ کچھ عطا بھی فرماتے۔ (خیر المجالس، ص 257)

آپ سب کو محبت کی نظر سے دیکھتے، سب کا احترام فرماتے تھے۔ آپ کتنے مہربان تھے، حضرت امیر حسنؒ فرماتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی، سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا، بھائیو! ذرا مل جل کر بیٹھ جاؤ! تاکہ ان بھائیوں کے لئے بھی جگہ بن جائے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور (اُن کے دھوپ میں بیٹھنے کی وجہ سے اس دھوپ کے اثر سے) میں جلا جا رہا ہوں۔''

آپ جہد وریاضت اور فکر وعبادت میں یگانہ روزگار ہوئے ہیں۔ مرشد پاک حضرت فرید الدین مسعودؒ کی نصیحت کو دامن دل سے باندھ کر رکھا کہ ''نظام الدین استعداد کے حصول کے برابر مجاہدہ کرتے رہو۔'' آپ نے اس قدر مجاہدہ کیا کہ اہل معرفت آپ کو ''نہنگ دریائے وحدت، پتنگ بیدائے محبت، ملک الاتقیاء کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں یعنی کہ اہل معرفت نے آپ کو ایسے ایسے خوبصورت القابات سے نوازا ہے اور وہ القابات برزبانِ عام وخاص ہیں۔ (بزم صوفیہ، ص 211)

آپ کے زہد وتقویٰ کی بناء پر حضرت خواجہ رکنِ عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم لوگ آپ کا زحد احترام فرماتے تھے، اور آپ بھی ان کا استقبال دہلی سے باہر نکل کر کرتے تھے۔

سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے کدورت رکھتا تھا، ایک مرتبہ وہ بنگال سے آرہا تھا اور اس نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرے آنے تک آپ دہلی سے چلے جائیں۔ آپ نے جواباً فرمایا: ''ہنوز دہلی دور است۔'' ابھی دہلی دور ہے۔ چنانچہ وہ راستہ میں ہی مر گیا۔ حضرت خواجہ کو دہلی سے کیا نکالنا تھا خود دنیا سے ہی نکل گیا۔ (تاریخ فرشتہ، ص 298)

آپ کی زبان سے نکلنے والا یہ جملہ بھی ضرب المثل بن گیا، ظاہر ہے محبوبوں کے الفاظ بھی محبوب ہو جاتے ہیں۔

آپ کے کشف وکرامات بہت زیادہ ہیں۔ درج ذیل میں مقصد کرامت کا بیان کرنا نہیں ہے، بس یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ بندے کس کس انداز سے جانی دشمنوں کا بھی بھلا کرتے ہیں ۔انہیں راہِ راست پر لانے کی سعی کرتے ہیں ۔یہ اللہ کے بندے ہر ایک پر مہربان ہوتے ہیں اور ہر ایک کا بھلا چاہتے ہیں اور بھلا کرتے ہین ۔خدمت خلق ،تبلیغ دین متین ہی ان کا شعار ہوتا ہے۔

سلطانِ دہلی ،حاکم دہلی قطب الدین خلجی آپ سے بغض ،حسد اور دلی عداوت رکھتا تھا۔وہ بدچلن آدمی تھا وہ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا جو شرم کے مارے بتا بھی نہیں سکتا تھا۔آخر اس کا پیشاب بند ہو گیا جس کے سبب وہ زمین پر لوٹتا تھا اور چیختا تھا۔اس کی ماں نے کہا کہ جا کر اس درویش شہر سے معافی مانگ لے ۔فقیر کو ستانا مصائب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔وہ خود تو نہ گیا اس کی ماں سلطان المشائخ کی معتقد تھی وہ خود گئی اور گڑ گڑا کر عرض کیا یا حضرت دعا فرمائیں ۔وہ گستاخ ہے مگر نادان ہے آپ کے مرتبے کو نہیں سمجھتا آپ دعا کریں گے تو وہ ٹھیک ہو کر شاید راہِ راست پر آجائے ۔آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ،اس کو بدگمانی ہے کہ میں اس کی بادشاہی کے لئے خطرہ ہوں ۔اس کی بیماری و پریشانی کا اصل سبب بھی یہی ہے ۔اب اس سے کہو کہ وہ اپنی بادشاہی مجھے دے دے ۔وہ ٹھیک ہو جائے گا ۔ماں گئی اور بیٹے سے کہا درویش بادشاہی مانگتا ہے ۔اس نے کہا ماں میں سچ کہتا تھا کہ درویش کو دنیا کی ہوس ہے ۔لیکن وہ اتنی اذیت میں تھا کہ ماں سے کہا کہ جا اس سے کہہ دے میں نے بادشاہی تجھے دے دی ۔ماں واپس آئی تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ نہیں ۔وہ سب امیروں وزیروں کے سامنے پروانہ لکھے ۔اور اس کے اوپر شاہی مہر ثبت کرے ۔ماں پھر گئی ،وہ اتنی اذیت میں تھا کہ نہ مرتا تھا نہ جیتا تھا ۔مرتا کیا نہ کرتا ،اس نے تمام دربار کے سامنے پروانہ لکھا مہر لگائی اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ پروانہ پیش کر دیا ۔آپؒ وہ پروانہ دیکھ کر مسکرائے اور اسی وقت وہ پروانہ اس کی ماں کو واپس دیا اور فرمایا: بی بی! واپس جا اور وہاں سارے دربار کے سامنے یہ پروانہ پھاڑ کر پھینک دینا ۔تیرا بادشاہ بیٹا شفایاب ہو جائے گا۔ایسا ہی کیا گیا جب پروانہ درباریوں کے سامنے پھاڑا گیا تو بادشاہ کو اسی وقت پیشاب آ گیا اور اذیت سے نجات مل گئی۔

آپ بہت ہمدرد ،غمگسار ،شفیق ،غریب پرور انسان تھے ۔آپ کی تعلیم میں لوگوں کا دل خوش رکھنا یہ افضل ترین عمل ہے ۔ایک بار غیاث پورہ میں آگ لگ گئی ،آپ مکان کی چھت پر اس آگ کے سرد ہونے تک ہمدردی میں کھڑے رہے اور مخلوق خدا کی تکلیف پر پریشان ہوتے رہے ۔بعد میں ہر متاثرہ خاندان کو دو چاندی کے تنکے ،دو روٹیاں اور پانی کی صراحی ارسال کی ۔آپ کے خادم خاص حضرت خواجہ اقبالؒ ہر گھر میں آپؒ کا یہ تحفہ لے کر پہنچے تو لوگ خوشی سے آبدیدہ ہو گئے ۔وہ دو تنکے اتنی مالیت رکھتے تھے کہ اُن کی قیمت سے جلے ہوئے مکانوں کی مرمت ہو سکتی تھی۔

آپ کو مرشد گرامی نے وصیت فرمائی تھی کہ قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتے رہنا ۔اس لئے آپ کے وظائف میں تلاوت قرآن پاک کو ہمیشہ اولین مقام حاصل رہا ۔آپ خوش الحان حافظ خواجہ محمد سے قرآن پاک سنتے اور آپ پر رقت و استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی ۔(سیر الاولیاء ،ص 200) آپ لوگوں کو اکثر حفظ قرآن کی وصیت فرمایا کرتے تھے ۔

ملک ہندوستان کے طول و عرض میں ظاہری طور پر سلاطین دہلی کی حکومت تھی اور باطنی طور پر مشائخ کے سلطان ،اولیاء کے مقتداء ،اللہ کے محبوب حضرت خواجہ نظام الدین چشتی فریدی رحمۃ اللہ علیہ کا اقتدار قائم تھا۔

حضرت نظام الدین سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے فیوضات واثرات سے تمام عالم اسلام مستفید ہوا۔ آپ کے عظیم خلفاء کرام حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تعلیمات کو عام کیا۔ بعد میں آنے والے حضرت خواجہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشائخ آپ کے فیض کا بہتا ہوا دریا ثابت ہوئے۔

آپ کا روحانی اقتدار عوام وخواص کے دلوں پر یکساں طاری تھا۔ سلطان علاؤالدین خلجی جیسا مضبوط بادشاہ اور اس کے درباری امراء و وزراء، آپ کے اشارہ پر عمل کرتے تھے۔ آپ کے مرید خاص حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ لسان الہند مختلف بادشاہوں کے دربار میں کام کرتے رہے، گویا وہ آپ کے نمائندہ تھے۔ اس طرح آپ نے سیاست ہند پر گہرے اثرات ثبت فرمائے۔ آپ کی خانقاہ میں دور دراز سے لوگ آتے اور فیض حاصل کر کے دور دراز کے علاقوں میں پھیل جاتے اور دین اسلام کا نور پھیلاتے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی اشاعت میں حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاؤ الدین ملتانیؒ حضرت خواجہ قطب بختیار کاکی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اہم کردار ادا کیا اور حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی تربیت، اسلام کے رسوخ، اور اس کے نفاذ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ شاید آپ کو دارالحکومت دہلی میں متعین کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اعیان سلطنت اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں اور ان کا اثر ونفوذ عوام کی طبائع میں ظاہر ہو جائے۔ یہ تاریخ کا قاعدہ ہے: **الناس علی دین ملوکھم** یعنی کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ نے اپنی بصیرت وفراست سے سلاطین دہلی کے دل ودماغ کو بھی درست رکھا اور لوگوں کے اخلاق وکردار کی بھی آبیاری فرمائی۔

آپ چار ماہ تک علیل رہے، اور 18 ربیع الثانی 725ھ بمطابق 3 اپریل 1325ء بروز بدھ طلوع آفتاب کے بعد وصال فرمایا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت خواجہ شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ آپ کا مزار غیاث پورہ، دہلی میں مرجع خاص وعام ہے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون**۔

آپ کے ملفوظات کو ''فوائد الفواد'' کے نام سے مشہور شاعر امیر حسن سنجری نے جمع فرمایا ہے۔ اس مجموعے کو حضرت نظام الدینؒ نے بہت پسند فرمایا۔ یہ مجموعہ بہت معروف ہے اور اہل تصوف کے نصاب میں شامل ہے۔ اس مجموعے کے بارے میں حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں: ''کاش میری تمام کتابیں خواجہ میر حسن کے نام ہو جائیں اور اس کے بدلے وہ فوائد الفواد میرے نام لگادیں۔'' یہ ملفوظات نہایت مستند اور معتبر ہیں۔ اس کے چند جواہر پارے پیش خدمت ہیں:

- ــــــ اخلاقی زندگی کے لئے انسانی کوشش ضروری ہے۔
- ــــــ اخلاق کی بنیاد خدمت خلق پر ہے۔
- ــــــ راہ تصوف صدق وصفائی کا راستہ ہے۔
- ــــــ خلق کو کھانا کھلانا نیک کام ہے۔

- —— سخی وہ ہے جو زکوۃ سے زیادہ دے، جوادوہ ہے جو بہت زیادہ دے۔
- ——ایک آدمی ظلم کرے اور دوسرا تحمل سے برداشت کرے تو برتری اس کو ہے، جو تحمل کا مظاہرہ کرتا ہو۔
- ——ترک ماسواللہ ایک راز ہے۔
- ——دین بیچنا یہ ہے کہ درویش پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور امراء کے گھر مانگنے کے لئے جائے۔
- —— کرامت کا دعویٰ کر کے خود کو اس کے ذریعے مشہور کرنا بے معنی بات ہے۔اولیاء پر کرامت کو چھپانا فرض ہے ،فرض کو توڑنا نہیں چاہیے۔
- ——قوالی جائز ہے، مزامیر (مختلف ساز بجانا ،راگ ،گیت) حرام ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت رُکن الدینؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی رکن الدین ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم شریف صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ تھا اور آپ کے دادا حضور حضرت بہاءالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ تھے۔آپ کے آباواجداد قبیلہ قریش سے تھے اور وہ پہلے مکہ معظّمہ سے خوارزم آکر آباد ہوئے اور پھر وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور ملتان میں آباد ہوگئے۔آپ کے گھرانے میں ولایت نسل در نسل چلی آرہی تھی۔ابوالفتح آپ کی کنیت نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا معزز القاب ہے کیونکہ آپ لوگوں کے دلوں پر قابض ہوجاتے تھے،لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیتے تھے،بہت شفیق و ہر دلعزیز تھے اس لئے لوگ احتراماً آپ کو ابوالفتح کہنے لگے۔

اولیاءاللہ میں،روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ تمام مروجہ ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ و پیراستہ تھے۔بحرِشریعت وطریقت کے آپ ماہر پیراک تھے۔آپ صحیح معنوں میں تاج الاولیاءاور مہر اصفیا تھے۔آپ ریاضات،مجاہدات اور عبادات میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔اور یہ مجاہدات وریاضات آپ نے اوائل عمر میں ہی شروع کر دی تھیں۔ ہر عالی قدر اولیاءاللہ کی طرح آپ کے کشف وکرامات بہت مشہور ہیں۔آپ کی صفت کشف القلوب کا یہ عالم تھا کہ آپ ہر آنے والے یا ہر شامل مجلس فرد کے دلی خدشات،خواہشات و وساوس سے آگاہ ہوجاتے تھے اور پھر اس کے مطابق انہیں نصیحت ورائے فرماتے تھے۔آپ اپنی اس صفت کے سبب ہر دلعزیز ہی نہ تھے بلکہ اس صفت کشف القلوب کی وجہ سے ہزاروں نے دین اسلام اختیار کیا۔ آپ سب کی بہت آؤ بھگت،عزت وتکریم کرتے تھے۔آپ اپنے ہم عصر علماء،فقراء،صلحاءاور اولیاءاللہ کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے اور شاگردوں،مریدوں اور زیارت والوں پر بہت شفیق تھے۔یہ شفقت،محبت،رواداری اور سخاوت تو آپ کو گھٹی میں ملی تھیں۔ روحانیت کے ساتھ دنیاوی مال و دولت نے بھی آپ کے گھرانے میں اجداد کے وقتوں سے ڈیرے ڈالے ہوتے تھے۔آپ نے بھی اپنے آباؤاجداد کی طرح دنیاوی مال ومتاع واسباب کو تبلیغ واشاعت دین متین اور دین کو پھیلانے کے لئے استعمال کیا۔آپ نے دوسروں پر خوب خرچ کیا،خیر وخیرات کی،غریب پروری کی اور اپنی دنیا سے بے رغبتی وفقر وفقیری میں دن بدن اضافہ ہی کیا۔ غرباً ومساکین میں مال و دولت بانٹ دینا آپ کو بہت محبوب تھا۔آپ بہت ملنسار تھے۔حاجت مندوں کا،طالب علموں کا، زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔آپ نے،آپ کے آباؤاجداد نے،آپ کے خاندان نے،اس برِّصغیر میں دین اسلام

کو پھیلانے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 9 رمضان 649 ہجری بمطابق 25 نومبر 1251ء کو بروز جمعہ ہوئی۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 86 سال کی عمر پائی اور آپ کا وصال 16 رجب 735 ہجری بمطابق 12 مارچ 1335 عیسوی کو ہوا۔ آپ کے ہم عصروں میں حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ بہت مشہور و معروف ہیں۔ ہندوستان کا حکمران اس وقت علاؤالدین خلجی تھا اور سب سے بڑھ کر آپ کی سعادت وتعارف یا اندازہ زمانہ تو یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت صدرالدین عارف رحمۃ اللہ علیہ تھے اور آپ کے دادا حضور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ جن کی شہرت و روحانیت صدیوں سے اسی طرح برقرار ہے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے اجداد قریشی تھے اور مکہ معظمہ سے فارس کے علاقہ خوارزم میں آ کر آباد ہوئے اور پھر خوارزم سے ہجرت کر کے ہندوستان کے ایک علاقہ و شہر ملتان میں آباد ہو گئے۔ آپ کے دادا حضرت حضرت بہاالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی مشہور و معروف روحانیت شخصیت تھے اور آپ کے والد ماجد حضرت صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت اعلیٰ پائے کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا بھی بہت متقی و پرہیز گار خاتون تھیں جنہیں اُن کے زہد وتقویٰ میں ممتاز ہونے کے سبب انہیں اپنے وقت کی رابعہ بصری کہا جاتا تھا۔

قارئین کرام! آپ حضرت رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مراتب و مقام کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگائیں اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ ابھی اس دنیائے فانی میں نہیں آئے تھے، پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ ابھی اپنی والدہ ماجدہ حضرت بی بی راستی کے شکم مبارک میں تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حاملہ ہو جانے کے بعد جب حسب معمول ایک دن اپنے خسر حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئیں تو خلاف معمول حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ان کے آنے پر بہت ادب واحترام سے مؤدب وتعظیماً کھڑے ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ یہ صورت حال دیکھ کر حیران ہوئیں اور کچھ پریشان بھی کیونکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے بصد عزت واحترام گزارش کی کہ میں اس قابل تو نہیں کہ آپ (خسر محترم) میرے لئے تعظیماً کھڑے ہوں۔ محترم خسر جواب تک اسی طرح تعظیم واحترام میں کھڑے تھے نے جواب میں صرف اتنا فرمایا: اے میری قابل احترام بیٹی! یہ تعظیم یہ احترام تیرا نہیں بلکہ اس محترم انسان کا ہے جس کی آپ ماں بننے والی ہیں۔

آپ 9 رمضان المبارک 649 ہجری بمطابق 25 نومبر 1251 عیسوی کو جمعہ کے روز اس دار فانی میں تشریف لائے۔ آپ کی والدہ بی بی راستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو زہد وتقویٰ میں اعلیٰ مرتبہ رکھنے کے باعث اپنے زمانے کی رابعہ بصری کہا جاتا تھا۔ کلام پاک کی تلاوت میں اس طرح محو رہتیں کہ دین و دنیا کا ہوش نہ رہتا۔ اس نیک بی بی کو اپنے خسر محترم حضرت بہاؤ الدین

زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد عقیدت تھی، ایسی نیک ماں کی گود ایسے عارف صادق باپ کی تربیت ایسے چشمہ نور دادا کی شفقت کا سایہ جس بچے کے سر پر ہو، اسے عرفانِ الٰہی کی منزلیں طے کرنے میں کیا دشواری پیش آ سکتی ہے۔

آپ جب چار برس کی عمر کو پہنچے تو ایک دن اپنے دادا کی دستار مبارک اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ والدہ نے منع کیا تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''یہی میری مسند اور دستار کا وارث ہوگا اسے کچھ نہ کہو۔'' جب آپ مسند خلافت پر بیٹھے تو یہی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھی گئی۔ مورخین کے مطابق حضرت رکن عالم ابوالفتح سات برس کی عمر میں پابند صوم وصلوٰۃ ہو گئے۔ انوار غوثیہ کے مولف کے مطابق آپ عبادت و ریاضت، تقویٰ و پرہیز گاری میں بے مثل تھے۔ آپ نے اپنے حسن خلق، تحمل، بردباری سے، تبلیغ دین اور رشد وہدایت کی وہ شمع روشن کی کہ مثال نہیں ملتی۔ آپ صدق وصفا، حیا، علم، جود وسخا، مجاہدات کا ایک سمندر تھے۔ مجاہدات وعبادات میں آپ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتے تھے۔

آپ کا کھانا اور سونا بہت کم تھا۔ آپ صرف اتنا کھاتے تھے کہ جسم و جان کا رشتہ قائم رہے اور غیر ضروری نقاہت ریاضات، مجاہدات وعبادات میں حارج نہ ہو، خلل نہ ہو۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان خاص بندوں کا خاصہ یہی ہے کہ شب وروز یادِ الٰہی میں مصروف رہنا اور کم کھانا، کم سونا اور کم بولنا۔ آپ بہت ہی کم سوتے تھے رات کے اکثر حصے میں عبادات، ریاضات و مجاہدات ہی جاری وساری رہتے تھے اور پھر رات بھر حاجتمندوں کے لئے، اُمت مسلمہ کے لئے دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔

آپ علماء فضلاء درویشان باصفا، وفقراء کے ساتھ خاص اُنس رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں آپ کے استاد کی اولاد ہوں۔ آپ نے اسے عزت واحترام سے بٹھایا، تفصیل معلوم کی تو معلوم ہوا کہ اس کے والد سے کلام پاک کی آخری آیات کا سبق لیا تھا۔ آپ نے اس شخص کی بڑی عزت کی اور احترام سے رُخصت کیا اور اسے احتراماً ایک ہزار روپے عنایت فرمائے۔

آپ ویسے بھی اپنے باطنی نور سے اپنے گرد وپیش کے لوگوں، متعلقین اور متوسلین کے دلوں کے حالات سے آگاہ رہتے تھے اور اسی رہنمائی کے ذریعے، کے تناسب سے ان کی دلجوئی کرتے، مدد کرتے، رہبری کرتے رہنمائی کرتے۔ اسی لیے آپ ابو الفتح مشہور ہوئے۔ آپ کی تصنیف وتالیف سے متعلق تاریخ خاموش ہے مگر آپ کے ایک مرید کا کہنا ہے کہ آپ کے ملفوظات مرقوم ہیں۔

کشف وکرامات، اور کشف قلوب میں یہ حال تھا کہ اعزاء اقرباء اور مصاحبت میں بیٹھنے والوں کے دلوں کی خواہشات اور خوف وخطر سے آگاہ رہتے اور ان کی دلجوئی کے ساتھ ان کی رہنمائی بھی فرماتے۔ امراء وسلاطین وقت اور مشائخ شرف باریابی سے ہمیشہ فیض یاب ہوتے ہیں۔ حاضری کی عام اجازت تھی ان سب کے مدارج، منصب اور مرتبے کا خیال رکھتے تا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ آپ کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت تھی۔ آپ ان کی زیارت کو کعبہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ حضرت نظام الدینؒ سے آپ کی محبت وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے خلیفہ اول حضرت وجیہہ الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ

کومحبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی قربت اور حضوری کی خاطر دہلی میں قیام کا حکم دیا تھا۔شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دہلی میں ہے۔

آپ کو حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا کس قدر احترام تھا اور آپ اپنے مریدوں کے لئے کتنے شفیق ومہربان تھے یہ درج ذیل سے خوب خوب آشکارا ہے:

جب حضرت وجیہہ الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ ابتدا میں شام سے سیاحت کرتے کرتے دہلی پہنچے تو حضرت شیخ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نہر کے کنارے نماز ادا کرتے دیکھا۔چہرے پر نظر پڑی تو انوار الٰہی کی کرنیں دل میں اُتر گئیں،اسی وقت آپ کے حلقہ ارادت میں شریک ہو گئے اور آپ ان کو ملتان اپنے ساتھ لے آئے۔جس دن وجیہہ الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اسی دن انہوں نے دنیا ترک کر دی۔ایک تہبند کے سوا اُن کے پاس کچھ نہ تھا اس بے سروسامانی کے عالم میں دومرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔دوسری مرتبہ طواف کعبہ کے دوران چشم بصیرت نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُن کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔یہ دیکھ کر اُن کی طبیعت میں اضطراب سا پیدا ہو گیا۔اسی وقت وہاں سے روانہ ہوئے اور مختلف مما لک اور علاقوں کی سیر وسیاحت اختیار کی۔

سات برس بعد ملتان واپس آئے مرشد کامل کے حضور حاضری دی۔مرشد کامل نے بڑے شوق سے انہیں گلے لگایا، چھاتی سے لگایا،سر کو بوسہ دیا اور فرمایا عثمان تم نے اچھا کیا خضر علیہ السلام کا ہاتھ سر پر دیکھا تو سیر وسیاحت کے لیے سفر اختیار کیا، ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پڑ جاتے یعنی کہ دنیاداری کی طرف راغب ہو جاتے۔یہ کہہ کر اپنا کرتا اُنہیں پہنادیا اور دستار اُن کے سر پر رکھ کر دہلی جانے کا حکم فرمایا اور حکم دیا کہ حضرت سید نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی قیام رکھنا۔جب دربار میں پہنچو تو سب سے پہلے میرا سلام ان کو کہنا۔مرید نے مرشد کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے قربت کے باعث بہت شہرت پائی۔

ایک مرتبہ آپ (حضرت رکن الدینؒ) دہلی میں قیام پذیر تھے کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے ایام آگئے۔پاکپتن میں عرس کے موقع پر جو تقریبات منعقد کی جاتی ہیں وہی دہلی میں انعقاد پذیر ہوئیں اور حضرت شیخ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان تقریبات میں شرکت کی۔محفل سماع عروج پر آئی تو محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پر وجد طاری ہو گیا۔بے قراری اور اضطرابی کیفیت طاری ہوئی تو اُٹھنا چاہا لیکن رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ہاتھ سے پکڑ کر بٹھادیا۔حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پر دوبارہ وجد طاری ہوا تو پھر شیخ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ نہ کہا بلکہ خود بھی ساتھ کھڑے ہو گئے۔مجلس اختتام پذیر ہوئی تو مولانا علم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے کھڑے ہونے کا سبب پوچھا تو فرمایا:''پہلی مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی اس لیے میرا ہاتھ پہنچ گیا اور ان کو بٹھا دیا پھر بات آگے نکل گئی اور مجھے کھڑا ہونا پڑا۔

بزم صوفیہ میں لکھا ہے کہ آپ ایک بار علاؤالدین خلجی کے عہد میں ملتان سے دہلی تشریف لے گئے۔سلطان نے تعظیم و

تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔بڑی شان وشوکت سے آپ کا استقبال کیا گیا۔سلطان نے پانچ لاکھ ٹکے نذرانہ پیش کیا آپ نے وہ بھی لے لیے وہ نذرانہ قبول کرلیا مگر آپ نے دہلی چھوڑنے سے قبل تمام نذر ونیاز کی دولت غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دی۔اس کثیر رقم کی تقسیم سے ہزاروں مفلسوں کو عسرت اور غربت سے نجات مل گئی۔سلطان علاؤالدین خلجی کی اس عزت افزائی اور عزت وتوقیر کے باوجود آپ فرماتے تھے کہ دہلی آتا ہوں تو صرف حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے باعث شوق ملاقات کی آگ بھڑکتی ہے تو دہلی چلا آتا ہوں۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے بے حد محبت اور شفقت فرماتے تھے اور اکثر شوق ملاقات کا اظہار کرتے۔ایک مرتبہ شیخ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں سخت تکلیف تھی اس کے باوجود آپ اپنے مہربان دوست حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے۔

آپ کے خاندان میں پہلے سے ہی نسل درنسل روحانیت کا ایک بہتا دریا چلا آرہا تھا جس سے لاکھوں تشنگانِ راہ شریعت وطریقت اپنی پیاس بجھانے چلے آتے تھے۔ایسے ایسے روحانیت کے آفتاب درخشاں، افق سہروردیہ پر طلوع ہوئے کہ جن کے انوار فیض نے کفرستان کے گہرے اندھیروں میں بسنے والے بندگانِ خدا کے دلوں کو منور ہی نہیں کیا بلکہ ان کے دلوں سے نور کے چشمے بہادیئے۔خطہ ملتان سے لے کر دہلی تک نور کا ایک دھارا تھا جو بہتا چلا جاتا تھا اور دین متین، دین اسلام کی ضیا پاشیوں اور نور تابانیوں سے صدیوں کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو مثل یدِ بیضا روشنیاں دکھاتا اور ذہن ودل کو منور کرتا چلا جاتا تھا۔

حضرت رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ فیوض وبرکات کا دریا تھے۔آپ کی ذات سے خلق خدا کو بے پناہ فیض حاصل ہوا۔آپ مخلوق خدا کی حاجت روائی کے باعث قبلہ حاجات کہلائے۔عجز وانکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنا ہاتھ ڈولے سے اس امید وآس پر باہر رکھتے کہ شاید کسی نیک انسان کے ہاتھ سے ہاتھ لگ جائے، چھوجائے اور یوں میری بھی بخشش کا سامان بن جائے۔

خاص طور پر اپنی مجالس میں لوگوں کو پند ونصائح سے نوازتے اور اپنے روحانی انوار وتجلیات سے دلوں کو روشن کرتے۔حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر ہزاروں مریدین نے بیعت کی۔ان کی روحانی تعلیمات کا فیض آج تک جاری ہے۔مخلوق کی حاجت روائی میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔آپ کے پند ووعظ اور تبلیغ دین سے لاکھوں انسان صراطِ مستقیم اور راہِ حق پر آگئے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ؛

❶ اعضائے وجود کو، قلب ونظر کو، شرعی ممنوعات سے قولاً، فعلاً اور عملاً محفوظ رکھو۔

❷ بے مقصد، بے مطلب مجالس سے دور رہو۔

❸ ابطالوں سے دور رہو۔(ابطال وہ ہیں جو لوگ طالب دنیا ہیں، طالب حق نہیں۔)

❹ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے: یعنی کہ سیرت اور صورت۔اس میں صورت کو پس پشت ڈالا جاسکتا ہے مگر سیرت انسان کی پہچان ہے۔اللہ جل شانہٗ صورت کی جانب نہیں دلوں کے حسن کو دیکھتا ہے۔

❺ اوصاف کو صیقل کرنے (جلا بخشنے) کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے۔

❻ تزکیہ نفس اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت، مدد اور رحمت خاص کے سبب ہی ممکن ہے۔

❼ رحمت الٰہی کے نزول کی یہ علامت ہے کہ انسان کو اس کے اپنے عیب نظر آنے لگتے ہیں اور عظمت خدائے ذوالجلال کے سامنے ساری کائنات ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔

سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 86 سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال 16 رجب 735ھ بمطابق 12 مارچ 1335 عیسوی کو ملتان میں ہوا۔ **اناللّٰه وانااليه راجعون۔**

آپ کا مزار مبارک ملتان کے قلعہ کہنہ پر ہے اور آپ کے ساتھ وہاں کئی ایک اولیاء اللہ آسودہ خاک ہیں۔ آپ کا مزار مبارک آپ کے دادا حضور حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے کوئی تین سو (300) میٹر دور ہے۔ آپ کا عرس مبارک 7 تا 9 جمادی الاول کو ملتان شریف میں منایا جاتا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی جلال الدین ہے۔آپ کے والد محترم کا اسم مبارک احمد کبیر تھا۔آپ کی کنیت ابو عبدالحسین ہے مگر آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے مشہور رہتے۔چونکہ آپ آل رسول سے ہیں اس لئے آپ کے اسم مبارک سے پہلے احتراماً سید لکھا جاتا ہے۔آپ کا سلسلہ نسب تقریباً سترہ (17) واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ کے لقب یا معزز خطاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے متعلق چند روایات ہیں جو درج ذیل ہیں:

آپ کے تذکرہ نگاروں نے اس لقب کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ نے عید کے روز حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدرالدین عارف اور حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہم کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبے میں آپ نے اُن سے عیدی طلب کی تو آپ کو ان بزرگوں کی طرف سے مخدوم جہانیاں کا لقب ملا۔اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی ملتا وہ بے اختیار آپ کو مخدوم جہانیاں کہتا۔

صاحب "خزانہ جلالی" نے اس خطاب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک روز شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر سے نکل رہے تھے، جب انہوں نے گھر کے دروازے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا فوراً ہی سید جلال الدین بخاری (آپ) دہلیز کی دوسری سیڑھی پر لیٹ گئے تا کہ شیخ رکن الدینؒ کا قدم اُن کے سینے پر رکھا جائے۔اس پر حضرت شیخ رکن الدینؒ نے اُن سے فرمایا کہ اے سید! نبوت کا دروازہ بالکلیہ مسدود ہو چکا، رہا رتبہ ولایت تو تم اس مرتبہ پر فائز ہو کہ "مخدوم جہانیاں" ہو، یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ پکڑ کر سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (آپ) کو اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگالیا اور نعمت وافر سے سرفراز فرمایا۔اُس وقت سے آپ مخدوم جہاں (جہانیاں) کہلائے۔

اور چونکہ آپ کا بہت سا وقت بلکہ عمرِ طویل سیاحت (جہاں بھر میں گھومنے پھرنے) میں گزرا، اس لیے آپ "جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اولیاء اللہ میں آپ کا نام ومقام بہت بلند ہے۔آپ کئی ایک انوکھی صفات کے حامل ہیں جیسا کہ آپ نے عمر کا بیشتر حصہ جہاں بھر میں گھومتے پھرتے سیاحت میں گزارا، اپنے دور کے تمام صلحاء و اولیاء کرام سے ملے اور مستفیض ہوئے۔بہت

سارے بزرگوں سے خرقۂ خلافت پایا۔آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔آپ کے والد ماجد اور جد امجد دونوں ہی سلسلہ سہروردی کے نامور بزرگوں میں سے تھے اور ان کی خانقاہ اُچ شریف میں خاص طور پر مشہور تھی۔آپ علم وفضل میں یکتا تھے آپ بے حد پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔فرائض کے علاوہ تہجد،اشراق،چاشت اور دوسری نفلی نمازیں بہت باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔شاہانِ وقت آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور وہ آپ کی نصیحت وہدایات پر بخوشی عمل کرتے تھے۔فیاضی،انکساری اور عاجزی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔مہمان نوازی،عفودرگزر اور ہم عصروں کا احترام بھی آپ میں خوب سے خوب تر تھا۔آپ سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے لیکن سلسلہ قادریہ سے بھی آپ کو بے حد عقیدت ومحبت تھی۔حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ ان باعظمت اولیاء سے ہیں جن کی زندگی کا بیشتر حصہ دُنیا کی سیاحت میں گزرا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایسے باطنی اسراروں سے نوازا جو بہت کم اولیاء کو نصیب ہوئے ہیں۔آپ شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء سے تھے۔آپ کا شمار سلسلہ سہروردیہ کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جنہیں بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔آپ کو اپنے وقت کے تمام ظاہری و باطنی علوم پر دسترس حاصل تھی۔آپ نے بہت کچھ تصنیف بھی فرمایا ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 14 رشعبان 707 ہجری بمطابق 8 فروری 1308 عیسوی بروز جمعرات اوچ شریف میں ہوئی۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 78 سال کی عمر پائی اور عین عیدالاضحیٰ کے دن 10 ذوالحجہ سن 785 ہجری بمطابق 3 فروری 1384ء کو وصال فرمایا۔درج ذیل میں آپ کے ساتھ آپ کے تین ہم عصروں کے اسمائے مبارک بھی شامل ہیں۔برصغیر کے صوفیاء کرام میں جو"چار یار"مشہور ہیں۔ان سے درج ذیل مشائخ عظام مراد ہیں۔

1. ———شیخ الاسلام غوث بہاءالدین زکریا سہروردی ملتانی (ملتان شریف)
2. ———قطب عالم مخدوم سید محمد عثمان شہباز قلندر (سیوہن شریف)
3. ———سید السادات مخدوم جلال الدین بخاری سہروردی (اوچ شریف)
4. ———قطب المشائخ خواجہ فرید الدین مسعود چشتی بابا گنج شکر (پاکپتن شریف)

یہ چاروں درویش اہل سنت وجماعت کے پیران کبار میں سے تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

حضرت جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اپنے دور میں علم وفضل میں یکتا تھا۔آپ کے والد اور دادا سہروردی سلسلے کے بزرگوں میں سے تھے اور ان کی خانقاہ اوچ شریف میں خاص طور پر مشہور تھی۔مخدوم جہانیاں نے ابتدائی تعلیم اُچ شریف ہی میں پائی۔لطائف اشرفی میں ہے کہ شروع شروع میں آپ سید محمد بخاری کے زیر تربیت رہے،پھر اُچ شریف کے قاضی علامہ بہاؤالدین سے ابتدا سے ہدایہ تک کتابیں پڑھیں۔علامہ قاضی بہاءالدین کی وفات کے بعد آپ تعلیم کے لیے ملتان آئے اور

اپنے والد ماجد کے مرشد شیخ ابوالفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ٹھہرے۔

شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سات نہایت شفقت ومہربانی سے پیش آئے اور آپ کی تعلیم اپنی بہن کے صاحبزادے مولانا موسیٰ اور ایک عالم مولانا مجدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کی، اوران بزرگوں سے آپ نے ہدایہ اوربزدوی ختم کی، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کشتی پر سوار کر کے کرواپس اُچ شریف بھیج دیا۔

''درمنظوم'' میں ہے کہ آپ نے کلام مجید کی ساتوں قرأتیں سیکھیں، پھر مکہ معظّمہ میں اور مدینہ منورہ میں بھی شیخ مکہ عبداللہ یافعی سے اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے مختلف کتابیں پڑھیں۔اس کے علاوہ دونوں شیوخ سے آپ نے صحاح ستہ پڑھی۔ شیخ عبداللہ مطری کی خدمت میں دوسال رہے اور تہجد کے وقت ان سے عوارف اورحدیث نبوی ﷺ پڑھتے۔شیخ عبداللہ مطری آپ پر اس قدر شفقت فرماتے کہ مخدوم جہانیاں نے اُن شفقتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، اُن کے ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا تھا۔میں نے ایک روز اُن سے عرض کیا: اے شیخ! آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں۔میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوجایا کروں گا۔آپ میرے مخدوم اور اُستاد ہیں لیکن انہوں نے فرمایا نہیں تمہیں اس کی ضرورت نہیں تم میرے پاس نہ آؤ میں ہی تمہارے پاس آؤں گا تم رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہو۔

شیخ عبداللہ مطری کی شفقتوں کی بناپر ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد نبوی ﷺ میں امامت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اگرچہ زیادہ وقت رُشد وہدایت میں صرف ہوتا تھا، لیکن علوم فنون کے درس سے بھی آپ کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔رُشد وہدایت کے زمانے میں بھی کبھی آپ صلحائ طلبائ شائقین وعلم دوست لوگوں کو قرآن مجید، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک) کبھی حدیث میں صحاح ستہ، مشارق الانوار اور مکشوۃ المصابیح اور کبھی فقہ میں ہدایہ، کبھی تصوف میں عوارف المعارف، اور رسالہ مکیہ، کبھی قصیدہ لامیہ کبھی مختلف اوراذ کار اور کبھی شرح نو ونوا سماء کا درس دیتے تھے۔

جب آپ سات سال کے تھے تو آپ کے والد آپ کو شیخ جمال خنداں کی خدمت میں لے کر گئے۔اُس وقت شیخ صاحب کے سامنے کھجوروں کا طباق رکھا ہوا تھا۔انہوں نے حکم دیا کہ یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کردی جائیں۔جب آپ کو ان کھجوروں میں سے حصہ ملا تو آپ اپنے حصے کی کھجوریں گٹھلیوں سمیت کھا گئے۔شیخ جمال خندان نے یہ دیکھا تو مسکرا کر فرمایا: ''میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت یہ کھجوریں کیوں کھالیں۔مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ (آپ) نے جواب دیا کہ جو کھجوریں آپ کے دست مبارک سے عطا ہوئی ہیں مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں وہ گٹھلیاں پھینک دوں، یہ سن کر شیخ جمال خنداں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم فقراور اپنے خاندان دونوں کا نام روشن کرو گے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ نے شروع میں اپنے والد سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوکر تصوف کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا صدرالدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی، پھر ملتان حاضر ہوکر شیخ ابوالفتح رکن الدین رحمۃ اللہ

علیہ سے بیعت ہو کر علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

شیخ عفیف الدین جب آپ کو نعمت باطنی سے سرفراز فرما چکے تو فرمایا کہ تمہارے چلانے کی قینچی گازرون میں ہے۔ اس کے بعد آپ گازرون کے لئے روانہ ہوئے اور جب آپ گازرون پہنچے تو وہاں آپ شیخ امام الدین برادر شیخ الاسلام امین الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی شیخ امین الدین نے اپنی رحلت کے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ سید جلال بخاری ہماری ملاقات کے لیے اُچ اور ملتان سے آرہے تھے لیکن شیطان نے اثناء راہ میں اُن کو یہ دھوکا دیا کہ شیخ امین الدین وفات پا چکے ہیں اس لیے وہ مکہ معظّمہ چلے گئے۔ وہ وہاں سے واپسی میں گازرون آئیں گے۔ جب وہ یہاں پہنچیں تو اُن کو میرا اسلام پہنچانا اور میری قینچی اور سجادہ ان کو دینا اور اُن کو میری طرف سے مجاز اور خلیفہ بنانا۔ چنانچہ شیخ امام الدین نے ایسا ہی کیا اور اس طرح آپ نے شیخ الاسلام رکن الحق والدین کے وصال کے بعد اُن کا خرقۂ تبرک پہنا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کو چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل تھی۔ جن بزرگوں سے آپ نے خرقۂ خلافت حاصل کیا اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) سید کبیر والد بزرگوار حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (خواب میں) (۴) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ (خط کے ذریعہ) (۵) شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، رحمۃ اللہ علیہ (۷) شیخ مکہ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ (۸) شیخ مدینہ عبداللہ مطری رحمۃ اللہ علیہ (۹) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصال رحمۃ اللہ علیہ (۱۰) شیخ ابو اسحاق گروزنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین رحمۃ اللہ علیہ (۱۲) حضرت سید جہدہ حمید حسینی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴) سید احمد کبیر رفاعی کبیر رحمۃ اللہ علیہ (۱۵) شیخ نجم الدین صنعانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۶) شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ (خواب میں) (۱۷) حضرت خضر علیہ السلام (۱۸) حضرت اوحد الدین حسینی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹) حضرت شیخ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے بہت وقت سیر و سیاحت میں گزارا اور تمام اسلامی ممالک میں گھوم پھر کر علمائے عظام اور صوفیائے کرام سے فیوض و برکات حاصل کیں اسی دوران چھتیس حج کیے۔ سورہ حج آیت 46 میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا ۔ کیا زمین میں سیر نہ کی کہ ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں۔ اس آیتِ مبارک کے فرمان کے مطابق آپ سیروفی الارض پر عمل کرتے ہوئے ''جہاں گشت'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ جن جن ممالک اور مقامات پر آپ تشریف لے گئے۔ ان کا اجمالی تذکرہ یوں ہے:

مکہ معظّمہ: حضرت مخدوم کا قیام مکہ معظّمہ میں سات سال رہا۔

مدینہ منورہ: مدینہ منورہ میں مخدوم کا قیام دو سال رہا۔

اس کے علاوہ یمن، دمشق، لبنان، مدائن، فارس، بصرہ، کوفہ، شیراز، تبریز، بلخ، نیشاپور، خراسان، سمرقند، گارزون، لہہ بحرین، قطیف غزنیں کی سیاحت کی۔

برصغیر پاک و ہند میں انہوں نے مختلف اوقات میں دہلی، جونپور، ملتان، الور، روہڑی، رتن پور، لاہرہ، ٹھٹھہ کا سفر کیا۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے اپنے وطن اُچ شریف میں قیام فرمایا۔ اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ لوگوں کو سلوک و معرفت کی تعلیم شریعت کے مطابق دیتے۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑی شدت سے پابند تھے اور غیر شرعی امور پر نہایت سختی سے تنبیہہ کرتے۔

ایک مرتبہ مخدوم جلال الدین جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا، وہاں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اُسے نماز معاف کر دی، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا۔ اُمراء اور دوسرے بڑے لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا میں نے اُسے سلام نہیں کیا بلکہ اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ حالانکہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز سے فرق ہوتا ہے۔ اُس درویش نے جواب دیا میرے پاس جبرائیل آتے ہیں اور جنت سے کھانے لاتے ہیں، خدا کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لئے نماز معاف کر دی گئی کیونکہ تم خدا کے خاص مقرب ہو۔ میں نے اُس درویش سے کہا کہ کیا بیہودہ بات کرتے ہو محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی۔ بھلا تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے؟ وہ جبرائیل نہیں شیطان ہے جو تیرے پاس آتا ہے اور تجھے دھوکا دیتا ہے۔ جبرائیل تو وحی لانے والے فرشتے ہیں۔ جو سوائے پیغمبروں کے کسی کے پاس نہیں آتے، رہا وہ کھانا جو تمہارے پاس آتا ہے وہ بھی سراسر غلیظ ہے۔ اُس درویش نے کہا کہ وہ کھانا تو بہت مزیدار ہوتا ہے۔ اور میں اُس میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا اب اگر وہ فرشتہ تمہارے پاس آئے تو تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھنا۔ میں دوسرے دن پھر اُس درویش کے پاس گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ اور اُس نے مجھ سے کہا کہ میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھی، وہ فوراً میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اور وہ کھانا جو اس نے مجھے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر گیا۔ یہاں تک کہ میرے سارے کپڑے ناپاک ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے اس بے نمازی درویش کو توبہ کروائی اور اُس کی جس قدر نمازیں فوت ہوئی تھیں، اُن کی قضا پڑھوائی۔

آپ کی کرامات بہت ہیں۔ یہاں چند ایک کا ذکر پیش خدمت ہے:

ایک دفعہ اوچ شریف کا حاکم آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ آپ اس وقت جامع مسجد میں درویشوں اور عقیدت مندوں کے ہجوم میں تھے۔ حاکم اوچ جب آیا تو بھیڑ زیادہ تھی۔ اس نے اپنی حاکمیت کے رُعب میں کچھ حاضرین کو دھکے دے کر مسجد سے باہر نکال دیا۔ جب حاکم آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا: بد بخت تجھے کیا معلوم کہ تم نے جن

لوگوں کو دھکے دے کر باہر نکالا ہے ان میں کتنے عبادت گزار اور اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والے لوگ تھے۔ یہ الفاظ سنتے ہی حاکم اسی وقت پاگل ہو گیا۔ اپنے کپڑے پھاڑ لئے، شور مچاتا ہوا باہر نکلا اور لوگوں کو پتھر روڑے مارنے لگا۔ بڑی مشکل سے اس پر قابو پا کر اسے زنجیروں میں جکڑا گیا۔

چند دنوں بعد اس حاکم کا بوڑھا باپ روتے پیٹتے آیا اور آپ کے قدموں میں گر گیا اور گزارش کی کہ میں بوڑھا ہوں، کرم فرمائیں۔ آپ نے اسے کہا کہ اسے نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنا دو اور شیخ جمال الدین خندہ رو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے جاؤ، وہاں حاضری کے بعد میرے پاس لے آؤ۔ حضرت جمال الدین خندروؒ کے مزار پر حاضری کے بعد جب حاکم واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بالکل ٹھیک تھا۔ وہ آتے ہی آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے اسے سینے سے لگایا، بیعت کیا اور ایک نظر میں اسے صاحبِ ولایت بنا دیا۔

آپ اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ حج پر روانہ ہوئے۔ جب جہاز جدہ پہنچا تو آپ نے وہاں سے اُتر کر حضرت حوا علیہ السلام کے مزار پر حاضری دی۔ اتنے میں وہاں کے لوگ ایک تابوت لئے ہوئے آئے اور آپ سے کہا کہ آپ اس میت کا جنازہ پڑھائیں آپ نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے؟ ان لوگوں نے بتایا یہ حضرت بدرالدین یمنی رحمۃ اللہ علیہ کی میت ہے۔ یہ پچھلے تیس (30) سال سے مکہ میں تھے۔ اب یہاں تشریف لائے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد تلاوت فرما رہے تھے کہ اس دوران یہیں مسجد میں وفات پا گئے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ میت کو تابوت سے نکال کر بوریئے پر لٹا دیں۔ آپ نے میت کو مسجد کے اندر رکھوایا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دو نفل ادا کئے اور پھر تلاوت شروع کی۔ جب سورہ آل عمران کی آیت 27 کے یہ الفاظ: "تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ" پڑھے تو متوفی شیخ بدرالدین یمنی رحمۃ اللہ علیہ کلمہ پڑھتے ہوئے اُٹھ بیٹھے اور کہا السلام علیکم اور آپ کے ہاتھ چومے۔ آپ نے اپنے کپڑے اُتار کر اُسے پہنا دیئے اور دروازہ کھول دیا۔ شیخ بدرالدین یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے عصر کی نماز کی امامت کی۔ یہ کرامت دیکھ کر اہل جدہ آپ کے مرید ہو گئے۔

شیخ علاؤالدین چشتی قطب بنگال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا کہ میری نماز جنازہ صرف جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں اور کوئی نہ پڑھائے۔ حاضرین میں کچھ صاحب بصیرت لوگ یہ سن کر حیران ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ تو اوچ شریف میں ہیں جو بنگال سے کئی ہزار میل دور ہے۔ بہر حال جب ان کا وصال ہوا اور جنازہ تیار ہوا تو حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے۔ آپ نے جنازہ پڑھایا، کچھ دن وہاں قیام کیا۔ حضرت نور رحمۃ اللہ علیہ نئے قطبِ بنگال کو کچھ تربیت دی اور سجادہ پر بٹھایا۔ وہاں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے، پھر آپ واپس اوچ شریف آ گئے۔

حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کی روزمرہ کی زندگی کے عام معمولات یہ تھے۔ پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، صلوٰۃ الاوابین، تراویح، اور دوسری نفلی نمازیں اس قدر پڑھنے کی کوشش کرتے، جتنی کہ رسول اللہ ﷺ

روزانہ پڑھتے تھے۔زیادہ تر وہ اوراد و وظائف پڑھتے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے۔رات کو عبادت میں ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سوئے رہتے۔فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات جاگتا رہا اس نے ترک سنت کیا۔کیونکہ رسول اللہﷺ کا فرمان تو یہ ہے کہ انا اصلی و انام یعنی کہ میں نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔کھانا تنہا نہ کھاتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے اور فرماتے کہ حدیث میں ہے وہ ملعون ہے جو تنہا کھانا کھاتا ہے۔

سلطان محمد تغلق حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت رکھتا تھا۔اُس نے آپ کو شیخ الاسلام بنا کر چالیس خانقاہیں آپ کے تصرف میں دیں لیکن آپ اُن کو چھوڑ کر حج کے لیے تشریف لے گئے۔

فیروز تغلق اگرچہ شیخ علاؤالدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا لیکن اس کو حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت تھی۔

حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ جب اوچ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ فیروز تغلق آپ کے استقبال کے لیے جاتا اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتا۔

سن 781 ہجری میں آپ بھی دہلی تشریف لے گئے تھے۔آپ کا مقصد تو تبلیغ دین متین اور رُشد و ہدایت ہی ہوتا تھا جو عوام الناس کے ساتھ ساتھ شاہانِ وقت میں بھی کی جاتی تھی۔ایک دفعہ سلطان فیروز تغلق آپ کی زیارت کے لیے آیا اور جب سلطان فیروز تغلق رخصت ہونے لگا تو اُس نے آپ سے اپنے پوتوں کے لیے دعا کی درخواست کی،آپ نے اُن کے لیے وہی دعائیں کیں جو رسول اکرمﷺ بچوں کو دیا کرتے تھے۔سلطان فیروز تغلق رخصت ہونے لگا تو آپ اُسے رخصت کرنے کے لیے زینے اُترنے لگے لیکن سلطان فیروز تغلق نے آپ کو ہاتھ پکڑ کر روکا۔آپ نے فرمایا: جب تم مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو تو مجھے کچھ تمہاری تعظیم کرنی چاہیے۔سلطان فیروز تغلق نے عرض کیا کہ واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں اور میں تعظیم کا مستحق نہیں ہوں۔

فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے انہیں قبول کر لیتے اور ان میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر باقی فوراً دوسروں میں تقسیم کر دیتے۔فرمایا کرتے تھے کہ کہیں سے بھی کوئی فتوح آتی ہے تو میں اسے اس لیے قبول کر لیتا ہوں کہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری رحمۃ اللہ علیہما اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فتوح کو اس لیے قبول کرو کہ دوسروں تک پہنچاؤ اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بھی رکھو۔

باوجود اس کے کہ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے،لیکن سلسلہ عالیہ قادریہ سے بھی بے حد عقیدت رکھتے تھے۔اخبار الاخیار میں بحوالہ خزانہ جلالی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خوش خبری ہو اُن لوگوں کو جنہوں نے مجھے دیکھا۔واقعی آپ قطب ہیں اور سچے ہیں مجھے آپ کے اس قول سے قوی امید ہے کہ حق تعالیٰ حضرت شیخ کے اس قول کے مطابق مجھ پر بھی رحمت کرے گا۔بعد اس کے اپنی روایت

کے سلسلے کو ایک واسطہ سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچایا اور وہ سلسلہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تھا۔فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

جب کوئی حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاںؒ سے ملاقات کے لیے آتا تو آپ اُسے ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتے، فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی کسی زندہ آدمی کی ملاقات کے لیے آئے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اُس نے مردے کی زیارت کی۔

جب کوئی مہمان آتا تو جب تک وہ رہتا،اس کے لیے کھانے پینے اور نقد وظیفے کا انتظام فرماتے۔اور اس کے قیام کے لیے ایک علیحدہ حجرہ متعین فرمادیتے۔

اپنے ہم عصر بزرگوں کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ایک دفعہ مخدوم الملک شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے جوتا بھیجا جس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ کا کف پا ہوں۔آپ نے اس کے عوض میں اُن کو دستار روانہ کی جس سے مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں سر تاج سمجھتا ہوں۔

حضرت جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سمنان سے آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو آپ اُن سے نہایت شفقت سے ملے اور فرمایا کہ ایک مدت کے بعد طالب صادق کی بو دماغ میں پہنچی اور ایک زمانے کے بعد گلشنِ سیادت کی نسیم چلی۔

طبیعت میں بے حد انکسار اور خاکساری تھی،ایک دفعہ ایک مرید نے القاب میں قطب عالم،شیخ الشیوخ اور سید السادات لکھا۔فرمایا: مجھ کو گدائے عالم کہو،مریدین اور معتقدین پاؤں چومنے کی کوشش کرتے،لیکن آپ اُن کو روکتے،بعض مرید سجدہ تعظیمی کرنا چاہتے اُن سے فرماتے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔

آپ نے سنِ ہجری کے لحاظ سے 78 سال کی عمر پائی۔10 ذوالحجہ سن 785 ہجری بمطابق 3 فروری 1384ء کو اوچ شریف میں آپ کا وصال ہوا۔**اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ کا روضہ مبارک بھی اوچ شریف ضلع بہاولپور میں ہے اور وہ ہر وقت عام و خاص کے لیے کھلا ہے۔

حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے متعلق بزم صوفیاء میں بحوالہ الاسرار منقول ہے کہ:"حضرت سید جلال (بخاری) کی بہت سی اولاد تھی اور اُن کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبے کو پہنچے۔اُن میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے جو قنوج میں رہائش پذیر تھے۔انہوں نے کشف و کرامات میں بہت شہرت پائی۔آپ کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکارپور میں محو خواب ہیں،ان میں شاہ حمر،شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے اور بہت مشہور ہوئے۔ حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت جلال الدین سیوطیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا نام کمال الدین ابوبکر تھا۔آپ جلال الدین کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔آپ (آپ کا خاندان) شہرالسیوط میں آباد تھے، کے رہنے والے تھے جس کی نسبت سے انہیں سیوطی کہا جانے لگا۔اور یوں آپ کا پورا اسم گرامی عبدالرحمٰن المعروف جلال الدین بن کمال الدین ابوبکر سیوطی ہے۔

آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم ،مدبر و مصنف تھے۔آپ کا حافظہ بہت تیز تھا۔آپ علم وفکر کے بہت بلند اور مضبوط کہسار تھے۔آپ کی لکھائی کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ ایک دن میں ڈیڑھ سو (150) کے قریب کاغذ کے اوراق لکھ جاتے تھے۔ قرآن وسنت،صاحب قرآن،آل اطہار اور صحابہ کرام ﷺ سے آپ کو والہانہ لگاؤ و احترام تھا۔آپ عشق رسول ﷺ کے جملہ تقاضوں سے بخوبی واقف تھے۔آپ نے بہت سارے علوم پر مشہور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کی تعداد تین سو ہے اور جرائد، رسالے،فتویٰ وغیرہ ملا کر تو ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔آپ بہت زاہد و عابد اور با اصول انسان تھے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ یکم رجب سن 849 ہجری بمطابق 3 اکتوبر 1445 عیسوی کو ملک مصر کے شہر یا قصبہ قاہرہ میں پیدا ہوئے۔سن ہجری کے مطابق آپ نے 62 سال کی عمر پائی۔کئی خلفاء کا دور آپ نے دیکھا جن کا سلسلہ وار مختصر ذکر ''حالات،مناقب، ارشادات'' میں ہوگا۔آپ کا وصال 19 جمادی الاول 911 ہجری بمطابق 17 اکتوبر 1505 عیسوی میں ہوا۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ یکم رجب المرجب 849 ہجری بمطابق 13 اکتوبر 1445ء کو ملک مصر کے قصبہ قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ولادت کے وقت آپ کو شیخ محمد مجذوب کی خدمت میں پیش کیا گیا جو اپنے وقت کے عظیم ولی اللہ تھے،انہوں نے آپ کے حق میں دعا برکت فرمائی۔آپ کے والد گرامی قدر خلیفہ وقت کے امام الصلوٰۃ تھے،اس لئے آپ کی پرورش شاہی خاندان میں نہایت ناز ونعم کے ماحول میں ہوئی۔آپ کا خاندان ایرانی الاصل تھا اور بغداد کا رہنے والا تھا۔بعد ازاں شہرالسیوط میں آباد ہو گیا جس کی نسبت سے انہیں ''سیوطی'' کہا جانے لگا۔حضرت امام خود اپنے خاندان کا تعارف یوں کراتے ہیں۔

"میرے جداعلیٰ کا اسم گرامی ہمام الدین ہے، جو طریقت کے مشائخ میں شمار ہوئے۔ میرے بزرگ وجاہت وریاست کے مالک تھے۔ ان میں بعض شہر کے حاکم اور بعض حاکم کے مشیر تھے۔ ان میں سے ایک بزرگ نے شہر سیوط میں ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ اور مدرسہ کے لیے اوقاف بھی مقرر کئے مگر میرے والد گرامی نے اس محنت، شوق اور معیار سے علم کی خدمت کی جیسے اس کا حق تھا اور ویسے کسی نے نہ کی۔ میرا خاندان جو خضر سے منسوب ہے، مجھے معلوم نہیں کہ یہ نسبت کیسی ہے، ہاں اتنا معلوم ہے کہ خضر بغداد کے ایک محلے کا نام تھا۔" (حسن المحاضرہ فی الاخبار مصر والقاہرہ، جلد 1، ص 190)

آپ کے والد گرامی شیخ ابوبکر کمال الدین متوفی 855ھ نے علامۃ الدھر ابن حجر عسقلانی سے علم حاصل کیا اور مدرسہ الشیخونیہ میں فقہ کے مدرس مقرر ہوئے اور آپ کے والد ماجد السیوط کے قاضی بھی مقرر رہوئے۔ (البدر الطالع، جلد 1، ص 328)

عباسی خلافت اپنے زوال وانحطاط کی گہرائیوں میں کراہ رہی تھی۔ فتنہ تا تار کے بعد اس کے تمام کس بل نکل چکے تھے۔ اور اب وسیع وعریض عالم اسلام پر مختلف نسلیں حکومت کررہی تھیں۔ حضرت امام السیوطی کا دور علم وفضل 849ھ/1445ء تا 911ھ/1505ء کے عرصے پر محیط ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر خلافت عباسیہ کا وارث مستکفی باللہ تھا۔ جو بہت سی شخصی خوبیوں کا مالک تھا۔ صالح، دیندار، عبادت گزار، قاری قرآن، خاموش صفت، چشم پوش اور نیک سیرت خلیفہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء، ص 468)

شام میں ملک الظاہر کی حکومت تھی جو خلیفہ وقت کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ نے خلیفہ وقت کے کاشانہ خلافت میں پرورش پائی۔ خود فرماتے ہیں:

میں جلال الدین سیوطی نے مستکفی باللہ کے گھر پرورش پائی، اس کی برتری اور اولاد کا خیر خواہ ہوں۔ اس کی اولاد بھی بہتر اور نیک سیرت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ مستکفی کا خاندان عبادت گزار ہے اور مستکفی باللہ بھی اسلام اور انصاف کا مجسمہ اور حقوق الٰہی ورعایا کا پابند ہے۔ (ایضاً)

مستکفی باللہ کے بعد القائم بامر اللہ 857ھ تا 863ھ خلیفہ بنا۔ جس کے عہد میں حضرت امام کے والد بزرگوار ابوبکر کمال الدین نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد مستنجد باللہ، متوفی 884ھ متوکل علی اللہ متوفی 903ھ نے حکومت کی۔ آپ نے اپنے ان معاصر خلفاء کی مجموعی طور پر تعریف بیان کی ہے۔

ایران اور اس کے علاقوں میں تیموری خاندان کا حکمران الغ بیگ 1448ء تا 1451ء برسر اقتدار تھا۔ وہ ذہین اور صاحب قول وعمل شہزادہ تھا۔ بہترین عالم اور علماء کا قدر دان تھا۔ اس کی علم نجوم پر کتابیں مشرق ومغرب میں یکساں مقبول ہوئیں۔ اس نے سمرقند میں ایک رصد گاہ تعمیر کی۔ اس کے دور کے بعد تیموری زوال کی پستیوں میں چلے گئے۔

نویں صدی ہجری کا یہ وسطی دورانیہ تہذیب وتمدن کے حوالے سے بھی بہت اہم ہے۔ اس دور میں حضرت امام السیوطی

رحمۃ اللہ علیہ جیسی قد آور علمی وفکری شخصیت کی ضرورت تھی جس نے اسلامی علوم وفنون کے دریا بہادیئے اور اپنے فیوضات واثرات سے صدیوں کو متاثر کیا۔

آپ کا تعلق علمی وفکری خاندان سے تھا۔اس لئے آپ میں طلبِ علم کا جذبہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ فرمالیا۔جب آپ قرآن حکیم حفظ فرمارہے تھے تو اس دوران آپ کے والد ماجد وصال فرماگئے۔امیر المومنین خلیفہ قائم بامر اللہ نے ان کے جنازے کو کئی بار کندھا دیا اور قبرستان تک جنازے کے ساتھ گئے۔اب آپ کی تعلیم و تربیت شیخ شہاب الدین اور علامہ ابن ہمامؒ کے سپرد ہوئی۔

آپ نے چھ سال کی عمر میں مدرسہ الشیخونیہ میں داخلہ لیا اور نہایت محنت وتن دہی کے ساتھ علم کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔آپ کا حافظہ بہت شاندار تھا۔آپ نے آٹھ سال کی عمر میں العمدہ اور المنہاج جیسی کتب متداولہ زبانی یاد کرلیں۔آپ نے علامہ شہاب الدین شارساحی متوفی 865ھ سے علم الفرائض اور علامہ علم الدین بلقینی متوفی 868ھ سے علم الفقہ حاصل کیا اور شیخ محی الدین کافیجی متوفی 880ھ سے اصول تفسیر ومعانی وبیان جبکہ شیخ عبدالقادر الانصاری متوفی 880ھ سے حدیث واصول حدیث کا علم سیکھا۔آپ نے علم الحدیث وقت کے جن نامور محدثین کرام سے حاصل کیا ان کی تعداد ڈیڑھ سو ہے۔آپ کو امام ابن حجرؒ سے بھی روایت حدیث کی اجازت نصیب ہوئی۔جیسا کہ آپ نے خود تصریح فرمائی۔(طبقات الحفاظ،ص 381)

866ھ میں تقریباً سترہ (17) سال کی عمر میں آپ کو عربی تدریس کی اجازت مل گئی۔ساتھ ہی آپ نے علمی وتحقیقی کام کا آغاز کیا،سب سے پہلے شرح استعاذ اور شرح بسم اللہ تحریر کی جس پر آپ کے استاد گرامی امام بلقینی کا حرفِ تحسین وتقریظ موجود ہے۔869ھ میں آپ نے حج ادا کیا اور شام،یمن،حجاز،ہندوستان اور دیارِ مغرب کی سیر وسیاحت کی۔(حسن المحاضرہ،جلد 1، ص 190)۔آپ نے 871ھ میں مفتی اعظم کے فرائض بھی سنبھال لئے۔پہلے آپ مدرسہ الشیخونیہ میں مدرس ہوئے،پھر مدرسہ البہرسیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور 906ھ میں اس مدرسہ سے جزیرہ نیل کے اروختہ میں گوشہ نشین ہوئے اور وہاں تادمِ آخر تالیفات وتصنیفات میں مشغول رہے۔

حضرت امام السیوطی علم وفکر کا بہت بلند اور مضبوط کہسار تھے۔علامہ شمس الدین داودی متوفی 945ھ نے درست لکھا ہے۔امام السیوطی علوم وفنون میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔(الکواکب السائرہ،جلد 1،ص 228)۔

علامہ محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں: **کان اعلم اہل زمانہ بعلم الحدیث وفنونہ رجالاً وغریباً ومتناً وسنداً واستنباطاً لاحکام ولقد اخبر عن نفسہ انہ یحفظ ماتی الف حدیث**۔(ریاض التفاسیر،ص 162)

آپ بیک وقت مدرس،مفسر،محدث،فقیہ،مفتی،ادیب،شاعر،مورخ،لغوی،نحوی سب کچھ تھے۔اس کے ساتھ مقامِ اجتہاد اور مرتبہ تجدید پر بھی فائز تھے۔اس سے متعلق آپ خود فرماتے ہیں:

"تفسیر،حدیث فقہ،نحو،معانی،بیان اور بدیع مجھے یقین ہے کہ ان سات علوم میں اس مرتبہ پر پہنچا ہوں جس

پر میرے اساتذہ میں سے بھی کوئی نہ پہنچا، علم حساب میرے ذہن کے لئے ایک بوجھ ہے اور مجھے اس سے کوئی مناسبت نہیں، البتہ مجھ میں بفضلہٖ تعالیٰ اجتہاد کی تمام شرطیں موجود ہیں۔(حسن المحاضرہ، جلد 1، ص 190)

علم تفسیر میں آپ نے جلالین، در منثور جیسی کتابیں تحریر کیں، نیز الاتقان کی صورت میں اس فن کا مبسوط و مربوط مقدمہ تحریر کیا جو سدا بہار ہے۔ آپ بہت زود نویس تھے۔ تفسیر جلالین نصف اول چالیس دن میں لکھ لی۔

اسی طرح در تفسیر در منثور ہے جس کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: **شیخ مشائخنا السیوطی ھو الذی احیا علم التفسیر الماثور فی الدر المنثور** ۔یہ تفسیر 12 جلدوں پر مشتمل ہے۔ الاتقان فی علوم القرآن بڑی معرکۃ الآراء کتاب ہے جس کے بارے میں حضرت امام کا اپنا بیان ملاحظہ کیجئے:

> ''سات علوم کے سوا معرفت، اصولِ فقہ، علم جدل، تعریف، انشاء، ترسیل اور فرائض، علم قرأت اور طب کو میں نے کسی استاد سے نہیں پڑھا............ اب الحمد للہ! کہتا ہوں کہ اگر میں چاہتا کہ ایک مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھوں اور اس مسئلہ کے انواع، ادلہ، عقلیہ نقلیہ، اس کے مدارک، اس کے نقوص اور ان کے جوابات اور اختلاف مذاہب کے درمیان موازنہ کروں تو اس پر بفضلہٖ تعالیٰ مجھے قدرت ہوتی، اور اس پر مجھے فخر نہیں۔'' کیونکہ یہ سب کچھ تو عطائے رب العالمین ہے۔(مقدمہ الاتقان)

آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے والے علماء کرام نے علوم قرآنی پر نمایاں طور پر کم لکھا تھا۔ میں نے التحبیر فی علوم التفسیر لکھی۔ گویا اس علم کی ایجاد میں میرا دوسرا مرتبہ ہے۔ لیکن اس علم کے بکھرے موتیوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے اور تفسیر حدیث کے دو فنون کی تقسیم مکمل کرنے میں میرا پہلا رتبہ ہے............ میں نے علامہ زرکشی کی کتاب کا مطالعہ کیا تو بہت مسرت ہوئی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی میرے لئے بہت سا کام باقی ہے۔ پھر میں نے عظیم اور بے مثال کتاب کو تیار کیا۔ اور اس کا نام الاتقان فی علوم القرآن رکھا۔(ملخصاً)

علم الحدیث میں آپ کا لوہا سب نے مانا ہے۔ آپ نے کتاب جمع الجوامع مرتب فرمائی جس میں موطا، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی کی روایات کو مع دس مسانید کے جمع کیا۔ اس سے اس کتاب کی ضخامت و جامعیت کا آپ خود اندازہ لگائیں۔ اس علم میں آپ کی کتاب الازھار لمتناثرہ بہت بے مثال ہے۔ جس میں ایسی سو احادیث متواترہ کو نقل کیا ہے جس میں ہر روایت کو حضور ﷺ کے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تواتر کے ساتھ بیان کیا تھا۔ پھر آپ نے مسلم شریف کے سوا تمام بخاری شریف، نسائی شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ اور موطا شریف کی شروح رقم فرمائیں۔

حضرت امام کو طبقات نگاری پر بھی کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ نے خلفاء، فقہاء، محدثین، نحات، صوفیہ، اطباء، مفسرین پر بہترین معلوماتی کتابیں لکھیں۔ آپ اپنی تصنیف تاریخ الخلفاء کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

> ''میں نے ارادہ کیا کہ ہر قسم کے لوگوں پر علیحدہ علیحدہ کتابیں تالیف کروں، جو سودمند ہوں۔ قبل ازیں

حالاتِ انبیاء لکھی۔کوائف صحابہ میں علامہ ابن حجر کی کتاب اصابہ کا خلاصہ کیا۔حالاتِ مفسرین اوران کے درجات،سوانح حافظین حدیث،خلاصہ از طبقات ذہبی،حالات نحویین وادباء، لکھے یہ اپنے موضوع کی اولین کتاب ہے۔طبقات علم اصول،طبقات اولیاء،فرائض وحصص ورثاء،حقائق علم بیان،صاحبان انشاء، خطاط،مشہور شعرائے عرب،حالاتِ اعیان اُمت،قاضیوں کی بابت بھی کتاب تحریر کر چکا ہوں۔(ملخصاً)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو لکھنے کی صلاحیت،ہمت اور رفتار یا سرعت اس قدر عطا فرمائی تھی کہ آپ ایک دن میں ڈیڑھ سو(150)اوراق لکھ جاتے تھے۔

شہاب الدین احمد مکناسی متوفی 1025ھ کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔علامہ عبدالقادر العیدروسی کے مطابق کتابوں کی تعداد چھ سو ہے۔جبکہ حضرت امام نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں تعداد تین سو بتائی ہے۔ذیل میں ہم چند مشہور کتابوں کا نام درج کرتے ہیں۔الاتقان فی علوم القرآن۔تفسیر الجلالین،لباب النقول۔تاریخ الخلفاء۔الخصائص الکبریٰ۔مجمع البحرین۔اتمام الدرایۃ۔الاخبار المرویہ۔الارج فی الفرج۔اسعاف المبطا فی رجال الموطا۔الاشباہ والنظائر۔حسن المحاضرہ۔لب الالباب فی تحریر الانساب۔طبقات المفسرین۔الدرالمنثور۔البدورالسافرہ۔البعث والنعیم۔تبییض الصحیفہ۔تدریب الراوی۔تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی والملک۔الدرجات المنیفہ فی الاباء الشریفہ۔طبقات الحفاظ۔تحفۃ المجالس۔مناھل الصفا۔الفتح الکبیر۔المزھر فی علوم اللغۃ۔جمع الجوامع۔انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء۔الایضاح فی علم النکاح۔تزئین المما لک بمناقب الامام المالک۔الجامع الصغیر فی حدیث البشیر والنذیر۔ذیل اللآلی۔سہام الاصابہ۔رصف اللآل فی وصف الہلال۔الرحمۃ فی الطب والحکمۃ۔التعظیم والمنۃ فی ان ابوی الرسول فی الجنۃ۔الدررالمنتثرہ۔السبل الجلیہ فی الاباء العلیہ۔الدرالنثیر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر۔اکلیل فی استنباط التنزیل۔الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج۔مقامات السیوطی۔نظم لاقیان۔الطب النبوی۔اتنے انواع واقسام کے علوم وفنون پر تاریخ ساز کتابیں آپ کی اعلیٰ قوت حافظہ پر شاہد ہیں۔خود فرماتے ہیں،کہ مجھے دو لاکھ احادیث مبارکہ یاد ہیں اور اگر ان سے زیادہ ملتیں تو وہ بھی یاد کر لیتا۔

حضرت امام کے دامن میں دولت عشق رسول ﷺ کا بیش بہا خزانہ موجود تھا۔آپ کی تحریروں میں جابجا اس دولت کے گراں مایہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔سچی محبت اظہار چاہتی ہے،اور حضرت امام کے کردار میں اس اظہار کا قابل رشک غلبہ ہے، آپ نے حضور سرور عالم ﷺ کے فضائل ومحاسن اور معجزات وکمالات پر مستقل کتابیں رقم فرمائیں۔اُن سے متعلق الخصائص الکبریٰ نہایت شاندار کاوش ہے۔

حضرت امام کا ایک بہت ایمان افروز کارنامہ یہ ہے۔کہ آپ نے حضور سرور عالم ﷺ کے والدین کریمین سیدنا عبداللہ اور سیدہ طیبہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شان ایمان پر زبردست رسائل تحریر فرمائے۔اور اس مسئلہ پر متاخرین کی خوب راہنمائی فرمائی، یہ آپ کے عشق رسول ﷺ کی نسبت کمال پر گواہ ہے۔

ادھر حضور پُرنور فخر کائنات ﷺ کا انعام کرم بھی ملاحظہ کیجئے ۔پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ستر (70) بار عالم بیداری میں انہیں اپنی زیارت سے مشرف فرمایا۔علامہ شعرانی نے پچھتر بار لکھا ہے۔(میزان الکبریٰ ص 44)

آپ عشق رسول ﷺ کے جملہ تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔یعنی حضور ﷺ کی محبت کی وجہ سے حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور آل اطہار کا ذکر بہت اچھے اور خوبصورت انداز سے کرتے۔

آپ نے دعا کی کہ اللہ کریم جل جلالہ مجھے نویں صدی کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور اپنے محبوب پاک ﷺ کے طفیل جوار رحمت میں بلالے۔(تاریخ الخلفاء، ص 477)۔آپ کی التجا قبول ہوئی اور آپ شب جمعۃ المبارک میں 19 جمادی الاولیٰ 911ھ بمطابق 17 اکتوبر 1505ء کو وصال فرماگئے۔**اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے کہ:

- ....اللہ سبحانہٗ کا نام نامی پاک ہے۔اس کا کلام ہے اس کی نعمتیں عام ہیں اور اس کا حکم تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔وہی ذات باصفات ہے جس نے تمام مخلوقات کو محض عدم سے لباس وجود عطا کیا۔جو روشنی اور تاریکی کا خالق ہے۔جس نے لوح و قلم بنائے۔جس نے ہر جاندار کی عمر رزق اور اس کے اعمال تقسیم کئے۔میں اسی کی ثنا کرتا ہوں جس کی ثنا ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔میں اسی کا شکر گزار ہوں۔(مقدمہ خصائص الکبریٰ)
- ....**قدجاء کم من اللّٰہ نور ھو النبی ﷺ**:بے شک تمہارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نور آیا۔اس نور سے نبی پاک ﷺ کی ذات مبارکہ مراد ہے۔(تفسیر جلالین، ص 97)

  مثل نورہٖ مثل نور محمد ﷺ آیت مثل نورہٖ میں محمد ﷺ کا نور مبارک مراد ہے۔(تفسیر درمنثور، جلد 5، ص 49)
- ....حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے حضور اکرم ﷺ کو پیدا کیا۔مجھ سے نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔(خصائص الکبریٰ، جلد 1، ص 116)

  جب نبی آخر الزماں ﷺ دُنیا میں تشریف لائے تو تمام بت اوندھے ہوگئے۔لات و عزیٰ اپنی جگہوں سے نکل کر کہہ رہے تھے کہ قریش کے لیے افسوس کہ اُن کے پاس امین و صادق تشریف لے آئے ہیں۔(خصائص کبریٰ، جلد 1، ص 118)
- ....**قال الامام السیوطی قدس سرہٗ یستحب لنا اظھار الشکر لمولدہ علیہ السلام**

  امام سیوطیؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے میلاد مبارک پر اظہار تشکر کرنا مستحب ہے۔(تفسیر روح البیان، جلد 9، ص 56)
- ....فرمایا میلاد شریف کی اصل سنت سے ثابت ہے۔(ایضاً)

● ....اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔پس ان کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔(تفسیر جلالین،ص66)

● ....یہود یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمیں نبی آخرالزماں ﷺ کے وسیلہ سے فتح عطا فرما۔ (جلالین،ص14)

● ....جب آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اب تو میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک بھی اُمتی دوزخ میں رہے۔(درمنثور،جلد6،ص361)

● ....حضور رسول اکرم ﷺ نے جن بارہ خلفاء کی بابت ارشاد فرمایا ان کے نام درج ذیل ہیں۔چار خلفاء راشدین،امام حسن،امیر معاویہ،عبداللہ بن زبیر،عمر بن عبدالعزیز،یہ آٹھ ہوئے ان ہی خلفا میں المہتدی کو بھی شامل کرنا چاہیے کیونکہ وہ عہد عباسی میں ویسے ہوئے۔جیسے بنو اُمیہ میں عمر بن عبدالعزیز۔ دسواں خلیفہ الظاہر جو عدل وانصاف کا پیکر تھا۔دو خلفاء منتظر باقی ہیں۔جن میں ایک امام مہدی ہوں گے جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔(تاریخ الخلفاء،ص28)

● ....علماء کرام کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد سے رحلت سرور عالم ﷺ تک سفر وحضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔(تاریخ الخلفاء،ص47)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔جس کا ثبوت صلح حدیبیہ کے واقعات سے ملتا ہے۔(ایضاً)

● ....علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ افضل وبرتر ہیں اور آپ کے بعد علی الترتیب فاروق اعظم،عثمان غنی،علی المرتضیٰ،عشرہ مبشرہ،اہل بدر، اہل اُحد،اہل حدیبیہ،رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین افضل ہیں۔(تاریخ الخلفاء،ص54)

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت حسینؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی حسین ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عثمان تھا۔ آپ کا آبائی اسم مبارک تو حسین ہی تھا لیکن وقت رفتہ کے ساتھ آپ کے اسم مبارک حسین سے پہلے لفظ ''لال'' لگ گیا اور لوگ آپ کو ''لال حسین'' کے نام سے جاننے پہچاننے لگے۔ پھر مزید وقت رفتہ کے بعد آپ کے اسم ''لال حسین'' سے پہلے عوام الناس نے لفظ ''مادھو'' کا اضافہ کر دیا اور یوں اب عوام الناس میں، زبانِ خلق پر آپ کا مکمل نام ''مادھو لال حسین'' ہو گیا۔

اسم حسین میں اس اضافے کی کیا وجوہات ہیں وہ کسی کتاب یا نسخہ میں درج نہیں ہیں۔ اس کی وجوہات میں (اس کتاب کا مصنف) صرف اپنے خوش ظن اندازے سے ہی لکھ رہا ہوں اور میرے خیال میں میرا اندازہ انشاء اللہ حقیقت حال کے قریب تر ہو گا لیکن اس سے پہلے میں یہ بیان کر دوں کہ عوام الناس میں اب آپ کو ''مادھو لال حسین'' کے اسم مبارک سے ہی جانا پہچانا جاتا ہے۔

میں اوائل سن 2009ء بمطابق 1430ھ میں پہلی دفعہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت و سلام کے لئے گیا۔ مجھے آپ کے مزار شریف کا محل وقوع معلوم نہ تھا۔ میں نے تو اَب سے کوئی تیس (30) سال پہلے صرف ایک دفعہ یہ دیکھا تھا کہ شالیمار گارڈن کے شروع والے حصے کے بالمقابل سڑک کے پار میلہ لگا ہوا تھا۔۔ میرے پوچھنے پر کسی نے بتایا کہ حضرت مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ اب جو میں پہلی دفعہ حاضری دینے گیا تو میں اس جگہ چلا گیا جہاں میں نے تیس سال پہلے وہاں سے گزرتے ہوئے میلہ لگا دیکھا تھا۔ وہاں موجود لوگوں سے میں نے پوچھا کہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف کہاں ہے؟ میں نے وہاں سلام و زیارت کے لئے جانا ہے تو وہ لوگ خاموش رہے اور سوچ میں پڑ گئے۔

میں نے کچھ دیر بعد دوبارہ کہا کہ اس جگہ پر ان کا میلہ لگتا تھا اور غالباً اس میلے کا نام میلہ چراغاں ہے۔ اس پر اُن میں سے ایک شخص نے دوسروں کو مخاطب کر کے کہا: ''او یارا ے تے لگدا اے کہ حضرت مادھو لال حسین دی گل کر دے نے۔'' پھر انہوں نے کہا کہ حضرت حسین کے نام کا تو یہاں کوئی بزرگ نہیں ہے البتہ یہاں سے اندازاً ایک کلومیٹر دور باغبانپورہ میں حضرت مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے۔ کیونکہ ان کا مزار گنجان آباد جگہ میں ہے اس لئے ان کا میلہ پہلے یہاں لگا کرتا تھا۔ میں

نے کہا جناب میں انہی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ پھر انہوں نے وہاں سے سڑک کے پار اندازاً چار سو میٹر دور عمارت کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہا کہ آپ وہاں چلے جائیں وہ باغبانپورہ ہی ہے اور وہی گلی یا سڑک آپ کو وہاں پہنچا دے گی اور راستے میں کسی سے پوچھ لینا کیونکہ مزار شریف پر پہنچنے کے لئے پہلے دائیں اور پھر بائیں گلیوں میں مڑنا ہوگا۔ قارئین کرام! یہاں اتنا کچھ لکھ دینے کا میرا مقصد صرف اور صرف یہ بتانا ہے کہ اب آپ کو "حسین" رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بہت کم لوگ جانتے ہیں اور عوام الناس میں اب آپ "مادھو لال حسین" رحمۃ اللہ علیہ کے اسم مبارک سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

آپ کے اسم مبارک حسین کے ساتھ لال اور پھر مادھو کا اضافہ کیسے اور کیوں ہو گیا؟ میرے خیال میں اس کی توجیح یہ معلوم دیتی ہے کہ:

۱۔ آپ کو لال (سرخ) رنگ پسند تھا اور زیادہ وہی رنگ زیب تن فرماتے تھے۔ شاید اس وجہ سے لوگوں نے آپ کو لال حسین کہنا شروع کیا ہو۔

۲۔ آپ کا جسد خاکی جب شاہدرہ سے 12 سال بعد موجودہ مدفن کی جگہ لایا گیا تو اس جگہ کی ملکیت کے لئے حجت کے طور پر آپ کے جسد خاکی سے آواز آئی تھی کہ اس جگہ سے کھدائی کے بعد تسبیح، مصلاّ، قرآن شریف اور ایک دستار سرخ (لال پگڑی) نکلے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ 12، 13 سال بعد از وصال آپ کی اس کرامت کے سبب لال پگڑی دیکھ کر لوگوں نے آپ کو لال حسین کہنا شروع کیا ہو۔

۳۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ آپ کے اکابر خلفاً میں سے ایک کا نام مادھو تھا جو بعد میں سجادہ نشین بھی ہوئے اور پھر آپ کے قریب ہی دفن ہوئے۔ اس زمانے میں ہندوؤں کی نمایاں اکثریت تھی اور ان ہی میں سے لوگ دین اسلام بھی قبول کر رہے تھے۔ ہندو کلچر میں چند اسماً کے ساتھ "لال" کا ہونا لازم و ملزوم تھا اور اب تک ہے جیسے کنہیا لال، رام لال، کرشن لال، نند لال، مادھو لال وغیرہ۔ اس لئے لوگ نادانستہ طور پر حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک مادھو لال لینے لگے اور پھر وہ برزبانِ عام و خواص ہو گیا۔ اس بات کا قوی امکان اس لئے بھی ہے کہ حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ کی قبر آپ کے بالکل قریب اور بائیں طرف ہے۔ جو بھی زیارت و سلام کے لئے داخل ہوگا وہ اسمائے مبارک کو اسی طرح پڑھے گا مادھو لال حسین۔

بہر حال اس کی حقیقت کچھ بھی ہو یہاں تو اہل علم و دانش کو یہی بتانا مقصود ہے کہ آپ کا آبائی اسم مبارک "حسین" ہے اور اب آپ کو عوام الناس "مادھو لال حسین" کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں۔

اولیاءاللہ، صلحاً، علماً اور مشائخ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ سیّد زہد و تقویٰ، قائدِ اوتاد، امامِ وقت حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابرین مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ فقر و غنا، زہد و تقویٰ، ضبط نفس، کشف و کرامات میں بہت عالی مقام تھے۔ عبادات مجاہدات، ریاضات و گوشہ نشینی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ آپ شاہِ اہل معرفت اور بادشاہِ درگاہ وصلت ہیں۔ آپ راہ طریقت

کے ہادی، ولایت وہدایت کے مہر منور اور کشف وکرامات کے اعتبار سے اپنے دور کے شیخ کامل تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ وپیراستہ تھے۔ آپ قبلہ اہل یقین، رہنمائے واصلین سردار عارفین، رہبر سالکین اور نمونہ صبر وشکر واخفائے حال تھے۔ آپ بہت بلند ہمت، عالی مقام بزرگ تھے اور اپنے وقت کے مقتدائے قوم تھے۔ آپ کا مسلک ملامتیہ تھا اور اخفائے حال کا یہ حال تھا کہ ملامتیہ ظاہر نے آپ کے باطن کو لوگوں سے چھپا دیا تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ سن 945ھ بمطابق 1538ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 63 سال کی عمر پائی۔ آپ نے 3 جمادی الثانی 1008ھ بمطابق 12 دسمبر 1599ء کو بروز جمعہ وصال فرمایا۔

آپ شہنشاہ ہند، مغل اعظم اکبر کے دور میں تھے۔ شہنشاہ جہانگیر اور مغلیہ خاندان کے کئی سرکردہ افراد آپ کے معتقد تھے، آپ کے مرشد حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو خاص حکم وہدایت کے تحت نجف اشرف (عراق) یا مشہد (ایران) سے آپ کی تربیت ورہنمائی کے لئے لاہور تشریف لائے تھے اور تکمیل کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ حضرت مادھو رحمہ اللہ علیہ آپ سے عمر میں 38 سال چھوٹے تھے جو 35 سال آپ کے سجادہ نشین رہے۔ وہ آپ کے اکابر خلفاً میں سے تھے جو آپ کے وصال کے 48 سال بعد آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کے قریب دفن کئے گئے۔ ملتان میں آپ کے ہم عصر شیخ کبیر بالا پیر تھے جو حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر سجادہ نشین تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے آباؤ اجداد زمانہ قدیم سے لاہور میں آباد تھے۔ آپ کے اجداد میں سے جس نے سب سے پہلے دین اسلام قبول کیا اس کا نام نامی "کلس" تھا۔ وہ فیروز شاہ کے عہد حکومت میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے والدین مسلمان تھے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی عثمان تھا اور دادا کا نام کلس تھا۔ کلس رائے صاحب کے اولاد ہوئی وہ کلس رائی مشہور ہوئی۔ کلس رائے نے اپنے بیٹے کا نام عثمان رکھا۔ وہ کپڑا بننے کا کاروبار کرتا تھا۔ اس لئے وہ ڈھڈا مشہور ہوگیا۔ ڈھڈا جولاہوں کی ایک ذات تھی۔ آپ کے والد عثمان کی اصل ذات "کلس رائے" تھی اور آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق ڈھڈا ذات سے تھا اس زمانے میں دیگر ذاتوں کی طرح یہ ذاتیں بھی ہندوؤں میں تھیں۔

آپ 945ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین کریمین نے آپ کا نام حسین رکھا۔ آپ کے والدین ان دنوں ٹکسالی دروازے کے باہر محلّہ تل بگھ میں رہتے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کو قرآن حکیم فرقان مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک عالم دین اور امام مسجد شیخ ابوبکر کے درس میں داخل کرا دیا۔ شیخ ابوبکر حافظ قرآن اور عالم دین تھے جو اپنے خلوص، علم و تقویٰ کے لئے مشہور تھے اور نزدیک ہی ایک مسجد میں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے اور بچوں کو قرآن مجید فرقانِ حمید حفظ کراتے تھے۔ اس درسگاہ میں شیخ ابوبکر کی زیر نگاہ آپ نے قرآن شریف کو حفظ کرنا شروع کر دیا اور دیگر ظاہری علوم بھی حاصل کرنا شروع کر

دیئے۔

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ ابھی دس برس کے ہی تھے کہ مشیت ایزدی ہوئی کہ اسی کم عمری سے آپ کو ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تعلیم وتربیت بھی دی جائے تاکہ باطنی علوم وروحانی مدارج میں بھی آپ کو ترقی دی جائے۔اس مقصد کے لئے روحانی نظام نے حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا(قارئین کرام!اسے بہلول دانا سے مکس اَپ نہ کریں یا اسے بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ نہ سمجھیں وہ تو اس زمانے سے اندازاً ساڑھے سات سو(750)سال پہلے دوسری صدی ہجری میں،بغداد شریف میں گزرے ہیں۔)۔ایک روایت کے مطابق حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت نجف اشرف نزد کوفہ ملک عراق میں تھے اور دوسری روایت کے مطابق اس وقت وہ ملک ایران کے شہر مشہد میں تھے۔بہت ممکن ہے کہ دونوں روایت صحیح ہوں اور وہ یوں کہ انہیں یہ حکم تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار گوہربار سے نجف اشرف میں ملا ہو اور پھر وہ مشہد میں حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پاک پر حاضری دیتے ہوئے لاہور تشریف لائے ہوں۔

ہاں تو انہی دنوں جب آپ مکتب میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور شیخ ابوبکر سے قرآنِ حکیم حفظ کر رہے تھے اور آپ کی عمر تقریباً دس سال تھی تو ایک دن حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ مکتب مذکورہ میں تشریف لائے۔روایت ہے کہ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علی کو نجف اشرف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پاک پر اعتکاف کے دوران حکم ہوا کہ کوہ پنج شنبہ پر جاؤ،وہاں ایک غار میں تمہیں اللہ کا ایک خاص بندہ بیٹھا ہوا ملے گا۔تمہیں جو وہ حکم دے اس کے مطابق کرنا۔حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے اور وہ اللہ کا خاص بندہ غار میں مل گیا۔حضرت بہلول دریائیؒ نے اس سے روحانی فیض حاصل کیا۔پھر اسی مردِ حق،رجالِ غیب نے حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور پہنچ کر کم سن حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو فیض پہنچانے اور بیعت کرنے کا حکم دیا۔

مکتب میں حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استادگرامی حضرت حافظ ابوبکر سے پوچھا کہ اس لڑکے کا نام کیا ہے اور یہ کیا پڑھ رہا ہے؟آپ کے استاد نے مؤدب جواب دیا کہ حضور،حضرت محترم ومکرم اس لڑکے کا نام حسین ہے۔یہ قرآن شریف حفظ کر رہا ہے اور اب تک چھ پارے حفظ کر چکا ہے اور اب ساتواں پارہ حفظ کرنا شروع کرے گا۔اس کے بعد حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر سے فرمایا کہ اس لڑکے سے کہو کہ ہمارے وضو کے لئے دریا سے پانی لائے۔کہتے ہیں کہ وہ مکتب دریائے راوی کے بہت قریب تھا اور وہ محلہ بیرون دروازہ ٹکسالی راوی کے کنارے کے بہت قریب تھا(قارئین کرام!بڈھا راوی کا مطلب بھی یہی ہے کہ گزشتہ کسی زمانے میں دریائے راوی یہاں سے بہتا تھا،گزرتا تھا اور اب آپ دیکھیں کہ دریائے راوی اس جگہ سے بھی کتنا دور ہٹ گیا ہے۔)۔حافظ ابوبکر نے حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جاؤ اور اس بزرگ کے لئے دریا سے پانی لاؤ۔آپ دریا پر گئے اور برتن میں پانی بھر کر لے آئے۔حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پانی سے وضو فرما کر آپ کے حق میں دعائے خیر کی کہ یاالٰہی!اس فقیر(لڑکے)کو عارف باللہ کردے اور اپنا سچا عاشق بنادے۔اس کے بعد حضرت

بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو روحانی تعلیم وتربیت دیتے رہے اور پھر آپ کو بیعت کیا، مرید بنایا اور اس کے بعد بھی حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ لاہور میں رہے اور آپ کے مشغولِ حال رہے۔

حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ ابھی لاہور ہی میں تشریف فرما تھے کہ ماہِ رمضان المبارک آ گیا۔ حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے استادِ گرامی حافظ ابوبکر سے فرمایا کہ نمازِ تراویح حسین پڑھائیں گے وہ امامت کریں گے اور قرآن مجید فرقانِ حمید سنائیں گے۔ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو چھ پارے حفظ تھے وہ آپ نے چھ دن نمازِ تراویح میں سنا دیئے۔ ساتویں روز آپ مرشد پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مؤدبانہ گزارش کی کہ حضور جتنا قرآن شریف مجھے حفظ تھا وہ میں سنا چکا ہوں، اب آگے کے لئے کیا حکم ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پیار سے فرمایا کہ اب تک تم نے حفظ کیا ہوا سنایا ہے اور یہ کوئی عجوبہ نہیں ہے۔ اب تجھے لازم ہے کہ بعد از وضو نماز ادا کر اور پھر قرآن شریف پڑھتا ہوا دریا پر جا اور ہمارے لئے دریا سے پانی لے آ۔ جب تو دریا سے برتن بھر چکے گا تو وہاں تجھے ایک شخص لباسِ سبز پوش ملے گا وہ جو کچھ کہے اس کو بجا لانا، اس پر عمل کرنا۔

جب آپ پانی بھر کر روانہ ہوئے وہاں ایک سبز پوش نورانی شخص ظاہر ہوا اور اُس نے درج ذیل فرمایا:

گفت کای کودک السلام علیک	ارسل اللہ الی وحیت الیک
خضر پیغمبرم مرا بشناس	تا بناشد بخاطرت وسواس
خاطر خویش جمعدار از من	بیقیں دان وشک نیا راز من
حق فرستادہ ست بر تو مرا	کہ ترا علم بخوانانم
چوں تو ایں علمِ حق زمن خوانی	ہر چہ ناخواندہ ہمہ دانی
آبے از شکرِ علم بے شکوہ	ریز در دست من ازیں کوزہ
بازریزم بکامِ تو آں آب	کشف گردد ز علم بر تو حجاب
ایں سخن چوں از وشنود حسین	سر بپائش نہاد ازو و حسین
گفت جان و دلم ازیں احساں	باد در زیر پائے تو قرباں
آب زکوزہ چہ بل از دل وجاں	ریزم اکنوں اگر وہی فرماں
گفت خضرش کہ اے پسر زنہار	تو سر خود زپائے من بردار

ترجمہ: ''حضرت خضر نے فرمایا اے بچے تجھ پر سلام، اللہ نے بھیجا کہ میں تجھ کو پیغام دوں۔
میں خضر پیغمبر ہوں مجھ کو پہچان تا کہ تیرے دل میں وسواس نہ رہے۔
مجھ سے اپنے دل کو مطمئن رکھ یقین جان اور میرے بارے میں شک میں نہ پڑ۔
اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے لیے بھیجا تا کہ میں تجھ کو علم پڑھاؤں۔

جب تو علم حق کو مجھ سے پڑھے گا جو کچھ تو نے نہیں پڑھا سب جان لے گا۔

علم کی مٹھاس جو بے شکوہ ہے اُس کا پانی اس کوزہ سے میرے ہاتھ پر ڈال۔

تا کہ میں تیرے مقصد کو پورا کروں اس پانی سے تا کہ کھل جائے علم سے تجھ پر پردہ۔

یہ گفتگو جب حضرت حسین نے سنی اپنے سر کو حضرت خضر کے قدموں پر رکھ دیا۔

اور فرمایا کہ اس احسان کی وجہ سے تو میں آپ کے پاؤں پر دل و جان قربان کر دوں۔

یہ کوزہ کا پانی کیا ہے اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اپنا جان و دل آپ کے قدموں پر رکھ دوں۔

حضرت خضر نے فرمایا اے ہونہار او رلائق بچے اپنے سر کو میرے قدموں سے اُٹھا لے۔

اور پھر اس سبز پوش بزرگ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ پر اس کوزہ سے پانی ڈال۔ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ نے کوزہ سے اُن کے ہاتھ پر قدرے پانی ڈالا اور انہوں نے اس میں سے کچھ پانی حضرت حسین کے منہ پر ڈالا۔

آب کز فیض دست خضر چشید   ہر چہ بودش نہاں عیاں ہمہ دید

ترجمہ: ''وہ پانی جس نے حضرت خضر کے ہاتھوں فیض کو چکھا۔ جو کچھ پوشیدہ سب ظاہر ہو گیا اور حضرت حسین نے سب کچھ دیکھ لیا۔

پھر اُس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام (سبز پوش بزرگ) نے آپ کو حوالہ بخدا کر کے رخصت کیا اور فرمایا کہ اپنے مرشد کو ہمارا سلام کہنا۔ جب آپ اپنے مرشد پاک کے پاس آئے اور جو کچھ ہوا وہ بتایا اور سبز پوش رجال غیب کا سلام دیا تو آپ کے مرشد پاک نے ہدایت کی کہ جو کچھ ہوا ہے، دیکھا ہے اس کو، اس راز کو مخفی رکھنا۔ اس کے بعد آپ کے مرشد نے آپ کو فرمایا اب ہر روز رات کو نماز تراویح پڑھانا، امامت کرنا اور ساتویں پارے سے نماز تراویح میں قرآن شریف پڑھنا۔ اور الحمدللہ آپ نے 27 رمضان المبارک تک قرآن شریف نماز تراویح میں ختم کر لیا اور غیر حفظ شدہ کو آپ نے حفظ شدہ کے مقابلے میں زیادہ بہتر انداز و آسانی سے پڑھ سنایا۔ قصہ مختصر کہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو بارگاہِ الٰہی میں کلی قربِ خاص حاصل ہو گیا۔

حقیقت الفقراء کے مصنف جناب پیر محمد کے مطابق جب حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ بحکم پیرانِ پیر، غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کے لئے لاہور آئے تو اس وقت سال 955ھ تھا اور حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی عمر 10 سال تھی۔ جب تھوڑے ہی عرصے میں حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مردِ کامل بنا دیا اور حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے متعلق پوری تسلی اور اطمینان ہو گیا تو مرشد کامل نے رخصت ہونا چاہا اور بوقت رخصت فرمایا کہ اے حسین یہاں لاہور میں جناب حضرت پیر، رہنمائے کامل علی عثمان گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پُر انوار ہے۔ جب ہم چلے جائیں تو ہمارے چلے جانے کا غم نہ کرنا۔ ہم نے تمہیں حضرت علی عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ اُن کے دروازہِ فیض بے اندازہ پر حاضر رہنا۔ تمہاری دلی مراد با کمال طریقے سے وہیں سے حاصل ہو گی اور راہِ

حق میں تمہاری مدد و رہنمائی کے لئے وہ تمہارے رہبر و مددگار رہوں گے اور تم کو بہت جلد واصل اللہ کر دیں گے۔ یہ نصیحت فرما کر حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن مبارک کے لئے روانہ ہو گئے۔

مرشد پاک کے چلے جانے کے بعد آپ نے عبادات، ریاضات، مجاہدات میں حد کر دی۔ آپ دریائے راوی کے کنارے گوشہ تنہائی میں چلے جاتے اور وہاں یادِ الٰہی میں عبادات، ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہتے۔ اس دوران آپ نے موسموں کی بہت سختیاں جھیلیں اور تکالیف و مشقت اُٹھائی پھر بھی بارہ سال تک آپ نے عبادات و یادِ الٰہی کے معمول میں فرق نہ آنے دیا۔ آپ کا معمول تھا کہ رات کو نمازِ عشا کے بعد دریا کے کنارے پہنچ جاتے اور وہاں عبادات، ریاضات، مجاہدات میں مصروف ہو جاتے۔ رات بھر عبادت کرتے۔ رات کو کسی وقت قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور نمازِ فجر کا وقت ہونے سے پہلے تک پورا قرآن شریف ایک بار پڑھ لیتے۔ ہر نماز وقت پر اور با جماعت پڑھتے۔ نمازِ فجر کے بعد اشراق بھی پڑھتے اور پھر ہر روز بلاناغہ حضرت علی عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے اور قرآن حکیم کی تلاوت میں مصروف رہتے۔ ہر نماز با جماعت ادا کرتے اور زائد وقت میں تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتے۔

بارہ برس کی عبادات، مجاہدات، ریاضات کے بعد ایک دن ماہِ رمضان میں جب آپ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر تھے تو آپ کو ایک پیکرِ نورانی نظر آیا۔ آپ نے اس صورتِ نورانی کو دیکھ کر اُن کی خدمت اقدس میں سلام کیا اور پوچھا کہ حضور آپ کون ہیں؟ اور آپ کا نام مبارک کیا ہے؟ پیکرِ نورانی نے شفقت سے فرمایا 'میرا نام علی بن عثمان ہجویری ہے۔ تو نے بارہ سال ہماری خدمت کی ہے۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ نے تجھے کامل ولی کر دیا ہے۔ اب جو تو کہے گا وہی ہو گا۔ اب تو توحید کے دریائے وحدت میں غرق (شامل) ہو جائے گا۔ اس کے بعد بھی آپ آستانہ ءِ پیر علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر تلاوتِ قرآن حمید فرقانِ مجید کرتے رہے۔ نمازِ ظہر کے بعد مدرسوں میں چلے جاتے اور نمازِ عصر کے بعد تفاسیر قرآن حکیم کے سننے میں مشغول رہا کرتے باوجود اس کے کہ تمام علم حضرت پیرانِ پیر، غلام دستگیر، حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی ﷺ کی نوازش سے آپ پر پہلے ہی مکشوف ہو گیا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد پھر عبادات و اوراد میں مشغول ہو جاتے۔ نمازِ عشاً کے بعد دریائے راوی کے کنارے پہنچ جاتے اور تمام رات دریا کے پانی میں کھڑے ہو کر ختم قرآن فرمایا کرتے۔ بارہ سال کے بعد بھی آپ نے کافی عرصہ اسی معمول پر گزارا۔ پھر عبودیت کو عبور کر کے دریائے وحدت و ربوبیت کے درجہ میں جا ملے اور فنافی اللہ ہو کر مستحق بقا ہو گئے یعنی کہ دریائے وحدت میں غوطہ زن ہو کر اسی میں مل گئے۔

صاحب ''حقیقت الفقرا'' جناب پیر محمد صاحب لکھتے ہیں:

گشت از دیدنش چومست حسین
بے خود از جائے خویش جست حسین

ترجمہ: ''حضرت حسین دیدارِ حق سے یوں مست ہوئے اپنی جگہ سے بے خود ہو کر اُچھلنے لگے۔''

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ جب چھتیس (36) برس کے ہو گئے تو اس عمر میں آپ ایک دن ایک عالم شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب سورۂ انعام کی آیت 32 کے اس حصے پر پہنچے جو کہ آیت مبارک کے شروع میں ہی ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط ترجمہ: ''اور دُنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود۔''

پر پہنچے تو استادِ مکرم سے اس کے معنی دریافت کئے۔ انہوں نے ظاہری معنی بیان کر دیئے تو آپ نے استادِ محترم سے کہا کہ مجھے قال مطلوب نہیں بلکہ حال درکار ہے۔ (قارئین کرام! یہاں آگے بڑھنے سے پہلے میں (اس کتاب کا مصنف) یہ بتا دوں کہ آپ پر تو اس سے پہلے بہت کچھ منکشف ہو چکا تھا لیکن آپ خود کو مٹا دینے کی خاطر ابھی تک طالب علمی کر رہے تھے، ان حالات میں یہ نفس کشی کا ایک ذریعہ تھا۔ آپ اپنے حال کا اخفا بھی چاہتے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہر کامل مرد، ولی اللہ، مردانِ حق، رجالِ غیب یہی چاہتا ہے۔ اب جو شیخ سعد اللہ لاہوری نے آپ کو آیت مبارک کے اس حصے کے صرف ظاہری معنی بتا دیئے تو آپ نے فوراً ان الفاظ کو، معنی کو اپنے اخفائے حال کے لئے پسند کر لیا اور حالت رقص وسرود وظاہری مے کشی سے اپنے آپ کو چھپا لیا۔ یا اپنے حال کو عوام الناس سے چھپا لیا۔) ہاں تو ذکر ہو رہا تھا کہ آپ کے استادِ محترم نے آپ کو مذکورہ آیت مبارک کے ظاہری معنی بتا دیئے۔ آپ نے کہا کہ مجھے قال نہیں بلکہ حال درکار ہے۔ آپ یہ کہہ کر سر مست حال ہو کر رقص وسرور کرنے لگے، اور تفسیر کی کتاب اُٹھا کر پانی میں ڈال دی۔ دوسرے طلباً نے اس پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کتاب نکالنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے بزور کرامت کتاب گہرے پانی سے ہاتھ ڈال کر باہر نکال لی اور ان کے حوالے کر دی۔ کتاب بھیگی نہ تھی بلکہ ویسی ہی خشک جیسی کنوئیں میں ڈالنے سے پہلے تھی۔ آپ اس کے بعد رقص وسرود کرتے ہوئے درسگاہ سے باہر آ گئے۔ آپ کے استاد اور ساتھی طالب علم یہ کرامت دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور جلد ہی اس کرامت کا چرچا عوام میں پھیل گیا۔ اس روز سے آپ نے یہی طریقہ ملامتیہ اختیار کر لیا تا کہ لوگ آپ سے نفرت کریں، دور رہیں اور آپ کے حالِ حقیقت پر پردہ پڑا رہے اس طرح سے آپ کو فراغت ملے اور تمام وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ اس کے بعد آپ نے ریش مبارک منڈوا ڈالی اور جام وصراحی کو ساتھ لے لیا۔

آپ کے مرشد حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ تک یہ بات پہنچی کہ حضرت کا مرید حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ اتباعِ شریعت سے آزاد ہو گیا ہے۔ صاحب ''حقیقت الفقرا'' کے مطابق حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت چنیوٹ میں تھے جب انہیں یہ اطلاع ملی تو وہ لاہور تشریف لے آئے اور حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر ان کی جانب متوجۂ مراقب ہوئے۔ انہوں نے مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ واصلِ بالحق ہیں۔ اس سے ان کو تسلی ہو گئی اور آپ کو اسی حالت میں چھوڑ کر وطن روانہ ہو گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد آپ کے پیرومرشد حضرت بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ بدستور مست مے وسرود ورقص رہے۔ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ آپ اپنے اخفائے حال کے لئے ایسا کرتے تھے اس کا مقصد یہ تھا وہ اپنی روحانیت اور قربِ الٰہی کے لئے مشہور نہ ہوں بلکہ عوام الناس بھی انہیں غیر معمولی شخصیت نہ سمجھے بلکہ اسے عام ناچ گانے والا مستِ دنیا سمجھے۔ اس طرح

آپ نے اپنے آپ کوعوام الناس میں گرادیا جب کہ اس مستی، رقص وسرود ظاہری مے کشی کے باوجودآپ راتوں میں، تنہائی میں، گوشہ نشینی میں یادِالٰہی میں باہوش وحواس مشغول ہو جاتے اور ہر شب ایک بار قر آن حکیم اول تا آخر پڑھتے۔ دنیا سے دور رہو نا یا اس طریقے سے دنیا کودور رکھنا یا دالٰہی اور مسلسل نفس کشی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس سے انسان میں انکساری اور عاجزی آتی ہے اور تکبر سے دور رہتا ہے۔ عزازیل بھی تو بہت بڑا عالم وعابد تھا بس تکبر کی وجہ سے راندھا گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان نرالی ہے، وہ خالق و مالکِ کل ہے اور وہ قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہے جو کرے، جیسے کرے یہ اس کی حکمتیں ہیں، خدائی ہے۔ کبھی کبھی وہ ان درویشوں کو، اولیاء اللہ کو کچھ باتیں، بہت پہلے ہی بتادیتا ہے کہ فلاں نیک روح ہے وہ تمہارا مرید ہوگا، فقراً کو تم سے فلاں فلاں فیضِ خصوصی پائیں گے، فلاں دن فلاں کے ساتھ یہ ہوگا۔ فلاں اچھا ہے فلاں برا ہے، اور نا قابلِ اصلاح ہے وغیرہ وغیرہ۔ جہاں ضرورت ہو رب العالمین لوحِ محفوظ ان کے سامنے کردیتا ہے اور یوں یہ بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ظرف بھی اُن کا اتنا بڑا ہوتا ہے کہ وہ زبان پر صرف وہی کچھ اور اتنا ہی لاتے ہیں جتنے کی اجازت ہو۔ اصل میں یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہوتے ہیں، اللہ کے دوست (ولی اللہ) ہوتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اُن کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، زبان بن جاتا ہے۔

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر لاہور کے شمالی، اور شمال مشرقی علاقے کے جنگلوں اور دیہاتوں میں گھوما پھرا کرتے تھے، عبادات، ریاضات ومجاہدات کیا کرتے تھے۔ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر آپ یادِالٰہی کیا کرتے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب آپ کی عمر اندازاً 55 سال کے قریب تھی کہ ایک دن آپ شاہدرہ گاؤں میں سے گزرے۔ وہاں آپ نے ایک خوبصورت پُرنور اندازاً 16 سال کی عمر کا ایک لڑکا دیکھا تو آپ اس پر مہربان ہو گئے۔ اس پر نگاہِ کرم ڈالی اور کچھ دیر اُسے دیکھتے رہے دعائیں دیتے رہے۔ اس کے مستقبل کے بارے میں سوچتے رہے۔ وہ لڑکا شاہدرہ گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کا نام مادھو تھا اور اس کا تعلق ہندو برہمن گھرانے سے تھا۔

مادھو سے ملاقات کی خاطر، اس سے میل ملاپ کی خاطر آپ نے شاہدرہ گاؤں میں زیادہ چکر لگانا شروع کردیئے اور پھر وہیں کہیں نزدیک ہی ڈیرے ڈال دیئے یعنی کہ دن کے وقت زیادہ تر اُسی علاقے میں گوشہ تنہائی میں عبادات وریاضات میں مشغول رہتے۔ مادھو کے ورثا فقیر کی اس مہربانی کو غلط سمجھے اور آپ پر شدید ناپسندیدگی وناراضگی کا اظہار کرنے لگے۔ اللہ کے فقیر کبھی حالات سے نہیں گھبراتے اور دشمنوں سے کبھی نہیں ڈرتے۔ آپ نے مادھو پر توجہ جاری رکھی اور پھر ایک روز مادھو کی توجہ بھی آپ کی طرف مبذول ہوگئی۔ وہ 18 سال کی عمر میں مسلمان ہو گیا۔ اور پھر ساری عمر مادھو آپ کا خادم بن کر رہا اور روحانیت میں اونچا مقام حاصل کیا اور آپ کے بہت قریب دفن ہوا۔

اس موقع پر اگر حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی صرف بہت اہم اور خاص متعلقہ نکات کو مختصراً لکھ دیا جائے تو روحانی معاملات اور دنیاوی توجیہات کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی اور حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی کچھ علم ومعلومات

میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے گا۔

حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ 983ھ کو شاہدرہ گاؤں کے ایک ہندو برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یعنی مادھو اپنے مرشد سے 38 سال چھوٹا تھا۔ اندازاً مادھو پر آپ کی نظر کرم 16 سال کی عمر میں پڑی اور اس وقت آپ کی عمر 54 سال تھی۔ مادھو 1001ھ میں جب اس کی عمر 18 سال تھی آپ کی ایک کرامت دیکھ کر مسلمان ہوا۔ آپ نے حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کئی پیش گوئیاں فرمائیں اور وہ سب سچی ثابت ہوئیں۔ مثلاً:

۱۔ آپ نے مادھو سے فرمایا میری وفات سے پہلے ہم میں 12 سال کی جدائی ہے۔

۲۔ شاہدرہ گاؤں کے ساتھ ایک جگہ کو دیکھ کر فرمایا یہاں ہماری قبر ہوگی۔

۳۔ فرمایا، 13 سال بعد یہاں سیلاب آئے گا اور مادھو اور دیگر عقیدتمند ہماری لاش یہاں سے نکالیں گے اور بابو پورہ (باغبانپورہ) میں دفن کریں گے۔

۴۔ فرمایا، میری وفات کے ایک سال بعد مادھو سفر پر جائے گا اور 12 سال بعد لوٹ کر آئے گا۔

۵۔ فرمایا، مادھو میری سنت پر ہوگا اور میرے بعد میرا سجادہ نشین ہوگا۔

۶۔ فرمایا، مادھو اندازاً 35 سال میری قبر پر سجادہ نشین رہے گا بعد ازاں واصلِ بحق ہوگا۔

۷۔ فرمایا، مادھو کی قبر میری قبر کے ساتھ ہوگی۔

حضرت مادھو مسلمان ہونے کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں بہت جلد ہی اپنے مرشد کی توجہ سے درجہ کمال تک پہنچے۔ حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بے پناہ خدمت کی۔ آپ چونکہ معرفت میں بڑا اعلیٰ مقام رکھتے تھے اس لئے آپ کی صحبت کا حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اثر ہوا کہ انہیں بھی معرفت کی منازل بہت تھوڑی مدت میں بلا ریاضت و مجاہدات حاصل ہوگئیں۔

مادھو کیسے اور کب مسلمان ہوئے؟ یہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت ہے اور اس میں اہل بصیرت عقل و دانش کے لئے بہت کچھ ہے اور حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہے اس لئے میں اسی موقع پر بیان کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

مادھو کے مسلمان ہونے کے بارے میں روایت ہے کہ ماہ چیت میں حسب معمول زنار بند ہندو، مادھو کے والدین عزیز و اقارب اور دیگر شاہدرہ گاؤں والے ہندو دریائے گنگا پر غسل کے لئے تیار ہوئے۔ اس پر مادھو نے حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا حضرت! میرے والدین بمع عزیز و اقارب (اشنانِ گنگا) گنگا میں غسل کے لئے جا رہے ہیں اور ہمارے مذہب میں اس غسل کا بہت زیادہ ثواب ہے، ہمارے لئے یہ غسل بہت اہم ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اُن کے ساتھ جاؤں اور اشنانِ گنگا سے اپنے گناہ دھوآؤں۔ آپ کو مادھو کی جدائی پسند نہ تھی یا مصلحت خداوندی، آپ نے فرمایا اے مادھو! اگر تم کو ضرور گنگا جانے کا شوق ہے تو یہیں ٹھہر جاؤ اور جس دن غسل گنگا (بیساکھ ماہ کی پہلی تاریخ کو) ہوتا ہے اس دن آ کر مجھے بتا

دینا میں اسی وقت، بروقت تمہیں گنگا کا غسل کرالاؤں گا۔

مادھو کے والدین اور دیگر اہل گاؤں گنگا کے غسل کے لئے چلے گئے اور مادھو ماہِ بیسا کھ کی پہلی تاریخ کو حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ حضور آج روزِ غسلِ گنگا ہے اور اس وقت میرے والدین اور عزیز وا قارب دریائے گنگا پر مقررہ علاقے میں غسل کرتے ہوں گے، حضور مجھے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا۔ پھر اسی وقت آپ اُٹھے۔ رُخ مبارک کعبہ کی طرف کیا اور مادھو کو کہا کہ میرے قدم پر قدم رکھو اور آنکھیں بند کر۔ جب مادھو نے ایسا کیا تو بعد ایک قدم اُٹھانے کے آپ نے اس کو کہا کہ آنکھیں کھول دے۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے اپنے آپ کو دریائے گنگا کے کنارے اس مخصوص حصے میں پایا۔ اس نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ یا حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رازِ ربّانی ہے، اس کا بیان کرنا مناسب نہیں۔ جاؤ غسل کرواور اپنے والدین سے ملو اور پھر میرے پاس آؤ کہ جلد تجھے لاہور لے چلوں۔ قصہ مختصر، مادھو گیا اور غسل کیا اور والدین سے مل کر پھر حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور بدستور سابق لاہور میں پہنچ گیا۔ اسی روز مادھو بصدقِ دل مسلمان ہو گیا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کی عمر 18 سال تھی اور سال 1001 ہجری تھا۔

حقیقت الفقراٗ کے مصنف جناب پیر محمد کے بقول ایک دفعہ آپ اپنے دوستوں کی خواہش پر اُن کے ساتھ دریائے راوی کی سیر کو نکلے اور چلتے چلتے منڈیا نوالہ گاؤں میں جا پہنچے۔ یہ گاؤں لاہور سے شرقپور جاتے ہوئے سڑک پر واقع ہے۔ موضع منڈیا نوالہ کے زمیندار سردار بہار خان نے آپ کے ساتھیوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور آپ کے پاس آ کر عرض کی کہ حضرت جب تک آپ کی دعا سے بارش نہیں برسے گی میں آپ کے ساتھیوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ زمیندار بہار خان کا ایک عقیدت مندانہ اور دوستانہ اقدام تھا زیادتی والا نہ تھا۔ آپ نے ساتھیوں کو روغنی روٹی یا نان کھلانے کا وعدہ کیا ہوا تھا لہٰذا آپ نے زمیندار بہار خان کو فرمایا کہ روغنی نان (گھی کی روٹی) اور شیر وشکر لا کر پیش کرو تو اللہ تبارک وتعالیٰ بارش برسا دے گا۔ اس پر بہار خان نے آپ کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا اور مطلوبہ اشیاء لا کر حاضر کر دیں۔ آپ خوش ہوئے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا الٰہی! قادر مطلق حسین اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش بیٹھا ہے، بارش کا برسنا ضروری ہے کہ گاؤں آباد اور دل شاد ہوں۔ شانِ رب العالمین کہ اسی وقت بادل نمودار ہوا، بارش ہونے لگی اور زمینیں سیراب ہو گئیں۔

جب اکبر بادشاہ نے عبدالرحیم خانِ خاناں کو ملک ٹھٹھہ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا اور مدد کے لئے طالب ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے پانچ سو روپے کے عوض ملک ٹھٹھہ تیرے ہاتھ دے دیا۔ اس کام کے لئے اب کسی اور سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ عبدالرحیم خانِ خاناں آپ سے رُخصت ہو کر ملتان آیا اور یہاں پہنچ کر وہ حضرت کبیر بالا پیر سجادہ نشین مزارِ حضرت بہاؑ الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک روپیہ بطور نذر رکھا لیکن شیخ موصوف (کبیر بالا پیر) نے اُسے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ملک ٹھٹھہ تجھے حضرت حسین لاہوری کی دعا سے عطا ہو چکا ہے، مجھے نذر لینے کی حاجت نہیں۔

روایت ہے کہ ایک شخص جس کا نام حاجی یعقوب مدنی تھا جو ہمیشہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ میں روضۂ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ پر شب و روز عبادات میں مشغول دیکھا کرتا تھا۔ اور یہ دونوں اکثر حجوں میں وہاں سے اکٹھے ہو کر بیت اللہ شریف جایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہ آپ کا بخوبی شناسا تھا۔ اتفاقاً وہ سیر کرتا ہوا لاہور میں آ پہنچا۔ ایک دن اُس نے یہاں حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو اس حال میں دیکھا کہ شراب کی بوتل ہاتھ میں ہے اور ناچتے ہوئے پھر رہے ہیں وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ شخص تو مدینہ میں بڑا زاہد و شرع کا پابند تھا یہاں لاہور میں اس کی کیا حالت ہے؟ لاچار ہو کر اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص جو شراب پینے والا معلوم ہوتا ہے کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ چپ رہو ایسی بات زبان پر نہ لانا، یہ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ ہے جو ایک اللہ کا ولی ہے۔ حاجی یعقوب صاحب نہ رہ سکے اور حضرت کے پاس جا کر کہنے لگے کہ اے مردِ خدا تم لاہور میں کب سے آئے ہو، میں نے تو تم کو مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا اور میں ہمیشہ آپ کو وہاں دیکھا کرتا تھا اور ہمیشہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں میں اور آپ اکٹھے پھرا کرتے تھے، سچ بات فرمایئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے اُسے کہا کہ آنکھ بند کر اور دیکھ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب اُس نے آنکھ بند کی تو آپ کو لباسِ عارفانہ میں دیکھا اور نیز دیکھا کہ آپ اسی طرح بروضۂ مطہر یہ نبویہ معتکف ہیں۔ جب وہ حاجی حضرت کی یہ کرامت دیکھ چکا تو آپ نے اُسے فرمایا کہ اے شخص اب یہاں سے چلا جا اور میرا راز کسی سے فاش نہ کر، میں تو ہمیشہ لاہور میں رہتا ہوں کبھی مکہ و مدینہ نہیں گیا۔ مگر حاجی یعقوب مدنی صاحب نے نہ مانا اور با آوازِ بلند کہا کہ اے ساکنانِ لاہور یہ ولی کامل ہے، میں اس کو طواف کعبہ میں چھوڑ کر روانہ ہوا ہوں اور مدینہ شریف میں یہ میرا بڑا دوست تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس نے آپ کا راز فاش کر دیا ہے تو آپ اُس کی آنکھوں سے گم ہو گئے۔ بعد ازاں اُس نے ہر چند تلاش کیا مگر آپ کو نہ پایا۔ جب وہ تلاش سے مایوس ہوا تو اُس نے ارادہ کیا کہ اب میں مکہ میں جا کر دیکھوں شاید آپ بدستور وہاں ہی موجود ہوں۔ جب وہ وہاں گیا تو بدستور آپ کو مطافِ کعبہ میں سربسجود پایا۔ وہاں جاتے ہی وہ حاجی حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور خادم ہوا۔ پھر اس کی خبر نہیں کہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔

شہزادہ داراشکوہ کتاب ''شطحیات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا کہ میں نہ مقیم ہوں نہ مسافر، نہ مسلمان نہ کافر، **الآن کما کان** ۔ یہ حضرت (آپ) استاد کامل اہل ملامت اور ہمیشہ ریش و بروت تراشیدہ رکھتے، اور آپ تمام مسکرات تناول فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ با ساز و نوازِ قوالانِ رنگین ادا شہرِ لاہور میں پھرا کرتے تھے، نیز داراشکوہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے اپنے وزیر کو لاہور میں آپ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ حضرت حسین غیر شرع ریش معترض رکھتے ہیں، اس پر اُن کو تعزیر کر، جب وہ وزیر حضرت کے روبرو آیا تو آپ نے اپنی معترض ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر اسی وقت دراز کر دکھایا اور جو چیزیں وہاں از قسم شراب وغیرہ مسکرات موجود تھیں وہ سب دودھ بن گئیں۔ یہ دیکھ کر وزیر جو تعزیر کے لئے آیا تھا، وہ آپ کا مرید با اخلاص بن گیا۔ یعنی کہ پُر خلوص، بصدقِ دل سے مرید بن گیا۔

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ نے چھتیس برس کی عمر تک تمام علوم ظاہری مکمل کر لئے، پھر تفسیر ''مدارک'' اپنے استاد سے

پڑھ رہے تھے ۔جب آپ پڑھتے پڑھتے اس آیت مبارکہ پر پہنچے کہ ''دُنیا لہو ولعب ہے'' تو پاؤں پر ہاتھ مار کر محو رقص ہو گئے اور کہتے جاتے تھے کہ ''مجھے دُنیا کی حقیقت آج معلوم ہوئی ہے۔'' اس کے بعد تفسیر مدارک مسجد کے باہر واقع کنویں میں پھینک دی۔ اس کے بعد آپ پر مستی چھا گئی اور شرح ظاہر کی حد سے باہر ہو گئے ۔اب آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر وقت شراب کی صراحی اور جام آپ کے ہاتھ میں ہوتا اور رقص کرتے جاتے ۔اکثر طوائفوں کے کوٹھے پر بھی جاتے اور خوبصورت لڑکوں کے پیچھے رہتے لیکن ساتھ ساتھ کرامتیں بھی دکھاتے جاتے۔آپ پر وقت کے علماء نے فتویٰ لگانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن ناکام رہے۔جس نے بھی آپ کے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کیا وہی مصیبت کا شکار ہو گیا۔

قاضی لاہور نے آپ کی غیر شرعی حرکات کے باعث آپ پر تعزیر لگانے کا منصوبہ بنایا لیکن ابھی تک عملی جامہ نہیں پہنایا تھا کہ ایک دن حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو دریائے راوی کے قریب مل گئے ۔حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر قاضی سے جو سوال و جواب کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

سوال حضرت حسینؒ : ''قاضی صاحب اسلام کے بنا کتنے اور کون کون سے ہیں؟''

جواب قاضی صاحب: ''اسلام کے بنا پانچ ہیں اور ان کے نام ہیں۔توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

حضرت حسینؒ : ''ان میں سے توحید ایک ایسا مسئلہ جس میں میں اور آپ برابر ہیں۔میں بھی توحید پر ایمان رکھتا ہوں اور تم بھی۔جہاں تک نماز روزے کا سوال ہے میں ان دو فرائض کا تارک ہوں اور جہاں تک حج اور زکوٰۃ کا تعلق ہے وہ مجھ پر فرض نہیں کہ فقیر بے نوا ہوں۔ہاں تم پر یہ دونوں فرائض عائد ہوتے ہیں لیکن تم ان دونوں فرائض کے تارک ہو۔لہٰذا اگر میں دو فرائض کا تارک ہو کر قابل تعزیر ہوں تو تم بھی دو فرائض کے تارک ہو کر قابل تعزیر ہو۔

قاضی فقیر کی یہ بات اور انداز دیکھ کر حیران و پریشان ہی نہ ہوا بلکہ حواس باختہ ہو گیا۔کیونکہ ان کا قاضی صاحب کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور فقیر کے یہ نکات، یہ الزامات درست تھے چنانچہ اس نے حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ پر تعزیر لگانے کا خیال دل سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں ہوئے ہیں۔تحقیقاتِ چشتی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے بارے میں اکبر بادشاہ سے کہا کہ لاہور میں ایک فقیر حسین نامی ہے کہ داڑھی منڈا کر لباس ہائے سرخ پہنتا ہے اور مادھو نام ایک لڑکے کے ساتھ صحبت رکھتا ہے اور شراب پی کر رقص کناں پڑا پھرتا ہے، اس کے باوجود دعویٰ ولایت کرتا ہے۔اکبر نے یہ سن کر ملک علی کوتوال شہر لاہور کو فرمانِ تاکیدی بھیجا کہ فرمان ہذا کے ملزم فقیر حسین کو باطوق و زنجیر قید کر کے ہمارے پاس لائے۔

ایک مرتبہ تھانیدار (کوتوالِ شہر) نے اکبر بادشاہ کے حکم سے ان کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کرنے کی کوشش کی۔لیکن زنجیر ہر بار ٹوٹ جاتی اس پر تھانیدار جو اس وقت کوتوال کہلاتا تھا، نے آپ کو گالیاں دے کر کہا کہ ''تم جادوگر ہو۔'' میں تمہارے سفرے میں کلہ ٹھکوا کر ماروں گا۔'' اس پر حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا کہ ''یہ کام تمہارے ہی ساتھ ہوگا۔'' چنانچہ ایک ہفتے کے اندر

اندرا کبر بادشاہ نے یہ حکم کوتوال کے لئے جاری کیا۔ چنانچہ کوتوال کی پیٹھ میں لکڑی کا کلہ ٹھونک کر مار دینے کا شاہی حکم صادر ہوا۔ سبب اس کا یہ ہوا کہ دُلا بھٹی جو کہ اس وقت کا مشہور ڈاکو تھا گرفتار ہوا۔ اکبر بادشاہ نے اس کوتوال کو حکم دیا کہ دُلا بھٹی کو لاہور میں پھانسی دی جائے اور بوقت پھانسی وہ جو کچھ کہے اس کو تحریر کر کے مجھ تک آگرہ پہنچایا جائے۔ دُلا بھٹی نے پھانسی چڑھتے وقت اکبر بادشاہ کو سینکڑوں گندی گالیاں دیں۔ کوتوال نے حسب حکم شاہی وہ سب لفظ بہ لفظ قلمبند کر کے بادشاہ کو پیش کر دیں۔ کوتوال نے جو تحریر اکبر بادشاہ کو پیش کی وہ بھرے دربار میں پڑھی گئی۔ لفظ بہ لفظ اتنی زیادہ اور بُری گالیاں سن کر اکبر بادشاہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور پھر کوتوالِ لاہور کو گالیاں لفظ بلفظ تحریر کرنے پر گستاخی اور بے ادبی کا مجرم قرار دیا اور پھر اس جرم کی بالکل وہی سزا صادر کی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اس طرح فقیر کے منہ سے نکلی ہوئی بات حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اس کرامت کا بہت شہرہ ہوا اور یہ کرامت اکبر بادشاہ تک بھی پہنچی۔ چنانچہ اس نے ان کو اپنے پاس بلا کر چند کرامتیں دیکھیں اور پھر آپ کا معتقد ہو گیا۔ اکبر کی ملکہ اور اس کے بیٹے جہانگیر، دانیال اور مراد اُن کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔

''حقیقت الفقراُ'' کے مصنف حضرت پیر محمد نے لکھا ہے کہ بادشاہ اکبر نے ایک روز حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا اور آپ جام وصراحی لے کر پہنچے۔ بادشاہ نے کہا کہ سلسلہ قادری کے پیر ہو کر یہ مے نوشی! آپ نے اسی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر بادشاہ کو پلایا، جو سرد پانی سے پُر تھا۔ اسی صراحی سے دوسرا پیالہ جو پیش کیا اس میں شربت تھا اور پھر اسی سے تیسرا پیش کیا تو وہ دودھ تھا۔ اکبر یہ دیکھ کر متعجب ہوا اور حکم دیا کہ اپنی شراب کی صراحی انہیں دیں اور پھر وہ دیکھیں کہ اس سے شراب کے سوا کچھ اور نکلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ بادشاہ کے ہاتھ صراحی دے کر بھی اُس سے آپ نے پانی، شربت اور دودھ نکال کر بادشاہ کے پیش کیا۔ پھر بادشاہ نے امتحان کی غرض سے حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو زندان میں بھجوا دیا کہ اگر یہ فقیر صاحب کرامت ہے تو جیل میں قید نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ کوٹھڑی میں، جیل میں ڈلوانے کے بعد جب بادشاہ زنان خانہ میں گیا تو آپ کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا ہوا دیکھا پھر قید خانہ میں جا کر دیکھا تو آپ وہیں موجود تھے۔ یہ دیکھ کر اکبر بادشاہ اپنے فعل سے تائب ہوا اور حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کو باعزت واحترام رُخصت کیا۔

شہنشاہ جہانگیر اور مغلیہ خاندان کے کئی افراد آپ کے معتقد تھے۔ اور شہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد آپ کے دلی غلام تھے، اور امراء خواجہ دولت خاں اور خانِ خاناں اور مفتی اور میر عدل اور شیخ ابوالفضل آپ کے دلی معتقد ہوئے اور شیخ عبدالرحمٰن کے بیٹے نے آپ کی مہربانی سے افضل خاں کا خطاب پایا، اور جعفر خان و بہار خان و صادق خان و شہباز خان اور اکثر امراء آپ کے مطیع اور امیدوارِ فرمائش تھے، مگر آپ نے کبھی کسی سے بھی کچھ طلب نہ کیا۔ آپ کو تو ہر دم اللہ تبارک وتعالیٰ کا بھروسہ تھا اور اسی پر توکلِ کامل تھا۔

آپ پنجابی کے شاعر بھی تھے اور آپ کی پنجابی کافیاں مشہور ہیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے آپ کے کلام کو مرتبہ کیا اور اسے کافیاں مادھولال حسین کے نام سے شائع کیا۔ آپ کے اشعار میں عشق حقیقی جھلکتا ہے اور آپ کے اشعار محبت سے بھرے

ہوئے ہیں۔ملاحظہ فرمائیے:

من اٹکیا بے پروا نال	اوہ دین دنی دے شاہ نال
قاضی ملاں متاں دیندے	کھرے سیانے راہ دیندے

روایت ہے کہ ایک دن آپ شاہدرہ گاؤں کے ساتھ والے علاقہ میں تشریف لے گئے۔اور وہاں ایک اچھی صاف ستھری جگہ دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہاں ایک کنواں کھودو اور سبزہ، پھول لگاؤ کہ یہاں ہماری قبر ہوگی۔اور جب ہم دفن ہو جائیں گے تو اس کے 13 سال بعد یہاں سیلاب کا پانی آجائے گا۔مادھو اور ہمارے دوست قبر سے ہماری لاش نکالیں گے اور پھر بابو پورہ (موجودہ باغبانپورہ) میں دفن کریں گے۔

اور میری وفات کے ایک سال بعد مادھو سفر کو جائے گا اور پھر 12 سال بعد لوٹ کر آئے گا۔وہ میری سنت (طور طریق) پر قائم ہوگا۔اور میرے بعد میرا سجادہ نشین مادھو ہے اور وہ تقریباً 35 سال میری قبر پر سجادہ نشین رہے گا،اُس کے بعد وہ واصل بحق ہوگا۔اس کی قبر بھی میری قبر کے ساتھ بنے گی۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وفات کے بعد وہی ظہور میں آیا

آپ نے تبلیغ واشاعت دین اسلام میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔اس کا ایک واضح ثبوت آپ کے خلفاء کی کثیر تعداد ہے اور یہ کردار آپ نے اس وقت کیا جب برصغیر میں شہنشاہ اکبر کے "دین الٰہی" کے سبب دین اسلام کی خوبیوں کو قدروں کو پامال کیا جا رہا تھا۔آپ نے فقر محمدی ﷺ کو اس شدت وشان سے اپنایا کہ بادشاہِ وقت وشہزادگان جو آپ کے دلی معتقد تھے اور آپ کے اشارے کے منتظر رہتے تھے کہ کب "اللہ کا فقیر" کسی خدمت کا کہے اور وہ ہم بجالائیں۔لیکن نہ کبھی آپ نے کسی سے کچھ طلب کیا نہ ہی آپ کے حال وروحانی قوت کے سامنے کسی کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ کوئی پیش کش کر سکے۔

حقیقت الفقراُ کے مصنف جناب پیر محمد صاحب کے بقول آپ کے مریدوں کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی جو آپ کے وسیلے سے دونوں جہانوں کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے اور بعض نے تعداد سوا لاکھ لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کو چاہنے والے، پسند کرنے والے تو بے شمار لوگ ہوں گے۔

آپ کے مشہور 16 خلیفے ہیں۔ان میں سے چار کا خطاب "غریب" ہے

اور چار کا خطاب "دیوان" ہے۔

اور چار کا خطاب "خاکی" ہے۔

اور چار کا خطاب "بلاول" ہے۔

ان کی مختصراً تقسیم یوں ہے:

غریب:

(ا) پہلا شاہ غریب۔موضع رتی ٹھٹھہ میں وزیر آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر۔

(۲) دوسرا شاہ غریب۔ موضع لنگوٹی والی تحصیل وزیرآباد میں۔

(۳) تیسرا شاہ غریب۔ بمقام اچیلا پور اقلیم دکن میں۔

(۴) چوتھا شاہ غریب۔ ہزاروی آپ کے مزار کے متصل ہے۔

دیوان:

چار دیوانوں میں سے پہلا دیوان مادھو۔ دوسرا دیوان گورکھ لاہور میں آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں۔ تیسرا دیوان بخشی بمقام بیجاپور۔ چوتھا دیوان لاہور میں متبور۔ دیوان مادھو آپ کا محبوب ومطلوب تھا۔

خاکی:

خلفائے خاکی میں پہلا مولا بخش خاکی۔ دوم خاکی شاہ لاہور میں آپ کے مزار کے جوار میں۔ سوم خاکی وزیرآباد میں۔ چہارم حیدر بخشی خاکی اقلیم دکن میں آرام فرما ہے۔

بلاول:

اور چار بلاولوں میں۔ اوّل شاہ رنگ بلاول۔ دوسرا بدھو بلاول۔ سوم شاہ بلاول۔ یہ تینوں بلاول شیخ حسین کے مزار کے جوار میں آسودہ ہیں۔ چوتھے شاہ بلاول کی قبر دکن میں ہے۔

آپ کا وصال بروز جمعہ 3 جمادی الثانی 1008ھ بمطابق 12 دسمبر 1599ء کو لاہور میں ہوا۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 63 سال کی عمر پائی۔ آپ کو حسب وصیت اس جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ نے کہا تھا۔ یہ جگہ شاہدرہ کے شرق میں تھی چونکہ آپ نے پیشین گوئی فرمائی ہوئی تھی کہ دریائے راوی 12 سال کے بعد ہماری قبر کو گرادے گا اس خیال سے کسی نے وہاں آپ کی قبر کو پختہ نہ کرایا اور روضہ نہ بنوایا۔ جب وہاں سے آپ کی حسب وصیت آپ کا جنازہ بابو پورہ (موجودہ نام باغبانپورہ) میں لے کر آئے تو یہ مسئلہ پیش آیا کہ اس وقت یہاں مقام مدفن کی جگہ پر گورکھا تھ کے ایک جوگی کا فقیروں والا ڈیرہ تھا اور وہاں در و دیوار یا کمرہ وغیرہ تھا۔ وہاں ایک جوگی جس کا نام پیر گورکھا تھ تھا اپنے چند چیلوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ جب آپ کا جنازہ وہاں لاکر دفن کرنے کے ارادے سے رکھ دیا گیا تو جوگی نے منع کیا اور یہ اعتراض کیا کہ یہ جوگیوں کی جگہ ہے جو ہندو ہوتے ہیں یہاں مسلمان کیسے دفن کیا جاسکتا ہے؟

جب جوگی نے یہ کہا تو حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے جسد خاکی سے واضح آواز آئی کہ اے جوگی فلاں جگہ (جہاں اب حضرت کی قبر مبارک ہے) کو کھود۔ اگر وہاں سے تسبیح، مصلاً، قرآن شریف اور ہماری ایک دستار سرخ (لال پگڑی) نکلے تو یہ جگہ ہماری ورنہ تیری۔ جب اس جگہ کو کھودا گیا تو اس جگہ سے مذکورہ چاروں اشیاء بہت ہی اچھی حالت میں اور صاف ستھری نکلیں۔ اس کرامت پر جوگی بہت شرمندہ ہوا اور حقیقت کو مان گیا اور دست بستہ عرض کی کہ حضور اب میں کہاں جاؤں؟ ارشاد ہوا بمقام ٹلّہ گورو گورکھا تھ پر جا کر رہ۔ اس پر وہ جوگی اپنے چیلوں کے ساتھ وہ جگہ چھوڑ کر چلا گیا۔

آپ کی یہ کرامت دیکھ کر جوگی کا ایک سعادت مند چیلہ آگے بڑھا۔ جنازے کو چھو کر آپ کا خادم ہونے کی آرزو کی اور وہ وہیں مشرف با اسلام ہوا۔ اس کا نام خاکی دیوان رکھا گیا۔ اس نئے خادم یعنی کہ خاکی دیوان پر حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ نے بعد از وصال خاص کرم کیا، خاص نگاہ ڈالی کہ اسے چند سالوں میں ہی عالی مقام حاصل ہوگیا۔ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے جسد خاکی سے یہ خاکی دیوان کو یہ سعادت وہدایت بھی ملی کہ آپ (حضرت حسینؒ) نے اسے حکم دیا کہ یہ دستار سرخ ہمارے محبوب مادھو کی امانت ہے۔ جب وہ یہاں آئیں تو خاکی دیوان یہ امانت اُن کے سپرد کرے۔ حسب حکم وہدایت جب حضرت مادھو رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو اس نے وہ امانت اُن کے سپرد کردی اور اسی وقت آپ (خاکی دیوان) زمین میں زندہ سما گیا۔ چنانچہ اب تک یہ مثل مشہور ہے کہ ''مادھو آیا اور خاکی سمایا۔'' خاکی دیوان کی قبر مبارک بھی حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی چاردیواری میں موجود ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
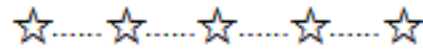
حضرت میاں میرؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک میر محمد ہے اور آپ کا لقب میاں میر ہے۔آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر رفاروقی تھا۔آپ کا پورا اسم گرامی شیخ محمد میاں میر بالا پیر قادری تھا۔آپ کو لوگ شاہ میر بھی کہتے ہیں اور ''جیئو'' آپ کے لئے کلمہ تعظیم ہے۔آپ کو سب ہی اپنا صاحب سمجھتے تھے اور سب کو آپ کی تعظیم لازم قرار دیتے تھے اس لئے عوام الناس آپ کو میاں جیئو بھی کہتے تھے۔

روحانیت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ مروجہ دنیاوی اور دینی علوم یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم سے مالا مال تھے۔ بحر شریعت،طریقت،حقیقت و معرفت کے آپ ماہر پیراک تھے۔اوائل عمر سے ہی آپ ریاضات،مجاہدات و عبادات میں مصروف رہے اور اللہ اللہ میں اتنے مصروف رہے کہ ساری عمر اکیلے رہے،اللہ اللہ میں اتنے مگن رہے کہ شادی خانہ آبادی بھی نہ کی اور ساری عمر مجرد ہی گزاردی۔ہر اولیاءاللہ کی طرح آپ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کچھ قبول نہ کرتے تھے اور اگر کبھی کسی عقیدت مند نے کچھ دے بھی دیا تو فوراً اُسے اپنے مریدوں،غریبوں اور بے سہارا لوگوں میں بانٹ دیتے تھے اور اپنا گزارا اللہ توکل پر تھا۔آپ ایک ایک ماہ کا روزہ رکھتے اور شب و روز عبادات و مجاہدات میں مصروف رہتے۔آپ کے کشف و کرامات بھی بہت ہیں۔آپ کے اخلاق،غریب دوستی،غریب پروری اور کشف و کرامات کے سبب غیر مسلم بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔آپ کی دعائیں لیتے تھے اور بہت ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔آپ بہت غریب پرور اور ہر دلعزیز تھے۔امرتسر میں سکھوں کے گولڈن ٹمپل کا سنگ بنیاد آپ نے رکھا تھا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک سیستان (سیوستان) میں 957ہجری بمطابق 1550ء کو ہوئی۔سیوستان کا قصبہ ٹھٹھہ اور بھکر کے درمیان واقع ہے اور یہ آپ کے اباؤاجداد کا وطن ہے۔25سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے اور بقیہ عمر مبارک آپ نے یہیں گزاردی۔آپ نے شادی نہ کی۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 88 سال کی عمر پائی اور 7ربیع الاول 1045ھ بمطابق 11اگست 1635ء کو لاہور میں آپ کا وصال ہوا،اس وقت پنجاب کا حاکم اعلیٰ نواب وزیر خان تھا اور مسجد وزیر اسی نے

تعمیر کرائی تھی ۔اس وقت شاہجہان بادشاہ کا عہد حکومت تھا۔جب آپ اپنے مرشد حضرت خضر سیوستانیؒ کی اجازت وحکم سے پہلی دفعہ لاہور آئے تو آپ نے کچھ عرصہ مولانا سعداللہ کے حلقہ درس میں گزارا۔سعداللہ شہنشاہ اکبر کے زمانے کے مشہور ومعروف علماءٔ وفضلاءٔ میں سے تھے۔آپ تو پہلے ہی ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ وپیراستہ تھےاس لئےتھوڑے ہی عرصہ میں آپ روحانیت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے ۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کےوالد ماجد کا اسم مبارک قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر فاروقی تھااور والدہ ماجدہ کا نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قادن تھا۔آپ کا اور آپ کے گھرانے کا سلسلہ نسب 28 واسطوں سے حضرت عمر فاروق اعظم ﷜ سے جا ملتا ہے۔آپ کے والد ماجد سیتسان میں آباد تھے اور''سفینۃ الاولیاء'' کے مطابق آپ 957 ہجری بمطابق 1550 عیسوی میں سیتسان میں پیدا ہوئے ۔ آپ کا گھرانہ متقی وپرہیز گار تھا۔آپ کےوالدین روحانیت کے حامل،اللہ والے تھے۔جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

آپ بہت ذہین اور محنتی تھے۔آپ نے والدہ ماجدہ کی زیر نگاہ 12 سال کی عمر میں دنیاوی اور دینی علوم پر عبور حاصل کر لیا۔ظاہری اور باطنی علوم سے بہرہ ور ہونے کے بعد آپ نے ریاضات مجاہدات وعبادات میں نمایاں اضافہ کردیا اور ساتھ ہی ایک رہبر کی تلاش بھی شروع کردی۔بالآخر آپ نے حضرت خضر سیتسانی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔آپ نے 24 سال کی عمر تک ان کے زیر نگاہ تربیت پائی اور آپ ایک ہونہار مرید تھے کہ اس عمر میں ہی مرشد کامل سے خرقہ خلافت مل گیا۔خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی آپ کو سیتسان سے لاہور ہجرت کر جانے کا باطنی ارشاد ملا اور جب آپ لاہور پہنچے یا لاہور آئے تو اس وقت آپ کی عمر 25 سال تھی ۔

آپ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں ۔بھائیوں کے نام بتدریج میاں قاضی،قاضی عثمان،قاضی طاہر،اور قاضی محمد تھے ۔ ایک بہن کا نام بی بی ہادی اور دوسری کا نام بی بی جمال خاتون تھا۔بی بی جمال خاتون ولی اللہ تھیں ۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے شادی نہیں کی ۔آپ کی عمر شریف 88 برس تھی،اور آپ ساٹھ سال لاہور میں رہے ۔

لاہور آنے سے پہلے جب آپ کو خرقہ خلافت ملا تو آپ کی عبادات،مجاہدات اور ریاضات میں اور بھی اضافہ ہوگیا ۔ آپ شب وروز یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگے ۔اس دوران آپ حضرت غوث اعظم،عبدالقادر جیلانی ﷜ کے دیدار پاک سے بھی مشرف ہوئے اور حضرت غوث اعظم ﷜ نے آپ کو نور باطن سے بھی نوازا۔لاہور پہنچ کر بھی آپ دن رات عبادات و ریاضات میں مشغول رہتے ۔حبسِ دم (دیر تک سانس روکے رکھنا) کا عمل کرتے ۔ایک ایک ماہ کا روزہ رکھتے۔آپ اکثر حالت استغراق میں رہتے ۔آپ اپنے مریدوں یا طالب علموں کے ساتھ بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔آپ کی درویشانہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ اکثر دن لمبے لمبے روزوں سے ہوتے اور جب روزہ نہ بھی ہوتا تو خود کھانے کی رغبت نہ کرتے ۔

اسی حال وحالت سے متعلق صاحب "سفینۃ الاولیاء" محمد داراشکوہ لکھتے ہیں: جب آپ عبادت وریاضت میں غرق تھے تو ایک دن سیستان (وطن) سے آپ کے بھائی آ گئے۔ آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بھائی کو دیکھ کر پریشان ہوئے۔ اُٹھ کر باغ میں گئے اور سجدے میں سر رکھ دیا اور رب العالمین سے کہا یا الٰہی مہمان تو تو نے بھیج دیا ہے مگر مہمانداری کو کچھ نہیں بھیجا۔ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے میں فقط تیرے آسرے پر بیٹھا ہوں۔ ابھی سر سجدے میں ہی تھا کہ ڈیرے سے خادم آ گیا اور کہا یا حضرت! ایک شخص کھانا اور کچھ نقدی لے کر آیا ہے یہ سن کر سجدے سے سر اُٹھایا۔ آنسو بھر آئے۔ کہا اے پروردگار عالم! تو میرے جیسے عاجز کی اتنی جلدی سن لیتا ہے یہ تیرا خاص کرم ہے۔ ڈیرے پر گئے اور بھائی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور رب العالمین کا شکر ادا کیا۔

لاہور میں کچھ عرصہ عبادات، مجاہدات وریاضات میں گزارنے کے بعد آپ سرہند تشریف لے گئے اور وہاں حسب سابق یادِ الٰہی میں مصروف رہنے لگے۔ اس دوران وہاں آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے پاس آپ کی تیمارداری کے لئے کوئی نہ تھا۔ وہاں پر ایک شخص حاجی نعمت اللہ کو جب آپ کی بیماری کا علم ہوا تو وہ فوراً آپ کی خدمت پر مامور ہو گئے یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ بھی وہ اپنے ہاتھ سے اُٹھاتے تھے۔ آپ نے صحت یاب ہونے پر اس سے خوش ہو کر فرمایا کہ ہمارے پاس دنیاوی مال ومتاع تو نہیں ہے جو ہم تم کو دیں لیکن اگر تم چاہو تو ہم تمہیں روحانی نعمتوں سے مالا مال کر سکتے ہیں۔ حاجی نعمت اللہ نے خوش ہو کر کہا کہ حضور اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کو چند روز میں ہی سلوک کے درجۂ کمال پر پہنچا دیا۔ حاجی نعمت اللہ پہلے خوش قسمت تھے جو آپ کی روحانی تعلیمات سے مستفید ہوئے۔ آپ نے سرہند میں ایک سال گزارا اور اس کے بعد آپ دوبارہ لاہور تشریف لے آئے اور پھر آخری دم تک یہیں رہے۔ آپ باغبانوں کے محلے میں رہتے تھے۔

آپ حد درجہ سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ عبادات میں آپ فرائض، سنن موکدہ، تہجد، اشراق اور ان نمازوں کی پابندی کا بہت خیال رکھتے تھے جو پیغمبر اول وآخر واعظم، حضور پُر نور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ نے ادا فرمائی ہیں اور اسی طرح آپ روزوں اور نفلی عبادات میں بھی پابندی فرماتے تھے۔ آپ کے وقت کے بادشاہ، وزرا، شہزادے، نواب وامرأ آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ سلاطین، شہزادوں، امرأ وغیرہ کی نذر آپ قبول نہیں فرماتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی زر ونقدی لے آتا تو آپ اسے فرماتے مجھے فقیر محتاج سمجھا ہے کہ یہ نقدی لائے ہو۔ میں فقیر محتاج نہیں ہوں اور اس عنایت کا مستحق نہیں ہوں۔ میں تو غنی ہوں۔ جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ ہو وہ فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ جو لائے ہو اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور کسی مستحق کو دے دو۔

ایک دفعہ شہنشاہِ ہند جہانگیر نے آپ کو درخواست کر کے بلایا اور آپ وہاں چلے گئے۔ بادشاہ جہانگیر نے آپ سے اپنی اس ملاقات کا تذکرہ تزکِ جہانگیری میں یوں بیان کیا ہے کہ "جب مجھے یہ علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں میر نامی سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحب حال بزرگ ہیں اور توکل اور گوشہ نشینی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دنیا سے مستغنی ہیں۔ درویش کے ان اوصاف کی بنا پر میرا دل ان کی ملاقات کے لئے بے چین ہوا۔ اُن کی زیارت کے لئے میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت وخواہش پائی لیکن میرا لاہور جانا مشکل تھا۔ اس لئے میں نے ایک خط

کے ذریعے اُن کی خدمت میں ملاقات کا شوق ظاہر کیا۔حضرت درویش باوجود بڑھاپے کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور میں ایک طویل عرصے تک خلوت میں حضرتؒ کے ساتھ بیٹھا اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا۔بلاشبہ آپ کی ذات غیر معمولی شرف کی حامل ہے اور آپ کا وجود باعث رحمت وغنیمت ہے۔ان ملاقاتوں میں مجھے آپ کی جناب سے بہت سے معارف و حقائق سننے کا اتفاق ہوا۔میں نے (شہنشاہِ ہند جہانگیر نے) ہرچند یہ چاہا کہ آپ کی خدمت میں نذر پیش کروں لیکن آپ کے پایہ عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس تمنا کے اظہار کی جرت نہ ہوئی۔

شہزادہ داراشکوہ بھی آپ کا عاشق تھا۔وہ آپ کا خلوصِ دل سے تابعدار تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ہی کی توجہ سے اسے روحانی میدان میں لا کھڑا کیا۔بیس سال کی عمر میں جب داراشکوہ بیمار ہوا اور طبیبوں نے جواب دے دیا تو شہزادے کے والد شہزادے کو لے کر حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کمال عقیدت و نیازمندی سے آپ سے عرض کیا کہ یہ میرا بیٹا بیمار ہے اور شہر کے طبیب اس کے علاج سے عاجز آ چکے ہیں۔آپ اس کے لئے دعا فرمایئے۔آپ نے اپنے استعمال میں پیالہ کو پانی سے بھرا اور اس پر دم کر کے شہزادے کا ہاتھ پکڑا اور اسے وہ پانی پلا دیا۔اس کے بعد شہزادہ چند روز میں بالکل تندرست ہو گیا۔

آپ سے متعلق ایک واقعہ کو جو کتاب 'صوفیائے کرام'' از طاہر لاہوری میں درج ہے میں (اس کتاب کا مصنف) اسے من وعن قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور میرا ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یہ واقعہ اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق نہیں لگتا اور نہ ہی مجھے یہ یقین آتا ہے کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالی مقام اولیاء اللہ کسی کم عمر سے، بچے سے ایسی سخت بات کہہ سکتے ہیں کہ جیسی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دی گئی ہے۔اورنگ زیب عالمگیر کی سن پیدائش 1618 عیسوی ہے اور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے 1635 عیسوی میں وصال فرمایا۔فرضِ محال اورنگ زیب آپ کے پاس وصال سے ایک ماہ پہلے آیا پھر بھی اس کی عمر اس وقت 16 تھی۔

ایک اور نکتہ جو کہ دینی، ایمانی لحاظ سے بہت ہی اہم ہے وہ یہ کہ شہنشاہ اکبر کے رائج کردہ ''دین الٰہی'' نے دین اسلام کو، اسلامی قدروں کو بہت زیادہ ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔اس طوفانِ بد سے نبرد آزما ہونے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دور میں 'مجدد الف ثانی'' حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا اور آپ نے اللہ کی نصرت خاص سے اس تباہ کن سیلاب کو روک دیا۔حضرت احمد سرہندی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو شہنشاہ اکبر نے قید و بند کے ساتھ ہر طرح کی اذیت دی۔گھر سے بے گھر کر دیا تمام طرح کی ملکیت و جائیداد ضبط کر لیں۔اس طوفان یا سیلاب میں کمی تو آ گئی لیکن وہ کچھ کم شدت کے ساتھ بادشاہِ ہند شاہ جہان کے دور میں بھی موجود رہا۔اور جب اورنگ زیب عالمگیر برسر اقتدار (1685ء سے 1707ء تک) آیا تو اس نے اولیاء اللہ کی حاضری تعلیم، رہنمائی اور دعاؤں کے ساتھ ہند سے دین الٰہی کی بیخ کنی کی۔اس نے اس طرح دین اسلام کی بڑی خدمت کی۔رزق حلال کمایا اور کھایا۔اس کی غریب پروری، عدل وانصاف اور جواں مردی کی یہ حد تھی کہ سلطان ہند ہوتے ہوئے

خود اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر، پندرہ میل دور سے رات کے وقت ایک ہندو لڑکی کو ظالموں سے چھڑا کر لایا اور صبح نماز فجر سے دو گھنٹے پہلے اس کی فریادی ماں کے حوالے کر دیا۔

اس پُر آشوب دور میں جو اورنگ زیب عالمگیر نے دین اسلام کی خدمت کی ہے اُسے زمانے نے مانا ہے اور علماء حق، صلحاء اور اولیاء اللہ نے اسے اپنے وقت کا ''مجدد'' قرار دیا ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان ہے کہ وہ کس بگڑے ہوئے کو کس وقت کس عمر میں راہِ ہدایت پر لے آئے اور کس سدھرے ہوئے کو کس وقت، کس عمر میں شیطان کے حوالے کر دے۔ اس بارے میں آنکھیں کھول دینے کے لئے ایک مثال ایک یہودی عالم ''بلعم باعور'' کی ہے اور دوسری مثال جناب منور (قارون) کی ہے جس کا بیان سورہ قصص کی آیات 79 سے 82 تک میں ہے اور تفسیر میں پورا بیان موجود ہے کہ شان رب العالمین، شانِ قادرِ مطلق جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

کتاب ''صوفیائے کرام'' از طاہر لاہوری کا وہ مذکورہ واقعہ درج ذیل تقریباً ایک صفحے پر ہے اور اس کی صحت پر مجھے یقین نہیں ہے جیسا کہ میں نے مذکورہ بالا میں لکھا ہے۔

''سامنے ایک درویش کا حجرہ تھا باہر ایک مرید پہرے پر کھڑا تھا ایک خوبصورت مغل شہزادہ عین عالم شباب میں وہاں کھڑا تھا۔ شاہی لباس آنکھوں میں شاہی دماغ کی سرمستیاں، چہرے پر حسین تمکنت، شاہانہ جاہ وجلال کا نشہ، پیچھے حفاظتی دستہ، نیزے اور تلواروں سے آراستہ، چاق وچوبند، نگاہ روبرو، خاموشی کا پیکر بنا کھڑا تھا۔ شہزادے نے رعب خسروانہ کے انداز میں درویش کے مرید پہرے دار سے کہا ہم حضرت صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ پہریدار نے کہا: ہمارے پیرومرشد کا حکم ہے کہ حجرے کے اندر کوئی نہ آئے۔ شہزادے کو، اس کے امیروں، مشیروں اور حفاظتی سپاہیوں کو غصہ تو بہت آیا مگر شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا اور پہریدار سے کہا جاؤ اس بزرگ روشن دماغ سے کہو کہ شہزادہ عالم آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ پہریدار نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا حکم تو یہی ہے کہ کوئی اندر نہ آئے مگر اخلاقاً آپ کا پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ وہ اندر گیا اور درویش کی خدمت میں عرض کی کہ کچھ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ درویش نے اجازت دے دی۔ شہزادہ پورے جاہ وجلال سے درویش کے ڈیرے پر گیا اور جاتے ہی روحانیت کے حوالے سے ایک ٹیکنیکل سوال کر دیا۔ ہم بادشاہ ہیں زر وجواہر رکھتے ہیں۔ محلات رکھتے ہیں ہاتھی گھوڑے اور بے شمار قیمتی سامان رکھتے ہیں دروازوں پر دربان اور حفاظت کے لئے پہریدار رکھنے کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔ آپ درویش ہیں کوئی ساز وسامان نہیں رکھتے پھر یہ پہریدار کھڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ درویش نے بڑے تحمل سے شہزادے کا سوال سنا اور جواب دیا میں نے دینا کے طلب گار کتوں کو دور رکھنے کے لئے دربان کھڑا کیا ہوا ہے اس کا شہزادے کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

یہ درویش حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ تھے اور شہزادہ شہنشاہ ہند شاہجہان کا بیٹا اورنگ زیب عالمگیر تھا جو بعد میں شہنشاہ ہند بنا۔ شہزادہ لاجواب ہو کر بولا میں تو اس لئے حاضر ہوا تھا کہ یہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے اور روپوں کی ایک تھیلی

پیش کی ۔آپ نے فرمایا مجھے یہاں نہ کوئی تکلیف ہے اور نہ مجھے آپ کی سونے چاندی کے سکوں کی تھیلی چاہیے ۔درویش کی عبادت کا وقت ہے ۔اب آپ جاسکتے ہیں۔درویش کی نظر لوح محفوظ تک جاتی ہے ۔بعد میں اسی شہزادے نے ہوس اقتدار کی آگ بجھانے کے لئے اپنے ہی خاندان کے کئی چراغ گل کئے ۔اپنے بھائیوں شہزادہ داراشکوہ،شہزادہ شجاع،اور شہزادہ مراد کو قتل کرایا۔ اپنے باپ شہنشاہ ہند شاہجہان کو جیل میں قید رکھا اور وہ جیل کے اندر ہی سسک سسک کر مر گیا۔بعض روایتوں کے مطابق باپ نے جیل میں فرمائش کی اور کچھ نہیں تو کچھ طالب علموں کو بھیج دو تا کہ بچوں کو تعلیم دے کر وقت گزار لیا کروں ۔کہتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر نے باپ کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا اور یہ کہا کہ تیرے دماغ سے ابھی تک بادشاہی کی بو نہیں نکلی ۔دوسری طرف اس کی درویشانہ زندگی اور دین اسلام کی خدمات کے بھی بڑے چرچے ہیں ۔قرآن پاک کی کتابت کر کے اور ٹوپیاں سی کر گزر اوقات کرنا،شاہی خزانے سے ایک پیسہ نہ لینا۔

تفسیر و احادیث کی ایسی کتب عالموں سے لکھوائیں جو آج تک سند ہیں ۔لاہور کی شاہی مسجد اورنگ زیب نے بنوائی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور بہت سے درویشی اور نیکیوں کے قصے اس بادشاہ سے منسوب ہیں ۔درویش کی نظر مستقبل کے کناروں تک ہوتی ہے ۔فیصلہ پڑھنے والے ان واقعات کی روشنی میں کر سکتے ہیں کیونکہ داراشکوہ خود بھی درویش تھا اور بزرگوں کا بے حد ادب کرتا تھا۔بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کرتا تھا۔اولیاء اللہ پر اس کی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' روحانی تاریخ میں سند کی حیثیت رکھتی ہے ۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا کہ دُنیا کے طلب گار کتوں کے لئے دربان کھڑا کیا تھا تو آپ کا اشارہ اورنگ زیب عالمگیر کے دنیا کے طلبگار ہونے کی طرف تھا۔'' (صوفیائے کرام کا زیر بحث مواد یہاں ختم ہو گیا ہے)

شہزادہ داراشکوہ جو کہ شاہجہان بادشاہ کے بڑے صاحبزادے تھے اور ولی عہد شہزادے تھے،بڑے درویش انسان تھے اور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے ۔ان کا کہنا ہے کہ میں دو مرتبہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کے لئے گیا اور دونوں مرتبہ غار حرا میں حاضری دی۔ان کا مزید کہنا ہے کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ ہر رات روحانی طور پر غار حرا میں پہنچ جاتے تھے اور رات بھر عبادت کر کے نماز فجر کے وقت واپس آجاتے تھے ۔ان کے بقول حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ وہ غار ہے جس میں حضور پُر نور ﷺ اعلانِ نبوت سے پہلے خدا کی عبادت اور ذکر کیا کرتے تھے ۔اس ضمن میں آپ نے ان حاجیوں پر افسوس کا اظہار کیا جو حج پر جاتے ہیں اور اس غار کے نزدیک سے گزرتے ہیں لیکن تھوڑی دیر کے لئے بھی اس غار میں نہیں جاتے ۔انہوں نے مزید فرمایا کہ اگر کسی شخص کو بارہ برس عبادت کرتے کرتے گزر جائیں لیکن سینہ روشن نہ ہوا ہو تو اس غار میں صرف ایک رات کی عبادت سے یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے ۔

شہزادہ داراشکوہ نے ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ بیس برس کی عمر میں میں سخت بیمار ہو گیا ۔شاہی طبیبوں کی سر توڑ کوشش سے بھی رو بصحت نہ ہو سکا۔آخر ایک روز شہنشاہ شاہجہان یعنی میرے والد ماجد مجھے میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں لے گئے اور صورتِ حال سے آگاہ کیا۔آپ نے ایک پیالہ پانی کا منگوایا اور پھر کچھ پڑھ کر اس میں پھونک ماری اور مجھے پینے کے

لئے کہا۔میں پانی پی گیا تو اس کی برکت سے ایک ہفتے کے اندر اندر صحت یاب ہو گیا۔(سفینۃ الاولیاء، ص 104)

دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی

یہ شعر حقیقی معنوں میں ہر کمال اولیاء اللہ پر صادق آتا ہے اور ایسے کشف، کرامات و تصرفات ہر کامل و لی اللہ سے صادر ہوتے ہیں۔دراصل یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص اور پسندیدہ کارکن کارندے، جنود (اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر (کارندے)۔سورہ فتح آیات 4اور 7)ہوتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ان برگزیدہ بندوں سے یہ کام کرواتا ہے۔اس کام کے کرنے نہ کرنے میں ان کا ذاتی دخل نہیں ہوتا اور نہ یہ اللہ کے خاص بندے (عَبۡدُهٗ) اس پر فخر کرتے ہیں اور نہ انہیں کسی طرح کی برتری کا احساس ہوتا ہے بلکہ پھل سے لدی ہوئی شاخ کی طرح اور جھک جاتے ہیں اور ان کے عجز وانکساری میں اور اضافہ ہوتا ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کی بارگاہِ مقدس میں شکرانے کے آنسو بہاتے رہتے ہیں۔

یہ واقعہ روحانی تصرف حضرت میر محمد خانی نے حضرت حاجی علی کوسوئیؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔جناب میر محمد خانی، حاجی علی کوسوئیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ شخص صاحب زہد وتقویٰ تھا اور اسے حضرت میاں میرؒ سے سچی ارادت اور پرخلوص گہری عقیدت تھی۔اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اور آپ کی صحبت وتعلیمات سے مستفید ہوتا۔ہر پانچ سال میں آپ سے اجازت لے کر اپنے وطن کوسو جاتا اور اس دوران وہ اپنے وطن میں تجارت بھی کرتا تھا۔ایک دفعہ جب حاجی علی کوسوی لاہور واپس آیا تو وہ میر محمد خانی کے گھر ٹھہرا جہاں اس نے یہ بیان کیا کہ میں نے اب کی بار اس سفر میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب کیفیت دیکھی ہے۔

ایک دن ہمارا قافلہ اصفہان اور یزد کے درمیان اقامت پذیر تھا اور میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھانا پکانے میں مصروف تھا۔مجھے اچانک دور ایک شخص لباسِ فاخرہ میں ملبوس اپنی طرف آتا دکھائی دیا اور اس وقت اس اجنبی شخص کو دیکھ کر مجھے بہت فرحت وراحت محسوس ہوئی۔وہ بزرگ چلتے چلتے میرے قریب آ گئے۔میں نے غور سے دیکھا تو یہ نووارد شخص تو حضرت میاں میرؒ تھے جو مجھے اپنے پاس بلا رہے تھے۔میں بڑے شوق وخوشی سے فوراً ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور احترام میں آپ کے پائے مبارک پر میں نے سر رکھ دیا۔حضرت میاں میرؒ مجھ سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا:"آپ کا کاروان نشیبی جگہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔جلدی کرو اور اپنے ساز وسامان اور خیمے کو اونچی جگہ پر منتقل کر دو اور اہل قافلہ کو بھی مطلع کر دو۔

اس دوران میں نے چاہا کہ حضرت سے معلوم کروں کہ اس سرزمین میں تشریف آوری کیونکر ہوئی اور ساتھ ہی کھانا کھانے کے لئے بھی گزارش کروں کہ اچانک مجھے ناگوار سی آوازیں سنائی دیں جن کی وجہ سے لحہ بھر کے لئے میری نگاہ وتوجہ آپ سے ہٹ گئی اور پھر جب دوسرے ہی لمحے میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو آپ کو کہیں نہ پایا۔آپ میری نظر سے غائب ہو چکے تھے۔اس

واقعہ سے میرے دل پر بہت خوف طاری ہوا۔اس کے بعد میں اپنا ساز و سامان اور خیمہ ایک اونچی جگہ پر لے گیا اور اہل قافلہ کو طوفان کی آمد سے آگاہ کیا اور ان سے گزارش کی کہ وہ میری تقلید کریں اور اپنے خیمے اور سامان سارا اونچی جگہ پر لے جائیں تا کہ وہ محفوظ رہ سکیں۔بعض لوگوں نے میری بات پر یقین کیا اور اپنے خیمے اور سامان اونچی جگہ پر لے گئے اور بعض نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا کہ اتنی تیز دھوپ اور گرمی میں خیمے کیوں اُکھاڑیں اور غیر ضروری کیا تکلیف اُٹھائیں۔اس کے بعد تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اس علاقے میں شدید طوفانِ باد و باراں آیا اور جن لوگوں نے میری بات سنی ان سنی کردی اور وہ نشیب میں ہی رہ گئے تھے۔وہ بمع اسباب پانی کے طوفانی ریلے کی نذر ہو گئے۔اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت،اس دن حضرت میاں میرؒ لاہور ہی میں تشریف فرما تھے۔

اور عالی مقام اولیاء اللہ کی طرح آپ کے کشف و کرامات بھی بہت ہیں۔ان میں سے کچھ قارئین کرام کے پیش نظر ہیں:

ایک شخص محمد فاضل آپ کا مرید تھا۔اس کا لڑکا فوت ہو گیا۔وہ روتا ہوا آپ کے پاس آیا۔آپ نے فرمایا: نہ رو اللہ تجھے اور لڑکا دے گا۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ تمہارے گھر لڑکی پیدا ہونے والی تھی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیرا رونا اور ہماری دعا قبول فرمائی،اب تیرے گھر لڑکا پیدا ہو گا۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے غیر مسلم بھی بہت سے عقیدت مند تھے،اور با قاعدہ حاضری دیتے تھے۔سکھوں کے امرتسر میں گولڈن ٹمپل کا سنگ بنیاد آپ نے رکھا تھا۔سکھ وحدانیت کے قائل ہیں اور مسلمان بزرگوں سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ملا شاہ تھے۔ایک دن آپ ملا شاہ کے ساتھ ایک قبرستان گئے اور ایک قبر کے قریب بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ملا شاہ نے کشف القبور کا چلہ کاٹا ہوا تھا۔ملا شاہ نے اپنے مرشد حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: یا حضرت! قبر والا سخت مشکل میں ہے اور کہہ رہا ہے آپ جیسے بزرگ جب میری قبر پر آئے ہیں تو میری نجات کا کچھ کریں،میں اپنی بداعمالیوں کے باعث شدید عذاب میں مبتلا ہوں۔آپ نے ملا شاہ سے کہا: اہل قبر سے پوچھو تمہارا عذاب کیسے ٹل سکتا ہے؟ ملا شاہ نے پوچھا تو اس قبر والے نے بتایا کہ میں نافرمان تھا اور جوانی میں ہی مر گیا تھا۔آپ اگر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر میری روح کو اس کا ثواب بخش دیں تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ واپس آئے تمام مریدوں کو اکٹھا کیا اور کلمہ طیبہ ستر ہزار مرتبہ پڑھ کر اس قبر والے کو بخش دیا۔اور اس کے بعد کا عذاب ٹل گیا۔

ایک دن آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریائے راوی کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک بڑا سا کالا ناگ آ گیا۔اس ناگ کو دیکھ کر آپ کے ساتھی ڈر گئے۔آپ نے فرمایا ڈرو نہیں بیٹھے رہو۔آپ ساتھیوں کے سامنے ذرا ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔سانپ نے کچھ عجیب سی آوازیں نکالیں۔آپ مسکرائے،ناگ نے آپ کے گرد تین چکر لگائے اور چلا گیا۔آپ کے مریدوں نے عرض کیا یا حضرت! یہ کیا راز تھا؟ آپ نے فرمایا: ناگ نے کہا کہ میں نے منت مانی ہوئی تھی کہ اگر آپ دریا کے کنارے جائیں گے تو میں آپ کے گرد طواف کروں گا۔میں نے اجازت دے دی اور وہ طواف کر کے چلا گیا۔

بادشاہ جہانگیر کشمیر میں تھا کہ کسی بات سے ناراض ہوکر حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نورالحق کو سزا کے طور پر کابل جانے کا حکم دیا۔حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پریشانی کا اظہار کیا۔آپ نے فرمایا:عبدالحق پریشانی کی کوئی بات نہیں۔تمہارا بیٹا کابل نہیں جائے گا،اگلے ہی دن خبر آ گئی کہ جہانگیر فوت ہوگیا ہے،اوراس کی میت کو لاکر لاہور دفن کیا گیا،اور یوں نورالحق کابل نہ گئے۔

ایک دن آپ زین خان کے باغ میں بیٹھے تھے کہ درخت پر ایک کوئل آ کر کوکو کرنے لگی،ایک نوعمر لڑکا آیا اور غلیل سے اس کا شکار کرنے لگا۔آپ نے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔غلیل میں مٹی کا گول ڈھیلا رکھ کر ایسا نشانہ مارا کہ کوئل زمین پر گر پڑی اور تڑپ تڑپ کر مرگئی۔آپ نے خادم سے کہا کہ پرندے کو اُٹھا کر لاؤ۔وہ لے آیا آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ زندہ ہوگئی اور اُڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر سے کوکو کرنے لگی۔شکاری آوازسن کر پھر آ گیا۔آپ نے فرمایا اگر اب تو نے ویسی کوشش کی تو نقصان اُٹھائے گا مگر وہ باز نہ آیا۔جونہی اس نے نشانہ باندھنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تو بازو میں شدید درد اُٹھا وہ تڑپ کر زمین پر گر گیا اور دہائی دی کہ حضور مجھے معاف کر دیں میں عمر بھر پرندوں کا شکار نہیں کروں گا۔آپ نے معاف کر دیا اور اس کے بازو پر دست مبارک پھیرا وہ اسی وقت ٹھیک ہوگیا۔اس کے بعد وہ لڑکا آپ کا مرید ہوگیا اور عمر بھر آپ کے قدموں میں بیٹھا رہا اور مرتبے والا بزرگ ہوا۔

آپ کے ایک مرید رئیس کی کنیز بہت سا مال لے کر فرار ہوگئی۔وہ رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ کنیز بہت زیادہ مال لے کر بھاگ گئی ہے۔آپ نے فرمایا:جاؤ کنیز مع مال کے تمہارے گھر میں بیٹھی ہے۔وہ واپس گھر آیا تو کنیز موجود تھی۔اس نے پوچھا تو اس کنیز نے بتایا کہ آپ مجھے معاف کر دیں پھر بتاتی ہوں۔آئندہ کبھی نہیں بھاگوں گی۔رئیس نے معاف کر دیا تو اس نے بتایا کہ میں مال لے کر بہت دور نکل گئی تھی کئی دن کا راستہ تھا مگر آج کسی نے میرا بازو پکڑا اور یہاں پہنچا دیا۔مجھے سخت حیرت ہے کہ ایک لمحہ میں میں یہاں کیسے پہنچ گئی۔

جہانگیر کے عہد میں کانگڑے کے قلعہ کی تسخیر کے لئے آپ کا ایک مرید کمانڈر تھا۔تسخیر میں کچھ تاخیر ہونے لگی۔مرید کمانڈر نے آپ کے پاس اپنا ایک آدمی عرضی دے کر بھیجا کہ یا حضرت!دعا فرمائیں قلعہ فتح نہیں ہورہا۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے عرضی کی پشت پر لکھ دیا کہ قلعہ جلد فتح ہوجائے گا۔عرضی کمانڈر کے پاس پہنچی تو قلعہ فتح ہوگیا۔

ایک مرتبہ آپ نے خادم کو وہ رومال دیا جس سے آپ وضو کے بعد چہرہ مبارک پونچھتے تھے۔اوراسے فرمایا گھر میں کوئی بیمار ہو تو اس کے سر پر باندھ دینا۔آسیب زدہ ہو تو اس کے چہرے پر ڈال دینا۔خادم کا بیان ہے کہ اس رومال کی برکت سے بہت سے لوگ جن میں کئی آسیب زدہ تھے شفایاب ہوئے۔آپ ایک دن باغ میں تشریف لے گئے اور سرو کے بوٹے کو دیکھ کر فرمایا تم کون سے ذکر پر معمور ہو،سرو نے کہا کہ میرا ذکر اسم نافع ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم ملا سنگی تھا جو بڑا عالم فاضل تھا اور آپؒ سے انتہائی محبت رکھتا تھا۔وہ کئی سال سے آپ کی خدمت کر رہا تھا وہ روستاق کا رہنے والا تھا۔یہ مقام روستاق مشرق وسطیٰ کا ان دنوں ایک مشہور شہر تھا۔ایک دن آپ نے

اچانک اسے کہا فوراً اپنے گھر روانہ ہو جاؤ۔وہ یہ امر سن کر حیران ہو گیا۔اس کا دل جانے کو نہیں چاہتا تھا مگر آپ نے اسے زور دے کر حکم دیا کہ فوراً چلے جاؤ اور راستے میں کہیں رُکنا بھی نہیں۔ملا سنگی نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور سیدھا گھر گیا۔کئی ماہ کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو دیکھا کہ گھر کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی۔وہاں چراغاں ہو رہا تھا۔دیگیں پک رہی تھیں۔شادیانے بج رہے تھے۔یہ دیکھ کر ملا سنگی کو حیریت ہوئی۔اس نے ایک اجنبی شخص سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟اس شخص نے بتایا کہ یہ ملا سنگی کا گھر ہے۔وہ بائیس سال پیشتر ہندوستان گیا تھا۔کچھ ماہ ہوئے اس کے مرنے کی خبر آئی تھی۔اس کی بیوی عدت پوری کرنے کے بعد کسی رئیس کے پیغام پر اس سے نکاح کر رہی ہے۔انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔چند لمحوں بعد نکاح خوانی ہو گی اور کھانا تقسیم ہو گا۔باراتی بھی کھائیں گے اور ہمیں بھی کھانا ملے گا۔ملا سنگی فوراً اندر گئے۔دولہا میاں بیٹھے ہوئے تھے،نکاح خواں نکاح شروع کرنے والا تھا کہ ملا سنگی فوراً وہاں پہنچے اور کہا السلام علیکم!رشتہ داروں نے پہچان لیا۔فوراً اُٹھ کر گلے ملے۔ملا سنگی کے پہنچ جانے سے سارا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔رئیس اپنا سامنہ لے کر گھر چلا گیا۔اور ملا سنگی جی کی آمد پر گھر خوشیوں سے بھر گیا۔آپ کی بیوی بہت روئیں اور کہا کہ ایک لمحہ بھی تاخیر ہو جاتی تو ہم بہت بڑے وبال میں پھنس جاتے اور میں رو رو کر مر جاتی تو۔ملا سنگی ایک سال وہاں رہے اور بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام کر کے پھر لاہور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ گئے۔

ایک دن ایک مغل انتہائی کسمپرسی کی حالت میں حاضر ہوا،صرف ایک تہبند جسم پر تھا۔اتنے میں ایک شخص آیا اور پچیس اشرفیاں آپ کی نذر کیں۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے وہ اشرفیاں اس مغل کو دے کر کہا ان کا گھوڑا خرید کر فلاں شہزادے کے پاس چلے جانا،نوکری مل جائے گی۔وہ لے کر چلا گیا اور جو آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

آپ کے خادم کا نام نور محمد تھا۔اس کا بیان ہے کہ آپ حجرے کی چھت پر گئے اور مجھے فرمایا،پانی کا لوٹا بھر کر اور میرے جوتے اور پنکھا مجھے دے جانا۔میں پنکھا اور جوتے تو اوپر رکھ آیا مگر پانی بھول گیا اور سو گیا۔کچھ رات باقی تھی کہ میرے آنکھ کھل گئی۔ مجھے یاد آیا کہ پانی بھی حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مانگا تھا۔میں جلدی سے پانی لے کر اوپر گیا تو دیکھا آپ وہاں نہیں ہیں۔ اِدھر اُدھر ہر جگہ تلاش کیا مگر آپ کو کہیں نہ پایا۔حیران ہو کر واپس آ کر سو گیا۔صبح نماز کے وقت حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے آواز دی:نور محمد!پانی کا کوزہ لاؤ۔نور محمد نے بیان کیا کہ میں فوراً پانی لے گیا اور پریشانی کے عالم میں پوچھا یا حضرت!رات آپ کہاں تھے؟آپ نے بتانے سے گریز کیا،مگر جب میں نے زیادہ ہی اصرار کیا تو فرمایا:غار حرا میں عبادت کا جو مزا ملتا ہے وہ اور کہیں نہیں ملتا،میں وہاں گیا تھا۔

آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 88 سال کی عمر پائی۔اس عمر عزیز کے تریسٹھ (63) سال آپ نے لاہور میں گزارے عمر کے آخری چند ایام میں آپ کو اسہال کی بیماری لاحق ہو گئی اور اس بیماری کے متعلق یہ حدیث مبارک ہے کہ اس بیماری سے مرنے والا شہید ہوتا ہے۔"اَلْبُطُوْنَ شَہِیْد" کے الفاظ اسی بیماری کے لئے ہیں۔یہ اسہال کی بیماری پانچ دنوں تک جاری رہی آخر 7 ربیع الاول 1045 ہجری بمطابق 11 اگست 1635 عیسوی بروز بدھ صبح کے 10 بجے کے قریب محلّہ خافی پورہ کے اس حجرے

میں جہاں آپ کا قیام تھا آپ کی روح پاک ناسوتی وجود کے قفسِ عنصری سے آزاد ہوگئی اور عالم لاہوت میں (جو اس کا وطن تھا) وہاں اپنے مقامِ محمود پر پہنچ گئی۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ کی وفات سے ایک روز پہلے حاکم صوبہ پنجاب جناب نواب وزیر خان آپ کی عیادت کے لئے حجرہ مبارک میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ کے جنازے میں شہر کے تقریباً تمام روساً اور علماً نے شرکت کی۔ آپ کی یہ وصیت تھی کہ جہاں ہمارے دوست میاں نتھا دفن ہیں وہیں ہمیں دفن کرنا۔ چنانچہ آپ کو اس مقام پر دفن کیا گیا جہاں آپؒ کا مزارِ اقدس ہے۔

آپ کا مزار علاقہ میاں میر میں ہے۔ آپ کے مزار پر ایک خوبصورت گنبد ہے اور اس کی مغرب کی جانب مسجد ہے۔ مزار کا احاطہ کافی کھلا ہے اور احاطہ کے اردگرد چاردیواری ہے۔ آپ کے مزارِ مبارک کو شہزادہ داراشکوہ نے بنوانا شروع کردیا تھا لیکن انہیں اس دوران موت نے آلیا۔ پھر عرصہ دراز تک مزار کی عمارت نامکمل رہی۔ عرصہ بعد اورنگ زیب عالمگیر ایک مرتبہ آپ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوا اور اس نے مزار کی عمارت کو مکمل کروادیا۔ آپ کے مزار اقدس کے گنبد کے دروازے پر یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہوا ہے جو سنِ وصال 1045 ہجری کو ظاہر کرتا ہے۔

سفر جانبِ شہر جاوید کرد	خرد بہر سالِ وفاتش نوشت
چو زین لخت آباد دیگر شد	بفردوس والا میاں میر شد

1045ہجری

☆-----☆-----☆-----☆-----☆

حضرت شاہ جمالؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی شاہ جمال ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔آپ کے ایک حقیقی بھائی بھی تھے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرتبہ ولایت سے نوازا تھا اور اس کا نام شاہ کمال تھا۔آپ سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ ایک ایسے صاحب کمال ولی کامل جو جمال وجلال میں بہت حد تک یکساں تھے۔

آپ علوم دنیاوی اور علوم دینی یعنی کہ علوم ظاہری اور علوم باطنی کی دولت سے مالا مال تھے۔بحر شریعت ومعرفت کے ماہر پیراک تھے۔اور عالی مقام اولیاء اللہ کی طرح آپ کو بھی علم لدنی وافر ملا تھا۔آپ قرآن وسنت، شریعت وطریقت کے اتباع کا اعلیٰ نمونہ تھے۔آپ کا اخلاق وگفتار گرویدہ کرنے والی تھے۔آپ بہت شفیق، مہربان، دوسروں کو عزت واہمیت دینے والے اور عالی ظرف تھے۔آپ بہت خوش گفتار اور ہر دلعزیز تھے۔زہد وعبادات، ریاضات ومجاہدات میں آپ کا ایک مقام تھا۔روزے رکھنا اور ساری ساری رات عبادت الٰہی میں گزارنا آپ کا معمول تھا۔اولیاء اللہ تو بلا امتیاز مذہب، ذات و پات، نسل ورنگ سب مخلوق خدا کے خدمت گزار ہوتے ہیں۔خدمت خلق بھی اصل میں اُن کی عبادت وریاضت ہی ہوتی ہے۔آپ بھی پوری دلجمعی سے خدمت خلق میں لگے رہتے تھے اور عوام الناس کو نصیحت ودعاؤں سے راحت بخشتے تھے۔خود فقر وفاقہ میں رہنا اور مسکینوں غریبوں کو کھلانا یہ تو اولیاء اللہ کا شعار ہے۔آپ نے بھی عمر بھر یہی شعار اپنائے رکھا۔عالی مقام اولیاء اللہ کی طرح آپ کے بھی کشف وکرامات بہت ہیں اور آپ نے اپنے اخلاق، کردار، تبلیغ دین متین اور کشف وکرامات سے ہزاروں کو مسلمان کیا ہے اور لاکھوں کو راہ ہدایت دکھائی ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سنِ پیدائش معلوم نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ آپ نے کتنی عمر پائی تھی۔آپ شہنشاہ ہند اکبر اعظم کے زمانہ میں لاہور میں تھے۔آپ کا وصال 12 ربیع الثانی 1050 ہجری بمطابق 22 جون 1640 عیسوی کو ہوا۔آپ کے ہم عصر اولیاء اللہ میں آپ کے حقیقی بھائی حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ۔حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

حالات،مناقب،ارشادات:

حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے بھائی حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ زیادہ تاریخی شواہد نہیں ملتے۔اُن کے متعلق جو کچھ معلومات فراہم ہیں وہ زیادہ تر بزرگوں سے منقول ہیں۔یعنی کہ وہ روایات جو لوگوں میں پشت در پست سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں۔تاہم اتنا معلوم ضرور ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان سیالکوٹ میں آباد تھا۔آپ کے پیرومرشد حضرت مخدوم کگر بیگؒ کے قول کے مطابق آپ اپنے حقیقی بھائی حضرت شاہ کمالؒ کے ساتھ لاہور تشریف لائے اور "دنو گاؤں" (اچھرہ) میں قیام پذیر ہوئے۔آپ نے سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ کگر بیگؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان ہی کی صحبت اور نگاہِ فیض سے روحانیت میں کامل حاصل کیا۔عبادات،ریاضات ومجاہدات کے سبب آپ کی طبیعت میں بے حد جلال تھا۔مجاہدہ کی تکمیل کے بعد آپ کو پیرومرشد حضرت کگر بیگ سہروردیہؒ نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔اس کے بعد آپ نے وہاں رُشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا جہاں آپ کا مزار ہے۔

اپنے عہد حکومت میں جب مغل شہنشاہ اکبر نے لاہور کو دارالسلطنت بنایا تو لاہور کے حسن و جمال کو چار چاند لگ گئے۔ مغلیہ طرز کی بہت سی خوبصورت عمارات اسی دور کی یادگار ہیں۔لاہور کے دارالحکومت بنتے ہی تعمیرات کا بے پناہ کام شروع ہوگیا۔ لاہور شہر اور اطراف و جوانب سے تعمیرات کے ماہر ہنرمند اور مزدور یہاں کام کرنے کے لئے پہنچ گئے۔شاہی کام شروع ہوئے تو ان دنوں لوگوں کو یہ مشکل درپیش آئی کہ انہیں اپنے ذاتی مکان بنوانے اور دیگر تعمیراتی کاموں کے لئے راج مزدور نہیں ملتے تھے۔

جب لاہور مغل سلطنت کا مرکز و دارالسلطنت بنا تو ہر ملک اور ہر سمت سے علماء وفضلا،آئمہ دین اور صاحب طریقت بزرگ اس شہر میں آکر بسنا شروع ہوگئے۔اس ترقی کے دور میں لاہور علمی،ثقافتی اور تجارتی مرکز بھی بن گیا۔حضرت شاہ جمال سہروردیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی دنوں اپنے حقیقی بھائی حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔یہاں آکر فوری رہائش اور اپنے آستانے کے لئے عمارت تعمیر کرانے کا مسئلہ درپیش آیا۔آپ کو ان دنوں مجبوری ومشکل یہ ہوگئی کہ راج مزدور دن کے وقت کام کرنے کے لئے ڈھونڈے نہیں ملتے تھے۔

جب دن کے وقت یا دن کی روشنی روشنی میں تعمیراتی کاموں کے لئے کوئی ہنرمند نہ ملا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ راجوں اور مزدوروں کو اس بات پر رضامند کرلیا کہ دن میں شاہی کام کرتے رہو اور رات کو کچھ وقت ہمارے کام پر لگا دیا کرو۔یہ لوگ اس بات پر رضامند ہوگئے۔اس طرح آپ کو بہت سے کاریگر اور مزدور مل گئے۔کام جاری رہا اور عمارت کی تعمیر کا کام بڑی تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کرتا رہا۔

ایک رات یہ رکاوٹ پیش آئی کہ رات کو جن چراغوں کی روشنی میں مزدور کام کرتے تھے ان میں تیل ختم ہوگیا۔رات کا وقت تھا اور دکانیں بند ہو چکی تھیں۔راج کام کے رُک جانے اور وقت کی کمی کے سبب پریشان ہوگئے۔حضرت شاہ جمال صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔آپ نے کاریگروں سے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔اگر چراغوں میں تیل

ختم ہوگیا ہے تو اس فقیر کے (میرے) کنوئیں سے پانی لا کر چراغوں میں ڈال دو اور کام کرو۔ بحکم خدا چراغ میرے کنوئیں کے پانی سے جلیں گے۔ چراغوں میں پانی ڈال دیا گیا اور الحمدللہ کہ تمام چراغ اس وقت تک جلتے رہے جب تک اس رات کا مطلوبہ کام ختم نہ ہوا اس پر آپ نے موجود لوگوں سے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندوں کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہی ہوتا ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔

جب یہ عمارت مکمل ہوئی تو اس کی سات منزلیں تھیں۔ اس کی بناوٹ ایسی تھی جیسے فوجی مورچہ ہوتا ہے اور وہ دور سے نظر بھی ایسی ہی نظر آتی تھی جس کی وجہ سے عوام میں اس عمارت کا نام دمدمہ مشہور ہوگیا۔ حضرت شاہ جمال وشاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ ساری ساری رات اس عمارت میں عبادت کرتے۔

تعمیر دمدمہ سے متعلق ایک روایت یوں بھی ہے کہ آپ جس علاقہ میں (جہاں پر آپ کا مزار اقدس ہے وہ علاقہ) سکونت پذیر تھے اس زمانے میں آپ کے اردگرد، گردونواح میں شاہی باغات اور اونچی عمارت کی تعمیر شروع ہوگئی۔ آپ نے بھی ان بلند عمارات کے مقابلے میں ایک بلند عمارت تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ انہی دنوں باغات وعمارات کے ساتھ ساتھ آپ کی جائے سکونت کے قریب سرائے کولیاں بن رہی تھی جس کی وجہ سے راج مزدور کا ملنا مشکل ہوگیا تھا۔ بحالت مجبوری آپ نے راج مزدوروں سے رات کے وقت زیادہ کام کروایا اور انہیں فطرتاً اور اخلاقاً زیادہ مزدوری دی تاکہ وہ خوشی خوشی کام کریں۔ اور یوں یہ سات منزلہ عمارت جس کی شکل ایک مورچے کی سی تھی سن 1000 ہجری میں تیار ہوگئی اور اب اس کے اوپر سے بڑے بڑے بلند مکانات اور اونچی چاردیواری والے باغات پر نگاہ پڑنے لگی۔

اس عمارت کے نزدیک شہنشاہ اکبر کی ایک بیٹی شہزادی سلطان بیگم کا باغ تھا اور اس باغ میں نہایت خوبصورت تالاب تھا۔ اس تالاب میں شہزادی نہاتی اور باغوں میں سہیلیوں کے ساتھ سیر کرتی۔ کیونکہ حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کی عمارت بہت اونچی تھی جس کی وجہ سے شہزادی نے کچھ بے پردگی محسوس کی۔ شہزادی نے اپنے ایک خادم کے ہاتھ آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ اونچی جگہ پر ہیں اور نیچے ہمارا باغ ہے جس میں نہانے کا ایک تالاب ہے۔ ہماری بے پردگی ہوتی ہے براہِ کرم آپ اوپر کی منزل گرا دیں۔ اگر کسی اور کی عمارت ہوتی تو شاہی حکم کے تحت فوراً گرادی جاتی لیکن یہ عمارت آپ کی ہے اور آپ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ یہ اللہ کے فقیر کا مکان ہے اس لئے آپ کو پیغام بھیجا ہے اور درخواست کی ہے۔

آپ نے شہزادی کا پیغام سنا اور فرمایا: فقیر کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کی دل آزاری کرے۔ بادشاہ ہو یا گدا، فقیر کے در پر جو بھی آتا ہے اس کی آرزو پوری ہوسکتی ہو تو کردی جاتی ہے۔ یہ بلند عمارتیں تو عارضی ہیں سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ اسی عالم میں آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ نے ایک نعرہ مارا اور زور سے زمین پر پاؤں مارنے شروع کردیئے۔ پاؤں کی ہر ضرب پر عمارت زمین میں دھنسنا شروع ہوگئی۔ آپ پر یہ وجدانی کیفیت رات عشاء سے صبح فجر تک جاری رہی۔ اس دوران میں عمارت کی سات منزلوں میں سے پانچ منزلیں زمین میں دھنس گئیں۔ اور اس کا چرچا دور دور تک ہوگیا۔

ایک اور روایت کے مطابق شہزادی خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور گزارش کی کہ آپ کی عمارت باغ سے اونچی ہے یہ شاہی آداب کے خلاف بھی ہے اور ہماری بے پردگی بھی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پر آپ نے فرمایا: یہ دمدمہ تو ایک فقیر کا مسکن ہے جو قیامت تک رہے گا۔ اس کے مقابلے میں یہ باغات اور تالاب تو چند روز کی بات ہے۔ پھر اس رات محفل سماع منعقد ہوئی اور آپ پر اس شدت کی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ کے پاؤں کی ضرب کے ساتھ دمدمہ کی پانچ منزلیں زمین میں دھنس گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ یہ دمدمہ تو فقیر کا مسکن ہے جو قیامت تک رہے گا اور یہ باغات و تالاب چند روز کی بات ہے سکھوں کی عملداری و حکومت میں سچ ثابت ہو گیا۔ انہوں نے لڑائی کے دوران باغات و عمارات کو اُجاڑ دیا، گرا دیا۔ سرائے کولیاں والی پر قبضہ کر کے اس میں توپ خانہ قائم کر دیا جب کہ دمدمہ سے وہ بالکل دور رہے اور وہ صحیح سلامت رہا۔

کیونکہ آپ کی عمارت بلندی کی وجہ سے دور دور سے نظر آتی تھی تو جس رات آپ نے جذب و مستی اور وجدان و استغراق کی حالت میں پاؤں مار کر پانچ منزلیں زمین میں دھنسا دیں اس صبح اس گاؤں اور ارد گرد کے دیہات کے لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ وہ بلند عمارت راتوں رات کیسے نظروں سے غائب ہو گئی۔ جب اس کرامت کا چرچا دور دور تک ہوا تو لوگ اس زمین میں دھنسی عمارت کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ آپ کی اس کرامت پر اس گاؤں کے سارے ہندو مسلمان ہو گئے اور پھر دور دور سے ہندو آ کر آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔

دراصل اولیاء اللہ کی ہر حرکت و فعل میں مشیت ایزدی کا دخل ہوتا ہے۔ انسان کے دخل اور خود مختاری کے باوجود ہر کام اور ہر بات میں حکمت و مصلحت کے لئے مشیت ایزدی کارفرما ہے۔ ہمارے اذہان کی فکر و نظر کے محدود دائرے ان وسیع حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کفرستان، ہندوستان یا برصغیر میں اسلام کی جو شمع روشن ہے وہ اولیاء اللہ کی روحانی برکات اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ودیعت کردہ کرامات کی روشنی ان میں کارفرما ہے۔ کیونکہ اس برصغیر میں ہندو جوگیوں نے کمزور عقیدہ لوگوں کو اپنے جادو کے زور پر مافوق الفطرت کرتب دکھا کر رام کیا ہوا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان کے کردہ جادو ٹونوں کے مقابلے میں روحانی طاقت کے مظاہرہ کرامات کی صورت میں انہیں کفر کے قعر مذلت سے نکالیں۔ اسی لئے ان باکمال علماء کو جو قرآن و حدیث کے علم کے سمندر تھے زندہ کرامات کی نعمت سے مالا مال کیا جن کے سبب کفر میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے اندر کے سیاہ بت تڑوائے گئے۔

فاتح قلوب اہل سندھ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے لشکر کی سندھ میں آمد کے بعد جو بزرگانِ دین، اولیاء اللہ ہندوستان، کفرستان یا برصغیر میں تبلیغ و اشاعت دین اسلام کے لئے تشریف لائے انہوں نے انتہائی کٹھن حالات، ماحول اور دور میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ شاندار اور عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور تقریباً ہم سب ہندوستان کے قدیم باسیوں کا مسلمان ہونا انہی اولیاء اللہ، بزرگانِ دین کا مرہون منت ہے۔

حضرت علی بن عثمان ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت میاں میر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہم جیسی باکمال شخصیتوں نے کفرستان ہند میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی

دی ہوئی روحانی طاقت اور کشف وکرامات اوراپنے حسن اخلاق وکردار سے اسلام کوجوفروغ دیا ہے وہ نا قابل فراموش ہے اور ہر طرح سے قابل صدشکر وستائش ہے۔

جب سکھوں کادورحکومت آیاتو وہ شاہی باغ محل اوران میں مقبرے سب تباہ وبرباد ہو گئے ۔سکھوں نے سرائے کولیانوالی میں اپناتوپ خانہ نصب کررکھا تھا۔توپ خانے کے گولے سیدھے سلطان بیگم کے باغ پر پڑتے تھے۔اس طرح باغ محل وغیرہ سب تباہ ہوگئے ۔پھرسکوں نے مدمے کارُخ کیا،جب سکھ اس عمارت کی سمت آگے بڑھتے توانہیں شیرنظرآتے اور دہشت زدہ ہوکرلوٹ جاتے ۔اس سبب حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کی اس عمارت اورمزارکوسکھوں کی یلغار سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔

حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کاایک ہندوپڑوسی تھا۔آپ کی کرامات کوچونکہ بڑاشہرہ تھااس لئے آپ کامعتقد تھا۔ہندو کانام ڈھول تھا۔اس کے گھراولادنہیں تھی۔وہ آپ کے پاس دعاکے لئے آیااورنذر کے لئے چندخربوزے بھی لایااوردعاکے لئے التجا کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھےاولادعطاکرے۔اس پرآپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دوخربوزے عطاکئےاورخودنمازاداکرنے لگے۔ ڈھول نے خیال کیاشاید مجھےخربوزے کاٹنے کے لئے باباجی نے دیئے ہیں۔جب آپ نماز سے فارغ ہوئےتواس نے ایک خربوزہ کاٹ دیاتھا۔آپ نے فرمایا یہ تونے کیاکیامیں نے تجھے یہ خربوزے گھرلے جانے کے لئے دیئے تھے،تاکہ تیری بیوی کھائے اوراللہ تبارک وتعالیٰ اُسے اولاددے۔اب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اولاددےگامگرفرق تم نے خودہی ڈال دیا ہے۔ تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ دوبچے عطافرمائے گا۔ایک ہندورہےگااوردوسرامسلمان ہوگا۔

اس کے بعدوہ عقیدت مندہندو،ڈھول چندآپ سے اجازت لےکرچلاگیااس نے جاکردونوں خربوزے بیوی کوکھلا دیئے۔کچھ مدت کے بعداللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بچہ دیاجومست تھااورلوگ اسے اللہ لوک کہتے تھے۔ڈھول چندنے وہ مست بچہ حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کودےدیا۔آپ نے اس بچے کانام فخرالدین رکھا۔آپ نے اسے انتہائی محبت اورشفقت سے پالا۔جب وہ بڑاہواتواسے جوڑےموری میں ایک مکان خریدیا۔اس کی شادی کی،اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بچے دیئے۔ فخرالدین حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کاسچاعقیدت مندتھااورخادم تھا،اس کےبعدڈھول چندکےہاں ایک اوربچہ بھی ہواجوہندو ہی رہا۔

جب فخرالدین آپ کے زیرسایہ رہ کربڑاہوگیاتوآپ نے اس کی شادی خانہ آبادی کردی اوراسے آپ نے محلّہ جوڑےموری میں ایک چھوٹاسامکان خریدکردیااورفخرالدین کواس میں آبادکردیا۔فخرالدین آپ کادل وجان سے خادم،جان نثار، ارادت مند،دل وجان سے چاہنےوالا،پیارکرنے والا،صاحب عیال واطفال ہوکراس مکان میں رہنےلگا۔

ایک دن حضرت فخرالدین اپنے مکان میں بال بچوں کےساتھ بیٹھے تھےکہ آپؒ وہاں آگئےاورآپ نے آوازدی کہ بیٹافخرالدین اپنے بال بچے اورسامان کوباہرنکالواورمیرے پاس آجاؤ۔انہوں نے آپ کی ہدایات کومانااورجلدہی بمع سامان

کے گھر یا مکان سے باہر آ گئے۔ فخر الدین اپنے بال بچوں اور سامان سمیت ابھی باہر آئے ہی تھے کہ مکان دھڑام سے گر گیا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ مکان گرنے والا ہے اس لئے میں خانقاہ سے نکل کر یہاں جلدی پہنچ گیا۔ الحمدللہ کہ تم سب اللہ کے فضل و کرم سے اس مصیبت سے محفوظ رہے۔

آپ کے وصال کے بارے میں بھی کئی روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جہاں آپ کا تعویذ مزار ہے اس کے نیچے حجرہ میں آپ چلّہ کاٹا کرتے تھے۔ آخری چلّہ میں آپ حسب معمول دروازہ بند کئے بیٹھے تھے کہ تیس (30) دن بعد بارش کے سبب حجرہ کے آگے کی دیوار گر پڑی۔ خادموں نے چاہا کہ حجرے کا دروازہ کھول کر آپ کو باہر نکالیں تو ناگاہ حجرے کے اندر سے آواز آئی کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ میری قبر اوپر بنا دو اور حجرے کو میرا مدفن تصور کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

آپ کے وصال کے متعلق ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ آپ کا معمول تھا کہ دمدمے میں عبادت کرتے۔ اکثر حالت جذب و مستی میں رہتے۔ ایک دن آپ اپنے حجرے میں داخل ہوئے اور آپ نے اندر کا دروازہ بند کر لیا۔ دوسرے دن کافی دیر تک دروازہ نہ کھلا تو لوگوں کو پریشانی ہوئی۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے آواز دی کہ دروازہ نہ کھولنا، میرا آخری وقت قریب ہے، دروازہ بند رہنے دو۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب آپ نے اندر سے جواب نہ دیا تو لوگوں نے دروازہ توڑ کر کھولا تو اندر کچھ نہیں تھا۔ آپ پردہ پوش ہو چکے تھے۔ بعد میں آپ نے فخر الدین کو خواب میں بتایا کہ میرا مدفن یہی حجرہ ہے اس کے اوپر میرا مزار تعمیر کرنا۔ فخر الدین کا مزار بھی آپ کے آستانے کے اندر ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت فخر الدینؒ کی اولاد آج تک موجود ہے اور اس خاندان میں زیادہ تر قانون دان ہیں۔

آپ کی سنِ وصال کے متعلق بھی کئی آرائیں ہیں۔ "تذکرہ اولیائے لاہور" کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ نے 4 ربیع الاول 1061 ہجری بروز جمعہ کو وصال فرمایا۔

"تاریخ لاہور" کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ کی سنِ وصال 1061 ہجری ہے لیکن اس کے برعکس مفتی غلام سرور نے آپ کی سنِ وصال 1049 ہجری قرار دی ہے اور اس وقت شہاب الدین شاہ جہان کا دورِ حکومت تھا۔ اور "صوفیائے کرام" کے مصنف نے آپ کی تاریخ، مادۂ سنِ وصال 12 ربیع الثانی 1050 ہجری بمطابق 22 رجون 1640 عیسوی لکھا ہے۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

آپؒ کا مزارِ مبارک اچھرہ روڈ کے غرب رویہ شاہ جمال کالونی میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کا مقبرہ مقابلتاً اونچی جگہ پر ہے اور مزار شریف کے اوپر سبز گنبد ہے جسے میاں خیر الدین امرتسری نے تعمیر کروایا تھا۔ مزار کے ساتھ ایک عالی شان مسجد بھی ہے۔ شیخ فخر الدین اور اس کی زوجہ محترمہ کی قبریں گنبد کے باہر ہیں۔ ہر سال آپ کے مزار مبارک پر عرس منایا جاتا ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی عبدالحق ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سیف الدین تھا۔آپ کے مورث اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے جو ہندوستان آ کر دہلی میں آباد ہو گئے اور اسی نسبت سے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ اکثر دہلوی لکھا جاتا ہے۔

علم حدیث میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ دیار ہند میں حدیث کا سرچشمہ تھے اور آپ کو شیخ المحدثین کے معزز القاب وخطاب سے پکارا جاتا تھا۔آپ کو علوم ظاہری اور باطنی پر عبور حاصل تھا۔آپ کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔نتیجتاً آپ 18 سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے۔آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے شہادت کی موت مانگا کرتے تھے۔آپ نے بہت سارے علوم پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔آپ علم وفضل کا چراغ تھے۔آپ کو قرآن،حدیث اور فقہ کے علوم ومعارف پر مکمل دسترس حاصل تھی۔آپ حضور انور پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کے عشق ومحبت میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔آپ کو صحابہ کرام، آل رسول ﷺ اور اولیاء اللہ یا بزرگانِ دین کا بہت احترام تھا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ ماہِ محرم 958ہجری بمطابق 1551 عیسوی میں پیدا ہوئے۔الحمدللہ! آپ نے سن ہجری کے مطابق 94 سال کی عمر پائی۔آپ نے 12 ربیع الاول 1052ہجری بمطابق 30 مئی 1642ء کو وصال فرمایا۔آپ نے مغل بادشاہِ ہند شہنشاہ اکبر اور شاہجہان کا دور دیکھا۔آپ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں اور مملکت ہند سے دین الٰہی کی پھیلائی ہوئی ضلالت وظلمت کو دور کرنے میں حضرت احمد سرہندیؒ کے اول درجہ کے معاون رہے ہیں۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے والد گرامی مولانا سیف الدین بہت صاحب دل بزرگ،بلند پایہ شاعر اور خوش طبع درویش تھے۔آپ کا سیفی تخلص تھا۔آپ نے پانچ سو اشعار پر مشتمل مثنوی ''سلسلۃ الوصال'' ایک دن میں تخلیق فرمائی۔آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے۔تیرہویں صدی عیسوی میں مغلوں کی وحشت وبربریت سے تنگ آ کر ہندوستان تشریف

لے آئے ۔یہ سلطان علاؤالدین خلجی کا زمانہ تھا۔سلطان خلجی نے ان کو خوب نوازا اور اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ان (آغا محمد ترک) کے ایک سو ایک بیٹے تھے مگر تقدیر ربانی دیکھئے سو بیٹے انتقال کر گئے اور سب سے بڑے بیٹے معزالدین زندہ رہے۔اور اپنے والد کے ہمراہ گجرات سے دہلی آ گئے ۔پھر آپ کا خاندان دہلی میں قیام پذیر ہوا اور لوگوں کی نگاہ میں نہایت عزت وتوقیر حاصل کی ۔

دہلی میں آپ کی ولادت مبارک ماہِ محرم 958 ہجری بمطابق 1551 عیسوی میں ہوئی ۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدگرامی سے حاصل کی ۔والد گرامی نے آپ کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔''اخبارالاخیار'' میں خود فرماتے ہیں:

''رات دن میں ان کے کنار رحمت اور جوار عنایت میں تربیت حاصل کرتا رہا'' آپ نے خداداد فطانت وذہانت کی بدولت تین ماہ میں سارا قرآن پاک پڑھ لیا ۔پھر نہایت قلیل عرصے میں کتابت میں بے مثال ہو گئے ۔آپ نے اس عرصے کو ایک ماہ پر مشتمل بتایا ہے ۔(اخبار ص 311)

آپ کا حافظہ بہت تیز تھا۔آپ کو اڑھائی سال عمر تک کی تمام باتیں یاد تھیں ۔حروف تہجی پڑھے بغیر کلام پاک اپنے والد سے پڑھ لیا مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔کھیل کود سے نفرت تھی ،گھر والے کھیل کود کے لیے کہتے تو جواب دیتے کھیل کود کا مقصد تو صرف دل خوش کرنا ہے ۔میرا دل کتابیں پڑھنے سے خوش ہوتا ہے ،اکثر رات کو چراغ جلا کر پڑھتے اور رات گئے تک پڑھتے رہتے ۔ جب والد آواز دیتے تو فوراً لیٹ کر کپڑا اوڑھ لیتے اور کہتے والد محترم میں لیٹا ہوا ہوں۔اس کے کچھ دیر بعد پھر پڑھنا شروع کر دیتے ۔عربی فارسی بچپن میں والد محترم سے پڑھی ۔

آپ نے ایک سال یا کچھ زیادہ مہینوں میں قرآن پاک حفظ فرمایا۔حفظ قرآن کے بعد علوم عربیہ کی طرف توجہ ہوئی ۔ میزان الصرف،مصباح وکافیہ تک والد گرامی سے پڑھیں ۔بارہ سال کی عمر میں شرح عقائد اور شرح شمسیہ کا درس مکمل کر لیا ۔پندرہ سال کی عمر میں مختصر ومطول سے فارغ ہو گئے ۔آپ کو شروع سے ہی کتب بینی کا ازحد شوق تھا۔والد صاحب کچھ دیر کھیلنے کے لیے کہتے تو عرض کرتے :میری تفریح تو بس اسی پڑھنے لکھنے میں ہے ۔مطالعہ کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ کئی بار سر کے بال اور عمامے جل گئے اور آپ کو کوئی خبر نہ ہوئی ۔آپ نے مدرسہ کی حاضری کو اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔

عربی و فارسی کی تحصیل کے بعد ماوراءالنہر کے علماء کرام سے استفادہ کیا۔آپ کا تعلیمی معیار پہلے ہی اس درجہ کا تھا کہ آپ کے اساتذہ فرماتے :''ما از تو مستفید یم و مارا بر تو منتے نیست ۔'' پیارے شاگرد ! ہم بھی تو تم سے استفادہ کرتے رہے، ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ۔''(اخبارالاخیار ص 312)

پہلے پہل آپ نے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت فرمائی ۔پھر اُن کے حکم سے حضرت موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے ۔حضرت شیخ گیلانی نے انہیں خرقہ خلافت سے نوازا ۔یہ سفر حجاز روانہ ہونے سے پہلے کی بات ہے ۔واپسی پر آپ حضرت خواجہ شیخ محمد باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور سلوک نقشبندیہ حاصل کیا۔

آپ کو سلسلہ قادریہ سے خصوصی شغف تھا۔خود فرماتے ہیں کہ مجھے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضور پُرنور

سرکار دوعالمﷺ کے اشارے پر بیعت کیا۔حضور پاک صاحب لولاکﷺ نے فرمایا"بزرگ خواہی شد"ایک مقام پر اپنے صاحبزادہ شیخ نورالحق شارح بخاری کومکتوب میں لکھتے ہیں:

"فقیر کا مرجع حضور غوث پاک کے وسیلہ سے حضور سید کائناتﷺ ہیں۔"

والدگرامی بتصوف کا گہرا شغف رکھتے تھے،آپ کونماز و روزہ اوراورادو وظائف ورثے میں نصیب ہوئے۔فراغت تعلیم کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا۔یہ اکبراعظم کا زمانہ تھا۔سفر حجاز 996ھ میں اختیار کیا۔راستے میں احمد آباد میں کچھ دیر رُکےاور حضرت وجیہہ الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔

ہندوستان کے مغل شہنشاہ اکبر نے چند موقع پرستوں،ابن الوقت عالموں اور کاسہ لیسوں،خوشامدی،چاپلوسوں سے مل کر دین میں ایک فتنہ برپا کرنے کی ناپاک کوشش کی ۔اس نے دین الٰہی کے نام سے ایک نیا شوشہ کھڑا کیا یہ سراسر دین اسلام کی بے حرمتی تھی ۔اس میں بدعات کو داخل کیا گیا۔اس سے بڑھ کر یہ کہ اس شر کی نشر و اشاعت کا کام سرکاری سطح پر ہونے لگا۔امراء وزراءاور دیگر مقرب اہل دربار نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں احیائے دین کے لیے چن لیا تھا،آپ کے لیے دین حق کی حفاظت کا کام لکھ دیا تھالہٰذاوہ اکبراوراس کے حواریوں کے جال میں نہ پھنسے ہر چند کہ آپ کومراعات اوراعلیٰ منصبوں،درجات کا لالچ دیا گیا مگر آپ نے دین کو دنیا پر فوقیت دی اوراسی صورت حال سے دل برداشتہ ہوکر 996ھ میں سفر حجاز اختیار کیا۔اس وقت آپ کی عمر 38 سال تھی ۔حجاز میں جید علماء سے تکمیل علم دین کا مقصد لے کر گئے تھے جسے بڑی ہمت،حوصلے اوراستقلال سے مکمل کیا۔حجاز میں آپ شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ظاہری اور باطنی علوم کی تکمیل کے ساتھ سلوک اور طریقت میں بھی اُن سے رہنمائی حاصل کی ۔یہ رمضان کا مہینہ تھا۔روزے یہیں رکھےاور فریضہ حج کے لیے اپنے مرشد کے ساتھ مکہ مکرمہ گئے ۔حج بیت اللہ سے فراغت پائی تو اپنے شیخ کے حکم کے مطابق حرم شریف کے ایک حجرہ میں شیخ کی نگرانی میں ریاضت وعبادت میں مشغول رہےاوراس دوران سونے سے کندن بنے ۔

تین سال حجاز مقدس میں تشریف فرما رہے۔طریقت وتصوف کی بہت سی منزلیں طے کیں ۔انوار کی بارشیں ہوئیں اور دل پر عجیب وغریب حالتیں گزریں۔عشق سرور کونینﷺ ذہن ودل پر چھا گیا۔شیخ حضرت عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہے ۔پہلے علمائے حجاز سے علم حدیث مکمل کیا،کتب صحاح کا مطالعہ کیا۔دیار حبیب کبریاﷺ پر حاضری دیتے تو برہنہ پا ہوتے۔متعدد بار زیارت روضہ اقدس کے لیے گئے ۔تین سال کے عرصہ میں علم ظاہری وباطنی کی تمام منزلیں طے کیں۔پھر اس مرحلہ پر مرشد نے واپس ہندوستان جانے کا حکم دیا۔

آپ کا دل واپس آنے کو نہیں چاہتا تھا مگر مرشد کا حکم ٹال نہیں سکتے تھے ۔آخر میں شیخ حضرت عبدالوہاب متقیؒ سے درخواست کی کہ خواجہ بغداد حضرت پیر پیراں عبدالقادر جیلانی کے آستانہ اقدس پر حاضری دینا چاہتا ہوں مگر یہ درخواست بھی نامنظور ہوئی اور شیخ حضرت عبدالوہاب متقیؒ نے فرمایا:"ہندوستان میں تمہاری حاضری انتہائی ضروری ہے اور وہاں دین پر جو

اُفتاد پڑی ہے اس سیلاب کو روکنے میں مدد و معاون ثابت ہونا زیادہ ضروری ہے، لہذا اس امر سے واپس ہندوستان تشریف لائے۔

آپ 1000ھ میں واپس ہندوستان آئے۔ یہاں کی دینی حالت نہایت ابتر تھی۔ شعائرِ اسلام کی تضحیک ہورہی تھی۔ باطل افکار دین الٰہی کی صورت میں فروغ پارہے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل حق قید خانوں میں ڈال دیئے گئے تھے اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جارہی تھیں۔ حکومت وقت کے سخت رویے کے خلاف آواز اُٹھانا بغاوت کی حیثیت رکھتا تھا کوئی آواز بلند کرتا تو اُسے اذیتیں دے کر آہنی سلاخوں میں بند کردیا جاتا۔

یہ ہندوستان کا نہایت خطرناک دور تھا۔ اعتقادی گمراہیاں عروج پر تھیں۔ اعمال تباہ ہوچکے تھے۔ لوگوں میں شریعت محمد ﷺ کا لحاظ ختم ہوتا جارہا تھا۔ بدعت ہی بدعت پھیلی ہوئی تھی اور سارے ہندوستان میں اس وقت ان اندھیروں میں ایک ہی آفتاب تجدید روشنی بکھیر رہا تھا۔ یعنی کہ حضرت شیخ احمد سرہندی حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ نے ہندوستان واپس آکر اس صورتِ حال کا اچھی طرح جائزہ لیا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو سخت صدمہ ہوا۔ دین کی اس بے حرمتی کو برداشت کرنا آپ جیسے اہل حق کی سرشت میں نہ تھا اور خیال یہ بھی تھا اگر براہِ راست کوئی قدم اُٹھایا گیا تو اس کا نتیجہ قید و بند کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ انہوں نے جذبات پر قابو رکھا اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

حالات کے پیش نظر آپ نے ایک خاموش اور خفیہ حربہ استعمال کیا۔ انتہائی تدبر اور ذہانت سے کام لیا اور آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد خاموشی سے ڈالی اور فوری درس تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ اس خاموش تبلیغ دین نے عام مسلمانوں کے دلوں سے فاسد دین کا زہر نچوڑنا شروع کیا۔ نہایت تحمل اور ہمت سے آپ نے دین الٰہی کا فتنہ فرو کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ دین محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک اہم خدمت تھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بہت عظیم اوصاف و کمالات سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے جس دور میں آنکھ کھولی اس دور کی مذہبی و اعتقادی بدعنوانیوں پر سارا عالم گواہ ہے۔ جاہل صوفیہ، بے عمل علماء اور باغی شریعت بادشاہ ملت اسلامیہ کے وجود کو زہریلے ناگوں کی صورت ڈس رہے تھے۔ کہیں مہدویت کا فتنہ تھا، کہیں نظریہ الفی سر اُٹھا رہا تھا اور کہیں تصور امام اور دین الٰہی کے طوفان بڑھ رہے تھے۔ ان کے علاوہ عقل پرستوں کی شورش اپنی جگہ تھی۔ اس دوران آپ نے اسلام کے عقائد و اعمال کی ترویج (نشر و اشاعت) کے لیے اہم کردار ادا فرمایا۔ اس دور میں مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی اشد ضرورت تھی۔ آپ نے اپنی تصانیف رسائل میں اسی موضوع پر خوب عشق و محبت سے لبریز مقالے رقم فرمائے۔

آپ علم و فضل کے چراغ تھے۔ آپ کو قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم و معارف پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ علاوہ ازیں مختلف علوم و فنون پر آپ نے ترپیسٹھ سے زیادہ تحقیقات پیش فرمائیں۔ جن میں ہر ایک اپنی جگہ علم و فضل کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ داراشکوہ نے لکھا ہے کہ "آپ اپنے وقت کے امام محدثین ہوئے ہیں"۔ خافی خان نے لکھا ہے کہ "آپ صوری و معنوی کمالات

اور عقلی و نقلی علوم میں بالخصوص تفسیر و حدیث میں پورے ہندوستان میں بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔(منتخب اللباب،ص 551)

آپ کا یہ اہل ہند پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے اس پُر آشوب دور میں اپنے آقائے نامدار ﷺ کے ارشادات عالیہ کو اُن تک پہنچایا۔مشکوٰۃ آپ کی پسندیدہ کتاب ہے۔آپ نے اس کی شرح ''اشعۃ اللمعات'' کے نام سے رقم فرمائی جو عشق و آگہی کا مینار نور ثابت ہوئی۔آج تک لوگ اس کے چشمہ صافی سے پیاس بجھا رہے ہیں۔آپ عظیم محدث تھے۔اس کے ساتھ آپ حدیث فہمی کا جوہر قابل بھی رکھتے تھے اور اسی سبب آپ نے لوگوں کو قرآن و حدیث کی دہلیز پر جھکا دیا۔

آپ مسلکاً سنی و حنفی تھے۔اس لیے تمام عمر سُنّیت و حنفیت کا پرچم بلند کرتے رہے۔آپ کے نزدیک فقہ و تصوف میں کوئی فرق نہیں۔آپ حقیقی تصوف کے پُرزور حامی تھے،اور سچے صوفیا کا احترام کرتے تھے۔آپ نے ہمیشہ ان 'صوفیہ خام'' کو رَدّ فرمایا جو شریعت و طریقت کے درمیان الحادی دیواریں کھڑی کر رہے تھے۔آپ کا ارشاد ہے:''بنائے طریقت مابر کتاب و سنت است و ہر چہ مخالف کتاب و سنت است و خارج از آں است مردود و باطل است۔''

آپ نے تفسیر،تجوید،حدیث،عقائد،فقہ،تصوف،اخلاق،عملیات،فلسفہ،منطق،تاریخ،نحو،سوانح،سیر،مکاتیب اور خطبات کے فن میں کمال درجہ کی کتابیں تحریر فرمائیں۔اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلویؒ کے بقول اللہ تبارک و تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے حضرت شیخ کو قلم محفوظ عطا فرمایا تھا۔چند مشہور کتابوں کا نام درج ذیل ہے:

(۱)تعلیق الحاوی علی البیضاوی (۲)جمع الاحادیث الاربعین (۳)اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (۴)ماثبت بالسنۃ (۵)اسماء الرجال والرواۃ (۶)الاکمال فی اسماء الرجال (۷)تکمیل الایمان وتقویۃ الایمان (۸)فتح المنان فی تائید مذہب النعمان (۹)شرح فتوح الغیب (۱۰)آداب الصالحین (۱۱)جذب القلوب الی دیار المحبوب (۱۲)مدارج النبوۃ (۱۳)زبدۃ الآثار۔ (۱۴)اخبار الاخیار فی احوال الابرار (۱۵)تحقیق الاشارہ الی البشارہ (۱۶)شرح سفر السعادۃ۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم،ہادی دو جہاں،رحمۃ اللعالمین،سرکار دو عالم،خاتم النبیین،اصل الموجودات،حاصل کائنات، حضور پُر نور،نبی کریم،رؤف و رحیم ﷺ سے آپ کو بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔آپ ہر کچھ میں آپ ﷺ کی نرالی اونچی شانیں، عظمتیں اور رفعتیں ہی دیکھتے تھے،سنتے تھے اور لکھتے تھے۔آپ،حضرتِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ،حضور سرکار دو عالم ﷺ کے عشق و محبت کے اوج کمال پر فائز تھے۔آپ نے حضور ﷺ کی شان و عظمت جن الفاظ و جذبات کے ساتھ بیان کی ہے آپ کا ہی حصہ ہے۔ حضور ﷺ کی نعت آپ کی تحریروں کی جان دکھائی دیتی ہے۔چند شہ پارے ملاحظہ فرمائیں:

● ——حضور پاک ﷺ نے تمام عالم اور اس کے حقائق کو جان لیا۔(اشعۃ اللمعات،جلد 1،ص 333)

● ——حضور ﷺ نے مبداو معاد کے تمام احوال بیان فرما دیئے۔(ایضاً جلد 4،ص 444)

● ——حضور ﷺ تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں۔سب ظاہری و باطنی علوم کا احاطہ فرمایا اور **فوق کل ذی علم علیم** کا مصداق ہو گئے۔(مدارج النبوۃ،جلد اول)

- زمانہ آدم سے لے کر قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہے سب حضور پر ظاہر فرمایا گیا۔ تا کہ اول و آخر کے تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے بعض حالات کی اپنے صحابہ کرام کو خبر دی۔ (مدارج النبوۃ، باب 5)
- حضور ﷺ کو سب خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں اور خزانے عنایت کیے گئے۔ اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ شاہانِ فارس و روم کے خزانے اور باطن یہ ہے کہ اجناس عالم کے خزانے، سب کے رزق آپ ﷺ کے دست قدرت واختیار میں دے دیئے گئے اور انہیں ظاہر و باطن سب کی تربیت کی قوت حاصل ہوئی۔ (مدارج النبوۃ جلد 1)
- شارع کائنات ﷺ کو یہ حق حاصل ہے کہ جو حکم چاہیں خاص کر دیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد 1)
- جن و انس کے تمام ملک اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ کی عطا سے حضور ﷺ کے تصرف وقدرت میں ہیں۔ (اشعۃ اللمعات، جلد 1، ص، 337)
- اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ نے حضور ﷺ کے جسم اطہر کو یہ قوت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں، خواہ قبر میں یا اور کہیں۔ تو درست یہ ہے کہ قبر سے ہر حال میں نسبت رہتی ہے۔ (مدارج، جلد 2)
- حضور ﷺ اُمت کے تمام احوال و اعمال سے باخبر ہیں اور خاصانِ بارگاہ کو فیض عطا کرتے ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔ (جامع البرکات)
- اس بات پر کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ حقیقی زندگی کے ساتھ دائم و باقی ہیں، اعمال اُمت پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبانِ حقیقت کے لئے فیض رساں ہیں۔ (سلوک اقرب السبل)
- حضور انور ﷺ کی زیارت (قبر مبارک) تمام علمائے دین کے قولی اور عملی اجماع سے سب سے افضل سنتوں اور سب سے موکد مستحبات میں سے ہے۔ (جذب القلوب)
- حضور ﷺ کا وسیلہ مقصد میں کامیابی کا باعث ہے۔ (جذب القلوب، ص 220)
- تمام اہل خیر کے لئے شفاعت مصطفےٰ ﷺ ثابت ہے۔ (اشعۃ اللمعات، جلد 4، ص 408)
- شفاعت کا انکار بد مذہبی اور گمراہی ہے جیسا کہ خوارج و معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ (ایضاً)
- ابولہب جو کافر تھا، حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں باندی کے آزاد کر دینے سے اسے حضور ﷺ کی طرف سے جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہو گا جو محبت و مسرت سے میلاد النبی پر مال صرف کرتا ہے۔ (یعنی میلاد مناتا ہے۔)

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ با دشمناں نظر داری

- حضور ﷺ کے اسمائے گرامی میں ایک اسم نور ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (مدارج النبوۃ)
- سرکار ﷺ کی سیر گرامی اور معراج سب بیداری میں اور جسم اقدس کے ساتھ واقع ہوئی۔ (ایضاً) حضور ﷺ کے لئے معراج کی رات دیدار الٰہی واقع و ثابت ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو حضور سرورِ کائنات ﷺ کے عشق و محبت کی بدولت صحابہ کرام، آلِ اطہار اور اولیاء عظام سے بھی محبت تھی۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا فرماتے ہیں:

"دیگران قطب اند، او قطب الاقطاب است و اگر ایشاں سلاطین او سلطان محی الدین کہ دین اسلام را زندہ گردانید، ملت کفر را بمیرانید کہ الشیخ یحی ویمیت۔ (اخبار، ص 315)

اوست در جملہ اولیاء ممتاز　　　چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

آپ اولیاء کرام اور مقبولانِ خدا کی کرامات و تصرفات کے قائل ہیں، ان سے استمداد (مدد طلب کرنے) کو جائز سمجھتے ہیں، ان کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں، اعراس کو درست جانتے ہیں۔ اور ان کے مناقب و حالات کو باعث نجات گردانتے ہیں۔ ان تمام امور کے نظائر ان کی کتابیں پڑھنے والوں سے مخفی نہیں۔

آپؒ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے عہد میں ہوئے۔ اس لئے ان کے درمیان چند اختلافات کا ظہور ہوا۔ تفصیل یہ ہے کہ حضرت مجدد کے ایک مکتوب نگار نے ان کی تحریر میں خلاف واقع الفاظ کو شامل کر کے لوگوں میں پھیلا دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت شیخ نے ان الفاظ کی تردید لکھی اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عجیب طرح سے سوچنے لگے۔ اس واقعہ کو بعض دشمنانِ مجدد نے خوب ہوا دی ہے اور اسے بڑی تاریخی تحقیق کے طور پر پیش کر رہے ہیں حالانکہ دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے تمام اعتراضات دور کر دیئے تھے جس سے حضرت شیخ اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تمام اختلافات ختم ہو گئے۔

اخبار الاخیار کے آخر میں انہوں نے حضرت مجدد کا بڑے شاندار انداز سے ذکر کیا ہے۔ اور انہیں مقبولانِ بارگاہِ ایزدی میں شمار کیا ہے۔ ان کے ذکر کے بغیر اپنی اس کتاب کو نامکمل تصور کیا ہے۔ جیسا کہ اہل مطالعہ جانتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"میں پردہ ہائے بشریت کی وجہ سے شیخ احمد کو سمجھنے میں مجبور رہا، ان کا باطن انتہائی صاف و شفاف ہے۔"
(اخبار، ص 326)

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے لوگوں کو چاہیے کہ اپنی زبان و قلم کو بزرگوں کی بے ادبی سے روک لیں تا کہ حسن خاتمہ کی سبیل پیدا ہو سکے۔

آپ کی اولاد میں تین لڑکے تھے تینوں صاحب علم تھے، شیخ نورالحق ان میں والد محترم کے علوم و کمالات کے وارث تھے مشہور کتابوں کے مصنف بھی تھے ان میں تیسیر القاری چھ جلدوں میں بہت مشہور ہے۔ ان کو شیخ عبدالحق ثانی بھی کہتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادوں کے نام شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم ہیں۔ یہ دونوں بھی بڑے عالم تھے۔

حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد ایک سو تک ہے۔ عمر کا ایک حصہ تصنیف و تالیف میں گزرا۔ آپ کی وصیت قابل مطالعہ ہے۔

""فقیر کی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے شہادت کی موت عطا فرمائے۔اور حضور محبوب پاک ﷺ کے شہر مبارک میں عطا فرمائے۔اگر ایسا ہوا تو وصیت کی ضرورت نہیں۔ورنہ حوض شمس کے اوپر جونیکوں کی اور مغفوروں کی جگہ ہے وہاں مجھے دفن کر دیں۔قبر کو وسیع کریں۔اس کی دیواریں کچی اینٹ سے اوپر تک لائیں۔اوپر والی دیوار میں طاق بنائیں اور پیران عظام کے شجرے اس میں رکھ دیں۔"

حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے 94 سال کی عمر میں 12ربیع الاول 1052ھ بمطابق 30مئی 1642ءکو دہلی میں وفات پائی۔اناللّٰہ واناالیہ راجعون۔

نماز جنازہ بڑے صاحبزادے نورالحق رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔دہلی میں حوض شمسی کے کنارے دفن ہیں۔آپ کی تاریخ ولادت شیخ الاولیاء اور تاریخ وفات فخر عالم ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
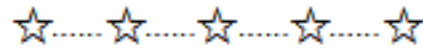
حضرت محمد باقی باللہؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی محمد باقی ہے۔آپ نے کم عمری میں ہی روحانیت میں کمال حاصل کیا اور مختلف مدارج واحوال سے گزر کر فنافی اللہ ہوئے اور پھر اپنی خودی کی طرف لوٹ کر (خدائی نظام کے تحت غیر ارادی طور پر لوٹ کر) مقامِ بقاباللہ پر آئے یا فائز کیے گئے۔مقام بقا کا دوسرا نام نزول اور عبدیت یا عبودیت ہے جہاں پہنچ کر سالک خلیفہ ارض ہوتا ہے، پہلے سے زیادہ ذوق وشوق، تندہی، خشوع وخضوع اور عجز ونیاز سے عبادت کرتا ہے۔(اس وجہ سے کہ اس کو اللہ تبارک وتعالی، ذات حق کی عظمت کا پہلے سے زیادہ علم ہوجاتا ہے۔)اور وہ حقیقتاً اللہ کے ساتھ باقی ہوجاتا ہے۔آپ کے اسم شریف میں "باقی" پہلے ہی موجود تھا اب اہل نور نے، اہل طریقت واہل معرفت نے آپ کو باقی باللہ ہی کہنا شروع کردیا اور اس طرح آپ کا پورا اسم گرامی "محمد باقی باللہ" ہے۔ آپ کو 'دہلوی' اس لئے کہا جانے لگا کہ خرقہ خلافت عطا ہونے کے بعد آپ کو حضرت امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی بھیج دیا اور پھر آپ وہیں (دہلی کے) ہو کر رہ گئے۔

آپ کو ریاضات ومجاہدات میں کمال حاصل تھا۔ظاہری اور باطنی علوم میں آپ یگانہ روزگار تھے۔دُنیاوی اور دینی علوم حاصل کرنے کے لئے آپ میں ہمت، جذبہ اور شوق بیکراں تھا۔آپ ساری ساری رات عبادات ومجاہدات میں گزار دیتے اور ہمیشہ یہی کہتے کہ یہ رات تو بہت چھوٹی تھی کہ آئی اور گزر گئی۔آپ اپنے وقت کے بہت بڑے ولی اللہ تھے، اللہ والے تھے۔ روحانیت میں آپ کے مقام کا اس امر حقیقت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرتِ مجددالف ثانی حضرت احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہوئے اور آپ نے انہیں روحانیت میں پروان چڑھایا۔کشف وکرامات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی تاریخ پیدائش ان کتابوں سے مجھے نہیں ملی جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں۔ہاں "صوفیائے کرام" کے مصنف نے حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں لکھا ہے کہ آپ کا وصال اکتالیس (41) سال کی عمر میں ہوا۔ مورخین نے آپ کی تاریخ وصال 26 جمادی الثانی 1012 ہجری بمطابق 22 اکتوبر 1603ء لکھی ہے۔اس طرح سے آپ کا سنِ پیدائش 970ھ/ 1563 یا 971 ہجری بنتا ہے۔اور میں (اس کتاب کا مصنف) آپ کی ولادت کے سن ہجری کے لئے

970ہجری کو اس لئے ترجیح دوں گا کہ آپ کے یگانہ روزگار مرید حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا سن پیدائش 971ہجری ہے۔میں اخلاقاً آپ کو اپنے مرید سے سال، چھ ماہ بڑا سمجھتا ہوں۔جہاں تک ہم عصر اولیاء اللہ کو جاننے کا تعلق ہے تو اس بارے میں اتنا ہی جاننا بہت تسلی بخش ہے کہ آپ کے مرشد حضرت امکنگی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید تھے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کابل کے رہنے والے تھے،اللہ نے سب کچھ دیا تھا۔ناز ونعم میں پرورش پائی تھی۔ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے سمرقند تشریف لے گئے،جواس وقت علوم وفنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔اور جہاں فضل وکمال کے دریائے مواج رواں تھے،آپ نے یہاں تمام علوم متداولہ کی تکمیل کی اور بہت جلد فارغ التحصیل ہوگئے۔مذہب کا جوش دل میں بھرا ہوا تھا،عبادت سے بہت ذوق وانہماک تھا۔

جوان ہوئے تو آپ کو زیارت مزارات کا شوق پیدا ہوگیا۔اس سے باطنی ترقی کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔بزرگوں کی خدمت میں جانے لگے،آخر آپ حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے جواس وقت مقتدائے وقت تھے۔پھر جو آپ نے مجاہدات شروع کئے اور عبادات وریاضات میں مشغول ہوئے تو یہ حالت تھی کہ رات دن اسی میں مصروف رہتے،نہ سونے سے غرض نہ کھانے کی پرواہ۔رات بھر محنت شاقہ میں منہمک رہتے اور صبح ہوتی تو آپ کو ناگوار گزرتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے کہ بارالٰہا!یہ کیا ہوا کہ رات اتنی جلدی گزرگئی میری تو ابھی حسرت بھی پوری نہیں ہوئی،سیری بھی نہیں ہوئی۔بہر کیف جو تیری مرضی۔پھر رات کے سناٹوں کا انتظار شروع ہوجاتا۔صحبت پیر نے قلب اور سینہ کو جلد منور کردیا اور خلافت حاصل کرلی۔

صبح فرض اور سنتوں کے مابین روزانہ اکتالیس مرتبہ سورۃ مزمل شریف پڑھتے۔نماز کے بعد سورۃ یٰسین شریف کی تلاوت کا آغاز کردیتے،پھر تلاوت قرآن میں مصروف ہوتے۔اشراق سے لے کر چاشت تک نہایت ذوق وشوق کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہتے۔چاشت کے بعد حاجت مندوں اور غریبوں کی سنتے اور ان کی دادرسی کرتے۔

دوپہر کے بعد نوافل میں مصروف ہوجاتے تھوڑی دیر لوگوں سے گفتگو کے بعد عصر کی نماز پڑھتے اور مغرب تک درود شریف پڑھتے رہتے۔مغرب کے بعد مریدین کی تربیت وتعلیم میں مصروف ہوجاتے اور عشاء کی نماز تک یہی سلسلہ رہتا،یہ وقت بہت فیض رساں اور منور ہوتا اور خانقاہ میں خاص رونق ہوتی۔(سیر الاخیار،ص486)

آپ فرماتے ہیں کہ جب میرے شیخ طریقت حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ہندوستان جانے کا حکم دیا تو میں نے خود کو اس سفر کے لائق نہ دیکھتے ہوئے کچھ پس وپیش کیا،حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے استخارے کے لئے فرمایا۔استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شاخ پر طوطا بیٹھا ہے۔دل میں یہ خیال آیا اگر یہ طوطا شاخ سے اُڑ کر ہاتھ پر آبیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہوجائے۔معاً وہ طوطا اُڑ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھا۔میں نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے میرے منہ میں

شکر ڈالی۔اس خواب کی تعبیر حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی کہ طوطا ہندوستان کا پرندہ ہے۔ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وابستہ ہوگا جس سے عالم منور ہوگا اور تم بھی اس سے مستفیض ہو گے۔(زبدۃ المقامات)اور یہ پیش گوئی تھی حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق۔حضرت احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس سرہند سے چل کر دہلی پہنچے اور آپ سے بیعت ہوئے اور بے بہا فیض حاصل کیا۔

اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''شیخ احمد مردے است از سرہند کثیر العلم وقوی العلم روزے چند فقیر باونشست وبرخاست کردہ عجائب بیسا راز روزگار اوقات مشاہدہ نمودہ بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد'' ترجمہ اختصاراً: یعنی شیخ احمد جو کہ سرہند سے آئے ہیں، بہت بڑے علم وعمل کے مالک ہیں ان کی ذات سے کئی عالم روشن ومنور ہوں گے۔''(جواہر مجددیہ، کلیات باقی باللہ، حضرت امام ربانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، تذکرہ علمائے ہند، زبدۃ المقامات، اخبار الاخیار، تاریخ تحریک پاکستان)

خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد آپ کے شیخ حضرت امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دہلی روانہ کر دیا جہاں آپ کی خانقاہ اس وقت روحانیت وتصوف کا گہوارہ اور ایک شاندار ادارہ بن گئی تھی۔دہلی میں آپ کو مزار حضرت قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بہت فیض پہنچا۔آپ اکثر یہاں حاضر ہوا کرتے اور مراقب رہتے تھے، خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے بھی سمرقند میں آپ کو بہت کچھ حاصل ہوا تھا۔

دہلی میں یہ حالت تھی کہ آپ کی خانقاہ میں ہمہ وقت ایک ہجوم رہتا تھا، یہی نہیں کہ ہندوستان کے ہر حصے اور ہر گوشے سے طالبانِ طریقت حاضر ہوتے رہتے تھے، بلکہ بلاد ایشیا وافریقہ تک سے طلباء آتے اور اس سرچشمہ سے فیض یاب ہوتے، خانقاہ ہی کے ایک حصہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ تھا جہاں علوم ظاہری کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی اور جس میں کئی ہزار طلبا زیر تعلیم رہا کرتے تھے، جن میں سے بڑے بڑے نامور علماء پیدا ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بار نماز با جماعت ادا کر رہے تھے کہ آپ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی۔اس کے بعد آپ نے مراقبہ جو کیا تو دیکھا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ خواجہ دنیا میں بکثرت اولیاء وشیوخ گزرے ہیں جو میرے طریق پر تھے اور میری پیش کردہ راہ پر گامزن رہے۔ان سب کا یہ دستور العمل تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھتے تھے، مگر تم پڑھتے ہو، تمہیں میرے طریق کا خیال نہیں؟ مناسب یہ ہے کہ تم بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھو۔دیکھو اور سمجھو کہ ''**ایاک نعبد**'' جمع کا صیغہ ہے، جو جماعت کے اندر انفرادیت کو جذب کر دینا چاہیے۔امام آخر تمہارا ہی امام تو ہے۔جب وہ سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہے تو گویا سب پڑھ رہے ہیں۔چنانچہ اس روز سے آپ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ترک کر دی۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کس عظمت وجلالت کے بزرگ تھے کہ اولیائے متقدمین میں بھی آپ کا احترام تھا اور وہ آپ کو اپنے طریقہ پر چلانے کی سعی کرتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ اور عارف وقت گزرے ہیں۔علوم ظاہری وباطنی میں یگانہ روزگار تھے اور اپنے عہد کے قطب تھے۔

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف میں اپنا ایک مشاہدہ یوں رقم فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی گیا تو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہوا۔بہت فیض پہنچا اور بہت کچھ جناب نے عنایت کیا۔اس کے بعد پھر میں حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان المشائخ اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضر ہوکر مراقب ہوا۔ہر جگہ سے یہی ارشاد ہوا کہ تجھے جو کچھ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سے عطا ہوا وہ گویا ہمارا ہی عطیہ تھا۔اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ آپ کو خاندان چشت سے بھی نسبت تھی گو کہ کسی نے ایسا لکھا نہیں ہے۔(سیر الاخیار،ص 488)

آپ کی کرامات بہت ہیں،اختصار کی خاطر چند ایک درج ذیل ہیں:

ایک عورت کا تین چار برس کا بچہ بلند دیوار سے گر پڑا۔گرتے ہی اس کی حالت غیر ہوگئی۔مشہور اطبائے زندگی نے مایوسی ظاہر کی،تو وہ حضرت کی خدمت میں بچے کو لے کر آئی اور دعائے صحت کی التجا کی،آپ نے توجہ فرمائی اور بچہ ایک منٹ میں تندرست ہوکر اپنے پاؤں پر اپنی ماں کے ساتھ گھر روانہ ہوگیا۔

ایک شخص امتحان کی غرض سے آپ کی خدمت میں زروجواہر لے کر آیا۔آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا،جب اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے اپنے مصلّے کا کونا اُٹھا کر اسے سے کہا:"دیکھ"اس شخص نے دیکھا کہ مصلّی کے نیچے سونا چاندی کا دریا لہریں مار رہا ہے۔آپ نے فرمایا:فقیروں کا امتحان نہ لیا کر۔

مسالک السالکین میں ہے کہ دہلی کے ایک عالم دین نامردی کے سبب سخت نادم اور پریشان تھے۔بیچارے نے علاج معالجہ بہت کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔مایوسی کے عالم میں گھوڑے پر سوار ہوکر چل دیا۔راستہ میں حضرت باقی باللہؒ سے ملاقات ہوئی۔تعظیم کی نیت سے گھوڑے سے اُتر آیا تو حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اس سے معانقہ کیا۔اور اس کو دو تین بار سینے کے ساتھ لگا کر خوب زور سے بھینچا،وہ عالم دین اسی وقت مکمل مرد بن گیا۔اور اس میں قوت رجولیت پیدا ہوگئی۔(سیر الاخیار،ص 490)

درج ذیل میں آپ کی فیض نظر کا کمال دیکھئے:

ایک شخص آپ کے پاس حاضر ہوا اور خانقاہ میں کئی روز تک آتا جاتا رہا۔ایک روز آپ نے پوچھا کہ اے شخص تو کون ہے؟اور یہاں کس غرض سے آیا ہے۔عرض کی کہ ایک غریب الوطن مسافر ہوں۔آپ کا شہرۂ کمال سن کر حاضر ہوا ہوں۔فرمایا:بہتر ہے میں تجھے تعلیم کرتا ہوں۔خانقاہ میں قیام کر اور محنت ومجاہدہ میں مشغول ہو،تاکہ تجھے کمال حاصل ہوجائے۔میں نقشبندی طریقہ تلقین کروں گا۔جواب میں اس شخص نے پورے خلوص سے عرض کیا:حضور محنت تو مجھ سے نہ ہوسکے گی۔کمال چاہتا ہوں اور بھی بے محنت چاہتا ہوں۔مجھے وہ دیجئے اور اپنی طرف سے دیجئے۔بادشاہ تو تھے ہی،خیال آگیا۔مگر پھر پوچھا کچھ تو محنت کرسکتا ہے؟اس

شخص نے عرض کی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

وہ شخص پھر خلوص و عاجزی کے ساتھ یوں گویا ہوا کہ حضور یہ ملحوظ رہے کہ میں اگر اس آستانہ پاک سے محروم چلا گیا تو یہی سمجھوں گا کہ کتب تصوف میں عارفوں کے کمالات و کرامات کے متعلق جو لکھا ہے اس کی حقیقت ایک طلسم سے زیادہ نہیں۔

اس کی یہ پر خلوص اور عاجزانہ بات سن کر آپ کو جوش آ گیا اور ایک نظر جو اس پر ڈالی تو وہ تڑپنے لگا اور بے ہوش ہو کر ساکت ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے۔ (سیر الاخیار، ص 488)

اس شخص کے بارے میں آپ نے مریدوں سے فرمایا کہ یہ شخص اُمی محض تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر فضل کیا کہ تمام علوم اس پر روشن کر دیئے۔ اب جس علم میں چاہو، اس سے بحث کر لو۔ اس شخص سے اب جو بحث کی گئی تو ثابت ہوا کہ وہ تو علم کا ایک دریا بن گیا ہے۔ اس وقت اس نے ہوا میں پرواز کی اور غائب ہو گیا۔ یہ تھی قطبیت حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو خاندان نقشبندیہ کے زبردست بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا وصال 26 جمادی الثانی 1012ھ بمطابق 22 اکتوبر 1603ء میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک دہلی میں مرجع خلائق ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی عبدالاحد تھا۔ آپ چونکہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ اس لئے جائے ولادت کی نسبت سے آپ کو سرہندی کہا جانے لگا۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات رہبر کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضور انور، حضور پرُنور، نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صدقے روحانیت میں وہ بلند مقام عطا فرمایا، وہ بلند مقام دیا کہ آپ دوسری صدی ہجری کے مجدد قرار پائے۔ اسی لئے آپ کو مجدد الف ثانی بھی کہا جاتا ہے اور اب یہ القاب عظیم فضیلت آپ کے اسم مبارک کا ایک ضروری اور اہم حصہ ہے۔ آپ کا شجرہ نسب 31 واسطوں سے خلیفہ ثانی، مراد رسول اللہ (ﷺ) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کا مجدد الف ثانی ہونا ہی روحانی میدان میں، روحانیت میں بہت ہی اونچے مقام کا شاہد ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بے شمار ظاہری و باطنی خوبیوں سے مزین فرمایا تھا۔ آپ علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ اسرار قرآنی پر زبردست عبور حاصل تھا۔ حروف مقطعات سے واقف تھے۔ آپ فکر وعرفان کے مجتہد تھے۔ قرآن اور صاحب قرآن کی محبت سے لبریز تھے۔ آپ کا تقویٰ اور پرہیزگاری بھی لاجواب تھے۔ آپ حق بیانی سے کسی صورت بھی نہ جھجکتے تھے۔ آپ بہت بڑے عبادت گزار اور ریاضت پسند تھے۔ آپ کا عزم واستقامت واستقلال اس قدر بلند تھا کہ کبھی حق کے خلاف کچھ نہ سنا۔ آپ کا صبر وہمت، قوت برداشت، حوصلہ اور راضی برضائے الٰہی قابل صد تعریف ہے۔ آپ نے تلخی میں وہ لذت پائی ہے جو ہم جیسے لوگوں کو شیرینی میں بھی نہیں ملتی ہے۔ آپ عاجزی وانکساری کا بھی مجسمہ تھے۔ آپ کو کفر سے سخت نفرت تھی اور آپ ہر شخص سے سلام میں پہل کرتے تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ 14 شوال 971 ہجری بمطابق 25 مئی 1564ء جمعۃ المبارک کے دن کو دارالعرفان سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ شہنشاہ ہند مغل فرمانروا اکبر کے زمانے میں تھے اور پھر شاہجہاں کے دور حکومت میں بھی آپ کا کچھ عرصہ گزارا۔ آپ کے ہم عصروں میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 63 سال کی

عمر پائی ۔28 ماہ صفر 1034 ہجری بمطابق 30 نومبر 1624ء بوقت اشراق کو آپ کا وصال سرہند شریف میں ہی ہوا۔

حالات ،مناقب ،ارشادات:

ہر دور میں جب فسق وفجور اور لادینیت کے اندھیرے چھا جاتے ہیں تو اللہ جل شانہ کوئی ایسا نورانی وجود بھیج دیتا ہے جو ان ظلمتوں کو پاش پاش کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے پر چلنے والوں کے لئے راستے ہموار کر دیتا ہے۔اس مقام ومنزل میں انسانی روپ میں آنے والے صلحاء کو بے حد دشواریاں پیش آتی ہیں مگر آخری فتح سچائی کی ہی ہوتی ہے۔حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا کہ ساری دُنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہے اور اس اندھیرے میں خوک، بندر، ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔خونریزی کا بازار انسانوں اور جانوروں کے مابین جاری ہے ۔انسان دہشت زدہ ہیں اور جانیں بچانے کے لیے جائے پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔اسی اثناء میں اُن کے سینے سے نور کی ایک کرن نکلی ہے اس کے نور میں سے ایک تخت نمودار ہوا اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے سامنے ظالموں ،ملحدوں اور بے دینوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور ایک شخص بآواز بلند کہتا ہے:

قل جاء الحق وزهق الباطل ۔ترجمہ:''......کہہ دو، کہ حق آ گیا اور باطل ختم ہو گیا۔''

اس خواب کی تعبیر انہوں نے حضرت شاہ کمال کیتھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کی ۔حضرت شاہ کمال کیتھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی گہری توجہ فرمائی اور کہا آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا جس کی برکت سے ضلالت ظلمت وکفر والحاد دور ہو گا ۔14 شوال بروز جمعہ 971 ہجری بمطابق 25 مئی 1564 عیسوی کو میں سرہند کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند عطا کیا۔یہ امام ربانی کی ولادت تھی ۔

آپ کا شجرہ نسب 31 واسطوں سے خلیفہ ثانی ،مرادِ رسول ﷺ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔(مقاماتِ خیر صفحہ 33) آپ کے والد ماجد مخدوم الاولیاء حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ عالم دین اور عظیم المرتبت صوفی تھے ۔حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 983ھ) سے سلسلہ عالیہ قادریہ وچشتیہ میں خلافت حاصل کی۔(زبدۃ المقامات، ص 143)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیشتر علوم اپنے والد گرامی سے حاصل کیے۔ان کے علاوہ حضرت مولانا کمال کشمیری ،حضرت مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی علم حاصل کیا۔(جواہر مجددیہ، ص 23) 998ھ میں آگرہ کا سفر اختیار کیا، وہاں درباری علماء شیخ ابو الفضل و شیخ ابو الفیض فیضی سے تعلقات قائم ہوئے ،یہ دونوں بھائی آپ کا بہت احترام کرتے تھے ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، خالق و مالک کائنات نے قرآن مجید، فرقانِ حمید کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہوئی ہے ۔کل کائنات میں نہ کوئی اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے جیسی لکھ سکتا ہے اور نہ کوئی اس میں، اس کے الفاظ میں ردّ وبدل کر سکتا ہے۔اس کی حفاظت کا ایک بین ثبوت اور دائم معجزہ جو ہر کوئی ہر وقت دیکھ سکتا ہے وہ ہے کلامِ الٰہی کا عام ذی شعور مخلوق کو اس کا اول تا آخر حرف

بہ حرف لفظ بلفظ حفظ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرب قیامت تک دین اسلام کو بھی کسی حد تک صاف ستھرا اور قرآن وسنت کے مطابق رکھنا ہے۔ وقت رفتہ کے ساتھ ساتھ اسلام مخالف قوتیں، شیطانی قوتیں اپنی فطری شیطانیت اور جہالت کی وجہ سے دین اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف رسوم رواج، تعلیمات وبدعات وغیرہ کو جنم دیتی ہیں۔ ایسے باطل افکار کو ختم کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک روحانی نظام، باطنی نظام قائم کیا ہوا ہے کہ بوقت ضرورت وہ فساد زدہ زمین پر ایسے عالی صبر وہمت، عزم واستقامت بلند کردار، مدلل اور موثر کن علم، روحانی علم کے حامل انسان (اولیاء اللہ) پیدا فرماتا ہے کہ وہ طاغوتی قوتوں سے بلاخوف وخطر ٹکرا جاتے ہیں۔ اپنے کردار، علم، باطنی علم اور مدلل واضح کلام کے ذریعے طاغوتی قوتوں کو سمجھاتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے عوام الناس کو راہِ ہدایت یاد کراتے ہیں، دکھاتے ہیں اور اکثریت کو اس پر لے آتے ہیں اور جو بدعات، غیر شرعی رسم ورواج ملک ومعاشرے میں جڑ پکڑ رہے ہوتے ہیں ان کی بیخ کنی کر دیتے ہیں۔

جس دور میں آپ پیدا ہوئے ہیں اور رہے ہیں اس دور میں ملک ہندوستان میں ہندوستان کے مغل شہنشاہ اکبر نے اپنی جہالت وسیاست کے سبب سارے ملک میں حکومت کی طرف سے ''دین الٰہی'' کو رواج دیا مختصراً ''دین الٰہی'' باطل افکار کو ملک و معاشرے میں پھیلانے کا نام تھا۔ ہندوازم یا کفر اور اسلام میں تمیز مٹا دینے کا دوسرا نام ''دین الٰہی'' تھا۔ یہ شعائرِ اسلام کی کھلی توہین و تضحیک تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین الٰہی اور اس سے پیدا شدہ خرابیوں کی بیخ کنی کرنے کے لئے آپ حضرت احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو سرہند میں پیدا فرمایا اور آپ کی معاونت کے لئے حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم، عزم، ہمت، حوصلہ و تدبیر والے اشخاص پیدا فرمائے۔

حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں نے حکومت وقت اور اس کے گماشتوں سے ٹکر لی اس ٹکر کے دوران طاغوتی قوتوں نے، حکومتی قوتوں نے، دین الٰہی کا پرچار کرنے والوں نے، آپ اور آپ کے ساتھیوں کو ہر طرح کی اذیتوں، مشکلات، تکالیف اور محرومیوں سے دوچار کیا اور مسلسل کئے رکھا۔ لیکن طاغوتی قوتیں آپ کے صبر واستقامت، عزم و ہمت، قوت برداشت اور مدلل علم وعلمی دلائل کے سامنے دم توڑ گئیں، پاش پاش ہو گئیں اور بالآخر حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بہت حد تک صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ لیجئے اب ان حالات، واقعات کو تاریخ کی زبان میں پڑھئے اور اپنی عاقبت سنواریئے۔

آپ (حضرت احمد سرہندی) 1008ھ میں زیارت حرمین کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں دہلی رُکے، وہاں حضرت خواجہ خواجگاں باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے پاس روک لیا، چنانچہ آپ نے تین ماہ وہاں رہ کر وہ کچھ حاصل کیا جسے اور لوگ برسوں کے بعد بھی حاصل نہیں کر سکے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنی مراد سمجھتے تھے فرماتے ہیں:

آپ علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے، حافظ قرآن تھے ۔اسرار قرآنی پر زبردست عبور حاصل تھا،حروف مقطعات سے واقف تھے،فہم متشابہات سے مالا مال تھے ۔(حضرات القدس،صفحہ 2 / 67)علم حدیث میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔خود فرماتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقہ محدثین میں شامل کرلیا گیا ہو ۔(زبدۃ المقامات،ص 130)مسائل فقہ میں پورے طور پر مستحضر تھے یعنی سب یاد تھا اوراصول فقہ میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے ۔(زبدۃ المقامات)علم کلام میں تو مجتہد تھے ۔فرماتے ہیں: مجھے تو سط حال ایک رات جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو۔اس وقت سے مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے ۔آپ کو آسمانوں کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عطا فرمایا۔حضرت خضر علیہ السلام نے علم لدنی سے نوازا۔(ایضاً) آپ کو علم سے خصوصی لگاؤ تھا۔طلب علم کو صوفیانہ مجاہدات پر ترجیح دیتے تھے ۔مولانا بدرالدین سے فرمایا کرتے سبق لاؤ اور پڑھو، جاہل صوفی تو شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے ۔(حضرات القدس،ص 97)

آپ نے خود علم کی تلاش میں دوردراز کا سفر اختیار کیا۔آگرہ میں فیضی وابوالفضل جیسے علماء آپ کے علم وفضل کا لوہا مانتے تھے ۔آپ اپنے شیخ کامل، مرشد ربانی سیدنا محمد عبدالباقی،المعروف خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بے پناہ ادب کرتے ۔خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ ”مجھ سے خواجہ حسام الدین نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے پیرومرشد (مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کو بلالاؤ ۔جب میں نے آپ سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔خوف کے آثار ظاہر ہوگئے ۔انتہائے خشیت سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی گویا کہ رعشہ طاری ہوگیا ہے ان کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا، اب تک سنتا آیا تھا:

”نزدیکاں را بیش بود حیرانی“

لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کررہا ہوں ۔(زبدۃ المقامات،فصل سوم)

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جو آپ کو ”عرفان کا مجتہد اعظم“ قرار دیا ہے تو آپ کے لکھے ہوئے کے مطالعہ کرنے سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے ۔آپ نے تصوف کے میدان میں ایسے فکروعرفان کا اظہار کیا جس کی مثال پہلے نہیں ملتی ۔فکروعرفان کی ان جولانیوں کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

”حق جل سلطانہٗ کے انعامات کے متعلق کیا لکھا جائے اور کس طرح شکر ادا کیا جائے ،جن علوم ومعارف کا فیضان خداوند جل شانہٗ کی توفیق سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر قید تحریر میں آتے ہیں اوراہل نااہل کے کانوں تک پہنچتے ہیں،لیکن جو اسرار ودقائق کہ ممتاز ہیں ان کا ایک شمہ بھی ظاہر نہیں کیا جاسکتا بلکہ رمزواشارہ کے ذریعے بھی ان کے متعلق بات نہیں ہوسکتی ۔“(زبدۃ المقامات،صفحہ 303)

آپ مزید فرماتے ہیں کہ ”یہ حقیقت ہے کہ آپ نے مقام وجودوشہود کے متعلق جو معارف بیان فرمائے ہیں، آپ کا ہی حصہ ہیں ۔“علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب

کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز فرمایا گیا جیسے دفتر سوم کے مکتوب 89 میں تفصیل آئی ہے۔" (حضرات القدس، جلد دوم، ص 82)

اسی طرح عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق فرماتے ہیں: "یہ فقیر کیا کہے اور اگر کہے تو کون سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے، یہ معارف احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر (جو کہ روحانی، باطنی حقیقتوں کو نہیں جانتے) کی طرح ارباب ولایت بھی اُن کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں۔" (مکتوبات شریفہ)

آپ نے مزید وضاحت فرمائی کہ یہ سب کچھ میری محنت و چاہت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ قرآن حکیم کے اس فرمان کے مطابق: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ یہ تو میرے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم، اکرام، و انعامِ خصوصی ہے جو مجھے عطا کر دیا گیا۔

اتباع شریعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "محبت رسول کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ، سنت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس وصف میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ آپ کے مکتوبات ورسائل کا بنیادی موضوع ہی اتباع شریعت ہے۔ فرماتے ہیں: "ہم اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ کسی امر میں پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور ﷺ سے تشبہ اختیار کریں، اگرچہ تشبہ صورت ہی کے اعتبار سے ہو۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ باوجود ممکنہ گرفتاریوں کے رمضان کے آخری عشرہ میں ہم اعتکاف کے لئے بیٹھے، دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ متابعت کے حصول کے عوض سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں۔

حضرت مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اس حال کو جس میں سرِ مُو بھی شریعت اور اہلسنّت والجماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی، قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ احوال، شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت، احوال کے تابع نہیں۔ کیونکہ شریعت قطعی ہے، وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف و الہام سے ثابت ہوتے ہیں اور فرماتے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس دُنیا میں ہوتے تو وہ بھی اسی شریعت کی پیروی کرتے۔ (زبدۃ المقامات، صفحہ 290)

پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ سے محبت، حب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "دین اسلام کا دارومدار محبت رسول ﷺ پر ہے۔ یہ جذبہ نہیں تو بقول اقبال سب کچھ "بت کدۂ تصورات" میں ڈھل جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے آپ ہر پہلو سے اس جذبے سے سرشار دکھائی دیں گے۔ فرماتے ہیں: "ایک وقت درویشوں کی جماعت بیٹھی تھی۔ اس فقیر نے اپنی محبت کی بنا پر پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور ﷺ کے غلاموں سے ہے، اُن سے اس طرح کہا کہ مجھ پر پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی کہ حق سبحانہٗ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب جل جلالہ ہے۔ حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے۔ یہ بات حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اس

بات کے خلاف ہے جوانہوں نے پیغمبراول وآخرواعظم حضور پُرنورﷺ کے جواب میں کہی تھی کہ حق سبحانۂ ﷻ کی محبت اس طور پر مسلط ہوگئی ہے کہ آپﷺ کی محبت کے لئے جگہ باقی نہیں رہی۔یہ دونوں باتیں اگر چہ سکر کی خبر دیتی ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے کیونکہ انہوں نے عین سکر میں یہ بات کہی اور میں نے یہ بات ابتدائے صحو میں کہی۔ان کی بات مرتبہ صفات میں ہےاور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے۔(مبداء ومعاد منہا،37)

یہ امر بھی اس کی گواہی دیتا ہے کہ آپ سراپا محبت رسولﷺ میں غرق تھے۔جیسا کہ حدیث پاک ہے: **من احب شیئاً اکثر ذکرہ** جوجس شے سے محبت کرتا ہے اسی کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔آپ کثرت سے درود پاک پڑھا کرتے خصوصاً جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن،دوشنبہ کی شب اور دوشنبہ کے دن،آخری زمانے میں جمعہ کی راتوں میں احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود بھیجتے تھے۔(زبدۃ المقامات،صفحہ 286)

اذان میں جب پیغمبراول وآخرواعظم حضور پُرنور حضور اکرمﷺ کا نام مبارک آتا تو محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے۔(جواہر مجددیہ)

آپ تمام امور شریعہ میں بہت احتیاط وتقویٰ کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔آپ کے حد تقویٰ واحتیاط کے متعلق مولانا بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تمام امور شریعہ میں از حد احتیاط وتقویٰ کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے،مثلاً آپ کے وضو کرنے کا طریقہ ہی پڑھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی احتیاط اور تقویٰ فقط آپ کو شایان ہے۔آپ کی نماز آپ کی کرامت تصور کی جاتی تھی،اس لئے کہ آپ نماز کے فرائض،واجبات،سنن ومستحبات کو نہایت احتیاط وتقویٰ سے ادا فرماتے تھے۔مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''میں آپ کی نماز دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ حضور سرور کائناتﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں اور حضور پُرنور رسول اللہﷺ کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقے کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں۔(حضرات القدس،صفحہ 99،جلد دوم)

آپ کا ارشاد ہے:''لوگ ریاضت ومجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت ومجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں۔''نیز فرمایا کہ:''بہت سے ریاضت کرنے والوں اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں۔''(زبدۃ المقامات،صفحہ 288)

آپ ریاضات وعبادات کو بہت انہماک وذوق وشوق سے ادا کرتے تھے۔آپ کی عبادت گزار اور ریاضت پسند طبیعت کے متعلق علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:''ایک امیر وقت کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاملے میں کچھ تردد ہوا۔اس نے وقت کے قاضی القضاۃ(جو کہ آپ کا ارادت مند تھا)سے دریافت کیا کہ اس طائفے کے باطنی احوال واطوار کو دیکھ کر متقدمین اولیاء کے احوال واطوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔کیونکہ ہم نے جب اگلے وقتوں کے بزرگوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا تو دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ ان کی سخت ریاضتوں اور عبادتوں کا ذکر اُن کے مریدوں نے مبالغے سے کیا ہوگا

لیکن اب جو ہم نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو دیکھا تو تردد جاتا رہا بلکہ ان بزرگوں کے احوال لکھنے والوں سے ہم کو شکایت ہے کہ انہوں نے کم لکھا ہے۔(حضرات القدس،2/23)

آپ کے مجاہدات سنت مطہرہ کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ہمیشہ عزیمت پر عمل فرماتے۔آپ فرماتے ہیں:''سالک اتباع شریعت میں جس قدر راسخ اور ثابت قدم ہوگا،اسی قدر ہوائے نفس سے زیادہ دور رہو گا۔پس نفس امارہ پر شریعت اور امر و نہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں۔''(مکتوب 221 دفتر اوّل)

الحمدللہ! آپ میں عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس درجہ شانِ جلالت کی ایک وجہ آپ کی عاجزی و انکساری ہے۔حضور انور سرور دو عالم ﷺ فرماتے ہیں:''جس نے اللہ کے لئے عاجزی کی،اللہ نے اس کا رُتبہ بلند کر دیا۔'' جب آپ پر الزام لگا کہ آپ معاذ اللہ اپنے آپ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے ہیں،آپ نے بھرے دربار میں فرمایا:''میں تو خود کو سگ سے بہتر نہیں سمجھتا تو پھر حضرت ابو بکر صدیق سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں۔''(مناقب آدمیہ ورق 171 بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی،ص 177)

خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اس کمترین نے بارہا آپ سے سنا کہ کیا ہم اور کیا ہمارا عمل،جو کچھ بھی ملا ہے اللہ کا کرم ہے،اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے کا بہانہ بنی ہے تو وہ سید الاوّلین والآخرین ﷺ کی متابعت ہے۔ہمارے کام کا مدار اس پر ہے۔''(زبدۃ المقامات)

فرماتے ہیں:''عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ تباہ کر دیتی ہے۔آدمی کو چاہیے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتے رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے،بلکہ اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہو۔''(حضرات القدس،ص 2/167)

الحمدللہ! حسن ادب میں بھی آپ لاثانی تھے۔حضرت احمد سرہندی،مجدد الف ثانی،امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ادب و احترام کی دولت سے مالا مال تھے۔اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ کے نام پاک کے ساتھ جل سبحانہٗ،جل سلطانہٗ کے کلمات اور حضور پُرنور،نبی کریم،رؤف و رحیم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ درود و سلام کا خصوصی اہتمام فرماتے۔جہاں اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ کا ذکر خیر کرتے،وہاں حسن ادب کی تابانیاں قابل دید ہوتیں۔بزرگوں کی بارگاہ میں نہایت عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرتے۔

مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''حضرت مجدد سرتا پا اکابر سلف و خلف کی محبت اور مدحت میں غرق تھے لیکن اگر ان بزرگوں کے کلام سے آپ نے اعراض فرمایا ہے تو وہ محض نیک نیتی اور حکمت و الہام و اعلام پر مبنی ہے۔''(حضرات القدس،ص 2/152)

آپ نے بعض مقامات پر بعض بزرگانِ دین سے اختلاف فرمایا لیکن ہر مقام پر ان کا ادب ملحوظ خاطر رکھا۔حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی تاویل و توجیح اس انداز سے کی کہ اُن پر کوئی حرف نہ

آئے۔یہ آپ کے حسن ادب کا ثبوت ہے۔بعض مقامات پر اختلاف کے باوجود حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا:''کیا عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شطح خلاف جواز کے جناب شیخ مقبولانِ بارگاہِ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست (مکتوب 77،دفتر سوم)

ایک جگہ اُن کے اس طرح شکر گزار ہیں:''اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں ان میں سے اکثر نے جناب شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے۔ہم پسماندگان انہی بزرگوار کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری طرف سے اُن کو جزائے خیر عطا فرمائے۔(مکتوب 79،دفتر سوم)

جابر سلطان کے سامنے حق گوئی کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔آپ حق گو، بے باک، نڈر اور بہادر شخصیت کے مالک تھے قاضی ظہور احمد اختر لکھتے ہیں:''حضرت مجدد نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ و جلال اقتدار کے ہوتے شاہانِ وقت پر تنقید کی وہ ان ہی کا حصہ تھا۔اس نازک دور میں حکومت یا سربراہانِ حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے۔اس زمانے و دور میں ذرا ذراسی باتوں پر تختۂ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا، بلکہ شہنشاہِ اکبر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا۔(فسانہ سلطنت مغلیہ،ص 130،بحوالہ مجدد نمبر نور اسلام،ص 2/152)آپ کی حق گوئی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ابوالفضل سے ملنے آئے،ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ آپ روزے سے ہیں۔اس نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا:چاند کے متعلق ابھی تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی۔ابوالفضل نے کہا:بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے،اب کیا عذر ہے؟بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔''بادشاہ بے دین است،اعتبار ندارد۔''بادشاہ بے دین ہے،اس کا کوئی اعتبار نہیں۔(الفرقان،مجدد الف ثانی نمبر،ص 87)

اندازہ کیجئے کہ مغل اعظم کے بہت بڑے ''حواری'' کے سامنے مغل اعظم پر اس قدر سخت تنقید کرنا کس بے خوفی،حق گوئی اور بہادری کی علامت ہے۔مکتوبات شریف کا مطالعہ کریں۔آپ نے حکومت وقت کی خوب خبر لی۔مثلاً جہانگیر کے دور میں اس کے باپ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد۔آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی (یعنی عہد اکبری) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا۔اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔اس سے پہلے کبھی اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت: **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** سے ظاہر ہے۔لیکن زمانہ ماضی میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دار اسلام میں احکام کفر جاری کرتے تھے، اور مسلمان احکام اسلام ظاہر کرنے سے عاجز و قاصر تھے،اگر ظاہر کرتے تو قتل کردیئے جاتے تھے۔''(مکتوب 47،دفتر اوّل)

قارئین کرام!اب درج ذیل میں آپ حضرت احمد سرہندی،مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صبر و ہمت،حب اللہ و

رسول اور حبِ دین متین، دین اللہ،صبر و استقامت، تسلیم و رضا کو دیکھئے اور اس کے آخر میں ارشادات سے پہلے اس کے ثمرات کو بھی پڑھیے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دور ازحد پُر آشوب تھا۔بدعت وضلالت کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔کفر و شرک کی خزائیں زوروں پر تھیں۔اکبرِ اعظم کی اسلام دشمنی اور جہانگیر کی آزادروی کے سامنے ایک فقیر بارگاہِ رسالت تھا جس کے عزم واستقلال نے اندھیروں اور خزاؤں کا تسلط ختم کیا اور شہنشاہوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم کردیں۔اللہ اللہ!! آپ کے عزم و استقلال کی درخشندہ مثال سے تاریخ حریت جگمگا رہی ہے۔بادشاہِ وقت نے سجدۂ تعظیمی کے لئے مجبور کیا لیکن آپ نے فرمایا: جو سر بارگاہِ الوہیت میں جھکتا ہو، کسی اور کے دروازے پر کیسے جھک سکتا ہے؟بادشاہ غیظ وغضب کا نشان بن گیا۔ادھر آپ کے مخلصین نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہوں کے لئے سجدۂ تعظیم جائز ہے، سجدۂ تعظیمی کرلیں، آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔اس مردِ حق آگاہ نے فرمایا: ''یہ فتویٰ تو رُخصت ہے عزیمت یہ ہے کہ سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔'' (مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، صفحہ 176)

پھر اس کے بعد آپ کو طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا لیکن مجال ہے جو عزم و استقلال کے عظیم پیکر کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہو۔ایسی استقامت کی توقع فاروق اعظم کے لختِ جگر سے ہی کی جاسکتی ہے۔حضرت علامہ اقبال آپ کے عزم واستقلال کو یوں سلام پیش کرتے ہیں:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں: ''نہ معلوم اس ہندو راجپوت نے کیا سلوک کیا، آگرہ سے گوالیار کس طرح لے گیا، قلعہ گوالیار میں لے جا کر کیا کیا، ہاں اس پائے نازنین کو پابند سلاسل کیا، یہ کیسا ظلم کیا، سرزمین ہند میں اس کے جاں نثار و فداکار اس اشارے کے منتظر ہیں مگر وہ اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے۔ظالم، ظلم کیے جا رہے ہیں مگر وہ لطف اُٹھا رہا ہے۔کیا چشمِ عالم نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے؟ ظالم نے نہ صرف پابند سلاسل کیا بلکہ گھر اُجاڑا، مال واسباب، کتب خانہ ضبط، جائیداد ضبط، کنواں ضبط، زمین ضبط، جو کچھ پاس تھا سب کچھ ضبط کر کے آپ بے آسرا کردیئے گئے، مگر جس کا آسرا خدا پر ہو وہ کسی اور آسرے پر نہیں رہتا۔'' (سیرت مجدد الف ثانی، صفحہ 167)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے مکتوبات آپ کے جذبۂ تسلیم و رضا کے بہترین عکاس ہیں۔آپ عالم اسیری میں لکھتے ہیں: ''میر نعمان کو معلوم ہوا ہوگا کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہرچند میری رہائی کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر ہے۔مقتضائے بشریت مجھ کو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن تھوڑے ہی زمانہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے وہ رنج اور دل کی تنگی فرحت و شرح صدر سے بدل گئی، اور یقین خاص

سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو میرے درپئے آزار ہے، اللہ جل سلطانہٗ کی مراد کے موافق ہے تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی بے معنی اور دعوئ محبت کے منافی ہے۔'' (مکتوب 15، دفتر سوم)

ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں: ''آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ درپئے آزار ہیں ان کی طرف سے بد دل نہ ہوں بلکہ اُن کے فعل سے لذت حاصل کریں ......اور جو میں نے جور و جفا کو صورت غضب کا آئینہ کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں غضب دشمنوں کا حصہ ہے، دوستوں کے لئے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً عین رحمت ہے۔اس صورت غضب میں محبّ کے لئے اتنے منافع ودیعت کئے گئے ہیں کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے۔'' (مکتوب 15، دفتر سوم)

اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں: ''فرزندانِ عزیز! خاطر جمع رکھو، لوگ ہر وقت ہماری تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے۔اس کے برابر کون سی نعمت ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس شخص کو بے اختیار کر کے خود اس کے ارادے اور اختیار سے باہر نکال لے اور اپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشے، حتیٰ کہ اس کے امور اختیاریہ کو بھی اس سے بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دستبردار کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیا جائے۔قید کے زمانے میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجب لطف اُٹھاتا تھا اور انوکھا مزہ پاتا تھا۔فراغت والے مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں، بچوں کو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے، لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ شیرینی کو ایک جو میں بھی نہیں خریدتا۔ **والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ**۔ (مکتوب 83، دفتر سوم)

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کے فیضان نے آپ کو ملت اسلامیہ کا پاسبان بنا دیا۔ آپ نے اپنی جرأت واستقامت سے اکبری و جہانگیری طوفانوں کے رُخ موڑ دیئے اور کفرستان ہند میں اسلام کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس بات پر مورخین کرام کا اجماع (اتفاق) ہے کہ اگر آپ کی ذات مقدسہ سرزمین ہند میں جلوہ افروز نہ ہوتی تو ''دین الٰہی'' کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔

اس سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا: ''آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وقال الرسول اللہ ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے، یا **لا الٰہ الا اللہ** کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بارِ منت ہے۔اگر حضرت مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے (یعنی کہ نہ کلمات حمیدہ کا اعلانیہ ذکر و ورد ہوتا) الا ماشاءاللہ۔ (سیرت مجدد الف ثانی، تقدیم صفحہ 10)

آپ نے سن ہجری کے مطابق 63 سال کی عمر پائی۔ماہِ صفر کی 28 تاریخ اور سن 1034 ہجری بمطابق 30 نومبر 1624ء کو بوقت اشراق آپ کا وصال سرہند شریف میں ہوا۔وہیں آپ کا مزار اقدس ہے جو زیارت گاہ عام وخاص ہے۔**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف عالیہ خصوصاً مکتوباتِ امام ربانی میں تعلیماتِ قرآن، سنت وحکمت کی ایسی بے شمار ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں اور اپنے خوبصورت انداز سے چند لفظوں میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں یا بالفاظ دیگر آپ نے کوزے میں دریا کو سمو دیا ہے۔

فلاحِ دارین اور تبلیغ دین کی خاطر آپ کے چند ایسے ارشادات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں،آپ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔

۲۔ جب تک انسان قلبی مرض میں مبتلا ہے اس وقت تک اس کی کوئی عبادت نافع نہیں ہے۔

۳۔ انبیائے کرام نے وحدت وجود کی نہیں بلکہ وحدت معبود کی دعوت دی تھی۔

۴۔ شریعت کا مقصود نفسانی خواہشات کو زائل کرنا ہے۔

۵۔ شریعت تمام دُنیاوی واُخروی سعادتوں کی ضامن ہے۔

۶۔ صاحب شریعت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے۔

۷۔ سعادت دارین کی دولت سرورِ کونین ﷺ کی متابعت پر موقوف ہے۔

۸۔ آدمی کو کھانے پینے کے لئے نہیں بلکہ عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

۹۔ شریعت کی پیروی اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت نجات اُخروی کی ضامن ہے۔

۱۰۔ دین متین سے فساد کے لزومات کو دفع کرنا ضروریات دین سے ہے۔

۱۱۔ شریعت وطریقت میں بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔

۱۲۔ شریعت وطریقت ایک دوسری کا عین عکس ہیں۔

۱۳۔ ولالت فصوص سے نہیں بلکہ نصوص سے ہوتی ہے۔

۱۴۔ مذہب اہل سنت والجماعت کی بال برابر مخالفت بھی خطرناک ہے۔

۱۵۔ کتاب وسنت کے وہی معنی معتبر ہیں جو علمائے اہل سنت نے سمجھے ہیں۔

۱۶۔ جو مذہب اہل سنت سے جدا ہوئے وہ گمراہی اور خرابی میں جا پڑے ہیں۔

۱۷۔ اہل سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا بد اعتقادی اور سم قاتل ہے۔

۱۸۔ اہل سنت والجماعت ہی ناجی گروہ ہے۔

۱۹۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ناجی گروہ میں داخل فرمایا۔

۲۰۔ سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد رکھتا ہے۔

۲۱۔ صحابہ کرام پر طعن کرنا قرآن مجید اور شریعت محمدیہ پر طعن کرنا ہے۔

۲۲۔ صحابہ کرام کی پیروی کا پابند صرف اہل سنت والجماعت کا گروہ ہے۔

۲۳۔ صحابہ کرام میں عیب نکالنا پیغمبر خدا کی ذات میں عیب نکالنے کے مترادف ہے۔

۲۴۔ بعض صحابہ میں عیب نکالنا سب کی متابعت سے محروم ہونا ہے۔

۲۵۔ صحابہ کے معاملے میں زبان کو سنبھالنا اور انہیں اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیے۔

۲۶۔ تمام صحابہ کرام کی پیروی ضروری ہے کیونکہ اصول میں وہ سب متفق تھے۔

۲۷۔ صحابہ شریعت کے تابع تھے اور ان کا اجتہادی اختلاف حق کی سربلندی کے لئے تھا۔

۲۸۔ تمام صحابہ کرام افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر متفق تھے۔

۲۹۔ خلفائے راشدین کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔

۳۰۔ سادات سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے باعث محبت رکھنی چاہیے۔

۳۱۔ علماء کی سیاہی قیامت میں شہیدوں کے خون سے وزنی ہوگی۔

۳۲۔ علماء ہی شریعت کے حامل ہیں، انہیں ترجیح دینے میں شریعت کا احترام ہے۔

۳۳۔ لوگوں کی نجات علماء حق کے ساتھ وابستہ ہے۔

۳۴۔ حقیقت سے واقف کار علماء کی دعا وتوجہ کا طالب رہنا چاہیے۔

۳۵۔ حلال وحرام کے معاملے میں ہمیشہ دین دار علماء کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

۳۶۔ تمام نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین داروں اور شریعت کی پابندی کرنے والوں سے میل جول رکھا جائے۔

۳۷۔ دنیا کی رغبت رکھنا علماء کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔

۳۸۔ دولت کے حریص یعنی دنیادار علماء کی صحبت زہر قاتل ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت عبداللطیف (بری امام)

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی عبداللطیف ہے ۔چند کرامات وواقعات کے سبب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ "بُری" کا اضافہ ہوگیا۔آپ کی تاریخ لکھنے والوں میں سے ایک شخص بنام غلام حسین شاہ بدری نے ایک رسالے میں آپ کے نام کے ساتھ لفظ "امام" کا مزید اضافہ کردیا اور اس کی اس نے کوئی توجیہہ نہیں لکھی اور وقت رفتہ کے ساتھ آپ کا اسم مبارک عبداللطیف بُری امام ہوگیا۔

آپ کو علوم ظاہری و باطنی پر مکمل دسترس حاصل تھی اور اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بلند تھا۔آپ کا تقویٰ اور پرہیزگاری مثالی تھے ۔لڑکپن ہی سے آپ نے دنیاوی و دینی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضات، مجاہدات اور عبادات کو بھی اپنالیا۔آپ نے بہت کٹھن مجاہدات وریاضات کی ہیں۔آپ تو پہلے بھی فقر کو اپنائے ہوئے تھے، بچی اور بیوی کی وفات کے بعد آپ مکمل طور پر دنیا سے کنارہ کش ہوگئے ۔تنہائی میں شب و روز یادالٰہی میں مصروف رہتے اور آپ نے غاروں اور ویرانوں کو اپنا مسکن بنالیا۔آپ بہت کمال کے صاحب کشف وکرامات تھے اور آپ نے اپنے اخلاق، تبلیغ اور کشف وکرامات سے ہزاروں کو مسلمان کیا اور راہِ ہدایت دکھائی۔آپ اہل تقویٰ و اہل ریاضات ومجاہدات کے امام تھے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال دونوں ہی نامعلوم ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے کتنی عمر پائی ۔ہاں یہ ضرور معلوم ہے کہ آپ شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں تھے، اور اورنگ زیب عالمگیر نے جب حکومت سنبھالی تو اس کی عمر اس وقت چالیس سال تھی اور اورنگ زیب نے 1658ء بمطابق 1068ء سے 1707ء بمطابق 1119ھ تک ہندوستان پر حکومت کی۔حضرت پیر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ المعروف دمڑی والی سرکار، کھڑی شریف آزاد کشمیر، آپ کے ہم عصر ہی نہیں بلکہ آپ کے پیر بھائی بھی ہیں۔آپ نے اورنگزیب عالمگیر کو ایک عصا بھی عنایت فرمایا جس کی خیر و برکت سے اورنگ زیب نے مرہٹوں کے خلاف جنگ جیتی ۔یعنی کہ آج (2008) سے تقریباً 300 سال سے 350 سال پہلے جہلم سے لے کر حسن ابدال

تک آپ کی روحانی حکمرانی تھی۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کا اصل نام عبداللطیف (رحمۃ اللہ علیہ) ہے۔آپ کے آباؤاجداد کاظمین شریف ملک عراق سے ہجرت کرکے، ضلع راولپنڈی، تحصیل گوجرخان کے قصبہ سید میں آ کر آباد ہوئے۔حضرت امام بری رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

آپ کے والد ماجد،بہت متقی اور پرہیز گار تھے اور اپنے اخلاق قول وفعل سے لوگوں کو دین اسلام کی طرف راغب کرتے تھے۔آپ کے والد ماجد صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب حال وقال بھی تھے اور روحانیت آپ کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔آپ عہد جہانگیری میں چکوال کے قریب موضع چونی کریال تحصیل چکوال میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔آپ کے والد اہل علم ہونے کے ساتھ صاحب حال وقال بزرگ تھے۔ظاہری اور باطنی تربیت میں انہوں نے اپنے ہونہار بیٹے کی پوری پوری رہنمائی فرمائی۔پھر بیٹے کو یہاں سے فارغ کرنے کے بعد ضلع اٹک کے شہر غورغشتی دینی علوم کے حصول کے لیے بھیج دیا۔ان دنوں اس دینی مدرسے کی ہر طرف بڑی دھوم تھی۔یہاں آپ نے فقہ،حدیث،منطق،علم الکلام علم طب،علم الادب اور علم روحانی کی منازل طے کیں۔

ظاہری اور باطنی علم کی تکمیل کے بعد،حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔آپ کو بچپن ہی سے عبادت وریاضت کے ساتھ پوری لگن تھی۔آپ کی شادی ہوئی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بیٹی دی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔جلد ہی آپ کی بیوی اور بچی دونوں وفات پا گئیں ان کی موت کے بعد آپ نے مکمل طور پر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور ذکر خداوندی میں مشغول ہو گئے۔

آپ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر،بمقام حجرہ شاہ مقیم بیعت ہوئے۔حضرت بری امام اور حضرت پیر شاہ بخاری المعروف دمڑی والی سرکار،کھڑی شریف آزاد کشمیر،پیر بھائی ہیں۔

آپ دھیرکوٹ کے قصبے میں تشریف لے آئے اور تبلیغ دین کا فرض پورے انہماک سے ادا کرنے لگے۔لوگوں کو بتوں کی پوجا چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔آپ کی زبان وبیان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بلا کی تاثیر رکھی تھی۔آپ اس سادہ اور موثر انداز میں دین محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغام پہنچاتے کہ لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی۔ہزاروں کی تعداد میں بتوں کی پوجا کرنے والے افراد آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

سرداروں کے ستائے ہوئے لوگ تو اسلامی مساوات سے متاثر ہو کر فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے،مگر سردار،امیر اور جاگیر دار آپ کے دشمن ہو گئے کیونکہ جن کے طفیل ان کی سرداریاں قائم تھیں یعنی اُن کے زیر دست وہ تو سارے مسلمان ہوتے جا رہے تھے۔آپ نے ان امیروں،سرداروں کو بڑی سادگی اور نرمی سے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی مگر وہ لوگ

آپ کے دشمن ہو گئے۔

نصیبوں کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں۔یہ رب ذوالجلال کی مرضی ہے کہ ایک بھائی کو تاج شاہی بخش دے اور دوسرے کو دولت ولایت سے سرفراز کردے۔مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیرالدین بابر کے ایک بیٹے ہمایوں کو تاج شاہی نصیب ہوا اور دوسرے بیٹے کامران کی آٹھویں پشت کو حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ولایت سے نوازا گیا۔لاہور دریائے راوی میں جو بارہ دری ہے یہ اسی کامران نے بنوائی تھی جو کہ آج تک موجود ہے۔یہاں یہ یاد رہے کہ حضرت لال حسین المعروف مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ ہے اور آپ کا زمانہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ ہے۔یہ مذکورہ حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کوئی اور ہیں۔

بالکل اسی طرح یعنی مذکورہ بالا کے متصادق اُس عمومی مخالفت کے باوجود کچھ سردار قبیلہ وقوم آپ کی پند و نصائح کو صبر و تحمل سے سن لیتے تھے۔اور اسی دوران ایک دن ان کا ایک بڑا سردار آپ کی تبلیغ ،پند و نصائح اور اخلاقِ کریمہ سے بہت متاثر ہوا اور وہ اپنے پورے خاندان اور پورے حلقہ اثر سمیت مسلمان ہوگیا۔بعد میں یہ ہندو سردار رودو نیگ شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔آپ نے اسے خرقہ خلافت بھی عطا کیا،اس لیے دوسرے سرداراس سردار کے،اس کے خاندان کے، برادری اور تمام حلقہ کے جانی دشمن ہو گئے اور دشمنی بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ تلواریں نکل آئیں۔جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ ستی نامی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے دشمن تھوڈ قبیلے کے لوگ تھے۔بڑی زبردست جنگ ہوئی جس میں تھوڈ قبیلے کو زبردست شکست ہوئی ان کے سینکڑوں لوگ مارے گئے باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔اس شکست کے بعد قبیلہ تھوڈ کے بیشتر لوگ آپ کی روحانی قوت و اخلاقِ کریمہ کے سبب مسلمان ہو گئے اور اس علاقے میں اسلام کی روشنی سے سینے منور ہو گئے۔

عالی مقام اولیاء اللہ کی طرح آپ کے کشف و کرامات بہت ہیں۔درج ذیل میں چند ایک کا بیان ہے:۔

ایک روایت کے مطابق جب آپ کی شادی ہوئی تو اس کے بعد آپ سے کئی کرامات سرزد ہوئیں۔ان کرامات کو جادوگری سمجھ کر کچھ آپ کے اپنے لوگ ہی آپ کے دشمن بن گئے۔آپ کے سسرالی رشتہ داروں نے یہاں تک دشمنی کی کہ آپ کو جان سے مار دینے پر تُل گئے۔آپ تو بہت حد تک پہلے ہی تارک الدنیا تھے۔جب بیوی اور بیٹی فوت ہو گئیں تو دنیا سے رہا سہا تعلق بھی توڑ لیا۔ایک دن آپ اندھیرے میں جا رہے تھے کہ دشمنوں نے آپ کا پیچھا کیا۔آپ نے بھی سمجھ لیا کہ دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں اور جان کے درپے ہیں۔چنانچہ آپ نے ایک قدرتی تالاب کے قریب پہنچ کر انہیں پلٹ کر دیکھا اور تالاب میں چھلانگ لگا دی۔تالاب کی تہہ میں پڑے ہوئے پتھروں پر بیٹھ کر بارہ سال آپ نے ذکرِ الٰہی فرمایا۔

قدرت اللہ شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خودنوشت بنام "شہاب نامہ" میں ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ وہ جب لندن لائبریری میں گئے تو وہاں حضرت بری امام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تذکرہ نظر سے گزرا جو تین سو سال پہلے ہو گزرے ہیں۔ان کی کتاب میں ایک پیش گوئی تحریر تھی جس کے مطابق ان کے مسکن نور پور شاہاں کے قریب ایک اسلامی شہر تعمیر ہوگا۔یہ شہر ٹھیک تین سو

سال بعد اسلام آباد کی صورت میں صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم نے تعمیر کروایا۔ اس کی تعمیر سے پہلے پاکستان کا دارالخلافہ کراچی میں تھا۔

یہ آج (2008) سے تقریباً ساڑھے تین سو (350) سال قبل کی بات ہے کہ جہاں اب اسلام آباد کا خوبصورت شہر اور سرسبز وادیاں حسن فطرت کا عکس جمیل نظر آتی ہیں وہاں اُجاڑ جنگل، بیابان ٹیلے، پہاڑ اور کہیں کہیں پہاڑی گاؤں تھے۔ انہی جنگلوں میں ایک شیشم کے سوکھے ہوئے درخت کے نیچے ایک دن ایک نورانی چہرے والا بزرگ بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ہندو یاتریوں کا ایک قافلہ گزرا۔ اس قافلے کے لوگوں نے کافی سامان اُٹھا رکھا تھا۔ سوکھے درخت کے نیچے بیٹھے بزرگ نے ان سامان سے لدے ہوئے لوگوں کو دیکھا تو پوچھا: اتنا بوجھ اُٹھائے ہوئے کہاں جارہے ہو؟ اُن میں سے ایک نے کہا: ''ہم پریاگ جارہے ہیں۔'' آپ نے پوچھا: وہاں کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہاں گنگا، جمنا میں اشنان کر کے اپنے پاپ دھولیں گے۔'' اُس بزرگ نے مسکرا کر فرمایا: ''گناہ نہانے سے صاف نہیں ہوسکتے۔ بلکہ تقویٰ، نیکی اور بھلائی کے کام اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت سے انسان گناہوں سے پاک ہوسکتا ہے۔ ان ہندو یاتریوں نے اس بزرگ کا مذاق اُڑایا۔ ان ہندوؤں میں سے ایک پروہت بولا کہ اگر صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت سے ہی گناہوں سے انسان پاک ہوسکتا ہے اور خدا کے قریب ہوسکتا ہے اور اس کا مقرب اور مقبول انسان بن سکتا ہے تو خدا نے تم پر رحم کیوں نہیں فرمایا؟ اگر ایسا ہی ہے یعنی کہ اگر تو سچا ہے تو اس سوکھے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اس کو ہرا کیوں نہیں کر دیتا؟

آپ مسکرائے اور کلام پاک کی ایک آیت کریمہ پڑھنی شروع کی اور بعد میں اللہ جل شانہٗ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی آپ کی دعا اسی وقت قبول ہوئی اور وہ سارا درخت ہرا بھرا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سارے ہندو حیران رہ گئے اور خدا کے خوف سے ان کے رنگ اُڑ گئے اسی وقت سارا قافلہ مسلمان ہو گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ، قادر مطلق کے حکم واذن سے کرامت دکھانے والے اور ایک قافلہ کو مسلمان کر لینے والے، گمراہوں کو راہ ہدایت دکھانے والے یہ ولی اللہ حضرت سید عبداللطیف بری امام رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

جب اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہندوستان نے مرہٹوں کے خلاف جنگ جیتنے کے لئے دعا کے لئے کہا تو آپ نے بادشاہ عالمگیر کو ایک عصا عطا کیا تھا۔ کہتے ہیں اس کی خیر و برکت سے اورنگ زیب عالمگیر نے مرہٹوں سے جنگ جیتی تھی۔

آپ کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ ''بری'' کے اضافے سے متعلق بہت سی روایات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک طویل عرصہ تک پانی میں کھڑے ہو کر عبادت الٰہی کی۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو ''بحری'' کہنے لگے اور پھر وقت رفتہ کے ساتھ یہ لفظ بگڑتے بگڑتے بحری سے بری بن گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آپ چلہ کشی سے فارغ ہوئے تو آپ کے مرشد حضرت جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آ کر آپ کو غار سے باہر نکالا اور اس خشک علاقے یعنی بَر کو آپ کی روحانی قلمرو قرار دیا۔ چنانچہ اس دن سے آپ کا نام امامِ بَر پڑ گیا جو

بعد میں امام بری بن گیا اور پھر یہی نام مشہور ہو گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت امام بری عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے متاثر ہو کر آپ کو بہت بڑی جاگیر کی پیش کش کی تھی۔ آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ اگر بادشاہ کے دل میں مجھ پر نوازشات کے لیے اتنا ہی نیک جذبہ ہے تو اس سارے علاقہ پوٹھوہار کا مالیہ اور لگان معاف کر دے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور مزید اس علاقہ کے معاشی استحکام کے لیے اور بہت سی نوازشات کیں۔ کیونکہ شہنشاہ ہندوستان اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کے کہنے پر ایک بہت وسیع و عریض علاقے کے تمام باشندوں کو مالیہ، لگان اور دیگر لوازماتِ زمین و زمینداری سے بالکل "بری الذمہ" قرار دے دیا، ان کی ادائیگی سے ایک دم "بری" کر دیا اس لئے سارے علاقے کے لوگوں نے آپ کو احتراماً "بری" یا "بری پیر" کا معزز القاب دے دیا اور پھر لوگ آپ کو اسی نام یا القاب سے یاد کرنے لگے۔ امام کا لفظ آپ کے نام کے ساتھ پہلے نہیں تھا۔ البتہ آپ کی تاریخ لکھنے والوں میں سے ایک شخص غلام حسین شاہ بدری نے ایک رسالے میں آپ کے نام کے ساتھ امام کا لفظ لکھا ہے لیکن اس کی کوئی توجیہہ نہیں لکھی اور نہ ہی اس پر کسی اور نے روشنی ڈالی۔

☆......☆......☆......☆......☆
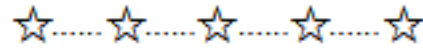
حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ (سلطانِ ہند)

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی اورنگ زیب عالمگیر ہے۔آپ مغل فرماں روانِ ہندشاہجہان کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔آپ اپنے والد بزرگوار کے بعد ہند کے تختِ شاہی پر براجمان ہوئے اور آپ نے ہر پہلو سے اور خاص طور پر دین متین کے حوالے سے حکومت کو اس خوبی سے چلایا کہ اپنے آباؤاجداد کو مات کر دیا۔

آپ شروع سے ہی دین اسلام سے بہت لگاؤ رکھتے تھے۔اور اس پر حسن وخوبی سے عمل پیرا رہے۔دنیاوی اور اسلامی علوم میں آپ نے خوب مہارت حاصل کی اور تخت نشین ہونے کے بعد آپ نے پہلی فرصت میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔مغلیہ خاندان میں آپ واحد بادشاہ ہیں جسے یہ دولت نصیب ہوئی۔آپ بہت عادل ،مہربان ،بہادر، جفاکش،نڈر اور عالی ہمت اور حوصلہ والے تھے۔آپ علماً اور صوفیاء کرام کا بہت عزت واحترام کرتے تھے۔آپ بارگاہِ رسالت کے بھی منظورِ نظر تھے۔آپ کو مذہب اسلام سے بے پناہ محبت تھی۔آپ نے اپنے دور میں اسلام کو زندہ کیا اور آپ کو علماء کرام نے ''محی الدین'' کا لقب دیا۔آپ بہت حاضر جواب اور فراست ولیاقت کے حامل تھے۔آپ کے آباؤاجداد نے دین اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ اپنے بھائیوں اور خاندان میں صرف آپ ہی دین اسلام سے لگاؤ رکھنے والے تھے اس لئے وقت کے صوفیاء کرام کی دعائیں ہمیشہ آپ ہی کے ساتھ تھیں۔آپ میں باطل اور باطل پرستوں کا خاتمہ کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔آپ خود بھی بلند پایہ عالم دین تھے اور آپ نے ہمیشہ علم ودانش، تعلیم وعلماء کی سرپرستی کی۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ 15 ذی قعدہ 1027 ہجری بمطابق 24 اکتوبر 1618ء کو مغل شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔آج (سن 2008) سے تین سو اکاون (351) سال پہلے ہند کے تخت شاہی پر تخت نشین ہوئے۔آپ نے سنِ ہجری کے لحاظ سے 92 سال کی عمر پائی اور آخری دم تک سلطنت ہند کے حکمران آپ ہی رہے۔آپ نے 1119ھ بمطابق 1707ء میں احمد نگر کے مقام پر وصال فرمایا۔

حالات،مناقب،ارشادات:

سلطان اورنگ زیب عالمگیر 15ذی قعدہ 1027ہجری بمطابق 24اکتوبر 1618ء کومغل شاہی خاندان میں پیدا ہوا،اس وقت کے نامور علماء کرام مولانا عبداللطیف سلطان پوری،میر محمد ہاشم گیلانی،ملاموہن بہاری،علامہ سعداللہ خان،مولانا احمد جیون،مولانا سید محمد قنوجی،مولانا عبدالقوی اور دانشمند خان وغیرہ سے علم وفضل کی منزلیں طے کیں۔تخت نشین ہونے کے بعد حفظ قرآن کی دولت حاصل کی۔خاندان مغلیہ میں یہ واحد بادشاہ ہے جسے یہ دولت نصیب ہوئی۔علم حدیث وتفسیر اور تصوف اسلامی کا گرویدہ تھا،بخاری شریف کا درس نبیرہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ محمد فرخ مجددی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔

آپ کے تمام اساتذہ کرام صحیح العقیدہ اور باعمل علماء تھے۔جن کی برکت نے آپ کو فلسفہ ہنود سے ہمیشہ دور رکھا،آپ کو دین کی فقہ سے خصوصی شغف تھا جس کا عملی ثبوت ''فتاویٰ عالمگیری'' عالمگیر کا کارنامہ ہے۔تصوف میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں ''احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت'' اکثر آپ کے مطالعہ میں رہتیں۔(مقدمہ رقعات عالمگیر،ص 129)

آپ کی فطرت میں اسلامی تعلیمات کا اثر ونفوذ اس قدر تھا کہ دارااور اس کے حواری برسر دربار آپ کو''نمازی اور فقیر'' کہہ کر مذاق اُڑاتے تھے۔(ایضاً)

قارئین کرام!اگر اس موقع پر چیدہ چیدہ تاریخی حقائق کو بیان کردیا جائے تو آپ کو سلطانِ ہند حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب،حق پرستی،حب دین اسلام اور کردار کو صحیح طور پر سمجھنا بہت آسان ہوجائے گا۔شہنشاہ اکبر کے ایجاد کردہ ''دین الٰہی'' نے دین اسلام اور معاشرے میں اسلامی قدروں کو بہت سخت نقصان پہنچایا۔اکبر کے بعد شاہجہان نے بھی اس بھیانک روش کو نہ بدلا اور شاہجہان کو اپنے دوسرے بیٹے ''دارا'' کے ساتھ زیادہ محبت تھی۔اس نے اپنے آخری دنوں میں،جب وہ بڑھاپے میں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوگیا،''داراشکوہ'' کو سلطنت مغلیہ کا وارث قرار دیا۔اس عمر میں ''دارا'' دین اسلام کے حق میں اتنا ہی بُرا تھا جتنا کہ اس کے آباؤ اجداد خاص طور پر شہنشاہ اکبر۔

اب جب کہ 1657ء میں شاہجہان بڑھاپے اور ایک مہلک مرض کے سبب آگرہ کے قلعہ میں مقیم ہوکررہ گیا تو اس کے بیٹوں اورنگ زیب عالمگیر،شجاع،داراشکوہ اور مراد کے درمیان خانہ جنگی کی ہولناک کیفیت پیدا ہوگئی۔اس عہد کا مذہبی وسیاسی ماحول بہت ناگفتہ بہ ہوگیا تھا۔دارا اور شجاع نظریاتی طور پر اکبر اعظم کی تصویر ثابت ہوئے۔سب سے چھوٹے مراد میں سیاسی سوجھ بوجھ بھی مقابلتاً کم تھی اور فطرتاً بھی وہ آرام وعیش پرست تھا۔

قارئین کرام!اب اس خانہ جنگی کے اہم کردار یعنی کہ شہزادہ ''دارشکوہ'' کے بارے میں بہت ہی اہم معلومات پیش خدمت ہیں:

شروع شروع میں دارا صوفیاء کرام کا بہت عقیدت مند تھا۔جس کی مثال اس کی شہرۂ آفاق کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' ہے۔ وہ صوفیاء متقدمین کی تقلید پر نازاں تھا۔اس کے دل میں حضرت میاں میر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی محبت نقش تھی۔بعدازاں تصوف

کے بے محابا مطالعہ نے اسے چند ''صوفیاءخام'' کی جاروب کشی (چاپلوسی اور بے جا اطاعت وخدمت) پر مجبور کر دیا تو اس کے افکار میں انقلاب پیدا ہوا۔ اب وہ ملا شاہ بدخشی، شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی، محسن فانی کشمیری، حضرت سرمد، اور بابا لال وغیرہ کی صحبت و ارادت کے باعث ہدایت سے بہت دور نکل گیا۔

وہ سکر کو نماز سے برتر سمجھنے لگا، شریعت پر الحاد کو ترجیح دینے لگا، رشتہ تسبیح وزنار (زُنار۔ وہ تاگا یا ڈوری جو ہندو پہنتے ہیں) کو ایک انداز سے دیکھنے لگا۔ راسخ العقیدہ علماء کرام اسے ملایان قشر اور زاہدانِ خشک نظر آنے لگے۔ ''مجمع البحرین'' جیسی کتاب لکھ کر ''وحدت ادیان'' کا مبلغ ہوگیا۔ سرمد جیسے آزاد منش لوگ اسے کعبہ وبت خانہ، کے امتیازات سے نا آشنا کر گئے تو وہ کفر اور اسلام کو ایک ہی لڑی میں پرونے لگا۔ اس نے سادھی بابا لال تعمیر کر ڈالی جہاں جہالت کی درس گاہ قائم تھی۔

اس عمر میں تبدیل شدہ دارا شکوہ کے خیالات کا اندازہ اس کی اپنی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔ ''الحمدللہ! کہ از برکت صحبت ایں طائفہ شریفہ مکرمہ معظّمہ از دل ایں فقیر اسلام ح قیقی برخاست وکفر حقیقی روی نمود، قدر کفر حقیقی دانستم، زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین گشتم۔ ترجمہ: یعنی اس شریف، مکرم اور معظم گروہ کی صحبت کی برکت سے اس فقیر کے دل سے ''اسلام حقیقی'' برخاست اور ''کفر حقیقی'' نمودار ہو چکا ہے۔ کفر حقیقی کی قدر جانتا ہوں، زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست ہوں اور دیر نشین ہوں۔ (رقعات عالمگیر ص 322)

اس طرح وہ اسلام اور کفر کے درمیان کوئی بنیادی فرق تصور نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک ''حقیقت الحقائق'' اور ''تحقیق رموز ودقائق'' یہ ہے کہ صوفیا اور ہندو مت میں اختلاف لفظی ہے۔ (مجمع البحرین ص 80)

دارا شکوہ نے ہندوؤں کی مشہور کتاب ''اپنشد'' کا ابتدائیہ لکھا جس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کی رائے دیکھئے:

''اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا بالکل ہندو بن گیا تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہوتا تو رہے سہے اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے۔'' (مقالات، جلد 7، ص 101)

علاوہ ازیں اس نے اپنی مہر پر اسمائے الٰہی کی بجائے ''پربھو'' کندہ کروایا جو ہندوؤں کا دیوتا ہے، اسے مندروں کی تعمیر و آرائش میں خصوصی دلچسپی تھی، اس نے ہندوؤں کے ٹیکس بھی معاف کرائے، اس نے غلط صوفیاء کو بڑے بڑے القاب سے نوازا اور اسلام کے نمائندوں کو ''بدبختانِ شریر'' اور ''ابوجہلان محمدی مشرب'' جیسی رقیق گالیاں دیں۔ اس کے چند اشعار اس کے اندر کی عکاسی کرتے ہیں:

بہشت آنجا کہ ملائی نہ باشد
نہ ملا شور و غوغائی نہ باشد
جہاں خالی شود از شور ملا
زفتوئ ہاش پروائی نہ باشد

در آں شہری کہ ملاخانہ دارد
در آنجا ہیچ دانائی نہ باشد

ترجمہ:''بہشت یعنی جنت وہ جگہ ہے جہاں مولوی نہ ہواور مولوی کا شوروغو غانہ ہو۔جہاں شور ملا یعنی مولوی کے شور سے خالی ہوجائے ۔اوراُس کےفتوؤں کوکوئی نہ مانے وہ شہر کہ جس میں مولوی کا گھر ہوگا وہاں پرکوئی عقل ودانائی نہیں ہوگی۔

ان اشعار کےعلاوہ بھی دیگرافکارِ داراشکوہ اس قدر خطرناک تھے کہ اس کا برسرِاقتدار آجانا سرمایہ ملت اسلامیہ کے لئے سوہانِ روح تھا،جن عقائدونظریات کا حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے جلیل القدر جانشینوں نے بڑی کاوش ومحنت کے ساتھ تحفظ فرمایا،اُن پرایک اور''دین الٰہی'' کی خزاں مسلط ہوجاتی،اقبال کہتے ہیں:

تخم الحادے کہ اکبر پروریدہ
باز اندر فطرت دارا دمید

ترجمہ:''الحاد کا بیج جس کو اکبر نے پالا پھر اُس کو دارا کی فطرت میں پھونک دیا۔''

دارا سے چھوٹا شجاع بنگال کا صوبیدار تھا،گووہ بہادر تھالیکن عیاش اور شیعہ تھا۔اس لئے سنی اُمراءاسے قبول نہیں کرتے تھے سب سے چھوٹا مراد گجرات کا گورنر تھا،دلاوری کےعلاوہ جہاں بانی کے دیگراصولوں سے ناآشنا تھا،شراب اورشکار کا شوقین تھا،اس لئے اُمراءاسے پسند نہیں کرتے تھے۔(ریاض التاریخ،ص 664)

ان حالات میں صحیح نائبانِ مصطفےٰ ﷺ کی روحانی توجہ سےاورنگ زیب عالمگیر اسلام کا پاسبان بن کرابھرا،عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کے گہرے عقیدت مندانہ تعلقات تھے،بلکہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ عالمگیر کی کامیابی میں سرہندی ونقشبندیؒ حضرات کی تحریک اوردعائیں شامل تھیں۔

شاہجہان کو دارا کے ساتھ محبت تھی۔اس نے اسے سلطنت مغلیہ کا وارث قرار دیا۔یہ اسلامیانِ ہند پرظلم عظیم تھا۔عالمگیر نے اس سازش کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔اوراس جنگ ولڑائی کو''جنگ تخت نشینی'' کہا جاتا ہے۔عالمگیر کے سوانح نگار''لین پول'' نے''عالمگیر،ص۶۰''پر لکھا ہے کہ''اس نے بڑی جرأت کے ساتھ اکبراوردارا کےنظریات کے خلاف ردِّعمل کے طورپر کام کیا۔'' اس ردِّعمل میں تمام علماءومشائخ نے بھرپور ساتھ دیا۔دعائیں کیں کیونکہ ہندو اکبر جیسا بادشاہ چاہتے تھےاورمسلمان اس بدقسمتی کا شکار نہیں ہونا چاہتے تھے۔(عہد عالمگیر،ص28)

اس سلسلہ میں فرزندگانِ حضرت مجددالف ثانیؒ اورقاضی عبدالوہاب جیسے سرکردہ لوگوں نے حمایت کی۔شیخ برہان الدین شطاری نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔حضرت خواجہ آدم بنوری جیسے بزرگوں نے عالم رویا میں اپنے متوسلین کو عالمگیر کی تائید ونصرت کی تاکید فرمائی۔خواجہ محمدامین بدخشی لکھتے ہیں:''سیدنادمولانا قدس سرہٗ بامرپیغمبراول وآخروا عظم،اصل الموجودات،خاتم النبیین،انسان کامل،حضورانور ﷺ برخلفائے خودظہورنمودہ فرمودند،اورنگ زیب رادرحمایت دارید۔''(نتائج الحرمین)

1657ء میں شاہجہان آگرہ میں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوا، داراشکوہ کے سوا باقی تمام شہزادے اپنے اپنے صوبوں میں تھے، داراشکوہ نے بہت کوشش کی کہ باپ کی بیماری کی خبر دوسروں تک نہ پہنچے لیکن انہیں پتہ لگ گیا اور ہر ایک نے تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے شجاع نے بادشاہت کا اعلان کیا اور اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ اور ایک زبردست لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھا لیکن دارا کے بیٹے سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ نے اسے شکست دے کر بنگال کی طرف بھگا دیا، عالمگیر نے اپنی حیثیت مضبوط کرنے کے لئے مراد کو ساتھ ملایا اور اسے پنجاب، کابل، کشمیر اور سندھ کے صوبے دینے کا وعدہ کیا۔ دونوں کی فوجیں آگرہ کی طرف بڑھیں، دارا کی طرف سے جسونت سنگھ مقابلے کو نکلا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔

اس دوران شاہجہان صحت مند ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ عالمگیر کے مقابلے میں خود نکلے مگر داراشکوہ نے یہ بات قبول نہ کی وہ خود ایک زبردست فوج لے کر اپنے بھائیوں کے مقابلے میں آ گیا۔ 29 مئی 1657ء میں "سامو گڑھ" کے مقام پر عظیم معرکہ ہوا دارا کی فوج بڑی بہادری سے لڑی، قریب تھا کہ وہ جیت جاتی، لیکن نہ جانے کیوں اس دوران داراشکوہ زخمی ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ جس سے فوج نے سمجھا کہ ہاتھی کا ہودہ خالی ہے اور وہ حوصلہ ہار بیٹھی۔ اس کے قدم اُکھڑ گئے، دارا بھی بھاگ گیا۔ عالمگیر نے کوئی موقع ضائع کرنے کی بجائے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ آگرہ پر قبضہ کیا۔ شاہجہان نے اُسے قلعہ میں بلایا مگر وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ اُسے قتل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اُس نے باپ کو قلعے میں نظر بند کر دیا۔ اس فتح کے بعد مراد نے متھرا میں جشن منایا اور خوب داد عیش دی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کی اس حرکت کو سخت ناپسند کیا اور برافروختہ ہو کر اسے گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا۔ جہاں اسے بعد میں مار ڈالا گیا۔

شجاع نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کی لیکن کھجوا کے مقام پر شکست کھا کر ارکان کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں کے راجہ نے اسے اہل وعیال سمیت قتل کر دیا۔ داراشکوہ سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں اس نے ایک ملک (سردار) کے ہاں پناہ لی جس نے غداری کی اور اسے اورنگ زیب عالمگیر کے حوالے کر دیا۔ دارا کو پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک مریل ہاتھی پر سوار کر کے شہر دہلی میں پھرایا گیا اور اس کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اس طرح اورنگ زیب عالمگیر سلطنت مغلیہ کے تخت وتاج کا وارث بن گیا۔ (ریاض التاریخ ص566)

عالمگیر نے دارا کو نظر بند کیا تھا مگر اس کے کفریہ کردار کو سامنے رکھ کر علمائے وقت اور اس کی بہن روشن آرا بیگم اور دوسرے رشتہ داروں نے اس قتل پر صاد کیا۔ (تاریخ شاہجہانی) تذکرہ سلاطین چغتائی، واقعات عالمگیری، نسخہ دلکشاء اور فتوحات عالمگیری جیسی تمام مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ دارا کے قتل سے پہلے علمائے کرام سے قانونی فتویٰ حاصل کیا گیا تھا۔ مشہور سیاح برنیز نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

بعض آزاد خیال لوگ عالمگیر کے اس کردار پر انگشت نمائی سے باز نہیں آتے کہ اس نے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، اور بھائیوں کے ساتھ کس انداز سے پیش آیا۔ اس قسم کے اعتراضات کرنے والے لوگ اس کے عظیم مشن سے قطعی بیگانہ ہیں۔ جس

انسان کے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول پاک صاحب لولاک ﷺ کے دین کی سر بلندی کا مقصد ہو وہ اپنے حق نا آشنا باپ اور دین دشمن بھائیوں کے گلے میں پھولوں کے ہار کیونکر ڈال سکتا تھا۔اس نے اپنے خونی رشتوں پر اسلام کی بقا اور سلامتی کو ترجیح دی۔یہ ایک مومن کامل کا کردار ہے۔

شہنشاہِ ہند،حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے شاہجہان کے نام خط میں کتنے دردانگیز الفاظ سے اپنا مدعا بیان کیا ہے۔

''خدانخواستہ اگر آپ کی حمایت سے وہ بدکیش (بے دین،بدخو) کامیاب ہو جاتا تو سارا عالم کفر کی ظلمت اور ظلم وستم سے تاریک ہو جاتا،شرع شریف سے رونق جاتی رہتی اور قیامت کے دن آپ سے اس کا جواب دینا بہت ہی مشکل ہو جاتا۔ (رقعات عالمگیر،ص 212)نظر بند کرنے کے باوجود اس نے باپ کی شان میں کوئی بے ادبی نہیں کی۔وہ بدستور تخت پر بیٹھتا اور بڑے بڑے امراء آکر اسے شاہانہ سلام کرتے اور ہر کام کے متعلق وہ حکم جاری کرتا۔(روضہ قیومیہ،جلد 2،ص 202)

اہل باطن،اہل قلب ونظر حضرات کے نزدیک تو یہ معاملہ ہی کچھ اور تھا۔وہ تو عالمگیر کی تلوار کو بارگاہِ رسالت ﷺ کی عطا سمجھتے تھے۔جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

''جب حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ روضۂ حضور ﷺ پر حاضر ہوئے کہ واپسی کے سلسلہ میں آپ کی مرضی مبارک معلوم کریں،تو انہیں واپس جانے کا واضح اشارہ ہوا۔ان کے دل میں داراشکوہ کی شریعت دشمنی اور اس سلسلہ سے اس کی عداوت اور انتقامی جذبات کے بارے میں گمان گزرا تو حضور پُرنور سرکار دو عالم،نبی کریم،رؤف ورحیم ﷺ نے دارا کے قتل کا اشارہ فرمایا تو حضرت خواجہ محمد معصوم سمجھ گئے کہ حضور پُرنور،نبی اکرم ﷺ کے طفیل یہ دشمن اسلام قتل ہو چکا ہے۔''(حسنات الحرمین فصل آخر)

تخت نشینی کی جنگ کے تھوڑے عرصے بعد 1658ء میں شاہجہان فوت ہو گیا،اس کے بعد عالمگیر کا طویل دور شروع ہوتا ہے۔وہ 40 سال کی عمر میں حکمران بنا،اس کے پچاس سالہ عہد حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔پہلا حصہ 1658ء تا 1681ء جس میں اس نے شمالی ہند کے معاملات طے کرنے کا کمال دکھایا۔دوسرا حصہ 1682ء تا 1707ء ہے،جس میں اس نے دکن کے معاملات سلجھائے یعنی بیجاپور،گولکنڈہ کی شیعہ ریاستوں اور مرہٹوں کے خلاف دل کھول کر لڑا،عالمگیر کی دینداری اور اسلام پسندی کی وجہ سے تمام طاغوتی طاقتیں اس کے خلاف تھیں۔شیعہ،راجپوت،جاٹ،مرہٹے سب اس کے ساتھ برسرپیکار ہوئے لیکن اس نے ہر میدان میں حق وصداقت کا پرچم بلند کیا۔نارنول کے تقریباً پانچ ہزار افراد نے بغاوت کر دی۔یہ ہندوؤں کا ایک ست نامی فرقہ تھا۔عالمگیر نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔

آپ کی ہندو رعایا آپ کو متعصب،تنگ نظر اور مذہبی دیوانہ کہتی رہی،مگر آپ نے اپنی سیرت وکردار کو اسلام کے اعلیٰ اصولوں کے مطابق رکھا،اب آپ کی سیرت وکردار کے چند اور گوشے پیش خدمت ہیں۔

آپ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے منظورِ نظر تھے۔جیسا کہ ہم نے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکاشفہ سے

ثابت کیا ہے، حضرت خواجہ آدم بنوریؒ نے بھی حضور پُر نور، سرورِ کائنات ﷺ کے حکم مبارک سے اپنے پیروکاروں کو آپ کی امداد کا حکم دیا، عالمگیر حضور پُر نور، سرکار عالم ﷺ کے فیض یافتہ حضرات کا بھی منظور نظر تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت خواجہ صبغت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو بغداد روانہ کیا کہ روضہ مبارک حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر حاضر ہو کر عرض کرو کہ دارشکوہ کی حمایت ترک فرما دیں۔ چنانچہ صاحبزادہ بزرگ بغداد میں حاضر ہوئے تو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی استدعا منظور فرمالی۔ (عمدۃ المقامات، ص 318)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُر فتوح بھی عالمگیر پر راضی تھی۔ انہوں نے اپنے لختِ جگر حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو بشارت دی کہ دارا عنقریب دُنیا سے رُخصت ہو گا، اور سلطنت تمہارے مرید اورنگ زیب کے ہاتھ آئے گی۔ (روضہ قیومیہ، جلد 2، ص 174)

عالمگیر کو مذہب اسلام سے بہت محبت تھی اس نے اسلام کو زندہ کیا اس لئے اسے "محی الدین" کا لقب دیا گیا ہے۔ ساقی مستعد خان لکھتے ہیں:

"آپ اپنی فطری سعادت اندازی کی وجہ سے مذہبی احکام اور شعائر کے بے حد پابند تھے۔ حنفی المذہب سُنّی تھے۔ اسلامی فرائض خمسہ کی پابندی اور اُن کے اجراء میں بے حد کوشاں رہتے تھے۔ حضرت ہمیشہ باوضو رہتے، نماز اول وقت مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ روزوں کے پابند تھے۔ قبلہ عالم حق طلبی کے شیدائی تھے، معمول تھا کہ مسجد میں تمام رات اہل نظر کے ساتھ سرگرم گفتگو وذکر رہتے۔ رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرتے۔ قبلہ عالم نے ابتدائے سن تمیز سے تمام مکروہات ومحرمات سے شدید پرہیز فرمایا۔ آپ کو نغمۂ سرور سے نفرت تھی اور اسے حرام قرار دیا تھا۔ غیر مشروع لباس اور سونے چاندی کے برتنوں سے پرہیز کرتے، تمام ممالک محروسہ میں شرعی احکام جاری تھے، احتساب کا محکمہ نہایت فعال تھا...... غرض کہ حضرت کے عہد میں دین متین کا آوازہ بلند ہوا اور جس طرح ملک ہندوستان میں شریعت اسلامی کا کامل لحاظ رکھا گیا اس کی نظیر فرماں روایانِ سابق کے کارناموں میں قطعاً معدوم ہے۔" (مآثر عالمگیری، ص 233)

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے فرزند پنجم خواجہ سیف الدین سرہندی کو عالمگیر کی استدعا پر دربار شاہی میں متعین کیا گیا کہ دفع بدعت اور ترویج سنت کا کام ہو سکے۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ بھی بادشاہ کی اسلام پسندی کی بدولت اسے "سلطان الاسلام اور امیر المومنین" کے القاب سے یاد فرماتے تھے اور آفتاب دولت وسلطنت برافق مجد واعلیٰ تابان باد کے جملہ سے دعائیں دیتے تھے۔ (مکتوبات معصومیہ)

عالمگیر ٹھنڈے دل ودماغ کا مالک تھا اور انکسار اور انصاف کا پتلا تھا۔ مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوجود وہ علماً کے مشورے سے فیصلے صادر کرتا تھا۔ جیسے باغیوں کی سزا کے بارے میں اس نے علماء کرام کے فیصلے پر عمل کیا۔ حضرت خواجہ محمد سعید

رحمۃ اللہ علیہ اُسے خراج تحسین پیش فرماتے ہیں:

"الحمدللہ! تمہاری کامیابی دراصل "آفتاب ہدایت" کا طلوع ہے۔ اس سے کفر وضلالت کی ظلمت معدوم ہو گئی ہے اور الحاد و بدعت کو جڑوں سے اُکھاڑ ڈالا ہے۔ اور عدل وانصاف جس مقام کا مستحق ہے وہ اسے مل گیا ہے، اس لئے دین پروری کا تقاضا یہی ہے کہ اب فحش اور منکرات کے سدباب کے لیے بھی کوشش کی جائے۔ مساجد کی تعمیر و مرمت اور معطل شدہ مدرسے جاری کئے جائیں۔ علماء فضلاء و زہاد حضرات کی تکریم کے لئے احکام صادر کئے جائیں۔" (مکتوبات سعیدیہ)

قارئین کرام! درج ذیل ایک ہی واقعہ میں آپ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تمام صفات دیکھ سکتے ہیں جو ایک بہت ہی اچھے معیار کے مسلمان، مرد مومن یا مرد حق میں ہو سکتی ہیں۔ آپ کی خوبیوں کو خوبصورت انداز سے اجاگر کرنے کے لئے میرے (اس کتاب کے مصنف کے) نزدیک صرف یہی واقعہ کافی ہے ہاں اس دوران یہ خیال ضرور رہے کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطانِ ہند تھے اور اس وقت کا ملک ہندوستان بہت بڑا ملک تھا۔

اس واقعہ میں رعایا کی خیر خواہی کرنا، دکھی کی آواز پر لبیک کہنا، بے سہاروں کا سہارا بننا، وقت کی اہمیت کو سمجھنا، اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنا، مخالفین کی قوت سے مرعوب نہ ہونا، اپنے آرام کی پرواہ نہ کرنا، خدمت خلق کو اپنی ذمہ داری سمجھنا، اپنی ذات کی خاطر کسی سے بدلہ نہ لینا اور سب سے بڑھ کر دوسروں کے بھلے کے لئے اپنی جان وشان کی پرواہ نہ کرنا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ معمولی صفات نہیں ہیں۔

بلا شک وشبہ آپ بہت ہی خدا ترس، عادل اور غریبوں مسکینوں سے ہمدردی رکھنے والے شہنشاہ تھے۔ بلا امتیاز مذہب وملت مظلوموں کی دادرسی کرتے اور رعایا کی خبر گیری وراحت کے لئے اپنا آرام و نیند قربان کر دیتے تھے۔ وہ واقعہ یوں ہے:

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ایک رات آرام فرما رہے تھے کہ کسی فریادی نے شاہی محل میں لٹکی ہوئی زنجیر کو ہلایا، یہ زنجیر اسی مقصد کے لئے لٹکائی گئی تھی کہ جو فریادی شہنشاہ کے حضور کوئی فریاد سنانے آنا چاہیے وہ زنجیر ہلا دے۔ تا کہ شہنشاہ کو پتہ چل جائے کہ کوئی فریادی فریاد سنانے آیا ہے۔

زنجیر ہلی تو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ فوراً قلعہ کے دروازے پر تشریف لے آئے اور حکم دیا کہ فریادی کو حاضر کیا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ضعیفہ کو حاضر کیا گیا، ضعیفہ نے آداب شاہی بجا لانے کے بعد عرض کیا، حضور! میں رام نگر (جو آگرہ سے 15 میل پر ہے) سے آرہی ہوں۔ میری ایک جوان بیٹی ہے جس کی منگنی میری خوشی سے ایک رشتہ دار سے ہو چکی ہے۔ گاؤں کے زمیندار کا بیٹا میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے، میں نے انکار کر دیا ہے لیکن اب اس نے ارادہ کرلیا ہے کہ وہ زبردستی میری بیٹی کو اپنی ہوس کا شکار کرے۔ میں بیوہ ہوں اور غریب، اور وہ زمیندار ہے، میں کس طرح اس کا مقابلہ کر سکتی ہوں؟

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ ضعیفہ نے کہا، مجھے آج خبر

ملی ہے کہ آج رات وہ آپ اپنے دوستوں کی مدد سے اُسے زبردستی گھر سے نکال کر لے جائے گا۔اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو جائے گا، میں یہ سنتے ہی ادھر بھاگی ہوں اور ضعیف و پیری کے باعث بمشکل اس وقت تک پہنچ سکی ہوں۔آپ انتظام فرمائیں گے مگر بے سود، جو کچھ ہونے والا تھا وہ ہو چکا ہوگا، یا عنقریب ہو جائے گا۔حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت حکم دیا کہ دو گھوڑے حاضر کئے جائیں اور پھر تھوڑی دیر ہی میں تیاری کر کے ضعیفہ سے کچھ باتیں دریافت فرما کر حکم دیا کہ ضعیفہ کو عزت و آسائش کے ساتھ محل خاص میں پہنچا دیا جائے۔اور خود مسلح ہو کر اور وزیر اعظم کو مسلح کر کے اپنے ساتھ لیا اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے رام نگر روانہ ہو گئے۔تھوڑی دیر کے بعد گاؤں کے قریب پہنچے تھے کہ گنجان درختوں میں سے کچھ آدمیوں کے بولنے کی آواز سنائی دی۔سلطانِ ہند اورنگ زیب عالمگیر اور وزیر دونوں گھوڑوں سے اُتر پڑے اور اس طرف دوڑتے ہوئے قریب پہنچے تو اس قسم کی آوازیں سنائی دیں۔

ایک آواز: دیکھو ضدی لڑکی! کیوں جان گنواتی ہو، اب بھی سمجھ جاؤ۔

دوسری مغموم آواز: آبرو کا صدقہ جان ہے، میرے نزدیک جان کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی آواز: میں جوان ہوں، زمیندار اور صاحب دولت ہوں، خوبصورت ہوں، پھر انکار کی وجہ۔

دوسری آواز: وجہ کچھ بھی نہیں، میری ماتا نے آپ کا پیغام واپس کر دیا، میں ماتا کی امانت ہوں۔

پہلی آواز: ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔

دوسری آواز: جو پرمیشور کی مرضی۔

پہلی آواز: بادا سنگھ، دمور سنگھ وغیرہ پہنچو۔اس آواز کے سنتے ہی بہت سے نوجوان اِدھر اُدھر سے نکل آئے اور یہ حکم پا کر کہ اسے مارو اس لڑکی پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ اس بیچاری لڑکی کو ختم کر دیں کہ شہنشاہ عالمگیر اپنی تلوار سونت کر وہاں جا پہنچے اور بادل کی طرح گرج کر فرمایا، خبردار! اور پھر بادشاہ و وزیر دونوں نے ان بدمعاشوں پر حملہ کر دیا۔زمیندار کے گروہ نے شہنشاہ کو اس لڑکی کا ہونے والا منگیتر سمجھا اور دل کھول کر مقابلہ کیا۔گنواروں کی ہڑبونگ اور لاٹھیوں کی بوچھاڑ نے شہنشاہ اور وزیر کو زخمی کر دیا، لیکن اقبال شاہی اور اصفہانی تلواروں کی کاٹ نے آخر کئی ایک کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور کچھ کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے اور باقی ماندہ بھاگ گئے۔زخموں سے چور شہنشاہ نے اس لڑکی کو جو اس منظر کو دیکھ کر بیہوش ہو چکی تھی اُسے گھوڑے کی پیٹھ پر ڈالا اور پیچھے آپ بیٹھ کر آگرہ کے لئے واپس روانہ ہوئے۔وزیر بھی زخموں سے نڈھال ہو چکا تھا۔بادشاہ اسے بھی سنبھالتے ہوئے آرہے تھے، گھڑیال نے ابھی دو ہی بجائے تھے کہ شہنشاہ آگرہ کے قلعہ میں داخل ہوئے اور لڑکی کو اس کی ماں کے سپرد کیا اور اسی وقت حکیموں اور جراحوں کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وزیر کی مرہم پٹی کی جائے اور ہمیں مرہم پٹی کی ضرورت نہیں، زخم آپ ہی اچھے ہو جائیں گے۔مردان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

صبح اُٹھ کر بادشاہ نے کوتوال کو حکم دیا اور دو پہر تک رام نگر کے زخمی اور تمام آدمی جن میں وہ زمیندار بھی شامل تھا، حاضر کر

دیئے گئے ۔شہنشاہ نے فرمایا کہ ہماری اور وزیر کی طرف سے کوئی استغاثہ اُن کی ذات پر نہیں، ہم نے اپنا جرم معاف کر دیا ۔ہاں اس مظلوم بڑھیا اور اس کی لڑکی پر جو ظلم ہوا ہے اس کی حسب قانون سزا دی جائے گی ۔

ضعیفہ کو پانچ سو اشرفیاں حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے خزانہ شاہی سے دلوائیں اور جب اس لڑکی کی شادی ہوئی تو شہنشاہ اس شادی میں شریک بھی ہوئے ۔(یادِ ماضی، ص119، سچی حکایات، ص254)

عالمگیر بزرگان دین کا ازحد ادب و احترام کرتا تھا۔ان کو دعوت دیتا، خطوط لکھتا اور ان کی تشریف آوری پر بارہ میل باہر نکل کر ان کا استقبال کیا کرتا تھا۔علامہ محمد احسان سرہندی لکھتے ہیں ۔جب اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی خبر سنی کہ دکن تشریف لا رہے ہیں تو اس موقع کو غنیمت جان کر سر کے بل دریائے زبدہ عبور کر کے شرف ملاقات حاصل کیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے تاج سلطنت اس کے سر پر رکھا..........وہ اس خوشخبری سے نہایت خوش ہوا اور آداب قیومیت بجالایا اور ایک فرزند کو اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت طلب کی ۔(روضہ قیومیہ، جلد2، ص176)

بادشاہ اورنگزیب عالمگیر حضرت خواجہ سیف الدین کا بہت عقیدت مند تھا، رات کو امور سلطنت سے فراغت کے بعد آپ کی صحبت کے انوار و برکات کے حصول اور تبادلہ خیال اور کلمات عالی سننے کے لئے ان کے پاس جاتا تھا ۔(مآثر عالمگیری، ص 84)ان کی صحبت کے آثار آپ کی روحانیت میں اضافہ کا باعث ہوئے، اور اس نے سلوک و معرفت کے جہان میں قدم رکھا۔

عالمگیر میں تمام باطل اور باطل پرستوں کا خاتمہ کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔اس نے ملا شاہ بدخشی، چندر بھان برہمن اور محسن فانی کشمیری جیسے لوگوں کا محاسبہ کیا۔جو وحدت ادیان کے داعی تھے اور دارا کی گمراہی کا سبب بنے تھے ۔بعد میں ان سب نے مصلحت کو ترجیح دی اور عالمگیر کی ملازمت میں رہے ۔سرمد نے اپنے خلاف شرع عقائد پر عزم کا اظہار کیا تو اسے قتل کر دیا گیا کہ اس کا فتنہ اسلام کے لئے خطرناک ثابت نہ ہو ۔شاہ محبت اللہ الٰہ آبادی کے غلط افکار پر مشتمل اس کا ''رسالہ تسویہ'' جلا دیا۔ ہندوستان میں وحدت وجود کی غلط تعبیرات کا بہت زور تھا۔اورنگ زیب عالمگیر کی کامیابی، دارا کے قتل اور مرکز کی مضبوطی نے اس نظریہ کو اورنگ زیب کی زندگی میں اُبھرنے نہ دیا ۔(مقدمہ حسنات الحرمین، ص59)

حضرت خواجہ سیف الدین کی صحبت بابرکت نے آپ کو موسیقی سے متنفر کر دیا ۔آپ نے تمام ملک سے موسیقی کے اڈے بند کروائے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے موسیقاروں نے مزامیر کا جنازہ تیار کیا اور شاہی محل کے نیچے سے گزرے ۔بادشاہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: ''یہ موسیقی کا جنازہ ہے، بادشاہ نے کہا پھر گہرا کر کے دفن کرنا جہاں سے یہ مردہ پھر نہ آجائے ۔''

عالمگیر خود بھی بلند پایہ عالم دین تھا اور اس نے ہمیشہ علم و فضل کی سرپرستی فرمائی ۔پروفیسر خورشید حسین بخاری لکھتے ہیں:

''اس نے تمام خلاف شرع امور کو ختم کرنے کا حکم جاری کیا اور شرع کے احکام کے مطابق اپنا نظام حکومت استوار کیا، اسے اپنے زمانے کے طرز تعلیم کے نقائص کا علم تھا، چنانچہ اس نے اسلامی مدارس قائم کئے ۔ان کا واضح اور معلوماتی نصاب تعلیم مرتب کروایا ۔حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے ہی پہلی دفعہ فقہ اور شریعت کی طرف توجہ دی۔آپ نے ایک کمیشن قائم کیا جس نے

فتاویٰ عالمگیری مرتب کی اور یہ کتاب فقہ کی مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

اس زمانے میں عالمگیر کے استاد شیخ احمد جیون نے تفسیر احمدی کے نام سے ان آیات کی تفسیر لکھی جن سے مسائل فقہ کا استنباط کیا جاتا ہے، حافظ امان اللہ بنارسی، قطب الدین سہالوی اور شیخ غلام نقشبند لکھنوی نے علم تفسیر اور فن تصوف میں متعدد کتابیں لکھیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے رفیع القدر کے استاد قاضی محب اللہ بہاری نے فقہ او راصول فقہ کے بارے میں ''مسلم الثبوت'' نامی کتاب مرتب کی۔ (ریاض التاریخ ص 702)

آپ نے تاریخ نویسی کی بھی حوصلہ افزائی کی، مرزا کاظم نے عالمگیر نامہ لکھا، نعمت خان نے وقائع گولکنڈہ تحریر کئے۔ میر محمد عسکری، عاقل خان رازی نے واقعات عالمگیری او محمد ساقی مستعد خان نے مآثر عالمگیری جیسی یادگار کتابیں مرتب کیں۔ سبحان رائے بٹالوی نے ''خلاصۃ التواریخ ''اورالیشر داس نے''فتوحات عالمگیری'' رقم کیں۔ (ریاض التاریخ ص 686)

عالمگیر کو خود بھی عربی، فارسی، ہندی اور ترکی، زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ رقعات عالمگیری اس کے حسن نگارش کا بہترین نمونہ ہیں۔ وہ علم پرور تھا اور علم والوں کا قدر دان تھا۔

عالمگیر شجاعت و بسالت، پامردی و مردانگی میں اپنے آباؤ اجداد سے بھی کچھ آگے تھا۔ اگر چہ خاندان تیموریہ مغلیہ میں بڑے بڑے بہادر لوگ پیدا ہوئے مگر وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اسی سال کی عمر میں بھی جوش وخروش کا مظاہرہ کرتا۔ آپ کی بہادری اور عالی ہمتی یکتا تھی، وہ بلا کا نڈر تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران نماز ایک خونخوار شیر نے آپ پر حملہ کر دیا، آپ نے نماز چھوڑ کر فوراً شیر کو ختم کیا اور دہشت زدہ ہوئے بغیر نماز دوبارہ شروع کر دی۔

شاہجہان نے پہلی بار 1646ء کو قندھار پر شہزادہ مراد کی قیادت میں مہم روانہ کی، جو بالآخر ناکام ہو کر آیا۔ اس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے شاہجہان نے حضرت خواجہ محمد معصوم مجددی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے توجہ کی درخواست کی اور اورنگ زیب عالمگیر کو 1647ء میں ایک زبردست لشکر دے کر بھیجا، بادشاہ آپ بھی کابل تک ساتھ گیا، اگر چہ شہزادہ اورنگ زیب سابقہ مہموں کی نسبت تھوڑی فوج لے کر آگے بڑھا اور موسمی حالات بھی شدید تھے تاہم اورنگ زیب اپنی جنگی تدابیر اور شجاعت کے ساتھ شہروں کے شہر فتح کرتا گیا۔ اس مہم میں حضرات مجددیہ اورنگ زیب کے ساتھ تھے اور روحانی طور پر اس کے پشت پناہ تھے۔ اورنگ زیب نے فوج کو اس خوبی سے لڑایا کہ قندھار اور بلخ پر قابض ہو گیا۔

بخارا کا حکمران عبدالرحمٰن خان مقابلہ میں آیا مگر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اس معرکہ میں اورنگ زیب نے جس شجاعت کا مظاہرہ کیا وہ اس کے جنگی کردار کا بہترین نمونہ ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد ہنگامہ کارزار میں اُترا، تیر وتفنگ کی بارش میں اپنا لشکر آگے بڑھاتا گیا توپیں آگ برسا رہی تھیں، مگر اورنگ زیب آگے بڑھتا جا رہا تھا، عین معرکہ میں نماز کا وقت آیا۔ اورنگ زیب گھوڑے سے اُترا، میدان جنگ میں ہی نماز ادا کی، مغل فوج اس کی اس ادا پر جانیں قربان کرنے لگی۔ ایرانی فوج یہ استقامت دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئیں، بعد میں مخالف سپہ سالاروں نے صلح کی درخواست پیش کی جسے آپ نے فراخدلی سے قبول کرلیا۔

عالمگیر ہمہ پہلو شخصیت کا مالک تھا، نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اپنا روزگار کتابت قرآن کے ذریعے حاصل کرتا، ازحد محنتی، شفیق اور اسلام دوست بادشاہ تھا۔ آپ نے ہمیشہ شہنشاہی میں فقیری کی۔ آپ نے چونکہ اسلام کو زندہ کیا اس لئے غیر مسلم مورخین آپ کو پسند نہیں کرتے اور اس کے بارے میں بے پر کی اُڑاتے رہتے ہیں۔ جبکہ مسلم مورخین نے آپ کے کردار کی عظمت کو سلام پیش کیا ہے، اور آپ کے جملہ کارناموں میں مجددی تحریک کو روح رواں قرار دیا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے برصغیر کا عظیم ترین حکمران کہا ہے۔ آپ کو فن تعمیر سے بھی خصوصی لگاؤ تھا۔ لاہور کی بادشاہی مسجد آپ کے حسن ذوق کا شاہکار ہے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح بہترین عمارات تعمیر کروائیں، مدرسے قائم کئے، سڑکیں بنوائیں، سرائے تعمیر کیں، ڈاک کا نظام درست کیا۔ آپ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے رات دن کوشاں رہے اور خلق خدا کو آپ کے دور میں ایک بار پھر اسلام کی بہاریں دیکھنا نصیب ہوئیں۔

آپ نے سنِ ہجری کے لحاظ سے 92 سال کی عمر پائی اور آخری دم تک سلطنت ہند کے حکمران آپ ہی رہے۔ آخر اس مردِ مجاہد نے 1119 ہجری بمطابق 1707 عیسوی میں احمد نگر کے مقام پر وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت سلطان محمد باھوؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم مبارک سلطان محمد باھو ہے۔ کچھ لکھنے والوں نے آپ کا اسم گرامی محمد سلطان باھو لکھا ہے اور کچھ نے تخی سلطان باھو لکھا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی بازید محمد تھا اور آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا۔ آپ کے والدین کریمین دونوں ہی بہت متقی پرہیز گار اور اللہ والے تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ والدین کریمین دونوں ہی اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ نبی اُمّی ﷺ کے اُمّی ولی تھے۔ عموماً آپ کو سلطان العارفین کے معزز القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ پیدائشی (مادرزاد) ولی تھے۔ آپ نبی اُمّی ﷺ کے اُمّی ولی تھے۔ آپ نے آغوش مادر کے علاوہ کسی اور دُنیاوی درسگاہ سے علم حاصل نہیں کیا۔ والدین نے مروجہ تعلیم وتربیت کے لیے سوچا لیکن بچے پر تو اس عمر میں بھی جذب ومستی کا غلبہ رہتا تھا۔ آپ کے والدین کریمین کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے روحانیت، اپنے نور سے نوازا تھا۔ وہ دونوں ہی نور والے تھے اس لئے ایک روز حضرت بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے کہا: راستی! تمہارا بیٹا ازلی فیض سے نوازا گیا ہے، اس کی تعلیم وتربیت ہمارا ذمہ نہیں، یہ تو اس رب کائنات قادر مطلق کا ذمہ ہے جس نے آبشاروں کو بہنا اور طائروں کو چہکنا سکھایا ہے، اور سچ مچ قادر مطلق نے آپ کو وہ تعلیم دے دی کہ آپ نے عربی، فارسی اور پنجابی زبان میں سو (100) سے زائد کتابیں لکھیں۔ پنجابی شاعری میں ابیاتِ باھو میں وہ کمال کیا ہے کہ سننے والے دم بخود رہ جاتے ہیں اور جاننے والے، سمجھ والے، اہل بصیرت انہیں سن کر دریائے معرفت میں ڈوب جاتے ہیں۔

آپ کے کلام میں جو صداقت اور گہرائی ہے وہ دراصل احادیث اور آیاتِ کریمہ کا خلاصہ ترجمہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دُنیا ایک مردار ہے اور اس کو چاہنے والے کتے ہیں۔ آپ کو ورثہ میں قہرگان گاؤں اور پچیس ہزار ایکڑ اراضی یعنی کہ ایک ہزار مربع زمین ملی تھی (محترم قاری! اس کل اراضی کا اندازہ آپ یوں کر لیں کہ جیسے سو (100) مربع اراضی والے 10 گاؤں ہوں۔ اور پنجاب میں بڑے گاؤں کی اراضی 70 سے 100 مربع کے قریب ہوتی ہے) لیکن آپ کے والدین کریمین اور آپ نے اس ساری زمین وجائیداد کو گھاس کے تنکے جتنی بھی اہمیت نہیں دی۔ وہ خلق خدا کو دیئے رکھی اور خود اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کر کے محنت کر کماتے تھے۔ جو کماتے تھے اس میں سے بھی پہلے غرباء اور مساکین کو دیتے تھے اور پھر خود کھاتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ بہت

سارے مزارع تھے، نوکر چاکر خدمت گزار تھے یا ٹھیکہ آتا تھا۔ اپنے طور پر اگر کہیں سے کوئی آمدن آبھی گئی تو وہ خانقاہ اور روائی لنگر خانہ کے لئے ہوتی، گھر کے لئے قطعاً نہیں۔ آپ کے والد ماجد آپ کے بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ پھر حضرت راستی اپنے ہاتھوں سے کھیتی باڑی بھی کرتی تھیں اور اس میں سے غربا ء مساکین کو بھی پورا پورا دیا جاتا تھا۔

آپ کو باطنی بیعت سے پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے نوازا، اہل بیت اور خلفائے راشدین نے توجہ دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئے۔ بعد ازاں غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فیض سے سرفراز کر کے آپ کو خلقت خدا کے لئے رُشد و ہدایت کا حکم دیا۔ آپ اولیاء اللہ کی قبروں پر قبر کی دعوت کے لئے اکثر سواری کرتے یعنی کہ اُن سے بہ نفسِ نفیس ملاقات فرماتے۔ (علم دعوت وہ علم لدنی ہے جو اولیاء اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں) آپ میں ظاہری بیعت اور روحانی علوم کے لئے اتنی تڑپ تھی کہ آپ نے جذب و مستی میں پیدل کئی بہت لمبے لمبے سفر کئے اور اپنے رہنماؤں کی اطاعت بجالاتے رہے۔ آپ کو تمام ظاہری و باطنی علوم میں ملکہ حاصل تھا۔ آپ اپنی ذات کے لئے آبائی جاگیر سے ایک پیسہ بھی نہ لیتے تھے۔ روکھا سوکھا کھاتے، موٹا جھوٹا پہنتے اور اسی پر صابر و شاکر رہتے۔ آپ کے کشف و کرامات بہت ہیں۔ آپ نے اپنی روحانی قوت و کردار سے بہت لوگوں کو مسلمان کیا ہے اور مسلمانوں کو راہِ ہدایت پر رکھا ہے اور سینکڑوں کو راہِ سلوک کی منزلیں طے کرائی ہیں۔ آپ نے بھی صحیح معنوں میں امیری میں فقیری کی ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک 1039 ہجری بمطابق 1630 عیسوی میں شورکوٹ شہر میں ہوئی۔ سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 63 سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال یکم جمادی الثانی 1102 ہجری بمطابق 20 فروری 1691ء کو بروز جمعرات ہوا۔ آپ کے ہم عصروں میں میں صرف ہندوستان کے دو بادشاہوں کے نام لکھوں گا۔ آپ نے عمر عزیز کے پہلے تقریباً 27 سال مغل بادشاہ شاہجہان کے دور میں گزارے اور بعد کے 36 سال سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں گزارے۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی دینی خدمات کے اعتراف میں آپ بھی اسے احترام کے ساتھ یاد فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ محمد سعید، حضرت خواجہ معین الدین کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم آپ کے ہم عصر صوفیاء کرام تھے۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے آباؤ اجداد قبیلہ اعوان سے تھے۔ اس لئے پہلے مختصراً قبیلہ اعوان کے متعلق۔ قبیلہ اعوان نے اپنی فطری شجاعت و دلیری کی بدولت کالاباغ اور اس کے ارد گرد کا علاقہ خٹک اور جنجوعہ اقوام کے ہندو راجاؤں سے حاصل کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے مشرقی کوہستان کوہِ پکھڑ، کوہ سوان، کوہ سکیسر، ناڈہا اور کہون وغیرہ کے ان ہندو راجاؤں سے جنگ شروع کی جنہوں نے یہاں مختلف ریاستیں قائم کر کے مضبوط قلعے تعمیر کر رکھتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں قبیلہ اعوان نے ان ہندو راجاؤں کو شکست دے کر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ لوگ یہاں پر ہی رہائش پذیر ہو گئے۔ اور اس علاقے / جگہ کا نام ''اعوان کار'' پڑ گیا۔

آپ کے والد ماجد قبیلہ اعوان سے ہیں۔آپ کے والد گرامی قدر دہلی کے بادشاہ کے منصب دار تھے،نہایت نیک متبع سنت، حافظِ قرآن،فقیہہ اور عالم باعمل بزرگ تھے۔آپ نے اپنی مرضی سے سرکار کی نوکری چھوڑ دی اور ملتان کے گردونواح میں آ کر مشغول عبادات وریاضات ہو گئے۔آپ کی کمی کو محسوس کیا گیا تو سرکار نے ملازمت پر بلانا چاہا لیکن آپ نے یہ کہہ کر کہ اب میں نے ساری امارت وحشمت سے کنارہ کرلیا ہے ان سے پیچھا چھڑا لیا۔لیکن ملتان کے ناظم یا حاکم کے پاس جانا پڑا۔حاکم ملتان نے منت سماجت کے بعد اپنے پاس رکھ لیا اور وعدہ دیا کہ آپ پر کوئی حاکم نہ ہوگا۔آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں جو چاہے کریں۔ اس سمجھوتے کے کچھ ہی عرصہ بعد حاکم ملتان اور راجہ مروٹ کے درمیان بیکانیر کے ریگستان کے سوال پر دونوں میں شدید اختلاف ہو گیا اور دونوں لشکر لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔

آپ اس وقت حاکم ملتان کے پاس پہنچے اور گفت وشنید کے بعد اپنی شرائط کے تحت اکیلے ہی راجہ مروٹ کو شکست دینے چل پڑے۔ابھی ملتان کا لشکر نہ چلا تھا کہ آپ ایک رہبر کے ہمراہ مروٹ پہنچ گئے۔دونوں حکومتوں کے مابین قاصدوں اور ایلچیوں کی آمدورفت جاری تھی شاید اسی لئے کسی نے آپ کو نہ روکا اور آپ سیدھے دربار میں راجہ مروٹ کے پاس پہنچ گئے۔آپ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر راجہ کا تلوار سے سر اُتار لیا اور اسے اپنی تحویل میں لے کر دشمن کے نرغے میں سے نکل آئے اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ملتان کے لیے چل پڑے۔

ملتان کی فوج ملتان سے مروٹ کی جانب روانہ ہو چکی تھی۔آپ ان سے جلد آ ملے اور راجہ مروٹ کا سر حاکم ملتان کے قدموں میں ڈال دیا۔فوراً ہی فوج میں فتح کے نعرے بلند ہو گئے۔آپ نے اسی وقت حاکم ملتان کو خدا حافظ کہا اور اپنے مسکن پر آ گئے اور پہلے کی طرح خشوع وخضوع سے اورادووظائف میں مشغول ہو گئے۔

راجہ مروٹ کا خاتمہ کرنا حضرت بازید کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا،لہٰذا اُن کا نام ایک بار پھر لوگوں کی زبانوں پر عام ہو گیا اور عوام وخواص جوق در جوق ان کی طرف رجوع کرنے لگے،دِلّی دربار سے بھی تحسینی پیغامات بھیجے گئے اور ایک خصوصی شاہی قاصد یہ حکم لے کر آیا کہ وہ اپنی شجاعانہ صلاحیتوں سے خلق کو فائدہ پہنچائیں اور اعوان جا کے دوبارہ اپنا عہدہ سنبھال لیں۔حضرت بازید نے جھنجھلا کے جواب دیا:''ہم دنیا کو بھولنا چاہتے ہیں اور یہ کم بخت ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی۔انہوں نے قاصد کے ذریعے دربار میں یہ عریضہ بھیجا کہ''ہم نے اپنی آئندہ زندگی اللہ اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے وقف کر دی ہے،چنانچہ ہمیں یادخدا کے لئے ہر ذمہ داری سے،ہر خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔

چاروناچاران کا یہ عریضہ منظور کر لیا گیا اور انہیں یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ جہاں مناسب سمجھیں وہاں رہیں۔انہیں آئندہ نہیں چھیڑا جائے گا،تاہم معاشی کفالت کے لئے کچھ جاگیر ضرور قبول کرنی ہوگی۔یہ ہندوستان کے حاکم شاہجہان کا اصرار تھا اس لئے کافی ردوقدح کے باوجود آخر حضرت بازید کو جاگیر قبول کرنی پڑی۔انہوں نے اس کے لئے قریبی علاقے میں شورکوٹ کا مقام منتخب کیا۔آپ کے والد گرامی کو شورکوٹ ضلع جھنگ میں شاہجہان نے ایک سالم گاؤں تھرگان اور پچاس ہزار بیگھے زمین چند

آباد کنوؤں کے ساتھ انعام کے طور پر عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ کے والد گرامی نے قصبہ شورکوٹ میں سکونت اختیار کر لی۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی (رحمۃ اللہ علیہا) تھا جو اولیائے کاملین میں سے تھیں اور جو نہایت پاکباز اور صالحہ خاتون تھیں۔ ان کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا۔ گھر کے کام کاج سے فراغت ملتے ہی آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور مصروف عبادت ہو جاتیں۔ انہی اوصاف حمیدہ کی بناء پر حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے نکاح کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ میری بیوی تو اپنا زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں گزارتی ہیں تو اُن پر محبت الٰہی غالب آتی گئی وہ شروع سے ہی صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور پاکیزہ خیالات کی مالکہ تھیں

آپ کی ولادت باسعادت شورکوٹ شہر میں 1039 ہجری بمطابق 1630 عیسوی میں ہوئی۔ آپ کا اسم مبارک ''سلطان محمد باھو'' رکھا گیا۔ جب آپ پیدا ہوئے وہ دور مغل فرمانروانِ ہند شاہجہان کا دور تھا۔ اللہ کی نادیدہ امانت مجسم ہو کے بی بی راستی کی آغوش میں چمکنے لگی اور تارک الدنیا باپ کا سر تشکر سے زمین پر جھک گیا۔

بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا خدا کی عبادت سمجھ کر اس پودے کی آبیاری کرنے لگیں۔ بچے کے فطری اور پیدائشی جواہر گہوارے ہی میں چمکنے لگے۔ شیر خواری میں اس کا یہ عالم تھا کہ اگر رمضان کے دن ہوتے تو روزے کے اوقات میں وہ ماں کا دودھ پینے سے اجتناب برتتا۔ بی بی راستی عبادت یا تلاوت کرنے کے لئے بیٹھتیں تو انہیں یہ اطمینان اور یقین ہوتا تھا کہ ان کا بچہ عام بچوں کی طرح ان کے شغل میں حارج نہیں ہوگا۔ بچے نے بھی ان کے اس اطمینان اور یقین کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ (سیر الاخیار، ص 532)

آپ ابھی بچہ ہی تھے۔ آپ کی آنکھوں میں ستاروں کی اور پیشانی میں چاند کی چمک تھی۔ جو دیکھنے والوں کے لئے عجیب مقناطیسی کشش کا حامل تھی۔ جس شخص کی بھی آپ پر نظر پڑتی وہ بے اختیار آپ کی طرف کھنچا چلا جاتا اور خواہ اجنبی ہی کیوں نہ ہو۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کے ماتھے پر نور کی غیر معمولی اور مسحور کن دمک تھی۔ یہ دمک نور اور حسن پیدا کرنے والے کی ناقابل تردید حقانیت کا اظہار تھی۔ مناقب سلطانی کے مولف نے لکھا ہے کہ بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ اور بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کا یہ بچہ طفولیت میں گھر سے باہر نکلتا تو جو بھی غیر مسلم اس کی طرف دیکھتا اس کی حالت میں اچانک ایک حیرت انگیز تغیر پیدا ہوتا اور وہ کسی ظاہری ترغیب وتبلیغ کے بغیر بے اختیار کلمہ پڑھ کر خود بخود اسلام قبول کر لیتا۔ اور اس وجہ سے غیر مسلم آپ کا سامنا کرنے سے کتراتے لگے، گھبرانے لگے۔

بچہ ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنے اندر سفر کر رہا تھا۔ اندر کا سفر کرتا ہوا وہ شعور اور تمیز کی منزل میں پہنچا تو والدین نے اس کے لئے مروجہ تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا لیکن اس پر تو جذب ومستی کا غلبہ تھا۔ والدین کی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ اس کی یہ روش دیکھ کر ایک روز بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے کہا: ''راستی! تمہارا بیٹا ازلی فیض سے سرفراز کیا گیا ہے، اسے نہ چھیڑو۔ اس کی تعلیم وتربیت ہمارا نہیں، اس کا (اللہ تبارک وتعالیٰ) ذمہ ہے جس نے آبشاروں کو بہنا اور طائروں کو چہکنا سکھایا ہے۔''

(سیر الاخیار،ص533)

ابھی آپ دس بارہ سال کے ہی تھے کہ ایک دن شورکوٹ کے نواح میں اچانک آپ پر بے خودی طاری ہوئی۔ بے خودی میں آپ نے دیکھا کہ ایک نورانی صورت، صاحب جلال وحشمت سوار اس کے سامنے نمودار ہوئے اور انہوں نے نہایت اپنائیت سے آپ کا ہاتھ تھام کے اسے اپنے ساتھ بٹھالیا۔ بچے پر تعجب بھی طاری ہوا اور خوف بھی، مگر نووارد سوار نے دلنشین لہجے میں آپ کی ہمت بندھائی اور یہ انکشاف کر کے آپ کو مبہوت کردیا کہ وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔ بچہ کم عمر ضرور تھا، لیکن کم علم نہیں تھا کہ اس نام سے واقف نہ ہوتا۔ اسے گمان بھی نہ ہوگا کہ حضرت علی سے رضی اللہ عنہ اس طرح ملاقات ہوسکتی ہے۔ وہ فور مسرت میں مچل کے خود کو ان پر قربان کردینا چاہتا تھا۔ لیکن ان کی قربت کے احساس نے اسے یہ اذن تک نہیں دیا کہ وہ جنبش کرسکے۔ اس کا جسم ساکت تھا، زبان گنگ تھی اور پتلیاں متحرک تھیں، اس کی کیفیت دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر توجہ کی تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے: ''اے فرزند! تمہاری طلبی رسول اللہ ﷺ کے دربار سے ہوئی ہے، وہیں چل رہے ہیں۔''

وقت کی نبض تھم گئی اور بچے نے لمحوں میں خود کو رسول مقبول ﷺ کی بارگاہ میں شرف یاب دیکھا۔ اس بارگاہ میں اہل بیت کے علاوہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بچے پر توجہ کی اور رخصت ہوگئے۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے توجہ دی اور رخصت ہوگئے۔ صرف اہل بیت محفل میں موجود رہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بچے سے پہلے خود بیعت لی پھر اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا۔ اس حیرت ناک واقعہ کے بعد بچے نے معاً خود کو دوبارہ شورکوٹ کے نواح میں پایا، جہاں سے اسے لے جایا گیا تھا۔ پھر اس کی دُنیا بدل گئی اور جب وہ بڑا ہوا تو سلطان العارفین شیخ سلطان باہوؒ کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔

اس فیض یابی کے بعد سلطان باہو ہر وقت اور ہر لمحے وحدانیت کے سمندر میں مستغرق رہنے لگے۔ وہ ہمہ وقت حق کے مشاہدوں سے مشرف اور ذات کے مطلق جلال و جمال میں مست رہتے۔ والہانہ زندہ مشائخ کے پاس پہنچتے اور بے تابانہ اولیاء اللہ کے مقبروں پر جاتے۔ بی بی راستی اپنے بیٹے کی یہ وارفتگی، شوق اور فدائیت دیکھتیں تو سربسجود ہوجاتیں۔ وہ اپنے بیٹے کے لئے گھر میں تین بہوئیں لائیں، مگر تین تین بیویاں ہونے کے باوجود سلطان باہو کا گھر میں دل نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ انہیں تو حقیقی نسبت کسی اور سے تھی اور ان کے دل میں تو کسی اور کی محبت بسی ہوئی تھی۔ اس خالق و مالک کائنات کی ایسی محبت جو دل کی دنیا میں اپنے سوا کسی اور کی گنجائش نہیں چھوڑتی۔ (سیر الاخیار،ص535)

آپ کی چوتھی شادی حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی معاونت اور اللہ کے حکم سے خاص عطا ہے، جس کی حکمت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت کی زیارت کے بعد درگاہ سے نکل کر شمال کی جانب چل پڑے۔ جب کہیں وضو کے لئے رُکے اور پیچھے کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خاتون ہاتھوں میں اپنے جوتے لئے ادب سے کچھ دور کھڑی ہے۔ آپ نے حیرانی سے پوچھا تم کون ہو؟ دوشیزہ نے ایک ساہوکار کا نام لے کر بتایا کہ ''میں اُن کی بیٹی ہوں۔'' اور وہ بولی: '' آپ شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تھے، جب آپ وہاں سے نکلے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئی کیونکہ شیخ

بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہی حکم دیا تھا۔

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فوراً حکم الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ لمحوں میں حکم الٰہی ہو گیا لہٰذا انہوں نے اپنے باطنی تصرف سے اسی وقت اردگرد کی آبادیوں کے معززین کو جمع کیا اوران کی گواہی میں اجنبی دوشیزہ سے نکاح کر لیا، یہ آپ کی چوتھی شادی تھی۔

آپ کے والد ماجد رحلت فرما چکے تھے اور والدہ ماجدہ برابر رہنمائی فرما رہی تھیں۔ایک دن بیٹے سے فرمانے لگیں: بیٹا! تم معرفت الٰہی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ یہ طویل راہ ہے اور یہ راہ روشنی کے بغیر طے نہیں ہوگی، روشنی تلاش کرو۔" سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "ماں میرے مرشد تو خود پیغمبر اول و آخر و اعظم، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ ہیں، اب مجھے کسی ظاہری مرشد کی کیا ضرورت ہے؟"

بی بی راستی نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ "بے شک رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر کامل مرشد کون ہوگا؟ لیکن بیٹا! معرفت کا نظام یہی ہے کہ ظاہری رہبر کی رہبری ضرور حاصل کی جائے۔ اس کے بغیر حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے ظاہری شریعت کی پیروی کے بغیر باطنی سربلندی نہیں ملتی۔ بی بی راستی نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنایا۔ ان کے کامل ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ انہیں تو خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔ پھر بھی ظاہری واسطہ لازم قرار پایا اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی پیروی، اسی خاطر مجمع البحرین گئے اور ان پر وہ اسرار بھی منکشف ہوئے جو پہلے منکشف نہیں ہوئے تھے۔"

ماں کی ترغیب سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے دل کو لگ گئی۔ انہوں نے سینہ مسلتے ہوئے بے قراری سے پوچھا: "روشنی کہاں ہے ماں؟ میں کس سمت جاؤں؟ بی بی راستی نے کہا: "مجھے معرفت کی خوشبو مشرق کی سمت سے محسوس ہوتی ہے۔"

اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے اگر آپ کے سلسلہ تصوف کو مختصراً بیان کر دیا جائے تو قارئین کرام کو آپ کے روحانی حالات و کمالات سمجھنے میں کافی آسانی رہے گی۔ آپ کا سلسلۂ تصوف قادری سروری ہے۔ جسے محض ازلی فیض و فضل سے بغیر وسیلہ مجلس سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کا شرف حاصل ہوا اور حضور پُرنور نبی کریم سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد تلقین فرما کر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو حضرت غوث الاعظم پیرانِ پیر دستگیر محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دیا۔ "عین الفقر" میں اس سے متعلق سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں کہ:

> "قادری دو قسم پر ہے۔ قادری زاہدی اور قادری سروری۔
>
> قادری زاہدی وہ ہے کہ مرشد یعنی شیخ طالب یعنی مرید سے زہد و ریاضت میں چلہ کشی کرائے۔ حسب حاجت کسی کو دس برس کسی کو بارہ برس کسی کو چالیس برس اس کے بعد اس کو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے حضور لے جائے اور حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ اُسے مجلس محمدی ﷺ سے شرف فرمائیں، اور:
>
> قادری سروری وہ ہے کہ محض ازلی فیض و فضل جو ظاہری وسیلہ کے بغیر نور محمدی ﷺ سے مشرف ہو۔ اور حضرت محمد مصطفی ﷺ اُسے تلقین و ارشاد فرما کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

کے سپرد فرمائیں۔اسے قادری سروری کہتے ہیں۔سروری،سروری ہوتا ہےاور اسے اویسی بھی کہتے ہیں۔
مختصراً یہ کہ قادری سروری سلسلہ تصوف میں بغیر ریاضات ومجاہدات کے ہی پیغمبر اول وآخر واعظم ،حضورپُرنور، نبی کریم، رؤف ورحیم ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے اذن سے تمام روحانی صفات سے نواز دیتے ہیں۔
آپ کا طریقہ قادری،سروری تھا کیونکہ آپ کو محض خصوصی فضل وکرم وفیضِ ایزدی سے مجلس محمدی ﷺ کی حضوری حاصل تھی۔آپ زبردست پابند شرع تھےاور ایک ولی کامل بھی تھے۔
والدہ ماجدہ سے تلاشِ روشنی ،تلاشِ نورہدایت کا فرمان سن کر آپ نے تلاش کا سفر مستانہ وار شروع کردیا۔آپ نے دور دور تک بستی بستی کی خاک چھانی، پہاڑناپے اور صحرا و جنگل میں شب و روز گھومے۔آپ نے اس دوران کئی اللہ والوں کی رہنمائی کی لیکن خود کو گوہرِ مقصود حاصل نہ ہوا۔آپ نے بھی ہمت وشوق سے سفر تلاش جاری رکھا۔اس دوران کچھ فقراء سے آپ نے حضرت شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ جگہ جگہ اور بار بار سنا۔
قدرت رہنمائی فرمارہی تھی،آپ کے دل میں بغداد جانے کا شوق جڑ پکڑتا رہا،آخر اسی شوق کی رہنمائی میں آپ نے رختِ سفر باندھا اور ہندوستان سے عراق تک اپنی زندگی کی سب سے طویل مسافت کی اور بغداد میں داخل ہو کے کہیں رُکے نہیں، سیدھے شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پہنچے۔حضرت حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کشف اور گفت وشنید سے یہ جانچ لیا کہ یہ نووارد تو بہت بلندیوں پر اُڑنے والا عقاب ہے۔پھر بھی انہوں نے آپ کو فرمایا: ''تو کچھ روز مجاہدہ کر۔فی الحال پانی بھرا کر۔''انہوں نے ایک خادم کو اشارہ کیا۔خادم نے ایک مشکیزہ لا کے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کردیا۔
سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے رضا ورغبت سے مشکیزہ سنبھالا،اُسے پانی سے بھرا اور پانی لے جا کے حوض میں اُنڈیل دیا۔
حاضرین نے حیرانی سے دیکھا کہ سلطان باہو کے پہلے ہی مشکیزے سے حوض لباب بھر گیا اور نہ صرف حوض بھر گیا بلکہ خانقاہ کا صحن بھی بھیگنے لگا۔شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے تحمل کے ساتھ یہ ماجرا دیکھا اور اپنے قریب کھڑے ہوئے مریدوں سے کہا: یہ درویش کوئی کم مایہ طالب معلوم نہیں ہوتا۔
انہوں نے ہاتھ ہلا کر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قریب بلایا اور پوچھا: آزمائش کے لئے آمادہ ہے،سلطان باہو نے بے تامل آمادگی ظاہر کردی،شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا: ''تیرے پاس دنیا کا کچھ مال ومتاع ہے۔سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اثبات میں جواب دیا۔شاہ حبیب اللہ برجستہ بولے: فقر اور مال کا کیا میل؟ایک میان میں کہیں دو تلواریں بھی سماتی ہیں۔ایک دل میں کہیں دو محبتیں بھی جمع ہوتی ہیں۔'' یہ سننا تھا کہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ یکا یک پلٹے اور قریب قریب دوڑتے ہوئے خانقاہ سے باہر نکل گئے،بغداد میں انہوں نے کہیں قیام نہیں کیا۔
شورکوٹ میں گھر پہ پہنچے۔والدہ ماجدہ کو سلام کیا،دعائیں لیں اور واپسی کا مدعا بیان فرمادیا۔گھر کا سب مال ومتاع ظاہر اور چھپا ہوا گھر سے نکال کر باہر کیا اور پھر پھینک دیا اور دوسری صبح ہندوستان سے عراق تک کی طویل مسافت دوبارہ شروع ہوگئی اور

منزلوں پر منزلیں سر کرتے ہوئے، ایک بار پھر شیخ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ قادریؒ نے انہیں دیکھا تو کھڑے ہو کر سینے سے لگا لیا پھر ان کی پشت تھپکتے ہوئے بولے: ''درویش! بے شک تم نے دنیاوی مال سے تو نجات حاصل کر لی ہے مگر ابھی تک عورتوں سے آزادی حاصل نہیں کی ہے۔ ان کا حق ادا کرو گے یا خدا کا؟ یہ سننا تھا کہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ شیخ شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے علیحدہ ہوئے اور پہلے کی طرح آج پھر یکا یک پلٹے، اور قریب قریب دوڑتے ہوئے خانقاہ سے باہر نکل گئے، راہ میں پھر انہوں نے کہیں قیام نہیں کیا۔

حسب سابق پھر شورکوٹ گھر پہنچے۔ والدہ ماجدہ کو سلام کیا اور دعائیں لیں اور آپ نے اتنی جلدی واپس آ جانے کا مقصد بھی بیان کر دیا۔ والدہ ماجدہ نے انہیں بٹھا لیا اور نرمی سے کہا: ''بیویوں کے جو حقوق تمہارے سپرد ہیں آج سے تم ان سے بری الذمہ ہو۔ اور تمہارے جو حقوق بیویوں کے ذمے ہیں۔ وہ بدستور قائم رہیں گے۔ اگر تم حقیقی معرفت حاصل کر کے گھر آ گئے تو بہتر ہے ورنہ تمہیں محض بیویوں کے حقوق کی خاطر گھر آنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس لئے ایسی صورت میں انہیں طلاق دینے کا خیال دل سے نکال دو۔''

ماں کی تجویز نے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو متاثر کیا، پھر بھی وہ مُصر ہوئے کہ یہ تجویز ان کے لئے اس وقت قابل قبول ہوگی جب یہ بات ان کے سامنے خود ان کی بیویاں کہیں۔ بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا نے آواز دے کے اپنی بہوؤں کو بلوایا اور اپنی تجویز دُہرا دی۔ چاروں بہوؤں نے بغیر تامل کے اپنے شوہر کے سامنے اس تجویز سے قطعی اتفاق ظاہر کیا۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تشکر کی نگاہ سے دیکھا اور ماں سے اجازت لے کر تیسری بار ہندوستان سے عراق تک کی طویل مسافت طے کرنے کے لئے گھر سے نکل گئے۔

بغداد پہنچ کے وہ خانقاہ گئے تو اس مرتبہ شیخ شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی تپاک کا مظاہرہ کیا اور کامل نظر سے ان پر توجہ دی۔ ان کی توجہ کے باعث سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ قلبی واردات سے دوچار ہو گئے اور دیر تک دوچار رہے۔ واردات کے القا کے بعد شیخ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا: ''سلطان محمد! مراد پوری ہوئی، کچھ مشاہدہ کیا؟ سلطان محمد باہو رحمۃ اللہ علیہ نے دست بستہ ہو کے انکسار سے کہا: ''شیخ! جو مقامات مجھ پر اس وقت منکشف ہوئے ہیں۔ ان سے تو میں گہوارے ہی میں گزر چکا تھا۔ میری تمنا اس سے کہیں سوا ہے۔''

حضرت حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ آپ کے امتحان کے طور پر اور آپ کا معیار و مقام جاننے کے لئے وہاں بیٹھے بیٹھے ہی چند روحانی کمالات کئے۔ آپ نے بھی جواب میں ویسے ہی روحانی کمالات کئے۔ حضرت حبیب قادری اللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے کمالات سے بہت متاثر ہوئے اور آپ سے فرمایا: ''برادر! تو جس نعمت کا مستحق ہے، وہ میرے مکان میں نہیں ہے۔ ہاں، میرے شیخ عبدالرحمٰن قادریؒ کی خدمت میں جا۔ وہ ہند کے مشہور شہر دہلی میں فروکش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، تیرا حصہ وہیں ہے۔''

آپ کو اب کو ہر مقصود قریب نظر آنے لگا فوراً ہی حضرت حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے بغداد سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے اور شب و روز کی مسافرت کے بعد دہلی کے نواح میں پہنچ گئے ۔ادھر دہلی میں شیخ عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا گوشہ گوشہ درود و وظائف سے گونج رہا تھا۔لوگ فرداً فرداً بھی عبادت میں مصروف تھے اور اجتماعی طور پر بھی ۔حضرت شیخ عبدالرحمٰن قادری ہاتھ باندھے کھڑے تھے ۔یکا یک شیخ نے مراقبہ ختم کیا۔آنکھیں کھولیں اور اپنے خاص خادم سے مخاطب ہو کر بولے:''دیکھو،جلدی کرو اور باہر دوڑو ۔کچھ فاصلے پر پہنچ کے تمہیں سفر کی گرد میں اٹا ہوا ایک گریبان چاک ،شکستہ حال درویش نظر آئے گا ۔جلد از جلد اس کے پاس پہنچو اور اسے مکمل عزت و احترام سے یہاں لے آؤ،وہ ہمارا باہو ہے۔''

خادم ارشاد کی تعمیل میں باہر لپکا او رراہگیروں کے تعجب و تمسخر کی پرواہ کئے بغیر اپنی پوری رفتار سے دوڑتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ آ رہے تھے ۔شیخ عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم کو قرائن سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ اسی درویش کے لئے بھیجا گیا ہے ۔اس نے آگے بڑھ کے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں چومے اور احتراماً ان سے ایک قدم پیچھے ہو کے خانقاہ کے راستے کی طرف اشارہ کیا:''حضرت !ادھر چلنا ہے۔''

خادم کی معیت میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ،حضرت شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے روبہ رو گئے تو حضرت شیخ عبدالرحمٰن قادری فوراً اُن کا ہاتھ تھام کے انہیں تخلیے میں لے گئے ۔تخلیے میں پہنچتے ہی انہوں نے کسی قیل و قال کے بغیر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ایک دم او رایک قدم میں وہ نعمت عطا کر دی جس کی انہیں مدتوں سے طلب تھی اور جس کے لئے مجاہدات کے ہزار ہا دریا سالہا سال تک عبور کرنے پڑتے ہیں ۔آپ پر حال کا غلبہ ہوا اور لمحوں میں صد ہا اسرار و رموز منکشف ہو گئے ،نیز آپ کا دل فیض رسانی کے شدید جذبے سے لبریز ہو گیا ۔حضرت شیخ عبدالرحمٰن قادریؒ نے آپ کو اپنے پاس نہیں روکا ،اسی وقت خانقاہ سے رُخصت کر دیا ۔حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سرشاری و سرمستی کے عالم میں خانقاہ سے نکلے اور مختلف بازاروں سے گزرتے ہوئے ،ہر خاص و عام پر توجہ دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے ۔جس پر بھی آپ کی توجہ ہو جاتی ،وہ ایک دم بے خود و بے حال ہو جاتا ۔شیخ کامل کی صرف ایک نگاہ نے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ میں فیض رسانی کی غیر معمولی استعداد پیدا کر دی تھی ۔

اس صورت حال سے شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا ۔خلقت کے انبوہ سے راستے بند ہونے لگے ۔کسی نے دوڑ کر شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر پہنچائی کہ ایک ولی نے دہلی کے بے شمار لوگوں کو وجد و حال میں مبتلا کر رکھا ہے ۔شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اطمینان سے کہا:''جا کے دریافت کرو کہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس خاندان سے اور کس سلسلے سے تعلق رکھتا ہے؟''

حضرت شیخ عبدالرحمٰن قادریؒ کے خدام نے موقع پر پہنچ کر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو فوراً پہچان گئے اور اُلٹے قدموں شیخ کے پاس پہنچے ۔''سرکار!وہی درویش ہے جسے آپ نے فیض بخشا تھا ۔''شیخ عبدالرحمٰن نے حکم دیا:''اسے فوراً یہاں لے آؤ۔''

اس طرح سلطان باہو،دوسری بار شیخ کے پاس پہنچے ۔شیخ نے انہیں دیکھتے ہی ملول لہجے میں کہا:''باہو! کیا ہم نے یہ نعمت

تجھے اس لئے دی تھی کہ تو اسے عام کرتا پھرے؟"

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ادب سے کہا: "سیدی! کوئی عورت بازار سے جو چیز خریدتی ہے تو اسے ٹھونک بجا کے دیکھ لیتی ہے کہ کیسا ہے اور کوئی لڑکا لکڑی کی کمان بھی خریدتا ہے تو کھینچ تان کر اس کی لچک دیکھ لیتا ہے کہ درست ہے یا نہیں، پھر بھلا خادم نے آپ سے جو نعمت حاصل کی ہے، کیا اس کی آزمائش نہ کرتا؟"

حضرت شیخ عبدالرحمٰن قادریؒ مسکرائے، اور فرمایا: "میں منع نہیں کرتا، یہ نعمت اسی لئے ہے کہ عام کی جائے، لیکن اسے ارزاں نہ کر۔ اس کا متحمل ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا۔" یہ کہہ کے انہوں نے سلطان باہو پر مزید توجہ دی اور انہیں وطن واپس جا کے رُشد و ہدایت کی محفل سجانے کا حکم دیا۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے شورکوٹ پہنچ کے زور و شور سے تلقین و بلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تاریک راہوں کے بھٹکے ہوئے مسافر قافلوں کی صورت میں آتے اور قافلے کا ہر شخص آنکھوں میں مشعلیں روشن کر کے واپس جاتا۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ہر وقت درویشوں کا ہجوم رہتا۔ لنگر خانے کا اہتمام و انصرام بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا نے سنبھال لیا تھا۔ جاگیر اور کھیتی باڑی کا انتظام حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معتمد مریدوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اپنی ذات کے لئے وہ آبائی جاگیر سے ایک حبہ بھی نہیں لیتے تھے۔ روکھا سوکھا کھاتے، موٹا جھوٹا پہنتے اور اسی پر قانع رہتے، انہوں نے اپنی زندگی میں صرف دو دفعہ بیل خرید کے کھیتی باڑی شروع کی لیکن فصل پکنے سے پہلے ہی کھیت چھوڑ کے چلے آئے۔ بیل بھی جس کے ہاتھ آئے وہ لے گیا۔

آپ کے کشف و کرامات، فیوض و برکات اور تالیف و ابیات سے کتابیں بھری پڑی ہیں، مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے صرف چند ایک کا بیان کروں گا۔

شورکوٹ کے کسی قریبی علاقے کا ایک خاندانی رئیس قلاش ہو گیا تھا۔ اس نے ایک مقامی بزرگ سے اپنی بپتا بیان کی کہ "اب صرف سفید پوشی رہ گئی ہے، فاقوں نے گھر دیکھ لیا ہے، دروازے پر قرض خواہوں کا جمگھٹا رہتا ہے۔ بچوں کی شادیاں اور دوسرے فرائض مفلسی کے سبب التوا میں پڑے ہوئے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟

بزرگ نے قلاش رئیس سے کہا: "چناب کے کنارے شورکوٹ جاؤ، وہاں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ملیں گے، انہیں اپنی مشکلات بیان کرنا۔" وہ شخص اپنے رفیقوں، ملازموں کے ساتھ کئی میل کا سفر کر کے شورکوٹ پہنچا۔ وہاں اس نے لوگوں سے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ دریافت کیا۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اپنے کھیت میں تھے۔ لوگوں نے اُسے کھیت کا پتہ بتا دیا۔ وہ کھیت میں گیا تو سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ہل چلا رہے تھے۔ اس شخص نے انہیں ہل چلاتے ہوئے دیکھا تو سخت مایوس ہوا اور سوچنے لگا کہ جو آدمی مفلسی میں گرفتار ہے اور ہل چلا رہا ہے۔ وہ بھلا میری مدد کیا کرے گا؟۔ یہ سوچ کے وہ وہاں سے واپس ہونے لگا۔ اچانک پشت سے کسی نے اسے اس کا نام لے کے پکارا۔ وہ بہت متعجب ہوا کہ یہاں تو میں قطعاً اجنبی ہوں، میرا نام کسے اور کیسے معلوم ہو گیا؟ وہ مڑا تو اس نے دیکھا کہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اس کو بلا رہے ہیں۔ اس کے دل میں اُمید کی بجلی کوندی، وہ

سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کے قریب گیا تو آپ نے اس سے کہا: ''تو سفر کی سختیاں سہتا ہوا اتنا فاصلہ طے کر کے آیا ہے، ہم سے ملاقات کئے بغیر کیوں جا رہا ہے؟ اس شخص نے دست بستہ ہو کے اپنی خستہ حالی کی داستان سنا دی۔ سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ نے اسی وقت زمین سے ایک ڈھیلا اُٹھا کے دوبارہ زمین پر دے مارا۔ اس شخص نے زمین پر نظر ڈالی تو انگشت بدنداں رہ گیا کیونکہ آپ کے اس عمل سے اب زمین پر پڑے ہوئے تمام ڈھیلے اور پتھر سونے کے ہو گئے تھے۔ سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ نے نہایت بے نیازی سے کہا: ''اپنی ضرورت کے مطابق سونا اُٹھا لے۔'' اس شخص نے اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں بلوا لیا، ان سب نے اپنے اپنے گھوڑوں پر وافر سونا لاد لیا۔ پھر سونے اور سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کے احسان کے بوجھ میں دبے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے کہتے ہیں کہ اس سونے کے زیورات اب تک اس خاندان کے گھروں میں موجود ہیں۔

سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ نے کتابی علم حاصل نہیں کیا تھا، لیکن ان کا روحانی علم ایک موج سمندر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فقر، تصوف اور معرفت پر ان کے ملفوظات کا ذخیرہ آج بھی طالب کے لئے ایک جیتے جاگتے مدرس کی حیثیت رکھتا ہے۔ شریعت، طریقت اور حقیقت جیسے دقیق اور نازک موضوعات پر کم و بیش تیس تالیفات آپ سے منسوب ہیں۔

جذب و سلوک کے شیدائی فیض و برکت کے لئے دور دور سے سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کے پاس آتے تھے۔ کیونکہ ان کی شہرت اطراف و جوانب میں کوسوں دور تک پھیل چکی تھی۔ سندھ کے موضع گھوٹکی کے ایک کلال یعنی مے فروش نے بھی حضرت سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تھا۔ اسے آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ چنانچہ ایک روز اس نے کاروبار سمیٹا اور سندھ سے پنجاب کا رُخ کیا۔ شورکوٹ پہنچ کر وہ سیدھا حضرت سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا: ''کلال! اب تک تو تو دوسروں کو شراب پلاتا تھا لیکن آج ہم تجھے شراب پلائیں گے۔'' یہ کہہ کر آپ نے اس کلال پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔ آپ کی نگاہ کے فیض سے کلال کی دُنیا چشم زدن میں بدل کے رہ گئی اور اس کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ (سیر الاخیار، ص 549)

پھر جب وہ شورکوٹ سے گھوٹکی واپس پہنچا تو اس کے متعلقین تک اسے شناخت نہیں کر سکے، کیونکہ اب وہ ایک نفع خور اور فاسق و فاجر کلال نہیں رہا تھا۔ بلکہ ایک قانع اور عابد و زاہد شخص ہو گیا تھا، ویسے تو گھوٹکی کے سبھی باشندے اس کی قلبی تبدیلی پر حیران تھے مگر خصوصاً ایک بیوہ عورت اس کی اس تبدیلی سے بہت متاثر تھی۔ اس بیوہ کا ایک لڑکا مومن شاہ تھا۔ ایک روز وہ بیوہ اپنے یتیم لڑکے کو لے کر کلال کے پاس گئی اور بولی: ''بھیا! جنہوں نے تمہاری دُنیا بدل دی ہے، اب تم ان کے پاس دوبارہ جاؤ تو میرے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لیتے جانا اور مجھ دکھیاری کی طرف سے بھی ان سے کہنا کہ میاں: میں بہت مسکین ہوں، فاقوں اور محتاجی کا بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے تنگ آ گئی ہوں۔ میرے بیٹے کو مفلسی سے نجات دلا دیجئے اور اس کی آخرت بھی سنوار دیجئے۔''

کلال نے وعدہ کر لیا کہ وہ مومن کو شورکوٹ ضرور لے جائے گا۔ پھر جب وہ دوسری بار سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کے پاس روانہ ہوا تو اپنے وعدے کے مطابق مومن کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ حضرت سلطان باہورحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچ کے اس نے مومن کو

ان کے سامنے پیش کیا اور اس کی ماں کا پیغام دہرایا۔حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے مومن پر شفقت کی نظر ڈالی اور کہا اس کی ماں سے کہہ دینا کہ دینی اور دنیاوی نعمتیں ہمیشہ اس کے گھر میں رہیں گی۔لیکن بچے کی عمر ابھی کم ہے،اس لئے فی الحال اسے اپنے پاس رکھے اور پہلے ظاہری تعلیم کے زیور سے آراستہ کرے۔اس کے بعد ہمارے پاس بھیجے۔''

مومن واپس گھوکی لے جایا گیا۔اس کی ماں نے اسے مدرسے میں داخل کرا دیا۔لڑکا بہت ذہین ثابت ہوا۔وقت گزرتا رہا۔وہ دل جمعی سے پڑھتا رہا۔چند سال بعد وہ مدرسے سے فارغ التحصیل ہوگیا۔چنانچہ اس کی ماں نے اسے کلال کے ساتھ پھر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے روانہ کر دیا۔مومن اور کلال شور کوٹ جانے کے لئے گھوکی سے نکلے مگر ابھی رنگ پور کھیڑا ہی پہنچے تھے کہ اچانک ایک دلدوز خبر بجلی بن کے ان کے اعصاب پر گری۔معلوم ہوا کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما چکے ہیں۔کلال اس جانکاہ خبر کی تاب نہ لا سکا،وہ کھڑے کھڑے زمین پر ڈھیر ا ہوا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ناچار مومن شاہ اکیلا ہی روتا دھوتا،گرتا پڑتا آگے بڑھا اور کسی نہ کسی طرح حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچ گیا۔سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے فرش غم بچھائے بیٹھے تھے۔مومن شاہ نے مزار پر سینہ کوبی شروع کر دی اور رو رو کے کہنے لگا کہ''حضرت!اگر جانا ہی تھا تو مجھے کیوں بلایا تھا؟مجھے کیوں بلایا تھا؟مجھے کیوں بلایا تھا؟

اس کی سینہ کوبی اور فریاد نے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیا''ان کے ایک فرزند نے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے دلاسا دیتے ہوئے پوچھا:''کیا تمہارا نام مومن شاہ ہے؟مومن شاہ نے آنسو پونچھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نے اسے اطمینان سے بٹھایا اور کہا:''مومن شاہ!واویلا نہ کرو۔میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میرے والد نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔وصال سے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ جنوب کی طرف سے مومن شاہ نامی ایک طالب آرہا ہے،وہ خاص نعمت کا مستحق ہے،اسے خاص نعمت دینا۔میرے منہ سے نکلا کہ ابا جان!خاص نعمت کے طور پر اسے کیا دینا چاہیے؟ان کے پاس وقت کم تھا۔انہوں نے چٹائی پر لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھایا اور زمین پر کچھ لکھ دیا۔ان کے لکھے ہوئے پر میں نے مٹی کی رکابی ڈھانک دی تاکہ تیز ہوا وغیرہ سے محفوظ رہے۔یہ کہہ کے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نے قریب ہی زمین پر اُلٹی ہوئی رکابی ہٹائی تو مومن نے دیکھا کہ وہ اسم ذات کا نقش ہے،نقش دیکھتے ہی مومن بے ہوش ہوگیا۔حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نے نقش دوبارہ رکابی سے ڈھانک دیا۔مومن شاہ مسلسل تین دن اور تین رات تک وہیں بے ہوش پڑا رہا اور جب ہوش میں آگیا تو اس نے دوبارہ اسم ذات کے نقش پر نظر ڈالی تو پھر بے ہوش ہوگیا۔یہ بے ہوشی دو دن اور دو رات طاری رہی۔بعد ازاں اس نے تیسری دفعہ نقش دیکھا تو پھر ایک دن اور ایک رات مست رہا،مگر چوتھی مرتبہ اس نے نقش دیکھا تو مستی غالب نہ آسکی گویا نعمت نے دل میں قرار پکڑ لیا تھا۔

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندوں کو جب یقین ہوگیا کہ نعمت مومن شاہ کے دل میں قرار پکڑ چکی ہے تو انہوں نے نقش کی خاک پانی میں گھول کے انہیں پلا دی۔اس طرح مومن شاہ ارشاد و تلقین کی دولت حاصل کر کے وہاں سے رخصت ہوئے

اور گھوکی پہنچ کے مخلوق کو فیض پہنچانے لگے۔ کہتے ہیں، مومن شاہ نے تقریباً ایک لاکھ تشنہ کاموں کو رشد و ہدایت کے مشروب سے سیراب کیا۔ ان کے لنگر خانے میں ہر وقت اژدھام رہتا تھا۔ وہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے شدید محبت کرتے تھے۔ سچا مجنوں وہی ہوتا ہے، جسے لیلا تو لیلا، لیلا کی گلی کا کتا بھی عزیز ہو۔ مومن شاہ کا حکم تھا کہ جب بھی چناب کی جانب سے کوئی مہمان آئے تو انہیں فوراً مطلع کیا جائے۔ مرشد کے علاقے سے آنے والے مہمانوں کی خدمت وہ اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ کھانا کھلانا، بستر بچھانا، پاؤں دبانا، غسل وغیرہ کے لئے پانی بھرنا اور اسے گرم کرنا، نیز دیگر خدمات۔ اس کام میں انہیں بے انتہا فرحت حاصل ہوتی تھی۔

سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ، عارفوں کے بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ کے روئیں روئیں سے عرفانِ الٰہی کے انوار پھوٹتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: ''اپنے آپ کو ذات حق میں سمو لینے سے ہی معرفت حق کے اسرار کھلتے ہیں۔ جب عارف کا وصل ذات حق میں ہو جاتا ہے تو وہ جس طرف نگاہ کرتا ہے ذات حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ مرشد وہ ہوتا ہے جو مرید کا دل جھوٹی خواہشات سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح دھوبی کپڑے سے میل کچیل صاف کر کے اسے پاک صاف کر دیتا ہے۔ عرفان کی آخری منزل فنا فی اللہ ہے۔ کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی مخلوق حقیقی کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے لافانی کلام جو تخلیق کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ انوار الٰہی کا پیکر تھے۔ اقلیم جذب و مستی کا سفر مشاہدات کا پرتو ہوتا ہے۔ اس منزل میں جو تعلیم و تربیت حاصل ہوتی ہے وہ مدرسوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں سے نہیں ملتی۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ظاہری علم حاصل نہیں کیا۔ علم لدنی سے جو علم حاصل ہوا وہ فرش و عرش کے ادراک سے مالا مال تھا۔ اسی علم کی روشنی میں آپ نے فارسی زبان میں ایک سو چالیس کتابیں لکھیں۔ ان کتب میں تصوف کے نور کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آپ کی یہ کتابیں اہل تصوف میں بے حد مقبول ہیں۔ آپ کی کتب پڑھنے سے سلوک کے راستے روشن ہو جاتے ہیں۔ مگر برصغیر میں جس لافانی کلام نے آپ کو شہرت دوام بخشی وہ آپ کا پنجابی کلام ہے۔ ابیات باہو رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک بند۔ ایک ایک مصرعہ اور ایک ایک لفظ ہو کی گونج میں اس لئے ڈوبا ہوا ہے کہ آپ ہو بن چکے تھے۔ یعنی اس ذات واحد میں اپنی ذات کو ضم کر چکے تھے۔ اسی لئے جو کچھ کہتے اپنی ذات میں اس ذات کے انوار کی کرنوں کے سینے سے یہ صدا، یہ گونج، پیدا ہوتی تھی۔ اسی لئے جو آپ کے کلام کو پڑھتا ہے جذب و مستی میں ڈوب جاتا ہے، جو سنتا ہے وہ ہو کا پیکر بن کے رہ جاتا ہے۔ صدیوں سے ہو کی صدا گونج رہی ہے اور گونجتی رہے گی۔ اس دور کے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الہامی کلام کی طرح سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی الہامی ہے۔ دل میں اُتر جانے والا کلام وہی ہوتا ہے جس میں حق اور سچائی کا نور ہو۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کی تعداد ایک سو چالیس بیان کی جاتی ہے۔ فقیر نور محمد کلاچوی (م۔1960ء) لکھتے ہیں کہ انہوں نے آپ کی چھوٹی بڑی چالیس کتابیں اکٹھی کی تھیں۔ یہ تمام عربی فارسی میں ہیں اور فقر و تصوف سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی زبان سلیس اور سادہ ہے۔ ایک ایک لفظ میں مصنف کی روح کا جوشِ یقین و اعتبار موجود ہے۔ آپ کے ایک دیوان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی پنجابی شاعری بھی حد درجہ اعلیٰ و ارفع ہے۔

آپ کی کچھ تصنیفات کے نام یہ ہیں:

۱۔عین الفقر کبیر	۲۔عین الفقر صغیر	۳۔عقل بیدار کبیر
۴۔عقل بیدار صغیر	۵۔کلید التوحید کبیر	۶۔کلید التوحید صغیر
۷۔مجالستہ النبی	۸۔حجتہ الاسرار	۹۔محبت الاسرار
۱۰۔گنج الاسرار	۱۱۔اسرار قادری	۱۲۔توفیق الہدایت
۱۳۔تیغ برہنہ	۱۴۔مجموعہ الفضل	۱۵۔ممک الفقر الکبیر
۱۶۔ممک الفقر الصغیر	۱۷۔فضل القادر	۱۸۔شمس العارفین
۱۹۔رسالہ روحی، رنگ شاہی	۲۰۔امیر الکونین	۲۱۔مفتاح العاشقین
۲۲۔قرب دیدار	۲۳۔نور الہدیٰ	۲۴۔دیوان اردو
۲۵۔دیوان فارسی	۲۶۔مفتاح العارفین	۲۷۔مجموعہ ابیات باہو (پنجابی)

آپ نے سنِ ہجری کے لحاظ سے 63 سال کی عمر پائی۔آپ نے یکم جمادی الثانی، سن 1102 ہجری بمطابق 20 فروری 1691ء کو بروز جمعہ، پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور، سرکار دو عالم ﷺ کی سنت میں تریسٹھ (63) سال کی عمر میں داعی حق کو لبیک کہا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت سلطان العارفین سلطان محمد باہو رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ بیٹے تھے۔آپ کی اولادِ پاک ہی سجادہ نشین ہے۔آپ کی اولادِ پاک میں اکثر صاحبزادگان اولیائے کاملین گزرے ہیں۔حضور نور احمد سلطان، حضرت امیر سلطان اور حضرت حبیب سلطان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اپنے دور میں اولیائے کاملین میں سے تھے۔آپ کی اولادِ پاک کے اسم گرامی یہ ہیں:

۱۔سلطان نور محمد	۲۔سلطان ولی محمد	۳۔سلطان لطیف محمد
۴۔سلطان صالح محمد	۵۔سلطان آفاق محمد	۶۔سلطان فتح محمد
۷۔سلطان شریف محمد	۸۔سلطان حیات محمد صاحب (آپ کم عمری ہی میں رحلت فرما گئے تھے۔)	

آپ کی نماز جنازہ ملتان کے علاقوں میں علاقہ شورکوٹ کے متعلق موضع قہرگان کے قلعہ میں ادا کی گئی جو پکی اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔قلعہ قہرگان والے مقبرے میں جو کہ آپ کا پہلا مزار مبارک تھا، آپ نے ستر (70) سال آرام فرمایا۔وقت رفتہ کے ساتھ دریا کا پانی قلعہ تک آ گیا اور قلعہ گر گیا۔اور پھر پانی قبروں تک آ پہنچا تو اس جگہ سے جسموں کو نکالنے کا کام شروع ہوا۔اور مدفونوں کے صندوق تو جلد ہی مل گئے اور وہ نکال لئے گئے مگر تلاشِ بسیار کے باوجود آپ والا صندوق نہ ملا سب پریشان ہو گئے۔آخر آپ نے ہی اپنے خلفاء اور فقیروں کو بتایا کہ پریشان نہ ہوں ہم ضرور باہر نکلیں گے مگر جو شخص ہمارے جسم کو چھونے کے لائق ہے وہ کل صبح یہاں آئے گا اور آ کر ہمارا صندوق نکالے گا۔دوسرے دن اس مرد مجاہد مرد غیب نے آ کر

آپ کا صندوق نکالا اور اُسے دریا سے دور ایک اور حویلی میں (جو کہ آسیب زدہ مشہور تھی) فرش پر رکھا اور اس کے ارد گرد پکی اینٹوں سے مزار پاک بنادیا۔ یہ مزار مقدس 1180 ہجری میں تعمیر ہوا اور ایک سو ستاون (157) سال تک آپ یہاں آرام فرما رہے اور یہ جگہ مرجع خواص وعوام رہی لوگ فیضیاب ہوتے رہے۔

سن 1336 ہجری میں دریا پھر مزار مقدس کے قریب آگیا۔ کٹاؤ کے سبب دریا کے پانی کا مزار پاک میں داخل ہونے کا امکان بڑھ گیا۔ اب کی دفعہ بھی صندوق بڑی مشکل سے ملا۔ جب نکالا تو اس سے آفاقی خوشبو کے بھبکے آرہے تھے۔ ہر طرف ایک بہت دلکش اور گہری خوشبو پھیل گئی۔ صندوق مقدس کو ماہِ محرم کی دس تاریخ سے پہلے نکال کر محفوظ کرلیا گیا۔ اس دربار سے جہاں سے اب صندوق نکالا گیا شمال مغربی گوشہ میں کوئی ایک میل ہٹ کر مزار کے لئے نئی جگہ وعمارت بنائی گئی اور اس محل شریف میں آپ کا صندوق مبارک بروز جمعہ دفن کیا گیا۔ الحمدللہ! موجودہ جگہ پر آپ سنِ ہجری کے لحاظ سے گزشتہ 249 سال سے آرام فرما ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆
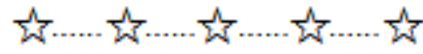
حضرت محمد عنایت اللہؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی محمد عنایت اللہ ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی پیر محمد تھا۔ آپ قوم کے ''ارائیں'' تھے۔ آپ کو ''شاہ'' صاحب احتراماً کہا جانے لگا جیسا کہ اس زمانے میں عوام الناس کا رواج تھا۔ اس زمانے کے کتنے ہی بزرگانِ دین کے اسمائے گرامی کے ساتھ لفظ ''شاہ'' کا اضافہ ہے۔ یہاں تک کہ کئی سیّد بزرگانِ دین کے اسمائے مبارک کے ساتھ بھی یہ لفظ مزید احترام کے لئے عوام الناس نے لگا دیا تھا جیسے حضرت سیّد شاہ جمال او رحضرت سیّد شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

روحانیت، روحانی علوم کسی کی بھی میراث نہیں، ہاں آلِ رسول کو اس میں خاص رغبت، رجحان، ترجیح حوصلہ ہمت اور فوقیت حاصل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں تو دل کا خلوص (قلب کا نور) تقویٰ معیار ہے اور کچھ نہیں۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل خصوصی ہے وہ جسے چاہے دے دے، جتنا چاہے دے دے۔ سورہ حدید آیت 21 میں فرمانِ رب العالمین ہے۔ ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' اس کی حکمتیں صرف وہی جانتا ہے۔ وہ سب کا ہے۔ وہ سب کا خالق و مالک وپروردگار ہے۔

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حاجتمند سفید پوش سیّد کے لئے کراماتِ الٰہی سے مٹی کے ایک ڈھیر پر پیشاب کی طہارت کا ڈھیلا مار کر اُسے سونا بنا دیا تھا اور اُسے فرمایا تھا کہ اپنی حاجت کے مطابق یہاں سے سونا اُٹھا لو۔ اس نے اپنی سواری پر اتنا سونا لاد لیا جتنا وہ اُٹھا سکتا تھا اور گھر لے گیا۔ اُس سفید پوش سیّد نے یہ شعر کہا:

نظر جنہاں دی کیمیا او سونا کر دے وٹ

ذاتاں دِتیاں رب دیاں کیا سیّد کیا جٹ

رب کائنات، قادر مطلق کس کو مرد کامل بناتا ہے یہ اس کی مرضی ہے پسند ہے حکمت ہے اور جس کو وہ مرد کامل، مرد حق، رجال غیب بنا دے اس پر رحمتوں، نوازشوں عنایتوں اور کرم نوازیوں کے کیا کہنے۔ اس سے متعلق حضرت محمد بخش کھری شریف والے کا یہ ایک شعر ہی کافی ہے۔

مرد ملے تاں درد گواوے ،او گن تھیں گن کردا

کامل پیر محمد بخشا ، لعل بناون پتھر دا

اور ہمارے دیہات یا ان پڑھ طبقے میں تو یہ رواج اب بھی موجود ہے۔وہ ہر امامِ مسجد کو، درس وتدریس والے کو خطیب کو احتراماً شاہ صاحب،شاہ جی کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ میں،مشائخ میں،صلحاء اور علماء میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ دنیاوی اور دینی یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ وپیراستہ تھے۔روحانیت میں بہت اعلیٰ مقام پر تھے۔آپ نے درس وتدریس کے ذریعے ایک طویل مدت تک خلق خدا کی خدمت کی اور طالبانِ راہِ حق کو راہ دکھائی اور خوبصورتی سے اُنہیں راہِ حق پر گامزن کیا اور روحانیت میں پوری پوری مدد و رہنمائی فرمائی۔

آپ بہت ذہین وفطین تھے تمام علوم چھوٹی عمر میں ہی سیکھ لئے۔آپ بہت سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے۔عبادات، مجاہدات وریاضات کا آپ کو بہت شوق تھا۔آپ بہت بڑے عابد، زاہد اور عالم تھے۔حلیمی وانکساری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔آپ کی طبیعت میں غصہ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔لوگوں کی مالی واخلاقی مدد ورہنمائی آپ کا شعار تھا۔آپ بہت سخی اور دریا دل تھے۔اہل علم ودانش کا کہنا ہے کہ آپ قبلۂ اہل یقین، رہنمائے واصلین، سردارِ عارفین، رہبر سالکین اور مظہر نور رب العالمین تھے۔ آپ صاحب کشف وکرامات تھے اور ان میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔لوگ آپ سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اور آپ تمام دور میں بہت ہر دلعزیز رہے۔آپ خود بھی شریعت کے زبردست پابند تھے اور آنے والوں کو بھی اتباعِ شریعت کا درس دیتے تھے۔آپ ایک اعلیٰ پایہ کے مبلغ ومصنف تھے۔آپ نے درجنوں کتابیں، رسالے ومقالمات تصنیف فرمائے۔حقائق و معارف میں آپ کے اقوال بہت لطیف ہیں اور آپ کی کرامات مشہور ہیں۔آپ بڑے متقی وپرہیزگار تھے اور آپ کا صدق و اخلاص بہت نمایاں تھا۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش 1056 ہجری بمطابق 1646ء ہے۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 91 سال کی عمر پائی۔آپ نے 27 رجمادی الثانی 1147ھ بمطابق 13 رنومبر 1734ء کو وصال فرمایا۔کچھ کتابوں میں آپ کی عمر بہت کم لکھی ہوئی ہے اور سن عیسوی بھی غلط لکھی ہوئی ہے۔سن عیسوی کے لحاظ سے بھی آپ کی عمر 88 سال بنتی ہے۔

آپ کے دور یا زمانے کا درج ذیل حقائق سے پتہ لگایا جاسکتا ہے،اندازہ کیا جاسکتا ہے۔آپ کے مرشد حضرت سیّد محمد رضا شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان دنوں لاہور میں حضرت محمد رضا شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کا چشمہ فیض جاری وساری تھا۔آپ نے بیعت حضرت محمد رضا شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے کی اور انہوں نے ہی خلافت مرحمت فرمائی۔آپ کے مریدوں میں دو اسمائے مبارک بہت مشہور ومعروف ہیں۔اول حضرت عبداللہ بن سید سخی محمد المعروف حضرت سید بلھے شاہ قادری

رحمۃ اللہ علیہ۔آپ کے اس شاگرد(مرید) نے روحانیت میں بہت عروج حاصل کیا اور فنافی الشیخ ہونے میں بھی آپ نے کمال کر دیا۔آپ کی معرفت وحقیقت بھری کافیاں بہت مشہور ومقبول ہیں۔دوسرے حضرت وارث شاہؒ ہیں جن کی روحانیت کے بارے میں کشف وکرامات کے بارے میں بہت کم معلوم ہے لیکن آپ کی ایک تصنیف ''ہیر وارث شاہ'' معرفت سے لبریز ہے اور پنجابی ادب کا ایک لاجواب زندہ وجاوید شاہکار ہے۔آپ کے زمانے میں ریاست قصور کے حاکم اعلیٰ نواب حسین خان تھے اور امرتسر کا حاکم گلاب سنگھ(سکھ) تھا۔اور لاہور میں مغل شہنشاہ محمد شاہ تھا جو ایک ملاقات کے بعد آپ سے بیعت ہوا۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے آباؤاجداد لاہور کے ایک قریبی گاؤں بنام ''مزنگ'' کے رہنے والے تھے۔وہاں ان کی خاصی زرعی زمین، اراضی تھی جو کئی نسلوں سے ان کی ملکیت تھی اور زیر کاشت تھی اور آبپاشی کے لئے رہٹ لگائے ہوئے تھے۔آپ کے آباؤاجداد زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔(اس دور کا وہ گاؤں مزنگ آج (2009ء بمطابق 1430ھ) کے شہر لاہور کا بہت پُر رونق، گنجان آباد اور مرکزی حصہ بن گیا ہے۔

آپ کے والد گرامی عہد شباب ہی میں بعض وجوہ کی بنا پر لاہور سے نقل مکانی کر کے اپنے سسرال کے ہاں شہر قصور رہائش پذیر ہوگئے۔ان کے سسر صاحب علم وفضل تھے اور شہر قصور کی ایک جامع مسجد کوٹ پکا قلعہ میں بطور خطیب وامام تعینات تھے اور وہ درس وتدریس کا وسیع حلقہ رکھتے تھے۔ان کی وفات کے بعد آپ کے والد گرامی جناب مولوی پیر محمد صاحب نے اس ذمہ داری کو باحسن وخوبی سرانجام دینا شروع کر دیا۔

آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد ماجد مولوی پیر محمد صاحب چونکہ امام مسجد تھے،اس مسجد میں ہر روز نماز فجر میں ایک مجذوب،مست،آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتا تھا۔وہ مجذوب بعد از فراغت نماز مولوی پیر محمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دست بوسی کے بعد یہ کہا کرتا:''مولوی صاحب!تہاڈے سارے خاندان نوں چمکان والا ہن آون والا اے۔''چنانچہ اس مجذوب الحال کی یہ پیش گوئی سچ ہو کر رہی۔تھوڑے ہی عرصے بعد آپ کے ہاں ایک ماہ رو نومولود کی 1056ھ بمطابق 1646ء میں ولادت ہوئی۔والدین بے حد مسرور ہوئے اور اسم گرامی محمد عنایت اللہ رکھا۔اس مجذوب کی یہ پیش گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی اور یہی وہ سعادت مند،عالی بخت روح تھی،نومولود تھا جس نے بعد میں محمد عنایت اللہ قادری کے نام سے تاریخ ولایت میں شہرت ودوام پائی،آپ کی پیدائش کے بعد وہ مجذوب ہمیشہ کے لئے ایسا غائب ہوا کہ تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکا۔

مولوی پیر محمد صاحب چونکہ خود بھی صاحب علم اور اہل بصیرت انسان تھے۔انہیں یہ یقین تھا کہ میرا یہ بیٹا ایک دن سالکانِ جادۂ طریقت میں گوہر یکتا اور گلشن شریعت میں گل سدا بہار ثابت ہوگا۔انہوں نے اپنے اس فرزند ارجمند کو اعلیٰ دینی تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کرنے کے لئے خاطر خواہ انتظام واہتمام کیا۔عمدہ صلاحیت کے حامل اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیم آغاز ہوا۔قابل اساتذہ کی نگرانی میں آپ نے اپنی زندگی کی پانچویں بہار میں(پانچ سال کی عمر میں)قرآن مجید حفظ کر لیا اور نو سال کی عمر ہونے

تک آپ فارسی وعربی کی کتب پر مکمل عبور حاصل کر چکے تھے حتی کہ بارہ برس کی عمر میں آپ تمام علوم مروّجہ سے فراغت حاصل کر کے سندو دستارِ فضیلت سے نوازے گئے ۔چونکہ آپ ایک متقی پرہیز گاراور دینی گھرانے کے پروردہ تھے اس لئے ابتداء ہی سے رُشد وہدایت اور فقر وتصوف کی طرف میلان ورجحان ایک فطری امر تھا۔شانِ رب العالمین کہ آپ کے والد ماجد اپنی نیک خواہشات کی تکمیل نہ دیکھ سکے اوراسی دوران داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔

والد ماجد کے وصال سے آپ بہت آزردہ خاطر ہوئے۔سایہ پدری سے محروم ہونے کے بعد آپ اپنے والد کی آرزوؤں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوشاں رہے۔تمام تر مصروفیات کو خیر باد کہا اور تلاش مرشد میں کمر بستہ ہو کر صحرا نوردی کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔شہر لاہور ابتداء ہی سے متلاشیانِ حق اور اہل اللہ کی آماجگاہ چلا آتا ہے۔علاوہ ازیں،علمی،ادبی،سیاسی، ثقافتی اور تجارتی لحاظ سے بھی لاہور کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی اور ہے۔

اُن دنوں لاہور میں خاندانِ سادات کے ایک درخشندہ گوہر،گلشن نبوی کے ایک سدا بہار گل زیبا،اعلیٰ درجہ کے متقی، پرہیز گار،وارثِ فیضانِ محمدی (ﷺ) حضرت سیّد محمد رضا شاہ صاحب قادری شطاریؒ کے فیضان کا چشمہ جاری وساری تھا۔ لوگ دور دراز سے تشنہ لب آتے اور فیضانِ رضا سے پیاس بجھا کر شادکام ہوتے۔آپ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔اور زندگی کی شام کسی وقت بھی ڈھل سکتی تھی۔پیرانہ سالی کے ساتھ ساتھ انہیں ایک اور فکر دامن گیر تھی۔نگاہیں کسی ایسے عالی ظرف،بلند پرواز سعادت مند کی تلاش میں تھیں کہ جس کو کلی طور پر بارِ معرفت وولایت کی یہ ذمہ داری سونپ دی جائے اور وہ اس بارِ امانت کا صحیح طور پر متحمل اور اہل ثابت ہو سکے۔

حضرت سیّد محمد رضا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو مستجاب ہوئی اور فیض روحانی کے متلاشی طالب صادق حضرت محمد عنایت اللہ بھی کسب فیض کے لئے حاضر ہوئے۔ان کو دیکھتے ہی حضرت سیّد محمد رضا شاہؒ نے اطمینان کا سانس لیا۔فراست مؤمنانہ سے آپ کی قابلیت وصلاحیت کو بھانپ لیا۔الطافِ کریمانہ سے آپ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔حضرت محمد عنایت اللہ بھی اُن کے مشفقانہ رویہ اور اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔آخر ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور اپنی دلی آرزو کی تکمیل کے لئے بیعت کی درخواست کی۔سیّد محمد رضا شاہؒ تو پہلے ہی ایسے شہبازِ شریعت ومعرفت کے منتظر تھے۔بلا تامل انہیں سلسلۂ عالیہ قادریہ شطاریہ میں بیعت کر لیا۔

آپ نے اپنے شیخ کامل،پیر روشن ضمیر کی خدمت عالیہ میں کچھ عرصہ گزار کر منازل سلوک طے کیں۔مرشد پاک نے بھی پوری جانفشانی اور محنت سے انہیں فیض باطنی اور علم روحانی سے بہرہ ور کر کے بہت جلد مرتبہ کمال تک پہنچا دیا،اور خرقہ خلافت مرحمت فرمایا۔شریعت مطہرہ پر چلنے،درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھنے پر مزید تاکید فرمائی اور آپ کو واپس قصور چلے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

اپنے رہبر،پیرومرشد کی خواہش وارشاد کے مطابق آپ واپس شہر قصور تشریف لائے اور اپنے شیخ کے مشن کو پایۂ تکمیل

تک پہنچانے کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ اپنے ناناجان کی سابقہ مسجد میں باقاعدہ طور پر تفسیر قرآن، احادیث وفقہ پر مبنی ایک جامع درس دیا کرتے جس سے مخلوق خدا کی کثیر تعداد نے آپ کے علوم روحانی اور فیوضات ربانی سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے شروع ہوئے۔ آپ باقاعدگی سے عرفانِ خداوندی اور عشق محمدی سے لوگوں کے صدور و قلوب کو گرماتے اور منور کرتے۔ اس طرح آپ کی شخصیت پورے قصور بلکہ گردونواح کے دیہات ومضافات کے باسیوں کے لئے عقیدت ومحبت کا مرکز بن گئی۔ دور دراز سے عقیدت مند و متعلقین حاضر ہو کر فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے اور آپ کی قابلیت، حسن اخلاق، علم وروحانیت کا چرچا کرتے اور یوں آپ ریاست قصور اور اس کے گردونواح میں اپنی صفاتِ حمیدہ کے لئے مشہور ومقبول ہوگئے۔

جب آپ کی دینی خدمات، روحانیت وولایت باطنی کا چہار سو چرچا ہونے لگا تو خلق خدا انبوہ در انبوہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے لگی۔ ریاست قصور کا فرمانروا نواب حسین خاں افغان آپ کی شہرت اور مقبولیت سے نہ جانے کیوں حسد کرنے لگا، وہ بوکھلا گیا۔ نواب حسین خاں کے حاشیہ نشینوں، مشیروں اور خوشامدیوں نے اپنی گرویدگی اور حق غلامی ظاہر کرنے کی خاطر اُسے مزید اُکسایا، بھڑکایا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کے خلاف طرح طرح کے مذموم منصوبے مرتب ہونے لگے۔ ذہنی اذیت اور مختلف قسم کی تکالیف میں اُلجھانے کی کوششیں شروع ہوئیں مگر آپ اسے کوئی اہمیت ہی نہ دیتے بلکہ قوت مجاہدانہ اور طریق مجذوبانہ سے اپنی ہی دُھن میں لگے رہتے جس کی وجہ سے اُن کی ہر مکارانہ چال اور معاندانہ روّیہ ناکام ہو کر رہ جاتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت وشان کہ انہی دنوں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے حاکم قصور نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کو اس میں ملوث اور بدنام کرنے کی سعی ناتمام کی۔ ہوا یوں کہ نواب حسین خاں کی ایک درباری مغنّیہ (گانے والی) تھی جو گاہے بگاہے درباری محفلوں کو زینت بخشتی اور اپنی پُرسوز ومترنم آواز سے لوگوں کے دلوں کو گرماتی۔ وہ بیوہ تھی اور کہنے کو تو ایک مغنّیہ تھی مگر اندرون خانہ وہ خاتون جذبہ ایمانی سے سرشار تھی، اس کا دل دولت ایمان سے لبریز تھا۔ اسے اپنے پیشہ سے شدید نفرت تھی مگر اسے روایتی مجبوری کے تحت اختیار کر رکھا تھا۔ اس کی ایک بیٹی نہایت خوبصورت، ذہین اور شریف النفس تھی۔ اس مغنّیہ کے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس کی بیٹی ناچ گانے کے روایتی اور خاندانی پیشہ کو اپنانے کی بجائے شریفانہ، باوقار اور صحیح اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرے اور اس بے ہودہ، حیاسوز اور رذلت آمیز زندگی سے دور رہے۔ چنانچہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کے لیے اس خاتون نے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔ سب سے پہلے اپنی بیٹی کو قرآن مجید کی حافظہ بنایا اور پھر دیگر دینی علوم مروّجہ کے حصول کے لیے اسے موقع فراہم کیا۔ لڑکی نے اعلیٰ ذہانت اور شوق وجذبہ کی وجہ سے دینی علوم کے حاصل کرنے کے لیے انتھک محنت کی اور چند ہی سالوں میں اس دولت ابدی کو حاصل کرلیا جو بہت کم کے نصیب میں ہوتی ہے۔

مغنّیہ اپنی بیٹی کی تعلیم وتربیت، اخلاق وعادات، شرافت وفراست سے بے حد مطمئن تھی۔ ایک دن وہ اپنی جوان سالہ عالمہ، فاضلہ، حافظہ بیٹی کو ساتھ لے کر حضرت عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ عرض کی حضرت!

میں ایک سیاہ کار، بدکار عورت ہوں۔اخلاقی جرائم میں مبتلا ہو کر میں نے اپنا مستقبل تاریک اور آخرت تباہ کر لی ہے جس سے سخت پریشان اور ہیبت زدہ ہوں۔ میں اپنی اس لڑکی کو اپنے اس گھناؤنے ماحول اور شرمناک فضا سے دور رکھ کر پاکیزہ باوقار اور خوشگوار ماحول میں لانا چاہتی ہوں، میں نے اسی لیے اس بیٹی کو دینی تعلیم دلوائی ہے۔ میں اس کے مستقبل کو تابناک دیکھنا چاہتی ہوں۔ شاید کہ یہ عمل میرے لیے بھی نجات اُخروی کا ذریعہ بن جائے۔اب اس کی روحانی زندگی میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے میری دلی آرزو یہ ہے کہ آپ اسے اپنے حبالہ عقد میں شامل فرما کر میری اور اس کی دُنیا و آخرت سنوار دیں۔آپ نے مغنّیہ کی اس مخلصانہ، دانشمندانہ گفتگو کو نہایت ہمدردی سے سنا اور کسی فیصلہ کو صادر کرنے سے قبل مراقبہ میں سر جھکاتے ہوئے رجوع الی اللہ فرمایا کیونکہ درویش کا کوئی فیصلہ رضائے الٰہی کے سوا نہیں ہوا کرتا۔بعد از اذنِ الٰہی سے برضا و رغبت گواہوں کی موجودگی میں آپ نے اس پارسا لڑکی سے عقد فرمالیا۔

حاکمِ قصور نواب حسین خاں افغان کو معلوم ہوا کہ درباری مغنّیہ کی بیٹی حضرت محمد عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حبالہ عقد میں آ چکی ہے تو اس کی نفرت و کدورت کی آگ بھڑک اُٹھی کیونکہ وہ خود بھی اس مطربہ زادی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔عقد کی وجہ سے اس کے یہ دلی ارمان بھی برباد ہو گئے۔ چنانچہ اس نے طائفہ مذکورہ کے لواحقین و متعلقین کو بلا کر خاندانی غیرت یاد دلاتے ہوئے آپ کے خلاف خوب اُکسایا۔منصوبہ یہ طے پایا کہ کیس نے تو آخر میری ہی عدالت (حاکمِ قصور کی عدالت) میں پیش ہونا ہے تمہیں گھبراہٹ کس بات کی، دیکھنا فیصلہ کتنا جلدی اور کس طرح ہوتا ہے۔نواب حسین خاں کے اُکسانے اور بھڑکانے پر مغنّیہ کے رشتہ داروں نے حضرت محمد عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف قصور کے گلی محلوں، کوچہ اور بازاروں میں بدتمیزی کا طوفان کھڑا کر دیا۔نیز ہنگامہ اور ہرزہ سرائی میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ یہاں تک کہ نواب قصور کی عدالت میں کیس دائر کروا دیا۔

حاکمِ قصور نواب حسین خان افغان نے آپ کو اپنی عدالت میں طلب کیا اور کہا کہ جناب کے شایانِ شان نہ تھا کہ ایک مغنّیہ خادمہ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لاتے۔آپ نے جواب دیا کہ جو کام عنداللہ، عند رسول اور عند شرع درست ہو اس کے کرنے والے پر الزام لازم نہیں آتا۔حاکم و حامی شرع (مسلمان، شرع کے ماننے والے) ہونے کے سبب تمہارے لئے واجب نہ تھا کہ ایسے معاملے میں مجھے طلب کرتے۔ہم اللہ کے فقیروں کا شاہانِ دُنیا سے کیا کام اور اہل دنیا کے شر و اعتراض سے کیا خوف۔خیر، اپنے کئے کی سزا اللہ تبارک وتعالیٰ سے پاؤ گے۔

نواب حسین خان افغان یہ بات سن کر ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ اب آپ کا قصور میں رہنا مناسب نہیں، لاہور چلے جائیں۔آپ نے فرمایا کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے ہم قصور سے جاتے ہیں۔چنانچہ اسی دن قصور سے لاہور کی طرف چل پڑے۔خلقت کثیر، خادم، مرید و معتقد حضرات موجود تھے جو نالہ و فریاد کناں تھے۔آپ نے سب کو پیار و محبت سے رُخصت کیا اور انہیں تسلی دی کہ نواب حسین خان نے ہمیں قصور سے نکالا ہے اور ہم نے اس کی جڑ کو دُنیا سے اُکھاڑ دیا ہے۔

اہل قصور اور گرد و نواح کے لوگوں کے لئے یہ وقت نہایت کٹھن اور صبر آزما تھا جب کہ آپ نے رختِ سفر باندھ کر لاہور

تشریف لے جانے کا مصمم ارادہ فرمالیا۔عقیدت مند روتے تڑپتے آپ کے قدموں سے لپٹتے اور عرض کرتے کہ حضرت اپنے فیصلہ پرنظر ثانی کیجئے۔احباب کی منت وسماجت،افسردگی وزاری کے پیشِ نظر آپ نے سب کی ڈھارس بندھائی،دلاسا دیا اور فرمایا کہ فقیر کا فیصلہ اپنا نہیں ہوتا جس میں تبدل وتغیر ہوسکے۔تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ نواب حسین خاں کی اس درویش کے ساتھ یہ مزاحمت عبرت بن جائے گی،آپ لوگ ذرا صبر سے کام لیں۔

آپ کو لاہور سے صرف آبائی شہر ہونے کی مناسبت سے لگاؤ نہ تھا بلکہ روحانی عقیدت کی وجہ سے بھی وابستگی تھی کیونکہ آپ کے مرشد کامل حضرت سیّد محمد رضا شاہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں قیام پذیر رہے۔اور یہیں آپ اُن سے بیعت ہوئے اور شرفِ ارادت پایا۔چنانچہ آپ قصور سے نقل مکانی فرما کر لاہور کے نواحی گاؤں مزنگ تشریف لے گئے۔یہاں آپ کے آباؤاجداد کی کئی ایکڑ زرعی اراضی تھی جس پر دو رہٹ اور ایک عالی شان مسجد موجود تھی۔اسی مسجد میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔تفسیر قرآن،فقہ وحدیث و دیگر علوم خصوصاً فصوص الحکم (تصنیف محی الدین ابن عربی) اور مثنوی مولانا روم کا درس کچھ ایسے والہانہ انداز سے دیتے جس سے بڑے بڑے ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ اور صاحب تصوف وتکلف عش عش کراُٹھتے۔چند ہی ایام میں شہر قصور کی مانند مزنگ بھی متلاشیانِ اور طالبانِ علم وعرفان کی آماجگاہ بن گیا۔

حاکم قصور نواب حسین خاں اور امرتسر کے سکھ رہنما گلاب سنگھ کی باہم متعدد لڑائیاں ہو چکی تھیں مگر ہر میدان میں گلاب سنگھ کو ہزیمت کا سامنا ہوتا رہا۔گلاب سنگھ نے اپنی ہر بار کی شکست کا بدلہ لینے کی خاطر کچھ ماہی گیروں کو خطیر رقم دے کر نواب حسین خان کے قتل پر آمادہ کرلیا۔نواب حسین خاں کسی جنگی مہم سے فراغت کے بعد واپس قصور آرہا تھا۔اتفاقاً اپنی فوج سے جدا ہو کر راستہ سے کہیں دور جا نکلا۔اسی سرگردانی کے عالم میں پھرتا پھرتا ان ماہی گیروں کے خیمہ تک آپہنچا جن کے ہاتھوں اس کی زندگی کا سودا ہو چکا تھا۔رات کا وقت تھا،ماہی گیروں نے موقع کو غنیمت جانا۔بظاہر اس کی بہت آؤ بھگت کی پُرتکلف کھانا پیش کیا،ابھی پہلا لقمہ اُٹھایا ہی تھا کہ ایک ماہی گیر نے اس کی پیشانی کا نشانہ باندھ کر وار کردیا۔روٹی کا لقمہ منہ میں جانے سے پہلے ہی حاکم قصور لقمۂ اجل بن گیا۔اس طرح قدرت نے فقیر کی زبان سے صادر شدہ کلمات کو حقیقت کے روپ میں بدل کر رکھ دیا۔(سیارہ ڈائجسٹ اولیاءکرام نمبر حصہ چہارم 102 کے مطابق مشہور یہ ہے کہ نواب حسین خاں،چونیاں کے مقام پر سکھوں کے مقابلے میں شہید ہوا۔اس کی قبر بڑا قبرستان کوٹ غلام محمد خاں قصور میں خواجہ اخوند سعید قدس سرہٗ کے مزار کی چوکھنڈی کے قریب جانب مغرب موجود ہے جس پر نواب حسین خاں شہید کا کندہ شدہ پتھر نصب ہے۔)

حضرت محمد عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ قصور سے نقل مکانی کے بعد قریباً تیس سال مزنگ میں قیام پذیر رہے۔اس دور میں آپ نے اپنی مؤمنانہ فراست اور قائدانہ صلاحیت سے جس طرح خلق خدا کی روحانی رہنمائی فرمائی،متلاشیانِ حق اور سرزمین لاہور اُسے ہرگز فراموش نہ کرسکے گی۔آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے حد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔اعلیٰ پائے کے صوفی،بہت بڑے عالم،نیک سیرت،سلیم فطرت،تہجد گزار،شب بیدار،بلند اخلاق،طریقت وحقیقت کے رمز شناس،رموزِ عشق کے

واقف کار، صاحب تحریر وتقریر اور کئی ایک کتابوں کے مصنف ومترجم تھے۔آپ کی تصنیف (دستور العمل) علم تصوف پر مایۂ ناز کتاب ہے جس میں راہِ سلوک کی منازل طے کرنے اور خالق حقیقی سے ربط وقرب کے طریقے درج ہیں۔علاوہ ازیں آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی اور فقہ حنفی کی کتب پر اُن کے دست اقدس سے لکھے ہوئے عربی حواشی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں آج بھی موجود ہیں جو کہ آپ کے تبحر علمی اور قوت روحانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ کے کشف وکرامات بہت ہیں خاص طور پر ان کشف وکرامات کو میرا یہاں بیان کرنے کو جی چاہ رہا ہے جو آپ سے حضرت عبداللہ المعروف بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے وقت صادر ہوئیں مگر طوالت بیان اور کتاب کی غیر معمولی ضخامت ہوجانے کے ڈر سے میں آپ کی صرف ایک کرامت پر اکتفا کروں گا اور آپ کی وہ کرامت ہے مغل بادشاہ محمد شاہ کی منہ مانگی کرامت، ''سردیوں میں احاطہ میں موجود آم کے درخت سے تازہ پکے شیریں آم کھانا۔''

حضرت محمد عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وروحانی عظمت وشہرت کی داستانیں پورے علاقہ میں زبان زد خاص وعام تھیں، حاکم قصور کی طرح مغل بادشاہ محمد شاہ بھی نہ جانے کیوں آپ کی ہمہ گیر مقبولیت سے گھبرا گیا۔خاصانِ خدا کے گرد تشنگانِ معرفت اور مشتاقانِ محبت الٰہی کا جم غفیر دیکھ کر انہیں شاید اپنی شہنشاہیت اور تخت وحکومت کی فکر دامن گیر ہوجاتی ہے۔ایسے ہی حسد وعناد کے مرض میں مبتلا ہو کر محمد شاہ کی آپ کے خلاف محاذ آرائی کرنا ایک فطرتی امر تھا۔ویسے مذہبی طور پر بھی محمد شاہ اثنا عشریہ تھا اور اپنے عقائد ونظریات کو ملک بھر میں نافذ کرنے کے لیے ہروقت کوشاں رہتا تھا۔اس کے برعکس حضرت محمد عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ مسلک حق اہل سنت والجماعت کی ترویج وتشہیر کے لئے مصروفِ عمل تھے جو کسی صورت میں بھی محمد شاہ کے لئے قابل برداشت نہ تھا۔

ایک روز محمد شاہ اپنے چند درباریوں، مصاحبوں کی معیت میں حضرت محمد عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔درپردہ منصوبہ یہ تھا کہ ان تمام مصاحبین کی موجودگی میں حضرت کو کسی الجھن یا آزمائش میں مبتلا کر کے تمام لوگوں کی نگاہ سے گرا دیا جائے اور اس طرح ان کی شہرت کا خودبخود خاتمہ ہوجائے گا۔ان کا یہ مذموم منصوبہ حضرت محمد عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فراست مومنانہ سے بھانپ لیا اور ان کی آمد پر کوئی توجہ نہ فرمائی کیونکہ خوشامد وچاپلوسی درویشانہ مزاج کے سراسر خلاف ہوتی ہیں۔کچھ انتظار کے بعد محمد شاہ نے سلسلۂ کلام کا خود آغاز کرتے ہوئے عرض کیا: آپ کی ولایت اور پارسائی کا شہرہ مدت سے سن رہا ہوں۔میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں، ہربات کو پرکھنا، آزمانا میرا معمول واصول ہے۔آپ کو صاحب ولایت وتصرف اس وقت تسلیم کروں گا جب ہمیں فی الفور کسی کرامت کا مشاہدہ کرائیں گے۔

آپ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا''اے دنیا کے بادشاہ! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس شہنشاہ کا بندہ ہوں جو کائنات کا خالق ومالک ہے اور قادرِ مطلق ہے۔مجھے اس کی ذات پر یقین کامل ہے کہ وہ مجھے ہر آزمائش وامتحان میں سرخرو فرمائے گا۔پھر جذبِ قلندری میں بھڑک کر بولے:

اُو ےبادشاہ مُو ہوں منگ کیہ لیناای

ترجمہ:''بادشاہ سلامت جولینا چاہتے ہیں وہ اپنی زبان سے کہہ دیں۔''

بادشاہ بولا حضرت! یہ سامنے آم کا درخت موجود ہے ابھی اس درخت سے مجھے اور میرے تمام مصاحبین کو تازہ پکے اور شیریں آم کھلائیں، یہ سوچا سمجھا منصوبہ تھا کیونکہ سردیوں میں کہیں بھی آم نام کو نہیں ملتے کیونکہ سردیوں میں آم کے درخت پر پھل نہیں آتا۔ مگر اس طرف بھی کوئی بناوٹی پیر نذرانے لینے والا نہیں بیٹھا تھا۔ آپؒ نے توجہ الی اللہ کرتے ہوئے ایک نظر آم کے پیڑ پر ڈالی۔ نگاہ اُٹھنے کی دیر تھی کہ نہایت شیریں رس بھرے پکے آموں کا اُن کے سامنے ڈھیر لگ گیا۔

محمد شاہ اور اس کے تمام مصاحبین منہ مانگی اس کرامت پر دم بخود رہ گئے۔ بادشاہ کی آنکھیں اشکبار تھیں، وہ حالت بے خودی میں حضرت کے قدموں سے لپٹ گیا۔ اپنی جسارت پر معافی کا خواستگار ہوا اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کی درخواست کی جس کو قبول فرماتے ہوئے آپ نے اسے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمالیا۔ اس کے بعد محمد شاہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ دین متین کی مزید ترقی و ترویج کے لئے اندرونِ شہر لاہور کسی مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جائے تا کہ خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع مل سکے۔ آپ نے اس کی یہ آرزو بھی قبول فرمالی اور اس مقصد نیک کے لئے اونچی مسجد اندرون بھاٹی گیٹ کا انتخاب ہوا۔ یہ مسجد بازار لکڑ ہارا میں آج بھی موجود ہے۔ مسجد کے در و دیوار پر قرآنی آیات کے علاوہ کندہ شدہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد مغلیہ دور کی عظیم یادگار ہے۔ مسجد کی کرسی کافی بلندی پر ہے اس لئے اونچی مسجد کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔

آپ مصنف بھی اعلیٰ پائے کے تھے۔ آپ نے جو کتب تحریر فرمائیں اور جن کا پتہ چلا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)تنقیح المرام (۲)لطائف غیبیہ (۳)اذکار قادریہ (۴)غایۃ الحواشی (۵)مقط الحقائق شرح کنز الدقائق۔ (۶)مجموعہ عرفانی شرح مجموعہ سلطانی (۷)رسالہ در مسئلہ عربی و دار الحرب (۸)ذیل الاغلاط فی مسائل الغیب بالافراط۔ (۹)کلمات التامہ فی ردّ مطاعن الثقات (۱۰)رسالہ بہتر الطاعات (۱۱)رسالہ فی من قال ان الدعاء فی الرزق کفر (۱۲)رسالہ فی حل شرب الدخان (عربی نثر) (۱۳)رسالہ دیگر فی حل تمباکو (۱۴)حواشی جواہر خمسہ (۱۵)لباس برہنہ شرح بعض مقامات فتاویٰ برہنہ (۱۶)دستور العمل۔

آپ نے 35 سال سے زائد عرصہ تک اہالیان ریاست قصور کو اپنے علم و معرفت سے نوازا اور پھر اس کے بعد آپ نے تیس سال کی مدت تک سرزمین لاہور کو اپنے علم و عرفان سے سیراب فرمایا۔ ہزاروں طالبانِ حق اور متلاشیانِ قرب الٰہی کی روحانی تشنگی دور کی۔ آخر سن ہجری کے مطابق اکانوے (91) برس کی عمر شریف میں 27 جمادی الثانی 1147ھ بمطابق 13 نومبر 1734ء کو واصل حق ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کا مزار پُر انوار شاہراہ فاطمہ جناح (کوئینز روڈ) پر گنگا رام ہسپتال سے اسمبلی ہال کی طرف جاتے ہوئے گنگا رام

ہسپتال سے اندازاً تین سو میٹر آگے اور سڑک کے بائیں طرف واقع ہے۔مزار شریف شاہ راہ فاطمہ جناح سے کوئی تیس میٹر ہٹ کر ہے اور اس کی مسجد کا مینار دور سے ہی نظر آجاتا ہے۔آپ کے ساتھ آپ کے دونوں صاحبزادے محمد زاہد اللہ اور محمد زمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے مزارات بھی ہیں۔پُر وقار گنبد شریف کے ساتھ ایک عالی شان مسجد ہے جس کی نئی تعمیر 1973ء میں ہوئی ہے۔مزار اقدس آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔عرس مبارک کے موقع پر وعظ و تبلیغ اور قرأت و نعت خوانی کی محافل میں ہزاروں عقیدت مند حاضری سے مشرف ہو کر روحانی تسکین پا کر سامان آخرت مہیا کرتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆
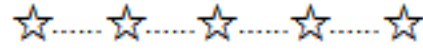
حضرت بُلّھے شاہؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی عبداللہ ہے۔اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سخی شاہ محمد تھا۔آپ کے والد ماجد کا اصل اسم گرامی سخی محمد تھا، لکھنے والوں نے کہیں اُن کے نام کے ساتھ شاہ کا اضافہ کر دیا ہے اور کہیں درویش کا۔آپ اپنے آبائی اسم گرامی سے تو اتنے جانے پہچانے نہیں جاتے لیکن ''بُلّھے شاہ'' کے نام سے آپ کو زمانہ جانتا ہے۔یہ اسم یا لقب آپ کو کب ملا اور کیوں ملا، یہ کہیں مذکور نہیں ہے۔بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کا تخلص ہو۔آپ کی شاعری زیادہ تر پنجابی زبان میں ہے اور آپ نے شاعری میں اپنا تخلص یا اسم شریف ''بُلّھے شاہ'' ہی مختلف اشکال میں استعمال کیا ہے۔کیونکہ آپ کی شاعری خاص طور پر پنجاب بھر میں مقبولِ عام تھی اس لئے ہر کوئی آپ کو ''بُلّھے شاہ'' کے اسم مبارک سے جاننے لگا۔اور یوں آپ زمانے بھر کے لئے ''عبداللہ المعروف بُلّھے شاہ'' ہیں۔

آپ عاشقین کے سردار اور عارفین کے رہنما ہیں۔آپ واقف اسرار قدرت، یگانہ روزگار اور بلند مرتبت اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔آپ مالک القلوب اور ماحی الغیوب تھے۔آپ آفاتِ دنیا سے بڑے صبر وشکر کے ساتھ گزرے ہیں۔آپ قال اور حال کے دھنی تھے۔آپ سالارِ طائفہ صوفیاً اور سردارِ اہل طریقت ہیں۔آپ کا مجاہدات، ریاضات وعبادات میں بلند مرتبہ تھا اور حقائق بیانی اور جذبات کی ترجمانی میں بہت مشہور ہیں۔آپ بلا امتیاز مذہب وقوم وذات پنجاب بھر میں سب میں یکساں مقبول تھے، ہر دلعزیز تھے۔اسی طرح آپ کا فیض ونگاہِ کرم بھی عام تھے۔مرشد کی محبت، عزت واحترام میں بھی آپ لاثانی ہیں۔آپ مجسم کسرنفسی تھے اور آپ میں خودی نام کو بھی نہ تھی۔راہِ سلوک میں مصائب ومشکلات کو آپ نے ہنس (خندہ پیشانی سے) کر سہا ہے۔آپ نے مقابلتاً طویل عمر پائی اور اپنے حسن اخلاق، فقر وفقیری، دنیا سے بے رغبتی اور پند ونصائح سے ایک عالم کو فائدہ پہنچایا ہے اور کشف وکرامات سے بھی بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ حق دکھلائی ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن ولادت مبارک 1086ھ بمطابق 1675ء ہے۔ہیر وارث شاہ میں آپ کی سن پیدائش 1091ھ بمطابق 1680ء اور سن وصال 1171ھ بمطابق 1758ء لکھا ہے۔آپ نے ماشاءاللہ سن ہجری کے لحاظ سے 95 سال کی

عمر پائی ۔ایک تحقیق کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا وصال 1086ھ بمطابق 1775ء میں نہیں ہوا بلکہ آپ سن 1181ھ بمطابق 1768ء تک حیات تھے ۔یعنی کہ آپ کی سن وصال کم از کم 1181ھ بمطابق 1768ء ہے۔آپ کے مرشد پاک حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور آپ کے ہم عصروں میں ایک نام جو بہت مشہور و معروف ہے وہ ہے ''ہیر وارث شاہ'' کے مصنف حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم جماعت تو نہیں لگتے کیونکہ آپ دونوں کی عمر میں بڑا (آپ حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے اندازاً 47 سال بڑے ہیں)فرق ہے ہاں یہ حقیقت قابل یقین ہے کہ دونوں حضرات نے جامع مسجد کوٹ اندرون قصور کے خطیب حضرت خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا یعنی کہ دونوں ان کے شاگرد رہے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے اجداد میں سے ایک بلند پایہ بزرگ حضرت شیخ محمد غوث بندگی رحمۃ اللہ علیہ 887ھ بمطابق 1482عیسوی میں جب کہ اُن کی عمر 54 سال تھی ملک شام کے شہر حلب سے موضع اُچ گیلانیاں (اُچ شریف) میں آکر آباد ہوئے۔

تاریخ اُچ کے مصنف مولانا محمد حفیظ الرحمٰن صاحب بہاولپوری نے تحریر فرمایا ہے کہ ان سے دوصد پچاس سال قبل بخاری سادات میں سے ایک جلیل القدر ہستی حضرت سید جلال الدین میر سرخ نے بخارا سے ملتان آ کر قیام فرمایا۔ملتان میں اس وقت غوث عالم قطب دوران جناب حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز تھے ۔ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر اُن کے دست حق پرست پر بیعت کر کے منازل سلوک طے کیں ۔اس کے بعد حضرت جلال الدین میر سرخؒ ان کی اجازت سے اُچ گیلانیاں میں آ کر قیام پذیر ہوئے ۔ان کا مزار پُرانوار آج بھی اُچ شریف میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت سید بابا بلھے شاہ قادری شطاری قصوری رحمۃ اللہ علیہ بمقام اُچ گیلانیاں 1086ھ بمطابق 1675ء میں پیدا ہوئے ۔اُن ایام میں اُچ گیلانیاں صوبہ سندھ کی عملداری میں شامل تھا۔آج کل یہ تاریخی وقدیمی قصبہ بہاولپور میں شامل ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید سخی محمد درویش تھا جو کہ بلند پایۂ عالم پُراثر خطیب،اعلیٰ خوبیوں کے حامل،نہایت ہی درویش صفت اور سادہ مزاج انسان تھے۔

والدین کریمین نے آپ کا نام عبداللہ رکھا بعد میں بلّھے شاہ مشہور ہوا۔تاریخ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ حضرت سید بابا بلّھے شاہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شجرہ نسب کے لحاظ سے چودہ واسطوں سے حضرت سیدنا محبوب سبحانی،قطب ربانی،شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے ہیں۔

سید عبداللہ المعروف بلّھے شاہ نے ابھی اپنی زندگی کی چھٹی بہار میں قدم رکھا ہی تھا کہ آپ کے والد گرامی نے کسی اہم مجبوری کے تحت اُچ گیلانیاں سے نقل مکانی فرما کر موضع ملکوال ضلع ساہیوال پنجاب میں قیام پذیر ہو کر وہاں کی مقامی مسجد میں

امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کیے تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اپنی اہلیت، علمی قابلیت کی بناپر پورے علاقے میں مقام پیدا کرلیا اوران کے درس وتدریس ، اخلاق وکردار، اورزہدوتقویٰ کا گردونواح میں شہرہ ہوگیا۔

بھٹی رنگڑ یوم کے دوحقیقی بھائی چودھری پانڈواورچودھری سدھار نے نہراپرباری دوآب کے کنارے دوگاؤں پانڈو کی اورسدھارا لگ الگ اپنے ناموں پرآباد کئے ۔قصوراورلاہور کے تقریباً درمیان ایک مشہوربس سٹاپ سُواآصل ہے۔سُوا آصل کے مغربی جانب قریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر موضع پانڈو کی آج بھی آباد ہے۔

یہ دونوں بھائی مسلمان تھے۔ان کے علاقے میں خوشحالی تھی۔انہوں نے پانڈو کی میں ایک خوبصورت مسجدتعمیر کی اور مسجد میں ایک عالم فاضل عالم دین لانے کے لئے جستجو کی۔آپ کے والد ماجد کی شہرت بہت تھی اس لئے یہ دونوں بھائی ملکوال پہنچے اوروہاں سے آپ کے والدحضرت سیدسخی محمد درویش کی خدمت میں حاضر ہوکرکچھ ایسے انداز میں اپنی خواہش کااظہارکیا کہ حضرت کوسوائے تسلیم کرلینے کے کوئی چارہ باقی نہ رہااورکمال مہربانی سے ان کی درخواست کوشرف قبولیت بخشا۔چنانچہ آپ بمعہ اہل و عیال ملک وال سے منتقل ہوکرموضع پانڈو کی میں رہائش پذیرہوگئے۔مسجد کی امامت کے علاوہ درس وتدریس اوررُشدوہدایت کا سلسلہ شروع کیاجس سے اہل پانڈو کی،سدھار، کے علاوہ پورے علاقہ اورگردونواح کے لوگ آپ کے ظاہری وباطنی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے لگے۔آپ کے والدین تاحیات انہی گاؤں میں رہےاورانہی دیہات،گاؤں میں حضرت سیدعبداللہ المعروف سیّد بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے والدگرامی حضرت سیدشاہ سخی محمد درویش اورآپ کی والدہ اوردوہمشیرگان کے مزارات مرجع خاص وعام ہیں۔

حضرت بلّھے شاہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیم کا آغازاپنے والدمحترم سے کیا۔قرآنِ کریم کےعلاوہ فارسی کی مروّجہ کتب کےاسباق بھی شروع کردیئے۔فہیم وذہین ہونے کی وجہ سے معمولی توجہ سے ہی سبق ازبرہوجاتا۔

آپ کی ذات ابتداء ہی سے مست الست تھی۔طبیعت میں استغناء، رازدارانہ گفتگو،نکھرانکھرا کلام، گوشۂ تنہائی، تجردپسندی،محبت الی اللہ وفی اللہ کاہلکاہلکاسرور،اورگوشۂ تنہائی میں جذبۂ عشق ومستی میں سرشاررہنا آپ کےاوصاف تھے۔

حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ چند گھریلومویشی بھی باہرجاکرچرایا کرتے تھے۔ایک دن حسب عادت مویشیوں کوکھیتوں میں چرانے کے لئے گئےتمام چوپائے کھلےمیدان میں گھاس چرنے لگ گئے،دھوپ قدرے تیزتھی۔آپ ایک درخت کے سائے میں آئے اوروہیں لیٹ گئے۔لیٹنے کی دیرتھی کہ نیند نے انہیں ایسی تھپکی لگائی کہ ہرچیز سے بے نیازکردیا۔ادھرجانورچرتے چرتے جیون خان نامی ایک زمیندار کے چینے (چینا پنجاب کاایک مشہوراناج ہے، باریک اورچکنا سا دانہ ہوتا ہے۔سوانک کے دانہ سے ملتاجلتاہے،اب اس کی کاشت بہت کم ہے۔) کےکھیت میں جاگھسےاورخاصانقصان پہنچایا۔ اتفاقاًجیون خان بھی ادھرآنکلا۔اپنے کھیت کی تباہی دیکھ کرسخت رنجیدہ ہوا۔کھیت سے مویشی باہرنکال کرچرواہے کوتلاش کرنے لگا تاکہ اسےقرارواقعی سزادے۔ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب اس درخت کےقریب پہنچاجس کے نیچے سیّدبلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ لیٹے

ہوئے تھے تو دیکھتے ہی دم بخود رہ گیا اور ایسی حیرت میں گم ہوگیا کہ اسے اپنی فصل کی تباہی بھی یاد نہ رہی اور بچے کی جان کے لالے پڑ گئے۔اس نے جو دیکھا تو وہ منظر یہ تھا کہ آپ آرام سے سو رہے تھے اور ایک سیاہ رنگ کا زہریلا بہت بڑا سانپ پھن پھیلائے جانب سر کھڑا تھا۔وہ یہ منظر دیکھ کر سخت گھبرایا۔اس نے خیال کیا کہ سانپ نے سیّد زادے کو ڈس کر موت کی نیند سلا دیا ہے۔اسی گھبراہٹ کے عالم میں دوڑا دوڑا گاؤں میں پہنچا۔سانس پھولا ہوا دم بخود حضرت سخی محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام چشم دید ماجرا کہہ سنایا۔آپ نے جیون خان کی زبانی تمام واقعہ سننے کے بعد **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون** پڑھا اور توکل برخدا گاؤں کے کچھ سرکردہ اشخاص کے ساتھ جیون خان کے ہمراہ اس کے کھیت کی سمت روانہ ہوئے۔جب شجر مذکورہ کے قدرے قریب جا پہنچے،آنے والے لوگوں کی آوازیں اور پاؤں کی آہٹ سن کر اژدھا نے اپنا سر زمین پر رکھا اور چلتا بنا۔سب لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکا۔لوگوں کے شوروغوغا سے بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے،تو لوگوں کا ہجوم دیکھ کر گھبرا سے گئے۔والدگرامی نے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے پیشانی پر بوسہ دیا،پیار کیا اور دلاسا دیا۔اب سب لوگوں کا یہ گمان غلط ثابت ہوا کہ سیّد زادے کو سانپ نے کاٹ کھایا بلکہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اژدھا تو ان کی حفاظت اور پاسبانی کے لیے حاضر ہوا تھا۔اگر یہ نہ ہوتا تو جیون خان جس طرح اپنی فصل کی تباہی دیکھ کر غیض وغضب کی علامت بن کر آیا تھا کہیں آپ پر زیادتی،بے ادبی یا گستاخی نہ کر بیٹھتا،جس کا انجام بہت برا ہوتا۔

والدگرامی کی تسلی و تشفی کے بعد جب بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح مطمئن ہو چکے تو گفتگو کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے باپ بیٹے سے مخاطب ہوا۔بیٹا!جو ذمہ داری کسی پر ڈالی جاتی ہے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا بہت ضروری اور فرضِ منصبی ہوتا ہے۔ان مویشیوں کی نگرانی آپ کی ذمہ داری تھی اور آپ ہر شے سے بے نیاز ہو کر گہری نیند سو گئے۔دیکھو مویشیوں نے جیون خان کے چنے کی فصل اُجاڑ کر رکھ دی اور آپ کو خبر تک نہیں۔بیٹا!ہم پردیسی ونجارے ہیں اس قسم کی شکایات ہمارے شایانِ شان نہیں۔والدگرامی کی زبانی یہ شکوہ سن کر سر جھکاتے ہوئے آنکھیں موند کر قلندری ترنگ میں عرض کیا:ابوحضور!جیون خان کا چینا کب اور کہاں اُجڑا ہے وہ کھیت تو اس کا صحیح وسلامت ہرا بھرا بلکہ پہلے سے بھی سوایا ہے۔ذرا چل کر ملاحظہ تو کیجئے۔تمام لوگ بمعہ جیون خان باپ بیٹے کے ساتھ جب اُجڑی فصل کے قریب پہنچے تو سب کے سب حیرت میں ڈوب کر دیکھ رہے تھے کہ واقعتاً یہ چینے کی فصل بہ نسبت دوسری فصلوں کے سوائی اور زیادہ بارآور نظر آرہی تھی۔جیون خان فوراً آپ کے قدموں میں گر کر اپنی جسارت پر معذرت کرنے لگا اور تمام لوگوں کی موجودگی میں اپنا یہ تقریباً بارہ گھمار رقبہ بمع فصل سیّد زادہ کو ہبہ کر دیا جو کہ آج تک آپ کے سجادہ نشینوں کے قبضہ میں چلا آرہا ہے۔دوسری اراضی کی بہ نسبت اس رقبہ کی آج بھی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور سرکاری طور پر اس کا آبیانہ و مالیانہ بھی معاف ہے۔

آپ علوم دینیہ کی ابتدائی مروّجہ کتب اپنے والدگرامی سے پڑھ چکے تھے مگر آپ کے علمی ذوق کے پیش نظر آپ کے والد ماجد چاہتے تھے کہ میرا بیٹا علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کرے۔چنانچہ درسِ نظامی کے علوم کی تکمیل کے لئے قصور شہر کا

انتخاب کیا۔اس وقت شہر قصور میں بلند پایۂ عالم، صاحب فضل وکمال حضرت خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تبحرِ علمی اور تقویٰ وورع میں نادرِ روزگار سمجھے جاتے تھے۔آپ شہر قصور کی سب سے بڑی جامع مسجد کوٹ اندرون قصور میں بحیثیت خطیب وامام بھی ڈیوٹی سرانجام دیتے اور اس کے علاوہ دور دراز سے آئے ہوئے تشنگانِ علم کی بھی علوم دینیہ وروحانیہ کے ذریعہ تشنگی دور فرماتے۔چنانچہ سیّد سخی محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سیّد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو زیور تعلیم سے مزید آراستہ کرنے کے لئے اسی جامع مسجد کو پسند فرمایا۔آخر ایک دن اپنے اس ہونہار بیٹے کو ساتھ لئے وہاں حاضر ہوئے اور خواجہ موصوف کی سپرداری میں دے دیا۔

آپ نے نہایت محنت وجانفشانی سے حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ قصوری رحمۃ اللہ علیہ سے علوم متداولہ کی تکمیل فرما کر چند سال کے عرصہ میں باقاعدہ طور پر سندِ فراغت حاصل کر کے اپنے والدِ گرامی کی آرزوؤں اور تمناؤں کو عملی جامہ پہنایا۔اور وہ اس طرح کہ آپ کا شمار وقت کے مشہور علماء میں ہونے لگا۔

اسی درسگاہ اور اسی معلم سے کافی بعد میں حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تعلیم حاصل کی اور فیض پایا۔کیونکہ ان کے استادِ گرامی حضرت خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہر دو تلامذہ کا ذکر بڑے اچھوتے انداز میں فرمایا ہے۔آپ کا یہ مقولہ پنجابی میں ہے:''میتوں دو شاگرد بڑے عجیب ملے سن، اِک بلّھے شاہ جس نے علم پڑھ کے سرنگی پھڑلئی۔'' تے ''دوجا وارث شاہ جیہڑا عالم ہو کے ہیرا نجھے دے گیت گاون لگ پیا۔''

اب آپ تمام ظاہری (شرعی) علوم کی تکمیل کے بعد اپنی روحانی تشنگی کو دور کرنے کے لئے کسی رہبر کامل اور مربی صادق کی جستجو میں شب وروز بسر کرنے لگے۔ایک دن اسی خیال میں محو حیران وسرگرداں جنگل کی راہ لی۔تلاشِ حق میں گھومتے، پھرتے پھراتے دوپہر ہوگئی۔تمازتِ آفتاب کی وجہ سے ایک بیری کے درخت کے نیچے محو استراحت ہوگئے۔خواب میں ایک مرصع ومزین تخت آسمان کی طرف سے زمین کی جانب اُترتا دکھائی دیا۔تخت پر ایک پُر وقار، نورانی جمال، صاحب کمال بزرگ جلوہ گر تھے۔یہی مبارک تخت اُن کے سامنے زمین پر آٹھہرا۔وہ بزرگ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:''بیٹا! آپ کا نام کیا ہے اور آپ کون ہیں؟ عرض کی نام عبداللہ ہے اور خاندان سادات سے ہوں۔فرمایا: مجھے سخت پیاس ہے کچھ پینے کو تو لائیں۔سیّد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب ہی میں دودھ کا بھرا پیالہ پیش خدمت کر دیا۔انہوں نے دودھ نوش فرمایا اور کچھ باقی ماندہ دودھ پیالہ سمیت انہیں واپس فرما دیا۔حکم دیا بیٹا! یہ دودھ پی لیجئے گا۔میرے پاس آپ کی یہ امانت تھی جو کہ آپ تک پہنچ گئی۔ہاں کچھ بقایا آپ کا روحانی حصہ شاہ عنایت قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے وہ بھی عنقریب آپ کو مل جائے گا۔نیز آج کے بعد آپ کے لیے روزینہ دس روپیہ مقرر کر دیا ہے۔جو بلاناغہ آپ کو ملتا رہا کرے گا۔

یہ صاحب تخت وکرامت بزرگ حضرت سیّد بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں سے پانچویں پشت کے صاحب نسبت ولی کامل حضرت سیّد عبدالحکیم شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے فیض روحانی سے نہ صرف مستفیض فرمایا بلکہ روزینہ مبلغ دس روپے مقرر

فرما کر آپ کو تمام دُنیاوی فکروں سے بھی بے نیاز کردیا۔ اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی حالت بے خودی اور جذب و مستی میں اور اضافہ ہوگیا اور نورِ عرفان سے دل جگمگا اُٹھا۔

جب گھر واپس آئے تو اپنا پورا خواب والدگرامی سے بیان کیا۔ آپ کے والد ایک متقی، پرہیزگار عالم دین شخص تھے۔ اس لئے انہوں نے آپ کو بلاتاخیر لاہور جانے اور بیعت ہوجانے کے لئے مشورہ دیا۔ والد ماجد کی اجازت کے بعد آپ پانڈو کی سے لاہور کے لئے روانہ ہوگئے کیونکہ حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں قیام پذیر تھے۔

آپ تصوراتِ مرشد میں مستغرق اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھے۔ راہ چلتے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت کو میرے بیعت کرنے میں ہرگز تامل نہ ہوگا کیونکہ یہ ایک امرِ روحانی کی تعمیل ہوگی۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت تو ارائیں خاندان سے متعلق ہیں اور آخر میں سیّد زادہ ہوں، خاندانِ سادات کا تو ضرور لحاظ کریں گے نیز میرا روزینہ دس روپیہ بھی مقرر ہے جس سے معاشی اخراجات کا اُلجھاؤ بھی باقی نہ رہا۔ حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شیخ کی بارگاہ میں پہلی دفعہ حاضری کے متعلق سیرت نگاروں نے مختلف روایات درج کی ہیں۔ مگر میں یہاں صرف ایک روایت کو نقل کرنے یا بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

ابتدا ہی سے آپ کی طبیعت میں جذب و کیف کی حالت رہتی تھی۔ کئی مرتبہ اس عالم بے خودی میں کئی کئی روز تک تنہا صحراؤں، ویرانوں اور جنگلوں میں گھومتے پھرتے۔ ایک دن اسی کیفیت میں سرشار چلتے چلتے شہر بٹالہ جاپہنچے۔ اتفاقاً وہاں ایسے ہی صلحائے حق کی محفل تھی کہ اس میں آپ بھی جادھمکے۔ اس محفل کے دوران آپ کی زبان سے حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے جیسا کلمہ صادر ہوا۔ یہ سن کر اہل محفل میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور مفتیانِ وقت نے فتویٰ صادر کرنے کا سوچا۔ اسی دوران کچھ رازدارانِ حقیقت و طریقت نے آپ کو اپنے ساتھ لیا اور فوراً درسگاہِ فاضلیہ میں مردِ کامل حضرت فاضل دین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر کرکے آپ کے متعلق بتادیا۔ انہوں نے آپ کی حالتِ جذب و مستی کو ملاحظہ فرماتے ہی آپ کے روحانی مرض کی نہ صرف شناخت کرلی بلکہ آپ کے لئے دارالشفاء کا بھی پتہ بتادیا۔ فرمایا جلد لاہور لے جاکر حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر کریں، وہاں یہ شخص اپنی منزل مراد پائے گا۔ اور یوں آپ کو اپنے شیخ و مرشد کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو بعد از بیعت کچھ عرصہ اپنی زیرِ تربیت لاہور میں رکھا۔ اس کے بعد آپ کو مزید مجاہدہ کے لئے دریائے چناب کے کنارے جھنگ سیال کے صحراؤں میں چلے جانے کا حکم فرمایا تاکہ خلوت اور گوشہ نشینی کی عبادات و ریاضات شاقہ سے اپنی ظاہری نمائش و آلائش کے حجابات دور کرکے دل کی دنیا کو اسرارِ معنوی اور عشقِ حقیقی کے رموز سے آشنا کرسکیں۔ آپ جھنگ کے جنگلوں ویرانوں میں چلے گئے اور کچھ سال وہاں مجاہدات و ریاضات میں مصروف رہے۔

ان ہی ایام میں گھومتے گھومتے ایک دن آپ موضع ''برخوردار'' آپہنچے۔ یہ گاؤں جناب حافظ برخوردار کے نام سے منسوب تھا۔ وہ اس گاؤں کے مالک اور بہت متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔ آپ دونوں میں پیار، محبت اور دوستی ہوگئی۔ حافظ برخوردار آپ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ اپنا سب سے چھوٹا بیٹا سلطان احمد کو آپ کی خدمت کے لئے آپ کے ساتھ کردیا۔ اسی

طرح فیصل آباد کے ایک گاؤں "ٹھٹھہ لوا" سے بھی ایک حق کے متلاشی حافظ جمال آپ کے ساتھ ہو لئے اور پانڈو کی آ گئے۔

اس موقع پر میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں مختصراً طور پر یہاں ابوالمعارف یعنی کہ بحرِ معرفت، حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کی تھوڑی سی جھلک دکھادوں۔

ابوالمعارف شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و شہرت کی داستانیں پورے علاقہ میں زبان زدِ خاص و عام تھیں۔ حاکم قصور کی طرح مغل بادشاہ محمد شاہ بھی آپ کی ہمہ گیر مقبولیت سے گھبرا گیا۔ ہر صاحب اقتدار اپنے اقتدار اور زمامِ حکومت کو طوالت و دوام بخشنے کے لئے ہر بااثر آدمی کی مقبولیت سے خوفزدہ ہوہی جایا کرتا ہے۔ خاصانِ خدا کے گرد تشنگانِ معرفت اور مشتاقانِ محبت الٰہی کا جم غفیر دیکھ کر انہیں اپنی شہنشاہیت اور تخت و حکومت کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی حسد و عناد کے مرض میں مبتلا ہو کر محمد شاہ کی آپ کے خلاف محاذ آرائی کرنا ایک فطرتی امر تھا۔ ویسے مذہبی طور پر بھی محمد شاہ اثناعشریہ تھا، اور اپنے عقائد و نظریات کو ملک بھر میں نافذ کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا تھا۔ اس کے برعکس حضرت شاہ عنایت رحمۃ اللہ علیہ مسلک حق اہل سنت والجماعت کی ترویج و تشہیر کے لئے مصروف عمل تھے، جو کسی صورت میں بھی محمد شاہ کے لیے قابل برداشت نہ تھا۔ ایک روز محمد شاہ اپنے چند درباریوں، مصاحبوں کی معیت میں شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ در پردہ منصوبہ یہ تھا کہ ان تمام مصاحبین کی موجودگی میں حضرت کو کسی الجھن یا آزمائش میں مبتلا کر کے تمام لوگوں کی نگاہ سے انہیں گرا دیا جائے اور اس طرح ان کی شہرت کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ ان کا یہ مذموم منصوبہ حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے فراست مؤمنانہ سے بھانپ لیا اور ان کی آمد پر کوئی توجہ نہ فرمائی کیونکہ ظاہری خوشامد و چاپلوسی درویشانہ مزاج کے سراسر خلاف ہوا کرتی ہیں۔ کچھ انتظار کے بعد محمد شاہ نے سلسلۂ کلام کا خود آغاز کرتے ہوئے عرض کیا: آپ کی ولایت اور پارسائی کا شہرہ مدت سے سن رہا ہوں۔ میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں، ہر بات کو پرکھنا آزمانا میرا معمول و اصول ہے۔ آپ کو صاحب ولایت و تصرف اس وقت تسلیم کروں گا جبکہ فی الفور کسی کرامت کا مشاہدہ کرائیں گے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اے دنیا کے بادشاہ! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس شہنشاہ کا بندہ ہوں جو کائنات کا خالق و مالک ہے۔ مجھے اس کی ذات پر یقین کامل ہے کہ وہ مجھے ہر آزمائش و امتحان میں سرخرو فرمائے گا۔ پھر جذبۂ قلندری میں بھڑک کر بولے:

اُوئے بادشاہ مُوہوں مَنگ کیہ لیناں اِی

بادشاہ بولا حضرت! یہ سامنے آم کا درخت موجود ہے ابھی اس درخت سے مجھے اور میرے تمام مصاحبین کو تازہ پکے اور شیریں آم کھلائیں۔ یہ سوچا سمجھا منصوبہ تھا کیونکہ سردیوں میں کہیں بھی آم نام کو نہیں ملتے۔ مگر اس طرف بھی کوئی بناوٹی پیر یا نذرانے بٹورنے والا پیر نہیں تھا۔ توجہ الی اللہ کرتے ہوئے ایک نظر آم کے پیڑ پر ڈالی۔ نگاہ اُٹھنے کی دیر تھی کہ نہایت شیریں رس بھرے پختہ آموں کا اُن کے سامنے ڈھیر لگ گیا۔ محمد شاہ اور اس کے تمام مصاحبین منہ مانگی اس کرامت پر دم بخود رہ گئے۔ بادشاہ کی آنکھیں اشکبار تھیں، حالت بے خودی میں حضرت کے قدموں سے لپٹ گیا۔ اپنی جسارت پر معافی کا خواستگار ہوا اور آپ کے

دست حق پرست پر بیعت ہونے کی درخواست کی جس کو قبول فرماتے ہوئے آپ نے اسے حلقۂ ارادت میں شامل فرمالیا۔اس کے بعد محمد شاہ نے اس خواہش کااظہار کیا کہ حضرت! دین متین کی مزید ترقی وترویج کے لئے اندرون شہر لاہور کسی مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جائے تا کہ خلق خدا کوزیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع مل سکے۔آپ نے اس کی یہ آرزو بھی قبول فرمائی اوراس کے لیے اونچی مسجد اندرون بھاٹی گیٹ کا انتخاب ہوا۔یہ مسجد بازارلکڑہارا میں آج بھی موجود ہے۔مسجد کے درودیوار پر قرآنی آیات کے علاوہ کندہ شدہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد مغلیہ دور کی عظیم یادگار ہے۔

ابوالمعارف حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے تیس سال کی مدت تک سرزمین لاہور کواپنے علم وعرفان سے سیراب فرمایا۔ہزاروں طالبانِ حق اور متلاشیانِ قرب کی روحانی تشنگی دور کی۔آخرا کیاون برس کی عمر شریف میں 27 رجمادی الثانی 1147ھ بمطابق 1768ء کو واصل حق ہوئے۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔آپ کا مزار پُرانوار شاہراہ فاطمہ جناح (کوئینز روڈ) نزد گنگارام ہسپتال واقع ہے۔آپ کے ساتھ آپ کے دونوں صاحبزادے محمد زاہد اللہ اور محمد زمان رحمہما اللہ تعالیٰ کے مزارات بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ المعروف بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے کشف وکرامات بہت ہیں۔موضوع کی طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف ایک کرامت کا ذکر کر رہا ہوں۔

حضرت بابا بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص حضرت حاجی شاہ شریف رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا وصال 1183ھ کو ہوا، ان کا مزار بھی حضرت کے مزار کے شمال کی طرف ملحقہ قبرستان میں چند قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔حاجی شاہ شریف پانچ مرتبہ حج و حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہو چکے تھے مگر زیارت کی تشنگی بجائے کم ہونے کے بڑھتی گئی۔ایک دن حضرت بابا بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔شوقِ زیارت حرمین کا اظہار کیا۔فرمایا جب وقت آئے یاد کرادینا۔کسی قافلہ کے ساتھ آپ کوروانہ کردیں گے۔وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ حج کا موسم آگیا۔ایک موقع پر یاد کرایا تو آپ نے فرمایا گھبرائیں نہیں انتظام ہو جائے گا۔حاجی صاحب بھی زبان پر مہر سکوت لگائے وقت گزارتے رہے حتیٰ کہ عرفہ کا دن یعنی نو ذوالحجہ کا دن آ گیا۔حاجی صاحب نہایت مضطرب اور بےقراری کے عالم میں مبتلا تھے۔حضرت بُلّھے شاہ نے یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا:

حضرت بابا بُلّھے شاہ: شاہ شریف آج سخت پریشان کیوں ہے؟

حاجی شاہ شریف: بندہ نواز! آپ نے مجھے حج پر روانہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

حضرت بابا بُلّھے شاہ: تو پھر یاددہانی کرائی ہوتی۔

حاجی شاہ شریف: عرض کیا تھا تو حضور نے فرمایا انتظام ہو جائے گا۔

حضرت بابا بُلّھے شاہ: اب کیا چاہتا ہے؟

حاجی شاہ شریف: حضور! کیا ہوسکتا ہے۔تمام قافلے مکہ پہنچ چکے حتیٰ کہ آج نو ذوالحجہ شریف ہے۔تمام حجاج کرام میدانِ

عرفات پہنچ رہے ہیں۔

حضرت بابا بلّھے شاہ: شاہ شریف مایوسی کفر ہے، اللہ کی ذات پر بھروسہ کر، کیا تو واقعی امسال حج کرنا چاہتا ہے؟

حاجی شاہ شریف: حضور والا! اگر نگاہِ کرم ہو جائے تو زہے نصیب!

حضرت بابا بلّھے شاہ: وضو تازہ کر لیں اور آئیں میرے پیچھے آنکھیں بند کر کے دو نفل ہی ادا کر لو! بس اقتداء کی ہی دیر تھی جب آنکھیں کھلیں تو حاجی شاہ شریف میدانِ عرفات میں قصور کے قافلہ کے ارکان کے ساتھ موجود تھے۔ ارکانِ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری سے بھی مشرف ہوئے۔ حج ادائیگی کے بعد حجاج کرام کے قافلے اپنے اپنے وطن مالوف کو لوٹے تو قصور کے حجاج کرام نے واپس آ کر بیان کیا کہ امسال حاجی شاہ شریف نے ہمارے ساتھ حج ادا کیا اور تمام مناسک حج کی ادائیگی میں ہم نے انہیں وہاں موجود پایا۔ (تذکرہ بابا بلّھے شاہ، ص 78، مولانا مطیع الرحمٰن قریشی)

آپ کے کسی قول یا فعل سے آپ کے مرشد پاک حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہو گئے اور آپ کی ولایت سلب کر لی۔ اس کی ایک روایت درج ذیل ہے۔

حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص، برادرزادہ اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب قادری، حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے قصور آئے۔ آپ کی قیام گاہ پر پہنچ کر گھوڑے سے اُترے۔ وہاں سلطان احمد مستانہ نے بڑھ کر استقبال کیا۔ گھوڑا تھاما اور آپ کو مخصوص نشست گاہ پر بٹھایا اور اچھی طرح خاطر و مدارات کی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ان ہی دنوں مولانا حافظ غلام مرتضٰی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر کی شادی سرانجام پائی۔ حافظ صاحب موصوف چونکہ پورے علاقہ کے متبحر عالم اور مفتی وقت تھے، گرد و نواح سے علاقہ بھر کے لوگ تقریب عروسی میں شریک تھے۔ آنے والے مہمانوں کے کھانے کا تمام انتظام حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ تھا اور آپ خاصے مصروف تھے۔ ادھر آپ کو اپنے پیر بھائی، داماد شیخ کی آمد کی اطلاع موصول ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی اچھی طرح آؤ بھگت کریں، حق خدمت بجا لائیں، ان کی سواری کے گھوڑے کو بھی وافر مقدار میں چارہ پانی مہیا کیا جائے۔ میں بھی جلدی حاضر خدمت ہونے والا ہوں۔ ساری رات مولوی ظہور محمد صاحب آپ کا انتظار کرتے رہے مگر آپ مہمانوں کی بڑی تعداد اور اُن کی میزبانی کے سبب آپ پوری رات فراغت نہ پا سکے۔ بالآخر مولوی ظہور محمد صاحب قادری اس میں اپنی خفت اور سبکی محسوس کرتے ہوئے عالم خفگی میں واپس لاہور چلے آئے اور سارا ماجرا اپنے شیخ و مرشد شاہ عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، جس پر انہیں سخت تعجب و ملال بھی ہوا کہ ساری رات میرا بھتیجا، مرید خاص اور پھر میرا داماد منتظر رہا۔ بلّھے شاہ اتنا متکبر اور پُر از غرور ہو چکا ہے کہ اس نے میرے داماد سے ملنا بھی گوارا نہ کیا۔ کوئی عام مہمان ہوتا تب بھی اخلاقی فرض تھا کہ ملاقات تو کرتا مگر اس نے تو خاص الخاص مہمان کو بھی کوئی اہمیت نہ دی اور نہ قابل توجہ سمجھا۔ اس بناء پر ان سے سخت ناراض ہوئے بلکہ ولایت بھی سلب کر لی اور فرمایا کہ ایسا مغرور شخص اس امانت کے اہل نہیں ہو سکتا۔

حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس قوتِ روحانیہ اور فیضِ باطنیہ کے چھن جانے کے بعد سخت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اسی

عالم حیرانی وسرگردانی میں قصور شہر سے گوالیار کی طرف روانہ ہوئے۔سفر کی صعوبتیں، مشقتیں اُٹھاتے ہوئے وہاں پہنچے۔قلعہ گوالیار میں سلسلہ قادریہ شطاریہ کے ایک بلند پایہ بزرگ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ کا مزار پُرانوار ہے۔یہاں حاضر ہونے کا مقصد صرف یہی تھا کہ اپنی غلطی وکوتاہی کی معافی ومعذرت طلب کروں گویا کہ افسر بالا سے شاہ عنایت قادری کے نام رضامندی اور معافی کی سفارشی چٹھی لینے گئے تھے۔مزار پُرانوار پر کچھ دن قیام کرنے اور رات گزارنے کے لئے مزار کے خادموں سے رابطہ کیا تو انہوں نے اجازت نہ دی۔آپ نے فرمایا میں دور سے آیا ہوں لہٰذا کچھ دن ٹھہرنے کی اجازت ضرور مرحمت کی جائے۔ خدام نے کچھ معاوضہ (چراغی) طلب کی آپ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا جس پر انہوں نے مزاحمت چھوڑ دی اور حضرت کے مزار پر ذکر واذکار اور مصروف مراقبہ ہوگئے۔کچھ عرصہ بعد صاحب مزار کی آپ پر خاص توجہ ہوئی اور خواب میں شرف دیدار بخشا، روحانی فیض سے بھی نوازا۔نیز فرمایا کہ شاہ عنایت کو اپنے پُرسوز اور دردانگیز کلام سے متاثر کر کے رضامند کیا جاسکتا ہے۔یہ سوزودرد پیدا کرنے کے لئے آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ میرے مزار کے قریب ہی ہندوستان کے ایک مشہور ومعروف موسیقار گویّا تان سین کی قبر ہے، یہ میرا درباری قوال اور راگی ہے، اس کو مجھ سے روحانی نسبت بھی ہے۔اس کی قبر کے سرہانے ایک بیری کا درخت موجود ہے۔اس بیری کے اڑھائی پتے آپ کھالیں جس سے آپ کی طبیعت میں ایک اعلیٰ درجہ کا سوزوگداز پیدا ہوجائے گا اور آپ کے منہ سے جاری ہونے والا کلام ایک خاص تاثیر کا حامل ہوگا، جس کی سحرانگیزی سے لوگوں کے قلوب آپ کی طرف کھنچے چلے آئیں گے اور آپ کو اپنے پیرومرشد کی بارگاہ میں بھی رسائی حاصل ہوجائے گی۔

مراقبہ یا خواب میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشاد فرمایا حسب الحکم آپ نے تان سین کی قبر کے سرہانے جو بیری کا درخت تھا اس بیری کے اڑھائی پتے توڑ کر کھالیے۔واقعی اُن کے کھانے سے آپ کی طبیعت میں عجیب سا ہیجان پیدا ہوگیا۔سوزِ دل اپنے کمال تک جا پہنچا۔مزار اقدس پر حاضر ہو کر اجازت چاہی اور اپنے وطن مالوف واپس لوٹے۔

اب آپ کی زبان مبارک پر معرفت کے چشمے جاری تھے۔عشق الٰہی اور فراق مرشد میں آپ کو اپنا ہوش نہ تھا۔اٹھتے بیٹھتے شعروہجر میں غرضیکہ ہر وقت آپ پُراز حکمت کافیاں، اشعار وکلام ارشاد فرما رہے تھے۔اپنے مخصوص انداز میں آپ فرماتے ہیں:

راتیں جاگیں کریں عبادت
راتیں جاگن کُتے ـــــ تیتھوں اُتے
ساری راتیں پہرہ دیندے
دِنے رڑے جا سُتے ـــــ تیتھوں اُتے
مالک دا در مول نہ چھڈدے
بھاویں مارن سو جُتے ـــــ تیتھوں اُتے

اُٹھ بُلّھیا توں وی یار منا لے

نہیں ۔تے بازی لے گئے کُتے ـــــــ تیتھوں اُتے

گوالیار سے واپس سیدھا قصور آئے ،طبیعت میں آرام وسکون کہاں ۔شیخ کی ناراضگی اور جدائی نے بے قرار کر رکھا تھا۔ شیخ کے فراق میں پُرسوز اور دل گداز شاعری کافیوں کا روپ دھارنے لگی ۔منہ سے نکلے بول مجروح دلوں پر نشتر کا سا کام دکھانے لگے ۔اسی دوران اپنے شیخ کی جدائی میں جو اشعار اور کافیاں آپ نے کہیں وہ آپ کے دردِ دل اور فن شاعری کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

کدی موڑ مہاراں ڈھولیا	تیریاں واناں توں سر گھولیا
میں نہاتی دھوتی رہ گئی	کوئی گنڈھ ماہی دل بہ گئی
کتے سخن اولڑا بولیا	کدی موڑ مہاراں ڈھولیا

تیریاں واناں توں سر گھولیا

کدی آ مل یار پیاریا	تیریاں واناں توں سر واریا
چڑھ باگیں کوئل کوکدی	نت سوز الم دے پھوکدی
میں تتڑی نوں شام وساریا	کدی آ مل یار پیاریا

تیریاں واناں توں سر واریا

اپنے شیخ سے والہانہ عشق اور گہرے لگاؤ کی بناء پر آپ نے جابجا اپنے کلام اور کافیوں میں حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نام ذکر کیا ہے، جس طرح حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دیوان میں شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا جگہ بہ جگہ ذکر فرمایا۔عشق ومحبت کے اولین اصولوں میں ہے کہ ہر وقت ذکر محبوب سے عاشق صادق رطب اللسان رہے بلکہ ذکر محبوب اس کی غذا روح بن جاتی ہے ۔اس کے سوا سے چارہ نہیں ۔

حدیث پاک ہے: **حُبُّ الشَّیْءُ یُعْمِیْ یُصِمُّ** ۔''جس کو کسی شے ،چیز سے محبت ہوتی ہے تو وہ اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس کو جس شے یا چیز سے محبت ہو تو محبّ صادق اگر دیکھے گا تو اسی اپنی محبوب شے کو دیکھے گا اس کے علاوہ آنکھیں بند کر لے گا اور اگر کچھ سنے گا تو اپنی محبوب شے کا ذکر ہی سنے گا۔علاوہ ازیں کسی کا ذکر وتذکرہ وہ پسند نہیں کرتا۔

کئی ایک تذکرہ نگاروں نے آپ کی بارگاہ میں بازیابی کے لئے کئی واقعات تحریر کئے ہیں ۔موضوع کی غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لئے میں صرف اسی ایک پر اکتفا کروں گا۔اس روایت میں بھی آپ نے اپنے مرشد کو بہت حد تک ناچ کر ہی منایا ہے جو کہ تمام روایات کا لب لباب ہے ۔بقول اس شعر کے:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

آپ نے اپنی ہستی کو اللہ جل جلالہٗ اور رسول ﷺ کی محبت میں بالکل مٹا دیا ور خودی کا نام ونشان تک نہ چھوڑا۔

حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اسی جذبۂ عشق و مستی سے سرشار کشاں کشاں اپنے رانجھے کے شہر تخت ہزارے (لاہور) کی طرف رواں دواں ہوئے۔ جب لاہور پہنچے تو یہاں کی گلیاں و بازار اپنی بھرپور رونق و چہل پہل کے باوجود انہیں سنسان و ویران محسوس ہوتے ہیں۔

پھرتے پھراتے کوچہ جاناں میں جا پہنچے۔ یہاں جو عشق بازی کے رموز واسرار کو پایا اور کچھ تسکین دل بے قرار کو ہوئی تو ایک کونہ میں بسیرا جما دیا۔ کوچہ محبوب کی معطر فضا و فرحت بخش ہوا اُن کے دل و دماغ سے جا ٹکرائی تو پھر سازینہ جسم کی لسانی تار حرکت میں آجاتی ہے جس سے یہ بول سنائی دینے لگے:

گھونگھٹ اوہلے نہ لک سوہنیاں میں مشتاق دیدار دی ہاں
اتھے اوتھے دوہیں جہانیں میں باندی دلدار دی ہاں

جانی باجھ دیوانی ہوئی — لوکاں کردے لوک سبھوئی
جے کر یار کرے دلجوئی — میں تن فریاد پکاردی ہاں

گھونگھٹ اوہلے نہ لک سوہنیاں میں مشتاق دیدار دی ہاں

آپ کو معلوم تھا کہ حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھنے ایک مسجد میں جاتے تھے۔ آپ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر اُس گزرگاہ میں ایک طرف جا بیٹھے اور ہجر و فراق کی کافیاں شروع کر دیں۔

میرے کیوں چر لایا ماہی — نی میں اس توں گھول گھمائی
جتھے عشق ڈیرا گھت بہندا — اوتھے صبر قرار نہ رہندا
کوئی چھٹکن اینویں کہندا — گل پٹی پریم دی پھاہی

میرے کیوں چر لایا ماہی

بھانویں جان نہ جان دے وہڑے آوڑ میرے
میں تیرے قربان دے وہڑے آوڑ میرے

تیرے جہیا مینوں ہور نہ کوئی — ڈھونڈاں جنگل بیلا روہی
ڈھونڈاں سارا جہان دے — وہڑے آوڑ میرے

بھانویں جان نہ جان دے

ماپے چھوڑگی لڑ تیرے | شاہ عنایت سائیں میرے
لایاں دی لج جان وے | وہڑے آوڑ میرے

بھانویں جان نہ جان وے

اتنے میں حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ میں عصا لیے کندھے پر کمبل اوڑھے مسجد سے باہر تشریف لائے۔جب اُن کے نورانی چہرہ پر عاشق مجبور کی نگاہ پڑی تو اس حال وکیف کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ معشوق جان عاشق ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے فرش راہ بن جاتی ہے۔عالم بے خودی میں یہ بول اُن کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں:

جھبدے آنویں وے طبیبا نہیں تے میں مرگیا | تیرے عشق نچایا کر تھیّا تھیّا
ایس عشق دے کولوں سانوں ہٹک نہ مائے | لاہور جاندڑے بیڑے موڑ کون ہٹائے
میری عقل بھلی نال موہانیاں گیا | تیرے عشق نچایا کر تھیّا تھیّا
ایس عشق دی جھنگی وچہ مور بولیندا | سانوں کعبہ تے قبلہ پیارا یار وسیندا
سانوں گھائل کر کے پھر خبر نہ لیا | تیرے عشق نچایا کر تھیّا تھیّا
بلّھا شاہ عنایت دے بہہ بوہے | جس پنہائے سانوں ساوے سوہے
جان میں ماری اڈاری مل پیا وہیا | تیرے عشق نچایا کر تھیّا تھیّا

یہ سن کر حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اوئے توں ''بلّھا'' ایں۔طالب وصل ودیدار بے خود ہو کر دوڑ کر آپ کے قدموں میں لپٹ جاتا ہے۔زاروزار روتا ہوا عرض گزار ہوتا ہے۔حضرت جی یہ بھلّا (بیوقوف،خطا کار) ہے۔حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کمال عنایت اور شفقت سے انہیں اپنے سینہ سے لگالیا۔کریمانہ شان سے ان کی خطا کو معاف فرمادیا۔سلب شدہ ولایت واپس لوٹاتے ہوئے فرمایا:کے او بُلّھیا ایہہ دولت ہُن تیرے کولوں کوئی وی نہیں کھوہ سکدا۔

پھر جب شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طالب صادق حضرت بلّھے شاہ کو چھاتی سے لگایا اور اپنے ساتھ لائے اور شب وروز شراب وصل کے جام اس کو پلائے تو طالب صادق بھی نور جمال مرشد میں ایسا محو ہوا کہ فنا فی الشیخ ہو گیا اور یہ کیفیت ہو گئی کہ دونوں کی روحیں ایک جان ہو گئیں۔مرشد حقیقی کی روح نے طالب صادق کی روح کو اپنے رنگ میں ملالیا۔حکم اتحاد حقیقی کا ان پر صادق آگیا۔

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدوئی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی

حضرت شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں باریابی کے بعد حضرت بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی،جابجا آپ نے اپنی کافیوں میں اس کا اظہار ہی نہیں فرمایا بلکہ پورا پورا جشن منایا۔اپنے ہم خیال اور ہم رازوں کو بھی شریک

جشن کیا۔

آ و سیّو رل دیوتی ودھائی	میں بر پایا رانجھا ماہی
اج تاں روز مبارک چڑھیا	رانجھا ساڈے وہڑے وڑیا
ہتھ کھونڈی موڈھے کمبل دھریا	چاکاں والی شکل بنائی

آ و سیّو رل دیو تی ودھائی

آپ کے سنِ ولادت کی طرح سنِ وصال بھی واضح نہیں ہے۔ آپ کی قبر مبارک پر جو قطعہ لکھا ہے وہ بھی آپ کے سنِ وصال کو ظاہر کرتا ہے لیکن ماہر سنِ فن نے نہ جانے کیوں وہ سن نہیں لکھی ہے جو یہ قطعہ ظاہر کرتا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (قصوری) سابق پرنسپل اورنٹیل کالج، لاہور کے تحقیقی مقالے مطبوعہ اورنٹیل کالج میگزین شمارہ مئی 1939ء کے حوالے سے جو کلیات بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ (ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) "اشاعت پنجاب ادبی اکیڈمی، لاہور" 1970ء کے دیباچے کے ص 9 تا ص 11 پر درج ہے، سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بابا بلّھے شاہ قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 1171ھ/ 1757ء میں نہیں بلکہ 1181ھ/ 68-1767ء تک آپ حیات تھے۔ "خزینۃ الاصفیاء" میں مولوی غلام سرور لاہور تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت بابا بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھنڈی میں ان کی قبر کے سرہانے تاریخ وفات کا ایک قطعہ لگا ہوا تھا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

چوں بلّھے شاہ شیخ ہر دو عالم
مقام خویش اندر خلد در زید
رقم کن شیخ اکرام ارتحالش
دیگر ہادی اکبرمست توحید

آپ کا مزار اقدس قصور شہر میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کا عرس مبارک ہر سال 'بھادوں" کی 10، 11 اور 12 تاریخ کو منایا جاتا ہے جس میں ملک کے طول وعرض سے عقیدت مند حاضری دیتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت وارث شاہؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی وارث شاہ ہے اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی گل شیر شاہ تھا۔چونکہ آپ کا خاندان سیّد تھا اس لئے آپ اور آپ کے آبا ؤ اجداد کے اسمائے گرامی کے ساتھ سیّد لکھا اور بولا جاتا ہے۔

آپ کے حالات زندگی، کشف و کرامات و روحانی مدارج کے بارے میں کوئی مستند معلومات و مواد حاصل نہیں ہیں اس لئے آپ کی روحانیت،فقر و تقویٰ کے بارے میں اس طرح سے نہیں لکھا جا سکتا جیسا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں لکھنے کا میرا انداز رہا ہے۔ہاں میں نے آپ کی لکھی ہوئی ایک کتاب بنام "ہیر وارث شاہ" پڑھی ہے اور اُسے پڑھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عوام الناس کے لئے تو ظاہر میں وہ ایک عشقیہ قصہ ہے جسے بہت مہارت سے صحیح اور ٹھیٹ پنجابی زبان میں لکھا گیا ہے لیکن اہل عقل و دانش، اہل علم و بصیرت کے لئے یہ کتاب پند و نصائح و معرفت کا ایک خزانہ ہے۔اس کتاب کو اہل بصیرت پڑھ کر یہ ضرور کہیں گے کہ حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ شریعت،طریقت و معرفت کے بحر بیکراں کے ماہر پیراک تھے اور آپ ظاہری اور باطنی علوم پر خوب دسترس رکھتے تھے اور ایسا زبردست موثر کلام لکھنا تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔بلاشبہ وہ کتاب پنجاب ادب کا شاہکار ہے، جس کی بنا پر دنیائے ادب نے آپ کو شیکسپیئر،ورڈز ورتھ اور کیٹس سے بڑا،پوشکن اور مولیئر کا ہم پلہ،سخن دا وارث، مہا کوی، ولی اللہ اور عارف باللہ جیسے عظیم و معزز خطابات سے نوازا ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی سن پیدائش اور سن وصال کے متعلق محققین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے،البتہ اکثر نے آپ کی سن پیدائش 1134ھ بمطابق 1722ء اور سالِ وصال 1212ھ بمطابق 1798ء تسلیم کیا ہے۔آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 78 سال کی عمر پائی۔آپ کے ہم عصروں میں حضرت عبداللہ المعروف بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی زیادہ نمایاں ہے گو کہ آپ سے وہ عمر میں تقریباً 47 سال بڑے ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والدین کریمین موضع جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ میں آباد تھے۔محققین کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ

آپ موضع یا گاؤں جنڈیالہ شیر خان میں 1134 ہجری بمطابق 1722 عیسوی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے والد ماجد اور اپنے گاؤں جنڈیالہ شیر خان سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے بعد آپ کو مزید تعلیم وتدریس کے لئے قصور شہر بھیج دیا گیا۔ قصور اس زمانے میں دینی وروحانی تعلیم کے لئے مرکز تھا۔ اس وقت شہر قصور میں بلند پایۂ عالم، صاحب فضل وکمال حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صدیقیؒ قصور میں بحیثیت خطیب وامام بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ نے اسی درسگاہ اور اسی عالمِ وقت سے تعلیم حاصل کی اور فیض پایا۔

بعض محققین نے آپ کو حضرت عبداللہ المعروف حضرت بُلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم جماعت لکھا ہے جو کہ اصولی طور پر صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت بلّھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے عمر میں اندازاً 47 سال بڑے تھے۔ اور ان دونوں بزرگوں نے اپنی تصنیفات وکلام میں کہیں بھی ایک دوسرے کا ہم جماعت ہونے یا دوران تعلیم اکٹھے رہنے کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

ان کے استادگرامی حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں شاگردوں کا ذکر بڑے مختصر اور اچھوتے انداز میں فرمایا ہے۔ آپ کا یہ فرمان پنجابی زبان میں ہے۔ "مینوں دو شاگرد بڑے عجیب ملے سن، اک بلّھے شاہ جس نے علم پڑھ کے سرنگی پھڑلئی، تے دو جا وارث شاہ جیہڑا عالم ہو کے ہیر رانجھے دے گیت گاون لگ پیا۔"

قارئین کرام! آپ کی کتاب "ہیر وارث شاہ" کو پڑھ کر یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے کس روحانی بزرگ سے بیعت کی اور فیض پایا، اور مجاہدات، ریاضات کے لئے کن کن صحراؤں، ویرانوں، پہاڑوں یا جنگلوں میں وقت گزارا، اور پھر کس روحانی بزرگ کے مزار پر حاضری دی۔ لیکن اس کتاب سے اتنا ضرور معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ نے عمر عزیز کا زیادہ حصہ پنجاب میں گزارا ہے اور پنجاب کے قریبی علاقوں جیسے راجپوتانہ، میوات وغیرہ میں بھی آپ گھومے پھرے ہیں اور ہر قوم اور ہر علاقہ کی چیدہ چیدہ خصوصیات کو دیکھا اور سمجھا ہے اور پھر اپنی کتاب میں اس کا اپنے انداز وسمجھ سے ذکر فرمایا ہے۔

اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے ایک اور وضاحت کر دینا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ سے کوئی دوسو سال بعد آپ ہی کے ہم نام ایک ولی اللہ گزرے ہیں اور وہ بھی سیّد تھے۔ قارئین کرام کو مغالطے سے بچانے کے لئے میں درج ذیل دو تین صفحوں میں اس بزرگ کا مختصراً ذکر کر رہا ہوں اور اس کے فوراً بعد حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر دوبارہ شروع ہوجائے گا۔

سیّد وارث علی شاہ متوفی 1323ھ بمطابق 1905 عیسوی۔ آپ کے آباؤاجداد نیشا پور سے ہندوستان آئے اور ضلع بارہ بنکی میں رہائش پذیر ہوگئے۔ اس خاندان کا ایک فرد جس کا نام عبدالاحد تھا وہ مقام "دیوا" میں جاکر آباد ہوا اور اُس کا وہاں کے بڑے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سید عبدالاحد کے مال ودولت وجائیداد میں اضافہ ہوتا گیا اور وہ اپنے علاقے میں بڑا جاگیردار بن گیا۔ اُن کی اولاد میں ایک لڑکا سید قربان علی شاہ بھی تھا۔ سید قربان علی شاہ کے گھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت نعمتیں تھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان نعمتوں میں ایک اور خوشگوار اضافہ کیا اور وہ یہ کہ آپ کو ایک فرزند صالح عطا فرمایا

آپ نے اس کا اسم مبارک وارث علی رکھا۔

حسب زمانہ آپ کی ابتدائی تربیت وتعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ جب مکتب، مدرسہ جانے کی عمر ہوئی تو والد ماجد نے آپ کو ایک مکتب میں بھیجنا شروع کر دیا۔ آپ نے مکتب میں قرآن حکیم اور دینی علوم شوق سے حاصل کئے لیکن دوسرے دنیاوی علوم کی طرف آپ نے توجہ نہ دی۔ آپ کا بچپن سے ہی اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی طرف بہت رُجحان تھا۔ قرآنی علوم حاصل کرنے کے بعد اللہ ﷻ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں ایک دم بہت اضافہ ہو گیا۔ آپ آبادی سے دور نکل جاتے اور حق اللہ، اللہ ھو ﷻ کے نعرے لگاتے رہتے۔ نوعمری میں ہی تنہائی پسند ہو گئے اور آپ اپنے انداز وگفتار، حالات وعلم سے عشق الٰہی ﷻ اور عشق رسول ﷺ میں سرشار نظر آتے۔ نوعمری میں ہی یہ اردگرد مشہور ہو گیا کہ وارث علی شاہ تو اللہ لوک ہے۔

شہر لکھنؤ میں آپ کے ایک قریبی عزیز (بہنوئی) آباد تھے۔ ان کا نام خادم علی شاہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں روحانیت سے نوازا تھا اور وہ لکھنؤ میں سلسلہ قادریہ چشتیہ کے سربراہ تھے۔ جب حضرت سید خادم علی شاہ کو آپ کے بارے میں علم ہوا اور آپ کی روحانی کیفیات، ہر وقت اللہ اللہ کرنا اور جنگلوں میں تنہا رہنا، کسی سے غیر ضروری بات نہ کرنا اور اپنے آپ میں مگن رہنا، کے بارے میں سنا تو حضرت خادم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارا وارث علی شاہ تو درویش بچہ ہے اور اُسے اپنے پاس ''دیوا'' سے لکھنؤ بلا لیا۔

حضرت خادم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بہت توجہ دی۔ اپنی شفقت ونگاہ وتوجہ کرم میں رکھا اور چند سالوں میں آپ کو دنیاوی، دینی علوم یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم وروحانیت کی دلوت سے مالا مال کر دیا۔ باطنی علم زیادہ تر علم لدنی ہی ہوتا ہے اور یہ علم صرف روحانی نظام میں ہی ہے اور سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ آپ کے عزیز حضرت خادم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ روحانیت میں اعلیٰ مقام پر تھے۔ وہی آپ کے پیرومرشد ہوئے اور انہوں نے اپنی توجہ سے آپ کو وہ جلا بخشی کہ آپ نے جوانی کی ابتدا میں ہی بہت سے روحانی مدارج طے کر لئے۔ جب حضرت خادم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی روحانی تربیت اور باطنی وظاہری علوم کی تکمیل فرما دی تو انہوں نے آپ کو بیعت کیا اور اپنی وفات سے پہلے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور مسند خلافت پر بٹھا دیا۔ لکھنؤ میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے اور آپ ایک بڑے حلقے کے پیشوا ہو گئے۔ آپ نے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بہت سے ممالک کی سیاحت کی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ سیر وسیاحت کے معاملے میں آپ حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ سے چند قدم ہی پیچھے ہیں۔

آپ کا وصال یکم صفر 1323 ہجری بمطابق 17 /اپریل 1905 عیسوی کو جمعہ کے دن ہوا۔

ایک اور اہم نکتہ میں پہلے ہی بتا دوں وہ یہ کہ قصہ ہیر رانجھا حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد یا اختراع یا ذہنی پیداوار نہیں ہے۔ یہ قصہ ہیر رانجھا تو مختلف ناموں، شکلوں، انداز اور مختلف زبانوں میں آپ (حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ) کا اسے پنجابی زبان میں اپنے مخصوص انداز میں لکھنے سے دوسو (200) سال پہلے بھی موجود تھا۔

حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالا تو سلطنت مغلیہ رُو بہ زوال تھی۔ ان کا دیس پنجاب احمد شاہ اور نادر شاہ کے پے در پے حملوں کی زد میں تھا۔ سکھ بڑی تیزی سے ایک مقامی طاقت کی حیثیت سے اُبھر رہے تھے۔ انہی حالات میں حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا قصہ ہیر وارث شاہ، قصہ ہیر رانجھا 1180ھ/ 1766 میں قصبہ ملکہ ہانس (ضلع ساہیوال) کے محلّہ اُچا ٹبہ کی مسجد کے ایک حجرے میں بیٹھ کر تصنیف کیا، جو بعد ازاں دائمی شہرت کا حامل ہوا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ داستانِ ہیر رانجھا کے شاعر حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ دنیائے ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں جبکہ ان کا قصہ ہیر ایک غیر فانی شاہکار اور عالمی سطح کا ادب پارہ ہے۔ اسی بنا پر مختلف دانشوروں نے حضرت وارث شاہ کو شیکسپئر، ورڈ زورتھ، کیٹس سے بڑا، پوشکن اور مولیئر کا ہم پلہ، شعر کا پیغمبر، سخن دا وارث، مہا کوی، ولی اللہ، عارف باللہ، عظیم آرٹسٹ وغیرہ کے خطابات سے یاد کیا ہے۔ اور اردو ادب کے معروف نقاد اور محقق سر عبدالقادر وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف شیکسپئر تسلیم کرتے ہیں بلکہ انہیں پنجابی ادب کا سعدی بھی قرار دیتے ہیں۔ یہی حال ان کے قصہ ہیر رانجھا کا ہے جسے اپنی جامعیت اور پنجابی ثقافت کا عکاس ہونے کی وجہ سے پنجاب اور پنجابی کا ''انسائیکلوپیڈیا'' یا ''مہا کوش'' بھی کہا گیا ہے۔ کسی اور کتاب کا اس سے مقابلہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ نامناسب بھی ہے۔

قصہ ہیر سے عوامی، علمی اور اہل تصوف سب ہی حلقے بخوبی روشناس ہیں۔ دیہی علاقوں میں یہ قصہ عوام کی طبعی دلچسپیوں کے قریب تر ہونے کی وجہ سے بے حد مقبول ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس قصے کے کئی مصرعے ضرب المثل کے طور پر زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ دیہاتی ماحول میں یہ قصہ آغاز ہی سے ''لوک ناٹک'' کی صورت میں عوام کے دلوں کو گرماتا رہا ہے اور موجودہ سائنسی دور میں فلم کے رُوپ میں پڑھے لکھے طبقہ میں یکساں مقبول ہوا ہے۔ آج برصغیر پاک و ہند میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوگا جس کے سامنے ہیر رانجھے کا ذکر کیا جائے تو اس کے ذہن میں فوری طور پر ہیر وارث شاہ اور ان کے منظوم ڈرامے ہیر رانجھے کا تصور نہ آئے۔ یہ بات بھی اس تصنیف کی دل پذیری کی علامت ہے، کہ بہت سے مستشرقین نے بڑے ذوق و شوق سے اسے اپنی زبانوں میں ڈھال کر اپنے ادبی خزانوں میں قابل فخر اضافہ کیا ہے۔

ابتدائی قصہ ''ہیر رانجھا'' مذکورہ بالا حلقوں میں مقبولیت کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے اہل تصوف کا بھی پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ شاہ حسین (1539ء۔1597ء) اپنی کافیوں میں بھائی گورداس (1551ء۔1629ء) اپنی ''وار''، گورو گوبند سنگھ (1696ء) اپنے ''دسم گرنتھ'' کے باب ''تریا چرتر'' اور بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ (1680ء 1758ء) اپنی کافیوں میں ہیر رانجھے کا ذکر کچھ اسی پیرائے میں کرتے ہیں۔ اسی طرح پیلو (1580ء۔1675ء) اور حافظ برخوردار (جنم تقریباً 1620ء) اور سنت رَین جی (1741ء۔1871ء) کے کلام میں بھی ہیر رانجھے کی داستان کا ذکر ملتا ہے۔

قصہ ہیر حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طبع زاد تخلیق نہیں بلکہ اس سے پہلے یہ قصہ کئی زبانوں میں نظم یا نثر کے روپ میں لکھا گیا تھا۔ اس وقت تک برصغیر میں اس قصے کے بارے میں جو شواہد ملے ہیں ان کے مطابق اس قصے کا اوّلین ذکر ہری داس

ہریا کے یہاں ملتا ہے۔ یہ شاعر شاہانِ مغلیہ میں سے بابری، ہمایونی اور اکبری دور کا عینی شاہد تھا۔ اور اس نے یہ قصہ پنجابی زبان میں منظوم کیا تھا۔ بعد ازاں مغل شہنشاہ اکبر کے درباری شاعر گنگ بھٹ نے ہندی شعر میں "باقی کولابی" (998ھ۔1014/ 1590ء۔1605ء) نے فارسی نظم میں اور "دامودر" (1486ء۔1568ء) نے اسے پنجابی نظم کے قالب میں ڈھالا۔ دور شاہجہان میں سعید سعیدی نے یہ قصہ "فسانۂ دلپذیر" کے نام سے فارسی میں نظم کیا۔ اس کے بعد عالمگیری دور کے کوی "احمد گجر" نے اسے 1682ء میں پنجابی میں منظوم کیا۔ پھر اسی عہد میں میتا چنابی نے "مثنوی عشقیہ پنجاب" یا "قصہ ہیر و ماہی" کے نام سے فارسی نظم میں تحریر کیا۔ اس دور کے آخر میں بھائی گوروداس گنی نے اس قصے کو 1119ھ/ 1707ء میں پراکرت، قدیم ہندی اور پنجابی کی ملی جلی زبان میں پیش کیا۔ بعد ازاں وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک کئی اہل قلم حضرات اپنے اپنے طور پر نظم اور نثر میں یہ داستان رقم کرتے رہے۔ چنانچہ دوروداس کھتری نے 1121ھ/ 1709ء میں اسے فارسی نظم میں تحریر کیا اور میاں چراغ اعوان نے اسے 1710ء میں پنجابی نظم کے روپ میں پیش کیا۔ پھر (1118ء۔1141ھ/ 1706ء۔1734ء) کے درمیانی عرصہ میں معروف شاعر احمد یار خاں یکتا نے اسے داستان "ہیر رانجھا" کے عنوان سے فارسی نظم میں لکھا۔ فقیر اللہ آفرین لاہوری نے بھی اسے فارسی نظم میں (1134ھ/ 1721ء) میں "مثنوی راز و نیاز" کے نام سے روشناس کرایا۔ بعد ازاں منسارام خوشابی نے 1157ھ/ 1744ء میں فارسی نظم و نثر میں اور میر قمر الدین منت دہلوی نے 1159ھ/ 1746ء میں مثنوی "سندر داس" کے نام سے اسے فارسی منظوم صورت میں پیش کیا۔ حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے اکیس سال پہلے حافظ شاہجہان مقبل نے اسے پنجابی میں لکھا۔ جس کے ہر بند میں چار مصرعے تھے لیکن یہ زبان اور بیان کے اعتبار سے حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔

حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ "ہیر رانجھا" 1180ھ/ 1766ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بعد یہ قصہ فارسی، ہندی، اردو، پنجابی اور سندھی وغیرہ میں نظم یا نثر کی صورت میں لکھا جاتا رہا ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ تاہم یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو مقبولیت "ہیر وارث شاہ" کو نصیب ہوئی وہ اس سے قبل یا بعد کے کسی قصہ ہیر رانجھا کے حصے میں نہیں آئی۔

آپ کی پنجابی زبان میں لکھی ہوئی یہ کتاب میری نظر سے بہت پہلے گزری ہے۔ عوام الناس کے لئے تو قصہ ہیر رانجھا یا ہیر وارث شاہ کی داستان ایک دنیاوی عشق و محبت کی بہت دلکش اور نفیس کہانی ہے۔ لیکن اہل علم و دانش و بصیرت کے لئے اس کے بند بند، بول بول میں معرفت کے خزانے چھپے ہیں۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں معرفت کا ایک سمندر ہے۔

اس کتاب کے دنیاوی کرداروں کو روحانی نام بھی دیئے گئے۔ صلحاً اور اہل معرفت اسے اسی انداز سے پڑھتے ہیں اور مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ وہ لکھنے والے کی ظاہری و باطنی علوم میں وسعت و مہارت کو بھی داد دیتے ہیں۔ ہر طبقہ اس سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق سرور حاصل کرتا ہے۔ جہاں دیہاتوں میں اس کو سننے والے بہت شوق، سکوت اور دلجمعی سے سنتے ہیں وہاں اہل معرفت بھی نہایت شوق و ادب سے اس سے سرور حاصل کرتے ہیں۔

اس کتاب میں پنجابی زبان کی جو صحیح ٹھیٹ، مشکل اور معیاری زبان بندی کی گئی ہے وہ ایک عام انسان کے بس سے باہر ہے۔وہ کلام وزبان دانی الہامی لگتی ہے۔وہ کتاب یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ آپ پنجاب کے سب علاقوں اور سب دیہات میں خوب گھومے پھرتے ہیں بلکہ پنجاب سے ملحقہ راجپوتانہ اور میوات میں بھی آپ گئے ہیں۔آپ پنجاب کی تمام قوموں قبیلوں کی نمایاں خوبیوں اور خامیوں اور ان کی اجتماعی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے۔آپ نے اپنی کتاب میں کچھ کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

آپ کی مذکورہ کتاب سے یہ بھی خوب ظاہر ہے کہ آپ نے عمر عزیز کا زیادہ حصہ پنجاب میں ہی گزارا ہے۔آپ کے اس کلام کو میں الہامی کلام اس لئے بھی کہتا ہوں کہ جو صحیح ٹھیٹ، مشکل اور معیاری زبان آپ نے استعمال کی ہے وہ پیدائشی پنجابی یا زیادہ عمر والے پنجابی بھی نہیں بول سکتے، نہیں سمجھ سکتے یا اس کے مقابلے میں لکھنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے قصور کی درسگاہ سے دنیاوی اور دینی علوم تو حاصل کئے تھے لیکن یہ پُر از معرفت کلام علم لدنی کی وجہ سے، کے سبب ہی لکھا جا سکا۔

آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت سے، علم لدنی سے پنجابی زبان میں ایک شاہکار کتاب تصنیف فرمائی۔دنیا بھر کے ادبی حلقوں نے اس قصہ کو اسے زبان دانی، انداز بیان، خوش اسلوبی ذکر یا روانی کے لحاظ سے اول نمبر مانا ہے۔نہ اس کے مثل پہلے تھا اور نہ ہی اب تک کسی سے لکھا جا سکا ہے۔اردو ادب کے معروف نقاد اور محقق سر عبدالقادر حضرت وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو فقط شیکسپئر ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ آپ کو پنجابی ادب کا سعدی قرار دیتے ہیں۔یہی حال آپ کے بیان کردہ قصہ ہیر رانجھا کا ہے جسے اپنی جامعیت اور پنجابی ثقافت کا عکاس ہونے کی وجہ سے اسے پنجاب اور پنجابی کا انسائیکلوپیڈیا، یا ''ہما کوش'' بھی کہا گیا ہے۔کسی اور کتاب کا اس سے مقابلہ کرنا مشکل ہے۔سچ تو یہ ہے کہ یہ کتاب، یہ کلام نہ جانے کب تک ایم اے (پنجابی) یا پنجابی زبان میں پی۔ایچ۔ڈی کے لئے نصاب آخر رہے گا۔

اکثر محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا وصال سن 1212 ہجری بمطابق 1798 عیسوی میں ہوا۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کا مزار جنڈیالہ شیر خان میں ہے اور عوام الناس کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے اور خاص کر عرس کے دنوں میں تو وہاں لوگوں کا اژدھام ہوتا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت احمد رضا بریلویؒ

اسم مبارک:

آپ کا پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار رکھا گیا۔آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک نقی علی خان اور دادا حضور کا نام رضا علی خان تھا دادا حضور آپ کو احمد رضا خان کے نام سے پکارا کرتے تھے۔آپ نے خود اپنے نام کے ساتھ ''عبدالمصطفیٰ'' کا اضافہ کرلیا جیسا کہ ایک شعر کے نصف حصہ میں خود فرماتے ہیں:

''خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبدِ مصطفیٰ''

آپ کا اسم گرامی جو مشہور و معروف اور برزبانِ عام و خاص ہے، وہ ''محمد احمد رضا'' تھا لیکن آپ اپنی جائے پیدائش ''بریلی'' کی نسبت سے ''احمد رضا خاں بریلوی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ اپنے وقت میں دنیاوی اور دینی، ظاہری اور باطنی علوم میں بے نظیر تھے، لاثانی تھے۔آپ کی ذات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام علوم بھر دیئے تھے۔میں، اس کتاب کا مصنف جس نے بی ایس سی کے بعد ایم بی بی ایس اور رایروسپیس میڈیسن بھی کی ہے اب تک تمام تر کوشش کے ساتھ بیس (20) سے زائد مضامین نہیں گنوا سکتا جب کہ آپ نے آج (2008ء) تقریباً ڈیڑھ سو (150) سال پہلے پچاس (50) سے زائد مختلف مضامین، علوم وفنون پر مکمل دسترس کے ساتھ لکھا ہے بلکہ کچھ مضامین تو آپ کی ایجاد ہیں یعنی کہ آپ نے انہیں علیحدہ نام دیا ہے علیحدہ بیان کیا ہے۔پیچیدہ مسائل، سوال و معمّا حل کرنے میں آپ کا شمار دنیا کے چند قابل ترین اشخاص میں ہوتا ہے۔آپ نے چودہ (14) برس کی عمر میں تمام علومِ دینیہ حاصل کرکے 1869ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ کا مقام بہت بلند یا بہت آ گے تھا۔بلکہ آپ کا عشق رسول ﷺ ضرب المثل کی صورت اختیار کر گیا تھا۔آپ عقائد وافکار میں متقدمین اور سلف صالحین کے پیرو تھے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور مشرباً ''قادری'' تھے۔آپ کو چاروں سلاسل طریقت میں اجازت تھی۔آپ نے مذہب کے علاوہ دیگر علوم وفنون اور سیاست میں بھی تجدید اور احیاء کا کارنامہ انجام دیا جس کی بناء پر اکابر علمائے عرب وعجم یعنی کہ ساری اسلامی دُنیا نے آپ کو ''چودھویں صدی کا مجدد'' قرار دیا اور ''اعلیٰ حضرت'' اور ''فاضل بریلوی'' کے جیسے معزز خطابات سے نوازا جو آپ کے نام کا مستقل حصہ بن گئے، بلکہ خطابات آپ کے نام پر حاوی ہو گئے۔آج دنیا بھر میں آپ ''اعلیٰ حضرت'' اور ''فاضل بریلوی'' کے نام سے

جانے پہچانے جاتے ہیں ۔آپ نے ساری عمر عقیدہ توحید اور ناموسِ رسالت کی پہرے داری کی ۔آپ کا قلم تمام اعتقادی فتنوں کا تعاقب کرتا رہا اور آپ اسلام کی عزت وحرمت کے مقابل کسی کو خاطر میں نہ لاتے ۔مذکورہ بالا آپ کی غیرت ایمانی اور عشق رسول کا مظہر ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ 10 شوال 1272 ہجری بمطابق 14 جون 1856 عیسوی کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے ۔پہلے دنیاوی اور دینی علوم حاصل کئے اور پھر تمام عمر دین متین کی خدمت میں گزار دی ۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 68 سال کی عمر پائی اور ماہِ صفر کی 25 تاریخ سن ہجری 1340 بمطابق 26 اکتوبر 1921 عیسوی کو آپ کا وصال بریلی میں ہوا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ 1857ء کے انقلاب سے ایک سال قبل 10 شوال 1272 ہجری بمطابق 14 جون 1856 عیسوی کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے ۔آپ کے والد گرامی مولانا نقی علی خان اور دادا حضرت مولانا رضا علی خان اپنے عہد کے بلند پایہ علماء میں شامل تھے ۔آپ کا پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار رکھا گیا ۔دادا حضور آپ کو احمد رضا خان کے نام سے پکارا کرتے تھے ۔آپ نے خود ''عبدالمصطفیٰ'' کا اضافہ فرمالیا۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبدِ مصطفیٰ

آپ کی تاریخ ولادت قرآن پاک کی سورہ مجادلہ کی آیت مبارک 22 کے اس حصۂ آیت مبارک سے نکلتی ہے۔ **اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ** ۔اس کا ترجمہ ہے: یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن ناظرہ پڑھا۔ چھ سال کی عمر میں منبر رسول پر بیٹھ کر میلادِ رسول ﷺ بیان کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں ہدایۃ النحو کی عربی میں شرح لکھ دی ۔تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی اور اسی روز رضاعت کے بارے میں اعتراض، سوال کا جواب لکھا۔ والد ماجد نے اسی روز فتویٰ نویسی کی اجازت بھی مرحمت فرمائی ۔اور خود اس عہدے سے سبکدوش ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے ۔

آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد (مولانا نقی علی خاں)، مرزا غلام قادر بیگ، مولانا عبدالعلیم رامپوری، مرشد گرامی حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی اور شاہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہم مشہور ہیں ۔1875ء میں آپ کی شادی ہوئی ۔

1878ء میں آپ نے حضرت شاہ آلِ رسول مارہرویؒ کے دست حق پر بیعت کی ۔ساتھ چاروں سلاسل طریقت کی اجازت بھی حاصل کی ۔آپ کے مرشد گرامی کا ارشاد ہے:

''آج وہ فکر میرے دل سے دور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھے گا: اے آل رسول! تو میرے لیے

کیالایا۔تو میں عرض کروں گا کہ الٰہی میں تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔"(سوانح اعلیٰ حضرت،ص103)

آپ نے پہلا حج 1878ء میں اپنے والدین کریمین کے ہمراہ ادا کیا۔اسی حج کے دوران ایک دن مسجد حرام میں ایک بڑا عجیب لیکن خوشگوار واقعہ پیش آیا۔آپ نے ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی۔نماز کے بعد امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح بغیر کسی سابقہ تعارف کے آپ کو اپنے گھر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو تھامے رہے۔اور فرمایا بے شک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور دیکھتا ہوں۔اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا فرمائی اور فرمایا: تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔امام بخاری تک اس سند مذکور میں گیارہ واسطے ہیں۔

اب آپ کے حالات، واقعات و مناقب کے جاننے سے پہلے مختصراً یہ جاننا ضروری ہے کہ جب آپ نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو اس وقت ملک ہندوستان میں مذہبی، اعتقادی اور سیاسی حالات کیا تھے۔

اس وقت برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ہندو اور انگریز مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ان عیار قوموں نے اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا۔حالانکہ اس سے پہلے برصغیر پاک وہند کے طول و عرض میں ایک ہی مسلک مذہب اہلسنّت والجماعت کا غلبہ تھا۔امراء سے لے کر غرباء تک سب اہل سنت تھے۔

انگریزوں نے مسلمانوں کی قوت و عظمت کو تار تار کرنے کے لئے کہیں فتنہ قادیانیت کو ہوا دی، کہیں فتنہ انکار حدیث کو پھیلایا، کہیں وہابیت و دیوبندیت کی نظریاتی تحریکیں پیدا کیں۔یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں سے پہلے ان جماعتوں کا نام و نشان نہیں تھا۔بلکہ یہ بھی سچ ہے کہ وہابی لوگوں کو اہل حدیث کا نام بھی انگریزی حکومت نے دیا۔اور ان کے علماء کو "شمس العلماء" کے خطاب بھی ان ہی سے نصیب ہوئے۔کسی صحیح العقیدہ سنّی عالم کو انگریز نے یہ لقب نہیں دیا۔

سب سے پہلے ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی نے ابن عبدالوہاب نجدی کے افکار و نظریات کو فروغ دیا۔جن کی روشنی میں تمام ملت اسلامیہ کی وحدت میں دراڑیں ڈال دیں اور وحدت و حرمت کو پارہ پارہ کر ڈالا، کفر کے فتوے لگا کر مسلمانوں کی وحدت کو بانٹ دیا۔مولوی اسماعیل دہلوی کی "تقویۃ الایمان" نامی کتاب انگریزوں نے مفت تقسیم کی۔یہ کتاب "شیخ نجد" کی کتاب "التوحید" کی عکاس ہے۔

اس موقع پر قوم و ملت اسلامیہ سے میری (اس کتاب کے مصنف کی) ایک گزارش ہے۔ہم اب (2008ء) تک بھی اپنے مذہبی، اعتقادی، معاشرتی اور معاشی بدحالیوں، تباہیوں، بربادیوں، خستہ حالی، تنزلی اور خلفشار کو امریکی، برطانوی، اسرائیلی اور ہندو اقوام سے منسوب کرتے ہیں۔ان میں ان کا ہاتھ ہونا بجا ہے اور اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے لیکن باہر والے لوگ اپنے منصوبوں کو خود پروان نہیں چڑھا سکتے۔بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں ایسے خام علماء، کمزور ایمان والے علماء کی کمی نہیں ہے جو معمولی سے عہدے، رشوت، القاب، مراعات و تعریف کے بدلے ان کے بہت ہی تابعدار، زرخرید غلام، آلہ کار بن جاتے ہیں۔اپنے دماغ، عقل و زبان کو اللہ جل جلالہ اور رسول ﷺ کے بجائے دین اسلام اور ملت اسلامیہ کے بدخواہوں کے حوالے، تابع

کر دیتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جوامت مسلمہ کے لئے ، دین اسلام کے لئے غیروں سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہیں۔خدارا ان کو پہچانئے ، خود بھی ان سے بچیں اور قوم و ملک کو بھی ان زہریلے ناگوں سے بچائیں۔اللہ، ملت اسلامیہ اور دین اسلام کو ایسے مارِآستینوں سے محفوظ فرمائے۔آمین!

اس اعتقادی افلاس کے شکار زمانے میں کسی ایسے مردحر،فرد مامت ،عالم باعمل اور صوفی وقت کی ضرورت تھی جو علم و فضل کی مسند کا وارث ہوتا اور اسلاف کرام کے عقائد ونظریات کو قرآن وسنت کی تائید کے ساتھ ثابت کرتا اور حضور سید کونین ﷺ کی سادہ لوح اُمت کو گمراہی کی ان آندھیوں سے بچا کر منزل عشق و مستی پر گامزن کر دیتا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا جو چودھویں صدی میں مجدد اسلام بن کر اُفق ہدایت پر جگمگانے لگے۔

دوسری مرتبہ 1905ء میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ محبوب سے مشرف ہوئے۔اس سفر حج میں تائید غیبی قدم قدم پر آپ کا ساتھ دے رہی تھی ۔کیونکہ حق و باطل کا فیصلہ ہونا تھا۔آپ نے جن گستاخانِ رسول ﷺ کی تکفیر کی تھی ان کی کفریہ عبارتوں کو علماء حرمین کے سامنے پیش کیا اوران سب نے آپ کے فتویٰ کی دل کھول کر حمایت فرمائی ۔اس کی تفصیل ''حسام الحرمین'' میں قابل دید ہے۔اسی مبارک سفر کے دوران ''الدولۃ المکیۃ'' جیسی تصنیف معرض وجود میں آئی جو کہ مسئلہ علم غیب پر شاہکار اور نہایت زوردار تحقیق ہے ۔آپ نے یہ کتاب مختلف نشستوں میں آٹھ گھنٹوں کے اندر نہایت بلیغ عربی میں رقم فرما کر علماء عرب سے خراجِ تحسین وصول کیا۔اس کتاب نے دشمنانِ مصطفےٰ ﷺ کا منہ اس طرح بند کیا ہے، کہ وہ آج تک سراپا حیرت بنے ہوئے ہیں۔

اسی سفر کے دوران آپ نے ایک فقہی مسئلہ پر رسالہ لکھا جس کا نام ہے''**کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**''اس رسالہ میں آپ نے نوٹ کی شرعی حیثیت واضح فرمائی ہے۔یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کی تمام کتابیں ہندوستان میں موجود تھیں یعنی آپ کے پاس مدینہ منورہ میں نہ تھیں کہ آپ ان کو دیکھ کر لکھ لیتے۔اس لئے یہ سارا تحقیقی کام آپ کے زور حافظہ کی بھی شہادت فراہم کر رہا ہے۔

آپ کا علم وفضل اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق جَلَّ جَلَالُہٗ کی خاص عطا ہے،عنایت ہے،کرم نوازی ہے اور آپ کا علم وفضل حضور پاک ﷺ کی نظر رحمت کی زبردست دلیل ہے ۔ذرا تصور کیجئے کہ حضور ﷺ جب کسی کو عطا کرتے ہیں تو کتنا عطا کرتے ہیں ۔اپنے عہد کے نابغہ روزگار مصنف نے پچاس علوم وفنون میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں رقم فرمائیں ۔آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ،کلام،فلسفہ،منطق ،تجوید،ریاضی،توقیت ،تصوف پر یکساں عبور حاصل تھا۔کچھ علوم وفنون صرف آپ کی ایجاد ہیں ۔آپ نے جس میدان علم کی طرف رُخ موڑا اللہ تبارک وتعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آپ کو اس میں سربلند فرمایا۔

آپ نے فقہ کو اپنا خصوصی میدان قرار دیا۔جس میں درجہ امامت پر فائز ہوئے۔''**العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ** ''بارہ جلدوں پر مشتمل ہے ۔جس میں عقائد،اعمال،اخلاق اور دیگر فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں کی آبیاری کی گئی ہے، آپ کا قلم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا تحفہ محسوس ہوتا ہے۔یہ درست ہے کہ وہ معاصرین جو اپنی فقاہت ولیاقت پر نازاں تھے۔وہ

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحقیقی مباحث کو دیکھ کر خود کو طفل مکتب سمجھنے لگے۔

آپ نے بعض مسائل کو بارہ سو فقہی ذخیروں کی مدد سے حل کیا اس سے آپ کی وقت نظر، وسعت مطالعہ اور قوت حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ فقہ وتصوف یا کسی بھی فن کی کوئی بھی کتاب دیکھتے تو ایک بار دیکھنے سے ہی ازبر ہو جاتی۔ پھر ساری عمر اس سے علمی استفادہ فرماتے رہتے۔ نہایت ہی حاضر دماغ تھے۔ قرآن پاک تقریباً ایک مہینے میں حفظ فرمالیا۔ ہزاروں احادیث کے متون زبانی یاد تھے۔ فقہ کی عبارات پر مکمل عبور تھا۔ آپ اپنے عہد میں مرجع علماء تھے اور ہزاروں علماء کرام نے آپ کی طرف رجوع کر کے اپنی تحقیقات کا قبلہ درست کیا۔ آپ نے بعض سابقہ فقہاء کرام کی کتابوں پر حواشی رقم فرمائے۔ جن میں ان کی گرفت بھی کی گئی۔ سر ضیاء الدین مشہور ریاضی دان تھے، انہوں نے ریاضی کا ایک دقیق مسئلہ آپ سے حل کروایا تو ہمیشہ کے لئے آپ کے گرویدہ ہوگئے۔

آپ کی فہم وفراست ودوراندیشی بھی لاجواب تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ان صفات حمیدہ سے خوب نوازا تھا۔ وہ بہت نازک دور تھا۔ مسلمان علمی افلاس کا شکار تھے۔ خانقاہوں میں طریقت کے نام پر معرفت کے سودے ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنی خداداد فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے اسلامیانِ ہند کی منزل مقصود متعین فرمائی۔ جب قائد اعظم واقبال جیسے لیڈر محمد علی جوہر اور شوکت علی جیسے مجاہد ہندو مسلم اتحاد پر زور دے رہے تھے۔ اس وقت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے انقلابی اسلامی نظریہ مؤدت پیش کیا۔ آپ کی کتاب **"المحجۃ المؤتمنۃ"** اس بارے میں زبردست شان کی مالک ہے۔ آپ نے اسلام کو ہندو مت میں مدغم ہونے سے بچایا اور وہی کردار ادا کیا جو آپ کے پیشرو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ادا کر چکے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ متحدہ قومیت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اسلام دوقومی نظریہ پر یقین رکھتا ہے۔ اللہ کے دوست کا اللہ کے دشمن سے اتحاد کیسا؟ اسی نظریے کو بعد میں حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کر کے پاکستان کے عظیم تصور کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں تحریک ترک موالات (ہندو مسلم ہر طرح سے دو علیحدہ قوم ہیں) کا زور پیدا ہوا۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے درست فیصلہ کیا جس پر آج کا مؤرخ مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کو معاشی میدان میں نہایت کمزور کر دیا گیا تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے لیے چند سنہری معاشی اصول مرتب فرمائے جن پر عمل کر کے مسلمان اپنی اقتصادیات کو بہتر بنا سکتے تھے۔ مسلمان پر علم کے دروازے بند تھے۔ آپ نے علم وہنر کے حصول پر زور دیا۔ آپ کا نظریہ تعلیم اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے جاہل صوفیوں کی ہمیشہ مذمت بیان کی اور ان مشائخ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جو علم وفضل کے واقعی قدردان تھے۔

انگریزوں نے دین اسلام کے خلاف، حُبِّ دین اور حُبِّ رسول (ﷺ) کو ختم کرنے کے لئے کتنے ہی فتنے پیدا کر دیئے۔ الحمدللہ! آپ نے فرداً فرداً سب کا رَدّ فرمایا اور آپ نے قلم وکلام کے زور سے سب کو دبا دیا۔ آپ نے قادیانیت کا رَدّ فرمایا، وہابیت کی خبر لی، دیوبندیت کی جڑ کاٹی، نیچریت کو نیچا دکھایا، رافضیت کو لتاڑا۔ آپ نے جہاں بھی محبوب خدا ﷺ کے خلاف کوئی محاذ دیکھا، میدان عمل میں کود پڑے۔ آپ کے نزدیک یہی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ اس دور میں ترجمہ قرآن کی آڑ میں

حضورانور، سرکارِدوعالمﷺ کی شان میں توہین کی گئی ۔آپ نے بہت کم وقت میں قرآن حکیم کا نہایت عشق افروز ترجمہ ''کنزالایمان'' لکھ کر مسلمانانِ ہند کو اس انتہائی خطرناک فتنے سے بچالیا۔آپ کا ترجمہ قرآن،وحی الٰہی کا صحیح ترجمان ہےاور واقعی ایمان کا خزانہ ہے۔آپ جب دُنیا سے گئے تو اسی عشق ومحبت پر آپ کو بجا طور پر بہت ناز تھا۔

عشق رسولﷺ کے اہم تقاضوں کے مطابق آپ نے سرورِ موجوداتﷺ کے محبوبوں کا پوری جانفشانی سے دفاع کیا،ہمیں آپ کسی مقام پر غافل دکھائی نہیں دیتے۔آپ نے صحابہ کرام کی شان بیان کی،آلِ رسولﷺ کا مقام بتایا اور اولیاء کرام کی عظمت کی گواہی دی۔آپ قادریت کے عظیم علمبردار تھے۔حضورغوث پاک رضی اللہ عنہ کے وارث کامل تھے۔آپ قادریت میں اس قدر کامل تھے کہ مولانا سید اسماعیل بن خلیل نے فرمایا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اگر اس ہستی کو دیکھتے تو اپنے اصحاب میں شامل فرما لیتے۔

اس دور میں مسلمانوں کی قومی ومذہبی غیرت کا جنازہ نکالنے کے لیے ہندو اور انگریز نے اتنا کردار ادا نہیں کیا جتنا اُن کے زرخرید ملاؤں نے ادا کیا۔مسلمانوں کے دل ودماغ سے حضورانورﷺ کی محبت،قوم کی غیرت اور روح عزیمت کو ملیا میٹ کرنا اُن کے جُبہ ودستار کا اوّلین مقصد تھا۔اسی مقصد کے لیے اُن کی نمازیں اور اس کے لیے اُن کے مدرسے،خود انگریز کا اعتراف تھا کہ ہماری یونیورسٹیاں وہ کام نہیں کر رہیں جو یہ مدرسے کام کر رہے ہیں۔

اس دور میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ،علامہ محمد اقبال،اکبرالٰہ آبادی اور ظفر علی خان جیسے لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں میں غیرت وعزیمت کی روح بیدار کی اور مردہ دلوں کو اپنے کردار،کلام اور پند ونصیحت سے زندہ کر دیا۔

آپ کی قومی حمیت وعزیمت وغیرت کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں کے دور میں اُن سے شدید نفرت کا اظہار کرتے۔خط پر بادشاہ کی تصویر اُلٹی لگاتے۔ہندوؤں سے کوئی میل جول نہ رکھتے تھے۔آپ کو بدعقیدہ لوگوں سے شدید نفرت تھی۔ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ امام باڑے کا تاریخی نام رکھ دیں۔آپ نے فرمایا:''بدر رفض۔''اس نے کہا پچھلے سال تعمیر ہوا ہے۔آپ نے فرمایا ''دارِرفض۔''رکھ لیں۔وہ دراصل رفض سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔اس نے کہا اس سے پچھلے سال تعمیر ہوا ہے۔آپ نے فرمایا،چلو ''دررفض''رکھ لیں۔عزیمت کا یہ عالم تھا کہ جب علم ودانش کے بڑے بڑے مینار انگریزی سیم وزر کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے تھے فقرغیور کا یہ علمبردار صرف مدینہ وبغداد کا محتاج نظر آتا تھا۔

آپ عشق پیغمبر اول وآخر واعظم،سید المرسلین،خاتم النبیین،ہادی دوجہاں،رہبر کائنات،اصل الموجودات،انسانِ کامل حضورپُرنور،حضورانور،نبی کریم،رؤف ورحیمﷺ میں سرتاپا ڈوبے ہوئے تھے۔آپ کے کلام کا لفظ لفظ اور آپ کے اعمال کا ہر حصہ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ آپ خود سراپا عشق رسولﷺ کی تصویر تھے۔اور آپ کے اس والہانہ عشق کو یعنی کہ آپ کو بارگاہِ رسالت مآبﷺ میں مقبولیت نصیب تھی۔بلکہ آپ کو حضور تاجدار انبیاءﷺ کی بارگاہ میں مقبولیت دائمی نصیب ہوئی۔جب آپ کا وصال ہوا کسی عاشق زار نے دیکھا حضورﷺ آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔اور ویسے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اتنا عشق

ومحبت، اس قدر علم وفضل اور ہمہ گیر اوصاف وکمالات انہی لوگوں کو ملتے ہیں جو بارگاہِ مصطفٰے کے، جو در پیغمبر اول واعظم وآخر کے گدا ہوتے ہیں، جو در مصطفٰےﷺ پر جھولی پھیلائے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ جو بھی ان کے غلام ہوتے ہیں، وہ جہاں کے امام ہوتے ہیں۔

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام جاننے کے لئے درج ذیل کو غور سے پڑھئے:

ماہِ ربیع الثانی 1340 ہجری میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے۔ ان کی خبر پاکر مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ملاقات کی۔ شامی بزرگ بڑی شان وشوکت والے تھے۔ انہوں نے کسی قسم کا نذرانہ قبول نہ کیا اور کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے میں خوشحال ہوں لہذا مجھے کسی نذرانے کی حاجت نہیں۔ آپ نے ان شامی بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت اتنا لمبا سفر طے کر کے دہلی آنے کا کیا مقصد تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مقصد تو بڑا اعلیٰ تھا لیکن افسوس وہ پورا نہیں ہوسکا۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقصد دریافت کیا تو آپ نے اس طرح بیان کیا کہ 25 صفر 1340 ہجری کو میری قسمت بیدار ہوئی اور خواب میں پیغمبر اول وآخر واعظم حضور پُر نورﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضور انورﷺ تشریف فرما ہیں۔ اس مجلس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی حاضر ہیں لیکن مجلس میں سکوت طاری ہے۔ جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہِ رسالت مآبﷺ میں عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس کا انتظار ہے؟ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ امام احمد رضا خاں کا۔ میں نے عرض کیا کہ احمد رضا کون ہیں؟ آپﷺ نے فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ احمد رضا خاں صاحب بڑے جلیل القدر عالم ہیں اور ابھی زندہ ہیں۔ یہ سب معلوم ہونے پر میں نے مولانا صاحب سے ملاقات کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ چنانچہ رخت سفر باندھا اور منزلیں مارتا ہوا بریلی پہنچا۔ پتہ چلا کہ ان کا 25 صفر 1340 ہجری کو انتقال ہوگیا تھا۔ اور یہ وہی تاریخ تھی جب میں نے حضور پُر نورﷺ کو خواب میں دیکھا تھا اور آپﷺ احمد رضا خاں کا بمع صحابہ کرام انتظار فرما رہے تھے۔

آپ عشق رسولﷺ کے جام پُر کیف سے سرشار تھے۔ آپ کا عشق ضرب المثل کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم اگر میرے دل کو چیر کر دو ٹکڑے کردو تو ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہﷺ لکھا ہوا پاؤ گے۔

آپ کی تمام تصانیف وفتاوٰی میں عشق مصطفٰےﷺ کی منظر نگاریاں دیدہ ودل کو سرور عطا کرتی ہیں۔ آپ بہت بڑے شاعر تھے۔ آپ کے شعر وسخن کا مرکزی خیال حمدِ اللہ تبارک وتعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے، یا نعت محمد مصطفٰےﷺ ہے۔

آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک حرف عشق ومستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ بارگاہِ رسالت مآبﷺ کے آداب کا جس قدر آپ کے کلام میں لحاظ ہے، وہ دوسروں کے کلام میں کم دیکھنے میں ملتا ہے۔ آپ نے عشق مصطفٰےﷺ کی غیرت وحمیت کا بھرپور مظاہرہ

کیا۔آپ کی ساری زندگی حضور پُر نور سرورِ کائنات ﷺ کی عزت و ناموس کے دفاع کے لئے صرف ہوئی۔

آپ بزرگانِ ملت اور سادات کرام کا اس درجہ ادب و احترام کرتے کہ دیکھنے والا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ شاید آپ کا جسم مبارک مٹی کی بجائے خمیر ادب و احترام سے تشکیل دیا گیا ہے۔حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ کا ادب و احترام تو آپ کا سرمایہ حیات تھا ہی آپ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اُمت کے بزرگوں کا ادب و احترام بھی بڑے اہتمام و شوق سے فرماتے۔ بزرگوں کے نام القاب سے لکھتے۔رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام کرتے۔آیئے! آپ کے انداز ادب و احترام کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

چھ برس کی عمر میں آپ نے معلوم کر لیا کہ بغداد شریف کدھر ہے۔پھر اس وقت سے آخر دم تک بغداد شریف کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔(سوانح اعلیٰ حضرت،ص89)

سادات کرام کا بہت زیادہ ادب فرماتے۔ایک دفعہ ایک سیّد زادے کو پالکی میں بٹھا کر اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ایک نوعمر سیّد زادہ آپ کے گھر میں قیام فرما تھا آپ نے اہل خانہ کو ہدایت کر دی کہ اس سے کوئی کام نہ لیا جائے۔بلکہ اس کی خدمت کی جائے۔ایک سیّد طالب علم جتنی بار آپ کے سامنے سے گزرتا آپ اس کے لئے تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔آپ کا عقیدہ تھا:

تیری نسل پاک میں ہے، بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانہ نور کا

مولانا بدرالدین احمد آپ کے حُسنِ ادب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ سُنّی مسلمانوں اور علمائے حق کے لیے ابرِ کرم تھے جب کسی سُنّی عالم سے ملاقات ہوتی، دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے، اور اس کی ایسی عزت وقدر کرتے جس کے لائق وہ اپنے کو نہ سمجھتا۔جب کوئی حج بیت اللہ شریف کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان سے پہلے یہی پوچھتے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم سیّدِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں بھی حاضری دی۔اگر وہ کہتے ہاں تو فوراً اُن کے قدم چوم لیتے اور اگر کہتے نہیں تو پھر اُن کی جانب بالکل توجہ نہ فرماتے۔(سوانح اعلیٰ حضرت،ص179)

آپ فرائض و سنن کے ازحد پابند تھے۔ہمیشہ بڑی خوش اسلوبی سے عمل پیرا ہوتے۔بالخصوص نماز با جماعت کا خصوصی اہتمام فرماتے سخت بیماری کے عالم میں بھی مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے تھے۔مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں:"ایک دفعہ اعلیٰ حضرتؒ سخت بیمار تھے،نشست و برخاست کی بالکل طاقت نہ تھی اس کے باوجود فرض نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔انتظام یہ تھا کہ کرسی میں لکڑی باندھ کر پالکی کی طرح چار آدمی آپ کو مسجد میں لے جاتے اور بعد نماز دولت خانے میں پہنچا دیتے۔(حیات اعلیٰ حضرت،ص179)

آپ فطرتاً بہت غریب پرور،غریب نواز تھے اور غرباً و مساکین کو اپنی مجلس میں بہت اہمیت دیتے تھے۔ان کی حاجت روائی کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ان کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

مولانا بدرالدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

''کاشانہ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا۔ بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں۔ اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کے لیے ہی نہ تھی بلکہ دور دراز کے علاقوں بیرون ملک بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے تھے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، ص 90)

ایک واقعہ سنئے:

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کئے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ آپ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی، حضور! میں نے بندگانِ خدا کے مہینے آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لیے ہیں۔ وہ رات بے چینی سے گزاری۔ صبح ایک سیٹھ صاحب نے اکیاون روپے بطور نذرانہ عقیدت حاضر کئے۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ ارشاد فرمایا: یہ یقیناً سرکار دو عالم ﷺ کا سرکاری عطیہ ہے۔ یعنی پچاس روپے بھیجنے کے لئے اور ایک روپیہ ڈاک خرچ کے لیے۔ چنانچہ ڈاک خانہ کھلنے پر اسی دن مدینہ طیبہ میں اس شخص کو منی آرڈر کر دیا گیا۔ (حیات، ص 52)

آپ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا عمل ''**البغض فی اللّٰہ و الحب فی اللّٰہ**'' (یعنی محض اللہ کے لئے کسی سے نفرت اور اللہ ہی کے لئے محبت) ہے۔ اللہ کے لیے کسی سے نفرت اور اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنا مسلمان کا شیوہ حیات ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کے دشمن کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے اور دوست کو اپنا دوست تصور کرتے تھے۔ کسی سے ذاتی عناد نہ تھا، کوئی اپنا مخالف سامنے آتا تو کج خلقی سے پیش نہ آتے۔ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جو ایک بار ہمکلام ہوتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ مگر دین کے مخالف سے آپ نے کبھی نرمی نہ برتی۔ ایک رافضی آپ کے پاس آیا تو آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی، وہ چلا گیا۔ ننھے میاں صاحب عرض کرنے لگے کہ حضور آپ اگر اخلاقاً توجہ فرما لیتے تو کیا حرج تھا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جلال کی حالت میں فرمایا: میرے اکابر پیشواؤں نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مثال دی کہ انہوں نے ایک شخص کے آگے رکھا ہوا کھانا اُٹھالیا کہ اس کے منہ سے بد مذہبی کے کچھ الفاظ نکل آئے تھے۔ خود سیّد عالم ﷺ نے مسجد نبوی شریف سے منافقین کو نکلوا دیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص 93)

آپ بہت عبادت گزار تھے۔ صرف دو گھنٹے آرام فرماتے تھے۔ باقی تمام وقت تصنیف اور کتب بینی اور دیگر خدمات اسلام میں صرف کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ نام محمد ﷺ کی شکل بنا کر سویا کرتے تھے۔ سر میم۔ کہنیاں ح۔ کمر میم، اور پاؤں دال بن جاتے۔ اگر کبھی خدام عرض کرتے کہ حضور ذرا پاؤں دراز کر لیں تاکہ ہم درد نکال دیں (مالش کر دیں)، اس پر آپ فرماتے پاؤں تو قبر میں ہی دراز ہوں گے۔ اس طرح جسم کی شکل بنا کر سونے کا راز یہ ہے کہ ستر ہزار فرشتے رات بھر اس نام مبارک کے گرد درود شریف پڑھتے ہیں۔ اور وہ اس طرح سونے والے کے اعمال نامہ میں لکھا جاتا ہے۔

- ——آپ چوبیس گھنٹوں میں سے صرف دو گھنٹے آرام یا نیند کرتے تھے۔
- ——مطالعہ اور تحریر کے لئے خلوت گزیں ہوتے تھے۔
- ——خود بھی پابند شرع تھے اور آپ کا پورا محلّہ بھی پابند شرع تھا۔
- ——غذا نہایت کم لیتے تھے، صرف جسم و جان کا رابطہ قائم رکھنے کے لئے کھانا کھاتے تھے۔
- ——ہمیشہ سفید لباس میں ملبوس رہتے۔
- ——آپ کی دُنیا سے بے رغبتی اور حق گوئی ضرب المثل تھے۔نمونہ درج ذیل ہے۔

آپ کو دُنیا سے بے رغبتی بے حد نصیب تھی، نظام دکن نے کئی مرتبہ دعوت دی مگر نہ گئے۔آپ نے فرمایا میں جس دروازہ خدائے کریم کا فقیر ہوں میرے لیے وہی کافی ہے۔

ایک بار نواب رامپور کا بریلی سے گزر ہوا وہ آپ سے ملنا چاہتا تھا۔آپ نے کہلا بھیجا فقیر کا مکان نہ اس قابل ہے کہ کسی والی ریاست کو ٹھہرا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف ہوں کہ خود جا سکوں۔(حیات، ص 192)

حق گوئی آپ کی سیرت و کردار کا خاصہ تھی۔نواب رامپور نے آپ کو کئی بار دعوت دی۔آپ نے فرمایا: آپ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرفدار اور اُن کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بد عادات میں معاون ہیں۔لہذا میں نہ آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اپنی صورت آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔

(تقویۃ الایمان، ص 70)

آپ با آواز دُہل فرماتے ہیں کہ:

- ——اگر کوئی تمہارے ماں باپ کو گالیاں دے اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے، شائع کرے تو کیا تم اس کا ساتھ دو گے؟ اگر تم مومن ہو تو ماں باپ کی محبت و حمایت کو اللہ و رسول کی محبت و خدمت کے آگے ناچیز جانو گے۔
- ——جب وہ حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرے اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت ان کی محبت کا نام و نشان نہ رہے فوراً اُن سے الگ ہو جاؤ۔
- ——کیا جسے محمد ﷺ تمام جہان سے پیارے ہوں گے وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا؟ چاہے وہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔
- ——جس کو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا بزرگ معظم یوں نہ ہو اپنے اندر سے اُسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔
- ——پیر سے پردہ واجب ہے۔جبکہ محرم نہ ہو۔

- ـــــبدعتی کی امامت مکروہ وممنوع ہے۔
- ـــــغیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔
- ـــــشرع شریف میں شرافت قوم میں منحصر نہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ۔
- ـــــلاحول شریف کی کثرت کریں یہ 99 بلاؤں کو دفع کرتی ہے۔اور سب سے چھوٹی بلا پریشانی ہے۔
- ـــــسچے وجد کی پہچان یہ ہے کہ فرائض وواجبات میں مخل نہ ہو۔
- ـــــسچے مجذوب کی یہ پہچان ہے کہ شریعت مطہرہ کا کبھی مقابلہ نہ کرے گا۔
- ـــــعورتوں کو ماسوائے روضہ رسول اللہ ﷺ کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔

الحمدللہ !اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی انتھک جدوجہد،محنت،وعظ وتبلیغ کے ثمرات واثرات کو زمانے بھر میں پھیلا دیا۔ آپ کی اولاد آپ کی طرح علم وفضل کا نمونہ اورزہد وتقویٰ کا آئینہ تھی۔پسر اکبر حضرت مولانا حامد رضا خاں اور پسر اصغر حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں مرجع خاص وعام تھے۔انہوں نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔آپ کے جیّد خلفائے کرام حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی۔حضرت مولانا ظفرالدین بہاری۔حضرت مولانا سید سلیمان شاہ۔حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی۔حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ لاہوری۔حضرت مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری۔حضرت مولانا امجد علی رضوی۔حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی۔حضرت مولانا محمد یوسف کوٹلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سب کے سب اپنی ذات میں ایک جہاں تھے۔علم وفضل کے ستون اور عشق ومستی کے امام تھے۔انہوں نے آپ کے پیغام محبت گھر گھر پہنچایا۔آپ کی حیات ظاہری میں ہی آپ کے ثمرات واثرات ہندوستان سے باہر عرب،چین،افریقہ،عراق،وغیرہ میں فتاویٰ رضویہ کی صورت میں پہنچ رہے تھے۔ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہوجاتے۔ہر کام فی سبیل اللہ ہوتا تھا۔جس کی برکت دوردراز تک دیکھنے کو ملتی۔آپ کی کتب ورسائل اور بلند پایہ فتاویٰ اور عشق افروز قصائد ومحامد نے آپ کو تمام عالم اسلام کا امام بنادیا۔اہل سنت کے عوام وخواص آپ کو عقیدت و احترام سے یاد کرتے تھے۔بڑے بڑے مشائخ نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

یہ آپ کی مقناطیسی شخصیت تھی کہ ہر کوئی دل وجان قربان کرتا تھا۔ہاں بدمذہب اور بدعقیدہ لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ان کی نفرت بھی آپ کے ایمان کامل کی دلیل ہے۔یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے کہ آج صفحۂ ہستی پر ارض پاک کا وجود قائم ہے۔پاکستان کی تمام بدعقیدہ،انگریز پرست اور کانگریسی ملاؤں نے سخت مخالفت کی۔یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے جنہوں نے حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دل کھول کر ساتھ دیا اور مسلم لیگ کے لیے ماحول ہموار کیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ تمام علمائے اہل سنت سے خوش تھے۔جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء یا مرید نہیں تھے،انہوں نے بھی آپ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا اور آپ کے خلفاء کرام کا ساتھ دیا۔یہ بات اب چھپانے سے بھی نہیں چھپ سکتی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دوراندیش افراد ملت میں شامل ہیں جنہوں نے دوقومی نظریہ کھل کر بیان فرمایا اور ہندو اور انگریز کی

عیاریوں پر گہری نظر رکھی۔

سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 68 سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال 25 صفر 1340 ہجری بمطابق 26 اکتوبر 1921 عیسوی کو بریلی شریف میں ہوا۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**۔ آپ کا روضہ مبارک شہر بریلی کے محلہ سوداگراں میں دارالعلوم 'منظر اسلام' کے شمالی جانب ایک عالی شان عمارت میں ہے اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆
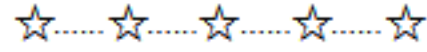
حضرت مہر علی شاہؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی مہر علی ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی فضل دین تھا۔کیونکہ آپ سیّد ہیں اس لئے آپ کے اسم مبارک کے ساتھ اور آپ کے آباؤ اجداد کے ناموں سے پہلے، اسمائے گرامی سے پہلے ''سیّد'' بھی لکھا بولا جاتا ہے اور آخر میں آپ کے اسم گرامی کے ساتھ اور آپ کے آباؤ اجداد کے اسمائے گرامی کے ساتھ آخر میں ''شاہ'' بھی لکھا، بولا جاتا ہے۔اس طرح آپ کا اسم مبارک سید مہر علی شاہ ہے۔آپ کے علم و دانش، فہم و فراست، اعلیٰ نمایاں روحانیت اور قابل قدر دینی خدمات کے اعتراف میں برصغیر کے مسلمانوں نے آپ کو اپنا روحانی پیشوا، رہنما مانا اور احتراماً آپ کے اسم مبارک کے ساتھ ایک اور معزز القاب کا اضافہ کر دیا اور اب وہ آپ کو ''پیر مہر علی شاہ'' کے خوبصورت نام سے یاد کرنے لگے۔

اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ کا زہد و تقویٰ مثالی تھا۔بحر شریعت، طریقت و معرفت کے آپ ماہر پیراک تھے۔دنیاوی اور دینی یعنی کہ ظاہری اور باطنی علوم پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ریاضات، مجاہدات اور عبادات میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔خوف خدا جل جلالہٗ اور عشق رسول ﷺ آپ میں بچپن ہی سے نمایاں تھا۔آپ بہت ذہین و فطین اور اہل بصیرت تھے۔آپ کے دور کے تمام علماً حق، علماً و صلحاً علم قرآن و حدیث اور علم الکلام میں آپ کا لوہا مانتے تھے۔شفقت و محبت کا آپ سرچشمہ تھے۔غرباً و مساکین کا خیال رکھنا آپ کو گھٹی میں ملا تھا۔آپ عشق رسول ﷺ میں غرق تھے۔آپ نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں جو عشق رسول ﷺ سے لبریز ہیں۔اہل دل کو، اہل بصیرت کو تو آپ کی پنجابی زبان میں نعت کا ایک ہی بند:

کتھے مہر علی ، کتھے تیری ثناء!   اے گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

پہروں جذب و مستی کے آنسو رُلانے کے لئے کافی ہے بلکہ یہ اکثر اُس سے بھی آگے لے جاتا ہے اور اہل اللہ کو لاشعوری و استغراق میں ڈال دیتا ہے اور بعض اوقات اہل اللہ تو اس ایک بند سے آگے جا ہی نہیں پاتے۔وہ تو اسی سے سیراب ہو جاتے ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کی ولادت مبارک یکم رمضان 1275 ہجری بمطابق 4 اپریل 1859 عیسوی کو پیر کے دن ہوئی۔سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے تقریباً 81 سال کی عمر پائی۔آپ کا وصال 29 صفر 1356 ہجری بمطابق 11 مئی 1937ء کو بروز منگل ہوا۔

آپ کے ہم عصروں میں چند صالحین اُمت کے اسم گرامی جو بہت نمایاں ہیں وہ ہیں حضرت میاں شیر محمد، حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

حالات، مناقب، ارشادات:

حضرت پیر مہر علی شاہ جیلانی، قادری، چشتی، نظامی و صابری کا نسب پاک پچیس واسطوں سے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور چھتیس واسطوں سے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، آپ کی والدہ کا سلسلہ نسب بھی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کا رشتہ ازدواج بھی اسی خاندان عالیہ میں ہوا۔ اس طرح یہ عالی وقار خاندان صدیوں سے ہر دور میں باطل کے طوفانوں کو چٹان بن کر پاش پاش کرتا رہا اور اسلام کی سربلندی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں۔

جب برصغیر پہلی جنگ آزادی کے خونیں دور سے گزر کر مکمل طور پر انگریزوں کے پنجہ استبداد میں آ گیا اور سلطنت مغلیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ تو اس زمانے میں دین اسلام کی تبلیغ کے دوائر محدود ہوتے جا رہے تھے۔ بزرگانِ دین اور علماء عظام قید و بند کی صعوبتوں میں زندگی گزار رہے تھے تو ذات خداوندی نے ایک حق پرست کا ورود فرمایا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ یکم رمضان المبارک 1275 ہجری بمطابق 4 اپریل 1859ء کو بروز سوموار پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام (حضرت شیخ طریقت) سید فضل دین تھا۔

آپ اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں پنجاب کے خطہ "پوٹھوہار" کے قصبہ گولڑا شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے یہ قصبہ شہر راولپنڈی کے مغرب اور اسلام آباد کے جنوب میں واقع ہے اور آج کل (2008ء) تو وہ قصبہ تقریباً ان دونوں شہروں کا حصہ ہی بن گیا ہے۔

الحمدللہ! آپ نے روحانی صفات کے حامل گھرانے میں آنکھیں کھولیں اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر سے ہی شروع ہوئی۔ والد ماجد نے آپ کے بچپن سے ہی یہ جان لیا تھا کہ یہ بچہ ہونہار، ذہین و فطین اور روحانی صفات کا حامل ہو گا اس لئے آپ کے والد ماجد نے شروع سے ہی آپ کو خاص توجہ دی اور خیال رکھا۔

ایک دن آپ کے والد ماجد ظہر کی نماز کے لیے باہر تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ خانقاہ کے باہر جھاڑیوں میں آپ حضرت مہر علی شاہ قاعدہ ہاتھ میں لیے سو رہے تھے۔ جگہ تو سایہ والی تھی مگر زمین تپ رہی تھی۔ حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اس وقت چار سال تھی۔ خادم کو بلایا گیا، وہ اُٹھا کر گھر میں لے گیا۔ اس وقت والد محترم نے اپنے آپ سے کہا کہ اس معصوم کو کیا معلوم کہ یہ کیا بننے والا ہے؟ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بچپن سے عشق الٰہی میں سرگرم عمل رہتے۔ آپ کو آبادی سے وحشت ہوتی، جنگلوں اور اُجاڑ بیابانوں میں نکل جاتے۔ جب 6 سال کے ہوئے تو آپ کو خانقاہ کے درس گاہ کے اردو، فارسی کے مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھ کر حفظ کر لیا۔

آپ بہت ذہین و فطین تھے اور ابتدائی تعلیمات حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ میں اڑھائی سال تعلیم حاصل کی۔ آپ کی

ذہانت اور قابلیت کا اعتراف وہاں کے تمام اساتذہ نے کیا۔حدیث کی تعلیم کے لیے مختلف درسگاہوں سے استفادہ کیا اور پھر وطن واپس آ گئے۔آپ روحانی منازل بڑی تیزی سے طے کر رہے تھے۔مزید رُشد و ہدایت کے لئے آپ حضرت شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے در پر حاضر ہوئے اور اُن سے بیعت کی اور اُن کی زیر نگاہ مزید روحانی مدارج طے کئے۔

تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ کی شادی ہوگئی مگر شادی خانہ آبادی کے بعد بھی آپ اپنی علمی استعداد بڑھانے میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔آپ خاص طور پر دینی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔اس لئے اُسی دور میں آپ کی علمی استعداد کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔انہی دنوں ایک گاؤں میں مناظرہ بھی ہوا جس میں آپ نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے ایسے جوابات دیئے کہ مناظرے میں شرکاء اور سامعین حیران رہ گئے۔اس مناظرے سے آپ کی ذہنی و علمی عظمت کی شہرت مزید دور دور تک پھیل گئی۔

آپ کے پیرومرشد حضرت اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔حضرت پیرومرشد نے علمی اور عرفانی کمالات کے پیش نظر آپ کو وصال سے پہلے ہی تمام اشغال و وظائف کی اجازت دے دی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔آپ کو اپنے مرشد قبلہ عالم سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔مرشد کامل کے وصال کے بعد بہت مخلوق خدا نے آپ کے دست حق شناس پر بیعت کی اور فیوض و برکات اور علم و حکمت سے فیض یاب ہوئے۔

قادیانی فتنے کے خلاف جہاد کا حکم آپ کو باطنی ارشادات سے ہوا۔مرزا قادیانی نے آغاز میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دعوت نامہ بھیجا۔لکھا تھا میں مسیح موعود ہوں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروج اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں،اس لئے آپ اس مشن میں میری اعانت کریں۔پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف جواب دیا اور لکھا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔آپ اپنی توجہ حسب سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں۔میں عنداللہ ماجور ہوں۔یعنی کہ میں نے سچ بات کہہ دی ہے اور اس کا اجر میرا اللہ مجھے دے گا اور میری طرف سے یہ حرف آخر ہے۔

عالی مقام اولیاء اللہ کی طرح آپ کے کشف و کرامات بھی بہت ہیں۔

ریاست حیدرآباد دکن کے نواب ولی الدولہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔وہ جب بیمار ہوئے تو ڈاکٹروں نے بحری ہوا خوری کے لئے لندن جانے کا مشورہ دیا۔نواب صاحب نے اجازت کے لئے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔اس پر آپ نے جواب دیا کہ اگر بحری ہوا ہی کھانی ہے تو بجائے لندن کے حج بیت اللہ اور مدینہ شریف کی زیارت کو جایئے۔ چنانچہ نواب صاحب نے اس حکم پر عمل کیا اور فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔طواف کعبہ کے بعد مدینہ شریف پہنچ کر وفات پا گئے۔تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک ان کا جنازہ روضۂ رسول ﷺ کے سامنے رکھا رہا۔دیکھنے والے رشک کرتے تھے کہ یہ کون خوش نصیب انسان ہے۔حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت جنازے میں شریک تھے۔جنازے

کے بعد نواب صاحب کی زیارت کرائی گئی جس میں بہت وقت مزید لگا کیونکہ جنازہ پڑھنے والے اور زیارت کرنے والوں کا بہت زیادہ ہجوم تھا۔ اس وقت حضرت پیر جماعت علی شاہؒ نے لوگوں سے بلند آواز میں مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''دیکھو اللہ والے لوگوں سے نسبت و تعلق کے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔''

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے فیضانِ نظر سے بے شمار لوگوں نے دینی و دنیاوی فیوض و مناصب حاصل کئے۔ آپ ہی وہ شخصیت ہیں جنہیں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ شریف میں فرمایا تھا کہ جلد واپس جاؤ کیونکہ وہاں ہندوستان میں ایک شیطانی فتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ جس کا تدارک تمہارے ہی ہاتھوں ہوگا۔ یہ فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٔ نبوت کی صورت میں پیدا ہوا جس کا تدارک آپ ہی کے ہاتھوں ہوا۔ (بے تاج بادشاہ، ص 353)

حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے موضع انگہ میں قیام کے دوران حضرت شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی۔ ایک مرتبہ حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی موجودگی میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علاؤ الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ تحفظات کا مفصل اور مدلل جواب دیا تو خواجہ صاحب شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ بہت مسرور ہوئے اور بار بار فرماتے: ''واہ شاہ صاحب واہ۔'' پھر انہیں حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کو زیرِ مطالعہ رکھنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتب زندگی بھر میرے مطالعہ میں رہیں اور اس طرح نظریہ وحدت الوجود کے اسرار و رموز مجھ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔ (مہر منیر، ص 93)

حضرت شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ ''فصوص الحکم'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور ﷺ وقت کے ولی سے کام لے کر اُمت میں اپنی منشاء جاری فرماتے ہیں۔ یعنی ولی حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے وسیلے سے منشائے الٰہی کی ترویج کا باعث بنتا ہے۔ (مہر منیر، ص 279)

باغ فدک کے بارے میں حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے سوال سے اہل اسلام پر پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُر نور ﷺ کی وراثت کا معاملہ واضح ہو گیا۔ کیونکہ اگر آپ یہ تحریک نہ فرماتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع عام کے سامنے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ حدیث پیش نہ فرماتے جس میں ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام مال و اسباب بطور وراثت نہیں چھوڑتے، ان کی وراثت علم ہے۔'' اور اس حدیث کی تصدیق تمام حاضرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمائی۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ (مہر منیر، ص 424)

حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ''فتوحات مکیہ'' خریدنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک کتب فروش کے پاس گیا۔ اس نے کتاب کی قیمت چالیس ریال بتائی جو کہ میرے پاس نہیں تھی۔ میں معذرت کر کے دکان سے نکل آیا اور ایک جگہ حرم شریف کے احاطے میں آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں کے بعد ایک افغان آیا اور مجھے چالیس ریال

پیش کئے۔ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ "میرے دل میں خودبخود خیال آیا کہ میں چالیس ریال آپ کو پیش کروں۔" چنانچہ اس کو اشارۂ غیبی سمجھتے ہوئے میں نے رقم قبول کرلی اور پھر جا کر کتاب خرید لی۔ (مہر منیر، ص 120)

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ریاست سوات میں جا کر حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ سے ملے۔ ان خلیفہ صاحب میں یہ بات تھی کہ جس بیمار پر نظر ڈالتے وہ شفایاب ہو جاتا۔ حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اس کیفیت کے پیدا ہونے کا واقعہ پوچھا تو انہوں نے اس طرح بیان کیا کہ "ہم کچھ لوگ بغداد شریف گئے اور ہمارا معمول تھا کہ رات کو روزانہ روضۂ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری دیتے۔ ایک رات کافی دیر تک ہم روضۂ پاک کے اندر رہے۔ حتیٰ کہ مجاوروں نے آوازیں لگانا شروع کردیں کہ سب لوگ روضۂ پاک خالی کردیں۔ لیکن میں نے یہ آوازیں نہ سنیں اور روضہ پاک کے ایک کونے میں بدستور کھڑا رہا۔ کسی نے مجھے نہ دیکھا اور وہاں کے کارندے قفل لگا کر چلے گئے۔ جب وہ چلے گئے تو مجھے پتہ چلا کہ میں اندر بند ہو کر رہ گیا ہوں۔ اب رات بھر میں کھڑا رہا اور بے ادبی کے خیال سے بیٹھ بھی نہ سکا۔ پھر تہجد کا وقت ہوا تو کسی نے دونوں ہاتھ میرے کندھے پر رکھے اور زور سے دبا کر مجھے بٹھا دیا۔ صبح جب روضہ شریف کے کھلنے پر باہر آیا تو مجھ میں یہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ (مہر منیر، ص 92)

حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے قائلین کے درمیان یہ کہہ کر ربط اور تعلق پیدا فرمایا کہ وحدت الشہود دراہِ سلوک کی ابتدا ہے اور وحدت الوجود سلوک کی انتہا ہے اور ایمان کا کامل ترین مقام ہے۔ اس مقام کے لئے نہ تو سابقہ اُمتیں ہی مکلف تھیں اور نہ ہی یہ تمام اُمت محمدیہ کے لئے ہی ہے۔ یہ نظریہ صرف خاص الخاص کا مشاہدہ اور حال ہے، قال نہیں اور یہ خاص الخاص گروہ اُمت محمدیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (مہر منیر، ص 143)

حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ڈیرہ غازی خاں کے قیام کے دوران ایک ننگا فقیر ملا۔ اس نے جتنی باتیں میرے بارے میں کہیں وہ سب درست ثابت ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس ننگے فقیر سے پوچھا کہ یہ دولت کہاں سے اور کیسے پائی؟ یہ تمہاری عبادت و ریاضت اور تقویٰ کا ثمر تو معلوم نہیں ہوتی؟ تو اس نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس نے کوئی عبادت و ریاضت نہیں کی، یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔ حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ یہ فضل و کرم کس وسیلے سے ہوا؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی ایک گرفتار شدہ ملزم کو حراست میں لئے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ ایک قبرستان آیا جہاں ایک ٹوٹی پھوٹی قبر پر وہ ملزم دعا مانگنے لگا۔ میں نے کہا کہ "جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہو گی۔ کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، جلدی چلو۔" اسی رات کو خواب میں ایک بزرگ ملے اور مجھے حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ میری سفارش کی اور میرے لئے دعا کرائی۔ پھر مجھ سے کہا کہ "میاں ہماری قبر تو ٹوٹی پھوٹی سہی مگر تمہارا کام بنا دیا۔" صبح کے وقت جب میں جاگا تو صاحب کشف تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دیا اور فقیری اختیار کرلی۔ (مہر منیر، ص 112)

آپ فرماتے ہیں کہ:

❶ ــــــ امکانِ کذب باری تعالیٰ محال ہے۔

❷ ــــــ علم غیب عطائی برحق ہے۔

❸ ــــــ یارسول اللہ کہنا جائز ہے۔

❹ ــــــ زیارت قبور جائز ہے اور آپ ایصالِ ثواب پر ایمان رکھتے تھے۔

❺ ــــــ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو وسیلہ بنانا اور بوقت مشکل ان کو مدد کے لئے پکارنا جائز اور برحق ہے۔

❻ ــــــ معبودانِ باطلہ اور بتوں کے متعلق نازل شدہ آیات کو انبیاء اور اولیاء پر منطبق کرنے کو تحریف اور تخریب قرار دیتے تھے۔
اس سلسلہ میں آپ نے مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے استدلال کی سختی سے تردید فرمائی۔(صفحہ 143)

شاعر جب شعر کہتا ہے تو شعر کے مفہوم کا تاثر اس کے دلی جذبات، تجربات علم وعرفان یا اس کی قلبی واردات کی عکاسی کرتا ہے۔حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پنجابی نعت مبارک کا مندرجہ بالا مصرعہ دل کی ان گہرائیوں کی بھرپور عکاسی کرتا ہے جس میں نور خداوندی جل جلالہ کے اُجالوں میں عشق رسول ﷺ کی ایک کرن اس طرح مضطرب ہے کہ جس سے عشق رسول ﷺ کے نور کے چشمے پھوٹ کر سمندر بنتے جارہے ہیں۔جذب ومستی کی کیفیت، عشق رسول ﷺ میں فنا ہو کر بقائے دوام حاصل کر رہی ہے۔یہ پوری نعت رسول ﷺ اسی کیفیت سرمدی میں ڈوبی ہوئی ہے۔اس کی مقبولیت کا عالم خلق خدا کے قلب وذہن پر چھایا ہوا ہے۔اس کی روشنی بلاغت عشق اور فصاحت وجدان کے آسمانوں سے برس رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان بچے، بوڑھے، جوان، عورت، مرد اور ہر مکتبہ فکر کے مسلمانوں کی نوک زبان پر اس نعت کے اشعار ہیں۔ذہنوں اور دلوں پر اس کا کیف فطری ہے کیونکہ نعت رسول مقبول ﷺ کے یہ شعر ایسے دل سے نکلے ہوتے ہیں جس میں عشق رسول ﷺ کا نور ہی نور تھا۔حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا منظوم کلام بہت ہے۔فارسی بھی ہے اردو اور پنجابی بھی ہے۔تمام کا تمام کلام نور بصیرت اور جذب ومستی میں ڈوبا ہوا ہے، مگر اس نعت رسول ﷺ میں آپ کے مقام عشق کا نور جھلکتا ہے۔

آپ کے کلام کے وجدانی اثر کے بارے میں میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ اہل دل، اہل بصیرت، اہل اللہ کو تو آپ کی پنجابی نظم کا ایک ہی بند:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء　　　　اے گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

وجد میں، جذب ومستی میں ڈال دینے کے لئے کافی ہے بلکہ اہل اللہ کو تو یہ استغراق میں بھی لے جانے کا سبب بن سکتا ہے اور بنتا ہے۔اس بند سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبریائی اس طرح عیاں ہے کہ اہل دل تو اس بند کو سن کر روتے روتے، خوف خدا میں آنسو بہاتے بہاتے بے ہوش ہو جاتے ہیں، استغراق میں چلے جاتے ہیں۔

آپ کی تصانیف علم ومعرفت کا سمندر ہیں۔آپ نے مشاہیر علمائے شریعت اور مشائخ طریقت سے اکتساب علم و عرفان فرمانے کے بعد ایک جہاں کو اپنے علمی اور روحانی فیض سے مستفیض فرمایا اور آپ کی تصانیف سیف چشتیائی، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، اعلاء کلمۃ اللہ، فتوحات صمدیہ، شمس الہدایہ اور دیگر مکتوبات وملفوظات اس کا بین ثبوت ہیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں بندگانِ خدا کو وہ صدائے حق سنائی جو روئے زمین کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔آپ نے صرف گوشہ تنہائی کو ہی منور نہیں کیا بلکہ تبلیغ دین میں عملی جدوجہد کو بھی عمر بھر اپنا شعار بنائے رکھا۔فتنہ ارتداد کا علم وحکمت سے مقابلہ کیا۔وہابیت کے خشک تخیلات کو براہان ودلائل سے سلجھانے کی بھرپور سعی کی۔مروجہ بدعات کی واشگاف الفاظ میں نشاندہی کی۔اہل تصوف اور اہل طریقت کے لیے روشن راہیں متعین کیں اور کشف وکرامات کی روشنی سے بزرگوں کی عظمت سے انحراف کرنے والوں کو از سرنو کاروان عشق کی منازل میں قسمت آزمائی، جدوجہد کا درس دیا۔

اکہتر برس کی عمر تک آپ کی جسمانی صحت اچھی خاصی رہی مگر 1928ء سے کمزوری کے آثار بڑھنے لگے۔کم خوری کے باعث آپ کے معدے نے کام کرنا چھوڑ دیا اور آپ کو ہچکی کا مرض لاحق ہوگیا۔یہ مرض آخر وقت تک وقفوں وقفوں سے وارد ہوتا رہا۔پھر استغراق کی حالت طاری رہنے لگی۔1936ء تک اس کیفیت کا (حالت استغراق کا) ورود انتہا کو پہنچ گیا۔پہلے نماز کے لئے مسجد جانے سے معذور ہوئے۔پھر بستر پر نماز پڑھنے لگے۔اس کے بعد اشاروں سے نماز ادا ہونے لگی۔آخر کار اشاروں سے بھی معذوری ہوگی اور لگاتار استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی۔اس زمانے میں ارباب سلوک اور صاحب منزل حضرات دور دور سے کھنچے چلے آتے۔ان میں مجذوبوں اور اہل سُکر کی اکثریت ہوتی تھی۔حضرت کے حجرے (عشق آباد) میں داخل ہوکر پلنگ کی پائتی کو بوسہ دیتے۔کچھ دیر چپ چاپ آپ کو دیکھتے رہتے اور پھر خود ہی دعا مانگ کر رخصت ہو جاتے۔نہ سوال ہوتا نہ جواب۔

زمانہ استغراق کے آغاز میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط آپ کو لکھا جس میں زمان ومکان پر آپ (پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب فتوحات مکیہ کے ایک باب کی وضاحت کے لیے استدعا کی گئی تھی۔جب کچھ ہوش آیا خط آپ نے سنا اور فرمایا جب میری طبیعت بحال ہو تو مجھے پھر خط پڑھ کر سنانا تاکہ جواب لکھ دیا جائے مگر ایسا نہ ہو سکا اور حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس وضاحت سے محروم رہے۔حضرت پیر مہر علی شاہ جید عالم تھے۔دلیل وبراہان اور حوالہ ہمیشہ قرآن وحدیث سے دیتے۔

آخر اس مردحق آگاہ نے منگل 11 مئی 1937ء بمطابق 29 صفر 1356ھ کو اتنی طویل علالت وکیفیت استغراق کے بعد شام ساڑھے چھ بجے جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی۔**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

آپ کا جنازہ 12 مئی کو اُٹھایا گیا۔ڈیڑھ دو لاکھ مسلمانوں اور کافی تعداد میں غیر مسلموں نے شرکت کی۔اس روشن روحانی پیشوا نے عمر بھر تبلیغ دین متین کی شمع جلائے رکھی اور ایک روحانی پیشوا کے طور پر لاکھوں مریدین کے دلوں کو نور بصیرت سے روشن کرتے رہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت شیر محمدؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی شیر محمد ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عزیز الدین تھا۔ آپ کو احتراماً "شیر ربّانی" اور مردِ قلندر اور سلطان العارفین کے القابوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

شریعت وطریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔فقر میں آپ کا قدم ثابت اور مجاہدات میں آپ کی روش کامل تھی۔ آپ بہت زاہد، متقی اور پرہیزگار تھے۔ظاہر میں بھی ہر لحاظ سے شریعت کے پابند تھے یا یوں کہہ لیں کہ آپ کا ظاہر وباطن شریعت و طریقت سے مزیّن تھا۔آپ یگانہ روزگار تھے۔آپ کا شمار رفیع قدر اور بڑے بڑے مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ متوکلین اور اہل تسلیم و رضا کے سردار تھے۔آپ کی طبیعت میں جمال وجلال یکساں موجود تھے۔آپ بہت غریب پرور اور ہر دلعزیز تھے۔دُنیاوی اور روحانی علوم یعنی کہ ظاہری و باطنی علوم پر آپ کو عبور حاصل تھا۔آپ نے خانقاہ و درسگاہ سے لاکھوں کی رہنمائی کی ہے اور ہزاروں کو راہِ مستقیم پر ڈالا ہے۔آپ کی درسگاہ کے دروازے ہر کسی کے لئے کھلے تھے اور غرباٗ و مساکین کے لئے لنگر جاری رہتا تھا۔آپ نے کثیر خلقِ خدا کی خدمت کی ہے۔کشف و کرامات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ شرقپور قصبہ میں 1282 ہجری بمطابق 1865ء میں پیدا ہوئے۔آپ نے سن ہجری کے لحاظ سے 65 سال کی عمر پائی اور شرقپور میں ہی 3 ربیع الاول 1347ھ بمطابق 20 اگست 1928 عیسوی کو بروز پیر آپ کا وصال ہوا۔آپ کے ہم عصروں اور ملنے والوں میں حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سر محمد شفیع اور میاں افتخار الدین بھی شامل ہیں۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے آباؤ اجداد قصبہ شرقپور میں آباد تھے۔یہ قصبہ شہر لاہور سے تقریباً 45 کلومیٹر دور مغرب جنوب میں واقع ہے۔ اس علاقے کی زمین زرخیز ہے اور باغات کثرت سے ہیں۔آپ کے والد ماجد کا نام عزیز الدین تھا جو کہ صوم و صلاۃ کے پابند تھے اور غریب پرور تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش پر ہی بہت سے ولی اللہ آگاہ ہو گئے تھے کہ ایک مردِ حق

پیدا ہوگیا ہے۔اور آپ کے مرشد حضرت امیر الدین دھرم کوٹی کو القاء ہوا کہ شرقپور میں ایک کامل ولی اللہ پیدا ہو چکا ہے اور اس آفتاب کی کرنوں سے ہزاروں مردہ دل اور سیاہ باطن لوگ روشن ضمیر بن جائیں گے۔یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ امیر الدین قصبہ دھرم کوٹ سے ہر سال اللہ والوں کی، بزرگوں کی زیارت کے لئے شرقپور تشریف لاتے تھے کیونکہ آپ سے پہلے بھی یہاں (شرقپور میں) نوشاہی سلسلے کے بزرگ آسوہ خاک تھے۔

لیکن جب حضرت امیر الدین دھرم کوٹی رحمۃ اللہ علیہ 1282 ہجری میں شرقپور آئے تو اِس بستی سے عجیب سی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔آپ پر یہ انکشاف ہو چکا تھا کہ ایک صاحب ولایت یہاں پیدا ہو چکا تھا مگر اس گھر کی ابھی تلاش تھی۔آخر انہیں میاں عزیز الدین کا گھر مل گیا۔اندر جا کر نومولود کی زیارت کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ صاحب ولایت ان کا مرید ہوگا۔

حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن بھی منفرد تھا۔مکتب جاتے تو عام لڑکوں سے الگ رہتے۔پوری توجہ سے اپنا سبق یاد کرتے۔جلد ہی آپ نے کلام پاک اور دیگر کتب پڑھ لیں۔بچپن سے ہی جب آپ کلام پاک کی تلاوت کرتے تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری رہتی۔پھر جب اس دل پر انوار الٰہی کا ورود ہوا تو تلاوت کے وقت اور نماز میں رقت طاری ہو جاتی اور آنسو بہنے لگتے۔بچپن سے بلوغت تک پہنچنے پر آپ مکمل صاحب ایمان بن چکے تھے۔آپ اُسوۂ رسول ﷺ کو ہر عمل میں پیش نظر رکھتے۔

جب آپ بلوغت کو پہنچے تو حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کرنے کی کوشش کی مگر حضرت شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے غیر ارادی بے نیازی اختیار کی۔آخر خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کشف سے آپ کو اپنی جانب متوجہ کرلیا اور جب آپ بیعت کر چکے تو دنیا ہی بدل گئی۔

آپ اکثر جذب واستغراق میں رہتے یا اکثر آپ پر بے خودی طاری رہتی۔اکثر گریبان چاک کر لیتے۔مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کو بلند آواز سے پکارتے رہتے۔کوئی سامنے آتا تو فرماتے: اوبیلیا! (اے دوست) مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کا راستہ بتا۔حالت سکر طاری رہتی۔رات کو اکیلے جنگل کی جانب نکل جاتے۔بے خودی میں کبھی جھاڑیوں میں جا گھستے اور کبھی کسی درخت سے ٹکرا جاتے۔کبھی قبرستان میں ٹوٹی پھوٹی قبروں میں جا لیٹتے اور جب بے خودی ولاشعوری کے اثرات کم ہوتے تو پھر گھر واپس آجاتے۔ایک دن حضرت عبدالحق قصوری کی خانقاہ پر گئے اور وہاں ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔کوئی راہ گیر اپنی غفلت اور کوتاہیوں پر تاسف کرتا ہوا بڑے دردناک لہجے میں شعر پڑھتا جارہا ہے۔اس آواز اور ان اشعار نے آپ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہیں لوٹ پوٹ ہو گئے اور استغراقِ شدید میں چلے گئے۔

جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو اس وقت آپ نے مرشد حضرت امیر الدین دھرم کوٹیؒ کے زیر نگاہ سلوک معرفت اور عشق الٰہی جل جلالہ کی بہت سی منزلیں طے کرلیں۔آپ کے مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت دیا اور فرمایا: اب خلق خدا کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا راستہ دکھاؤ۔جو انوار تمہیں عطا ہوئے ہیں ان سے خلق خدا کے دلوں کو بھی روشن کرو۔مرشد کامل نے آپ میں وہ کشش بھر دی کہ تشنگانِ حق دور دور سے کھنچے چلے آتے تھے۔بہت جلد ہزاروں لوگ آپ کے مرید بن گئے اور خلق خدا آپ سے

مستفیض ہونے لگی، فیض پانے لگی۔

جب آپ نے لوگوں کو راہ خدا دکھانے کا کام شروع کیا تو اخلاق کے اعلیٰ مدارج تک یعنی کہ بہت ہی خوش خلقی سے لوگوں کی خدمت کرتے ۔کوئی امیر کوئی غریب آجاتا تو سب کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے ۔لنگر ہر وقت جاری رہتا۔آپ کے حسن اخلاق ،کشف وکرامات سے دور دور تک آپ کی شہرت پھیلی تو راہ حق کے متلاشی بھی دور دور سے آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔

آپ کے معمولات شرعی، سادہ اور خوبصورت وخوش کن تھے ۔حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سود کھانے کا ادنیٰ گناہ یہ ہے کہ گویا اپنی حقیقی والدہ کے ساتھ ستر بار گناہ کبیرہ کیا ہو۔راستے میں کوئی مل جاتا تو پہلے سلام کرتے ۔راہ میں کوئی اینٹ یا پتھر وغیرہ پڑا پاتے تو ہاتھ سے اُٹھا کر ایک طرف دور پھینک دیتے ۔نظریں قدموں کی طرف جھکی رہتیں۔اِدھر اُدھر دیکھنے کی عادت نہ تھی ۔کوئی سبزی فروش یا پھل فروش آواز دے کر کہتا کہ میاں صاحب یہ چیز لے جایئے تو فوراً وہ چیز چاہے خراب ہی کیوں نہ ہو خرید لیتے ۔رات کے وقت،عشاء کی نماز کے بعد چنگیر میں بہت سی روٹیوں کے ٹکڑے کر کے رکھ لیتے اور باہر جا کر کتوں کو ڈالتے ۔کتے پہلے ہی آپ کے منتظر ہوتے ۔اگر کوئی طاقتور کتا کسی کمزور کتے سے روٹی چھیننے کی کوشش کرتا تو چھڑی سے اس کو پرے ہٹا دیتے ۔آپ سراسر محبت ،سراسر رحمت اور سراسر خیر خواہ اور ہمدرد تھے ۔

لیکن دین کے بڑے کھرے تھے ۔اگر کسی کا کچھ دینا ہوتا تو پائی پائی کا حساب کرتے ۔اگر کسی سے قرض لیتے تو پہلی فرصت میں ادا کرتے ۔حاجت مند آپ کے دروازے سے کبھی خالی نہ جاتا ۔ذاتی شہرت اور تعریف سخت ناپسند تھی۔

آپ شرافت اور حیا کا پیکر تھے ۔بچپن سے ہی جب گلیوں اور بازار سے گزرتے تو چہرہ ڈھانپ کر گزرتے ۔آپ عشق رسول ﷺ میں غرق رہتے ،جذب واستغراق میں رہتے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کہ اولیاء اللہ کی ہر کرامت میں خلق خدا کی بھلائی کے ہی پہلو ہوتے ہیں ۔ایک شخص رات کے وقت آپ کے پاس آیا۔آپ نے اُسے فرمایا جا دیکھ کتنی رات گزری ہے اس نے عرض کی یا حضرت! میں نابینا ہوں۔آپ نے پھر فرمایا: بیلیا! (اے دوست) جا دیکھ اس نے حکم کی تعمیل کی ۔باہر جا کر دیکھا تو آسمان پر چاند ستارے جگمگا رہے تھے ۔آپ کے قدموں میں گر پڑا اور عرض کی یا حضرت! اب مجھے تو سب کچھ نظر آ رہا ہے۔

جب آپ پر مجذوبیت کا دور ہوتا تو آپ اکثر رات کو گھر سے نکل کر والہانہ سڑکوں پر پھرنے لگتے ۔ایک دفعہ ایک سکھ تھانے دار وہاں تعینات تھا۔سپاہیوں کے ساتھ وہ آدھی رات کے وقت راؤنڈ پر تھا۔آپ کو رات میں گھومتے دیکھا تو اس نے سپاہیوں سے کہا،اسے پکڑ لو۔جب پکڑ کر انہوں نے دیکھا تو سکھ تھانیدار سے اُن سپاہیوں نے کہا جناب یہ تو درویش آدمی ہے ۔مگر سکھ تھانیدار نے کہا،ایسے لوگ ہی ڈاکے ڈالتے ہیں ۔کچھ دیر بعد میں آپ کو چھوڑ دیا گیا۔اس سے دوسرے دن ہی چور اس تھانیدار کا سارا گھر لوٹ کر لے گئے ۔تھانیدار روتا پیٹتا آپ کے پاس آیا اور معافی مانگی۔

ایک مرتبہ آپ ریل گاڑی میں فرسٹ کلاس کے ڈبے میں سوار ہونے لگے تو ایک سکھ نے سخت لہجے میں کہا: یہ ڈبہ فرسٹ

کلاس کا ہے تم یہاں کیسے گھسے آتے ہو۔اس پر آپ کسی دوسرے ڈبے میں سوار ہو گئے۔ایک ہفتے بعد وہ سکھ آپ کو تلاش کرتا ہوا شرقپور پہنچا اور روتے ہوئے آپ کے قدموں پر گر پڑا اور مع بال بچوں کے مسلمان ہو گیا۔اس نے بتایا: جب سے میں نے حضرت کو ڈبے میں سوار ہونے سے روکا مجھ پر وحشت اور پاگل پن طاری ہو گیا تھا اور کسی پل مجھے سکون نہیں مل رہا تھا کہ میں نے معافی مانگنے کا ارادہ کیا تو حالت بہتر ہوئی اور اب آپ سے معافی مانگ کر مجھے سکون وقرار آ گیا ہے۔

ایک غریب کسان آپ کے پاس آیا اور عرض کی یا حضرت! میری ساری فصل چوہے کھا جاتے ہیں۔اس کا کچھ کیجئے۔ آپ اس کے ساتھ گئے اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے کھیتوں میں چکر لگایا اس کے بعد اس کے کھیتوں میں کبھی چوہے نہ آئے۔

ایک مرتبہ لاہور کا ایک ہندو نوجوان سیر وتفریح کی غرض سے شرقپور آیا اور اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا خانقاہ شریف بھی آ پہنچا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتفاق سے خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ہندو نوجوان نے ازراہِ مذاق پوچھا: بابا جی! آپ کا اللہ کہاں رہتا ہے؟"حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھ کر نوجوان کے دل پر انگلی رکھ کر فرمایا:"ہمارا اللہ یہاں رہتا ہے۔"ہندو نوجوان چیخ مار کر زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ہوش میں آ گیا اور اپنا سر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر رکھ کر رونے لگا۔میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اس کے بعد وہ نوجوان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔(صفحہ 62)

ایک مرتبہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ چند اجنبی آئے غالباً وہ پٹھان تھے۔انہوں نے آپ سے کہا کہ وہ چند مسائل پوچھنا چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایا: پوچھو۔انہوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا حضور نبی کریم ﷺ حاضر وناظر ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ دیکھو میں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس سے کہیں بہتر طور پر حضور پُرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

پھر آپ نے فرمایا:"کہ دوسرا سوال کیا ہے؟"پٹھانوں نے کہا کہ"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے؟"اس پر آپ نے جواب دیا کہ"یہ کلمات تو میں خود پڑھتا ہوں۔"یہ سننا تھا کہ تمام پٹھان بلند آواز سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ والصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ پڑھنے لگے۔اور پڑھتے پڑھتے وہ بیہوش ہو گئے۔کچھ دیر بیہوش رہنے کے بعد وہ ہوش میں آ گئے اور اب ان کے دل شکوک وشبہات سے صاف ہو چکے تھے۔

اسی طرح ایک روز ایک وہابی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔آپ نے فرمایا کہ پوچھو، اس نے کہا کہ"یا شیخ عبد القادر جیلانی شیأً للہ کہنا جائز ہے؟"آپ نے ارشاد فرمایا کہ"یا شیخ عبد القادر شیأً للہ تو میں خود پڑھتا ہوں۔" آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ وہابی بیہوش ہو کر گر پڑا۔تقریباً دو گھنٹے کے بعد اسے ہوش آیا تو وہ روتا تھا اور بے اختیار یا شیخ سید عبد القادر جیلانی شیأً للہ پڑھتا تھا۔جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا:"جب میاں صاحب قبلہ نے یا شیخ سید عبد القادر جیلانی شیأً

اللہ کہا تو میں بیہوش ہوگیا۔اسی بیہوشی کے عالم میں سرکار غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔میں نے عرض کیا کہ سرکار آپ کو یاد کرنے پر آپ آجاتے ہیں؟'' تو حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''کیوں نہیں! جو مجھے خلوص سے پکارے تو میں آجاتا ہوں۔'' اس کے بعد اس نے وہابی نظریات سے توبہ کرلی۔(صفحہ نمبر 62)

قصور شہر میں ایک حکیم نور حسن رہا کرتے تھے۔وہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے وہ جب بھی ملتے تو عرض کرتے سرکار مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس سے مجھے آئندہ کے حالات کی خبر ہوجایا کرے،لیکن آپ ہمیشہ ٹال جاتے لیکن حکیم صاحب کے بار بار کہنے کے باعث ایک دن آپ نے اُسے کچھ بتادیا۔اس کے دوسرے تیسرے دن ہی حکیم صاحب دوڑے دوڑے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ ''سرکار! جو چیز آپ نے عطا فرمائی تھی وہ واپس لے لیں۔'' آپ نے مسکرا کر اس سے پوچھا ''کیوں! کیا ہوا ہے؟'' حکیم صاحب نے عرض کی۔حضور! میں نے دیکھا کہ میں چھ ماہ بعد بیمار ہو جاؤں گا اور میں چھ ماہ سخت بیمار رہوں گا حتی کہ قریب المرگ ہوجاؤں گا اور پھر صحت یاب ہوجاؤں گا۔حضور! میں تو بیماری کے آنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگا ہوں اور میں اب ہر وقت بیماری سے خوفزدہ رہتا ہوں۔آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہو گیا شوق پورا۔اور فرمایا کہ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ یہ علم عطا کرتا ہے،یہ ان کو ہی زیبا ہے۔(حدیث دلبراں،صفحہ 220)

حاجی فضل الٰہی سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے مرید تھے۔ان کے دل میں ایک روز یہ خیال جاگزیں ہوگیا کہ اگر سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرماگئے تو ہم کیا کریں گے۔اسی فکر میں وہ رات بھر سونہ سکے۔صبح جب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو فرمایا کہ ''ایک دفعہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر نبی پاک ﷺ رحلت فرماگئے تو ہم کیا کریں گے؟ پیغمبر اول وآخر واعظم،حضور پُرنور،عالم خفا وغیوب ﷺ نے اُن کے دل کی بات کو معلوم کرتے ہوئے فرمایا:

''اے صدیق! اگر تمہیں میرے جسم سے پیار ہے تو بیشک رنج وغم میں ڈوبے رہو اور اگر تمہیں میری روح سے محبت ہے تو میں ہر وقت تمہارے پاس ہوں۔فکر کی کیا ضرورت ہے۔''(حدیث دلبراں،صفحہ 233)

ایک دفعہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ملنے کے لئے لاہور سے شرقپور شریف آئے۔جب حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے پاس اندر جانا چاہا تو وہاں پر موجود لوگوں نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا کیونکہ انہیں آپ کا حکم تھا کہ کوئی بے ریش آدمی میرے ہاں نہ آنے پائے۔لوگوں نے جاکر بتایا کہ ایک بغیر داڑھی کے آدمی لاہور سے آپ کو ملنے آیا ہے اور اپنا نام اقبال بتاتا ہے۔یہ سن کر آپ تڑپ گئے اور فوراً خود جاکر انہیں لے آئے۔پھر مریدوں کو خطاب کرکے فرمایا: بیلیو! (دوستو،ساتھیو) ایسے بے ریش درویش پر تو میں سو داڑھی والے قربان کردوں۔اس کے بارے میں ابھی تم لوگ نہیں جانتے،یہ تو بہت ہونہار عالی قدر مہمان ہے۔

آپ ایک دفعہ اپنے ایک عقیدت مند ''میاں محمد'' کے ہاں بھاٹی دروازے میں مقیم تھے۔سردیوں کا موسم تھا۔رات کے

12 بجے کے قریب آپ کے چند مریدوں نے جو کہ آپ کے ہمراہ شرقپور سے آئے تھے، انہوں نے آپ سے کہا کہ سرکار یہ وقت مناسب ہے، داتا صاحب کے دربار پر حاضری دینے کے لئے چلیں۔ آپ نے حامی بھر لی اور مریدوں کے ہمراہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کی طرف چل دیئے۔ جب آپ چلتے چلتے اس جگہ پہنچے جہاں پتھروں کی دکانیں ہیں (یعنی کہ مزار شریف سے تین سو میٹر پہلے ہی) تو آپ رُک گئے۔ دربار کی طرف سے ایک بزرگ آئے اور آپ سے مصافحہ کیا۔ آنے والے بزرگ کے سر پر گول پگڑی تھی اور وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ ان کی ریش مبارک سفید تھی اور چہرہ مبارک منور تھا، نور والا تھا۔

تقریباً بیس (20) منٹ تک دونوں حضرات ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد مصافحہ کر کے وہ بزرگ واپس دربار کی طرف چل دیئے اور آپ (حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ) وہیں سے واپس اپنے عقیدت مند جناب میاں محمد کی بیٹھک میں آگئے۔ اس پر تمام ساتھ جانے والے مرید بہت حیران ہوئے کہ آپ راستے سے ہی واپس آگئے ہیں۔ آخر ہمت کر کے ایک مرید جس کا نام فضل الٰہی تھا اس نے صد عزت و احترام کے ساتھ یہ پوچھ ہی لیا کہ حضرت یہ کیا ماجرا تھا؟ کہ آپ راستے سے ہی بغیر دربار شریف پہنچ واپس آگئے ہیں؟ اس پر آپ مسکرائے اور آپ نے فرمایا کہ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کو ہی ملنا تھا نا! وہ جو راستے میں بزرگ ملے تھے، وہ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب گھر والا خود ہی آکر مل گیا ہو تو پھر اُس کے گھر پر جانا ضروری نہیں ہوتا۔ (حدیث دلبراں ص 94)

آپ نے دوران گفتگو فرمایا کہ اللہ اللہ کرنے والے ہندو یا سکھ یا دوسرے مذاہب کے افراد کا حصہ یہاں دنیا ہی میں ہے، ان کا حصہ آخرت میں نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہوتی ہیں:

اول: ایسے اولیاء کرام جو منصب ولایت پر فائز ہوتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا پتہ نہیں ہوتا۔

دوم: دوسری قسم ان اولیاء کرام کی ہوتی ہے جو منصب ولایت پر فائز ہوتے ہیں اور انہیں اس بات کا علم بھی ہوتا ہے لیکن لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

سوم: تیسری قسم ایسے اولیاء کرام کی ہوتی ہے جنہیں نہ تو خود پتہ ہوتا ہے اور نہ عوام کو اُن کا پتہ ہوتا ہے لیکن وہ ہوتے ولی ہیں۔

چہارم: چوتھی قسم کے اولیاء کرام وہ ہوتے ہیں جو خود بھی جانتے ہیں کہ وہ ولی ہیں اور لوگوں کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ یہ ولی ہیں ایسے اولیاء کرام سے مخلوق کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ (حدیث دلبراں صفحہ 185)

وحدت الوجود کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ یہ ایک حال ہے جب وارد ہوا ہو تو اس وقت تو ٹھیک ہے لیکن اس حال کے گزرنے کے بعد اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کو ایک بزرگ نے پوچھا کہ خدا کو ملنے کا کوئی آسان طریقہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ بزرگ نے پوچھا وہ کونسا ہے تو آپ نے جواب دیا: ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔'' یعنی آسان طریقہ یہی ہے کہ کسی پر خدا خود ہی مہربان ہو کر سوتے ہوئے ہی آملے۔

آپ نے فرمایا: "شیخ مرید کو خیال ہی سے چلاتا ہے اور فرمایا کوئی شخص اگر ہمارے پاس آتا ہے اور اپنی تکلیف ظاہری یا باطنی بیان کرتا ہے تو ہمیں ایک خیال دامنگیر ہوجاتا ہے اور خدا کے فضل وکرم سے اس کا کام ہوجاتا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں وہ کام کس طرح ہوجاتا ہے۔

ایک روز آپ کے مرشد حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کونجیں پہاڑوں میں انڈے دے آتی ہیں اور انڈوں کی طرف صرف ان کا خیال رہتا ہے اور اُن کے اسی خیال رکھنے کے اثر سے بچے پیدا ہوجاتے ہیں۔

آپ کے مرشد حضرت امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شیخ اپنے مریدوں کا خیال اپنے دل میں رکھتے ہیں اسی خیال کے اثر سے جو بیج مرید صادق کے دل میں بویا جاتا ہے وہی بالآخر پودا بن کر نشوونما پاتا ہے اور بڑھتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ: "اہل اللہ کو دیکھنا عبادت ہے۔"

کلام پاک: "وَلَا تَعْدُ عَيْنَكَ عَنْهُمْ o ترجمہ: مت پھیرو اپنی آنکھوں کو اُن سے۔

حدیث پاک: "اِنَّ النَّظْرَ عَلٰی وَجْھِھِمْ عِبَادَةٌ" o ترجمہ: تحقیق اُن کے چہرے کو دیکھنا بڑی عبادت ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ جس کو چاہتے ہیں مختلف صورتوں میں ملتے ہیں اور ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور فقراء بھی مختلف صورتوں میں آکر انسانوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قوت تو جنات کو بھی حاصل ہے جو کہ یقیناً انسان کے تابع مخلوق ہے۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔"

ایک دفعہ ایک شخص نعت شریف پڑھ رہا تھا۔ نعت پڑھنے کے بعد اونچی آواز سے ذکر اور درود پڑھنے لگا تو میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر فرمایا کہ کبھی ہمیں بھی یہ جنون تھا لیکن اب جان چھوٹ گئی ہے۔ اتنے شور وغوغا سے کیا فائدہ؟ انسان کو قال کی بجائے سراسر حال بن جانا چاہیے۔

حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں بہت سے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے اور چلہ کشی بھی کرتے تھے۔ لاہور اور گردونواح کے علاقوں کے علاوہ دور دراز علاقوں میں بھی آپ کے عقیدت مند موجود ہیں۔

لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینے ضرور آتے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ حضرت خاوند محمود ایشاں رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ پر ضرور حاضری دیتے۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، سر محمد شفیع، میاں افتخار الدین اکثر آپ کے ہاں آتے جاتے۔ آپ فرماتے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے 19 حروف ہیں۔ جو شخص بسم اللہ کا ورد کرتا ہے قیامت کے روز 19 اعمالوں کے گناہوں سے محفوظ رہے گا اور دوزخ کے فرشتے بھی 19 ہیں۔

3 ربیع الاوّل 1347ھ کو بروز سوموار شام ساڑھے پانچ بجے آپ پر سکرات کا عالم شروع ہوا اور رات ساڑھے گیارہ بجے جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

آپ نے 3 ربیع الاوّل 1347 ہجری بمطابق 20 اگست 1928 عیسوی کو بروز پیر، رات ساڑھے گیارہ بجے وصال

فرمایا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ صاحب زادہ مظہر قیوم نے پڑھائی۔ آپ کا لنگر وسیع تھا۔ آج تک آپ کے بعد بھی آپ کے سجادہ نشین کا وہی دستور ہے جو عاشق یزدانی شیر ربانی کا تھا۔ دسترخوان پر سب بیٹھ کر بلا امتیاز کھانا کھاتے ہیں۔ عرس مبارک ہر سال 2-3 ربیع الاوّل کو منعقد ہوتا ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پرُنور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ فرماتے ہیں جب تم کہیں مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ اور وہاں کوئی مددگار نہ ہو تو اہل باطن سے پکار کر مدد طلب کرو۔ تحقیق اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ پکارنے کا طریقہ یہ ہے:

"اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔"

☆......☆......☆......☆......☆
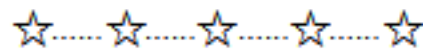
حضرت علامہ محمد اقبالؒ

اسم مبارک:

آپ کا اسم گرامی محمد اقبال ہے۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی نور محمد تھا اور آپ کے آبا و اجداد پنجاب کے ایک شہر سیالکوٹ میں آباد تھے۔آپ نے اپنے مبارک نام "اقبال" کو ہی تخلص رکھا ہے یا تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے۔آپ کے معزز القاب بہت ہیں۔آپ اعلیٰ تعلیم کے سبب "ڈاکٹر" ہیں اور دینی گہری اور صحیح سوجھ بوجھ کے سبب آپ "علامہ" ہیں۔آپ "حکیم الامت" بھی ہیں اور "شاعر مشرق" بھی۔آپ "مفکر پاکستان" بھی اور "مفکر عالم" بھی۔آپ "مفکر اسلام" بھی ہیں اور بین الاقوامی یا "عالمی مفکر" بھی۔آپ عالمی شہرت یافتہ ہیں اور اللہ کے خصوصی فضل و کرم، اللہ کے رسول مقبول پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے صدقے اقبال کا اقبال وصال کے بعد بھی بلندی پذیر ہے۔انگریزی حکومت نے آپ کو "سر" کا خطاب بھی عطا کیا۔

آپ کو مروجہ اور اپنے اختیار کردہ علوم پر عبور حاصل تھا۔کئی زبانوں پر آپ کو عبور حاصل تھا جن میں اُردو، پنجابی، فارسی، انگریزی یا انگلش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔آپ کا مطالعہ قرآن شریف و احادیث پر گہرا تھا اور آپ کو دین متین اور صاحب دین متین سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عشق محمد (ﷺ) میں آپ بہت اعلیٰ و ارفع مقام پر تھے۔شدید اور پُر خلوص عشق مصطفی ﷺ کی بدولت آپ کا روحانیت میں بھی یا اولیاء اللہ میں بھی ایک خاص مقام تھا۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مقرر وقت تک اپنی حکمت و مصلحتوں کے تحت آپ کی باطنی شخصیت یا روحانی قوت کو دنیا سے پردے میں رکھا اور جب مشیت ایزدی کو اسے آشکارا کرنا منظور ہوا تو آپ کو علم لدنی سے نوازدیا اور پھر استغراق کی کیفیت میں الہامی کلام، الہامی اشعار، خیال و افکار وارد فرمائے۔آپ کا زیادہ کلام فارسی زبان میں ہے اور اس دور کی اُمت مسلمہ کی بدقسمتی ہے کہ ہم اجتماعی طور پر فارسی سے دور ہو گئے ہیں یا کر دیئے گئے ہیں اور عربی زبان سے بھی ہمارا لگاؤ رسمی سا ہے کہ ہم صرف قرآن حکیم پڑھ سکیں، اور جیسے کہ ہمیں اُسے سمجھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے سوئی ہوئی اُمت مسلمہ کو بیدار کرنے کے لئے آپ کو روحانیت حکمت و تعلیم سے نوازا تھا اور آپ نے اُس کو خوب نبھایا ہے۔اُمت مسلمہ کی پسماندگی، بے وقعتی اور زمانے میں تذلیل پر آپ کا دل خون کے آنسو بہاتا تھا۔آپ کا دل اُمت مسلمہ کے لئے درد سے بھرا ہوا تھا۔آپ نے اُمت مسلمہ کی بھلائی، بہتری اور دُنیا میں، اس عالم میں اُمت مسلمہ کا دوسروں کی رہنما بن جانے کے لئے بہت دعائیں کی ہیں، بہت لکھا ہے اور بہت چاہا ہے۔آپ کا ایسا عظیم

الشان کلام ہی اُمت مسلمہ کے لئے کشف وکرامات ہے۔

زمانہ،ہم عصر:

آپ 4 ذیقعد 1294 ہجری بمطابق 9 نومبر 1877 عیسوی کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور سن ہجری کے لحاظ سے آپ نے 63 سال کی عمر پائی۔ 21 اپریل 1938 بمطابق 21 صفر 1357 ہجری کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ آقائے دو جہاں، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی عمر شریف سے کچھ کم عمر کے لئے دعا کورتے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور تقریباً اتنی عمر سے کچھ کم عمر میں اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ آپ کا زمانہ موجودہ زمانے (2008ء) سے بہت زیادہ دور کا نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے صرف دو نسلوں کا فرق ہے۔ ویسے بھی آپ کا اسم گرامی مشہور زمانہ ہے۔ آپ پر، آپ کے کام پر مسلسل تحقیق ہو رہی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت، صلاحیتوں، تعمیر اور اصلاحی خوبیوں کے نئے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں۔ میرا یہاں یہ کچھ کہنے کا مقصد ہے کہ آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ویسے بھی اس موضوع میں بہت سارے نامی گرامی اشخاص کے اسمائے گرامی ہوں گے جو کہ آپ کے کسی نہ کسی طرح سے ہم عصر ہی تھے۔ بس یہ اُمت مسلمہ کی یا ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اپنے قابل صد عزت واحترام، قابل قدر اسلاف کی بروقت قدر نہیں کرتے ہیں۔ ہمیں تو اُن کی قدرو قیمت و اہمیت کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب غیر ان کے معترف ہو چکے ہوتے ہیں۔

حالات،مناقب،ارشادات:

قبول اسلام سے پہلے یہ کشمیری خاندان اصلاً برہمن تھا۔ اس خاندان نے 18 ویں صدی کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور اس خاندان کی گوت "سپرو" تھی۔ سپرو کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کردے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت بابا لولی حج تھے۔ بابا لولی حج نے غیبی اطلاع پا کر حضرت بابا نصر الدین سے بیعت کی۔ اس خاندان نے 1857ء کے ہنگاموں کے بعد ترک وطن کیا۔ آپ کے پرداداؤں نے انیسویں صدی کے آغاز میں سیالکوٹ میں سکونت اختیار کی۔ شیخ جمال دین کے فرزند شیخ محمد رفیق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دادا تھے۔ شیخ محمد رفیق کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک شیخ نور محمد جو علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد تھے اور دوسرے شیخ غلام محمد جو کہ محکمہ انہار میں ملازم تھے۔ آپ کے والد ماجد جناب شیخ نور محمد نہایت وجیہہ وشکیل بزرگ تھے اور وہ ناخواندہ تھے لیکن وہ روحانی بزرگوں، علماء اور صلحاء کی صحبت میں رہے تھے۔

آپ کے والدین یا خاندان سیالکوٹ شہر میں آباد تھے اور آپ کی ولادت مبارک بھی سیالکوٹ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی نور محمد تھا اور آپ کے والد گرامی قدر درویش صفت، متقی پرہیزگار اور خدا ترس انسان تھے۔ آپ کے والد محترم کے بارے میں بہت زیادہ معلومات تو حاصل نہیں ہیں لیکن ان کی ایک نصیحت میری نظر سے گزری ہے اور یہ وہ نصیحت ہے جو انہوں نے اپنے فرزند ارجمند حضرت محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو کی تھی۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ کسی نے یہ سوال کیا کہ والدین کو اپنی اولاد کی پرورش کن خطوط پر کرنی چاہیے کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان بن سکیں۔ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ

جواب دیا کہ میں ہر والد کے لیے وہی باتیں تجویز کرتا ہوں جو میرے والد نے مجھے ارشاد فرمائی تھیں۔ میرے والد نے مجھے کہا تھا:

اند کے اندیش و یاد آر اے پسر
اجتماع اُمت خیر البشر
باز ایں ریش سفید من نگر
لرزہ بیم و امید من نگر
بر پدر ایں جور نازیبا مکن
پیش مولا بندہ را رُسوا کن

ترجمہ: ''اے بیٹے ذرا سوچ جب قیامت کے دن حضور ﷺ کی امت کا اجتماع ہوگا اور میرا اس جواب طلبی پر سفید داڑھی کے ساتھ اُمید وخوف کی حالت میں کانپنا دیکھ۔ بیٹے! اپنے باپ پر یہ ناروا ظلم نہ کر اور اُسے اپنے مولا کے سامنے شرمندہ نہ کر۔''

میرے والد نے مزید فرمایا:

غنچہ از شاخسار مصطفیٰ
گل شو از باد بار مصطفیٰ!
از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرۂ از خلق او باید گرفت
فطرت مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است
از قیامِ او گرد و راستی!
زمیانِ حشرِ ما نیستی!

ترجمہ: ''بیٹا تو حضور ﷺ کی شاخ کا غنچہ ہے۔ حضور ﷺ کی بادِ بہاری کے فیض سے گل تمام بن جا۔''
حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور خلق عظیم سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔
مسلمان فطرتاً سراپا شفقت ہے اور جہاں میں اس کے ہاتھ اور اس کی زبان سراسر رحمت ہے۔
اگر حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ اور خلق عظیم سے تو کماحقہٗ بہرہ ور نہیں تو پھر تجھے ہم سے کوئی نسبت نہیں۔''

قارئین کرام! مندرجہ بالا میں آپ کے والد بزرگوار نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی بناء پر ہر ذی شعور انسان یہ ضرور کہے گا کہ آپ کے والد ماجد درویش صفت آدمی تھے۔ ان کا دین کے معاملہ میں علم بہت اچھا اور پختہ تھا اور وہ یقینی طور پر بہت

متقی، پرہیز گار اور خدا ترس انسان تھے اور ان ہی کی بنیادی تعلیم و تربیت نے آپ کو یہ عروج بخشا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے ہی حاصل کی۔ بی اے اور مزید تعلیم کے لئے آپ کو لاہور آنا پڑا۔ لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ مزید تعلیم کے لئے انگلینڈ چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور پھر تعلیم کے سلسلہ میں جرمنی بھی گئے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے چند سال پہلے آپ نے اردو میں شعر و شاعری شروع کی اور مشاعروں میں شرکت فرماتے۔ سن 1905 سے 1908ء کا زمانہ آپ نے یورپ میں گزارا اور آپ کی شاعری میں اب یورپ کے مشاہدات کی جھلک آنے لگی۔

ساتھ ہی اب روحانیت کا آغاز ہو گیا۔ آپ کے خواب و خیالات میں روحانیت نمودار ہونے لگی۔ دین متین قرآن و سنت کی طرف توجہ، رجحان، دلچسپی، دلی لگاؤ اور بڑھ گیا اور آپ نے اردو زبان کے بجائے فارسی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنالیا۔ تحقیق کرنے والوں نے آپ کا فارسی زبان کے لئے راغب ہونے کی جو وجہ لکھی ہے وہ درج ذیل ہے۔

فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب حالاتِ تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی اس کو بھی ضرور اس تغیر مذاق میں دخل ہوگا۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انہوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اُردو میں فقرے ڈھالنا آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔

اور مجھے (اس کتاب کے مصنف کو) یہ رائے پائیدار نہیں لگتی۔ میرے خیال میں آپ نے فارسی زبان کو اس لئے ترجیح دی یا اختیار کیا کہ اس زمانے میں دین اسلام کا زیادہ سرمایہ عربی زبان کے بعد فارسی زبان میں دستیاب تھا اور اس زمانے میں برصغیر میں فارسی زبان کو دوسری زبان کا درجہ یا اہمیت حاصل تھی اور ظاہر ہے کہ ملک فارس میں تو فارسی زبان ہی تھی۔ جب دین اسلام چاروں طرف پھیلا تو اس وقت کی دو سپر پاور قیصر و کسریٰ میں کسریٰ یعنی فارس میں اسلام مقابلتاً جلد پھیل گیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دوران خلافت میں ہی مسلمانوں نے کسریٰ کو فتح کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ فارسی زبان میں دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ اسی زمانے میں زور شور سے شروع ہو گئی تھی اس لئے عربی زبان کے بعد دین اسلام کا کتابی شکل میں زیادہ سرمایہ فارسی زبان میں تھا۔ کیونکہ خاص طور پر مسلمان فارسی زبان سے واقف بھی تھے اور دینی علمی تعلیمی سرمایہ بھی فارسی زبان میں خوب موجود تھا اس لئے آپ نے اس دور میں فارسی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ (قارئین کرام! آج (2008ء) سے پچاس سال پہلے تک فارسی کا مضمون پاکستان میں بھی ضرور پڑھایا جاتا تھا۔) سن 1908ء کے بعد اردو میں اچھی نظمیں، اشعار کہے گئے مگر اصل کام جس کی طرف آپ متوجہ ہو گئے وہ آپ کی فارسی مثنوی "اسرار خودی" تھی۔ اس کا خیال دیر تک آپ کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحۂ قرطاس پر اُترنے لگا اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ جس سے آپ کا نام

ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں آپ کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی تھیں، ''اسرار خودی''، ''رموزِ بے خودی'' اور ''پیامِ مشرق''۔ ایک سے ایک بہتر۔ پہلی کتاب سے دوسری میں زبان زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے۔ اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ''حکیم الامت'' اور ''شاعرِ مشرق'' کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ نے اپنی شاعری میں مشرقی اقدار و روایات اور عقائد و نظریات کی بڑے حکیمانہ انداز میں بھرپور عکاسی کی ہے۔ اور دورِ زوال میں قوم کو یہ فخر و وقار عطا کیا ہے کہ وہ ایک درخشاں ماضی کی امین اور قابلِ فخر روایات کی علمبردار ہے، اس لیے اس قوم کو بدیسی نظریات اور تہذیب و تمدن کا طلبگار رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام نے اسے عزو وقار، قومی افتخار اور روحانی جاہ و جلال بخشا ہے جو اُسے ایک باوقار اور بے مثال قوم کی شان عطا کرتا ہے۔

آپ کی شاعری کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ شاعری کم اور پُر جوش پیغام زیادہ ہے۔ آپ اس کے ذریعے قوم کی مردہ رگوں میں گرم لہو دوڑانا چاہتے ہیں اور پستی سے اُٹھا کر بامِ عروج تک پہنچانے کے متمنی ہیں۔ آپ کی خواہش ہے کہ یہ مردہ قوم غلامانہ اطوار کی خوگر نہ بنے، بلکہ زندہ قوم کا شعار اپنائے اور اقوامِ عالم کی صف میں ان کے دوش بدوش کھڑے ہو کر اپنا لوہا منوائے۔ اپنے تشخص، مقام و مرتبے اور اقدار و روایات پر آنچ نہ آنے دے، اور اپنے بانکپن اور بے مثال رویے سے ثابت کر دے کہ وہ ایک آزاد قوم ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مقام و مرتبہ، اعزاز و برتری حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ غلامیٔ رسول ﷺ کا قلادہ گلے میں ڈال لے اور نسبت رسول کو سب سے بڑا اعزاز جانے اور محبت رسول کو دل کی گہرائیوں میں جاگزیں کر لے یہ نسبت و محبت اور غلامی ہی وہ قوت ہے جو اسے بے مثل و اعلیٰ، سچا سُچا مومن، اور پکا ایماندار بنا سکتی ہے۔ یہی وہ روح توانا ہے جو اس کے جسدِ ناتواں کو حیات تازہ عطا کر سکتی ہے، اور سر اُونچا کر کے چلنے کے قابل بنا سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی شاعری کی شکل میں ساری توانائیاں اسی پیغام رحمت و محبت کو عام کرنے کے لئے وقف کر دیں، اور قوم کو درس دیا کہ وہ عشق رسالت ﷺ کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرے، یہی منشائے رب العالمین ہے اور یہی معراج انسانیت ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ خود کو شاعر نہیں بلکہ مصطفوی پیغام رساں سمجھتے تھے، شاعری آپ کے نزدیک فقط پیغام رسانی کا ایک مؤثر ذریعہ تھی جو آپ کے عقیدت، محبت و حکمت سے لبریز نظریات کی ترجمان تھی، مگر احباب آپ کو شاعر کہنے پر مصر تھے، جس کا آپ نے اپنے اشعار میں بارگاہِ رسالت میں شکوہ بھی کیا۔

من اے میر عرب داد از تو خواہم

مرا یاراں غزل خوانے شمردند

چونکہ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں، ذاتِ رسالت ﷺ کے ساتھ وابستگی، احیاء و ارتقاء کے لئے انتہائی

ضروری ہے اس لیے انھوں نے سرکار رسالت مآب ﷺ کو "مرکزِ محبت" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور بڑے والہانہ انداز میں سرکار کا تذکرہ کیا ہے، جس سے ایمان میں تازگی اور عشق میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، اور انسان قرب و حضوری کے مزے لوٹنے لگ جاتا ہے۔

ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ جذباتی، روحانی اور ایمانی وابستگی کا تقاضا ہے کہ اُمتی اُن کے بے مثل خصائص و فضائل اور وہبی کمالات پر ایمان لائے، ان کے ساتھ روحانی تعلق پر ناز کرے، اور روحانی امداد و اعانت اور خصوصی نگاہِ کرم کا طالب ہو۔ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے ہی طالب صادق اور عاشق صادق اُمتی تھے۔ اور اپنے آقا ﷺ کے حضور خصوصی نسبت کی بناء پر، روحانی و نورانی فیوض و برکات کے لئے ہمیشہ درخواست پیش کرتے رہتے تھے۔

قارئین کرام! یہ جو میں نے حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)، دین اسلام اور ربانی دین اسلام کے ساتھ آپ کی جذباتی، روحانی اور ایمانی وابستگی کے متعلق لکھ دیا ہے اسے آپ صرف میری ذہنی اختراع یا لفاظی نہ سمجھیں بلکہ یہ تو ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ آپ عشق رسول ﷺ میں بہت اعلیٰ وارفع مقام پر تھے۔ اس کی تشریح اور ثبوت کے طور پر میں درج ذیل میں آپ ہی کے فارسی منظوم کالم کا ترجمہ لکھ رہا ہوں۔ اسے پڑھ کر آپ کو بھی حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ وارفع مقام کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرا دل بے جوہر آئینہ ہے اور اگر میں نے قرآن پاک کے علاوہ ایک حرف بھی لکھا ہو تو پھر میرے ناموسِ فکر کا پردہ چاک فرما دیں اور اس باغ ملت کو مجھ جیسے کانٹے سے پاک فرما دیں۔ میرے جسم کے اندر جو درخت حیات ہے یعنی روح ہے اسے ختم فرما دیں اور اہل ملت کو میری ذات سے بچائیں اور محفوظ رکھیں۔ میرے انگور کے اندر "شراب" کو خشک کر دیں اور میری کافوری مے میں زہر بھر دیں۔ روز حشر مجھے خوار و رسوا ٹھہرا دیں اور اپنے دیدار سے محروم فرما دیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی ذاتِ مبارکہ حیات کے لیے شباب کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کا اس دنیا میں تشریف لانا زندگی کے خواب کی تعبیر ہے۔ زمین کو آپ کا مسکن بننے کی بدولت بے پناہ قدر، عزت، بلندی اور برکت حاصل ہوئی۔ آسمان نے آپ کے در پر بوسہ دیا تو اُسے سربلندی میسر آئی۔

یا رسول اللہ ﷺ آپ ذاکروں کا ذکر ہیں، آپ مفکروں کا فکر ہیں، خواہ وہ انسان ہوں یا جن، آپ صبح کی نماز ہیں اور آپ ہی اذان بھی ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ لَا اِلٰہ کا سوز و سرور ہے۔ رات کے اندھیرے میں آپ ﷺ کی ذات مبارکہ لَا اِلٰہ کا نور ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ میں فقیر بے بس اور محتاج ہوں۔ اس لیے جو کچھ مانگتا ہوں آپ ﷺ ہی سے مانگتا ہوں۔ میری حیثیت فقط گھاس کے ایک پتے کی سی ہے۔ اس ایک پتی سے پہاڑ جیسا سنگین اور مستحکم عزم صمیم والا تراش دیں۔ میں تو ہمیشہ حضور پُر نور نبی

کریم رؤف ورحیم ﷺ سے نورِنبوت کی خیرات طلب کیا کرتا ہوں۔جب میں نے اپنی خودی میں ڈوب کر اپنی معرفت حاصل کی تو آپ ﷺ کے نورِمقدس کی برکت سے اپنے مقام کو پالیا۔دُنیا کے اس دیر (صنم کدہ،مندر) میں نوائے صبح گاہی کی برکتوں سے میں نے عشق ومستی کی ایک نئی دُنیا بسائی۔میری باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ اے تحقیق تجھے نبی اکرم ﷺ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی چشم مبارک سے دیکھنا چاہیے۔(اس عمل سے نبی کریم ﷺ کی محبت قلب وجگر میں بس جائے گی اور نبی اکرم ﷺ کی محبت خدا کی محبت سے زیادہ ہو جائے گی۔اور یہی اصل توحید ہے۔)

پیغمبراول وآخرواعظم حضورپُرنورنبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے اتباع اور پیروی کا نام ہی دیدار رسول ﷺ ہے۔دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح آپ کا اسوۂ حسنہ تلقین کرتا ہے۔اگر تم اس طرح کرو گے تو تم کو جن وانس سب میں قبولیت حاصل ہو جائے گی۔آپ کی سنت کی پیروی میں ڈوب کر خودشناسی حاصل کرو یہی آپ کا دیدار ہے۔یادرکھو کہ آپ کا اسوۂ حسنہ اورآپ کی سنت آپ کے اسرار میں سے ایک سِرّ ہے۔

اے رب کائنات!تو قادرِمطلق ہے مجھ سے اس حالت استغراق میں بھی ہوشمندی کے خوبصورت ایسے کام کروا جو تجھے اور تیرے حبیب کریم ﷺ کو پسند آئیں۔میں اس حالت میں بھی یہ کام جاری رکھنا چاہتا ہوں۔مجھے صحیح اچھی اوراعلیٰ وارفع توفیق دے۔آمین!

حضور ﷺ کے نقش قدم میں وہ اکسیر ہے جو خاک کو بینائی عطا کرتی ہے اور وہ تاثیر ہے کہ بے مایہ ذرّے کو رشک کوہِ سینا کرتی ہے۔جس دل میں حضورانور،سرکاردوعالم مصطفےٰ کریم ﷺ کی یادنہیں وہ ایک مشت خاک ہے۔

جس پتھر پر آپ کا قدم مبارک ثبت ہو جائے وہ دھڑکتے دل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ان کے نقش قدم پر چلنے سے رگوں میں خون بجلی سے بھی زیادہ گرم ہو جاتا ہے اور راہ حق پر چلنے کی تگ ودو تیز ہو جاتی ہے۔شک اور عدم یقین فنا ہو جاتے ہیں۔زندگی عمل اور جدوجہد سے عبارت ہو جاتی ہے۔چشم ایسی بینا ہو جاتی ہے کہ وہ ضمیر کائنات کے اندر جھانک لیتی ہے۔

قارئین کرام!مندرجہ بالا سے آپ نے خوب اندازہ کرلیا ہوگا کہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا عشق حقیقی کس غضب اور معیار کا تھا۔ایسی دعائیں ایسا انداز اور ایسے الفاظ تو صرف ایک عاشق صادق کی زبان وقلم مبارک سے ہی ادا ہو سکتے ہیں۔لیجئے اب آپ کے متعلق حالات وواقعات زندگی کو وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔آپ کے متعلق مضمون طویل ہے پھر بھی میری کوشش ہوگی کہ ذکر مبارک سلسلہ وار ہی ہو،تا کہ قارئین کرام پوری طرح سے مستفیض ہو سکیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن میں حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ سیف الملوک والے آپ کے والد محترم کے قرب (شہر، محلے) میں تشریف لائے۔اس وقت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم شیخ نورمحمد حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ساتھ تھے۔حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھا تو فرمایا یہ بچہ ایک دن بہت بڑا آدمی بنے گا۔شیخ نورمحمد خود بھی درویش تھے۔بولے!یہ ضد بہت کرتا ہے ہر بات منوا کر چھوڑتا ہے۔حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

اس کی یہی بات اس کے بڑے آدمی بننے کی دلیل ہے۔

آپ (حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ) پیدائشی ولی تھے۔مگر جب تک روحانی موڑ نہ آیا، بے خبری کے عالم میں رہے اور آپ کی اس دور کی شاعری دُنیا سے ہی مربوط ہے۔اور جب اپنی منزل (روحانیت و باطنی علوم) کی جانب رواں دواں ہوئے تو ساری دُنیا کو پس پشت ڈال دیا۔بات بات پر اشکبار ہو جاتے۔آقائے دو جہاں ﷺ کا نام آتا تو ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔اس عشقِ حقیقی اور طلبِ صادق کے سبب ہی ساری دُنیا میں آپ کی شہرت پھیلی ہوئی ہے۔

الحمدللہ! آپ پیدائشی ولی تھے۔جب روحانیت کے راستے پر مستقلاً رواں دواں ہوئے تو پچھلے تمام واقعات، کلام، کوتاہیاں، غفلتیں اور دُنیاداری یکسر آپ نے بھلا دیں، چھوڑ دیں اور وہ ختم ہو گئیں۔آپ عشقِ رسول ﷺ کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔آپ کے الہامی کلام پر سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ ایک ہزار سال تک آپ کے انداز کا ولی پیدا نہیں ہوگا۔آپ ''**یا حیّ یا قیوم** '' کا ورد کیا کرتے تھے۔جو کھانا خود کھاتے وہی نوکروں کو کھلاتے اور خلوت میں اپنے رب جل جلالہ کے حضور آنسو بہانا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔

آپ کو کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن کا خط موصول ہوا تو اُسے پڑھ کر آپ زار و قطار رونے لگے۔پروفیسر نکلسن مشرقی علوم کے ماہر تھے۔احباب نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ پروفیسر نے اسرارِ خودی کے انگریزی ترجمے کی اجازت مانگی ہے۔میں رونا اس لئے ہوں کہ جن کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے وہ نہ اس کو پڑھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اب اہلِ یورپ اس ترجمے کے ذریعے میرا پیغام اپنے نوجوانوں کو پہنچائیں گے۔

ڈاکٹر ''لوکس'' فورمن کرسچین کالج کے پرنسپل تھے۔انہوں نے آپ سے کہا آپ ترقی یافتہ دور کے بہت بڑے مفکر ہیں۔کیا آپ کو یقین ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ پر قرآن پاک لفظ بہ لفظ عربی میں نازل ہوا؟ آپ نے فرمایا یقین نہیں میرا ایمان ہے، دیکھو میں محمد عربی ﷺ کا ادنیٰ سا غلام ہوں۔مجھ پر اشعار لفظ بہ لفظ نازل ہوئے ہیں۔میرے آقا محبوبِ ربِ ذوالجلال صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت بڑی ہستی ہیں۔دیکھو قرآن ایسا کلام ہے کہ ''گوئٹے'' نے جب جرمن زبان میں ترجمہ پڑھا تو کہا جب میں یہ کتاب پڑھتا ہوں تو جسم کے اندر میری روح کانپنے لگتی ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب مجھ پر شعر نازل ہوتے ہیں تو مجھ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔مگر ہر حالت ہر وقت طاری نہیں رہتی جب شعر اُترتے ہیں تو استغراق کا عالم ہوتا ہے۔شعر اُترتے چلے جاتے ہیں۔یہ کیفیت طاری کئی مرتبہ کئی ماہ یا سال بھر یا اس سے بھی زیادہ طاری نہیں ہوتی مگر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہیں سے شعر اُترنے شروع ہوتے ہیں جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا۔جب ایک شاعر پر یہ الہام ہو سکتا ہے تو پیغمبر تو بالکل عام انسانوں سے ماورا ہستی ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے متعلق کسی نے دریافت کیا۔فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔اس کے ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ میرے آقا ﷺ نے فرمایا تھا کہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔آقائے دو جہاں ﷺ

ایسی ہستی ہیں جن کو دشمنوں نے بھی کہا کہ اس ہستی نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کسی نے آپ نے سوال کیا کہ آپ بہت بڑے فلسفی اور مفکر ہیں، مگر آپ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے وجود پر عقلی دلائل لانے کی بجائے اس کا ذکر صرف خوش اعتقادی سے کرتے ہیں؟ آپ نے سوال کرنے والے کی بات ٹھنڈے دل سے سنی۔ جب وہ خاموش ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھ سے خدا کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو سنو! میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ پھر مسکرا کر فرمایا۔ انسان کی زندگی میں ایسے لمحے آتے ہیں جب وہ خدا کو دیکھ سکتا ہے۔ مگر یہ لمحے کم نصیب ہوتے ہیں۔ پھر وقفے کے بعد فرمایا: کم بہت ہی کم۔ ہر شخص کے لئے خدا مشاہدہ بالواسطہ ممکن ہے۔ یہ دروازہ کسی پر بند نہیں، مگر جو دیدارِ خدا جل جلالہ کا طالب ہو اسے چاہیے کہ صبر سے انتظار کرے۔

آپ کے فلسفے کا محور خودی ہے۔ آپ نے جس انداز میں خودی کو پیش کیا وہ بڑا جامع اور خوبصورت انداز ہے۔ آپ نے خودی کے عام مفہوم کو بدل کر ایسے اعلیٰ وارفع مقامات پر پہنچا دیا ہے کہ جو شرف انسانی کا بلند ترین مقام ہے۔ آپ کے لفظ خودی کے مفہوم، تشریح و فلسفے پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ مگر روحانیت کے حوالے سے خودی کی روح کا جو تصور سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ درویش عارفِ خودی ہوتا ہے۔ جب خودی کا عرفان ہو جاتا ہے تو تمام رنج و غم، تمام تفکرات اور تمام خوف ختم ہو جاتے ہیں۔ عارفانِ خودی کی ٹھوکر سے پہاڑ رائی بن جاتے ہیں۔ عارفانِ خودی کے سر میں ہی ذوقِ خدائی کا سودا سماتا ہے۔ یہ وہی پراسرار مخلوق ہوتی ہے جنہیں دیکھ کر مخلوقاتِ عالم اور تخلیقاتِ عالم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ طوفانوں پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کی ظاہری ہیئت کو نہ دیکھو اور ان کی فہم و فراست کو کریدنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ

دو نیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اِن کی ہیبت سے رائی

جب پہلی بار صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ آلو مہار شریف کو عارضہ قلب لاحق ہوا تو آپ ماہر امراض قلب ڈاکٹر رؤف یوسف (لاہور) کے پاس ای سی جی کے لئے تشریف لے گئے تو دورانِ گفتگو ڈاکٹر رؤف صاحب نے بتایا کہ حضرت علامہ اقبالؒ کے ساتھ میرے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن میں نے پوچھا، علامہ صاحب میں کچھ دنوں سے آپ کے مزاج میں نمایاں تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے اشعار و افکار عشقِ رسول ﷺ اور تصوف کے سانچے میں ڈھلتے جا رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بعض بزرگوں کی زیارت اور صحبت نے میرے دل میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اُن میں سے ایک بزرگ قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ آلو مہار شریف ہیں اور دوسرے بزرگ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جب میں آلو مہار شریف حاضر ہوا تو حضرت خواجہ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور نگاہِ مست سے میری طرف دیکھا۔ سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ بیٹا تم بڑے خوش نصیب ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ تم سے ملت اسلامیہ کی خدمت کا کام لے گا۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ روزانہ کثرت سے درودِ خضری پڑھا کرو۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے اچانک یوں محسوس ہونے لگا کہ میرے جسم سے کوئی بوجھ اُتر رہا ہے۔ سینے میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو رہی

ہے،اوراس کے بعد مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔اس دن کے بعد سے میرا معمول ہے کہ روزانہ پانچ ہزار مرتبہ درود شریف خضری پڑھتا ہوں۔اسی فیضان کا اثر ہے کہ میرے سینے میں عشق رسول ﷺ کا سمندر موجزن ہے اور میں الحمدللہ! یقین کی حد تک اس امر کا قائل ہوں کہ واقعی اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر ہوتی ہے۔اوران کی توجہ،نگاہِ کرم کا فیضان قلب ونظر میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔غالباً اسی فیضان نظر کے مشاہداتی نتیجے کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ اِن کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ ''انجمن حمایت اسلام'' کے جلسے کی صدارت فرما رہے تھے اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اُن کے پاؤں کے قریب فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔منتظمین نے ڈاکٹر صاحب کو مجبور کیا کہ آپ کرسی پر بیٹھیں لیکن ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا اور فرمایا کہ: اقبال! حضرت کے قدموں میں ہی اچھا ہے۔''اس پر حضرت سید جماعت علی شاہؒ نے فرمایا ''جس کے قدموں میں اقبال ہو پھر اُسے کیا پرواہ۔'' ڈاکٹر صاحب اس فقرے پر بہت لطف اندوز ہوئے اور شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے۔حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نشست میں فرمایا کہ میں ڈاکٹر صاحب کی بیماری میں اُن کی عیادت کو گیا تو ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ جناب (حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب) آپ گواہ رہیں کہ میں اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں۔میں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے۔میرے والد صاحب فلاں (حضرت جماعت علی شاہ صاحب کو اُن کا نام یاد نہیں رہا) بزرگ کے خلیفہ تھے جو کہ قادری سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔(سیرت امیر ملت (سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) صفحہ 401)

گول میز کانفرنس سے واپسی پر آپ یورپ اور مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا۔جب واپس آئے تو کسی نے کہا: جہاں اتنا لمبا سفر کیا، وہاں روضہ اطہر کی زیارت بھی کر لیتے؟ اس پر آپ کا رنگ اُڑ گیا۔حالت غیر ہوگئی۔آنکھوں سے ایسے آنسو جاری ہوئے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔جب ذرا حالت سنبھلی تو فرمایا: ''میں کس منہ سے روضہ اطہر پر جاتا۔(قارئین کرام! یہ کسر نفسی کی انتہا ہے جو ایک خاص اور بہت ہی قیمتی عطائے رب العالمین ہے، رب العالمین جَلَّ جَلَالُهُ کی نوازش ہے۔) پھر بہت دیر تک آپ آنسو بہاتے رہے۔کسی نے پوچھا دیدار رسول ﷺ ہو جائے تو بخشش کے دروازے کھل جاتے ہیں۔آپ نے فرمایا: اسوۂ رسول ﷺ میں زندگی ڈھال لو یہی دیدار مصطفیٰ ﷺ ہے۔(الحمدللہ! آپ نے چند الفاظ میں کتنی بڑی حقیقت بیان فرمادی ہے۔)

آپ (حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ) عشق رسول ﷺ کے اعلیٰ مدارج پر تھے پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُرنور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا اسم مطہر آتا تو آپ کے آنسو جاری ہو جاتے۔آپ پر فوری وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔اور پھر استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ کئی کئی گھنٹے خاموش رہتے۔

کسی اللہ کے بندے نے آپ کو ایک خط ارسال کیا جو 1920ء کے آغاز میں آپ کو ملا جس پر کوئی نام پتہ نہیں تھا۔

مضمون یہ تھا کہ دربار رسول مقبول ﷺ میں تمہارا ایک خاص مقام ہے جس کا علم تم کو نہیں ہے۔(ایک وظیفہ لکھا ہوا تھا) یہ پڑھا کرو تمہیں اس مقام کا علم ہو جائے گا۔ وظیفے کے الفاظ با قاعدہ خط میں درج تھے۔ کیونکہ نام پتہ نہیں تھا اس لئے آپ نے خط کی جانب کوئی خاص اہمیت و توجہ نہ دی اور وہ خط کہیں کھو گیا۔ اس خط کے چار ماہ بعد کشمیر سے ایک نوجوان پیرزادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملاقات ہونے پر آپ کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگا۔ وہ شخص بڑا شریف زادہ اور عبادت گزار معلوم ہوتا تھا۔ جب اس کے آنسو تھمے تو آپ نے فرمایا: ”بھائی! آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ اور میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ بڑی محبت اور شفقت سے آپ نے اس سے بات کی۔ وہ بولا مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کا مجھ پر بڑا اکرم ہے۔ میرے بزرگوں نے اللہ پاک کی ملازمت کی تھی میں اُن کی پنشن کھا رہا ہوں۔ میرے رونے کا سبب کوئی ضرورت یا خواہش نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے محبت سے پوچھا تو بولا، میں سرینگر کے قریب ایک گاؤں ”نوگام“ کا رہنے والا ہوں۔ وہاں میں نے ایک دن عالم کشف میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور سرکار دو عالم ﷺ کا دربار دیکھا۔ آپ ﷺ امامت پر کھڑے تھے۔ صف بندی ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”محمد اقبال آیا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا وہ محفل میں نہیں۔ اس پر ایک بزرگ کو حکم ہوا کہ وہ اقبال کو بلا کر لائے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا وہ بزرگ بے ریش نوجوان کو لئے آرہے ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ اس پیرزادے نے کہا میں آپ کا نام اور پتہ جانتا تھا۔ آپ کی شہرت بھی سنی تھی۔ مگر آپ کو دیکھا نہیں تھا۔ میں نے یہ واقعہ کشمیر میں مولوی نجم دین صاحب کو بتایا۔ انہوں نے آپ کی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے بھی آپ کو دیکھا تو نہیں تھا مگر آپ کی تحریروں اور اشعار کے بڑے معترف تھے۔ وہاں سے مجھے آپ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت میں کشمیر سے صرف آپ کو دیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ بہت لمبا سفر تھا۔ سرینگر سے لاہور لوگوں کے لئے بہت بڑا سفر ہے مگر میرے اشتیاق نے اس سفر کو آسان اور مختصر کر دیا۔ مجھے تصدیق کرنے کا شوق تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی امامت میں نماز ادا کرنے والے اقبال آپ ہیں یا وہ کوئی اور تھا۔ آپ یقین کریں میں نے جس کو دیکھا وہ بالکل آپ ہی تھے۔ آپ کو جس مرتبے پر میں نے دیکھا وہ آپ کے ماں باپ کی دعاؤں کا اثر ہے۔ اس پر آپ کے آنسو آ گئے اور وہ گمنام خط بھی آپ کو یاد آیا۔ اس خط کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کے لئے شرقپور شریف حاضر ہوئے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ چونکہ داڑھی منڈاتے تھے لہٰذا حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ اس پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”گناہ سے نفرت تو ہونی چاہیے لیکن گنہگار سے نہیں کیونکہ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پُرنور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے گنہگاروں سے نفرت نہیں کی اور نیز آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ نیک لوگ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہیں اور گنہگار میرے ہیں۔“ یہ بات سن کر حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ تڑپ اُٹھے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اس کے ساتھ ہی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو سینے سے لگا کر کہا کہ اس بات کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا اور پھر ان سے بہت پیار کیا اور جاتی دفعہ دروازے تک الوداع کہنے کے لئے آئے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ پر کوئی "روشن ضمیر" درویش آئے ہوئے تھے۔آپ کو معلوم ہوا تو آپ کے دل میں اُن سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔آپ اس بزرگ سے یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ جب مسلمانوں سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اقوامِ عالم میں سربلند رہیں گے تو پھر اب مسلمان اتنی پستی اور رذلت کا شکار کیوں ہیں؟ روز پروگرام بناتے کہ آج اس درویش روشن ضمیر سے ملاقات کے لئے جائیں گے مگر ہر روز تیار ہوتے ہوتے دیر ہو جاتی۔کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ایک دن صبح سویرے علی بخش حاضر ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، ایک بزرگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔آپ نے کہا لے آؤ۔ایک درویش صورت اجنبی آپ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔آپ نے کہا فرمائیے۔آپ نے مجھ سے کچھ کہنا ہے؟ بزرگ مسکرائے اور فرمایا میں نے تو کچھ نہیں کہنا لیکن آپ نے مجھ سے کچھ پوچھنا تھا۔یہ کہہ کر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا:

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند

تو نہ دانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

شعر سن کر علامہ محمد اقبالؒ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔جب ذرا سنبھلے اور آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔فوراً ہی علی بخش نے اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کی۔کئی جگہوں پر تلاش کیا مگر اس محترم بزرگ کا سراغ نہ ملا۔

علی بخش کے حوالے سے یہ بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات ایک بزرگ آپ سے ملنے آئے۔رات دو بجے تک راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔رات کے دو بجے اس بزرگ نے لسّی کی فرمائش کی۔علی بخش جگ لے کر نکلے۔سڑک پر ہو کا عالم تھا اچانک سامنے نظر پڑی تو ریلوے ہیڈ کوارٹر کے گیٹ کے پاس ایک بزرگ دہی کا کونڈا لگائے بیٹھے تھے اور لسّی بنانے والا سب سامان بھی پڑا تھا۔علی بخش نے لسّی بنوائی اور لا کر علامہ صاحب کو دے دی اور جا کر اپنے کمرے میں سو گیا۔

صبح اُسے خیال آیا کہ رات دو بجے لسّی کی دکان کھلی تھی شاید یہ کوئی نئی دوکان کھل گئی ہو۔وہاں گئے، اب جو وہاں گئے اور دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔علی بخش نے کئی دنوں تک حضرت علامہ صاحب سے اصرار کیا کہ وہ بزرگ کون تھے؟ آپ نے علی بخش کو ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر علی بخش بضد رہا۔پھر آپ نے فرمایا اس شرط پر بتاتا ہوں کہ تم قسم کھاؤ کہ میری زندگی میں کسی کو نہیں بتاؤ گے؟ علی بخش نے پکا وعدہ کیا تو آپ نے فرمایا: "جو بزرگ میرے پاس بیٹھے تھے وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جو بزرگ دہی کی دُکان لگائے بیٹھے تھے وہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔علی بخش نے بھی حسبِ ہدایت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ہی یہ انکشاف کیا۔

میاں محمد دین لاہور کے معروف خطاط تھے اور اپنے فن کے ماہر ترین فنکار تھے۔لاہور میں آپ کے سینکڑوں شاگرد ہیں میاں دین محمد کاتب بھی تھے اور درویش بھی تھے۔حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کتابت کا سارا کام اُن سے کرواتے تھے اور اکثر اپنی کوٹھی میں بٹھا کر اُن سے کتابت کرایا کرتے تھے۔وہ دروازہ بند کر کے کام کرتے تھے۔ایک دن اچانک دروازہ کھلا، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عجیب قسم کی جلالی کیفیت میں تھے۔چہرے پر عجیب تاثرات تھے، بڑے دبدبے سے فرمایا: دین محمد اگر میں مر گیا

تو تم میری قبر پر جا کر السلام علیکم کہنا میں انشا ءاللہ جواب ضرور دوں گا اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں تمہاری قبر پر جا کر السلام علیکم کہوں گا، تم مجھے جواب ضرور دینا۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی وفات میاں دین محمد سے پہلے ہوئی مگر وہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ سے کیا ہوا وعدہ بھول چکے تھے۔ ایک دن دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو اچانک انہیں وہ وعدہ یاد آ گیا۔ نوالا وہیں رکھ دیا اور فوراً اُٹھ کر حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے اور بلند آواز سے فرمایا: السلام علیکم یا علامہ صاحب! اتنی ہی بلند اور اسی انداز و آواز میں جواب ملا وعلیکم السلام دین محمد۔

مولوی ابراہیم سیشن جج تھے۔ انہیں آپ (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ) خواب میں ملے اور فرمایا: صبح ایک قلندر کا مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوگا اسے رہا کر دینا۔ دوسرے دن پولیس نے آوارہ گردی کے الزام میں پکڑے ہوئے ایک آدمی کو پیش کیا۔ اس پھٹے پرانے کپڑوں والے آدمی نے مولوی ابراہیم سیشن جج کے پیش ہوتے ہی اُن سے پوچھا، ہمارا قلندر آپ سے ملا تھا؟ اس پر جج صاحب کو رات کا وہ خواب یاد آ گیا انہوں نے فوراً خود ہی اس کی ضمانت کا انتظام کیا اور تاریخ ڈال دی۔ اور اگلی پیشی پر قلندر کو باعزت بری کر دیا گیا۔ جج مولوی ابراہیم نے اسی قلندر سے کہا کہ اپنے قلندر سے کہنا کہ ''مجھے اپنے وطن'' بلا لیں۔ اس کے اگلے ہی دن میری تبدیلی سیالکوٹ ہوگئی حالانکہ میں امرتسر جانا چاہتا تھا۔ مگر جس انداز سے میرا پیغام وہاں تک پہنچا اس سے سیالکوٹ کا تصور ہی سامنے آتا تھا۔

آپ اپنے دور کے صاحب ولایت و کرامت بزرگ تھے اور آپ کا زمانہ دور کا نہیں بلکہ ماضی قریب کا ہے۔ آپ بہت بڑے عالم تھے اور آپ نے شعروں سے خوبصورت حسین اور عالمانہ انداز میں قرآن کی تشریح کی۔ ولایت و کرامت اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی۔ مسلمانوں کی جوان نسل کو جگانے کا فریضہ آپ کو سونپا گیا تھا۔ اُمت مسلمہ کا درد آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اُمت مسلمہ کے درد کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے کلام میں خالق و مالک کائنات سے بھی یہ شکوہ کر دیا۔

رحمتیں ہوں تیری اغیار کے کاشانوں پر
اور برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو کام اس مرد قلندر کے ذمہ لگایا تھا وہ اُس نے رات دن ایک کر کے دل و جان سے پورا کیا اور مسلمانوں کی، انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک خوبصورت اور واضح منظوم کلام چھوڑ گئے۔

عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی رگ رگ میں ہی نہیں بلکہ رگ و پے اور رگ و جان میں بھی مکمل سرایت کر چکا تھا۔ آپ اس عشق کے متعلق فرماتے ہیں: (حسب سابق یہ بھی آپ کے فارسی منظوم کلام کا ترجمہ ہے)

جس خوش قسمت کو عشق مصطفیٰ ﷺ کی گراں بہا دولت نصیب ہوگئی۔ یہ کائنات بحر و بر اُس کے گوشۂ دامان کی وسعت سے زیادہ نہیں رہے گی۔ اس لیے کہ ملت اسلامیہ کی زندگی حضور پُر نور، سرکار دو عالم ﷺ کے عشق سے وابستہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ پوری کائنات کا حسن و جمال حضور ﷺ کے حسن و عشق کی خیرات ہے۔ حضور انور ﷺ ہی نے قدرت کے اُن سربستہ رازوں کو کھولا

جن پر ازل سے پردہ پڑا ہوا تھا۔انسان کی رُوح کو پیغمبر اول و آخر و اعظم، نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے عشق کے بغیر قرار نہیں مل سکتا۔یہ روح ہر وقت مضطرب رہتی ہے۔حضور پُرنور سرکار دو عالم ﷺ کا عشق ایسے دن کی مانند ہے جس کی تابانی اور تابنا کی کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔

اس دور کے بڑے بڑے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ایک دن حکیم احمد شجاع آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ بے حد پریشان تھے اور آپ پر اضطرابی کیفیت طاری تھی۔حکیم صاحب نے پوچھا، آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں اس لئے پریشان ہوں کہ کہیں میری عمر آقائے دو جہاں ﷺ سے زیادہ نہ ہو جائے۔آپ کی دُعا پوری ہوئی اور آپ نے سن عیسوی کے مطابق 61 برس کی عمر میں وفات پائی اور سن ہجری کے لحاظ سے بھی آپ کی عمر مبارک پورے 63 سال سے کچھ دن کم ہی تھی۔

آپ کا وصال 21 اپریل 1938 عیسوی بمطابق 21 صفر 1357 ہجری کو ہوا۔اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کا مقبرہ لاہور کی بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے بائیں جانب ساتھ ہی ہے۔دنیا کے دیگر ممالک سے جو سربراہانِ مملکت لاہور آتے ہیں وہ اپنے شوق سے تمام تر عزت و احترام کے ساتھ آپ کے مزار پاک پر ضرور حاضری دیتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت ھمی شاہؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی محمد دین ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی پیراں دِتّہ تھا اور آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حسین بی بی تھا۔آپ کا آبائی اسم مبارک تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔آپ نہ جانے کب سے ''ھمی شاہ'' کے مبارک لقب،اسم یا عرف سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور اب آپ اسی نام سے مشہور و معروف ہیں۔غالباً اوائل عمر سے ہی آپ نے معرفت الٰہی میں شاعری کی ہے اور اپنا تخلص ''ھمی شاہ'' رکھا ہے۔بہر حال ''ھمی شاہ'' چاہے آپ کا تخلص ہو چاہے لقب و القاب ہو یا اختیار کردہ اسم مبارک ہو،اب آپ اسی ''ھمی شاہ'' کے اسم مبارک سے جانے پہچانے جاتے ہیں یا بالفاظ دیگر اسی نام سے مشہور و معروف ہیں لفظ ''ھمی'' میں ہر لحاظ سے (شکل،حروف کا مجموعہ،ادائیگی کی آواز) بہت اسرار و رموز ہیں جو آپ نے اپنے بہت ہی کم خلفاءُ کو بتلائے ہیں۔مختصراً اور سادہ الفاظ میں ''ھمی'' کا مطلب یا اشارہ وجہ اللہ ہے،اللہ کی معرفت ہے،اللہ کی پہچان ہے۔پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور،سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کو ''ابن عربی'' کا نام دیا ہے۔اور آپ کا عطا شدہ روحانی لقب تجلی جو وارد الوجود اور وارد الروح بھی تھا وہ ''حق سِرہُ'' ہے۔

آپ صحیح معنوں میں اپنے وقت کے سلطان العارفین،سردارِ عاشقین،رہبر واصلین اور رہنمائے سالکین تھے آپ حقیقت و معرفت کے ''نوامی'' سرکار تھے اور اپنی ذات میں کائنات کے بھیدوں میں سے ایک درخشاں اور رہنما بھید تھے۔روحانیت،شریعت،طریقت و معرفت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا بلکہ آپ کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ خود اپنی ذات میں حقیقت و معرفت کے ایک عمیق سمندر تھے۔آپ ایک ان پڑھ یا اُمّی ہوتے ہوئے بھی ظاہری و باطنی یعنی کہ دنیاوی اور دینی علوم میں خوب دسترس رکھتے تھے۔آپ کا زہد،تقویٰ و توکل مثالی تھا۔اولیاء اللہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

آپ کی طبیعت میں جمال و جلال یکساں تھے۔عموماً آپ بہت نرم مزاج و طبیعت کے مالک تھے۔آپ کے خلق میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور ﷺ کے خلق عظیم کی خوبو رچی بسی تھی۔آپ بہت خوش اخلاق،صبر و تحمل اور برداشت والے تھے۔آپ تنہائی پسند تھے لیکن آنے والے سے تپاک و خلوص سے ملتے،اُن کی عزت افزائی کرتے اور بہت شفقت و محبت سے پیش آتے۔آپ دُنیا داروں اور دنیا داری سے ہر ممکن بچتے تھے۔اس بارے میں آپ بہت کم گو تھے بلکہ خاموش رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔

آپ بہت لمبی چوڑی بات چیت نہیں کرتے تھے۔آپ کا کلام یا بات کرنا بہت جامع تھا اور آپ بہت بڑی بات کو، مسئلہ کو، نکتہ کو چند الفاظ میں بیان فرما دیتے تھے۔کشف و کرامات کا بھی آپ ذخیرہ تھے۔کرامت پر یہی فرماتے تھے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔فقر میں آپ کا قدم ثابت اور مجاہدات میں آپ کی روش کامل تھی۔آپ بہت ہی اونچے پائے کے فقیر تھے اور آپ نے ساری زندگی حقیقی فقیری میں گزاری ہے۔آپ اوائل عمر سے ہی ہجرت میں رہے۔ آپ نے ضلع سرگودھا کے مختلف دیہات، گاؤں، چکوں اور خاص کر تحصیل بھلوال کے مختلف دیہات میں فقیری کی ہے۔آپ نے زندگی بھر کہیں کوئی ملکیت نہیں بنائی۔آپ کی ملکیت میں گھاس کا ایک تنکا بھی نہ تھا۔بس زندگی بھر فقیری میں اللہ توکل چلتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے روزی دیتا تھا۔آپ مسلسل ہجرت کرتے رہے یہاں تک کہ آخری عمر میں اس گاؤں میں آکر رُکے جہاں آپ کا وصال ہوا اور مزار مبارک ہے۔

آپ نے اس دوران اپنے اخلاق، کردار فقر، کشف و کرامات سے ہزاروں لوگوں کو راہِ راست، راہِ حق دکھائی اور کتنوں کو راہِ سلوک طے کرائی ہے۔آپ اوائل عمر سے ہی عشق رسول ﷺ میں غرق تھے۔جذب و مستی میں رہتے اور حق باھو، سچ باھو، اللہ ھو کا نعرہ مستانہ لگاتے۔آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو عشق رسول ﷺ اور معرفت الٰہی سے لبریز ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کا زمانہ بہت دور کا نہیں ہے بلکہ ہم سے صرف ایک نسل پہلے کا ہے۔آپ کی ولادت مبارک 1332 ہجری بمطابق 1904 عیسوی میں بروز جمعرات ہوئی۔سنِ ہجری کے لحاظ سے آپ نے 74 سال کی عمر پائی۔آپ کی جائے پیدائش چک نمبر 35 جنوبی (ملکھاں والا) تحصیل و ضلع سرگودھا ہے۔آپ ساری عمر ہجرت میں رہے اور آخری عمر میں آخر کار چک نمبر 23 شمالی (جھیرانوالی شریف) تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں قیام فرمایا اور اسی چک میں 29 ربیع الثانی 1396 ہجری بمطابق 29 اپریل 1976 عیسوی کو بروز جمعرات وصال فرمایا۔

حالات، مناقب، ارشادات:

آپ کے والد ماجد کا نام پیراں دِتہ اور والدہ ماجدہ کا اسم مبارک حسین بی بی رحمۃ اللہ علیہا ہے۔آپ کے والد محترم اور والدہ ماجدہ دونوں ہی اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل ہیں۔دونوں ہی سید، خلق خدا سے محبت کرنے والے اور لوگوں پر بہت مہربان طبیعت اور شفیق تھے۔آپ کے والدین کے مرشد حضرت چراغ شاہ صاحب قادری تھے۔آپ بہت اعلیٰ پائے کے بزرگ تھے۔حضرت پیراں دِتہ اور حضرت حسین بی بی رحمۃ اللہ علیہا کو اپنے مرشد سے بہت لگاؤ تھا، ان کا بہت احترام تھا اور حضرت پیراں دِتہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پُرشوق معمول تھا کہ سال میں کم از کم ایک دفعہ اپنے مرشد سے دعوت قبول کرواتے، دعوت منظور کرواتے اور پھر انہیں بہت تپاک سے بلاتے۔

اُن کی آمد مبارک پر جی کھول کر خرچ فرماتے۔اپنے سارے گاؤں سمیت اردگرد کے اور قریبی گاؤں والوں کو بھی دعوت

دیتے، مدعو فرماتے۔علمائے کرام اور صوفیاً کو بھی بے حد محبت سے بلواتے اور اُن کی خدمت کرتے۔اس کے ساتھ ہی غرباًو مساکین کے لئے شب روز دعوت خاص ہوتی اور اُن کی تواضع اپنی شان سمجھتے۔اس دعوت میں ذاکر اور ہنر مند لوگ بھی شامل کیے جاتے تھے یا وہ شریک ہوتے تھے۔

آپ کے والد ماجد کا فرمانا ہے کہ میرے گھر میرا بیٹا محمد دین عرف ھمی شاہ میرے مرشد کامل حضرت چراغ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں سے پیدا ہوا۔بفضل رب العالمین، مرد کامل حضرت چراغ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کے طفیل اس سرزمین پر حضرت محمد دین عرف ھمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشنگانِ معرفت، عشاق شمع و نور و فقر محمدی ﷺ اور طالبان حق کے لئے رہبر کامل، ہادیٔ اکمل، رہنمائے عارفین و کاملین اور نمونہ اتباعِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بن کر جلوہ افروز ہوئے۔آپ کے والد ماجد جو پہلے ہی اپنے مرشد کے عاشق صادق تھے اس عطائے خصوصی کے بعد وہ اور بھی اپنے مرشد کے عشق و عقیدت میں اور بھی سرمست رہنے لگے اور اُن کی شان میں اکثر یہ کلمہ پڑھنے لگے:

"اللہ بن آیا انسان، ہادی بن آیا انسان، وہی داتا وہی رحمٰن، میرے رب کی انوکھی اونچی شان۔"

یہ الفاظ آپ کے والد ماجد اس حدیث و آیت کے مصداق فرماتے تھے:

الانسان سری و اناسرّہٗ۔یعنی کہ انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں۔

اور سورۂ رحمٰن کی آیت:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلَّ يَوْمٍ هُوَفِيْ شَاْنٍ۔

ترجمہ: اسی سے مانگتے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں، اسے ہر دن ایک نیا کام ہے۔

اور سورۂ آل عمران آیت 26:

اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌO ترجمہ: بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ بھی کامل ولی اللہ تھیں۔آپ اکثر مراقبہ و استغراقِ نور وحدت میں رہتیں۔حاضرین کو فرمایا کرتیں بیٹا یہ دُنیا فانی ہے، چند دن کی ہے اور ہم بھی اس پر چند دن کے مہمان ہیں۔یہ دُنیا دار العمل ہے اس میں اپنی آخرت کے لئے محنت کر لیں۔آخرت ابدی ہے لافانی ہے اور دنیا کی قدر و قیمت اس کے مقابلے میں ایک تنکے جیسی ہے۔یہ دُنیا حضور پُر نور، پیغمبر اول و آخر و اعظم، نبی کریم رؤف و رحیم، سید المرسلین، اصل الموجودات، خاتم النبیین ﷺ کے صدقے بنی ہے اور پنجتن پاک، حضرت غوث الاعظم اور حضرت حق باھو سلطان رضی اللہ عنہم جیسی عظیم و مقدس ہستیوں کے صدقے و طفیل قائم ہے۔

آپ اکثر آنکھیں بند رکھتیں اور کائنات کے اسرار و رموز دیکھتیں۔ایسے ہی لمحوں میں کبھی کبھی فرماتیں: "ہم بھی حضور پُر نور ﷺ کی کچہری، محفل و مجلس کی زیارت ہوئی ہے۔حضرت غوث الاعظم اور حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نوری سفید گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں اور میرے لختِ جگر حضرت ھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اُن کے ہمراہ ہیں۔وہ اس سے بہت پیار کرتے ہیں اور

فرماتے ہیں کہ یہ میرا فرزند ولیوں میں سلطان ہوگا۔

آپ خاندان کے لحاظ سے جٹ سیال ہیں۔آپ کا سلسلہ نسب صلبی حضرت محمد دین عرف ھمی شاہ بن حضرت پیراں دتہ بن حضرت بختاور بن حضرت جیوار رحمۃ اللہ علیہ............سے بن در بن آگے بڑھتے ہوئے حضرت زبیر بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

اور آپ کا سلسلہ نسب روحانی یوں ہے:

حضرت ھمی شاہ۔حضرت محمد اکبر سلطان ۔حضرت محمد افضل سلطان ۔حاجی اللہ بخش۔حاجی محمد بخش۔حضرت باھو برخوردار۔حضرت غلام باھو۔حضرت حافظ محمد۔حضرت محمد حسین۔حضرت ولی محمد۔حضرت سلطان باھو۔حضرت بزید محمد۔حضرت عبدالرحمٰن۔حضرت عبدالجلیل ۔حضرت عبدالبقاً ۔حضرت عبدالستار۔حضرت عبدالفتح ۔حضرت نجم الدین ۔حضرت یحییٰ ۔حضرت عبدالجبار۔حضرت عبدالرزاق ۔حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی۔حضرت بوسعید مہراں ۔حضرت ابوالحسن ۔حضرت ابوالفرح ۔حضرت عبدالواحد۔حضرت شبلی ۔حضرت جنید بغدادی۔حضرت سری سقطی ۔حضرت معروف کرخی ۔حضرت داؤد طائی ۔حضرت حبیب عجمی ۔حضرت حسن بصری۔حضرت علی شیر خدا مشکل کشا کرم اللہ وجہہٗ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

درحقیقت حضرت محمد دین المعروف حضرت ھمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شکم مادر سے ہی کامل و لی عارف تھے،اور اس حقیقت کا ثبوت آپ کے بچپن اور لڑکپن یا نوجوانی کے ایام کے واقعات وحالات سے ملتا ہے۔آپ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے وہاں مخلوق خدا کے لئے باعث فیض و رحمت ،مظہر شان فقر محمدی اور شوق الٰہی بنتے۔آپ کے چہرہ مبارک سے نور پھوٹتا تھا اور بچپن سے ہی آپ پر نور محمدی بہت عیاں تھا، بہت نمایاں تھا۔پیشانی مبارک سے نور کی شعائیں نکلتیں تھیں اور دور دور سے لوگ پیدائشی ولی کی زیارت کرنے آتے تھے۔تقریباً جب آپ کی عمر 15 یا 16 سال تھی تو آپ ایک عرس میں شمولیت کے لئے مقام نوشہرہ نزد جلال پور جٹاں ضلع گجرات تشریف لے گئے ۔ایک دو بزرگوں سے وہاں آپ نے حاضر ہو کر گزارش کی کہ مجھے فقیر بنا دو۔ انہوں نے آپ کا پُر جمال چہرہ دیکھ کر فرمایا کہ بیٹا آپ کی منزل بہت بلند ہے اور آپ کسی بہت ہی برگزیدہ ہستی ،عارفوں کے سلطان سے فیض یاب ہوں گے۔

اسی دوران آپ نے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی شان مبارک میں کسی قوال کے بول سنے جس میں یہ بتایا جارہا تھا کہ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ علیہ مصیبت زدہ لوگوں کی ،مدد طلب کرنے والوں کی ان کے دلیس میں (یعنی کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہاں پہنچ کر)امداد کرتے ہیں۔

اسی دن آپ نے اپنے رب سے التجا کی کہ رب کائنات ،قادر مطلق میرا رابطہ اس مبارک ومقدس ہستی سے کرا دے۔ رب کائنات نے دُعا سن لی اور اسی دن سے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلق ظاہر و باطن میں استوار ہو گیا۔آپ ہر وقت ’’حق باھو سچ باھو‘‘(اس کا مطلب ہے میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔اور اللہ ہی سچ ہے۔اللہ ہی حق ہے۔) کا ورد پکارتے اور

دن رات عالم مستی میں "اَللّٰہ ھُوْ" کے نعرے لگاتے ۔آپ کو دیدار پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُرنور، حضور انور، اصل الموجودات، فخر کائنات، ہادی دو جہاں، رہبر انس و جاں، سید المرسلین، خاتم النبیین، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نصیب ہوا۔ آقائے دو جہاں، رسول کائنات ﷺ نے آپ کو باطن میں بیعت کیا، آغوش میں لیا اور "ابن عربی" کے لقب سے نوازا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دیدار مبارک سے بھی مشرف ہوئے اور حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے جودوکرم سے نوازا اور پھر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا۔

آپ کے لڑکپن یا نوعمری کے زمانے میں آپ اپنے والدین کے ہمراہ چک 15 جنوبی، تحصیل و ضلع سرگودھا میں عارضی طور پر مقیم تھے تو حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد پاک سے اس وقت کے گدی نشین حضرت محمد اکبر سلطان رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لائے ۔آپ کی والدہ ماجدہ نے اپنے لخت جگر حضرت محمد دین المعروف ھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے سپرد کیا، حضرت محمد اکبر سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت فرمایا۔ چند سالوں میں ہی حضرت ھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال بہ عجز و نیاز حاضری و خدمت، وارفتگی عشق و محبت رنگ لائی اور حضرت محمد اکبر سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ یعنی مرشد کامل نے آپ کی شان میں تین مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر یہ فرمایا: "میرے خلیفہ ھمی شاہ صاحب کی بہت بڑی شان ہے۔ یہ مجھے ہزاروں میلوں پر، ایک ایسے مقام پر، روحی و جود لے کر ملے ہیں کہ جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا اور فرمایا میرے سینکڑوں خلفاء اور ہیں لیکن ھمی شاہ کے معیار کا کوئی نہیں اور فرمایا کہ حضرت ھمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کامل ولی اللہ اور عارف باللہ ہیں۔

آپ اُمی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمی ولی ہیں۔ والدین پاک کے ساتھ بھی ہمیشہ ہجرت میں رہے کہ ضلع سرگودھا کے مختلف گاؤں میں قیام فرماتے رہے۔ چند سالوں بعد ایک سے کسی اور دوسرے گاؤں یا چک میں ہجرت فرماتے رہے۔ والدین پاک کے بعد بھی آپ کسی ایک جگہ مقیم نہیں ہوئے بلکہ ہر چند سالوں بعد ہجرت فرماتے رہے۔ یوں فقیری میں گھومتے پھرتے آپ تحصیل بھلوال کے مختلف چکوں یا گاؤں میں رہے اور بالآخر آپ وہاں آٹھہرے جہاں پر اب آپ کا روضہ مبارک جلوہ گر ہے۔

ایسے حالات، ہجرت و طبیعت میں سکول سے درس و تدریس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے دنیاوی تعلیم تو حاصل نہ کی لیکن آفاقی تعلیم، علم لدنی، سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے علم سے آپ نوعمری سے ہی اس قدر مالا مال تھے کہ مجھ جیسے کوتاہ بینوں کے بیان سے باہر ہے بلکہ سراسر باہر ہے، یعنی کہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اس ضمن میں میں (راقم الحروف) یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی اور ظاہری بیعت میں صرف دونوں کا فرق ہے مہینوں یا سال کا فرق نہیں۔

آپ پیدائشی ولی تھے اس لئے اوائل عمر میں بیعت ہوتے ہی آپ کو حضور پُرنور، پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ اور اللہ کے رسول کریم رؤف و رحیم و قاسم ﷺ کے صدقے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو تمام علوم کے شہر کا واحد دروازہ ہیں۔ آپ نے علم لدنی عطا فرمایا اور پھر غوث الاعظم پیران پیر دستگیر سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا۔ آپ نے مزید علم و علوم سے نوازا اور پھر مزید رہنمائی کے لئے سلطان العارفین

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے فرمایا۔

آپ کو عطا کردہ علم لدنی کا یہ عالم تھا کہ آپ کو اردو، پنجابی زبانوں کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں پر بھی دسترس حاصل تھی اور آپ کبھی کبھی پڑھے لکھے عقیدت مندوں کے ساتھ، طالب علموں کے ساتھ یا انگریز طبیعت لوگوں کے ساتھ انگریزی زبان میں گفتگو فرمالیا کرتے تھے۔ جب سلسلہ باطن سے دائمی حضوری مجلس پیغمبر اول و آخر واعظم حضور پُرنور محمد مصطفیٰ ﷺ نصیب ہوئی تو دن رات نئے نئے علوم، اسرار و رموز خفی و جلی حاصل ہونے لگے اور باطنی فیوض و برکات سے لبریز فقر محمدی سے سرشار اعلیٰ درجات نصیب ہوتے چلے گئے۔

واردات روحی قلبی ہر لمحہ ہر آن جاری رہتیں۔ آپ نے بظاہر کسی استاد یا مدرسہ سے علم حاصل نہیں کیا تھا بس یہ علم لدنی جو آپ کے باطن میں، آپ کی روح میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر اول و اعظم و آخر حضور پُرنور، حضور انور، نبی کریم رؤف و رحیم و قاسم ﷺ نے ودیعت کر دیا تھا اور اُسی کے طفیل آپ نے وقتاً فوقتاً اپنی ذکر و اذکار کی محفلوں مجلسوں میں پنجابی، فارسی، اردو اور عربی زبان میں فی البدیہہ معرفت سے پُر ایسے ایسے اشعار کہے کہ سننے والے عش عش کرتے رہتے۔

حضرت ٹھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ جو فیض مصطفوی سے سرشار تھے شب و روز مختلف مختصر خوبصورت اور جامع کلمات حمیدہ و پاکیزہ میں ورد فرماتے، اپنے رب کو، رب العالمین کو پکارتے اور ہمہ وقت اس کی حمد و ثنا میں لگے رہتے۔ آپ کی آواز نہایت پُرسوز اور بلند تھی۔ اکثر راتوں کو آپ اپنے گاؤں سے ایک دو کلومیٹر دور چلے جاتے جہاں آس پاس کی نو آبادیاں یا دوسرے گاؤں یا چک بھی ایک کلومیٹر دور ہوتے، وہاں تنہائی میں اپنے رب کو پکارتے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کی شان میں اپنے کلمات و اشعار میں نعت خوانی کرتے۔ عشق الٰہی، عرفان و فقر محمدی اس قدر غالب تھا کہ جناب پر رقت طاری ہو جاتی۔ ساری ساری رات ذکر الٰہی فرماتے اور یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے۔ الحمد للہ! جو کوئی بھی اس حالت ذوق و شوق، وجد و استغراق میں آپ کا دیدار کرتا وہ آپ کا عقیدت مند ہو کر رہ جاتا۔ آپ ''حق باھو سچ باھو'' کا ورد بھی بہت زیادہ کیا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت و اُنس تھا۔ آپ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں اشعار، ابیات، قصیدہ جات اور مدح لکھتے اور اُنہیں بہت خوش الحانی سے پُرسوز آواز میں پڑھتے۔ زندگی کے آخری سالوں میں تو آپ دنیاوی بات چیت سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے۔ نفسانی گفتگو بالکل پسند نہیں کرتے تھے، برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ ہر وقت حضوریِ رسالت مآب ﷺ میں رہتے تھے اور معتقدین، مریدوں اور زیارت کے لئے آنے والوں سے بھی آپ یہی چاہتے تھے کہ باتیں ہوں تو اللہ اور رسول ﷺ کی ورنہ خاموشی بہتر ہے۔

آپ نے اپنے ہاتھ سے درجنوں رجسٹروں پر علم معرفت لکھا ہے یا یوں کہہ لیں درجنوں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کے لکھے ہوئے کلام و علم کو شوقین عقیدت مند گزشتہ دو دہائیوں سے کتابی شکل دے رہے ہیں۔ متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں اور کئی کتب برائے اشاعت مرتب کی جارہی ہیں اور باقی ماندہ قیمتی عارفانہ مواد کو بھی چھانٹا جارہا ہے تاکہ اُسے بھی مختلف کتابوں کی شکل

میں چھپوادیا جائے۔جو کتابیں چھپ چکی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔عرفان ھمی شاہ صغیر۔ھمی ڈھولا۔درود شریف وصالی۔نہ قصر فاری نغمات قدس۔دیوان پنجابی۔ھمی سراج اور شجرہ شریف۔

آپ کے چند اشعار نمونہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ہر شعر یا ابیات معرفت کا ایک سمندر ہے۔

حق ہرڑھ ایں فیض عالم، گنج بخشے شاہ وگدا
نور مظہر ذاتِ ربی، ہر کہ من حاجت روا

لوح قلم ہے عرشوں کرسی ایہہ منزل مندر انسانی
عارف دی گل عارف جانے کی جانن نفسانی

تیرے اندر راز ہزاراں وچ لوں لوں چشماں لکھاں
نین قلب وچ راز قدیمی صاحب کھیڈے وچ اکھاں

روح نے کیہا روح نوں روح دل روح لے جا
ھمی شاہ واحد نور چراغ دی اے سب نازِ ادا

روح نور نبی وچ نـخـنُ ڈھولا روپ انسان وکھایا
ھاھُ ھو دانقشہ آدم عشقوں سانگ رچایا

جس بندے وچ رب نہ ڈٹھا اُوسے نوں شیطان آکھن
جس نے اوس نوں سجدہ کیتا اُس دی نوری شان آکھن

بندے وچوں رب یارا انجیں جاندا اے ویکھیا
عشقے دا دھواں یارا انجے جاندا اے سیکیا

عاشقی یک عاشق ومعشوق من چہرہ کشا عاشق ومعشوق دل کشا مہر ووفا
ہژدہ ہزار عالم درجامِ جم صبغۃ اللہ نشا خمسۃٌ میزو ھمی اللہ گنج بخش فیض عالم شفا

دہ کمان ھمی شاہ پھوکے ڈنکا اے نورنگ کاری دا
کُنْ فرما کے فَیَکُونوں آیا یابَلٰی پکاری دا

فضیلتِ ذکر الٰہی کے بارے میں حضرت ھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے طالب حق، اے طالب مولیٰ یہ جان لے کہ ذکر الٰہی میں بے حد فضیلت ہے۔ذکر تجھے ذاتِ کبریا کے نور، قرب، تجلی انوار اور مشاہداتِ نور ربانی سے تیرے سِرّ ، روح، قلب، نفس حتیٰ کہ رُوآں رُوآں، مُومُو، بال بال کو منور کر دے گا اور آقائے کائنات، پیغمبر اول و آخر و اعظم، ہادی دو جہاں، رہبر کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین، اصل الموجودات، حاصل کائنات، حضور پُرنور، حضور انور، نبی کریم رؤف و رحیم، قاسمِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے مستفیض فرما کر تجھے مجلس محمدی میں دائم حاضر حضور کر دے گا۔تمام اذکار سے افضل ذکر کلمہ طیبہ ''**لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ**'' ہے۔

جو دل ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔اس کا دل ذکر الٰہی میں جنبش کرتا ہے اور نور الٰہی کے فیض و رحمت کے سبب ظاہری و باطنی نعمتوں سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے۔اس پر معرفت الٰہی منکشف ہوتی ہے۔ایسا ذاکر دل اسم ذات ''**اللّٰہ**'' اور کلمہ طیبہ کے ذکر پاک سے خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے اور اس کی روح عرش اعظم پر اللہ و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور وصل و تجلّی سے شرف یاب ہوتی ہے۔

اے راہِ حق کے طالب ذکرِ جہر سے، خاموشی کے ذکر سے، دل ہی دل میں کے ذکر سے، بے حرکت و آواز کے ذکر سے دَم، قلب، روح، سِرّ عین صدر و قلب، نفس حتیٰ کہ رُوآں رُوآں بال بال مُومُو ذاکر ہو جاتے ہیں اور ذاکر کا وجود یا سوتی تمام نفسانی اور دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے اور عالم ملکوت، عالم جبروت عالم لاھوت، عالم ھاھوت اور عالم ھُو میں بتدریج مراتب طے کر کے واصلِ نور محمدی و مستغرقِ وحدت ہو جاتا ہے۔ذکر الٰہی سے بے بہا لذت حاصل ہوتی ہے اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ اپنے بیان کے حق میں قرآنی آیات مبارک اور احادیث پاک بڑی فراخی سے فرماتے تھے۔

آپ صبر و تحمل کا مجسمہ تھے جب کبھی آپ پر جذب و مستی کا دور آتا تو آپ مست اَلست، اللہ کی یاد میں مصروف، نیچی نگاہ کئے آبادی سے دور گھومتے رہتے۔خالق و مالک کائنات نے آپ کو یہ اعزاز بھی بخشا ہے کہ آپ سے ایسے کام بھی لئے ہیں، کروائے ہیں جن کا ذکر مبارک سورہ کہف کی آیات 59 اور 82 کے درمیان فرمائے گئے ہیں۔میں وہ واقعات یہاں بیان نہیں کروں گا کیونکہ وہ تکوینی نظام کا ایسا حصہ ہیں جو عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اور ظاہراً بھی شرعی حدود سے باہر ہوتے ہیں۔میرا یہاں یہ ذکر کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہی بتانا ہے کہ عوام الناس اولیاء اللہ کے عشق حقیقی، مراتب و درجات کو جانیں اور سمجھیں اور ان کا دل و جان سے ادب و احترام کریں اور ان سے مستفید ہوں اور فلاحِ دارین حاصل کریں۔ہاں جو بات میں بتا رہا تھا وہ یہ ہے کہ آپ بہت زیادہ صبر و تحمل والے تھے اور جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ تھے اور جلال میں بہت کم آتے تھے۔اور جب کبھی جلال میں آجاتے تو ایک ہی فقرے سے رب کائنات اگلوں کے، گستاخوں کے گھٹنے ٹکوا دیتا تھا۔

ہوا یوں کہ ایک دفعہ آپ گاؤں کے کھیتوں میں، مست اَلست، یادِ الٰہی میں مصروف، نیچی نگاہ کئے گھوم رہے تھے کہ آپ کے قریب سے گاؤں کی چند عورتوں، لڑکیوں کا گزر ہوا۔اس وقت گاؤں کے ایک زمیندار نے آپ کی شان میں ایک نازیبا فقرہ کہہ دیا جو آپ نے سن لیا۔عورتوں کے گزر جانے کے بعد آپ نے زمیندار پر جلالی نگاہ ڈالی اور صرف اتنا ہی کہا ''اوئے اے توں

کی گل آکھی اے زمیندارا؟" اتنا کہہ کر آپ راہ چل پڑے اور زمیندار اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔لیکن اس زمیندار پر ہول اس قدر طاری تھا کہ دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ وہ گھبرا کر راستے ہی میں گر پڑا۔اس کے عزیز و اقارب اُٹھا کر اسے گھر لے گئے اور طبیعت کا پوچھا تو اس زمیندار نے کہا "مجھے فوراً چارپائی پر ڈال کر فقیر کے پاس لے چلو۔دیر کردی تو میں مر جاؤں گا۔میں نے آج فقیر کی شان میں گستاخی کی ہے اور انہوں نے مجھے دیکھ کر یہی کہا کہ اوئے اے کی گل آکھی اے زمیندارا۔بس اسی سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔میں شدید اضطراب میں ہوں مجھے فوراً لے چلو کہ میں فقیر کے پاؤں میں پڑ کر معافی مانگ سکوں۔آپ نے دور سے ہی چارپائی لانے والوں کو کہہ دیا کہ میں نے اسے معاف کردیا ہے،اسے گھر لے جائیں،انشاءاللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔

ہر ولی اللہ کی طرح آپ کے کشف و کرامات بھی بہت ہیں لیکن حسب معمول میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف ایک دو کا بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔آپ کے مرشد حضرت شاغ شاہؒ کا ایک چاہنے والا،معتقد تھا جس سے آپ کے مرشد پاک حضرت چراغ شاہ قادریؒ کا بھی لگاؤ تھا۔وہ ایک دو سال پہلے بسلسلہ سیاحت و روزگار ایران چلا گیا۔وہ اکیلا تھا اُسے وہاں کوئی مناسب روزگار مل گیا اس لئے وہ ایک دو سال سے وطن نہ آسکا تھا۔ایک دن آپ (حضرت ھمی شاہؒ) اپنے مرشد کے پاس تشریف فرما تھے کہ آپ کے مرشد نے ایران چلے جانے والے معتقد یا دوست کے بارے میں ذکر کردیا۔اور وہ ذکر بھی اس انداز سے کیا کہ جیسے آپ کے مرشد حضرت چراغ شاہ قادریؒ ایران چلے جانے والے اپنے معتقد یا دوست سے ملنے کا شوق یا خواہش رکھتے ہوں۔

جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ میرے مرشد پاک اپنے اس مرید یا دوست سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں تو آپ کچھ دیر کے لئے بے قرار سے ہو گئے اور کچھ لمحات سوچ کر اپنے مرشد پاک کی جناب میں گزارش کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو ایران والے معتقد یا دوست کو حاضر خدمت کردوں۔آپ کے مرشد پاک نے آپ کو بخوشی اجازت دے دی۔پھر کیا تھا آپ نے قادر مطلق سے رجوع کیا اور کچھ دیر بعد مرشد پاک سے باادب کہا،حضور!وہ معتقد یا دوست انشاءاللہ ایک گھنٹے بعد حاضر خدمت ہو جائے گا۔اور پھر ایک گھنٹے بعد وہ آپ کے مرشد حضرت چراغ شاہ قادریؒ کے حضور حاضر ہو گیا۔ملاقات کے کچھ دیر بعد حضرت چراغ شاہ قادریؒ نے اس سے پوچھا کہ ایران سے کب آئے؟اس نے جواب دیا کہ میں ابھی تو وہیں اپنے گھر میں تھا نہ جانے کس نے مجھے اُٹھا کر یہاں پہنچا دیا ہے۔

کرامات و علمِ غیب کے متعلق حضرت ھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے طالب مولیٰ!جب ہر حرکت قوت و برکت ذات کبریاً کے اذن سے ہے۔روح اپنی پھونکی یا ڈالی۔صورت آدم کو شکل نور ذات محمدی بخشی۔احسن تقویم فرمائی۔شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب۔قلب اپنا گھر بنایا۔نفس و جان کے بیچ انسان کو اپنا بھید فرمایا۔اور ذات کبریاً نے اپنا ہر جگہ حاضر و ناظر،موجود ہونا فرمایا اور فرمایا کہ ایک ذرہ بھی ایک پتہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا تو پھر یہ تمام کرامات بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہی منسوب ہیں اور اسی کے فضل و کرم سے انسانی فطرت و سیرت میں

ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

مزید فرماتے ہیں! اے طالب مولیٰ ہر حرکت، برکت قوت ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ہے۔آدمی خاک کا پتلا اور ایک قطرہ حقیر سے پیدا ہوا ہے۔یہ کرامات اللہ کے طفیل ہیں۔اللہ والوں کے پاس اپنا یا غیر کا ثبوت نہیں ملتا۔ان کی ہر بات قول و فعل، سیرت وخوراک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی ثبوت ملتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ جناب کی دعا سے یہ کام ہو گیا مگر آپ جواب میں فرماتے یہ تو اللہ کے فضل سے ہوتا ہے بندہ تو کچھ بھی نہیں۔اور اپنے فرمان کی تائید میں قرآنی آیات کا حوالہ بکثرت دیتے۔ فرماتے جیسا کہ قرآن کریم فرقان حمید میں ارشادات ربانی ہیں۔سورہ نجم آیات 3 اور 4۔ترجمہ:"وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے مگر وحی کے مطابق۔سورہ فتح آیت 10۔ترجمہ: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔سورہ انفال آیت: 17 ترجمہ: اور اے محبوب! وہ مٹی جو تم نے پھینکی تھی، وہ تم نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پھینکی۔اور کئی آیات مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات مقدس وعالی ہی کی طرف حرکات وسکنات وافعال کا صادر ہونا فرمایا ہے۔

اس سے متعلق حضرت ھمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابیات میں یوں فرماتے ہیں:

کرم،کرامت لوڑنہ میٹھوں ہے کرم ،کرامت مولی
چوہے بندیاں دے گھر پیدا کرداہن بھنداشاہ دولا
قم باذنی کہہ آپ اُٹھادے وچ نام شمس دا رولا
ھمی شاہ ریت کفاراں تے آپ ڈالے وچ نام محمداولا

بنسری دے مُنہ تے مُنہ دھرکے اوپھونکاں مارو جاوے
نام بنسری داپھونک کسے دی اواپناراگ سناوے
انگ وی اُسدے رنگ وی اُس داسانوں،جنسی پئی بھرماوے
ھمی شاہ سائیاں ایہہ تن خالی لکڑی بن اُسدے کدگاوے

صورت اللہ تے روح وچ عکسی ہے تن جس دا پرچھاواں
عکس تیرے وچ عکس سجن داہے اِکّونورسجاواں
اصل ہلے تاں ہل وااے سایہ سب حرکت اُسدی پاواں
ھمی شاہ جنبش نورِعشق ازل داآئینہ تن دکھلاواں

قارئین کرام! درج ذیل پر تعجب کا اظہار نہ کریں۔اس حقیقت کا ذکر میں اس کتاب کے شروع میں کر چکا ہوں اور "اللہ

کی راہ'' کو بھی قرآن حکیم فرقان مجید کی آیات مبارک سے خوب وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ اولیاء اللہ اپنے قول وفعل میں اس قدر، اس درجے سچے اور راہ راست پر ہوتے ہیں کہ میں یہ سو فی صد یقین اور ایمان کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد اُمت مسلمہ میں اُن ہی کا درجہ ہے، مقام ہے۔ ان کی تو ساری عمر ہی اور عمر کا پل پل اللہ کی راہ میں گزرتا ہے یہ گروہ، یہ لوگ جیتے جی اللہ کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور ان کی پُر خلوص محنت ومحبت کے عوض انہیں وہ خفیہ صلاحیتیں عطا کر دی جاتی ہیں جو اس کائنات عظیم میں اُن کے فرائض کو ادا کرنے کے لئے ضروری ہیں اور جن کا عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے ''حق سرّ ھُ'' کی سند پائی اور ''نو نامی'' کے درجات کو عبور کیا۔

کیونکہ اولیاء اللہ کی ساری زندگی قرآن وسنت کے مطابق پُر خلوص اتباع پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ میں گزرتی ہے اس لئے یہ مرتے نہیں ہیں بلکہ شہیدوں کی طرح دنیا سے دنیا والوں سے پردہ فرما جاتے ہیں اور پردہ فرما جانے کے بعد بھی دنیا میں حاصل شدہ روحانی مقام و درجات کے تناسب سے کائنات اعظم میں، ساری کائنات میں مصروف کار رہتے ہیں۔ یہاں میں یہ بھی بتا دوں کہ میں ایک ایسے ہی اور بزرگ کو جانتا ہوں جو حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سمیت اب تک نصف درجن سے زائد اولیاء اللہ کی قبروں میں بحکم خدا داخل ہو کر ملاقاتِ بالمشافہ کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ معرفت کی زبان میں اس عمل کو ''قبر پر سوار ہونے'' کی اصطلاح کہا گیا ہے۔

حضرت چھمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد وطریقہ روحانی کے عین مطابق کئی اولیاء اللہ کی قبور پر شہسوار ہوئے اور کئی مرتبہ بالمشافہ عالم حاضرات میں گفتگو کی اور بے بہا رموز و اسرار سے سرشار ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے حضرت غوث الاعظم ؓ، حضرت عثمان علی ہجویری اور حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہا جمعین کی ارواح مقدسہ ظاہری وجود میں حضرت چھمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اکثر اوقات ہمکلام وہمسفر ہوتیں۔

آپ کے علم غیب کے بارے میں صرف تین چار مثالیں دوں گا یا تین چار ایسے واقعات کا ذکر کروں گا کہ جو آپ نے ان کے وقوع پذیر ہونے سے بہت پہلے اپنے ایک ذاتی رجسٹر میں اندراج فرما لئے تھے۔ وہ رجسٹر دوسرے ان رجسٹروں کی طرح جن پر آپ علم معرفت، اشعار و ابیات، پند ونصیحت لکھتے رہتے تھے اہل مجلس اور سب مریدوں کے سامنے موجود ہوتے تھے کہ کوئی اُن سے مستفیض ہونا چاہے تو ہو لے۔ اب بھی وہ رجسٹر موجود ہیں اور کوئی ان میں لکھے ہوئے کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔

۱۔ آپ نے اپنے بڑے بیٹے کا نام، دن، مہینہ، سن اور تاریخ پیدائش اس کی پیدائش سے تین چار سال پہلے ہی اپنے ایک رجسٹر میں درج فرمائی تھیں اور یہ پیش گوئی حرف بہ حرف سچی ثابت ہوگئی۔

۲۔ آپ نے اپنے دوسرے بیٹے کا نام، دن، مہینہ، سن اور تاریخ پیدائش بھی اسی طرح سالوں پہلے ہی اسی رجسٹر میں درج فرمائی تھیں اور یہ پیش گوئی بھی حرف بہ حرف سچی ثابت ہوگئی۔

۳۔ اور اسی طرح آپ نے اپنے روحانی خلیفہ کا نام، اس کی حاضری (پہلی دفعہ خدمت میں حاضری بغرض زیارت اور آپ

کی مریدی اختیار کرنے کے لئے) کا دن، تاریخ، ماہ وسال اس کی آمد سے گیارہ سال پہلے اپنے رجسٹر میں اندراج فرما لیا تھا۔

۴۔ اور آمد برائے حاضری و مریدی والے دن، اس روحانی خلیفہ نے آپ کے صحن کے دروازے یا دہلیز سے ایک پاؤں ہی اندر رکھا تھا اور ابھی دوسرا پاؤں باہر تھا کہ آپ نے آنے والے کا نام لے کر کہا کہ الحمدللہ تم آگئے ہو۔ تمہارا پیغام آمد (روحانی) مجھے رات مل گیا تھا اور پھر وہ رجسٹر دکھلایا جس میں آپ نے اپنے روحانی خلیفہ کی آمد، نام، تاریخ وسن گیارہ سال پہلے ہی لکھ دیا تھا۔

۵۔ آپ نے پردہ فرما جانے سے مہینوں پہلے ہی اپنے روحانی خلیفہ کو وقت، دن، تاریخ و ماہ سے آگاہ کر دیا تھا اور ساتھ ہی یہ فرما دیا تھا کہ اللہ کا ایک کارندہ تمہیں اسی وقت اطلاع دے دے گا اور میرے پردہ فرماتے ہی خلافت کا نور تمہیں مل جائے گا۔

اس مقام پر یا اس کے ساتھ ہی میں ایک اور اہم نقطہ بیان کردوں اور وہ یہ کہ نور پاک یا نور خلافت صرف اور صرف مستحق اور اہل فرد کو ہی دیا جاتا ہے، چاہے اس کا نسبی و اقامتی تعلق خانقاہ شریف سے قطعاً نہ ہو۔ یہاں اقربا پروری کا گزر نہیں ہے۔

آپ کے والد محترم کے مرشد حضرت سید چراغ شاہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے:

ویکھ میرے صاحب دیا کھیڈاں
کدھرے اوٹھ تے کدھرے بھیڈاں

اور فرماتے:

کہ ظاہر بڑے بڑے زاہد، صوفی، مولوی، ملنگ نظر آتے ہیں مگر انسان بہت کم ملتا ہے۔ یہی مولا کریم کی کھیل ہے کہ ظاہر انسان کہلاتے ہیں مگر حقیقت میں کوئی انسانوں جیسے وصف نہیں۔

حضرت گھمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تا دم آخر اکثر یہی فرماتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں، اپنی زندگی میں کامل انسان کی تلاش جاری رکھی مگر چند آموختگان ازل اور برگزیدہ ہستیوں کے سوا کوئی انسان نہیں ملا۔ ظاہر انسان کہلواتے ہیں مگر ابھی تک اصل فطرت انسانی نصیب نہیں ہوئی۔

آپ اپنے روحانی خلیفہ کی بہت قدر فرماتے تھے بہت حوصلہ افزائی، عزت افزائی فرماتے تھے اور اکثر فرما دیتے تھے کہ مجھے انسان مل گیا ہے۔ مجھے اس دور میں بھی ایک کامل انسان مل گیا ہے اُسے پا کر میں بڑا سکھی ہوا ہوں، بہت خوش ہوا ہوں اور رب کائنات کے احسانوں کا خصوصی شکر گزار رہتا ہوں۔

آپؒ فرماتے ہیں:

۱۔ ساری دنیا میں خدا کا سرّ سمایا ہوا ہے۔

۲۔ اللہ انسان کا بھید ہے اور انسان اللہ کا بھید ہے۔

۳۔ اللہ نے تمہیں تصور سے پیدا کیا اور تم تصور سے اللہ کو حاصل کرو۔

۴۔ تیرے کان، زبان، آنکھیں، ہاتھ پاؤں خدا کے عشق کا سامان ہیں۔

۵۔ دل عرش کعبہ آئینہ ذات ہے، دل اللہ تبارک وتعالیٰ کا گھر ہے۔

۶۔ ہم تجھ کو نہ اپنی طرف بلاتے ہیں اور نہ کسی اور کی طرف بلکہ ہم تجھ کو تیرے ہی بیچ کی طرف بلاتے ہیں۔

۷۔ قرآن پاک پڑھنے میں صرف زبان نہ چلاؤ بلکہ سمجھ کر پڑھو۔

۸۔ روح خدا کا جلال ہے۔ہوشیار رہو کر کھڑے رہو باادب روح حکم کے آگے۔

۹۔ روح امر اللہ ہے، روح ہی قدس امین جلوہ بشریٰ جبریل ہے۔

۱۰۔ قرآن بھی روح ہے اور صاحب قرآن بھی روح ہیں۔

۱۱۔ روح کا جلوہ ہی قیامت، لقا، دیدار و پل صراط کا ثبوت دیتا ہے۔

روح نے کہیا روح نوں، روح دل روح لے جا
ھمی شاہ اِگو نور چراغ دی اے سب نازوادا

آپ 29 ربیع الثانی 1396ھ بروز جمعرات، بمطابق 29 اپریل 1976ء کو بمقام چک نمبر 23 شمالی جھیرا نوالی شریف نزد اجنالہ ریلوے سٹیشن، تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پردہ فرمایا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا روضہ مبارک بھی اسی چک (23 شمالی) میں ہے اور آپ کا یہیں عرس مبارک ہر سال 28 ربیع الثانی کو منعقد ہوتا ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

حضرت محمد شریف نجمؒ

اسم مبارک:

آپ کا آبائی اسم گرامی محمد شریف ہے۔آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی صوفی عبدالرحمٰن تھا اور آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک زینب بی بی تھا۔عرصہ دراز تک آپ اسی نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔جب آپ نے روحانی میدان میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا تو آپ کو حسب دستور پیغمبر اول و آخر و اعظم ،حضور پُرنور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی جناب سے نجم،نورِ نجم کی سند عطا فرمائی گی اس کے بعد اسے آپ کو نجم کے اسم گرامی سے جانا پہچانے جانے لگا۔آپ دیگر اولیاء اللہ کی طرح خلقِ خدا کو پندو نصیحت کرتے تھے۔ان کے مسئلے مسائل حل کرتے تھے اور روحانی علاج بھی کرتے تھے۔اورالحمدللہ کہ آپ کے وعظ وتبلیغ اور روحانی علاج بہت موثر تھے اور ہیں جس کی وجہ سے آپ کے معتقدین میں خوب اضافہ ہوااوراب احتراماًاور ادباًلوگوں نے آپ کو میاں جی میاں صاحب کہنا شروع کردیا۔لوگوں کا یہ انداز آپ کو بھی اچھا لگا اوراب گزشتہ بیس پچیس سالوں میں آپ میاں جی یا میاں صاحب ہی ہیں۔

میں نے اس کتاب کے لکھنے کے سلسلے میں بہت ہی عالی قدر عالی مقام اولیاء اللہ کے حالات،واقعات،ارشادات کو بہت غور سے بار بار پڑھا ہے اور سمجھا ہے۔ان کے اخلاق،کردار،فقر،کشف وکرامات،ارشادات،وعظ وتبلیغ،صبر وشکر،راضی برضائے الٰہی اور توکل کو جان کر میں نے اپنے طور پر ان کے روحانی مدارج وبلندیوں کا اندازہ کیا ہے۔یقینی طور پر ان کے بارے میں جو بھی اچھا لکھا گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ تعریف وستائش کے مستحق تھے۔میں نے اب تک حضرت محمد شریف نجمؒ کے زیر سایہ 15 سال گزارے ہیں اور اس عرصہ کے ابتدائی چار پانچ سال کی محض شناسائی تھی۔اور جب سے مجھے راہ راست پر لایا گیا ہے اس وقت سے یعنی کہ گزشتہ 11 سالوں سے تو میں آپ کو پورے انہماک،شوق،خوشی اور پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔حقیقی معنوں میں ہمہ تن گوش بن جاتا ہوں اور برائے تعلیم ورہنمائی ہر پہلو سے دیکھ رہا ہوں۔

میں خود تو روحانی میدان میں پہلی جماعت کا طالب علم ہوں جس نے ابھی الف ،بے تک کی ہی تعلیم پائی ہے لیکن جیسا کہ میں نے اس سے پہلے والے پیراگراف میں لکھا ہے میں نے بہت ہی عالی قدر اور عالی مقام مشہور ومعروف زمانہ اولیاء اللہ کے حالات،واقعات،ارشادات کو بغور بار بار پڑھا ہے اور سمجھا ہے۔اس سے جو علم مجھے حاصل ہوا ہے اس کی بدولت میں وثوق

سے کہتا ہوں کہ حضرت محمد شریف نجمؒ ، میرے مرشد پاک ایک اعلیٰ معیار کے ولی اللہ، کامل مردِحق ہیں اور آپ بحر طریقت، حقیقت و معرفت کے ماہر پیراک ہیں اور اب بحر توحید میں غوطہ زن ہیں۔

آپ کی قرآن فہمی، دین فہمی، خدا شناسی ٹھوس بنیادوں پر استوار ہے۔ آپ کو تمام علوم ظاہری و باطنی پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ آپ اپنے معتقدین کی ہر ذہنی خلش و الجھن کو اس خوبی اور خوبصورتی سے سادہ زبان میں سلجھاتے ہیں کہ انہیں خود راہِ مستقیم نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ آپ اکثر فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس پر اپنا فضلِ خصوصی کرتا ہے اُسے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے خلقِ عظیم کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ ماشااللہ! آپ خود اس کی ایک خوبصورت مثال ہیں۔ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے اس کی تمام ذی شعور مخلوق سے یکساں محبت کرتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کے نزدیک کالے گورے، چھوٹے بڑے، امیر و غریب، مسلمان اور غیر مسلمان کے لئے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اللہ کے لئے آپ سب کی عزت واحترام، آؤ بھگت، ادب وخدمت یکساں کرتے ہیں۔ اور اگر کسی سے ناراض بھی ہوں گے یا کسی پر جلال میں آجائیں گے تو وہ بھی فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے۔ آپ کے ادب واحترام، اخلاق ومحبت اور دوسروں کو اپنے سے اچھا اور برتر سمجھنے کا یہ عالم ہے کہ زیارت کے لئے آنے والوں کے جوتے اکثر آپ خود اُٹھا کر اس سلیقے سے رکھتے ہیں کہ انہیں تلاش کرنے اور پہننے میں دشواری نہ ہو۔ (اور یہ عمل نفس کشی کے لئے بہت سودمند ہے۔)

میں تو گزشتہ پندرہ سالوں سے حضرت محمد شریف نجمؒ یعنی کہ اپنے مرشد پاک کی زندگی میں شب و روز سورۂ طلاق کی مندرجہ ذیل آیات مبارک کا، خالق و مالک کائنات کے ارشادات کا اطلاق دیکھ رہا ہوں یعنی کہ جو ان آیات مبارک میں فرمایا گیا ہے آپ کی روزمرہ کی زندگی میں وہی بہت خوبصورتی اور تسلسل کے ساتھ ہو رہا۔

سورہ طلاق آیت 2۔ ترجمہ: ''اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔''

سورہ طلاق آیت 3۔ ترجمہ: ''اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔''

سورہ طلاق آیت 3۔ ترجمہ: ''اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔''

اور قرآن حکیم کی تعلیمات، ارشادات تو ہر ایک کے لئے ہیں اور قیامت تک کے لئے ہیں۔ یہ ہر ذی شعور کے لئے رہنمائے یقین وہدایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو بندے اس سے صحیح معنوں میں ڈرتے ہیں اس پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں تو وہ انہیں دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے اور انہیں نہایت پاکیزہ روزی عنایت کرتا ہے۔

مختصراً میں آپ کے بارے میں یہی کہوں گا کہ جن خوش نصیبوں کو اسوہ حسنہ کا کچھ پتہ ہے، علم ہے یا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اتباع پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کو جانتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اولیاء اللہ میں، حضرت محمد شریف نجمؒ میں اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباعِ رسول کریم (ﷺ) کی واضح جھلک نظر آئے گی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہ برگزیدہ لوگ تو حقیقی معنوں میں ہر لحاظ سے آپ ﷺ کا سایہ ہوتے ہیں۔ سب اولیاء اللہ کی طرح آپ پر بھی کبھی کبھی کیفیت استغراق

طاری ہوتی ہے، وارد ہوتی ہے۔اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کیفیت کو ہٹا کر حالتِ صحو، ہوشیاری یا شعور میں لے آتا ہے جس میں ''خلیفۃ اللہ فی الارض'' حسب سابق اپنے فرائض سنبھال لیتے ہیں۔آپ پر کبھی کبھی ایک خاص جلالی طبیعت وارد ہوتی ہے جس میں آپ کی زبان بدل جاتی ہے اور روانگی گفتار بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔یہ جذب ومستی کی ایک اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔عموماً آپ حالت صحو، ہوشیاری یا شعور میں ہی رہتے ہیں۔اچھے لوگوں، (خدا خوفی کرنے والے اور اصول پسند) سے ملاقات وتعلقات کو آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی عطیہ، انعام واحسان جانتے ہیں۔ویسے بھی آپ معمولِ زندگی میں سب کو سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں اور اچھے لوگوں سے ملاقات کے لئے تو آپ لمبے لمبے سفر بھی کر لیتے ہیں اور ان کی دعائیں لیتے ہیں اور انہیں دعائیں دیتے ہیں۔اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینا اور موجود اللہ کے نیک بندوں، اولیاء اللہ سے شرف ملاقات کو اپنے لئے باعث صد عزت وافتخار سمجھتے ہیں۔

زمانہ، ہم عصر:

آپ کے والدین کریمین بغرضِ سیاحت، زیارات وروزگار ملک عراق کے شہر موصل میں تھے۔آپ 18 فروری 1930 بمطابق 19 رمضان 1348ھ کو ملک عراق کے شہر موصل میں پیدا ہوئے۔آپ کی پیدائش کے ایک دو سال بعد آپ کے والدین اپنے وطن برصغیر میں واپس آگئے اور ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں ڈوڈھالہ سندھواں میں آباد ہوئے۔الحمدللہ! آپ حیات ہیں اور اچھی صحت میں ہیں اور خلقِ خدا کو فیض پہنچا رہے ہیں۔

میں یہ خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ کوئی بھی ولی اللہ شہرت وتشہیر نہیں چاہتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان کو عوام الناس سے چھپانے کے لئے ان پر طرح طرح کے پردے ڈالتا ہے۔پھر میں نے آپ کی حیات میں آپ کے متعلق کیوں لکھ دیا ہے۔اس کا قدرے تفصیل سے جواب اس موضوع کے آخر میں ہے۔میں نے اپنے حق میں یہی گزارش کرنی ہے ❶ اللہ تبارک وتعالیٰ تو قادر مطلق ہے۔اس نے جن سے آپ کو پردے میں رکھنا ہے وہ میرے لکھ دینے کے باوجود آپ کو ان سے پردے میں ہی رکھے گا ❷ حضرت علی بن عثمان الہجویری اور حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہما تو بہت اعلیٰ پائے کے ولی اللہ تھے انہوں نے بھی تو اولیاء اللہ اور اپنے ہم عصر اولیاء اللہ پر لکھا ہے۔ایک عام آدمی نے بھی اپنی عقیدت، محبت، شوق وخوشی سے اولیاء اللہ پر لکھ دیا تو کیا حرج ہے؟ کیا مانع ہے؟ کیا بری بات ہے۔❸ میں اگر بہت سارے چیدہ چیدہ اولیاء اللہ پر لکھوں اور اس ولی اللہ پر نہ لکھوں جس نے مجھے بے بہا فیض پہنچایا ہے، جس نے مجھے گدھے سے انسان بنایا ہے تو یہ ایک بہت بڑی ناشکری ہوگی۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ ناشکری نہ کرو۔(سورہ بقرہ آیت 152)۔❹ پھر میرا ایک مقولہ ہے کہ جہاں کسی کے بارے میں مبالغہ آرائی برائیوں کو جنم دیتی ہے وہاں کسی کی حقیقت یا حق کو بیان نہ کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے اتنا ہی بڑا برائیوں کا سبب ہے۔❺ قصہ مختصر! یہ تو میں نے اپنی عقیدت، محبت، شوق وخوشی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار رہونے کے لئے لکھا ہے اور میں اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلانے والوں میں سے نہیں ہوں۔اور میں نے وہ لکھا ہے جو سنا ہے اور دیکھا ہے۔

آپ کی صحبت، ہدایات، ارشادات، تعلیم وتربیت میرے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور سورہ رحمٰن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ میری نعمتوں کے شکرگزار رہوں۔اور سورہ وضحیٰ کی آیت 11 میں تو رب العالمین نے یہ حکم دیا ہے کہ ''اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔اگر میں نے آپ کی حیات میں لکھ دیا ہے تو میں نے کچھ برا نہیں کیا ہے بلکہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکرادا کیا ہے۔

حالات،مناقب،ارشادات:

آپ کے والدین کریمین دونوں ہی اللہ لوگ تھے۔وہ زہد،تقویٰ اور توکل والے تھے اور وہ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی بغرض سیاحت، زیارات وروزگار برصغیر سے ملک عراق چلے گئے تھے اور آپ کی پیدائش کے وقت وہ دونوں عراق کے شہر موصل میں تھے۔موصل شہر بغداد شریف کے شمال میں واقع ہے اور کافی بڑا اور مشہور شہر ہے۔دو چار سال موصل میں زندگی گزارنے کے بعد آپ کے والدین کریمین واپس اپنے وطن آگئے اور وطن آکر ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں وڈھالہ سندھوواں میں آباد ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد صوفی عبدالرحمٰن نیک سیرت ونیک طبیعت آدمی تھے اور وڈھالہ سندھوواں کے ایک بزرگ حضرت محمد دین خوردیؒ کے معتقدین میں سے تھے۔آپ کی والدہ ماجدہ زینب بی بی بھی خوب دینی رجحان والی خاتون تھیں اور وہ بہت مہمان نواز، خوش اخلاق اور خوش گفتار تھیں اور اپنی ان صفات حمیدہ کے سبب وہ جلد ہی دوسروں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھیں۔آپ کے اباواجداد قوم کے راجپوت تھے۔

جیسے ہی آپ سکول جانے کی عمر کے ہوئے تو آپ کے والدین کریمین اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضلع سیالکوٹ کے مذکورہ دیہات سے ہجرت کر کے گوجرانوالہ شہر میں آباد ہو گئے۔ہمارے معاشرے کے مطابق آپ نے بچپن، نوجوانی، حصولِ تعلیم، حصولِ ملازمت اور شادی خانہ آبادی تک کا زمانہ اپنے والدین کے زیر سایہ گزارا۔آپ نے بچپن یا لڑکپن سے ہی والدین کریمین کی خدمت گزاری کو اپنا شعار بنالیا۔والدین کی خدمت گزاری آپ کو فطرۃً بھی بہت پسند تھی۔

آپ نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہوتے ہی واپڈا میں ملازمت اختیار کرلی۔

آپ اپنے والدین کے بہت ہی خدمت گزار تھے اور خاص طور پر والدہ ماجدہ کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے اور ان کی خدمت بجالانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے۔اپنی کمائی میں سے ایک معمولی سا حصہ اپنے لئے ،جیب خرچ کے لئے رکھتے اور باقی ساری رقم ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔اگر آپ کو جیب خرچ سے زیادہ رقم کی ضرورت پڑ جاتی تو اس کے لئے ٹیوشن، محنت مزدوری کرنے سے گریز نہ کرتے اور والدین سے قطعاً نہ مانگتے تھے بلکہ انہیں اپنی ضرورت کا معلوم بھی نہ ہونے دیتے تھے۔اور ایک دن آپ نے راقم الحروف سے فرمایا کہ یہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا مجھ پر خصوصی فضل وکرم ہوا ہے یہ سب والدہ ماجدہ کی خدمت کی وجہ سے ہے۔اس کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔

آپ نے ہمیشہ اپنے فرائض، کام، ڈیوٹی، ذمہ داری کو یوں نبھایا ہے کہ یہ میرے صاحب (خدا) کا کام ہے اور میرا خدا

دیکھ رہا ہےاوراس کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔اپنا کام تسلی سے،خوش اسلوبی سے کرتے اوراس دن کے کام کو مکمل کئے بغیر گھر نہ جاتے ۔حکام بالا جو بھی ذمہ داری سونپ دیتے اسے کرنے میں سستی نہ کرتے پوری دیانت داری سے اسے مکمل ادا کرتے اوراس میں خامی نہ چھوڑتے ۔کسی دوسرے کے کام میں کیڑے نہ نکالتے ،دوسروں سے قطعاً لاتعلق رہتے اوراپنے کام سے کام رکھتے ۔ہاں کوئی مدد کے لئے ،رہنمائی کے لئے ،ہاتھ بٹانے کے لئے کہتاتواس کی مدد کردیتے ۔دفتریاباہر عام محفلوں میں خوردونوش سے حتی الامکان بچتے ۔ہمیشہ اپنی روزی کوحلال کیایعنی کہ اپنے کام کو،فرائض وڈیوٹی کو محنت لگن اور شوق سے چاہے ہوئے معیار کے مطابق کیااورکبھی کوئی چھوٹی سی بھی خیانت نہیں کی ۔

آپ کولڑکپن سے ہی اللہ والوں کے پاس بیٹھنے کاشوق تھا۔جہاں کہیں اللہ والے کا پتہ چلتاتو آپ بھی حاضرِ خدمت ہو جاتے اوروہ درویش یابزرگ بھی آپ کو پیار سے اپنے پاس بٹھاتے ۔آپ کے سرپردستِ شفقت پھیرتے اورصالح بننے کی دعائیں دیتے ۔آپ کے لڑکپن میں ہی فقیر،درویش اورمجذوب قسم کے لوگ آپ سے بات ضرورکرتے ،کچھ نصیحت کرتے ،کبھی تعلیم کے لئے رہنمائی کرتے اورکبھی دعائیں دیتے گزرجاتے ۔آپ کوبھی ایسے لوگوں سے خاص اُنس ولگاؤ تھااوران کے پاس جاناان کی بات چیت سنںااوراُن سے دعائیں لینا آپ کو بہت اچھالگتا تھا۔اورقدرت بھی انہیں گاہے گاہے آپ کے پاس بھیجتی رہتی تھی۔وہ بھی خوشی خوشی آتے تھےاورآپ سے کچھ بات چیت کرکے،رہنمائی کرکے،حوصلہ افزائی کرکےاوردعائیں دے کر چلے جاتے تھے۔

دوران ملازمت بھی اللہ والوں سے ملنے کابہت شوق رہااوروقت گزرنے کےساتھ ساتھ یہ شوق بڑھتا ہی رہا۔فارغ وقت میں اللہ والوں کے پاس حاضری دینا،اُن کے پندونصیحت کوسننا۔غریب غرباء،اور مساکین کی مدد کرنا آپ کو بہت محبوب تھا۔آپ نے کبھی فلم بینی نہ کی اورنہ کبھی اپنے ہم عمروں،اپنے دفتر کے ساتھیوں کے ساتھ محفل سجائی ۔مزاروں پرحاضری دینا، درویشوں،فقیروں کے پاس بیٹھنااوراُن کی بات سنںااوراُن سے دعائیں لینا آپ کوبہت پسند تھا۔

آپ کاتوکل براللہ،رزق حلال کمانا،کھانا،غریب وغرباء کی مدد کرنا اورخیروخیرات بانٹنے کاجذبہ قابل صد ستائش وتقلید رہا ہےاوراب بھی ہے۔آپ کی پوری زندگی درج ذیل آیات کریمہ سے مزین منوراورسجی ہوئی نظر آتی ہے۔محترم قاری!ان آیات مبارک کواپنے ذہن میں رکھیے گا یقیناً آپ کے متعلق پڑھ کرآپ کوبھی یہی لگے گا کہ عمومی طورپرقرآن وسنت اورخصوصی طورپر درج ذیل آیات مبارک آپ کی طرز زندگی کامحور رہی ہیں ۔

سورہ طلاق آیت مبارک2:

ترجمہ:''اور جواللہ سے ڈرے،اللہ اُس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔''

سورہ طلاق آیت مبارک3:

ترجمہ:(ا)''اوراسے وہاں سے روزی دے گاجہاں کااسے گمان بھی نہ ہو۔''

(۲)''اور جواللہ پر بھروسہ کرے تو وہ (اللہ)اس کے لئے کافی ہے۔''

قارئین کرام !اللہ تبارک وتعالیٰ کا دستور ہے، نظام قدرت ہے کہ وہ اپنے چاہنے والوں کو،اس کے اپنے پسندیدہ راہ پر چلنے والوں کو یعنی کہ اللہ کی راہ کو مستقل مزاجی سے اختیار کرنے والوں کو خاص طور پر آزماتا ہے۔اور ان کو ہر عمر میں، ہر حال و حالت میں خوب خوب بڑی شدومد سے آزماتا ہے۔وہ پرکھتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے۔کون خون دینے والااور کون دودھ پینے والا مجنوں ہے۔اور یہ آزمائش تو شرط ہے، لازمی ہے۔ہر ایک کے لئے اور خاص طور پر اُن کے لئے جو سچی توبہ کر لیتے ہیں اور پھر اللہ کی راہ سے، راہِ مستقیم سے کسی صورت ہٹنا نہیں چاہتے اور اسی پر جمے رہتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اس مفہوم کی آیات مبارک بہت ہیں، ان میں سے مضمون موضوع کے لحاظ سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

سورہ بقرہ آیت مبارک 155: ترجمہ:''اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے۔''

سورہ بقرہ آیت مبارک 214:

ترجمہ:''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ ابھی تک تم پر اگلوں کی سی روداد نہ آئی۔''(یعنی ان کی طرح آزمائے نہیں گئے ہو۔)

سورہ ملک آیت پاک 2:

ترجمہ:''وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو کہ تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ آزمائش میں، مصائب ومشکلات میں دکھ اور تکلیف میں ثابت قدم رہنے والوں کے درجات بلند کرتا ہے۔آزمائش سے ان میں توکل، ایمان اور ظرف بڑھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ اگر تم میری راہ پر چل رہے ہو تو میں تمہارا مددگار ہوں، محافظ ہوں۔تم اگر میرے لئے راستی اختیار کئے رہو، کسی کو تکلیف نہ دو، میرے لئے خلق خدا سے محبت کرو، میرے لئے خلق خدا کی خدمت کرو اور میرے لئے یتیموں، بیکسوں، مسافروں ناداروں اور حاجتمندوں کی امداد کرو گے تو میں بھی قدم قدم پر تمہیں سہارا دوں گا، مدد کروں گا، حفاظت کروں گا اور ہر طرح سے تمہارا کفیل بن جاؤں گا۔

آپ کی روحانی زندگی کا آغاز کب ہوا؟ اس بارے میں (حالات وواقعات سے) یہ معلوم دیتا ہے کہ باقاعدہ بیعت ہونے سے بہت پہلے ہی آپ کو روحانی مدارج حاصل تھے۔بیعت ہونے سے پہلے ہی آپ کو بانی دین اور بہت سارے صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور آپ ایک مدت طویل سے مختلف بزرگانِ دین، اولیاء اللہ سے فیض و رہنمائی حاصل کر رہے تھے۔

مرشد کے سامنے ہمیشہ نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں ہاں اس کے دیدار کی خاطر چہرہ مبارک پر نظر ڈال لینا کوئی بری بات نہیں بلکہ باعث فیض و رحمت ہے۔اسی طرح مرشد سے کوئی غیر ضروری سوال و جواب بھی نہیں کرنے چاہئیں اور مرشد کے سامنے

خاموش بیٹھے رہنا اور غور سے ان کی بات سننے میں ہی فضل و رحمت و عافیت ہے۔لیکن میں نے آپ کے بارے میں کچھ لکھنا تھا اس لئے میں نے باادب آپ سے پوچھ لیا کہ آپ کی پیدائش کب کی ہے؟

اس سوال کے جواب میں آپ سے بے ساختہ ایک جملہ یا فقرہ نکل گیا۔وہ جملہ میں یہاں نہیں لکھوں گا لیکن یہ بتا دوں کہ وہ جملہ سن میں روحانی اتھاہ گہرائیوں میں چلا گیا۔میرے چودہ طبق روشن ہو گئے اس فقرہ مبارک سے میرے لئے کائنات و قدرت کے سرّ اور اسرار و رموز کو سمجھنے کے لئے، جاننے کے لئے دیکھنے کے لئے ایک اور دریچہ کھل گیا۔میں وہاں بیٹھے بیٹھے ہی اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ میرے مرشد بچپن ہی سے روحانیت کے حامل ہیں بلکہ آپ ان بزرگانِ دین میں سے، اولیاء اللہ میں سے ہیں جنہیں عالم روحانی میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور اس کے جواب میں ''بَلٰی'' فرمانا بھی یاد ہے۔یعنی کہ آپ پیدائشی ولی اللہ ہیں۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ والوں پر بہت آزمائش آتی ہیں اور مصائب و مشکلات پر ثابت قدمی میں اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرتا ہے۔دنیا کے درجات عزت و توقیر اور روحانی مدارج ہیں اور آخرت میں اہم درجات دیدارِ رسول ﷺ اور اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ کی لقا ہیں۔

قدرت کے نظامِ آزمائش کے تحت آپ پر بھی شروع سے ریٹائرمنٹ تک وقفے وقفے سے بے شمار مصائب و مشکلات کا بوجھ رہا۔آپ اوروں کے کام میں کبھی دخل نہ دیتے تھے غیبت و نکتہ چینی نہ کرتے تھے بس سب سے الگ تھلگ اپنے کام سے کام رکھتے تھے، اور یہ آپ کا شروع سے ہی معمول تھا اس کے باوجود حاسدوں نے حد کر دی۔الزام تراشی حاسدوں کا شیوہ تھا۔سروس کے دوران آپ پر ہر طرح کے الزام لگائے گئے۔کبھی عدم دلچسپی کا، کبھی نااہلی کا، کبھی آرام پرستی یا کام میں سستی کا یہاں تک کہ جاہ و زر پرستی، غبن و فراڈ کے الزام بھی آپ پر لگائے گئے۔نوکری سے نکلوانے، تنخواہ میں کٹوتی، پروموشن روکنے کے لئے بھی حاسد لوگ آخری دنوں تک کوشاں رہے اور حقیقت میں آپ کی آخری پروموشن اور اس کی پنشن بھی رکوادی۔

لیکن واہ رے آپ کا صبر و تحمل قوت برداشت اور اللہ پر توکل کہ کبھی کسی سے نہ اُلجھے۔حاسدوں کی تخریب کاری کی باتیں سن کر بھی، ان کی سازشیں اور غلط بیانیوں کو اپنے کانوں سے سن کر بھی چپ ہو جاتے۔کبھی کسی کو جواب نہیں دیا، انہیں روکا ٹوکا نہیں۔کبھی کسی سے یہ التجا نہ کی کہ یار تم ایسے نہ کرو نہ ہی حکام بالا سے کسی کی شکایت کی، نہ مدد طلب کی۔کبھی کسی کو چیلنج نہ کیا، کبھی جانے پہچانے حاسدوں سے بھی تلخی سے بات نہ کی۔ہر ظلم و زیادتی کو خاموشی سے سہتے رہے اور ان تمام مصائب، مشکلات اور رخنہ اندازی کے باوجود آپ نے اپنے کام کے معیار میں کمی نہ آنے دی۔

بس آپ خاموشی سے صرف اور صرف ایک ہی ہستی کو پکارتے تھے۔میرے اللہ، رب العالمین، خالق و مالک کائنات قادر مطلق تو تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔میرا تو بس تو ہی ہے۔میں ان کی شکایت تجھ سے کیا کروں۔تو تو سب کچھ کا سننے والا، جاننے والا، دیکھنے والا اور کرنے والا ہے۔بس تو میری اور میرے حقوق کی حفاظت فرما۔

اور رب کائنات، قادر مطلق نے بھی آپ کو حاسدوں، سازشیوں کی ہر سازش سے بچایا۔انکوائری کچھ عرصہ بڑے زور و شور سے چلتیں۔حاسد بڑی بڑی امیدیں لگائے ہوتے لیکن آخر میں اُن کی اُمیدوں کے ساتھ انکوائری بھی دم توڑ دیتی۔انکوائری آپ کو باعزت طور پر بری ہی نہیں کرتی تھیں بلکہ اکثر انکوائری افسر اور متعلقہ افسر بھی آپ سے معافی مانگتے اور معذرت کرتے۔

آپ نے اپنی پروموشن اور پنشن کے غصب شدہ حقوق کو حاصل کرنے کے لئے بھی حکام بالا سے کبھی گزارش نہ کی، کوئی درخواست حکام بالا کو نہ دی کہ میرے غصب شدہ حقوق دیئے جائیں۔بس اپنی بے بسی کی فریاد کی تو اپنے رب سے، مالک کائنات سے، قادر مطلق سے اور پھر زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا کہ حکومت نے آپ کو 19 ویں گریڈ میں پروموٹ کر دیا اور ساتھ ہی اس کے مطابق پنشن کر دی اور بقایا جات بھی خود بخود ادا کر دیئے۔

مندرجہ بالا کا ذکر میں نے اس لئے کر دیا ہے کہ عوام الناس کو پتہ چلے کہ اللہ والے ہمیشہ ہی آلام و مصائب تکالیف و مشکلات میں گھرے رہتے ہیں۔اللہ والے یہ خوب جانتے ہیں کہ ان مصائب و مشکلات میں اپنے رب کو یاد کرنا، اس پر توکل رکھنا اور ہر تکلیف و مصیبت کو رضائے الٰہی جانتے ہوئے خوشی سے سہہ جانا، اور ان کا ہر حال میں صابر و شاکر رہنا ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہیں۔اسی سبب یہ تکالیف، مصیبتیں، پریشانیاں ان کے لئے سوچ بچار، فکر و غم اور پریشانی کا سبب نہیں بنتیں اور اسی سبب وہ انہیں خندہ پیشانی سے سہہ جاتے ہیں۔

اس کی تصدیق میں، صداقت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان سورہ یونس آیت مبارک 62 میں یوں ہے:

ترجمہ: ''سن لو، بے شک اللہ کے ولیوں پر کچھ خوف ہے، نہ کچھ غم۔''

یہ لوگ، اولیاء اللہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ، خدا مصائب، مشکلات، قید و بند، محرومی، بے بسی و اذیتوں سے گزر کر ہی ملتا ہے۔

جس طرح پیش رو اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا ہے اُسی طرح آپ سے بھی وقتاً فوقتاً کرامات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔کرامات کو آپ اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ یہی فرماتے ہیں کہ یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل خصوصی ہے۔وہی اپنے بندے کے لئے کرامات کرتا ہے یا بالفاظ دیگر وہی اپنے بندے سے کرامات کراتا ہے اور ساتھ ہی قرآن حکیم سورہ حدید کی آیت مبارک 21 پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔

سورہ حدید آیت مبارک 21:

ترجمہ: ''یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

اللہ کے لئے یا اللہ کی محبت میں خلق خدا سے پیار کرنا، ان کی خدمت کرنا آپ کی عبادت ہے اور آپ اُسے بہت مسرور ہو کر کرتے ہیں۔ہر روز فیض عام جاری ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں سے کتنے ہی بیماروں کو تندرست کیا ہے۔بے اولادوں کو اولاد عطا کی ہے۔حاجت مندوں کی حاجات پوری کی ہیں اور کئی کینسر کے مریضوں کو بستر مرگ سے اُٹھایا ہے اور کتنے

ہی جوڑوں کے درد کی وجہ سے چلنے سے معذور ہو جانے والے افراد کو چلنے کے قابل کیا ہے۔

چھوٹی چھوٹی کرامات تو حاضری کے لئے آنے والوں میں سے کئی کے سامنے ظہور پذیر ہو جاتی ہیں۔معتقدین کے ساتھ کبھی علم غیب کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔آپ کو ان باتوں پر فخر نہیں ہے بلکہ بہت عاجزی اور انکساری کے ساتھ ہمیشہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق کی خاص عنایت ہے ورنہ بندہ کس قابل ہے۔

ایک دفعہ بارات یا مہمانوں کے لئے صرف ایک دیگ پکوائی۔اس میں سے چند دانے ہاتھ میں لئے، کچھ چکھا اور اللہ کا نام لے کر پھر دیگ میں ڈال دیئے اور پھر فرمایا کہ جو بھی آئے گا وہ کھا کر جائے گا۔اور خاص طور پر ہدایت کی کی غریب وغرباء،فقرا ومساکین میں سے جو بھی آجائے اسے عزت واحترام سے بٹھا کر پلیٹوں میں کھانا دیا جائے۔چاہے پلیٹوں کی کمی کے سبب ایسا کرنا پڑے کہ پہلے برات یا مہمان کھالیں اور بعد میں غریب وغربا،فقرا ومساکین کھانا کھالیں۔لیکن ہر صورت میں بہت عزت واحترام سے پلیٹ میں ڈال کر کھانا پیش کرنا ہے۔

الحمدللہ! اس ایک دیگ سے چار سو سے زائد افراد نے کھانا کھایا اور پھر بھی ایک چوتھائی دیگ بھری رہی۔

خدمت خلق اولیاء اللہ کا شعار ہے۔آپ ہر آنے والے کو بہت عزت واحترام سے بٹھاتے ہیں اور بڑے خلوص و پیار سے چائے پانی پیش کرتے ہیں۔آنے والے کی بات بہت توجہ سے سنتے ہیں اور اپنے انداز،طور و اطوار اور شیریں گفتار سے آنے والے کو یہ یقین دلا دیتے ہیں کہ آپ پوری توجہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں اور میں ہمہ وقت خدمت میں حاضر ہوں۔

خودداری کا یہ عالم ہے کہ نہ اپنی ضروریات کو کسی کو بتاتے ہیں اور نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں۔کوئی اپنے شوق وخواہش سے مٹھائی لائے تو اس میں سے خود ایک نوالہ بھی نہیں لیتے۔اگر لانے والا غریب ہو تو اس سے زیادہ کی کوئی چیز (کپڑا، جوڑا وغیرہ) کسی شکل میں حکمت سے اُسے پیش کر دیتے ہیں۔کسی کے گھر نہیں جاتے اگر کوئی عقیدت مند شادی وغیرہ پر خیر و برکت کے لئے بلا لیں اور مجبور کریں تو آپ وہاں گھر میں ایک منٹ کے لئے داخل ہوتے ہیں ایک گلاس سادہ پانی سے آگے کچھ قبول نہیں کرتے اور دعائیں دے کر فوراً ہی واپس ہو جاتے ہیں۔

ہر نفس کے لئے علیحدہ حکم ہے،تقدیر ہے،حکمت الٰہی ہے۔اسی طرح ہر اولیاء اللہ کے لئے روحانی،باطنی تعلیم و تربیت، اس کا اطلاق،اس کے رموز و انداز بھی مختلف ہیں۔آپ کی باطنی آنکھ کا کھلنا بھی قدرت الٰہی کا ایک عجیب ہی کرشمہ ہے اور اس کے دوران جسمانی روحانی کیفیات،نور اور نور کے مختلف رنگوں کے روح وجسم یا باطن ونفس پر اثرات،صحیح سوچ رکھنے والے طالب علموں کے لئے کائنات کے قدرت کے کتنے ہی سرّ، بھید اسرار ورموز سے پردہ سرکاتے ہیں کہ اے اہل بصیرت دیکھو تمہارا رب کتنا عزیز و حکیم،غالب و دانا اور قادر مطلق ہے۔

آفاقی حقیقتوں کو آپ آسان جامع اور پُراثر انداز سے چند فقروں میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ سمجھدار افراد کو ان کا رب ان کے اندر دکھا دیتے ہیں اور سچ بات ہے بھی یہی۔اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے اپنے نبی پیغمبر اول وآخر واعظم ﷺ کے نور

پاک کو اپنی شکل پر بنایا اور پھر آدم کو نور نبی ﷺ کی شکل پر بنایا او راحسن تقویم فرمائی یعنی کہ خوبصورتی، بناوٹ اور تمام ستر اور اعضاء کے کام کو، کارکردگی کو بہترین بنادیا اور پھر آدم میں اپنی روح پھونک دی اور فرمایا مومن کا دل میرا گھر ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا ۔حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے:

اے تن رب سچے دا حجرہ، اندر پا فقیرا جھاتی ھُو

نہ کر منت خواج خضر دی، تیرے اندر آب حیاتی ھُو

حقیقت تو یہی ہے کہ رب العالمین ہر وقت، ہر جگہ، ہر حال میں، ہمارے ساتھ ہے(سورہ حدید آیت 4 ۔سورہ مجادلہ آیت 7) جب وہ کائنات کے ذرہ ذرہ پتے پتے میں ہے ۔(سورہ یونس آیت 61 ۔سورہ انعام آیت 59) تو پھر وہ مجھ میں اور آپ میں کیوں نہیں ہے ۔پس حضرت انسان نے بلکہ جی شعور مخلوق انس و جان نے اس سے دوری اختیار کرنے کی خاطر، اس سے نڈر ہو جانے کی خاطر اُسے عرش پر بٹھا رکھا ہے ۔اصل میں ہمیں دنیا داری بہت پیاری ہے اس لئے ہم اپنے رب کو اپنے اندر دیکھنا، تلاش کرنا اور ماننا ہی نہیں چاہتے ۔ وہ تو ہر وقت ہر جگہ ہر حال میں ہمارے ساتھ ہے، بس اپنی نادانی نا سمجھی کے سبب ہم ہی اُس کے ساتھ ہو جانا نہیں چاہتے ۔

آپ سے تعارف کے بعد میں کبھی کبھی آپ کے پاس دعاؤں کے لئے جاتا رہا۔ اس وقت مجھے اس میدان کا شعور نہیں تھا یا یوں کہہ لیں کہ میں آپ کے مقام سے بالکل ناواقف تھا۔ اس کے بعد بھی میں نہ جانے کن محرکات کے تحت کبھی کبھی حاضر ہوتا رہا یعنی کہ پھر میں غیر ارادی طور پر بغیر کسی ضرورت کے حاضر ہوتا رہا۔ یہ ان ہی دنوں کی بات ہے کہ جب میں غیر ارادی طور پر حاضر ہوا تو آپ نے نہ جانے کیوں لوح محفوظ کو میرے سامنے بیان کیا۔ آپ نے لوح محفوظ کے بارے میں صرف چھ یا سات چھوٹے چھوٹے فقرے کہے اور مجھے یوں لگا کہ میں بھی لوح محفوظ کو دیکھ رہا ہوں یا جیسے لوح محفوظ میرے سامنے ہو۔ جب میں واپس جانے کے لئے نکلا تو خوشی میں میں نے ان فقروں کو یاد کرنا چاہا، دہرانا چاہا لیکن میں تو اس انداز بیاں اور فقروں کو بھول چکا تھا۔ البتہ ان فقروں کا اثر یا لوح محفوظ کا تصور جو میرے دل و دماغ میں اُبھر آیا تھا اُسے تو میں موت کے بعد بھی نہ بھلا سکوں گا کیونکہ وہ میرے سارے جسم کے ساتھ ساتھ میری روح میں بھی پوری طرح اُتر گیا تھا۔

کائنات کے اسرار و رموز، سرّ و بھید؟ کہ ایک دن آپ کسی صاحب عقل سے کسی اور شخص کے بارے میں فرما رہے تھے: ''ہمارے پاس آ کر دیکھیں اگر چند دنوں میں لاھوت کی سیر نہ کرا دوں تو نہ مانیں ورنہ اپنا قبلہ درست کر لیں۔'' یہ کائنات کے راز ہیں، حکمت الٰہی ہے کہ میں بھی اس وقت وہاں پہنچ گیا اور یہ بات میں نے سن لی اور اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لی۔ حسن اتفاق کہ جب میرے(راقم الحروف) بیعت ہونے کا وقت آیا تو میرا ایک دوست مجھے باری باری دو پیروں کے پاس لے گیا جن کے پہلے ہی مرید لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ میں ان سے قطعاً متاثر نہ ہوا۔ میں تو پہلے ہی پیروں مولویوں سے بھاگتا تھا۔ میں نے پیر صاحب سے چند سوال کئے باتیں کیں۔ پیر صاحب نے جواباً جو باتیں کیں اُن میں ''نور'' نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ میں وہاں سے

بھاگ کھڑا ہوا۔اب اپنے آپ کوٹٹو لاتو معلوم پڑا کہ میں تو روایتی مرید نہیں ہوں ۔میں تو اس انداز کی پیری مریدی میں ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔نہ جانے میں یہ کب سے یقین واثق سے جانتا تھا کہ اللہ کے فقیر اصل میں بادشاہ ہوتے ہیں اسی دوران میرے دل نے مجھے کہا کہ جس فقیر کے پاس دعاؤں وملاقات کے لئے جاتے ہو،اسی سے بیعت ہو جا۔

مجھے شعور بھی نہ تھا اور ان دنوں میرے مالی حالات بھی ایسے نہ تھے کہ ایک جوڑا اور سو روپے ہی نذر کر سکوں ۔بس اس یقین واثق کے ساتھ کہ اللہ کے فقیر حقیقت میں بادشاہ ہوتے ہیں اپنے ایک دوست جسے کچھ پیری مریدی اور دین کا خوب گہرا شعور تھا اسے ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہو گیا۔میرا دوست،اپنے ذہن میں چھ سوال لے کر چلا تھا کہ اس فقیر سے پوچھوں گا۔یوں لگتا ہے کہ فقیر ہماری آمد سے پہلے ہی میرے خیال وجذبات اور میرے دوست کے سوالات سے آگاہ ہو چکا تھا۔ہم نے صرف یہی بات کی کہ آپ سے بیعت ہونے کا ارادہ ہے ۔آپ ارشاد فرمائیں۔

الحمدللہ!اس فقیر نے باتوں ہی باتوں میں میرے ساتھی کے چھ سوالوں کے جواب دے دیئے اور اسی ترتیب سے جواب دے دیئے جس ترتیب سے اس نے سوال کرنا تھے۔میرا ساتھی ہکا بکا تھا کہ میں نے تو زبان سے کچھ کہا ہی نہیں کچھ بتایا ہی نہیں پھر اس فقیر نے سارے سوالوں کے جواب اسی ترتیب سے کیسے دے دیئے۔قصہ مختصر کہ فقیر بادشاہ نے مجھے بغیر کسی جوڑے اور نذرونیاز کے بیعت کر لیا اور اپنے "بادشاہ" ہونے کا ثبوت اس طرح دیا کہ مجھے وہیں اسی وقت آزاد کر دیا۔فرمایا کہ تو آزاد ہے تیری مرضی ہے کہ کبھی آیا نہ آ۔اب میرا دستِ شفقت ونگاہ کرم تم پر دائم رہے گی۔

بات چلتے چلتے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ۔بہرحال مندرجہ بالا بیان کر دینا اس لئے مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھا ہے کہ اہل نظر کے لئے،اہل بصیرت کے لئے اُس میں بہت اسرار ورموز ہیں اور بہت رہنمائی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ضرور مضبوط وسیلہ اختیار کریں ۔وسیلے کے بغیر وہاں پہنچنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے بلکہ ایسے لوگوں پر شیطان اپنے داؤ پیچ آسانی سے چلا لیتا ہے اور راستے سے ہی بھٹکا دیتا ہے۔

ہاں تو میں بات کر رہا تھا کہ میں نے یہ الفاظ سنے: ''کہ ہمارے پاس آ کر دیکھیں اگر چند دنوں میں لاھوت کی سیر نہ کرا دوں تو نہ مانیں ورنہ اپنا قبلہ درست کر لیں۔'' آپ نے مجھے بیعت کرنے کے بعد چند دن پڑھنے کے لئے مجھے کچھ کلمات مبارک دیئے اور فرمایا کہ جو دیکھو وہ مجھے بتا دینا۔میں نے وہ کلمات حسب ہدایت پڑھے اور شان رب العالمین اور اس کے پیغمبر اول وآخر و اعظم ﷺ اور اس کے اولیاء کی شان کہ مجھے،نفسانی کثافت سے بوجھل میری روح کو،سات دن میں لاھوت کی سیر کرا دی۔اور جب میں نے صبح صبح خوشی خوشی میں ٹیلی فون پر بتانا چاہا تو فرمایا: ''مجھے تم اس کے بارے میں وہاں سے بتاؤں اور آپ نے بغیر پوچھے وہ مجھے بتا دیا جو میں نے دیکھا تھا۔اللہ کی شان کہ اولیاء اللہ گرفت اور پہنچ خواب وخیال پر بھی خوب ہے۔

نہ جانے کب سے یا کس عمر سے آپ پر حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کا سایہ کرم ہے۔ایک دن آپ کو حضرت سلطان

باھو رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت عطا فرمائی۔آپ کو شناسا سا لگا تو پوچھ بیٹھے حضور! ایسا کیوں ہے؟ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا اس لئے ہے کہ چند ماہ پہلے فلاں تاریخ اور فلاں دن کو جب تم جنرل پوسٹ آفس سے ریلوے اسٹیشن کے لئے ایک ٹانگے میں بیٹھے تھے تو راستے میں تمہارے ساتھ ٹانگے میں میرے ہم شکل ایک بزرگ آ بیٹھے تھے وہ میں ہی تھا۔

آپ کتنے ادب آداب والے، صاف گو، صاف نیت والے اور سچے ہیں درج ذیل سے خوب واضح ہو جائے گا۔آپ کو ایک دن حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت دی اور فرمایا ہمارے پاس (گڑھ مہاراجہ، شورکوٹ) حاضری دو۔آپ بصد ادب و آداب، عزت و احترام، عجز و انکساری گویا ہوئے۔حضور بندہ غلام ہے اور حاضری کا مشتاق بھی ہے لیکن جیب میں اپنے ذاتی استعمال کے لئے اتنی رقم نہیں ہے کہ میں وہاں پہنچ سکوں۔میری تنخواہ تو میری ماں کی ہے اور کسی سے میں مانگ نہیں سکتا۔ حضور ہی سواری دیں تو بندہ حاضر ہو جائے گا۔

پھر روحانی نظام نے دوسرے دن ہی اس کا بندوبست بھی کر دیا۔آپ کی حکام بالا نے فوری ڈیوٹی لگا دی کہ ملتان سے آگے مظفر گڑھ کے شیر شاہ پل پر جائیں، پانی کا اخراج معلوم کریں اور چار دن کے اندر اندر مکمل رپورٹ پیش کریں اور ساتھ ہی ایک جیپ اور ضروری عملہ وغیرہ بھی دے دیا۔

میں پہلے ہی یہ گزارش کر چکا ہوں کہ آپ نے زندگی بھر اپنے فرائض، اپنی ڈیوٹی، ذمہ داری کو اس طرح نبھایا ہے کہ یہ کام میرے صاحب (خدا) کا ہے اور میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور میں نے اس کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔آپ نے شیر شاہ پہنچ کر اپنا کام تسلی اور خوش اسلوبی سے مکمل کیا اسی دن مصدقہ مطلوبہ معلومات بذریعہ تار حکامِ بالا کو بھی پہنچا دیں اور پھر راستے میں واپسی پر حاضری دیتے ہوئے دوسرے دن ہی تمام معلومات حکام بالا کو خود حاضر ہو کر پہنچا دیں۔حکام بالا نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور شاباش دی۔

اس راہ میں ثابت قدمی سے چلنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ اور حضور پُر نور پیغمبر اول و آخر و اعظم، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کی طرف سے بشارتیں، زیارات، دیدار و ملاقات، حوصلہ افزائی و شاباش، سند و القاب سے بڑی فراخی کے ساتھ نوازا جاتا ہے۔آپ ﷺ زیارت و دیدار بھی دیتے ہیں، غار حرا میں بلا کر قہوہ بھی پلاتے ہیں، مزید رہنمائی فرماتے ہیں۔شاباس بھی دیتے ہیں۔پیٹھ پر پیار بھری تھپکی بھی دے دیتے ہیں۔اپنے ساتھ عمرہ کرا دیتے ہیں۔اپنی آغوش مبارک میں بھی لے لیتے ہیں اور اپنی چکھی ہوئی مشروب بھی پلا دیتے ہیں۔

اولیاءاللہ میں ترقی کے لئے بہت زینے ہیں اور بہت مدارج ہیں۔ایک مخصوص درجہ پر پہنچ جانے پر با قاعدہ سند عطا کی جاتی ہے اور سند کے تناسب سے نوری نام عطا کئے جاتے ہیں۔آپ کو پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کے دربار عالیہ سے نورنجم (نجم) کا نام ملا ہے۔وزیر آباد کے ایک مجذوب سائیں صادقؒ نے آپ کو لینا چاہا۔اس نے 30 مئی 1983 کی رات ایک روحانی مجلس منعقد کرائی کہ وہ اس مجلس میں درخواست گزار ہو کہ آپ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔اس محفل میں حضرت سلطان باہو رحمۃ

اللہ علیہ نے مجذوب کی درخواست کورد کرتے ہوئے فرمایا: ''نجم ہمارا بچہ ہے اور اسے ہم اپنے ہی پاس رکھیں گے۔''

مجھے اس پاکباز گروہ کے مثالی تقویٰ اور توکل بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ان کا تقویٰ توکل اور اتباع اس اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے کہ وہ عام آدمی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔اور وہ جو کچھ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں وہ ان کے تقویٰ توکل اور اتباع رسول کریم ﷺ کے بارے میں جان کر پہروں عش عش کرتے رہتے ہیں۔یہی سوچتے رہتے ہیں کہ ایسا معیار تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عطا ہی سے ہوسکتا ہے اور اہل بصیرت اسی نور سے اپنی راہ روشن کر لیتے ہیں۔

اس ضمن میں آپ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق صرف دو واقعات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔یہ دونوں واقعات میرے دیکھے، سنے ہوئے ہیں۔ان دونوں واقعات میں اتنا نور ہے، اتنی روشنی ہے کہ ان سے ہمارے دل و دماغ منور اور راہیں روشن ہو جائیں گی اور راہِ ہدایت پر چلنا ہمارے لئے آسان ہوجائے گا۔

یہ نوے کے عشرہ کی بات ہے کہ ایک خوشحال مالدار عقیدت مند جسے آپ کی دعاؤں اور رہنمائی سے صحت کاملہ نصیب ہوئی اور مصائب ومشکلات کا بھی مکمل خاتمہ ہوگیا وہ اپنی خوشی سے اور خوشی میں ادب آداب کے ساتھ شکرگزار ہونے کے لئے حاضر ہوا اور شکریہ ادا کرنے کے بعد آپ سے عرض کرنے لگا کہ حضور آپ کرایہ کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ہر چند سال بعد مجبوری میں کرایہ پر اور مکان تلاش کرتے ہیں اور شفٹنگ کرتے ہیں۔حضور اگر آپ برا نہ منائیں تو بندہ اپنے شوق وخواہش سے 35 لاکھ روپے کی قیمت تک کا ایک گھر خرید کر آپ کو تحفۃً پیش کرنا چاہتا ہے بلکہ میں نے تو اپنے طور پر نزدیک والے محلے میں ایک گھر دیکھ لیا ہے۔آپ بیٹوں کے ہمراہ تشریف لے چلیں۔اُسے دیکھ لیں اگر پسند آجائے تو اپنے نام اس کا سودا کرلیں میں فوری ادائیگی کردوں گا۔

شکرگزار ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر فضل وکرم کیا ہے اور میرا درمیان میں آنا تو ایک بہانہ ہے۔ویسے بھی ہر کسی کے لئے دعا کرنا، اس کا بھلا چاہنا میری ڈیوٹی ہے میں نے صرف وہ نبھائی ہے۔بس آپ نیک راہ اختیار کریں اور غرباء ومساکین کا خیال رکھیں۔اور مکان کے بارے میں مجھے سوچنے دیں۔کل اسی وقت تشریف لے آنا، انشاءاللہ میں بتادوں گا۔

جب دوسرے دن وہ مہربان تشریف لائے تو آپ یوں گویا ہوئے: ''میں آپ کے جذبات اور خواہشات کی بہت قدر کرتا ہوں کہ میری خیر خواہی کے لئے آپ نے کتنا اچھا سوچا۔لیکن برا نہ منانا میں فقیر آدمی ہوں اور اپنے ان حالات میں ہی بہت خوش ہوں۔میں آپ کی پیشکش کا مستحق نہیں ہوں۔بس میرے لئے عقیدت مندوں کی اتنی ہی مدد کافی ہے کہ کرایہ کا گھر تلاش کرنے اور پھر شفٹنگ میری میں کچھ مدد کردی۔اللہ آپ کو نوازے اور میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اب اس کا دوبارہ ذکر نہ کرنا۔

یہ دوسرا واقعہ سن 2008ء کے اوئل کا ہے۔ایک کاروباری یا صاحب جائیداد شخص آپ کے پاس دعاؤں ورہنمائی کے

لئے آتا تھا۔غالباًاس کی بہت بڑی رقم یا جائیداد پھنسی ہوئی تھی۔آپ سے ملنے کے بعد اس شخص کو یہ آسرا ہوگیا کہ انشاء اللہ اس بزرگ کی دعاؤں ہدایت و رہنمائی کے طفیل ڈوبی ہوئی رقم جائیداد نکل آئے گی۔اس شخص نے نہ جانے کیوں یہ نذر مانی کہ اگر میری ڈوبی ہوئی رقم، جائیداد مل گئی تو میں اس کا بیسواں حصہ اس بزرگ کو نذر کردوں گا یا خدمت میں خلوص دل سے پیش کردوں گا۔

خدا کا کرنا، اللہ کی شان کہ کچھ عرصہ میں ڈوبی ہوئی رقم، جائیداد کا فیصلہ اس کے حق میں ہوگیا، اور وہ اُسے چند مہینوں بعد مکمل مل گئی۔وہ شخص فوراً اپنی نذر کو، منت کو پوری کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔بینک سے مطلوبہ رقم نکلوائی وہ پورے پانچ لاکھ تھی۔بوڑھے والدین کو بتایا اور نذر پیش کرنے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوگیا۔رقم سے بھرا خاکی تھیلا آپ کے سامنے رکھا اور اپنی منت کے بارے میں بتاتے ہوئے بہت عاجزی کے ساتھ گویا ہوا۔حضور! اب یہ رقم تو آپ ہی کی ہے اسے قبول فرمائیں۔

آپ نے اسے فرمایا کہ سردست میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔مجھے ایک دن سوچنے کا موقع دیں۔کل تشریف لے آنا۔انشاء اللہ میں اپنی رائے بتادوں گا۔وہ شخص دوسرے دن آنے کا کہہ کر چلا گیا۔آپ نے وہ تھیلا اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور ساتھ ہی اپنے رب کے سامنے فریاد کرنے لگے، رونے لگے اور مدد و رہنمائی مانگنے لگے۔بار بار کہتے مولیٰ کریم میں تو یہ سب کچھ تیری محبت میں کرتا ہوں۔تجھے اور رسول کریم ﷺ کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہوں اور ہر کام کا کرنے والا تو تو ہی ہے میرا تو بس ایک بہانہ ہے۔مولا کریم میں اپنے اعمال کے بدلے دنیا قطعاً نہیں چاہتا۔رب کائنات، قادر مطلق اپنے حبیب ﷺ کے واسطے میری مدد و رہنمائی فرما۔وہ باقی ماندہ دن اور رات رب العالمین سے التجائیں کرتے کرتے روتے روتے گزر گئی لیکن رہنمائی نہ ملی۔

پھر دوسری صبح آپ اسی سوچ و فکر میں محو تھے کہ حضور پُرنور پیغمبر اول و آخر و اعظم نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تشریف لے آئے، زیارت دی اور۔آپ کو شاباس دی، پیٹھ پر پیار کی تھپکی دی اور فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس رقم میں سے خمس تمہارے لئے قرار فرمائی ہے اسے لے لو اور ساتھ ہی آپ کے بائیں ہاتھ میں پھولوں والا کنگن ڈالا اور تشریف لے گئے۔

اللہ والوں کے لئے تو آپ ﷺ کی زیارت یا دیدار ہی بہت بہت بڑا انعام ہے اور اس پر مزید یہ کہ شاباس دی، پیار کی تھپکی دی اور کنگن پہنایا۔بس آپ کی خوشی دیدنی تھی۔دوسرے دن دس بجے کے قریب وہ صاحب تشریف لے آئے۔آپ نے اسے وہ رقم کا تھیلا دیا اور فرمایا کہ اس میں سے مجھے صرف پانچواں حصہ دے دیں۔میرے لئے یہ رقم بھی ضرورت سے زائد ہے اور باقی آپ لے جائیں۔میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

اس شخص نے ایسا تصور بھی نہ کیا تھا کہ کوئی جائز طریقے سے آئی ہوئی رقم کو ٹھکرا دے گا۔اب اسے اس فقیر کی عظمت نظر آنے لگی۔گھر پہنچتے ہی باقی ماندہ چار لاکھ کی رقم والدین کے سامنے ڈال دی اور فرط مسرت سے روتے ہوئے والدین کو کہا کہ اس درویش نے تو یہ رقم ٹھکرا دی ہے۔اب والدین کا بھی وہی حال تھا۔روتے ہوئے کہنے لگے ہم اس فقیر درویش کا دیدار کرنا چاہتے ہیں ہمیں جلدی لے چلو جب تک اُسے دیکھ نہیں لیتے ہمیں قرار نہیں آئے گا۔اور پھر وہ آپ کا دیکھنے کے لئے حاضر ہوگئے۔آپ کو نظر بھر دیکھا اور عقیدت و عظمت کردار کے سامنے جھکے اور اللہ کی حمد و ثناء کرتے ہوئے واپس ہوگئے۔

قارئین کرام! اس مقام پر میں ایک اور اہم نقطہ بیان کرتا چلوں کہ یہ پاکباز لوگ، یہ گروہ، اولیاءاللہ صرف اور صرف رزق حلال کھانے والے ہوتے ہیں۔ اپنے گھر کو رزق حلال سے چلاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی آمدن، اپنی تنخواہ، اپنی پنشن کا زیادہ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ذمہ ان لوگوں کا بھی کچھ حصہ لگا رکھا ہوتا ہے، جو سفید پوش ہیں، مفلوک الحال ہیں لیکن ہر ممکن حرام سے بچتے ہیں اور غیرت کے مارے لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خفیہ نظام کے ذریعے انہیں پہلے ہی بتا دیتا ہے کہ فلاں آنے والی نذر نیاز، تحفہ، مٹھائی یا جوڑا وغیرہ کس کو دینا ہے اور یہ پاکباز لوگ اُس پر شوق وخوشی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ایک اور بات کہ کوئی بھی حرام سے بچنے والا حلال کی روزی کھانے والا، کوئی مفلوک الحال، بے سہارا، جو اپنوں سے دور انجان جگہ میں وفات پانے والا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں (علاقے کے اولیاء کو) اس کے بارے میں بتا کر انہیں موقع پر پہنچا دیتا ہے یا انہیں بھیج دیا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کا کفن دفن اُن کے ذمہ ہوتا ہے جو یہ بہت خوش اسلوبی سے کرتے ہیں۔

آپ اپنے اللہ سے بھی بہت کھلی کھلی باتیں کرتے ہیں اور اس طرح باتیں کرتے ہیں کہ جیسے لوگ سامنے موجود مہربان و شفیق دوست سے کرتے ہیں۔ اس گفتگو میں عاجزی مسکینی وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ہر کچھ کے لئے پہلے بہت ہی صبر وتحمل سے مثبت جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے رب سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعائیں التجائیں جاری رکھتے ہیں۔ جب بہت صبر وتحمل اور مثبت جدوجہد کے بعد بھی دعائیں قبول ہوتی دکھائی نہیں دیتیں تو پھر آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی بے بسی، بے اختیاری اور محرومی کا بڑے خوبصورت اور کھلے کھلے انداز میں اس طرح گلہ کرتے ہیں کہ دوست کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ اس بارے میں میں صرف ایک ہی مثال دوں گا یا اس سے متعلق ایک ہی واقعہ بیان کروں گا اور یہی ایک واقعہ میری اس بات کو واضح طور پر سمجھانے کے لئے کافی ہے۔

آپ لڑکپن سے ہی اللہ والوں کے پاس شوق سے جانے اور اُن کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے تھوڑی بہت دینی اور روحانی فیض وتعلیم بھی حاصل ہوتی ہوگی۔ جوان ہونے کے بعد بھی، ملازمت کے دوران بھی آپ کا یہی معمول رہا کہ جہاں کہیں اپنے قرب وجوار میں اللہ والے کی اطلاع ملتی آپ وہاں حاضری دیتے اور اپنی روح کی پیاس بجھاتے، اپنی روح کو اللہ ﷻ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نور سے سیراب کرتے۔

اس دوران آپ کا واسطہ ورابطہ حضرت سید امیر اجمیری رحمۃ اللہ علیہ چھپر شریف والے سے بھی ہوا اور رہا۔ انہوں نے آپ کو بہت شفقت، محبت اور اہمیت دی اور رہنمائی فرمائی پھر بھی نہ جانے کیوں انہوں نے آپ کو بیعت نہیں کیا۔ اس کی کچھ تفصیل آگے ہے۔ اور میں یہاں "نہ جانے کیوں" کا خود ہی جواب دیئے دیتا ہوں۔ دراصل یہ روحانی نظام یا باطنی نظام اس قدر پیش بین، یقینی مضبوط، طاقتور اور حاوی ہوتا ہے کہ دوعالم میں یہ "عامل" کی جگہ لے لیتا ہے اور باقی سب اس کے "معمول" ہوتے ہیں۔ اس لئے اس نظام کے خلاف کوئی اپنی مرضی نہیں چلا سکتا۔

آپ واپڈا کے شعبہ انہار میں کام کرتے تھے۔ آپ میں اللہ والوں سے ملنے کا بہت زیادہ طبعی فطری رجحان تھا اور شانِ خالق و مالکِ کائنات، حکمت رب العالمین کہ مجذوب، فقیر، اللہ والے بھی آپ کو خود بخود آ ملتے تھے اور یہ خصوصی نادر معاملہ آپ کے ساتھ بچپن سے ہی جاری تھا۔ عمر کے اس دور میں بھی اسی طرح اللہ والے آتے تھے آپ سے ملتے تھے پیار و تسلی دیتے تھے اور حصولِ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں حوصلہ افزائی کرتے اور آپ کی مدد و رہنمائی فرماتے تھے اور دعائیں دیتے تھے۔ باہم راہ و ربط کا یہ سلسلہ پہلے بھی تھا، دورانِ ملازمت بھی رہا اور اب بھی ہے۔

آپ ملازمت کے سلسلہ میں جہاں کہیں بھی ہوتے اس علاقے میں، ضلع میں آپ نزدیک و دور موجود اللہ والوں کے پاس جاتے، ان سے فیض پاتے۔ اس کے ساتھ ہی آپ علاقے کے مزاروں پر حاضری ضرور دیتے۔ جب آپ ضلع سرگودھا کی ایک تحصیل میں تعینات تھے تو سن 1964 سے سن 1979 تک وقفہ وقفہ سے سائیں چپ شاہؒ کے پاس حاضر ہوتے رہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حضرت سید امیر اجمیریؒ سے ملا دیا۔ آپ نے ایک دفعہ سن 1955 میں حضرت سید امیر اجمیریؒ کو پہلے بھی دیکھا تھا اور شرف زیارت بھی حاصل کیا تھا۔ حضرت سیّد امیر اجمیریؒ مجرد تھے (اور تمام عمر مجرد ہی رہے) اور وہ چالیس سال تک اجمیر شریف میں حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزارِ مبارک پر اور اس علاقے میں رہ چکے تھے اور اب خلقِ خدا کو فیض پہچانے کے لئے تحصیل خوشاب کے ایک پہاڑی علاقے چھپر شریف میں قیام فرماتے تھے۔

آپ عرصہ دراز سے مرشد کامل کی تلاش میں سرگراں تھے اور حضرت سیّد امیر اجمیریؒ سے پہلے ہی سے بہت متاثر تھے۔ اب، سن 1969 سے آپ نے ان کے پاس حاضری دینا شروع کر دی۔ اس کے لئے آپ کو میلوں دشوار گزار پہاڑی علاقے میں پیدل چلنا پڑتا جو آپ خوشی اور شوق سے طے کر جاتے اور ان سے فیض یاب ہوتے۔ حضرت سید امیر اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی پیار، عزت و احترام کرنے والے تھے اور بہت اچھے رہنما تھے اور آپ پر حد درجہ مہربان تھے۔ ایک دن آپ نے ہمت کر کے ان سے یہ گزارش کر ہی دی کہ حضور آپ مجھے بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ اس دن انہوں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خوب پیار کیا اور کچھ دیر دعائیں دینے کے بعد فرمایا، نجم تمہیں اپنا مقام معلوم نہیں ہے۔ تمہارا نصیب بہت بلند ہے اور تمہارا حصہ بھی ایک بہت عالی مقام ولی اللہ کے پاس ہے۔ آپ حضرت سید امیر اجمیریؒ کے حضور سن 1970 تک حاضری دیتے رہے اور فیض پاتے رہے۔

موضوع کے بیان کے اس مقام پر اگر میں عالی مقام اولیاء اللہ کے متعلق ایک اور اہم بات بتاتا چلوں تو یہ بے جا نہ ہو گا۔ اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عالی مقام اولیاء اللہ کی باطن میں ملاقات ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جو دیگر مذاہب و اصلاحی تحریکوں کے بانی ہوں، لیڈر رہوں۔ میرے اس انکشاف پر گھبرانے، حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کائناتِ عظیم میں سب کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ وَحدہٗ لاشریک ہی سب کا خالق، رازق و مالک ہے۔ اللہ، رب العالمین ہے اور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ جب سے آپ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں اُس دن سے اور

قیامت تک کے لئے تمام ذی شعور مخلوق آپ ﷺ کی ہی اُمت ہے، چاہے وہ آپ ﷺ کو ماننے والی ہو، چاہے نہ ماننے والی ہو اور چاہے وہ سرے سے نہ جاننے والی ہو۔ آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اور یہ تمام اولیاء اللہ بھی آپ ﷺ کے نقش قدم پر ہی چلتے ہیں۔ یہ حقیقت میں آپ ﷺ کا سایہ ہیں، عکس ہیں۔ یہ بھی کائنات میں سب کے لئے ہوتے ہیں، یہ بھی سب کے لئے سایہ رحمت ہوتے ہیں۔ اور یہ باطنی ملاقات و زیارات ان کا رحمۃ اللعالمین ﷺ کا سایہ، عکس ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کا حصہ ہوتی ہیں۔ عام آدمی کو یہ باتیں، حکمتیں، کائنات کے راز سمجھ نہیں آسکتے اور ان کا تعلق سمجھ سے ہونا بھی نہیں ہے۔ یہ تو ایمان بالغیب کا حصہ ہیں لیکن یہ میں نے اس خیال سے لکھ دیا ہے کہ شاید کوئی خوش نصیب ان ہی باتوں پر غور و خوض کر کے اللہ کی راہ یعنی راہِ حق پر آجائے۔

اب میں آپ کے بارے میں ایک اور خاص بات بتا دوں۔ آپ اپنی خوشی و شوق سے گاہے گاہے اولیاء اللہ کے مزاروں پر حاضری دینے جاتے ہیں۔ آپ اپنا پروگرام کسی کو نہیں بتاتے اور اکثر تنہا جاتے ہیں۔ کیونکہ آپ گوشہ نشین ہیں اس لئے اپنے علاقے، محلے میں بھی آپ کو کوئی نہیں جانتا۔ اور پھر دور دراز کے اضلاع، مقامات و علاقوں میں واقع مزاروں پر آپ کی واقفیت یا جان پہچان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کے باوجود آپ جہاں بھی حاضری دینے جاتے ہیں اکثر اوقات وہاں پر آپ کا استقبال کیا جاتا ہے۔ مزار شریف پر پہنچنے سے پہلے ہی ،کلومیٹر، آدھا کلومیٹر کی دوری پر ہی کوئی آپ کا اسم مبارک لے کر سلام کرتا ہے اور مزار شریف پر بڑے ادب و احترام سے ساتھ لے جاتا ہے۔ آپ کو پورے ادب و آداب کے ساتھ صاحب مزار کے تبرکات دکھاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کو صاحب مزار کے فرمان کے مطابق پگڑی، ٹوپی یا چادر باندھی، پہنائی جاتی ہے، عنایت کی جاتی ہے اور پھر تمام تر ادب و آداب، عزت و احترام کے ساتھ الوداع کیا جاتا ہے۔

وقت یونہی گزرتا گیا اور آپ اپنے مرشد کی تلاش میں درسگاہوں، خانقاہوں اور مزارات پر گھومتے رہے۔ علمائے ظواہر سے بھی ملتے رہے اور پیروں فقیروں، بزرگوں کے پاس بھی جاتے رہے لیکن دل کہیں جما نہیں، اطمینان حاصل نہیں ہوا، گوہرِ مقصود نہ مل سکا۔ بلکہ خانقاہوں، مزارات پر حال و حالت دیکھ کر اور بد دل ہو گئے۔ روایتی پیری مریدی میں تو آپ کو صرف دنیا داری ہی نظر آئی۔

ہاں تو جب آپ تلاشِ "مردِ حق" جستجوئے مرشد میں پھرتے پھرتے گھومتے گھومتے تھک گئے تو ایک دن اپنے رب سے یوں گویا ہوئے۔ میرے صاحب، میرے مالک (اللہ تبارک و تعالیٰ) آپ تو ہر کچھ کو جانتے ہیں، دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں۔ بندہ نے تلاش مرشد میں پوری سعی کر لی ہے۔ صاحب، میرے مالک میں اب تھک گیا ہوں، عاجز آگیا ہوں۔ تو تو ہے ناں۔ سب کچھ کا جاننے والا، سننے والا، دیکھنے والا اور سب کچھ کا کرنے والا۔ تو تو ہے ناں۔ اے قادر مطلق اب میں دربدر نہیں پھروں گا۔ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میری مدد و رہنمائی فرما۔

خالق و مالک کائنات، اللہ قادر مطلق نے آپ کی دعا اسی وقت سن لی۔اب ہر روز خواب میں اور پھر جاگتے ایک "مردِ حق" کی تصویر آنے لگی اور اس خوبصورت انداز سے آنے لگی کہ لباس، چال ڈھال، قد و قامت اور حلیہ مبارک بالکل واضح ہو گیا بلکہ آپ کے ذہن میں یہ سب کچھ نقش ہو گیا۔"مردِ حق" کی یہ تصویر مختلف زاویوں سے پورے 35 دن ہر روز بلا ناغہ سامنے آتی رہی اور پھر خواب میں حضرت محمد سلطان باھوؒ کی معرفت حکم ہوا کہ تم نے اس "مردِ حق" سے بیعت ہونا ہے۔اب اسے تلاش کریں اور بیعت ہو جائیں۔

آپ بزرگوں کی زیارت کرتے رہے اور ان سے یہ گزارش بھی کرتے رہے کہ مجھے ایک لمبے اور مضبوط قد کاٹھ والے اس حلیہ کے حامل درویش کی تلاش ہے اگر آپ میری رہنمائی کر سکیں تو۔پھر ایک دن ایک شناسا مہربان سے بھی یہی درخواست کر دی اُس نے آپ کو کہا کہ ہاں اس حلیہ قد کاٹھ اور عمر کا میں نے ایک فقیر ضلع سرگودھا کے فلاں فلاں دیہات میں دیکھا ہے۔آپ دیکھ لیں شاید وہی آپ کا گوہر مقصود ہے۔

بس پھر کیا تھا آپ اللہ کا نام لے کر وہاں کے لئے روانہ ہو گئے۔اس گاؤں کے قریب پہنچ کر مزید معلومات حاصل کیں فقیر کے ڈیرے کا پتہ کیا اور اب ڈیرے کی طرف قدم خود بخود اُٹھنے لگے۔صحن میں داخل ہونے کے لئے ابھی دایاں پاؤں دہلیز کے اندر رکھا ہی تھا اور بایاں پاؤں ابھی باہر ہی تھا کہ فقیر نے آپ کا نام لے کر فرمایا! آجائیں ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری آمد سے گزشتہ رات کو ہی مطلع کر دیا تھا۔اس "مردِ حق" نے بہت پیار و شفقت سے آپ کو اپنے پاس بٹھایا۔کچھ دیر بعد ایک رجسٹر منگایا اور آپ کا نام لے کر فرمایا کہ اللہ والوں کا توکال (بہت زیادہ کمی ہے) ہے۔اس رجسٹر میں تمہارا نام آج سے گیارہ سال پہلے یہاں روحانی خلافت کے لئے لکھوایا گیا تھا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔تم اب آ گئے ہو مجھے سکون مل گیا ہے۔تمہیں پا کر میں بہت مسرور و پر سکون ہو گیا ہوں کیونکہ تم ایک کامل انسان ہو۔عمر بھر میری یہ جستجو رہی، دعا رہی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ایک صحیح معنوں میں اچھا انسان دے۔الحمدللہ! آخری عمر میں میری وہ دعا قبول ہو گئی۔

آپ بیک وقت کئی مقامات پر دیکھے گئے ہیں اور بار بار دیکھے گئے ہیں۔مدینہ منورہ حرم نبوی، میں مسجد نبوی میں آپ اکثر دیکھے جاتے ہیں۔آپ کے ایک بیٹے نے بھی وہاں پر آپ کو تین چار بار دیکھا ہے۔راقم الحروف نے اور راقم الحروف کے بیٹے خالد نے بھی آپ کو 13 دسمبر 1991ء بروز جمعہ نماز تہجد سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے مسجد کے شمالی دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ کھڑے دیکھا ہے۔اس وقت ہم دونوں باپ بیٹے ایک نومسلم (پیٹر یشیؤ اسلامی نام محمد) مہمان کے ساتھ مسجد کے دروازے کے کھلنے کے انتظار میں وہاں کھڑے تھے۔اب سے تین سال پہلے ایک دن میں آپ سے ملنے کے بعد گھر پہنچا تو فیصل آباد سے ایک مشترکہ جاننے والے ڈاکٹر کا ٹیلیفون آیا کہ حضور میرے ہاں کچھ دیر کے لئے تشریف فرما ہیں آپ کا بھی ذکر خیر ہوا ہے اور کچھ دیر بعد ایک ایسا ہی ٹیلیفون اسلام آباد سے آ گیا کہ حضور تھوڑی دیر کے لئے تشریف لائے ہیں اور پھر لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔

الحمدللہ !علم غیب سے بھی آپ کو مناسب حصہ ملا ہے۔اپنی ذات کے حوالہ سے آپ کو اہم واقعات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا جاتا ہے۔چند بچوں کے بارے میں ان کی پیدائش کے وقت دن اور تاریخ کی پہلے ہی آگاہی ملتی رہی ہے۔آپ کا تو خلق خدا کے لئے فیض عام جاری ہے۔کبھی کبھی کسی کے بارے میں پیش گوئی فرما دیتے ہیں جو سچ ثابت ہو جاتی ہے۔خاص طور پر آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کی رحلت کے بارے میں کئی دن پہلے آگاہ کر دیا تھا کہ کس گھر میں یعنی کس کے پاس، کس دن، کس تاریخ کو اور کس وقت رحلت فرمائیں گی اور کفن دفن کا بندوبست کس طرح ہو گا۔

الحمدللہ ! آپ حیات ہیں اور عمر کے لحاظ سے بہت اچھی صحت میں ہیں۔اپنا کام خود کرتے ہیں اور شب و روز خلق خدا کے لئے بیدار رہتے ہیں۔ہر طرح کے افراد کو، ہر کسی کو، ہر مذہب کے ماننے والوں کو ہر وقت خوش آمدید کہتے ہیں۔آپ کے پاس گنہگار و پارسا، چھوٹے بڑے، کالے گورے اور مذہب کا امتیاز نہیں۔ہر ایک کو خوش دلی سے مرحبا کہتے ہیں اور خاطر مدارات کرتے ہیں، دلجوئی کرتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور ہر طرح سے حد درجہ حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور آپ میں عجز و انکساری اس حد تک ہے کہ آنے والوں کے جوتے خود ٹھیک کر کے رکھ دیتے ہیں کہ انہیں تلاش کرنے میں اور پہننے میں دقت نہ ہو۔

قارئین کرام! درج ذیل میں دو احادیث مبارک پیش کر رہا ہوں۔

پہلی حدیث تو میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ ہمیں ان بزرگانِ دین کی عظمت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں ان کے اعلیٰ و ارفع مقام کا پتہ چلے اور دوسری حدیث میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ وہ اس عظمت، اعلیٰ و ارفع مقام کو حاصل کرنے کا راستہ ہے، طریقہ ہے اور آپ (میرے مرشد) ہر کچھ اللہ کے لئے اور اُسی کے حوالے سے کرتے ہیں اور اپنے ''صاحب'' کا حکم ماننے کے لئے کبھی سوچ بچار نہیں کرتے۔

ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: قال اللّٰہ عزوجل المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء۔ ''انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو لوگ میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں اُن کے لئے قیامت میں نور کے منبر ہوں گے اُن کے درجہ پر انبیاء و شہداء بھی رشک کریں گے۔''

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی موطا میں سند صحیح سے مروی ہے۔

یقول اللّٰہ تبارک وتعالی وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے لئے میری محبت واجب ہو گئی جو میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی ہم نشینی اختیار کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میرے لیے باہم خرچ کرتے

ہیں۔"

راقم الحروف کو سیرت نبوی اور اتباع یا حیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بہت لگاؤ ہے۔اس سے متعلق خوب پڑھا بھی ہے اور کچھ لکھا بھی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جس ذوق وشوق ،وارفتگی ،فدائیت اور خوبصورتی سے اتباع رسول کریم کیا ہے اسے پڑھ کر،اسے جان کر اس پر لکھ کر میں ،بہت بہت ،بہت زیادہ مسرور ہوتا ہوں اور اب جب اس شاندار بے داغ کردار کی جھلکیاں آپ رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھتا ہوں تو مسرت میں اپنی اس خوش بختی پر میری آنکھیں سرور سے پُر موتیوں ، آنسوؤں سے میرے دامن کو تر کرتی رہتی ہیں اور میں تہہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ میرے مولا میں تو کسی قابل نہیں ہوں اور لمبی زندگی کا متمنی بھی نہیں ہوں ۔میرے مولا اس نا کارہ کی بقیہ زندگی کو مرشد کے نام لگا دے،اسے دے دے کہ وہ شب و روز تیری مخلوق کی بھلائی چاہتا ہے اور اس کی دل و جان سے خدمت کرتا ہے۔

مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ اولیاء اللہ کو عوام الناس سے اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان پر مختلف قسم کے پردے ڈال کر چھپاتا ہے اور اولیاء اللہ خود بھی شہرت و تشہیر نہیں چاہتے ، بلکہ یہ پاکباز ،برگزیدہ بندے تو ملامت و بے قدری ،بے عزتی ،بدنامی ، رسوائی کو شہرت کی نسبت کہیں زیادہ سودمند جاتے ہیں۔بس میں نے تو اپنی چاہت وشوق سے مجبور ہو کر آپ کے قابل صد تحسین وتقلید کردار ،زندگی ،اور بے مثال جذبہ خدمت خلق خدا سے متاثر ہو کر لکھ دیا ہے۔ویسے بھی میں نے اس کتاب میں بہت سارے اولیاء اللہ پر لکھا ہے صرف آپ پر ہی تو نہیں لکھا۔پھر آپ میرے مرشد ،میرے ہادی ہیں ،میرے رہنما ہیں۔مجھے جو علم و صلاحیت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے عطا کیا ہے ،اُسے آپ ہی نے سنوارا ہے ،نکھارا ہے اور ظاہر کروایا ہے۔میں نے کائنات کے سرّ ،بھید ،اسرار و رموز میں سے جو کچھ بھی دیکھا ہے وہ مجھے آپ نے دکھلایا ہے۔میں نے آپ کے انتہائی خوبصورت کردار کو ،گفتار کو ،اللہ سے دوستی کو ،اللہ کے لئے خلق خدا سے محبت کو ،بڑے خوبصورت انداز میں قریب سے ،بہت بغور دیکھا ہے اس لئے میں نے اخلاقاً ،احتراماً ،ادباً یہ لکھ دیا ہے ۔اور اس کے لکھ دینے میں میرا مقصد وہی ہے جو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مندرجہ ذیل میں خواہش فرمائی ہے:

دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دِکھلا دے

میں نے کس نیک مقصد کے تحت آپ کے متعلق لکھ دیا ہے اس کی مزید وضاحت کے لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ میں یہاں حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی اُمت مسلمہ اور انسانیت کے درد میں لکھی گئی اس دُعائیہ نظم کے چند اشعار اور لکھ دوں تا کہ یہ سب کے لئے آسانی سے قابلِ فہم ہو جائے۔

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ o نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ o وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ o

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کتاب کی تکمیل بہ خیر وخوبی ہوگئی ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

قارئین کرام! اِس کتاب کی تصنیف وتالیف میں، میں (اس کتاب کے مصنف) نے مندرجہ ذیل کتابوں سے بہت حد تک درجہ بدرجہ یعنی کہ اول الذکر سے سب سے زیادہ اور آخر الذکر سے مقابلتاً سب سے کم مدد ورہنمائی حاصل کی ہے، فائدہ اُٹھایا ہے۔ پہلی پانچ کتابوں سے اندازاً 75 فی صد مدد ورہنمائی حاصل کی ہے اور باقی تمام سے درجہ بدرجہ اندازاً 25 فی صد مدد ورہنمائی حاصل کی ہے۔ اس میں، میں نے اپنی تصانیف ''نورقرآن کی روشنی میں'' پیارے رسول ﷺ کا پیار، ''حق، حقیقت اور حقائق'' اور نورِام النور، نورِ رحمۃ اللعالمین سے بھی چند ایک بہت ہی مفید اور کارآمد صفحات شامل کئے ہیں۔

کشف المحجوب	حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
تذکرۃ الاولیاء	حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
تذکرہ مجددین اسلام	علامہ غلام مصطفیٰ مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
صوفیائے کرام	طاہر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
جہانِ اولیاء	علامہ غلام مصطفیٰ مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اڑھائی قلندر	حکیم لیاقت علی سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
تذکرہ اولیائے لاہور	علامہ عالم فقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
سیرت غوثِ اعظم	علامہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
داتا گنج بخش	علامہ عالم فقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
محبوب العارفین حق سرّہٗ	محمد رؤف نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
عارفانہ کلام	حضرت ھمی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
بلّھے شاہ	علامہ منظور احمد نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ہجری اور کرسچین کلینڈر	ضیاءالدین نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
خواجہ معین الدین چشتی اجمیری	احمد مصطفیٰ صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
تخی سلطان باھو	ملک محمد اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
تخی لعل شہباز قلندر	محمد حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
حضرت رابعہ بصری	ظہور الحسن شارب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
علی احمد صابر کلیری	علامہ عالم فقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
افکارِ اولیاء	پروفیسر محمد رفیق لون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ارشادالحقیقت	اعجاز احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ